جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مبلغ اسلام
حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور۔ کراچی، پاکستان

جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

مبلغ اسلام
حضرت علامہ سید سعادت علی قادری

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ○ کراچی
پاکستان

نام کتاب	جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مصنف	مبلغ اسلام علامہ سید سعادت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	مئی 2012ء، باردوم
تعداد	500
کمپیوٹر کوڈ	ST15
قیمت	-/825 روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون:37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:37247350 فیکس:37225085

14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:021-32212011-32630411۔ فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Visit our website:- www.zia-ul-quran.com

فہرست مضامین

عرض ناشر

تمام تعریفیں اس اللہ وحدہ لاشریک کے لئے جس نے آسمان نبوت پر مہر درخشاں اور ماہ تاباں کو ظاہر فرمایا اور جس نے غنچۂ رسالت سے گل خنداں کو نمودار فرمایا اور جس نے اس نبی کریم ﷺ کو تمام انبیاء کرام علیہم السلام سے کامل ترین بنایا۔ آپ ﷺ کو تمام انبیاء اور رسل سے زیادہ معجزات عطا فرمائے اور آپ کو عظیم دلائل و براہین سے نوازا۔ خَلق اور خُلق میں آپ ﷺ کو حسن کامل عطا فرمایا۔ ذات، صفات اور اسماء کے لحاظ سے بھی آپ کو فوقیت بخشی۔ آپ کے درجات کو دنیا و آخرت میں رفعت نصیب فرمائی اور آپ ﷺ دونوں عالم کی جان ہیں۔ رسول برحق ہیں، رسول مرتضیٰ ہیں، حبیب کبریاء ہیں وہ تو زمین و آسمان کے مختار ہیں۔

عزت مآب جناب سید سعادت علی قادری مدظلہ عصر حاضر کے متبحر عالم دین ہیں۔ دینی و علمی دنیا میں وہ اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں آپ نے بڑی عرق ریزی سے عشق و مستی میں سرشار ہو کر سیرت طیبہ پر ایک نئے عنوان کا اضافہ فرماتے ہوئے "جان عالم ﷺ" تحریر فرمائی۔ جس کا لفظ لفظ نور، حرف حرف سرور ہے۔

اے میرے رب کریم! آپ ﷺ کی ذات پر ایسا درود بھیج جو افضل اور اتم ہو، جو ان گنت ہو۔

اے میرے رب کریم! آپ کی ذات اقدس پر ایسا درود بھیج جو اس درود پاک کا ہم وزن ہو جو تو نے آپ ﷺ پر بھیجا ہے۔ الٰہی!

ادارہ ضیاء القرآن کو دن دگنی ترقی سے نواز۔

اس ادارہ کے اراکین کے نیک عزائم کو پختہ کر دے۔

یاالٰہی! اپنے فیضان سے بوسیلہ جان عالم ﷺ ہر ایک کو فیض یاب کر دے۔ آمین۔

طالب دعا

محمد حفیظ البرکات شاہ

ہم بھکاری وہ کریم ان کا خدا ان سے فزوں　　　اور نہ کہنا نہیں عادت رسول اللہ کی

ہدیہ

اس پناہ بیکساں، جان عالم ﷺ کی بارگاہ میں جنہوں نے مجھ نادان و ناتواں کو علم و قلم عطا فرمایا اور وہ کچھ سکھایا، دیا جو میں نہ جانتا تھا، میرے قلم کی جنبش انہی کے کرم کا نتیجہ ہے، یہ انہی کا کرم ہے کہ اس فقیر ناتواں کو "یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" لکھنے کی استعداد و استطاعت میسر آئی اور اب میں "جان عالم ﷺ" پیش کرنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔

"جان عالم ﷺ" کی تالیف کے دوران اگرچہ میں خاندانی و معاشی الجھنوں میں مبتلا رہا لیکن جوں جوں قلم چلتا رہا میری الجھنوں اور پریشانیوں میں کمی ہوتی رہی، اب اگرچہ معاملات اپنی جگہ ہیں لیکن میں مطمئن ہوں، میرا قلب مضطرب پرسکون ہے اور دل کی گہرائیوں سے میں اپنے رب کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اپنے محبوب، میرے آقا ﷺ کے دربار میں "ہدیہ" پیش کرنے کا شرف بخشا، جو اَدنیٰ ہی سہی لیکن میرے لئے کسی انعام عظیم سے کم نہیں۔

متمنی ہوں کہ رب العالمین اپنے محبوب رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ بیکس میں اس "ہدیہ" کو مقبول بنائے، کہ اگر ان کے دربار عالی میں میری یہ پیش کش قبول ہوگئی تو یہ میرے لئے زاد آخرت ہی نہیں بلکہ وسیلۂ شفاعت بھی ہوگی۔

شہا بیکس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن
توئی خود ساز و سامانم اغثنی یارسول اللہ

بوسیلہ جان عالم ﷺ یہ قارئین کے لئے بھی "ہدیہ" ہے اس امید کے ساتھ کہ جس طرح انہوں نے "یَاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کی پذیرائی کی اسی طرح میری یہ کاوش بھی ان کی نظروں میں مقبول ہوگی۔

اس اعتراف میں کوئی عار نہیں کہ قارئین بالخصوص علماء و کرام کو مطالعۂ کتاب کے دوران میری کم علمی کا احساس ہوگا جس کے لئے معذرت خواہ ہوں اور عرض گزار ہوں کہ غلطیوں پر صرف تنقید نہ کی جائے کہ تنقید کے تیر سہنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں، مناسب ہوگا کہ مجھے آگاہ کر دیا جائے تاکہ میں اپنی اصلاح کرسکوں اور کتاب کی تصحیح بھی کی جاسکے۔

آرزو ہے کہ بعنوان "یَا اَیُّھَا النَّبِیُّ صلی اللہ علیک وسلم" کتاب قلمبند کرسکوں لہذا، گزارش ہے کہ میری صحت وعافیت اور طمانیت کے لئے دعا فرمائیں یہ کام اگرچہ دشوار ہوگا، لیکن مخلصانہ دعائیں ہر دشواری کو آسان کردیتی ہیں۔

شکرگزار ہوں صاحبزادہ محمد حفیظ البرکات شاہ، منیجر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور کا جن کی خصوصی توجہ کے باعث میری تصانیف منظر عام پر آرہی ہیں۔ جاذبِ نظر اور معیاری طباعت ادارے کی خصوصیت ہے لہذا کتاب قابل قبول ہوتی ہے۔

ملتمس دعا

فقیر سید سعادت علی قادری

۳۱ر مارچ ۲۰۰۵ء

انتساب

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ
یَا اَکْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ
سِوَاکَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمَمٖ
مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا
عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمٖ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تقدیم

از قلم: پروفیسر ڈاکٹر فاروق حسن

عصر حاضر کے یگانۂ روزگار، تبحر عالم، مصنف، محقق، مبلغ اسلام حضرت علامہ سید سعادت علی قادری حفظہ اللہ بن حضرت علامہ مفتی مسعود علی قادری رحمہ اللہ (متوفی ۱۹۷۳ء) کی سیرت النبی پر علمی، فکری و تحقیقی کاوش ''جان عالم ﷺ'' کے مسودہ کا مطالعہ اور اس پر مقدمہ لکھنا میرے لئے سعادت، خوش بختی اور ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔

خالق کائنات نے نفوس انسانی کے اخلاق و اعمال کی اصلاح و تربیت کے لئے نفوس قدسیہ کو مبعوث فرمایا۔ حضرت آدم علیہ السلام تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لانے والی یہ مقدس ہستیاں فضائل اخلاق کی خاص صنف کے نمونے تھے۔ مگر سید الاولین والآخرین ﷺ کی سیرت طیبہ مطہرہ ہمہ جہت اور ہمہ گیر ہے اس میں قائدین و متبعین، حکام و محکومین، رہبران و مرشدین اور مجاہدین کے لئے رشد و ہدایت ہے۔ اسی میں سیاست و حکومت، دولت و اقتصاد، معاشرتی معاملات، انسانی تعلقات اخلاق فاضلہ اور بین الاقوامی تعلقات و معاملات کے تمام میدانوں میں کامل اسوہ و نمونہ ہے۔ یہ بات وثوق سے کہی جارہی ہے کہ اس درجہ یا اس سے ملتی جلتی جامعیت کاملیت اور ہمہ گیریت دوسرے رسولوں کی سیرتوں، متقدمین و متاخرین فلاسفہ اور اصحاب نظر و فکر کی زندگیوں میں نہیں ملتی۔

لفظ ''سیرت'' کا استعمال اور اس کی وسعت

قرون اولیٰ میں سیرت نگاری کا آغاز، غزوات یا مغازی رسول ﷺ سے ہوا۔ اس لئے آپ کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے۔ چنانچہ سیرت نبوی کے مشہور مصنف ابن اسحاق (متوفی ۱۵۲ھ) کی کتاب جو کہ خاص طور پر غزوات کے بارے میں ہے، کو ''المغازی'' اور سیرت دونوں کہتے ہیں اگرچہ یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی لیکن کتاب کے مضامین محفوظ رہ گئے جنہیں ابن ہشام (متوفی ۲۱۳ھ یا ۲۱۸ھ اختلاف روایات) نے اپنی سیرت کی کتاب میں اپنے شیخ بکائی کے واسطے سے نقل کیا ہے جو ابن اسحاق کے مشہور تلامذہ میں تھے۔ اسی طرح کتب فقہ میں جب کتاب الجہاد و السیر کا باب باندھا جاتا ہے تو اس میں غزوات اور جہاد دونوں کے احکام بیان کیے جاتے ہیں۔ بعد میں لفظ سیرت کا استعمال وسیع مفہوم میں کیا جانے لگا اور اس میں غزوات کے علاوہ اور چیزوں کو بھی

شامل کرلیا گیا اور سیرت بذات خود ایک علیحدہ فن کی حیثیت اختیار کرگئی۔

تدوین سیرت کی تاریخ

اخبار و سیر اور احکام و سنن کا تحریری سرمایہ خود عہد رسالت مآب سے جمع ہونا شروع ہو گیا تھا اس لئے بعض صحابہ آپ کی اجازت سے ارشادات لکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری باب العلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ:

''صحابہ میں مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثیں یاد نہیں البتہ عبداللہ بن عمرو مستثنیٰ ہیں کیونکہ وہ آنحضرت کی حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا''۔

ایک اور موقع پر آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

''تم لکھ لیا کرو اس (زبان) سے جو کچھ نکلتا ہے حق نکلتا ہے''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز (متوفی ۱۰۱ھ) نے اپنے دور خلافت (۹۹ھ۔۱۰۱ھ) میں اس فن کی خصوصی ترویج و اشاعت کے لئے غزوات نبوی کا خاص حلقۂ درس قائم کیا۔ چنانچہ اس فن کے ماہر عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (متوفی ۱۲۱ھ) کو ذمہ داری سونپی گئی کہ جامع مسجد دمشق میں لوگوں کو مغازی و مناقب کا درس دیں۔ اور اس فن کی اشاعت کریں۔ اسی زمانہ میں امام زہری (متوفی ۱۲۴ھ) نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی۔ دوران تالیف وہ مدینہ منورہ میں ایک ایک انصاری کے گھر گئے اور آپ کے اقوال و حالات کو جمع کیا۔ حضرت عروہ بن زبیر (متوفی ۹۴ھ) کے بارے میں صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان میں لکھا ہے کہ بعض حضرات کی رائے ہے کہ فن مغازی کی سب سے پہلی کتاب انہوں نے تدوین کی تھی۔

سیرت کے مآخذ

سیدالمرسلین ﷺ کے حالات و واقعات کا جو سرمایہ ملتا ہے اس کے مآخذ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ قرآن کریم، سیرت مبارکہ کا سب سے اہم اور مستند ماخذ خود قرآن کریم ہے۔

۲۔ احادیث مبارکہ کے ذخائر، صحاح ستہ اور مسند احمد بن حنبل و دیگر کتب حدیث آپ کی تعلیمات و حالات کا مجموعہ ہیں۔

۳۔ کتب مغازی، وہ کتب جو خصوصاً غزوات اور لڑائیوں کے حالات پر لکھی گئیں لیکن ان کے ضمن میں اور واقعات کو بھی شامل کیا گیا، جیسے مغازی عروہ بن زبیر (متوفی ۹۴ھ) مغازی ابن اسحاق (متوفی ۱۵۲ھ) وغیرہ۔

۴۔ کتب تاریخ، وہ کتابیں جن میں حضور اکرم ﷺ کے حالات وواقعات وسوانح کو بیان کیا گیا جیسے طبقات ابن سعد وغیرہ۔

۵۔ کتب دلائل، ان میں معجزات نبوی کو ذکر کیا گیا ہے جیسے دلائل امام بیہقی (۴۳۰ھ) خصائص کبریٰ الامام سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ)

۶۔ کتب شمائل، یہ حضور اکرم ﷺ کے صرف اخلاق و عادات اور فضائل و معمولات زندگی پر لکھی جانے والی کتابیں ہیں جیسے کتاب الشمائل للامام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) وغیرہ۔

۷۔ دور رسالت کے عربی اشعار، مشرکین مکہ نے اپنے شعراء کی زبانوں سے آپ پر بدترین حملے کیے جس پر مسلمان شعراء نے ان کی تردید کی جیسے حضرت حسان بن ثابت (متوفی ۵۴ھ) حضرت عبداللہ بن رواحہ (متوفی ۸ھ) وغیرہ، یہ سب اشعار کتب ادب میں موجود ہیں اور بعد میں لکھی جانے والی کتب سیرت میں ان اشعار کا بڑا حصہ منقول ہے جس سے اس ماحول ومعاشرت کے متعلق حقائق کی عکاسی ہوتی ہے جس میں آپ زندگی بسر کرتے تھے۔

سیرت نبوی کے مطالعہ کی ضرورت، فائدہ اور خصوصیات

سرور کونین کی حیات مقدسہ کا ہر پہلو اتنا ذیشان، مفید اور اس قدر بلند پایہ ہے کہ فکر انسانی کی مکمل رسائی ممکن نہیں چند فوائد وخصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ سیرت طیبہ مطہرہ انسان کی نفسیاتی، جسمانی، روحانی، جذباتی، اخلاقی، علمی وعملی ضرورتوں کو کما حقہ پورا کرتی ہے کیونکہ انسان کو ایک کامل نمونہ کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے اخلاقی وروحانی تکمیل اور تزکیہ سیرت کے بغیر ممکن نہیں۔

۲۔ سیرت کے مطالعہ سے روح کو توانائی اور عقل کو جلا ملتی ہے۔

۳۔ تاریخی واقعات سے واقفیت ہوتی ہے۔

۴۔ زندگی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، دلوں کو اطمینان وسکون ملتا ہے، آپس کے تعلقات خوشگوار ہوتے چلے جاتے ہیں اور معیار زندگی بلند ہوتا ہے۔

۵۔ مطالعہ سیرت صرف ایک فکری متاع ہی نہیں بلکہ یہ اللہ کی طرف واپسی کی راہ ہے اور اسی سے لوگوں کی خیر، اصلاح وفلاح ہے۔

۶۔ داعیان اور سماجی مصلحین کی اصلاح، دعوت وتبلیغ کے موثر ترین اسالیب وطرق سے آگاہی ہوتی ہے۔

۷۔ اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ یہ نبی مرسل یا ایک عظیم ترین مصلح کی تاریخ کی صحیح ترین سیرت ہے

جوتواتر کے ساتھ مدلل، صحیح ترین علمی و عملی طریقوں سے ہم تک پہنچتی ہے۔

۸۔ یہ ایک کامل انسان کی سیرت ہے جو اپنی دعوت کو لے کر مرحلہ وار آگے بڑھے معجزات وخوارق کے بل بوتے پر نہیں بلکہ طبعی اور حتمی طریقے سے سارے مراحل طے کیے جیسے دعوت دی تو ستائے گئے۔ جنگ پر مجبور کیے گئے۔

۹۔ آپ کی زندگی اپنے تمام مراحل میں پوری واضح ہے زندگی کے تمام گوشوں اور دائروں پر محیط ہے اس میں عالمگیریت، دائمیت، تاریخیت، کاملیت، جامعیت اور عملیت ہے۔

۱۰۔ دور حاضر کی مشکلات کا حل سیرت طیبہ کے مطالعہ، استفادہ اور پیروی میں پوشیدہ ہے۔

۱۱۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کے لئے فائدہ مند ہے مسلمانوں کے لئے تو اس میں فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً کے اصول کے مطابق دین و دنیا کی بھلائی ہے اور جب کبھی کسی غیر مسلم نے کھلے ذہن کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کیا اس کی کایا پلٹ گئی مثلاً مارٹن لنگس نے سیرت طیبہ پر ایک عمدہ کتاب "محمد ﷺ" تصنیف کی، سیرت طیبہ کی برکت سے وہ مسلمان ہوئے ان کا نام ابوبکر سراج الدین رکھا گیا اس کتاب کو متعدد ایوارڈ حاصل ہوئے دنیا کی مختلف بڑی زبانوں میں اس کے تراجم شائع ہو چکے ہیں۔

مختلف زبانوں میں سیرت طیبہ پر کام

باعث تخلیق کائنات سرور کونین ﷺ کی سیرت اہل قلم اور ارباب فکر ونظر کا ہمیشہ سے محبوب موضوع بحث رہی ہے۔ دنیا کی قریباً تمام بڑی زبانوں میں اور تمام براعظموں میں اس موضوع پر تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری ہے اس میں مطول، مختصر، متوسط کتب اور منظوم ومنثور کلام سب شامل ہیں اور قیامت تک جاری رہے گا دوسری زبانوں کے علاوہ اردو میں اس موضوع پر اتنا کچھ لکھا جا چکا ہے کہ اس کا احاطہ کرنا انتہائی مشکل ہے۔ محتاط اندازے کے مطابق اردو زبان میں تقریباً ۳۰۰ برس سے کام ہو رہا ہے ۱۸۵۷ء تک کسی نہ کسی انداز کا کام موجود ہو گا لیکن گزشتہ صدی میں اس حوالے سے قابل ذکر کام ہوا اور کام کی رفتار میں تیزی آئی ہے۔

سیرت طیبہ پر مستشرقین کی کتب

مستشرقین نے سولہویں اور سترھویں صدی عیسوی کے بعد اس موضوع پر قلم اٹھایا، انہوں نے انگریزی، جرمنی اور فرانسیسی زبانوں میں زیادہ تر کام کیا۔ موضوع کے ساتھ انصاف کیا یا نہیں یہ ایک الگ تفصیل طلب عنوان ہے۔ صرف نمونہ کے طور کارلائل، ولیم موراور منٹگمری واٹ کو پیش کیا جاسکتا

ہے۔ ولیم مور نے طعن وتشنیع سے کام لیا جو قابل مذمت اور قبیح حرکت ہے۔ جب کہ منٹگمری واٹ نے حقیقت کو اپنایا اور ستائش کا مستحق قرار پایا۔ مستشرقین نے جو کچھ اس موضوع پر لکھا وہ محض تاریخی اعتبار سے تھا اور ان کی ذہنی رسائی کے اعتبار سے تھا عقیدت واحترام اور جذبہ اس میں کارفرما نہ تھا۔ مسلمان مفکرین اور دانشوروں نے اس سلسلہ میں تاریخی حقائق، جذبۂ ایمانی، جوش عقیدت اور حقیقت نگاری کو اپنا شعار بنایا۔

مصنف کے بارے میں

یہ کتاب محقق مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا سید سعادت علی قادری حفظہ اللہ کی فکری، تحقیق کاوش ہے جو میرے شفیق استاذ محترم حضرت علامہ سید شجاعت علی قادری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۴۱۳ھ) کے بڑے بھائی ہیں۔ وہ اس سے قبل بھی درجنوں عمدہ تحقیقی فکری کتابیں منفرد موضوعات پر تصنیف کر چکے ہیں اور وہ قبولیت عامہ بھی حاصل کر چکی ہیں۔ آپ کی ایک کتاب "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا" تقریباً سترہ سو صفحات پر دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے اور علمی فکری تحقیقی حلقوں میں بڑی مقبول ہے۔
مبلغ اسلام کی زندگی کا بیشتر حصہ براعظم ایشیاء، افریقہ، یورپ اور جنوبی امریکہ وغیرہ میں عالمی تبلیغی مشنری کاموں میں گزرا اس لئے کلام وبیان میں علمی، نظری وفکری وسعت پائی جاتی ہے۔ آپ کے علمی وروحانی گھرانے سے تعلق نے کلام وبیان میں روح وتاثیر ڈال دی ہے۔

کتاب کے بارے میں

۱۔ پیش نظر کتاب کی ندرت اور خوبی یہ ہے کہ قارئین کو حرکت وعمل پر اکساتی ہے اور عشق نبوی سے سرشار کرنے کے ساتھ اطاعت نبوی کی طرف لے جاتی ہے۔
۲۔ کتاب کے بارے میں اس مقدمہ میں ان تمام پہلوؤں کا احاطہ ممکن نہیں جو سیرت نبوی کے سلسلہ میں مصنف کے پیش نظر ہیں البتہ یہ کتاب حرارت ایمانی پیدا کرنے کی تاثیر رکھتی ہے۔
۳۔ یہ کتاب بار خاطر بن جانے والی طوالت اور ادائیگی مقصود سے قاصر کر دینے والے اختصار سے بچتے ہوئے متوسط درجے کی ضخامت میں آسان اور عام فہم انداز میں تالیف کی گئی ہے۔
۴۔ یہ کتاب معزز ترین نبی کی سیرت اور انسانیت کے سب سے بڑے محسن کی تاریخ ہے جو بالعموم امت کے لئے اور خصوصاً داعیان دین واعظین ومصلحین کے ذوق وحوصلہ کو ابھارنے اور نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت کا عاشق بنانے اور تعمیر سیرت وکردار اور اصلاح احوال کے مقصد کو پورا کرتی ہے۔
۵۔ کتاب میں تاریخی واقعات کو زمانہ وقوع کے لحاظ سے ترتیب وار بیان کیا گیا ہے۔

۶۔ انداز ناصحانہ ہے واقعات وحالات سے نکلنے والے نتائج مواعظ ونصائح اور حکمتوں سے عصر حاضر کا انسان بھرپور استفادہ کر کے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں انقلاب لا سکتا ہے۔ مثلاً غزوہ تبوک کی حکمتیں بیان کرتے ہوئے مصنف فرماتے ہیں۔ (معلم حکمت ﷺ کا کوئی عمل حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا، پس اس سفر میں بھی بے شمار حکمتیں، یقیناً تھیں، مثلاً اللہ کے رسول ﷺ، اللہ کے سپاہیوں کو، ہمہ وقت چاق وچوبند رکھتے تھے، اسی لئے، سفر تبوک سے پہلے بھی ایسے متعدد غزوات وسرایا ہوئے جن میں جنگ نہ ہوئی، جب کہ میرے آقا ﷺ کے کمال علم کا مقتضا یہی تھا کہ آپ ان غزوات وسرایا کے نتائج سے غافل و بے خبر نہ ہوں، نیز ایسے تمام سفروں کی یہ بھی حکمت تھی کہ دشمن کو مرعوب رکھا جائے، اس کے لئے اہل ایمان کی قوت وطاقت کا مظاہرہ کیا جاتا رہے، تاکہ وہ بآسانی مقابلہ پر آمادہ نہ ہو سکے، سفر تبوک میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ نو مسلم مجاہدین سفر جہاد کی محنت ومشقت کے عادی نہیں تھے، جبکہ مستقبل میں اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری انہیں ہی پوری کرنی تھی، اور ایسا ہی ہوا، کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری طور پر پردہ فرما جانے کے بعد، خلفاء راشدین کے دور میں جتنے جنگ کے مواقع آئے، ان میں یہی تربیت یافتہ لوگ شریک ہوتے رہے، اور انہیں کبھی کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئی۔ سفر تبوک کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا، کہ اہل روم اور اس کے گردونواح کے لوگوں کو مرعوب کیا جائے، کہ وہ اپنی قوت وطاقت پر نازاں تھے تکبر وغرور سے ان کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں، جب کہ مسلمانوں کے متعلق ان کو یہ غلط فہمی تھی، کہ پیہم جنگوں، بالخصوص بنی ثقیف اور بنی ہوازن سے مقابلہ کے بعد مسلمان ایک کمزور قوم ہیں، پس جب اور جو چاہے انہیں، زیر و مغلوب کر سکتا ہے، جب آقائے کائنات ﷺ تیس ہزار سپاہی لے کر تبوک پہنچے تو صرف رومی ہی نہیں بلکہ اس کے گردونواح کی قومیں بھی اہل ایمان کے جذبات سے مرعوب ہو گئیں، ان کی غلط فہمیاں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئیں، جس کا ثبوت شاہ روم ہرقل کے اس ردعمل میں دیکھا جا سکتا ہے، جو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گرامی نامہ موصول ہونے کے بعد ظاہر کیا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ سفر تبوک اور اس جیسے سفروں سے، حضور اکرم ﷺ کا مقصد، غلاموں کو تعلیم دینا اور ان کی تربیت کرنا بھی تھا، کہ حالت سفر، تعلیم وتربیت کے لئے موزوں ترین ہوتی ہے، ایک تو اس لئے کہ معمول کے ایام سے ایام سفر میں تعلیم وتربیت کے لئے زیادہ وقت ملتا ہے، دوسرے اس لئے کہ حالت سفر میں، استاد وشاگرد، آقا وغلام کو ایک دوسرے کا زیادہ قرب میسر آتا ہے، ایک دوسرے کے عادات واطوار کو دیکھنے کا زیادہ موقع حاصل ہوتا ہے، باہمی مزاج شناسی ہوتی ہے، اور یہ سب چیزیں موثر تعلیم وتربیت کے لئے نہایت ضروری ہوتی ہیں۔ بہرحال سفر تبوک کا سبب نہ تو، العیاذ باللہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا حقیقت حال سے بے

خبر ہونا تھا اور نہ ہی یہ سفر بے نتیجہ تھا)

سفارشات

☆ اہل ایمان اس کتاب سے محافل میلاد اور مجالس سیرت میں استفادہ کریں۔

☆ اہل محبت اپنے ایمان کی تسکین کے لئے اس کتاب کو اپنے مطالعہ میں شامل رکھیں دوسروں کو بھی پڑھوائیں۔

☆ ارباب اقتدار و اختیار اسے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے نصاب میں شامل کریں۔ کتاب کے مختلف حصص اسکول کے مختلف سالوں کے طلبہ کے لئے مختص کریں۔

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کو اپنی بے پایاں رحمتوں کا مستحق بنائے۔ اس سے مسلمانوں کو ایسا نفع پہنچائے کہ ان کی زندگیوں میں مثبت تبدیلیاں آئیں کھویا ہوا مقام اور اقوام عالم کی قیادت کا منصب واپس مل جائے۔

پروفیسر ڈاکٹر فاروق حسن
استاذ
NED یونیورسٹی آف انجینئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی
شعبہ علوم انسانی کراچی پاکستان
۱۰ فروری ۲۰۰۴ء

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ذریعہ سکون وطمانیت

''یَآ اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا'' کی تصنیف سے فارغ ہوا، تو ارادہ کیا کہ انشاءاللہ ایک کتاب بعنوان ''یَآ اَیُّھَا النَّبِیُّ ﷺ'' لکھوں گا چونکہ میرا کتب خانہ ہالینڈ میں ہے، اس اہم کام کی تکمیل کے لئے، ہالینڈ ہی میں قیام ضروری تھا، لیکن شومئی قسمت کہ دو سال کی طویل مدت گزر گئی، اور کراچی سے باہر نہ جا سکا، جس کا باعث اہلیہ کی علالت اور خانگی الجھنیں رہیں، جن میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا، اضطراب بڑھتا رہا، قلم رکا رہا، سخت شرمندہ رہا کہ کوئی کام نہیں کر پا رہا، کہ ایک شب میں اپنے حال زار پر غور کر رہا تھا، آنکھیں پرنم تھیں، سوچ رہا تھا کہ اس صورت حال کو کس طرح تبدیل کیا جائے، کہ ایک خادم دین قلم کار کے لئے اس طرح، معطل و بیکار ہو جانا، بالکل زیب نہیں دیتا، جب کہ اللہ کے یہاں عمر رفتہ کے ایک ایک لمحہ کا حساب پیش کرنا ہوگا، پس اسی دوران کسی نے جھنجوڑا، کہ جس کا سہارا، آقائے رحمت ﷺ ہوں، اسے کسی پریشانی اور الجھن سے گھبرانا نہیں چاہیے، مضطرب اور بے چین نہیں ہونا چاہیے، اپنے رؤف و رحیم آقا ﷺ کے دامن میں پناہ گزین ہو جانا چاہیے، کہ ان کا دامن رحمت ہی ذریعہ سکون و وسیلہ طمانیت ہے، ''اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰہُ یُعۡطِیۡ'' کی شان کے مظہر ہیں، اللہ نے انہی کو اپنے خزانوں کا مالک بنایا ہے، جس پر نظر کرم ہو جائے، مالا مال کر دیتے ہیں۔

اسی سرکار سے دنیا و دین ملتے ہیں سائل کو   یہی دربار عالی کنز آمال و امانی ہے

میں اپنا دکھ درد لئے، نہایت پریشان حال، پراگندہ ذہن، گنگناتا رہا

یَا اَکۡرَمَ الۡخَلۡقِ مَالِیۡ مَنۡ اَلُوۡذُ بِہٖ   سِوَاکَ عِنۡدَ حُلُوۡلِ الۡحَادِثِ الۡعَمَمِ

پس ان کے دربار میں پناہ لی، بایں صورت کہ ان کے تذکرۂ جمیل کے عنوان پر، موجودہ کتابوں کا مطالعہ شروع کر دیا، چند صفحات کے مطالعہ کے بعد ہی ذہن کو قدرے سکون میسر آیا، طبیعت میں ٹھہراؤ پیدا ہوا، اضطرابی کیفیت ختم ہونے لگی، کہ معاً خیال آیا، کہ حاصل مطالعہ کو قلم بند کیوں نہ کر لیا جائے، گویا اب تاریکی کے بادل چھٹے، افتاد طبع بحال ہوئی، گویا

منگتا کا ہاتھ اٹھتے ہی داتا کی دین تھی   دوری قبول و عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے

قلم اٹھایا، کاغذ لیا، اور لکھنے بیٹھ گیا، بڑا سکون میسر آیا، بڑا چین ملا، ساری رات لکھتا ہوں، بعد فجر نہایت اطمینان سے گہری نیند سوتا ہوں، اگر چہ اب تک پریشانیاں تو کم نہیں ہوئیں، لیکن یقین ہے، کہ

انشاءاللہ، بارگاہ آقائے رحمت ﷺ میں حضوری کی برکت سے تمام مسائل حل ہو کر رہیں گے، کہ میرا ایمان ہے۔

عاصیو! تھام لو دامن ان کا وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے
ابر رحمت کے تمنائی رہنا پھلتے ہیں پودے لچکنے والے

کیا لکھا؟ کیسا لکھا؟ یہ فیصلہ تو قارئین ہی کریں گے، ہاں میں نے حتی الوسع کوشش کی ہے، کہ، کتاب جامع ہو، تحریر سلیس ہو، آسان ہو، دلچسپ ہو، کہ ویسے بھی مضمون دلچسپ ہی ہے، مفید تر ہو، کہ "اسوۂ حسنہ" کا مفید ہونا، یقینی اور ہر شبہہ سے بالاتر ہے، ہاں اختصار کا ضرور خیال رکھا ہے، تاکہ کم وقت میں زیادہ استفادہ کیا جاسکے، اس کوشش کے باوجود اگر کوئی کمی رہ گئی ہو، تو اہل علم حضرات سے معذرت خواہ نیز طالب دعا ہوں۔

یا رب بالمصطفی بلغ مقاصدنا واغفرلنا ما مضیٰ یا واسع الکرم
فسهل یا الٰهی کل صعب بحرمته سید الابرار سهل

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه سیدنا و مولانا محمد و علی اله وصحبه اجمعین

فقیر سید سعادت علی قادری
۱۱ صفر المظفر، ۱۴۲۴ھ، ۱۴ اپریل ۲۰۰۳

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آداب مطالعہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ، مومن کے لئے بڑا اعزاز ہے، کہ رب العزت جل مجدہ نے اسے قرآن کریم میں بیان فرمایا، احادیث مبارکہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے، صحابہ کرام کا یہ پسندیدہ شغل رہا، تابعین، تبع تابعین، اولیاء وصلحا اور مشائخ وعلماء کے لئے سیرت طیبہ کا مطالعہ اور اس کی اشاعت و تبلیغ کا اہتمام ہی بڑی مصروفیت تھی، جس پر ان حضرات کو ناز تھا، اور جس سے ان حضرات نے عزت و شہرت پائی، بلند مقام اور بلند مرتبہ حاصل کیا، پس کتب سیرت کا مطالعہ، ناولوں، افسانوں، اخبارات و رسائل اور دیگر عام کتابوں کی طرح کرنا، ہرگز زیب نہیں دیتا، کیونکہ سیرت مبارکہ کا مطالعہ، دیگر نفلی عبادت کی طرح عبادت اور باعث اجر وثواب ہے، پس اس کے لئے خصوصی ادب اور احترام کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً قبل از مطالعہ، دوران مطالعہ اور اختتام پر، بار بار درود شریف کا ورد کیا جائے، نیز یہ یقین ہو کہ ہم، صاحب سیرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور، حاضر ہیں، ان سے گفتگو کا موقع میسر ہے، ان کی نظر کرم ہمارے مقدر کو چمکا رہی ہے، ان کی مقدس تعلیم سے ہم مستفید ہو رہے ہیں، ان کی تربیت سے ہمیں، تہذیب وتمدن کا درس مل رہا ہے، ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے سامنے جلوہ افروز ہیں، ہم انہیں نہیں دیکھ پا رہے، لیکن وہ بالیقین ہمیں دیکھ رہے ہیں، امت مسلمہ میں، اتحاد واتفاق پیدا کرنے کا وہ ہمیں پیغام دے رہے ہیں، امن وامان اور سکون واطمینان کی زندگی بسر کرنے کی پر از حکمت نصیحت فرما رہے ہیں۔

غرضیکہ جس کی سیرت پاک کا آپ مطالعہ کر رہے، یقین کیجئے کہ اس کی بارگاہ میں آپ کو حاضری نصیب ہے، جو بڑا ہی اعزاز ہے، کہ اس سے بڑا، اور کون سا اعزاز ہو سکتا ہے، اس پر جتنا ناز کیا جائے کم ہے، جتنا رب کریم کا شکر ادا کیا جائے کم ہے، بالکل اسی طرح یقین کیجئے، جس طرح حضرات صحابہ، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہو کر فیض یاب ہوا کرتے تھے، ہرگز، ہرگز، اس شیطانی وسوسہ میں مبتلا نہ ہو جایئے، کہ اس وقت تو، آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حیات تھے اور اب اس کے برعکس صورت ہے، کہ آپ کی حیات وممات میں کوئی فرق نہیں، جس طرح صحابہ استفادہ کرتے تھے، یقیناً آج ہم بھی بالکل اسی طرح مستفید ہوتے ہیں، کہ آقا ہم پر نظر کرم فرماتے ہیں، ہمارا حال ملاحظہ فرماتے ہیں ہمیں فیض عطا فرماتے ہیں، وہ رحمۃ للعالمین ہیں، اگر رحمت ہی بے جان ہو جائے، تو جان جہاں کہاں؟

حضرت ابوابراہیم تجیبی علیہ الرحمہ کا ارشاد ہے، ہر مومن پر واجب ہے کہ جب وہ جان عالم ﷺ کا ذکر کرے یا سنے، تو پرسکون ہو کر، نیاز مندی، انکساری اور عاجزی کا مظاہرہ کرے، دل میں آپ کی عظمت اور ہیبت و جلال کی ایسی تاثیر پیدا کرے، جیسی آقا ﷺ کے غلاموں کے چہروں پر نمایاں ہوتی تھی، کہ آپ کے حضور ان کے چہرے فق، پیلے نظر آنے لگتے تھے، ایسے باادب بیٹھے ہوتے تھے، گویا سروں پر پرندے ہوں۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے، شفاء شریف میں لکھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری کے بعد بھی، آپ کی تعظیم و توقیر، ایسی ہی واجب ہے جیسی حیات ظاہر میں، خلیفہ بغداد جعفر منصور عباسی مسجد نبوی شریف میں بآواز بلند گفتگو کرتا داخل ہوا، حضرت امام مالک علیہ الرحمہ نے سنا تو منع فرمایا، اور کہا یہ آداب بارگاہ نبوی کے خلاف ہے، کہ اتنی بلند آواز سے باتیں کی جائیں، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ واضح ہے: لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ دربار نبوت میں اپنی آواز بلند نہ کرو، یہ حکم صرف آپ کی حیات مبارکہ ہی کے لئے نہیں، بلکہ بعد ممات بھی اس پر عمل واجب ہے، کہ اللہ کے نبی ﷺ کی حیات و ممات میں کوئی فرق نہیں، انہیں حیات ابدی حاصل ہے۔ "وَاِنَّ حُرْمَتَهٗ مَيِّتًا كَحُرْمَتِهٖ حَيًّا" کہ آپ کی وفات اقدس کے بعد بھی آپ کی تعظیم اسی طرح واجب ہے، جس طرح حیات ظاہری میں۔

پس سیرت طیبہ کا مطالعہ نہایت ہی ادب و احترام کے ساتھ اور پوری توجہ اور تفکر و تدبر کے ساتھ کیا جائے، تو فیض بھی خوب خوب ملتا ہے، بہتر ہے کہ رات کو سونے سے پہلے یہ عمل کیا جائے، تو ممکن ہے کہ مقدر جاگ جائے، اور جان عالم ﷺ کی زیارت کا شرف میسر آ جائے۔ "مَنْ رَاٰنِيْ فَقَدْ رَاَى الْحَقَّ" جس نے مجھے بحالت خواب دیکھا، اس نے مجھے ہی دیکھا۔ "فَاِنَّ الشَّيْطٰنَ لَا يَتَمَثَّلُ بِيْ" کیونکہ شیطان میری مشابہت و مماثلت اختیار نہیں کر سکتا، یہ مژدہ ہے زیارت سے مشرف ہونے والے خوش نصیبوں کے لئے۔

فصلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ خیر خلقہ محمد و علیٰ الہ و صحبہ اجمعین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سیرت طیبہ کیا ہے؟

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْیَوْمَ

الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِیْرًا ﴿۲۱﴾ (الاحزاب)

''بے شک اللہ کے رسول کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے، یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہو، اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہو''۔

سیرت طیبہ کیا ہے؟ اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے، کہ ایک کامل و مکمل ترین، قابل مطالعہ و قابل عمل، حیات طیبہ کے حالات مقدسہ، جسے رب کریم نے اسوۂ حسنہ فرمایا، جس کے مطالعہ میں کشش ہے، تسکین وطمانیت ہے، ہدایت ہے، تہذیب وتمدن کا درس ہے، اخلاق واقدار کا درس ہے، جو کمال ایمان کا ذریعہ ہے، جس سے اللہ اور اس کے رسول سے بندے کا تعلق، مستحکم اور مضبوط ہوتا ہے، جو قرب الٰہی کا وسیلہ ہے، جس پر عمل، انسانیت کی ترقی اور عروج کا ذریعہ ہے، عزت وعظمت کی ضمانت ہے، جس سے محبوب عالم ﷺ کے حسن وجمال اور حسن عادات واطوار کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، اور عشق ومحبت کے جذبات بیدار ہوتے ہیں، نیز قاری، اطاعت وفرمانبرداری اور اتباع وپیروی کی طرف مائل ہوتا ہے، جس سے زندگی میں سدھار اور نکھار پیدا ہوتا ہے، جو تاریکی میں مشعل ہے، جو روشنی میں چمک ہے، جس میں گمراہوں کے لئے پیغام ہدایت ہے، باغیوں اور سرکشوں کے لئے درس عبرت ہے۔

یہ سیرت مبارکہ ہے اس نبی معظم ومکرم کی جس کی اطاعت، اللہ ہی کی اطاعت ہے، کہ اللہ ہی کا ارشاد ہے، مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی''، یہ حیات طیبہ ہے، اس آقائے رحمت ﷺ کی جسے تمام جہانوں کے رب نے، تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے، جو امیین میں مبعوث ہوا، کتاب وحکمت کی تعلیم دینے کے لئے، پس اس نے حق تعلیم ادا کیا، کہ اس کی شان ہے، وَمَا هُوَ عَلَى الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ وہ غیب بتانے میں بخیل نہیں ہے، اس نے عرب کے ان پڑھوں کو نہ صرف عالم بلکہ معلم بنا دیا، اس کی تعلیم سے چرواہے نہ صرف مہذب بلکہ معلم تہذیب بن گئے، کہ انہوں نے وہ کچھ جان لیا، جو وہ نہ جانتے تھے، وَ یُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور وہ تمہیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے، پس اس معلم کامل کی حیات

مبارکہ کا ہر لمحہ ہمارے لئے وسیلہ تعلیم و حکمت ہے۔

سیرت طیبہ، کیا ہے، معلم کامل ﷺ کے شب و روز کا بیان ہے، اعمال و کردار کا بیان ہے، ان کی پسند و ناپسند کا بیان ہے، ان کی ایک ایک ادا کا بیان ہے، وہ ادائیں، جن کو ادا کرنا ہی عبادت الٰہیہ ہے، وہ ادائیں، جن کی نقل، محبوبیت باری تعالیٰ کا وسیلہ ہے، سیرت طیبہ، آقا ﷺ کی گھریلو زندگی کا بیان ہے، ازواج مطہرات، اہل بیت اطہار سے تعلق کا بیان ہے، صحابہ کے جلو میں رونق افروز ہونے کا بیان ہے، ان سے گفتگو، ان کی تعلیم و تربیت کا بیان ہے، شجاعت و بسالت کے کارناموں کا بیان ہے، جرأت و ہمت سے، دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے رہنے کا بیان ہے، میدان کارزار میں، صبر و استقامت کے مظاہر، اور اس کی تعلیم کا بیان ہے، حالت جہاد میں رب کے حضور گڑ گڑا کر، فتح و نصرت کی بھیک مانگنے کا بیان ہے، اللہ کے سپاہیوں کی ہمت افزائی اور ان کو کامیابی و کامرانی کے مژدے سنانے کا بیان ہے۔

سیرت طیبہ کیا ہے، اسوۂ حسنہ، بہترین نمونہ ہے، جو خود ہی اپنا نمونہ ہے، نہ کوئی اس جیسا ہوا، نہ ہی ہوسکتا ہے، وہ اسوۂ حسنہ ہے اہل ایمان کے لئے، میرے آقا ﷺ، کی ہر ادا، ان کا ہر عمل، اسوۂ حسنہ ہے، اتباع و پیروی کے لائق ہے، اپنانے کے لائق ہے، پس جنہوں نے اس اسوۂ حسنہ کو اپنا لیا، کامیابی و کامرانی ان کی قدمبوس ہوگئی، انہیں عزت و عظمت مل گئی، بلندی اور رفعت ان کے سر کا تاج بن گئی، وہ باوقار و بارعب ہوگئے۔

سیرت مبارکہ، اس کی جس کی ہر ادا کا، جس کی تعلیمات کاملہ کا محافظ، خود رب حقیقی ہے اور یہ اسی کی خصوصیت ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام میں سے کسی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ۳۳ سالہ زندگی میں صرف ۳ سال کی زندگی کے حالات معلوم ہوسکے، حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات کا مخزن صرف تورات ہے، جو ان کے تین سو برس بعد وجود پذیر ہوئی، فارس کے مصلحان دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ متعارف ہوئے، ہندوستان کے پیغمبروں پر افسانوں کا حجاب پڑا نظر آتا ہے، یہ اس حقیقت کا ثبوت بھی ہے، کہ یہ حضرات وقتی رہبر و راہنما تھے، لہٰذا ان کی زندگی کے حالات کی حفاظت بھی ضروری نہ تھی، ہاں اس کی حیات مبارکہ کا تحفظ ضروری تھا جو امت مسلمہ کے لئے تا ابد، اسوۂ حسنہ ہے، جو بنی نوع انسان کا رسول ہے، قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا جس کا اعلان ہے، وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ جس کے لئے رب کا فرمان ہے، پس اس کی سیرت طیبہ محفوظ ہے اور تا ابد محفوظ رہے گی، کہ یہ سیرت مبارکہ ہر دور کی ضرورت ہے، انسانی اقدار کی بقاء کے لئے، امن و امان کے حصول کے لئے، سکون و اطمینان سے بے خوف و خطر زندگی گزارنے کے لئے اس کا مطالعہ، اس کو اپنانا ناگزیر ہے، کہ صرف اسی سیرت طیبہ کو اپنانا، تمام پیچیدہ

مسائل کا حل ہے، اسی میں انسانیت کا کمال ہے۔

اللہ رحمت نازل فرمائے، ان سیرت نگار مؤرخین پر، جنہوں نے نہایت محنت و مشقت سے، ہمارے لئے، آقاء رحمت ﷺ کے اعمال و کردار نیز تعلیمات کا بیش بہا ذخیرہ جمع کر دیا، یہ انہی کا فیض ہے، کہ ہم اپنے آقائے دو عالم ﷺ کی اداؤں سے واقف ہو سکے، اور آپ کی تعلیمات کا ہم پر فیض جاری ہے اور رہے۔

بطور تبرک چند سیرت نگار مؤرخین کے اسمائے مبارکہ درج کیے جاتے ہیں، کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ، ان سے محبت و عقیدت کے باعث، ہم پر بھی ان کے فیوض و برکات جاری فرما دے، اور ہماری اس کتاب کو قبول فرمالے، اور قبولیت عام عطا فرما دے۔

حضرت عروہ بن زبیر تابعی، حضرت عبد اللہ محمد یزید بن ماجہ، حضرت ابو نعیم احمد بن عبد اللہ (صاحب الحلیہ) شیخ الاسلام ابو عمر حافظ بن عبد البر، علامہ قاضی عیاض (صاحب الشفا) متوفی ۵۴۴ھ، علامہ ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۴ھ، الشیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی (صاحب مدارج النبوۃ) متوفی ۱۰۵۴ھ، حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری (صاحب ضیاء النبی)، حضرت علامہ عبد المصطفیٰ الاعظمی (صاحب سیرت مصطفیٰ ﷺ) رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، ان حضرات کے علاوہ بے شمار حضرات ہیں، جنہوں نے آقاء کائنات ﷺ کے حالات زندگی کو قلمبند کیا، اور اپنے لئے ذخیرۂ آخرت بنایا اللہ تعالیٰ، اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے، ہماری اس ادنیٰ کتاب کو بھی قبول فرمائے، اور قبولیت عام سے نوازے، نیز ہمارے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، کہ ذکر رسول اللہ ﷺ بڑا ذخیرۂ آخرت ہے، اور قارئین کو استفادہ کی توفیق نصیب فرمائے، آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے وجودِ مسعود کے تین دور ہیں انہی ادوار کے ذیل میں ہم اپنے
آقا علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی پیش کر رہے ہیں

خلقت، ولادت، بعثت

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ سے، ہماری اس کاوش کو قبول فرمائے اور غلاموں کو آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچی محبت سے مالا مال فرمائے۔

امین بجاہ طٰہٰ و یٰس صلی اللہ علیہ وسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَ اِذۡ اَخَذَ اللّٰہُ مِیۡثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیۡتُکُمۡ مِّنۡ کِتٰبٍ وَّ حِکۡمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمۡ لَتُؤۡمِنُنَّ بِہٖ وَ لَتَنۡصُرُنَّہٗ ؕ قَالَ ءَاَقۡرَرۡتُمۡ وَ اَخَذۡتُمۡ عَلٰی ذٰلِکُمۡ اِصۡرِیۡ ؕ قَالُوۡۤا اَقۡرَرۡنَا ؕ قَالَ فَاشۡہَدُوۡا وَ اَنَا مَعَکُمۡ مِّنَ الشّٰہِدِیۡنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنۡ تَوَلّٰی بَعۡدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۸۲﴾

"اور یاد کرو، جب لیا اللہ تعالیٰ نے پختہ وعدہ، کہ جب میں دوں تمہیں کتاب اور حکمت سے، پھر تشریف لائیں تمہارے پاس وہ رسول جو تصدیق کرنے والے ہوں، ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں، تو تم ضرور ضرور ایمان لانا، اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا، اس کی، فرمایا، کیا تم نے اقرار کرلیا، اور اٹھالیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ، سب نے عرض کی، ہم نے اقرار کیا (اللہ نے) فرمایا تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پھر جو کوئی پھرے اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں"۔ (آل عمران)

اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ

خلقت

صبح طیبہ میں ہوئی بٹتا ہے باڑا نور کا　　　صدقہ لینے نور کا آیا ہے تارا نور کا

خلقت

یعنی اس مادی وظاہری عالم میں تشریف آوری سے قبل، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کا مرحلہ، جس کا دورانیہ ہزاروں برس کا کہا جاسکتا ہے، یہ عالم ارواح کا زمانہ ہے، قرآن کریم سے صراحتاً یہ حقیقت ثابت ہے، کہ اللہ رب العزت جل مجدہ نے تمام روحوں کو پہلے پیدا فرمایا۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰی ۛۚ شَهِدْنَا ۛۚ اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۷۲﴾ (اعراف)

"اور (اے محبوب) یاد کرو جب نکالا آپ کے رب نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنایا خود ان کو ان کے نفسوں پر، (اور پوچھا) کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب، سب نے کہا بے شک تو ہی ہمارا رب ہے، ہم نے گواہی دی (یہ اس لئے ہوا) کہ کہیں تم یہ نہ کہو روز حشر کہ ہم تو اس سے بے خبر تھے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ ایک مرتبہ، میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس آیت مبارکہ کا مطلب معلوم کیا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنا دست قدرت، ان کی پشت پر پھیرا، جس سے آپ سے پیدا ہونے

والی ساری اولاد ظاہر ہوگئی، اور ان سے سوال کیا گیا، تو انہوں نے "بلٰی" کہا، (جس کی قیادت اس ہستی نے کی، جو بنی نوع انسان کے رسول اور سید الانبیاء والمرسلین ہیں)

بلاشبہ اللہ ہر کام پر قادر ہے، جب وہ اپنی قدرت کاملہ سے، ساری اولاد آدم کو میدان حشر میں جمع فرما سکتا ہے، تو اس سے کیا بعید کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے، ساری اولاد آدم کو ان کی پشت سے نکال کر اپنی بارگاہ میں پیش کر دے، وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

"اور یاد کرو جب لیا اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ، کہ جب میں دوں تمہیں کتاب اور حکمت سے، پھر تشریف لائے تمہارے پاس وہ جو تصدیق کرنے والا ہو ان (کتابوں) کی جو تمہارے پاس ہیں، تو تم ضرور ضرور ایمان لانا اس پر اور ضرور ضرور مدد کرنا اس کی (اس کے بعد) فرمایا کیا تم نے اقرار کر لیا، اور اٹھا لیا تم نے اس پر میرا بھاری ذمہ، سب نے عرض کی ہم نے اقرار کیا، (اللہ نے) فرمایا، تو گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پھر جو کوئی پھرے اس (پختہ عہد) کے بعد تو وہی لوگ فاسق ہیں"۔ (آل عمران)

حضرت علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی سے یہ پختہ وعدہ لیا، کہ اگر اس کی موجودگی میں سرور کائنات نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ تشریف لے آئیں، تو اس نبی پر لازم ہے، کہ وہ آپ کی رسالت عامہ پر ایمان لا کر آپ کی امت میں شامل ہونے کا شرف حاصل کر لے اور ہر طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دین کی تائید و نصرت کرے، اور تمام انبیاء نے یہی عہد، اپنی اپنی امتوں سے لیا۔

صاحب روح المعانی السید محمود الآلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ عارفین کا کہنا ہے کہ، نبی مطلق، رسول حقیقی اور مستقل شریعت لانے والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور جملہ انبیاء و مرسلین آپ کے تابع ہیں۔ (روح المعانی)

معراج کی شب، تمام انبیاء و مرسلین کا بیت المقدس میں جمع ہو کر، امام الانبیاء والمرسلین ﷺ کی

امامت میں آپ کی شریعت کے مطابق نماز ادا کرنا، آپ کی قیادت کو تسلیم کرنے کا ثبوت فراہم کرنا ہی تھا، اور آپ کی مزید رفعت و بلندی کا اندازہ قیامت کے دن ہوگا، جب آپ کے ہاتھ میں لواء حمد ہوگا اور آپ کو مقام محمود پر فائز کیا جائے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان اور بلند مرتبہ کا مزید اندازہ، آپ کے اس ارشاد سے کیجئے کہ آپ فرماتے ہیں: ''لَوْ كَانَ مُوْسٰی حَيًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ'' اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو انہیں میری پیروی کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، نیز یاد کیجئے، دوبارہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری کا واقعہ کہ، آپ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی اقتداء میں نماز ادا فرمائیں گے، تاکہ اس حقیقت میں کوئی شک وشبہہ نہ رہے کہ اب آپ کی تشریف آوری بحیثیت نبی نہیں، بلکہ سید الانبیاء ﷺ کے امتی کی حیثیت سے ہے، جس کا مقصد صرف دین مصطفوی کا احیاء اور آپ کی امت کی مدد کرنا ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا (الاحزاب)

''اور (اے حبیب) یاد کرو، جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا، آپ سے بھی اور نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی اور ہم نے ان سب سے پختہ عہد لیا تھا''۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے تمام نبیوں اور رسولوں سے پختہ عہد لیا کہ تبلیغ واشاعت دین کی جو ذمہ داری انہیں سونپی گئی ہے، وہ اس میں ذرا بھی غفلت نہ کریں گے، بالخصوص، یہ پختہ عہد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرات نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے لیا گیا، یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ آیت میں جن انبیاء کا خصوصی ذکر کیا گیا ہے، ان میں سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر ہے، تاکہ دیگر انبیاء پر آپ کی شوکت وعظمت کا اظہار ہو جائے، اور یہ بھی سمجھ لیا جائے، کہ اگرچہ آپ کی بعثت تمام انبیاء ومرسلین کے بعد ہوئی، لیکن تخلیق میں اولیت کا شرف حضور فخر الاولین و الآخرین ﷺ ہی کو حاصل ہے، کہ آپ ہی سید الانبیاء والمرسلین ہیں اور آپ ہی خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب اس آیت مبارکہ کا مفہوم پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ''كُنْتُ اَوَّلَهُمْ فِی الْخَلْقِ وَآخِرَهُمْ فِی الْبَعْثِ'' پیدائش میں، میں سب پہلے تھا اور بعثت میں سب نبیوں کے بعد ہوں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مشہور و مستند روایت ہے، آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا ﷺ سے سوال کیا، یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ مجھے خبر دیں، کہ وہ چیز کون سی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے پیدا فرمایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے جابر! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور سے پیدا فرمایا، پھر اللہ کی مشیت کے مطابق، یہ نور، جہاں اس نے چاہا، سیر کرتا رہا، اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ فرشتہ تھا، نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھا نہ انسان، جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا، تو اس نور کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا، پس، پہلے حصے سے عرش اٹھانے والے فرشتے پیدا کیے، دوسرے سے کرسی، اور تیسرے سے باقی فرشتے، پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا، تو پہلے سے آسمان بنائے، دوسرے سے زمین اور تیسرے سے جنت اور دوزخ، پھر چوتھے حصے کو چار حصوں میں تقسیم کیا، تو پہلے سے مومنین کی آنکھوں کا نور پیدا فرمایا، اور دوسرے سے ان کے دلوں کا نور پیدا فرمایا، جو معرفت الٰہی ہے، اور تیسرے سے ان کا نور انس پیدا کیا، جو توحید ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا، یارسول اللہ! آپ کو نبوت کب ملی، آپ نے فرمایا: ''كُنْتُ نَبِيًّاوَّ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ'' میں نبی ہو چکا تھا اور آدم ابھی روح اور جسم کے درمیان تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے، اپنے پروردگار کے حضور میں ایک نور تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، آپ کی عمر کتنی ہے، عرض کیا، حضور! اس کے سوا میں کچھ نہیں جانتا، کہ چوتھے حجاب عظمت میں ہر ستر ہزار برس کے بعد ایک ستارہ طلوع ہوتا تھا، جسے میں نے اپنی عمر میں ستر ہزار مرتبہ دیکھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''میرے رب کی عزت و جلال کی قسم وہ ستارہ میں ہوں''۔

اب ہم، چند روایات، علامہ امام یوسف بن اسمٰعیل نبہانی علیہ الرحمہ کی مشہور معروف اور معتبر تصنیف ''انوار محمدیہ'' سے نقل کرنا چاہتے ہیں۔

یہ مسلم شریف کی روایت ہے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار برس پہلے تمام مخلوق کی تقدیر، تحریر فرما دی تھی، اور جو کچھ، ام الکتاب میں لکھا گیا تھا وہ یہ تھا کہ ''محمد ﷺ خاتم الانبیاء والمرسلین'' ہیں۔ سہیل بن صالح الہمدانی روایت کرتے ہیں، کہ میں نے ابو جعفر محمد بن علی سے پوچھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، انبیاء، ورسل

کے سردار کیسے ہوگئے، حالانکہ وہ سب کے بعد مبعوث ہوئے ہیں، انہوں نے بتایا، کہ جب اللہ تعالیٰ نے، آدم علیہ السلام کی پشت مبارکہ سے "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" کا عہد لینے کے لئے، ان کی اولاد کو نکالا، تو سب سے پہلے حضور ﷺ نے "بلیٰ" فرمایا، لہٰذا وہ سب سے آخر میں تشریف فرما ہونے کے باوجود تمام انبیاء و رسل کے سردار قرار پائے، جو آپ کی عظیم خوبی اور فضیلت ہے۔

الشیخ تقی الدین سبکی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، کہ بلاشبہ، اللہ جل مجدہ نے، ارواح کو اجسام سے پہلے پیدا فرمایا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد "کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ" سے مراد، آپ کی مقدس روح یا حقیقت محمد یہ ہے، اور عقل انسان کی رسائی، حقائق تک ممکن نہیں انہیں اللہ ہی جان سکتا ہے، یا وہ جان سکتا ہے، جسے نور الٰہی کی امداد میسر ہو پس حقیقت محمد یہ کا مطلب یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام مخلوق کی پیدائش سے پہلے ہی تاج نبوت سے سرفراز فرما دیا تھا، آپ کی نبوت کا اعلان کر دیا گیا، اور آپ کا نام مبارک، عرش الٰہی پر لکھ دیا گیا، تا کہ ملائکہ اور دیگر مخلوق، اللہ کے دربار میں آپ کے بلند و بالا مرتبہ کو پہچان سکے، پس حقیقت محمد یہ، اول مخلوق ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ اللہ جل مجدہ نے، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نور پیدا فرمایا، تو اسے دیگر انبیاء کے انوار پر تجلی فرمانے کا حکم دیا، پس اس تجلی سے حیرت زدہ ہو کر وہ عرض گزار ہوئے، یا اللہ! یہ کس کا نور ہے، جس نے ہمارے انوار کو پھیکا کر دیا، ارشاد ہوا، یہ محمد بن عبداللہ کا نور ہے، اگر تم، ان پر ایمان لے آؤ، تو میں سب کو منصب نبوت عطا کر دوں گا، عرض کرنے لگے، یا رب العٰلمین! ہم تجھ پر اور تیرے محبوب کی نبوت پر ایمان لائے، فرمایا، میں تم پر گواہ ہوا، یہی وہ میثاق تھا، جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام و رسل عظام سے عالم ارواح میں لیا، جو سورہ آل عمران کی آیت نمبر 81 میں مذکور ہے۔

حضرت کعب الاحبار نے بیان فرمایا، کہ جب خالق کائنات جل مجدہ نے اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت کا ارادہ فرمایا، تو جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا، کہ زمین کے اس مقدس حصہ سے مٹی لاؤ، جسے زمین کا قلب، اس کی رونق اور اس کا نور کہنا چاہیے، پس جبرئیل جنت اور ملأ اعلیٰ کے فرشتوں کے ہمراہ زمین پر آئے، اور آقا ﷺ کے روضہ مبارک کے مقام سے مٹی لی، جو سفید، چکنی اور چمکیلی تھی، اسے نہر تسنیم کے پانی سے دھویا، گوندھا، جو سفید موتی کی طرح ہو گئی، جس سے زبردست شعاعیں نکل رہی تھیں، پھر اس مٹی کو لے کر، عرش اور کرسی کا طواف کیا، نیز اسے لے کر، آسمانوں، زمین، پہاڑوں اور سمندروں میں گھومے، چنانچہ تمام فرشتوں اور مخلوق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلند مقام اور اوصاف جمیلہ کا علم ہو گیا قبل اس کے کہ آدم علیہ السلام کو پتہ چلتا۔

عوارف المعارف میں ہے، کہ جب پانی سے طوفانی لہریں اٹھیں، تو اس نے مختلف اطراف میں جھاگ پھینک دیئے، پس جان عالم ﷺ کا جوہر، آپ کے روضہ مبارک کے مقام پر پہنچا، لہٰذا آپ مکی ومدنی کہلائے۔

علامہ یوسف ابن اسمٰعیل نبہانی نے ایک روایت بیان کی، کہ حضرت آدم علیہ السلام عرض گزار ہوئے۔ یارب العٰلمین! تو نے میری کنیت ابو محمد، کیوں رکھی، ارشاد ہوا، آدم! سر اوپر اٹھاؤ، حضرت آدم نے سر اٹھایا، تو نور محمدی کو عرش کے پردوں پر چمکتے دیکھا ارشاد باری تعالیٰ ہوا، یہ تمہاری اولاد میں سے ایک نبی معظم کا چمکتا نور ہے، جن کا نام مبارک آسمانوں پر احمد اور زمین پر محمد ﷺ ہوگا، اگر ان کا وجود نہ ہوتا، تو میں نہ تمہیں پیدا کرتا اور نہ ہی آسمانوں اور زمین کو "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ" پیارے! اگر آپ نہ ہوتے تو میں نہ آسمانوں کو پیدا کرتا اور نہ ہی زمینوں کو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ جب سیدنا آدم سے خطا سرزد ہوئی، تو عرصہ دراز بعد، دنیا میں آپ کو خیال آیا، پس آپ نے بوسیلہ محمد (ﷺ) توبہ کی اللہ نے پوچھا اے آدم! تم نے محمد کو کیسے پہچانا جب کہ ابھی تو ان کی دنیا میں ولادت بھی نہیں ہوئی ہے، آدم علیہ السلام نے عرض کی، یا اللہ! جب تو نے مجھے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا، اور اپنی روح پھونکی، پس جب میں نے آنکھ کھولی، تو عرش کے پایوں پر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا دیکھا، پس میں نے جان لیا، کہ جس کا نام تو نے اپنے مقدس نام سے ملایا ہے وہ تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے، پس اے اللہ! میں تجھے تیرے محبوب کا واسطہ دیتا ہوں، مولیٰ! تو میری خطا معاف فرمادے، ارشاد ہوا، آدم! تو نے مجھے اس محبوب کا واسطہ دیا ہے جو مستجاب الدعوات ہوگا، اور اس کے وسیلہ سے مانگی جانے والی ہر دعا میں قبول کرتا ہوں، پس میں نے تمہاری خطا معاف فرمادی، اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے نہ پیدا کرتا، اور محمد (ﷺ) آخری نبی ہوں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ اللہ خالق کائنات نے، حضرت آدم کو بروز جمعہ بوقت عصر پیدا فرمایا پھر ان کی بائیں پسلی سے، حضرت حوا کو پیدا فرمایا، اور آدم سو رہے تھے، جب بیدار ہوئے اور ان کی نظر حوا پر پڑی، تو اللہ کی قدرت سے وہ حوا کی طرف مائل ہونے لگے، ابھی قریب ہونا ہی چاہتے تھے، کہ فرشتے نے روکا، اور کہا، اے آدم! پہلے مہر ادا کر دو، پھر حوا تمہاری ہوں گی، آدم علیہ السلام نے پوچھا، کیا مہر ہے، بتایا گیا، حضرت محمد ﷺ پر تین اور بمطابق دوسری روایت کے بیس مرتبہ درود پڑھو۔

خلقت کا عنوان عالم ارواح سے متعلق ہے، جس کا تعلق درحقیقت باب فضائل سے ہے، عنوان

سیرت سے نہیں، کہ سیرت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اداؤں، اخلاق، عادات واطوار، اور تعلیمات کا نام ہے، جس کا تعلق دور ولادت و بعثت سے ہے، جب کہ بعثت کے دو، دور ہیں، ایک دور، تو اعلان نبوت کے پہلے دن سے شروع ہوتا ہے، اور آپ کی ظاہری حیات طیبہ کے آخری دن پر ختم ہو جاتا ہے، جب کہ دوسرا دور بعثت، آپ کی اخروی زندگی سے شروع ہوتا ہے، آج تک ہے اور تا ابد رہے گا، ''اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُرْزَقُ'' بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کو کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس نبی اللہ ﷺ زندہ ہیں، یہ ارشاد نبوی ہے۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے   مگر ایسی کو فقط آنی ہے

پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات   مثل سابق وہی جسمانی ہے

''حیات النبی'' کا عقیدہ نہایت واضح ہے، جس پر ہر دور کے علماء امت کی اکثریت کا اتفاق رہا ہے، نیز یہ عقیدہ دین کی بقا اور زندگی کے لئے ناگزیر ہے، اگر اس عقیدے کا انکار کیا جائے، اور نبی کو عام انسانوں کی طرح (العیاذ باللہ) مردہ خیال کر لیا جائے، تو نہ صرف ایمان کا صفایا ہو جائے گا، بلکہ پورے دین کی چولہیں ہل کر رہ جائیں گی، دین مردہ ہو جائے گا، اور ہم مردہ دین کی قوم کہلائیں گے، الامان والحفیظ، ہم مردہ دین کو اپنانے کے لئے ہرگز ہرگز تیار نہیں۔

میرے استاذ مکرم حضرت علامہ سید احمد سعید شاہ کاظمی علیہ الرحمہ نے نہایت مفصل مقالہ بعنوان ''حیات النبی'' تحریر فرمایا، جس میں موصوف نے، قرآن وحدیث سے اس عقیدۂ حقہ کو واضح اور ثابت کیا ہے، نیز متعدد عقلی دلائل پیش فرمائے ہیں، اختصار کے پیش نظر، ہم صرف عقیدے سے متعلق ان کی ایک عبارت ''مقالات کاظمی'' سے نقل کرتے ہیں، تفصیلات کے لئے اصل کتاب کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے، ایک ایک حرف قابل غور ہے، ملاحظہ ہو۔

''ہمارا یہ عقیدہ ہے، کہ تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص، حضور رحمۃ للعلمین ﷺ حیات حقیقی اور جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں، اپنی نورانی قبروں میں اللہ کا دیا ہوا رزق کھاتے ہیں، نماز، پڑھتے ہیں، گونا گوں لذتیں حاصل کرتے ہیں، سنتے ہیں، دیکھتے ہیں، جانتے ہیں، کلام فرماتے ہیں، اور سلام کرنے والوں کو جواب دیتے ہیں، چلتے پھرتے اور آتے جاتے ہیں، جس طرح چاہتے ہیں، تصرفات فرماتے ہیں اپنی امتوں کے اعمال مشاہدہ فرماتے ہیں، اور مستفیضین کو فیوض و برکات پہنچاتے ہیں، اس عالم دنیا میں بھی ان کے ظہور کا مشاہدہ ہوتا ہے، آنکھوں والوں نے، ان کے جمال جہاں آرا کی بارہا زیارت کی اور ان کے انوار سے مستنیر ہوئے''۔

یہ عبارت ہے، ہمارے دور کے غزالی کی، جس کی ہر بات کا ماخذ قرآن وحدیث ہوا کرتا تھا، ان کا

دعویٰ کبھی بغیر دلیل نہ ہوتا تھا، وہ قرآن وحدیث کے ساتھ اپنے دعوے کو نہایت مستحکم عقلی دلائل سے بھی ثابت کرتے تھے، پس عقیدۂ حیات النبی، سے متعلق انہوں نے جو توضیح کی ہے، وہ ہمارے لئے کافی ہے، مزید کسی توضیح کی احتیاج نہیں، جزاہ اللّٰہ خیر الجزاء۔

اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف ⠀⠀ ان کے اجسام کی کب ثانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ ان کا ⠀⠀ جسم پر نور بھی روحانی ہے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ عَزِیۡزٌ عَلَیۡہِ مَا عَنِتُّمۡ حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ (التوبہ)

"بے شک تشریف لایا ہے، تمہارے پاس ایک برگزیدہ رسول تم میں سے، گراں گزرتا ہے، اس پر تمہارا مشقت میں پڑنا، وہ بہت ہی خواہشمند ہے تمہاری بھلائی کا، مومنوں کے ساتھ بڑی مہربانی فرمانے والا بہت رحم فرمانے والا ہے"۔

ولادت باسعادت

(بچپن وشباب وحالات تابعثت)

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مکہ میں کیوں؟

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ ؕ (ابراہیم:4)

"اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اس قوم کی زبان کے ساتھ، تا کہ وہ ان کے لئے کھول کر بیان کرے"۔

نہایت اہم سوال ہے" جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت مبارکہ مکہ میں ہی کیوں ہوئی، کیونکہ خالق حقیقی کا کوئی عمل خالی از حکمت نہیں ہوتا، پس یہ ممکن نہیں کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش کے لئے، مکہ مکرمہ کے انتخاب میں کوئی حکمت نہ ہو، حقیقی حکمت کیا ہے، یہ تو جاننے والا رب حکیم ہی ہے، تا ہم علماء کرام نے اس سلسلے میں جو حکمتیں بیان فرمائی ہیں، ان کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

مکہ مکرمہ کو اللہ نے اپنے گھر کے لئے منتخب فرمایا، لہذا اس گھر کے آباد کرنے والے محبوب کے لئے بھی اسی شہر کو منتخب فرمایا گیا۔

حضرت آدم علیہ السلام اور ان کے علاوہ جملہ انبیاء و مرسلین کی آمد یہاں ہوتی رہی، وہ اللہ کے گھر کا طواف کرتے رہے، لہذا یہ شہر بڑا مقدس قرار پایا، اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس کے تقدس کو کامل و مکمل کرنے کیلئے، اس نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہاں مبعوث فرمایا، جس کے ذریعہ نبوت اپنے کمال کو پہنچی۔

عربی زبان تمام زبانوں میں افضل زبان ہے، لہٰذا اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہی زبان افضل الانبیاء و المرسلین کو عطا فرمائی، اور اہل عرب کے افضل ترین شہر میں آپ کو پیدا فرمایا۔

ہمارے آقا ﷺ معلم کامل ہیں، معلم انسانیت ہیں، رسول عام ہیں، ان کی بعثت بنی نوع انسان کے لئے ہے، ان کا پیغام زمین کے گوشہ گوشہ تک پہنچنا ضروری تھا، جس کے لئے، ناگزیر ہوا، کہ ان کی ولادت باسعادت، زمین کے مرکزی خطہ پر ہو، اور یہ حیثیت مکہ کو حاصل ہے، کہ خالق کائنات نے سب سے پہلے اس قطعہ ارض کو، اپنی قدرت سے پیدا کیا، جس پر کعبۃ اللہ ہے، پھر یہاں سے ساری زمین کا پھیلاؤ ہوا۔ اللہ نے اسی قطعہ مبارکہ پر اپنے نبی کو پیدا فرمایا اور اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی زمین پر ان کی وسیلہ جلیلہ سے اپنے پیغام کو پھیلا دیا۔

جغرافیائی اعتبار سے، کرۂ ارض کے تین بڑے براعظم، افریقہ، یورپ اور ایشیا، براعظم عرب کے گرد پھیلے ہوئے ہیں، جب کہ ایک طرف پانی ہے، اور عرب کے بیچوں بیچ، مکہ مکرمہ، مرکزی حیثیت لئے ہوئے، موجود ہے، پس اس مرکزی ملک اور اس میں موجود، مرکزی شہر سے زیادہ کوئی جگہ نہ ہوسکتی تھی، جس میں ایسے مرکزی رسول کو پیدا کیا جاتا، جو صرف عام انسانوں ہی کا مرکز نہیں، بلکہ انبیاء و مرسلین کا بھی مرکز ہے۔

عرب کو ہر دور میں، سیاسی، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے مرکزیت اور فوقیت حاصل رہی ہے، کہ دنیا بھر میں عرب کی سیاست کا اثر پہنچتا تھا اور آج بھی دنیا کے تمام ممالک اس سے متاثر ہوتے ہیں، امریکہ جسے عظیم قوت ہونے کا دعویٰ ہے، وہ بھی عرب سے تعلق کے بغیر زندہ نہیں رہ پاتا، اپنی بقا کے لئے کبھی وہ دوستی کا تعلق پیدا کرتا ہے، تو کبھی دشمنی کا، لیکن تعلق رکھنے پر مجبور ہے، معاشی اعتبار سے بھی عرب کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے، مکہ کے تجارتی قافلے، جہاں تک ان کی رسائی ہوتی، اپنا مال لے کر پہنچتے اور خرید وفروخت کرتے تھے، جس کا قرآن کریم میں بھی ذکر ہے: لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ۝ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیْفِ ۝ اسی طرح کم از کم سال میں دو مرتبہ تجارتی قافلے، مکہ آکر اپنا سامان فروخت کرتے تھے، کہ مکہ ان کے لئے بڑی اور منافع بخش منڈی تھا، آج بھی یہی کیفیت ہے، کہ سونے کی کانوں اور تیل کے کنوؤں کی وجہ سے عرب کی ساری دنیا میں معاشی اہمیت موجود ہے اسی لئے لٹیرے، اسے لوٹنے کی فکر میں رہتے ہیں، انہوں نے عراق میں ڈاکہ زنی کی اور خوب لوٹا اور روندا، اور اب شام، سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک پر ڈاکہ زنی کے مواقع کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں، معاشرتی اعتبار سے بھی عرب کو ہمیشہ برتری حاصل رہی کہ دوسری قومیں، اہل عرب سے تہذیب وتمدن کا درس لیتی رہیں، حتیٰ کہ دور جاہلیت میں بھی، عرب کی بعض خوبیاں بالخصوص مہمان نوازی، ایفائے

عہد اور امانت و دیانت قابل تقلید رہیں، اسی لئے، اہل عرب، تجارتی میدان میں بے حد کامیاب رہے، کہ دیانت و امانت، تجارت کے بنیادی ستون ہیں۔

ایک اور حکمت جو مجھے نظر آتی ہے، یہ ہے کہ آقائے رحمت ﷺ سے پہلے کسی نبی یا رسول کی پیدائش مکہ میں نہ ہوئی، جب کہ انبیاء و رسل اطراف مکہ بالخصوص فلسطین کی سرزمین پر پیدا ہوتے رہے، حتیٰ کہ مسجد اقصیٰ کو بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ کا اعزاز حاصل ہوا، جس اکلوتے سے نسل اسماعیل کو مشرف کیا گیا، مکہ کو اس کا مولد بننے کا شرف بخشا گیا، تاکہ عظمت نبوت کی نسبت سے کعبۃ اللہ کا شہر محروم نہ رہے، کہ یہ نسبت اللہ کو بے حد محبوب اور پیاری ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ولادت باسعادت

سب سے اولیٰ و اعلیٰ ہمارا نبی   سب سے بالا و والا ہمارا نبی (ﷺ)

مقدس خاندان

اللہ کے آخری رسول، نبیوں اور رسولوں کے سردار، ہمارے آقا ﷺ، مکہ مکرمہ کے مشہور و معروف قبیلہ، ''قریش'' کے خاندان ''بنو ہاشم'' میں پیدا ہوئے، آپ کا شجرہ نسب یہ ہے:

''محمد (ﷺ) ابن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان''۔

واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ'' اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسماعیل کو چنا، اولاد اسماعیل سے کنانہ کو چنا، اور بنی کنانہ سے قریش کو چنا، اور قریش سے بنی ہاشم کو چنا، اور بنی ہاشم سے مجھے چنا، (یعنی ہمارے آقا ﷺ کی ذات مبارکہ تمام اولاد ابراہیم میں سب سے افضل و اعلیٰ ہے)

ہماری ماں، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے کہا: ''قلبت مشارق الارض و مغاربها'' میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو کھنگال ڈالا ''فلم اجد افضل کن محمد (ﷺ) ولم اجد بنی اب افضل من بنی هاشم'' لیکن محمد (ﷺ) سے بہتر کسی کو نہ پایا، اور نہ ہی مجھے کسی باپ کی اولاد بنی ہاشم سے افضل نظر آئی۔

حضرت عطا نے حضرت ابن عباس سے روایت کی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک نبی کی پشت سے دوسرے نبی کی پشت میں منتقل ہوتے رہے، یہاں تک کہ آپ کو، آپ کی والدہ ماجدہ نے جنا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ میں نکاح سے ظاہر ہوا ہوں، میں ناجائز طریقہ سے پیدا نہیں ہوا، آدم علیہ السلام سے اس وقت تک، جب کہ میرے والد اور میری والدہ نے مجھے جنا، مجھے زمانہ جاہلیت کی کسی غلط چیز نے نہ چھوا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ کے نبی، اس کے تمام بندوں میں سے منتخب

ہوتے ہیں اور اس کی تمام مخلوق سے بہترین ہوتے ہیں، اس لئے اس نے انہیں ایسے عناصر سے چنا ہے، جو کریم ہیں، اور ایسے رشتوں سے انہیں مضبوط کیا ہے جو، نہایت ہی پختہ ہیں، تا کہ، ان کے نسب کی ہر اعتراض سے حفاظت کی جائے، اور ان کے منصب کو ہر عیب سے بچایا جا سکے، تا کہ لوگوں کے نفوس، ان کے سامنے سر جھکا دیں، اور ان کے دل، ان کی باتوں کو غور سے سنیں، تا کہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل سرعت سے کریں، اور ان کے احکام کی تعمیل میں سراپا اطاعت بن سکیں۔

کثیر علماء حق کی یہی رائے ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آباء وامہات، اپنے اعتقاد میں، اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل تھے، قیامت اور حساب پر ایمان رکھتے تھے، اور ملت حنفیہ کے احکام کے پابند تھے، (اس میں کوئی نہ تو بت پرست اور مشرک تھا اور نہ ہی کوئی بدعمل و بدکردار تھا)

عبدالمطلب اور زمزم

عبدالمطلب، ہمارے آقا ﷺ کے دادا تھے، جو اپنے آباء واجداد کی طرح موحد تھے، نہایت صالح اور سخی تھے، حجاج کرام کی بہت خدمت کرتے تھے، آپ کے عظیم کارناموں میں ایک کارنامہ، چاہ زمزم کی تلاش اور اس کی کھدائی ہے، بنو جرہم کی بدکاریوں کے سبب زمزم کا پانی خشک ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس نعمت سے محروم کر دیا تھا، کہ اس بدنصیب قوم نے اسے مٹی سے بھر دیا تھا، سیکڑوں سال یہ بند پڑا رہا، حتیٰ کہ لوگ اسے بھول گئے اور دوسرے عام کنوؤں سے اپنی ضروریات پوری کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقے، کرم فرمایا، اور آپ کی تشریف آوری سے پہلے ہی عبدالمطلب کو خواب میں اس کنویں کی کھدائی کا حکم دیا، کہ ایک روز وہ حطیم میں سو رہے تھے، کہ کسی نے خواب میں آ کر کہا "زمزم کھودو" آپ نے فرمایا "یہ زمزم کیا ہے"، اس شخص نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا "زمزم تیرے پدر نامور کی میراث ہے، یہ چشمہ ہے، نہ اس کا پانی ختم ہوتا ہے، اور نہ اس کی مرمت کی جاتی ہے، اس سے حجاج کرام کو سیراب کیا جاتا ہے، یہ گوبر اور خون کے درمیان ہے، جہاں کالا کوا، چونچیں مار رہا ہے، چیونٹیوں کی بستی کے بالکل قریب ہے۔

تفصیلات کا علم ہونے کے بعد، عبدالمطلب اپنے بیٹے حارث کے ہمراہ عین اس مقام پر پہنچے، جس کی طرف خواب میں اشارہ کیا گیا تھا، آپ نے ایک سیاہ رنگ کا کوا دیکھا جو، چونچیں مار رہا تھا، پس اسی جگہ آپ نے کھدائی شروع کر دی، خاصی محنت ومشقت کے بعد، آپ زمین کی اتنی گہرائی تک پہنچے، جہاں پانی کا اثر تھا، فرط مسرت سے باپ، بیٹے دونوں نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی، جسے اہل مکہ نے سنا، تو گھروں سے نکلے اور دوڑتے ہوئے، عبدالمطلب کے گرد جمع ہو گئے، کامیابی کی جھلک دیکھ کر،

خوشی کی انتہا نہ رہی، کہ اس مقدس کنوئیں کی دریافت اور اس کا وارث بننا قریش کے لئے، اللہ کی طرف سے بڑا اعزاز تھا، اس موقع پر بعض قبائل حسد میں مبتلا ہوئے، اور انہوں نے کنوئیں کی وراثت میں حصہ دار بننے کا دعویٰ کر ڈالا، اختلاف بڑھا اور نوبت جنگ تک آ پہنچی، لیکن عبدالمطلب کی بصیرت نے کام کیا، جھگڑا رفع دفع ہو گیا، اور بالآخر سب نے عبدالمطلب ہی کو کنوئیں کا وارث تسلیم کر لیا۔

عبدالمطلب اور اصحاب فیل

عبد المطلب اپنی خاندانی شرافت، حجاج کرام کی خدمت، رفاہی کاموں اور عظیم الشان کارناموں کے باعث پہلے ہی اہل عرب میں نہایت معزز و مکرم تھے، چاہ زمزم کی دریافت اور اس کا وارث بن جانے کے بعد، ان کا مرتبہ و مقام مزید بلند ہو گیا تھا، آپ کے متعلق، علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت عبدالمطلب کے چہرے سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں، اور آپ کے خدوخال سے خیر و برکت کے آثار نمایاں تھے، وہ اپنی اولاد کو سرکشی اور ظلم سے منع کرتے تھے، انہیں، مکارم اخلاق اپنانے کی ترغیب دیتے تھے، اور گھٹیا کاموں سے انہیں روکتے تھے، آپ کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی تھی، آپ نے اپنے لئے شراب کو حرام کر لیا تھا، وہ پہلے شخص ہیں، جو غار حراء میں جا کر عبادت کرتے تھے، جب ماہ رمضان کا چاند دیکھتے، حراء میں تشریف لے جاتے، مسکینوں کو کھانا کھلاتے، آپ کے دستر خوان سے پرندوں اور وحشی جانوروں کو بھی خوراک مہیا کی جاتی تھی، آپ کے جسم اطہر سے خالص کستوری کی خوشبو آتی تھی، قریش کو جب قحط کی مصیبت گھیر لیتی، تو وہ آپ کے وسیلہ سے بارش کی دعا کرتے اور اللہ تعالیٰ آپ کی برکت سے موسلا دھار بارش برسا دیتا''۔ (ماخوذ از ضیاء النبی)

بلاشبہ حضرت عبدالمطلب کو، یہ تمام فضائل و برکات صرف اور صرف اس لئے نصیب تھے، کہ ان کی پشت مبارکہ سے نبی آخر الزمان ﷺ کی ولادت مبارکہ ہونے والی تھی، آپ کی زندگی کا ایک اہم واقعہ، خانہ کعبہ پر، ابرہہ کی لشکر کشی ہے، جسے قرآن کریم کی سورۂ فیل میں بیان کیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ ۝ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيلَ ۝ تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ۝ (الفیل)

''کیا آپ نے ملاحظہ نہ فرمایا، کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا، کیا

اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر وفریب کو ناکام نہ بنادیا، اور (وہ یوں کہ) بھیج دیئے ان پر ہر سمت سے پرندے، جو برساتے تھے، ان پر کنکر کی پتھریاں، پس بنا ڈالا ان کو کھایا ہوا بھوسہ"۔

ابرہہ کی لشکر کشی اور اس کی تباہی کا واقعہ، یکم محرم الحرام کو عبدالمطلب کے دور میں پیش آیا جس کے پینتالیس دن بعد نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام، دنیا میں جلوہ افروز ہوئے، جس کی تفصیل یہ ہے:

شاہ حبشہ نے، یمن فتح کرنے کے بعد، "ارباط" کو اپنا گورنر مقرر کیا، اور اس کا نائب، "ابرہہ" کو بنایا، لیکن چند دن بعد ہی ان دونوں میں اختلاف ہو گیا، اور نوبت بایں جا رسید کہ دونوں جنگ کے لئے آمادہ ہو گئے اور اپنے اپنے لشکر میدان میں لے آئے، جب دونوں لشکر بالکل جنگ کے لئے تیار ہو گئے تو ابرہہ آگے بڑھا اور ارباط سے کہنے لگا، بجائے اس کے ہم دونوں اپنی فوجوں کو لڑائیں اور عوام کو موت کے گھاٹ اتاریں یا مصیبت میں مبتلا کریں، بہتر ہوگا کہ ہم دونوں ہی آپس میں زور آزمائی کر لیں اور ہم میں سے جو غالب آ جائے تو دوسرا اس کا مطیع وفرمانبردار ہو جائے، (اس مقام پر ذرا غور کیجئے، دونوں حاکموں کو اپنی فوج اور اپنے عوام کی کیسی فکر ہے، وہ انہیں لڑوانے اور مروانے کی بجائے، کس طرح جنگ کا فیصلہ کرنے کی تدبیر کرتے ہیں، جب کہ آج کے حکام کا حال سب پر ظاہر ہے، اپنے محلوں میں بیٹھے کس بے رحمی سے سپاہیوں اور عوام کو مرواتے ہیں، ان کی لاشوں تک کو ہاتھ لگانا گوارا نہیں کرتے، شہر کے شہر تباہ ہو جاتے ہیں لیکن ان ظالموں کی پیشانیوں پر بل تک نہیں پڑتے، ان کی عیاشی میں ذرہ برابر فرق نہیں پڑتا، جب کہ عوام کے گھر ماتم کدہ بنے ہوتے ہیں)۔

بہرحال دونوں اسلحہ سے لیس ہو کر میدان میں آئے، مقابلہ ہوا، ارباط مارا گیا، اور ابرہہ برسر اقتدار آ گیا، اس نے اپنی کارگزاری کے مظاہرے اور بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے، ایک عظیم الشان اور انتہائی خوبصورت گرجا تعمیر کرایا اور بادشاہ کو خط لکھا کہ میں چاہتا ہوں کہ جو لوگ حج کعبہ کے لئے مکہ جاتے ہیں، انہیں یہاں حج کرنے کی دعوت دی جائے، اور اگر لوگ نہ مانیں تو خانہ کعبہ کو پیوند خاک کر دیا جائے، کہ جب کعبہ ہی نہ رہے گا تو لوگ ہمارے کنیسہ کا حج کرنے پر مجبور ہوں گے، جب یمن کے لوگوں کو ابرہہ کے اس مذموم ارادے کا پتہ چلا تو ان کے غیظ وغضب کی انتہا نہ رہی، اللہ کا کوئی بندہ اظہار ناراضگی کے لئے، کنیسہ پہونچا، موقع پا کر، قضائے حاجت کر کے چلا آیا، اس واقعہ کی اطلاع جب ابرہہ کو ملی، تو وہ بہت سیخ پا ہوا، جوش انتقام میں کعبہ پر حملہ کا فیصلہ کر بیٹھا، بڑے جوش و خروش کے ساتھ مکہ مکرمہ پر حملہ کی تیاری شروع ہو گئی، ساٹھ ہزار جنگجو سپاہیوں کا لشکر تیار کیا گیا تھا، جس میں تیرہ ہاتھیوں کا ایک دستہ بھی تھا، ایک ہاتھی ابرہہ کے لئے مخصوص تھا، جس کا نام "محمود" رکھا گیا تھا، ہاتھیوں کے اسی دستہ کی بناء پر اس لشکر کو "اصحاب الفیل" یعنی ہاتھیوں والا لشکر کہا گیا۔

غرضیکہ ابرہہ اپنے لشکر جرار پر ناز کرتا ہوا مکہ کے لئے روانہ ہوا اور مکہ کے قریب وادی ''مغمس'' میں خیمہ زن ہوا، تا کہ اہل مکہ کو ہراساں کرے اور ان کے حالات معلوم کر سکے، اہل مکہ کو ہراساں کرنے کی غرض سے ابرہہ اور اس کی فوج نے اہل مکہ کے جانوروں کو پکڑنا اور ان کی چراگاہوں کو روندنا شروع کر دیا، ان جانوروں میں، حضرت عبدالمطلب کے بھی دوسو اونٹ پکڑے گئے تھے، جب آپ کو اطلاع ملی تو آپ نے ابرہہ سے ملاقات کا فیصلہ کیا، تا کہ اپنے اونٹوں کا مطالبہ کر سکیں، نیز بذات خود ابرہہ کے لشکر، اس کے عزائم اور قوت کا معائنہ کر سکیں، جب آپ ابرہہ کے خیمہ میں داخل ہوئے تو وہ آپ کو دیکھ کر بے حد متاثر ہوا، آپ کی بارعب شخصیت اور نورانی چہرے نے اسے حیرت زدہ کر دیا، پس وہ آپ کو دیکھتے ہی بلا اختیار کھڑا ہو گیا، اس نے تخت سے اتر کر، آپ کا استقبال کیا، آپ کے ساتھ نیچے قالین پر ہی بیٹھا، ابرہہ کا خیال تھا کہ مکہ کا سردار اہل مکہ کے لئے پناہ طلب کرنے اور زندگی کی بھیک مانگنے آیا ہوگا، لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی، جب عبدالمطلب نے نہایت لاپرواہی سے گفتگو کرتے ہوئے، اپنے دوسو اونٹوں کی رہائی کا مطالبہ کیا، ابرہہ نے جواباً کہا کہ آپ تو ایک قوم کے سردار ہیں کتنی حیرت ہے کہ آپ کو اپنی قوم کی بہ نسبت اپنے اونٹوں کی فکر زیادہ ہے، جب کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہوگا کہ میں اس کعبہ کو نیست و نابود کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں جس کے آپ متولی ہیں اور سارے اہل عرب جس کا طواف کرتے ہیں، حضرت عبدالمطلب نے بڑی ہی بردباری سے ابرہہ کی گفتگو سنی اور پھر گویا ہوئے، میں ضرور کعبہ کا خادم ہوں لیکن مالک نہیں، کعبہ کی خدمت ضرور میری ذمہ داری ہے، لیکن اس کی حفاظت میری ذمہ داری نہیں، کعبہ اللہ کا گھر ہے، جسے اس نے اپنے خلیل حضرت ابراہیم اور ان کے صاحبزادے حضرت اسماعیل علیہما السلام سے تعمیر کرایا، گھر والا ہی اپنے گھر کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے، پس اللہ ہی اپنے گھر کا محافظ ہے، جو بڑی قدرت و قوت والا ہے، ابرہہ غضب ناک ہو کر بولا، ''اب دیکھتا ہوں اس گھر کو کون بچا سکتا ہے میں اسے نیست و نابود کر کے ہی دم لوں گا، لو اپنے اونٹ اور چلے جاؤ''۔

حضرت عبدالمطلب بڑے اطمینان سے مکہ واپس آئے اور اہل مکہ کو ابرہہ کے عزائم اور اس کی ظاہری و مادی قوت و طاقت سے آگاہ کیا، نیز فرمایا، کہ ہم سب کو اپنے گھر چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جانا چاہیے، کہ اپنی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے، پھر آپ قوم کے سرداروں کے ہمراہ کعبہ کے پاس آئے اور کعبہ کے دروازے کو پکڑ کر بڑے عجز و نیاز سے رب کعبہ کے دربار میں فریاد کی، ''اے اللہ ہر کوئی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے تو بھی اپنے گھر کی حفاظت فرما، ان کی صلیب اور ان کی قوت تیری قوت پر غالب نہ آ جائے، اگر تو انہیں اور ہمارے قبلہ کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہتا ہے تو جو تیری مرضی

ہو،کر"، یہ لوگ دعا سے فارغ ہو کر، پہاڑوں کے غاروں میں اور چوٹیوں پر چلے گئے، اب پورا مکہ خالی ہو چکا تھا، مکان و دوکان، گلی، کوچے سب ویران نظر آتے تھے۔

ابرہہ نے صبح سویرے، مکہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، لشکر کی حرکت محمود نامی ہاتھی کی حرکت پر موقوف تھی، جو ابرہہ کی سواری کے لئے مخصوص تھا، فوج روانگی کے لئے تیار تھی، دوسرے ہاتھی بھی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، لیکن جب محمود کو اٹھنے کا اشارہ کیا گیا، تو وہ خلاف معمول نہ اٹھا، جب اسے بہت ستایا گیا تو وہ کھڑا ہوا، لیکن کبھی وہ یمن کی طرف دوڑتا تو کبھی شام کی طرف، مکہ کی طرف کسی بھی طرح بڑھنے پر آمادہ نہ تھا، ابرہہ، غصہ میں لال پیلا ہو رہا تھا، پوری فوج حیرت زدہ بھی تھی اور خوف زدہ بھی اسی دوران، آسمان پر چھوٹے چھوٹے پرندے نمودار ہوئے، جو اس کثرت سے تھے کہ ان کا سایہ بادلوں کی طرح چھایا معلوم ہوتا تھا، ان پرندوں کی چونچ اور پنجوں میں سنگریزے تھے، گویا ہر پرندہ تین گولیوں سے لوڈ تھا، اچانک ان پرندوں نے گولیاں چلانا شروع کیں، کیا مجال کہ کسی گولی کا نشانہ خطا ہوا ہو، ایک گولی ایک فوجی کے لئے تھی، جو فوجی کے فولادی خول، آہنی زرہ اور اس کے جسم کو چیرتی ہوئی زمین میں غائب ہو جاتی، لشکر کا اکثر حصہ تو وہیں، کھائے ہوئے بھوسہ کی طرح ہو گیا كَعَصْفٍ مَّأْكُولٍ ابرہہ اور اس کے ہمراہ کچھ سپاہی بھاگنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن وہ بھی نہ بچ سکے، ان کے جسموں میں اتنی زبردست خارش ہوئی، کہ کھجلاتے کھجلاتے، زخم ہو گئے، گوشت گل، سڑ کر، گرنے لگا اور یمن پہنچنے سے پہلے ہی عبرتناک موت مر گئے، بالخصوص، ابرہہ بڑے ہی عبرتناک عذاب میں مبتلا ہوا، وہ صنعاء تو پہنچ گیا، لیکن اس کا پورا جسم ناسور بن گیا جس سے خون اور پیپ، ہر وقت رستا رہتا تھا، چند ہی دن میں لحیم و شحیم، ابرہہ، ایک چوزے کی طرح، کمزور و ناتواں اور دبلا پتلا تھا، تکلیف اتنی بڑھی کہ بالآخر اس کا سینہ پھٹ گیا اور وہ جہنم رسید ہو گیا، نعوذ باللہ من غضبہ و عذابہ۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

حضرت عبدالمطلب نے چاہ زمزم کھودا، اس وقت ان کا صرف ایک بیٹا حارث تھا، زمزم کا پانی ظاہر ہوا، تو آپ نے دعا کی، "اے اللہ مجھے دس بیٹے عطا فرما" نیز نذر مانی کہ جب یہ دسوں جوان اور صحت مند ہوں گے تو میں ان میں سے ایک کو، تیرے لئے قربان کروں گا، اللہ نے ان کی دعا قبول کی اور دس بیٹے عطا فرمائے، کہ کسی عمل صالح کے بعد اگر دعا کی جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ضرور قبول فرماتا ہے، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کعبہ کی تکمیل کے بعد دعا کی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَ

الْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۹﴾ (بقرہ)

''اے ہمارے رب! بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے، تاکہ پڑھ کر سنائے انہیں تیری آیتیں اور سکھائے انہیں کتاب، اور دانائی کی باتیں اور پاک صاف کر دے انہیں، بے شک تو ہی بہت زبردست (اور) حکمت والا ہے''۔

بلاشبہ اللہ نے اپنے خلیل علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی اور بالکل انہی خوبیوں والا، رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمایا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۲﴾

''وہی (اللہ) جس نے مبعوث فرمایا، امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے، جو پڑھ کر سناتا ہے، انہیں اس کی آیتیں، اور پاک کرتا ہے ان کو، اور سکھاتا ہے انہیں کتاب اور دانائی کی باتیں، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔ (جمعہ)

اسی لئے میرے آقا ﷺ نے فرمایا ''اَنَا دَعْوَةُ اَبِیْ اِبْرَاهِیْمَ'' میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں، بہرحال، اعمال صالحہ کے بعد دعا قبول ہوتی ہے، لہٰذا اپنی نمازوں، دیگر عبادات اور ہر نیکی کے بعد دعا کرنا چاہیے، کہ نہ جانے کب اللہ قبولیت سے نواز دے۔

حضرت عبدالمطلب کی دعا قبول ہوئی، اللہ نے انہیں دس بیٹوں سے نوازا، جو نہایت صحت مند اور ہر اعتبار سے حسین وجمیل تھے، ان سب سے چھوٹے حضرت عبداللہ تھے، ایک دن عبدالمطلب اپنے بیٹوں کے حلقہ میں بیٹھے تھے، کہ انہیں اپنی نذر کا خیال آیا، پس انہوں نے اپنے بیٹوں کو بتایا کہ، میں نے تمہاری پیدائش پر، بطور شکرانہ، تم میں سے کسی ایک کو اللہ کے لئے قربانی کی نذر مانی تھی، اطاعت شعار بیٹوں نے اپنے سر خم کر دیئے، اور بیک آواز بولے، اپنی نذر پوری کیجئے، ہم میں سے کسی ایک کو ذبح کر دیجئے یا سب کو، ہم راضی ہیں، پس عبدالمطلب نے دستور کے مطابق تیروں سے قرعہ اندازی کرائی، قرعہ میں حضرت عبداللہ کا نام آیا، اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ یا بیس سال تھی، نہایت ہی حسین تھے، بیٹوں میں سب سے زیادہ چہیتے تھے، بہت ہی لاڈلے تھے، لیکن کیا مجال کہ بوڑھے باپ کی پیشانی پر بل بھی آیا ہو یا نوجوان عبداللہ نے ذرا بھی اظہار پریشانی کیا ہو، ہاں دوسرے بھائیوں کو اس سعادت سے محروم ہونے کا افسوس ضرور تھا، رسی اور چھری کا انتظام کیا گیا اور باپ بیٹے، قربان گاہ کی طرف چل دیئے، یہ خبر مکہ میں آگ کی طرح پھیل گئی، سنتے ہی لوگ، ایک دوسرے کو پکارتے،

عبدالمطلب کی طرف دوڑے، قریش کے سرداروں نے آپ کو گھیر لیا، اور کہا کہ، ہم آپ کو ایسا ہرگز نہ کرنے دیں گے کیونکہ یہ ایک رسم پڑ جائے گی، جس کا ختم کرنا بہت ہی دشوار ہو جائے گا، آیئے کوئی ایسی تدبیر سوچتے ہیں، جس سے نذر بھی پوری ہو جائے، اور عبداللہ کی جان بھی بچ جائے، نیز ہماری نسلیں ایک جان لیوا رسم سے محفوظ رہیں، بمشکل تمام عبدالمطلب اپنے عزم سے رکے، باہمی مشورے کے بعد طے پایا کہ، کسی کاہن کے پاس چل کر مسئلہ کا حل معلوم کیا جائے۔

واضح رہے کہ، دور جاہلیت میں کاہنوں کا ایک جال پھیلا ہوا تھا، ہر موقع پر انہیں بڑی اہمیت دی جاتی تھی، خانگی و خاندانی، انفرادی و اجتماعی، تمام امور میں ان کا فیصلہ حتمی اور آخری ہوتا تھا، حتیٰ کہ قبائل کے سردار اور علاقہ کے حکمراں بھی ان کے مشورے کے بغیر کوئی اہم کام انجام نہ دیتے تھے، کاہن کوئی روحانی شخصیت نہ ہوتے تھے بلکہ یہ شیطانی اور سفلی علم سے جنوں کو اپنے تابع کر لیتے تھے، جو آسمانوں کے قریب پہنچ کر، چھپ چھپ کر، انسانوں کے متعلق فرشتوں کی باتیں سنتے اور ان کاہنوں کو بتایا کرتے تھے، یہ کاہن انہی باتوں سے لوگوں کے حالات کا اندازہ کر لیتے تھے اور ان کے مسائل کا حل بتایا کرتے تھے، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد، جنوں اور شیطانوں کو، چوری چھپے آسمانی باتیں سننے سے روک دیا گیا، اور شہاب ثاقب کے ذریعہ آسمانوں تک ان کی رسائی بند ہو گئی، لہٰذا کاہن بھی اپنی موت آپ مر گئے، کہ نزول قرآن کریم اور تعلیمات رسول کریم ﷺ کے بعد کسی علم کی ضرورت ہی نہ رہی، موجودہ، عامل اور منجم، صرف تکے بازی کرتے ہیں، ان کی باتوں پر یقین کرنا، شرعاً جائز نہیں۔

بہرحال، حضرت عبدالمطلب، رؤسائے مکہ کے ہمراہ ایک مشہور کاہنہ کے پاس پہنچے اور اس کو سب حال بتایا، اس نے کہا، آپ کو کل تک انتظار کرنا ہوگا، کیونکہ میرا تابع جن رات کو آئے گا، تو میں اس سے مسئلہ کا حل معلوم کروں گی، عبدالمطلب نے یہ رات نہایت اضطراب و بے چینی کی حالت میں گزاری، کیونکہ وہ جلد سے جلد اپنی نذر پوری کر دینا چاہتے تھے، جیسے تیسے صبح ہوئی، تو سب لوگ دوبارہ کاہنہ کے پاس پہنچے، کاہنہ نے ان سے پوچھا کہ آپ کے یہاں ایک شخص کی کتنی دیت ہوتی ہے، بتایا گیا، دس اونٹ، پس کاہنہ نے مسئلہ کا حل بتاتے ہوئے کہا، کہ عبداللہ اور دس اونٹوں کے لئے قرعہ اندازی کی جائے، اگر قرعہ میں عبداللہ کا نام نکلے، تو اونٹوں کی تعداد بیس کر دینا، اور اسی طرح ہر مرتبہ دس کی تعداد بڑھا کر قرعہ اندازی کرتے رہنا، یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں کے لئے نکل آئے، تم خوش ہو جاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے کے بدلے، اونٹوں کی قربانی قبول فرمالی ہے، بس اونٹوں کی تعداد معلوم کرنے کے لئے تم قرعہ اندازی کرو اور جتنے اونٹوں پر قرعہ نکلے انہیں ذبح کر دو۔

کاہنہ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق قرعہ اندازی شروع کی گئی، نو، مرتبہ یعنی نوے اونٹوں کی

تعداد تک عبداللہ ہی کا نام نکلتا رہا، دسویں مرتبہ یعنی جب اونٹوں کی تعداد پوری سو، ہوگئی، تو قرعہ اونٹوں کے لئے نکلا، لوگوں کی خوشی کی انتہا نہ رہی، انہوں نے ناچنا گانا شروع کر دیا، لیکن عبدالمطلب اب تک اس طریقہ کار سے مطمئن نہ تھے، ان سے پوچھا گیا، کہ اب آپ کیا چاہتے ہیں، وہ بولے دو مرتبہ قرعہ اندازی مزید کی جائے، اگر تینوں مرتبہ سو اونٹوں کا قرعہ نکلا، تو میں مطمئن ہوں گا اور اونٹوں کی قربانی کر دوں گا، لوگ مجبور تھے، انہوں نے ڈرتے کانپتے، عبدالمطلب کی بات مانی اور قرعہ اندازی شروع ہوگئی، اب بھی دونوں مرتبہ اونٹوں ہی کے لئے قرعہ نکلا (کہ فیصلہ الٰہی یہی تھا کہ جس کی پیشانی میں نور نبی آخر الزمان ﷺ ودیعت ہے، اس کی حفاظت کی جائے، اور اس موقع پر حضرت عبداللہ کی قدر و قیمت بھی ظاہر کر دی جائے، کہ یہ تم سب کی طرح عام آدمی نہیں بلکہ تم سے دس گنا زیادہ وقعت کے حامل ہیں، کہ تم نے اپنی قیمت دس اونٹ مقرر کی ہوئی ہے، تو عبداللہ کی دیت سو اونٹ ہے) اب حضرت عبدالمطلب نہ صرف مطمئن بلکہ بے حد خوش نظر آ رہے تھے، کہ لاڈلے اور چہیتے بیٹے کی جان بچ گئی اور نذر بھی پوری ہو رہی ہے، اب مکہ کے گلی کوچوں میں، ہر طرف اونٹ ذبح ہوتے نظر آ رہے تھے، صرف انسانوں ہی میں گوشت تقسیم نہیں ہو رہا تھا، بلکہ گوشت خور پرندے اور درندے سب ہی کئی دن تک شکم سیر ہوتے رہے۔

حضرت عبداللہ کی شادی

حضرت عبداللہ کی عمر، اٹھارہ، بیس، برس کی تھی، عنفوان شباب کا عالم، اس پر تقویٰ و پارسائی کے سبب بلا کی کشش، حسن و جمال کا پیکر نظر آتے تھے، جس گلی سے گزرتے، حسینائیں، چھپ چھپ کر نظارہ کرتیں، ان کے دلوں میں ارمان مچلنے لگتے، قربانی کے واقعہ نے عورتوں کے دلوں میں ان کی مزید وقعت پیدا کر دی تھی جب وہ حضرت عبدالمطلب کے ہمراہ، فدیہ کے اونٹ ذبح کر کے، گھر جا رہے تھے، تو ایک عورت نے انہیں بلایا، کہا جاتا ہے، یہ ورقہ بن نوفل کی بہن تھی، نہایت دولت مند، حسن و جمال کا مرقع، دل لبھانے والی اداؤں کی ماہر، حضرت عبداللہ سے کہا میرے ساتھ چلو، میری خواہش پوری کر دو، اس کے بدلہ میں تمہیں سو اونٹ دوں گی، علاوہ ازیں تم، جو کچھ مانگو گے، ملے گا، آپ نے فرمایا، میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں، یہ میری راہ نہیں، جس طرف تو مجھے بلاتی ہے، اور آپ منہ پھیر کر اپنے والد کے ہمراہ چلے گئے، علماء سیرت لکھتے ہیں۔

فلقی عبد الله فی زمنه من النساء من العناء مثل ما لقی یوسف فی زمنه من امراة العزیز

حضرت عبداللہ کو اپنے زمانہ میں عورتوں کی طرف سے انہی مشکل اور صبر آزما حالات کا مقابلہ کرنا پڑا، جو حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے زمانہ میں عزیز مصر کی بیوی (زلیخا) کی طرف سے پیش

آئے تھے۔

شرح مواہب لدنیہ میں ہے "حضرت عبداللہ قریش میں ایک تابندہ نور تھے، اور سب سے زیادہ خوبصورت تھے، قریش کی عورتیں، ان کے دام محبت کی اسیر تھیں، اور قریب تھا کہ وہ ان کی محبت میں ہوش وحواس کھو بیٹھیں"۔

ان حالات کا علم عبدالمطلب کو بھی تھا، پس انہوں نے اپنے لاڈلے کو، مزید صبر و آزمائش سے بچانے کے لئے، ان کی شادی کا فیصلہ کیا، آپ کی حقیقت شناس نگاہ نے، جس خوش نصیب لڑکی کو یہ اعزاز بخشنے کا فیصلہ کیا، وہ قریش کے خاندان بنوزہرہ کے سردار، وہب بن عبدمناف بن زہرہ، کی نورنظر، پیکرحسن و جمال، پاکیزہ سیرت و کردار کی ملکہ، حضرت سیدہ "آمنہ" رضی اللہ عنہا تھیں، جب حضرت عبدالمطلب نے، حضرت وہب سے اس رشتہ کی خواہش کا اظہار کیا، تو انہوں نے، اسے اپنے لئے بڑا، اعزاز جانا اور بلاپس وپیش، اظہار رضامندی کر دیا، نکاح کے بعد ہی رخصتی عمل میں آئی، اور شب زفاف میں ہی "نور محمدی" عبداللہ کی پیشانی سے، حضرت آمنہ کے رحم میں منتقل ہو گیا، جس نور کی چمک نے، مکہ کی عورتوں کو، حضرت عبداللہ کا فریفتہ اور دیوانہ بنایا ہوا تھا، اب چونکہ وہ ان کے پاس نہ تھا لہٰذا ان عورتوں کی توجہ بھی آپ کی طرف نہ رہی اور حضرت عبداللہ کو ان کے فتنہ میں مبتلا ہونے کا خوف نہ رہا۔

حضرت عبداللہ کی وفات

حضرت عبدالمطلب مکہ کے تاجروں میں سے ایک تھے، تجارتی سامان سے لدے ان کے اونٹ شام، فلسطین وغیرہ جایا کرتے تھے، شادی کے بعد حضرت عبداللہ کو اپنے والد کے ایک تجارتی قافلہ کے ہمراہ شام جانا پڑا، تجارتی مصروفیات سے فارغ ہوتے ہی مکہ واپسی کی تیاریاں شروع ہوئیں، تو اچانک طبیعت خراب ہو گئی، اور ایسے بیمار ہوئے کہ سفر کی ہمت نہ رہی، لہٰذا ساتھیوں کے مشورے سے وہ کچھ دن کے لئے، مدینہ، اپنے ننھیال میں رک گئے، دوسرے ساتھی واپس مکہ آ گئے، ایک مہینہ تک حضرت عبداللہ بیمار رہے اور بالآخر واصل بحق ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، جواں سال عبداللہ کی وفات کی خبر مکہ پہنچی، تو نہ صرف اہل خاندان کو صدمہ ہوا، بلکہ مکہ میں ایک کہرام مچ گیا، بالخصوص حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا پر کیا بیتی ہو گی، اس کو بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں، تاہم اس شدید صدمہ کے باوجود، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت فرمائی، اور چھ ماہ بعد، آپ اس دنیا میں رونق افروز ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ جب حضرت عبداللہ نے وفات پائی، تو فرشتوں نے، بارگاہ الٰہی میں، عرض کی، یا اللہ، تیرا نبی یتیم ہو گیا، اس کا باپ نہ رہا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا،

کہ ہم اس کے محافظ اور مددگار ہیں، دوسری روایت میں ہے، اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا، میں اس کا دوست ہوں، نگہبان ہوں، مددگار ہوں، پروردگار ہوں، اس کی مدد کرنے والا ہوں، اس کو رزق دینے والا ہوں، اور ہر بات میں اس کے لیئے کافی ہوں، پس تم اس پر درود پڑھا کرو، اور اس کے نام سے برکت حاصل کیا کرو۔ (ماخوذ از ضیاء النبی)

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا، کہ نبی مکرم ﷺ کو یتیم پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی، آپ نے فرمایا، اس میں متعدد حکمتیں ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے، کہ کسی مخلوق کا حق آپ پر نہ رہے، یعنی وہ حقوق، جن کی، بالغ ہونے کے بعد، کسی پر ادائیگی، لازم ہوتی ہے، آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی اس وقت انتقال فرمایا، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر چھ سال تھی، نیز یہ بتانا مقصود تھا، کہ معزز وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ عزت دے، (آپ کی عزت خاندان کی عزت سے وابستہ نہیں بلکہ درحقیقت قریش کو آپ کی نسبت سے عزت ملی) نیز آپ کی قوت آباء و اجداد اور ماؤں کے ذریعہ نہیں اور نہ مال و دولت کے ذریعہ، بلکہ آپ کی قوت و طاقت کا راز صرف اللہ تعالیٰ کی نصرت ہے، اور اس کی ایک حکمت یہ بھی ہے، کہ حضور کو جب یتیمی کی تکلیفوں کا ذاتی تجربہ ہوگا، تو آپ فقیروں اور یتیموں پر رحم فرمائیں گے۔ (ماخوذ از ضیاء النبی)

کچھ خبر بھی ہے فقیرو آج وہ دن ہے کہ وہ نعمت خلد اپنے صدقے میں لٹائے جائیں گے
لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف خرمن عصیاں پر اب بجلی گراتے جائیں گے

پیدائش

بارہ ربیع الاول، دوشنبہ کا دن، صبح صادق کی سہانی، بابرکت گھڑی تھی، رات کی تاریکی چھٹ رہی تھی، کہ مکہ کے سردار، عبدالمطلب کی جواں سال بیوہ بہو، حضرت آمنہ کو، سید الانبیاء، نبی آخر الزماں، حضرت محمد ﷺ کی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا، اس نورانی بچہ کی نرالی شان بیان کرتے ہوئے، حضرت آمنہ بتاتی ہیں:

مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہوگئی ہوں، نہ مجھے کوئی بوجھ محسوس ہوا، جو ان حالات میں عام عورتوں کو محسوس ہوتا ہے، مجھے صرف اتنا معلوم ہوا کہ میرے ایام ماہواری بند ہوگئے ہیں، ایک روز، میں خواب اور بیداری کے درمیان تھی، کہ کوئی آنے والا، میرے پاس آیا، اور اس نے پوچھا، آمنہ! تجھے معلوم ہے، کہ تو حاملہ ہے میں نے جواب دیا، نہیں، پھر اس نے بتایا تم حاملہ ہو، اور تیرے بطن میں اس امت کا سردار نبی تشریف فرما ہے، اور جس دن یہ واقعہ پیش آیا، وہ سوموار کا دن تھا۔

فرماتی ہیں، کہ ایام حمل بڑے آرام سے گزرے، جب وقت پورا ہوگیا، تو وہی فرشتہ آیا، جس نے

مجھے پہلے، خوشخبری دی تھی اس نے آ کر مجھ سے کہا، "قولی اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد" کہو کہ میں اس کو، اللہ کی پناہ میں دیتی ہوں ہر حاسد کے شر سے۔ فرماتی ہیں' جس رات سرکار دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، میں نے ایک نور دیکھا، جس کی روشنی سے شام کے محلات جگمگا اٹھے، دوسری روایت میں ہے، کہ ولادت باسعادت کے وقت، حضرت آمنہ سے ایک نور نکلا، جس نے سارے گھر کو بقعہ نور بنا دیا، ہر طرف نور ہی نور نظر آتا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی والدہ "الشفاء" کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دایہ بننے کا شرف حاصل ہوا، فرماتی ہیں، کہ جب حضرت آمنہ کے ہاں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارکہ ہوئی، تو حضور کو میں نے اپنے ہاتھوں پر لیا، اس وقت میں نے ایک آواز سنی "رَحِمَکِ رَبُّکِ" تیرا رب تجھ پر رحم فرمائے، شفا، کہتی ہیں، "اس نور مجسم کے ظاہر ہونے سے، میرے سامنے، مشرق و مغرب میں روشنی پھیل گئی، یہاں تک کہ میں نے شام کے بعض محلات کو دیکھا" حضرت شفا کہتی ہیں، جب میں فارغ ہو کر لیٹی، تو اندھیرا چھا گیا، اور مجھ پر رعب اور کپکپی طاری ہو گئی، پھر میرے دائیں جانب روشنی ہو گئی، تو میں نے سنا کہ کوئی کسی سے پوچھ رہا ہے، "أَيْنَ ذَهَبْتَ بِهِ" تم اسے لے کر کہاں گئے تھے، جواب ملا، میں انہیں لے کر، مغرب کی طرف گیا تھا، پھر وہی، اندھیرا، وہی رعب اور وہی لرزہ، مجھ پر لوٹ آیا، پھر میری بائیں جانب روشنی ہوئی، میں نے سنا، تم اسے لے کر کہاں گئے تھے، جواب ملا، میں انہیں مشرق کی طرف لے گیا تھا، اب دوبارہ نہیں لے جاؤں گا، یہ واقعہ میرے دل میں کھٹکتا رہا، یہاں تک کہ، اللہ تعالیٰ نے، اپنے پیارے رسول کو مبعوث فرمایا، اور میں ان لوگوں میں تھی، جو سب سے پہلے حضور پر ایمان لائے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں، کہ جب آپ کی ولادت ہوئی، تو آپ زمین پر، گھٹنوں کے بل بیٹھے تھے، اور آسمان کی طرف دیکھ رہے تھے، آپ کی ناف پہلے ہی کٹی ہوئی تھی۔

وہب بن زمعہ کی پھوپھی کہتی ہیں، کہ جب حضرت آمنہ کے یہاں رسول اللہ ﷺ کی ولادت ہوئی، تو آپ نے حضرت عبدالمطلب کو خبر کرنے کے لئے، آدمی بھیجا، اس وقت وہ، حطیم میں اپنے بیٹوں اور کچھ لوگوں کے درمیان بیٹھے تھے، خبر سن کر، آپ کی خوشی کی انتہا نہ رہی، آپ حضرت آمنہ کے پاس آئے، حضور کو لے کر کعبہ شریف میں آئے، وہاں کھڑے ہو کر، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعائیں کیں اور شکر ادا کیا، حضرت عباس فرماتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب پیدا ہوئے، تو آپ مختون تھے، یہ معلوم کر کے، حضرت عبدالمطلب نے فرمایا، "لَيَكُوْنَنَّ لِابْنِيْ شَأْنٌ" ضرور میرا بیٹا عظیم المرتبت ہوگا۔

اچانک صبح کی پہلی کرن ہنستی ہوئی آئی مبارکباد کہہ کر یہ خبر دادا کو پہنچائی

کہ رحمت نے تیری سوکھی ہوئی ڈالی ہری کر دی　　تیری بیوہ بہو کی گود اپنے نور سے بھر دی
ملا ہے آمنہ کو فضل باری سے یتیم ایسا　　نہیں بحر ہستی میں کوئی در یتیم ایسا

شاعر دربار رسالت حضرت حسان بن ثابت کو اللہ نے ایک سو بیس برس کی لمبی عمر عطا فرمائی تھی، ساٹھ سال وہ دور جہالت میں رہے، جب کہ ساٹھ برس حالت ایمان میں اسلام کی خدمت کرتے ہوئے بسر ہوئے، جلیل القدر صحابہ میں ان کا شمار ہوتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی موجودگی میں انہیں منبر پر بٹھا کر اشعار پڑھنے کا حکم دیتے اور ان کے اشعار کو بے حد پسند فرماتے تھے، ان کا کہنا ہے کہ ولادت نبوی کے وقت میں، سات، آٹھ سال کا تھا، مجھ میں اتنا شعور تھا، کہ میں جو دیکھتا اور سنتا، یاد رکھتا تھا، ایک دن علی الصبح، یثرب میں ایک اونچے ٹیلے پر میں نے ایک یہودی کو چیختے چلاتے سنا، وہ کہہ رہا تھا: ''یَا مَعْشَرَ یَهُوْدٍ فَاجْتَمِعُوْا اِلَیَّ'' اے یہودیو! میرے پاس جمع ہو جاؤ، یہ اعلان سن کر وہ اس کے گرد جمع ہو گئے، اس نے کہا، ''وہ ستارہ طلوع ہو چکا ہے، جو اس شب کو طلوع ہونا تھا، جس میں کتب قدیمہ کے مطابق، احمد (ﷺ) کی ولادت ہونا ہے۔

حضرت کعب احبار کہتے ہیں، میں نے تورات میں دیکھا، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو، نبی آخر الزماں ﷺ کی پیدائش کے وقت سے آگاہ کیا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو بتا دیا تھا کہ، وہ ستارہ جو تمہارے نزدیک فلاں نام سے مشہور ہے، جب اپنی جگہ سے حرکت کرے گا تو وہ وقت، محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیدائش کا ہوگا، یہ بات بنی اسرائیل میں ایسی عام تھی، کہ علماء ایک دوسرے کو بتاتے رہتے تھے، تا کہ آنے والی نسل اس اہم بات سے باخبر رہے۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے، ان لوگوں سے روایت کی، جو ولادت باسعادت کے وقت موجود تھے، کہ، مکہ میں ایک یہودی رہتا تھا، جب وہ رات آئی جس میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش ہوئی، تو اس نے قریش کی ایک محفل میں جا کر پوچھا، کیا آج رات تمہارے یہاں کوئی بچہ پیدا ہوا ہے، لوگوں نے اپنی بے خبری کا اظہار کیا، تو اس نے کہا، مجھے یقین ہے کہ قریش میں بچہ پیدا ہوا ہے اور وہ نبی آخر الزماں (ﷺ) ہیں، جو قریش میں سے ہوں گے، ان کے کندھے پر بالوں کا ایک گچھا ہوگا، لوگ اپنے اپنے گھروں کو گئے، تو معلوم ہوا، کہ آج رات عبد اللہ بن عبد المطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے، جس کا مبارک نام ''محمد'' رکھا گیا ہے، لوگوں نے یہودی کو آ کر بتایا کہ تمہاری بات سچ ہے، وہ بے چین ہو کر کہنے لگا، مجھے وہاں لے چلو اور وہ بچہ دکھاؤ، لوگ یہودی کو لے کر، حضرت آمنہ کے پاس آئے، اور کہا، ہمیں اپنا بچہ دکھایئے، وہ بچہ کو ان لوگوں کے پاس لے آئیں، کسی نے بچہ کی پشت سے کپڑا ہٹایا، تو سب نے آپ کے کندھے پر موجود بالوں کے گچھے کی زیارت کی

اور یہودی اسے دیکھتے ہی بے ہوش ہو گیا، جب اسے ہوش آیا، تو لوگوں نے پوچھا، تمہیں کیا ہوا، وہ بڑے ہی دکھ بھرے انداز میں بولا، ہائے، بنی اسرائیل سے نبوت ختم ہو گئی، اے قریش، تم خوشیاں مناؤ، اس بچہ کی برکت سے، مشرق و مغرب میں تمہاری عظمت کا ڈنکا بجے گا اور تم سب عزت پاؤ گے۔

واضح رہے کہ انبیاء سابقین اور ان کی امتوں میں، نبی آخر الزماں ﷺ کا ذکر عام تھا، بالخصوص یہودی آپ کی پیدائش کی تاریخ، مقام اور اس قبیلہ تک کو جانتے تھے جس میں، ہمارے آقا ﷺ کی ولادت باسعادت مقدر تھی، قرآن کریم میں ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۞ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۞ (البقرہ)

''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ پہچانتے ہیں انہیں، جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو، اور بے شک ان میں سے ایک گروہ، چھپاتا ہے حق کو، جان بوجھ کر، یہ حق ہے، تیرے رب کی طرف سے، تو نہ ہو جانا شک کرنے والوں میں سے''۔

علماء یہود اور ان کے احبار، اچھی طرح جانتے تھے، کہ نبی آخر الزماں ﷺ، مکہ میں، قریش کے گھر پیدا ہوں گے، اور اس طرح سلسلہ نبوت و رسالت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر، بنی اسماعیل میں پہنچے گا، کیونکہ کتب سابقہ میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف و کمالات اس واضح انداز میں پائے جاتے تھے کہ آپ کے خاتم الانبیاء ہونے میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تھی، لیکن جو یہودی آپ پر ایمان نہ لائے، انہوں نے ہٹ دھرمی سے ایک واضح حقیقت کا انکار کیا۔

احبار یہود میں سے، عبداللہ بن سلام مشرف باسلام ہوئے، تو، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے پوچھا کہ آیت ''یَعْرِفُوْنَهٗ'' میں جو معرفت بیان کی گئی ہے، اس کی کیا شان ہے، انہوں نے فرمایا، اے عمر! جب میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا، تو بے اشتباہ پہچان لیا، اور میرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچاننا، اپنے بیٹوں کے پہچاننے سے زیادہ اکمل واتم ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، وہ کیسے، انہوں نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ حضور، اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے رسول ہیں، کہ، ان کے اوصاف، اللہ تعالیٰ نے ہماری کتاب، تورات، میں بیان فرمائے ہیں، بیٹے کی طرف سے ایسا یقین کس طرح ہو، عورتوں کا حال ایسا قطعی کس طرح معلوم ہو سکتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خوش ہو کر، حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا سر چوم لیا۔ (ماخوذ از حاشیہ کنز الایمان)

حضرت عبدالمطلب فرماتے، میں اس رات کعبہ میں تھا، میں نے بتوں کو دیکھا، کہ وہ سب سربسجود ہو گئے اور دیوار کعبہ سے یہ آواز آرہی تھی:

وُلِدَ الْمُصْطَفٰی وَالْمُخْتَارُ الَّذِیْ تَہْلِکُ بِیَدِہٖ الْکُفَّارُ وَیَطْہُرُ مِنْ عِبَادَۃِ الْاَصْنَامِ وَیَاْمُرُ بِعِبَادَۃِ الْمَلِکِ الْعَلَّامِ

"مصطفیٰ اور مختار پیدا ہوا، اس کے ہاتھ سے کفار ہلاک ہوں گے، اور کعبہ بتوں کی عبادت سے پاک ہوگا، اور وہ اس اللہ کی عبادت کا حکم دے گا، جو حقیقی بادشاہ اور سب کچھ جاننے والا ہے"۔

جشن ولادت

ہمارے آقا ﷺ کی تشریف آوری صرف، انسانوں کے لئے ہی نہیں، بلکہ تمام جہانوں کے لئے مژدۂ مسرت و رحمت ہے، تمام جہانوں کا رب اعلان فرماتا ہے، "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ" پیارے محبوب ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا گیا، پس تمام جہانوں نے آپ کی ولادت مبارکہ پر اظہار مسرت و شادمانی کیا، اور یہ سلسلہ آج تک جاری ہے اور قیامت تک مزید آب و تاب اور اہتمام کے ساتھ جاری رہے گا، ہاں صرف وہ غمزدہ و مایوس ہوا، جس کا سارا پروگرام، آمد مصطفیٰ ﷺ سے ملیامیٹ ہوگیا، حضرت عکرمہ کی روایت ہے۔

کہ جس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت ہوئی، تو ابلیس نے دیکھا، کہ آسمان سے تارے گر رہے ہیں اس نے اپنے چیلوں سے کہا، آج رات وہ پیدا ہوا ہے، جو ہمارے سارے نظام کو درہم برہم کردے گا، ان چیلوں نے اسے مشورہ دیا کہ تم اس نومولود کے قریب جاؤ، اور اسے چھو کر مجنون و دیوانہ کردو، جب ابلیس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچنے کی کوشش کی، تو حضرت جبرئیل نے اسے ایسی ٹھوکر ماری کہ وہ دور "عدن" میں جا گرا،

علامہ ابوالقاسم سہیلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

ابلیس ملعون زندگی میں چار مرتبہ چیخ مار کر رویا، پہلی مرتبہ جب اسے ملعون قرار دیا گیا، دوسری مرتبہ جب اسے بلندی سے پستی کی طرف دھکیلا گیا، تیسری مرتبہ (حِیْنَ وُلِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ) جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارکہ ہوئی، اور چوتھی مرتبہ جب سورۂ فاتحہ نازل ہوئی،

غرضکہ ہمارے آقا ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں، اور جو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہو اس سے بڑی اللہ کی کون سی نعمت ہوسکتی ہے یہ ان کے نعمت عظمیٰ ہونے کا ثبوت ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے، ان کی بعثت پر بطور خاص، اظہار احسان فرمایا،

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

"بے شک اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر بڑا احسان کیا ان میں رسول پیدا فرمایا انہی میں سے"۔ (آل عمران: 164)

جب کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ، بندے اس کی نعمتوں پر شکر ادا کریں، کہ شکرانہ نعمت ہی، انعامات الٰہیہ میں اضافہ کا واحد ذریعہ ہے، جب کہ نعمتوں کی ناشکری اور ان کا انکار کرنے والے، عذاب الٰہی کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝ (ابراہیم)

"اور یاد کرو، جب (تمہیں) مطلع فرمایا تمہارے رب نے اگر تم شکر ادا کرو گے تو مزید اضافہ کروں گا، اور اگر تم ناشکری کرو گے تو (جان لو) میرا عذاب بڑا ہی سخت ہے"۔

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

"اور اپنے رب کی نعمتوں کو ظاہر کیا کرو"۔ (الضحیٰ)

نعمت عظمیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت پر شکر، ان کی اطاعت ہے، ان سے محبت ہے، اور اس کا اظہار ان کی سنتوں پر عمل اور ان کی اداؤں کو اپنانا ہے، نیز ان کے یوم میلاد کا اہتمام، اس دن مخصوص انداز سے اظہار مسرت، اس دن کو عید سے زیادہ اہمیت دینا، عید میلاد پر، حسب توفیق اچھے یا نئے کپڑے پہننا، غسل کرنا، زیب وزینت کرنا، گھروں، مساجد، گلی کوچوں اور بازاروں کو سجانا، جلوس نکالنا، محفل میلاد کا اہتمام کرنا، حسب استطاعت پر تکلف کھانوں کا انتظام کرنا، علماء کرام کو عطایا پیش کرنا، باہمی ہدایا وتحائف کا تبادلہ کرنا، صدقہ وخیرات کرنا، وغیرہ وغیرہ، یہ تمام طریقے اللہ کی عطا کردہ نعمت عظمیٰ پر شکر ادا کرنے کے ہیں، جو رب کریم کو پسند ہیں، اور آقا ﷺ کی خوشی اور رضا کا ذریعہ ہیں، ان سے محبت کا اظہار ہوتا ہے، رسول سے تعلق کا ثبوت ملتا ہے، بلاشبہ ان میں سے ہر عمل، جائز ہے، ذریعہ ثواب وبرکت ہے، اسلاف کا وطیرہ ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے مطالبہ پر رب سے "نزول مائدہ" کی دعا کی، تو اس دن کو عید کے طور پر منانے کا وعدہ کیا، کہ شکر کا یہی بہترین طریقہ ہوگا۔

جب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، ہجرت فرما کر، مدینہ منورہ پہنچے، تو یہودیوں کو یوم عاشوراء کا روزہ رکھتے دیکھا، معلوم ہوا، کہ یہودی اس دن کو، موسیٰ علیہ السلام کا یوم پیدائش جانتے ہیں، اور اپنے نبی کی

ولادت کی خوشی میں بطور شکرانہ روزہ رکھتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوم ولادت منانے کو ناجائز وحرام قرار نہ دیا، بلکہ اسے پسند فرمایا، ارشاد ہوا، "نَحْنُ اَحَقُّ وَ اَوْلٰی بِمُوْسٰی مِنْکُمْ" ہم موسیٰ علیہ السلام کے زیادہ حق دار اور تمہاری نسبت ان سے زیادہ قریب ہیں، "فَصَامَ وَاَمَرَ بِصِیَامِهٖ" تو آپ نے روزہ رکھا اور روزے کا حکم دیا۔

حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، خود بھی اپنا یوم ولادت منایا کرتے تھے، انہوں نے بتایا، کہ اللہ کے رسول ﷺ، پیر کو روزہ رکھتے تھے، جب غلاموں نے، آپ سے اس روزے کی وجہ معلوم کی، تو آپ نے فرمایا، "فِیْهِ وُلِدْتُ وَ فِیْهِ اُنْزِلَ عَلَیَّ" کہ اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن، مجھ پر قرآن کریم نازل ہوا۔

علامہ بن حجر ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "محافل میلاد اور اذکار، جو ہمارے یہاں ہوتی ہیں، ان میں اکثر کام بھلائی کے ہیں، جیسے، صدقہ، ذکر، صلوٰۃ وسلام بحضور خیر الانام ﷺ اور ان کی مدح، اور مدح تو سنت ہے، کہ جو احادیث فضائل اذکار میں ہیں، انہی کو تو بیان کیا جاتا ہے"۔

علامہ محی الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "ہمارے زمانہ کی اچھی ایجادوں میں سے وہ اعمال ہیں، جو مولد النبی کے دن کیے جاتے ہیں، یعنی، صدقات، بھلائی کے کام، فرحت ومسرت کا اظہار، کیونکہ فقراء کے ساتھ احسان کرنے کے علاوہ، ان تمام کاموں سے، عشق ومحبت کا مظاہرہ ہوتا ہے، اور اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا ہوتا ہے، جس پر اللہ تعالیٰ نے، اظہار احسان فرمایا ہے، "وَفِیْهِ اِغَاظَةُ الْکَفَرَةِ وَالْمُنَافِقِیْنَ" اور اس سے کفار ومشرکین کو جلانا مقصود ہے۔

علامہ عابدین علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، "صاحب معجزات ﷺ کی ولادت کے واقعات، سننے کے لئے جمع ہونا، بڑی نیکی اور سعادت مندی ہے، کیونکہ یہ نیکیوں اور درود شریف پر مشتمل ہے، اور آپ پر درود وسلام کی کثرت، محبت کا سبب اور ثبوت ہے۔

علامہ برہان حلبی نے، روح السیر میں فرمایا، "نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، کی ولادت باسعادت کے دن، بھلائی کرنے والوں، فرحت ومسرت کا اظہار کرنے والوں اور ان سے محبت والفت کرنے والوں کو کافی ہے کہ وہ اصحاب خیر، فقراء ومساکین کو جمع کریں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت میں، انہیں کھانا کھلائیں، ان پر صدقہ کریں، اور اس سے بھی زائد اگر چاہیں تو ایسے اشعار پڑھوائیں، جن میں نعت مصطفیٰ ﷺ مذکور ہو، اچھے اخلاق کی رغبت ہو، بھلائیوں کی طرف آمادگی ہو، بدعات اور منکرات سے نفرت ہو"۔

حضرت امام ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، "مِنْ خَوَاصِهٖ اَنَّهٗ اَمَانٌ فِیْ ذٰلِکَ الْعَامِ

وَبُشْرىٰ عَاجِلَةٌ بِنَيْلِ الْبُغْيَةِ وَالْمَرَام "محفل میلاد کی خصوصی برکتوں میں سے یہ ہے، کہ جو اس کو منعقد کرتا ہے، اس کی برکت سے سارا سال، اللہ تعالیٰ کی حفظ وامان میں رہتا ہے، اور مقصد ومطلوب کے جلد حصول کے لئے یہ ایک بشارت ہے۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے، البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے، کہ، ساتویں صدی ہجری میں، جشن عید میلاد النبی کا آغاز، اربل کے بادشاہ، الملک المظفر ابوسعید نے کیا، اس زمانے کے مشہور ومعروف محدث حافظ ابن دحید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی اور اس کا نام "التنویر فی مولد البشیر النذیر" رکھا، ملک مظفر کو جب یہ کتاب پیش کی گئی، تو اس نے مصنف کو بطور انعام، ایک ہزار اشرفیاں پیش کیں، شہنشاہ مظفر، ہر سال بڑے ہی اہتمام سے جشن میلاد النبی منایا کرتا تھا، جو لوگ اس مقدس و مبارک محفل میں شریک ہوتے، ان کا بیان ہے، کہ ہم نے اس دن، بادشاہ کے دستر خوان پر، پانچ ہزار بکروں کے بھنے ہوئے سر، دس ہزار مرغ اور تیس ہزار طباق حلوہ دیکھا، جب کہ دیگر انواع واقسام کے بے شمار کھانے بھی ہوتے تھے، اس محفل میں بکثرت علماء وصوفیہ بھی شریک ہوتے تھے، جنہیں نہایت بیش قیمت جوڑے اور تحائف پیش کیے جاتے تھے، وہ ہر سال اس بابرکت محفل پر تین لاکھ اشرفیاں خرچ کرتا تھا، (جن کی قیمت ہمارے دور میں یقیناً تین ارب ہوگی)۔

علامہ نبہانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، ملک مظفر کے علاوہ، دوسرے بادشاہ بھی نہایت اہتمام کے ساتھ عید میلاد النبی مناتے تھے، جن میں اندلس اور ہند کے بادشاہ پیش پیش تھے، ان محافل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقیدت ومحبت کا زبردست مظاہرہ ہوتا تھا، علامہ نبہانی فرماتے ہیں، "میں کہتا ہوں کہ میلاد شریف پر علماء ومشائخ نے مداومت کی ہے"۔

حافظ ابو عبد اللہ التنسی نے لکھا ہے، کہ الجزائر کا بادشاہ، سلطان ابوحمو موسیٰ، اپنے دار الخلافہ، "تلمسان" میں عید میلاد النبی کے موقع پر ایک بڑی دعوت کا اہتمام کیا کرتا تھا، جس میں خواص وعوام سب ہی مدعو ہوتے تھے، جلسہ گاہ میں ہر طرف قیمتی وحسین قالین بچھے ہوتے، گاؤ تکیے لگے ہوتے، اور بڑی بڑی شمعیں روشن ہوتیں جو دور سے ستونوں کی طرح معلوم ہوتی تھیں، جگہ جگہ انگیٹھیاں لگی ہوتی تھیں جن میں خوشبو لگی ہوتی تھی، دستر خوان پر، ہر طرف رنگ برنگے، موسمی پھل اور پھول نیز طرح طرح کے کھانے سجے ہوتے تھے، جن کی مہک کھانے کی خواہش کو دوبالا کر دیتی تھی، تمام لوگوں کو ان کے مراتب اور درجات کے مطابق بٹھایا جاتا تھا، حاضرین کے چہروں پر وقار ہوتا، عشق ومحبت کا نور برستا ہوتا تھا، بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں ہدیۂ نعت ومدح کا عشق افروز سلسلہ شروع ہوتا، مواعظ و نصائح اور محبت رسول ﷺ نیز سنت رسول پر دعوت کے عنوانات پر تقاریر ہوتیں، اختتام تقریب پر

تبرکات اور نہایت بیش قیمت تحائف تقسیم کیے جاتے، یہ سلسلہ فجر تک جاری رہتا تھا، رخصت ہوتے ہوئے سب مصافحہ معانقہ کرتے، مبارکباد، دعاؤں اور سلام کے ساتھ، انوار و برکات کی یہ محفل اختتام پذیر ہوتی، (کاش آج کے سلاطین و حکام بھی ایسا ہی اہتمام کیا کریں)۔

بحمد اللہ تعالیٰ، جشن عید میلاد النبی ﷺ کا بابرکت سلسلہ، امت مسلمہ میں آج تک جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا، صرف چند فرقے ہیں جو اس مقدس عمل کو، بدعت، ناجائز اور حرام تک کہتے ہیں، لیکن ان کے فتوے، بے جان، بے دلیل اور غیر مؤثر ہیں، اپنے آقا ﷺ کے یوم پیدائش پر اظہار مسرت کرنے والے، جشن مناتے ہیں اور مناتے رہیں گے، جس کے بے شمار فوائد ہوتے ہیں، بقول علامہ محی الدین علیہ الرحمہ، ایک بڑا فائدہ تو یہ ہے، کہ، "فِيْهِ اِغَاظَةُ الْكَفَرَةِ وَالْمُنَافِقِيْنَ" اس سے کفار و منافقین کو جلانا مقصود ہے، علاوہ ازیں، یہ تبلیغ و اشاعت دین اور غلاموں کے دلوں میں عشق و محبت، پیدا کرنے کا بہترین طریقہ ہے نیز اس سے صدقہ و خیرات کا بہترین موقع فراہم ہوتا ہے، غرباء و مساکین کا بھلا ہوتا ہے، علماء و مشائخ کا تعاون ہوتا ہے، جو ایک نہایت ہی اہم کار خیر ہے، درود شریف اور نعتوں سے دلوں کو سکون میسر آتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنتوں کو اپنانے کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، باہمی محبت و الفت میں اضافہ ہوتا ہے، غرضیکہ جشن میلاد النبی ﷺ منانا اور، پورے تزک و احتشام سے منانا، نہایت ہی مفید عمل ہے، خوش نصیب ہیں وہ حضرات جو ان محافل کا اہتمام کرتے ہیں، ان میں شریک ہوتے ہیں، کہ دولت اور وقت کا اس سے بہتر مصرف کوئی دوسرا نہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، مزید توفیق دے، غافلوں کو بیداری نصیب فرمائے، کہ اصل ایمان، روح ایمان حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عشق اور ان کی محبت ہی ہے، امین بجاہ رحمۃ للعالمین۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا ... عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمِ ... وَاحْکُمْ بِمَاشِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمِ

وَانْسُبْ اِلٰی ذَاتِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ شَرَفٍ ... وَانْسُبْ اِلٰی قَدْرِهٖ مَاشِئْتَ مِنْ عِظَمٖ

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ ... حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

نصاریٰ نے اپنے پیغمبر کی نسبت جو دعویٰ کیا ہے اس کو چھوڑ دے پھر جو تیرا جی چاہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں کہہ، اور مخالف کو جس حکم کے پاس چاہے لے جا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ کی طرف جو شرف تو چاہے منسوب کر، اور آپ کی ذات کی طرف جو بزرگی چاہے منسوب کر، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی فضیلت کی کوئی حد و نہایت نہیں کہ اس کو کوئی ناطق زبان سے بیان کر سکے۔ (قصیدہ بردہ شریف)

دور بچپن

نرالی ولادت

ہمارے آقا ﷺ مختون پیدا ہوئے، یعنی قدرتی طور پر، آپ کا ختنہ پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا، اسی طرح قدرتی طور پر آپ کی آنکھوں میں سرمہ لگا ہوا تھا، عام طور پر بچے، جس طرح غلاظت میں ملوث ماں کے پیٹ سے باہر آتے ہیں، آپ کا یہ حال نہ تھا، بلکہ آپ بالکل پاک وصاف، دنیا میں رونق افروز ہوئے، چہرۂ مبارک پرنور تھا، جس سے حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور حضرت شفاء نے قیصر وکسریٰ تک کے محلات کو ملاحظہ فرمالیا، آپ کے نور سے تمام جہان منور و روشن ہو گئے ظلم وکفر کی ظلمت اور تاریکی، ہمیشہ کے لئے چھٹ گئی، بحالت سجدہ، امت کے لئے، طلب مغفرت کرتے تشریف لائے۔

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا — مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا
بارہویں کے چاند کا مجرا ہے سجدہ نور کا — بارہ برجوں سے جھکا اک اک ستارہ نور کا

اسم مبارک

حضرت عبدالمطلب نے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا، جس میں قریش اور دیگر روٴساء مکہ کو مدعو کیا، نہایت پر تکلف کھانوں کا اہتمام کیا گیا تھا، کھانے سے فارغ ہو کر لوگوں نے نومولود کا نام معلوم کیا، عبدالمطلب، جو آج بے حد خوش وخرم نظر آ رہے تھے، بولے، میں نے اپنے پوتے کا نام، ''محمد'' (ﷺ) رکھا ہے، ایک نیا نام، انوکھا نام، لوگ سن کر حیرت زدہ رہ گئے، بولے، خاندان سے بالکل علیحدہ انوکھا نام، آج تک عرب میں ایسے نام والا نہ کوئی سنا، اور نہ ہی دیکھا، آخر اس انتخاب کی کیا وجہ ہوئی، عبدالمطلب نے فرمایا، ''اردت ان یحمده الله فی السماء وخلقه فی الارض'' میں چاہتا ہوں کہ آسمانوں پر، اللہ تبارک وتعالیٰ اور زمین پر، اس کی مخلوق، اس نومولود کی حمد وثناء کرے لوگوں نے خوشی ومسرت کا اظہار کیا، دعائیں دیں اور رخصت ہوئے۔

محمد، کے معنی بیان کرتے ہوئے، اہل لغت بتاتے ہیں، ''کل جامع بصفات الخیر یسمی محمدا'' جملہ صفات خیر کی جامع شخصیت کو ''محمد'' کہا جاتا ہے۔

علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ''هُوَ الَّذِیْ یُحْمَدُ حَمْدًا بَعْدَ حَمْدٍ'' محمد، وہ ہے، جس کی باربار تعریف کی جائے۔

بلا شک وشبہ، ہمارے آقا ﷺ، اسم بامسمیٰ ہیں، کہ آپ اللہ کے فضل وکرم سے، جامع صفات وکمالات ہیں، نیز آپ کا ذکر و چرچا، آپ کی تعریف وتوصیف کا سلسلہ، حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے تھا، آج بھی ہے، قیامت تک ہوگا، قبر میں بھی ان کے متعلق سوال ہوتا ہے، حشر میں بھی، ہر ایک کی نظریں، انہی کی طرف اٹھی ہوں گی، حتیٰ کہ انبیاء ومرسلین بھی ان کے منتظر ہوں گے، کہ ان کی سفارش وشفاعت کے بغیر، نہ حساب وکتاب شروع اور نہ ہی باب جنت وا ہوگا۔

ورفعنا لک ذکرک کا سایہ تجھ پر　　　ذکر ہے اونچا تیرا بول بولا ہے تیرا

اللھم صل و سلم علیٰ سیدنا و مولانا محمد معدن الجود والکرم وعلی الہ و صحبہ اجمعین

ہمارے آقا ﷺ کا دوسرا مشہور ومعروف نام "احمد" ہے، حضرت جبیر ابن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "اِنَّ لِیْ اَسْمَاءَ اَنَا مُحَمَّدٌ وَاَنَا اَحْمَدُ وَاَنَا الْمَاحِی الَّذِیْ یَمْحُو اللّٰہُ بِیَ الْکُفْرَ وَاَنَا الْحَاشِرُ الَّذِیْ یَحْشُرُ النَّاسُ عَلٰی قَدَمِیْ وَاَنَا الْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ"، میرے کئی نام ہیں، میں "محمد" ہوں اور میں "احمد" ہوں، میں "الماحی" ہوں، یعنی اللہ تعالیٰ، میرے ذریعہ کفر کو مٹائے گا، اور میں "الحاشر" ہوں، کہ لوگ حشر کے دن میرے قدموں پر جمع ہوں گے، اور میں، "العاقب" ہوں، یعنی میرے بعد کوئی نبی نہ آئے گا۔ (ﷺ)

"احمد" اسم تفضیل کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہیں، "اَحْمَدُ الْحَامِدِیْنَ" ہر حمد کرنے والے سے زیادہ حمد کرنے والا، یہی وہ اسم معروف ہے جس سے، حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء ومرسلین علیہم السلام نے آپ کو یاد کیا اور اپنی اپنی امتوں میں آپ کا تعارف کرایا، اور یہی اسم مقدس آسمانوں پر فرشتوں میں مشہور ہے، اور یہی اسم مقدس ہے، جس سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، ہمارے آقا ﷺ کی تشریف آوری کا مژدہ سنایا،

وَ اِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَ مُبَشِّرًۢا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُؕ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ۞ (الصف)

"اور یاد کرو جب فرمایا عیسیٰ فرزند مریم نے اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا (بھیجا ہوا) رسول ہوں، میں تصدیق کرنے والا ہوں تورات کی جو مجھ سے پہلے آئی، اور مژدہ دینے والا ہوں ایک رسول کا جو تشریف لائے گا میرے بعد، اس کا نام گرامی احمد ہوگا، پس

جب وہ (احمد) آیا ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر، تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے"۔

ہمارے آقا ﷺ، پہلے احمد کہلائے، سب سے زیادہ اپنے رب کریم کی تعریف کرنے والے، پھر آپ محمد ہوئے، یعنی وہ جس کی تعریف کی جاتی رہے، کہ تا ابد آپ کی تعریف ہوتی رہے گی، اللہ کے بعد کوئی نہیں جس کی تعریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جتنی اور جیسی ہوئی ہو ساری مخلوق آپ کی تعریف میں رطب اللسان ہے، انسان ہوں، چاہے جنات، جمادات، نباتات، شجر و حجر، سب ہی آپ کے ثنا خواں ہیں، بالخصوص ملائکہ، جو نہ صرف آسمانوں پر آپ کی تعریف کرتے ہیں، بلکہ زمین پر اترتے ہیں، تو تعریف کرنے والوں کی محافل میں شریک ہوتے ہیں، ذکر رسول اللہ ﷺ اور آپ کی نعت سے لطف اندوز اور مسرور ہو کر واپس جاتے ہیں، حتیٰ کہ رب محمد ﷺ ان پر درود بھیجتا رہتا اور اہل ایمان کو، اپنا اور فرشتوں کا عمل اختیار کرنے کا، حکم دیتا ہے۔

اللھم صل وسلم و بارک علی سیدنا و مولانا محمد و علیٰ الہ
واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

ہمارے آقا ﷺ، محمد بھی ہیں اور احمد بھی، کہ آپ پیکر حمد و ثنا ہیں، آپ کا لحہ لحہ اپنے رب کی حمد میں صرف ہوتا ہے، آپ کی حمد و ثناء کی ہر ادا، سب سے نرالی اور سب سے ارفع و اعلیٰ ہے، لیکن آپ کی شان احمدیت کا مظاہرہ بالخصوص روز محشر ہوگا، جب اللہ کا یہ بندہ خاص عرش کے سامنے اپنے رب کے حضور سربسجود ہوگا، اور آپ اپنے رب کی وہ مخصوص حمد و ثنا کریں گے جو نہ آج تک کوئی کر سکا اور نہ کر سکے گا، جس پر ملائکہ بھی رشک کریں گے، انبیاء و مرسلین وجد سے جھومنے لگیں گے، اہل محشر پر سرور و کیفیت طاری ہوگا، بالآخر رب ذوالجلال والاکرام کا دریائے رحمت جوش میں آئے گا، "اِرْفَعْ رَأْسَکَ سَلْ تُعْطَ" کی صدا بلند ہوگی، قبولیت حمد و ثنا کے اظہار کے طور پر، "لواء حمد" آپ کو بخشا جائے گا، اور "مقام محمود" پر فائز ہونے کے اعزاز سے سرفراز فرمایا جائے گا، یہ وقت ہوگا "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" کے وعدے الٰہی کی تکمیل کا، آقا ﷺ، غلاموں کی مغفرت کی درخواست پیش کریں گے، جو قبول و منظور ہوگی، ﷺ یہ وقت ہوگا، وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ، کے مظاہرے کا، کہ ہر آنکھ نورانی چہرے کی طرف اٹھی ہوگی، ہر زبان ان کے ذکر مبارک کی لذت لے رہی ہوگی، ہر چہرہ ان کے نور سے چمک رہا ہوگا سب ان کی شفاعت کے منتظر ہوں گے۔

آج عید عاشقاں ہے گر خدا چاہے کہ وہ | ابروئے پیوستہ کا عالم دکھاتے جائیں گے
کچھ خبر بھی ہے فقیرو آج وہ دن ہے کہ وہ | نعمت خلد اپنے صدقے میں لٹائے جائیں گے
لو وہ آئے مسکراتے ہم اسیروں کی طرف | خرمن عصیاں پر اب بجلی گراتے جائیں گے

ہمارے آقا ﷺ کے بیشمار نام ہیں، جو آپ کی شان، کمالات، صفات کی ترجمانی کرتے ہیں، ان میں سے چند قرآن کریم میں بھی موجود ہیں، جیسے، یٰس، مُزَّمِّلْ، مدثر، طٰہٰ، شَاهِدٌ، بَشِيْرٌ، نَذِيْرٌ، دَاعِیٌ، سِرَاجٌ مُّنِيْرٌ، وغیرہ، لیکن پانچ مبارک ناموں کا آپ نے خصوصی طور پر ذکر فرمایا، جیسا کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت سے آپ معلوم کر چکے، وہ نام یہ ہیں، انہیں یاد رکھنا چاہیے۔

محمد، احمد، الماحی، الحاشر، العاقب، ﷺ

رضاعت

سب سے پہلے سیدہ آمنہ رضی اللہ عنہا نے، اپنے نور نظر اور لخت جگر کو دودھ پلایا، پھر یہ اعزاز ثوبیہ کو نصیب ہوا، یہ ابولہب کی کنیز تھی، اسی نے سب سے پہلے اپنے آقا کو اس کے بھتیجے کی پیدائش کی خبر سنائی تھی، جس پر خوش ہو کر ابولہب نے اس لونڈی کو آزاد کر دیا تھا، روایات کے مطابق، اس بدترین کافر اور دشمن رسول کو، ہمارے آقا ﷺ کی پیدائش پر اظہار مسرت کے صلہ میں، چودہ سو برس سے اجر مل رہا ہے، کہ ہر سوموار کو اس ابدی جہنمی کے عذاب میں کچھ تخفیف کر دی جاتی ہے، نیز ٹھنڈا پانی پلایا جاتا ہے اور تا قیامت ایسا ہوتا رہے گا، جب ایک کافر کو، اپنے بھتیجے کی پیدائش پر یہ صلہ مل رہا ہے، تو ہم غلام، کیوں یقین نہ کریں کہ آقا ﷺ کا جشن پیدائش ہماری مغفرت اور ان کی شفاعت نصیب ہونے کا ذریعہ ہے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا اور ثوبیہ کے بعد، خولہ بنت منذر، ام ایمن، اور چند دیگر خواتین کو بھی آقا ﷺ کو دودھ پلانے کا شرف نصیب ہوا، لیکن خوش نصیب ہیں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا، جو بحیثیت ''رضاعی ماں'' معروفہ ہیں، کیونکہ انہوں نے مسلسل دو سال آپ کو دودھ پلایا۔

قریش اور دیگر روسائے عرب میں یہ رواج تھا، کہ وہ اپنے بچوں کو دیہاتی عورتوں سے دودھ پلواتے تھے، تا کہ صحرا کا پاک وصاف ماحول میسر آئے، اور بچے تندرست وتوانا ہوں، صحرائی زندگی کی مشقتوں اور جفاکشی کے وہ عادی ہوں، نیز وہ فصیح عربی زبان پر عبور حاصل کر سکیں، کیونکہ دیہاتی، شہریوں سے بہتر زبان بولتے ہیں۔ ان کی بیویاں، ان کی خدمت کے لئے مزید فرصت پا سکیں۔

مختلف قبائل کی خواتین، کم از کم سال میں دو مرتبہ مکہ آیا کرتی تھیں، تا کہ دولت مندوں کے بچوں کو دودھ پلانے کے لئے لے جائیں، مدت رضاعت ختم ہو جانے کے بعد وہ ان بچوں کو ان کے والدین کے سپرد کر دیتی تھیں جو انہیں قیمتی تحائف و ہدایا اور رقوم دے کر بصد شکر رخصت کر دیا کرتے تھے، یہ بچے، اپنی رضاعی ماؤں کا، حقیقی ماؤں کی طرح احترام کرتے اور ان سے محبت کیا کرتے تھے، ہماری شریعت میں بھی رضاعی ماں کو حقیقی ماں کا مقام حاصل ہے، اس سے یا اس کے بچوں سے حقیقی، بھائی

بہن کی طرح نکاح ممنوع ہے۔

حضرت عبدالمطلب بھی کسی دودھ پلانے پلانے والی کی تلاش میں تھے، تاکہ وہ اپنے عظیم المرتبت پوتے کو اس کے حوالے کریں، اور وہ آپ کو دودھ بھی پلائے، آپ کی نگرانی بھی کرے، اسی دوران بنو سعد کی چند خواتین بچے لینے مکہ مکرمہ آئیں، قبیلہ بنو سعد، قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ تھا، جو اعلیٰ نسب ہونے کے ساتھ، فصاحت و بلاغت میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا، ان ہی خواتین میں "حلیمہ سعدیہ" بھی تھیں جو اپنے خاوند، عبدالعزیٰ کے ساتھ مکہ آئی تھیں، انہیں ہمارے آقا ﷺ کی رضائی ماں بننے کا شرف کس طرح ہوا، یہ دلچسپ واقعہ حلیمہ سعدیہ نے خود بیان فرمایا، وہ فرماتی ہیں:

یہ قحط اور خشک سالی کا سال تھا، ہمارے پاس کچھ باقی نہ رہا تھا، جس سے گزر اوقات ہوتی، جب ہمارے قبیلہ کی دیگر خواتین بچے لینے کی غرض سے مکہ جانے لگیں تو میں بھی ان کے قافلہ میں شامل ہوگئی، میں ایک سبز مائل رنگ والی گدھی پر سوار تھی، جب کہ ہمارے ساتھ ایک بوڑھی اونٹنی بھی تھی، جس کا دودھ خشک ہو چکا تھا، یہ اونٹنی اتنی لاغر تھی، کہ قافلہ کے ساتھ اس کا چلنا مشکل ہو رہا تھا، میرا بچہ بھی بھوک سے بلکتا رہتا تھا کیونکہ میرے پستان بھی خشک ہو چکے تھے، ہم سفر کر رہے تھے اور بارش کی دعائیں کرتے جاتے تھے، نہایت دشوار شب و روز گزارنے کے بعد ہم مکہ پہنچے، سب عورتوں نے بچے حاصل کرنے کے لئے گھر، گھر چکر لگانے شروع کر دیئے، بنو سعد کی یہ عورتیں، حضرت آمنہ کے گھر بھی پہنچیں، لیکن جب انہیں پتہ چلا کہ آمنہ کا بچہ یتیم ہے، تو کسی نے قبول نہ کیا اور واپس چلی آئیں، ان کا خیال تھا، کہ جس بچے کا باپ نہیں، اس کی خدمت کے صلہ میں ہمیں کیا مل سکے گا، سوائے میرے، سب عورتوں کو بچے مل گئے، میری غربت و تنگدستی اور بدحالی کو دیکھ کر کوئی اپنا بچہ میرے سپرد کرنے پر آمادہ نہ ہوا، مجبوراً، میں نے اپنے شوہر سے کہا، کہ میں خالی ہرگز واپس نہ جاؤں گی، اس یتیم بچے ہی کو لے آتی ہوں، میرے شوہر نے اجازت دی اور آمنہ کے گھر جا کر مجبوراً اس یتیم بچے کو لے آئی، بخدا اگر مجھے کوئی دوسرا بچہ ملتا تو میں بھی دوسری عورتوں کی طرح، اس بچہ کو ہرگز قبول نہ کرتی۔

حضرت حلیمہ بتاتی ہیں، کہ جب میری پہلی نظر اس "در یتیم" پر پڑی، تو مجھے ایسا محسوس ہوا، کہ چودھویں کا چاند میری گود میں ہے، یہ مسکرائے، تو مجھے سارا جہاں مسکراتا نظر آیا، انہوں نے آنکھیں کھولیں تو میرا مقدر کھل گیا، مجھے اسی وقت خیال آنے لگا کہ مجھے تو بڑی ہی عظیم نعمت نصیب ہوگئی، یہ بچہ یقیناً کوئی عام بچہ نہیں، نہایت عظمت و بلندی والا بچہ معلوم ہوتا ہے، اس کی شان نرالی ہے، اس کی ہر ادا نرالی ہے، میرے شوہر نے بچہ کو گود میں لیا تو مسرت و شادمانی سے جھومنے لگے، مجھے ان کے چہرے پر نور نظر آیا، وہ خوش ہو کر بولے، ہمیں تو دنیا و آخرت کا خزانہ نصیب ہوگیا، اب ہم نہ غریب رہے، نہ

تنگدست، لو، حلیمہ! اسے جلد ہی دودھ پلاؤ، مجھے بھی محسوس ہو رہا تھا، کہ میری چھاتی میں دودھ لہریں مار رہا ہے، مجھے حیرت تھی کہ ایسا تو زندگی میں کبھی نہ ہوا، میں نے آپ کو اپنی دائیں چھاتی سے لگایا، آپ نے اس سے دودھ پیا، پھر میں نے آپ کو اپنی بائیں چھاتی پیش کی، تو آپ نے اپنا منہ ہٹالیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ الہام باخبر کیا، کہ آپ کا ایک رضاعی بھائی بھی ہے، یہ بائیں چھاتی کا دودھ اس کا حق ہے لہٰذا آپ عدل کریں اور دوسری طرف سے دودھ نوش نہ فرمائیں، کہ اللہ نے یہ پسند نہ فرمایا، کہ عدل وانصاف کا پیکر، زندگی کے ابتدائی مرحلہ میں بھی ناانصافی کرے اور اس پر حق تلفی کا داغ لگے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں، پھر میں نے اپنے بچہ کو دودھ پلایا، تو اس نے بھی خوب سیر ہو کر پیا، پھر حضور بھی سو گئے، اور میرا بیٹا بھی سو گیا، میرے شوہر نے اس لاغر اور بوڑھی اونٹنی کو دیکھا، تو وہ تو ایک جوان اونٹنی جیسی تھی، جس کے تھن دودھ سے بھرے ہوئے تھے، ہم دونوں نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا، اور ساری رات، بہت دن کے بعد، خوب اچھی طرح سوئے، جب ہم بیدار ہوئے، تو میرے شوہر نے خوش ہو کر کہا، ''وَاللهِ يَا حَلِيْمَةُ لَقَدْ اَخَذْنَا نَسَمَةً مُبَارَكَةً'' اے حلیمہ، بخدا ہمیں بڑی ہی برکت والی نعمت نصیب ہوئی ہے، میں نے کہا، مجھے بھی یہی یقین ہے، ہمیں صرف یہی برکت نصیب نہیں ہوئی تھی، بلکہ اللہ نے اس نورانی بچہ کے طفیل، ہمارے چہروں کو بھی منور کر دیا تھا، پرکشش بنا دیا تھا، ہمیں قافلہ میں ایسی عزت ملی، کہ ہر مرد وعورت ہماری طرف دوڑا آ رہا تھا، اور ہمیں مبارکباد دے رہا تھا۔

ہمارا قافلہ روانگی کے لئے تیار ہوا، تو میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر، اپنی اسی لاغر و کمزور، گدھی پر سوار ہو گئی، اب نہ یہ وہ گدھی تھی اور نہ ہی ہماری کوئی چیز، پہلی جیسی تھی، آتے ہوئے ہم، پیچھے قافلہ سے دور، رہ جاتے تھے اور اب میری سواری سب سے آگے تھی، اتنی تیز جیسے اڑ رہی ہو، قافلہ دور پیچھے تھا، عورتیں مجھے پکارتیں اور آہستہ چلنے کو کہتیں، وہ کہہ رہی تھیں، اے حلیمہ! تیری اس سواری کے تو قدم بھی نہیں اٹھ رہے تھے، اب اسے کیا ہوا، معلوم ہوتا ہے، اسے تو پر لگ گئے، یہ تو اڑ رہی ہے، میں نے کہا، یہ نہ میرا کمال ہے نہ اس گدھی کا، یہ اس بچے کی برکت ہے، جسے تم نے غریب و یتیم ہونے کے سبب قبول نہ کیا، اور اللہ نے یہ نعمت مجھے بخشی، جس نے میرا مقدر چمکا دیا، یقیناً اب مجھے وہ سب کچھ مل گیا، جو کسی کو نہ ملا۔

بالآخر سفر ختم ہوا، اور ہم اپنے گھر پہنچے، اب ہماری ہر چیز میں برکت تھی، اور ہر نظر میں ہم باعزت تھے، ہمارا علاقہ، دنیا میں سب سے زیادہ قحط زدہ تھا، جانوروں کے لئے گھاس تھی نہ پانی، لیکن شام کو جب میری بکریاں چر کر آتیں تو ان کی کوکیں پھولی ہوتیں، اور تھن دودھ سے زمین کو لگے نظر آتے،

ہمارے گھر میں گویا اب دودھ کی ندی بہہ رہی تھی جس سے ہم بھی سیراب ہو رہے تھے، ہمارے خاندان اور پڑوس کے لوگ بھی سیراب ہوتے تھے، دن بدن ہم پر، اللہ کی نعمتوں اور برکتوں میں اضافہ ہوتا رہا اور ہم خوشحالی وسکون کی زندگی بسر کرتے رہے، دو سال پورے ہوئے تو میں نے آپ کا دودھ چھڑایا، اس عرصہ میں آپ اتنے قوی اور توانا ہو چکے تھے کہ اپنے ہم عمر بچوں سے کافی بڑے لگتے تھے۔

زرع شاداب و ہر ضرع پر شیر سے　　برکات رضاعت پہ لاکھوں سلام

حضرت حلیمہ بتاتی ہیں، کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، گود میں لیے بیٹھی تھی، بکریوں کا ایک ریوڑ میرے قریب سے گزرا، ایک بکری آگے آئی اور اس نے حضور کو سجدہ کیا، اور پاؤں مبارک کو بوسہ دیا، پھر بھاگ کر دوسری بکریوں میں مل گئی۔

آپ فرماتی ہیں، کہ جب ہم مکہ سے واپس لوٹے تو ہمارے ہر گھر سے زعفران کی مہک آ رہی تھی (گویا یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے استقبال کا قدرت کی طرف سے خصوصی اہتمام تھا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکتوں کا چرچا ہوتا گیا اور لوگ آپ کی محبت میں دیوانے ہونے لگے آپ سے ان کی عقیدت بڑھتی رہی، لوگ آپ سے برکتوں کے حصول کے لئے، ہر وقت میرے گھر پر جمع رہتے، اپنی حاجات اور ضروریات پوری ہونے کے لئے اللہ سے دعائیں کرتے اور اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ ان کی مرادیں پوری فرماتا، بالخصوص اگر کسی کو کوئی جسمانی تکلیف ہوتی، یا کسی کا جانور بیمار ہو جاتا، تو وہ حضور کی ہتھیلی، تکلیف والی جگہ پر لگاتا، جانور پر آپ کا ہاتھ پھیرتا، اللہ تعالیٰ صحت وتندرستی عطا فرما دیتا تھا۔

حلیمہ کا گھرانا خوش تھا اپنی خوش نصیبی پر　　یہ بچہ ایک دامن تھا یتیمی پر غریبی پر
تھا اک سادہ سے گھر میں دولت کونین کا وارث　　رضاعی ماں حلیمہ تھیں رضاعی باپ تھا حارث
رضاعی بہنیں شیمہ اور انیسہ بس یہی دو تھیں　　عفیفہ تھیں محبت کرنے والی تھیں دعا گو تھیں
رضاعی بھائی دو تھے جن میں عبداللہ ہمسن تھا　　یہ سب نگراں تھے جب اللہ کا محبوب کمسن تھا

حضرت حلیمہ کہتی ہیں، ہماری راحت وخوشحالی کے دو سال، پل بھر میں گزر گئے، ہمیں پتہ بھی نہ چلا اور آپ کی واپسی کا وقت آ گیا، صرف ہماری ہی نہیں، بلکہ ہمارے پورے قبیلہ کی خواہش تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ عرصہ مزید ہمارے ساتھ قیام فرمائیں، میں آپ کو لے کر مکہ گئی، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا، اپنے نور نظر کو دیکھ کر باغ باغ ہو گئیں، حضرت عبدالمطلب آئے، پوتے کو گلے لگایا چوما، دیکھتے ہی دیکھتے سارا مکہ آمنہ کے گھر کی طرف امنڈ آیا، ہر ایک کی زبان پر، ''جاء محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا، اس نورانی چہرے کو دیکھ کر، مرد وعورت سب حیرت زدہ تھے، اور ہم ایک کونے میں

کھڑے اپنی فکر میں تھے، کہ اب ہمارا کیا ہوگا، حضرت آمنہ نے دیکھا، تو ہماری طرف بڑھیں محبت بھرے انداز میں مجھے گلے لگایا اور پوچھا، اے حلیمہ! اس خوشی کے موقع پر تم کیا سوچ رہی ہو، میں نے موقع غنیمت جانا اور اپنی بات کہہ ڈالی، آمنہ! اس بچے کو ابھی کچھ عرصہ کے لئے ہمارے ساتھ واپس بھیج دیجئے، تا کہ کھلی فضا اور اچھی آب و ہوا میں اس کی صحت مزید بہتر ہو، مکہ کی دبازدہ فضا اور آلودہ ماحول سے ابھی آپ کے لخت جگر کا، دور ہی رہنا بہتر ہے، اللہ نہ کرے کہ ان کی صحت متاثر ہو۔

حضرت حلیمہ نے کچھ اس انداز اور اصرار سے اپنا مدعا پیش کیا تھا، کہ حضرت آمنہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کی درخواست قبول کرنا پڑی، اور حلیمہ، آمنہ کا اقرار سن کر، کھل گئیں، وہ اپنے مقدر پر نازاں و فرحاں گھر واپس آئیں، بنو سعد کو پتہ چلا، کہ دوبارہ، اللہ کی رحمت انہیں ملی ہے تو مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، ہر گھر میں خوشی تھی عید کا سماں تھا، حلیمہ کا گھر مسرت و شادمانی کا مرکز تھا، مرد و عورت اور بچے سب ہی خوشی کے گیت گا رہے تھے، مبارک باد، دے رہے تھے۔

حضرت حلیمہ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی واپسی کے دو تین ماہ بعد کا واقعہ ہے، کہ ایک روز، آپ اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ گھر کے پیچھے بکریاں چرا رہے تھے، دوپہر کے وقت آپ کا بھائی دوڑتا آیا، وہ بہت گھبرایا ہوا تھا، اس نے بتایا کہ دو سفید پوش مرد میرے بھائی کے پاس آئے، انہیں پکڑ کر زمین پر لٹایا، اور ان کا پیٹ چاک کر دیا، میں اور میرے شوہر دوڑتے آپ کے پاس پہنچے ہم نے دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں، اور آپ کا نورانی چہرہ پیلا ہو گیا ہے، ہم نے آپ کو گلے لگایا اور پوچھا، کیا ہوا، وہ لوگ کون تھے اور کہاں گئے، آپ نے بتایا، میرے پاس دو آدمی آئے، جو سفید لباس پہنے تھے، انہوں نے مجھے لٹایا، میرا پیٹ چاک کیا اور اندر سے کوئی چیز نکال کر پھینک دی، پھر انہوں نے میرا پیٹ سی دیا، ہم حضور کو لے کر گھر آئے، اور ہم دونوں بہت متفکر اور پریشان تھے، میرے، شوہر نے کہا، اے حلیمہ، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کو آسیب ہو گیا، اس سے پہلے کہ آسیب کے اثرات ظاہر ہوں، بہتر ہوگا کہ ہم بچہ کو ان کی ماں کے سپرد کر آئیں، تا کہ ہماری کوئی ذمہ داری نہ رہے، لہٰذا ہم دونوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر مکہ پہنچ گئے، حضرت آمنہ نے ہمیں قبل از وقت دیکھا، تو پریشان ہو گئیں، پوچھا، مجھے جلد بتاؤ، میرے بچے کو کیا ہوا، تم تو اسے بڑا اصرار کر کے مزید دو سال کے لئے، لے گئی تھیں، آخر اتنی جلدی کیوں واپس لے آئیں، میں نے انہیں اصل بات بتانے سے گریز کرتے ہوئے کہا، کہ مجھے آپ کی تنہائی کا خیال آیا، میں انہیں واپس لے آئی، لیکن آمنہ کو میری بات پر یقین نہ آیا، تو ان کے اصرار پر میں نے سارا واقعہ بتایا، انہوں نے اطمینان کا سانس لیا، اور بولیں، کیا تمہیں یہ خطرہ ہے، کہ میرے لخت جگر کو شیطان تکلیف پہنچائے گا، بخدا، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا، میرا بچہ نرالی شان والا ہے،

شیطان تو اس کے قریب بھی نہیں آسکتا، حلیمہ! کیا میں اپنے بیٹے کے بارے میں تمہیں کچھ بتاؤں، میں نے بڑے اشتیاق سے عرض کیا، ضرور بتایئے، پس، حضرت آمنہ نے بتایا، جب میں حاملہ تھی، تو عام عورتوں کی طرح نہ مجھے اس کا کوئی بوجھ محسوس ہوا، اور نہ کوئی دوسری تکلیف ہوئی، ایام حمل میں، میں نے خواب میں دیکھا، کہ میرے اندر سے نور نکلا ہے، جس کی روشنی میں مجھے شام کے محلات نظر آئے، ولادت کے وقت بچہ نے دونوں ہاتھ زمین پر ٹیکے ہوئے تھے، اور سر آسمان کی طرف اٹھایا ہوا تھا، حضرت آمنہ نے فرمایا، تم مطمئن رہو اور بچہ کو میرے پاس چھوڑ دو، میں خود اس کی خدمت اور نگرانی کروں گی۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر)

سیدہ آمنہ کا سفر یثرب

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے ہی، آپ کے والد حضرت عبداللہ کا سرزمین یثرب پر انتقال ہوا، سیدہ آمنہ کی آرزو تھی، کہ وہ شوہر کی قبر پر حاضر ہو کر اپنا دل ٹھنڈا کریں، اور اپنے سسرال کے ان لوگوں سے ملاقات کریں، جن میں حضرت عبداللہ نے اپنی زندگی کے آخری ایام گزارے، اور اس گھر والوں نے، عبداللہ کی تیمارداری کی، انتقال کے بعد تجہیز و تکفین کی بھاری ذمہ داری پوری کی، حضرت آمنہ حمل اور پھر بچے کی خدمت و پرورش کی ذمہ داری کے سبب اپنی آرزو اب تک پوری نہ کر پائی تھیں، جن کی تکمیل کا اب مناسب موقع تھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف چھ سال کی ہو چکی تھی، جب کہ، توانائی، طاقت اور دیکھنے میں آپ تقریباً آٹھ برس کے معلوم ہوتے تھے، پس سیدہ آمنہ نے، اپنی دیرینہ خواہش کا اظہار اپنے سسر عبدالمطلب سے کیا، انہوں نے بھی آپ کے خیال کی تائید کی، اور یثرب جانے کے لئے تمام سفری انتظام کر دیئے۔

حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی ایک لونڈی ام ایمن کے ہمراہ، یثرب کے لئے روانہ ہوئیں، ام ایمن کا نام برکت تھا، یہ حضرت عبداللہ کی لونڈی تھیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باپ کی وراثت میں ملی تھیں، حضرت آمنہ یثرب پہنچیں اور حضرت عبدالمطلب کے ننھیال، بنو عدی بن نجار کے یہاں، اسی گھر میں قیام پذیر ہوئیں، جہاں حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا تھا، ایک ماہ تک یہاں آپ کا قیام رہا۔

حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف فرما ہوئے، تو انہی بنو نجار نے آپ کا استقبال کیا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، جب بھی اس مکان کو دیکھتے تھے، جس میں ایک ماہ تک آپ نے اپنی والدہ کے ساتھ قیام فرمایا تھا، تو بسا اوقات آپ ان یادوں کو تازہ کیا کرتے تھے، جو بچپن میں، آپ کے یہاں قیام سے متعلق تھیں، ایک مرتبہ آپ نے فرمایا، "هٰهُنَا نَزَلَتْ بِیْ اُمِّیْ وَاَحْسَنْتُ

الْعَوْمَ فِيْ بِئْرِ بِنِيْ عَدِيِ النَّجَّارِ''، اس مکان میں، میں اپنی والدہ کے ساتھ اترا تھا، اور میں نے بنی عدی بن نجار کے تالاب میں، تیرنے کی مہارت حاصل کی تھی، آپ نے بتایا، کہ روز ایک یہودی نے مجھے دیکھا تو پوچھا، ''يَا غُلَامُ مَا اسْمُکَ'' اے بچے، تمہارا نام کیا ہے، میں نے کہا، ''اِسْمِیْ اَحْمَدُ'' میرا نام احمد ہے، پھر اس نے میری پیٹھ کی طرف دیکھا، اور میں نے اس کو کہتے سنا، ''هٰذَا نَبِیُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ'' یہ اس امت کا نبی ہوگا، پھر وہ اپنے علماء کے پاس گیا اور اس نے انہیں میرا حال بتایا، تو یہودی مجھے دیکھنے کے لئے آنے لگے، ام ایمن کہتی ہیں، جو یہودی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھنے آتے، میں نے سنا کہ وہ کہتے تھے، ''هُوَ نَبِیُّ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَهٰذِهِ دَارُ هِجْرَتِهٖ''، وہ اس امت کے نبی ہیں اور یہ جگہ ان کی دار ہجرت بنے گی۔

یہودیوں کی آمد و رفت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق ان کی گفتگو سے، حضرت آمنہ کو طرح طرح کے اندیشے اور شکوک وشبہات ہونے لگے لہٰذا انہوں نے فوراً مکہ واپسی کا ارادہ کیا، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا، یثرب سے نکلتے ہی، حضرت آمنہ کی طبیعت ناساز ہوگئی، اور مقام ''ابواء'' میں پہنچ کر، آپ کا وصال ہوگیا، ظاہری اعتبار سے، شعور کی عمر کو پہنچنے کے بعد، یہ پہلا صدمہ تھا، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہنچا جسے، سید الصابرین ﷺ نے، نہایت ہی صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کیا۔

مکہ واپسی

حضرت ام ایمن نے، سیدہ آمنہ کو مقام ابواء میں ہی دفن کیا، بستی میں ایک اونچا ٹیلہ ہے، اس پر سید الانبیاء ﷺ کی ماں کا مزار ہے، جس کا عام لوگوں کو پتہ تک نہیں، ام ایمن، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، نہایت شفقت ومحبت کے ساتھ لے کر، مکہ پہنچی، حضرت آمنہ کے انتقال کی خبر نے، بوڑھے عبدالمطلب کو مزید بوڑھا کر دیا، جواں سالہ بیٹے کی موت کے بعد، جواں سالہ بیوہ کی موت، وہ بھی گھر سے باہر، حالت سفر میں، کم صدمہ کا باعث نہ تھی، لیکن عبدالمطلب نے، بیٹے کی نشانی کو جب گلے لگایا، اور اسے بوسہ دیا، تو کچھ سکون میسر آیا، اور ان کی پرورش کی ذمہ داری کا احساس باعث صبر بنا، نیز اس سانحۂ عظیم کے بعد عبدالمطلب کی محبت وشفقت کا مرکز، یتیم پوتا ہی بن گیا، وہ ویسے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، کم نہ چاہتے تھے، اب محبت میں مزید اضافہ ہوگیا، خاندان کے بڑوں، چھوٹوں، سب پر آپ کو فوقیت حاصل تھی، اور حال یہ تھا کہ گھر میں ہیں تو پوتے کی خدمت کر رہے ہیں، باہر نکلتے، تو مکہ کے گلی، کوچوں، بازاروں اور حرم، ہر جگہ، پوتے کو ساتھ رکھتے، لوگ، کبھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، بوڑھے دادا کے کندھوں پر سوار دیکھتے، تو کبھی انگلی پکڑ کر چلتا پاتے۔

حضرت عبدالمطلب، جب حرم شریف میں حاضری کے لئے جاتے، تو کعبہ سے متصل، ان کے لئے خصوصی مسند بچھائی جاتی تھی، کسی کی مجال نہ تھی کہ اس پر قدم رکھ سکے، حتیٰ کہ ان کے بیٹے بھی ادباً اور احتراماً اس مسند سے دور بیٹھتے، لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے تو بلا تکلف اور بلا جھجک مسند پر جا کر، دادا کے پاس بیٹھ جاتے تھے، اور اگر آپ کو کوئی روکنا چاہتا، تو عبدالمطلب فرماتے، ''دَعُوْا اِبْنِیْ فَوَ اللّٰہِ اِنَّ لَہٗ شَاْنًا'' میرے بچے کو مت روکو، بخدا اس کی بڑی شان ہوگی۔

غرضیکہ دادا کی محبت نے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ماں باپ کی کمی کا احساس نہ ہونے دیا، زندگی کے مزید دو سال، لاڈ و پیار میں گزر گئے، آپ کی عمر مبارک آٹھ برس کی ہوئی، تو قدرت نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دادا کا سایہ بھی پسند نہ فرمایا، اور عبدالمطلب انتقال کر گئے، عبدالمطلب نے مرنے سے پہلے اپنے بیٹے، حضرت ابوطالب کو بلایا، اور پوتے کی خدمت و نگہداشت کی ذمہ داری انہیں سونپی کیونکہ ابوطالب ہی، حضرت عبداللہ کے سگے بھائی تھے، دونوں کی ماں فاطمہ بنت عمرو بن عائذ تھیں۔

ابوطالب کو شرف خدمت

عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق ان کے بعد، حضرت ابوطالب کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اور نگہداشت کا شرف حاصل ہوا، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ محبت کرتے تھے، اکثر آپ کا کام خود ہی کیا کرتے تھے، جہاں بھی جاتے اپنے بھتیجے کو اپنے ساتھ لے جاتے، وہ اگرچہ مفلوک الحال اور تنگدست تھے لیکن آپ کی ضرورت کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے، گھر میں اس وقت تک کوئی کھانا نہ کھا سکتا تھا، جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دستر خوان پر رونق افروز نہ ہوتے تھے، اگر آپ باہر ہوتے تو خصوصی طور پر کھانے کے لئے آپ کو بلایا جاتا اور جب تک آپ تشریف فرما نہ ہوتے سب انتظار کرتے رہتے تھے، حضرت ابوطالب اور ان کے گھر والوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بڑی برکتیں میسر ہوئیں، اگر اتفاقاً آپ کھانے کے وقت موجود نہ ہوتے، تو کھانا کم پڑ جاتا تھا، جب کہ آپ کی موجودگی، کھانے میں برکت کی ضمانت ہوتی تھی، یہ دیکھ کر ابوطالب بار بار کہتے، ''اِنَّکَ لَمُبَارَکٌ'' بیٹے تم بڑی برکت والے ہو، رات کو ابوطالب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے قریب ہی سلاتے، اور رات کو بار بار اٹھ کر ان کو دیکھتے رہتے تھے، جب ہمارے آقا ﷺ صبح بیدار ہوتے تو آپ نہایت ہشاش بشاش ہوتے، چہرہ بالکل صاف ستھرا ہوتا، بال سنورے ہوتے، جیسے کسی نے ابھی کنگھی کی ہو، ابوطالب کے لئے، خصوصی مسند کے طور پر گدا بچھایا جاتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس گدے پر چچا کے برابر بیٹھا کرتے تھے، ام ایمن کہتی ہیں، کہ میں نے

کبھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عام بچوں کی طرح، بھوک کی شکایت کرتے اور کھانا مانگتے نہ سنا۔

قیافہ شناس

دور جہالت میں، کاہنوں اور قیافہ شناسوں کا بہت رواج تھا، لوگ ان سے مشورہ لینا اور ان کے مشوروں پر عمل کو نہایت اہمیت دیتے تھے، عرب کے دور دراز علاقوں سے قیافہ شناس اکثر مکہ آتے رہتے تھے اور جب بھی کوئی قیافہ شناس مکہ آتا، اس کے گرد، لوگ اپنے بچوں کو لے کر جمع ہو جاتے اور بچوں کے مستقبل کے بارے میں ان سے سوالات کرتے، نیز انہی کی ہدایات کے مطابق بچوں کی پرورش اور تربیت کیا کرتے تھے، بنو ازد کے ایک خاندان "لہب" کے ایک قیافہ شناس پر اہل مکہ کو بے حد اعتماد تھا، جب وہ مکہ آتا تو لوگ اسے دن رات گھیرے رہتے، اس کی بڑی خدمت کرتے اور اس پر دولت برساتے تھے، وہ لوگوں کو بے وقوف بنانے میں کمال رکھتا تھا، اس انداز پر بات کرتا تھا کہ لوگ اس کی بات پر یقین کر لیا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ جب وہ مکہ آیا، ابو طالب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر اس کے پاس گئے، اس نے آپ پر ایک نظر ڈالی پھر دوسرے بچوں کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا، جب فارغ ہوا تو کہنے لگا، ابھی ابھی میں نے ایک بچہ دیکھا تھا، وہ کہاں ہے، اسے میرے پاس لاؤ، ابو طالب نے جب اندازہ لگایا، کہ یہ حضور کو دیکھنے کا بہت اشتیاق رکھتا ہے، تو انہوں نے آپ کو چھپا دیا، وہ بار بار اصرار کرتا رہا وہ بچہ کہاں ہے، اسے میرے پاس لاؤ، اس کی بڑی شان ہو گی، میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں، لیکن ابو طالب نے اس کی ایک نہ سنی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لے کر چلے آئے۔

بہر حال والدین کا سایہ اٹھ جانے اور دادا کے انتقال کے بعد ہمارے آقا ﷺ، اپنے سگے چچا ابو طالب کے ساتھ رہے، چچا کی غربت و تنگدستی کا آپ کو بہت خیال رہتا تھا، لہٰذا آپ ان کے کاروبار میں تعاون کرتے، ان کی بکریاں چرایا کرتے تھے، اور ابو طالب نے بھی مرتے دم تک ہر حال میں بھتیجے کا ساتھ دیا جو ان کا دشمن ہوا، اسے ابو طالب نے اپنا دشمن اور ان کے دوست کو اپنا دوست جانا اور مانا، انشاء اللہ مزید تفصیلات آپ آئندہ صفحات پر پڑھیں گے۔

دور شباب

کسب معاش

حضرت ابو طالب کی معاشی بدحالی اور تنگدستی کے سبب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ان کا تعاون کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے، نو، دس سال کی عمر میں آپ، اجرت پر اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتے تھے، تا کہ کثیر العیال چچا کی کچھ مدد کر سکیں، بخاری شریف میں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں، صحابہ نے عرض کیا، ''وَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' اور اے اللہ کے رسول ﷺ آپ نے، فرمایا'' وَاَنَا رَعَیْتُھَا لِاَھْلِ مَکَّۃَ بِالْقَرَارِیْطِ'' اور میں اہل مکہ کی بکریاں، قراریط کے عوض، چرایا کرتا تھا، قیراط، دینار کا بیسواں حصہ ہوتا ہے، یعنی اللہ کے رسول ﷺ مزدوری لے کر بکریاں چراتے تھے، جس کا مقصد چچا کا مالی تعاون تھا، جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا۔

کسب معاش کے دور میں، سب سے اہم واقعہ، ابو طالب کے ہمراہ شام جانے کا ہے، یہ تجارتی سفر تھا، جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلی مرتبہ شریک ہوئے، چونکہ یہ نہایت ہی اہم سفر تھا، جس سے آپ کی نبوت کا ثبوت بھی فراہم ہوتا ہے، اس لئے ہم اسے تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں۔

سفر شام

جب ہمارے آقا ﷺ کی عمر شریف بارہ سال کی ہوئی، تو چچا ابو طالب نے بغرض تجارت شام کے سفر کا ارادہ کیا، روانگی کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چچا کے اونٹ کی نکیل پکڑی اور فرمایا، میں آپ کے ساتھ چلوں گا، آپ کے بغیر ایک دن بھی میرا رہنا ممکن نہیں، چچا بھتیجے کے اصرار پر مجبور ہو گئے، اور ساتھ لے لیا۔

کئی دن بعد، جب قافلہ، ''بصریٰ'' پہنچا، تو وہاں عیسائی راہبوں کی ایک خانقاہ کے قریب، رات بسر کرنے کے لئے ٹھہراؤ کیا، اس خانقاہ میں ایک عیسائی راہب عرصہ دراز سے رہتا تھا جس کا نام ''جرجیس'' تھا لیکن بحیریٰ کے نام سے مشہور تھا، وہ نہایت دانش منداور اپنے مذہبی علوم کا ماہر تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم کا وارث تھا، قریش کے تجارتی قافلے، اکثر یہاں سے گزرتے رہتے تھے، لیکن اس نے کبھی کسی قافلہ سے ملاقات تو درکنار اس کی طرف توجہ تک نہ کی، لیکن اس مرتبہ خود بخود اس کی

توجہ، اس قافلہ کی طرف مبذول ہوگئی، اس نے دیکھا کہ قافلہ میں ایک نوجوان ہے، جس پر ہر وقت بادل کا ایک ٹکڑا چھایا رہتا ہے، نیز اس نے دیکھا، کہ جس درخت کے سایہ تلے قافلہ ٹھہرا، بچہ کو اس کے سایہ میں جگہ نہ مل سکی، تو درخت اس کی طرف جھکا اور اپنے سایہ میں بچے کو لے لیا۔

بحیریٰ، یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا اور سوچنے لگا، کہ جس، نبی آخر الزمان ﷺ کی خوشخبری، حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام سناتے رہے ہیں، کہیں یہ نوجوان وہی تو نہیں ہے، پس اس نے قافلہ کی دعوت کرنے کا فیصلہ کیا، تا کہ وہ آپ کو قریب سے دیکھ سکے، اور ان نشانیوں کو تلاش کرے جو کتب سابقہ کے مطابق، نبی صادق ﷺ میں ہونی چاہئیں، بحیریٰ، قافلہ کے لوگوں کے پاس آیا اور درخواست کی کہ سب لوگ اس کی خانقاہ میں اس کے ساتھ کھانا کھائیں، لوگوں کو بہت تعجب ہوا کہ اس شخص نے، پہلے تو کبھی، کسی قافلہ کی طرف نہ توجہ کی اور نہ اس سے ملاقات کی، آج کیا نئی بات ہے، آخر یہ اتنا کیوں مہربان ہو رہا ہے، ایک شخص نے پوچھ ہی لیا، کہ ہم تو یہاں سے کئی مرتبہ گزرے ہیں، لیکن آپ نے ہمیں کبھی دعوت کا شرف نہ بخشا، اب اس عزت افزائی کا کیا سبب ہے، بحیریٰ نے، بات بناتے ہوئے کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ اس سے پہلے مجھے یہ شرف حاصل کرنے کا موقع نہ مل سکا، اب اس کی تلافی کرنا چاہتا ہوں، جب سب لوگ خانقاہ میں پہنچے، تو بحیریٰ نے ہر طرف دیکھا، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نہ پایا، بحیریٰ کہنے لگا، میں نے آپ لوگوں کے ہمراہ ایک بچہ دیکھا تھا جو اس وقت آپ کے ساتھ نہیں، حضرت ابو طالب نے کہا، بچہ کو ہم نے اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا ہے تا کہ وہ سامان کی حفاظت کرتا رہے، بحیریٰ نے کہا، اس قافلے کا کوئی فرد، بڑا ہو یا چھوٹا، غلام ہو یا آزاد، پیچھے نہیں رہنا چاہئے، برائے مہربانی اس بچے کو بلائیے، چنانچہ آپ کے چچا حارث بن عبدالمطلب گئے اور آپ کو بلا کر لائے، آپ کی تشریف آوری سے بحیریٰ کو سکون ملا اور بے حد خوشی ہوئی، جب قافلے کے لوگ کھانے سے فارغ ہو گئے، تو وہ آپ کے قریب بیٹھا اور آپ کو آزمانے کے لئے پوچھنے لگا، میں تم سے، لات وعزیٰ کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ جو میں آپ سے پوچھوں آپ مجھے اس کا صحیح جواب دیں، آپ نے فرمایا، مجھ سے بواسطہ لات وعزیٰ کچھ نہ پوچھو، کہ مجھے ان سے سخت نفرت ہے، بحیریٰ نے کہا، ''بِاللّٰہِ اِلاَّ مَا اَخْبَرْتَنِیْ عَمَّا اَسْئَلُکَ عَنْہُ'' تو میں اللہ کے واسطے سے عرض کرتا ہوں کہ جو میں آپ سے پوچھوں، آپ مجھے اس کا جواب دیں، ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا، ''سَلْنِیْ مَا بَدَالَکَ'' اب تمہارا جو جی چاہے پوچھو، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے، آپ کے حالات معلوم کرتا رہا، حضور جو کچھ بتاتے رہے، بحیریٰ، اطمینان سے سنتا رہا، اور ان صفات وکمالات کی تصدیق کرتا رہا، جو آپ سے متعلق وہ جانتا تھا، آخر میں اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت مبارک پر ختم نبوت

دیکھی، جو بعینہٖ اس صورت کے مطابق تھی، جو اس کے پاس موجود تھی، بحیریٰ نے اس مہر نبوت کو بوسہ دیا، تو قافلہ والے خوش ہو کر کہنے لگے، یہ تو ہمارے نوجوان کی بڑی عزت کرتا ہے، پھر بحیریٰ نے قافلہ کے لوگوں سے پوچھا، "مَا هٰذَا الْغُلَامُ مِنْکَ" اس بچے کا تم سے کیا رشتہ ہے، میں جانتا ہوں، کہ یہ آپ میں سے کسی کا بیٹا نہیں اور نہ اس کا باپ زندہ ہو سکتا ہے، ابوطالب نے کہا، جی، یہ میرا بھتیجا ہے، اس نے آپ کے باپ کے متعلق پوچھا، تو ابوطالب نے کہا، "مَاتَ وَاُمُّهٗ حُبْلٰی" وہ تو مر چکے اس وقت جب اس بچہ کی ماں حاملہ تھیں، اس نے ماں کے متعلق پوچھا، تو ابوطالب نے کہا، وہ مر چکیں جب کہ اس بچہ کی عمر چھ برس کی تھی، بحیریٰ نے کہا، آپ انہیں لے کر مکہ چلے جائیں، اور یہودیوں سے بچائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ انہیں کوئی تکلیف پہنچانے کی کوشش کریں، کہ مجھے ان کے جو حالات معلوم ہوتے ہیں، اور ان کے متعلق ہماری کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے، کہ اس نوجوان کا مرتبہ بہت بلند ہوگا، "هٰذَا سَیِّدُ الْعٰلَمِیْنَ هٰذَا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ هٰذَا یَبْعَثُهُ اللّٰهُ رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" "یہ سارے جہانوں کے سردار ہیں، یہی رب العلمین کے رسول ہیں، اور انہی کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمائے گا"، (یہ پہلا موقع تھا کہ ایک راہب کی زبان سے اہل قریش نے صراحتاً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا اعلان سنا) غرضیکہ حضرت ابوطالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مزید نگرانی شروع کر دی اور جس قدر جلد ممکن ہو سکا انہیں لے کر مکہ واپس آگئے۔

مکہ میں قحط

ایک مرتبہ مکہ میں شدید قحط پڑا، لوگ پانی کی بوند بوند کو ترسنے لگے، جانوروں کی زبانیں، منہ سے باہر آگئیں، زمین تڑخنے لگی، ہر طرف تباہی پھیل گئی، ایک شخص نے اہل مکہ سے کہا، لات وعزیٰ کے پاس چلو، لیکن ایک نہایت ہی خوش شکل، صاحب الرائے بزرگ نے کہا، تمہارے پاس تو ابراہیم و اسماعیل کی یادگار موجود ہے، تمہیں بتوں کے پاس جانے کی کیا ضرورت ہے، جاؤ، ابوطالب کے پاس جاؤ اور ان سے دعا کی درخواست کرو، لوگ ابوطالب کی طرف دوڑے، اور اپنی حاضری کا مقصد بیان کیا، حضرت ابوطالب، ہمارے آقا ﷺ کو لے کر کعبہ میں آئے، اور آپ کو دیوار کعبہ سے لگا کر کھڑا کیا، دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ہی تھے، کہ چاروں طرف سے بادل امنڈتے دیکھا، اور تھوڑی ہی دیر میں بارش ہونے لگی، اور خوب موسلا دھار بارش ہوئی، ہر طرف جل تھل ہو گیا، کنوئیں اور میدان لبالب بھر گئے، کچھ ہی عرصہ بعد ہر طرف سبزہ لہلہانے لگا، جانوروں کے پیٹ پھول گئے، دودھ سے تھن لبریز ہو آنے لگے۔

عصمت کی حفاظت

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنی مخلوق میں صرف انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ملائکہ کو معصوم پیدا فرمایا، معصوم وہ کہلاتا ہے، جس میں گناہ کرنے کی قوت ہی نہ ہو، انبیاء، چونکہ امت کے پیشوا، مقتدیٰ، اور رہبر و راہنما ہوتے ہیں، امت کے ہر فرد پر، بلا تامل و تردد ان کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہوتی ہے، اگر وہ معصوم نہ ہوتے تو لوگ ان کی اطاعت میں تردد کرتے، اور پورا دین مشکوک و مشتبہ ہو جاتا، بالکل اسی طرح، جس طرح عام حکام کے وضع کردہ دساتیر، بلا تردد اور غور و فکر کے قابل عمل نہیں ہوتے، دنیا میں آنے کے بعد، نبی کی عصمت کی حفاظت بھی وہی رب فرماتا ہے، جو انہیں معصوم پیدا کرتا ہے، عصمت انبیاء، دین کی اہم ترین بنیاد ہے، جس پر دین کا دارومدار ہے، اس میں شک و شبہ دین کو مشکوک و مشتبہ بنانا ہے اور قرآن و حدیث کا انکار ہے۔

بلاشبہ ہمارے آقا ﷺ، سید المعصومین ہیں، وہ ایسے دور میں تشریف لائے، جب ہر طرف برائیوں اور بدکاریوں کے سوا کچھ نہ تھا، پس ان کے خالق نے خوب، خوب ان کی عصمت کی حفاظت فرمائی، اسی لئے قرآن کریم نے دعویٰ کیا، "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ" اس کتاب میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں، کہ صاحب قرآن ﷺ معصوم ہیں، انہوں نے قرآن کو اسی طرح پیش کیا جس طرح ان پر نازل ہوا، تفسیر قران اور تفصیل احکام کو بعینہ اسی طرح بیان فرمایا، جس طرح رضائے باری تعالیٰ تھی پس الفاظ قرآن یا مفہوم قرآن میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے، "جب بھی میں کسی ایسے کام کا ارادہ کرتا جو میرے شایان شان نہ ہوتا، تو اللہ تعالیٰ اس سے میری حفاظت فرما لیتا، ایک مرتبہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا، ہم سب، پتھر اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا رہے تھے، میں نے دوسرے بچوں کی طرح اپنا تہبند اتار کر اپنے کاندھے پر رکھ لیا، فوراً ہی ایک غیبی آواز آئی اور مجھے اس عمل پر تنبیہ کی گئی، میں نے اپنا تہبند باندھ لیا، جب کہ دوسرے بچے اسی طرح کھیلتے رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا، کہ میں نے صرف دو مرتبہ، ایسا کام کرنے کا ارادہ کیا، جیسا زمانہ جاہلیت میں عام لوگ کیا کرتے تھے، لیکن میرے رب نے میری عصمت کی حفاظت کی اور میں ان کاموں سے بچا رہا، ایک تو اس وقت جب میں اہل مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا، اور اکثر، دوسرے چرواہوں کے ساتھ میں بھی مکہ سے باہر، صحرا میں رات بسر کرتا تھا، ایک رات، ہم نے مکہ آ کر، رقص و سرور اور قصہ کہانیوں کی محفل میں شریک ہونے کا پروگرام بنایا، ہم مکہ آئے اور ایک شادی کی محفل میں شریک ہو گئے، جہاں شراب نوشی اور ناچ گانا، پورے زورو

شور سے ہو رہا تھا، میرے ساتھی تو تماشہ میں مست ہو گئے، لیکن مجھے محفل میں داخل ہوتے ہی ایسی نیند آئی کہ سورج کی تپش نے ہی مجھے اٹھایا، جب میں اٹھا تو وہاں کسی کو نہ پایا، اسی طرح ایک مرتبہ اور، میں نے مکہ کی رونق اور ناچ گانے کی محفل میں حصہ لینے کی کوشش کی، اس وقت بھی میرا یہی حال ہوا۔

حضرت ام ایمن فرماتی ہیں کہ مکہ میں مقام "بوانہ" پر ایک بت نصب تھا، اہل مکہ اس کی بہت تعظیم کرتے تھے، ہر سال اس کی سالانہ پوجا کے لئے میلہ لگا کرتا تھا، پوجا، پاٹ کے ساتھ، ناچ، گانا اور ہر قسم کی بیہودہ حرکتیں ہوا کرتی تھیں، ابوطالب بھی اپنے اہل خانہ کے ساتھ اس محفل میں شریک ہوتے تھے، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اپنے ساتھ لے جانے کی کوشش کرتے، لیکن آپ کبھی تشریف نہیں لے گئے۔

پس، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اور اللہ آپ کو، لوگوں کے شر سے بچائے گا، کا دعویٰ قرآن، حق ثابت ہوا، اللہ نے ہمارے آقا ﷺ کو، اہل مکہ کے بیہودہ اعمال، ہر قسم کی برائیوں، اور جسمانی تکالیف وایذاء رسانی سے محفوظ رکھا، بچپن میں، یہودیوں کے شر سے، جوانی میں برے ماحول سے، بعثت کے بعد، اہل مکہ کے مظالم سے، ہجرت کے بعد، یہودیوں کی سازشوں سے، غزوات میں شکست وریخت سے، غرضیکہ ہر دور میں محافظ حقیقی نے آپ کی حفاظت فرمائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

فجار کی جنگ

زمانہ جاہلیت میں عرب کے باشندے، قبائلی تعصب، شخصی اور ذاتی عناد میں بری طرح مبتلا تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر جنگ چھڑ جاتی تھی، جو برسوں چلتی، وہ اپنے ہی اعزاء واقارب کو نہایت بے دردی سے قتل کرتے رہتے، اس بے مقصد قتل وغارت پر بجائے ندامت کے وہ فخر کرتے تھے، کوئی کہتا میں نے اپنے اتنے بھائی مار ڈالے، تو کوئی فخر کرتا کہ اس نے اپنے اتنے ماموں یا چچا قتل کر ڈالے، ایک ایسی ہی جنگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور شباب میں ہوئی، جس میں، آپ اپنے چچاؤں کے ساتھ شریک ہوئے، اس وقت آپ کی عمر پندرہ اور اٹھارہ برس کے درمیان تھی، اس جنگ کو، حرب فجار، اس لئے کہا جاتا ہے، کہ یہ ان مہینوں میں واقع ہوئی جن میں جنگ کرنا دور جاہلیت میں بھی حرام سمجھا جاتا تھا، یہ پہلا موقع تھا کہ ہمارے آقا ﷺ نے کسی جنگ میں شرکت فرمائی، لیکن نہ تو آپ نے کسی کو قتل کیا، اور نہ ہی تلوار چلائی، آپ صرف اپنے چچاؤں کی مدافعت کرتے رہے، کہ تیروں کو روکتے رہے، اس جنگ میں آپ نے شرکت صرف اپنے چچاؤں کی حمایت اور ان کی دلجوئی کے لئے کی، قبیلوں کی باہمی عداوت اور دشمنی سے آپ کو کوئی سروکار نہ تھا۔

حلف الفضول

حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، اہل مکہ کی بے راہ روی اور جہالت سے اگرچہ بیحد نالاں رہا کرتے تھے، لیکن ان کی بھلائی کے کاموں میں پوری طرح حصہ لیتے تھے، حلف الفضول، ایک رفاہی نوعیت کا معاہدہ تھا، جس میں مکہ کے رؤسا وسردار شریک تھے، جنہوں نے باہمی عہد کیا تھا، کہ وہ متحد ہو کر ظالم کے خلاف مظلوم کی مدد کریں گے، غریبوں اور ضرورت مندوں کا تعاون کریں گے، عدل و انصاف کو عام کریں گے، یہ معاہدہ، ظاہر ہے، کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج اور مشن کے عین مطابق تھا، لہٰذا، آپ اس میں نہ صرف شریک ہوئے بلکہ آپ نے ہر کام میں بڑھ، چڑھ کر حصہ لیا، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی، اس عالم شباب کے باوجود اہل مکہ آپ پر بیحد اعتماد کرتے تھے اور معاہدے سے متعلق ہی نہیں بلکہ ہر کام میں آگے آگے رکھتے اور ہر موقع پر مشورہ کیا کرتے تھے، اور آپ کے مشوروں پر عمل بھی کرتے تھے، یہ معاہدہ ایک عرصہ دراز تک قائم رہا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس معاہدے میں شرکت پر، اکثر اظہار مسرت فرمایا کرتے تھے۔

حلف الفضول کے قیام کے اسباب بیان کرتے ہوئے، مؤرخین نے متعدد واقعات بتائے ہیں، ممکن ہے ان تمام واقعات کا مجموعہ اس معاہدے کے وجود میں آنے کا سبب بنا ہو، منجملہ دیگر واقعات کے ہم چند یہاں بیان کرتے ہیں:

ایک بدو جنوبی افریقہ، سے بغرض حج، مکہ مکرمہ آیا، اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی، جو نہایت حسینہ وجمیلہ تھی، مکہ کے ایک دولت مند تاجر نے اس بچی کو اغوا کرلیا، باپ بے چارہ، سخت پریشانی کے عالم میں مارا مارا پھر رہا تھا، ہر ایک کو اپنی مصیبت کا حال سناتا لیکن کوئی فریاد سننے والا نہ تھا، جب آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے قریش کے نوجوانوں کو جمع کیا، کہ اس غریب کے ساتھ جو حادثہ پیش آیا ہے اس پر ہمیں خاموش نہیں رہنا چاہیے، کسی نہ کسی طرح بچی واپس کرائی جائے، پس یہ نوجوان کعبہ شریف کے پاس جمع ہوئے اور سب نے حلفیہ معاہدہ کیا کہ آج سے، ہم ہر مظلوم کی مدد کریں گے اور اس پردیسی کو اس کی بچی واپس کرائیں گے، حلف کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود تھے، حلف کے بعد سب نے آب زمزم سے، حجر اسود کو دھویا اور پانی پیا، یہ اس بات کی علامت تھی کہ سب حلف پر پختہ رہیں گے، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں یہ نوجوان، اس ظالم تاجر کے گھر گئے اور اس سے فوراً لڑکی واپس کرنے کا مطالبہ کیا، تاجر نے خوفزدہ ہو کر کہا، کہ مجھے صبح تک مہلت دی جائے، میں لڑکی واپس کردوں گا، یہ نوجوان اس بدکردار کی نیت بھانپ گئے، سب نے کہا، ہرگز نہیں مہلت نہیں ملے گی، بچی ابھی واپس کرنا ہوگی، پس وہ مجبور ہوگیا اور اس نے بچی کو باپ کے حوالہ کردیا،

ایک روایت یہ بھی ہے کہ ایک پردیسی تاجر مکہ آیا، ابوجہل نے اس سے کچھ سامان خریدا، لیکن قیمت ادا نہ کی، اس پردیسی تاجر کو، ان نوجوانوں کی تنظیم کا کوئی علم نہ تھا، لہٰذا وہ مارا مارا پھر رہا تھا اور اس کی سنوائی کرنے والا کوئی نہ تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہوا، تو آپ ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے، اور اس سے مطالبہ کیا کہ وہ تاجر کو، مطلوبہ رقم فوراً ادا کردے، ورنہ اس کے خلاف سخت تادیبی کارروائی کی جائے گی، ابوجہل پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ اس نے مجبور ہو کر رقم ادا کر دی۔

بہر حال، حلف الفضول ایک نہایت اہم اور اچھا معاہدہ تھا، جو مدتوں سے، رؤسا اور سرداروں کے ظلم میں جکڑے ہوئے، لاچار و مظلوم لوگوں کے لئے ایک ڈھال بنا، پناہ گاہ بنا، اس کے سبب بہت سے ظالم و جابر اپنے کیفر کردار کو پہنچے، اس معاہدے کا اثر امیر و غریب سب پر مساوی ہوا، بالخصوص گرد و نواح اور دور دراز سے، جو تاجر یا زائر مکہ مکرمہ آیا کرتے تھے، ان کو بہت سکون ملا، اب وہ بلاخوف و خطر مکہ آتے اور بخیر و عافیت واپس جاتے، لہٰذا چند ہی روز میں اس معاہدے کی شہرت ہو گئی، اور یہ پہلا موقع تھا کہ" آقائے رحمت ﷺ" "حق بحق رسید" کے مصداق" ایک منصف فریاد رس کی حیثیت سے ہمیشہ کے لئے متعارف ہوئے، اور لوگ اپنی فریادیں لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اپنی دکھ درد بھری کہانیاں سناتے، اور آپ ہر ایک کی دادرسی کرتے، ہر ایک کو اس کا حق دلاتے، ظالموں اور جابروں کے پنجہ سے نجات دلاتے، کہ آپ ہی کو، آپ کے رب کریم نے تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر معبوث فرمایا ہے، آپ ہی مصیبت زدہ، غم زدہ لوگوں کے لئے نجات دہندہ ہیں۔ ﷺ

فریاد امتی جو کرے حال زار میں — ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو
اسی سرکار سے دنیا و دیں ملتے ہیں سائل کو — یہ دربار عالی کنز آمال و امانی ہے

شام کا دوسرا سفر

اہل مکہ، شام اور یمن سے تجارت کیا کرتے تھے، اور یہی تجارت ان کی مستحکم معاشی حالت کی بنیاد تھی، مکہ کے معروف تاجروں میں، نہایت ہی دولت مند تاجروں میں، حضرت خدیجہ کا نام سرفہرست نظر آتا ہے، یہ چونکہ بیوہ تھیں، اس لئے، اجرت یا کمیشن پر دوسرے چھوٹے تاجروں کو، اپنا مال دے کر شام اور یمن بھیجا کرتی تھیں، یہ تاجر، واپس آ کر جو کچھ دیتے، حضرت خدیجہ اسے قبول کر لیتی تھیں، جو حقیقتاً بہت کم رقم ہوتی تھی، لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا، لیکن وہ کسی دیانت دار تاجر یا ملازم کی تلاش میں تھیں، تا کہ مسلسل جو نقصان ہو رہا تھا اس سے بچا جا سکے، کہ اسی دوران انہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دیانت، خلوص اور محنت و شوق سے کام کرنے کا علم ہوا، لہٰذا انہوں نے آپ کو بلوایا، اور اپنا مدعا پیش کیا، آپ حضرت ابو طالب کے پاس آئے اور سب حال بیان کیا، اور سفر کی اجازت

چاہی، ابو طالب چونکہ، خاصے مفلوک الحال تھے، کہ گزر اوقات بمشکل ہی ہو پاتی تھی، جب کہ بھتیجے سے کوئی تعاون حاصل کرنا انہیں ہرگز گوارا نہ تھا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے شام کا سفر تو انہیں بالکل ہی پسند نہ تھا، کیونکہ وہاں یہودی آباد تھے، اور بحیریٰ بتا چکا تھا، اس نوجوان کو یہودیوں سے خطرہ ہوسکتا ہے، لیکن ابو طالب نے اپنی حالت سے مجبور ہو کر آپ کو اجازت دے دی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، اجازت ملنے کی خوشخبری حضرت خدیجہ کو سنائی وہ بے حد خوش ہوئیں، اور بڑی تیزی اور خوشی کے ساتھ سفر کی تمام تیاری، خود اپنی نگرانی میں کرائی، اس مرتبہ سامان تجارت پہلے سے بہت زیادہ تھا، اپنے ایک غلام میسرہ کو بھی آپ کے ساتھ کیا اور اسے ہدایت کی کہ، ''لَا تَعْصِ لَهُ اَمْرًا وَلَا تُخَالِفْ لَهُ رَأْيًا'' ان کی نافرمانی نہ کرنا اور نہ ہی ان کی کسی رائے کی مخالفت کرنا، (اس ہدایت سے واضح ہوتا ہے، کہ میسرہ کو حضور کی نگرانی کے لئے نہیں، بلکہ خدمت گزاری کے لئے بھیجا گیا تھا)۔

بہر حال ۱۶ ذی الحجہ کو یہ قافلہ روانہ ہوا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا اور دیگر اہل خانہ و اہل مکہ نے آپ کو الوداع کیا، شیخ محمد ابو زہرہ، قافلہ کی روانگی کے متعلق فرماتے ہیں، '' قافلہ مکہ سے روانہ ہوا، جس میں وہ ہستی تھی، جو اللہ کی ساری مخلوق میں سب سے زیادہ افضل و اعلیٰ تھی، اللہ رحیم و کریم کی نگاہ لطف و عنایت اس کی نگرانی فرما رہی تھی۔

راہب سے ملاقات

اونٹوں کا ایک لمبا قافلہ، جو دوسرے قافلوں کے سارے اونٹوں سے زیادہ لمبا تھا، چند روز کے سفر کے بعد شام کے شہر ''بصریٰ'' پہنچا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، اسی خانقاہ کے قریب قیام فرمایا، جہاں پہلے سفر کے دوران آپ نے قیام کیا تھا، لیکن اس مرتبہ، بحیریٰ، راہب موجود نہ تھا، اس کی جگہ، ''نسطورا'' نامی راہب تھا، شاید وہ مر چکا تھا، کیونکہ دونوں سفروں کے درمیان تیرہ سال کا طویل عرصہ گزر چکا تھا، جب کہ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر بارہ سال کی اور اب عمر مبارک پچیس سال کے لگ بھگ تھی، راہب نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا، تو میسرہ سے دریافت کیا، یہ نوجوان کون ہے، میسرہ نے بتایا یہ مکہ کے ایک قریشی نوجوان ہیں، جو نہایت شریف، خوش اخلاق و خوش اطوار ہیں، نسطورا، آپ کے قریب آیا، اس نے آپ کے مقدس ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا، اور بولا، '' میں آپ پر ایمان لاتا اور گواہی دیتا ہوں کہ آپ وہی ہیں، جن کا ذکر تورات میں موجود ہے، پھر جب اس نے مہر نبوت کو دیکھا تو چوم لیا، اور کہا، میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، نبی امی ہیں، جس کی آمد کی بشارت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی ہے'' میسرہ راہب کی یہ باتیں سن کر حیران ہو رہا

تھا، جب کہ وہ اس سے پہلے، اس وقت حیرت زدہ ہو چکا تھا، جب اس نے آپ کے سر اقدس پر بادل کا ٹکڑا دیکھا تھا جو آپ پر سایہ کیے رہتا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، قیام شام کے دوران، تجارتی امور میں بے حد مصروف رہے، آپ کی معاملات میں دیانتداری اور خوش اخلاقی کے سبب، تمام مال، قبل از وقت فروخت ہو گیا، واپسی سے پہلے آپ نے مکہ میں فروخت کرنے کے لئے، ضروری اور منافع بخش سامان خریدا اس سفر میں دوگنا نفع ہوا، جو آپ کی دیانت، امانت اور محنت کا نتیجہ تھا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، لدے ہوئے اونٹوں کے ساتھ مکہ کا رخ کیا، جب قافلہ مکہ کے قریب پہنچا تو آپ نے میسرہ کو حکم دیا، تم پہلے مکہ پہنچو اور اپنی مالکہ کو ہماری آمد اور منافع بخش کامیاب سفر کی خوشخبری سناؤ، میسرہ نے حکم کی تعمیل کی اور مکہ پہنچ کر حضرت خدیجہ کو خوشخبری سنائی تو وہ بہت خوش ہوئیں، وقت مقررہ سے پہلے وہ اپنے مکان کی چھت پر چڑھ کر قافلہ کی آمد کا انتظار کرنے لگیں، تھوڑی دیر بعد قافلہ نظر آیا، تو آپ نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اونٹ پر سوار ہیں، سخت دھوپ ہے، اور دو فرشتے حضور پر سایہ کیے ہوئے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہنچنے کے بعد، سفر کے تمام حالات بیان کیے تمام سامان اور منافع کی بقیہ رقم حضرت خدیجہ کے سپرد کی، اور اپنا حصہ لے کر ابو طالب کے پاس واپس تشریف لے آئے، چچا بھی، بھتیجے کی کامیابی پر بہت خوش ہوئے، ادھر میسرہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے حد تعریف کرتے ہوئے، ان کے حسن سلوک، معاملہ فہمی اور کاروباری مہارت کا تفصیلی حال بتایا، نیز نسطورا راہب کی آپ سے ملاقات، اس کا آپ سے متاثر ہونا، آپ کا احترام کرنے اور آپ کے متعلق پیش گوئیاں کرنے کا بھی تفصیلی ذکر کیا، ان تمام حالات و واقعات کو سن کر، حضرت خدیجہ بے حد خوش ہوئیں، وہ بہت سمجھ دار، تجربہ کار تھیں، لہٰذا انہوں نے مستقبل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بلند مرتبہ اور عظیم شان کا بخوبی اندازہ کر لیا، اور اسی وقت آپ سے اپنا مستقبل وابستہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دو شوہروں کے بعد اور عمر رسیدہ ہونے کے باوجود، ان کا یہ فیصلہ، صرف اور صرف اپنے مستقبل کو ایک ایسے باکردار شخص سے وابستہ کر دینے کے لئے تھا جس کی نسبت حضرت خدیجہ کے لئے دنیا کی بے بہا دولت سے کہیں زیادہ اہم تھی، وہ اپنے تجربہ اور فراست کی بنیاد پر بخوبی جانتی تھیں، کہ دولت سے حاصل شدہ عزت و شہرت کا وقت محدود اور عارضی ہوتا ہے، لیکن کسی باکردار شخصیت کی نسبت دائمی عزت و شہرت کی یقینی ضمانت ہوتی ہے، جب کہ شخصیت بھی سید الانبیاء والمرسلین کی ہو، وہ دنیا ہی میں نہیں، آخرت میں بھی، بلندی و رفعت کا یقینی وسیلہ ہو، حضرت خدیجہ نے جو سنا اور سمجھا وہ یقیناً پایا، کہ وہ آقائے کائنات ﷺ کی نہایت محبوب رفیقۂ حیات قرار پائیں، انہیں آپ کے بچوں کی ماں بننے کا

شرف حاصل ہوا، اپنی ساری دولت اپنے محبوب ومکرم شوہر کے مشن پر، بلا دریغ خرچ کرنے کا اعزاز ملا، اور سب سے عظیم منصب جونصیب ہوا، وہ یہ کہ ان سے اللہ راضی ہوا، اللہ کا رسول راضی ہوا۔

حضرت خدیجہ سے نکاح

حضرت خدیجہ، نہایت باحیاء اور باشرم خاتون تھیں، ان کے لئے بہت دشوار تھا کہ وہ از خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنا ارادہ ظاہر کریں، لہٰذا انہوں نے اس اہم کام کے لئے، اپنی ایک با اعتماد سہیلی کو منتخب کیا، جن کا نام، نفیسہ بنت منیہ تھا، حضرت خدیجہ نے انہیں سارا ماجرا بتایا اور اپنے ارادے سے آگاہ کیا، نفیسہ بہت خوش ہوئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس جانے کے لئے تیار ہوگئیں، وہ آپ کے دربار میں حاضر ہوئیں اور کہنے لگیں، آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے، آپ نے فرمایا میرے پاس سرمایہ نہیں کہ یہ کام کرسکوں، نفیسہ نے کہا آپ اس کی فکر نہ فرمائیے، اس کی ذمہ دار میں ہوں، اگر آپ کو کوئی شریف، جمیلہ وحسینہ خاتون، پسند کرے تو کیا، آپ اسے قبول فرمائیں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا وہ کون ہے، نفیسہ نے کہا "خدیجہ" آپ خاموش ہوگئے۔

نفیسہ کہتی ہیں، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب سن کر، خوشی خوشی، حضرت خدیجہ کے پاس آئی، جو میری منتظر تھیں، میں نے انہیں مبارکباد دی اور سب باتیں بتائیں، انہوں نے اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے گھر آنے کی دعوت دی، جب ابتدائی گفتگو سے انہیں آپ کی رضامندی کا یقین ہو چلا، تو انہوں نے وضاحت کے ساتھ اپنی درخواست پیش کرتے ہوئے کہا، اے میرے چچا زاد! میں تم سے نکاح کرنا چاہتی ہوں، کیوں کہ تم رشتہ میں مجھ سے قریب ہو، اپنی قوم میں بلند مرتبہ و باعزت ہو، میں تمہارے اخلاق و کردار اور امانت وصداقت سے بے حد متاثر ہوئی ہوں، جب خدیجہ نے ادب واحترام کے ساتھ اپنی خواہش کا اظہار کیا تو آپ نے ان کی درخواست قبول فرمائی، یہ منگنی تھی، نکاح نہ تھا۔

نفیسہ بتاتی ہیں، باہمی گفتگو اور رضامندی کے بعد حضرت خدیجہ نے آپ سے کہا، اب آپ اپنے چچا ابو طالب کو میرے چچا عمرو ابن سعد کے پاس بھیجیں تا کہ وہ آپ کے لئے میرا رشتہ طلب کریں، حسب پروگرام، حضرت ابو طالب، عمرو بن سعد کے پاس پہنچے اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے، حضرت خدیجہ کے نکاح کی خواہش کی، عمرو بن سعد خوش ہو کر بولے، یہ تو صرف خدیجہ کے لئے نہیں میرے، اور میرے قبیلہ کے لئے بڑا اعزاز ہے، نیز جب خدیجہ نے یہ رشتہ پسند کیا ہے، تو مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے، ابتدائی گفتگو کے بعد دونوں بزرگوں نے نکاح کی تاریخ طے کی، وقت مقررہ پر، قریش ومکہ کے رؤسا، اور مکہ کے شرفاء وامراء جمع ہوئے، خطبہ نکاح، حضرت ابو طالب نے پڑھا، اور

حضرت خدیجہ نبی مکرم ﷺ کے حرم میں داخل ہو کر، امت کی پہلی ماں بن گئیں، رضی اللہ عنہا۔

حضرت خدیجہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہایت محبت کرتیں اور آپ کو ہر طرح آرام پہنچانا ہی آپ کا مشن تھا، آپ نے اپنا مال و دولت سب کچھ حضور کے سپرد کر دیا تھا، کاروبار اور تجارت سے کوئی سروکار نہ رکھا، انہیں ناز تھا کہ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چاکری کا شرف حاصل ہوا، جو مستقبل میں ایک بڑا اعزاز قرار پایا، وہی آپ کے بچوں کی ماں بنیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو صاحبزادے، حضرت قاسم اور حضرت طاہر آپ کے بطن سے پیدا ہوئے، اور چاروں صاحبزادیاں، حضرت زینب، حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت فاطمۃ الزہراء، رضی اللہ عنہن، بھی آپ ہی کے بطن سے پیدا ہوئیں، جب کہ صرف ایک صاحبزادے، حضرت ابراہیم، حضرت ماریہ قبطیہ کے شکم سے پیدا ہوئے، دیگر ازواج مطہرات میں سے کسی کے کوئی اولاد نہ ہوئی، تینوں صاحبزادے بچپن میں ہی انتقال کر گئے، جب کہ چاروں صاحبزادیوں نے عہد نبوت پایا اور مشرف باسلام ہوئیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت خدیجہ سے اسی لئے بے حد محبت تھی کہ وہ آپ کے بچوں کی ماں تھیں، دوسرا عظیم ترین اعزاز، حضرت خدیجہ کو یہ میسر آیا، کہ وہ امت مسلمہ کی پہلی ماں بنیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا۔

فقیر راقم الحروف کہتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خدیجہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفیقۂ حیات بنا کر، اسلام اور مسلمانوں پر عظیم احسان فرمایا، کہ وہ ہمارے آقا ﷺ کی صرف بیوی اور آپ کے بچوں کی ماں ہی نہ تھیں، بلکہ نہایت سنجیدہ اور تجربہ کار مشیر اور معاون بھی ثابت ہوئیں، انہوں نے اپنی ساری دولت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دی، جو اسلام کی اشاعت اور ضرورت مند مسلمانوں کے اوپر صرف ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر امور میں ان سے مشورہ کیا کرتے اور ان کی رائے کو درست قرار دیتے، اسی کے مطابق کام کرتے تھے، وحی اول کے نزول کے موقع پر، حضرت خدیجہ ہی کی گفتگو نے، آپ کو مطمئن کیا، اور انہی کے مشورے کے مطابق آپ ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئے نیز حضرت خدیجہ کا سب سے پہلے مشرف باسلام ہونا آپ کے لئے مزید مسرت و خوشی اور طمانیت کا باعث بنا، رضی اللہ عنہا۔

سیما پہلی ماں کہف امن واماں　　　حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام

کعبہ کی تعمیر نو

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بنائے ہوئے کعبہ کو تین ہزار سال کی طویل مدت گزر چکی تھی، اس عرصہ میں نہ جانے کتنے طوفان اور بارشیں آئی ہوں گی، جن سے اللہ کا گھر ضرور متاثر ہوا ہو

گا، بعض روایات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے، کہ ایک مرتبہ سیلاب کعبہ کی عمارت کو بہالے گیا تو قوم، ''عمالقہ'' نے اس کی تعمیر کی، کچھ عرصہ بعد پھر یہ عمارت منہدم ہوگئی، تو قبیلہ ''بنو جرہم'' نے اسے بنایا، تاہم موجودہ عمارت کی حالت یہ تھی، کہ یہ قد آدم ایک چار دیواری تھی، جسے بغیر گارے وغیرہ کے پتھر چن کر بنا دیا گیا تھا، اہل عرب بالخصوص اہل مکہ اور خاص طور پر قریش کعبہ کا بے حد احترام کرتے تھے، وہ چاہتے تھے، کہ اس عمارت کو منہدم کر کے اللہ کے گھر کی شایان شان تعمیر کی جائے، ایک عرصہ سے پروگرام بن رہا تھا، لیکن قدرت کو منظور تھا کہ اس تعمیر میں، نبی آخر الزماں ﷺ بھی پورا پورا حصہ لیں، لہٰذا پروگرام پر عمل نہ ہو سکا، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر پینتیس برس کی ہوگئی، اور آپ کو اہل مکہ میں پوری طرح اعزاز حاصل ہو گیا، تو اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں تعمیر کعبہ کا جذبہ بیدار کیا، اور انہوں نے اس کی تیاری شروع کر دی، قریش اور قبائل عرب کے پاس اگرچہ دولت کی کمی نہ تھی، لیکن جب تعمیر کے لئے پیسہ جمع کرنے کا ارادہ کیا گیا، تو ایک بزرگ ''ابو وہب'' نے اعلان کیا، ''اے قریش! تعمیر کعبہ میں اپنی پاک اور حلال کمائی کے علاوہ کوئی چیز داخل نہ کرنا، کسی بدکارہ کی آمدنی، سود یا ظلم سے حاصل کی ہوئی دولت اس فنڈ میں ہرگز، ہرگز شامل نہ کرنا''، بات معقول تھی لہٰذا قبول کرنا پڑی، لیکن اس پابندی کے سبب مطلوبہ دولت جمع کرنا ممکن نہ رہا، کیونکہ ان کے پاس، لوٹ مار، ظلم و ستم، سود اور جوئے وغیرہ سے حاصل کردہ دولت کی تو کمی نہ تھی، لیکن حلال مال کم لوگوں کے پاس تھا اور وہ بھی کم مقدار میں، اسی لئے انہوں نے کعبہ تعمیر تو کیا، لیکن پروگرام کے مطابق شایان شان عمارت نہ بنا سکے، بلکہ پوری عمارت بھی تعمیر نہ ہو سکی، زمین کعبہ کا ایک حصہ چار دیواری سے گھیرا جا سکا، جس پر چھت نہ پڑ سکی، جسے ''حطیم'' کہا جاتا ہے۔

فقیر راقم الحروف کہتا ہے، کہ اللہ علیم و خبیر جانتا ہے، کہ ایسا دور بھی آئے گا جب اس کے گھر کا دروازہ، عام لوگوں کے لئے بند کر دیا جائے گا اور وہ اللہ کے گھر کے اندر داخل ہونے سے محروم ہو جائیں گے، جو رب کریم کو گوارا نہیں، پس اس نے اپنے بندوں پر کرم فرمایا، کہ قریش کعبہ کا ایک حصہ کھلا چھوڑنے پر مجبور ہو گئے، اور اللہ کے بندے حطیم میں داخل ہو کر، کعبہ کے اندر ہی کے فیوض و برکات حاصل کرتے ہیں، کہ دراصل حطیم صحن کعبہ ہے، اور ہر گھر کا صحن، گھر ہی میں داخل ہوتا ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

انہدام عمارت

جو کچھ فنڈ جمع ہونا تھا، جمع ہو گیا، تعمیراتی سامان بھی اکٹھا کر لیا گیا، اب پرانی عمارت کو مسمار کرنے کا مسئلہ تھا، جو معمولی کام نہ تھا، قریش یہ کام کرنے سے بے حد ڈر رہے تھے، وہ دو وجہ سے بے حد خوفزدہ

تھے، ایک اس لئے کہ وہ، اصحاب فیل پر اللہ کے عذاب اور ان کی تباہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے، ان کا یہ عمل اگرچہ کعبہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ وہ تو، موجودہ عمارت سے بہتر عمارت بنانا چاہتے تھے، لیکن ان کے دل کانپ رہے تھے کہ کہیں یہ بھی اللہ کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور رب کعبہ، ہمیں بھی اصحاب فیل کی طرح تہس نہس نہ کردے، دوسرا خوف اس وجہ سے تھا، کہ کعبہ میں ایک کنواں تھا، جس میں ایک خوفناک اژدھا رہتا تھا، جو دن میں کعبہ کی دیوار پر چڑھ کر دھوپ میں بیٹھا کرتا تھا، ایک دن حسب معمول یہ اژدھا کعبہ کی دیوار پر بیٹھا تھا، کہ ایک خوفناک پرندہ، اوپر سے اس پر جھپٹا اور اسے اچک کر لے گیا، یہ منظر دیکھ کر لوگ بہت خوش ہوئے، ان کا ایک ڈر ختم ہو گیا، انہوں نے اس سے نیک فال لی کہ اللہ کعبہ کی تعمیر نو پر خوش ہے، لیکن اب تک پہلا خوف باقی تھا، جس کے زائل ہونے کی کوئی صورت نہ نکل رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے بھی دور کر دیا، کہ ولید بن مغیرہ کے دل میں خیال آیا اور اس نے کہا، کچھ بھی ہو اس عمارت کو گرانے کی ابتداء کرتا ہوں، اس نے کدال لی اور اپنا کام شروع کر دیا، وہ پتھر گراتا جاتا اور دعا کرتا جاتا، اے اللہ! ہمیں خوفزدہ نہ کرنا، اے اللہ! ہم صرف خیر کا ارادہ رکھتے ہیں، لوگوں نے کہا، اگر رات بخیریت گزر گئی تو ہمیں یقین ہو جائے گا، کہ ہمارے اس عمل سے اللہ راضی ہے۔

رات بخیر و خوبی گزری، صبح بڑے ہی جوش و جذبہ کے ساتھ کام شروع ہو گیا، بڑے بڑے رؤسا اور سردار کندھے پر پتھر اٹھاتے نظر آ رہے تھے، کہ اللہ کے گھر کی تعمیر ہر ایک کے لئے بڑا ہی اعزاز تھا، ہمارے آقا ﷺ بھی اس مقدس کام میں پیش پیش تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے چچا حضرت عباس کے شریک کار تھے، چچا نے دیکھا کہ آپ کے مبارک کندھوں پر، پتھروں کی رگڑ سے خراشیں پڑ رہی ہیں، ان سے بھتیجے کی تکلیف نہ دیکھی گئی تو مشورہ دیا، اپنا تہبند اتار کر، کندھے پر رکھ لو، آپ لمبا کرتا پہنے تھے، لہٰذا آپ نے تہبند اتارا، اور کاندھے پر رکھ لیا، تھوڑی دیر بعد آپ پر غشی سی طاری ہوئی، جب ہوش آیا تو فوراً اپنا تہبند باندھ لیا (گویا اللہ کو پسند نہ تھا، کہ اتفاقاً بھی اس کے محبوب کے ستر پر کسی کی نظر پڑے)۔

تنصیب حجر اسود

تعمیر کا کام بڑی تیزی سے ہوتا رہا، تمام قبائل اپنے حصہ کا کام بڑی خوش اسلوبی اور خوشی سے کرتے رہے، حتیٰ کہ، حجر اسود کو اس کی جگہ لگانے کا وقت آ گیا، حجر اسود، جو تمام قبائل کے لئے قابل احترام تھا، اس کا نصب کرنا بھی ہر قبیلہ کے لئے بڑا اعزاز تھا، پس اس اعزاز کا حصول ہی اختلاف کا باعث بن گیا، ہر قبیلہ اپنے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے، اس اعزاز کے حاصل کرنے کا دعویدار

بن رہا تھا، نوبت بایں جا رسید کہ آپس میں اختلاف بڑھ گیا، تلواریں نکل آئیں، قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے، تعمیر کعبہ کا کام غیر معینہ مدت کے لئے رک جائے، لیکن کسی معمر شخص نے تجویز دی اور کہا، ''یَا مَعْشَرَ قُرَیْش! اِجْعَلُوْا بَیْنَکُمْ فِیْمَا تَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ اَوَّلُ مَنْ یَّدْخُلُ مِنْ بَابِ هٰذَا الْمَسْجِدِ یَقْضِیْ بَیْنَکُمْ فِیْهِ فَفَعَلُوْا''، اے اہل قریش! جس معاملہ میں تمہارے درمیان اختلاف ہو گیا ہے، اس کا فیصلہ کرنے کے لئے، اس شخص کو اپنا حکم بنالو، جو کل سب سے پہلے، اس مسجد کے دروازے سے داخل ہو، اس تجویز پر سب متفق ہو گئے۔

جو لوگ، اعزاز کی ہوس میں مبتلا تھے نہ جانے ان کی یہ رات کس طرح گزری ہوگی، کوئی نہیں جانتا تھا، کہ گھر والے کا فیصلہ کیا ہوگا، صبح ہوتے ہی ہر طرف سے لوگ دوڑتے کعبہ کی طرف آرہے تھے، جب کہ سب سے پہلے، کعبہ میں وہ معزز ترین شخصیت پہنچ چکی تھی، جس کے ذریعہ اللہ کا گھر ہمیشہ کے لئے بتوں سے پاک اور ایک اللہ کی عبادت کے لئے خاص ہونے والا تھا، یعنی نبی آخر الزماں حضرت محمد ﷺ، جس نے ان کو دیکھا وہ خوش ہوا، اور سب نے بیک آواز کہا، ''هٰذَا الْاَمِیْنُ رَضِیْنَا بِهٖ حَکَمًا هٰذَا مُحَمَّدٌ''، یہ محمد (ﷺ) ہیں، یہ امین ہیں، ہم سب ان کے فیصلہ پر راضی ہوئے، یہ کہتے ہوئے انہوں نے آپ کو گھیر لیا، اور حکم بننے کی درخواست کی، کہ آپ کا جو بھی فیصلہ ہوگا وہ بلاتردد سب کے لئے قابل قبول ہوگا۔

ہمارے آقا ﷺ نے ان کے پیش کردہ منصب کو قبول فرمایا، کہ یہ آپ ہی کے شایان تھا، اور ایک نہایت ہی پیچیدہ مسئلہ کو بڑی خوش اسلوبی، حکمت اور تدبر سے حل فرمادیا، آپ نے فرمایا، ''هَلُمَّ اِلَیَّ ثَوْبًا''، میرے پاس ایک چادر لے آؤ، چادر پیش کی گئی، آپ نے اس چادر کو زمین پر بچھایا، اور اپنے دست مبارک سے، حجر اسود کو، چادر کے درمیان رکھا، پھر آپ نے ہر قبیلہ اور خاندان کے ایک ایک سردار کو بلایا، اور فرمایا، سب مل کر چادر کو تھام لو اور حجر اسود اٹھا کر لے چلو، سب نے ایسا ہی کیا، جب حجر اسود اس مقام پر پہنچ گیا جہاں اسے لگانا تھا، اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اپنے مقدس ومبارک ہاتھوں سے اٹھایا اور دیوار میں، اس کے مقررہ مقام پر لگا دیا۔

میرے آقا ﷺ نے کس قدر، حکمت وتدبر سے کام لیا، ایک خطرناک جنگ کا خاتمہ ہو گیا، نیز سب کو اس عظیم کام میں شرکت کا اعزاز حاصل ہو گیا، اور قدرت کی طرف سے یہ اعلان بھی کر دیا گیا، کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی پیدائش کے بعد، قیادت وسیادت اور ہر قسم کا اعزاز صرف اور صرف انہی کا حق ہے، جس کا آغاز اس عمل سے ہی ہو رہا ہے، کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس باتدبیر عمل نے، سب کی گردنوں کو خم کر دیا، اور آپ کے کمالات حسنہ اور صفات کاملہ کا اعتراف کرنے پر سب مجبور ہو

گئے، اب وہ ہر معاملہ اور موقعہ پر آپ کو پیش پیش رکھتے، آپ سے مشورہ کرتے اور آپ کی تجاویز پر عمل کو لازمی قرار دینے لگے۔

فصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وعلیٰ اله واصحابه اجمعین

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت، رضاعت اور عہد شباب کے حالات و واقعات سے بخوبی یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے، کہ آپ کی صفات حمیدہ اور کمالات، جن کا ظہور عام، اعلان نبوت کے بعد ہوا، ان کا اظہار اعلان نبوت سے پہلے بھی ہوتا رہا، بالخصوص آپ کے اخلاق اور حسن کردار نے قریش اور اہل مکہ کو اتنا متاثر کر دیا تھا، کہ وہ آپ کو، الصادق، اور، الامین، کہہ کر پکارتے تھے، نیز آپ کا صائب الرائے ہونا اتنا مسلم ہو چکا تھا کہ رؤسا و سردار ہر معاملہ میں آپ کی رائے کے منتظر رہتے اور اسی راہ کو اختیار کرتے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ان کے لئے متعین فرماتے تھے گویا آپ کا مشورہ بظاہر مشورہ ہوتا تھا، لیکن عملاً اسے حکم کی حیثیت حاصل ہوتی تھی، اس صورت حال نے اہل خرد کو آپ کے اعلان نبوت کا اشارہ دے دیا تھا، اور وہ آپ پر ایمان لانے کے لئے، اپنے آپ کو آمادہ اور تیار کر چکے تھے، بلکہ بعض اہل علم نے آپ کے اعلان نبوت کے بعد آپ پر ایمان لانے کا اعلان بھی کر دیا تھا، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، کہ شام کے دوسرے تجارتی سفر کے دوران، نسطورا راہب نے آپ کو پہچانا، اور آپ پر ایمان لانے کا اعلان کیا۔

علاوہ ازیں اگر آپ غور کریں، تو یہ حقیقت ہے، کہ ہمارے آقا ﷺ کی نبوت کا چرچا اور اعلان تو، عہد انسان کے آغاز سے بھی پہلے ہو چکا تھا، قرآن کریم شاہد ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے عالم ارواح ہی میں، جملہ انبیاء و مرسلین سے عہد لیا تھا، کہ اگر تم میں سے کسی کے دور میں، نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت ہوئی تو تم ان پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے، اس عہد ہی کے مطابق ہر نبی نے اپنے دور میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتظار کیا، اپنی امت سے ان کا تعارف کرایا، جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو واضح الفاظ میں، بنام، احمد، آپ کی تشریف آوری کا مژدہ دیا، نیز تورات و انجیل نے تو، آپ کے فضائل و کمالات اور صفات کو اس قدر تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کے لئے آپ کو پہچاننا، قطعاً دشوار نہ رہا تھا، جیسا کہ قرآن بتاتا ہے، اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ اہل کتاب، انہیں پہچانتے ہیں، جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، جب کہ حضرت عبد اللہ بن سلام نے مشرف با سلام ہونے کے بعد فرمایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، میرا پہچان لینا، اپنے بیٹوں سے زیادہ اکمل و اتم ہے، کہ میں نے اپنے بیٹوں کو صرف اپنی بیوی کے کہنے پر پہچانا ہے، جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معرفت کے لئے وہ بے شمار علامات

موجود ہیں جو میں تورات وانجیل میں پڑھ چکا ہوں، بہر حال ہمارے آقا ﷺ کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ آپ کو اہل علم اور اہل خرد نے، بعثت سے پہلے پہچانا، ان میں سے جو آپ پر ایمان لائے وہ بڑے ہی مقدر والے اور خوش نصیب قرار پائے، اور جنہوں نے معرفت کے باوجود انکار کیا، وہ بڑے بدنصیب اور محروم رہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

لَقَدۡ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ اِذۡ بَعَثَ فِیۡہِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ یَتۡلُوۡا

عَلَیۡہِمۡ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیۡہِمۡ وَ یُعَلِّمُہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ ۚ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ

لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۱۶۴﴾ (آل عمران)

''یقیناً بڑا احسان فرمایا، اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر، جب اس نے بھیجا، ان میں ایک رسول، انہی میں سے، پڑھتا ہے ان پر اللہ کی آیتیں، اور پاک کرتا ہے انہیں، اور سکھاتا ہے انہیں قرآن اور سنت، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے''۔

مکی زندگی

''بعثت مبارکہ'' پہلا دور

بعثت مبارکہ

اللہ رب العزت نے اپنے اکثر نبیوں کو، ان کی پیدائش کے چالیس برس بعد، اعلان نبوت کا حکم دیا، کیونکہ عمر کا یہ حصہ ہی مادی و ظاہری اعتبار سے جسمانی نشو ونما اور ذہنی صلاحیتوں کے مکمل ہونے کا ہوتا ہے، نیز چالیس برس کی عمر کے بعد ہی لوگ کسی کو اپنا قائد و سر براہ تسلیم کرنے پر آمادہ ہوتے، اس کا احترام کرتے اور اس کی باتوں کو وقعت دیتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سید الانبیاء نبی آخر الزماں ﷺ کو عمر کے چالیس سال چھ ماہ پورے ہونے کے بعد اعلان نبوت کا حکم دیا اور آپ پر نزول وحی کا آغاز کیا، جب کہ اس سے پہلے آپ کے عمل و کردار اور اداؤں سے، متواتر آثار بعثت کا ظہور ہوتا رہا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت مبارکہ سے متعلق، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت، حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں محفوظ کی ہے اس روایت سے ہم واقعہ بعثت کو، حصہ وار بیان کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔

ام المومنین فرماتی ہیں کہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وحی کا آغاز، سچے خوابوں سے ہوا، کہ آپ رات کو جو خواب دیکھتے، اس کی تعبیر بعینہٖ، صبح کے اجالے کی طرح سامنے آجاتی تھی، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا میلان خلوت گزینی کی طرف ہوا، جس کے لئے آپ غار حرا تشریف لے جاتے تھے، وہاں عبادت میں مصروف رہتے تھے، چند راتیں عبادت میں مصروف رہ کر اپنے اہل خانہ کے پاس

آتے، کچھ دن قیام فرماتے، اور پھر کھانے پینے کا سامان لے کر غار حرا تشریف لے جاتے، اور عبادت الٰہی میں مصروف ہو جاتے، چندروز یہ سلسلہ رہا، یہاں تک کہ غار حرا میں حق (قرآن) آ گیا۔

بعثت سے پہلے، انبیاء کرام علیہم السلام کو سچے خواب دکھائے جاتے ہیں، تاکہ جب بتقضائے نبوت ان پر غیب کا دروازہ کھلے اور حجابات اٹھائے جائیں تو تقاضائے بشریت ان کو سراسیمگی اور حیرت و تعجب کی کیفیت طاری نہ ہو، اور انہیں اپنے فرائض منصبی انجام دینے میں دشواری نہ ہو، اور جب سچے خوابوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، تو وہ قلب جو پہلے ہی سے معرفت و محبت سے منور ہوتا ہے اپنے مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی کی یاد میں گم ہونے لگتا ہے اور اس کی تلاش میں وارفتہ ہونے لگتا ہے، حتیٰ کہ طبیعت خلوت گزینی کی طرف مائل ہو جاتی ہے، اور اس متلاشی حق کو گوشہ نشین ہو کر، صرف اپنے خالق و مالک کی یاد میں جو سکون میسر آتا ہے وہ کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں مل پاتا، پس آقا ﷺ، مکی زندگی کی مصروفیات سے نکل کر ایک غار میں تشریف فرما ہونے لگے، جس کا راستہ نہایت دشوار گزار تھا، جبل نور کی انتہائی بلندی پر واقع اس غار تک پہنچنا بھی آسان نہ تھا، چار گز لمبے اور دو گز چوڑے غار میں آرام بھی ممکن نہ تھا، لیکن معبود حقیقی کی تلاش میں مست عاشق کے لئے ان دشواریوں کی کوئی اہمیت نہ ہوتی، ان کی نظر تو صرف اپنی منزل پر ہوتی ہے اور کامیابی و کامرانی ان کا مقصود ہوتا ہے، ان دشواریوں کو سر کر لینے کے بعد، اللہ کا بندہ یہاں آتا ہے، رب کی قدرت و قوت پر غور و فکر کرتا رہتا ہے، مناظر قدرت اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتے ہیں، وہ کبھی روتا ہے تو کبھی مسکراتا ہے، اور رحمت باری اپنے محبوب کو اپنی آغوش میں لیا ہی چاہتی ہے، جبرئیل منتظر حکم ہیں، کہ وہ بھی تو وصل محبوب کے لئے مضطرب و بے تاب ہیں۔

پہلی وحی

بالآخر وقت آ ہی گیا، جبرئیل، بطور خادم، سید الانبیاء ﷺ کے لئے سہرائے نبوت لے کر حاضر ہوتے ہیں، اور عرض کرتے ہیں، "اِقْرَاْء" محبوب فرماتے ہیں، "مَا اَنَا بِقَارِئٍ"، میں پڑھنے والا نہیں، جبرئیل کو محبوب سے انتہائی وصل کا موقع ہاتھ آیا، "فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِیْ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، پھر اس نے مجھے سینے سے لگا کر خوب بھینچا، "حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُھْدُ" یہاں تک کہ اس کے زور سے بھینچنے سے مجھے تکلیف محسوس ہوئی، "ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ" پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، اور کہا، "اِقْرَاْء" پڑھیے، میں نے کہا، "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" میں پڑھنے والا نہیں، "فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّانِیَۃَ" پھر جبرئیل نے مجھے دوبارہ سینہ سے لگا کر خوب بھینچا، "حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُھْدُ" یہاں تک کہ اس کے بھینچنے سے مجھے تکلیف ہوئی، "ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ" پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، اور کہا، "اِقْرَاْء" پڑھیے، میں نے جواب دیا، "مَا اَنَا بِقَارِئٍ" میں پڑھنے والا نہیں، "فَاَخَذَنِیْ فَغَطَّنِی الثَّالِثَۃَ" پھر جبرئیل نے

تیسری بار سینے سے لگا کر خوب بھینچا، "حَتّٰی بَلَغَ مِنِّی الْجُهْدُ" یہاں تک کہ مجھے حسب سابق تکلیف معلوم ہوئی، "ثُمَّ اَرْسَلَنِیْ" پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا، اور اس مرتبہ مزید کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ؕ (العلق)

"آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا، پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے، پڑھیے آپ کا رب کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعہ، اس نے سکھایا انسان کو جو وہ نہ جانتا تھا"۔

جب تک حضرت جبرئیل علیہ السلام، اِقْرَاْ، کہتے رہے، جواب ملتا رہا، مَا اَنَا بِقَارِئٍ، لیکن جب انہوں نے، اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، کہا، تو محبوب ﷺ نے پڑھنا شروع کر دیا، کہ اب اس رب کریم کا پیغام مل گیا جس کی تلاش آپ کو اس تنہائی میں لائی تھی اور جس کی یاد نے آپ کو مگن کر رکھا تھا، آپ کے اس عمل نے واضح کر دیا، کہ جبرئیل استاد نہیں وہ تو صرف پیغام رساں تھے اصل استاد تو وہ معلم حقیقی ہے جو، عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے اور جو اپنے محبوب ﷺ کو بلا واسطہ بغیر کسی استاد کے علم مَا كَانَ وَمَا یَكُوْنُ، عطا فرمائے گا، جس نے نبی ﷺ کو معلم کائنات بنا کر مبعوث فرمایا ہے، کسی کا شاگرد بننے اور کسی سے استفادہ کے لئے نہیں بھیجا، کہ نبوت کا مقتضیٰ ایسا کامل علم ہے جس کا مقابلہ کسی امتی کے بس کی بات نہیں، جب کہ نہ تو دنیا کا کوئی عالم، کامل ہے اور نہ کوئی کتاب کامل ہے۔

ایسا آدمی کس لئے منت کش استاد ہو   کیا کفایت اس کو اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ نہیں

بہر حال وحی اول کے نزول کے ساتھ ہی، آپ کی حیات مبارکہ کے تیسرے دور، یعنی "بعثت" کا آغاز ہو گیا، جس کے بعد آپ غار حرا سے واپس گھر تشریف لائے، اس حال میں کہ، "یَرْجُفُ فُؤَادُهٗ" آپ کا قلب مبارک دھڑک رہا تھا، کہ انسانی عوارض میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ کسی اچانک واقعہ کے پیش آنے پر دل دھڑکنے لگتا ہے، جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، لباس بشریت میں تشریف لائے، وہ اگرچہ عام انسانوں کی طرح نہ تھے لیکن عام انسانوں کی رعایت کے لئے، آپ پر انسانی عوارض طاری کیے جاتے ہیں، تا کہ عام لوگوں کے لئے آپ کی کوئی کیفیت اچنبہ نہ بنے، اور اس یگانگت میں کوئی فرق نہ آنے پائے، جو وحی الٰہی اور پیغام رسانی کے لئے لازمی جز ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا، "زَمِّلُوْنِیْ، زَمِّلُوْنِیْ" مجھے کمبل اوڑھا دو، "فَزَمَّلُوْهُ" تو حضرت خدیجہ نے آپ کو کمبل اوڑھا دیا، "حَتّٰی ذَهَبَ عَنْهُ الرَّوْعُ" تھوڑی دیر بعد آپ کی خوف وہراس کی کیفیت ختم ہو گئی، پھر اطمینان سے آپ نے اپنی

زوجہ محترمہ کو پورا واقعہ بتایا، (ہم عرض کر چکے ہیں کہ آپ کی یہ کیفیت، عارضی طور پر، وقتی طور پر، صرف اس لئے ہوئی تھی تاکہ عام لوگ سنیں تو اجنبیت کا احساس نہ ہو، کہ مقصود، نبی اور امت کے درمیان انس پیدا کرنا تھا) آپ نے واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، ''لَقَدْ خَشِیْتُ عَلٰی نَفْسِیْ'' مجھے تو اپنے بارے میں ڈر لگ رہا ہے، حضرت خدیجہ نہایت تجربہ کار، ذی فہم اور باشعور خاتون تھیں، انہوں نے اپنے آقا ﷺ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا، ''کَلَّا وَاللّٰہِ لَا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ''، ہرگز نہیں، بخدا، اللہ آپ کو ہرگز بے آبرو نہ کرے گا، کیونکہ، ''اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحْمَ'' آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ''وَتَحْمِلُ الْکَلَّ'' اور کمزوروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، ''وَتَکْسِبُ الْمَعْدُوْمَ'' اور مفلسوں، ناداروں کو اپنی کمائی سے حصہ دیتے ہیں، ''وَ تَقْرِی الضَّیْفَ'' اور مہمان کی میزبانی کرتے ہیں، ''وَتُعِیْنُ عَلٰی نَوَائِبِ الْحَقِّ'' اور بوجہ حمایت حق مصیبت زدوں کی مدد فرماتے ہیں، حضرت خدیجہ نے فرمایا، اگرچہ مجھے یقین ہے کہ ان خوبیوں والی ہستی پر اللہ مہربان ہوتا ہے، تاہم، ہم مزید اطمینان اور معلومات کے لئے ورقہ بن نوفل کے پاس چلتے ہیں۔

بار وحی

ہم یہاں مزید وضاحت کرنا چاہتے ہیں، کہ قرآن کلام الٰہی ہے، جس کے نزول کے وقت خوف و ہراس کا ہونا، عظمت قرآن کی دلیل اور ثبوت ہے، کہ اللہ رب العزت جل مجدہ کا کلام، لے، لینا کوئی آسان کام نہیں، فرمایا:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ ؕ (الحشر:21)

پس جب نزول قرآن سینہ نبوی پر ہوا، اور ساتھ ہی آپ کو ان دشوار و مشکل ذمہ داریوں کا احساس ہوا، جو نزول قرآن کے ساتھ تعلیم کتاب اور نبوت کے فرائض منصبی سے متعلق تھیں، کہ ان کو پورا کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا، لہٰذا آپ پر خوف و ہراس کی کیفیت طاری ہوئی اور یہ کیفیت، تیئس برس، آخری وحی کے نزول تک ہوتی رہی اور دیکھی جاتی رہی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ، نزول وحی کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور مبارک پیشانی سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا۔

ایک مرتبہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس ران؛ حضرت زید بن ثابت کی ران پر تھی، کہ اسی حالت میں نزول وحی کا آغاز ہو گیا، حضرت زید بتاتے ہیں، کہ آپ کی ران اتنی وزنی ہو گئی، کہ مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا، کہ میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اونٹنی پر سوار ہوتے اور وحی آجاتی، تو اونٹنی وحی کا وزن برداشت نہ کر پاتی اور بیٹھ جاتی تھی، یہ منظر صحابہ کرام نے بارہا دیکھا، خصوصاً، حجۃ الوداع کے موقع پر جب آیت، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ نازل ہوئی۔

اب غور فرمایئے، کہ وحی کے نزول کے وقت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اسے ہم العیاذ باللہ آپ کی کمزوری سمجھیں، یا آپ کے سینہ مبارکہ کا کمال اور قوت، جس نے تئیس سال تک کلام الٰہی کو بحسن وخوبی برداشت کیا، اسے محفوظ بھی کیا، اور آپ نے اپنی ذمہ داری کو بھی انجام دیا، کیا مجال کہ عارضی اور وقتی خوف وہراس سے کسی کام میں کوئی کمی آئی ہو یا کبھی کوئی خلل واقع ہوا ہو۔

فصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ الہ واصحابہ اجمعین

غرضیکہ آپ نے حضرت خدیجہ کے مشورے کو قبول فرمایا، اور ورقہ بن نوفل کے پاس تشریف لے گئے، ورقہ حضرت خدیجہ کے چچازاد بھائی تھے، جو بت پرستی سے بددل ہو کر عیسائی ہو گئے تھے، یہ عبرانی زبان کے ماہر تھے، لہٰذا انجیل کو عبرانی رسم الخط میں لکھا کرتے تھے، بہت معمر تھے، کمزور ہو گئے تھے، نظر بھی بہت کم آتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں غار حراء کا سب واقعہ بتایا، انہوں نے غور سے سنا اور کہا

یہ وہی ناموس (جبرئیل) ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجا تھا، اے کاش! میں اس وقت جوان ہوتا، اے کاش! میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب آپ کو، آپ کی قوم مکہ سے نکالے گی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا، کیا لوگ مجھے یہاں سے نکال دیں گے، ورقہ نے کہا، جی ہاں، جو بھی اس قسم کی دعوت لے کر آیا ہے، جیسی آپ لائے ہیں، لوگ اس کے دشمن ہو گئے ہیں اور اسے وطن سے نکال چکے ہیں، اگر مجھے وہ دن دیکھنا نصیب ہوا تو میں آپ کی پوری پوری طرح مدد کروں گا۔

یہاں یہ جان لینا ضروری ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ورقہ بن نوفل کے پاس اپنے اطمینان کے لئے، تشریف نہ لے گئے تھے، بلکہ آپ کا مقصد حضرت خدیجہ کو مزید مطمئن کرنا اور ان کی وساطت سے عام لوگوں کا اطمینان تھا کہ حضرت خدیجہ کو ورقہ پر بے حد اعتماد تھا اور عام لوگ ان کی گواہی کو بہت اہمیت دیتے تھے، حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وحی الٰہی کے آغاز سے ہی اپنی نبوت پر مطمئن تھے اور خود اپنے نبی ہونے پر ایمان لا چکے تھے، کہ ہر نبی کا اپنی نبوت پر ایمان لانا، بعثت کے ساتھ لازم و ضروری ہوتا ہے، اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ارشاد باری تعالیٰ ہے، کہ

ایمان لایا رسول، اس پر جو نازل کیا گیا ہے اس پر، اس کے رب کی طرف سے اور اہل ایمان بھی، کہ نبی اگر اپنی نبوت میں شک کرے یا مومن نہ ہو، تو دعوت ایمان کیسے دے سکتا ہے۔

فترۃ الوحی

پہلی وحی کے بعد، نزول وحی کا سلسلہ تقریباً تین مہینے تک موقوف رہا، اسی دور کو ''فترۃ الوحی'' کہا جاتا ہے، اس دوران ہمارے آقا ﷺ بے حد اضطراب و پریشانی کی کیفیت میں مبتلا رہے، حتیٰ کہ آپ کئی بار پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ کر، کودنے کا ارادہ فرماتے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نمودار ہو کر اطمینان دلاتے اور کہتے، ''**یا محمد انک رسول اللہ حقا**'' اے محمد! (ﷺ) آپ بلاشبہ اللہ کے سچے رسول ہیں۔

یہ بات نہایت قابل توجہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ، چند روز وحی کا سلسلہ موقوف ہونے پر، اس قدر دل برداشتہ ہو گئے تھے، کہ زندگی پر موت کو ترجیح دینے لگے تھے، حیرت ہے کہ نبی، جو معصوم ہوتا ہے، اس سے گناہ کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا، پھر آپ کی یہ کیفیت کیونکر ہوتی تھی، علاوہ ازیں نبی کی قوت برداشت تو بڑی ہی عظیم ہوتی ہے، نبی کی قوت و طاقت کا مقابلہ تو حضرت جبرئیل جیسی قوت والے فرشتے کے لئے بھی ممکن نہ تھا، تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صرف وحی کا سلسلہ موقوف ہونے پر اس قدر کمزوری کا مظاہرہ کیسے کر سکتے تھے، نیز نبی پر تو خود لازم ہے کہ وہ اپنی نبوت پر ایمان لائے اور کسی قسم کا شک وشبہہ نہ کرے، جیسا کہ ہم سطور بالا میں بیان کر چکے ہیں، پس ہم کس طرح تصور کر سکتے ہیں کہ آپ ایسا کر سکتے ہیں یا مایوس ہو جاتے تھے، کیا نبی کا ظرف اتنا چھوٹا اور حوصلہ اتنا تنگ ہوتا ہے کہ وہ ایک معمولی سی بات پر اتنا مایوس ہو جائے کہ موت کو زندگی پر ترجیح دینے لگے۔

بہر حال اس الجھن کے سبب کچھ عرصہ بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیمار ہو گئے، مزید برآں یہ کہ ایک مشرک نے آپ کو طعنہ دیا، ''اے محمد (ﷺ) کیا تمہیں تمہارے شیطانوں نے چھوڑ دیا (نعوذ باللہ من ذلک) اور دو تین رات سے تمہارے پاس نہ آیا، اس دلخراش اور بیہودہ جملے سے آپ کے قلب ناز کو جو تکلیف ہوئی ہوگی، اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی دلجوئی کے لئے سورۃ وَالضُّحٰی نازل فرمائی اور پہلی ہی آیت میں آپ کو اطمینان دلایا، وَالضُّحٰی ﴿۱﴾ وَ الَّیْلِ اِذَا سَجٰی ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَ مَا قَلٰی ﴿۳﴾ قسم ہے ضحیٰ کی، قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے، تمہیں تمہارے رب نے نہ چھوڑا نہ ہی وہ ناراض ہوا۔

قرآن کریم کا ارشاد ہے، وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَهَدٰی ﴿۷﴾ جب کہ ضلالت اور معصومیت ضدین ہیں، میرے آقا ﷺ تو معصوم ہیں، جن کی عصمت نص قطعی سے ثابت ہے، جن کی عظمت کا محافظ خود

ان کا رب ہے، وہ کس طرح مایوسی کا شکار ہو سکتے ہیں وہ کس طرح زندگی پر موت کو ترجیح دے سکتے ہیں۔ یہ تو بڑی گمراہی ہے، بڑی ہی ضلالت ہے، پس مفسرین نے، ضالاً کے معنی بیان کرتے ہوئے، دلائل سے وضاحت کی ہے، کہ اس کے معنی ہیں، "وَجَدَکَ مُحِبًّا عَاشِقًا مُفْرِطًا فِی الْحُبِّ وَالْعِشْقِ" کہ آپ کو بکثرت محبت اور عشق کرنے والا پایا، اس رب کریم کے نام سے، جس نے انسان کو پیدا فرمایا، اور اسے قلم سے علم سکھایا، پڑھنے کے بعد، محبوب، رب کریم کے عشق و محبت میں ایسے وارفتہ ہوئے کہ بہر صورت اس کے رحم و کرم اور توجہ کو پالینا چاہتے تھے، پس یہ، کثرت عشق و محبت کی، وارفتگی تھی، نبوت یا عقیدۂ توحید میں شک وشبہ کی ضلالت نہ تھی گمراہی نہ تھی۔

صوفیہ کرام فرماتے ہیں کہ جب اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، اپنی محبت میں وارفتہ پایا، تو ایسی شریعت مطہرہ سے نوازا جس کے ذریعہ آپ ہر آن اور ہر لحہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتے رہیں، (یہی معنی ہیں ارشاد باری تعالیٰ کے، وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰىؕ)

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، کہ، ضالاً، بمعنی، متحیر، ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو، قرآن کریم کے بیان میں حیران پایا، تو اس کے بیان کی تعلیم دی، (بلکہ قرآن کریم کو یاد کر لینے، اس کو جمع کرنے، اور اس کو پڑھوانے، اس کی تفسیر اور اس کے بیان، جیسے اہم امور خود قرآن نازل فرمانے والے رب نے، اپنے فضل و کرم سے، اپنے محبوب کی سہولت کے لئے، اپنے ذمہ لے لئے، ارشاد ہوا، لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖؕ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗۚ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗۚ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗؕ ﴿۱۹﴾ آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو، ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا، اور اس کو پڑھانا، پس جب ہم اس کو پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کی، پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کرنا۔ اسی لئے صاحب قرآن ﷺ نے ان اہم امور کو جس احتیاط اور ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا وہ عام آدمی کے بس کی بات نہ تھی۔

میرے خیال میں یہ حقیقت بخوبی واضح ہو گئی کہ معصوم نبی کی عارضی اور وقتی مایوسی، درحقیقت کثرت عشق و محبت کی وارفتگی تھی، کہ آپ کو قرآن کریم کی پہلی وحی میں ایسی لذت کا احساس ہوا، ایسا لطف آیا، کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے بھی وحی منقطع ہونے کو برداشت نہ کر پا رہے تھے، یہی الجھن و پریشانی آپ کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جاتی اور آپ وہاں سے گر جانے کا ارادہ فرماتے، لیکن ایسا ممکن ہی نہ تھا، کہ آپ تو رب کی حفاظت میں تھے، وہ ہر حال اور ہر آن آپ کی حفاظت فرما رہا تھا، پس جبرئیل حاضر ہوتے آپ کو روکتے تسلی دیتے اور واپس ہو جاتے، رب کی طرف سے وحی میں تاخیر محض اپنے محبوب کی والہانہ محبت اور ان کی مضطربانہ اداؤں کو ملاحظہ فرمانے کے لئے تھی، مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَ

مَاقَلٰی نہ تو آپ کے رب نے اپنے پیارے کو چھوڑا اور نہ ہی وہ اپنے پیارے سے ناراض ہوا، بس نزول وحی میں بھی بے شمار حکمتیں تھیں اور اس عارضی انقطاع میں بھی، پیارے آپ مایوس نہ ہوں، پریشان نہ ہوں، ہم آپ سے وعدہ فرماتے ہیں، وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰی اور ہر آنے والی گھڑی آپ کے لئے پہلی سے (بدر جہا) بہتر ہے، نیز ہم وعدہ کرتے ہیں، وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی عنقریب آپ کو آپ کا رب اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔

اعلان نبوت

وحی اول، سورۂ علق کی ابتدائی، پانچ آیتوں کے نزول کے بعد، سلسلہ وحی، چالیس دن، اڑھائی یا تین ماہ موقوف رہا، پھر جاری ہوا تو تیئس سال، مسلسل جاری رہا، جب ضرورت پیش آئی یا جب حکمت الٰہیہ ہوئی، وحی نازل ہوئی، دوسری وحی، سورۂ مدثر کی درج ذیل آیات ہیں:

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝ (مدثر)

''اے چادر لپیٹنے والے، اٹھئے اور لوگوں کو ڈرایئے، اور اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے، اور اپنے لباس کو پاک رکھئے، اور بتوں سے (حسب سابق دور رہئے) اور کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کے لئے، اور اپنے رب کی رضا کے لئے صبر کیجئے''۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کا محبت بھرا خطاب، محبوب کی پریشانی اور الجھن کو ختم کرنے کے لئے ہے، جس سے پیارے کو کتنا اطمینان وسکون میسر آیا ہوگا، یہ صرف ناز برداری کرنے والا اور ناز کرنے والا ہی جان سکتا ہے، ہمیں تو اس سے آقا ﷺ کی محبت والفت کا پیغام ملتا ہے۔

ان آیات کے نزول کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پورے عزم، توکل اور ہمت کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کرنے کے لئے میدان عمل میں آگئے، رب کریم کا حکم وہ بھی ایسے محبت بھرے انداز میں، پس محبوب نے چادر لپیٹی اور اٹھ کھڑے ہوئے، حق کا علم بلند کرنے کے لئے، ظلمت کدۂ عالم کو توحید کے نور سے منور کرنے کے لئے، باطل کو ہر میدان میں شکست دینے کے لئے، ظلم وستم والوں، شراب نوشی، قمار بازی کے عادی، بیٹیوں کو زندہ در گور کرنے والوں، اور برائیوں، بدکاریوں میں لتھڑے، جانور نما انسانوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے وہ اٹھ کھڑے ہوئے، کام بے حد دشوار تھا، ماحول ناسازگار تھا، لیکن رب کریم کا محبت بھرے انداز میں حکم تھا، جو مشن کی آسانی اور کامیابی کی ضمانت تھی، قُمْ فَاَنْذِرْ۔

پہلی مومنہ

تمام آئمہ وعلماء سیرت کا اتفاق ہے کہ اپنے آقا ﷺ کے پیغام توحید ورسالت پر سب سے پہلے آپ کی زوجہ مطہرہ ومکرمہ ایمان لائیں، وہ اسی وقت ایمان لا چکی تھیں جب اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں غار حرا میں پہلی وحی کا واقعہ سنایا تھا، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں، مزید ملاحظہ ہو، علامہ ابن ہشام علیہ الرحمہ لکھتے ہیں۔

''نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر، حضرت خدیجہ بنت خویلد ایمان لائیں، آپ کی تصدیق کی اور رسالت کی ذمہ داریاں پوری کرنے میں حضور کی ہمت افزائی کی، آپ سب سے پہلے، اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ایمان لائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اپنے محبوب کا بوجھ ہلکا کیا، جب مخالفین آپ سے تلخ کلامی کرتے یا آپ کو جھلاتے تو حضور کو بہت دکھ ہوتا تھا، لیکن جب آپ گھر تشریف لاتے تو ام المومنین ایسی گفتگو کرتیں، کہ غم واندوہ دور ہو جاتا اور آپ مطمئن ہو جاتے، وہ آپ کو ثابت قدمی پر آمادہ کرتیں، آپ کا بوجھ ہلکا کرتیں، اور آپ کی تصدیق کرتیں، اس طرح مخالفین کی بیہودہ گوئی سے آپ کو جو رنج وملال ہوتا، حضرت خدیجہ ختم کر دیتیں، اللہ آپ پر رحمتیں نازل فرمائے''۔

حضرت خدیجہ کو، سب سے پہلے ایمان لانے اور آپ کی دلجوئی کرنے کا یہ صلہ ملا، کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر کہا،'' یارسول اللہ! اپنے رب کی طرف سے اور میری طرف سے حضرت خدیجہ کو سلام پہنچایئے اور خوشخبری دیجئے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں ایک محل مخصوص کیا ہے، جو موتیوں سے بنایا گیا ہے، جس میں نہ کوئی شور ہوگا نہ ہی کوفت ہوگی، ام المومنین نے جواباً، عرض کیا، اللہ ہی سلام ہے ساری سلامتیاں اس کے لئے ہیں، جبرئیل پر سلام ہو، اور یارسول اللہ! آپ پر سلام ہو اس کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

بلاشبہ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے لئے ایک شرف اور ایک اعزاز تھا، اس سے بڑا کوئی انعام ہو ہی نہیں سکتا جو انہیں آقائے رحمت ﷺ کی تصدیق، ان کی خدمت اور ان کی ہمت افزائی کے صلہ میں نصیب ہوا، اللہ کے دربار میں ان کے اس شرف سے یہ بھی واضح ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ ہی نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بے پناہ عقل وخرد سے نوازا تھا، انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ محبت والفت تھی، وہ کبھی آپ کو رنج والم کی کیفیت میں دیکھنا گوارا نہ کرتی تھیں، اور جب بھی ایسا ہوتا وہ اپنی حکیمانہ اور دل لبھانے والی گفتگو سے آقا ﷺ کے غم دور کر دیتیں، انہوں نے، خدمت، دولت اور اپنے وقت، غرضیکہ ہر طرح، ہر حال میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ساتھ دیا، بلاشبہ یہ امت

پر امت کی ماں کا وہ احسان ہے جو کوئی ماں اپنی اولاد پر نہیں کر سکتی، اے اللہ تو ہماری پہلی ماں پر اپنی مزید رحمتیں نازل فرما۔

پہلے مومن

ام المومنین حضرت خدیجہ کے بعد مردوں میں سے سب سے پہلے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے، کیونکہ بعثت سے پہلے، ابوبکر اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان بہت گہرے تعلقات تھے، ایک دوسرے کے یہاں آمد و رفت، اٹھنا، بیٹھنا، اکثر ساتھ کھانا پینا، روزانہ کا معمول تھا، دونوں کے مزاج بھی ایک دوسرے سے ملتے تھے، غور و فکر میں بھی ہم آہنگی اور یکسانیت تھی، قوم کی بگڑی حالت سے دونوں ہی متفکر رہتے تھے، معاشرے کی اصلاح، اس سے ظلم و ستم، بددیانتی اور بدکاریوں کا خاتمہ، دونوں کا عنوان گفتگو رہتا تھا، اسی قریبی تعلق کی نسبت، حضرت ابوبکر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محامد و محاسن سے بخوبی واقف تھے، اور آپ کو تقریباً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کا یقین ہو چکا تھا، اور آپ کا قلب و ذہن، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت وعقیدت کا مرکز بن چکا تھا، اسی دوران آپ کو ایسے خواب نظر آئے، جو عقیدت میں مزید اضافہ کا باعث بنے۔

ایک مرتبہ آپ نے خواب دیکھا کہ مکہ میں چاند اترا ہے، اور تمام گھروں میں اس کی روشنی پھیل گئی ہے، پھر چاند ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا، اور گھر گھر وہ ٹکڑے جا گرے، پھر وہ سب ٹکڑے یکجا ہو کر مکمل چاند بن گئے، اور وہ چاند ان کی گود میں آگرا۔

حضرت ابوبکر نے اہل کتاب کے کسی عالم سے اس خواب کی تعبیر معلوم کی تو انہوں نے بتایا، کہ یہ چاند وہی نبی ہے جس کی آمد کے ہم منتظر ہیں، بس اب اس کے ظہور کا وقت قریب ہی ہے، اے ابوبکر! آپ اس کی اطاعت و پیروی کریں گے اور آپ کا مرتبہ نہایت ہی بلند ہوگا۔

علاوہ ازیں، حضرت ابوبکر کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معیت میں کئی مرتبہ سفر کا شرف بھی حاصل ہوا تھا، اسی دوران آپ نے علماء یہود سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق بہت کچھ سن لیا تھا اور آپ اتنی معلومات حاصل کر چکے تھے کہ اب مزید کسی بات کے جاننے کی ضرورت باقی نہ رہی تھی لہٰذا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اپنی بعثت کی خبر دی اور ایمان لانے کی دعوت دی تو آپ نے بلا تامل اسے قبول کر لیا، اور بلا تردد غلامی اختیار کر لی، آقا ﷺ خود فرماتے ہیں، "مَادَعَوْتُ اَحَدًا اِلَی الْاِسْلَامِ اِلَّا کَانَتْ عِنْدَہٗ کَبْوَۃٌ وَ تَرَدُّدٌ وَنَظَرٌ اِلَّا اَبَابَکْرٍ مَاعَکَمَ عَنْہُ حِیْنَ ذَکَرْتُہٗ لَہٗ وَلَا تَرَدَّدَ"، میں نے جس کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، اس کا پاؤں پھسلا، اور وہ تشویش میں مبتلا ہوا اور غور و فکر کرنے لگا، سوائے ابوبکر کے، کہ اس نے نہ تردد کیا نہ جھجکا۔

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر میں کسی موقع پر تلخ کلامی ہوگئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس خبر سے بہت تکلیف ہوئی، آپ نے حضرت عمر سے فرمایا، ''کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے نبی بنا کر مبعوث فرمایا، تو تم نے میری تکذیب کی جب کہ ابوبکر نے بلا تامل و بلا تردد میری تصدیق کی، اس نے اپنی ذات اور اپنی دولت سے میری دلجوئی کی، کیا تم میرے لئے اس دوست کو چھوڑ دو گے'' (یعنی وہ میرا دوست ہے اس سے بے حد محبت کرتا ہوں لہٰذا آئندہ اس سے کوئی گستاخی نہ کرنا)۔

نوجوانوں میں پہلے مؤمن

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ابوطالب کے ساتھ رہا کرتے تھے، جو کثیر العیال اور نہایت تنگ دست تھے، ایک مرتبہ مکہ میں قحط پڑا جس نے آپ کو مزید بدحال کر دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کا کچھ نہ کچھ تعاون کرتے رہتے تھے لیکن وہ کافی نہ تھا، ایک دن آپ نے اپنے چچا حضرت عباس کو مشورہ دیا، کہ ابوطالب کے ایک بیٹے کو آپ گود لے لیں اور ایک کو میں گود لے لیتا ہوں، اس طرح چچا کی کچھ مزید مدد ہو جائے گی، دونوں ابوطالب کے گھر آئے اور اپنی خواہش کا اظہار کیا، ابوطالب کے چار بیٹے تھے، جو ایک دوسرے سے، دس دس سال چھوٹے تھے، ابوطالب راضی ہو گئے، تو عباس نے، جعفر کی کفالت کا ذمہ لیا، اور علی، جو سب سے چھوٹے تھے، ان کا مقدر جاگا، اور انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گلے لگایا، علی کے لئے یہ کتنا بڑا شرف تھا کہ قدرت نے انہیں، اعلان نبوت سے پہلے ہی، آغوش نبوت میں پناہ دے دی، آپ کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد بتاتی ہیں، کہ، ''جب میرا یہ بچہ پیدا ہوا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا نام علی رکھا، اس کو اپنا لعاب دہن چٹایا، اپنی زبان مبارک چوسنے کے لئے دی، جس کو بچہ چوستا رہا اور سو گیا''۔

حضرت علی کے ایمان لانے کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے، ''ایک دن حضرت علی نے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو نماز پڑھتے دیکھا، آپ نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا، یہ کون سا دین ہے، جس کی آپ دونوں اتباع کر رہے ہیں، میں نے تو کبھی اس دین کے متعلق کچھ نہ سنا اور نہ ہی کسی کو اس طرح عبادت کرتے دیکھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، یہ اللہ کا دین ہے، جس کی تبلیغ کے لئے اس نے رسول مبعوث فرمائے، پس میں تمہیں دعوت دیتا ہوں، کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آؤ اور اسی کی عبادت کرو، اور لات و عزیٰ کے ساتھ کفر کرو''، حضرت علی نے جواب دیا، یہ تو عجیب بات ہے، اس کے متعلق میں اپنے والد کے مشورے کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، لیکن اس دین کے متعلق کسی کو نہ بتانا، کہ یہ ابھی تک راز ہے، ایک رات گزر گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے علی کے دل کو نور ایمان سے منور کر دیا، صبح سویرے

وہ حاضر ہوئے اور مشرف باسلام ہو گئے، انہوں نے اپنے ایمان کو باپ کے خوف سے پوشیدہ رکھا، آخر ایک دن یہ راز فاش ہو گیا، ابوطالب نے انہیں نماز پڑھتے دیکھ لیا، تو پوچھا یہ تم کیا کر رہے تھے، علی نے خوفزدہ ہوتے ہوئے جواب دیا، یہ اللہ کی عبادت کا ایک طریقہ نماز ہے جو میں پڑھ رہا تھا، کیونکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لا چکا ہوں، ابوطالب نے بیٹے کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا، ''اِنَّهٗ لَمْ يَدْعُكَ اِلَّا اِلٰى خَيْرٍ فَالْزَمْهُ'' اے علی! بے شک انہوں نے تمہیں صرف خیر کی طرف بلایا ہے، پس تم ان کا دامن مضبوطی سے پکڑے رہو، حضرت علی مشرف باسلام ہوئے تو اس وقت ان کی عمر، آٹھ یا دس برس کی تھی۔

غلاموں میں پہلے مؤمن

زید بن حارثہ، اصلاً اور نسلاً غلام نہ تھے، حضرت خدیجہ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے انہیں خرید کر غلام بنالیا تھا اور اپنی، پھوپھی کو تحفۃً دے دیا تھا، انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کے بعد، آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، زید بن حارثہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفقت و محبت سے بے حد متاثر تھے اور آپ کو بے حد چاہتے تھے، جب ان کو، ان کے چچا وغیرہ تلاش کرتے ان تک پہنچے اور انہیں والدین کے پاس لے جانا چاہا تو زید نے یہ کہہ کر جانے سے انکار کر دیا، کہ مجھے جو عزت و محبت، محمد ﷺ کی غلامی میں نصیب ہوئی وہ کہیں اور میسر نہیں آسکتی اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں آزاد کر کے اپنا بیٹا بنالیا اور وہ زید بن محمد (ﷺ) کہلانے لگے، لیکن جب سورۂ احزاب کی آیت اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ نازل ہوئی، تو وہ پھر زید بن حارثہ کہلانے لگے، بعثت کے بعد وہ بھی بلا تردد مشرف باسلام ہو گئے، ان کا کچھ حال آپ گزشتہ صفحات پر پڑھ چکے ہیں۔

دیگر اولین صحابہ کا مشرف باسلام ہونا

اب ہم چند دیگر اولین صحابہ کے مشرف باسلام ہونے کا حال بیان کرنا چاہیں گے، جن میں کچھ کا شمار عشرہ مبشرہ میں ہوتا ہے، یعنی وہ خوش نصیب حضرات جنہیں مخبر صادق ﷺ نے دنیا ہی میں جنتی ہونے کا مژدہ دیا، ان میں حضرت ابوبکر، اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بھی شامل ہیں۔

حضرت عثمان کا مشرف باسلام ہونا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مشرف باسلام ہوتے ہی، اپنے حلقۂ احباب کو بھی اسلام قبول کرنے کی دعوت دینا شروع کر دی، حضرت عثمان بھی ان کے حلقۂ احباب میں شامل تھے، اور ابوبکر سے بہت قریب تھے، دونوں کے تعلقات نہایت بے تکلفانہ نوعیت کے تھے، ایک دن حضرت عثمان

نے حضرت ابوبکر سے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے لائے ہوئے دین کے متعلق گفتگو کرنا شروع کی، ابوبکر نے نہایت تفصیل سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محامد ومحاسن بیان کیے اور احکام اسلام کی بھی وضاحت کی، قرآن کریم کی آیات سنائیں، جس سے حضرت عثمان بے حد متاثر نظر آئے، پس ابوبکر نے موقع غنیمت جانا اور دعوت اسلام دے دی، جسے قبول کرنے کے لئے، حضرت عثمان فوراً ہی تیار ہو گئے، اسی دوران اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے آئے اور آپ نے فرمایا، اے عثمان! اللہ کی جنت قبول کر لے، میں تیری اور تمام مخلوق کی ہدایت ورہبری کے لئے مبعوث ہوا ہوں، حضرت عثمان بیان کرتے ہیں کہ زبان نبوت کے ان سادہ وصاف جملوں میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ مجھ سے رہا نہ گیا، اور میری زبان پر از خود کلمہ شہادت جاری ہو گیا، میں نے آپ کا دست مبارک پکڑا اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا، اس وقت حضرت عثمان کی عمر پینتیس برس کی تھی۔

حضرت عثمان کا ایک خصوصی اعزاز یہ ہے، کہ جان عالم ﷺ کی دو صاحبزادیاں، حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم، یکے بعد دیگرے آپ کے عقد میں آئیں، اسی مناسبت سے آپ ''ذوالنورین'' دو نور والے کہلائے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر جن اہم شخصیات نے اسلام قبول کیا، ان میں چند یہ ہیں: زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ (رضی اللہ عنہم) ان اکابر مکہ کے مشرف باسلام ہونے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ابوبکر بہت خوش تھے، یہ آٹھ حضرات ہیں جنہیں قرآن کریم نے السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کا دلنواز خطاب دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (توبہ)

''اور سب سے آگے سب سے پہلے ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار سے اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے، راضی ہو گیا اللہ تعالیٰ ان سے اور راضی ہو گئے وہ اس سے، اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات، بہتی ہیں ان کے نیچے، ندیاں، ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک، یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

بلاشبہ وہ مہاجر وانصار صحابہ کرام جنہوں نے نہایت ناسازگار حالات میں اسلام قبول کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت، اسلام کی اشاعت وخدمت کے لئے ایثار کیا اور بے مثال قربانیاں دیں،

مظالم سہے، اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں، وہ اس انعام الٰہی کے لائق تھے، جن کا آیت مذکورہ میں ذکر کیا گیا، ان میں وہ اہل مکہ بھی شامل ہیں جنہوں نے ابتداءً اسلام قبول کیا اور وہ اہل مدینہ بھی شامل ہیں جو اپنے بعد والوں سے پہلے مشرف باسلام ہوئے، ان حضرات کے طفیل بعد کے لوگوں کی ہمت افزائی ہوئی اور وہ یکے بعد دیگرے حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے، اور آہستہ آہستہ اسلام کا سورج عروج پذیر ہوا اور پورا عالم روشن ومنور ہو گیا، ایسا روشن ومنور ہوا، کہ کوئی گہرے سے گہرا بادل اس کی چمک کو دھیما نہ کر سکا، یہ سورج آج تک پوری آب وتاب کے ساتھ چمک رہا ہے اور ہمیشہ اسی طرح چمکتا رہے گا۔

السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ میں شامل چند خوش نصیب اہل مکہ یہ بھی تھے: حضرات ابوسلمہ بن عبدالاسد، ارقم بن ابی ارقم، عثمان بن مظعون، قدامہ بن مظعون، عبداللہ بن مظعون، عبیدہ بن حارث، سعید بن زید، فاطمہ بنت الخطاب، اسماء بنت ابی بکر، عائشہ بنت ابی بکر، خباب بن الارت، عمیر بن ابی وقاص، عبداللہ بن مسعود، مسعود بن قاری، سلیط بن عمرو، حاطب بن عمرو، عیاش بن ابی ربیعہ، اسماء بنت سلام، خنیس بن حذافہ، عامر بن ربیعہ، عبداللہ بن جحش، ابواحمد بن جحش، جعفر بن ابی طالب، اسماء بنت عمیس، حاطب بن حارث، فاطمہ بنت مجلل، خطاب بن حارث، فکیہہ بنت یسار، معمر بن حارث، مطلب بن ازہر، رملہ بنت ابی عوف، نعیم بن عبداللہ، عامر بن فہیرہ، خالد بن سعید، امینہ بنت خلف، حاطب بن عمرو، ابوحذیفہ، ہشم بن عتبہ، واقد بن عبداللہ، خالد، عامر، عاقل، ایاس پسران، بکیر بن عبد یالیل، عمار یاسر اور صہیب رومی، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

دار ارقم بن ابی ارقم

حضرت ارقم بن ابی ارقم رضی اللہ عنہ، وہ خوش نصیب صحابی ہیں، جن کا گھر، اسلام کا پہلا مرکز بنا اور مسلمانوں کی پہلی پناہ گاہ، اسلامی تاریخ میں اس نے کیا اہمیت حاصل کی، اس کا اندازہ ہر کوئی کر سکتا ہے، کچھ عرصہ قبل یہ گھر زیارت گاہ عشاق تھا، لیکن اب کوہ صفا سے متصل ایک دروازے پر "باب ارقم" لکھا دیکھ کر ہی ماضی کی یادوں کو تازہ اور آنکھوں کو پرنم کیا جا سکتا ہے، معلم کامل ﷺ نے، اسی گھر کو اپنی پہلی درسگاہ بنایا، یہیں سے آپ نے غلاموں کی تعلیم وتربیت کا آغاز کیا اور اپنے فرائض نبوت کی ادائیگی کی ابتدا کی، ابتداءً اسلام اسی گھر کی چار دیواری میں محدود تھا، اور کلمہ پڑھنے والے صرف یہاں آ کر اپنے رب کا نام لے سکتے اور اس کی عبادت کر سکتے تھے، کس قدر اہمیت کا حامل تھا یہ دار ارقم، تقریباً تین سال، آقا ﷺ، اپنے غلاموں کی اسی گھر میں تربیت کرتے اور انہیں اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے، صحابہ کرام کی پہلی جماعت اسی گھر میں منظم ہوئی، ان دنوں اسلامی تحریک کا کام اگرچہ خفیہ ہو رہا تھا لیکن

بڑی تیزی سے پھیل رہا تھا، صحابہ بالخصوص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے حلقۂ اثر میں اشاعت حق کی ذمہ داریاں پوری کر رہے تھے، اسلام کی ان ابتدائی شاندار کامیابیوں کی خبریں آہستہ آہستہ اہل مکہ کو مل رہی تھیں، جنہیں وہ معمولی بات جان کر کبھی تو قابل توجہ ہی نہ سمجھتے اور کبھی نور حق کو بآسانی بجھا دینے کے دعوے کر کے، اپنے حلقوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غلاموں کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔

اسلام اور کفر کا پہلا ٹکراؤ

جب اہل ایمان کی پہلی جماعت کے مردوں کی تعداد، اڑتیس ہوئی تو، انہیں دیکھ کر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا جذبہ ایمان کچھ ایسا ابھرا، کہ آپ بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! اب ہمیں اس چار دیواری سے باہر نکلنا اور اپنے کام کا کھلم کھلا آغاز کر دینا چاہیے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ابھی وقت نہیں آیا، ہماری تعداد کم ہے، کچھ دن ہمیں مزید اسی طرح کام کرنا چاہیے، لیکن غلام نے کچھ اس انداز میں اصرار کیا کہ، رحیم و کریم آقا ﷺ نے دلجوئی کرتے ہوئے ان کی درخواست کو منظور فرمایا، اور اپنی چھوٹی سی جماعت لے کر، حرم کعبہ میں رونق افروز ہو گئے، جہاں متعدد قبائل کے لوگ حسب معمول پہلے سے موجود تھے، سب مسلمان، اپنے اپنے قبائل کے ساتھ مل کر، بیٹھ گئے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نہایت حکیمانہ انداز میں حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے، دعوت اسلام دی، ابھی آپ کی گفتگو پوری بھی نہ ہونے پائی تھی، کہ کفار نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، بالخصوص ان کا نشانہ حضرت ابو بکر تھے، جن کے مسلمان ہونے کا اور دوسروں کو اسلام کی دعوت دینے کے کام کا، کفار کو پہلے ہی پتہ چل چکا تھا، وہ سب سے زیادہ انہی پر پیچ و تاب کھاتے تھے، اب موقع ہاتھ آیا تو انہیں مارنے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، جب ان کے قبیلہ بنو تیم کے کچھ لوگوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں ابو بکر کی جان نہ چلی جائے تو وہ آگے بڑھے اور بمشکل ان کو بچا کر، خون آلود حالت میں گھر پہنچایا، آپ کے جسم سے خون بہہ رہا تھا، چہرہ اتنا سوج چکا تھا، کہ آنکھیں اور ناک نظر نہ آتی تھی، گھر میں ایک کہرام تھا، جب کہ آپ پر بیہوشی طاری تھی، سارا دن یہی کیفیت رہی، غروب آفتاب کے وقت آپ کو کچھ ہوش آیا، تو عاشق صادق کی زبان سے، جو پہلا جملہ نکلا وہ یہ تھا، "**مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**" میرے آقا ﷺ کا کیا حال ہے۔

یہ سن کر، اہل قبیلہ آپ کو برا بھلا کہنے لگے، اور ملامت کرتے ہوئے چلے گئے، والدہ، ام الخیر نے کچھ کھانے پینے کے لئے پیش کیا، آپ منع کرتے رہے اور پھر آپ نے فرمایا "**مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**" ماں نے جواب دیا، بخدا مجھے ان کے متعلق کچھ خبر نہیں، کہ وہ کس حال میں

ہیں، آپ نے کہا، ام جمیل بنت خطاب کے پاس جاؤ اوران سے آقا ﷺ کا حال معلوم کرو، ام الخیر، ام جمیل کے پاس آئیں اور کہا، میرا بیٹا ابوبکر تجھ سے محمد بن عبداللہ کا حال معلوم کررہا ہے، ام جمیل نے کہا، میں نہ تیرے بیٹے کا حال جانتی ہوں اور نہ ہی محمد بن عبداللہ کا، ہاں اگر تم چاہو تو میں تمہارے گھر چلتی ہوں ام جمیل آئی تو، حضرت ابوبکر کو تقریباً نزع کی کیفیت میں پایا، دیکھ کر بہت گھبرائی، حضرت ابوبکر نے آنکھ کھولی، اور پوچھا، "مَا فَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اب ام جمیل نے بتایا، "هُوَ سَالِمٌ وَ صَحِيْحٌ" وہ ٹھیک ہیں، پوچھا، "اَيْنَ هُوَ" وہ کہاں رونق افروز ہیں، ام جمیل نے بتایا، دارارقم میں ہیں، آقا ﷺ کی خیریت جان کر، ابوبکر کے ہوش وحواس ٹھیک ہوئے، اور آپ نے ماں سے کہا، میں اس وقت تک، نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا جب تک اپنے آقا ﷺ کا دیدار نہ کرلوں، گویا آپ اپنی آنکھوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دیدار کر کے، مطمئن ہونا چاہتے تھے، رات کا اندھیرا چھا چکا تھا، یہ دونوں عورتیں آپ کو سہارا دے کر بارگاہ رسالت میں لائیں، "فَاَكَبَّ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اپنے پیارے غلام کو دیکھتے ہی، فرط محبت سے ان پر جھک گئے، "وَاَكَبَّ عَلَيْهِ الْمُسْلِمُوْنَ" اور مسلمان بھی ان پر جھک گئے، یعنی سب نے ابوبکر کو گھیرے میں لے لیا، "وَرَقَّ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِقَّةً شَدِيْدَةً" اور ابوبکر کی حالت دیکھ کر، رحیم وکریم آقا ﷺ پر سخت رقت طاری ہوگئی اور آپ ابوبکر کی تکلیف پر اظہار افسوس کرنے لگے۔

حضرت ابوبکر نے، اپنا حال عرض کرتے ہوئے کہا، یارسول اللہ! مجھے کوئی تکلیف نہیں، سوائے ان جوتیوں کی تکلیف کے جو عتبہ بن ربیعہ نے میرے منہ پر ماری تھیں، اس وقت ابوبکر نے آقا ﷺ کے رحم وکرم کی کیفیت کا اندازہ کیا، تو باوجود شدید تکلیف کے آپ نے اپنی ماں کے لئے ہدایت کی درخواست پیش کردی اور کہا، "فَادْعُهَا اِلَى اللّٰهِ" یارسول اللہ اسے دعوت حق دیجئے، اور دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم کی آگ سے آزاد کردے، پس اللہ کے رسول ﷺ نے ام الخیر کے لئے دعا کی اور وہ طلوع آفتاب سے پہلے مشرف باسلام ہوگئیں۔

جان عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر حملہ کے افسوس ناک واقعہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تقریباً ایک ماہ غلاموں کے ہمراہ، احتیاطاً دارارقم میں قیام پذیر رہے، اسی دوران، آپ پر حملہ کا افسوسناک واقعہ پیش آیا، کہ ایک دن آپ تنہا، صفا پہاڑی پر رونق افروز تھے (صفا پہاڑی دارارقم سے متصل ہی واقع ہے) کہ ابوجہل وہاں سے گزرا، اس نے آپ کو تنہا پاکر، بیہودہ باتیں کرنا شروع کردیں، حتیٰ کہ

گالیاں بکنے لگا، آپ خاموشی سے سنتے رہے، کوئی جواب نہ ملنے پر اس جاہل کو مزید غصہ آیا، اور اس نے اپنے ڈنڈے سے آپ پر حملہ کر دیا، اتنا مارا کہ آپ کے جسم نازک سے خون رسنے لگا، لیکن آپ نے اف تک نہ کی، وہ اپنا غصہ اتار کر، حرم چلا گیا، اور آقا ﷺ بھی خاموشی سے تشریف لے گئے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ نے جانثاروں پر کیا اثر کیا ہوگا، ان کا جذبۂ انتقام کس قدر بھڑکا ہوگا، لیکن پیکر صبر و حلم کے غلاموں کو اپنے آقا کی اجازت کے بغیر، کوئی قدم اٹھانے کی ہمت کس طرح ہو سکتی تھی، جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مشن امن وامان کی بقا کے ساتھ دعوت حق دینا تھا، لہٰذا کوئی ردعمل نہ ہوا، ہاں رب کریم نے اپنے محبوب کی تکلیف اور اس پر صبر کا صلہ دیا، کہ ایک ایسے شخص کو غلام بنا دیا جس سے مسلمانوں کو تقویت ملی، جب کہ وہ اس حادثہ میں نہ شریک تھا اور نہ ہی جائے وقوعہ کے قرب و جوار میں تھا، یعنی یہی واقعہ آپ کے چچا، حمزہ کے مسلمان ہونے کا سبب بنا۔

حضرت حمزہ کا مشرف باسلام ہونا

حضرت حمزہ شکار کے بہت شوقین تھے، اس دن بھی وہ شکار کے لئے گئے ہوئے تھے، ان کا معمول تھا کہ شکار سے واپس آتے تو پہلے حرم میں حاضری دیتے، کعبہ کا طواف کرتے، لوگوں سے ملاقات کرتے، آج جب وہ واپس آئے تو کوہ صفا کے قریب انہیں عبداللہ بن جدعان کی لونڈی نے روکا، جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ابوجہل کی بیہودگی اور بدتمیزی کو دیکھا تھا اور اس پر، آپ کی خاموشی سے وہ بے حد متاثر ہوئی تھی، اس لونڈی نے، حمزہ کو سب واقعہ کچھ ایسے انداز سے بتایا کہ وہ بے حد متاثر ہوئے، غصہ سے لال پیلے ہو گئے، ان کی یہ کیفیت، اللہ کے رسول ﷺ سے تعلق کی بناء پر نہ ہوئی تھی، بلکہ اپنے بھتیجے پر ظلم کی خبر نے انہیں بے قابو کیا تھا، اور یہی خونی حمیت، ان کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رشتہ اور ان کا غلام بننے کا سبب بن گئی، حضرت حمزہ، حرم شریف میں داخل ہوئے، چہرے پر غیظ و غضب کے آثار تھے، نہ طواف کیا، نہ کسی سے ملاقات کی، لوگ ان کی اس حالت پر حیرت زدہ تھے، وہ سیدھے ابوجہل کے قریب پہنچے اور بغیر کچھ پوچھے اس کے سر پر، اپنی کمان دے ماری، سر پھٹ گیا، ابوجہل لہولہان ہو گیا، پھر حمزہ نے للکارا، اور کہا تو نے ہی میرے بھتیجے کو گالیاں دیں تھیں اور مارا تھا، وہ ہمارے دین کے خلاف ہے تو کیا ہوا، لیکن تنہا نہیں ہے، اس کا خاندان اس کی حفاظت کے لئے کافی ہے، ابوجہل! اٹھ اور میرا مقابلہ کر، پھر دیکھ تیرا اور تیرے قبیلہ کا کیا حال ہوتا ہے، اور سن لے، میں نے اپنے بھتیجے کے دین کو قبول کر لیا ہے، میں ہر حال میں اس کی حمایت کروں گا، حضرت حمزہ کا یہ حال دیکھ کر اور ان کی زبان سے مشرف باسلام ہونے کا اعلان سن کر، لوگوں کے پیر تلے زمین نکل گئی وہ [illegible] اور ابوجہل کو گھیر لیا، اس پر ملامت کرنے اور اس کو شرمندہ کرنے لگے، اور بالآخر ابوجہل نے

حضرت حمزہ سے معافی مانگی۔

ابوجہل سے فارغ ہو کر، حضرت حمزہ، بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہوئے، سارا ماجرا بیان کیا، آپ نے فرمایا، چچا! میرے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں کہ آپ نے میرے دشمن سے بدلہ لے لیا، آپ مجھے لوگوں سے بچانا چاہتے ہیں، جب کہ میں آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کا خواہش مند ہوں، حضرت حمزہ نے کلمہ پڑھا، اور اپنے اسلام پر داعی اسلام ﷺ کو گواہ بنا لیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چچا کے مشرف باسلام ہونے کی بے حد خوشی ہوئی، مسلمانوں میں بھی خوشی اور مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی، سب ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے، ادھر کفار کو زبردست دھچکا لگا، عالم کفر پر ایک رعب طاری ہو گیا، اہل مکہ سوچنے پر مجبور ہو گئے، کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی تحریک کوئی معمولی تحریک نہیں ہے، اس کا مقابلہ ہمیں تدبیر و تدبر سے منظم ہو کر، کرنا ہوگا، جب کہ وہ اب بھی غلط سوچ میں مبتلا تھے، کہ نہ تو وہ اپنے مکر و فریب سے اللہ کے نبی ﷺ کا کچھ بگاڑ سکتے تھے اور نہ ہی وہ اپنی قوت و طاقت سے اسلام کی شعاعوں کو بجھا سکتے تھے، کہ دونوں کا محافظ اللہ قادر و قدیر ہے، فرمایا گیا وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اور اللہ ہی لوگوں سے آپ کی حفاظت کرے گا، نیز ارشاد ہوا، يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ۝ یہ چاہتے ہیں کہ بجھا دیں اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچائے گا، خواہ کافر پسند نہ کریں۔ حضرت حمزہ نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد چند اشعار کہے، ایک شعر یہ ہے:

وَاَحْمَدُ مُصْطَفٰى فِيْنَا مُطَاعٌ فَلَا تَغْشُوْهُ بِالْقَوْلِ الضَّعِيْفِ

احمد مصطفیٰ کی ہم میں اطاعت کی جاتی ہے، کوئی کمزور اور عقل و فہم سے گری ہوئی بات ان کا گھراؤ نہیں کرتی۔

حضرت عمر کا مشرف باسلام ہونا

کفار مکہ کی سازشوں اور مظالم کے مقابلہ کے لئے، حضرت حمزہ کے ایمان کے بعد، اگرچہ اہل ایمان کو خاصی تقویت حاصل ہوئی تھی، لیکن اس کمزور جماعت کو مزید ایسے افراد کی ضرورت تھی، جو اس کی طاقت و قوت کا سبب بنیں، پس ایک دن مستجاب الدعوات نبی نے اپنے رب کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے، اور دعا کی، "اَللّٰهُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِاَحَبِّ الرَّجُلَيْنِ اِلَيْکَ بِعُمَرِ بْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بِعَمْرِ و بْنِ هِشَامٍ" اے اللہ! عمر بن خطاب اور عمرو بن ہشام میں جو تجھے زیادہ پسند ہے اس کے ذریعہ اسلام کو غلبہ عطا فرما۔

آقا ﷺ نے اہل مکہ سے ان دو کو منتخب کیا، کیونکہ یہ دونوں، اپنی بہادری اور اہل مکہ میں عزت و

وقار کے لئے مشہور تھے، کفار و مشرکین میں یہ ریڑھ کی ہڈی تھے، نیز اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں آگے آگے رہتے تھے، ان دو میں سے جو مشرف با سلام ہوا وہ الفاظ دعا کے مطابق اللہ کا محبوب و پسندیدہ قرار پایا، عمرو بن ہشام (ابوجہل) بدنصیب و بدباطن تھا پس محروم رہا، جب کہ آقائے کائنات ﷺ کی غلامی کا شرف، حضرت عمر کے حصہ میں آیا، انہوں نے جو عزت پائی بس وہ انہی کا مقدر ہے، اپنوں غیروں سب ہی کی نظروں میں باعزت ہوئے، رعب و دبدبہ ان کا خاصہ قرار پایا، باہمی محبت و الفت کا ستون بنے، عقل و دانش کے اس مقام پر پہنچے، کہ آقا ﷺ نے ''لَوْ کَانَ نَبِیًّا بَعْدِیْ لَکَانَ عُمَرُ'' کا اعزاز بخشا، ان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بھی بڑا دلچسپ ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ اور حضرت امیر حمزہ کے مشرف با سلام ہو جانے سے اہل مکہ پر، اسلام اور مسلمانوں کا شدید خوف طاری ہو گیا تھا اور اب وہ کسی بھی طرح اسلام اور مسلمانوں کو ختم کر دینا چاہتے تھے، اسی مقصد کے لئے، سرداران قریش اور دیگر رؤساء مکہ کا ایک اہم اجلاس دار الندوہ (اسمبلی ہال) میں بلایا گیا اور بے حد بحث و مباحثہ اور باہمی مشورے کے بعد طے پایا کہ، روزمرہ کے جھگڑوں سے بہتر ہے کہ محمد بن عبداللہ ہی کو ختم کر دیا جائے (العیاذ باللہ) تاکہ اس نئے دین سے ہمیشہ کے لئے نجات حاصل ہو سکے، لیکن مشکل یہ درپیش آئی، کہ گھنٹی کس کے گلے میں ڈالی جائے اور یہ خطرناک ترین کام کون انجام دے، یہاں بڑے بڑے بہادری کے دعویدار موجود تھے، لیکن اتنے بڑے کام کے تصور سے ان کے بھی پسینے چھوٹنے لگے، لہٰذا طے پایا کہ کسی بڑے انعام کا لالچ دے کر یہ کام کرایا جائے، پس جان عالم ﷺ کے سر اقدس کی قیمت سو اونٹ مقرر ہوئی، عمر جو پہلے ہی اسلام دشمنی میں دیوانے اور اپنی ہمت و شجاعت پر نازاں تھے آگے بڑھے، اور بولے، یہ کوئی مشکل کام نہیں، انعام ملے یا نہ ملے میں اسے انجام دیتا ہوں، آپ سب میرا انتظار کیجئے، ابھی واپس آیا، اور کام کر کے ہی آیا، مسلح ہو کر اونٹ پر سوار ہوئے، سب نے بڑی ہی آرزو اور تمنا سے اپنے ہیرو کو رخصت کیا، لیکن انہیں کیا پتہ تھا کہ عمر کس کا ہیرو ہے اور نہ خود عمر جانتے تھے کہ اب تو انہی کا کام ہو چکا ہے، وہ سر لینے جا رہے تھے لیکن ان کے سر کے لئے صحابیت کا تاج اور ان کے گلے کے لئے، عظیم آقا ﷺ کی غلامی کا طوق تیار ہو چکا تھا، عمر، غرور سے گردن، اکڑائے، سینہ تانے اور تلوار لہراتے، چلے، ابھی منزل سے بہت دور تھے کہ کوئی راستہ بدلنے والا سامنے کھڑا ہوا، یہ تھے، نعیم بن عبداللہ، انہوں نے عمر کے تیور دیکھے، تو پوچھا، عمر کہاں کا ارادہ ہے، بڑے غصہ میں ہو، یقیناً کسی بڑی مہم سر کرنے نکلے ہو، بڑی رعونت کے ساتھ عمر نے ایک جوشیلی تقریر شروع کر دی، محمد بن عبداللہ کا کام تمام کرنے چلا ہوں، جنہوں نے نئے دین کا نام لے کر ہمارے، پر امن شہر کا سکون تہ و بالا کر رکھا ہے، جو ہمارے بتوں کو برا بھلا

کہتے ہیں، جو ہمارے اعزاء واقربا، دوست واحباب کے درمیان افتراق پیدا کر رہے ہیں، ان کی وجہ سے خاندانوں کے درمیان محبت، نفرت میں تبدیلی ہو رہی ہے، بھائی بھائی سے، پڑوسی، پڑوسی سے بدگمان ہو رہا ہے، ایک تنہا آدمی کی تحریک نے ہمارے سارے ماحول میں اضطراب پیدا کر دیا، نعیم! ہٹ جاؤ، میں اپنے کام میں دیر کرنا نہیں چاہتا، نعیم نے بڑے ہی تحمل سے کہا، عمر! میں بھی تمہیں نہیں روک رہا، لیکن میرا مشورہ ہے کہ پہلے تم اپنے گھر کی خبر لو، پھر جو چاہو کرنا، سنو! تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید نے اسلام قبول کر لیا ہے۔

یہ خبر سن کر تو، عمر کے اوسان ہی خطا ہو گئے، نہ راستہ کا پتہ رہا نہ منزل کا، بس بہن کے گھر کا رخ اختیار کیا، دروازے پر پہنچے تو کلام الٰہی کی تلاوت کی آواز گونج رہی تھی، جوش میں دروازہ پیٹ ڈالا، اندر سے پوچھا گیا، کون ہے، گرج دار آواز سنائی دی، خطاب کا بیٹا عمر، آواز سنتے ہی اہل خانہ سہم گئے، ان پتوں کو ادب سے رکھا، جن پر قرآن کریم کی آیات لکھی تھیں، بہن نے کانپتے ہاتھوں سے دروازہ کھولا، عمر چلاتے ہوئے، اندر آئے، مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مرتد ہو چکی ہو، اپنا آبائی مذہب چھوڑ دیا ہے، اور نیا مذہب اختیار کر لیا ہے، ہاتھ میں ڈنڈا تھا، بہن کو خوب مارا، کہ اس کے سر سے خون بہنے لگا، بہنوئی، سعید بن زید آگے آئے، تو انہیں بھی مار مار کر لہولہان کر دیا، لیکن کیا مجال کہ دونوں میں سے کسی کو بھی اپنے کیے پر تھوڑی دیر کے لئے بھی، پچھتاوے کا خیال آیا ہو، بلکہ زخمی بہن نے گرج دار آواز میں کہا، ہاں بھائی، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ہدایت دی، ہم نے اسلام قبول کر لیا، اب موت قبول ہے، لیکن اسلام سے پھرنا منظور نہیں، خون میں لت پت، بہن کی جرأت نے عمر کو حیرت زدہ کر دیا، بہن کے انداز نے ان کے انداز کو اچانک بدل ڈالا، رعونت ختم ہو گئی، آواز میں گرج نہ رہی، دل پسیج گیا، بولے، مجھے وہ صحیفہ دکھاؤ، جو تم پڑھ رہی تھیں، بہن، پھر گرجیں، جی نہیں، تم مشرک ہو، نجس ہو، ناپاک ہو، اس مقدس و پاک صحیفہ کو چھو بھی نہیں سکتے، جاؤ پہلے غسل کر کے پاک ہو جاؤ، پھر صحیفہ مل سکتا ہے، بہن کی اس گفتگو نے عمر کو مزید نرم کر دیا، کہ اب نبی مکرم ﷺ کی دعا اثر کر چکی تھی، عمر کی اکڑ اور بغاوت ختم ہوتی نظر آ رہی تھی، اب وہ مائل باطاعت ہو رہے تھے، غلامانہ انداز پیدا ہو رہا تھا، پس عمر اٹھے، غسل کیا، اس غسل نے واقعی ان سے کفر و شرک کی غلاظت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دھو ڈالا، بہن فاطمہ نے اطمینان کا سانس لیا، بھائی کو محبت بھرے انداز سے دیکھا، خوش ہو کر صحیفہ ہاتھ میں دیا جس پر، سورۃ طٰہٰ کی ابتدائی آیات لکھی ہوئی تھیں، عمر پڑھ رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، بے تاب ہو کر بولے، سعید! مجھے صاحب قرآن ﷺ کے دربار میں لے چلو، کہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر میں اپنا مقدر سنوارنا چاہتا ہوں، اب تو، سعید بن زید اور فاطمہ کی خوشی کی انتہا نہ رہی، بولے، ہاں ہاں، چلیں، ہم

آپ کو اپنے آقا کے دربار میں پیش کرتے ہیں۔

کیسا کرشمۂ قدرت ہے، کہ عمر دار الندوہ سے جسے قتل کرنے کے ارادے سے نکلے تھے اب اس کی غلامی اختیار کرنے کے لئے، دار ارقم پر دستک دے رہے ہیں، اندر سے کسی نے جھانکا، تو عمر کو گلے میں ننگی تلوار لٹکائے، کھڑا دیکھا، صحابہ سوچنے لگے، دروازہ کھولیں یا نہ کھولیں، حضرت حمزہ بولے، مت ڈرو، دروازہ کھول دو، اگر عمر نے ہمارے آقا ﷺ کے ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے گفتگو کی تو اچھا ہوگا، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا، آقا ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا ''اِفْتَحُوْا لَهٗ فَاِنَّهٗ اِنْ يُّرِدْ بِهٖ خَيْرًا يَّهْدِهٖ'' دروازہ کھول دو، اگر اللہ تعالیٰ نے اس کی بھلائی کا ارادہ فرمایا ہے تو وہی اسے ہدایت دے گا۔

عمر، گردن جھکائے، ادب واحترام کے ساتھ اندر داخل ہوتے ہیں، پہلی مرتبہ لوگوں نے عمر پر آثار اطاعت کو نمایاں پایا تھا لہٰذا سب کو خوشی ہوئی، آقا ﷺ نے، عمر کا دامن پکڑ کر زور سے جھٹکا اور فرمایا ''اَسْلِمْ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَلْبَهٗ'' اے خطاب کے بیٹے! اسلام قبول کر لے، اے اللہ! اس کے دل کو ہدایت دے، اس وقت عمر پر کیا گزری ہوگی، کیا کیفیت ہوگی، یہ تو معلوم نہ ہو سکا، ہاں عمر کی زبان سے سوائے ''اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' کے اور کچھ نہ نکل سکا۔

وہ دعا جس کا جوبن بہار قبول   اس نسیم اجابت پہ لاکھوں سلام

عمر مشرف با سلام ہو گئے، دار ارقم تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھا، یہ پہلا موقع تھا، کہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نام، اس زور دار قوت سے بلند ہوا کہ مکہ کے گلی کوچے تک گونج اٹھے، دار ارقم سے نکلی صدائے تکبیر کعبہ تک پہنچی، جسے وہاں موجود، دشمنان اسلام نے سنا، ایسا معلوم ہوا کہ ایک بجلی کوندی جس نے ان کے چہروں کو فق کر دیا، جو اپنے ناپاک منصوبہ کی تکمیل کی خبر سننے کے لئے مضطرب تھے، انہیں جب اپنے فرستادہ عمر کے حلقہ بگوش اسلام ہو جانے کی اطلاع ملی تو وہ تڑپ گئے، ایوان کفر، دار الندوہ، لرز گیا، آگ کی طرح مکہ میں خبر پھیل گئی، دشمنان اسلام کے گھر میں صف ماتم بچھ گئی، مکہ کی گلیوں میں کہرام مچنے لگا، اور یہاں عمر، سکون واطمینان کے حصول پر خوش ہیں، اپنے مقدر پر نازاں ہیں، ہاں صرف خدمت اسلام کا کوئی بڑا کارنامہ انجام دینے کے لئے مضطرب ہیں، تاکہ ماضی کا کچھ کفارہ ادا ہو سکے، عرض گزار ہوئے ''يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَسْنَا عَلَى الْحَقِّ اِنْ مُّتْنَا وَاِنْ حَيِيْنَا'' اے اللہ کے رسول! کیا ہم حق پر نہیں ہیں، خواہ ہم مریں یا زندہ رہیں، آقا ﷺ نے فرمایا، بلاشبہ تم موت وزندگی دونوں حال میں حق پر ہو، عمر نے عرض کی ''فَفِيْمَ الْخِفَاءُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' اے اللہ کے رسول! پھر ہم

کیوں چھپتے ہیں، ''عَلٰی مَا نُخْفِیْ دِیْنَنَا وَنَحْنُ عَلَی الْحَقِّ وَھُمْ عَلَی الْبَاطِلِ'' ہم اپنے دین کو کیوں چھپاتے ہیں، حالانکہ ہم حق پر ہیں اور وہ باطل پر ہیں، آقا ﷺ نے فرمایا، اے عمر! ابھی ہماری تعداد کم ہے، اور تم دیکھ رہے ہو، کہ کفار ہمارے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں، حضرت عمر نے کہا، ''وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ نَبِیًّا'' قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ نبی بنا کر بھیجا ہے، ''لَا یَبْقٰی مَجْلِسٌ جَلَسْتُ فِیْہِ بِالْکُفْرِ اِلاَّ جَلَسْتُ فِیْہِ بِالْاِیْمَانِ'' وہ تمام مجلسیں، جن میں، میں کفر کی حالت میں بیٹھا کرتا تھا اب مسلمان ہونے کے بعد، میں ان سب میں بیٹھوں گا۔

یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت تھی، جب کہ حضرت صہیب رومی نے بتایا، کہ حضرت عمر کی اس گفتگو کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دار ارقم سے باہر نکلنے کا فیصلہ کیا، اور جب ہم آپ کی معیت میں باہر نکلے تو عمر، آگے آگے چل رہے تھے، اور با آواز بلند'' لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا ورد کر رہے تھے، یہاں تک کہ ہم مسجد حرم میں داخل ہوئے، تو کسی نے پوچھا عمر یہ کیا ہوا، آپ نے فرمایا، میں مشرف باسلام ہو چکا ہوں، اگر کسی نے بری نیت سے میرے قریب آنے کی کوشش کی، تو میں اسے اپنی تلوار سے گھائل کر دوں گا، پھر ہم سب نے اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں طواف کیا، اور عمر طواف کی حالت میں دشمنوں پر نظر جمائے ہوئے ہماری حفاظت کر رہے تھے۔

اس وقت حضرت عمر چھبیس سالہ، حسین و جمیل، دراز قد، نوجوان تھے، حضرت حمزہ کے مسلمان ہونے کے تین دن بعد، نبوت کے چھٹے سال مشرف باسلام ہوئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ حضرت عمر کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی، اس موقع پر حضرت جبرئیل اللہ کا پیغام لے کر حاضر ہوئے، یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ حَسْبُکَ اللّٰہُ وَمَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۶۴﴾ اے نبی! کافی ہے، آپ کو اللہ تعالیٰ اور وہ مومن جو آپ کی پیروی کرتے ہیں۔

وہ عمر جس کے اعداء پہ شیدا سقر ۔۔۔ اس خدا دوست حضرت پہ لاکھوں سلام

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی روایت کرتے ہیں، جب حضرت عمر مسلمان ہوئے تو جبرئیل بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، ''یَا مُحَمَّدُ لَقَدِ اسْتَبْشَرَ اَھْلُ السَّمَآءِ بِاِسْلَامِ عُمَرَ'' اے محمد! عمر کے مشرف باسلام ہونے پر تمام آسمان والے اظہار مسرت کر رہے ہیں۔

اب ہم، دار ارقم کے دور میں مشرف باسلام ہونے والے چند خوش نصیبوں کے حلقہ بگوش ہونے کے واقعات، تبرکاً پیش کرنا چاہتے ہیں کہ یہ حضرات، اَلسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ، کی پہلی صف کے وہ محسنین امت ہیں، جنہوں نے نہایت نامساعد حالات میں آقا ﷺ کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں ڈالا، اور اس پر ناز کرتے ہوئے وہ بڑے بڑے طوفانوں سے ٹکراتے رہے، پیکر صبر و استقامت بنے ہوئے

اسلام کی اشاعت وحفاظت کے لئے آگے بڑھتے رہے، انہوں نے مظالم جھیلے، تکالیف برداشت کیں، طرح طرح کی اذیتوں کا مقابلہ کیا، لیکن غلامی کے طوق کو گرد آلود نہ ہونے دیا۔

حضرت ابوذر غفاری کا مشرف باسلام ہونا

آپ کا نام، "جندب بن جنادہ" تھا، قبیلہ بنی غفار سے ان کا تعلق تھا، طبعی طور پر آپ کفر وشرک سے دل برداشتہ تھے، بعثت نبوی سے، تین سال قبل آپ نماز پڑھا کرتے تھے، بایں صورت کہ جدھر اللہ کی مرضی ہوئی، منہ کر کے کھڑے ہو جاتے، اور اپنی عقل وفہم کے مطابق، اللہ کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے تھے، نہ کسی سمت کا تعین تھا نہ ہی کسی وقت کا، اور نہ کسی اصول کی پابندی تھی، پس مقصد، دل بے قرار کو تسلی دینا تھا، جو کسی بھی طرح اپنے رب کے حضور، حاضر ہو کر، حاصل کر لیتے تھے۔

انہیں اطلاع ملی کہ مکہ میں قریش کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، انہوں نے اپنے بھائی، انیس کو، مکہ روانہ کیا، تا کہ وہ نبی مبعوث کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں، چنانچہ انیس مکہ گئے اور چند روز وہاں قیام کر کے واپس آئے، اور بھائی کو تفصیلات بتائیں، کہ میں نے ایک ایسے شخص کی زیارت کی ہے، جو نیکی کا حکم دیتا ہے، برائیوں سے منع کرتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے اسے لوگوں کی ہدایت وراہنمائی کے لئے نبی بنا کر مبعوث فرمایا، نیز وہ بہترین عادات واطوار کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے، ابوذر نے پوچھا، لوگ اس کے متعلق کیا باتیں کرتے ہیں، انیس نے بتایا، لوگ، اسے شاعر، کاہن، جادوگر کہتے ہیں، لیکن بخدا وہ سچا ہے، لوگ جھوٹے ہیں، ابوذر نے بھائی سے کہا، تم میرے اہل وعیال اور کاروبار کی نگرانی کرو، میں مکہ جا کر، خود اس شخص سے ملنا چاہتا ہوں، انیس نے بھائی کو مطمئن کیا اور رخصت کے وقت کہا، بھائی بس مکہ والوں سے محتاط رہنا۔

ابوذر غفاری خود بتاتے ہیں کہ میں ضروری سامان لے کر مکہ روانہ ہو گیا، کیونکہ وہاں میری کسی سے جان پہچان نہ تھی، لہٰذا میں سیدھا حرم گیا اور ایک کونہ میں بیٹھ کر اپنے محبوب کو تلاش کرتا رہا، کسی سے پوچھنا مناسب نہ سمجھا، بس میں انتظار کرتا رہا، یہاں تک کہ رات ہو گئی، حرم ہی کے ایک کونہ میں لیٹ گیا، کچھ دیر بعد، حضرت علی کی نظر مجھ پر پڑی وہ سمجھ گئے کہ میں مسافر ہوں، انہوں نے مجھے اشارے سے اپنے پیچھے چلنے کو کہا میں چل دیا راستہ میں ہم دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہ کی، رات ان کے گھر بسر کی اور صبح ہوتے ہی پھر حرم آ گیا، سارا دن اپنے محبوب کو خاموشی سے تلاش کرتا رہا، حتیٰ کہ رات ہو گئی میں وہیں لیٹ گیا، تھوڑی دیر بعد، حضرت علی آ پہنچے، انہوں نے اشارہ کیا اور میں ان کے پیچھے چل دیا، صبح سویرے پھر حرم آ گیا، آج بھی ہم دونوں کے درمیان قطعاً کوئی بات نہ ہوئی، نہ انہوں نے مجھ سے میرا حال پوچھا اور نہ ہی میں نے کچھ بتانا مناسب سمجھا، آج بھی سارا دن گزر گیا

لیکن مطلوب تک رسائی نہ ہو سکی، لہٰذا رات کو حرم کے ایک کونہ میں رہا، پھر حضرت علی تشریف لائے، انہوں نے مجھے اشارہ کیا اور میں ان کے پیچھے چل دیا، گھر پہنچ کر، حضرت علیؓ نے مجھ سے پوچھ ہی لیا کہ تمہارا یہاں آنے کا مقصد کیا ہے، میں نے ان سے راز داری کا وعدہ لیا اور پھر اپنا حال بتاتے ہوئے کہا، کہ میں نبی مبعوث کی زیارت کرنا چاہتا ہوں، کیا آپ میری کچھ مدد کر سکتے ہیں، حضرت علی نے کہا اب تم آرام کرو، صبح میں تمہیں ان کی خدمت میں لے چلوں گا، یہ رات میں نے نہایت اضطراب و بے چینی میں گزاری، صبح سویرے حضرت علی نے مجھ سے کہا، تم میرے پیچھے چلتے رہنا اتنی دور کہ تم میرے ساتھ چلتے نہ معلوم ہو، اگر راستہ میں مجھے کوئی نظر آیا، تو میں اپنے جوتے کا تسمہ ٹھیک کرنے کے بہانے رک جاؤں گا اور تم چلتے رہنا، میں حضرت علی کی ہدایت کے مطابق ان کے ہمراہ ہو لیا، ہم دار ارقم پہنچے جہاں اللہ کے رسول ﷺ، غلاموں کے جلو میں رونق افروز تھے، آپ میری طرف متوجہ ہوئے، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے سامنے اسلام پیش کریں، آپ نے ایسے دلنشین انداز سے مجھے اسلام کی حقیقت سے آگاہ کیا کہ آپ کی ہر بات میرے دل میں اترتی چلی گئی، میں اپنے مقدر پر نہایت خوش تھا، اس وقت حضرت ابوبکر بھی حاضر دربار تھے، انہوں نے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! آج رات میرے غریب خانہ پر جلوہ افروز ہو کر ماحضر تناول فرمائیں، آقا نے اپنے غلام کی دعوت قبول کر لی، رات کا کھانا ہم نے ابوبکر کے گھر پر تناول کیا، ابوذر کہتے ہیں، میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ طائف کے زبیب (خشک میوہ) کھائے، جو بے حد لذیذ تھے۔

حضرت ابوذر بتاتے ہیں کہ میرے آقا ﷺ نے بیعت کے وقت مجھے دو باتوں کی خصوصیت کے ساتھ نصیحت فرمائی، آپ نے فرمایا، ''اَنْ لَا تَاْخُذَہٗ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ'' کہ تم اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرو گے، دوسرے آپ نے فرمایا، ''اَنْ یَّقُوْلَ الْحَقَّ وَلَوْ کَانَ مُرًّا'' کہ تم ہر حال میں حق بات کہو گے چاہے وہ کتنی ہی کڑوی ہو، نیز آپ نے مجھے ہدایت کی تم مکہ میں اپنے ایمان لانے کا اظہار نہ کرو گے، فی الحال اپنے قبیلہ میں واپس چلے جاؤ اور انہیں دعوت اسلام دو، جب تمہیں ہماری کامیابی کی اطلاع ملے تو واپس آجانا، میں نے جوش ایمان میں کہا، یا رسول اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، میں مشرکین کے مجمع میں اپنے ایمان لانے کا اعلان کروں گا، اللہ کے رسول ﷺ میری یہ بات سن کر خاموش رہے، پس ایک روز میں حرم شریف پہنچا اور قبائل قریش کے سامنے میں نے کلمہ پڑھ کر اپنے ایمان لانے کا اعلان کر دیا۔

حضرت ابوذر کہتے ہیں، یہ سنتے ہی قریش کا ہر فرد، میری طرف لپکا اور مجھے مارنا، پیٹنا شروع کر دیا، کسی نے مجھے ڈنڈوں سے مارا، کسی نے جوتوں سے میری مرمت کی تو کسی نے مجھ پر پتھر برسائے،

خوب مارا، یہاں تک کہ میں بے ہوش ہو کر گر پڑا، اتنے میں، عباس آگئے، انہوں نے مجھے پہچان لیا، اور اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، کم بختو! یہ تو قبیلہ غفار کا آدمی ہے، یہ تم نے کیا، کیا، تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے تجارتی قافلوں کا راستہ ان کے علاقہ سے گزرتا ہے، جب مجھے ہوش آیا، تو میں زمزم کی طرف گیا، اپنے زخموں کو دھویا، پانی پیا، ساری رات درد و کرب میں گزاری، صبح ہوئی تو جنون عشق نے پھر مجبور کیا، کہ دوبارہ کفار کے مجمع میں اپنے محبوب ﷺ کی رسالت کا اعلان کروں، چنانچہ حرم پہنچ گیا اور بھرے مجمع میں پوری قوت کے ساتھ باآواز بلند میں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر سکون حاصل کیا، جس کا جواب لاٹھیوں، ڈنڈوں، جوتوں اور پتھروں سے ملا، میں بے ہوش ہو گیا، پھر حضرت عباس آئے اور انہوں نے اپنی قوم کو ڈانٹا اور مجھے بچایا، اب میرا ایمان پختہ ہو چکا تھا، دل کی بھڑاس نکل چکی تھی، لہٰذا میں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔

وطن واپس پہنچا، تو اپنے بھائی انیس کو، بارگاہ رسالت میں حاضری اور اپنے ایمان لانے کا واقعہ سنایا، اس نے کہا، میں تو پہلے ہی ایمان لا چکا ہوں، ہم دونوں بھائی اپنی والدہ کے پاس گئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی، یہ نیک بخت بھی پہلے ہی سے آمادہ بر ایمان تھیں، بیٹوں نے دعوت دی تو بلا تامل مشرف باسلام ہو گئیں، اب حضرت ابوذر نے اپنے قبیلہ میں اشاعت اسلام کا کام شروع کیا، چند ہی دن میں آدھے سے زیادہ قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہو گیا اور باقی لوگ اس وقت مشرف باسلام ہوئے، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مکہ سے ہجرت فرما کر، مدینہ منورہ تشریف لائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک ارشاد ملاحظہ ہو جو آپ نے اپنے عاشق صادق کے متعلق فرمایا، ارشاد ہوا، "مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ (السَّمَاءُ) وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ (الْاَرْضُ) اَصْدَقُ مِنْ اَبِیْ ذَرٍ" آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر سچا، ابوذر سے زیادہ کوئی نہیں ہے، رضی اللہ عنہ۔

حضرت صہیب کا مشرف باسلام ہونا

حضرت صہیب کا باپ کسریٰ کی حکومت میں اعلیٰ افسر تھا، رومیوں نے ایران پر حملہ کیا تو صہیب کو، جو ابھی بچے تھے، قیدی بنا کر لے گئے، انہوں نے روم میں ہی پرورش پائی، پھر عرب کا ایک تجارتی قافلہ روم گیا تو ان میں سے کسی نے صہیب کو خرید لیا اور مکہ لا کر، عکاظ کے بازار میں فروخت کر دیا، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کا چرچا ہوا، تو ایک دن صہیب، دار ارقم کے ارد گرد گھوم رہے تھے، وہاں ان کی ملاقات، عمار بن یاسر سے ہوئی، انہوں نے پوچھا، صہیب! کیا ارادہ ہے، انہوں نے کہا، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو سننے، ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں عمار نے کہا میرا بھی یہی ارادہ ہے اور دونوں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے، آقا ﷺ نے ان پر نظر کرم ڈالی، انہیں اسلام کی

تعلیمات سے روشناس کرایا، قرآن کریم کی چند آیات سنائیں، دونوں کے دل، نور ایمان سے منور ہو گئے، کلمہ پڑھا اور اپنے ایمان کا اعلان کر دیا، شام تک آقا کے دربار میں رہے، رات چھا گئی، تو چھپ چھپ کر اپنے گھروں کو پہنچے، عمار سے اس کی ماں نے پوچھا، تم سارا دن کہاں رہے، انہوں نے ماں، باپ دونوں کو سب باتیں بتا دیں اور اپنے ایمان لانے کا حال بھی بیان کر دیا، نیز قرآن کریم کی جو آیتیں انہوں نے آج یاد کی تھیں وہ بھی پڑھ کر سنائیں، عمار کے والدین خوش ہوئے اور اسی وقت انہوں نے بھی کلمہ پڑھ لیا، گویا، اس ایک دن میں، صہیب، عمار، اور ان کے والدین، یاسر اور سمیہ، چاروں حلقہ بگوش اسلام ہوئے، رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

حصین والد عمران کا مشرف باسلام ہونا

حضرت عمران تو پہلے ہی ایمان لا چکے تھے، اب ان کے والد، حصین کو تاج صحابیت نصیب ہونے والا تھا، پس ایک دن، قریش کا ایک وفد ان کے پاس آیا، اور انہوں نے اپنی بپتا سناتے ہوئے کہا، کہ محمد بن عبداللہ سے ہم بہت تنگ آ چکے ہیں، وہ ہمارے آبائی دین کو باطل قرار دیتے ہیں، ہمارے بتوں کو گالیاں دیتے، ہمارے گھروں میں، ان کی وجہ سے افتراق پیدا ہو رہا ہے، خود آپ کا بیٹا آپ سے باغی ہو کر ان کے گروہ میں جا ملا ہے، اے حصین! آپ ہم سب میں زیرک اور عقلمند ہیں، آپ ہی جا کر انہیں سمجھائیں کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آ جائیں ورنہ انجام بڑا ہی اندوہناک ہوگا، چنانچہ حصین اس وفد کے ہمراہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، قریش باہر ہی ٹھہر گئے اور حصین تنہا اندر پہنچے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلاموں کو حکم دیا، کہ اپنے سردار کے لئے جگہ کرو اور بٹھاؤ، یہاں حضرت عمران پہلے ہی سے موجود تھے حصین نے گفتگو شروع کی اور قریش کی بیان کردہ باتیں دھرائیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا، اے حصین! تم کتنے خداؤں کی عبادت کرتے ہو، اس نے کہا، ہم سات خداؤں کی جو زمین پر ہیں اور ایک خدا کی جو آسمان پر ہے، عبادت کرتے ہیں، آپ نے پوچھا، اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے، تو تم کس معبود کو پکارتے ہو، اس نے کہا، اس ایک کو جو آسمان میں ہے، آپ نے پھر سوال کیا، اگر مال ہلاک ہو جائے، تو کس کو پکارتے ہو، حصین نے کہا، آسمان والے اللہ کو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کس قدر افسوس کی بات ہے، کہ تمہاری دعائیں تو ایک آسمان والا اللہ قبول کرتا ہے، مصیبتوں سے وہی، اکیلا، تمہیں نجات دیتا ہے، لیکن جب عبادت کا وقت آتا ہے، تو تم ان بے فیض، زمین والے خداؤں کی پوجا کرنے لگتے ہو، کیا تم اس شرک کو پسند کرتے ہو، اے حصین! اسلام قبول کر لو، عذاب الٰہی سے بچ جاؤ گے۔

دلوں کا تزکیہ کرنے والے آقا ﷺ کی بات حصین پر اثر کر گئی، اسی وقت انہوں نے اسلام قبول

کرلیا، بیٹے عمران تڑپ گئے، باپ سے چمٹ گئے، کبھی ان کی پیشانی کو بوسہ دیتے، تو کبھی ہاتھ، پیر چومتے، یہ منظر دیکھ کر، فرط مسرت سے، رحیم وکریم آقا ﷺ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں، آپ نے فرمایا، دیکھو، جب حصین آیا، تو ان کا بیٹا بیٹھا رہا، اس نے باپ کی طرف کوئی توجہ نہ کی، لیکن باپ کے مسلمان ہوتے ہی وہ کیسا خوش ہوا، چمٹا، پیشانی اور ہاتھ پیر چومنے لگا، جب حصین واپس جانے لگے، تو آپ نے غلاموں سے فرمایا، انہیں، ان کے گھر تک پہنچاؤ، جو لوگ باہر کھڑے حصین کا انتظار کررہے تھے، جونہی حصین پر ان کی نظر پڑی وہ پہچان گئے، اور سہم کر بولے انہوں نے ہم سے رشتہ توڑ لیا، اب ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

عمرو بن عتبہ کا مشرف باسلام ہونا

عمرو بن عتبہ السلمی اپنے ایمان لانے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں، کہ زمانۂ جاہلیت ہی سے مجھے بتوں کی پوجا سے نفرت تھی، کہ کسی ایسے کو معبود تسلیم کرنا، جو نہ نفع پہنچا سکے اور نہ ہی نقصان، میرے نزدیک بڑی حماقت کا فیصلہ تھا، میں دین حق کی تلاش میں تھا، پس مجھے اہل کتاب کا ایک عالم ملا، میں نے اس سے پوچھا، کہ بہترین دین کون سا ہے، اس نے بتایا، عنقریب مکہ میں ایک نبی ظاہر ہو گا، جو بتوں سے بیزاری کا اعلان کرے گا، اور ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دے گا، اسی کا لایا ہوا دین سب سے بہتر دین ہوگا، لہٰذا جب تمہیں اس کی بعثت کی خبر ملے، تو فوراً اس کی اطاعت قبول کر لینا، عمرو بن عتبہ کہتے ہیں کہ میں، نبی مبعوث ہونے سے متعلق، خبر معلوم کرنے کے لئے بار بار مکہ جایا کرتا تھا، اور جب بھی مکہ کا کوئی قافلہ آتا، لوگوں سے پوچھا کرتا کہ تمہارے شہر کی کوئی نئی اہم خبر تو نہیں ہے، ایک روز میں مکہ کی شاہراہ پر قافلہ کا انتظار کر رہا تھا، کہ تھوڑی دیر میں قافلہ آتا نظر آیا، میں ایک شخص کے قریب پہنچا اور اس سے پوچھا، اگر مکہ کی کوئی نئی خبر ہے تو بتاؤ، اس نے کہا ہاں، بالکل تازہ اور اہم خبر ہے، جس نے مکہ میں تہلکہ مچا دیا ہے، میں بے چین ہو کر بولا، بتاؤ ایسی کیا خبر ہے، اس نے کہا، قبیلہ قریش کے خاندان بنو ہاشم کے ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، وہ ہمارے بتوں کو برا کہتا ہے اور ایک اللہ کی طرف بلاتا ہے، میری خوشی کی انتہا نہ رہی، گھر پہنچا اور ضروری سامان لے کر مکہ روانہ ہوگیا۔

مکہ پہنچ کر میں نے اپنے گوہر مراد کو تلاش کرنا شروع کیا، لیکن ہر شخص کو ان کا مخالف پایا، بمشکل تمام مجھے پتہ چلا، میں دار ارقم پہنچا تو دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام رونق افروز ہیں اور نہایت خفیہ طور پر اپنا کام کر رہے ہیں، میں نے سلام عرض کیا اور بیٹھ گیا، جب آپ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے پوچھا، آپ کون ہیں، جواب ملا، میں اللہ کا نبی ہوں، میں نے پوچھا، آپ کو کس نے نبی بنا کر بھیجا، فرمایا، اللہ نے، میں نے عرض کیا، اس نے کیا پیغام پہنچانے کے لئے آپ کو مبعوث فرمایا ہے، آپ نے

فرمایا: ''اَنْ تُوْصِلَ الرَّحْمَ'' یہ کہ تم صلہ رحمی کیا کرو، ''وَ تُحْقِنَ الدِّمَاءَ'' اور خونریزی سے بچا کرو ''وَتَاْ مَنَ السَّبِیْلَ'' اور راستوں کو پرامن بناؤ ''وَتَکْسُرَ الْاَوْثَانَ'' اور بتوں کو توڑ دو ''وَتَعْبُدَ اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا'' اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، یہ سنتے ہی میں نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ بہترین دعوت ہے، اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں، کہ میں آپ پر ایمان لایا، اور آپ کی تصدیق کرتا ہوں۔

پھر میں نے کہا، مجھے بتایئے، میں آپ کے پاس ٹھہروں یا وطن واپس جاؤں، آپ نے فرمایا، تمہیں اندازہ ہے کہ لوگ ہم سے کس قدر نفرت کرتے ہیں پس تم اپنے وطن واپس چلے جاؤ، اور جب تمہیں پتہ چلے، کہ میں یہاں سے ہجرت کر چکا ہوں تو میرے پاس آجانا، میں اب مطمئن تھا، وطن واپس آگیا، اور جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ ہجرت کر کے، مدینہ منورہ پہنچ گئے ہیں، تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا، میں نے عرض کی، یا نبی اللہ! کیا آپ نے مجھے پہچان لیا، آپ نے فرمایا، ہاں، تم سلمی ہو، مکہ میں میرے پاس آئے تھے اور میں نے تم سے یہ باتیں کہی تھیں (ذرا، اپنے آقا ﷺ کی خداداد حافظہ کی قوت پر تو غور کیجئے کہ تقریباً، گیارہ سال بعد ایک غلام حاضر خدمت ہوا، آپ نہ صرف اسے پہچان لیتے ہیں، بلکہ نام بھی بتاتے ہیں، اور ان باتوں کا ذکر بھی فرماتے ہیں جو اس وقت آپ نے اس غلام سے کی تھیں، حالانکہ وہ صرف ایک مرتبہ تھوڑی دیر کے لئے حاضر ہوا تھا، ﷺ) پھر میں نے عرض کی، یارسول اللہ دعا کی قبولیت کی بہترین ساعتیں کون سی ہیں، آپ نے فرمایا، ''جَوْفُ الَّیْلِ الْاٰخِرِ وَالصَّلٰوۃُ مَشْھُوْدَۃٌ مُتَقَبَّلَۃٌ'' رات کا پچھلا حصہ، اور نماز کے وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں، اور وہ بھی قبولیت دعا کا وقت ہے۔

حسن تیرا سا نہ دیکھا نہ سنا   کہتے ہیں اگلے زمانہ والے
وہی دھوم ان کی ہے ماشاء اللہ   مٹ گئے آپ مٹانے والے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ ﴿۲۱۴﴾ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۱۵﴾

"اور آپ ڈرائیں اپنے قریبی رشتہ داروں کو، اور نرمی اختیار کیجئے ان لوگوں کے لئے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان میں سے"۔

مکی زندگی

"بعثت مبارکہ" دوسرا دور

بعثت مبارکہ کا دوسرا دور

پہلی وحی، سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیتوں کے نزول سے، بعثت مبارکہ کے ابتدائی دور کا آغاز ہوا، جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے، فترۃ الوحی کا سخت ترین زمانہ بھی ہے، کہ کچھ عرصہ کے لئے سلسلۂ وحی منقطع رہا، جس سے اللہ کے محبوب ﷺ کو خاصی پریشانی اور الجھن کا سامنا کرنا پڑا، حتیٰ کہ آپ کی طبیعت مبارکہ ناساز ہوگئی، اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کرم فرمایا، کہ سورۂ والضحیٰ نازل ہوئی، جس کا مقصد آپ کو سکون فراہم کرنا اور مطمئن کرنا تھا، پھر سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات کے ذریعہ، اللہ نے آپ کو تبلیغی کام جاری کرنے کا حکم دیا، جس کا آغاز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دار ارقم سے کیا، یہاں معلم و مربی کامل ﷺ، اپنے غلاموں کو تعلیم دیتے اور ان کی تربیت کرتے رہے، تین سال تک خفیہ تبلیغ و خدمت دین کا کام باوجود سخت دشواریوں کے جاری رہا، لیکن اس دوران بھی مکمل رازداری نہ رہی اور نہ ہی یہ مقصود تھی، جو لوگ مسلمان ہوتے کسی نہ کسی طرح ان کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع اہل مکہ کو ہو ہی جاتی اور ان کی طرف سے کچھ نہ کچھ ردعمل بھی ظاہر ہوتا، غلاموں اور کمزور مسلمانوں پر مظالم اور انہیں ایذا رسانی کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں دن بدن زور پکڑ رہی تھیں، تاہم نہایت ہی ناسازگار حالات کے باوجود، اس قلیل مدت میں، اہل ایمان کی جماعت کا چالیس کی تعداد پوری کر لینا، صاحب حکمت نبی ﷺ کی تدبیر اور تدبر کا بڑا

ثبوت تھا، جب کہ ان حضرات میں، نوجوان، عورتوں، غلاموں اور کمزوروں کے علاوہ، ابوبکر، عثمان، عمر اور امیر حمزہ، جیسے بلند مرتبہ، باعزت و باوقار اور اہل خیر حضرات بھی شامل تھے، درحقیقت یہ کامیابی غلبۂ اسلام کی عملی پیش گوئی تھی، جسے اہل مکہ اپنے لئے موت کا پیغام سمجھ رہے تھے، اور ہر روز ان کے خوف و ہراس میں اضافہ ہی ہوتا چلا جارہا تھا، ادھر صحابہ کرام کا جذبۂ ایمان، انہیں میدان عمل میں آنے، اور کھلم کھلا، تبلیغ اسلام کا کام کرنے کے لئے مضطرب و بے چین کررہا تھا، نہ صرف حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور امیر حمزہ کی یہ خواہش تھی، بلکہ کمزور مسلمانوں کے لئے بھی اب اپنے دین کے ساتھ چہار دیواری میں بند اور محدود رہنا، تقریباً ناممکن ہو چکا تھا، آپ حضرت ابوذر غفاری کا تو آپ حال پڑھ چکے ہیں، کہ انہوں نے حرم شریف جا کر، بھرے مجمع میں اپنے ایمان لانے کا اعلان کیا، چاہے، خوب خوب مار کھائی، لیکن دل کی بھڑاس تو نکال ہی لی، تبلیغ کا فریضہ تو ادا کردیا۔

بہرحال اب وقت آچکا تھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، دائرہ تبلیغ کو وسیع کریں اور مبلغین دعوت اسلام کو گھر گھر پہنچانے کے لئے مکہ کے گلی کوچوں میں پھیل جائیں، پس جبرئیل علیہ السلام وحی الٰہی لے کر حاضر ہوتے ہیں، ارشاد ہوا:

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۝ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء)

"اور آپ ڈرائیں اپنے قریبی رشتہ داروں کو اور نرمی اختیار کیجئے ان لوگوں سے جو آپ کی پیروی کرتے ہیں اہل ایمان سے"۔

اس حکم باری تعالیٰ کے بعد ضروری تھا کہ دعوت اسلام کو عام کیا جائے، لیکن یہ کام آسان نہ تھا، کیونکہ اہل مکہ بالخصوص رؤساء، سرداران قریش تو پہلے ہی بھڑک چکے تھے، وہ حضرت امیر حمزہ اور حضرت عمر کے ایمان لانے سے خاصے زخم خوردہ ہو چکے تھے اب تو وہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات تو سننا درکنار آپ کے قریب بھی آنا گوارا نہ کرتے تھے، اللہ کے حبیب ﷺ کو ان ناسازگار حالات میں، وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ کے حکم کی تعمیل پر اس قدر فکر لاحق ہوئی کہ آپ کئی دن تک کاشانہ مبارک سے باہر تشریف نہ لائے، ہر وقت، آپ اسی غور و فکر میں مستغرق رہتے تھے، ایک روز آپ کی پھوپھیاں جمع ہوئیں اور انہوں نے آپ سے اس یکسوئی اور گوشہ نشینی کی وجہ دریافت کی، آپ نے اپنی پریشانی اور الجھن بیان کی، تو پھوپھیوں نے مشورہ دیا کہ آپ عبدالمطلب کی سب اولاد کو ضرور بلائیں، لیکن عبدالعزیٰ (ابولہب) کو ہرگز مدعو نہ کریں کہ اس کے سوا سب آپ کی بات سنیں گے اور اس پر غور کریں گے۔

پہلا اجتماع

داعی حق ﷺ نے اولاد عبدالمطلب کو دعوت دی، وہ سب لوگ جمع ہوئے، جن کی تعداد تقریباً پینتالیس تھی، ان میں ابولہب بھی گھس آیا تھا، قبل اس کے کہ اللہ کے رسول ﷺ عنوان اجلاس بیان فرماتے، ابولہب نے بولنا شروع کر دیا، اس نے کہا، اے محمد بن عبداللہ! یہ تمہارے چچا اور چچازاد بھائی ہیں، تم انہیں جیسی چاہو، عزت دو، لیکن یہ سمجھ لو، کہ اگر قبائل قریش تمہارے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان کی تائید وحمایت جزیرہ عرب کے دیگر قبائل نے کی، تو تمہارے اس خاندان میں مقابلہ کی سکت نہیں، لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ تم مزید آگے نہ بڑھو ورنہ ذلت وخواری ہی تمہارا مقدر ہوگی، کیونکہ، اے میرے بھتیجے! کوئی آدمی ایسے فتنہ وفساد کا پیغام لے کر نہیں آیا جیسا فتنہ وفساد کا پیغام تمہارا ہے (العیاذ باللہ) ابولہب بکتا رہا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہایت صبر وتحمل کے ساتھ خاموشی سے سنتے رہے، اور اسی طرح یہ مجلس برخاست ہوگئی۔

دوسرا اجتماع

چند روز کی خاموشی کے بعد، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام پیغام الٰہی لے کر آئے، کہ پیارے! آپ اپنا کام جاری رکھیں، اللہ آپ کا مددگار ہوگا، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسری نشست کا اہتمام کیا، اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو مدعو فرمایا اور اللہ کی حمد وثنا کے بعد یوں گویا ہوئے:

قافلہ کا پیشرو، اپنے قافلہ سے جھوٹ نہیں بولتا، اگر میں دوسرے لوگوں سے جھوٹ بولوں بھی، تو تم سے ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا اگر میں ساری دنیا سے دھوکہ کروں، تب بھی تم سے دھوکہ نہیں کر سکتا، پس قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اللہ کا رسول ہوں، بالخصوص تمہاری طرف اور بالعموم ساری انسانیت کی طرف، بخدا، تمہیں موت اس طرح آئے گی، جس طرح تمہیں نیند آتی ہے، اور قبروں سے زندہ یوں اٹھائے جاؤ گے، جیسے تم خواب سے بیدار ہوتے ہو، اور جو عمل تم کرتے ہو، اس کا تم سے محاسبہ ہوگا، تمہارے اچھے اعمال کی جزا اور برے اعمال کی سزا تمہیں دی جائے گی، ٹھکانہ، یا تو ابدی جنت ہے یا ابدی جہنم، بخدا، اے اولاد عبدالمطلب! میں کسی ایسے نوجوان کو نہیں جانتا جو اس سے بہتر پیغام اپنی قوم کے پاس لے کر آیا ہو، میں تمہارے پاس دنیا وآخرت کی فوز وفلاح لے کر آیا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان ارشادات کا جواب دوسرے لوگوں نے معقولیت اور سنجیدگی سے دیا، لیکن ابولہب نے حسب عادات بیہودگی کرتے ہوئے کہا، اے اولاد عبدالمطلب! یہی باتیں تو ہمارے لئے ذلت ورسوائی کا باعث ہوں گی، لہٰذا تم آگے بڑھو اور اس کو روکو، پیشتر اس کے کہ دوسرے

لوگ اس کے مقابلہ کے لئے سامنے آکھڑے ہوں، اس وقت اگر تم نے اسے غیروں کے حوالے کردیا تو بہت ذلیل ورسوا ہوگے، اور اگر تم اس کی حمایت کروگے، تو تباہ وبرباد کردیئے جاؤگے، اب ابو طالب بے قابو ہوگئے اور بولے، "وَاللّٰہِ لَنَمْنَعَنَّہٗ مَا بَقِیْنَا" بخدا جب تک ہمارے جسم میں جان ہے ہم ان کی حفاظت کریں گے اور ان کا دفاع کریں گے۔

تیسرا اجتماع عام

چونکہ اب تک صرف قریبی رشتہ داروں میں کام کرنے کا حکم تھا، لہٰذا صرف ان ہی کو دعوت دی جاتی رہی، لیکن اسی دوران ایک عام حکم نازل ہوا، فرمایا گیا،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۞ (الحجر)

"اے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام! حق کو کھول کر بیان کیجئے، اور مشرکین سے منہ پھیر لیجئے"۔

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، کوہِ صفا پر جلوہ افروز ہوئے، اور آپ نے عرب کے طریقہ کے مطابق یا صباحا، یا صباحا، کی صدا بلند فرمائی جسے سن کر لوگ آپ کے گرد جمع ہوئے، اس تیسرے اجتماع میں اولادِ عبد المطلب کے علاوہ دیگر قبائل قریش، بنو عبد بن مناف، بنو زہرہ وغیرہ شریک تھے، آپ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، "اگر میں کہوں کہ پہاڑ کی دوسری طرف سے ایک لشکر تم پر حملہ آور ہونے والا ہے، تو کیا تم میری بات پر یقین کروگے؟" سب نے بیک زبان ہوکر کہا، بے شک ہم یقین کریں گے، کیونکہ آپ امین وصادق ہیں، آپ نے کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی ہے، پس آپ نے فرمایا، اے لوگو! اپنے آپ کو، آگ کے عذاب سے، بچاؤ، کیونکہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچاسکتا، میں تو تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرانے کے لئے بھیجا گیا ہوں، پس میں تمہیں ایک اللہ کی عبادت اور اپنی اطاعت کی دعوت دیتا ہوں۔

سرکار کا خطاب ابھی جاری تھا، کہ ابولہب چلایا، "تَبًّا لَّکَ سَائِرَ الْیَوْمِ اَلِھٰذَا جَمَعْتَنَا" تو برباد ہوجائے، کیا اسی لئے ہمیں آج جمع کیا تھا، ابولہب کی اس ہی گستاخی کے جواب میں، سورۂ لہب، نازل ہوئی، اور یہی گستاخی ابولہب اور اس کی بیوی کی تباہی وبربادی اور ہلاکت کا باعث بنی۔

بہر حال اعلانِ نبوت اور دعوتِ حق کے عام ہوجانے کے بعد، اہل ایمان کی کارکردگی میں مزید تیزی آئی اور وہ اپنے حلقۂ احباب اور اعزاء واقربا کو بے خوف وخطر اسلام کی دعوت دیتے رہے، جسے خوش نصیبوں نے قبول کیا جب کہ بدنصیب محروم رہے، دوسری طرف دشمنانِ اسلام کی مخالفت اور سازشیں بھی بڑھ گئیں، اہل ایمان کو انہوں نے مزید ستانا شروع کردیا، جو غلام اور باندیاں ایمان لا

چکے تھے، ان کے آقا، ان پر طرح طرح سے ظلم ڈھاتے، حضرت عثمان مشرف باسلام ہوئے، تو ان کا چچا، ان کو کچے چمڑے میں لپیٹ کر، رسی سے باندھ دیتا، اور دھوپ میں ڈال دیا کرتا تھا، ان مظلومین میں، حضرت بلال، ان کی والدہ، حمامہ، عامر بن فہیرہ، ابوفکیہہ، زنیرہ، ام عنیس، النہیہ اور ان کی بیٹی، لطیفہ، وغیرہم کے نام سرفہرست آتے ہیں۔

ہم ان مظلومین میں سے کچھ کا ذکر کریں گے، لیکن پہلے ان تکالیف اور اذیتوں کا تذکرہ کرنا چاہتے ہیں جو مکی زندگی میں، حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کو پیش آئیں، اور آقائے رحمت ﷺ نے نہایت صبر واستقامت سے انہیں برداشت کیا، لیکن ان تکالیف کا ہمیں احساس تک نہ رہا، جو اس دور میں دین کی پابندی، اسلام کی تبلیغ واشاعت اور خدمت کے دوران پیش آئیں۔

جان عالم ﷺ کی حفاظت

قبل اس کے، کہ ہم ان مظالم اور اذیتوں کا ذکر کریں جو آقائے رحمت ﷺ نے دین حق کی تبلیغ و اشاعت کے دوران برداشت کیں، ہم بتانا چاہتے ہیں کہ جس اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ اہم ذمہ داری سونپی، اسی نے آپ کی حفاظت بھی فرمائی، کہ ہماری دنیا کے نظام میں بھی حکومت کے کارندوں کی حفاظت کی ذمہ دار حکومت ہوتی ہے جب کہ وہ اپنے فرائض کے سبب خطرات میں نہیں گھرتے، بلکہ ان کے کرتوت، رعایا کو ان کا دشمن بنا دیتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ تو سراپا رحمت ہیں، انہوں نے نہ کبھی کسی کو تکلیف پہنچائی، نہ کسی کی حق تلفی کی، نہ کبھی کسی کا برا چاہا، وہ تو ہمیشہ اپنوں کی بھلائی کے ہی خواہاں نہ رہے، بلکہ دشمنوں پر بھی ان کا ابر کرم برستا رہا، تو ان کا رب، جو بلاشبہ قادر مطلق ہے، انہیں کس طرح تنہا چھوڑ سکتا ہے، وہ کس طرح دشمنوں کی سازش کا شکار ہو سکتے ہیں، نیز اگر بالفرض دشمن اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو جاتے تو ہم کس کے دامن میں پناہ لیتے، ہمارا سہارا کون بنتا، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت فرمائی، ارشاد ہوا:

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾ (مائدہ)

"اے رسول! پہنچا دیجئے جو اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے، اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا، تو نہیں پہنچایا، آپ نے اللہ کا پیغام، اور اللہ بچائے گا آپ کو لوگوں (کے شر) سے، یقیناً اللہ ہدایت نہیں دیتا کافروں کی قوم کو"۔

واقعہ کوہ صفا کے بعد کفار مکہ نے وہی رویہ اختیار کیا، جو ہر دشمن کمزور ہو جانے بعد اختیار کرتا ہے، وہ دھمکیاں دینے لگے، اللہ کے رسول ﷺ کو ستانے اور پریشان کرنے لگے، آپ کے غلاموں پر ظلم وستم کرنے لگے، لیکن جان عالم ﷺ اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنا کام کرتے رہے، دن بدن آپ اور صحابہ کرام لوگوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے، اس صورت حال نے کفار کو مزید سراسیمہ کر دیا، ان پر شدید خوف طاری ہو گیا، لیکن وہ سازشوں سے باز نہ آتے تھے، ہمہ وقت اسلام اور مسلمانوں کو کمزور کرنے کے منصوبے گھڑتے رہتے، جب کہ ان کا ہر منصوبہ ناکام ہی ہوتا تھا، انہیں خوف تھا، کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) اگر اپنے مشن کو اسی طرح چلاتے رہے تو وہ ضرور کامیاب ہوں گے اور اس صورت میں نہ صرف ہماری چودہراہٹ کا خاتمہ ہو جائے گا بلکہ ہمارا دین بھی نیست و نابود ہو جائے گا، لہٰذا وہ اس بڑھتی ہوئی تحریک کو جلد از جلد ختم کر دینا چاہتے تھے، اس سلسلہ میں انہوں نے ایک منصوبہ بنایا، جو ان کے خیال میں ضرور کامیاب ہونا چاہیے تھا، لیکن وہ بھی ناکام رہا، منصوبہ یہ تھا، کہ ابو طالب سے ملاقات کی جائے اور ان سے کہا جائے، کہ وہ اپنے بھیجتے کو روکنے کی ذمہ داری لیں، ورنہ حالات کے مزید خراب ہونے کے ذمہ دار وہی ہوں گے، چنانچہ ان کا ایک وفد ابو طالب کے پاس پہنچا، ان کی گفتگو کا مقصد یہ تھا، کہ ابو طالب اپنے بھیجتے پر کنٹرول کریں، یا ان سے علیحدگی اختیار کر لیں تا کہ اہل مکہ معاملات پر خود قابو پانے کے لئے کوئی اقدام کر سکیں، دوران گفتگو ان لوگوں کا لہجہ ترش اور دھمکی آمیز تھا، انہوں نے صرف اپنی باتیں کہیں، اور ابو طالب کا کوئی جواب سنے بغیر اٹھ کر چل دیئے۔

اس صورت حال نے ابو طالب کو خاصا متفکر کر دیا، وہ پریشان تھے کہ کیا کریں، وہ نہ تو خاندان اور قریش سے تعلقات منقطع کرنا چاہتے تھے، اور نہ ہی، انہیں اپنے محبوب بھیجتے سے علیحدگی گوارا تھی، پس انہوں نے مناسب سمجھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو صورت حال سے آگاہ کیا جائے اور ان کے مشورے کے بعد ہی کوئی فیصلہ کیا جائے، لہٰذا انہوں نے آپ کو بلایا، وہ سب گفتگو بتائی جو ان کے اور کفار کے مابین ہوئی تھی، نیز کہا کہ اے میری جان، ''فَابْقِ عَلَيَّ وَعَلٰى نَفْسِكَ وَلَا تُحَمِّلْنِيْ مِنَ الْاَمْرِ مَا لَا اُطِيْقُ''، مجھ پر بھی رحم کرو اور اپنے آپ پر بھی اور مجھ پر وہ بوجھ نہ ڈالو جو میں اٹھا نہ سکوں، چچا کی باتوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اندازہ لگایا، کہ کفار کی دھمکی سے یہ خوفزدہ ہیں اس لئے مزید میری حمایت نہیں کر سکتے، پس آپ نے نہایت اطمینان وسکون سے جواب دیا، اے میرے چچا، ''وَاللّٰهِ لَوْ وَضَعُوا الشَّمْسَ فِيْ يَمِيْنِيْ وَالْقَمَرَ فِيْ يَسَارِيْ عَلٰى اَنْ اَتْرُكَ هٰذَا الْاَمْرَ حَتّٰى يُظْهِرَهُ اللّٰهُ اَوْ اَهْلَكَ فِيْهِ مَا تَرَكْتُهٗ''، اگر وہ سورج میرے دائیں ہاتھ میں رکھ دیں اور چاند میرے بائیں ہاتھ میں اور یہ توقع کریں کہ میں دعوت حق چھوڑ دوں، تو یہ ناممکن ہے یا

تو اللہ تعالیٰ اس دین کو غلبہ عطا فرمائے گا، اور یا میں اس کے لئے اپنی جان دے دوں گا، یہ کلمات کہتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رقت طاری ہوگئی، آپ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں، اور آپ اٹھ کر چل دیئے، چچا نے واپس بلایا اور کہا، ''اِذْهَبْ يَا ابْنَ اَخِيْ وَقُلْ مَا اَحْبَبْتَ فَوَاللّٰهِ لَا اُسْلِمُكَ لِشَيْءٍ اَبَدًا''، اے میرے بھتیجے آپ کا جو جی چاہے کہیے میں آپ کو کسی قیمت پر بھی کفار کے حوالہ نہ کروں گا، اس موقع پر ابو طالب نے اپنی خوش بختی کا اظہار کرتے ہوئے چند اشعار بھی کہے، ایک شعر یہ تھا:

وَاللّٰهِ لَنْ يَّصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ حَتّٰى اُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنًا

بخدا یہ سب مل کر بھی آپ تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ مجھے مٹی میں دفن نہ کر دیا جائے۔

کفار نے اس ناکام کوشش کے بعد، اسلام دشمنی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کے لئے مزید حربے استعمال کرنا شروع کر دیئے وہ آپ کو طرح طرح سے ستانے اور پریشان کرنے لگے، مسلمانوں پر ظلم وستم کرنے لگے، ادھر ابو طالب نے بگڑتی ہوئی، صورت حال کا اندازہ کر کے ایک طویل قصیدہ کہا، جس میں بنو ہاشم اور بنو مطلب کو للکارا اور کہا جس طرح دوسرے قبائل، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی پر متحد ہو گئے ہیں، اسی طرح ہمیں بھی اپنے خاندانی عزت ووقار کی حفاظت کے لئے متحد ہو جانا چاہیے، ابو طالب اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے اور بنو ہاشم و بنو مطلب نے اپنے ایک اجتماع میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر طرح حمایت ونصرت کے عزم کا اعلان کیا، جس سے کفار کو خاصا دھچکا لگا، اور اب وہ رکیک حرکتوں پر اتر آئے، انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ڈرانے، دھمکانے کے لئے، آپ پر براہ راست حملے شروع کر دیئے۔

ایک مرتبہ ابو جہل نے قسم کھائی، کہ کل میں ایک بھاری پتھر سے ان کا کام تمام کر دوں گا (العیاذ باللہ) پھر بنو عبد مناف جو چاہیں میرے ساتھ کریں مجھے اس کی پروا نہیں، دوسرے روز علی الصباح، اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے، اور نماز میں مصروف ہو گئے، ابو جہل نے ایک بھاری پتھر اٹھایا اور آپ کے سجدے کا انتظار کرنے لگا، جونہی اس نے آپ کو سجدے میں دیکھا، آگے بڑھا، لیکن اچانک پیچھے ہٹا اور بھاگنے لگا، لوگوں نے دیکھا، کہ وہ تو کانپ رہا ہے، اس کا رنگ فق ہو گیا ہے، سب نے گھبرا کر پوچھا، یہ تجھے کیا ہوا، وہ ہانپ رہا تھا، کچھ بول نہ سکا، جب ہوش وحواس ٹھکانے آئے، تو بولا، میں جونہی پتھر لے کر آگے بڑھا، میں نے ایک اونٹ دیکھا، جو منہ کھولے میری طرف بڑھا، اس کا سر اتنا بڑا اور گردن اتنی موٹی تھی کہ میں نے آج تک کسی اونٹ کی نہ دیکھی، اگر میں نہ بھاگتا تو وہ یقیناً مجھے نگل لیتا۔

ربیعہ بن عباد نے کہا، کہ میں نے ذوالمجاز کے میلہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت حق دیتے

ہوئے دیکھا، آپ فرمارہے تھے، ''یَاَیُّھَا النَّاسُ قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا''، اے لوگو! کہو، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، تم کامیاب وکامران ہو جاؤ گے، میں نے دیکھا، آپ وعظ فرمارہے ہیں، لوگوں کا ہجوم ہے آپ کے پیچھے ایک شخص لگا ہوا ہے، جس کی آنکھیں بھینگی اور چہرہ چمکدار ہے، بالوں کی دو لٹیں اس کے گلے میں پڑی ہوئی ہیں، وہ چلا، چلا کر کہہ رہا ہے، ''اِنَّہٗ صَابِیٌ کَاذِبٌ یَتْبَعُہٗ حَیْثُ ذَھَبَ'' یہ شخص صابی ہے، جھوٹا ہے، العیاذ باللہ، آپ جدھر جاتے وہ آپ کے پیچھے جاتا ہے، میں نے لوگوں سے پوچھا، یہ شخص کون ہے، انہوں نے بتایا کہ یہ آپ کا چچا ابولہب ہے۔

ابولہب، خبیث کو کوئی کام نہ تھا، اس نے اپنی بیکاری کا ایک بیکار مشغلہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعاقب کرتے رہنا اور لوگوں میں آپ کی مذمت کرتے رہنا، بنا رکھا تھا، یہی حال اس کی بیوی ام جمیل خبیثہ کا تھا، سارا دن کوڑا کرکٹ اور کانٹے جمع کرتی اور رحیم وکریم آقا ﷺ کے راستے میں ڈالتی رہتی تھی، کبھی اپنی چھت سے آپ کے اوپر کوڑا پھینکتی تھی، کیسی بدنصیب تھی کہ قریش کے ایک سردار کی بیوی ہوتے ہوئے، سارا دن کوڑا کرکٹ میں گزرتا تھا جب کہ بدنصیب ابولہب، چاند پر مٹی ڈالنے کی کوشش میں مارا مارا پھرتا تھا، اللہ کے محبوب ﷺ کے دشمنوں کا یہی مقدر ہے، وہ اسی طرح ذلیل وخوار ہوتے اور مر جاتے ہیں، جب کہ ان کے دامن رحمت میں پناہ لینے والے، عزت پاتے ہیں، عظمت پاتے ہیں، وہ مر کر بھی ہمیشہ زندہ رہتے ہیں، ان کا نام عزت واحترام سے لیا جاتا ہے، ایک حبشی غلام بلال کو، کون جانتا تھا، عامر بن فہیرہ کی حیثیت کیا تھی، صہیب رومی کو، کون پہچانتا تھا، آقا ﷺ کے دامن میں پناہ لی، تو پوری امت کے آقا بن گئے، سر کا تاج ہو گئے۔

جب سورۂ لہب نازل ہوئی، اور ام جمیل نے سنی، تو غصہ سے پاگل ہو گئی، اپنے بھائی ابوسفیان کے پاس دوڑی آئی، کھسیانی بلی کی طرح بولی، بھائی محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے میری ہجو اور سخت توہین کی ہے، ابوسفیان غصہ سے لال، پیلا ہو کر بولا میں ابھی بدلہ لیتا ہوں، تلوار اٹھائی اور گھر سے نکل پڑا، تھوڑی دیر بعد، ہانپتا، کانپتا لوٹا، گھر والے اس کا حال دیکھ کر گھبرا گئے، پوچھنے پر بولا، جب میں محمد بن عبداللہ کے قریب پہنچا تو میں نے ایک اژدھا اپنی طرف آتا دیکھا، اگر میں نہ بھاگتا، تو وہ یقیناً مجھے نگل جاتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دو صاحبزادیاں، حضرت رقیہ اور ام کلثوم، ابولہب کے دو بیٹوں، عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں، اب تک رخصتی نہ ہوئی تھی، ابولہب میرے آقا ﷺ کی ایذا رسانی کا کوئی موقع چھوڑنا نہ چاہتا تھا، اس نے اپنے دونوں بیٹوں سے کہا کہ تم طلاق دے دو، بیٹے بھی باپ سے کم نہ تھے، وہ بھی ایذا رسانی میں باپ کا ساتھ دیتے تھے، لہٰذا انہوں نے طلاق دے دی، ظاہر ہے اس سے آپ کو سخت تکلیف پہنچی۔

علامہ برہان الدین حلبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، ایک مرتبہ عقبہ ابن ابی معیط سفر سے واپس آیا، اس نے رؤساء قریش کی دعوت کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی مدعو کیا، آپ اس کے گھر گئے، لیکن کھانا، کھانے سے انکار کردیا اور فرمایا، جب تک تم، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت نہ دو گے میں تمہارا کھانا نہ کھاؤں گا، عقبہ نے فوراً کلمہ پڑھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خوش ہوئے، آپ نے کھانا تناول فرمایا، لوگوں نے، عقبہ کے دوست ابی بن خلف کو خبر دی، وہ آیا اور عقبہ سے پوچھا کیا یہ خبر درست ہے کہ تم مرتد ہو گئے ہو، اس نے کہا، ایسا ہرگز نہیں ہوا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مجھے یہ گوارا نہیں کہ کوئی میرے گھر آئے اور کھانا، کھائے بغیر چلا جائے، میں نے صرف اس لئے کلمہ پڑھا کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) بغیر کھانا کھائے نہ جاسکیں، میں اپنی تدبیر میں کامیاب ہو گیا، لیکن انتقام ضرور لوں گا، میں ایک دن انہیں مار دوں گا، ان کے چہرے پر، تھوکوں گا، تو ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور عقبہ کا آمنا سامنا ہوا، بدباطن واحمق نے، چاند پر تھوکنے کی کوشش کی، اس کا تھوک انگارہ بن کر، اسی کے منہ پر لگا وہ تڑپ اٹھا، اس کے منحوس چہرے پر، مرتے دم تک، برص کی طرح سفید داغ رہا۔

ایک روز ابوجہل نے، جان عالم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، ملعون بولا، آج میں ضرور، اس کی گردن کو اپنے پیر سے رگڑ ڈالوں گا، وہ اپنے ناپاک ارادے کی تکمیل کے لئے آگے بڑھا، پھر فوراً ہی ہاتھ سامنے کرتا پیچھے ہٹا، لوگوں نے گھبرا کر پوچھا، اے ابوجہل! تجھے کیا ہوا، بولا، میں نے محمد اور اپنے درمیان ایک خندق دیکھی، جس میں آگ بھڑک رہی ہے اور فرشتے پر مارتے نظر آرہے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اگر وہ بدبخت میرے پاس آتا تو، فرشتے اس پر جھپٹ پڑتے اور اس کے ٹکڑے کردیتے۔

ایک روز، بدنصیب عقبہ کہیں سے اونٹ کی بدبودار اوجھڑی اٹھا لایا، میرے آقا ﷺ تشریف لائے اور نماز شروع کردی، آپ سجدے میں تشریف لے گئے، عقبہ اٹھا اور اوجڑی، آپ کے مقدس سر پر ڈال دی، کفار، دیکھ کر خوب ہنستے اور ٹھٹھے مارتے رہے، اللہ کے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کافی دیر تک اسی حالت میں، اپنے رب کے حضور سجدہ ریز رہے، حضرت فاطمہ کو پتہ چلا تو دوڑی آئیں اور اپنے ننھے ہاتھوں سے اوجڑی کو ہٹایا۔

یہاں یہ خیال نہ کیا جائے، کہ اللہ کے رسول ﷺ کا سجدہ، اوجھڑی کے سبب طویل ہوا، یہ بات بعید از عقل ہے، کیونکہ ایک اوجڑی کا وزن، زیادہ سے زیادہ ایک من ہوسکتا ہے، یا کم و بیش، یہ ممکن نہ تھا کہ آپ اوجڑی کو ہٹا نہ پاتے، پس علماء اس طویل سجدے کی حکمت یہ بیان کرتے ہیں، کہ عبد مقدس نے بحالت مظلومیت، سجدے میں جو سرور آج محسوس کیا، اس سے پہلے کبھی اس سرور کا احساس نہ ہوا

تھا، نیز یہ موقعہ تھا اپنے رب کریم کو اپنا حال زار دکھانے کا، تا کہ رحمٰن ورحیم اللہ، اپنے محبوب کی مزید مدد فرمائے اور آپ کے لئے دعوت حق کی راہیں آسان وسہل کر دے۔

فصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وعلیٰ اله وصحبه اجمعین۔

ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حرم شریف میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بد باطن عقبہ بن ابی معیط نے پھر بدتمیزی کی، کہ اپنی چادر، آقا ﷺ کی گردن میں ڈال کر، مروڑنے لگا، جس سے آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا، اسی دوران، حضرت ابوبکر تشریف لے آئے، یہ حال دیکھا تو دوڑے، عقبہ کو دھکا مارا، کہ وہ دور جا گرا، آپ نے فرمایا، اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ تم ایسی ہستی کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے، اور وہ تمہارے سامنے دلائل بھی پیش کرتا ہے۔ (بخاری شریف)

مختصر یہ کہ آقائے رحمت ﷺ کی ایذا رسانی کا کوئی موقع، کفار ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، جس کا اندازہ آپ کے اس ارشاد سے کیا جا سکتا ہے، "مجھے اللہ کی راہ میں اتنی اذیت دی گئی، جو کسی کو نہ دی گئی، اور اللہ کی راہ میں مجھے اتنا خوف زدہ کیا گیا جتنا کسی اور کو نہ کیا گیا، مجھ پر تیس دن اور راتیں ایسی گزری ہیں، کہ میرے اور بلال کے لئے کھانے کی کوئی چیز نہ تھی، مگر بہت ہی کم"، اگرچہ مکہ کے سارے مشرکین ہی آپ کو ایذاء پہنچانے میں مصروف رہتے اور ایک سے ایک بڑی سازش کرتے رہتے تھے، لیکن پانچ سردار بہت ہی تکلیف پہنچاتے اور ظلم کرتے تھے، جن کے نام یہ ہیں: ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، حرث بن قیس، اسود بن عبد یغوث اور اسود بن مطلب، لیکن ہمیشہ میرے آقا ﷺ کا صبر وحلم غالب رہا، اور شدید مشکلات کے باوجود آپ اور آپ کے غلام نہایت ہی استقلال و استقامت کے ساتھ دعوت حق کی ذمہ داری پوری کرتے رہے۔

کفار اگرچہ آپ پر بہت خطرناک حملے کرتے رہے، لیکن ہمیشہ انہیں منہ کی کھانی پڑی، کہ اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے خود اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت کا وعدہ فرمایا، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اور لوگوں کے شر سے اللہ آپ کو بچائے گا، نیز فرمایا: اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۝ ہم کافی ہیں آپ کو، مذاق اڑانے والوں کے شر سے بچانے کے لئے۔

اہل ایمان پر ظلم وستم کی داستانیں

ہر شخص کوئی چیز خریدنے سے پہلے، اس کو خوب دیکھتا ہے، پرکھتا ہے، پھر اپناتا ہے، اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان کو بواسطہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، خریدا ہے، اور نہایت عظیم قیمت دینے کا وعدہ فرمایا ہے، ارشاد ہوا:

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ط

"یقیناً اللہ نے خرید لی ہیں اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے اموال، اس عوض میں کہ ان کے لئے جنت ہے"۔(التوبہ:111)

جان و مال کا خریدار وہ ہے جو جان و مال کا مالک حقیقی ہے، یہ سب کچھ، اسی کا تو عطا کردہ ہے، اب اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں پر ان ہی کے طفیل یہ خصوصی کرم ہو رہا ہے، کہ ان سے ان کے جان و مال خریدے جا رہے ہیں، اور معمولی قیمت کے بدلے نہیں بلکہ ایسی بڑی قیمت کا وعدہ فرمایا گیا کہ اس کے سوا کوئی دوسرا، ادا ہی نہیں کر سکتا، یعنی جنت۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ط وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (توبہ)

"وعدہ فرمایا، اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے، باغات کا، جاری ہیں جن کے نیچے ندیاں یہ ہمیشہ رہیں گے ان میں نیز (وعدہ کیا ہے) پاکیزہ مکانات کا سدا بہار باغوں میں، اور رضائے الٰہی ان سب نعمتوں سے بڑی ہے، یہی تو بڑی کامیابی ہے"۔

بے شک خریدار، وہ ہے جس کے خزانہ میں کمی نہیں، اس نے، کم و بیش سب ہی کو دیا اور بہت کچھ دیا، پس جنت ہی ہے جسے اب تک کسی آنکھ نے نہ دیکھا، تو وہ اہل ایمان کے حصہ میں آئی، محبوب ﷺ کے غلاموں کا مقدر بنی، عارضی طور پر نہیں، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، یہ قیمت ہے، ہمارے جان و مال کی، وہ بھی اس طرح نہیں، کہ جان نکال لی جائے گی یا مال چھین لیے جائیں گے، بلکہ ہمیں صرف اتنا کرنا ہوگا، کہ اپنے جسم و جان اور مال و متاع کو ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مرضی کے مطابق استعمال کریں، جب کہ اس کا فائدہ بھی ہمارے ہی لئے ہے۔

کسی کا کلمہ پڑھنا، اس سودے پر رضا کا اظہار ہے، اور کلمہ پڑھنے والوں کا امتحان خریدار کا اختیار ہے، وہ جنت میں، جسے، جتنا بلند مقام عطا فرماتا ہے، اتنا ہی اس کا سخت امتحان لے لیتا ہے، اولیاء و صالحین کی آزمائش ہوتی ہے، لیکن اس سے زیادہ صحابہ کو اور ان سے بھی زیادہ انبیاء و مرسلین کو آزمایا گیا، اور سب سے زیادہ ان کی آزمائش ہوئی جو، سید الانبیاء والمرسلین ہیں، نیز خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں، ان کے صدقہ سب کے مصائب و آلام اور امتحانات سہل و آسان ہوتے ہیں، آقا ﷺ خود فرماتے ہیں، "لَقَدْ أُوْذِيْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذٰى أَحَدٌ وَأُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُخَافُ أَحَدٌ" مجھے اللہ کی راہ

میں اتنی اذیت دی گئی، جو کسی اور کو نہ دی گئی، اور مجھے اتنا خوفزدہ کیا گیا، جتنا اور کسی کو نہ کیا گیا۔

آیئے، چند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کفار کے مظالم کا حال پڑھیے اور اندازہ لگایئے کہ ان نفوس قدسیہ نے کس قدر ناسازگار حالات میں، کیسے استقلال کے ساتھ دعوت حق کی ذمہ داریاں انجام دیں، ہر طرح کی اذیتیں اور تکالیف برداشت کیں لیکن کبھی ان کی استقامت میں رتی برابر بھی فرق نہ آیا، اہل وعیال، مال و دولت یا وطن، کسی کی محبت بھی آڑے نہ آئی، اگر ان حضرات نے عزم و استقامت اور ہمت سے کام نہ لیا ہوتا تو آج ہم اس دین متین کے وارث نہ ہو پاتے، نہ ہمیں خیر امت ہونے کا اعزاز نصیب ہوتا، جزاهم الله خير الجزاء و رضی الله عنهم و رضوا عنه۔

مسلم اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مکہ کے معاشرے میں ایک اہم مقام حاصل تھا، وہ صاحب ثروت تھے اور صاحب خیر بھی، مکہ کے اکثر لوگوں پر ان کے احسانات تھے، لوگ ان سے قرض لیتے رہتے تھے، پھر جو چاہتا قرض ادا کرتا اور جو چاہتا قرض واپس نہ کرتا، آپ نے کبھی کسی سے تقاضا نہ کیا، ان کے خزانہ سے نہ جانے کتنی بیواؤں، یتیموں اور غرباء و مساکین کو وظائف ملتے تھے، لیکن ظالموں نے ان کو بھی نہ چھوڑا، ان پر شدید حملہ کا حال آپ پڑھ چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں، لیکن اس طرف توجہ دلانا ضروری ہے، کہ شدید تکلیف میں آپ نے سب سے پہلے، اپنے آقا ﷺ کا حال معلوم کیا، اور جب اپنی آنکھوں سے آقا کی زیارت کر لی، تو سکون ملا، اطمینان ہوا، نیز، اس حادثہ کے بعد بھی دعوت حق کی اشاعت میں ذرہ برابر بھی فرق نہ آیا۔

سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مشرف باسلام ہونے کی خبر جب ان کے خاندان کو پہنچی تو ان کے احسانات کو بھلا کر سب مخالف ہو گئے، دشمن بن گئے، ستانے اور پریشان کرنے لگے، ان کا چچا تو ان پر بہت ہی ظلم کرتا تھا، طرح طرح سے ایذا رسانی کے علاوہ کچے چمڑے میں، انہیں لپیٹ کر، رسی سے باندھ دیتا تھا، اور تیز دھوپ میں ڈال دیتا تھا، آپ اندازہ لگا سکتے ہیں، عرب کی چلچلاتی دھوپ پھر کچے چمڑے کی بدبو سے حضرت عثمان کو کتنی تکلیف ہوتی ہو گی، لیکن کیا مجال، کہ وقت اور دولت سے دین کی خدمت میں کوئی کمی واقع ہوئی ہو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ

ان کی آزمائش بڑی انوکھی اور عجیب وغریب تھی، ان کے مسلمان ہونے کی خبر، جب ان کے خاندان کو ہوئی، تو انہیں ڈرایا گیا، دھمکایا گیا، طرح طرح سے لالچ میں مبتلا کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن کیا مجال آپ پر کوئی اثر ہوا ہو، سعد کی والدہ اپنے دین باطل پر بڑی پختہ تھیں اور سعد ان سے بے حد محبت کرتے تھے، ماں نے سعد کو بلا کر، ہر طرح سمجھایا، بالآخر ان کو ایک بڑی مصیبت سے دوچار کر دیا،

ماں نے کہا اگر تم نے اس نئے دین کو نہ چھوڑا تو میں بھوک ہڑتال کردوں گی، سارا دن دھوپ میں پڑی رہوں گی، یہاں تک کہ یا تو تم میری بات مان لو اور یا مجھے موت آجائے، اور اگر اس حال میں مجھے موت آگئی تو سوچ لو، انجام کس قدر برا ہوگا، کہ سارے مکہ میں تمہاری رسوائی ہوگی، نیز تم پر ہی الزام آئے گا، کہ تمہاری وجہ سے ماں مرگئی، تمہاری کتنی بے عزتی ہوگی، سعد نے سب باتیں سنیں اور خاموش رہے، ماں نے بھوک ہڑتال شروع کردی، یہاں تک کہ اس پر بے ہوشی طاری ہونے لگی، معلوم ہوتا تھا، کہ بس اب جہنم رسید ہوا ہی چاہتی ہے، اللہ اکبر، کیسی خبیثہ تھی یہ بڑھیا، بدنصیب اپنے بیٹے کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے کیسی مصیبت جھیل رہی تھی، سعد نے ایک مرتبہ پھر کوشش کی سمجھایا، کہ شاید بڑھیا باز آجائے، لیکن اس پر تو شیطان سوار تھا وہ کب باز آنے والی تھی، بالآخر، حضرت سعد کو ہمت سے کام لینا پڑا، اور آپ نے آخری فیصلہ سناتے ہوئے فرمایا، میری ماں! تو جانتی ہے کہ اگر تیری سو جانیں ہوں اور ہر جان ایک ایک کر کے تیرے جسم سے نکلے، "مَا تَرَكْتُ دِيْنِيْ هٰذَا لِشَيْءٍ فَكُلِيْ، اِنْ شِئْتِ اَوْ لَا تَاْكُلِيْ"، تب بھی، میں اپنا دین نہ چھوڑوں گا، اب تیری مرضی، چاہے تو کچھ کھا یا نہ کھا، ماں نے جب بیٹے کو ہر طرح مضبوط پایا، تو بالآخر مجبور ہوگئی اور بھوک ہڑتال ختم کردی، حق غالب رہا اور باطل مغلوب ہوا، اللہ تعالیٰ نے حضرت سعد کی اس استقامت کی تعریف فرمائی، ارشاد ہوا:

وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا

"اگر تیرے والدین کوشش کریں کہ تو میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، تو اس بات میں ان کی پیروی مت کر"۔ (لقمان: 15)

حضرت بلال رضی اللہ عنہ

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ دیگر غلاموں کی طرح ایک بے بس و مجبور غلام تھے، نہ ان کی کوئی حیثیت تھی نہ جان پہچان، انسانیت کے بنیادی حقوق تک سے محروم تھے، کہ مکہ کے معاشرے میں غلاموں کو، کوئی حق حاصل نہ تھا، وہ بے چارے نہ اپنی مرضی کا کھانا کھاتے، اور نہ ہی لباس پہننے کا حق رکھتے تھے، نہ انہیں اپنی نیند پر اختیار تھا اور نہ ہی بیدار ہونے کے وقت پر، وہ اپنی مرضی سے نہ کہیں جا سکتے تھے اور نہ ہی کسی سے مل جل سکتے تھے، حضرت بلال بھی ایک ایسے ہی غلام تھے، ان کی پہچان ان کے آقا سے تھی اور بس، یہ اسلام کا عظیم احسان ہے کہ اس نے عورتوں اور غلاموں کو بھی، مردوں اور آزادوں کی صف میں لا کھڑا کیا اور سب کے حقوق مساوی اور برابر قرار دیئے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ، جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہوئے، تو کچھ نہیں، بہت کچھ

بنے، مسجد نبوی شریف کے پہلے مؤذن بنے، پہلی اسلامی یونیورسٹی، صفہ کے طالب علم بنے، محدث بنے، حتیٰ کہ امت کے سر کا تاج بنے، کہ جو، خود بلند مرتبہ تھا اس کے دامن سے جو بھی وابستہ ہو گیا، بلند مرتبہ ہو گیا، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

حضرت بلال کے ایمان لانے کی اطلاع جب ان کے ظالم و جابر آقا، امیہ بن خلف کو ہوئی، تو وہ بلبلا اٹھا، کہ اس کا غلام، اس کی مرضی کے برخلاف، دوسرے کی غلامی میں چلا گیا، اس نے نیا دین اختیار کر لیا، امیہ کے نزدیک یہ بات بڑے ظلم کی تھی، کہ اس کے غلام نے اس کے بتوں سے منہ پھیر لیا اور ان کا دشمن ہو گیا، اور ایک اللہ کا کلمہ پڑھنے اور اس کی عبادت کرنے لگا، یہاں تو اسے آقا کی اجازت کے بغیر بتوں کو بھی سجدہ کرنے کا حق نہ تھا، اور اب وہ خود اپنی مرضی سے ایک اللہ کو سجدہ کرتا ہے بلکہ دوسروں کو بھی، حق کی دعوت دیتا اور سجدے کرنے کے لئے بلاتا ہے، امیہ تو یہ سوچ سوچ کر تڑپ اٹھتا، اب کیا کرے، کیسے اپنے غلام پر دوبارہ قابو پائے، اس کے پاس سوائے طاقت کے کچھ نہ تھا، پس اس نے اپنی زور آزمائی شروع کر دی، اور فیصلہ کر لیا کہ وہ غلام کو اتنی سخت اور عبرت ناک سزا دے گا کہ، وہ نئے دین کا تصور تک اپنے دل و دماغ سے نکال دے گا، اور آئندہ کوئی غلام اپنے آقا سے بغاوت کی ہمت نہ کر پائے گا۔

امیہ بن خلف کبھی تو یہ کرتا، کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی باندھ کر، مکہ کے آوارہ لڑکوں کے سپرد کر دیتا وہ اللہ کے اس بندے کو ایک جانور کی طرح لئے پھرتے، نہ کچھ کھانے دیتے، نہ ہی پینے کی اجازت دیتے، بس گلی کوچوں میں پھراتے رہتے، کچھ اوباش ان پر پتھر برساتے، جس سے وہ لہولہان ہو کر بے ہوش ہو جاتے، تو یہ لڑکے انہیں گھسیٹ کر امیہ کے دروازے پر ڈال جاتے تھے، لیکن بلال کی زبان پر "احد احد" جاری رہتا، کیا مجال کہ لمحہ کے لئے بھی زبان رکے، اور اس کلمہ کی آواز سنائی نہ دے۔

امیہ کبھی یہ کرتا، کہ آپ کو بھوکا، پیاسا رکھتا، پھر تپتی دوپہر کے وقت، ریتلی زمین پر آپ کو لٹاتا، اور آپ کی چھاتی پر بھاری بھاری پتھر رکھ دیتا تھا، اور مطالبہ کرتا تھا، کہ اے بلال! محمد (ﷺ) کے دین کو چھوڑ دے ورنہ تو اسی طرح تڑپ تڑپ کر دم توڑ دے گا، آپ نیم بیہوشی کی حالت میں فرماتے، "اَحَدٌ اَحَدٌ، اَنَا لَا اُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا، اَنَا کَافِرٌ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰی" وہ ایک ہے، وہ ایک ہے میں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا، لات و عزیٰ کا انکار کرتا ہوں۔

حضرت عمرو بن عاص کہتے ہیں، کہ ایک دن، میں بلال کے پاس سے گزرا، جب کہ اسے گرم ریت پر لٹا کر عذاب دیا جا رہا تھا، جو اتنا گرم تھا کہ اگر، گوشت کا ٹکڑا، اس پر رکھ دیا جاتا، تو وہ بھن جاتا،

اس کے باوجود حضرت بلال کہہ رہے تھے، "انا کافرٌ باللاتِ والعُزّٰی" میں لات وعزیٰ کا انکار کرتا ہوں، یہ ان کی ہمت تھی، استقلال واستقامت کی کیفیت تھی۔

امیہ یہ سن کر مزید غضب ناک ہو جاتا، اور غصہ میں، ان کا گلا اس زور سے دباتا، کہ حضرت بلال اکثر بے ہوش ہو جاتے، کافر جب ان سے احد احد کے نعرے سنتے تو اظہار ہمدردی کرتے، اور مشورہ دیتے، کہ تم یہ جملہ چھوڑ دو، تو امیہ تمہیں چھوڑ دے گا، آپ فرماتے میں مجبور ہوں میری زبان پر اس کے سوا، کوئی دوسرا جملہ آتا ہی نہیں۔

ایک روز آقائے رحمت ﷺ نے اپنے غلام کو عذاب جھیلتے ہوئے بنفس نفیس ملاحظہ فرمایا اور سنا کہ غلام، نیم بے ہوشی کی حالت میں احد احد کے نعرے لگا رہا ہے، اس حال میں آپ نے غلام کو مژدہ دیا، "سَیُنْجِیْکَ اَحَدٌ اَحَدٌ" جس ایک اللہ کا تم نعرہ بلند کر رہے ہو، وہی تمہیں اس ظلم سے نجات دے گا۔

اس موقع پر، حضرت علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک نہایت ہی پیارا جملہ لکھا ہے، "وَکَانَ بِلَالٌ بِقَوْلِهٖ اَحَدٌ اَحَدٌ یَمْزِجُ مِرَارَةَ الْعَذَابِ بِحَلَاوَةِ الْاِیْمَانِ" بلال، احد احد، کہہ کر، عذاب کی تلخی میں ایمان کی حلاوت ملا رہے تھے۔

۔ بہرحال، آقائے رحمت ﷺ کی خوشخبری کے پورا ہونے کا وقت آ ہی گیا، کہ ایک روز، امیہ نے حضرت بلال کو سخت گرم ریت پر لٹایا ہوا تھا، اور آپ کے سینہ مبارک پر، بھاری چٹان رکھی ہوئی تھی، کہ حضرت ابوبکر صدیق کا وہاں سے گزر ہوا، اپنے دینی بھائی کی یہ کربناک حالت دیکھ کر آپ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں، فرمایا، اے امیہ اس کمزور و بے سہارا غلام پر تم کب تک ظلم کرو گے، امیہ بولا، اے ابوبکر اتم نے ہی تو اسے خراب کیا ہے، اگر تمہیں اس پر بہت ترس آ رہا ہے تو اس کو اس عذاب سے چھڑا لو، حضرت ابوبکر نے فرمایا، میرے پاس ایک غلام ہے، جو تیرا ہم مذہب ہے، اس سے زیادہ مضبوط اور توانا ہے، بازار میں اس کی قیمت ہزاروں دینار ہے، اس کا نام، قسطاس ہے، میرے ایک کاروباری ادارے کا انچارج ہے، وہ اگرچہ میرے لئے بہت اہم ہے، لیکن میں اپنے بھائی بلال کو تیرے عذاب سے نجات دلانا چاہتا ہوں، تو اس غلام کے بدلے، بلال کو میرے سپرد کر دے، امیہ تیار ہو گیا، حضرت ابوبکر نے بلال کو لیا اور آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! یہ بلال ہے، آپ کے غلام نے اسے خرید لیا ہے، اب یہ آپ کے صدقہ، آزاد ہے، اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت ابوبکر کے اس عمل سے بڑی ہی مسرت ہوئی، آپ بے حد خوش ہوئے، ابوبکر و بلال دونوں کو گلے لگایا۔

جب مشرکین کو پتہ چلا، کہ حضرت ابوبکر نے اپنے ایک نہایت قیمتی غلام کے بدلے، بلال کو خرید لیا

ہے اور آزاد بھی کر دیا، تو انہیں بہت حیرت ہوئی، کچھ نے کہا، ضرور ابو بکر پر بلال کا کوئی احسان ہوگا، جو انہوں نے اتنی بڑی قربانی دی، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے رفیق کے متعلق یہ بات پسند نہ فرمائی، اور ارشاد فرمایا:

وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓی ۙ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰی ﴿۲۰﴾

''اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں، جس کا بدلہ دینا ہو، سوائے اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلبگار ہے''۔ (الیل)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف مؤذن بارگاہ رسالت حضرت بلال رضی اللہ عنہ، ہی کو، خرید کر آزاد نہ کیا، بلکہ متعدد مظلوم، غلاموں اور باندیوں کو آپ نے، ان کے آقاؤں کے ظلم و جفا سے آزاد کرایا، ان میں سے چند کے نام یہ ہیں:

حمامہ رضی اللہ عنہ عنہا، والدہ حضرت بلال، عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ، ابو فکیہہ، زنیرہ، ام عُبیس، النہد یہ اور ان کی بیٹی، یہ دونوں ولید بن مغیرہ کی لونڈیاں تھیں، لطیفہ، عامر بن فہیرہ کی بہن اور حضرت عمر کی لونڈی تھیں۔

حضرت لطیفہ رضی اللہ عنہا

لطیفہ مسلمان ہوئیں تو ان کے ساتھ حضرت عمر کی ایک دوسری لونڈی نے بھی اسلام قبول کیا، حضرت عمر اسلام قبول کرنے سے پہلے اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن تھے، وہ تو اپنے گھر سے باہر بھی اللہ و رسول کا نام سننا گوارا نہ کرتے تھے، تو یہ کس طرح برداشت کر سکتے کہ ان کے گھر کا کوئی فرد خاص طور پر کوئی لونڈی مشرف باسلام ہو جائے، لہٰذا وہ اپنی ان باندیوں کو دن رات میں کئی کئی مرتبہ، مارتے اور پیٹتے تھے، جب تھک جاتے تو کہتے، تھوڑا ٹھہر جاؤ ابھی تمہاری خبر لیتا ہوں، ایک روز جب وہ مارتے مارتے تھک گئے، تو ایک لونڈی کی حمیت ایمان بیدار ہوئی، اس سے ضبط نہ ہو سکا، پس اس نے بڑی ہمت سے کہا، اے عمر! تم اسلام قبول کر لو، اگر تم مسلمان نہ ہوئے تو میرا رب تمہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا، اس وقت تمہیں بچانے والا کوئی نہ ہوگا، عمر، تو، یہ سن کر آگ بگولا ہو گئے اور اس مظلوم و مجبور کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئی، لطیفہ کو حضرت ابو بکر نے خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت ابو بکر کے والد ابو قحافہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے، ایک روز انہوں نے کہا، ابو بکر! تمہیں کیا ہوا، کہ تم کمزور غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کرتے رہتے ہو، آخر اس سے کیا فائدہ ہوگا، ہاں اگر جوان اور طاقت ور غلاموں، باندیوں کو خرید کر آزاد کرو، تو کچھ فائدے کی امید کی جا سکتی ہے، کہ وہ

تمہارے مشکل وقت پر تمہارے مددگار بن سکتے ہیں، حضرت ابوبکر نے جواب دیا، ''یَاأَبَتِ إِنَّمَا أُرِيْدُ مَا أُرِيْدُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ''، اے باپ، میں جو کچھ کر رہا ہوں صرف اپنے رب کی رضا کے لئے کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے کی گفتگو سنی تو جبرئیل کو پیغام دے کر بارگاہ رسالت میں بھیجا۔

فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ ۝ فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ ۝

''پھر جس نے اللہ کی راہ میں اپنا مال دیا اور اس سے ڈرتا رہا، اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی، تو ہم اس کے لئے آسان راہ آسان کر دیں گے''۔

حضرت خباب بن الارت

آزاد والدین کے آزاد بیٹے تھے، زمانہ جاہلیت میں انہیں کسی نے پکڑ لیا، اور بیچ دیا، ان کا پیشہ لوہاری تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ان سے تعلق رہتا تھا، ایک روز آپ نے انہیں دعوت حق دی، جسے خباب نے بخوشی قبول کر لیا، جب ان کے مسلمان ہونے کا پتہ، ان کی مالکہ ام انمار، کو چلا تو اس نے انہیں پریشان کرنا اور ستانا شروع کر دیا، دوسری تکلیفوں کے ساتھ وہ خبیثہ ایک نہایت ہی کربناک اذیت یہ پہنچاتی تھی کہ لوہے کا ایک ٹکڑا بھٹی میں تپا کر ان کے سر پر رکھ دیتی تھی، اس سے آپ کو کس قدر تکلیف ہوتی ہوگی، اس کا اندازہ ہم کیسے کر سکتے ہیں۔

حضرت خباب نے خود بتایا، کہ ایک دن کافروں نے میرے لئے آگ بھڑکائی، مجھے زمین پر لٹایا اور آگ کے انگارے میری پیٹھ پر رکھ دیئے، یہاں تک کہ میری چربی پگھل گئی، جس سے یہ انگارے بجھے۔

حضرت خباب کی آزمائش جب حد سے تجاوز کر گئی تو ایک روز انہوں نے اپنے آقا ﷺ کو اپنی داستان ظلم وستم سناتے ہوئے کہا، کہ، یارسول اللہ! آپ ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے کہ اللہ ہم پر رحم فرمادے، ہماری آزمائش وامتحان کے دن ختم کر دے اور ظالموں کے ظلم سے ہمیں نجات عطا فرما دے۔ یارسول اللہ! آخر ہم کب تک پٹتے رہیں گے، کب تک کافروں کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہوتے رہیں گے، ہمارے دن کب پھریں گے، کب ہمیں عزت نصیب ہوگی، کب ہم ان ظالموں پر غلبہ پائیں گے، کب ہماری مسرت وشادمانی کے دن آئیں گے، حضرت خباب کی اس گفتگو میں قدرے بے صبری اور پریشانی کے آثار تھے، اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کعبہ کے سایہ میں دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، آپ یہ باتیں سن کر بیٹھ گئے، آپ کا مبارک چہرہ سرخ ہو گیا، غصہ کے آثار نمودار ہونے لگے، آپ نے فرمایا، خباب! تم ایسی گفتگو کرتے ہو، کیا تم نہیں جانتے، تم سے پہلے لوگ جب ایمان لاتے تو، کافر لوہے کی کنگھیوں سے ان کے جسم کا گوشت ادھیڑ دیتے تھے، سروں پر آری چلا کر،

ان کے جسم کے دو ٹکڑے کر دیا کرتے تھے، پھر بھی انہوں نے کبھی کمزوری کا اظہار نہ کیا، لمحہ بھر کے لئے ہار نہ مانی، کیا ہوا، تمہیں، تم کیسی باتیں کر رہے ہو، خباب! سنو! جلد ہی اللہ تعالیٰ اسلام کو غلبہ عطا فرمائے گا۔ وقت آئے گا، جب صنعاء (یمن) سے حضر موت تک ایک مسافر اکیلا سفر کرے گا، اور اسے سوائے اللہ کے کسی کا خوف نہ ہوگا، (اور وہ وقت آیا)۔

حضرت خباب ایک مرتبہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، یہ حضرت عمر کی خلافت کا دور تھا، حضرت عمر نے انہیں احترام کے ساتھ اپنے برابر بٹھایا، اور فرمایا، خباب! جانتے ہو، اس مقام پر بیٹھنے کا تم سے زیادہ ایک اور شخص ہے، خباب نے، حیرت سے پوچھا، وہ کون، حضرت عمر نے فرمایا، وہ بلال ہیں، خباب نے کہا، بلال مجھ سے زیادہ اس مقام کے حق دار کیسے ہو سکتے ہیں، کیونکہ جب ان کا آقا ان پر ظلم کرتا تھا، تو کچھ لوگ ان کی مدد کرتے اور انہیں بچا لیتے تھے، جب کہ میں تنہا ظلم و ستم برداشت کرتا رہا، مجھے بچانے کوئی نہ آیا، پھر خباب نے اپنی قمیص اٹھا کر اپنی پیٹھ کھولی، اور کہا، امیر المومنین! دیکھیں یہ اس آگ کے نشانات سے بھری پڑی ہے، جس پر مجھے لٹایا گیا تھا اور پھر ایک کافر نے میرے اوپر پاؤں رکھ کر مجھے خوب دبا دیا تھا، حضرت خباب کی پیٹھ دیکھ کر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔

حضرت عمار بن یاسر

حضرت عمار بن یاسر اور ان کے اہل خانہ بھی ان خوش نصیبوں کی فہرست میں شامل ہیں، جنہیں آقائے کائنات ﷺ کی غلامی کے تعلق سے سخت اذیتیں سہنی پڑیں، ان کو بھی آگ کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا تھا، ابن جوزی لکھتے ہیں، کہ بسا اوقات آقا ﷺ ایسے وقت تشریف لاتے جب یہ آگ کے عذاب سے تڑپ رہے ہوتے، آپ اپنے غلام کو صبر کی تلقین فرماتے اور افسردگی کی حالت میں واپس تشریف لے جاتے، ادھر حضرت عمار دوبارہ تازہ دم ہو جاتے، ایک روز اللہ کے رسول ﷺ تشریف فرما ہوئے، تو غلام کو سخت اذیت و تکلیف میں پایا، پس آپ نے فرمایا، "یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰی عَمَّارٍ کَمَا کُنْتِ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ" اے آگ! تو جس طرح ابراہیم کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی کا باعث ہو گئی تھی، اسی طرح عمار کے لئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا، آقا ﷺ کی دعا کے بعد غلام کو آگ سے کوئی تکلیف نہ ہوتی تھی۔

حضرت ام ہانی بتاتی ہیں، کہ عمار کے والد یاسر، ان کی والدہ سمیہ، ان کے بھائی عبداللہ، یہ سب وفا کیشوں کے زمرہ میں سے تھے، جنہیں اللہ کی وحدانیت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت پر ایمان لانے کے جرم میں طرح طرح سے سزائیں دی جاتی تھیں، ایک روز جب ان پر جور و ستم کے

پہاڑ توڑے جا رہے تھے، تو آقائے رحمت ﷺ کا گزر ہوا، آپ نے اپنے عاشقوں کی حالت زار ملاحظہ کی اور فرمایا، "صَبْرًا آلَ یَاسِرٍ صَبْرًا آلَ یَاسِرٍ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّةُ "اے ال یاسر صبر کرو، اے آل یاسر صبر کرو، تم سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔

کفار کی ان وحشیانہ اذیت رسانیوں کے سبب حضرت یاسر جاں بحق ہو گئے، ابو حذیفہ نے اپنی لونڈی سمیہ ابو جہل کو دے دی تھی، ابو جہل نے سمیہ کو ورغلانے اور حق کا دامن چھڑا دینے کی بہت کوشش کی لیکن وہ ناکام رہا، اور مومنہ صادقہ اپنے ایمان پر استقلال و استقامت کے ساتھ ڈٹی رہی، ابو جہل نے انہیں طرح طرح کی اذیتیں دینا شروع کیں، یہاں تک کہ ایک روز وہ انہیں مارتا ہوا مکہ کے ایک چوراہے پر لایا، اور تماشائیوں کے ایک ہجوم میں ان کے نازک مقام پر تیر مارا جس سے وہ بھی جاں بحق ہو گئیں، "فَهِیَ اَوَّلُ شَهِیْدَةٍ فِی الْاِسْلَامِ" وہ اسلام میں پہلی شہیدہ ہیں۔

سیکڑوں جاں نثاروں میں سے، ہم نے چند کے مظالم اور مصائب و آلام کا مختصر ذکر کیا، ابو جہل، ابو لہب، عتبہ و شیبہ، جیسے لوگوں کو اس کے علاوہ کوئی کام نہ تھا، کہ وہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے سے روکتے، اور جو مسلمان ہو جاتے، انہیں ورغلاتے، ان پر ظلم و ستم کرتے، طرح طرح سے ستاتے، پریشان کرتے، اگر کوئی دولت مند، بااثر، شخص حلقہ بگوش اسلام ہوتا، تو وہ اس پر دست درازی تو نہ کر پاتے، ہاں اسے ڈراتے، دھمکاتے اور اس کی رسوائی و خواری کرنے کی دھمکی دیتے تھے، کوئی تاجر مسلمان ہو جاتا، تو اس کو بائیکاٹ کر دینے کی دھمکی دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم تمہارا تجارتی بائیکاٹ کریں گے کوئی تم سے خرید و فروخت نہ کرے گا، سوچ لو پھر تمہارا کیا انجام ہو گا، ان تمام کوششوں اور کاوشوں کے باوجود وہ کسی مرد، عورت یا غلام و باندی کو ورغلانے میں کامیاب نہ ہو سکے، کیونکہ جو ایک مرتبہ رحمت عالم ﷺ کی پناہ میں آ جاتا، اسے کسی دوسرے کی پناہ یا سہارے کی ضرورت ہی باقی نہ رہتی تھی، درحقیقت وہ تو، کائنات کے آقا ﷺ کا غلام بن کر، قیامت تک پیدا ہونے والے غلاموں کا آقا اور سر کا تاج بن جاتا تھا، تاریخ میں اس کا نام سنہری حروف میں لکھا جاتا تھا، اس کے لئے، اس سے بڑا اعزاز و شرف کیا ہو سکتا ہے، کہ قرآن، اُن سے اللہ کی رضا اور اللہ سے اُن کے راضی ہو جانے کا اعلان کرتا ہے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

ہجرت حبشہ

اپنے پیارے محبوب نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کا وعدہ، خود اللہ نے فرمایا ہے، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اور اللہ ہی آپ کو لوگوں کے شر سے بچائے گا تاہم مادی اور ظاہری اعتبار سے آپ کو چچا ابوطالب اور خاندان بنو ہاشم کا بھی تعاون حاصل تھا، جو ہمہ وقت اور ہر حال میں آپ کے دفاع کے لئے تیار رہتے تھے، جب کہ درحقیقت یہ بھی اللہ ہی کی نصرت و مدد کی ایک ظاہری صورت تھی، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے صدقے اور طفیل اللہ نے آپ کے ان غلاموں کی بھی حفاظت فرمائی، جو نادار، بے سہارا اور بے کس و بے بس تھے، اگرچہ انہیں بھی مادی و ظاہری اعتبار سے، اپنے اپنے قبائل کی گاہے بگاہے، حمایت و تائید حاصل ہو جاتی تھی، اس کے باوجود، کفار مکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غلاموں کی ایذا رسانی سے باز نہ آتے تھے، بالخصوص یہ ظالم ان مسلمانوں کے ساتھ تو نہایت ہی سنگدلانہ برتاؤ کرتے تھے، جو بالکل ہی نادار اور غریب تھے، جن کا کوئی پرسان حال نہ تھا جیسا کہ آپ گزشتہ اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں، ان حالات سے آپ یہ اندازہ بھی کر چکے، کہ کفار کبھی اپنی سازشوں اور اسلام دشمنی میں کامیاب نہ ہو سکے۔

آقائے رحمت ﷺ نے جب اپنے غلاموں پر بڑھتے ہوئے مظالم ملاحظہ فرمائے، نیز ان مظالم میں دن بدن اضافہ ہوتا گیا، تو آپ نے غلاموں کو اجازت مرحمت فرمائی، کہ وہ اس بستی کے ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے اور دین پر آزادی و سکون کے ساتھ عمل کرنے کی نیت سے حبشہ ہجرت کر جائیں، کیونکہ وہاں کا بادشاہ، رحم دل، انصاف پسند، حق پسند، بے کسوں اور کمزوروں کو سہارا دینے والا ہے، نیز وہ نہایت سخی ہے، غریب و نادار مہاجر، اس کے ملک میں بھوکے نہ سو پائیں گے۔

آقا ﷺ کی طرف سے ہجرت کی اجازت میں کئی حکمتیں اور مصلحتیں پنہاں تھیں، اولاً یہ کہ مظلوم و ستم رسیدہ غلاموں کو کچھ سکون میسر آئے اور وہ تازہ دم ہو سکیں نیز یہ لوگ وہاں کاروبار یا کھیتی باڑی کے ذریعہ مالی وسائل حاصل کریں تاکہ ان کی معاشی حالت بہتر ہو سکے، تیسرے یہ کہ ہجرت کفار کے لئے مزید ناکامی و نامرادی کا سبب بنے اور یہ اہل ایمان کے اس عمل سے بالکل اسی طرح بلبلا اٹھیں جس طرح شکاری شکار کے نکل جانے سے بلبلانے لگتا ہے ان کی رسوائی و خواری مزید اس وقت ہوگی، جب یہ مسلمانوں کا تعاقب کرتے ہوئے، حبشہ جائیں گے اور بادشاہ انہیں، دھتکار کر، اپنے ملک سے نکل جانے کا حکم دے گا، جیسا کہ آپ اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں گے۔

ہجرت کا اہم ترین مقصد یہ تھا، کہ اسلام کا نور اب مکہ سے باہر نکلے، دعوت حق مزید عام کی جائے، لوگ چاہے اسے قبول کریں یا نہ کریں، لیکن وہ پیکر اخلاق ﷺ کے تربیت یافتہ غلاموں کا کردار دیکھیں اس سے متاثر ہوں اور اسلام کی حقانیت پر غور کرنے پر مجبور ہو جائیں، اور وہ تمام افواہیں غلط ثابت ہو سکیں، جو اسلام اور مسلمانوں کے متعلق پھیل چکی ہیں، یہ تمام مقاصد کس حد تک حاصل ہوئے، آپ کو، اس کا اندازہ انشاء اللہ، اگلے صفحات کے مطالعہ سے ہوگا۔

ہجرت کی اجازت کے بعد، بارہ مردوں اور چار عورتوں پر مشتمل ایک قافلہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قیادت میں روانگی کے لئے تیار ہوا، ان مہاجرین اولین کے اسماء مبارکہ یہ ہیں۔

حضرت عثمان غنی، آپ کی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہ بنت حضرت محمد ﷺ، آپ نے اسی جوڑے کے متعلق فرمایا "انهما اول بيت هاجر في سبيل الله بعد ابراهيم ولوط عليهما السلام" یہ پہلا گھرانہ ہے، جس نے ابراہیم ولوط علیہما السلام کے بعد ہجرت کا شرف حاصل کیا، قافلہ میں شامل دیگر افراد یہ تھے، حضرت ام ایمن، حضرت ابو سلمہ اپنی اہلیہ محترمہ ام سلمہ کے ہمراہ، حضرت ابو حذیفہ اپنی اہلیہ محترمہ سہلہ بنت سہیل کے ہمراہ، حضرت عامر بن فہیرہ، اپنی اہلیہ محترمہ لیلیٰ عدویہ کے ہمراہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف، حضرت زبیر بن عوام، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عثمان بن مظعون، حضرت سہیل بن بیضاء، حضرت ابو سبرہ بن رہم، حضرت حاطب بن عمرو، حضرت عبداللہ بن مسعود، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

یہ قافلہ رات کی تاریکی میں، چھپ کر روانہ ہوا، ایک کشتی حبشہ جا رہی تھی، جس نے نصف دینار فی کس کرایہ لیا اور یہ لوگ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے قریش کو پتہ چلا، تو انہوں نے تعاقب کیا، لیکن قافلہ نکل چکا تھا، دشمن ہمیشہ کی طرح ناکام و نامراد رہا، ادھر، راہ حق کے مسافر حبشہ پہنچے تو نجاشی نے بڑی آؤ بھگت کی، ان کے لئے قیام و طعام کا انتظام کرایا، صحابہ کرام بتاتے ہیں کہ ہم نہایت اچھے ماحول میں پرسکون زندگی بسر کرنے لگے، آزادی کے ساتھ، ایک اللہ کی عبادت کرتے اور دین کے احکام کی پابندی کرتے تھے، اب نہ ان پر کوئی آوازیں کسنے والا تھا اور نہ ہی اذیت و تکلیف پہنچانے والا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

جب اہل مکہ کو معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا ایک قافلہ مکہ چھوڑ کر جا چکا ہے، تو انہیں ایک طرف تو اپنی ناکامی و نامرادی پر پشیمانی ہوئی، تو دوسری طرف یہ خطرہ محسوس کرنے لگے، کہ یہ مہاجرین آرام و سکون کی زندگی پا کر تازہ دم ہو جائیں گے، نیز ممکن ہے کہ یہ حبشہ میں اپنے دین کی اشاعت کا کام کریں اور ان کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لینے میں کامیاب ہو جائیں، اس طرح یہ جماعت کسی وقت بھی ہمارے

لئے سخت پریشانی کا باعث بن سکتی ہے، اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے، احمقوں نے تدبیر و تدبر کی بجائے، اپنے جور و جفا کی تحریک مزید تیز کر دی، حتیٰ کہ ابوبکر جیسے، با اثر، بارسوخ اور متمول تاجر کے لئے، درندوں کی اس بستی میں رہنا دوبھر ہو گیا، لہٰذا آپ نے بھی ہجرت کا فیصلہ کر لیا، اور ایک دن آپ حبشہ کی طرف روانہ ہو گئے، راستہ میں آپ کی ملاقات ابن الدغنہ سے ہو گئی، اس نے پوچھا، ابوبکر! کہاں کا ارادہ ہے، آپ نے بتایا، کہ میری قوم نے مجھے مکہ چھوڑنے پر مجبور کر دیا ہے، لہٰذا میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اللہ کی زمین کی سیر و سیاحت کروں گا، اور اطمینان و آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کروں گا، ابن الدغنہ، بولا، ''مِثْلُکَ یَا اَبَابَکْرٍ لَا یُخْرَجُ لَا یُخْرِجُ'' آپ جیسے شخص کو نہیں نکالا جا سکتا، نہیں نکالا جا سکتا، پھر آپ کے خصائل حمیدہ کو بیان کرتے ہوئے کہنے لگا، ''فَاَنَا لَکَ جَارٌ وَارْجِعْ وَاعْبُدْ رَبَّکَ بِبَلَدِکَ'' میں آپ کو پناہ دیتا ہوں، آپ واپس چلیں، اور اپنے شہر میں، آزادی اور اطمینان کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کیجئے۔

ابن الدغنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ مکہ لے آیا، اور اس نے اعلان کرا دیا، کہ ابوبکر جیسے محسن کو وطن چھوڑنے پر مجبور کرنا، بڑی زیادتی ہے، میں نے ان کو پناہ دی ہے، لہٰذا اب کوئی انہیں، کسی قسم کی اذیت نہ دے اور نہ ہی ان کے مذہبی معاملات میں مداخلت کرے، اہل مکہ نے، ابن الدغنہ کی پناہ قبول کی، لیکن ایک شرط عائد کی، کہ ابوبکر پر اتنی پابندی ضرور ہونا چاہیے، کہ وہ قرآن کی تلاوت بلند آواز سے نہ کریں، تا کہ ہمارے نوجوان اور عورتیں یہ کلام نہ سنیں، جیسا کہ ماضی میں ہوتا رہا ہے، کیونکہ ہمیں اپنے نوجوانوں اور عورتوں کے بے دین ہو جانے کا خطرہ رہتا ہے، ابن الدغنہ نے اس شرط کو منظور کیا اور حضرت ابوبکر کو اس سے آگاہ کر دیا، حضرت ابوبکر نے کچھ عرصہ بڑے سکون کے شب و روز بسر کیے، لیکن آپ پر جو پابندی لگی ہوئی تھی وہ آپ کے لئے نا قابل برداشت ہوتی گئی، بالآخر آپ نے اپنے جذبۂ ایمانی سے مجبور ہو کر، اپنے گھر کے صحن میں ایک چھوٹی سے مسجد بنائی، جس میں آپ نماز پڑھتے اور قرآن کریم کی تلاوت کیا کرتے تھے، آپ بے حد خوش آواز تھے، تلاوت کی آواز سن کر مرد و عورت، سب آپ کے گھر کے ارد گرد جمع ہو جاتے اور نہایت توجہ سے تلاوت سنتے تھے، مشرکین کو اس سے فکر لاحق ہوئی، مشرکین نے ابن الدغنہ سے شکایت کی کہ ابوبکر اس شرط کی پابندی نہیں کر رہے، جو ان پر عائد کی گئی تھی، ابن الدغنہ، ابوبکر کے پاس آیا اور کہا، کہ آپ عائد شدہ شرط پوری نہیں کر رہے، یا تو آپ اس کی پابندی کریں، ورنہ میں اپنا معاہدہ ختم کرتا ہوں، حضرت ابوبکر نے جذبۂ ایمانی سے جواب دیا، کہ، ''فَاِنِّیْ اَرُدُّ اِلَیْکَ جِوَارَکَ وَاَرْضٰی بِجِوَارِ اللّٰہِ'' میں تیری پناہ تجھے لوٹاتا ہوں، میرے لئے میرے اللہ کی پناہ کافی ہے، اس کے بعد ابوبکر بڑے اطمینان اور آزادی سے اپنے رب کی

عبادت کرتے رہے، لوگ ان کی تلاوت قرآن سننے کے لئے جمع ہوتے رہے اور کوئی کچھ نہ بگاڑ سکا۔

ماہ رجب بعثت مبارکہ کے پانچ سال بعد مہاجرین کا پہلا قافلہ حبشہ روانہ ہوا تھا، تین ماہ کا عرصہ انہوں نے نہایت امن وعافیت کے ساتھ گزارا، ایک روز انہیں اطلاع ملی، کہ اہل مکہ نے اسلام قبول کر لیا ہے، اور اب وہاں امن وامان ہے، ان لوگوں نے باہمی مشورے کے بعد وطن واپسی کا فیصلہ کیا، لیکن کچھ لوگوں نے اس فیصلے سے اختلاف کرتے ہوئے کہا، کہ جب تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کوئی قاصد آ کر ہمیں تفصیلات نہ بتائے اس وقت تک واپس نہیں جانا چاہیے۔

حبشہ سے واپسی پر کیا بیتی

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی ان لوگوں میں شامل تھے جو مکہ واپس آ گئے تھے، انہیں ولید بن مغیرہ نے پناہ دی تھی، دوسرے حضرات کو بھی کسی نہ کسی رئیس نے پناہ دی اور وہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کسی کی پناہ نہ مل سکی، آپ اسی طرح واپس آ گئے، چند ماہ قیام کے بعد پھر حبشہ چلے گئے۔

حضرت عثمان بن مظعون، ولید بن مغیرہ کی پناہ میں سکون سے دن گزار رہے تھے، لیکن دوسرے مسلمان بڑے ہی دکھ درد میں مبتلا تھے، جسے ان کی غیرت ایمانی برداشت نہ کر سکی اور انہوں نے ولید کی پناہ سے آزاد ہونے کا فیصلہ کر لیا، اور اپنے فیصلہ سے ولید کو آگاہ کر دیا، ولید نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا: ”مجھ پر کسی نے زیادتی نہیں کی، بس میں اپنے رب کی پناہ میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہوں“۔

ایک روز حرم شریف میں کچھ لوگ جمع تھے کہ کسی احمق نے دوران گفتگو، مسلمانوں کو، بے وقوفوں کی جماعت کہا، حضرت عثمان نے اسے سخت جواب دیا، اس پر تلخی بڑھ گئی، اور نوبت بایں جا رسید کہ اس احمق نے حضرت عثمان کے منہ پر ایک زوردار چانٹا مار دیا جس سے ان کی آنکھ ورم کر آئی، ولید بھی وہاں بیٹھا تھا، وہ کہنے لگا، اے عثمان! اگر آج تم میری پناہ میں ہوتے تو کسی کی مجال نہ ہوتی، کہ وہ تم پر اس طرح ہاتھ اٹھاتا، حضرت عثمان نے فرمایا، میں چاہتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں مار کھاؤں، اگر میری دوسری آنکھ کا بھی یہی حال ہو، تو مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔

ابو سلمہ بھی ان مہاجرین میں سے تھے جو مکہ واپس آ گئے تھے، انہیں حضرت ابو طالب نے پناہ دی تھی، ان کے قبیلے بنی مخزوم کے کچھ لوگ ابو طالب کے پاس آئے اور کہا آپ نے ہمارے آدمی کو کیوں پناہ دی، وہ چاہتے تھے کہ ابو طالب انہیں اپنی پناہ سے آزاد کر دیں، تو وہ ابو سلمہ کو اپنے جور و جفا کا شکار بنائیں، لیکن ابو طالب نے سختی سے جواب دیتے ہوئے کہا، ”میرا بھانجا ہے اس لئے میں نے اسے پناہ دے رکھی ہے اور وہ اسی طرح میری پناہ میں رہے گا، تمہیں اعتراض کا کوئی حق نہیں، خوب سن لو، میں

اسے بے یارومددگار ہرگز نہ چھوڑوں گا۔

حبشہ کی طرف دوسری ہجرت

جو لوگ، ''مکہ میں سب ٹھیک ٹھاک ہے'' کی اطلاع پا کر، حبشہ سے واپس چلے آئے تھے، انہیں یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ، ''یہاں کچھ ٹھیک ٹھاک نہیں'' بلکہ پہلے سے بھی بدتر حالات ہیں، ظلم وستم میں مزید تیزی آگئی ہے، اب تو یہاں جینا بالکل ہی ناممکن ہو گیا ہے، لہٰذا ان لوگوں نے، حبشہ کی طرف دوسری ہجرت کا فیصلہ کیا، غلاموں نے جدائی کا صدمہ، بمشکل برداشت کرتے ہوئے، آقا ﷺ سے اجازت چاہی، آپ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے، اجازت مرحمت فرمائی، ان حضرات کا قافلہ روانگی کے لئے تیار ہوا، تو ان کے ساتھ کچھ مرد و عورت مزید شامل ہو گئے، اب مردوں کی کل تعداد تراسی ہو گئی، جب کہ اٹھارہ عورتیں تھیں، ان میں سے گیارہ کا تعلق، قریشی خاندانوں سے تھا، اس قافلہ میں جعفر بن ابی طالب بھی شامل تھے، نیز اس قافلہ میں حضرت عثمان اور ان کی اہلیہ حضرت رقیہ بھی شامل تھیں، جب ان دونوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رخصت چاہی تو آپ نے فرمایا، ''اَنْتُمْ مُهَاجِرُوْنَ اِلَی اللّٰهِ وَاِلَیَّ، لَكُمْ هَاتَانِ الْهِجْرَتَانِ جَمِيْعًا'' تمہاری یہ دونوں ہجرتیں اللہ کی اور میری طرف سے ہیں، حضرت عثمان غنی نے عرض کی، ''فَحَسْبُنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' تو ہم راضی ہیں، ہمیں اتنا ہی کافی ہے۔

نجاشی کے دربار میں کفار کا وفد

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، جنہیں بعد میں ام المومنین ہونے کا شرف نصیب ہوا، بتاتی ہیں کہ، جب ہم لوگ حبشہ پہنچے، اور شاہ نجاشی کی پناہ میں پرسکون زندگی گزارنے لگے، اور آزادی کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرنے لگے، تو قریش مکہ نہایت تیخ پا ہوئے، اور انہوں نے ہمیں حبشہ سے واپس بلانے کے لئے، اپنے دو آدمیوں کا وفد نجاشی کے دربار میں بھیجا، یہ دونوں، عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص تھے، جو نہایت ذہین، زیرک و دانا اور سیاسی مکروفریب کے ماہر تھے، لہٰذا انہوں نے یہاں پہنچ کر، پادریوں اور مذہبی پیشواؤں پر اپنا جال ڈالا، تاکہ وہ نجاشی کے دربار میں ان کی حمایت اور سفارش کریں، اس مقصد کے لئے انہیں نہایت قیمتی تحائف دیئے، اور اپنی بپتا سناتے ہوئے کہا کہ ہمارے کچھ قریبی رشتہ دار، بھاگ کر آپ کے ملک میں رہائش پذیر ہو گئے ہیں، ان لوگوں نے اپنا آبائی دین چھوڑ کر، نیا دین اختیار کر لیا ہے، جو محمد بن عبداللہ (ﷺ) کا گڑھا ہوا ہے، (العیاذ باللہ) ہم چاہتے ہیں، کہ آپ حضرات بادشاہ کے دربار میں ہماری سفارش کریں، کہ وہ ان احمقوں اور نادانوں کو یہ ملک چھوڑ کر، وطن واپس چلے جانے کا حکم دے، ان لوگوں نے رشوت لے کر، سفارش

کرنے کا یقین دلایا۔

یہ دونوں سفیر، بادشاہ کے دربار میں حاضر کیے گئے، تو انہوں نے بادشاہ کو وہی غلط سلط کہانیاں سنائیں، جو پادریوں کو سنا چکے تھے، اور انہوں نے بادشاہ سے گزارش کی کہ ان لوگوں کو واپس جانے کا حکم دیا جائے، عمرو بن عاص جب بادشاہ سے اپنی گزارشات کر چکا، تو مذہبی پیشواؤں نے اُس کی تائید کرتے ہوئے کہا، اے بادشاہ! ان دونوں نے سچ کہا، بہترین یہ ہوگا، ان لوگوں کو واپس جانے کا حکم دیا جائے، کہ وہ ان کے عزیز و اقارب ہیں، وہی بہتر جانتے ہیں کہ اپنے لوگوں سے وہ کس طرح کا معاملہ کریں گے، پادریوں کی یہ بات سن کر بادشاہ کا چہرہ، غصہ سے سرخ ہو گیا، وہ بولا، یہ کیسے ممکن ہے کہ جن لوگوں نے سب بادشاہوں کو چھوڑ کر میری پناہ لی ہے، میرا سہارا لیا ہے اور میرے ملک میں رہائش پذیر ہیں، میں انہیں بلائے بغیر، ان سے حالات معلوم کیے بغیر، انہیں اپنے گھر سے دھکا دے دوں، ایسا ہرگز نہ ہوگا، وہ میرے مہمان ہیں، میں ان کے ساتھ بے انصافی کا برتاؤ نہیں کر سکتا یہ تو، سراسر ظلم ہوگا، جو مجھے گوارا نہیں۔

پھر بادشاہ نے قاصد بھیج کر، صحابہ کرام کو بلایا، ان لوگوں نے حاضر ہونے سے پہلے، سچائی اور حق گوئی کا دامن نہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا، جب وہ لوگ حاضر دربار ہوئے، تو بادشاہ نے کہا، مجھے سب حال سچ سچ بتاؤ، تم لوگ اپنا وطن چھوڑ کر یہاں کیوں آئے ہو، آخر وہ کیسا دین ہے، جس کے لئے تم نے آبائی دین کو چھوڑا، میرا دین بھی اختیار نہ کیا، نہ کوئی اور دین قبول کیا، آخر اس نئے دین میں ایسی کیا کشش ہے کہ تم نے صرف اسی کو قبول کیا، مسلمانوں نے اپنی ترجمانی کے لئے حضرت جعفر بن ابی طالب کو منتخب کیا تھا، لہٰذا وہ اٹھے اور معروضہ پیش کرنے کی اجازت چاہی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا خطاب

حضرت جعفر نے شاہی آداب کا لحاظ کرتے ہوئے کہا، اے بادشاہ! ہم تیرے شکر گزار ہیں کہ تو نے ہمیں پناہ دی نیز ہم شکریہ ادا کرتے ہیں، کہ تیرے ملک میں ہم نہایت آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں اور بے حد اطمینان و سکون کے ساتھ دین حق پر عمل پیرا ہیں، یہاں نہ کوئی ہمیں ستانے والا ہے اور نہ ہی ہم پر کوئی ظلم و ستم کر سکتا ہے، ہم ہر حال میں سچ بولتے ہیں کہ حق گوئی، ہی ہمارا شعار ہے، پس ہم آپ کو صحیح حالات سے آگاہ کریں گے۔

اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بتوں کی پوجا کرتے تھے، مردار کھاتے تھے، شراب نوشی اور قمار بازی ہمارا مشغلہ تھا، عورتوں پر ظلم کرنا، بیٹیوں کو زندہ دفن کر دینا، ہماری شان تھی، رشتے داروں، پڑوسیوں کے ساتھ بے رحمی کا سلوک ہماری عادت تھی، بات بات پر لڑنا، مرنا، اور مارنا، ہماری معاشرت تھی،

لوگوں سے مال غصب کرنا، چوری اور ڈاکہ، ہمارا ذریعہ معاش تھا، غرضیکہ ہم اصول وضوابط، قانون و قواعد سے آزاد، جانوروں سے بدتر زندگی بسر کر رہے تھے، نہ جانے کیوں، اللہ کو ہماری اس بدحالی پر رحم آیا، اس نے ہم میں اپنا رسول مبعوث فرمایا، جو ہم ہی میں سے ہے، ہم اس کا حسب ونسب اچھی طرح جانتے ہیں، وہ قبیلہ قریش کے اعلیٰ خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتا ہے، اس کی صداقت، امانت اور عفت سب کے نزدیک مسلّم ہے، کہ سب ہی اسے، الصادق، الامین، کہتے ہیں، وہ ہمیں، اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، کتب الٰہی کی تعلیم دیتا ہے، ہمارے دلوں کو، حسد، کینہ، بغض وعناد، ہوا وہوس، عداوت و دشمنی سے پاک صاف کرتا ہے، وہ ایسا معلم کامل ہے، جو ہمیں ایک اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہے، بتوں کی پوجا پاٹ سے منع کرتا ہے، وہ ہمارے اطوار وعادات کی اصلاح کرتا ہے، خوش اخلاقی کا درس دیتا ہے، صلہ رحمی اور لوگوں سے حسن سلوک کی تعلیم دیتا ہے، ماں، باپ اور بڑوں کے احترام اور عزت کرنے کی تربیت دیتا ہے، ہر حال میں وہ ہمیں سچ بولنے، امانت میں خیانت نہ کرنے، کسی کی حق تلفی نہ کرنے، کسی پر ظلم وستم نہ کرنے، ڈاکہ اور چوری نہ کرنے، اور کسی کا مال غصب نہ کرنے کی تاکید کرتا ہے، برے کاموں، برائیوں، بدکاریوں اور خونریزیوں سے منع کرتا ہے، شراب نوشی اور قمار بازی سے نفرت دلاتا ہے، اسی نے لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کی بدترین رسم کا خاتمہ کیا، مرد وعورت کو مساوی حقوق کا حق دار ٹھہرایا، دیانت کے ساتھ یتیموں کے مال کی حفاظت کرنے اور ان کی سرپرستی کرنے کا حکم دیا، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے اور انہیں رسوا کرنے سے روکا، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، عیب جوئی، بیہودہ گوئی جیسی بری عادتوں سے ہمیں نجات دلائی۔

اے بادشاہ! اس رسول مکرم ﷺ نے، ہمیں ایک اللہ پر ایمان لانے اور صرف اسی کی عبادت کرنے، اسی سے مدد مانگنے کی تعلیم دی، اس نے سابقہ انبیاء ومرسلین پر ایمان لانے، ان کا احترام کرنے کا سبق دیا، اسی طرح، اس نے گزشتہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لانے کی تلقین کی اور ان کی تصدیق کی، اس نے ہمیں بتایا، کہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہیں، انہیں اللہ نے آسمانوں کی طرف اٹھالیا ہے، وہ قرب قیامت، ہمارے نبی کے امتی کی حیثیت سے دنیا میں تشریف لائیں گے، اور ہمارے آقا کے دین کی حمایت ونصرت کریں گے، اس نے ہمیں نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے، صدقہ وخیرات کرنے کی تعلیم دی، اس نے حج کرنے کا طریقہ سکھایا، اور روزہ رکھنے کی تربیت دی۔

حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں، کہ حضرت جعفر نے، نجاشی کے حضور، اسلامی تعلیمات کو نہایت تفصیل سے بیان کیا، پھر آپ نے فرمایا، اے بادشاہ! ایسے دین کو ہم نے اپنایا ہے، جس کا کوئی ثانی نہیں، روئے زمین پر ہمیں اس جیسا کامل ومکمل دین کہیں نظر نہ آیا، ہم ایک اللہ پر ایمان لائے، اس کے سب

نبیوں اور رسولوں خاص طور پر سید الانبیاء، آخر الزماں ﷺ کی تصدیق کی، تمام کتابوں بالخصوص آخری اور دائمی کتاب پر ہم ایمان لائے، ہمارے رسول نے ہمیں جو احکام دیئے، ہم نے ان کو بلا تامل و تردد قبول کیا، اس نے ہمارے لئے جو کچھ حلال کیا، ہم اسے استعمال کرتے ہیں اور اس نے ہمارے لئے جو کچھ حرام قرار دیا، ہم اس سے باز رہتے ہیں، اب ہم پر اللہ کی رحمت سایہ فگن ہے، ہماری زندگی پرسکون ہے، ہمارے شہر اور گلی کوچوں میں امن و امان ہے، اب نہ مسافروں کو کوئی لوٹنے والا رہا، نہ ہمارے گھروں میں ڈاکے پڑتے ہیں اور نہ ہی چوریاں ہوتی ہیں، ہم بلا خوف و خطر سفر کرتے ہیں اور نہایت اطمینان کی نیند سوتے ہیں، ہمارے معاشرے میں میل و محبت اور بھائی چارگی کا دور دورہ ہے، اب ہم ایک مہذب قوم کی طرح باعزت و باوقار زندگی بسر کر رہے ہیں۔

اے بادشاہ! ہمیں فخر ہے کہ ہمارا دین، اللہ کا پسندیدہ دین ہے، یہ دین ہی مکمل ضابطہ حیات ہے، یہ دین ہی دنیا و آخرت میں ہماری کامیابی و کامرانی کی ضمانت ہے، یہ دین ہی ہمارے تاج شرافت کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے، یہ ہے وہ آقا اور یہ ہے وہ دین جس کی غلامی اور جس کو اپنانے کے صلہ میں، ہماری قوم، ہم پر ظلم ڈھاتی ہے، ہمیں باغی اور گمراہ کہتی ہے، وہ اللہ کے رسول مکرم ﷺ کو، دیوانہ، مجنون اور جادوگر کہتے ہیں، ان پر پتھر برساتے ہیں، کوڑا کرکٹ ڈالتے ہیں، ان کے راستے میں کانٹے بکھیرتے ہیں، ان ظالموں نے سجدے کے دوران، ان کے سر پر اونٹ کی اوجڑی ڈالی، ان کی گردن میں پھندا ڈال کر ان کی جان لینے کی کوشش کی، انہوں نے ہمارے آقا اور ہم پر ظلم و ستم کا کوئی موقع نہ چھوڑا، انہوں نے ہمارے بھائی، یاسر ان کی بیوی سمیہ کو شہید کر ڈالا، ان ظالموں نے ہمارے بھائی بلال کو آگ کے انگاروں پر تڑپایا، انہوں نے، ابوبکر و عثمان تک کو نہ چھوڑا، انہیں نہایت بے دردی سے مارا پیٹا، انہوں نے ابوذر غفاری کی خوب دھنائی کی، ان بدنصیبوں کا ہم سے مطالبہ ہے کہ ہم رحمۃ للعالمین ﷺ کا دامن رحمت چھوڑ کر، ان کی عطا کردہ ہدایت سے منہ موڑ کر، دوبارہ ضلالت و گمراہی اختیار کر لیں، تو ایسا ہرگز، ہرگز نہ ہو پائے گا، ہمارے لئے اپنی جانوں کی قربانی دینا تو آسان ہے، لیکن اپنے آقا ﷺ کے دامن کو چھوڑ دینا ممکن نہیں۔

اے عالی مرتبت شہنشاہ! ان حالات نے ہمیں، اپنا وطن عزیز چھوڑ کر آپ کے ملک میں پناہ لینے پر مجبور کیا، آپ کی انصاف پسندی کی شہرت کے سبب، ہم نے دنیا بھر میں، صرف آپ کو اپنا سرپرست بنانے کے لئے منتخب کیا، اب ہم آپ سے عدل و انصاف کی امید کرتے ہیں، ہم نے آپ کے حکم کے مطابق تفصیل سے حقائق بیان کر دیئے ہیں، اب فیصلہ آپ کو کرنا ہے، ہم آپ کے ہر حکم کی تعمیل کریں گے، آپ ہمیں وفا شعار اور اپنا وفادار پائیں گے، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْاَكْبَرِ، وَالصَّلٰوةُ

وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْاَعْظَم۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی پرتاثیر تقریر کے دوران نجاشی اور ان کے درباریوں پر سناٹا چھایا رہا، جب کہ مکہ سے آئے ہوئے وفد اور اس کے حمایتیوں کے پسینے چھوٹ رہے تھے، وہ خوفزدہ تھے، سہمے سہمے تھے، ان کو فکر تھی کہ نہ جانے اب ان کا کیا حشر ہوگا، جب حضرت جعفر کا خطاب ختم ہوا، تو نجاشی بھرائی آواز میں بولا، آپ کے نبی پر جو کتاب نازل ہو رہی ہے، اگر آپ کو اس کا کچھ حصہ یاد ہو، تو سنائیے، حضرت جعفر نے خوش ہو کر نہایت پر سوز آواز میں سورۂ مریم کی آیات سنانا شروع کیں، تو نجاشی، عیسائی علماء، اور تمام حاضرین پر رقت طاری ہو گئی، حتیٰ کہ آنسوؤں نے ان کی داڑھیاں تر کر دیں، جب آپ تلاوت کر چکے، تو نجاشی جذبات پر بمشکل قابو کرتے ہوئے بولا، واللہ یہ کلام اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کا لایا ہوا کلام ایک ہی چشمہ کی دو نہریں ہیں، پھر نجاشی نے ان دونوں سفیروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

آپ یہاں سے فوراً چلے جائیں، میں اپنے مہمانوں کو آپ کے مظالم کے لئے، آپ کے حوالے نہیں کر سکتا، میں نے تمام تفصیلات سنیں، مجھے اندازہ ہوا، کہ یہ حضرات تو، خصوصی میزبانی کے مستحق اور نہایت ہی احترام وعزت کے لائق ہیں، آپ لوگ ہرگز، ہرگز انہیں نہیں لے جا سکتے۔

حضرت جعفر اور ان کے ساتھی، اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے، اپنے آقا ﷺ کی تعلیم وتربیت پر ناز کرتے ہوئے ہنسی خوشی اپنی قیام گاہ کی طرف واپس ہوئے، انہیں فخر تھا کہ وہ ایسے دین متین کے ماننے والے ہیں، جو ان کی عزت وآبرو کا ضامن ہے، اور آج اسی سے ان کو کامیابی نصیب ہوئی۔

عمرو بن العاص اور عبداللہ، منہ لٹکائے، ذلیل وخوار ہو کر دربار سے نکلے، کوئی ان کا حال پوچھنے والا نہ تھا، شرم اور پچھتاوے سے ان کے پیر بھاری ہو رہے تھے، لیکن بڑے بے حیا تھے، کہ کافر ومشرک ہوتے ہی بے حیاء وبے شرم ہیں، اتنی بڑی ذلت کے بعد بھی وہ باز نہ آئے، اب بھی وہ مہاجروں کے درپے آزار تھے، کسی نہ کسی طرح ان سے اپنی رسوائی کا انتقام لینا چاہتے تھے، عبداللہ بولا، کل ہم دوبارہ بادشاہ کے دربار میں پہنچیں گے اور ایسی چال چلیں گے کہ ان کی ساری عزت دھری کی دھری رہ جائے گی اور بالآخر انہیں مکہ واپس جانا پڑے گا، دونوں نے باہمی مشورے سے اپنی چال کا تعین کر لیا، جس میں کامیابی کا بھی انہیں یقین تھا، انتظار وبے چینی کی حالت میں بمشکل رات کٹی، صبح ہوتے ہی وقت سے پہلے یہ دونوں نجاشی کے در پر جا کھڑے ہوئے، بالکل بھکاریوں کی طرح، پریشان حال، پھٹکار برستی شکل لئے ہوئے، کھڑے تھے، کوئی پرسان حال نہ تھا، دربار کا دروازہ کھلا، بادشاہ تخت نشین ہوا، بمشکل تمام دونوں کی رسائی ہوئی، کارندوں نے پوچھا، اب یہاں کیا کرنے آئے ہو، کانپتے ہوئے

بولے، ہم بادشاہ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں، بمشکل تمام کارندے راضی ہوئے اور انہیں، بادشاہ کے حضور پیش کیا۔

بادشاہ نے نہایت ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے ان سے پوچھا، اب آپ لوگ کیا لینے آئے ہیں، وہ بولے، جہاں پناہ! ہم کل کے معاملہ کے متعلق کچھ گزارش پیش کرنا چاہتے ہیں، برائے کرم، مہاجرین کو ایک مرتبہ حاضر دربار، دوبارہ کیا جائے، اور ان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کا عقیدہ پوچھا جائے کیونکہ یہ لوگ ان کے متعلق بہت ہی گندی اور نازیبا باتیں کرتے ہیں، انصاف پسند بادشاہ نے ان کی درخواست کو قبول کیا، اور مہاجرین کو بلانے کے لئے قاصد روانہ کر دیا، جب یہ حضرات حاضر دربار ہوئے، تو بادشاہ اور حاضرین نے ان کی عزت افزائی کی اور بادشاہ نے سوال کیا، "مَاذَا تَقُوْلُوْنَ فِیْ عِیْسَی بْنِ مَرْیَمَ" تم عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہو؟

خطیب اسلام حضرت جعفر بن ابی طالب کھڑے ہوئے، چہرہ نور ایمان سے منور تھا، کامیابی کے بعد، مزید جرأت و دلیری کے آثار نمایاں تھے، آپ نے اللہ کی حمد وثنا اور اپنے آقا پر درود وسلام کے بعد فرمایا، اے بادشاہ! ہمارے آقا ﷺ نے سچائی اور حق کی تاکید فرمائی ہے، لہٰذا میں سچ اور حق کا پابند ہوں، پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ ہمیں نبی مکرم ﷺ نے بتایا وہ یہ ہے کہ "هُوَ عَبْدُاللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَرُوْحُهٗ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰی مَرْیَمَ الْعَذْرَاءِ الْبَتُوْلِ" آپ اللہ کے بندے ہیں، اللہ کے رسول ہیں، اللہ کی روح اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اللہ تعالیٰ نے کنواری اور عبادت گزار مریم کے اندر ڈالا ہے، یہ سن کر نجاشی نے اپنا ہاتھ زمین پر مارا اور ایک تنکا اٹھا کر بولا، "وَاللّٰهِ مَاعَدَا عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ مَاقُلْتَ هٰذَا الْعُوْدَ" قسم بخدا تم نے حضرت عیسیٰ بن مریم کے متعلق جو کچھ کہا ہے، وہ اس تنکے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں، کہ نجاشی نے مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں، اور جس ہستی کے پاس سے تم آئے ہو، اسے بھی مرحبا کہتا ہوں، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشک وشبہ وہ اللہ کے رسول ہیں، یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہم انجیل میں پاتے ہیں، یہ وہی رسول مکرم ہیں، جن کی آمد کی خوشخبری، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سنائی تھی، جاؤ میرے ملک میں جہاں چاہو قیام کرو، واللہ، اگر مجھے حکومت کی مجبوریاں نہ ہوتیں، تو میں ان کی خدمت میں نیازمندانہ حاضر ہوتا، اور انہیں وضو کرانے کا اعزاز حاصل کرتا، تم میرے مہمان ہو، اگر کسی نے تم سے بدکلامی کی تو میں اس پر تاوان لگاؤں گا، یہ جملہ بادشاہ نے تین مرتبہ کہا، میں ہرگز پسند نہیں کرتا، کہ تم میں سے کسی ایک کو بھی ان کے حوالہ کروں، اور وہ مجھے سونے کا پہاڑ دے دیں۔

بادشاہ نے حکم دیا، کہ اہل مکہ کے بھیجے ہوئے تحائف واپس کر دیئے جائیں، میرے رب نے جب مجھے یہ ملک دیا تھا تو مجھ سے رشوت نہ لی تھی، نیز اللہ نے میرے بارے میں لوگوں کی بات نہیں مانی تھی، تو پھر میں کیوں، ان مسلمانوں کے بارے میں کسی کی بات مانوں۔

علامہ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا، کہ جب حضرت جعفر اپنے ساتھیوں کے ہمراہ، نجاشی کے دربار میں پہنچے تو انہوں نے رسم کے مطابق، بادشاہ کو سجدہ نہ کیا، بلکہ سر اٹھائے ہوئے، صرف، السلام علیکم، کہا، بادشاہ نے، اظہار ناراضگی کرتے ہوئے کہا، تم نے، شاہی آداب کے مطابق مجھے سجدہ کیوں نہ کیا، حضرت جعفر نے فرمایا، ہم اللہ کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتے، ہمارے رسول معلم کامل ﷺ نے بتایا، کہ اہل جنت جب ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں، تو، السلام علیکم، ہی کہتے ہیں، انہی الفاظ سے ہم نے آپ کی خدمت میں سلام پیش کیا۔

بہر حال کفار مکہ کے وفد کو، بڑی ہی ذلت وخواری ہوئی، اور انہیں خائب وخاسر مکہ واپس آنا پڑا، درحقیقت اس وفد کی ذلت اور ناکامی سب کافروں کی ناکامی اور ذلت تھی، اور اگر ان میں ذرا بھی حیاو شرم کا مادہ ہوتا تو وہ کم از کم اہل ایمان پر ظلم وستم کرنا بند کر دیتے، لیکن کافر سے نہ تو انصاف کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ ہی حیاء وشرم کی۔ لہٰذا مکہ میں موجود اہل ایمان، حسب معمول ان ظالموں کا ظلم وستم سہتے رہے، اور ان کا مقابلہ کرتے رہے۔

حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، حبشہ میں موجود، اپنے غلاموں کی کامیابی اور عزت افزائی کا علم ہوا تو آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور بے حد اظہار مسرت کیا، اس موقع پر آپ نے نجاشی کو ایک گرامی نامہ ارسال فرمایا، اور یہ کسی بادشاہ کی طرف آپ کا پہلا خط تھا، اس مکتوب گرامی میں آپ نے بادشاہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، نیز اپنے مہاجر غلاموں کی میزبانی اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔

بادشاہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گرامی نامہ کو اپنے لئے ایک اعزاز جانا، اور جو کچھ اس پر لکھا گیا تھا، اس پر دل وجان سے عمل کیا، آقائے رحمت ﷺ، نجاشی سے بے حد محبت کا اظہار فرماتے تھے، ایک مرتبہ نجاشی کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں شرف زیارت حاصل کرنے آیا، آپ نے ان لوگوں کو اپنا خصوصی مہمان بنایا اور آپ کی میزبانی بذات خود کیا کرتے تھے، صحابہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ﷺ ہم حاضر ہیں آپ تکلیف نہ فرمائیں، آقا ﷺ نے فرمایا، "اِنَّھُمْ کَانُوْا لِاَصْحَابِیْ مُکْرِمِیْنَ وَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اُکَافِئَھُمْ" ان لوگوں نے میرے صحابہ کی بڑی عزت کی تھی اب انہیں اس کا بدلہ دینا چاہتا ہوں۔

یہ بھی نجاشی پر آقائے رحمت ﷺ کی رحمت ورأفت تھی کہ جس دن نجاشی کا انتقال ہوا، حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے اپنے صحابہ کو بڑے ہی دکھ کے ساتھ اس کی موت کی خبر دیتے ہوئے فرمایا، ''مَاتَ الْیَوْمَ رَجُلٌ صَالِحٌ فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا عَلٰی اَخِیْکُمْ اَصْحَمَ'' آج ایک مرد صالح کی وفات ہوگئی، اٹھو اور اپنے بھائی اصحم کی نماز جنازہ پڑھو، پس اللہ کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام شہر سے باہر، جنازہ گاہ میں تشریف لائے اور نماز جنازہ ادا فرمائی، پھر اس کے لئے دعا مغفرت کی، (واضح رہے کہ غائبانہ نماز جنازہ احناف کے یہاں جائز نہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب نجاشی کی نماز پڑھائی تو حبشہ کے تمام حجابات اٹھا دیئے گئے تھے، اور میت آپ کے سامنے تھی، پس یہ آپ کا معجزہ اور آپ کی خصوصیت تھی)۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ لوگ کہا کرتے تھے، ''اِنَّہٗ لَایَزَالُ یُرٰی عَلٰی قَبْرِہٖ نُوْرٌ'' کہ نجاشی کی موت کے بعد اس کی قبر سے نور نکلتا نظر آتا تھا۔

یمن کا قافلہ حبشہ میں

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلیان یمن کو اطلاع ملی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے جاچکے ہیں، تو پچاس مسلمانوں کا ایک قافلہ، کشتیوں پر سوار ہوکر، بارگاہ رسالت میں حاضری کے لئے مدینہ کی طرف روانہ ہوا، اچانک ایک طوفان آیا جس نے ہماری کشتیوں کا رخ موڑ دیا اور ہم حبشہ کے ساحل پر اترے، حبشہ میں ہماری ملاقات حضرت جعفر سے ہوئی، انہوں نے ہمیں وہاں کے پرسکون حالات بتائے، لہٰذا ہم سب نے حبشہ میں ہی اقامت اختیار کرلی، اور کئی سال وہیں رہے، پھر ہم لوگ حضرت جعفر کی معیت میں اس وقت مدینہ منورہ پہنچے، جب خیبر کے سب قلعے فتح ہوچکے تھے اور ان پر علم اسلام لہرا رہا تھا، آقائے رحمت ﷺ نے ہمیں دیکھ کر فرمایا، ''لَکُمْ اَنْتُمْ اَھْلُ السَّفِیْنَۃِ ھِجْرَتَانِ'' اے کشتی پر سوار ہوکر آنے والو! تمہیں دو ہجرتوں کا ثواب ملے گا (ایک ہجرت یمن سے حبشہ اور دوسری حبشہ سے مدینہ منورہ) حبشہ کے تمام مہاجرین، ایک ساتھ مدینہ منورہ نہیں پہنچے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ نے پڑھا، کہ وہ تو سب سے آخر میں، اس وقت مدینہ طیبہ پہنچے، جب خیبر فتح ہوچکا تھا، ان سے پہلے تینتیس مردوں اور آٹھ عورتوں کا قافلہ مدینہ منورہ پہنچ چکا تھا، ان میں سے چوبیس کو غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، جب کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو بہت پہلے ہی حبشہ سے مکہ مکرمہ آگئے تھے۔

شعب ابی طالب کا گھیراؤ

حبشہ سے قریش کا وفد جب ناکام و نامراد واپس آیا، اور انہوں نے نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر کی پر اثر تقریر کے بعد مسلمانوں سے نجاشی کی ہمدردی اور ان کی حمایت کی تفصیل بیان کی، نیز بتایا، کہ بادشاہ نے بھی اسلام قبول کر لیا ہے، اب مسلمانوں کو وہاں کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اب حبشہ ان کا دوسرا گھر بن چکا ہے، کوئی قوت وہاں سے مسلمانوں کو واپس نہیں لا سکتی، ان حالات کو سن کر کفار تلملا اٹھے، اور انہوں نے فیصلہ کیا، کہ اب ہر قیمت پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو قتل کر دینا چاہیے، جب ابو طالب کو اپنی قوم کے ناپاک عزائم کا پتہ چلا، تو انہوں نے بھی ہر قیمت پر اپنے بھتیجے کی حفاظت کا فیصلہ کر لیا، اگر چہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہر چند چچا کو اطمینان دلانا چاہا اور کہا، آپ ہرگز پریشان نہ ہوں، قریش کیا سارا عرب مل کر، میرا بال بیکا نہیں کر سکتے، کیونکہ میرے رب، محافظ حقیقی عزوجل نے، لوگوں کے شر سے میری حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن چونکہ ابو طالب، آپ کی حفاظت کرنا، اپنی بڑی ذمہ داری سمجھتے تھے لہٰذا انہوں نے وہ کیا جو وہ کر سکتے تھے، انہوں نے اپنے قبیلہ بنو ہاشم کے سب افراد کو جمع کر کے صورت حال سے آگاہ کیا، تو انہوں نے ابو طالب کی مدد کرنے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کا پختہ وعدہ اور عزم کیا، جب بنو ہاشم کے اس فیصلہ کی خبر بنو عبدالمطلب کو ہوئی تو انہوں نے بھی اپنے خاندان کا، ساتھ دینے کا فیصلہ کر لیا، یعنی، بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب، محض خونی رشتہ داری، خاندانی وقار کی بقا کے سبب، محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی حفاظت کے لئے متحد ہو گئے بنو ہاشم کا صرف ایک بدبخت و بدنصیب فرد ابولہب اس اتحاد میں شامل نہ تھا، کیونکہ وہی سب سے زیادہ اسلام اور مسلمانوں کا دشمن تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس کی عداوت کا بڑا سبب، سورۂ لہب کا نزول تھا، جس میں اس کی اور اس کی بیوی کی تباہی و بربادی کا اعلان کیا گیا تھا۔

حفاظتی تدابیر اختیار کرتے ہوئے، ابو طالب اپنے خاندان اور بنو مطلب کے ساتھ، مکہ سے کچھ فاصلہ پر واقع ایک گھاٹی میں منتقل ہو گئے، یہ گھاٹی ابو طالب کی ملکیت تھی جو انہیں ورثہ میں ملی تھی، اس لئے اسے "شعب ابی طالب" کہا جاتا ہے، یہاں بھی ابو طالب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے حد نگرانی کرتے تھے، لحہ بھر کے لئے بھی انہیں اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیتے حتیٰ کہ رات کو کئی مرتبہ آپ سے آرام گاہ تبدیل کراتے، اس طرح کہ آپ کبھی ایک بستر پر آرام فرماتے، تو کبھی دوسری جگہ، دوسرے بستر پر سوتے۔

سوشل بائیکاٹ کا فیصلہ

قریش نے جب دیکھا کہ ابو طالب اپنے بھتیجے کی حفاظت میں زیادہ محتاط ہو گئے ہیں، اور اس مقصد کے لئے وہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے ہمراہ مکہ سے منتقل ہو کر، اپنی گھاٹی میں محفوظ ہو گئے ہیں، تو وہ اس صورت حال کے مقابلہ کے لئے کوئی نئی تدبیر اختیار کرنے کے لئے جمع ہوئے، اس اجتماع میں قریش کے تمام سردار اور دیگر رؤسائے مکہ شریک تھے، باہمی مشورے بعد طے پایا، کہ ابو طالب نے اپنے خاندان کو ایک جگہ محفوظ کر کے، ہمیں موقع فراہم کر دیا ہے کہ ہم انہیں اسی گھاٹی میں محصور کر دیں، اس مقصد کے لئے ایک معاہدہ لکھا گیا، جس کی تفصیل علامہ ابن کثیر نے اس طرح تحریر فرمائی:

سب مشرکین قریش ایک جگہ جمع ہوئے اور متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ، وہ ان لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست نہیں کریں گے، ان سے خرید و فروخت یا کوئی تجارتی معاملہ نہیں کریں گے، ان کے گھروں میں قدم نہیں رکھیں گے، جب تک وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے حوالے نہ کر دیں تا کہ یہ انہیں قتل کر دیں، اور بنو ہاشم سے ہرگز صلح نہ کریں گے، اور ان پر ذرا بھی ترس نہ کھائیں گے، یہاں تک کہ وہ شہید کرنے کے لئے حضور کو ان کے سپرد نہ کر دیں، نیز قریش نہ ان کی بچیوں سے رشتہ کریں گے اور نہ ہی اپنی بچیوں کا رشتہ انہیں دیں گے، اور جب سب ان امور پر متفق ہو گئے تو ایک صحیفہ قلم بند کیا گیا، پھر اس کی پابندی کا سب نے پختہ عہد کیا، اور اسے کعبہ شریف کے اندر آویزاں کر دیا، تا کہ ہر شخص سختی سے اس کی پابندی کرے۔

منصور بن عکرمہ، بدنصیب نے یہ ظالمانہ عہد نامہ لکھا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کی انگلیوں کو شل کر دیا، ان کی حرکت و قوت ختم ہو گئی، نہ وہ ان سے پھر زندگی بھر لکھ سکا اور نہ ہی دوسرے کام لے سکا۔

اس معاہدے کو مؤثر بنانے اور نافذ کرنے کے لئے، سرداروں نے، دکانداروں کو پابند کیا، کہ وہ محصورین سے قطعاً تجارت نہ کریں، تاجروں کے جو قافلے باہر سے مکہ آتے تھے ان پر بھی یہی پابندی تھی، اہل مکہ ان سے خود سب سامان خرید لیتے تھے۔

محصورین کا حال

اس مکمل بائیکاٹ کا دورانیہ، دو، چار ماہ نہیں، پورے تین سال کا تھا، جب کہ شعب ابی طالب میں کھانے پینے کا جو ذخیرہ تھا، وہ چند ماہ میں ختم ہو گیا، اب نہ تو کسی دکان سے کوئی چیز خریدی جا سکتی تھی اور نہ باہر سے کوئی رسد آ سکتی تھی، کیونکہ گھاٹی کے اردگرد ظالموں کا پہرہ تھا، تا کہ پوشیدہ طور پر بھی کوئی ان کی مدد کر سکے، اگر ایسا کرتا ہوا، کبھی کوئی پکڑا جاتا، تو اس کو سخت سزا بھگتنا پڑتی تھی، لیکن پھر بھی کچھ نیک دل

ایسے تھے، جنہیں، بنو ہاشم یا بنو مطلب کے لوگوں سے اپنی رشتہ داری یا تعلقات، یا احسانات کا خیال آ جاتا اور وہ کسی نہ کسی طرح ان مظلومین کی تھوڑی بہت امداد کر دیتے تھے۔

ہشام بن عمرو العامری نے (جو بعد میں مسلمان ہوئے) ایک مرتبہ سامان خوارک سے لدے ہوئے تین اونٹ، شعب ابی طالب میں رات کی تاریکی میں پہنچائے، قریش کو پتہ چلا، صبح سویرے کئی آدمی ان کے گھر جا دھمکے، انہیں برا بھلا کہا اور دھمکی دی کہ اگر آئندہ انہوں نے ایسا کیا تو انہیں سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا، ہشام نے معافی چاہی اور وعدہ کیا کہ آئندہ ایسا نہ ہوگا، لیکن ان سے رہا نہ گیا اور دوسری رات پھر انہوں نے دو اونٹ سامان پہنچا دیا، کفار کو پھر پتہ چل گیا، بس آگ ہی تو بھڑک اٹھی، گالی گلوچ، یہاں تک کہ انہیں قتل کرنے کے لئے تلواریں نیام سے باہر آگئیں، ابوسفیان نے کچھ تدبر سے کام لیا، اور مداخلت کی، تو ہشام کی جان بچی۔

ایک مرتبہ حکیم بن حزام، اپنے نوکر کے ساتھ، جس کے سر پر گندم کی ایک بوری تھی، شعب ابی طالب کی طرف جا رہا تھا، کہ ابوجہل نے دیکھ لیا اور بولا کہ قوم کے متفقہ فیصلہ کے خلاف تم یہ حرکت کر رہے ہو، میں تمہیں ہرگز ایسا نہ کرنے دوں گا، تمہیں میرے ساتھ، واپس مکہ چلنا ہوگا، وہاں تمہیں اس جرم کی سزا کا سامنا کرنا پڑے گا، ابھی یہ جھگڑا چل ہی رہا تھا، کہ ابوالبختری وہاں آ گیا، اس نے جھگڑے کی وجہ پوچھی تو ابوجہل نے کہا، کہ حکیم بن حزام، چھپ کر ان لوگوں کی مدد کر رہا ہے، جن سے قوم نے مکمل بائیکاٹ کا فیصلہ کر لیا ہے، ابوالبختری نے کہا، ایسا ہرگز نہیں، بلکہ حکیم تو اپنی پھوپھی خدیجہ کو یہ گندم دینے جا رہا ہے، جو انہی کی ہے اس کے پاس امانت ہے، لہٰذا تم اسے مت روکو، لیکن ابوجہل بحث کرنے لگا اور کسی بھی طرح ابوالبختری کی بات ماننے کے لئے تیار نہ ہوا، تلخ کلامی زیادہ ہوگئی، ابوالبختری کی نظر اونٹ کی ایک بڑی ہڈی پر پڑی، اس نے وہ اٹھا کر ابوجہل کے اس زور سے ماری کہ ابوجہل کے خون بہنے لگا، پھر ابوالبختری نے اسے زمین پر پٹخ کر خوب مرمت کی، لاتوں اور جوتوں سے مارا، چھاتی پر چڑھ کر اچھی طرح دھنائی کی اور حکیم بن حزام سے کہا، تم جاؤ اور اپنا یہ تحفہ، شعب ابی طالب والوں کو پہنچاؤ، میں دیکھتا ہوں، کون تمہیں روکتا ہے۔

یہ طویل محاصرہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے ساتھیوں کے لئے نہایت تکلیف دہ تھا، کئی کئی دن تک نہ کھانے کو کچھ ملتا تھا اور نہ ہی پینے کو، درختوں کے پتوں اور گھاس پر گزارہ ہوتا تھا، چھوٹے بچے، بلک بلک کر روتے تھے، یہاں تک کہ ان کی آوازیں شعب سے باہر سنی جاتی تھیں پھر بھی ظالموں کو ترس نہ آتا تھا، بلکہ وہ خیال کرتے تھے کہ ان لوگوں کو جتنی زیادہ تکلیف ہوگی اتنی ہی ہماری کامیابی کی منزل قریب ہوگی کہ بنو ہاشم و بنو مطلب مجبور ہو کر محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو ہمارے حوالے کر دیں گے۔

ان مصائب وآلام کے باد جود بھی، اللہ کے رسول ﷺ نے نہ تو کسی کمزوری کا اظہار کیا اور نہ ہی آپ کے ساتھیوں میں سے کسی نے بے صبری کا مظاہرہ کیا، آخر کار نبوت کے دسویں سال ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ اس معاہدہ کو، خود ہی اہل مکہ نے ختم کر دیا اور اللہ کے رسول ﷺ شعب ابی طالب سے باہر تشریف لے آئے، اس وقت آپ کی عمر شریف انچاس برس کی تھی۔

محاصرہ کا اختتام

اللہ کی حکمت پوری ہوئی، معاہدہ کی وہ دستاویز جو اہل مکہ نے لوگوں کی دسترس اور خرد برد سے بچانے کی غرض سے اللہ کے گھر میں محفوظ کی تھی وہ اسے اللہ کی قدرت واختیار سے نہ بچا سکے، اللہ تعالیٰ نے اس پر دیمک کو مسلط کر دیا، جس نے اس دستاویز کو چاٹ لیا، بس جہاں جہاں، اللہ کا مبارک لفظ لکھا تھا وہ اسی طرح محفوظ رہا، نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس انجام اور کرشمۂ قدرت سے بذریعہ وحی مطلع فرما دیا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہایت مسرت کا اظہار کرتے ہوئے چچا کو خوش خبری سنائی، جس پر انہیں بے حد حیرت ہوئی، کہ یہاں مکہ سے کئی میل دور، تین سال سے اس گھاٹی میں محصور شخص کو، اس دستاویز کی اندرونی حالت کے متعلق کیسے پتہ چلا جو غلاف میں لپٹی کعبہ کے اندر محفوظ ہے، جسے اس طویل عرصہ میں کسی نے کھول کر بھی نہیں دیکھا ہے، پس حضرت ابو طالب نے نہایت اظہار وحیرت واستعجاب کے ساتھ پوچھا، یا ابن اخی! یہ تمہارا خیال ہے، یا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے خبر دی گئی ہے، آپ نے فرمایا، مجھے میرے علیم وخبیر، رب نے ایسا ہی بتایا ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، چچا نے کہا، چمک دار تاروں کی قسم، تمہاری بات بالکل سچی ہے، کہ تم نے آج تک غلط بیانی نہیں کی ہے۔

ابو طالب خوش ہو کر اٹھے، اپنے ہمراہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کے چند معززین کو لیا، اور پورے یقین واعتماد کے ساتھ حرم شریف پہنچے جب کافروں نے ان کو دیکھا تو خوش ہو کر بولے، ایک دوسرے سے کہنے لگے، لو، انجام کار یہ لوگ ہار ہی گئے، یہ یقینا محمد بن عبداللہ (ﷺ) کی نصرت وحمایت سے دستبرداری کا اعلان کرنے اور ان کو ہمارے سپرد کرنے آئے ہیں۔

ابو طالب نے قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، ہمارے درمیان قطع تعلق پر تین سال کی طویل مدت گزر چکی ہے، ہم چاہتے ہیں کہ معاہدہ کا صحیفہ سامنے رکھ کر ہم کچھ گفتگو کریں، ممکن ہے کہ صلح کی کوئی صورت نکل آئے، قریش چونکہ خیام خیالی میں مبتلا تھے، لہٰذا انہوں نے ابو طالب کی تجویز کو بخوشی منظور کیا، اور صحیفہ، کعبہ سے لا کر، سب کے سامنے رکھ دیا، اب ابو طالب نے کہا، میں آج مسئلہ کا نہایت منصفانہ حل لے کر آیا ہوں، مجھے یقین ہے، کہ تم اسے بخوشی تسلیم کرو گے، اے قریش! سنو! مجھے میرے

بھتیجے نے بتایا ہے، کہ یہ دستاویز، جو تم نے نہایت حفاظت سے رکھی ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ نے اس پر، دیمک کو مسلط کر دیا، جس نے اس کی سب عبارت کو چاٹ لیا ہے، صرف وہ حصے محفوظ ہیں، جہاں، اللہ، لکھا ہوا ہے، اب تم اس کو کھول کر دیکھو، اگر یہ بات سچ ہے، تو ہم اپنے بھتیجے کو ہرگز، ہرگز تمہارے سپرد نہیں کریں گے، چاہے ہمیں اپنی جانیں دینا پڑیں، اور اگر یہ بات غلط نکلی تو ہم ابھی اسے تمہارے سپرد کر دیں گے، تم جو چاہو، اس کے ساتھ کرنا، چاہو تو اسے قتل کر دینا اور چاہو تو زندہ رکھنا، بہرحال ہمیں اس سے کوئی سروکار نہ ہوگا، یہ تجویز سن کو وہ مطمئن ہو گئے، اور بولے، "قَدْ رَضِينَا بِالَّذِيْ تَقُوْلُ" تم جو کہتے ہو، ہم اس پر راضی ہیں۔

اب کچھ نے خوش ہو کر اور کچھ نے کانپتے ہاتھوں سے، صحیفہ کھولا، تو دیکھ کر، سب آنکھیں حیرت زدہ رہ گئیں، کہ جو کچھ صادق و مصدوق ﷺ نے بتایا تھا وہ حرف بحرف صحیح نکلا، اب ابو جہل اور ابولہب جیسے بدباطن تو کہنے لگے، "هٰذَا سِحْرُ بْنِ اَخِيْكَ" اے ابو طالب! یہ تمہارے بھتیجے کا کھلا جادو ہے، لیکن بہرحال ان ظالموں کے گروہ میں کچھ دیانت دار بھی تھے، عقل مند بھی تھے، اور ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو مستقبل میں مشرف باسلام ہونے والے تھے، ان لوگوں کے نزدیک، اب ظلم و تعدی اور محاصرے کا کوئی جواز نہ رہا تھا، ان کی مخالفت کے باوجود بھی، محاصرہ جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا، اور سوشل بائیکاٹ کی تحریک میں مزید تیزی آ گئی، اس بددیانتی کے خلاف ابو طالب اور ان کے ساتھیوں نے بہت احتجاج کیا، لیکن ان کی ایک نہ سنی گئی، تو اب ان مظلوم لوگوں کے پاس سوا دعا کے اور کوئی چارہ نہ تھا، پس یہ لوگ، کعبہ کے پردوں سے لپٹ کر روئے، اور گڑگڑا کر دعا کرنے لگے، "اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلٰى مَنْ ظَلَمَنَا وَقَطَعَ رَحِمَنَا وَاسْتَحَلَّ مَا يُحْرِمُ عَلَيْهِ مِنَّا" اے اللہ! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا، اور ہماری قطع رحمی کی ہے، اور جو ان پر حرام تھا وہ انہوں نے حلال بنا لیا ہے، یا اللہ ایسے لوگوں کے خلاف ہماری مدد فرما، اس کے بعد، یہ لوگ واپس شعب میں آ گئے اور محصوروں اور محبوسوں کی زندگی بسر کرنے لگے۔

جو لوگ اب محاصرہ جاری نہ رکھنا چاہتے تھے، ان میں ہشام بن عمرو، پیش پیش تھے، انہوں نے محاصرہ کے خلاف خفیہ تحریک شروع کر دی، اور ابتداءً اس نے، زہیر، سہیل، عدی بن قیس اور زمعہ بن الاسود، کو اپنا ہمراز بنایا، یہ لوگ رات کو ایک جگہ جمع ہوئے اور متفقہ فیصلہ کیا کہ ہم اس ظالمانہ معاہدے کو ہر صورت میں ختم کرائیں گے، زہیر نے کہا، کہ اس کام کی ابتداء میں کروں گا، اور کل صبح حرم پہنچ کر میں، اس معاہدے کے خاتمہ کا اعلان کروں گا۔

صبح ہوئی تو رؤساء قریش حسب معمول، حرم میں اپنی اپنی مسندوں پر براجمان ہو گئے، کچھ دیر بعد

ہی، زہیر، بڑی شان بان سے حرم میں داخل ہوا، کہ لباس نہایت قیمتی اور فاخرانہ تھا، چال میں تمکنت تھی، لوگوں نے دیکھا تو بڑی حیرت ہوئی، زہیر، بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہو کر، لوگوں سے مخاطب ہوا، اور اپنی بلند آواز سے، انہیں اپنی طرف متوجہ کیا، اور بولا، اے لوگو! کس قدر قابل شرم ہے یہ بات کہ ہم سب تو لذیذ کھانے کھاتے ہیں، زرق برق لباس پہنتے ہیں، اور بنو ہاشم و بنو مطلب کے مرد وزن بھوکے مر رہے ہیں، ان کے بچے بلبلا رہے ہیں، نہ ان کے پاس کھانے کو کچھ ہے اور نہ تن ڈھکنے کے لئے کپڑا ہے ہم ان سے قیمت لے کر بھی کوئی چیز انہیں فروخت کرنے کو تیار نہیں، تین سال کی طویل مدت تو بیت چکی، آخر یہ ظلم و ستم مزید کب تک جاری رہے گا، پس میں نے فیصلہ کیا ہے، "وَاللّٰهِ لَا اَقْعُدُ حَتّٰى تُشَقَّ هٰذِهِ الصَّحِيْفَةُ الْقَاطِعَةُ الظَّالِمَةُ" بخدا! میں اس وقت تک چین سے نہ بیٹھوں گا، جب تک اس قطع رحمی کرنے والی ظالمانہ دستاویز کو پرزے پرزے نہ کر دیا جائے۔

اب کیا تھا، ایک طوفان برپا ہو گیا، ابو جہل، پاگلوں کی طرح چلا رہا تھا، "كَذَبْتَ وَاللّٰهِ لَا تُشَقُّ" زہیر! تم جھوٹ کہہ رہے ہو، بخدا یہ معاہدہ ہرگز نہ پھاڑا جائے گا، زمعہ بن اسود بولا، ابو جہل! تو ہی سب سے بڑا مکار ہے، ہم تو پہلے اس معاہدے سے راضی نہ تھے، ابوالبختری نے کہا، یہ صحیح ہے، جب یہ دستاویز لکھی جا رہی تھی ہم تو اس ہی وقت اس کو پسند نہ کرتے تھے، مطعم اور ان کے گروہ کے لوگوں نے بیک آواز اپنے ساتھیوں کی تائید کی اور کہا ہم، اللہ کی بارگاہ میں اس معاہدے سے براءت کا اظہار کرتے ہیں، حضرت ابو طالب حرم کے ایک گوشہ میں بیٹھے یہ سب تماشہ دیکھ رہے ہے اور رب کعبہ کا شکر ادا کر رہے تھے جس نے ان کی دعا کو شرف قبول بخشا، مطعم کو یہ شرف حاصل ہوا، کہ وہ آگے بڑھا، کعبہ سے صحیفہ اٹھا کر لایا اور اسے پرزے پرزے کر کے بکھیر دیا، ساتھ ہی ظلم و ستم کا یہ دور ختم ہوا، شعب ابی طالب کے محصورین کو آزادی میسر ہوئی، اب دوبارہ آقائے رحمت ﷺ اپنا کام کرنے لگے۔

بائیکاٹ کا ردعمل

قریش، بائیکاٹ کے عمل کو زیادہ سے زیادہ طول دینا چاہتے تھے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس طرح دعوت حق کے کام میں رکاوٹ پیدا ہوگی، دن بدن اسلام کا نور مدہم ہوتا جائے گا اور بالآخر خود بخود یہ شمع بجھ جائے گی، لیکن جس شمع کا محافظ خود، وہ رب ہو جس نے شمع روشن کی، اس کو کون بجھا سکتا ہے لہٰذا، بائیکاٹ کا ردعمل، کفار کی توقعات کے بالکل برعکس اسلام کی مزید اثر انگیزی اور ان کے متعلق لوگوں کے تجسس کی صورت میں ظاہر ہوا، بایں صورت کہ تین سال کے عرصہ میں، اطراف مکہ سے، حج یا تجارت کے لئے آنے والوں کو جب محاصرے اور بائیکاٹ کا پتہ چلتا، تو وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے کہ آخر محمد بن (ﷺ) کی تحریک میں کس بلا کی قوت اور اثر ہے، جس کے دبانے اور ختم کرنے کے لئے،

قریش کو، اپنے ہی اعزاء واقربا سے قطع تعلق کرنا پڑا، ان کا تجسس بڑھتا اور وہ اسلام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی مزید کوشش کرتے، اور وہ کسی نہ کسی طرح حالات معلوم کرنے میں کامیاب ہو جاتے، جب انہیں نئے دین کی تعلیمات اور خصوصیات کا پتہ چلا تو وہ اس سے بے حد متاثر ہوئے، مزید برآں جب انہیں ان مظالم کا علم ہوتا، جو اہل مکہ داعی اسلام ﷺ اور ان کے غلاموں پر ڈھا رہے تھے، تو ان کے دلوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان کے لئے ہمدردی، محبت اور نصرت کے جذبات بیدار ہوتے، اسی لئے دوران محاصرہ بہت سے لوگوں نے غیر اعلانیہ اسلام قبول کیا، اور جو لوگ مشرف با سلام نہ ہوئے وہ بھی مسلمانوں کی حمایت پر مجبور ہو گئے، یہی لوگ جب اپنے اپنے، قریوں اور دیہاتوں کو واپس لوٹتے تو اس نئے دین کا اپنے اپنے قبائل میں تعارف کراتے، اور اس دین کو قبول کرنے والوں پر جو ظلم وستم ہو رہے تھے اس کی داستانیں، بڑے دکھ درد کے ساتھ سناتے، اس طرح اسلام کی اشاعت وشہرت کا کام خود بخود پھیل رہا تھا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ محاصرے کے خاتمہ، اور قریش کی ناکامی کی اطلاع، جتنی زیادہ عام ہوتی گئی اتنی ہی کثرت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے۔

طفیل الدوسی کا مشرف با سلام ہونا

طفیل بن عمرو الدوسی، اپنے قبیلہ دوس کے ہر دل عزیز سردار تھے، عقل مند، معاملہ فہم اور منصف مزاج تھے، معروف شاعر تھے، عمرہ کرنے کے لئے مکہ آئے، تو قریش نے ان کو یرغمال بنالیا، وہ ہر وقت ان کے ساتھ ساتھ رہتے، ان کی تعریفوں کے پل باندھتے، بے حد خاطر و مدارت کرتے، مقصد یہ تھا کہ یہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے ملنے نہ پائیں، لیکن جب کسی کی ہدایت کا اللہ نے فیصلہ کر لیا ہو، اسے کون گمراہی پر قائم رکھ سکتا ہے طفیل کے مشرف با سلام ہونے کا فیصلہ قدرت کر چکی تھی، لہٰذا وہ قریش کی بے انتہا کوششوں کے باوجود، آقا ﷺ کے غلام بن کر رہے، طفیل نے خود اپنی داستان بیان کرتے ہوئے بتایا:

جب میں مکہ پہنچا، تو وہاں کے سرداروں نے مجھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف خوب بھڑکایا اور آپ سے متنفر کرنے کی ہر طرح کوشش کی، انہوں نے بڑے ناصحانہ انداز میں مجھے سمجھاتے ہوئے کہا، اے طفیل! تم ہمارے شہر میں آئے ہو، ہمارے یہاں ایک شخص ہے، جس نے ہمیں بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیا ہے، ہمارے اتحاد کو اس نے پارہ پارہ کر دیا ہے، ہمارے حالات کو اس نے پراگندہ کر دیا ہے، اس کی گفتگو میں جادو کا اثر ہے، اس نے بیٹے اور باپ کو، بھائی اور بھائی، خاوند اور بیوی کو جدا کر دیا ہے، ہمیں اندیشہ ہے کہ کہیں تم اور تمہاری قوم بھی اس مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائے، جس کا ہم شکار ہو چکے ہیں، اس لئے ہم گزارش کرتے ہیں کہ تم اس سے ہر گز گفتگو نہ کرنا، اور ہر گز اس کی کوئی بات نہ سننا،

طفیل کہتے ہیں کہ وہ لوگ متواتر مجھے یہی نصیحتیں کرتے رہے، یہاں تک کہ ان کی باتیں میرے دل و دماغ پر چھا گئیں، لہٰذا میں نے فیصلہ کرلیا، کہ نہ تو میں محمد (ﷺ) کے پاس بیٹھوں گا اور نہ ہی ان کی کوئی بات سنوں گا، میرا حال یہ ہوگیا تھا، کہ میں جب حرم میں داخل ہوتا، تو انگلیاں، کانوں میں ٹھوس لیتا تھا، کہ کہیں سے، ان کی آواز میرے کانوں میں نہ پڑ جائے، ایک روز میں نے دیکھا، کہ آپ کعبہ کے نزدیک نماز ادا کر رہے ہیں، نہ چاہتے ہوئے بھی، میں ان کے قریب جا کھڑا ہوا، ان کی موہنی صورت پر میری نظر جمی کی جمی رہ گئی، ان کی آواز میرے کانوں میں پڑی تو یوں محسوس ہوا، کہ میرے کانوں میں کسی نے رس گھول دیا ہو، پس میں نے اپنے دل میں کہا، میری ماں کے بچے مریں! بخدا میں ایک عقل مند آدمی ہوں، کلام کے حسن و قبح کو اچھی طرح پہچانتا ہوں، اب اس شخص کی بات سننے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا، اگر وہ اچھی بات کہیں گے تو میں ضرور قبول کرلوں گا اور کوئی غلط بات کہیں گے تو میں ہرگز تسلیم نہ کروں گا، طفیل کہتے ہیں کہ:

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز سے فارغ ہوکر، اپنے دولت کدہ کی طرف تشریف لے گئے، میں بھی آپ کے پیچھے ہولیا، یہاں تک کہ آپ گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے کہ میں بھی آپ کے قریب جا کھڑا ہوا، آپ نے میری طرف توجہ فرمائی تو میں عرض گزار ہوا، کہ آپ کی قوم نے مجھے آپ کے بارے میں یہ باتیں بتائی ہیں، وہ مجھے آپ سے ڈراتے رہے، یہاں تک کہ میں نے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھوس لیں تاکہ آپ کی آواز نہ سن سکوں، لیکن آج اچانک آپ کی آواز میرے کانوں میں پڑی، جو مجھے بہت پسند آئی، پس میں حاضر ہوں، مجھے اپنی دعوت اور اپنے دین کے متعلق کچھ بتایئے، تاکہ میں کچھ فیصلہ کرسکوں، طفیل کہتے ہیں، کہ نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے اسلام کی خوبیاں بتائیں، قرآن کریم کی آیات سنائیں، اور دعوت حق دی، قسم بخدا اس سے زیادہ اثر آفریں کلام میں نے کبھی نہ سنا تھا، اور نہ اس سے بہتر کوئی دین میں جانتا تھا، میرے دل نے اس دعوت کی عظمت اور صداقت کو قبول کرلیا، اور میں نے اس کے سامنے سر تسلیم خم کردیا، پس اسی وقت آقا ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کی، کلمہ شہادت پڑھا اور حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

حضرت طفیل کی وطن واپسی

ایمان قبول کرتے ہی، حضرت طفیل اپنے اہل خانہ اور قبیلہ کو، دعوت حق پہنچانے کے لئے مضطرب ہوگئے، لہٰذا انہوں نے آقا ﷺ سے وطن واپسی کی اجازت چاہی، تبلیغ اسلام کے عزم کا اظہار کرتے ہوئے، عرض کرنے لگے، کہ حضور! دعا کردیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے کوئی ایسی نشانی عطا فرما دے، جس سے میرا کام آسان ہوجائے، میری قوم میری بات مانے اور آپ کے پیغام کو قبول کرلے، آپ نے دعا

کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی، "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَہٗ آیَۃً" اے اللہ اسے کوئی نشانی عطا فرمادے، حضرت طفیل کہتے ہیں، میں مکہ سے اس حال میں واپس ہوا، کہ دولت ایمان، نعمت یقین سے مالا مال تھا، جب میں رات کے وقت اپنی بستی کے قریب پہنچا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کی برکت سے میری لاٹھی پر ایک نور چمکنے لگا، جس سے تاریکی میں بخوبی راستہ دیکھ رہا تھا، اس نور کو میرے قبیلہ کے لوگوں نے بھی دیکھا، صبح جب میرا بوڑھا باپ میرے پاس آیا، تو میں نے انہیں اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی، انہوں نے بلا تاخیر کہا کہ جو دین تم نے قبول کیا ہے، میں بھی اسے قبول کرتا ہوں، پھر میں نے اپنی بیوی کو دعوت حق دی، تو وہ بھی برضا و رغبت مسلمان ہوگئی، اپنے گھر والوں سے فارغ ہو کر میں نے اپنی قوم پر اسلام پیش کیا لیکن ان لوگوں نے سرد مہری کا مظاہرہ کیا، اور اپنے باطل عقائد چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

حضرت طفیل کہتے ہیں، کہ میں پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور میں نے اپنی قوم کی سرد مہری اور اسلام سے لاپرواہی کا شکوہ کیا تو آقائے رحمت ﷺ نے دعا کی، "اَللّٰھُمَّ اھْدِ دَوْسًا" اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے، نیز آپ نے فرمایا، "اِرْجِعْ اِلٰی قَوْمِکَ فَادْعُھُمْ وَارْفِقْ بِھِمْ" تم اپنی قوم کے پاس واپس جاؤ، انہیں دعوت اسلام دو، اور ان کے ساتھ نرمی سے پیش آؤ، پس میں عزم و ہمت کی قوت سے مالا مال واپس لوٹا، اور تبلیغ دین مزید محنت سے کرنے لگا، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا کو قبول فرمایا، اور میری قوم کے اکثر لوگ مسلمان ہوگئے، ہمیں اطلاع ملی کہ ہمارے آقا ﷺ، مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے، تو ہم آپ کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے، اس وقت ہمارے قافلہ میں قبیلہ دوس کے ستر یا اسی خاندان شریک تھے، اور یہ وقت تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فتح خیبر کے لئے تشریف لے گئے تھے، پس ہم بھی خیبر پہنچے، ہمیں دیکھ کر آقا ﷺ نے نہایت اظہار مسرت فرمایا، اور ہماری دلجوئی کے لئے ہمیں دیگر مجاہدین کی طرح مال غنیمت سے حصہ دیا۔

رکانہ پہلوان کا مشرف باسلام ہونا

رکانہ، قبیلہ قریش میں سب سے زیادہ طاقت ور، دلیر، اور کشتی کے فن کا ماہر تھا، بڑے بڑے پہلوان، اس کے مقابلہ سے کتراتے تھے، اسے اپنی قوت و طاقت پر ناز اور فخر تھا، ایک روز مکہ کی ایک کھائی میں یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مل گیا، آپ نے اسے دعوت حق دیتے ہوئے فرمایا، رکانہ! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے، کیا تم میری دعوت کو قبول نہ کروگے، اس نے جواب دیا، کہ مجھے آپ کی دعوت کے حق ہونے کا یقین ہوتا تو میں اسے ضرور قبول کرلیتا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، اگر میں تجھے پچھاڑ دوں، تو کیا تم تسلیم کرلوگے کہ میری دعوت سچی ہے، رکانہ کے لئے، اسلام کی حقانیت کا اس سے بڑا اور

کوئی ثبوت نہ ہوسکتا تھا، کیونکہ کسی سے کشتی میں ہار جانا اس کے نزدیک ناممکن تھا، وہ اکڑ کر بولا، یہ ناممکن ہے، اور اگر تم نے اس کو ممکن کر دکھایا، تو میں تمہاری غلامی اختیار کرلوں گا، یہ کہتے ہوئے، وہ غراتا، اکڑتا اٹھا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اس زور سے دبایا، کہ فوراً ہی، مکہ کا مشہور پہلوان، زمین پر چت پڑا تھا، رکانہ اٹھا، بولا، ایک بار پھر، نہایت پھرتی سے آپ نے اسے دوبارہ پٹخ دیا، لڑکھڑاتا اٹھا، اور بولا، پھر، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری مرتبہ، اسے زمین پر دے مارا، اب رکانہ، کچھ ہوش میں آیا، سوچ میں پڑ گیا، اور بولا، یا محمد! آج تک کوئی میری پشت زمین پر نہ لگا سکا، اور نہ ہی میں اس دن کا تصور کر سکتا تھا، آپ نے جس آسانی سے مجھ پر قابو پایا، یہ یقیناً عام طاقت والے انسان کے لئے ممکن نہیں، پس میں گواہی دیتا ہوں، آپ کا پیغام حق ہے، آپ کی دعوت سچی ہے اور میں گواہی دیتا ہوں ایک اللہ کی، صرف وہی عبادت کے لائق ہے، اور میں گواہی دیتا ہوں، کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

ضماد ازدی کا مشرف باسلام ہونا

اس نے بھی، محاصرے کے دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دعویٔ نبوت اور نیا دین پیش کرنے کی خبر سنی، نیز اسے بتایا گیا کہ وہ آسیب زدہ ہیں اس لئے ایسی باتیں کرتے ہیں، (العیاذ باللہ) ضماد آسیب زدہ لوگوں کے علاج کا ماہر تھا، لہٰذا یہ مکہ آیا، تو کافروں نے اسے بھی گھیر لیا، اور بتایا، کہ ہمارے یہاں ایک شخص پر آسیب یا جنوں کا اثر ہے، جو بہکی بہکی باتیں کرتا ہے، اسے غشی کے دورے پڑتے ہیں، وہ ایک نئے دین کی دعوت دیتا ہے، ہمارے بتوں کو گالیاں دیتا ہے، اس کی ان باتوں سے ہمارے شہر میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھی ہے، ایسے مریض کے لئے آپ کا دم، اکسیر ہے، اگر آپ اس سے ملیں اور اس پر دم کریں، تو ہم آپ کے بہت شکر گزار ہوں گے، ضماد کو بھی اپنے دم پر بڑا یقین اور ناز تھا، لہٰذا اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کر کے، ان کا علاج کرنے اور ان پر دم کرنے کا فیصلہ کیا۔

ایک روز، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحن حرم میں بیٹھے تھے، کہ ضماد، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے عرض کی، مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ پر آسیب کا اثر ہے، میں آسیب زدہ لوگوں کو دم کرتا ہوں تو وہ ٹھیک ہو جاتے ہیں، ذرا آپ مجھے اپنی کیفیت بتائیں تو میں آپ پر بھی دم کروں، جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی احمقانہ گفتگو کا جواب دینا تو مناسب نہ سمجھا بلکہ آپ نے فرمایا،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

ضماد، یہ کلمات مبارکہ سن کر بے خود ہو گیا، بولا، پھر ارشاد فرمایئے، آپ نے ان کلمات کو تین مرتبہ دہرایا، ضماد کہنے لگا، ''میں نے کاہنوں، جادوگروں کے اقوال سنے، شعراء کے اشعار سنے، لیکن میں نے ان کلمات جیسا کوئی کلام نہ سنا، ہاتھ آگے بڑھایئے، تاکہ میں آپ کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کروں، آقا ﷺ نے دست حق پرست بڑھایا، اور آسیب کا معالج، کفر کے آسیب سے ہمیشہ کے لئے نجات پاکر، اپنے آقا کا غلام اور شیدائی بن گیا، رضی اللہ عنہ۔

اسی زمانہ میں نجران، کے عیسائیوں کا ایک وفد مکہ، آکر مشرف باسلام ہوا، بہر حال شعب ابی طالب، کا محاصرہ اگر چہ اہل ایمان کے لئے ایک آزمائش کا دور تھا، جس میں وہ دعوت حق کا کام کچھ زیادہ تیزی سے نہ کر سکے، لیکن یہ خیال کرنا غلط ہوگا، کہ تین سال کا یہ عرصہ بالکل ہی ضائع ہو گیا، اور ان دنوں میں اشاعت اسلام کا کوئی کام نہ ہو سکا، بلکہ معلوم ایسا ہوتا تھا، کہ اللہ تعالیٰ نے اس دور کو اسلام کی شہرت اور تعارف کا دور بنا دیا، کہ جس جس نے بھی، شعب ابی طالب سے متعلق خبر سنی، اس کے دل میں اسلام اور مسلمانوں کی محبت پیدا ہوئی، اسلام سے متعلق معلومات کا جذبہ بیدار ہوا، نتیجتاً محاصرے کے خاتمہ کے بعد، جزائر عرب سے لوگوں کی آمد بڑھی اور مشرف باسلام ہو کر، اپنے علاقوں میں خدمت سرانجام دینے لگے۔

عام الحزن

نبوت کا دسواں سال، عام الحزن، یعنی غم واندوہ کا سال قرار پایا، شعب ابی طالب کی آزادی کو ابھی، ایک مہینہ بھی پورا نہ ہوا تھا، اور، آقا ﷺ نے اپنے مشن کو مزید تیز کر دینے کی حکمت عملی پر کام کا آغاز ہی کیا تھا، کہ قدرت نے آپ کو ایک نہیں بلکہ دو بڑے صدموں سے دوچار کیا، غمگسار چچا ابو طالب کی موت، اور اس کے ایک ہفتہ بعد ہی، عزیز ترین مشیرہ و رفیقہ حیات کی وفات، ان دونوں صدمات نے آپ کو خاصا متاثر کیا، لیکن چونکہ ہر حال میں آپ کے پیش نظر آپ کا مشن رہتا تھا، جس کی اہمیت کے باعث آپ کبھی یہ گوارا نہ کرتے تھے کہ دعوت حق میں کوئی رکاوٹ یا خلل واقع ہو، لہٰذا چچا اور ہماری ماں خدیجہ کی تدفین کے بعد آپ، حسب معمول اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔

حضرت ابو طالب کی موت

شعب ابی طالب کی سختیوں نے بوڑھے ابو طالب کو، بہر حال ذہنی و جسمانی دونوں اعتبار سے خاصا متاثر کیا اور جب وہ گھاٹی سے باہر آئے تو کافی ضعیف و کمزور ہو چکے تھے، لہٰذا چند ہی دن بعد بیمار ہو گئے، اور یہی بیماری ان کے لئے مرض الموت ثابت ہوئی، ان دنوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے،

اپنی مصروفیات کے باوجود، چچا کو پورا پورا وقت دیا اور ہر طرح ان کا خیال رکھا۔

جب قریش کو ابو طالب کی بیماری کا پتہ چلا، تو انہیں خیال ہوا، کہ ابو طالب کے بعد ہمارے اور محمد (ﷺ) کے درمیان رابطہ کا کوئی ذریعہ نہ رہے گا، جب کہ محمد (ﷺ) کا پیش کردہ نیا دین تیزی سے پھیل رہا ہے اور اب تو اطراف مکہ کے لوگ بھی مسلمان ہونے لگے ہیں، اگر یہی صورت حال رہی تو بہت جلد ہمارا خاتمہ ہو جائے گا، نہ ہمارا دین رہے گا اور نہ ہمارے بتوں کا نام ونشان ملے گا، لہٰذا ہمیں ابو طالب کے پاس چلنا چاہیے اور ان سے کہنا چاہیے، کہ وہ ہمارے اور اپنے بھتیجے کے درمیان، کچھ لو اور کچھ دو کی بنیاد پر صلح کرا دیں۔

پروگرام کے مطابق قریش کا ایک وفد، ابو طالب کے پاس پہنچا، اور عیادت کے بعد انہوں نے اپنی حاضری کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا، اے ابو طالب! ہمارے دل ودماغ میں آپ کی جو، قدر ومنزلت ہے، آپ اس سے بخوبی واقف ہیں، آپ کی علالت نے ہمیں متفکر کر رکھا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ کسی طرح ہمارے اور آپ کے بھتیجے کے درمیان جو اختلاف ہے وہ ختم ہو جائے، آپ انہیں بلائیں، وہ کچھ باتیں ہماری مانیں، اور ہم ان کی کچھ باتیں تسلیم کریں، اس طرح آپ کی موجودگی میں، ہمارے اور ان کے درمیان مصالحت ہو جائے گی تو جانبین کے لئے بہتر ہے، کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جو خطرات لاحق ہیں وہ ختم ہو جائیں گے، ہمارا شہر حسب سابق پرامن ہو جائے گا، اور ہم پرسکون زندگی بسر کر سکیں گے، اے ابو طالب! قوم پر آپ کا بڑا احسان ہوگا، کہ آپ جانبین کے اختلاف کو دور کرا دیں۔

حضرت ابو طالب نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بلایا، آپ تشریف لائے، تو اس طرح اپنی درخواست پیش کی، یا ابن اخی! آپ کی قوم کے کچھ سردار یہاں موجود ہیں، یہ چاہتے ہیں، کہ کچھ دو اور کچھ لو کے اصول پر آپ ان سے مصالحت کر لیں تا کہ آئندہ پرامن و پرسکون زندگی بسر کریں۔

معلم حکمت ﷺ نے بلا تردد فرمایا، اے چچا! میں بھی امن وامان کی زندگی کا خواہاں ہوں، آپ ان سے کہیں کہ یہ میری ایک بات مان لیں، تو یہ سارے عرب کے مالک بن جائیں گے اور سارا عجم ان کے زیر قدم ہوگا، "فَقُوْلُوْا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَ يَخْلَعُوْا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ" پس کہو، اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور چھوڑ دو معبودان باطلہ کو، یہ سنتے ہی ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں اور بھنا کر بولے، کیا تم چاہتے ہو، کہ ہم متعدد خداؤں کو چھوڑ کر، صرف ایک خدا کے ہو رہیں، یہ تو بڑی عجیب وغریب بات ہے، اور یہ لوگ اپنی اس آخری کوشش میں بھی ناکام ونامراد ہو کر واپس چلے گئے، ان کے چلے جانے کے بعد، ابو طالب نے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو، بجا اور درست قرار دیا، اس موقع پر آپ نے چچا کو اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی، اور قیامت کے دن ان کی

شفاعت کا یقین دلایا، ابو طالب نے جواب دیا، یا ابن اخی، اگر اس بات کا خوف نہ ہوتا، کہ میرے مرنے کے بعد، لوگ تم پر اور تمہارے بھائیوں پر طعنہ زنی کریں گے، اور قریش کہیں گے، کہ میں نے یہ کلمہ موت کے ڈر سے پڑھا ہے، تو میں ضرور پڑھ لیتا۔ "وَلَا اَقُوْلُهَا اِلَّا لِاَسُرَّکَ بِهَا" اور میں یہ کلمہ صرف تمہیں خوش کرنے کے لئے پڑھتا۔

جب موت کا وقت قریب آیا تو، تو حضرت عباس نے دیکھا، کہ ابو طالب ہونٹ ہلا رہے ہیں، وہ جو کہہ رہے تھے، حضرت عباس نے کان لگا کر سنا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا، کہ میرے بھائی نے وہی کلمہ پڑھا ہے، جس کے پڑھنے کا آپ نے انہیں حکم دیا تھا، لیکن آقا ﷺ نے فرمایا، "لَمْ اَسْمَعْ" میں نے نہیں سنا۔

بہر حال اس حال میں ابو طالب کا انتقال ہو گیا، جس کا آقائے رحمت ﷺ کو بے حد صدمہ ہوا۔

حضرت ابو طالب کا ایمان

عبد المطلب کے انتقال کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کا موقع حضرت ابو طالب کو میسر آیا، انہوں نے تادم آخریں، جس محنت و مشقت اور خلوص کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو نبھایا، اس کی نظیر ملنا مشکل ہے، آپ جب تک ابو طالب کے ہمراہ رہے انہوں نے کبھی بھتیجے کے بغیر نوالہ نہ توڑا، انہیں کبھی گوارا نہ ہوا کہ آپ لحہ بھر کے لئے بھی ان کی نظروں سے اوجھل ہوں، اعلان نبوت کے بعد قریش اور دیگر اہل مکہ نے آپ کے خلاف جو طوفان برپا کیا، اس میں ابو طالب ہر موقع پر بھتیجے کی حمایت و نصرت کرتے پائے گئے، انہوں نے قریش کی مخالفت اور دھمکیوں کا مقابلہ کیا، ان کی دشمنی مول لی، اور نازک سے نازک مرحلہ پر وہ ہمارے آقا ﷺ کی حمایت کرتے رہے، شعب ابی طالب کا سخت ترین مرحلہ آیا تو آپ نے اسے بھی جھیلا، آپ ہی کی وجہ سے اس نازک موقع پر بنو ہاشم اور بنو مطلب بھی شریک مصائب و آلام ہوئے، وہ اپنے مقالات اور خطبات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمالات اور خصائل حمیدہ کا ذکر کرتے اور آپ کی تعریف و توصیف کرتے رہے، غرضیکہ، اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، کہ ابو طالب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اسلام اور مسلمانوں کے حامی تھے، ہمنوا تھے، اور ان کے خلوص میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا تھا، حتیٰ کہ انہوں نے اپنی آخری وصیت میں قریش کو ہدایت کی کہ "محمد بن عبد اللہ (ﷺ) کے ساتھ بھلائی کرنا، کہ قبیلہ قریش میں وہ الامین اور اہل عرب میں الصادق کہلاتے ہیں، نیز وہ تمام خصائل حمیدہ کے جامع ہیں، بخدا میں دیکھ رہا ہوں کہ اطراف مکہ کے لوگ بڑی سرعت سے ان کے حلقہ بگوش ہو رہے ہیں، ان کی برکت سے وہ لوگ قریش کے سردار بنتے جا رہے ہیں اور قریش بہت پیچھے رہ گئے ہیں، اہل عرب ان سے قلبی محبت

کرنے لگے، اور انہیں اپنا قائد تسلیم کرتے ہیں، پس، اے گروہ قریش! اپنے باپ کے بیٹے کے حامی و ناصر بن جاؤ، بخدا، وہ شخص، کامیاب و کامران اور بلند اقبال ہوگا، جو اس کی راہ پر چلے گا اور اس دین کو قبول کرے گا"۔

حضرت ابو طالب کی ان تمام خدمات، ان کی حمایت و نصرت، اور پر اثر ہدایات کے باوجود، دکھ اس بات کا ہے، کہ ان کے اپنے مشرف باسلام ہونے، ایمان قبول کرنے اور کلمہ پڑھنے کا واضح ثبوت فراہم نہ ہوسکا، اس کے برعکس یہ معلوم ہوا، کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے نہایت ہی آرزومندانہ اور پر امید انداز میں اپنے مخلص چچا کو کلمہ پڑھنے کی دعوت دی اور اپنی شفاعت کا یقین دلایا، تو وہ چچا جو زندگی بھر اپنے بھتیجے کی ہر آرزو پوری کرتا رہا، یہ آرزو پوری کرنے سے قاصر نظر آتا ہے، محض اس کی بناء پر، کہ مرنے کے بعد لوگ اس کے متعلق کیا کہیں گے، جب کہ وہ خود دوسروں کو یہی وصیت کرتا ہے، کہ عزت و عظمت، ان کی اطاعت ہی سے وابستہ ہے، صرف ابو طالب کے بھائی، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس کی ایک گواہی ملتی ہے، کہ جب انہوں نے بھائی کے ہونٹ ہلتے دیکھے، تو کان لگا کر سنا، کہ ابو طالب کلمہ پڑھ رہے ہیں اور جب حضرت عباس نے یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کو بتائی تو آپ نے "لَمْ اَسْمَعْ" میں نے نہیں سنا، فرما کر، چچا کی گواہی کو مسترد کر دیا۔

بہر حال یہ مسلم ہے، کہ حضرت ابو طالب ہرگز مشرک نہ تھے، کہ کبھی انہوں نے بتوں کی پوجا نہ کی، رہا ان کے ایمان لانے اور مومن ہونے کا مسئلہ، تو اس سلسلہ میں علامہ سید محمود آلوسی علیہ الرحمہ کا فیصلہ بہترین، فیصلہ ہے، روح المعانی میں وہ لکھتے ہیں۔

"کہ حضرت ابو طالب کے ایمان لانے کا مسئلہ اختلافی ہے اور جو لوگ آپ کے مومن ہو جانے کے قائل نہیں انہیں بھی یہ مناسب نہیں کہ اپنی زبان پر کوئی غیر موزوں جملہ لائیں، کیونکہ اس سے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد کو اذیت ہوتی ہے اور کوئی بعید نہیں کہ اس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی رنج ہوتا ہو، پس ہر ذی فہم آدمی جانتا ہے، کہ ایسے نازک مقامات پر احتیاط سے کام لینا چاہیے، مختصر یہ ہے کہ حضرت ابو طالب کے ایمان لانے کا موضوع نہایت نازک ہے، ضروری نہیں کہ اس پر طویل گفتگو یا بحث و مباحثہ ہو ایسے مقامات پر خاموشی ہی میں نجات ہے، یہی ہدایت ہمیں اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے ملی اور ہم یہی گزارش قارئین سے بھی کرتے ہیں"۔

پہلی ماں کا وصال

آقائے رحمت ﷺ کو مشفق و مہربان اور نہایت ہی مخلص چچا حضرت ابو طالب کی موت سے جو صدمہ ہوا تھا وہ ابھی تازہ ہی تھا، کہ آپ کے قلب نازک کو ایک اور الم انگیز صدمہ برداشت کرنا پڑا،

نبوت کے دسویں سال، ہجرت سے تین سال پہلے، چچا کی موت کے صرف، تین دن یا پانچ دن، بعد، دس رمضان المبارک کو، امت کی پہلی ماں، آقا ﷺ، کی عزیز ترین رفیقہ حیات کا وصال ہو گیا، وہ جس نے اپنے آقا و مولیٰ کے لئے، اپنی پچیس سالہ ازدواجی زندگی کا ہر لمحہ وقف کر دیا تھا، جس نے اپنے آقا و مولیٰ کے سپرد، صرف اپنا جسم ہی نہ کیا تھا بلکہ اپنی دولت و ثروت کا خزانہ بھی ان کے سپرد کر دیا تھا، جو نازک ترین مراحل میں، اپنے تجربوں اور مفید مشوروں سے آپ کی دلنوازی کرتیں، آپ کے تفکرات کو دور کر دیتی تھیں، جب بھی کوئی مشکل وقت آیا، تو انہوں نے نہایت جرأت مندانہ طریقہ سے آپ کا تعاون کیا، ان کے وصال سے ہمارے آقا ﷺ کو جو دکھ پہنچا وہ بلا شبہ شدید ترین تھا، آپ کی وفا شعاری، جانثاری، دانش مندی اور فیاضی کا اعتراف صرف اہل اسلام کو نہیں، بلکہ اغیار نے بھی آپ کی ان خوبیوں کا اعتراف کیا، اللہ تعالیٰ، اس طیبہ طاہرہ کو ہماری طرف سے جزائے خیر دے، آمین۔

حضرت ابوطالب کے بعد

اگرچہ کفار مکہ، اعلان نبوت کے روز اول ہی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بر سر پیکار آزار رہا کرتے تھے اور آپ کو ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، لیکن ان کی یہ دشمنی، گالی گلوچ، یا آپ کو مجنون و دیوانہ، آسیب زدہ وغیرہ کہنے تک محدود تھی، گاہے بگاہے ایسا ہوا کہ ان بدبختوں نے، آقائے رحمت ﷺ کو جسمانی تکلیف پہنچائی، لیکن حضرت ابوطالب کے انتقال کے بعد، ان کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی کوئی حد نہ رہی، اب تو ان کا معمول بن گیا تھا، کہ وہ، کبھی تو آپ پر پتھر برساتے، تو کبھی خاک اڑاتے، کبھی آپ کی راہ میں کانٹے بچھا دیتے، تو کبھی آپ پر کوڑا کرکٹ وغیرہ پھینک دیتے تھے، جس سے کئی مرتبہ آپ کا نورانی جسم مبارک زخمی ہوا، لیکن آپ صبر و استقامت کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہے، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کا وعدہ الٰہی پورا ہوتا رہا، اور آپ ظالموں کے شر سے محفوظ رہے۔

ہشام بن عروہ بتاتے ہیں، کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "مَازَالَتْ قُرَيْش كَاعِيَّةً حَتّٰى مَاتَ اَبُوْطَالِبٍ" قریش ابوطالب کی موت تک کمزور و خوف زدہ رہے، یعنی ابوطالب کی وجہ سے قریش کے جور و جفا کی کچھ حد تھی، لیکن ان کے بعد، وہ بے خوف اور بے مہار ہو گئے اور ان کے ظلم و ستم کی کوئی انتہا نہ رہی۔

ابولہب، حکم بن ابوالعاص، عقبہ بن ابی معیط، عدی بن الحمراء اور ابن الاصداء العذری، جان عالم ﷺ کے پڑوسی تھے لیکن بڑے ہی بدنصیب، سیاہ دل اور فتنہ پرداز تھے، آقا ﷺ کو ستانے کا کوئی موقع نہ چھوڑتے تھے، آپ گھر میں نماز ادا کر رہے ہوتے تو بکری کی اوجھڑی، آپ کے مقدس سر پر

پھینک دیتے، ہانڈی پک رہی ہوتی تو اس میں گندگی ڈال دیتے، گھر کا کوڑا کرکٹ اکٹھا کرتے اور اسے آپ کے صحن میں پھینک دیتے، آقائے رحمت ﷺ، ان گندی چیزوں کو، لکڑی پر اٹھا کر باہر لاتے اور صرف اتنا فرماتے، "یَا بَنِیْ عَبْدِ مُنَافٍ اَیُّ جِوَارٍ ھٰذَا" اے عبد مناف کی اولاد! تم ہمسائیگی کا حق، ایسے ہی ادا کرتے ہو، پھر آپ گندگی کو ایک طرف پھینک دیتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ، حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے کچھ واقعات سے اندازہ لگایا کہ قریش کی مخالفت میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا ہے، ان کی بے مروتی اور سنگ دلی زیادہ ہو رہی ہے، تو ایک روز آپ نے بڑی حسرت کے ساتھ فرمایا "یَا عَمُّ مَا اَسْرَعَ مَا وَجَدْتُ فَقْدَکَ" اے چچا! کتنی جلد میں آپ کے چلے جانے کو محسوس کرنے لگا ہوں۔

سفر طائف، مکہ سے

ایک سو بیس میل کے فاصلہ پر، ایک دلکش، پر فضا اور پر کشش، پہاڑی سلسلہ میں یہ شہر آباد تھا، یہی واحد شہر تھا، جس کے اردگرد فصیل بنی ہوئی تھی، اس لئے اس کو طائف، چار دیواری والا شہر کہا جاتا تھا، یہ فصیل ایرانی معماروں کی بنائی ہوئی تھی، یہاں ایک بڑا قبیلہ، بنو ثقیف آباد تھا، یہ لوگ زراعت پیشہ تھے، انگور، سیب اور دیگر پھلوں کی کاشت کرتے تھے، یہاں کے پھل پورے عرب میں پسند کیے جاتے تھے، اسی لئے یہ شہر بہت مشہور تھا، پھلوں کی تجارت کے سبب یہاں کے لوگوں کی مالی حالت بھی بہت اچھی تھی، ان لوگوں میں حصول علم کا بھی بہت شوق تھا، یہاں سے اکثر نوجوان تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایران جایا کرتے تھے، کہ اس وقت، ایران، طب اور دیگر سائنسی علوم کا مرکز تھا، حارث بن کلاہ، اپنے دور کا مشہور طبیب تھا، عمرو بن امیہ، اپنے دور کا مشہور منجم تھا، ستاروں کی نقل و حرکت کا مشاہدہ کرنے کے لئے، اس نے باقاعدہ رصدگاہ بنائی ہوئی تھی، ان لوگوں کا تعلق طائف ہی سے تھا، غرضیکہ، طائف نہایت حسین وجمیل، سرسبز و شاداب اور خوشحال شہر تھا اور اب بھی یہ ایسا ہی ہے، اس لئے، یہ شاہی خاندان اور دولت مندوں، سیاحوں، کے عیش و عشرت اور عیاشی کا مرکز ہے۔

بہر حال، جب حضرت ابو طالب کی وفات کے بعد، اہل مکہ کے مظالم بے حد اور بے پناہ ہو گئے، تو آقا ﷺ نے مکہ سے باہر دعوت حق کی تبلیغ و اشاعت کا فیصلہ فرمایا، اور اس کے لئے، آپ نے طائف کو، اس کی خصوصیت نیز بنو ثقیف سے دور کی رشتہ داری کے باعث، منتخب فرمایا اور خادم خاص، زید بن حارثہ کے ہمراہ، آپ طائف تشریف لائے۔

اہل طائف کا ردعمل

طائف پہنچ کر آپ نے، دعوت حق دینے کے لئے رابطہ مہم کا آغاز فرمایا، آپ تمام قابل ذکر افراد

کے پاس تشریف لے گئے، سرداروں، رؤسا اور تاجروں سے ملاقات کی، گھر گھر پہنچ کر، آپ نے اپنا دامن رحمت پھیلایا اور لوگوں کو اس میں پناہ لینے کی دعوت دی، یہ سلسلہ دس دن یا ایک ماہ تک جاری رہا، لیکن یہاں کے لوگ، بدبختی اور بدنصیبی میں اہل مکہ سے کم ثابت نہ ہوئے، انہوں نے اپنے گھروں پر چھائے ہوئے سایہ رحمت کو نہ پہچانا، اس کی قدر نہ کی، کوئی ایسا خوش قسمت نہ نکلا، جو دامن رحمت میں پناہ گزین ہوتا، اور قبول اسلام کا شرف حاصل کرتا، آہ کیسے بدنصیب لوگ تھے، جنہوں نے آقائے نعمت ﷺ کے، پیغام رحمت پر غور تک نہ کیا، کاش کوئی آداب میزبانی کا لحاظ کرتے ہوئے آپ کی بات کو سن تو لیتا، کاش کوئی، آپ کی آمد کا مقصد پوچھ تو لیتا، لیکن کفر تو عقل پر، پردہ ڈال دیتا ہے، وہ کسی خوبی کو، کب اجاگر ہونے دیتا ہے۔

پھر آپ نے شہر کے تین سرداروں کی طرف توجہ فرمائی، جو سگے بھائی تھے، ان میں سے ایک کی شادی قریش میں ہوئی تھی، آپ نے انہیں، اسلام کی خوبیاں اور اس کے بنیادی اصول و احکام بتائے، اور انہیں قبول کرنے کی دعوت دی، لیکن ان کے دماغ تو پہلے ہی، غرور و تکبر سے بھرے ہوئے تھے، یہ تو پہلے ہی دولت کے نشہ میں مست تھے، انہیں تو پہلے ہی، عیش و عشرت اور عیاشی نے بے ہوش کر رکھا تھا، یہ کب کسی مصلح کی بات پر کان دھرنے والے یا اسے قبول کرنے والے تھے، اسی لئے انہوں نے سب سے زیادہ بیہودہ باتیں کیں، نہایت لاپرواہی سے جواب دیا، ''وَهُوَ يَمْرُطُ اَثْوَابَ الْكَعْبَةِ اِنْ كَانَ اللّٰهُ اَرْسَلَهَا'' اگر اللہ نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تو گویا اس نے، خود ہی غلاف کعبہ کو، پارہ پارہ کر دیا، دوسرا بولا، ''اَمَا وَجَدَ اللّٰهُ اَحَدًا يُرْسِلُهُ غَيْرَكَ'' کیا اللہ کو آپ کے سوا کوئی اور نہ ملا، جسے وہ رسول بنا کر بھیجتا۔

میرے آقا ﷺ کو ان بدنصیبوں کی سرد مہری اور ایسے بیہودہ ردعمل سے کتنی تکلیف ہوئی ہوگی، ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں، لیکن آپ نے نہایت صبر واستقامت کا مظاہرہ فرمایا، اور رخصت ہوتے وقت آپ نے صرف اتنا فرمایا، کہ، ''اِذَا فَعَلْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ فَاكْتُمُوْا عَلَيَّ'' تم نے جو کچھ کیا سو کیا، بس اب اسے کسی پر ظاہر نہ ہونے دینا، کیونکہ آپ یہ نہ چاہتے تھے، کہ آپ کے دورۂ طائف، اہل طائف کے منفی ردعمل کی اطلاع اہل مکہ تک پہنچے اور انہیں آپ کی دل آزاری کا مزید موقع میسر آئے، لیکن ان بدنصیبوں نے، میرے آقا ﷺ کی خواہش کے برعکس، آپ کی طائف آمد اور اپنے بیہودہ رویہ کی خوب تشہیر کی، اور مزید برآں معزز ترین مہمان سے کہنے لگے، ''يَا مُحَمَّدُ اُخْرُجْ مِنْ بَلَدِنَا'' اے محمد! (ﷺ) ہمارے شہر سے نکل جاؤ، کیونکہ ہمیں خطرہ ہے کہ اگر ہمارے نوجوانوں نے تمہاری باتیں سنیں تو وہ تمہارے ہمنوا بن جائیں گے، اور مکہ کی طرح ہمارے شہر میں بھی فتنہ و فساد اور بدامنی کے شعلے

بھڑک اٹھیں گے، علاوہ ازیں ان بدبختوں نے رحمت عالم ﷺ کے پیچھے اوباش اور بدمعاش لڑکوں کو لگا دیا، جو آپ پر آوازیں کستے، پھبتیاں اڑاتے، دشنام طرازی کرتے، اپنے بتوں کے نعرے لگاتے، جان عالم ﷺ کا تعاقب کر رہے تھے، طائف سے مکہ کے راستہ پر، دونوں جانب لوگوں کو بٹھا دیا گیا، جب آپ یہاں سے گزرے تو بدنصیبوں نے آپ پر پتھروں کی بوچھاڑ کر دی، اتنے پتھر برسائے کہ آپ اور زید بن حارثہ دونوں لہولہان ہو گئے آپ کی نعلین مبارکین خون سے بھر گئیں، آپ پر اتنا ضعف طاری ہو گیا تھا، کہ مکہ تک آپ کو کئی مرتبہ بیٹھنا اور ستانا پڑا، ایک جگہ آپ نے انگوروں کی بیل کے سایہ تلے، بیٹھ کر اپنے رب کے حضور ایک طویل دعا کی، جو سیرت کی کتابوں میں موجود ہے۔

یہ باغ جس میں اللہ کے رسول، ستانے کے لئے بیٹھے تھے، اتفاق سے مکہ کے ایک رئیس ربیعہ کا تھا، اس وقت یہاں اس کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ موجود تھے، انہوں نے وہ سب ظلم و ستم بچشم خود دیکھ لئے تھے، جو اہل طائف آپ پر ڈھا رہے تھے، جب انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حال میں اپنے باغ میں جلوہ افروز دیکھا، تو بر بنائے قرابت انہیں کچھ رحم آیا، انہوں نے اپنے غلام عداس سے کہا، جاؤ ایک انگور کا خوشہ لے جاؤ اور اس مسافر کو دے دو، عداس انگور لے کر، آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، جنہیں آپ نے قبول فرمایا، اور بسم اللہ، پڑھ کر تناول فرمانا شروع کر دیا، عداس نے آپ کو بغور دیکھا، اور بولا، کھانے سے پہلے، بسم اللہ پڑھنے کا رواج اس بستی میں تو نہیں، آپ عداس کی طرف متوجہ ہوئے اور پوچھا تم کس بستی کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے، عداس بولا، میں نینوئی سے تعلق رکھتا ہوں اور نصرانی ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، وہ نینوئی، جو مرد صالح، یونس بن متی کا شہر ہے، یہ سن کر عداس چونکا اور بولا، تم یونس بن متی کو کیسے جانتے ہو، آپ نے فرمایا، ”ذٰلِکَ أَخِیْ کَانَ نَبِیًّا وَّاَنَا نَبِیٌّ“ ”وہ میرے بھائی ہیں وہ نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں، عداس تو کانپ اٹھا، آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو چومنے لگا، عتبہ و شیبہ یہ منظر، دیکھ رہے تھے، انہوں نے عداس کو آواز دی، وہ واپس آیا تو ترشی سے پوچھا، یہ تجھے کیا ہوا، تو اس مسافر کے ہاتھ پاؤں کیوں چوم رہا تھا، عداس بولا، اے میرے مالکو: اس شخص سے بہتر مجھے، روئے زمین پر کوئی نظر نہیں آتا، کیونکہ اس نے مجھے ایک ایسی بات بتائی ہے، جو اللہ کے نبی کے سوا، کوئی بتا نہیں سکتا، وہ کہنے لگا، عداس! اس کے فریب میں مبتلا نہ ہو جانا، تیرا دین ان کے دین سے بہت بہتر ہے، عداس اگرچہ اس وقت تو مسلمان نہ ہوا، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اس کے دل میں گھر کر چکی تھی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا، ”ھَلْ اَتٰی عَلَیْکَ یَوْمٌ کَانَ اَشَدُّ عَلَیْکَ مِنْ یَوْمِ اُحُدٍ“ کیا آپ کے لئے، احد کے دن

سے بھی زیادہ کوئی دن تکلیف دہ تھا، آپ نے فرمایا، جس روز میں نے بنو ثقیف کے سرداروں، عبد یالیل، وغیرہ کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے میرے ساتھ جو بد سلوکی کی، وہ بڑا ہی تکلیف دہ دن تھا۔

آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، کہ طائف سے واپسی میں جب میں، "الثعالب" پہنچا، (یہ ایک چھوٹی سے پہاڑی ہے جو اہل نجد کا میقات ہے) تو حضرت جبرئیل نے میری خدمت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، اور کہا، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے وہ تمام باتیں سنیں اور وہ سب حال ملاحظہ فرمایا، جو آپ کو طائف میں پیش آیا، یہ پہاڑوں کا فرشتہ، میرے ساتھ، اللہ کے حکم سے حاضر ہوا ہے، آپ حکم دیں تو، دونوں پہاڑوں کو ملا دیا جائے تا کہ طائف کی بستی نیست و نابود ہی ہو جائے، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، "اَرْجُوْا اَنْ یُّخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ اَصْلَابِهِمْ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا یُشْرِکُ بِهٖ شَیْئًا" میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسی نسل جاری فرمائے گا، جو صرف اللہ ہی کی عبادت کریں گے، اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں گے، پس میں نہیں چاہتا کہ انہیں اتنی بڑی سزا ملے، کہ وہ نیست و نابود ہی ہو جائیں۔

جنوں کا مشرف باسلام ہونا

اللہ رحیم و کریم نے، اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، ہر تکلیف اور مصیبت پر نعم البدل ضرور عطا فرمایا، کہ آپ ہمیشہ مصائب و آلام پر صبر کرتے تھے، اور اللہ صبر کا میٹھا پھل ضرور عطا فرماتا ہے، پس طائف سے واپسی کے دوران، آپ نے وادی نخلہ میں رات بسر کی، نماز فجر میں، صاحب وحی ﷺ، قرآن کریم تلاوت فرما رہے تھے، کہ یہاں سے نصیبین کے جنوں کی ایک جماعت گزری، جسے آپ کی پر کشش آواز نے متاثر کیا، وہ رک گئے اور نہایت ہی انہماک کے ساتھ اللہ کا کلام، بزبان صاحب کلام ﷺ، سننے لگے، جس سے ان کے دلوں کی حالت ہی بدل گئی، وہ مشرف باسلام ہو گئے اور اپنی قوم کو دعوت اسلام پیش کرتے ہوئے، انہوں نے کہا، یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ یَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۱﴾ اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی دعوت کو قبول کر لو، اس پر ایمان لاؤ، وہ تمہارے گناہ بخش دے گا، اور تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے گا۔

تبلیغ اسلام کی راہ میں پے در پے، جو رکاوٹیں، ایک عرصہ سے پیش آ رہی تھیں، بالخصوص، سفر طائف کے دوران، آقائے رحمت ﷺ کو صدمہ پہنچا، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تسلی کے لئے، جنوں کو آپ کی غلامی میں دے دیا، جس سے آپ کو نہایت سکون ملا، اور تحریک کی کامیابی کے روشن امکانات نظر آنے لگے، اور آپ نے مزید ہمت و قوت کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنا شروع کر دیا۔

طائف کے بعد دعوت حق

ماہ شوال کے آخر میں، حضور علیہ الصلوٰۃ السلام، طائف سے واپس تشریف لائے، حج کا زمانہ قریب آچکا تھا، جزائر عرب اور دیگر دور دراز علاقوں سے قبائل کی آمد شروع ہو چکی تھی، مکہ کے گلی، کوچے اور بازار، پرہجوم اور پر رونق ہو رہے تھے، ادھر وادی نخلہ میں، جنوں کی ایک جماعت کے مشرف باسلام ہونے سے، آقائے رحمت ﷺ اور صحابہ کرام کی ہمت مزید بلند ہوئی، لہٰذا آپ نے اس سال موسم حج کے اجتماعات سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کا فیصلہ فرمایا، اپنے غلاموں کو گھر گھر جا کر دعوت حق پھیلانے کا پروگرام دیا، آپ بذات خود قبائل کے خیموں میں تشریف لے جاتے اور انہیں اسلام کے عقائد و احکام سے باخبر کرتے، قرآن کریم کی آیات انہیں سناتے، اس طرح آپ متعدد خیموں میں تشریف لے گئے، حتیٰ کہ یہ سلسلہ منیٰ اور عرفات میں بھی جاری رہا، اگرچہ اس محنت و مشقت کا بظاہر تو کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہ ہو سکا، لیکن اس کے دیرپا اثرات ضرور ہوئے، بایں صورت کہ ان قبائل نے، اپنے اپنے قریوں اور دیہاتوں میں پہنچ کر لوگوں کو اللہ کے رسول کی بعثت اور ان کی تعلیمات کے متعلق بتایا، قرآن کریم کے اثر آفریں کلام ہونے کا ذکر کیا، یہ ایک نیا موضوع بحث تھا، جسے سرسری طور پر سن کر چھوڑا نہ جاسکتا تھا، لہٰذا اس پر گھروں، بازاروں، شادی بیاہ کے اجتماعات میں گفتگو کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل پڑا، اور اس طرح، ان علاقوں میں اسلام کی آبیاری وہ ہاتھ کرنے لگے جو اب تک اس دین کے مالی نہیں بنے تھے، گویا کہا جاسکتا ہے، کہ اب اسلام کے دور عروج و ترقی کا آغاز ہو چکا تھا۔

چاند دو ٹکڑے ہوا

برق انگشت نبی چمکی تھی اس پر ایک بار   آج تک ہے سینۂ مہ میں نشان سوختہ

''انشقاق قمر'' چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بے شمار معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے، جس پر، عقل کے گھوڑے دوڑانے والوں کی عقل آج تک دنگ ہے اور وہ تا قیامت اسی طرح حیران و پریشان رہیں گے، کیونکہ معجزہ تو ہوتا ہی وہ ہے جو عقل میں نہ آئے، جس سے عقل حیران ہو جائے، عقل کے پرستار، اس کو سمجھنے سے عاجز اور قاصر رہیں، جب کہ یہ معجزہ اور ہر معجزہ اہل ایمان کے ایمان کی تقویت و تسکین کا باعث ہوتا ہے، کیونکہ اہل ایمان کی عقل، ایمان کے تابع ہوتی ہے، وہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، اس نے اپنے نبی کو صاحب قدرت و صاحب اختیار بنایا ہے، چاند ہی کیا، کائنات کا ذرہ ذرہ نبی کے اشارے کا منتظر اور تابع ہے، پس جان عالم ﷺ نے

چودہویں کے چاند کے دوٹکڑے کر دکھائے، جس کی تفصیل یہ ہے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں، کہ ایک مرتبہ مشرکین آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر، کہنے لگے، کہ اگر آپ سچے ہیں، تو آج چاند کے دوٹکڑے کر کے دکھائیں (کیونکہ مشرکین کا کام ہی صرف آقا ﷺ کو پریشان کرنا اور ایسی تدبیریں سوچنا تھا، جن سے انہیں آپ کی تکذیب کا ثبوت فراہم ہوسکے، لیکن ایسا نہ ہوسکا، اور نہ ہی ایسا ممکن تھا) انہوں نے چاند کے دوٹکڑے کرنے کا مطالبہ اس لئے کیا، کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جادوگر کہتے تھے، اور جادو کا اثر آسمان تک نہیں ہو پاتا، گویا اگر ان کا مطالبہ پورا نہ ہوتا، تو ان کے نزدیک آپ کا جادوگر ہونا ثابت ہو جاتا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "اِنْ فَعَلْتُ تُؤْمِنُوْنَ" اگر میں تمہارا مطالبہ پورا کر دکھاؤں، تو کیا تم ایمان لے آؤ گے، انہوں نے وعدہ کیا، حضور ﷺ نے انگلی کا اشارہ کیا اور چاند اللہ کی قدرت سے دوٹکڑے ہوگیا، میرے آقا ﷺ نے ایک ایک کافر کو نام بنام پکار کر کہا، کہ فلاں، فلاں، دیکھو چاند دوٹکڑے ہوگیا، لیکن، ان بدعہد، مکاروں نے ایمان لانے کی بجائے، نعرہ لگایا، "هٰذَا مِنْ سِحْرِ ابْنِ اَبِیْ کَبْشَۃَ" کہ یہ بھی ابوکبشہ (محمد ﷺ) کا ایک جادو ہے، (انہیں انکار کرنا ہی تھا، کیونکہ انہوں نے تصدیق نبوت کی نیت سے معجزہ طلب نہیں کیا تھا، بلکہ ان کے پیش نظر تو تکذیب ہی تھی، پس جب ان کی توقع کے برعکس ان کا مطالبہ پورا ہوگیا اور انہوں نے اپنی آنکھوں سے چاند کے دوٹکڑے دیکھ لئے، تو اسے بھی، جادو قرار دینے کے سوا، ان کے پاس کوئی چارہ نہ تھا) پھر وہ کہنے لگے، چند دن بعد باہر سے قافلے آنے والے ہیں، ہم ان لوگوں سے معلوم کریں گے، تو اس جادو کی حقیقت ظاہر ہو جائے گی، باہر سے قافلے پہنچے، کافر دوڑ، دوڑ کر پوچھنے لگے، کیا تم نے کسی رات چاند کو دوٹکڑے دیکھا، ہر ایک کا جواب اثبات میں تھا، ان کی گردنیں تو جھک گئیں، لیکن دل نہ جھکے، نہ ایمان لانے کے لئے انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا اور نہ ایمان لائے۔

یہ معجزہ، ہجرت سے پانچ سال پہلے رونما ہوا، اس سے متعلق احادیث کو جلیل القدر صحابہ نے بیان کیا ہے، ان میں سے کچھ کے نام یہ ہے، حضرات علی، انس، ابن مسعود، حذیفہ، جبیر ابن مطعم، ابن عمر، ابن عباس رضی اللہ عنہم، اس کی صداقت کی سب سے اہم دلیل قرآن کریم میں، اس کا بیان ہونا ہے، معجزۂ معراج کی طرح، چونکہ معجزۂ انشقاق قمر بھی نہایت محیر العقول معجزہ ہے، لہٰذا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کردیا، تاکہ اہل ایمان کے لئے اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہ نکل سکے، نیز ہمیشہ کے لئے یہ محفوظ ہو جائے اور اس کے خرد برد ہونے کا امکان ہی نہ رہے، فرمایا گیا۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا

سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (القمر)

"قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا، اور اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں، تو منہ پھیر لیتے ہیں، اور کہنے لگتے ہیں، یہ بڑا زبردست جادو ہے"۔

آیہ مبارکہ کی تشریح ضروری ہے تا کہ کوئی، ابہام باقی نہ رہے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ ایک روز، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خطبہ دے رہے تھے، کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا، تو آپ نے فرمایا" دنیا کی مقررہ مدت میں اب اتنا ہی وقت باقی ہے، جتنا اس دن کا سورج غروب ہونے میں باقی ہے، جیسا کہ حضرت سہل ابن اسود کی ایک روایت ہے، کہ میں نے نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا" آپ نے اپنی دو انگلیوں سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، میری بعثت اور قیامت اس طرح ملی ہوئی ہیں، آیت مبارکہ میں بھی یہی بتایا گیا، کہ قیامت آنے کا جو وقت اللہ نے مقرر فرمایا ہے، اب وہ قریب ہی ہے، زیادہ عرصہ گزر چکا، اب تھوڑا وقت باقی ہے، معاً، اللہ تعالیٰ نے" اِنْشَقَّ الْقَمَرُ" چاند کے دو ٹکڑے ہونے کا ذکر صیغۂ ماضی کے ساتھ فرمایا، کہ چاند دو ٹکڑے ہو چکا، تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تو قیامت آنے، اور یہ ساری کائنات ختم ہو جانے کی، یقینی خبر پر، حیرت واستعجاب کی کوئی وجہ باقی نہ رہی، کہ جس رب نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی درخواست پر چاند کے دو ٹکڑے کر دکھائے وہ یقیناً، اس پر بھی قادر ہے، کہ چاند، سورج، زمین و آسمان اور تمام مخلوق کو آناً فاناً ختم کر ڈالے، اور وہ ایسا ضرور کرے گا، یہ کائنات ایک دن ختم ہو گی، قیامت آئے گی، اور وہ قریب ہی ہے، لیکن کافر ایمان نہیں لائیں گے، جیسے وہ، شق قمر، پر ایمان نہ لائے، جب کہ اس معجزے کا مطالبہ انہوں نے ہی کیا تھا، اور اس کے وقوع پذیر ہونے پر، ہمارے محبوب ﷺ سے، انہوں نے ایمان لانے کا وعدہ بھی کیا تھا، لیکن وہ ایمان نہ لائے، چاند دو ٹکڑے ہوا، انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، دیکھنے والوں نے گواہی دی، لیکن پھر بھی ایمان نہ لائے، کیونکہ ان کی عادت ہی یہ ہے، کہ اللہ کی نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود انہیں نہیں مانتے، ان پر ایمان نہیں لاتے، بلکہ منہ پھیر لیتے ہیں، اور جادو قرار دے کر، اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کا ثبوت دیتے ہیں، کہ کفر، کافر کو، ضدی اور ہٹ دھرم ہی بناتا ہے، کافر کی آنکھوں پر اتنا موٹا حجاب ہوتا ہے، کہ حقائق، سامنے ہونے کے باوجود بھی، وہ انہیں دیکھ نہیں پاتا، بہر حال، واقعہ، شق قمر نص قطعی، اور احادیث صحیحہ متواترہ سے ثابت ہے، اور یہ جان عالم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے جس پر یقین کرنا اور ایمان لانا، ضروریات ایمان سے ہے، نیز یہ واقعہ اہل ایمان کے لئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کمال عظمت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے۔

جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے　　　نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی (ﷺ)

صاحب رجعت شمس و شق القمر نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

جان عالم ﷺ کا تبلیغ اسلام کے لئے اضطراب، کفار کے مسلسل انکار، ظلم وستم اور جور و جفا کے باوجود، اللہ کے رسول ﷺ کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی نہ تو مایوس ہوئے اور نہ ہی آپ کے کام میں سستی پیدا ہونے پائی، بلکہ ہر آنے والے دن آپ ایک نئے عزم اور نئے حوصلہ کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے، اور نہایت ہی صبر واستقلال کے ساتھ آگے بڑھتے رہے، موسم حج میں قبائل کے خیموں میں، پہنچ کر آپ انہیں بلا جھجک دعوت حق دیتے، نیز دور ونزدیک، کہیں بھی آپ کو کسی میلہ یا عرب کے اجتماع کی خبر ملتی، آپ پہنچ جاتے، انہیں ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیتے، قرآن کریم کی آیات سناتے، اور اسلام کی خوبیوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کرتے، اور ساتھ ہی، ابولہب وابوجہل اور دیگر اشقیاء آپ سے لوگوں کو متنفر کرنے کی کوششوں میں لگے رہتے۔

عامر بن مسلمہ الحنفی، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات ظاہری کے آخری ایام میں مشرف با سلام ہوئے، بتاتے ہیں، کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسلسل تین سال دیکھا کہ آپ، عکاظ، مجنہ، اور ذی المجاز کی منڈیوں میں تشریف لاتے، اور لوگوں کو قبول حق کی دعوت دیتے رہے لیکن کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا اور نہ ہی کبھی کوئی ہمت افزا جواب دیا، بلکہ لوگ ان کے ساتھ ترشی اور درشتی ہی سے پیش آتے رہے، پھر بھی آپ نہایت حلم وبردباری ہی کا مظاہرہ کرتے تھے، اور مزید عزم وہمت سے اپنے کام میں مصروف رہتے تھے۔

علامہ ابن کثیر نے موسیٰ بن عقیل کی ایک روایت نقل کی ہے، کہ اللہ کے رسول ﷺ، سالہا سال، حج کے موقع پر، دور دراز سے آئے ہوئے قبائل کے سامنے دعوت حق پیش فرماتے رہے، آپ فرماتے، ''میں تم میں سے کسی کو، کسی چیز پر ایمان لانے پر مجبور نہیں کرتا، جو دعوت میں دیتا ہوں، وہ جسے پسند آجائے وہ اسے قبول کرلے، اور جسے پسند نہ آئے میں اسے مجبور نہ کروں گا، کہ وہ ضرور میری دعوت پر ایمان لائے، میں تو یہ چاہتا ہوں، کہ مشرکین میرے قتل کے جو منصوبے بنارہے ہیں ان سے میرا دفاع کرو، یہاں تک کہ میں اپنے رب کا پیغام، اس کے بندوں تک پہنچادوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے بارے میں اور میرے ساتھیوں کے بارے میں جو چاہے، فیصلہ فرمادے''۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں، کہ دعوت کا یہ سلسلہ سالہا سال جاری رہا، ان ظاہری اور عارضی ناکامیوں کے باوجود، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں کوتاہی کے ذرا بھی روادار نہ تھے، بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا، کہ آپ کے عزم میں مزید پختگی آگئی ہے، نیز ادائے فرض کا احساس پہلے سے بھی زیادہ شدت اختیار کرگیا ہے، اور اپنے مالک حقیقی کا نام بلند کرنے کا شوق روز افزوں ہے۔

معراج النبی ﷺ

پانسو سال کی راہ ایسی ہے جیسے دو گام　　　آس ہم کو بھی لگی ہے تیری شنوائی کی

معراج، سیڑھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کی طرف بذریعہ سیڑھی، لے جایا گیا، لہٰذا اس پورے واقعہ کو، معراج، کہا جانے لگا، معراج، ہمارے آقا ﷺ کے ان خاص معجزات میں سے ایک معجزہ ہے، جو اللہ تعالیٰ نے صرف آپ کو عطا فرمائے، انبیاء میں سے کسی کو نہ دیئے گئے، اس واقعہ کے، سال، مہینے اور تاریخ سے متعلق، متعدد روایات ہیں، لیکن جمہور علماء کے نزدیک اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کو اس عظیم معجزے سے، ستائیس رجب پیر کی شب کو ہجرت سے تین سال پہلے نوازا۔

قرآن و حدیث سے ثابت ہے، کہ اللہ قادر مطلق نے، اپنے محبوب و مکرم بندے حضرت محمد ﷺ کو، ان کے ظاہری و مادی جسم کے ساتھ رات کے تھوڑے سے حصہ میں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور، زمین و آسمان، عرش و سدرۃ المنتہیٰ کا سفر کرایا، نیز، لامکان ولا زمان میں اپنے دیدار اور قرب خاص سے مشرف فرمایا، یہی عقیدہ و ایمان رہا ہے جملہ صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین، نیز، محدثین، فقہاء اور جمہور علماء کا، جن حضرات نے، کلی یا جزوی طور پر اس عقیدہ سے اختلاف کیا، وہ قصداً یا سہواً، غلط فہمی کا شکار ہوئے اور اپنے عقیدے کی تائید میں ثبت و مستحکم دلائل پیش کرنے سے قاصر رہے۔

آیئے اس عظیم و مخصوص معجزے، اور عجیب و غریب سفر کا مطالعہ، احادیث مبارکہ کی روشنی میں کر کے، اپنے ایمان کو جلا بخشیں، ہم ان احادیث کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، جو بخاری شریف، مسلم شریف اور دیگر کتب احادیث میں موجود ہیں، ان حدیثوں کے راویوں کے نام علماء نے یکجا کیے ہیں، جو یہ ہیں:

حضرت عمر فاروق، حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر، حضرت انس بن مالک، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابو سعید خدری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت شداد بن اوس، حضرت ابی بن کعب، حضرت ابو حبہ، حضرت عبدالرحمٰن بن قرظ، حضرت ابو لیلیٰ، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر انصاری، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت بریدہ اسلمی، حضرت ابو ایوب انصاری، حضرت ابو امامہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابو الحمراء، حضرت صہیب رومی، حضرت ام ہانی، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق، رضی اللہ عنہم۔ (تفسیر ابن کثیر)

بعض علماء نے درج ذیل صحابہ کے نام بھی ان راویوں میں شامل کیے ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ابو الدرداء، حضرت بلال بن سعد، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوسفیان، حضرت سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ ﷺ (رضی اللہ عنہم)

خلاصہ احادیث معراج

مخبر صادق، صاحب معراج، نبی معظم ﷺ فرماتے ہیں، ایک رات میں حطیم کعبہ میں سو رہا تھا، کہ جبرئیل علیہ السلام آئے، انہوں نے مجھے بیدار کیا اور حلقوم سے ناف تک، میرا سینہ چیرا، اور میرا دل نکال کر، اس کو ایک سونے کے طشت میں دھویا، تو وہ ایمان وحکمت سے لبریز ہو گیا، پھر میرے دل کو اس کی جگہ رکھ دیا، (یعنی آپ کو، قرب خاص اور دیدار الٰہی کے لئے خصوصی طور پر تیار کیا گیا) پھر مجھے بہشتی لباس پہنایا گیا، اور سواری کے لئے، میرے پاس ایک جانور لایا گیا، جو خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا تھا، وہ اپنا قدم منتہائے نظر پر رکھتا تھا (براق، نہایت ہی تیز رفتار، جو صرف، شب معراج، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری کے لئے پیدا کیا گیا تھا) میں اس پر سوار ہوا، جبرئیل مجھے لے کر چلے، میں تھوڑی ہی دیر میں، بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) پہنچا، جبرئیل نے میری سواری کی رسی اس سوراخ میں باندھی، جس میں مجھ سے پہلے انبیاء، اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا، جہاں تمام انبیاء ورسل علیہم السلام پہلے ہی سے، میرے منتظر تھے، میں نے وہاں دوگانہ ادا کیا (تحیۃ المسجد) اور تمام انبیاء کی امامت کی، پھر جبرئیل لے کر چلے (بعض روایات کے مطابق، آپ مسجد اقصیٰ سے آسمانوں کی طرف براق سے نہیں، بلکہ ایک نورانی سیڑھی سے تشریف لے گئے، جس کو عربی میں ''معراج'' کہا جاتا ہے، یقیناً یہ معراج، آج کل کی لفٹ سے بھی تیز ہوگی)۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہم مسجد اقصیٰ سے آسمان دنیا پر پہنچے، تو جبرئیل نے اس کا دروازہ کھلوانا چاہا، تو پوچھا گیا کون ہے، انہوں نے جواب دیا، جبرئیل، پھر آسمان کے فرشتے نے سوال کیا، تمہارے ساتھ کون ہے، انہوں نے کہا، محمد ﷺ، پوچھا گیا، کیا وہ بلائے گئے ہیں، جبرئیل نے جواب دیا، ہاں، فرشتے نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا، خوش آمدید، ان کا آنا بہت اچھا اور مبارک، اور جب میں داخل ہوا، تو یہاں، حضرت آدم علیہ السلام کو پایا، جبرئیل نے مجھے بتایا، یہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں، انہیں سلام کیجئے، پس میں نے سلام کیا انہوں نے جواب دیتے ہوئے کہا، اے صالح بیٹے اور صالح نبی، خوش آمدید، یہ سفر مبارک ہو۔

بخاری شریف میں، بروایت حضرت صعصعہ رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتوں آسمانوں سے گزرنے کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے، جس میں پہلے آسمان پر، حضرت آدم علیہ السلام

کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات جن انبیاء کرام سے ہوئی، ان کی ترتیب اس طرح مذکور ہے، دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، تیسرے آسمان پر، حضرت یوسف علیہ السلام، چوتھے آسمان پر، حضرت ادریس علیہ السلام، پانچویں آسمان پر، حضرت ہارون علیہ السلام، چھٹے آسمان پر، حضرت موسیٰ علیہ السلام، ساتویں آسمان پر، حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

آسمانوں پر، ان انبیاء کرام سے ملاقات کے بعد آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی، نیز دوزخ کا معائنہ کرایا گیا، جنت میں آپ نے، حضرت بلال اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما کی آوازیں بھی سماعت فرمائیں، (جو ان دونوں حضرات کے لئے بڑا اعزاز قرار پایا)۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں آسمانوں کا سفر طے کرنے بعد، سدرۃ المنتہیٰ پہنچا، تو اس درخت سدرہ کے پھل، مقام ہجر کے مٹکوں کی طرح تھے، اور اس کے پتے، ہاتھی کے کانوں کی طرح، حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ سدرۃ المنتہیٰ، عرش الٰہی کی جڑ میں ایک بیری کا درخت ہے، تمام عالم اور جملہ فرشتوں، نبیوں اور رسولوں کا علم، اس تک ختم ہو جاتا ہے، اس کے بعد ایسا غیب ہے، جسے، اللہ عالم الغیب والشہادہ کے سوا کوئی نہیں جانتا (گویا یہ اہل علم واہل مراتب کی حد انتہا ہے) یہاں پہنچ کر، جبرئیل علیہ السلام نے، صاحب معراج ﷺ کو بتایا، یہ سدرۃ المنتہیٰ ہے، بس اب آگے آپ ہی تشریف لے جائیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، جبرئیل سے کہا، آپ بھی آگے چلیں، تو انہوں نے جواب دیا، ''لَوْ دَنَوْتُ اَنْمِلَةً لَاحْتَرَقْتُ'' اگر میں یہاں سے انگلی برابر بھی آگے بڑھا، تو جل کر خاک ہو جاؤں گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، مسجد اقصیٰ میں، انبیاء کرام علیہم السلام کا امام بنا کر، آپ کی بشریت کی عظمت وفضیلت کا مظاہرہ کیا گیا، اور سدرۃ المنتہیٰ پر، ہمارے آقا ﷺ کے کمال نورانیت کا مظاہرہ ہوا، کہ نورانی مخلوق میں سے سب سے بلند مرتبہ رکھنے والے، حضرت جبرئیل علیہ السلام سدرہ المنتہیٰ پر رک گئے، جب کہ نور مجسم ﷺ اس مقام رفیع سے بھی آگے تشریف لے گئے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے، کہ پھر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، اللہ تعالیٰ کا وہ قرب خاص نصیب ہوا، جسے ''قاب قوسین'' سے تعبیر کیا جاتا ہے، یعنی محب ومحبوب کے درمیان، دو کمانوں جتنا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا، جو حد ادب کے لئے لازم تھا، پھر، محبوب ﷺ نے اپنے محب عزوجل کے جمال مبارک کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا، اس کمال قرب میں جو کچھ ہوا، اسے قرآن کریم نے اس طرح بیان فرمایا، ''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی'' بلانے والے نے جو چاہا اپنے عبد مقدس کو عطا فرما دیا، عام انسانوں کے پاس علم ایسا کمال کہاں، جس سے وہ جان سکیں کہ رب نے اپنے محبوب کو، کیا دیا، بلکہ ان میں تو اتنی قوت

برداشت بھی نہیں، کہ انہیں بتایا جاسکے کہ اس شب سینہ محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، کیسے عظیم علم کا گنجینہ بنا دیا گیا۔

سفر معراج سے واپسی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ جب میں واپس ہونے لگا، تو رب کریم نے مجھے، امت کے لئے بطور تحفہ پچاس نمازیں عطا فرمائیں، واپسی میں، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے میری ملاقات ہوئی، آپ نے فرمایا، اے محمد! تمہاری امت پچاس نمازوں کی پابندی نہ کر سکے گی، کہ میں نے تم سے پہلے لوگوں کا تجربہ کیا ہے اور بنی اسرائیل کے ساتھ سخت برتاؤ کر چکا ہوں، لیکن وہ احکام الٰہی کی پابندی نہ کر سکے، لہٰذا، آپ اپنے رب کے حضور واپس جایئے، اور اپنی امت کے لئے، تخفیف کی درخواست کیجئے، چنانچہ میں حاضر ہوا، اور مالک رحمٰن ورحیم نے دس نمازیں کم کر دیں، پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا، تو انہوں نے وہی کہا، جو پہلے کہا تھا، میں دوبارہ حاضر بارگاہ الٰہی ہوا، تو دس نمازیں مزید کم ہو گئیں، اس آمدورفت کا اعادہ کئی مرتبہ ہوا، یہاں تک کہ صرف پانچ نمازیں رہ گئیں، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے، مجھے ان میں بھی کمی کرانے کا مشورہ دیا، لیکن میں نے کہا، کہ میں کئی مرتبہ درخواست پیش کر چکا ہوں، اب مجھے شرم آتی ہے، پس میں راضی ہوں اور اپنے رب کے حکم کو تسلیم کرتا ہوں۔

نمازوں میں کمی صرف تعداد کے اعتبار سے ہوئی، جب کہ اللہ رب کریم نے، ان کا ثواب وہی رکھا، کہ پانچ نمازوں کا ثواب پچاس نمازوں کے برابر ہی دیا جاتا ہے، یہ صدقہ ہے، صاحب معراج ﷺ کا کہ ان کے رب نے، اپنے حکم میں تو کمی کی، لیکن اس کی عطا کم نہ ہوئی، کہ اس کے خزانوں میں کسی چیز کی کمی نہیں، وہ جسے چاہے، جتنا عطا فرمائے، کہ اس کی شان ہے، وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ -

اعلان معراج

سفر معراج کی صبح، اللہ کے حکم سے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عظیم اور انوکھے واقعہ کو بیان فرمایا، تو کافروں نے حسب معمول آپ کا تمسخر اور مذاق اڑانا شروع کیا، پہلے تو وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور خوب ہنستے رہے، لیکن کچھ سنجیدہ لوگوں نے، واقعہ کے متعلق سوالات شروع کر دیئے، انہوں نے کہا آپ نے اپنے سفر کی پہلی منزل، مسجد اقصیٰ بتائی ہے، ہم نے آسمان تو دیکھا نہیں، جو اس کا حال معلوم کریں، ہاں ہم میں وہ لوگ موجود ہیں جو بیت المقدس جاچکے اور مسجد اقصیٰ دیکھ چکے ہیں، پس آپ ہمیں مسجد اقصیٰ کا پورا حال بتائیں، اگر آپ نے ہمیں مطمئن کر دیا، تو ہم آپ کے اس دعوے کو صحیح

تسلیم کرلیں گے، پس میرے آقا ﷺ نے مسجد اقصیٰ کا ٹھیک ٹھیک پورا حال بیان فرمادیا، اور اس سے متعلق کافروں کے سوالات کے جواب بھی دیئے، جب آپ مسجد اقصیٰ کا حال بیان فرمارہے تھے، تو یوں معلوم ہو رہا تھا، جیسے مسجد، آپ کی نظروں کے سامنے ہے، اور حقیقت بھی یہی تھی، کہ اللہ نے اپنی قدرت سے مسجد کو آپ کے سامنے کردیا تھا، کافروں نے سب حال سنا، ان کی نظریں جھک گئیں، شرمندہ ہو گئے، لیکن پھر بھی انکار ہی کرتے رہے، ضدی تھے، ہٹ دھرم تھے، بدنصیب تھے۔

قافلوں کی خبر

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بتایا، کہ کافروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے ان تین قافلوں کے متعلق بھی سوال کیا، جو ان دنوں مکہ سے باہر، بیت المقدس کے راستہ میں تھے، پس آپ نے بتانا شروع کیا، کہ ایک قافلہ جو، بنی فلاں کا تھا (آپ نے اس کا نام بھی بتایا، جس کا یہ قافلہ تھا، لیکن راویہ کو یاد نہ رہا) مجھے مقام "روحا" پر ملا، اس وقت اس کی ایک اونٹنی گم ہو گئی تھی، وہ لوگ اس کی تلاش میں گئے ہوئے تھے، میں نے ان کے سامان میں مٹی کا ایک پیالہ رکھا دیکھا، جس میں پانی تھا، میں نے اسے پی لیا، آپ نے فرمایا، پھر میں دوسرے قافلہ سے مقام "ذی طویٰ" پر ملا، ان کے ایک اونٹ پر دو بوریاں لدی ہوئی تھیں، ایک سفید دھاری والی اور دوسری سیاہ دھاری والی تھی، جب میں اس قافلہ کے قریب سے گزرا، تو ان کا ایک اونٹ میری سواری سے ڈر کر بھاگا اور گر پڑا، اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی، آپ نے فرمایا، مجھے تیسرا قافلہ مقام "تنعیم" پر ملا، اس قافلہ کے آگے ایک بھورے رنگ کا اونٹ چل رہا ہے، اس پر ایک سیاہ فام حبشی سوار ہے، اور دو سیاہ بوریاں اس پر لدی ہوئی ہیں، اور وہ بالکل قریب آگیا ہے، پس "کدیٰ" کی پہاڑی سے سورج نکلتے ہی نظر آجائے گا، پس کفار نے ان واقعات کی تکذیب کی تیاری شروع کردی اور آخری بیان کردہ قافلہ کے انتظار میں، صبح ہوتے ہی، کدیٰ، پہاڑی پر آبیٹھے، کہ سورج کب نکلے اور انہیں، صاحب معراج ﷺ کی تکذیب کا ایک اور موقع ہاتھ آئے، اچانک کوئی چلایا، دیکھو، سورج نکل آیا، تو دوسری طرف سے آواز آئی، دیکھو، وہ قافلہ بھی نظر آگیا، اس سے آگے بھورے رنگ کا اونٹ ہے، جس پر دو سیاہ بوریاں ہیں، اور ایک سیاہ فام حبشی سوار ہے، اور جب، دوسرے، دو قافلہ مکہ پہنچے، تو کفار نے ان سے بھی ان کا حال دریافت کیا، انہیں بعینہٖ وہی باتیں بتائیں، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بتا چکے تھے۔

تصدیق صدیق

کافروں نے تو اپنے مطلوبہ ثبوت مل جانے کے باوجود بھی تکذیب ہی کی، لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے وہی طریقہ اختیار کیا، جو اہل ایمان کا ہونا چاہیے، انہوں نے وہی انداز اختیار

کیا، جو غلاموں کا انداز ہونا چاہیے، کہ اپنے آقا ﷺ کے ایک عظیم معجزے کی خبر کافروں سے سنی، دشمنوں سے سنی، وہ بھی تمسخر اور طعن کے انداز میں، پس انہوں نے اپنے محبوب ﷺ کے کمال کا اقرار کیا، اس کی تصدیق کی، اور وجہ تصدیق بیان کرتے ہوئے فرمایا، میں تو ان کی تصدیق اس سے بھی زیادہ بعید اور دشوار، امر میں کر چکا ہوں، کہ انہیں کے کہنے پر، میں نے ایک اللہ کی گواہی دی ہے، تو جب اس اللہ نے اپنی قدرت سے اپنے محبوب اور میرے آقا ﷺ کو ایسا عظیم کمال عطا فرمایا، تو میرے لئے اس کی تصدیق کیا مشکل اور دشوار ہے، جب حضرت ابوبکر اپنے معمول کے مطابق، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے سب سے زیادہ چہیتے رفیق و صحابی کو پورا سفر نامہ سنایا، ابوبکر سنتے اور خوش ہوتے رہے، جب آقا خاموش ہو گئے، تو ابوبکر بولے، یا رسول اللہ! مجھے خبر مل چکی تھی اور میں نے اسی وقت بلا تامل تصدیق کی، کہ آپ کا یہ عظیم معجزہ اور بلند مرتبہ، میرے لئے، کوئی حیرت و تعجب کی بات نہیں، پس، آقا ﷺ نے بے حد اظہار مسرت فرمایا، اور بطور انعام ''صدیق'' کے خطاب سے نوازا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، آپ کو اسی خطاب سے یاد فرماتے جو آپ کو بہت پسند تھا، اور امت میں بھی آپ اسی خطاب سے مشہور ہوئے، یہاں تک کہ آپ کے نام، ابوبکر کے ساتھ، صدیق، ضرور بولا اور لکھا جاتا ہے، رضی اللہ عنہ۔

ہماری معراج

صاحب معراج ﷺ کو، گوارا نہیں، کہ ان کے غلام معراج سے محروم رہیں، پس آپ نے تحفہ معراج کو، ہمارے لئے ذریعہ معراج بنا دیا، ارشاد ہوا ''اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِ'' نماز مومن کی معراج ہے، کیونکہ،

نماز معراج ہی کے موقع پر فرض ہوئی،

اللہ کے دربار میں حاضری، معراج شریف ہی کا ایک نقشہ ہے،

التحیات میں معراج شریف کے انوار و تجلیات پائے جاتے ہیں، بایں صورت کہ اللہ کے رسول ﷺ کو شب معراج، قرب خاص نصیب ہوا اور آپ نے اپنے رب کو، سر کی آنکھوں سے بلا حجاب دیکھا، جب کہ آپ کے سوا، اس ظاہری زندگی میں، جسمانی آنکھوں سے، کسی اور کے لئے، اللہ کا دیدار ممکن نہیں، لیکن محبوب کا دیدار در حقیقت محب ہی کا دیدار ہے، جس کا ذریعہ تشہد میں، ''اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ'' کا جملہ ہے، حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد قابل غور ہے، ''وَاحْضُرْ فِیْ قَلْبِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَ شَخْصَہُ الْکَرِیْمَ وَقُلْ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ'' دوران تشہد اپنے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کو حاضر کرو اور آپ کا تصور کرکے، "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہ" کہو، مومن جب بکمال خلوص و محبت کے ساتھ، تشہد میں یہ جملہ پڑھتا ہے، تو آقا ﷺ، اس پر نظر کرم فرماتے ہیں، نمازی کو آپ کا قرب خاص میسر ہوتا ہے، اور اگر کرم آقا ہو جائے تو غلام دیدار کا شرف پا لیتا ہے، اور یہی مومن کی معراج ہے، اللہ اہل ایمان کو نصیب فرمائے۔

بطریق ایلیا کی شہادت

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بادشاہوں اور سلاطین کو دعوت اسلام پہنچانے کے لئے، اپنے قاصدین کو ان کے پاس بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا، تو آپ نے قیصر روم کی طرف حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو، بادشاہ کے نام اپنا پیغام دے کر روانہ کیا، حضرت دحیہ بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ کا پیغام اس کو دیا، بادشاہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اس کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے، شام سے عرب کے تاجروں کو طلب کیا، اس وقت جو تاجر وہاں موجود تھے وہ دربار میں حاضر ہوئے، ان کے سربراہ ابوسفیان (قبل اسلام) تھے، ابوسفیان نے خود بتایا، کہ دوران گفتگو میری کوشش تھی کہ قیصر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متنفر کروں، لیکن مجھے خود ان میں کوئی خامی نظر نہیں آرہی تھی، اور کوئی جھوٹا الزام لگانے کی ہمت نہ کر، پا رہا تھا، اچانک مجھے واقعہ معراج یاد آیا، تو میں نے بادشاہ کو پورا واقعہ، اس یقین کے ساتھ، سنایا، کہ وہ یہ محیر العقول باتیں سن کر ضرور متنفر ہو جائے گا، پس جب میں نے یہ بتایا، کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) کا یہ بھی کہنا ہے، کہ وہ اس سفر کے دوران ایلیا (بیت المقدس) کی مسجد اقصیٰ میں بھی آئے، تو فوراً عیسائیوں کا ایک پادری، جو مسجد اقصیٰ کا بڑا پادری تھا، بول پڑا، اور کہنے لگا، جس رات وہ یہاں تشریف لائے، میں اس رات کو پہچانتا ہوں، اور ان کے یہاں آنے، اور ان کے نبی آخر الزماں ہونے کی تصدیق کرتا ہوں، بادشاہ نے حیرت سے پوچھا، یہ تم کیا کہہ رہے ہو اور کیسے جانتے ہو کہ وہ یہاں تشریف لائے۔

بطریق نے کہا، آپ کو معلوم ہے، کہ میں مسجد اقصیٰ کا پادری ہوں، میری ذمہ داریوں میں سے مسجد اقصیٰ کی دیکھ بھال اور حفاظت بھی ہے، پس میرا یہ معمول ہے، کہ رات کو سونے قبل، میں خود مسجد کے سب دروازے بند کرتا ہوں، ایک رات میں نے تمام دروازے بند کر دیئے، لیکن جب صدر دروازہ (جسے باب محمد کہا جاتا ہے) کسی بھی طرح بند نہ ہو سکا، حتیٰ کہ میں نے اپنی اور اپنے عملہ کی کوشش میں ناکام ہونے کے بعد، انجینئر کو بلایا، اس نے بھی ہر چند کوشش کی، لیکن وہ بھی کامیاب نہ ہو سکا، اور نہ ہی بظاہر وہ دروازے کی خرابی سمجھ سکا، بس اس نے یہ خیال ظاہر کیا، کہ شاید عمارت کا وزن چوکھٹ پر آ گیا ہے، اور ایسا ہے، تو یہ کام خاصا لمبا ہو گا، اس کے متعلق کوئی فیصلہ صبح ہی کو کرنا ہو گا، مجبوراً ہم نے

دروازہ کھلا ہی چھوڑ دیا، لیکن مجھے ساری رات بے چینی رہی، اور حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے میں نے کتاب مقدس کا مطالعہ کرنا شروع کیا، اور جب میں نے، علامات نبی آخرالزماں میں یہ لکھا پایا، کہ وہ نبی آخرالزماں، ایک شب آسمانوں کی سیر کے لئے تشریف لے جائیں گے اور دوران سفران کی پہلی منزل مسجد اقصیٰ ہوگی، یہاں جملہ انبیاء ان کا استقبال کریں گے اور ان کی اقتداء میں دوگانہ ادا کریں گے، تو مجھے بہت خوشی ہوئی، میں نے پوری رات عبادت میں گزاری، صبح حسب معمول، مسجد پہنچا، تو سب سے پہلے میں نے اس دروازے کو دیکھا، جواب معمول کے مطابق بند بھی ہوگیا، اور کھل بھی گیا، پھر میں نے، سیڑھی میں ایک سوراخ پایا، میں سمجھ گیا، کہ نبی آخرالزماں کی سواری باندھنے کے لئے یہ سوراخ کیا گیا ہے، پس میں یقین سے کہتا ہوں، مکہ کے باسی، قریشی ہاشمی نبی نے ہماری مسجد میں نماز پڑھی، اور جملہ انبیاء کرام کی امامت کی۔

غرضیکہ، معراج ایک حقیقت ہے، سفر ہے، جو نبی آخرالزماں ﷺ کو کرایا گیا، تاکہ، اللہ کے دربار میں ان کے قرب خاص کا ثبوت فراہم کیا جائے، نیز اہل ایمان و اہل کفر کو ایک کسوٹی عطا ہوئی، کہ جو اس عجیب و غریب واقعہ پر بلا تامل ایمان لائے، وہ محبوب قرار پائے، اور جنہوں نے اپنی ناقص عقلوں کے فیصلے کے مطابق، اس عظیم معجزے کا انکار کر دیا، وہ مردود و محروم ہوئے پس کمال ایمان کے لئے، ضروری ہے، کہ کمالات مصطفیٰ ﷺ اور احکام دین کو بلا تامل و تردد، قلب و دماغ کی گہرائیوں اور پورے اطمینان کے ساتھ قبول کیا جائے، جو باتیں عقل میں آجائیں ان پر شکر ادا کیا جائے اور جنہیں عقل تسلیم کرنے سے قاصر رہے، ان پر مزید یقین کیا جائے، اپنے علم کی کمی اور عقل کی کوتاہی کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمیں کمال ایمان نصیب فرمائے اور اس کی حفاظت فرمائے، آمین۔

مدنی زندگی

(عظمت اسلام کا چمکتا دمکتا دور)

مدینہ میں اسلام کا نور

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کا دین اسلام، اہل یثرب (مدینہ) کے لئے غیر متعارف نہ تھا، کیونکہ یہاں یہودیوں کی ایک بڑی آبادی موجود تھی، جب کہ وہ نبی آخر الزماں ﷺ کو تورات کے ذریعہ اچھی طرح جانتے تھے، وہ ان کے حسب و نسب، مولد، محاسن اور اخلاق حمیدہ سے بخوبی واقف تھے اور آپ کی آمد کے منتظر تھے، جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْؕ وَ اِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ (بقرہ)

"جن لوگوں کو ہم نے کتاب عطا فرمائی پہچانتے ہیں اس (حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو اپنے بیٹوں کی طرح، ان میں کا ایک گروہ حق چھپاتا ہے حالانکہ وہ جانتے ہیں"۔

یہودی آپ کی علامات اور فضائل و مناقب اپنی محافل میں اکثر بیان کرتے رہتے تھے، جسے دیگر اہل مدینہ بھی سنتے تھے اور یہودیوں ہی کی طرح وہ بھی نبی آخر الزماں کی آمد کا انتظار کرنے لگے تھے۔

اعلان نبوت کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کی خبر، دیگر جزائر عرب کی طرح، مدینہ بھی پہنچ چکی تھی، جو اہل مدینہ کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی، کیونکہ وہ اس خبر کے پہلے سے منتظر تھے، اب انہیں صرف اس مقدس ہستی سے شرف ملاقات کا انتظار تھا۔

چونکہ اللہ نے مدینہ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دائمی آرام گاہ کے لئے منتخب فرمالیا تھا، نیز اس سرزمین کو اسلام کے پہلے اور دائمی مرکز کے لئے چن لیا تھا، لہٰذا یہاں کا ماحول، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے قبل ہی، ایسا سازگار کر دیا گیا تھا، کہ آپ یہاں پہنچ کر بغیر کسی رکاوٹ کے، نہایت کم وقت میں، اسلام کا نور، چاردانگ عالم میں پھیلا سکیں۔

تاریخ گواہ ہے، کہ مدینہ پر انوار کی بارش جب برسی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد سے قبل ہی، صرف دو سال کی قلیل مدت میں اس بستی کا ہر گھر اسلام کے نور سے منور ہو چکا تھا، سوائے ان یہود کے جو آپ کو جاننے اور پہچاننے کے باوجود، محض بغض وعناد اور حسد کی بناء پر، دائمی تاریکی اور ذلت وخواری میں مبتلا رہے، اور بالآخر وہ وقت آ ہی گیا، جب آقا ﷺ نے، سرزمین مدینہ کو ہمیشہ کے لئے، اس ناہنجار قوم سے پاک کر دیا۔

اہل مدینہ میں تبلیغ کا آغاز

نبوت کا گیارہواں سال ہے، موسم حج قریب ہے، جزیرۂ عرب کے دور دراز علاقوں سے، زائرین کی آمد کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے، قبائل کے ناموں سے خیمے نصب ہو چکے ہیں، مبلغ ومعلم کامل ﷺ، نہایت محنت ومشقت کے ساتھ، اپنے فرائض نبوت کی ادائیگی میں مصروف ہیں، خیمہ در خیمہ تشریف لے جا رہے ہیں، ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دے رہے ہیں، اسلام کے محاسن اور خوبیوں کی تبلیغ فرما رہے ہیں، لیکن کسی سمت سے لبیک کی صدا سنائی دینا تو درکنار، کوئی صاحب وحی ﷺ کی فصیح وبلیغ، گفتگو پر کان دھرنے اور غور کرنے والا نظر نہیں آ رہا، بالآخر، اللہ رحیم وکریم کو، اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر رحم آ ہی گیا، پس آزمائش کا دور ختم ہوا، باب فتح ونصرت وا ہونے کا وقت قریب آیا، کہ آپ کا رخ انور اس خیمہ کی طرف ہوا، جس میں، عشق ومحبت سے پر دل والے، گویا آپ کے منتظر ہی تھے۔

بیعت عقبہ اولیٰ

مکہ سے دو میل کے فاصلہ پر، منیٰ ومکہ کے درمیان ایک اونچا ٹیلہ ہے، جسے، عقبہ کہا جاتا ہے، یہ خیمہ، اس عقبہ کے پاس ہی تھا، آپ اس خیمہ میں داخل ہوئے، تو چند لوگوں کو موجود پایا، آپ نے ان سے سوال کیا، "مَنْ اَنْتُمْ" تم لوگ کون ہو، انہوں نے کہا کہ ہمارا تعلق، قبیلہ خزرج سے ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا تم وہ لوگ ہو، جن کی یہود سے دوستی ہے، انہوں نے کہا، جی آپ نے فرمایا، تو کیا ہم بیٹھ کر، کچھ باتیں کریں، وہ بخوشی آپ کی گفتگو سننے کے لئے تیار ہو گئے۔

پس اللہ کے رسول ﷺ نے اسلام کے بنیادی احکام بتائے، قرآن کریم کی چند آیات سنائیں

اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ یہ لوگ آپس میں کہنے لگے، یقیناً یہ وہی نبی ہیں، جن کی آمد کی خبر، ہمیں یہودی دیتے رہتے ہیں، قبل اس کے کہ یہودی ان پر ایمان لائیں، ہمیں ان کی دعوت کو قبول کر لینا چاہیے تاکہ ہمیں یہودیوں پر سبقت حاصل رہے، پس انہوں نے نہایت اشتیاق کے ساتھ کلمہ پڑھا اور مشرف باسلام ہو گئے، ابن اسحاق اور دیگر اہل سیر نے ان کی تعداد چھ بتائی ہے، یہ وہ پہلی شمعیں ہیں، جن کے ذریعہ، سرزمین مدینہ پر اسلام کا نور پہنچا، اور ہر گھر نور اسلام سے روشن و منور ہو گیا، ان خوش نصیب حضرات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

(۱) ابوامامہ اسعد بن زرارہ، اپنے ساتھیوں میں سب سے پہلے انہوں نے ہی کلمہ پڑھا، ان کا تعلق بنی النجار سے تھا، (۲) عوف بن حارث (۳) رافع بن مالک (۴) عتبہ بن عامر (۵) عقبہ بن عامر (۶) جابر بن عبداللہ۔

جب یہ حضرات مدینہ واپس پہنچے، تو انہوں نے اپنے، اپنے اہل خانہ و خاندان کو نہایت مسرت و خوشی کے ساتھ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی ملاقات کا حال سنایا، آپ کی خوبیاں بیان کیں اور اپنے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی خبر دی، اس طرح جو لوگ آپ سے اور اسلام سے اب تک ناواقف تھے وہ بھی متعارف ہو گئے، اور آقائے رحمت ﷺ کا ذکر خیر، گھر گھر ہونے لگا، ان حضرات کی بیعت کو، "بیعت عقبۂ اولیٰ" کہا جاتا ہے۔

بیعت عقبۂ ثانیہ

ان حضرات کی مساعیٔ جلیلہ کا فوری نتیجہ یہ ظاہر ہوا، کہ ایک سال بعد ہی، نبوت کے بارہویں سال، حج کے موقع پر، بارہ افراد نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں شرف باریابی حاصل کیا اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے، حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، میں بیعت کرنے والوں میں شامل تھا، ہم نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی، "ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے، ہم چوری نہ کریں گے، ہم بدکاری نہیں کریں گے، ہم اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گے، اور کسی نیک کام میں آپ کی نافرمانی نہ کریں گے"، اس بیعت کے بعد ہمارے آقا ﷺ نے فرمایا، "اگر تم نے اس معاہدے کو پورا کیا تو تمہیں جنت ملے گی، اور اگر تم نے کسی شرط کو پورا نہ کیا تو تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد ہوگا، چاہے تو وہ عذاب دے اور چاہے تو بخش دے۔

پہلے مبلغ اسلام

بیعت عقبۂ ثانیہ میں جو لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے

گزارش کی کہ، ان کے لئے ایک مبلغ کا انتظام کر دیا جائے آپ نے اس اہم ذمہ داری کے لئے، اپنے غلاموں میں سے، حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا، اور انہیں ہدایت کی کہ وہ اہل مدینہ کو قرآن کریم کی تعلیم دیں، اور احکام دین سکھائیں، حضرت مصعب کے انتخاب کا سبب یہ تھا، کہ انہیں دیگر صحابہ کی نسبت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہنے کا سب سے زیادہ شرف حاصل تھے، لہٰذا وہ، سب سے زیادہ احکام اسلام سے واقف تھا، نیز اب تک نازل شدہ قرآن کے حافظ اور بہترین قاری تھے، ایک روایت کے مطابق حضرت مصعب کے ہمراہ، آپ نے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو بھی کیا، تا کہ وہ حضرت مصعب کا تعاون کریں۔

مدینہ پہنچ کر حضرت مصعب نے، اسعد بن زرارہ کے گھر قیام کیا، اہل مدینہ، حضرت مصعب کو، مصرف (استاد) کہا کرتے تھے، حضرت مصعب ہی نمازوں کی امامت کیا کرتے تھے، انہوں نے، مدینہ میں، نور اسلام پھیلانے اور گھر، گھر، دعوت حق پہنچانے کا باقاعدہ پروگرام بنایا اور اپنے کام میں مصروف ہو گئے چند دن بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت مصعب کو، مدینہ میں، نماز جمعہ قائم کرنے کا تحریری حکم صادر فرمایا، بروایت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ، اس وقت مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد، چالیس ہو چکی تھی، جس میں دن بدن اضافہ ہوتا رہا۔

حضرت مصعب کی تبلیغی سرگرمیاں

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، نہایت محنت و مشقت کے ساتھ اپنی تبلیغی ذمہ داری پوری کرنے میں مصروف رہے، وہ اپنے کام کے لئے نہ دن کا انتظار کرتے اور نہ ہی رات کا، بس جہاں موقع ملتا، پہنچ جاتے، لوگوں کو معلم کامل ﷺ کی تعلیمات سے باخبر کرتے، قرآن کریم سناتے اور دعوت حق دیتے تھے، ان کے طریقہ کار کی خصوصیت، حکمت، موعظۂ حسنہ اور بوقت ضرورت، بحث و مباحثہ بطریقہ احسن تھی، یعنی ارشاد باری تعالیٰ کے عین مطابق۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے، حضرت مصعب کی تبلیغی سرگرمیوں سے متعلق ایک واقعہ بیان فرمایا، وہ لکھتے ہیں، کہ ایک روز، اسعد بن زرارہ حضرت مصعب کو لے کر، بنی عبدالاشہل اور بنی ظفر کے علاقہ میں آئے، اسعد اور مصعب دونوں ایک باغیچہ میں ٹہل رہے تھے، یہاں ایک کنواں تھا، جس کا نام، بیر مرق، تھا، یہ دونوں حضرات اس کنویں کے پاس بیٹھ گئے، ارد گرد میں جو مسلمان تھے وہ بھی آ گئے اور دینی گفتگو میں مصروف ہو گئے، ان دنوں، سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر، بنی عبدالاشہل میں، اپنی، اپنی قوم کے سردار تھے، اور اب تک مشرک اور بت پرست تھے، جب انہیں پتہ چلا کہ اسعد اور مصعب دونوں، بنی ظفر کے باغیچہ میں ہیں، تو سعد نے اسید سے کہا، یہ دونوں ہمارے علاقہ میں، ہمارے

ضعیف العقیدہ لوگوں کو گمراہ کرنے آئے ہیں، تم جا کر، انہیں ڈانٹو اور کہو کہ آئندہ وہ اس طرف کا رخ نہ کریں، اسید اپنا نیزہ لے کر اٹھا، اور ان حضرات کے پاس پہنچ کر اس نے غصہ میں اپنا نیزہ زمین میں گاڑھا، اور بولا، تم دونوں یہاں ہمارے لوگوں کو گمراہ کرنے آئے ہو، اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو یہاں سے فورا چلے جاؤ، حضرت مصعب نے، اسید کو مسکراتے ہوئے غور سے دیکھا، اور کہا، بھائی! غصہ ہونے کی ضرورت نہیں، ہم ابھی چلے جاتے ہیں، لیکن اگر تم پسند کرو، تو تھوڑی دیر آرام سے بیٹھو، اگر تمہیں، ہماری کوئی بات پسند آئے، تو اسے قبول کر لینا، اور اگر ہماری کوئی بات تمہیں پسند نہ آئی، تو ہم خاموش ہو جائیں گے، اور چلے جائیں گے، اسید کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور بیٹھ گیا۔

حضرت مصعب نے گفتگو شروع کی، اسلام کے بنیادی عقائد اور ان کی خوبیاں بیان کیں اور قرآن کریم کی چند آیات سنائیں، جن کو سن کر اسید کے چہرے پر ایمان کا نور چمکنے لگا، وہ بولا، مصعب! تم نے بڑی اچھی باتیں بتائیں، اچھا یہ بتاؤ، کہ تمہارا دین قبول کرنے سے پہلے کیا کرنا پڑتا ہے، مصعب نے کہا، یہ کوئی مشکل کام نہیں، ایسا شخص غسل کرکے، پاک کپڑے پہنے، اور کلمہ شہادت پڑھ لے، پھر دو رکعت نماز نفل ادا کرے، اسید اٹھا، غسل کیا، پاک کپڑے پہنے اور کلمہ شہادت پڑھا، اور دو رکعت نماز ادا کی، پھر اسید نے کہا، کہ میں سعد بن معاذ کو چھوڑ کر آیا ہوں، وہ میرا انتظار کر رہے ہیں، میں جاتا ہوں اور انہیں بھی آپ کے پاس بھیجنے کی کوشش کرتا ہوں۔

حضرت اسید جب سعد کے قریب پہنچے، سعد نے اس کا بدلا ہوا چہرہ دیکھا تو سمجھ گئے، کہ شکار جال میں پھنس گیا، اسید، سعد کے پاس پہنچے تو سعد نے پوچھا، بتاؤ کیا کر کے آئے ہو، اس نے نہایت عقیدت مندانہ انداز میں کہا، مصعب نے مجھے جو باتیں بتائیں وہ بڑی پیاری اور قابل غور ہیں، میرا مشورہ ہے کہ تم بھی مصعب کے پاس جاؤ، ان کی باتیں سنو اور غور کرو، سعد، اسید کے بے حد اصرار پر، مصعب کے پاس پہنچے، گفتگو کا آغاز ہوا، مصعب نے تقریبا سعد سے وہی باتیں کیں جو، اسید سے کی تھیں، سعد نے بھی حلقہ بگوش ہونے کا طریقہ پوچھا، تو مصعب نے ان کو طریقہ بتایا، سعد اٹھے، غسل کیا، پاک صاف کپڑے پہنے، کلمہ پڑھا اور مشرف با سلام ہو گئے، واپس اسید کے پاس آئے تو انہوں نے، نورانی چہرہ دیکھتے ہی کہا، بھائی! اسلام مبارک ہو اور تم مجھے مبارکباد دو، کہ میں اسلام قبول کرنے میں تم سے سبقت لے گیا، دونوں خوش ہو کر گلے ملے اور اپنی قوم، بنو عبد الاشہل کی طرف چل دیئے، حضرت سعد بن معاذ نے قوم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، "یَا بَنِیْ عَبْدِ الْاَشْهَلِ! کَیْفَ تَعْلَمُوْنَ اَمْرِیْ فِیْکُمْ" "اے بنو عبد الاشہل! میرے متعلق تمہاری کیا رائے ہے، تو انہوں نے جواب دیا، "سَیِّدُنَا وَاَفْضَلُنَا رَأْیًا وَاَیْمَنُنَا نَقِیْبَةً" آپ ہمارے سردار ہیں، آپ کی رائے ہم سب سے افضل

ہے، نیز آپ کی ذات بڑی بابرکت ہے، سعد نے کہا، تو سنو، تمہارے مردوں اور تمہاری عورتوں سے میں اس وقت تک بات نہ کروں گا، جب تک تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہ لے آؤ، پس شام تک بنی عبدالاشہل کا ہر فرد مومن تھا۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اب، مدینہ کے سرداروں اور ان کے قبیلوں کا تعاون حاصل ہوگیا، جس سے ان کو خاصی سہولت میسر آئی، اب وہ مبلغین کی ایک جماعت کے ساتھ اپنا کام کرنے لگے، کام میں پہلے سے زیادہ تیزی تھی، عزم پہلے سے زیادہ بلند تھا، توقعات بھی پہلے سے بہت زیادہ تھیں، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چند ہی دن میں، کامیابی وکامرانی کی منزل مل گئی، کہ یہودیوں کے سوا، مدینہ کے ہر گھر میں اللہ کی عبادت ہونے لگی، تلاوت قرآن کی صدائیں گونجنے لگیں، اب سب کی مشترکہ ایک ہی تمنا تھی، ایک ہی آرزو تھی، کہ کسی طرح انہیں اپنے آقا ﷺ کی قدم بوسی کی سعادت نصیب ہو جائے، گلی، کوچوں اور مکانوں میں صرف آقائے رحمت ﷺ کے چرچے ہونے لگے۔

اب انہوں نے حضرت مصعب سے اپنے آقا ﷺ کے رہن سہن اور مکہ میں ان کے حالات کے متعلق معلومات حاصل کرنا شروع کیں، اور جب انہیں، پتہ چلا، کہ اہل مکہ، آقائے کائنات ﷺ کی کتنی بے قدری کر رہے ہیں، آپ کو اور آپ کے غلاموں کو کیسی کیسی اذیتیں پہنچاتے اور ستاتے ہیں، تو ایک ہیجان پیدا ہوگیا، مرد وعورت سب بے چین ہوگئے، رؤسا اور سرداروں کے درمیان مشورے ہونے لگے، سوچا، جانے لگا کہ کس طرح ہم اپنے آقا اور اپنے بھائیوں کو مزید تکلیفوں سے بچا سکتے اور کس طرح ان کی مدد کر سکتے ہیں، بالآخر طے پایا، کہ آئندہ حج کے موقعہ پر ایک وفد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کر کے گزارش کرے، کہ وہ بنفس نفیس اپنے غلاموں کے ساتھ مدینہ تشریف لے آئیں، یہاں انہیں کوئی گزند نہ پہنچے گا ہمارے گھر، مال ودولت اور سب کچھ ان کے لئے حاضر ہے، ہم صرف اللہ کی رضا کے لئے ان کی مدد کریں گے، ان کی خدمت کریں گے، ان کے مشن کو آگے بڑھائیں گے۔ (جزاہم اللہ)

بیعت عقبۂ ثالثہ

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے دس سال تو اسی طرح گزارے، کہ جب حج کا موسم آتا اور متعدد قبائل، حج ادا کرنے کی غرض سے مکہ آکر، اپنی رہائش کے لئے خیمے نصب کرتے، تو اللہ کے رسول ﷺ انہیں دعوت حق پہنچانے کے لئے خیمہ در خیمہ تشریف لے جاتے، لیکن آپ کی بے حد تگ ودو کے باوجود کوئی دعوت حق قبول کرنے پر آمادہ نہ ہوتا، پھر بھی آپ کبھی مایوس نہ ہوئے اور نہایت استقلال واستقامت کے ساتھ اپنی ذمہ داری پوری

کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ رحیم و کریم نے آپ پر کرم فرمایا اور ہم اہل یثرب کو اپنے نبی ﷺ کی حمایت و نصرت پر مائل کر دیا، ہم مشورے کے لئے جمع ہوئے، اور سوچنے لگے کہ آخر کب تک اللہ کے رسول ﷺ مکہ کے گلی کوچوں میں، کافروں کے جور و جفا کا مقابلہ کرتے رہیں گے اور وہ کب تک پہاڑوں میں لرزاں و ترساں اپنے غلاموں کو لئے گھومتے رہیں گے، اب ہمیں ہی کچھ کرنا ہوگا، پس فیصلہ کے مطابق، اس سال، ہمارے ستر آدمی روانہ ہوئے، ہم نے آقا ﷺ کی بارگاہ میں شرف باریابی حاصل کی۔

یہ نبوت کا تیرھواں سال تھا، کہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں، مدینہ منورہ سے، ستر افراد پر مشتمل غلاموں کا ایک قافلہ اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں پورے عزم کے ساتھ ایک نیا، پروگرام لے کر حاضر ہوا، اولاً حضرت مصعب نے، سرکار ﷺ کو، مدینہ میں دعوت حق کی اشاعت اور اس میں بڑی کامیابی کی خوش خبری سنائی اور بتایا، کہ وہاں دن بدن نہایت تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے، پورے، پورے قبیلے حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں، گویا اب یہ سرزمین، اسلام کا مرکز اور مضبوط قلعہ بن رہی ہے، میرے آقا ﷺ کو یہ حالات سن کر بے حد مسرت ہوئی، غالباً گزشتہ تیرہ برس میں، آج کا دن، آپ کی خوشی کا پہلا دن تھا، طے یہ پایا، کہ وادئ عقبہ ہی میں، ایام تشریق کی ایک شب دوبارہ نشست ہوگی، جس میں متعلقہ امور پر تفصیلی گفتگو کے بعد، مستقبل کا پروگرام طے کیا جائے گا۔

حضرت ابن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ ہمارے قافلے میں کچھ مشرک مدینہ بھی شامل تھے، ان میں، ایک عبد بن عمرو بن حرام بھی تھا، جو اپنے قبیلہ کا سردار تھا، وہ ہمارے شہر کے شرفاء میں شمار ہوتا تھا، ہم نے اس سے کہا کہ، ہم ہرگز نہیں چاہتے کہ تم کفر کی حالت میں مرو، اور قیامت کے دن دوزخ کا ایندھن بنو، ہم تمہیں دعوت دیتے ہیں، کہ ہماری جماعت میں شامل ہو جاؤ، اسلام قبول کر لو، عزت و نجات پاؤ گے، پس وہ مسلمان ہو گیا، اور رات کو اس نے بھی ہمارے ساتھ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضری دی۔

ہم لوگ، رات کے آخری حصہ میں، اپنے مشرک ساتھیوں سے چھپ کر آقا کے دربار میں حاضر ہوئے، سلسلۂ گفتگو کا آغاز ہوا، ہم میں سے کسی نے پوچھا، "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ عَلٰی مَا نُبَایِعُکَ" یارسول اللہ! ہم کس چیز پر آپ کی بیعت کریں، آپ نے فرمایا، تم ان باتوں پر میری، بیعت کرو:

(۱) تم، ہر حال میں میری بات سنو گے اور میری اطاعت و فرمانبرداری کرو گے۔

(۲) تم تنگ دستی اور فارغ البالی، دونوں حالتوں میں اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے۔

(۳) تم نیکی کا حکم کرو گے اور برے کاموں سے روکو گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کے لئے گفتگو کرو گے، اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کرو گے۔
(۵) جب میں یثرب آؤں گا، تو تم، میری مدد کرو گے، اور ہر اس چیز سے میرا دفاع کرو گے، جس سے تم اپنا اور اپنے گھر والوں کا دفاع کرتے ہو۔
(۶) اگر تم اس بیعت کے پابند رہو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔

جابر بن عبد اللہ، فرماتے ہیں ہم سب بیعت کے لئے، کھڑے ہو گئے، اسعد بن زرارہ نے، آقا ﷺ کا ہاتھ تھاما اور ہم لوگوں سے کہنے لگے، اے اہل یثرب! بیعت کرنے میں جلدی نہ کرو، اور میری بات سنو، ہمارا ایمان ہے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں، آج ہم نے انہیں اپنے ساتھ لے جانے کا فیصلہ کیا ہے، یہ ایک بڑی ذمہ داری ہے، سارے عرب ہمارے مخالف ہو جائیں گے، ہمارے خلاف ان کی تلواریں، برہنہ نظر آئیں گے، ہمارے سرداروں کو قتل کیا جائے گا، نہ جانے ہماری کتنی عورتیں بیوہ اور کتنے بچے یتیم ہو جائیں گے، اگر ان مصائب و آلام کے مقابلہ کی تم ہمت رکھتے ہو، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ہمراہ لے چلو اور اگر تم اپنی جانوں اور مال و دولت کی بربادی کی ہمت نہیں کر سکتے تو بہتر ہو گا، کہ آپ کو یہیں رہنے دو، آج تمہارا ان سے الگ ہو جانا ہی بہتر ہو گا، اور امید ہے کہ یہ عذر اللہ کی بارگاہ میں بھی قابل قبول ہو گا۔

حضرت اسعد کی اس گفتگو سے ہم سب کو بہت تکلیف پہنچی، ہمارے اندر ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا، لوگوں نے اسے برا بھلا کہنا شروع کیا، اسعد، نوجوان تھے، وہ بھی خاصے بپھرے، لیکن اس صورت حال کے باوجود ہم نے آقا ﷺ کے دست حق پرست پر غلامی کی بیعت کی، اور اسعد نے بھی بیعت کی، آقا ﷺ خوش تھے، حضرت جابر فرماتے ہیں، ''يَأْخُذُ عَلَيْنَا شَرْطَهُ وَيُعْطِينَا عَلَىٰ ذَٰلِكَ الْجَنَّةَ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ہم سے اپنی شرائط کے مطابق بیعت لے رہے، تھے اور ہمیں جنت عطا فرمارہے تھے، اس مقام پر، ذرا ٹھہریئے، غور کیجئے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کیا فرمارہے ہیں، انہوں نے عشق و محبت سے لبریز ایک جملہ فرمادیا، اسے بار، بار پڑھیے، اور خوب غور کیجئے، اس جملہ سے آپ کو عقیدہ بھی ملے گا اور عقیدت بھی ملے گی، درحقیقت یہ محبت و عقیدت کا نہ مرجھانے والا، گلدستہ ہے، جو غلام نے اپنے آقا کے حضور پیش کیا، اور ہمیں عقیدت و محبت کا لازوال درس دیا۔

غور فرمائیے، حضرت جابر نو مسلم ہیں، مدینہ میں رہائش پذیر ہیں، آقا کے کمالات و خصائل کے مشاہدے کا انہیں کتنا موقع میسر آیا ہے، ان کا علم بھی ابھی کتنا ہے، جو کچھ سیکھا وہ حضرت مصعب سے سیکھا ہے، وہ بھی احکام دین اور آیات قرآنیہ، عقیدت و محبت کے اسباق تو شاید ابھی، اکا دوکا ہی پڑھے ہوں گے، لیکن پوری امت کو درس عشق و محبت دے گئے، یہی تو وہ تزکیہ نفس ہے، جو معلم کامل ﷺ

کے فرائض نبوت میں سے ایک ہے، کہ کلمہ پڑھایا اور دلوں کو محبت و الفت کا خزینہ بنا دیا، یہی تو، وَ یُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ کی تفسیر ہے، کہ بغیر پڑھائے، سینوں کو علم و عرفان سے بھر دیا، صلی اللہ علیہ وسلم "آقا بیعت لے رہے تھے اور جنت تقسیم فرما رہے تھے" حضرت جابر کا عقیدہ یہ ہے، کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رب نے جنت کا مالک بنا دیا ہے، وہ اپنے جس غلام کو چاہتے ہیں، اپنی مرضی سے جنت کا مالک بنا دیتے ہیں، اسی لئے تو آپ نے جسے چاہا، دنیا ہی میں جنتی قرار دے دیا، اور کسی نے کبھی ان کی عطا و دین پر شک و شبہہ نہ کیا، حتیٰ کہ آپ نے جسے "عتیق" قرار دیا، اسے سب نے عتیق ہی جانا، مانا، اور کہا، حضرت جابر کے اس قول سے ہمیں یہ عقیدہ ملا، کہ،

اسی سرکار سے دین و دنیا ملتے ہیں سائل کو　　یہی دربار عالی کنز آمال و امانی ہے

مؤرخ ابن اسحاق لکھتے ہیں، کہ اس رات بیعت کرنے والوں کی تعداد تہتر تھی، جن میں دو خواتین بھی شامل تھیں، ایک کا نام، ام عمارہ نسیبہ بنت کعب تھا، اور دوسری اسماء بنت عمرو بن عدی، علامہ ابن کثیر نے ان تہتر خوش نصیبوں کے نام لکھے ہیں اور بتایا ہے، کہ ان میں گیارہ افراد، قبیلہ اوس اور باسٹھ خزرج کے تھے۔

علامہ حلبی علیہ الرحمہ نے، ام عمارہ نسیبہ کے متعلق لکھا، کہ یہ شیر دل خاتون اپنے، دونوں بچوں، حبیب اور عبداللہ کو لے کر اپنے شوہر کے ہمراہ جہاد میں شریک ہوتی تھیں، ایک مرتبہ ان کے بیٹے حبیب کو، مسیلمہ کذاب نے گرفتار کر لیا، اور ان پر بے پناہ ظلم ڈھایا، مسیلمہ، ان سے پوچھتا تھا، کیا تم، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رسول ہونے کی گواہی دیتے ہو، وہ فرماتے، ہاں میں گواہی دیتا ہوں، کہ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، وہ پھر سوال کرتا، کہ کیا تم مجھے بھی اللہ کا رسول تسلیم کرتے ہو، آپ فرماتے نہیں، ہرگز، ہرگز نہیں، تو کذاب ہے، جھوٹا ہے، مسیلمہ کذاب، ان سے بار، بار یہی سوال کرتا، اور ان کے ہر بار انکار پر، ان کا ایک عضو کاٹ دیتا، یہاں تک کہ اللہ کے اس سپاہی نے اپنے تمام اعضا کٹوا لئے اور بالآخر جام شہادت نوش فرمالیا:

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ جب عقبہ میں، ہم حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کا انتظار کر رہے تھے، اور آپ رونق افروز ہوئے تو آپ کے ہمراہ آپ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے، جو اب تک مسلمان نہ ہوئے تھے صرف اپنے بھتیجے کا ہمارے ساتھ معاملہ دیکھنے آئے تھے، علامہ برہان الدین علیہ الرحمہ نے یہ بھی لکھا، کہ اس وقت آپ کے ہمراہ حضرت ابوبکر اور حضرت علی بھی تھے، حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت ابوبکر کو، سڑک پر اور حضرت علی کو وادی کے دہانہ پر نگرانی کے لئے مقرر فرمایا، گفتگو کے آغاز پر ہی، حضرت عباس نے کہا، آپ لوگ بخوبی واقف ہیں، کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہمارے درمیان، اہمیت اور عزت حاصل ہے قریش کی شدید مخالفت کے باوجود بھی، ہم نے ہمیشہ ان کی حمایت و نصرت کی، لہٰذا وہ اپنی قوم میں معزز اور اپنے شہر میں محفوظ ہیں، ہمیں معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ انہیں اپنے ہمراہ لے جانا چاہتے ہیں، اور وہ مکہ چھوڑنے پر رضا مند ہیں، یہ آپ کا اور ان کا معاملہ ہے، جس میں ہم مداخلت مناسب نہیں سمجھتے، تاہم، یہ اطمینان ضرور چاہتے ہیں، کہ آپ لوگ کس حد تک، ان سے کیے ہوئے معاہدے کی پابندی کریں گے، اور کس حد تک ان کی حمایت و نصرت کریں گے، کہیں ایسا نہ ہو، کہ اچھے اور سازگار حالات میں تو، آپ ان کا ساتھ دیں، اور خدانخواستہ حالات ناسازگار ہوں، تو آپ انہیں تنہا چھوڑ کر، اپنے، اپنے، گھروں میں جا چھپیں۔

انصار نے جواب دیا، یا عباس! آپ نے جو کچھ کہا، ہم نے بغور سنا، یا رسول اللہ! آپ ہم سے اپنے اور اپنے رب کے متعلق جو شرائط منوانا چاہیں، منوا لیجئے، تا کہ حضرت عباس کو اطمینان ہو جائے، ہم حاضر ہیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، اللہ کے کلام سے، گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا، تم میں سے اپنے رب کے متعلق یہ شرط منوانا چاہتا ہوں، کہ تم صرف اسی کی عبادت کرو گے، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ گے، اور اپنے لئے، تم سے یہ شرط منوانا چاہتا ہوں، کہ ہر اس دشمن سے میرا دفاع کرو گے، جس سے تم، اپنی جان، اولاد اور عورتوں کا دفاع کرتے ہو، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، موقع پاتے ہی، عرض گزار ہوئے "یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ" فَاِذَا فَعَلْنَا فَمَالَنَا" اے اللہ کے حبیب! اگر ہم ان شرطوں کو پورا کریں تو ہمیں کیا ملے گا، قاسم جنت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ، تمہیں جنت ملے گی، "قَالُوْا اَرْبَحِ الْبَیْعَ وَلاَ نَقِیْلُ وَلاَ نَسْتَقِیْلُ" سب خوش ہو کر بولے، یہ سودا بڑا ہی نفع بخش ہے، نہ ہم خود اسے توڑیں گے، اور نہ ہی کسی کو توڑنے دیں گے۔

حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ آگے بڑھے، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دست مبارک تھام کر بولے، اس اللہ کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، ہم آپ کا ضرور دفاع کریں گے، ہر اس چیز سے جس سے ہم اپنا اور اپنی عزت و آبرو کا دفاع کرتے ہیں، یا رسول اللہ! کرم فرمایئے، بیعت لیجئے، بقسم ہم جنگوں اور ہتھیاروں کی اولاد ہیں، ہمیں یہ بہادری اپنے بزرگوں سے نسلاً بعد نسل ملی ہے، براء، ابھی گزارش کر رہے تھے، کہ ابوالہیثم بیچ میں بول اٹھے، میرے آقا! ایک گزارش میری بھی سماعت فرمایئے، ہمارے شہر میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد ہے، اور ان سے ہمارے مختلف نوعیت کے تعلقات ہیں، حبیبی! آپ سے معاہدہ کر کے، ہم یہودیوں سے تعلقات توڑ رہے ہیں، اب وہ یقیناً ہمارے دشمن ہو

جائیں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ، جب اللہ آپ کو غلبہ عطا فرمادے، تو آپ ہمیں تنہا چھوڑ دیں، یہ دردِ فراق ہم سے برداشت نہ ہوگا، آقائے رحمت ﷺ، اپنے غلام کی محبت بھری باتیں سن کر مسکرائے، اور فرمایا، نہیں، نہیں، ایسا ہرگز نہ ہوگا، میری پناہ تمہاری پناہ، میری حرمت تمہاری حرمت ہوگی، میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، جس کے ساتھ تم جنگ کرو گے، میں اس سے جنگ کروں گا، جس سے تم صلح کرو گے میری اس سے صلح ہوگی، اطمینان رکھو، اللہ اور اس کا رسول، ہرگز تمہیں تنہا نہ چھوڑے گا۔

بیعت کا عمل مکمل ہو جانے کے بعد، اللہ کے رسول ﷺ نے، ان میں سے بارہ نقیب مقرر فرمائے، نو، بنی خزرج اور تین اوس میں سے تھے، مؤرخین نے ان حضرات کے اسماء گرامی لکھے ہیں، کیونکہ اس بیعت کا معاملہ بڑا ہی نازک تھا، لہٰذا اہل خرد نے، انصار کو بار، بار، ان نتائج سے باخبر کیا، جو بیعت کے بعد ظاہر ہو سکتے تھے، تا کہ وہ کوئی قطعی فیصلہ کرنے سے قبل، اچھی طرح، ان نتائج پر غور کر لیں، اور جلدی میں کوئی ایسا جذباتی فیصلہ نہ کر بیٹھیں، جس کے بعد ان کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑے، لہٰذا، عباس بن عبادہ سے نہ رہا گیا، وہ بول ہی پڑے، اے گروہ خزرج! کیا تم نے اچھی طرح غور کر لیا ہے، کہ تم، اس عظیم شخصیت سے کیا معاہدہ کر رہے ہو، اور کس بات پر بیعت کر رہے ہو، سب بولے، ہاں، ہم اچھی طرح جانتے ہیں، ہم نے بہت غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا اور قدم اٹھایا ہے، عباس بن عبادہ نے کہا، پھر سوچ لو، اس بیعت کے نتیجہ میں، صرف یہودی ہی تمہارے دشمن نہ ہو جائیں گے، بلکہ نہ جانے، جزائر عرب کے کن کن قبائل کی دشمنی کا تمہیں سامنا کرنا ہوگا، اور کیا، کفار مکہ تمہارا پیچھا نہ کریں گے، وہ ضرور آگ بگولہ ہوں گے اور تم سے انتقام لینے کی کوشش کریں گے، انجام کار تمہیں بڑی، بڑی قربانیاں دینی ہوں گی، اپنے سرداروں کی قربانیاں، اپنے بھائیوں کی قربانیاں، اپنے اعزاء و اقرباء، اہل و عیال، اور مال و دولت کی قربانیاں، سوچو، کیا اتنی قربانیوں کی تم ہمت رکھتے ہو، اگر نہیں، تو بعد میں پچھتانے سے بہتر ابھی پیچھے ہٹ جانا ہے، سب بیک آواز بولے، اے عباس! بہت ہو گیا، اب خاموش ہو جاؤ، اور اچھی طرح سن لو، کہ ہم دنیا کے بدلے آخرت کا سودا کر چکے ہیں، اور مالک جنت ﷺ ہم سے جنت کا وعدہ فرما چکے، اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں جانتے، ہمارے لئے یہی، بس ہے، ہم اپنے آقا کے قدموں پر اپنا سب کچھ قربان کر دیں گے، لیکن انہیں تنہا نہ چھوڑیں گے، اور وہ وعدہ فرما چکے ہیں، کہ ہمیں کسی حال میں تنہا نہ چھوڑیں گے۔

بیعت کے موقع پر، غلاموں کے محبت بھرے، پر خلوص، اقوال، اہل سیر نے اپنی کتابوں کی زینت بنائے ہیں، ان میں سے چند ہم نقل کرتے ہیں، تا کہ ہماری کتاب بھی ایک حسین مرقع بن سکے، نیز ہمیں ایمان کی تازگی اور جلا میسر آئے۔

حضرت ابوالہیثم نے عرض کیا، یارسول اللہ! میں اس بات پر، حضور کی بیعت کرتا ہوں، جس پر بنی اسرائیل کے بارہ نقیبوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی تھی۔

عبداللہ بن رواحہ، عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں، جس پر بارہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں پر بیعت کی تھی۔

اسعد بن زرارہ نے گزارش کی، یا حبیب اللہ! میں اللہ عزوجل کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کی بیعت کرتا ہوں، اس بات پر کہ، اپنا وعدہ، پورا کروں گا، اور ہر حال میں آپ کی حمایت ونصرت کرتا رہوں گا۔

عمان بن حارثہ، اس طرح اظہار عقیدت کرتے ہیں، یانبی اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کی بیعت کرتا ہوں، اس بات پر کہ، اللہ عزوجل کے حکم کی تعمیل میں، اپنے اقرباء واحباب کی ذرا بھی پروانہ کروں گا۔

عبادہ بن الصامت نے اظہار محبت کرتے ہوئے کہا، اے میرے آقا! میں اس بات پر بیعت کرتا ہوں، کہ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروانہ کروں گا۔

سعد بن الربیع نے اس طرح اظہار خلوص کیا، یا حبیب اللہ! میں اللہ تعالیٰ کی بیعت کرتا ہوں اور آپ کی بیعت کرتا ہوں، اس بات پر کہ، میں اللہ اور اس کے رسول کے کسی حکم کی نافرمانی نہ کروں گا، نیز میں اللہ اور اس کے رسول سے کذب بیانی نہ کروں گا۔

ملاحظہ فرمایئے، آپ نے عشاق کے جملے، یہ خلوص اور یہ محبت، ان جانثاروں کو کہاں سے نصیب ہوا، کون سا دریائے عشق ومحبت تھا، جس میں انہوں نے غوطہ زنی کی، کون سا باغیچہ تھا، جہاں سے انہوں نے خوشہ چینی کی، کس نے انہیں یہ انداز خلوص ومحبت سکھایا، کس مربی نے ان کی تربیت کی تھی، کہاں سے انہیں الفت ومحبت کا خزانہ میسر آیا تھا، یہ صرف اسی باجمال نظر کا کمال تھا، جس نے اپنے سامنے آنے والے، ہر خوش نصیب کو کمال بخشا، اسی نظر کا یہ نور تھا، جس نے متلاشی نور کے ظاہر وباطن کو آنا فانا، روشن ومنور کر دیا، جس نے ضلالت وگمراہی کی راہ میں بھٹکنے والوں کی رہبری کی اور مینارۂ نور تک پہنچا دیا، یہ وہ بیعت ہے، جس پر اسلام اور مسلمانوں کے تاریک دور کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوا، اہل ایمان کو فتح وکامرانی کا مژدہ ملا، جس نے ہمیشہ کے لئے کفر کا زور توڑ دیا، کفار کو کمزور کر دیا، جس نے علم اسلام کو تاابد، ایسا بلند کر دیا، کہ تاقیامت اسے کوئی سرنگوں کرنے کی جرأت نہ کر پائے گا،

جس نے بیعت کی بہار حسن پر قربان رہا
ہیں لکیریں نقش تسخیر جمالی ہاتھ میں

لاکھوں رحمتیں ہوں، مہاجرین و انصار پر، جن کی تگ و دو، محنت و مشقت اور شب و روز کی کاوشوں اور قربانیوں سے، اسلام اور اہل اسلام کو ہمیشہ کے لئے، رفعت و بلندی، عزت و حشمت، فتح و نصرت، میسر آئی، اور بے شمار درود و سلام ہوں، اس ہادیٔ برحق، مرشد اعظم، معلم کامل، نبی آخر الزماں ﷺ پر، جس کے وسیلہ جلیلہ سے، بھٹکتے انسانوں کو مشعل ہدایت نصیب ہوئی، گمراہوں کو، ہدایت کی راہ ملی، بے سہاروں کو، سہارا نصیب ہوا، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

بیعت کے بعد

جب سب انصار بیعت کر چکے، تو ان کے ایمان کا دریا جوش میں آیا، اور کہنے لگے، یا رسول اللہ! اگر اجازت ہو، تو ہم، کل صبح، منیٰ میں اکٹھے ہونے والے مشرکین پر یکبارگی حملہ کر دیں، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، "لَنْ نُؤْمَرْ بِذٰلِکَ وَلٰکِنِ ارْجِعُوْا اِلٰی رِحَالِکُمْ" ہمیں ابھی اس امر کی اجازت نہیں، لہٰذا تم اپنی آرام گاہوں کی طرف جاؤ اور آرام کرو، چنانچہ ہم واپس آگئے اور خوب سوئے۔

پوری احتیاط کے باوجود، ہمارے تمام معاملات کی خبر، کفار مکہ کو ہو گئی، علی الصباح ہم نے دیکھا، کہ رؤساء مکہ کا ایک گروہ ہمارے خیموں کی طرف چلا آ رہا ہے، وہ ہمارے قریب آئے اور کہنے لگے، ہمیں اطلاع ملی ہے، کہ تم محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے ملاقات کے لئے آئے ہو، اور انہیں یہاں سے اپنے شہر لے جانے کا منصوبہ بنا رہے ہو، تا کہ پھر تم ہم سے جنگ کر سکو، جب کہ ہمیں تم سے جنگ کرنا گوارا نہیں، وہ لوگ جن سے باتیں کر رہے تھے، ہمارے ساتھ آئے ہوئے مشرکین تھے، انہوں نے قسمیں کھا کھا کر، ان کی تردید کی، اور کہا ہم تو صرف حج کرنے کی غرض سے آئے ہیں، نہ تو ہم نے کوئی منصوبہ بنایا ہے اور نہ ہی ہمیں اس سے کوئی دلچسپی ہے، لیکن ان لوگوں کو پوری طرح یقین نہ آیا، تو وہ مزید تحقیق کے لئے، عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے، وہ بھی ہمارے ساتھ آیا تھا، لیکن اپنے دیگر ساتھیوں کی طرح ہم نے اسے بھی تمام معاملات سے بے خبر رکھا تھا، نہ اس سے کوئی مشورہ کیا اور نہ ہی کسی اجلاس میں شریک کیا، کیونکہ یہ شخص بہت خطرناک تھا، اسے اپنے متعلق یہ غلط فہمی تھی، کہ تمام اہل یثرب اسے اپنا متفقہ سردار مانتے ہیں، اور وہ اس کے مشورے یا اس کی اجازت کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھا سکتے، جب کہ حقیقت یہ نہ تھی، بہرحال جب رؤساء مکہ، اس سے معلومات حاصل کرنے پہنچے، تو اس نے قطعاً لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، کہ یہ ممکن نہیں کہ میری قوم کے چند افراد میری اجازت یا کم از کم میرے مشورے کے بغیر اتنا بڑا فیصلہ کر لیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، اس سلسلہ میں تمہاری اطلاعات یکسر غلط اور بے بنیاد ہیں، اب یہ لوگ مطمئن ہو گئے۔

اسی دوران ایک واقعہ یہ پیش آ گیا، کہ اہل مکہ کو کسی نے خبر دے دی، کہ منیٰ سے چند آدمی بھاگ گئے ہیں، انہوں نے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا، یہ سعد بن عبادہ اور منذر بن عمرو تھے، دونوں ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نقیب تھے، منذر بن عمرو تو بچ کر نکل گئے، لیکن سعد بن عبادہ گرفتار ہو گئے، کافر انہیں رسیوں سے جکڑ کر، مکہ لے آئے، خوب زدوکوب کیا، سعد بتاتے ہیں کہ میں ظلم وستم سے تڑپ رہا تھا، کہ چند قریشی پہنچے، ان میں سے ایک بزرگ نہایت حسین تھے جس کا چہرہ منور و روشن نظر آ رہا تھا، مجھے امید کی جھلک نظر آئی، اور میں نے یقین کر لیا، کہ یہ بزرگ ضرور میری مدد کریں گے، لیکن وہ بندہ خدا میرے قریب آیا اور اس نے میرے منہ پر لاتعداد طمانچے بر سا کر میری امید کے پرخچے اڑا دیئے، انہی میں سے ایک شخص میرے قریب آ کر پوچھنے لگا، یہاں تمہارا کسی قریشی سے دوستی کا معاہدہ ہے، یا کوئی جاننے والا ہے، میں نے کہا، ہاں، جبیر بن مطعم کے کارندے، جب تجارت کے لئے ہمارے شہر پہنچتے ہیں، تو میں انہیں اپنی پناہ میں لے لیتا ہوں، نیز حارث بن امیہ سے میری دوستی ہے، اس شخص نے میرے ساتھ ہمدردی کی اور ان دونوں کو، جا کر میرا حال بتایا، پس وہ آئے اور مجھے ظالموں کے شکنجے سے نجات دلائی۔

یثرب واپسی

جان عالم ﷺ کی زیارت، ان کی بیعت اور فیض صحبت کے بعد جب یہ لوگ یثرب پہنچے، تو انہوں نے نہایت بے باکی سے دعوت حق کا کام شروع کیا، جس میں انہیں بہت کامیابی و کامرانی ہوئی، نوجوانوں کے گروہ در گروہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے، صرف چند بوڑھے، اپنے دین اور بت پرستی چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے، اسی دوران ایک عجیب و غریب واقعہ رونما ہوا، انہی بوڑھوں میں، جو کفر پر بڑی شدت سے اڑے ہوئے تھے، ایک عمرو بن جموح تھا، اس کا بیٹا معاذ بن عمرو، مسلمان تھا اور ان ستر خوش نصیبوں میں سے ایک تھا، جنہوں نے عقبہ ثالثہ کی بیعت میں شمولیت کا اعزاز حاصل کیا تھا، معاذ کے باپ نے، لکڑی کا ایک بت اپنے گھر میں رکھا ہوا تھا، جس کا نام "لات" تھا، بیٹے نے باپ کو بہت سمجھایا، بہت تبلیغ کی، لیکن بوڑھا، پوجا، پاٹ سے باز نہ آیا، بالآخر معاذ اور اس کے دوست معاذ بن جبل نے ایک منصوبہ بنایا۔

یہ دونوں رات کی تاریکی میں، لات، کو اٹھا کر، کسی گندی اور غلیظ جگہ پر پھینک آتے، صبح، جب بوڑھا، پوجا کے لئے جاتا، تو لات کو، جگہ پر نہ پا کر، خوب چیختا اور چلاتا، اور کہتا، "مَنْ غَدَا عَلٰی اِلٰہِنَا ہٰذِہِ اللَّیْلَۃَ" خانہ خراب ہو، آج رات کس نے ہمارے خدا پر زیادتی کی، پھر باہر جاتا اور کسی گھورے سے اپنے گندے، غلیظ خدا کو، اٹھا لاتا، نہلاتا اور پوجا پاٹ میں مصروف ہو جاتا، یہ دونوں نوجوان کئی دن

تک بوڑھے کے ساتھ مذاق کرتے اور لطف اندوز ہوتے رہے، ایک دن بوڑھے کو غصہ آیا، اس نے اپنی تلوار نیام سے نکالی اور اپنے خدا کے گلے میں ڈالی اور کہا، "میں یہ نہیں جانتا کہ تیرے ساتھ یہ بیہودگی کون کرتا ہے، میں یہ تلوار تجھے دیتا ہوں تا کہ تو خود اپنا دفاع کر سکے" رات ہوئی تو ان جوانوں نے اور زیادہ برا مذاق کیا، کہ بت کے گلے سے تلوار تو خود اتار لی، پھر ایک مرے ہوئے کتے کے ساتھ اسے باندھ کر، ایک گندے غلیظ کنوئیں میں پھینک آئے، بوڑھا اس یقین کے ساتھ، لات کی پوجا کے لئے آیا، کہ آج تو میرے خدا نے اپنے دشمن کو قتل ہی کر ڈالا ہوگا، مجھے بھی پتہ چل جائے گا، کہ وہ کون تھا، وہاں پہنچا، تو وہاں نہ کوئی لاش تھی اور نہ، لات وہاں تھا، اب تو بڈھا سٹ پٹا ہی گیا، تلاش کرتے کرتے، اس غلیظ کنوئیں کے دہانے پر پہنچا تو اپنے خدا کو پڑا پایا، جو اتنا گندا ہو گیا تھا، کہ اٹھانے کے قابل نہ رہا تھا، سخت بدبودار ہو گیا تھا، یہ عبرت ناک منظر دیکھ کر، بوڑھے کو ہوش آیا، ظاہری آنکھوں کے ساتھ دل کی آنکھیں بھی کھل گئیں، ساتھ ہی اللہ کے کرم کا باب بھی وا ہو گیا، بوڑھے نے کفر و شرک سے براءت کا اظہار کیا، کلمۂ شہادت پڑھا، اور مشرف با سلام ہو گیا، دونوں نوجوان بہت خوش ہوئے، اور اب ہمت کی کہ راز سے پردہ اٹھائیں، بوڑھے کو انہوں نے ساری کہانی سنائی، اب بوڑھا ان کا بے حد شکر گزار تھا، کہ انہوں نے اسے جہنم کی آگ سے نجات دلائی تھی، اس موقع پر عمرو بن جموح نے چند اشعار میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا، خلاصہ یہ ہے:

بخدا، اگر تو معبود ہوتا، تو تیری لاش کتے کے ساتھ، کنوئیں میں بندھی ہوئی نہ ملتی، اس ذلت آمیز حالت میں تیری ملاقات پر صد حیف! اب ہمیں معلوم ہوا، کہ ہم تیرے بارے میں، دھوکہ میں مبتلا تھے، پس سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جو بلند ہے، اور بڑے احسانات والا ہے، وہ عطا بھی کرتا ہے، رازق بھی ہے، اور تمام اہل دین کو جزا دینے والا ہے، اس کی ذات وہ ہے، جس نے مجھے کفر سے نجات دی، اس سے پہلے کہ میں اندھیری قبر میں دفن کر دیا جاتا۔

بہرحال، مکہ میں، اسلام کی اشاعت اور دعوت حق کی تبلیغ میں جو رکاوٹیں تھیں، جان عالم ﷺ کو جن مظالم اور اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، مدینہ میں وہ سب کچھ نہ تھا، اہل مدینہ نے نہایت آسانی سے دعوت حق کو قبول کیا، اور نہایت ہی جلد، ان کے دل آقا ﷺ کی محبت سے لبریز ہو گئے، اور نہایت اضطراب کے ساتھ وہ آپ کی مدینہ آمد اور آپ کی زیارت نیز خدمت کے دن کا انتظار کرنے لگے، وہ اس یوم عید کے منتظر تھے جب انہیں اپنے آقا ﷺ کی آمد کی اطلاع ملے اور وہ ایک بڑا جشن منانے کی تیاریاں شروع کریں، انہوں نے گھروں، گلی، کوچوں اور بازاروں کو صاف ستھرا کرنے اور سجانے کا آغاز بھی کر دیا تھا، ان کا بس چلتا، تو وہ ہر آنے والے دن سے پہلے اپنے آقا کو اپنے درمیان موجود

پاتے، لیکن انتظار کی گھڑیاں گننا پڑ رہی تھیں، سو نہایت ہی بے چینی کے ساتھ گن رہے تھے۔

ہم کسی ایسے رہبر و راہنما کو نہیں جانتے، جس کی محبت و الفت نے، اتنی جلدی، دور دراز بسنے آنے والوں کے دلوں میں گھر بنا لیا ہو، یہ کسی انسان کے بس کی بات ہی نہیں، مقلب القلوب صرف اللہ ہی ہے، اس نے اہل یثرب کو، اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا گرویدہ کر دیا تھا، جس کی نظیر دنیا والے پیش نہیں کر سکتے، دنیا حیرت زدہ ہے، کہ ایک طرف خونی رشتے دار اور ہم وطن ہیں، جو سخت دشمن ہیں، اپنوں پر ظلم و ستم کرتے نظر آ رہے ہیں، ابوبکر جیسے محسن، بلال جیسے لاچار و مجبور کو مارنے، پیٹنے میں انہیں عار اور شرم نہیں آتی، انہیں تو اپنے سپوت کی قیادت پر ناز اور فخر کرنا چاہئے تھا، اگر یہ ان کی غلامی اختیار کرنے اور ان کے پیغام کو قبول کرنے میں سبقت لے جاتے، تو دنیا کے تاجدار بن جاتے، لیکن یہ بدنصیب تھے، محروم رہے، خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ کا طوق، ان کی ذلت و خواری کا نشان بنا، جب کہ انہی کے کچھ عقلمندوں، اور دور افتادہ اہل یثرب نے، طوق غلامی کو، طوق آزادی جان کر پہنا، تو کفر و شرک کی قید و بند سے آزادی میسر آئی، جہنم کی آگ سے آزادی ملی، عزت و عظمت کا وہ تاج ملا، جو شہنشاہ و سلاطین کو نصیب نہ ہو سکا، انہوں نے وہ رفعت و بلندی پائی کہ جو بھی ان کا غلام بنا وہ بلند مرتبہ ہو گیا، قرآن کریم نے ان کی کامیابی و کامرانی کا مژدہ سنایا، آفتاب نبوت نے انہیں تاروں سے تشبیہ دی، اور ان کی اقتداء کرنے والوں کے لئے، ہدایت و کامرانی کی ضمانت دی، انہی لوگوں اور ان کے متبعین کے لئے، جنت اور بڑی کامیابی کی خوشخبری ہے، ارشاد ہوا:

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (توبہ)

''اور سب سے آگے اور سب سے پہلے ایمان لانے والے، مہاجرین اور انصار سے، اور جنہوں نے پیروی کی ان کی عمدگی سے، راضی ہو گیا، اللہ ان سے، اور راضی ہو گئے وہ اس سے، اور اس نے تیار کر رکھے ہیں ان کے لئے باغات، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں گے ان میں تا ابد، یہی بہت بڑی کامیابی ہے''۔

ان کے ہر نام و نسبت پہ نامی درود — ان کے ہر وقت و حالت پہ لاکھوں سلام
ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود — ان کے اصحاب و عترت پہ لاکھوں سلام
پارہائے صحف غنچہائے قدس — اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام

ہجرت

آپ گزشتہ صفحات میں، پڑھ چکے ہیں، کہ کفار مکہ نے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غلاموں کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی، انہیں نہ دن میں چین تھا نہ رات کو سکون، اللہ کے رسول ﷺ اگرچہ نہایت صبر و استقامت سے ہر قسم کے جور و جفا کا مقابلہ کر رہے تھے، لیکن آپ کو پریشانی صرف اس بات کی تھی، کہ آپ جس تیزی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو ادا کرنا، اور اپنے مشن کو بام عروج پر دیکھنا چاہتے تھے، اس میں بے حد رکاوٹیں پیدا ہو رہی تھیں، جب آپ رات کو، سارے دن کی محنت و مشقت اور تگ و دو کے مقابلہ میں کامیابی کی رفتار پر غور فرماتے تھے، تو دل تڑپ اٹھتا تھا، مزید آپ کو اس بات سے دکھ ہوتا تھا، کہ ہر روز، آپ کے غلاموں میں سے کسی نہ کسی پر ظلم و زیادتی کا واقعہ ضرور پیش آ جاتا تھا، کبھی حضرت ابوبکر پر حملہ کا حادثہ، تو کبھی حضرت عثمان کو ایذا رسانی کا واقعہ، آپ کو یاد آتا، تو کبھی، حضرت بلال، آل یاسر اور ابوذر غفاری کی دکھ بھری داستانیں آپ کی نظروں کے سامنے آتیں، ان کی آہیں اور سسکیاں آپ کو سنائی دیتیں، تو مضطرب ہو کر اٹھ کھڑے ہوتے اور اپنے رب کی بارگاہ میں عرض کرتے، بارالٰہا! تو نے مجھے جو ذمہ داری سونپی ہے، وہ بہت ہی بڑی اور بھاری ہے، پس میں تجھ ہی سے التجا کرتا ہوں، کہ کرم فرما، میرے لئے، اپنے کام کو سہل و آسان فرما دے، اس راہ سے کانٹوں اور رکاوٹوں کو دور کر دے، یا اللہ! اپنے ان بندوں پر بھی رحم فرما، انہیں مزید صبر و استقامت کی ہمت عطا فرما جو ناسازگار حالات کے باوجود، تیرا پیغام قبول کر چکے ہیں اور تیرے نبی سے وابستگی کے سبب، سخت ترین سزائیں بھگت رہے ہیں۔

مکہ کے انہی نامساعدہ حالات میں، "سورۃ الانشراح" کا نزول ہوا، جس میں اللہ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، ان کے انشراح صدر کی خبر دی، آپ کے کام میں سہولت و آسانی کا مژدہ سنایا، آپ کے ذکر کی رفعت و بلندی کی خوشخبری دی، لیکن ساتھ ہی یہ بتایا کہ: فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ دشواری کے بعد ہی آسانی کا دروازہ کھلتا ہے، محنت و مشقت برداشت کرنے کے بعد ہی، باران رحمت و نعمت ہوتی ہے۔

آسانی اور سہولت کا دور، شروع ہونے کے آثار نظر آنے لگے، فتح و کامرانی کا سورج، ضیاء باری کرنے لگا، مکہ سے تقریباً تین سو میل دور، اسلام کا نور پہنچا، اہل یثرب کے دل منور ہوئے، عقبۂ ثالثہ کی بیعت سے بھری بیعت نے ایک نئے انقلاب کا پیغام دیا، انصار کی فراخ دلانہ پیش کش سے،

مظلوم وستم رسیدہ مسلمانوں کو نئی آماجگاہ نظر آنے لگی، جہاں وہ سکون واطمینان کی زندگی بسر کرسکیں گے، اپنے آقا ﷺ کی معیت وقیادت میں، اسلام کی دن دونی رات چوگنی خدمت کریں گے، سہولت و آسانی سے اسلام کی اشاعت وتبلیغ کی ذمہ داری پوری کریں گے، ان توقعات کے ساتھ غلاموں نے آقا ﷺ سے ہجرت کی اجازت چاہی، لیکن اس وقت تک صاحب وحی ﷺ کو، رب کریم کی طرف سے کوئی حکم نہ ملا تھا، جب کہ آپ کوئی کام اذن رب کے بغیر نہ کرتے تھے، لہٰذا آپ نے غلاموں کی درخواست سماعت فرمائی اور خاموشی اختیار کی، چند روز بعد آپ مسکراتے ہوئے تشریف لائے اور غلاموں کو مژدہ دیا، کہ تمہارا مقام ہجرت یثرب ہے، پس جو ہجرت کرنا چاہتا ہے، وہ یثرب چلا جائے، چونکہ ان دنوں کفار کے ظلم وستم میں اور زیادہ شدت پیدا ہوگئی تھی، مار، پیٹ اور گالی گلوچ کا ایک طوفان امنڈ آیا تھا، لہٰذا اکثر صحابہ نے رخت سفر باندھنا شروع کر دیا، لیکن ظالم کفار، مظلوم وستم رسیدہ مسلمانوں کو مکہ چھوڑنے کی بھی اجازت نہ دیتے تھے، چلتے چلتے، وہ طرح طرح ان کے سفر میں رکاوٹیں پیدا کرتے، انہیں تنگ اور پریشان کرتے تھے، جیسا کہ آپ کو اگلے صفحات کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا، آیئے اب چند حضرات کی ہجرت کا واقعہ پڑھیں۔

پہلے مہاجر

حضرت ابوسلمہ مخزومی رضی اللہ عنہ وہ خوش نصیب مسلمان ہیں، جنہیں سب سے پہلے ہجرت کا شرف حاصل ہوا، اس سے پہلے ابوسلمہ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ حبشہ بھی ہجرت کر چکے تھے، وہاں کئی سال رہنے کے بعد مکہ واپس آگئے تھے، لیکن ان پر پہلے سے بھی زیادہ ظلم وستم ہوا، لہٰذا انہوں نے بعجلت مدینہ کی طرف ہجرت کا فیصلہ کیا۔

حضرت ابوسلمہ کی اہلیہ، ام سلمہ اپنی ہجرت کا واقعہ سناتی ہیں، کہ جب میرے شوہر نے، اہل مکہ کے مظالم سے تنگ آکر، ہجرت کا پختہ ارادہ کرلیا، تو وہ اپنی اونٹنی لائے، مجھے اور اپنے بیٹے، سلمہ کو سوار کیا، اور منزل کی طرف روانہ ہوگئے، جب بنو مغیرہ بن عبداللہ نے ہمیں ہجرت کرتے دیکھا، تو راستہ روک کر کھڑے ہوگئے، اور کہنے لگے، اے ابوسلمہ! اگر تم ہماری مرضی کے خلاف وطن چھوڑنا چاہتے ہو، تو تمہاری مرضی، لیکن ہم اپنی بیٹی، ام سلمہ کو تمہارے ساتھ نہ جانے دیں گے، لہٰذا انہوں نے، مجھے اونٹنی پر سے جبراً اتار، اور اپنے ساتھ لے گئے، جب ابوسلمہ کے خاندان کو، اس واقعہ کا پتہ چلا، تو وہ آئے اور انہوں نے کہا، اگر تم اپنی بیٹی کو نہیں جانے دیتے، تو ہم اپنے بیٹے سلمہ کو تمہارے پاس ہرگز نہ چھوڑیں گے، اور انہوں نے میری گود سے میرا بچہ چھین لیا، ابوسلمہ مدینہ چلے گئے، میرا بیٹا ددھیال میں پرورش پانے لگا، اور میں مصیبت زدہ تنہا رہ گئی، میں نے بہت صدمے جھیلے تھے، لیکن یہ صدمہ بہت ہی بڑا تھا

میں ہر صبح، ابطح کے مقام پر پہنچتی، جہاں میرا کنبہ بکھرا اور یہ حادثہ پیش آیا تھا، اور سارا دن اپنے شوہر اور بچے کے غم میں روتی رہتی، شام کو گھر واپس آجاتی، رات بھی اضطراب اور بے چینی میں ہی گزرتی، اسی طرح ایک سال گزر گیا، اور حالات میں کوئی تبدیلی نظر نہ آئی۔

ایک دن میں بیٹھی رو رہی تھی، کہ میرا ایک چچازاد بھائی وہاں سے گزرا، اسے میری حالت زار پر رحم آگیا، اس نے اپنے قبیلہ میں جا کر میرا حال بتایا اور انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا، کہ ایک بے بس عورت پر ظلم کرتے، تمہیں شرم نہیں آتی، اسے، اس کے شوہر اور بچے دونوں سے جدا کر دیا، ان پر کچھ اثر ہوا، تو انہوں نے مجھے خاوند کے پاس چلے جانے کی اجازت دے دی، میرے خاوند کے رشتے داروں کو پتہ چلا، تو وہ بہت خوش ہوئے اور انہوں نے میرا بچہ میرے حوالے کر دیا، اب میں اپنے بچے کو لے کر تنہا، مدینہ کے لئے روانہ ہوگئی، مکہ سے باہر بمقام تنعیم پر، مجھے عثمان بن طلحہ ملا، اس نے پوچھا، اے ابوامیہ کی بیٹی! کدھر کا ارادہ ہے، میں نے بتایا، کہ اپنے شوہر کے پاس مدینہ جا رہی ہوں، اس نے پوچھا، کیا تمہارے ساتھ کوئی آدمی نہیں، میں نے کہا، میرے ساتھ، اللہ اور اس بچے کے سوا کوئی نہیں، اس نے کہا، میں تمہیں اکیلا نہ چھوڑوں گا، اس نے میرے اونٹ کی نکیل پکڑی، اور چلا یا، ام سلمہ کہتی ہیں، میں نے ایسا کریم النفس اور شریف آدمی آج سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا جب وہ کسی منزل پر پہنچتا تو اونٹ کو بٹھاتا اور دور ہٹ جاتا تھا، میرے اونٹ کو تازہ دم ہونے کے لئے، چھوڑ دیتا، اور خود کسی سایہ دار درخت تلے، آرام کے لئے لیٹ جاتا، جب دوبارہ سفر شروع کرنے کا وقت آتا، تو وہ اونٹ پر کجاوہ کس کے لے آتا، مجھے سوار ہونے کے لئے کہتا اور خود دور ہٹ جاتا تھا، سارا راستہ وہ اسی طرح میری خدمت کرتا رہا، یہاں تک کہ اس نے مجھے مدینہ پہنچا دیا، جب قبا کی بستی دکھائی دینے لگی، تو اس نے مجھے بتایا، کہ یہاں بنو عمرو بن عوف آباد ہیں، اور انہیں کے پاس ابوسلمہ قیام پذیر ہیں، جاؤ، تم اپنے شوہر کے پاس چلی جاؤ، اللہ تمہیں برکتیں دے، میں مکہ واپس جا رہا ہوں، اس نے میری طرف دیکھا تک نہیں اور چلا گیا، ام سلمہ کہتی ہیں، "بخدا! میں اسلام میں کسی خاندان کو نہیں جانتی جسے ابوسلمہ کے خاندان سے زیادہ مصائب جھیلنے پڑے ہوں، اور نہ میں نے کوئی ایسا ساتھی دیکھا جو، عثمان بن طلحہ سے زیادہ شریف النفس ہو"۔

ارشاد باری تعالیٰ حق ہے: فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ "دشواری کے بعد ہی آسانی ہے"۔

حضرت ابوسلمہ کے بعد، حضرت عامر بن ربیعہ نے مع اپنی اہلیہ لیلیٰ کے ہجرت کی، پھر حضرت ابن جحش نے مدینہ کا سفر اختیار کیا، علامہ ابن کثیر کے مطابق، عبداللہ بن جحش کے ہمراہ، ان کے

خاندان کے، بیس مرد اور آٹھ عورتیں بھی تھیں، عبداللہ بن جحش نابینا تھے، فصیح و بلیغ شاعر تھے، ان کی بیوی ابوسفیان کی بیٹی تھی، ان کی ماں "امیمہ" حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی تھیں، اہل مکہ نے ایسی عظیم شخصیت کی بھی قدر نہ کی اور وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن عبداللہ بن جحش کی یہ قربانی صرف اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے تھی، جو ان کا بڑا اعزاز تھا، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہجرت

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اولین مہاجرین میں شامل ہیں، ان کی ہجرت ڈھکی چھپی نہ تھی، کہ ان کی دلیری اور شجاعت مشہور و معروف ہے انہوں نے مشرف باسلام ہوتے ہی، اپنے اسلام کو کچھ دیر بھی پوشیدہ رکھنا گوارا نہ کیا، بلکہ اپنے آقا ﷺ کو لے کر، حرم پہنچ گئے، یہ پہلا دن تھا کہ مسلمانوں نے، قریش مکہ اور کفار کے سامنے، نہایت دلیری اور اطمینان کے ساتھ، اللہ کے گھر کا طواف کیا اور اس کی عبادت کی۔

حضرت نافع رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ہجرت کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا، "میں، عیاش بن ربیعہ اور ہشام بن العاص نے، اکٹھے ہجرت کرنے کا پروگرام بنایا، اور طے کیا کہ بنی غفار کے تالاب کے پاس، "تناضب" کے مقام پر، علی الصباح، تینوں جمع ہوں گے، اور اگر ہم میں سے کوئی ایک مقررہ وقت پر نہ پہنچ سکا تو باقی دو، سفر شروع کر دیں گے، پس، عمر اور عیاش تو پہنچ گئے، لیکن ہشام نہ پہنچ سکا لہٰذا حسب پروگرام دونوں نے سفر کا آغاز کر دیا، ہشام کو اہل مکہ نے گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا۔

سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ میرے علم کے مطابق، تمام مہاجرین نے، کفار مکہ سے چھپ چھپا کر ہجرت کی، لیکن حضرت عمر نے جس روز ہجرت کا ارادہ کیا، انہوں نے اپنی تلوار گلے میں حمائل کی، اپنی کمان کندھے پر رکھی، تیر اپنی مٹھی میں لئے، چھوٹا نیزہ اپنی کمر پر لٹکایا، اور بڑے کروفر کے ساتھ علی الصباح حرم شریف پہنچے، قریش کے سردار اور مکہ کے رئیس، حسب معمول حرم میں موجود تھے، آپ نے سب کی موجودگی میں، طواف کیا مقام ابراہیم پر نفل ادا کیے، اور بآواز بلند فرمایا، "تمہارے چہروں پر پھٹکار ہو، اللہ تعالیٰ ان، ناکوں کو خاک آلود کرے، جو شخص چاہتا ہے کہ اس کی ماں اسے روئے، اس کی بیوی بیوہ بنے، تو وہ اس وادی کی دوسری طرف آئے اور مجھ سے مقابلہ کرے، حضرت علی فرماتے ہیں، "وَمَا تَبِعَهُ اَحَدٌ ثُمَّ مَضٰى لِوَجْهِهٖ" کسی کو جراءت نہ ہوئی کہ وہ آپ کے چیلنج کو قبول کرتا، پھر عمر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے"۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، میں اور عیاش بن ابی ربیعہ قبا پہنچ گئے، اور وہاں ہم نے عمرو

بن عوف کے یہاں قیام کیا، جب ابو جہل اور حارث کو، حضرت عیاش کے ہجرت کر جانے کا پتہ چلا، تو یہ دونوں ان کا تعاقب کرتے ہوئے قبا پہنچ گئے، اور عیاش کو انہوں نے بتایا، کہ تمہارے چلے آنے کے بعد، تمہاری ماں نے قسم کھائی ہے کہ تمہاری واپسی تک نہ وہ اپنے بالوں میں کنگھی کرے گی اور نہ ہی سایہ میں بیٹھے گی، یہ سن کر عیاش بہت پریشان ہو گئے، اور انہوں نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا، حضرت عمر نے ان سے کہا، دیکھو ابو جہل اور حارث بہت مکار ہیں یہ تمہیں دھوکا دے رہے ہیں، تمہاری ماں نے نہ کوئی قسم کھائی ہے اور نہ اسے کچھ ہوا ہے، اور اگر اس نے کنگھی نہ کرنے اور سایہ میں نہ بیٹھنے کی قسم کھا بھی لی ہے، تو چند دن بعد وہ اپنی قسم توڑنے پر مجبور ہو جائے گی، کہ جب اسے جوئیں کاٹیں گی تو وہ کنگھی کر لے گی اور جب مکہ کی تیز دھوپ اسے جھلسائے گی تو وہ سایہ کی طرف دوڑے گی، حضرت عمر نے فرمایا، تم ان دھوکے بازوں کے کہنے میں نہ آؤ، اب مکہ کا خیال دل سے نکال دو، ورنہ پچھتاؤ گے لیکن عیاش نے ایک نہ سنی، اور واپسی کے لئے تیار ہو گئے، مجبوراً حضرت عمر نے، عیاش کو اپنی اونٹنی دی اور کہا یہ نہایت تیز رو ہے اسے لے جاؤ، اگر راستہ میں یہ دونوں کوئی گڑبڑ کریں، تو تم واپس آ جانا۔

بہر حال عیاش، ابو جہل اور حارث کے ساتھ چل دیئے، راستے میں وہی ہوا، جس کا حضرت عمر کو یقین تھا، ابو جہل اور حارث نے حضرت عیاش کو رسیوں سے جکڑا، اور قیدیوں کی طرح مکہ میں لے کر داخل ہوئے، تماشہ بینوں کا ایک ہجوم امنڈ آیا، یہ دونوں ظالم حضرت عیاش کو کوڑے مارتے اور کہتے، "اے مکہ والو! تم بھی اپنے بے وقوفوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرو، جیسا ہم اپنے احمق کے ساتھ کر رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کو جب اس حال کا علم ہوا تو آپ کو اور دوسرے مسلمانوں کو بے حد صدمہ ہوا، سب نے حضرت عیاش کے لئے صبر و استقامت کی دعا کی۔

حضرت عیاش ایک عرصہ کافروں کی قید میں ظلم و ستم سہتے رہے، انہیں کے ساتھ ہشام بن عاص بھی تھے، جنہیں، حضرت عمر کے ساتھ ہجرت کرنا تھی لیکن گرفتار کر لئے گئے تھے، غزوہ بدر کے بعد، ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "مَنْ لِیْ بِعَیَّاشِ بْنِ اَبِیْ رَبِیْعَۃَ وَھِشَامِ بْنِ الْعَاصِ" کون ہے، جو عیاش بن ابی ربیعہ اور ہشام بن عاص کو میرے پاس لے آئے، ولید نے عرض کی، یا رسول اللہ، یہ کام میں کروں گا، وہ اسی وقت روانہ ہوئے اور چھپ چھپاتے مکہ میں داخل ہو گئے، اور پھر کسی طرح اس مکان تک پہنچے، جہاں عیاش اور ہشام قید و بند کی سختیاں جھیل رہے تھے، ولید نے ان کی ہتھکڑیاں کاٹیں اور رات کی تاریکی میں مکہ سے نکل آئے، اور دونوں کو آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، اللہ کے رسول ﷺ بے حد خوش ہوئے اور ولید کو دعائیں دیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد ان کے خاندان کے دیگر افراد بھی قبا پہنچے، جن میں ان کے بھائی

حضرت زید بن خطاب بھی تھے جو حضرت عمر سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، اور اسی کے ساتھ مہاجرین کا تانتا بندھ گیا، حضرت بلال، حضرت سعد، حضرت عمار بن یاسر، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت بن عبید اللہ رضی اللہ عنہم بھی ان خوش نصیبوں میں شامل ہوئے جنہیں مہاجرین اولین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔

حضرت صہیب کی ہجرت

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ ان جانثاروں میں نظر آتے ہیں، جنہوں نے بوقت ہجرت قابل ذکر قربانیاں دیں، ان کا اصل وطن دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں تھا، جب اس علاقہ پر رومی لشکر نے حملہ کیا تو انہیں گرفتار کرلیا گیا، رومیوں نے انہیں، بنو کلب کے کسی شخص کے ہاتھ فروخت کردیا جو انہیں مکہ لے کر آ گیا، عبداللہ بن جدعان نے انہیں خریدا اور آزاد کردیا یہ اس وقت نو عمر تھے آپ نے مکہ ہی میں رہائش اختیار کرلی، اور ابتدائی ایام اسلام میں ہی آپ، عمار بن یاسر کی معیت میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے، صہیب نے مکہ ہی میں کاروبار شروع کیا اور بہت ترقی کی حتیٰ کہ آپ کا شمار رؤساء مکہ میں ہونے لگا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرت کے بعد، مکہ میں حضرت صہیبؓ کی زندگی نہایت بے مزہ ہوکر رہ گئی، لہٰذا انہوں نے بھی رخت سفر باندھا، اور مدینہ جانے کے لئے تیار ہوئے۔

حضرت صہیب کی ہجرت کا جب اہل مکہ کو پتہ چلا، تو چند نوجوانوں نے ان کا محاصرہ کرلیا، اور کہا، اے صہیب! جب تم یہاں آئے تھے تو مفلس وقلاش تھے، یہاں رہ کر تم نے خوب دولت کمائی، اور معاشرے میں بلند مقام حاصل کیا، اب تم مکہ چھوڑنا چاہتے ہو اور اپنا مال ومتاع سب کچھ لے جا رہے ہو، بخدا! ہم تمہیں ہرگز، اس کی اجازت نہ دیں گے، حضرت صہیب نے فرمایا، "اَرَاَیْتُمْ اِنْ جَعَلْتُ لَکُمْ مَالِیْ وَ تُخلُوْنَ سَبِیْلِیْ" اگر میں اپنا سارا مال تمہارے حوالے کردوں تو کیا تم جانے دوگے، انہوں نے کہا، ہاں، صہیب بولے لے لو! یہ سب مال ودولت تمہیں مبارک ہو، راستہ چھوڑ دو، کہ میں منزل جاناں کی طرف بڑھوں، اور ان کے دیدار سے سکون حاصل کروں، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

آقا ﷺ کو اپنے جاں نثار غلام کی قربانی کی اطلاع ملی، تو آپ نے فرمایا، رَبِحَ صُھَیْبٌ، رَبِحَ صُھَیْبٌ، بڑا نفع کمایا صہیب نے، بڑا نفع کمایا صہیب نے۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو یحییٰ تھی، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا، صہیب! تمہارا کوئی لڑکا تو ہے نہیں، پھر تم نے یہ کنیت کیسے رکھی، فرمایا، یہ میرے آقا کا عطیہ ہے، ان کی زبان مبارک پر میری یہ کنیت آئی اور میں، ابو یحییٰ ہو گیا، حضرت صہیب، چونکہ رومی تھے، لہٰذا عربی

الفاظ کا صحیح تلفظ نہ کر پاتے، جسے سن کر لوگ بہت محظوظ ہوتے تھے، وہ طبعاً بھی بہت ظریف واقع ہوئے تھے، ان کی ظریفانہ باتیں آقا ﷺ کو بہت پسند آتی تھی، ایک روز ان کی ایک آنکھ میں کچھ تکلیف تھی، اسی حالت میں بارگاہ محبوبیت میں حاضر ہوئے، محبوب کریم ﷺ نے روٹی اور کھجوریں دیں، وہ کھانے لگے، سرکار نے فرمایا، تمہاری آنکھ دکھ رہی ہے اور تم کھجوریں کھا رہے ہو، بولے، یا رسول اللہ! دوسری ٹھیک آنکھ کی طرف سے کھا رہا ہوں، آقا ﷺ، اپنے غلام کی اس ظرافت سے نہایت محظوظ ہوئے اور مسکرائے۔

اہل مکہ کا ردعمل

ہجرت کا عمل اس تیزی سے ہوا، کہ چند ماہ میں ہی، مکہ خالی خالی نظر آنے لگا، اب صرف وہ چند مظلوم مسلمان باقی تھے جو کفار مکہ کی قید و بند میں صعوبتیں جھیل رہے تھے اور زندگی کے دن، اللہ و رسول کی یاد میں بسر کر رہے تھے، ابھی ان کے لئے، فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۝ کے وعدۂ الٰہی پورا ہونے کا وقت نہ آیا تھا، لیکن انہیں اپنے رب کریم کے وعدہ پر یقین کامل تھا، اور شدید مصائب و آلام کا مقابلہ کرتے ہوئے، اللہ کے یہ بندے ''یسر'' کے منتظر تھے، ان کے علاوہ مکہ میں اب تک اللہ کے رسول ﷺ قیام پذیر تھے، اور حکم الٰہی کے منتظر تھے، آپ کے ہمراہ، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما تھے، جب کہ حضرت ابو بکر نے کئی مرتبہ اپنے آقا ﷺ سے ہجرت کا اذن طلب کیا، لیکن ہر مرتبہ آپ کو جواب ملا، ''لَا تَعْجَلْ لَعَلَّ اللّٰهَ يَجْعَلُ لَكَ صَاحِبًا'' ابو بکر! جلدی نہ کرو شاید اللہ تعالیٰ کسی کو تمہارا رفیق سفر بنا دے، حضرت ابو بکر صدیق، آقا ﷺ کا یہ جواب سن کر پر امید ہو جاتے، کہ کیا عجب مجھے آقا کی رفاقت کا شرف نصیب ہو جائے، یا اپنے ان بھائیوں کی دوران سفر خدمت کا موقع میسر آئے، جو کفار کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

اس تیزی سے عمل ہجرت اور مکہ کے خالی ہو جانے کا، کفار مکہ پر بہت شدید ردعمل ہوا، ایک طرف تو وہ اپنی ناکامی و نامرادی پر پشیمان تھے، دوسری طرف خوفزدہ تھے، کہ کہیں ایسا نہ ہو، کہ مسلمان قوت حاصل کرلیں اور مکہ پر ایسا سخت اجتماعی حملہ کریں کہ ہم نیست و نابود ہو جائیں اور مکہ سے یثرب تک اسلام کی حکومت قائم ہو جائے، پس وہ کسی قیمت پر بھی جان دو عالم ﷺ اور آپ کے رفقاء کو مکہ چھوڑ دینے کا موقع نہیں دینا چاہتے تھے، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ جب تک یہ حضرات مکہ میں قیام پذیر ہیں، مسلمان ان پر حملہ نہیں کر سکتے، اور وہ محفوظ ہیں، لہٰذا انہوں نے اپنے مستقبل کا مؤثر پروگرام بنانے کے لئے، دار الندوہ میں ایک اجلاس طلب کیا، جس میں، صرف مکہ کے رؤساء و سرداران قریش، اہل خرد اور دانشوروں کو شرکت کی دعوت دی، جب کہ اہم شرط یہ تھی، کہ اجلاس میں، چالیس برس سے کم عمر کا

کوئی شخص شریک نہ ہو سکے گا، اس شرط سے صرف ابو جہل کو مستثنیٰ رکھا گیا، وہ اگر چہ نوجوان تھا، لیکن بے حد مکار تھا، اس کو اہل مکہ بہت عقل مند سمجھتے تھے، اسی لئے وہ ابوالحکم کہلاتا تھا، کیونکہ مکہ کے دانشوروں کی ایک کثیر تعداد اس اجتماع میں، مکر وفریب کا منصوبہ بنانے کے لئے شریک ہوئی تھی، اس لئے اس دن کا نام ''یوم الزحمہ'' رکھا گیا۔

شیخ نجد دارالندوہ میں

وقت مقررہ پر، جب لوگ، دارالندوہ میں داخل ہونے لگے، تو انہوں نے دروازے پر ایک اجنبی شخص کو پایا، جو ریشمی جبہ پہنے تھا، شکل وصورت اور فاخرانہ لباس سے کوئی سردار معلوم ہوتا تھا، لوگوں نے، اس سے پوچھا، مَنِ الشَّیْخُ، اے بزرگ آپ کون ہیں؟ (درحقیقت وہ ابلیس تھا، جو انسانی شکل میں وہاں موجود تھا) اس نے جواب دیا، میں اہل نجد کا سردار ہوں، مجھے معلوم ہوا کہ آپ لوگ آج یہاں جمع ہو کر، ایک نہایت ہی اہم مسئلہ پر غور کرنا اور اس کے متعلق فیصلہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا میں حاضر ہو گیا تاکہ آپ کی گفتگو سنوں اور اپنے تجربات کی روشنی میں آپ کو مشورہ دوں، لوگوں نے اس کی بڑی، آؤ بھگت کی اور نہایت اعزاز کے ساتھ بٹھایا۔

پارلیمنٹ کا اجلاس شروع ہوا، مکہ چھوڑ کر مہاجرین کے مدینہ میں جمع ہو جانے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ممکنہ ہجرت کے موضوع پر بحث شروع ہوئی، اور اس خطرے پر سب نے اتفاق کیا، کہ اگر محمد بن عبداللہ (ﷺ) چلے گئے، تو اہل مکہ کی خیر نہیں، ایک نہ ایک دن ضرور مکہ پر حملہ ہوگا اور ہم سب کو نیست ونابود کر دیا جائے گا، موقع گفتگو پر، متعدد آراء سامنے آئیں۔

ابوالبختری بن ہشام نے رائے دی، محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو ہمارے ہاتھوں سے ہرگز نہ نکلنا چاہیے، انہیں زنجیروں میں جکڑ کر، ایک مکان میں بند کر دینا چاہیے، پھر اس روز کا انتظار کیا جائے، جس روز ان کی شمع زندگی ہمیشہ کے لئے بجھ جائے، ابلیس بولا، ''لَا وَاللّٰهِ مَا هٰذَا لَكُمْ بِرَأْيٍ'' نہیں، بخدا! یہ کوئی قابل عمل بات نہیں، کہ جونہی تمہارے اس کارنامہ کا پتہ، ان کے عقیدت مندوں کو چلے گا، وہ پوری قوت سے تم پر حملہ آور ہوں گے، تمہیں سخت نقصان، پہنچائیں گے، اور اپنے قائد کو چھڑا کر لے جائیں گے۔

ابوالاسود ربیعہ نے رائے دی، کہ ہمیں زیادہ الجھنوں میں نہیں پڑنا اور زیادہ خطرات مول نہ لینا چاہئیں، ان سے چھٹکارے کا بس آسان طریقہ یہ ہے، کہ ہم خود ہی انہیں شہر بدر کر دیں، بس ہماری جان چھوٹ جائے گی، اور ہم امن وسکون کی زندگی بسر کر سکیں گے، پھر شیخ نجدی، بول پڑا، یہ رائے پہلی رائے سے بھی زیادہ لغو اور بیکار ہے، اگر تم نے انہیں شہر بدر کر دیا، تو وہ سیدھے یثرب کا رخ کریں گے،

اپنے عقیدت مندوں اور جان نثاروں کو جمع کریں گے اور پھر وہی ہوگا جس کا ہمیں خطرہ ہے، لہٰذا کوئی ایسا طریقہ سوچو، کہ تمہیں ہمیشہ کے لئے ان سے نجات حاصل ہو سکے، تمہارا دین اور رسم و رواج باقی رہے، اور تمہیں امن وسکون کے دن میسر آ سکیں۔

یہ سب تدبیریں ہو رہی تھیں، اللہ کے نور کو بجھانے کی، جب کہ اس شمع کو روشن کرنے والا، فیصلہ فرما چکا تھا۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ (توبہ)

"یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ انکار فرماتا ہے مگر یہ کہ وہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا دے اگرچہ کافر ناپسند کریں"۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٨﴾ (الصف)

"یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا چاہے اسے کافر ناپسند کریں"۔

فیصلہ کن رائے

آخر میں شیطان کا چیلا، ابوجہل اٹھا، بولا، اس فتنہ کو ختم کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے، کہ ایک ایسا گروہ بنایا جائے، جس میں ہر قبیلہ کے نمائندے شامل ہوں، جو نوجوان ہوں، بہادر ہوں، عالی نسب ہوں، اپنے خاندان کے سربراہ ہوں، پھر وہ سب مل کر، شخص واحد کی طرح حملہ کریں اور محمد بن عبداللہ (ﷺ) کو (معاذ اللہ) قتل کر دیں، اس طرح قاتل کوئی فرد واحد نہ ہوگا، بلکہ ان کے قتل کا الزام، تمام قبائل پر ہوگا، اس صورت میں، بنو ہاشم کسی سے قصاص نہ لے سکیں گے اور وہ دیت قبول کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، اور دیت چاہے کتنی ہی ہو، ہم سب مل کر ادا کر دیں گے، ابلیس نے اپنے چیلے کی اس تجویز پر زبردست نعرہ بلند کیا، اور اٹھ کر خوشی سے ناچنے لگا۔

یہ منصوبہ تھا، اس پر حملہ آور ہونے اور اس کی جان لینے کا، جس کا رب فیصلہ فرما چکا ہے، وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ پیارے! اللہ لوگوں کے شر سے تمہاری حفاظت فرمائے گا، پس یہاں شریر اپنی شرارت کے منصوبے بنا رہے ہیں، اور اپنی ناکامی و نامرادی سے بے خبر، ان منصوبوں پر ناچ رہے ہیں، خوش ہو رہے ہیں اور وہاں، رب محمد ﷺ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کی تدابیر

اختیار فرما رہا ہے۔

ہجرت کی اجازت

ادھر کفار کی یہ منصوبہ بندی ہو رہی تھی، ادھر جبرئیل امین کو بارگاہ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام میں، حضوری کا حکم ملا، وہ پیغام الٰہی لے کر حاضر ہوئے کہ، آج رات آپ کو ہجرت فرمانا ہے، نیز آج شب آپ اپنے بستر پر استراحت نہ فرمائیں اسی کے ساتھ آپ کو مکاروں کے مکر وفریب سے بھی آگاہ کیا گیا، ارشاد ہوا:

وَ اِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْكَ اَوْ یَقْتُلُوْكَ اَوْ یُخْرِجُوْكَ ؕ وَ یَمْكُرُوْنَ وَ یَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَ اللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ۝ (انفال)

''اور یاد کرو، جب وہ لوگ آپ کے بارے میں خفیہ تدبیریں کر رہے تھے، جنہوں نے کفر کیا تھا، تا کہ آپ کو قید کر دیں، یا آپ کو شہید کر دیں، یا آپ کو جلا وطن کر دیں، وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے، اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''۔

تدبیر الٰہی کے سامنے، کسی مکار کے مکر کا کامیاب ہونا، ممکن نہیں، کہ مکر خفیہ رہے، تب ہی کامیاب ہو سکتا ہے، جب کہ اللہ علیم وخبیر سے کوئی چیز کیسے چھپائی جا سکتی ہے، پس مکر کفار، حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر آشکارا کر دیا گیا، اور اس سے بچانے کے لئے آپ کو ہجرت کی اجازت مرحمت اور رات کو بستر پر آرام نہ کرنے کی ہدایت کی گئی۔

حضرت علی کے لئے اعزاز

عجب بات یہ ہے کہ ظلم وستم کرنے والے، سب سے زیادہ اعتماد بھی اسی پر کرتے تھے، جس کے خون کے پیاسے تھے اور آج شب جس کی جان لینے کا منصوبہ بنا چکے تھے، وہ میرے آقا ﷺ کے پاس اپنی امانتیں رکھا کرتے تھے، آج ان کے زیورات وجواہرات، آپ کی تحویل میں تھے، حالات نہایت ناسازگار تھے، جن کی امانتیں تھیں وہ خون کے پیاسے ہو چکے تھے، انہوں نے اپنے، امین، کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا، ایسے میں، ان، امانتوں کی ادائیگی کے اہتمام کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، لیکن جسے اپنوں، غیروں، سب نے ہی امین، مانا، جو دنیا کو درس امانت ہی دینے کے لئے تشریف لایا، اس کی ذات باصفات پر خیانت کا داغ آ جائے، یہ ممکن نہ تھا، اگر آج ایسا ہو جاتا تو دنیا سے ہمیشہ کے لئے امانت کا تصور ختم ہو جاتا، پس اسی امین وصادق نے سب سے پہلے، اپنے دشمنوں کی امانتیں ان

تک پہنچانے کا اہتمام فرمایا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، جاں نثار بھی تھے اور جانباز بھی، معتبر بھی تھے اور معتمد بھی، ان سے زیادہ اس ذمہ داری کو، کون نبھا سکتا تھا، پس آقا نے اپنے محبوب غلام کو طلب فرمایا، اور فرمایا، علی! ہمیں ہجرت کی اجازت مل چکی ہے، ہمارے پاس اہل مکہ کی امانتیں، جو ان تک پہنچانا ہیں، لہٰذا، آج رات تم ہمارے بستر پر سوؤ گے، یہ ہماری حضرمی چادر ہے، یہ ردائے رحمت ہے، اسے اوڑھ کر سونا، کوئی تکلیف دہ چیز تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گی، علی نے نہ تردد کیا، نہ تامل، نہ ہی کسی خوف کا اظہار کیا، حالانکہ انہیں حالات کا پوری طرح علم تھا، وہ خوب جانتے تھے کہ، آج اس بستر والے کے لئے کتنے خطرات ہیں، آج اس بستر پر سونا، جان جوکھوں میں ڈالنا ہے، لیکن جاں نثار یہ سب کچھ نہیں سوچا کرتے، وہ تو صرف تعمیل حکم کے منتظر ہوتے ہیں، پس حکم مل گیا، اور کیسا حکم، بستر پر سونے کا، غلام اور آقا کے بستر پر سوئے، اس سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے، علی کا تو مقدر چمک گیا، مزید برآں انہیں آقا کی چادر میسر آئی، جو بظاہر حضرمی تھی، لیکن درحقیقت یہ ردائے رحمت تھی، جسے اوڑھتے ہی سارے حجابات دور ہو گئے ہوں گے، اور شاید اسی لئے علی کو، مقام باب العلم، عطا ہوا۔

غرضیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، شاہی بستر پر، حضرمی چادر اوڑھ کر سوئے اور خوب سوئے، ایسی نیند سوئے، جس سے وہ آشنا ہی نہ تھے، صبح جب کفار نے بستر پر حضرت علی کو پایا، تو دنگ رہ گئے، اور دوڑے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تلاش کرنے، جس کی تفصیل آگے آتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین دن مکہ میں قیام فرما کر، سب کی امانتیں سونپی اور پھر خود بھی عازم مدینہ ہوئے۔

حضرت ابو بکر کے لئے اعزاز

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کئی مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہجرت کی اجازت چاہی، لیکن ہر مرتبہ آپ نے یہ فرما کر روک دیا کہ، جلدی نہ کرو، شاید اللہ تعالیٰ تمہارے لئے کوئی رفیق سفر بنا دے، بالآخر وہ وقت آ گیا، کہ رفیق کو، رفاقت کا اعزاز نصیب ہوا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، کہ اللہ کے رسول ﷺ، ہمارے گھر میں دن میں ایک مرتبہ تشریف لاتے تھے، کبھی صبح اور کبھی شام، جس روز، ہجرت کا اذن ملا، اس روز، آپ خلاف معمول دوپہر کے وقت تشریف لائے، حضرت ابو بکر نے، آپ کو آتے دیکھا، تو فرمایا، آج کوئی اہم بات ہے، جو آقا ﷺ خلاف معمول تشریف لا رہے ہیں، صدیق اکبر نے، آگے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا، آپ نے فرمایا، سب کو باہر نکال دو، ایک راز کی بات کرنا ہے، صدیق اکبر نے عرض کی، یا رسول اللہ! یہاں صرف آپ کی غلام زادیاں، اسماء اور عائشہ ہیں اور کوئی نہیں، میرے ماں باپ، آپ

پر قربان، فرمائیے کیا معاملہ ہے، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، آج مجھے ہجرت کی اجازت ملی ہے، حضرت ابوبکر، بڑے بے چین ہو کر بولے، "اَلصُّحْبَۃُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" اے اللہ کے پیارے رسول! کیا اس غلام کو معیت کا شرف حاصل ہوگا، آپ نے فرمایا "اَلصُّحْبَۃُ" یقیناً آپ اس سفر میں، تم میرے ساتھ ہو گے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں، "بخدا! مجھے آج سے پہلے یہ معلوم نہ تھا کہ خوشی کے موقع پر بھی کوئی روتا ہے، آج میں نے ابوبکر کو روتے دیکھا، جب سرکار نے انہیں اپنی رفاقت کی خوشخبری سنائی"، ابوبکر نے آپ کی خدمت میں دو اونٹنیاں پیش کرتے ہوئے گزارش کی، یارسول اللہ! ان میں سے ایک آپ قبول فرمائیں، آقا ﷺ نے فرمایا، ہاں میں قیمتاً قبول کرتا ہوں، تاکہ میرے ثواب ہجرت میں کوئی کمی نہ آنے پائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہمیں ایک ساربان کی ضرورت ہوگی جو ہمیں مدینہ کا راستہ بتا سکے، لہٰذا عبداللہ بن اریقط کو اجرت پر اس کام کے لئے لیا گیا، دونوں اونٹنیاں اس کے سپرد کر کے، اسے ہدایت کی گئی، کہ یہ سواریاں فلاں جگہ، فلاں دن، فلاں وقت، لے کر پہنچ جانا، سفر کے دیگر انتظامات اور اس کو خفیہ رکھنے کی ضرورت پر گفتگو کے بعد، اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے گئے۔

شب ہجرت

کفار اپنے منصوبہ کے بعد سر شام حرم شریف میں جمع ہوئے اور وہاں سے انہوں نے، آقائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دولت کدے کی طرف پیش قدمی شروع کی اور اندھیرا ہونے تک انہوں نے، میرے آقا ﷺ کے مقدس مکان کا محاصرہ کرلیا، ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں، ایک دوسرے کو حملہ کی تدبیریں بتا رہے تھے، اور بے چینی سے جان دو عالم ﷺ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کر رہے تھے، یہ کبھی اللہ کے رسول ﷺ کی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہوئے ان کا مذاق اڑاتے، تو کبھی غریب و نادار مسلمانوں پر اپنے ظلم و ستم کی داستانیں بیان کرتے ہوئے، قہقہے لگاتے، احکام اسلام کا تمسخر اڑاتے، خاص طور پر، جنت و دوزخ، بعثت بعد الموت وغیرہ ان کے تمسخر کا موضوع تھا، ان بولنے والوں میں سب سے زیادہ بکواس ابوجہل کر رہا تھا، وہ تو آج بہت خوش تھا، غرور و تکبر سے اکڑا ہوا تھا، کہ یہ جو کچھ شیطانی کھیل کھیلا جا رہا تھا، اسی کا تو سوچھایا ہوا تھا، وہ اس لئے مزید اترا رہا تھا، کہ اسے یقین تھا، کہ اگر منصوبہ کامیاب ہوگیا، تو وہ مکہ کا ہیرو بن جائے گا، ان کی لاف زنی اور بیہودہ گوئی کے دوران دربار رسالت کا دروازہ کھلا، صاحب وحی و قرآن ﷺ، نہایت اطمینان و سکون کے ساتھ، سورہ یٰسٓ شریف کی تلاوت کرتے ہوئے باہر رونق افروز ہوئے، آیہ مبارکہ:

وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ فَهُمْ لَا

يُبْصِرُوْنَ ۝ (یاسین)

''ہم نے بنا دی ہے ان کے سامنے ایک دیوار اور ان کے پیچھے ایک دیوار، اور ان کی آنکھوں پر، پردہ ڈال دیا ہے، پس وہ کچھ نہیں دیکھ سکتے''۔

پر پہنچے، تو کفار کی طرف، پھونک دیا، سب اندھے ہو گئے، نیند غالب آ گئی، اونگھنے لگے، ساری منصوبہ بندی، دھری کی دھری رہ گئی، محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کے رحیم رب، کا وعدہ، وَاللّٰہُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط اپنے ایفاء کا منظر پیش کر رہا تھا، اور میرے آقا ﷺ، دشمن کے سروں پر مٹی چھڑکتے، اطمینان سے اپنے رفیق سفر، حضرت ابوبکر صدیق کے گھر پہنچے، جو پہلے ہی سے منتظر تھے وہ آقا ﷺ کو بخیر و عافیت آتے دیکھ کر استقبال کے لئے دوڑے، مرحبًا، اھلًا و سھلًا کہتے ہوئے دست بوسی کی، اور حکم کے طالب ہوئے، پس روانگی کا حکم ہوا، پہلی منزل غار ثور قرار پائی۔

حضرت ابوبکر نے، روانہ ہوتے ہوئے، اپنے صاحبزادے عبداللہ کو حکم دیا، کہ وہ، دن بھر کفار کی دوڑ دھوپ اور نئے منصوبوں کے متعلق معلومات حاصل کریں اور شام کو غار ثور، پہنچ کر، تفصیلی حالات بتائیں، اپنے چرواہے، عامر بن فہیرہ کو ہدایت کی، کہ تم، دن بھر غار کے اردگرد، بکریاں چرانا، اور شام کو انہیں دوہ کر دودھ گرم کرنا اور آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کرنا، صاحبزادی حضرت اسماء کے ذمہ روزانہ شام کو کھانا پہنچانے کا کام کیا، گویا تقریباً سب گھر والوں کو اپنے آقا کی خدمت پر مامور کیا اور آقا کے ساتھ روانہ ہوئے۔

دعا بوقت ہجرت

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے وہ پوری دعا نقل فرمائی ہے، جو اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا آباد کردہ شہر، اپنا وطن عزیز مکہ معظمہ چھوڑتے ہوئے، اپنے رب کے حضور کی، ہم اس دعائے مبارکہ کا خلاصہ پیش کرتے ہیں، آپ نے دعا کی:

''سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، جس نے مجھے پیدا کیا، جب میں کوئی شے نہ تھا۔

اے اللہ! دنیا کی ہولناکیوں، زمانہ کی تباہ کاریوں، شب و روز کے مصائب پر میری مدد فرما۔

اے اللہ! میرے سفر میں تو میرا ساتھی ہو۔

اے اللہ! میرے اہل و عیال میں تو میرا قائمقام ہو۔

اے اللہ! جو رزق تو نے مجھے دیا ہے، اس میں برکت فرما۔

اے اللہ! بہترین اخلاق پر میری تربیت فرما۔

اے اللہ! مجھے اپنا محبوب بنا لے اور مجھے لوگوں کے حوالے نہ کر۔

اے کمزوروں کے رب! تو میرا بھی رب ہے، میں تیری ذات کریم کے طفیل، جس کی روشنی میں آسمان وزمین چمک رہے ہیں، اور جس کی برکت سے اندھیرے دور ہو رہے ہیں، اور اولین وآخرین کے کام درست ہو گئے ہیں، میں تیری ذات کریم کے طفیل اس امر سے پناہ مانگتا ہوں، کہ تیرا غضب مجھ پر اترے، یا تو مجھ پر اپنی ناراضگی نازل کرے، میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ تیری نعمت زائل ہو جائے، اور تیرا غضب اچانک اتر پڑے، اور تیری سلامتی کا رخ مجھ سے پھر جائے، تیری رضا میرے نزدیک ہر چیز سے بہتر ہے۔

لاَ حَوْلَ وَلاَ قُوَّةَ اِلاَّ بِکَ میرے پاس کوئی طاقت نہیں، کوئی قوت نہیں، سوائے تیرے۔

مستجاب الدعوات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بوقت سفر یہ دعا، درحقیقت ہر مسافر کے لئے تعلیم ہے، کہ آپ ہی کے ارشاد کے مطابق قبولیت دعا کے اوقات میں سفر کے وقت کی دعا بھی ہے، کہ اللہ رحیم وکریم، دیگر اوقات کی بہ نسبت بوقت سفر اپنے بندوں پر زیادہ مہربان ہوتا ہے، کیونکہ سفر چاہے کتنا ہی محفوظ ہو لیکن بہر حال مسافر اس حالت میں بے یار و مددگار ہوتا ہے، اس کے لئے اللہ کے سوا کوئی سہارا نہیں ہوتا، پس اپنے اس کمزور بندے پر، اللہ تعالی مزید کرم فرماتا اور اس کی دعاؤں کو قبول فرماتا ہے۔

بہر حال اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس حال میں تشریف لے گئے، کہ دشمن اندھا تھا اور غافل تھا، آپ کے چلے جانے کے تھوڑی دیر بعد، کوئی آیا، اور اس نے پوچھا، کہ تم سب یہاں کیوں جمع ہو، انہوں نے پروگرام بتایا، اور پر امید ہو کر بولے، کہ بس عنقریب ہی محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) باہر آتے ہیں اور ہم سب حملہ آور ہو کر، ان کا کام تمام کیے دیتے ہیں، اس شخص نے کہا، احمقو! وہ تو نکل بھی گئے، اور دیکھو چلتے ہوئے انہوں نے تمہارے سروں کو خاک آلود کر دیا، کیا تمہیں کچھ پتہ نہیں، جونہی انہوں نے اپنے سروں پر ہاتھ پھیرے تو ان کے چہرے بھی خاک آلود ہو گئے، سب ہی ہکا بکا رہ گئے، لیکن پھر بھی انہیں یقین نہ آیا، کیونکہ جب انہوں نے بغور دیکھا تو، آقا کے بستر پر کوئی یمنی سبز چادر لپیٹے سو رہا تھا، انہیں خیال ہوا کہ وہ تو ابھی سو رہے ہیں، لہذا انہوں نے صبح تک اسی حالت میں انتظار کرنے کا فیصلہ کیا، جب صبح ہوئی، تو سونے والے نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عطیہ کو، احترام سے لپیٹا، اور جب انہوں نے دیکھا، تو علی نظر آئے، سب چلائے، محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کہاں ہیں، یہ تو علی ہیں، سارا منصوبہ خاک میں مل گیا، نامرادی کے بوجھ نے سر جھکا دیئے، مجبوراً نئی منصوبہ بندی کرنے لگے، سب پریشان تھے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کریں، بار بار ایک دوسرے سے کہتے، آخر وہ کیسے نکل گئے، کب نکلے اور کہاں گئے۔

ادھر اللہ کے رسول ﷺ اپنے رفیق سفر کے ہمراہ غار ثور کی طرف روانہ ہوئے، آبادی سے باہر نکل کر، آپ نے ایک ٹیلہ پر کھڑے ہوکر، مکہ پر الوداعی نظر ڈالی، اور نہایت غمناک ہوکر اپنے وطن عزیز کو، جس میں اللہ کا گھر موجود ہے، ان الفاظ کے ساتھ الوداع کہا، "وَاللّٰہِ اِنَّکِ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ اِلَیَّ وَاِنَّکِ لَاَحَبُّ اَرْضِ اللّٰہِ اِلَی اللّٰہِ وَلَوْلَا اِنَّ اَھْلَکِ اَخْرَجُوْنِیْ مَاخَرَجْتُ" بخدا! اے سرزمین مکہ! تو مجھے اللہ کی ساری زمین سے محبوب تر ہے اور بے شک اللہ کی ساری زمین سے تو اللہ کو بھی زیادہ پیاری ہے اگر تیرے رہنے والے مجھے یہاں سے نہ نکالتے، تو میں کبھی نہ نکلتا۔

آقا اور غلام، دونوں، غار ثور کی طرف رواں دواں ہیں، جو نہایت دشوار گزار پہاڑیوں کے درمیان ایک پہاڑی کی چوٹی پر واقع ہے، مکہ سے تقریباً تین میل کی مسافت ہے، لیکن جس کا عزم پہاڑوں سے زیادہ پختہ ہو، اس کے لئے، اس پہاڑ تک رسائی کیا دشوار؟ جسے وعدہ فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۝ پر یقین کامل ہو، اور اس کی منزل یسر ہو، تو اس کے لئے عسر کی کوئی حقیقت نہیں رہتی، پس رات کی تاریکی کے باوجود، دونوں تیزی سے چل رہے ہیں، اور اپنی منزل کے قریب تر ہو رہے ہیں، جان نثار ابوبکر کی ادا بھی ملاحظہ ہو، وہ کبھی آقا کے پیچھے چلتے، تو کبھی آپ کے آگے، کبھی دائیں تو کبھی بائیں، آقا ﷺ نے اپنے غلام کی اس ادا پر توجہ فرمائی، پوچھا، ابوبکر! یہ کیا ہے، کیسے چل رہے ہو، عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! اندھیرا ہے، کچھ نظر نہیں آرہا ہے، خطرہ ہے، کہ کسی طرف سے دشمن حملہ نہ کر دے، پس اپنی سمتیں تبدیل کر رہا ہوں، تاکہ آپ سے پہلے میں دشمن کا مقابلہ کروں، اور آپ کو کوئی ایذاء نہ پہنچے، اور جب حضرت ابوبکر کو، اپنے آقا ﷺ کی تکان کا احسان ہوتا، تو وہ آپ کو اپنے کندھوں پر بٹھا لیتے، اللہ اکبر، کیا مقدر تھا ابوبکر کا، رضی اللہ عنہ۔

غار ثور میں

سفر کا ایک مرحلہ ختم ہوا، غار کے دہانہ پر پہنچ گئے، ابوبکر تیزی سے آگے بڑھے اور عرض گزار ہوئے، "وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ" اس اللہ کے واسطے جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، "لَا تَدْخُلُہٗ حَتّٰی اَدْخُلَ قَبْلَکَ" آپ غار میں تشریف نہ لے جائیں، پہلے میں داخل ہوں گا، "وَاِنْ کَانَ فِیْہِ شَیْءٌ نَزَلَ بِیْ قَبْلَکَ" اگر وہاں کوئی موذی چیز ہو تو وہ پہلے مجھے اذیت پہنچائے (کیا کسی قائد و رہبر کو، ابوبکر جیسا غلام نصیب ہوا ہے؟ جواب نفی میں ہی ملے گا) مزید جان نثاری کی ادائیں ملاحظہ ہوں) حضرت ابوبکر غار میں داخل ہوئے، تاریک رات، پھر غار کا اندھیرا، کچھ سجھائی نہیں دے رہا، پہلے جھاڑو دی، غار کے چپہ چپہ کو ہاتھوں سے ٹٹولا، جہاں کوئی سوراخ معلوم ہوا، اپنی چادر پھاڑ کر اسے بند کیا، چادر ختم ہوگئی، ایک سوراخ پھر بھی باقی رہ گیا، اس سوراخ پر اپنی ایڑھی

رکھ کر بیٹھ گئے اور آقا سے تشریف فرما ہونے کی درخواست کی، آپ اندر داخل ہوئے، تھوڑی دیر بعد، آقا نے اپنا مقدس سر، غلام کی گود میں رکھا اور نہایت سکون سے سو گئے، اس موقع پر حکیم الامت مفتی احمد یار خان علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں، کہ غار ثور کی زیارت کے وقت مجھے کچھ ایسا اندازہ ہوا، کہ حضرت ابو بکر کی نشست بشکل رحل ہو گی، جس کے درمیان صاحب قرآن ﷺ استراحت فرما ہوئے، گویا رحل میں قرآن نظر آرہا ہو گا۔

جاں نثاری کی ایک اور ادا ملاحظہ ہو، حضرت ابو بکر کو محسوس ہوا، کہ ان کی ایڑھی پر کوئی کیڑا ڈس رہا ہے، تکلیف بڑھتی رہی، لیکن پائے ثبات میں جنبش نہ آئی، کہ آقا کی نیند میں خلل واقع ہونے کا خطرہ تھا، تو غلام کی آنکھوں نے، آقا ﷺ کے چہرہ پر ٹپک کر، اپنی تکلیف کا شکوہ پیش کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چشمہائے مبارکہ وا فرمائیں، غلام کے زرد چہرے پر نظر پڑی، پوچھا کیا ہوا، عرض کی یا رسول اللہ معلوم ہوتا ہے، اندر سے کوئی کیڑا کاٹ رہا ہے، ابو بکر نے ایڑھی پیش کی، شافی الامراض ﷺ نے اپنا لعاب شریف ایڑھی پر لگایا، فوراً ہی ابو بکر کے چہرے پر رونق آ گئی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا، لیکن کیڑا باہر آنے کا کسی محدث و مورخ نے ذکر نہیں کیا، معلوم ہوتا ہے، کیڑے کی یہ حرکت صرف، ابو بکر کی طرح، آقا کی زیارت کے لئے تھی، پس زیارت کر لی اور اندر ہی چھپا رہا، کہ بار بار زیارت ہوتی رہے۔

جب اجالا ہوا، اور ان لوگوں نے حضرت علی کو، بستر رسول پر پایا، تو ایک کہرام مچ گیا، پورے مکہ میں یہ خبر (آگ کی طرح پھیل گئی، کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) تو، رات کے اندھیرے میں نکل گئے، مشرکین کی ٹولیاں، آپ کی تلاش میں نکل پڑیں، ان کا خیال تھا، کہ وہ یثرب کی طرف گئے ہوں گے، لہٰذا اسی راستہ پر دور تک تلاش کیا لیکن کچھ پتہ نہ چلا، کسی نے کہا، ابو بکر کے گھر چلیں انہیں ضرور معلوم ہو گا، جب لوگ ان کے گھر پہنچے، تو وہ یہ سن کر اور زیادہ تلملائے، کہ ابو بکر بھی اپنے آقا کے ساتھ چلے گئے، یہ بتانے کے لئے دروازے پر حضرت اسماء آئی تھیں، ابو جہل نے ان سے ترشی سے پوچھا، کہ بتاؤ وہ دونوں کہاں گئے ہیں، اسماء نے بھی سخت جواب دیا، کہ ہمیں نہیں معلوم، ابو جہل نے، اسماء کے منہ پر طمانچے مارنا شروع کیے، یہاں تک کہ ان کا چہرہ سرخ ہو گیا، اور کان کی بالی گر پڑی، لیکن حضرت اسماء نے بھی پتا نہ دیا۔

جب حضرت ابو بکر مشرف باسلام ہوئے، تو ان کی مالیت چالیس ہزار درہم نقد تھی، لیکن بوقت ہجرت ان کے پاس صرف چار پانچ ہزار درہم باقی تھے، وہ بھی انہوں نے چلتے ہوئے اپنے ساتھ لے لئے، ایک دن، حضرت ابو بکر کے والد ابو قحافہ نے، حضرت اسماء سے کہا، مجھے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا

باپ تمہارے لئے کچھ چھوڑ کر نہیں گیا، ابو قحافہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور نابینا ہو چکے تھے، حضرت اسماء نے بتایا کہ، میں نے درہم ودینار رکھنے کی جگہ، چھوٹے چھوٹے پتھر رکھ دیئے اور ان پر کپڑا ڈال دیا، پھر دادا سے کہا، کہ، ابا جان کافی دولت چھوڑ گئے ہیں، آیئے آپ کو بتاؤں، دادا نے ہاتھوں سے ٹٹولا، اور کہا، ٹھیک ہے اب اطمینان ہو گیا، کہ تم لوگوں کو تکلیف نہ ہو گی، اسماء کہتی ہیں، ابا جان نے ہمارے لئے کچھ نہ چھوڑا تھا۔

بہر حال جب مشرکین کو ابو بکر کے گھر سے بھی کچھ پتہ نہ چلا، تو انہوں نے مکہ سے باہر جانے والے دوسرے راستوں کی خاک چھانی اور نامراد رہے، غار ثور چونکہ مکہ کے جنوب کی طرف اس شاہراہ پر واقع ہے، جو یمن کو جاتی ہے، اس لئے دشمن نے ادھر کا رخ نہ کیا، کیونکہ اس کے وہم گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ حضور یمن کا رخ کر سکتے ہیں، لیکن چونکہ یہ لوگ بلا منزل مارے مارے پھر رہے تھے اس لئے اتفاقاً اس راہ پر بھی آ گئے، اور بالکل غار ثور کے دہانے پر پہنچ گئے۔

دشمن غار کے دروازے پر

جب کفار کی ٹولیاں یکے بعد دیگرے، غار ثور کے دروازے پر پہنچنے لگیں اور حضرت ابو بکر نے ان کو اندر سے دیکھا، تو انہیں خوف ہوا، کہ اگر کافروں نے میرے آقا ﷺ کو دیکھ لیا، تو صورت حال بہت ہی خراب ہو جائے گی، پس انہوں نے آقا سے ہی عرض کی، یارسول اللہ! دشمن ہمارے اتنا قریب پہنچ چکا ہے، کہ اگر وہ اپنے پیروں پر نظر ڈالیں گے تو ہمیں دیکھ لیں گے، اللہ کے رسول ﷺ نے نہایت اطمینان سے فرمایا، ''لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا'' غم نہ کرو اللہ تمہارے ساتھ ہے، کیونکہ محبوب رب ﷺ کو یقین کامل تھا کہ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط کے وعدۂ الٰہی پورا ہونے کا اب وقت آ چکا ہے، اور میرا رب اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا، جب کہ وہ بڑی قدرت وقوت والا ہے، رب قدیر نے اپنے ایفائے عہد کی ظاہری تدبیر فرمائی، اور ہوا یہ کہ غار کے دہانہ پر ایک خار دار درخت اُگ آیا، اس درخت کو اہل عرب ''ام غیلان'' کہتے ہیں، جو آدمی کے قد کے برابر ہوتا ہے، اس کی شاخیں بڑی گنجان اور خاردار ہوتی ہیں، اس درخت کی موجودگی میں کسی کا غار کے اندر جانا بہت مشکل ہے، نیز، جنگلی کبوتروں کے ایک جوڑے نے گھونسلہ بنا لیا، اسی میں انڈے بھی دے دیئے، اور ان انڈوں کے سینے کے لئے کبوتری ان پر بیٹھ گئی۔

علامہ زرقانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، ''حرم مکہ میں جو کبوتر ہیں یہ اسی جوڑے کی نسل سے ہیں، (جس نے غار ثور پر گھونسلہ بنایا تھا) اس خدمت جلیلہ کا انہیں یہ صلہ دیا گیا، کہ چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود ان کی نسل منقطع نہیں ہوئی اور حرم شریف میں انہیں پناہ ملی ہوئی ہے، کوئی انہیں چھیڑ نہیں سکتا۔

ساتھ ہی غار کے منہ پر مکڑی نے ایک گھنا جالا تن دیا، دیکھنے سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ جالا، آج کل میں نہیں تنا گیا، بلکہ برسوں پرانا ہے، اللہ اکبر، غور فرمایئے، قدرت نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کے لئے کیسا انوکھا اہتمام فرمایا، کہ درخت اور جانور کو حفاظت پر مامور کیا، امیہ بن خلف، جیسا خبیث دشمن، جب غار کے دہانے پر پہنچا، تو اس کے ایک ساتھی نے کہا، کہ غار کے اندر جا کر تسلی کر لی جائے، امیہ، غصہ سے بولا، تم کس قدر احمق ہو، تمہیں مکڑی کا یہ جالا نظر نہیں آ رہا، جو، محمد (ﷺ) کی پیدائش سے بھی پہلے کا معلوم ہوتا ہے۔

ان واقعات کے متعلق، علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے لکھا، ''وَذٰلِکَ مِنْ حِمَایَةِ اللّٰہِ رَسُوْلَہٗ'' اور در حقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے انتظامات ہیں، اپنے رسول ﷺ کی حفاظت کے لئے۔

عصر حاضر کے محقق علامہ امام احمد ابو زہرہ، یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے، فرماتے ہیں، ''وَکَانَتْ اٰیَةً حِسِّیَّةً مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَاتِ'' یہ چیزیں ان معجزات میں سے ہیں، جو، حواس سے محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

اور قرآن کریم کے مطابق یہ ان تدابیر کا حصہ ہیں، جو کفار کے مکر و فریب کے مقابلہ کے لئے اللہ خیر الماکرین نے اختیار فرمائیں، ارشاد ہوا:

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ ؕ وَ یَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ ؕ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ ۞ (انفال)

''اور یاد کرو، جب وہ لوگ آپ کے بارے میں، خفیہ تدابیر کر رہے تھے، جنہوں نے کفر کیا، تا کہ آپ کو قید کر دیں، یا، آپ کو شہید کر دیں، یا، آپ کو جلاوطن کر دیں، وہ بھی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے، اور اللہ بھی خفیہ تدبیر فرما رہا تھا، اور اللہ سب سے بہتر خفیہ تدبیر کرنے والا ہے''۔

بہر حال اللہ کے رسول ﷺ نے تین دن اس غار میں قیام فرمایا، اس دوران رفیق سفر نے کیا حق رفاقت ادا کیا ہوگا اس کا اندازہ ان خدمات سے ہی بخوبی کیا جا سکتا ہے، جو انہوں نے، مکہ سے غار تک سفر کے دوران اور پھر غار کے اندر داخل ہونے کے وقت انجام دیں، علاوہ ازیں حضرت ابو بکر کا پورا خاندان، آقا ﷺ کے قیام غار ثور کے دوران، آپ کی خدمت میں لگا رہا، اسماء بنت ابی بکر، روزانہ رات کو کھانا لے کر آتیں، صاحبزادے عبداللہ ہر روز، اہل مکہ کی بوکھلاہٹ اور نئے نئے منصوبوں کی خبریں، آ کر دیتے، غلام عامر بن فہیرہ، سارا دن غار کے اردگرد بکریاں چراتے، جس کا مقصد، چوکیداری اور نگرانی تھا، پھر رات کو تازہ دودھ نکال کر گرم کرتے، اور آقا کی خدمت میں پیش کرتے، خاندان کے ان افراد کی خدمات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ، ابو بکر کا خاندان کس قدر قابل

اعتماد تھا، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں بلا تامل غار پر آنے جانے کی اجازت دے رکھی تھی۔

وَمَا حَوَى الْغَارُ مِنْ خَيْرٍ وَّمِنْ كَرَمٍ ۔۔۔ وَكُلُّ طَرْفٍ مِنَ الْكُفَّارِ عَنْهُ عَمِي

ہے قسم خیر و کرم کی جمع تھے جو غار میں ۔۔۔ کیا نظر آتا نہیں کفار تھے سب کور چشم

فَالصِّدْقُ فِي الْغَارِ وَالصِّدِّيقُ لَمْ يُرِيَا ۔۔۔ وَهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا بِالْغَارِ مِنْ أَرِمِ

صدق اور صدیق غار ہی میں تھے چھپے ۔۔۔ غار میں کوئی نہیں کفار کہتے تھے بہم

قرآن کریم میں واقعہ ہجرت

إِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ۗ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (توبہ)

"اگر تم، رسول کریم کی مدد نہ کرو گے (تو کیا ہوا) ان کی مدد فرمائی ہے خود اللہ نے، جب ان کو کفار نے (وطن سے) نکالا تھا، آپ دوسرے تھے، دو (میں) سے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے رفیق سے فرما رہے تھے، کہ مت غمزدہ ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، پھر نازل کی اللہ نے، اپنی تسکین ان پر، اور مدد فرمائی، ان کی ایسے لشکروں سے، جنہیں تم نے نہ دیکھا، اور کر دیا کافروں کی بات کو سرنگوں، اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند ہے، اور اللہ تعالیٰ غالب ہے، حکمت والا ہے"۔

آیت مبارکہ، ہجرت کے کئی سال بعد غزوۂ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی، جب بعض صحابہ نے غزوہ میں شریک ہونے میں سستی اور تامل کا مظاہرہ کیا، اس موقع پر وضاحت کی گئی کہ جہاد میں اگر شریک ہو کر، تم ہمارے رسول کی مدد نہ بھی کرو، تب بھی انہیں کوئی خطرہ لاحق نہیں، کہ ان کی مدد کا ذمہ تو اللہ نے لیا ہے، مثلاً ان کی زندگی کا خطرناک ترین وقت وہ تھا جب کافروں نے ان کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا، اور جب وہ وطن چھوڑ کر نکلے تو نہ تو تم ان کے ساتھ نہ کوئی دوسرا ظاہری لشکر، اس طویل سفر میں ان کا مددگار محافظ حقیقی تھا، صرف ایک رفیق سفر تھا، اس سفر کے دوران سب سے زیادہ خطرناک وہ وقت تھا جب ہمارے محبوب صرف اپنے رفیق کے ساتھ غار ثور میں رونق افروز تھے، اور ایک ایسا مرحلہ جب رفیق نے گھبرا کر عرض کی، یا رسول اللہ! اگر کافروں نے جھک کر اپنے قدموں کی طرف تو وہ ہمیں دیکھ لیں گے، تو آقا نے جواب دیا، لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا غمزدہ نہ ہو، بے شک اللہ

ہمارے ساتھ ہے۔

ایسے خطرناک موقع پر اللہ نے آپ کی مدد فرمائی بایں صورت کہ دشمن قریب تر تھا کہ اللہ نے اپنے محبوب کو سکون وطمانیت کی دولت سے نوازا، اور آپ کے فیض سے یہ سکون واطمینان آپ کے رفیق کو بھی نصیب ہوا، کہ جب آقا ﷺ نے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا، تو غلام بے خوف وخطر ہو گیا، اب اس پر دشمن کے ڈر کا اثر تک نہ رہا، نیز اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد ایسے خفیہ لشکر سے کی جس کو کوئی نہ دیکھ پاتا تھا، کہ غار کے منہ پر کبوتروں کا گھونسلہ، مکڑی کا جالا، اور دوران سفر متعدد، عجیب وغریب واقعات کا پیش آنا، نصرت الٰہی کے سوا، اور کیا تھا!!! انجام کار کافر ذلیل وخوار ہوئے، ان کے منصوبے، پے در پے خاک میں ملتے رہے، اور فیصلہ الٰہی غالب رہا، کہ اللہ کا حکم غالب ہی رہتا ہے، اور اس کا ہر کام پر از حکمت ہوتا ہے۔

مدینہ روانگی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، غار ثور میں، تین دن قیام فرمایا، تا کہ دشمن تھک ہار کر بیٹھ جائے، اور اپنی ذلت وخواری کے ماتم میں مصروف ہو جائے اور ایسا ہی ہوا تین دن بعد آپ عازم مدینہ ہوئے، آج حضرت اسماء کھانا، کچھ زیادہ لائیں، تا کہ دوران سفر بھی کام آئے، لیکن توشہ دان باندھنے کے لئے، کوئی ڈوری لانا بھول گئیں، پس آپ نے اپنا کمر بند کھولا، پھاڑ کر، اس کے دو حصے کیے، ایک حصہ اپنی کمر پر باندھا، اور دوسرے سے توشہ دان، اونٹنی کے کجاوہ میں باندھا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی ذکاوت دیکھی تو خوش ہو کر، فرمایا، "اَنْتِ ذَاتُ النِّطَاقَيْنِ" تم دو کمر بندوں والی ہو، حضرت اسماء اسی لقب سے مشہور ہیں، جو انہیں خود بھی بہت پسند تھا، عبداللہ بن اریقط، جنہیں راہبری کے لئے مقرر کیا گیا تھا، حسب ہدایت اونٹنیاں لے کر حاضر ہو گئے، ان میں سے جو بہترین اونٹنی تھی، حضرت ابو بکر نے پیش کرتے ہوئے، آقا سے گزارش کی، "اِرْكَبْ فِدَاكَ اَبِیْ وَاُمِّیْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" اے اللہ کے رسول ﷺ، آپ پر، میرے ماں باپ قربان، سواری فرمایئے، آپ نے فرمایا، ابو بکر! "اِنِّیْ لَا اَرْكَبُ بَعِيْرًا لَيْسَ لِیْ" میں اس اونٹ پر سوار، نہ ہوں گا، جو میرا نہیں، ابو بکر نے عرض کی، "هِیَ لَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ بِاَبِیْ وَاُمِّیْ" حضور! آپ پر میرے ماں باپ قربان، یہ اونٹنی آپ ہی کی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، پہلے بتاؤ، تم نے یہ اونٹنی کتنے میں خریدی ہے، غلام نے آقا کے حکم کی تعمیل کی اور اونٹنی کی قیمت بتا دی، آپ نے فرمایا، میں یہ اونٹنی اسی قیمت میں تم سے خریدتا ہوں، اس اونٹنی کا نام "الجدعاء" تھا۔

میرے آقا ﷺ نے، حضرت ابو بکر کی بے شمار خدمات کے باوجود، اونٹنی کا تحفہ ان سے قبول نہ

کیا، کیونکہ ہجرت عبادت ہے، آپ نے پسند نہ فرمایا، کہ عبادت کے ثواب میں کوئی کمی واقع ہو، آپ کا یہ عمل حقیقتاً غلاموں کے لئے ایک سبق ہے۔

بہر حال اللہ کے رسول ﷺ، اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے، اور حضرت ابو بکر اپنی اونٹنی پر انہوں نے اپنے پیچھے اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو بھی بٹھایا، تا کہ وہ دوران سفر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کریں، یہ قافلہ چار افراد پر مشتمل تھا، آقائے کائنات ﷺ، حضرت ابو بکر صدیق، عامر بن فہیرہ، اور عبداللہ بن ارلقط، جسے راہبر کی حیثیت سے اجرت پر لیا گیا تھا، یہ چونکہ نہایت ماہر راہبر تھا، لہٰذا قافلہ کو عام اور معروف راستہ سے خطرات کے باعث نہ لے گیا بلکہ غیر معروف راستہ اختیار کیا، جو اگر چہ دشوار گزار تھا لیکن محفوظ تھا، آپ بارہ دن کی مسافت طے کر کے، ربیع الاول کی بارہ تاریخ سوموار کے دن، دوپہر کے وقت قبا پہنچے جہاں، آقا کے غلام بے چینی سے آقا ﷺ کے منتظر تھے۔

تیس گھنٹے مسلسل سفر

اس مقدس سفر کا پہلا مرحلہ تقریباً تیس گھنٹہ کا تھا، کہ پورا دن، پوری رات، اور دوسرے دن دوپہر تک مسلسل سفر کیا، دوسرے دن تیز دھوپ، لو، اور تپتی ہوئی زمین کے سبب رفیق سفر نے، اپنے آقا کو آرام کرانے کا فیصلہ کیا، چاروں طرف نظر دوڑائی، کہ شاید کوئی سایہ دار درخت مل جائے، لیکن دور، دور تک کوئی درخت نظر نہ آیا، البتہ ایک چٹان نظر آئی، جس کا کچھ سایہ عین دوپہر کے وقت بھی موجود تھا، آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ، دیر یہاں ٹھہرنے کی درخواست کی جو قبول ہوئی، ابو بکر نے سایہ دار جگہ صاف کی، چادر بچھائی اور آقا سے آرام فرمانے کی گزارش کی، آپ لیٹتے ہی سو گئے، ابو بکر، خود چٹان کے اوپر چڑھ گئے، تا کہ دیکھ سکیں کہ کوئی تعاقب تو نہیں کر رہا، اسی دوران انہوں نے ایک چرواہے کو دیکھا، جو اسی چٹان کی طرف آ رہا تھا، جب وہ قریب آ گیا، تو آپ نے اس سے دودھ کی فرمائش کی اور اسے برتن دیا، اس نے ایک بکری دوہی، ابو بکر نے وہ دودھ، پانی میں رکھ کر ٹھنڈا کیا، اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بیدار ہو چکے تھے، ابو بکر نے آپ کی خدمت میں دودھ پیش کیا جسے آپ نے نوش فرمالیا، پھر قافلہ اپنی منزل کی رواں دواں ہوا۔

ام معبد کا واقعہ

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

قافلہ رواں دواں تھا، حضرت ابو بکر کو آقا کے آرام اور کچھ کھانے کے انتظام کی فکر ہو رہی تھی، کہ

آپ کی نظر ایک خیمہ پر پڑی جس کے سامنے ایک باوقار، ادھیڑ عمر عورت بیٹھی تھی، یہ قبیلہ بنو خزاعہ کی ام معبد تھیں، حضرت ابوبکر نے ان سے پوچھا، کیا تمہارے پاس فروخت کرنے کے لئے، گوشت اور کھجوریں ہیں، انہوں نے جواب دیا، "لَوْ كَانَ عِنْدَنَا شَیْءٌ مَا اَعْوَذُكُمُ الْقِرىٰ" اگر ہمارے پاس کوئی چیز ہوتی، تو ہم تمہاری میزبانی میں کوئی کمی نہ کرتے، یہ وہ زمانہ تھا جب اس علاقہ میں قحط تھا، اور کوئی چیز دستیاب نہ تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، خیمہ کے کونہ میں ایک بکری کھڑی دیکھی، آپ نے پوچھا، ام معبد! یہ بکری کیسی ہے، انہوں نے بتایا کہ یہ اتنی لاغر و کمزور ہو چکی ہے، کہ ریوڑ کے ساتھ چرنے بھی نہیں جا سکتی، اس لئے یہاں ہے، آپ نے پوچھا کیا یہ دودھ دیتی ہے، ام معبد نے کہا، یہ اتنی کمزور ہے، کہ اس کی کھیری میں دودھ کا ایک قطرہ بھی نہیں، آپ نے فرمایا، اگر تم اجازت دو، تو میں اسے دوہ لوں، ام معبد نے کہا، اگر اس سے دودھ نکل سکے تو آپ ضرور دوہ لیں، آقائے رحمت ﷺ نے، بکری پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور پھر ایک بڑے برتن میں اسے دوہنا شروع کیا، اور دودھ کی نہر بہا دی، برتن بھر گیا، پہلے ام معبد کو دودھ پلایا، اور اپنے رفقائے سفر کو، اور جب سب خوب سیر ہو گئے، تو آپ نے خود نوش فرمایا، اس موقع پر آپ نے فرمایا، "سَاقِی الْقَوْمِ اٰخِرُهُمْ" قوم کو پلانے والا، خود آخر میں پیتا ہے، آپ نے پھر اس بکری کو دوہا، یہاں تک کہ وہ برتن بھر گیا، آپ نے وہ ام معبد کو دیا، اور سفر پر روانہ ہو گئے، ام معبد حیرت و عقیدت سے آپ کو دیکھتی رہ گئیں، تھوڑی ہی دیر بعد، ان کا شوہر، اپنی دبلی پتلی بکریاں چرا کر واپس آیا، اور ایک بڑے برتن میں دودھ رکھا دیکھ کر، ہکا بکا رہ گیا، پوچھنے لگا، یہ کیا، یہ دودھ کی کوئی نہر بہی تھی، جس سے تم نے یہ برتن بھر لیا، ام معبد نے کہا، بخدا! یہاں سے ایک مبارک آدمی گزرا، جس کی یہ برکت ہے، پھر ام معبد نے تفصیل سے سب باتیں بتائیں، شوہر نے کہا، ذرا مجھے بتاؤ، اس کا حلیہ کیسا تھا، مجھے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی مبارک تھا، جس کی تلاش میں قریشی، مارے مارے پھر رہے ہیں، اور وہ اس کے خون کے پیاسے دشمن ہیں۔

ام معبد نے، میرے آقا ﷺ کا جو حلیہ بیان کیا، اس کو پڑھ کر ہمارا ایمان تازہ ہو گیا، اور ہم اسے یہاں اسی لئے نقل کرتے ہیں، کہ قارئین بھی اپنا ایمان تازہ کریں، ام معبد، حلیہ مبارک بیان کرتی ہیں:

رَاَیْتُ رَجُلًا ظَاهِرَ الْوَضَاءَةِ حَسَنَ الْخُلُقِ مَلِیْحَ الْوَجْهِ لَمْ تَعِبْهُ تَجْلَةٌ وَلَمْ تَزْرِ بِهٖ صَعْلَةٌ قَسِیْمٌ وَسِیْمٌ	میں نے ایسا مرد دیکھا جس کا حسن نمایاں تھا، جس کی ساخت بڑی خوبصورت اور چہرہ ملیح تھا، نہ بڑھی توند اسے معیوب کرتی تھی، نہ پتلی گردن، اور چھوٹا سر اس میں نقص پیدا کر رہا تھا، بڑا حسین، بہت خوبرو،

فِیْ عَیْنَیْهِ دَعَجٌ وَفِیْ اَشْفَارِهٖ وَطَفٌ وَفِیْ صَوْتِهٖ صَحَلٌ

آنکھیں سیاہ اور بڑی، اور پلکیں لانبی، اس کی آواز گونج دار تھی،

اَحْوَلُ، اَکْحَلُ، اَزَجُّ، اَقْرَنُ

سیاہ چشم، سرگیں، دونوں ابرو باریک اور ملی،

وَفِی عُنُقِهٖ سَطَحٌ، وَفِی لِحْیَتِهٖ کَثَاثَةٌ

گردن چمکدار تھی، ریش مبارک گھنی تھی،

اِذَا صَمَتَ فَعَلَیْهِ الْوَقَارُ

جب وہ خاموش ہوتے تو پروقار ہوتے،

وَاِذَا تَکَلَّمَ سَمَا وَ عَلَاہُ الْبَهَاءُ

جب گفتگو فرماتے تو چہرہ پر رونق اور بارونق ہوتا، شیریں گفتار،

حُلْوُ الْمَنْطِقِ

فَصْلٌ لَانَزْرٌ وَلَا هَذْرٌ

گفتگو واضح ہوتی نہ بے فائدہ ہوتی اور نہ بیہودہ،

کَاَنَّ مَنْطِقَهٗ خَرَزَاتُ نَظْمٍ یَتَحَدَّرْنَ

گفتگو موتیوں کی لڑی ہوتی،

جس سے موتی جھڑ رہے ہوتے،

اَبْهَی النَّاسِ وَاَجْمَلَهٗ مِنْ بَعِیْدٍ وَاَحْسَنَهٗ مِنْ قَرِیْبٍ

دور سے دیکھنے میں سب سے زیادہ بارعب اور جمیل نظر آتے،

اور قریب سے دیکھا جائے، تو سب سے زیادہ خوبرو اور حسین نظر آتے،

رَبْعَةٌ، لَا تَشْنَاہُ عَیْنٌ مِنْ طُوْلٍ لَا تَقْتَحِمُهٗ عَیْنٌ مِنْ قِصَرٍ

درمیانہ قد، نہ اتنا طویل کہ آنکھوں کو برا لگے،

نہ اتنا چھوٹا، کہ آنکھیں حقیر سمجھنے لگیں،

غُصْنٌ بَیْنَ غُصْنَیْنِ

آپ دو شاخوں کے درمیان ایک شاخ کی طرح تھے،

فَهُوَ اَنْضَرُ الثَّلَاثَةِ مَنْظَرًا

جو سب سے زیادہ سرسبز و شاداب اور قد آور ہے،

وَاَحْسَنُهُمْ قَدْرًا

اور باعتبار قدر و منزلت سب سے بہتر تھے،

لَهٗ رُفَقَاءُ یَحِفُّوْنَ بِهٖ

ان کے ایسے ساتھی تھے جو ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے تھے،

اِذَا قَالَ اسْتَمِعُوْا لِقَوْلِهٖ

جب وہ ان سے کچھ کہتے تو فوراً تعمیل کرتے،

وَاِنْ اَمَرَ تَبَادَرُوْا لِقَوْلِهٖ

اگر آپ انہیں حکم دیتے تو فوراً بجالاتے،

مَحْفُوْدٌ مَحْشُوْدٌ — سب کے مخدوم، سب کے محترم تھے،

لَا عَابِسٌ وَلَا مُفَنَّدٌ — نہ وہ ترش رو تھے، نہ ان کے فرمان کی مخالفت کی جاتی تھی،

ذرا غور فرمائیے، کیسے حسین اور پیارے انداز میں حلیہ مبارکہ پیش کیا، نیز آپ کو مبارک کہا، جب کہ ام معبد، ابھی حلقہ بگوش اسلام نہ ہوئی تھیں، انہیں مسلمان ہونے کا شرف کچھ عرصہ بعد مدینہ منورہ میں نصیب ہوا، حالت کفر کا یہ بیان عقیدت نہیں حقیقت تھا، جس کا اعتراف ام معبد نے کیا نہیں بلکہ، ان سے کرایا گیا، تا کہ ثابت کیا جائے، کہ سب کافر، محبوب ﷺ کے دشمن نہ تھے، بلکہ صرف قریشی اور کفار مکہ ہی کی آنکھوں پر پردے پڑے تھے، جب کہ، ام معبد نے تو آپ کی صرف جھلک ہی دیکھی تھی، گھنٹہ، دو گھنٹہ دیدار کا موقعہ میسر آیا تھا اور کفار مکہ نے تو ترپن سال آپ کو دیکھا، اور خوب دیکھا بھی پرکھا بھی، وہ تو آپ کے خاندان تک سے واقف تھے، ان کا تو آپ سے خونی تعلق اور رشتہ بھی تھا لیکن برا ہو، تعصب اور ہٹ دھرمی کا، جو اعتراف حقیقت میں سب سے بڑی دیوار بن جاتی ہے، آنکھ، اور کان ہونے کے باوجود انسان، اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے، ام معبد کی آنکھوں پر نہ تعصب کا پردہ تھا، نہ ہی وہ ہٹ دھرم تھیں، پس انہوں نے اظہار حقیقت کیا، اور ان کے شوہر نے بھی اسے تسلیم کیا، سو، دنیا میں خوشحالی میسر آئی جہنم سے آزادی یقینی ہوئی، کہ دونوں مسلمان ہو گئے۔

سراقہ بن مالک کا واقعہ

کفار مکہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعاقب میں اپنی ناکامی و نامرادی کے باوجود، اپنی مہم سے باز نہ آئے، اب انہوں نے ایک دوسری تدبیر اختیار کی، کہ آپ کو اور آپ کے رفیق کو زندہ یا مردہ، پکڑ کرلانے پر، فی کس سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا، انہوں نے مختلف قبائل میں جا کر، اس انعام کی تشہیر کی، افلاک زدہ اہل مکہ کے لئے یہ انعام معمولی نہ تھا، قبیلہ بنو مدلج کے ایک نوجوان سراقہ بن مالک جعشمی نے اس انعام کے لالچ میں یہ مہم سر کرنے کا فیصلہ کیا، سراقہ ایک ماہر شمشیر زن اور تیر افگن تھا، وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا، اور اس اہم مہم پر روانہ ہو گیا۔

سراقہ کے بیان کے مطابق، جب اس نے اس مختصر قافلہ کو دیکھا، تو پر امید ہو کر اس نے اپنی گھوڑی کو ایڑھ لگائی جو مزید تیز دوڑنے لگی، لیکن اچانک اسے ایک ٹھوکر لگی اور وہ زمین پر آ گرا، سراقہ نے اپنے ترکش سے فال کا تیر نکالا، جس پر لکھا تھا، کہ تم اپنی مہم میں کامیاب نہ ہو سکو گے، لیکن وہ تو انعام کے لالچ میں ایسا اندھا تھا، کہ اس نے فال کی بھی پروانہ کی، اور پھر سوار ہو کر گھوڑی دوڑا دی، ادھر حضرت ابوبکر صدیق، بار بار پیچھے دیکھ رہے تھے، آقا ﷺ نے پوچھا، ابوبکر! کیا ہوا، بار بار پیچھے

کیوں دیکھ رہے ہو، عرض کی، یارسول اللہ! سراقہ ہمارا تعاقب کر رہا ہے، اور بالکل ہمارے قریب آ چکا ہے، آپ نے نہایت اطمینان سے فرمایا، لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، اپنے رفیق کو غمزدہ دیکھ کر، مستجاب الدعوات نے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی، "اَللّٰھُمَّ اکْفِنَاہُ بِمَا شِئْتَ" اے اللہ! جس طرح تیری مشیت ہو، ہمیں دشمن کے شر سے بچا، دعا مقبول ہوئی، سراقہ کی گھوڑی زمین میں دھنسنے لگی اور وہ دور جا گرا، اب سراقہ چلایا، یا محمد (ﷺ) مجھے بچایئے، مجھے معاف کر دیجئے، میں وعدہ کرتا ہوں، کہ میں واپس چلا جاؤں گا، اور آپ کا تعاقب کرتا ہوا، جو بھی مجھے ملے گا، اس کو بھی واپس کر دوں گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رفیق سے فرمایا، اس سے پوچھو وہ ہمارا تعاقب کیوں کر رہا ہے، ابوبکر کے پوچھنے پر، اس نے جواب دیا، کہ آپ کی قوم نے، آپ کو گرفتار کرنے والے کے لئے بڑے انعام کا اعلان کیا ہے، جس کے لالچ میں مجھ سے یہ خطا ہوگئی، آپ مجھے معاف فرمادیں، میں آپ کو سفر کے لئے زادِ راہ پیش کرتا ہوں، اور سواری کے لئے جانور پیش کرتا ہوں، آپ قبول فرمالیں، لیکن غنی آقا نے فرمایا، "لَا حَاجَۃَ لَنَا فِیْ غَنَمِکَ وَ اِبِلِکَ" ہمیں تیری بکریوں اور اونٹوں کی ضرورت نہیں، پس تم اتنا کرو، کہ "اِخْفِ عَنَّا" ہمارا راز فاش نہ کرنا۔

سراقہ نے بتایا، کہ جب مجھے اندازہ ہوا، کہ محمد (ﷺ) مائل بکرم ہیں، تو میں نے گزارش کی، کہ مجھے امان کی تحریر عطا ہو جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر، حضرت ابوبکر نے امان کی سند عطا فرمائی، جب سراقہ، واپس ہونے لگا تو آقائے رحمت ﷺ نے اس کو اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے فرمایا، "کَیْفَ بِکَ یَا سُرَاقَۃُ اِذَا سُوِّرْتَ بِسُوَارِیْ کِسْرٰی" اے سراقہ! تیری کیا شان ہو گی، جب تجھے، کسریٰ کے کنگن پہنائے جائیں گے، سراقہ حیرت سے بولا، "کِسْرَی ابْنُ ھُرْمُزْ" کسریٰ ابن ہرمز کے کنگن، مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، "نعم" اور سراقہ خوش ہو کر واپس لوٹ گیا۔

یہ مقام غور ہے، کہ اللہ کے نبی ﷺ نے از خود سراقہ کو، کسریٰ کے کنگن مرحمت فرمائے، کیونکہ سراقہ انعام کے لالچ میں آپ کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا تھا، اور اب کفار کی طرف سے انعام حاصل کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، پس آقائے رحمت ﷺ نے اس لالچی کو سندِ امان کے ساتھ مادی انعام بھی عطا فرمادیا، تاکہ اسے کبھی یہ خیال بھی نہ آئے، کہ میں صرف محمد (ﷺ) کے سبب اتنے بڑے انعام سے محروم رہا، مزید برآں غور فرمایئے، کہ انعام سے اس حالت میں نوازا جا رہا ہے، جب منعم خود بے وطن مسافر ہے، پردیس اس کی منزل ہے، اور انعام بھی معمولی نہیں، کسریٰ کے کنگن۔ عجیب بات ہے، لیکن اس پر نہ تو رفیق سفر کو کوئی حیرت ہوتی ہے، اور نہ ہی سراقہ اسے مسخرہ پن قرار دیتا ہے، جب کہ وہ اب تک مسلمان بھی نہیں ہوا تھا، اس نے یقین کر لیا، اور خوش ہو کر واپس ہوا،

اور جو مخبر صادق ﷺ نے فرمایا وہ ہو کر رہا، کہ سراقہ فتح مکہ کے بعد مشرف با سلام ہوئے، اور ایک مدت بعد سراقہ کو کسریٰ کے کنگن بھی ملے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایران فتح ہوا، کسریٰ کے مال غنیمت سے مسجد نبوی شریف کا صحن بھر گیا، حضرت عمر کی نظر کسریٰ کے کنگنوں پر پڑی، آپ نے سراقہ کو بلایا، اور آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق، انہیں کنگن پیش کیے، یہ ہے میرے آقا ﷺ کا کمال علم، وہ کہا جو رب نے کہلوایا، اور وہی ہو کر رہا جو آپ نے فرمایا:

حضرت علامہ سہیلی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، سراقہ اگر چہ ایک بدو تھا، جسے پیشاب تک کرنے کا سلیقہ نہ تھا، ''وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يُعِزُّ بِالْاِسْلَامِ اَهْلَهٗ'' لیکن اللہ تعالیٰ اسلام کی برکت سے اہل اسلام کو عزت عطا فرماتا ہے، ''يُسْبِغُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَاُمَّتِهٖ نِعْمَتَهٗ وَفَضْلَهٗ'' اور محمد ﷺ اور آپ کی امت پر، اپنی نعمتوں اور فضل و کرم کی برکھا برساتا ہے۔

چرواہے کا مسلمان ہونا

اللہ کے رسول ﷺ اگر چہ حالت سفر میں تھے، لیکن آپ کا مشن جاری تھا، دعوت تبلیغ کا کام چل رہا تھا اور خوش نصیب مشرف با سلام بھی ہو رہے تھے، ام معبد پر، آپ کی زیارت کا جو اثر ہوا، اور پھر انہوں نے مدینہ منورہ حاضر ہو کر، اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کیا، تفصیلی واقعہ آپ پڑھ چکے، سراقہ بن مالک کا آپ نے واقعہ پڑھا، وہ اسی سفر کے دوران متاثر ہوئے اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے، اب ایک چرواہے کا واقعہ بھی ملاحظہ ہو۔

اللہ کی حفظ و امان میں راہ حق کے مسافر اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہیں، کہ ایک خوش قسمت چرواہا، بکریوں کو چراتا نظر آیا، آقا ﷺ نے اس سے فرمایا، اگر تمہارے پاس دودھ ہے، تو ہمیں پلاؤ، چرواہے نے، معذرت کے انداز میں کہا، افسوس، ان بکریوں میں کوئی دودھ والی نہیں، ورنہ میں ضرور، آپ کی تواضع کرتا، سرکار نے ایک بکری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اس بکری کو لاؤ، چرواہے نے بکری پیش کرتے ہوئے کہا، یہ تو بچہ ہے، جو دودھ کے لائق نہیں، جان دو عالم ﷺ نے، اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا، برتن منگایا، اور اپنے ہی دست مبارک سے دوہنا شروع کیا، تو دودھ کی نہر جاری ہو گئی، آپ نے پہلے، ابو بکر کو دودھ پلایا، پھر چرواہے کو پھر خود نوش فرمایا، چرواہا، یہ منظر دیکھ کر، حیران و ششدر رہ گیا، بولا، للہ! بتایئے، آپ کون ہیں، آج تک میں نے آپ جیسا کوئی نہ دیکھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''اِنِّیْ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ'' میں محمد، اللہ کا رسول ہوں، چرواہے نے پوچھا کیا آپ وہی ہیں جن کے متعلق قریش کہتے ہیں، کہ آپ نے اپنا آبائی دین ترک کر دیا ہے، آپ بتوں کو برا بھلا کہتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہاں ایسا ہی ہے، چرواہا بول اٹھا، ''وَاَشْهَدُ

اَنَّکَ نَبِیٌّ وَاَنَّ مَاجِئْتَ بِہٖ حَقٌّ" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ سچے نبی ہیں، اور جو دین لے کر آپ آئے ہیں وہ حق ہے، کیونکہ جو آپ نے کیا ہے، وہ نبی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا، پس میں آپ کا فرمانبردار، اور اطاعت گزار ہوں۔

بریدہ بن حصیب کا مشرف باسلام ہونا

بریدہ بن حصیب الاسلمی اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں، کہ جب میں نے سنا کہ قریش نے محمد (ﷺ) کی گرفتاری پر سو اونٹ کا انعام مقرر کیا ہے، تو اتنے بڑے انعام کے لالچ میں، میں آپ کا تعاقب کرنے کے لئے نکل پڑا، ساتھ، میری قوم بنو سہم کے ستر، شہسوار بھی تھے، میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پا لیا، آپ نے مجھ سے پوچھا، "مَنْ اَنْتَ" تو کون ہے میں نے بتایا، میرا نام "بریدہ" آپ حضرت ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، "بَرَدَ اَمْرُنَا وَصَلُحَ" ہماری مہم کی تپش ٹھنڈی ہوگئی اور حالات درست ہو گئے، پھر آپ نے پوچھا، "مِمَّنْ اَنْتَ" تم کس خاندان سے ہو، میں نے کہا، میں قبیلہ اسلم سے ہوں آپ نے فرمایا، "سَلِمْنَا" ہم محفوظ ہو گئے، پھر آپ نے فرمایا، "مِمَّنْ" بنی اسلم کی کون سی شاخ سے ہو، میں نے کہا، "مِنْ بَنِیْ سَهْمٍ" بنو سہم سے ہوں، آپ نے فرمایا، "خَرَجَ سَهْمُکَ یَا اَبَابَکْرٍ" اے ابوبکر! تمہارا تیر نکل آیا ہے، بریدہ کہتے ہیں، "مَنْ اَنْتَ" آپ کون ہیں، فرمایا، "اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ" میں محمد بن عبداللہ، اللہ کا رسول ہوں، بریدہ کہتے ہیں، میں نے فوراً کہا، "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ" بریدہ کے ستر ساتھی بھی اسی وقت حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، حضرت بریدہ نے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا، "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَسْلَمَ بَنُوْ سَهْمٍ طَائِعِیْنَ غَیْرَ مُکْرِهِیْنَ" تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں، کہ بنو سہم، اپنی خوشی سے مسلمان ہوئے، کسی مجبوری سے نہیں۔

تیرہ سالہ کی دور نبوت میں، ایک ساتھ اسلام قبول کرنے والا، پہلا قافلہ، حضرت بریدہ کا قافلہ ہے، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ، اور وہ بھی حالت سفر میں، جس سے ایک مختصر قافلہ، بڑا قافلہ بن گیا، گویا اللہ تعالیٰ نے حدود مدینہ میں داخل ہونے سے قبل، اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے غلاموں کی ایک جماعت فراہم کر دی، تا کہ آپ نئی آبادی میں، تزک واحتشام اور شان وشوکت سے داخل ہوں، اسی لئے حضرت بریدہ نے مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے، اپنے آقا ﷺ سے گزارش کی، "لَا تَدْخُلِ الْمَدِیْنَةَ اِلَّا وَمَعَکَ لِوَاءٌ" یارسول اللہ! آپ علم لہراتے مدینہ میں داخل ہوں، کہ علم، شان وشوکت اور کامیابی وکامرانی کی نشانی ہے، حضرت بریدہ نے اپنا عمامہ اتارا، اور نیزے کی نوک پہ باندھ کر، مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔

سراج منیر، مدینہ منورہ میں

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع

ثنیات الوداع سے چودھویں کے چاند نے ہم پر طلوع فرمایا،

وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع

ہم اس نعمت کا شکر ادا کرتے رہیں گے جب تک اللہ کو پکارنے والا پکارتا رہے گا،

اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاع

اے ہمارے پاس نبی بن کر تشریف لانے والے، آپ تشریف لائے کہ آپ کے حکم کی اطاعت کی جائے۔

جب سے اہل مدینہ کو، جان دو عالم ﷺ کی مکہ سے روانگی کا پتہ چلا، ان کی آتش شوق مزید بھڑک اٹھی، عام طور پر مکہ سے مدینہ کا سفر بارہ دن کا ہوتا تھا، یہ شب و روز تو، ان عاشقوں نے کسی نہ کسی طرح گزار ہی لئے لیکن جب اس میں تاخیر ہوئی تو ان کی اضطرابی کیفیت کی انتہا نہ رہی، اور حال یہ تھا، کہ وہ روزانہ صبح سویرے، مدینہ طیبہ سے باہر ایک میدان میں جمع ہو کر، مکہ کی راہ پر نظریں لگائے، بے چینی سے انتظار کرتے، اور جب سورج کی تمازت نا قابل برداشت ہو جاتی، اور کسی قافلہ کے سفر کا وقت بھی ختم ہو جاتا، تو وہ لا چار اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے، پھر سہ پہر کے وقت اسی میدان میں جمع ہوتے، اور رات کی تاریکی پھیلنے کے بعد واپس ہو جاتے، مضطربانہ انتظار کا یہ سلسلہ تین دن متواتر رہا، اور تیسرے دن جب نہایت افسردہ غمزدہ، حالت میں، رات کی تاریکی پھیل جانے کے بعد یہ عشاق اپنے گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے، تو انہیں ایک یہودی کی آواز سنائی دی، جس نے ایک اونچے ٹیلے سے اس نور افشاں قافلہ کو دیکھا اور پہچان لیا، وہ چلایا، "يَا بَنِيْ قَيْلَةَ هٰذَا جَدُّكُمْ قَدْ جَاءَ" اے قیلہ (انصار کی ایک وادی کا نام تھا) کے فرزندو! یہ ہے تمہارا بخت بیدار، دیکھو یہ تمہارے پاس آگیا ہے، جس کسی نے یہ آواز سنی، وہ دوسروں کو خوشخبری دیتا ہوا، الٹے پاؤں اپنے آقا ﷺ کے دیدار و استقبال کے لئے میدان کی طرف دوڑا آرہا تھا، تھوڑی ہی دیر میں، یہ میدان شمع رسالت کے پروانوں سے بھرا نظر آرہا تھا، جن پر انوار رسالت کے ترشح کا آغاز ہو چکا تھا، "جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَ نَبِيُّ اللّٰهِ" کی صدائیں گونج رہی تھیں، کہ اللہ کے نور کی جھلک نظر آئی، پروانے، خوشی و مسرت سے جھومتے، ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے، شمع نور کے گرد جمع ہو گئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اس وقت

میری عمر آٹھ یا نو سال کی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ورود مسعود کے وقت، ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ ہمارے درودیوار، آپ کے نور سے چمک اٹھے ہیں، گویا سورج طلوع ہو گیا۔

ہر عاشق، دست بوسی وقدم بوسی میں سبقت لے جانا چاہتا تھا، لیکن جن لوگوں کو آج پہلی مرتبہ شرف زیارت نصیب ہو رہا تھا، ان کے لئے حضرت ابوبکر اور حضور کے درمیان فرق کرنا اور آقا کو پہچاننا مشکل ہو رہا تھا، کیونکہ حضرت ابوبکر، تھوڑے سے فرق کے ساتھ تقریباً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہم عمر تھے، حضرت ابوبکر کو لوگوں کی اس دشواری کا احساس ہو گیا، اور آپ نے نہایت حکیمانہ انداز سے، اس مسئلہ کو سلجھا دیا، کہ آپ نے اپنی چادر لی اور اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تان کر کھڑے ہو گئے، اب ہر کسی کے لئے، خادم ومخدوم اور آقا وغلام کے درمیان فرق کرنا آسان ہو گیا۔

قبا میں قیام

مدینہ منورہ میں رونق افروز ہونے سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، جس بستی میں قیام فرمایا، اس کا نام قبا ہے، یہ مدینہ منورہ کے قریب ایک چھوٹی سی بستی تھی جہاں، حضرت عمرو بن عوف کا قبیلہ آباد تھا، یہی وہ خوش نصیب قبیلہ ہے، جسے مہاجرین کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا، اسی قبیلہ کو، سید العالمین ﷺ نے استراحت اور چند روز قیام فرمانے کا شرف بخشا، جب کہ اس وقت آپ کی زیارت کے لئے تقریباً، پانچ سو جاں نثار حاضر تھے، ہر ایک کی خواہش تھی کہ اسے آقا ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہو، وہ گزارش کر رہے تھے، ''اِنْطَلِقُوْا اٰمِنِیْنَ مُطَاعِیْنَ'' اپنی اونٹنیوں پر سوار ہو جایئے، اور بڑے اطمینان سے ہمارے ساتھ تشریف لے چلئے، آپ یہاں امن وامان سے رہیں گے، ہم سب غلام آپ کی اطاعت کریں گے، قبا میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، کلثوم بن ہدم کے گھر قیام فرمایا، حضرت کلثوم، قبیلہ بنی عوف کے ایک سردار تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو مکہ میں چھوڑا تھا، تاکہ وہ لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کر دیں، پس حضرت علی تین دن تک مکہ کے گلی، کوچوں اور بازاروں میں اعلان کرتے رہے، ''مَنْ کَانَ لَهٗ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَدِیْعَةٌ فَلْیَاْتِ نُؤَدِّیْ اِلَیْهِ اَمَانَتَهٗ'' لوگو! سن لو، جس کسی نے اپنی امانت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رکھی ہوئی تھی، وہ آئے اور اپنی امانت لے جائے، اس ذمہ داری سے فارغ ہونے کے بعد، مکہ سے روانہ ہوئے، رات کو آپ سفر کرتے تھے اور دن کہیں چھپ کر گزارتے تھے، آپ نے یہ سفر پیدل طے کیا، پائے مبارک پھول گئے، آبلے پڑ گئے، جن سے خون بہنے لگا، جب آپ قبا پہنچے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی تو آپ نے حضرت علی کو بلوایا، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! حضرت علی چلنے تک سے معذور ہیں، ان کے پاؤں

سوجے ہوئے ہیں اور ان سے خون بہہ رہا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت علی کے پاس خود تشریف لے گئے، انہیں گلے لگایا، ان کے پیر دیکھ کر آپ کی آنکھیں پرنم ہوگئیں پھر آپ نے اپنا لعاب مبارک حضرت علی کے پیروں پر ملا، جس سے فوراً آپ کی تکلیف ختم ہوگئی۔

تعمیر مسجد قبا

باختلاف روایت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبا میں، تین، دس، چودہ یا بائیس دن قیام فرمایا، دوران قیام آپ نے مسجد قبا تعمیر فرمائی، حضرت شموس بنت نعمان رضی اللہ عنہا نے، مسجد قبا کی تعمیر کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا، میں نے اپنی آنکھوں سے، اللہ کے پیارے رسول کی زیارت کی، قیام قبا کے دوران آپ نے مسجد تعمیر کی، تو میں نے آپ کو دیکھا کہ، آپ خود پتھر اٹھاتے تھے، اور اس پتھر سے گرنے والی مٹی، حضور کے، چمکتے ہوئے شکم مبارک پر پڑتی تھی، کوئی صحابی، آگے بڑھ کر، آپ سے وہ پتھر لینا چاہتے، تو آپ فرماتے، ''لَا خُذْ مِثْلَهٗ'' نہیں تم اس جیسا دوسرا پتھر لے لو، یہاں تک کہ مسجد مکمل ہوگئی، تعمیر مسجد کے لئے کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ نے زمین پیش کی، جس پر وہ اپنی کھجوریں خشک کیا کرتے تھے، جسے اللہ کے رسول ﷺ نے ہجرت کے بعد تعمیر کیا، یہی وہ مسجد ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر کیا گیا ارشاد ہوا:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

''البتہ وہ مسجد جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے، پہلے ہی دن سے زیادہ مستحق ہے، کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں، جو صاف ستھرا، رہنا پسند کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ پاک صاف لوگوں سے محبت کرتا ہے''۔ (توبہ)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ہر ہفتہ، پیدل یا سوار ہوکر، مسجد قبا تشریف لے جاتے تھے، آپ کا ارشاد ہے ''جو شخص وضو کرتا ہے، اور وضو بڑی عمدگی سے کرتا ہے، پھر مسجد قبا آتا ہے، اور اس میں نماز پڑھتا ہے، ''كَانَ لَهٗ اَجْرُ عُمْرَةٍ'' تو اسے عمرہ کا ثواب ملتا ہے''۔

قبا سے روانگی

تعمیر مسجد سے فارغ ہوکر آپ نے مدینہ منورہ کا عزم فرمایا، یہ دن عشاق و جان نثاران رسول ﷺ کے لئے بڑا ہی عظیم اور برکت والا دن تھا، جس کا انہیں مدتوں سے انتظار تھا، جس کے لئے وہ عرصہ دراز سے مضطرب و بے چین تھے، یہ جمعۃ المبارک کی وہ صبح تھی جس میں ہر طرف اجالا ہی اجالا

تھا، نور ہی نور پھیلا ہوا تھا، غلاموں کے چہرے نور ایمان اور مسرت وخوشی سے چمک دمک رہے تھے، غرضیکہ آج کی صبح نرالی صبح تھی، جو نہ اس سے پہلے آئی، نہ کبھی ایسی صبح کا سورج طلوع ہونے کی توقع کی جاسکتی تھی، بے شک بڑی ہی برکت والی اور عظمت والی صبح تھی،

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ جس روز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ میں رونق افروز ہوئے ''اَضَآءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ'' تو مدینہ کی ہر چیز چمک اٹھی، کہ ہر طرف نور ہی نور تھا،

باغ طیبہ میں سہانا پھول پھولا نور کا　　　مست بو ہیں بلبلیں پڑھتی ہیں کلمہ نور کا

حضرت ابن ابی خیثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں اس روز مدینہ ہی میں تھا، جس روز نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری ہوئی ''فَلَمْ اَرَ يَوْمًا اَحْسَنَ مِنْهُ وَلَا اَضْوَاً'' تو میں نے اس سے زیادہ حسین وروشن دن کبھی نہ دیکھا۔

چاشت کا وقت آگیا، سورج پوری آب وتاب اور تمازت کے ساتھ، بلند ہورہا ہے، مدینہ کے اہل ایمان اپنے آقائے رحمت ﷺ کو اپنے ہمراہ اپنی بستی میں لے جانے کے لئے جمع ہورہے ہیں، وہ بے تاب ہیں کہ کب، سورج ان کے افق پر طلوع ہوتا ہے اور تاریکی ختم ہوتی ہے، جشن کا سماں ہے، عاشقوں نے بہترین اور قیمتی لباس زیب تن کیا ہوا ہے، ہتھیار اپنے جسم پر سجائے ہوئے ہیں، اس استقبال میں حبشہ کے سیاہ رنگ عشاق بھی جوق در جوق شامل تھے، وہ اپنے خصوصی انداز سے شمشیر و سناں کے کرتب کا مظاہرہ کررہے تھے، ہر کوئی خوشی اور مسرت سے جھومتا نظر آرہا تھا، دفوں پر تھاپ لگ رہی تھی اور نغمے گائے جارہے تھے، بالآخر وہ مبارک وسعید گھڑی آپہنچی جس کے انتظار میں ہر دل مضطرب وبے چین تھا، آپ کو، قصویٰ، نامی اونٹنی پیش کی گئی، آپ نہایت پر جمال وجلال انداز میں اس پر جلوہ افروز ہوئے، غلاموں کے جھرمٹ میں، شہنشاہ کائنات کی سواری نے جونہی حرکت کی، نعرے بلند ہونے لگے، ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ قَدْ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' اللہ بڑا ہے، تحقیق اللہ کے رسول تشریف فرما ہو گئے، ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَآءَ مُحَمَّدٌ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَآءَ مُحَمَّدٌ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ جَآءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ'' ان پر جوش نعروں سے فضا گونج اٹھی، توحید ورسالت کے نعروں سے حق کا پرچم بلند ہوتا ہے، آج یہ نعرے دل کی گہرائی سے لگائے جارہے ہیں، اب کوئی نہیں، جو ان نعروں کی آواز کو قیامت تک دبا سکے، علم اسلام ہمیشہ کے لئے بلند ہو چکا، اب کوئی نہیں جو اسے سرنگوں کر سکے، ایک انقلاب آچکا ہے، حق وانصاف کا انقلاب، جس نے ہمیشہ کے لئے ظلم وستم اور ناانصافی کا خاتمہ کر دیا، اب کوئی نہیں جو ظلم کر سکے، اب کوئی نہیں جو کسی کی حق تلفی کر سکے، دہشت گردی وبدامنی کا دور دورہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا، اب اللہ کی [illegible] پر صرف اس کی عبادت ہوگی، اب اس کی زمین پر صرف اسی کا نظام نافذ ہوگا، اب وحشت و

بربریت کا خاتمہ ہو چکا، تہذیب و تمدن کے دور کا آغاز ہو رہا ہے، اب کوئی عورتوں کو اپنی ہوا و ہوس کا نوالہ نہ بنا سکے گا اب یتیموں، مسکینوں اور کمزوروں کا حق نہ مارا جا سکے گا، اب کوئی بھوکا نہ سو پائے گا، اب آیا عروج و ترقی کا دور، راحت و سکون کا زمانہ۔

بہر حال پر جوش نعروں کی گونج میں کائنات کے دولہا، آقائے رحمت، جان دو عالم ﷺ کی سواری، ''قصویٰ'' خراماں، خراماں، آگے بڑھ رہی ہے، قصویٰ کو بھی ناز ہے کہ وہ کائنات کی عظیم شخصیت کی سواری بن کر، کائنات میں سب سے عظیم سواری ہوگئی، اسے ناز ہے کہ وہ اللہ کے محبوب کی سواری بن کر، اللہ و رسول کی محبوب ہوگئی ہے، پس بڑے ہی ناز و نزاکت، اور سبک رفتاری سے وہ آگے بڑھ رہی ہے، اس کے پیچھے آقا ﷺ کے غلاموں کا ٹھاٹھیں مارتا جلوس ہے، مدینہ منورہ کے باسی انتظار کا ہر لمحہ نہایت اضطراب سے گزار رہے ہیں، بوڑھے بچے دست بستہ صف آرا کھڑے ہیں، عورتیں گھروں کے دروازوں اور چھتوں سے آقا کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے بے چین ہیں، بچیاں دف کی تھاپ پر نغمہ سرا ہیں:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
أَيُّهَا الْمَبْعُوثُ فِينَا جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاعِ

کاروان صدق و صفا کو چلے کافی وقت گزر چکا ہے، لیکن ابھی چند فرلانگ کا فاصلہ طے ہو پایا ہے، اور ہجوم بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے، اتنا ہجوم، کہ قصویٰ کے لئے چلنا دشوار ہوتا جا رہا ہے، اس کی سبک رفتاری میں خلل واقع ہو رہا ہے، اس کے کانوں میں صدا آ رہی ہے۔

قدم اے راہرو آہستہ تر نہ چو ما ہر ذرہ او درد مند است

اہل عشق و محبت کا یہ کاروان، خوشی و مسرت کی مستی میں جھومتا، اپنے راہبر و رہنما آقا ﷺ کی قیادت میں، بنو سالم بن عمرو بن عوف کے محلہ میں، نماز جمعہ کے وقت پہنچا، آقا ﷺ نے وہیں، ایک کشادہ میدان میں نماز کے اہتمام کا حکم صادر فرمایا، تھوڑی ہی دیر میں، اہل ایمان صف بستہ ہو گئے، معلم فصاحت و بلاغت خطیب اعظم ﷺ نے کھلی فضا میں، عقیدت مندوں اور عشاق کے ساز گار ماحول میں آج پہلی مرتبہ خطبہ ارشاد فرمایا، اور امام الانبیاء والمرسلین نے، پہلی نماز جمعہ کی امامت فرمائی خوش نصیب ہیں وہ غلام جو اس موقع پر، آقا کا خطبہ سن رہے تھے، اور انہیں آپ کی اقتداء میں نماز جمعہ ادا کرنے کا موقع میسر آیا۔

آپ نے اپنے طویل خطبہ میں غلاموں کو، تقویٰ و پرہیز گاری کی تاکید فرمائی، زندگی کے اصول

بیان فرمائے، باہمی محبت والفت کی تعلیم دی، عدل وانصاف کا درس دیا، خدمت دین کی ذمہ داریوں کا احساس دلایا، جاں نثاروں کی طرف سے عقیدت ومحبت کے اظہار پر شکریہ ادا کیا، اور حاضرین کے لئے دعا کی، اس یادگار اور تاریخی خطبہ کے چند اقتباس پڑھیے اور ایمان تازہ کیجئے، میرے آقا ﷺ نے فرمایا:

فَإِنَّهُ خَيْرُ مَا أَوْصَى بِهِ الْمُسْلِمُ الْمُسْلِمَ	بے شک بہترین وصیت، جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کرسکتا ہے۔
أَنْ يَحُضَّهُ عَلَى الْآخِرَةِ	یہ ہے کہ وہ اسے اپنی آخرت بہتر کرنے کے لئے برانگیختہ کرے۔
وَأَنْ يَأْمُرَهُ بِتَقْوَى اللَّهِ	اور اسے اللہ سے ڈرنے کا حکم دے۔
وَإِنَّ تَقْوَى اللَّهِ تُوَقِّيْ مَقْتَهُ وَتُوَقِّيْ عُقُوْبَتَهُ وَتُوَقِّيْ سَخَطَهُ	اور بے شک اللہ تعالیٰ سے ڈرنا بچاتا ہے اس کے غضب سے اور بچاتا ہے اس کے عذاب سے اور بچاتا ہے اس کی ناراضگی سے
فَأَحْسِنُوْا كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكُمْ	اور تم بھی بھلائی کرو، جس طرح اللہ نے تمہارے لئے احسان فرمایا
فَأَكْثِرُوْا ذِكْرَ اللَّهِ	پس کثرت سے اللہ کا ذکر کیا کرو،
وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ	اور موت کے بعد زندگی کے لئے عمل کیا کرو
فَإِنَّهُ مَنْ أَصْلَحَ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ اللَّهِ يَكْفِهِ مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ	پس جو شخص اپنے اور اللہ کے درمیان معاملہ درست کر لیتا ہے، اللہ اس کے اور لوگوں کے درمیان خود معاملہ درست فرمادیتا ہے،

قیام کا فیصلہ

جس کھلے میدان میں پہلی نماز جمعہ ادا کی گئی، وہاں مسجد تعمیر کی گئی، جس کا نام "غبیب" رکھا گیا، نماز جمعہ سے فراغت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، قصویٰ، پر جلوہ افروز ہوئے، تو بنو سالم کے لوگوں نے درخواست پیش کی، کہ آقا، غلاموں میں قیام فرمائیں، ہمارے یہاں افرادی قوت بھی ہے، ہتھیاروں، اسلحہ اور مال ودولت کی بھی کمی نہیں، ہم آپ کی خدمت وحفاظت کی ذمہ داری لیتے ہیں، آقا ہماری درخواست کو شرف قبول عطا ہو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا دیتے ہوئے فرمایا، "خَلُّوْا سَبِيْلَهَا فَإِنَّهَا مَأْمُوْرَةٌ" سواری کا راستہ چھوڑ دو، کہ اللہ کی طرف سے اسے حکم مل چکا ہے، آقا ﷺ کا ارشاد

سن کر سب سہم گئے، قصویٰ، آگے بڑھتی رہی، بنوبیاضہ کا محلہ آیا، تو قبیلہ کے سردار حاضر خدمت ہوئے، عرض کرنے لگے، یارسول اللہ! ہمیں شرف قیام عطا فرمایا جائے آپ نے ان سے بھی فرمایا، "خَلُّوْا سَبِيْلَهَا فَإِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ" یہ عشاق بھی تعمیل حکم کرتے ہیں، بنوساعدہ کی بستی آئی تو ان کے سرداروں نے بھی وہی درخواست پیش کی، اور آقا ﷺ نے وہی جواب عطا فرمایا، یہ لوگ بھی سامنے سے ہٹ گئے، اب قافلہ ان انصار کی بستی میں داخل ہوا، جنہوں نے عقبہ پر بیعت کا شرف حاصل کیا تھا، انہیں فطرتاً یہ خیال تھا، کہ آقا ﷺ کی مستقل میزبانی کا شرف ہمیں میسر آئے گا، لہٰذا انہوں نے بھی پورے اعتماد کے ساتھ درخواست پیش کی، لیکن جواب وہی ملا کہ "خَلُّوْا سَبِيْلَهَا فَإِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ" اب قافلہ اس محلہ میں جلوہ افروز ہوا جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ننھیالی قبیلہ اقامت پذیر تھا، انہوں نے گزارش کی، اے اللہ کے رسول! اپنے خاندان کو شرف باریابی عطا فرمائیے، آپ نے جواب دیا، "خَلُّوْا سَبِيْلَهَا فَإِنَّهَا مَاْمُوْرَةٌ" اور بالآخر، وہ مقام رفیع آ ہی گیا، جس کے لئے قصویٰ، مامورہ تھی، یہ مالک بن نجار کے محلہ کا ایک کھلا میدان تھا، قصویٰ، اسی میدان میں بیٹھ گئی، یہی وہ میدان ہے، جس میں مسجد نبوی شریف موجود ہے، جس میں محراب و منبر رسول موجود ہے، جس میں جنت کی کیاری موجود ہے، جس میں صفہ یونیورسٹی کا چبوترہ موجود ہے، جس میں جان دوعالم ﷺ کا مرقد انور موجود ہے، جو گناہ گاروں کی مغفرت و شفاعت کا منبع و مرکز ہے، جس میں شفیع المذنبین ﷺ کا جسد اطہر امانت ہے، اور جس میں جسم اقدس کے نیچے کا وہ قطعہ زمین موجود ہے، جو بلاشبہ عرش معلیٰ سے افضل واعلیٰ ہے، اور جس پر ہمہ وقت ستر ہزار فرشتوں کی دربانی رہتی ہے۔

ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام	یوں بندگی زلف و رخ آٹھوں پہر کی ہے
جو ایک بار آئے دوبارہ نہ آئیں گے	رخصت ہی بارگاہ سے بس اس قدر کی ہے

یہ زمین بنونجار کے دو یتیم بچوں، سہل اور سہیل کی تھی، آقا ﷺ اونٹنی سے نیچے تشریف لائے، قصویٰ پھر کھڑی ہوئی اور چل دی لیکن واپس آ کر اسی جگہ دوبارہ بیٹھ گئی، اسی وقت بنونجار کی بچیاں دف لئے، اپنے محبوب آقا ﷺ کو خوش آمدید کہنے اور ان کا استقبال کرنے کے لئے جمع ہو گئیں، اور گا رہی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٌ بَنِي النَّجَارِ	يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارِ

"ہم بنونجار کی بچیاں ہیں اے محمد آپ کتنے بہترین پڑوسی ہیں"۔

آپ نے فرمایا، "اَتُحِبِّيْنَنِيْ" کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو، "قُلْنَ نَعَمْ" انہوں نے کہا، جی رسول اللہ ﷺ، فرمایا، وَاَنَا وَاللّٰهِ اُحِبُّكُنَّ" بخدا! میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں، یہ جملہ آپ

تین مرتبہ فرمایا، اب اللہ کے رسول ﷺ نے نزول اجلال فرمایا، اور چار مرتبہ یہ آیہ مبارک تلاوت کی، وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ﴿۲۹﴾ اور عرض کیجئے، اے میرے رب! اتار مجھے بابرکت منزل پر اور تو ہی سب سے بہتر اتارنے والا ہے، اس وقت آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، کچھ دیر بعد آپ نے فرمایا، انشاء اللہ یہی ہماری قیام گاہ ہے۔

اس میدان سے قریب تر، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا مکان تھا، وہ آقا ﷺ کی خدمت میں عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! یہ قریب ہی اس غلام کا غریب خانہ ہے، اجازت ہو، تو سامان اٹھانے کا شرف حاصل کروں، آقا نے اجازت مرحمت فرمائی۔ اور ابو ایوب نے اپنے مقدر پر ناز کرتے ہوئے، آقا ﷺ کی باربرداری کا اعزاز حاصل کیا، واللہ! کیسے بلند اقبال تھے، ابو ایوب انصاری، کہ سیکڑوں جاں نثاروں کی موجودگی میں انہیں، اللہ کے محبوب ﷺ کی میزبانی کا شرف نصیب ہوا، ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۴﴾۔

مدینہ میں پہلا گستاخ

مدینہ کا ہر گھر، خوشبوئے مصطفیٰ سے مہک رہا ہے، ہر طرف نور ہی نور جھلک رہا ہے، ہر چہرہ پھول کی طرح شگفتہ ہے، ماحول نہایت خوشگوار ہے، لیکن پھولوں میں کانٹوں کا ہونا بھی عین فطرت ہے، اہل مدینہ کا ایک کانٹا، عبداللہ بن ابی بن سلول تھا، اللہ کے رسول ﷺ کا گزر اس کے مکان کے سامنے سے ہوا آپ نے اس کو شرف ملاقات بخشنا چاہا، لیکن یہ بڑا ہی بدنصیب تھا، آپ کو دیکھتے ہی بولا، "اِذْهَبْ اِلَى الَّذِیْنَ دَعَوْكَ وَانْزِلْ عَلَیْهِمْ" انہی لوگوں کے پاس جایئے، جنہوں نے آپ کو بلایا ہے، اور وہیں رہیئے، یہ پہلا موقع تھا کہ مدینہ میں کسی نے آقا ﷺ کی گستاخی کی جراءت کی، جس سے، آپ کو بہت صدمہ ہوا، نورانی چہرے پر افسوس کے آثار نمایاں ہو گئے، حضرت سعد بن عبادہ آپ کے ہمراہ تھے، آقا ﷺ کی تکلیف کا اندازہ غلام نے کرلیا، عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! آپ غمزدہ نہ ہوں، یہ بے چارہ حسد و عناد کا مارا ہوا ہے، کہ آپ کی تشریف آوری سے صرف اس ہی بد نصیب کو تکلیف پہنچی ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ پیغام حق ملنے سے پہلے، اہل مدینہ نے اسے اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا تھا، وہ اس کی تاجپوشی کا اہتمام کررہے تھے، سنار کے پاس تاج بننے کے لئے دیا جاچکا ہے، بڑے جوش و خروش سے جشن تاج پوشی کی تیاریاں ہورہی تھیں، کہ اللہ نے ہم پر کرم کیا، اپنی رحمت کی گھٹا چھائی، اور آپ سے رابطہ ہوگیا، ہمارا مقدر چمک گیا، اللہ نے ہمیں قبول حق کی توفیق بخشی، ہم سب خوش ہیں کہ اللہ کا بھیجا ہوا رسول، ہم میں موجود ہے، ہم خوش نصیب ہیں، کہ اللہ کے رسول کی میزبانی کا ہمیں شرف حاصل ہے، آقا! اس بدباطن سے اعراض فرمائیں، یہ اسی طرح، حسد و

عناد کی آگ میں جلتا بھنتا رہے گا، اللہ کے رسول ﷺ نہایت تحمل کے ساتھ واپس ہوئے، خبیث عبداللہ بن ابی بن سلول، ہمیشہ مسلمانوں کے درمیان انتشار وافتراق پیدا کرنے، اوران کو آپس میں لڑانے کی کوشش کرتا رہتا، اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے غلاموں کی ایذا رسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتا، اس کی خباثت کی کہانیاں آپ آئندہ صفحات پر پڑھیں گے۔

شہنشاہ تبع یثرب میں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت مبارکہ سے بہت پہلے کا ایک واقعہ ابن عساکر نے بیان کیا، جو نہایت دلچسپ ہے اس کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے، ہوا یہ، کہ ایک مرتبہ تبع بادشاہ مکہ مکرمہ حاضر ہوا، اس نے طواف کعبہ سے فارغ ہوکر، کعبہ مشرف کی غلاف پوشی کی، اس کے ہمراہ ایک لشکر جرار تھا، جس میں تقریباً چار سو علماء اور حکماء بھی شامل تھے، بادشاہ یثرب بھی پہنچا، جب کہ اس وقت یثرب پانی کے ایک چشمہ کا نام تھا، دور، دور آبادی کا پتہ تک نہ تھا، قیام یثرب کے دوران علماء نے بادشاہ سے کہا، کہ ہم ایک عرصہ سے آپ کے ہمراہ سفر کررہے ہیں، اب ہم نے ہمیشہ کے لئے، اسی چشمہ کے کنارے قیام کا فیصلہ کیا ہے، بادشاہ نے اپنے ایک وزیر کو حکم دیا، کہ ان حضرات سے گفتگو کرکے وجہ معلوم کی جائے، کہ آخر انہوں نے یہاں سکونت کا فیصلہ کیوں کیا ہے، اور کس طرح اس معاملہ کو سلجھایا جائے، وزیر نے تمام علماء کو جمع کیا، گفتگو کا آغاز ہوا، تو ان حضرات نے بتایا، کہ کعبہ کی عزت اور شرف کی وجہ یہ ہے، کہ مکہ سے آکر، یہاں، اللہ کا نبی سکونت پذیر ہوگا، وہ صاحب قرآن ہوگا، صاحب قبلہ اور صاحب لواء ومنبر ہوگا، صاحب شریعت ہوگا، امام حق ہوگا، ہادی برحق ہوگا، وہی سید الانبیاء والمرسلین ہوگا، نبی آخرالزماں ہوگا، اس کا اسم گرامی آسمانوں پر احمد ہے اور وہ زمین پر محمد ہوگا (ﷺ) وہ مکہ میں پیدا ہوگا، وہیں اعلان نبوت کرے گا، کفار مکہ اس کو وطن سے نکلنے سے مجبور کریں گے، وہ پیکر رشد وہدایت یہاں ہجرت کرکے آئے گا، اس کے قدموں کی برکت سے یثرب، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے، مدینہ منورہ بن جائے گا، مرکز رحمت وبرکت اور منبع مغفرت وشفاعت بن جائے گا، پس ہماری آرزو ہے، کہ ہم اس کی زیارت سے مشرف ہوں، یا ہماری اولاد کو اس کی غلامی کا شرف میسر آئے، وزیر نے جب یہ باتیں سنیں تو بہت متاثر ہوا اور خود بھی یہیں سکونت پذیر ہونے کا فیصلہ کرلیا، نیز بادشاہ کو حالات بتائے، تو وہ بھی سوچ میں پڑ گیا، اور اس نے ایک سال یہاں قیام کا فیصلہ کرلیا اور حکم دیا، کہ علماء کرام کے لئے رہائشی مکانات تعمیر کیے جائیں، اور سب کو ایک ایک مکان دیا جائے، تبع نے کنیزیں منگوا کر انہیں آزاد کیا، اور علماء سے ان کا نکاح کردیا، خزانہ سے علماء کو کثیر رقوم عطا کیں، یہ سب کچھ اس لئے کہ بادشاہ کے نزدیک علماء کی خدمت وسیلہ نجات تھی اور ان کا پرسکون، زندگی بسر کرنا، ذریعہ فلاح وبہبود تھا، بادشاہ نے، ان علماء کے

قائد کو ایک سربمہر خط دیا، اور کہا، اگر آپ کی زندگی میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائیں تو آپ یہ عریضہ بنفس نفیس انہیں پیش کریں، ورنہ یہ کام اپنی اولاد کے سپرد کریں، اسی طرح نسل در نسل یہ خط منتقل ہوتا رہے اور پوری طرح اس کی حفاظت کی جائے، حتیٰ کہ، نبی آخرالزماں ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے، اس عریضہ کا ایک حصہ مؤرخین نے اس طرح بیان کیا ہے:

''اے اللہ کے رسول (ﷺ) تبع، آپ پر اور آپ کی کتاب پر ایمان لایا، جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل کی ہے، میں نے آپ کا دین قبول کیا، اور میں وعدہ کرتا ہوں، کہ آپ کے احکام کی پابندی کروں گا اور آپ کی سنتوں پر عمل پیرا رہوں گا، آپ کے اور کائنات کے رب پر ایمان لایا ہوں، اور جو احکام شریعت، آپ اللہ کی طرف سے لائے ہیں، ان پر یقین کامل رکھتا ہوں، اگر میں آپ کی زیارت سے مشرف نہ ہو سکا ''فَاشْفَعْ لِیْ وَلَا تَنْسَانِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ'' تو، آقا، قیامت کے دن میری شفاعت فرمایئے، مجھے فراموش نہ کیجئے، کہ میں آپ کے ان غلاموں میں سے ہوں، جو آپ کی تشریف آوری سے پہلے مشرف باسلام ہوئے۔

تبع کی وفات کے پورے ایک ہزار برس بعد، جان دو عالم ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، اور جب آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جلوہ افروز ہوئے، تو اہل مدینہ نے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے کے مطابق، یہ ذمہ داری ایک معتبر شخص ''ابولیلیٰ'' کو سونپی، ابولیلیٰ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، تو آپ ﷺ نے بیک نظر ان کو پہچان لیا اور فرمایا ''اَنْتَ اَبُوْ لَیْلٰی'' تم ابولیلیٰ ہو، جی! میں ابولیلیٰ ہوں، آپ نے فرمایا، تم تبع اول شاہ یمن کا خط لے کر آئے ہو، یہ سنتے ہی ابولیلیٰ کے تو ہوش اڑ گئے، کہ جس چیز کا آج تک کسی کو پتہ نہیں، انہیں کیسے معلوم ہو گئی، ابولیلیٰ حیرت زدہ ہو کر پوچھنے لگا، ''مَنْ اَنْتَ، أَ اَنْتَ سَاحِرٌ'' تم کون ہو، جادوگر تو نہیں، آقا نے فرمایا نہیں، ''اَنَا مُحَمَّدٌ'' میں محمد (ﷺ) ہوں، ''هَاتِ الْكِتَابَ'' خط پیش کرو، ابولیلیٰ نے لرزتے ہاتھوں سے، خط پیش کیا، حضرت ابوبکر نے یہ خط، آقا ﷺ کو پڑھ سنایا، آپ نے تین مرتبہ فرمایا، ''مَرْحَبًا بِالْاَخِ الصَّالِحِ'' پھر آپ نے ابولیلیٰ کو، اپنے قبیلہ کی طرف واپس چلے جانے کا حکم دیا، نیز فرمایا کہ لوگوں کو ہماری آمد کی خبر کر دو۔

حضرت ابوایوب کے گھر قیام

امام مسلم نے بروایت حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کیا، کہ جب اللہ کے رسول ﷺ میرے گھر رونق افروز ہوئے، تو آپ نے نیچے کی منزل میں قیام فرمایا، جب کہ میں اور میرے اہل خانہ اوپر کی منزل میں رہتے تھے، پس ہم نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ! یہ بے ادبی ہمارے ناقابل برداشت ہے، کہ آپ نیچے رونق افروز ہوں اور ہم لوگ اوپر رہیں، آپ نے فرمایا، ''اِنَّ

اَرْفَقَ بِنَا وَبِمَنْ يَغْشَانَا اَنْ نَكُوْنَ فِيْ سِفْلِ الْبَيْتِ" میرے اور ملاقات کے لئے آنے والوں کے لئے اسی میں آرام ہے، کہ میں نیچے قیام کروں، پس ہم اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی پر راضی ہو گئے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ ایک مرتبہ ہمارا پانی کا گھڑا ٹوٹ گیا، یہ سردی کا موسم تھا، اور ہمارے پاس اوڑھنے کے لئے ایک ہی لحاف تھا، ہم نے اسی لحاف سے پانی خشک کیا، اس خوف سے کہ کہیں پانی سے ہمارے آقا ﷺ کو تکلیف نہ پہنچے، تاہم گھڑا ٹوٹنے کی آواز سے آپ کے آرام میں خلل واقع ہوا، صبح ہم سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دوبارہ عاجزانہ گزارش کی کہ یارسول اللہ! ہم سے یہ گستاخی برداشت نہیں ہوتی، پس آپ نے کرم فرمایا اور ہماری گزارش کو شرف قبول عطا فرمایا، آپ اوپر تشریف لے آئے اور ہم نیچے رہنے لگے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ ہم رات کا کھانا، اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے، اور اس وقت تک کچھ نہ کھاتے تھے، جب تک آپ کا بچا ہوا کھانا واپس نہ آجاتا تھا، کیونکہ حصول برکت کے لئے ہم آپ کا پس خوردہ اسی جگہ سے کھاتے تھے جہاں آپ کی مبارک انگلیوں کے نشان ہوتے تھے، ایک دن حسب معمول، میں نے کھانا پیش کیا، لیکن وہ اسی طرح واپس آگیا، میں تو کانپ گیا، دوبارہ حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یارسول اللہ! آج آپ نے کھانا تناول نہیں فرمایا، کیا کچھ ناراضگی ہوگئی، یا کھانا پسند نہ آیا، آپ نے فرمایا، ابوایوب! ایسا نہیں، نہ تو ہم تم سے ناراض ہوئے، اور نہ ہی کھانے میں کوئی خرابی تھی، ہمیں بحمد اللہ ہر کھانا پسند آتا ہے، بات صرف اتنی تھی، کہ ہم نے کھانے میں لہسن اور پیاز کی بو محسوس کی، جو ہمارے لئے جائز نہیں، کہ ہم اپنے رب سے سرگوشی کرتے اور ہماری خدمت میں اللہ کے فرشتے حاضری دیتے ہیں، پس ہم یہ دونوں بوٹیاں استعمال نہیں کر سکتے، لیکن تمہارے لئے ان کا استعمال جائز ہے، ابوایوب کہتے ہیں، میں نے اسی وقت دوسرا کھانا پکوایا، اور آپ کی خدمت میں پیش کیا، نیز اس دن سے ہم نے کبھی لہسن اور پیاز استعمال نہ کیا۔

حضرت زید بن ثابت اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب حضرت ابوایوب کے گھر رونق افروز ہوئے تو سب سے پہلا تحفہ، میں آپ کی خدمت مبارکہ میں لے کر حاضر ہوا، جو گندم کے آٹے، گھی اور دودھ سے تیار کردہ، ثرید کا ایک بڑا پیالہ تھا، جو میری ماں نے آپ کی خدمت عالیہ میں بھیجا تھا، آقا ﷺ نے اسے قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، "بَارَکَ اللّٰہُ فِیْھَا" اللہ اس میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا ﷺ کی میزبانی کا شرف، تقریباً گیارہ ماہ

حاصل رہا، اس دوران، مسجد نبوی شریف کی تعمیر جاری رہی (جس کی تفصیل آگے آتی ہے) تعمیر مسجد کے بعد آپ کے لئے، مسجد سے متصل ہی، حجرہ تعمیر کیا گیا، اور اللہ کے رسول ﷺ اپنے حجرے میں جلوہ افروز ہو گئے، اس کے بعد مزید حجرے، جن کی کل تعداد نو ہوئی، حسب ضرورت تعمیر ہوتے رہے۔

حضرت ام ایوب سے کسی نے پوچھا، کہ ہمارے آقا ﷺ کون سا کھانا، زیادہ پسند فرماتے، اور رغبت سے تناول کیا کرتے تھے، انہوں نے بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، کبھی، ہمیں کوئی خاص کھانا پکانے کا حکم نہ دیا، اور نہ ہی کبھی آپ نے کسی کھانے سے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، جو بھی پیش کیا جاتا، آپ اسے رغبت ہی سے تناول فرماتے، ہاں میرے شوہر نے مجھے بتایا، کہ ایک رات، حضرت سعد بن عبادہ، شوربہ والا سالن لے کر حاضر ہوئے، جسے آپ نے بڑی رغبت سے تناول فرمایا، پس میں آپ کے لئے شوربا، پکا کر پیش کرتی تھی، اور کبھی ہریسہ، بھی پیش کیا کرتی تھی، جو میرے آقا ﷺ کو مرغوب تھا (ہریسہ گندم کے دانوں کو، کوٹ کر، قیمہ کے ساتھ پکایا جاتا ہے) نیز ام ایوب نے بتایا، کہ آقا ﷺ کبھی تنہا کھانا تناول نہ فرماتے تھے، ہمیشہ آپ کے دستر خوان پر، پانچ، دس، پندرہ، بیس غلام موجود ہوتے تھے، خاص بات یہ تھی کہ اگر کھانا کم بھی ہوتا تھا، تو آپ کی برکت سے تمام شرکاء کے لئے کافی ہو جاتا تھا۔

چند عاشقوں کی ہجرت

آقائے رحمت ﷺ کے مکہ مکرمہ سے تشریف لے آنے کے بعد، باقی ماندہ مسلمانوں پر کفار مکہ نے مزید ظلم وستم ڈھانا شروع کیا، کہ اب ان کے قبضہ میں، ان چند ناداروں ناتواں اہل ایمان کے اور کوئی نہ تھا، سو، وہ ظالم انہی سے اپنے انتقام کی آگ بجھاتے رہتے تھے، لیکن یہ بھی ایسے پختہ کار تھے، کہ کفار کی ایذارسانی اور تکلیف دہی کا ان خوش بختوں پر کوئی اثر نہ ہو پاتا تھا، بلکہ ان مصائب وآلام سے آقا کے عشق میں مزید اضافہ ہوتا اور شوق زیارت بڑھتا ہی تھا، عشق ومحبت میں مست ایسے دیوانے بھی تھے، جو عالم نزع کی کیفیت کے باوجود بھی، آقا ﷺ کی دست بوسی کی آرزو کرتے اور اپنے بچوں سے کہتے، کہ جس قدر جلد ممکن ہو، ہمیں بارگاہ محبوب ﷺ میں لے چلو، کہ ہم آپ کی زیارت کا شرف حاصل کیے بغیر مرنا نہیں چاہتے، اور بچے بھی کیسے اطاعت شعار تھے، کہ بوڑھے کی آرزو پوری کرنا، اپنی کامیابی وکامرانی اور نجات کا ذریعہ یقین کرتے تھے، جب کہ حقیقت بھی یہی ہے، ماں باپ کی فرمانبرداری، ان کی آرزوؤں کی تکمیل، عین سعادت اور خیر وبرکت کا باعث ہے اللہ توفیق دے۔

حضرت ضمرہ بن جندع

مکہ ہی میں تھے کہ بیمار ہو گئے، بچوں کو بلا کر کہا، جلدی کرو مجھے یہاں سے لے چلو، پوچھا گیا،

"اِلٰی اَیْنَ" کہاں لے جائیں، پس "فَاَوْمَأَ بِیَدِہٖ نَحْوَ الْمَدِیْنَۃِ" تو آپ نے اپنے ہاتھ سے مدینہ منورہ کی طرف اشارہ کیا، کیونکہ قوت گویائی ختم ہو چکی تھی، بچوں نے حکم کی تعمیل کی، چارپائی اٹھا کر منزل جاناں کا رخ کیا، ابھی بنو غفار کے تالاب تک پہنچے تھے، کہ واصل بحق ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ اللہ رحیم وکریم کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ادائے عشق ومحبت پسند آئی، پس وحی الٰہی گویا ہوئی:

مَنْ یَّخْرُجْ مِنْۢ بَیْتِہٖ مُھَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُہٗ عَلَی اللّٰہِ

"جو شخص اپنے گھر سے اللہ ورسول کی طرف ہجرت کے لئے نکلا، اور راستہ ہی میں اسے موت آ گئی، تو اس کا اجر اللہ پر واجب ہوتا ہے"۔ (النساء:100)

مدینہ طیبہ وطابہ

طیبہ میں مر کر ٹھنڈے چلے جاؤ آنکھیں بند   سیدھی سڑک یہ شہر شفاعت نگر کی ہے
عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو!   مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر وشر کی ہے

جان دو عالم ﷺ کے قدم رنجا فرمانے سے پہلے، یہ بستی یثرب کہلاتی تھی، جس کے معنیٰ شدت وفساد اور بربادی کے ہیں، اکثر اس آبادی میں وبائی بخار اور دیگر متعدد امراض پھیلتے رہتے تھے، جس سے یہاں کے باسی نڈھال ہو جاتے تھے، جونہی میرے آقا ﷺ کے پاکیزہ مبارک قدم پہنچے، یہ بستی پاک ہو گئی، بیماریوں سے پاک ہو گئی، برائیوں سے پاک ہو گئی، شرک وکفر اور بت پرستی کی نجاست سے پاک ہو گئی، برکت والی ہو گئی یہاں کے لوگوں کو مال ودولت میں برکت ملی، صحت وعافیت میں برکت ملی، مرکز شفاء وبرکت ہو گئی اور اب یثرب ہمیشہ کے لئے "مدینۃ الرسول" بن گیا، رسول کا شہر کہلانے لگا، یہاں سے رسول کے خزانے کا دریا بہنے لگا، جس نے جھولی پھیلائی، رسول نے اس کو بھیک دی، اب بھی کوئی خالی جھولی واپس نہیں جاتا، ہر ایک کو مرادیں ملتی ہیں، بس ایمان ضروری ہے، یقین وایقان ضروری ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ صاحب مدینہ ﷺ نے فرمایا، "لَا تَدْعُوْھَا یَثْرِبَ فَاِنَّھَا طَیْبَۃٌ" میرے شہر کو، یثرب نہ کہا کرو، یہ طیبہ ہے، پاکیزہ۔

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، "مَنْ سَمَّی الْمَدِیْنَۃَ بِیَثْرِبَ فَلْیَسْتَغْفِرِ اللّٰہَ" جس نے مدینہ کو یثرب کہا وہ استغفار کرے، "ھِیَ طَابَۃٌ ھِیَ طَابَۃٌ" یہ تو طابہ ہے، طابہ ہے، طابہ ہے، پاکیزہ ہے۔

کسی شہر، یا کسی شخص کے جتنے زیادہ نام ہوتے ہیں، وہ اتنا ہی عظمت و بلندی والا ہوتا ہے، اسی لئے میرے آقا ﷺ کے اسمائے مبارک بکثرت ہیں، کہ وہ خالق کے بعد مخلوق میں سب سے زیادہ بلند مرتبہ اور رفیع الشان ہیں، پس ان کا شہر بھی بستیوں اور آبادیوں میں مرتبہ وشان کے اعتبار سے بلند ہے، افضل ترین ہے، مؤرخین نے محبوب ﷺ کے محبوب شہر کے پچانوے نام لکھے ہیں، چند ملاحظہ ہوں، یاد کر لینے کے لائق ہیں:

اَلْحَبِيبَةُ، حَرَمُ رَسُولِ اللهِ، قُبَّةُ الْإِسْلَامِ، اَلشَّافِيَةُ، طَابَةُ، طَيِّبَةُ، اَلْعَاصِمَةُ، اَلْغَرَّاءُ، اَلْمُبَارَكَةُ، اَلْمُحِبَّةُ، اَلْمَحَبَّةُ، اَلْمَحْبُوبَةُ، اَلْمَدِينَةُ۔

"ان ناموں کے معنی ومفہوم کے مصداق، اس بابرکت شہر میں سب خوبیاں موجود ہیں، جن کو تفصیل کے ساتھ احادیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے"۔

اپنے شہر سے محبت

آقائے رحمت ﷺ کو، اپنے شہر سے بے حد محبت تھی، جب آپ سفر سے واپس تشریف لاتے تو، مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر اپنی سواری تیز کر دیتے، اور دعا کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوتے، "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِهَا قَرَارًا وَرِزْقًا حَسَنًا" اے اللہ اس شہر میں سکون اور بہتر رزق عطا فرما۔

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری سے پہلے، مدینہ طیبہ وبائی امراض کی آماجگاہ تھا، یہاں آنے کے بعد اکثر صحابہ بیمار ہوئے، حضرت ابوبکر، حضرت عامر بن فہیرہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم ایک ہی مکان میں مقیم تھے، تینوں ہی کو ایک ساتھ بخار آ گیا، میں اپنے آقا ﷺ کی اجازت سے ان کی عیادت کے لئے گئی، میں نے دیکھا، کہ بخار اس قدر تیز تھا، کہ تینوں تقریباً بے ہوشی کی حالت میں تھے، میں نے پانی کے چھینٹے ڈالے تو کچھ ان حضرات کو ہوش آیا (یہ واقعہ آیت پردہ کے نزول سے پہلے کا ہے) ام المومنین فرماتی ہیں، میں نے یہ حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا تو آپ نے دعا کی، "اَللّٰهُمَّ حَبِّبْ اِلَيْنَا الْمَدِيْنَةَ كَمَا حَبَّبْتَ اِلَيْنَا مَكَّةَ اَوْ اَشَدَّ" اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ کو اسی طرح محبوب بنا دے، جس طرح تو نے ہمارے لئے مکہ کو محبوب بنایا، یا اس سے بھی زیادہ "وَصَحِّحْهَا وَبَارِكْ لَنَا فِيْ صَاعِهَا وَمُدِّهَا" اور اس کی آب وہوا کو ہمارے لئے صحت مند بنا دے، اور اس کے پیمانوں اور وزنوں میں برکت عطا فرما دے، "ثُمَّ انْقُلْ وَبَاءَ هَا اِلَى مَهْيَعَةٍ وَهِيَ الْجُحْفَةُ" اور اس کی وبا کو، مہیعہ، جحفہ کی طرف منتقل فرما دے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ میں نے، ایک سیاہ رنگ کی عورت کو دیکھا، جس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، وہ مدینہ سے نکل کر جحفہ پہنچی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میں نے اس خواب کی تعبیر یہ لی کہ مدینہ کی وبا، جحفہ منتقل ہوگئی (اور چونکہ نبی کا خواب سچ ہوتا ہے، لہٰذا ایسا ہی ہوا کہ نہ صرف مدینہ کی وبا ختم ہوگئی، بلکہ مدینہ مرکز شفاوصحت بن گیا، وہاں کی آب وہوا صحت مند ہوگئی، وہاں کے صاع اور مد میں برکت ہوگئی)

فصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ و صحبہ اجمعین ،

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، اہل مدینہ کا معمول تھا، کہ جب کوئی نیا پھل پک کر تیار ہوتا، تو وہ بغرض برکت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کرتے تھے آپ اسے از راہ محبت آنکھوں سے لگاتے اور دعا کرتے تھے:

'' اے اللہ! ہمارے پھلوں میں بھی برکت دے اور ہمارے مدینہ میں بھی برکت دے، اے اللہ! بے شک ابراہیم، تیرا بندہ، تیرا خلیل اور تیرا نبی تھا، اور اس نے مکہ کے لئے دعا کی تھی، اور میں، مدینہ کے لئے تیری بارگاہ میں التجا کرتا ہوں، اسی جیسی دعا۔

حضرت ابو ہریرہ نے بتایا، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، سب سے چھوٹے بچے کو بلاتے، اور وہ پھل اس کو دیتے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، مدینہ میں داخل ہونے والے راستوں پر اللہ تعالیٰ نے فرشتے مقرر کر دیئے ہیں، جو مدینہ کی نگہبانی کرتے ہیں، پس اس میں نہ طاعون پھیل سکتا ہے اور نہ دجال داخل ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، '' جس شخص کے لئے مدینہ میں مرنا ممکن ہو، تو اسے مدینہ ہی میں مرنا چاہیے، '' فَاِنِّیْ اَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ بِھَا '' کیونکہ جو مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا، (بلاشبہ وہ شفیع المذنبین ہیں ہر گناہ گار کی شفاعت فرمائیں گے، جیسا کہ آپ کا ارشاد ہے، '' شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَآئِرِ مِنْ اُمَّتِیْ '' میری شفاعت، امت کے ان لوگوں کے لئے ہے جن سے گناہ کبیرہ سرزد ہوئے، اور قبل توبہ انہیں موت نے آلیا، پس اہل مدینہ سے شفاعت کا خصوصی وعدہ، ان پر خصوصی نظر کرم ہے) اسی لئے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اکثر دعا مانگا کرتے تھے، '' یا اللہ! مجھے اپنے راستہ (حالت جہاد) میں شہادت عطا فرما اور اپنے رسول کے شہر میں مجھے موت عطا فرما '' (نہ صرف اتنی ہی دعا قبول ہوئی، بلکہ مزید برآں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں پناہ نصیب ہوئی)۔

حضرت مصعب نے بتایا، کہ خلیفہ مہدی مدینہ طیبہ حاضر ہوا، لوگ اس کے استقبال کے لئے مدینہ سے باہر، کئی میل دور پہنچے، ان میں حضرت امام مالک بھی تھے، آپ مہدی سے ملے، اور شہر مدینہ کے آداب بیان کرتے ہوئے بتایا، "کہ آپ مدینہ میں داخل ہونے والے ہیں، جہاں مہاجرین وانصار کی اولاد سے آپ کو شرف ملاقات حاصل ہوگا، آپ ان سے نہایت احترام اور محبت کے ساتھ گفتگو کریں، کیونکہ روئے زمین پر اہل مدینہ سے کوئی قوم افضل نہیں اور شہر مدینہ سے کوئی شہر افضل نہیں، مہدی نے کہا، آپ کے اس ارشاد کی دلیل کیا ہے، امام صاحب نے فرمایا، کہ روئے زمین پر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، کے علاوہ کسی نبی کی قبر بالیقین، معلوم نہیں، پس وہ لوگ خوش نصیب ہیں، جن کے درمیان جان دو عالم ﷺ رونق افروز ہیں، لہٰذا ہمیں ان کا احترام کرنا اور ادب کرنا چاہیے۔

قاضی عیاض اور دیگر علماء امت کا متفقہ فیصلہ ہے، کہ قبر انور، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے آغوش میں لئے ہوئے ہے، یقیناً کعبہ سے افضل ہے، اکثر صحابہ کرام کا معمول تھا، کہ جب وہ حج کے لئے جاتے تو پہلے مدینہ منورہ حاضر ہوتے، اور جہاں سے حضور علیہ الصلوٰۃ نے احرام باندھا تھا، اسی مقام سے وہ بھی احرام باندھتے، اور حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوتے تھے۔

علماء مالکیہ کے ایک عالم العبدی فرماتے ہیں کہ حج کے لئے پیدل جانے سے افضل آقائے رحمت ﷺ کی زیارت کے لئے مدینہ پیدل آنا ہے۔

نام مدینہ لے دیا چلنے لگی نسیم خلد   سوزش غم کو ہم نے کیسی ہوا بتائی کیوں

اسلامی سال کا آغاز

چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ سے متعلق واقعات ایک ترتیب کے ساتھ ہجرت کے بعد شروع ہوتے ہیں لہٰذا ضروری ہے کہ ہم اسلاف کے طریقہ کے مطابق ان واقعات کو ہر سال کی ترتیب کے مطابق بیان کریں تاکہ ان کا تسلسل بھی محفوظ رہے اور ان کو یاد رکھنا بھی آسان ہو، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ یہ بتایا جائے، کہ اسلامی سال کا آغاز کب اور کس طرح ہوا۔

اسلام سے پہلے تمام اقوام نے اپنے دنیاوی اور دینی امور کی انجام دہی کے لئے، مختلف واقعات سے اپنے کیلنڈر منسوب کر رکھے تھے مثلاً اہل ایران کے سال کا آغاز، ہر بادشاہ کی تخت نشینی کے دن سے ہوتا تھا، رومیوں نے سکندر مقدونی کی تخت نشینی کے روز اول کی نسبت سے اپنا سال مقرر کیا ہوا تھا، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد، اپنے سال کا آغاز، حضرت خلیل علیہ السلام کے واقعہ نمرود سے کرتے تھے، جب کہ تعمیر کعبہ کے بعد انہوں نے اپنا کیلنڈر تعمیر کعبہ کی ابتداء کے دن کے مطابق بنایا، پھر ان کی جنتری، کعب بن لوئی کی وفات کے دن سے بننے لگی، پھر جب واقعہ اصحاب فیل پیش آیا، تو

ان کے سال کا آغاز اس واقعہ سے متعلق ہو گیا۔

اسلام صرف دین نہیں بلکہ ایک مکمل نظام حیات ہے، جب کہ کسی قوم کا کیلنڈر اس کے نظام کا ایک حصہ ہوتا ہے، نظام اسلام اس اہم شعبہ کے بغیر کیسے مکمل ہو سکتا تھا، پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے، خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیگر متعدد کاموں کی طرح اس اہم کام کے لئے منتخب فرمایا، جس کا سبب یہ واقعہ بنا، کہ حضرت عمر کی خدمت میں ایک رسید پیش کی گئی جو رقم کی ادائیگی سے متعلق تھی، لکھا تھا کہ مندرجہ رقم شعبان میں ادا کی جائے گی، اللہ نے حضرت عمر کو نہایت تنظیمی اور حساس ذہن سے نوازا تھا، رسید دیکھتے ہی آپ کو خیال آیا، کہ صرف ماہ شعبان کا ذکر تو کافی نہیں، کہ اس شعبان کا تعلق ماضی سے ہے، حال یا مستقبل سے ہے، کہ شعبان تو ہر سال آتا جاتا رہتا ہے، لہٰذا مہینہ کے ساتھ سال کا بھی تعین ہونا ضروری ہے، آپ نے فوراً مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا، اور اسلامی کیلنڈر کے تعین کی تجویز پیش فرمائی، صحابہ کرام کی طرف سے مختلف آراء پیش ہوئیں، کسی نے رائے دی کہ رومیوں کا کیلنڈر اپنا لیا جائے کسی نے اہل فارس کا کیلنڈر اپنانے کی تجویز پیش کی، تو کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بابرکت یوم ولادت، تاریخ کے تعین کے لئے، تجویز کیا، ایک رائے آئی، کہ اس مقصد کے لئے، آپ کے یوم بعثت سے بہترین کوئی دن نہ ہوگا، اور کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سال وفات سے اسلامی کیلنڈر کی ابتدا کرنے کی تجویز دی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے، بوجوہ، ان تمام تجاویز و آرا کو مسترد کر دیا، اور از خود تجویز پیش کی" کہ ہمیں اسلامی کیلنڈر کو، واقعہ ہجرت سے منسوب کرنا چاہیے" کیونکہ ہجرت، ہمارے آقا ﷺ کی حیات مبارکہ کا اہم ترین واقعہ ہے، نیز اسی سے، آپ کی عظمت و شوکت کے مظاہرے کا آغاز ہوا، اور اسی سے اسلام کی حقانیت و عظمت اور ترقی و عروج کا دور شروع ہوتا ہے، امیر المومنین کی تجویز سن کر سب جھوم اٹھے، خوش ہو گئے اور تجویز مجلس شوریٰ نے بالاتفاق منظور کر لی، اسی موقع پر طے پایا، کہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ محرم الحرام ہوگا، کیونکہ یہ تمام اقوام بالخصوص اہل عرب میں ہر دور اور زمانہ میں، عظمت والا اور محترم رہا، نیز یہ اشہر حرم میں سے ایک ہے۔

غرضیکہ دیگر اقوام کی طرح ہمارا بھی کیلنڈر موجود ہے، اور دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح اس اہم شعبہ میں بھی ہمیں امتیاز حاصل ہے، جس کے بعد دوسروں کے کیلنڈر کو اپنانے کی کوئی، معاشی، معاشرتی یا مذہبی، معقول وجہ باقی نہیں رہتی، ہاں ہمارا یہ عمل، ہماری ذہنی اور سیاسی غلامی کی ضرور غمازی کرتا ہے، یہی حال اتوار کی عام تعطیل کا ہے، نہ جانے کب وقت آئے گا کہ ہم اپنے اسلاف کی طرح غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر آزاد ہو سکیں گے، کہ غیروں کے نظام کو اپناتے ہوئے آزادی کا دعویٰ، خود فریبی کے سوا

کچھ نہیں، حتیٰ کہ خودنمائی بھی نہیں، یا اللہ! واسطہ تیرے پیارے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا، ہمارے قائدین کو ہدایت و ہمت دے، تاکہ ہماری گردنیں، غلامی کے طوق سے آزاد ہوسکیں، جس طرح ہمارے اسلاف نے نہایت ناسازگار حالات کے باوجود، نظام مصطفیٰ ﷺ کو اپنا کر، غلامی سے نجات حاصل کی، آمین بجاہ رحمۃ للعالمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین

مدنی زندگی

ہجرت کا پہلا سال

مسجد نبوی کی تعمیر، حجروں کی تعمیر، اذان کی ابتداء، اہل بیت کی مدینہ آمد، مؤاخات، اخوت کے اثرات و نتائج، صفہ یونیورسٹی کا قیام، یہودیوں سے معاہدہ، پہلے بچہ کی ولادت، حضرت عائشہ کی رخصتی، حضرت اسعد بن زرارہ، حضرت ابوامامہ، کلثوم بن الہدم۔

ہجرت کا پہلا سال

اعلان نبوت کے بعد، مکی زندگی، کے ابتدائی تیرہ سال کا حال آپ نے پڑھا، جو اگرچہ مختصر لکھا گیا ہے، لیکن یہ اندازہ کر لینے کے لئے کافی ہے، کہ اس مدت میں دعوت حق اور اسلام کی اشاعت و تبلیغ کا کام، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حسب منشاء رفتار سے نہ ہو سکا، کیونکہ آپ کے قیمتی وقت کا اکثر حصہ اہل مکہ کی مزاحمت، ان کے جور و جفا اور سازشوں کا مقابلہ کرتے گزرا، نیز اپنے غلاموں کے ساتھ کفار مکہ کے ظالمانہ برتاؤ پر آپ ہر لحہ متفکر اور افسردہ رہے، تاہم شمع اسلام روشن ہوئی، مکہ کے اہل نظر اور اہل خرد نے اس سے راہ منزل پائی، اور اطراف مکہ میں بھی اس کا نور پھیلا، حتیٰ کہ مدینہ منورہ کے باسیوں کا بھی مقدر چمکا، انہیں انصار بننے کا شرف حاصل ہوا، مدینہ کی زمین اسلام کے لئے زرخیز ثابت ہوئی، اس کے کسانوں نے اس کی خوب آبیاری کی، حتیٰ کہ صرف تین سال میں شجر اسلام ثمر بار ہو گیا، لہٰذا ہجرت کے بعد آقا ﷺ کی زندگی کے دس سال، مدینہ منورہ میں بے حد مصروف نظر آتے ہیں، لیکن ہر لحہ پرسکون اور کامیاب گزرا، اور اسلام کا سورج اتنی بلندی اور عروج پر پہنچا کہ دنیا کا گوشہ گوشہ اس کے نور سے روشن و منور نظر آنے لگا، اگرچہ اسلام دشمن قوتیں، لشکر اسلام کے خلاف سازشیں کرتی رہیں، اور طوفان بن کر شمع اسلام کو بجھانے کی کوشش کرتی رہیں، لیکن ان کی ہر سازش ناکام رہی، ان کی ہر کوشش ان کے لئے ذلت و خواری کا سبب بنی، آیئے مطالعہ کریں ہجرت کے بعد، آقا ﷺ

کی بے پناہ، مصروفیات کا اور اسلام کے لئے، مہاجرین وانصار صحابہ کرام کی بے پناہ ایثار وقربانی کا، جس کے باعث آج ہم مسلمان ہیں اور اسلام کے وارث ہیں، سوچئے اور غور کیجئے کہ ہم اپنے آقا ﷺ اور آپ کے جاں نثاروں کے عطا کردہ، دین سے متعلق اپنی ذمہ داریاں کس حد تک پوری کر رہے ہیں، کہ مطالعہ سیرت کا بنیادی مقصد یہی ہونا چاہیے، ہجرت کے پہلے سال جو اہم امور انجام پائے، ہم انہیں مختصرا بیان کرتے ہیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر

میرے آقا ﷺ نے سب سے پہلے تعمیر مسجد پر توجہ فرمائی، تا کہ امت مسلمہ کو یہ پیغام دیا جائے، کہ اللہ کے گھر کی تعمیر اپنے گھروں کی تعمیر سے پہلے ہونا چاہیے، کہ اللہ کا گھر، مرکز رشد وہدایت ہے، اس میں عبادت سے ایمان کو جلاء اور تقویت ملتی ہے، اس کی تعمیر میں دولت خرچ کرنے والوں کو برکت نصیب ہوتی ہے، انہی کے لئے وعدۂ جنت ہے، مسجد کے بلند منار اہل ایمان کی رفعت و بلندی کی علامت ہیں، مسجد کی زیب وزینت اہل ایمان کے گھروں اور قبروں کی زیب وزینت کا وسیلہ ہے۔

جس میدان میں، قصویٰ، بحکم الٰہی بیٹھی تھی، وہ دو یتیم بچوں، سہل اور سہیل کی ملکیت تھا، ان کے والد رافع بن ابی عمرو بن عائذ کا انتقال ہو چکا تھا، اسعد بن زرارہ ان کے کفیل تھے، سہل اور سہیل کا تعلق بنو نجار سے تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس زمین کو مسجد کے لئے پسند فرمایا، لہٰذا آپ نے بنو نجار کو بلایا، اور فرمایا "ثَامِنُونِیْ بِحَائِطِکُمْ هٰذَا" مجھے یہ زمین قیمتاً دے دو، انہوں نے عرض کیا، "وَاللّٰهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهٗ اِلَّا مِنَ اللّٰهِ" بخدا! ہم اس کی قیمت صرف اللہ سے لیں گے، آپ نے بلا قیمت زمین لینے سے انکار کر دیا، پھر اس کی قیمت دس مثقال طے پائی، جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ادا کی۔

زمین خریدنے کے بعد، اسے ہموار کیا گیا، اینٹوں وغیرہ کا انتظام کیا گیا، اور ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھے، اپنی چادر بچھائی، اور اس میں اینٹیں رکھ کر اٹھانے لگے، گویا آپ نے تعمیر کے کام کا افتتاح کیا، لہٰذا صحابہ کرام بھی اٹھے، اور انہوں نے اپنی اپنی چادریں بچھا کر، اینٹیں اٹھانا شروع کر دیں، سرکار دو عالم ﷺ، اینٹیں پتھر اٹھا کر لا رہے تھے، آپ کے شکم مبارک پر گرد جمی ہوئی تھی، صحابہ کرام پر ایک وجد وکیف کی سی حالت طاری تھی، وہ تیزی سے کام کر رہے تھے، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے، اور سب مل کر یہ شعر پڑھ رہے تھے:

لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشَ الْاٰخِرَةِ — اَللّٰهُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةِ

"کوئی زندگی نہیں ہے مگر آخرت کی زندگی اے اللہ! انصار اور مہاجرین پر رحم فرما"۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بھاری پتھر اٹھائے

ہوئے تھے، کہ راستہ میں اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ سامنے آ گئے، عرض کرنے لگے، یہ پتھر بہت وزنی ہے، مجھے دے دیجئے، آپ نے فرمایا، "اِذْهَبْ فَاحْتَمِلْ غَيْرَهٗ فَاِنَّكَ لَسْتَ بِاَفْقَرَ اِلَى اللّٰهِ مِنِّيْ" جاؤ دوسرا پتھر اٹھالاؤ، تم مجھ سے زیادہ اللہ کی رحمت کے محتاج نہیں ہو۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی یہ حالت تھی، کہ دوسرے صحابہ تو، ایک ایک پتھر اٹھا رہے تھے، اور یہ دو، دو اٹھاتے تھے، اور کہتے ایک اینٹ میری اور ایک آقا ﷺ کے حصہ کی ہے، ایک مرتبہ، ازراہ مذاق، صحابہ نے ان پر زیادہ اینٹیں لاد دیں، یہ آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے، سرکار! دیکھیے آپ کے صحابہ میری جان لینے کے درپے ہیں، وہ خود تو ایک ایک اینٹ اٹھا رہے ہیں اور مجھ پر اتنی اینٹیں لاد دی ہیں، آقا ﷺ نے، غلام پر محبت بھری نظر ڈالی، اپنے دست مبارک سے ان کے بالوں پر پڑی مٹی جھاڑی، اور فرمایا، "لِلنَّاسِ اَجْرٌ وَلَكَ اَجْرَانِ" اے ابن سمیہ، لوگوں کو ایک اجر ملے گا اور تمہیں دو اجر، "وَاٰخِرُ زَادِكَ شَرْبَةٌ مِنْ لَبَنٍ" اور تمہاری آخری غذا دودھ ہوگا، "وَتَقْتُلُكَ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ" اور تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا، اور میرے آقا مخبر صادق ﷺ نے جو فرمایا، وہی ہو کر رہا۔

بہرحال، صحابہ کرام نے اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں بڑی محنت و مشقت سے مسجد تعمیر کی، اس کے لئے انہوں نے اپنی دولت پیش کی، وقت کی قربانی دی، آقائے کائنات ﷺ نے تعمیر میں عملی حصہ لیا، کہ خود پتھر ڈھوئے، دوران تعمیر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، موجود زمین کو ناکافی محسوس کیا، لہٰذا برابر کا قطعہ زمین بھی اس کے ساتھ ملانے کا فیصلہ فرمایا، اور اس کے مالک سے فرمایا، "کہ مسجد میں توسیع کے لئے، اپنی زمین مجھے دے دو، "وَلَكَ بِهَا بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ" اور اس کے بدلے جنت میں محل لے لو، لیکن مالک نہایت غریب اور عیالدار تھے، لہٰذا انہوں نے معذرت کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا، کہ زمین کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کے عوض، مالک جنت ﷺ، جنت میں محل عطا فرما رہے ہیں، پس انہوں نے جلدی کی اور دس ہزار درہم میں زمین کا ٹکڑا خرید لیا، اور آقا کی بارگاہ میں حاضر ہو کر، عرض گزار ہوئے "يَارَسُوْلَ اللّٰهِ! اِشْتَرِمِنِّي الْبُقْعَةَ الَّتِي اِشْتَرَيْتُهَا مِنَ الْاَنْصَارِ" یہ قطعہ ارضی میں نے انصاری سے خرید لیا ہے، اب یہ آپ مجھ سے خرید لیں، اللہ کے رسول ﷺ، حضرت عثمان کے اس عمل سے خوش ہوئے، اور آپ نے وہ زمین، جنت میں محل کے عوض خرید لی، (یہ مقام قابل غور ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو کیسا یقین و اعتماد تھا، اپنے آقا ﷺ کے مالک جنت اور قاسم جنت ہونے پر) مسجد کی بنیاد تین ہاتھ گہری کھودی گئی، دیواریں اینٹوں اور پتھر کی بنائی گئیں، جب کہ چھت کھجور کے پتوں کی ڈالی گئی، اور ستون کھجور کے تنوں کے تھے، لمبائی چوڑائی سو ہاتھ جب کہ اس کی بلندی سات ہاتھ تھی۔

حجروں کی تعمیر

اللہ کے گھر کی تعمیر مکمل ہوئی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، اپنی ازواج مطہرات کے لئے حجروں کی تعمیر پر توجہ فرمائی، کل نو حجرے تعمیر کیے گئے، لیکن اس وقت نہیں، بلکہ حسب ضرورت تعمیر ہوتے رہے، فی الحال ایک ہی حجرہ بنایا گیا، کیونکہ اس وقت آپ کی زوجیت میں صرف سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا تھیں، اسی سال، یعنی ہجرت کے سات یا آٹھ ماہ بعد شوال یا ذیقعد میں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہوئی، تو ان کے حرم میں آنے سے پہلے دوسرا حجرہ بنوایا گیا۔

حجرات کے سلسلہ میں یہ جاننا نہایت ضروری ہے، کہ شہنشاہ کائنات، جن کو اللہ نے کائنات میں تصرف کا اختیار دیا، جسے مالک کائنات نے اپنے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائیں، اپنی نعمتوں کا قاسم بنایا، اس کے اپنے رہائشی مکانات کی کیا کیفیت تھی، پس تمام مؤرخین اور علماء سیرت کا اس بات پر اتفاق ہے، کہ آقائے کائنات ﷺ کے کل نو حجرے تھے، بعض کی دیوار، چھوٹے چھوٹے پتھروں کو جوڑ کر بنائی گئی تھی، اور ان پر گارے کا لیپ کر دیا گیا تھا، تا کہ کوئی سوراخ باقی نہ رہے، اور کچھ کی دیواریں کھجور کی ڈالیوں کو ملا کر کھڑی کی گئیں اور ان پر گارا کر دیا گیا، جب کہ سب کی چھتیں کھجور کے پتوں کی تھیں، کھجور کے تنوں کے شہتیر ڈالے گئے تھے، دروازوں پر، سیاہ موٹے کمبل کے پردے تھے، چھت کی اونچائی، بس قد آدم ہی تھی، لمبائی، چوڑائی کا اندازہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ارشاد سے کیجئے، "کہ میں سوتی ہوتی تھی اور آقا ﷺ نماز پڑھتے ہوتے تھے، جب آپ سجدہ میں جاتے تو میرے پیر کو ہاتھ لگاتے، تا کہ میں پیر سکیڑ لوں، پس میں ایسا ہی کرتی تھی، تو آپ سجدہ کرتے تھے، یعنی لمبائی، دس ہاتھ اور چوڑائی، سات ہاتھ تھی۔

سیدنا حسن بصری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب میں ذرا بڑا ہو گیا، تو کھڑا ہو کر، چھت کو ہاتھ لگا لیا کرتا تھا، یہ حجرے مسجد سے بالکل متصل تھے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اعتکاف میں ہوا کرتے، تو کھڑکی سے سر مبارک گھر میں کر دیتے، اور ازواج مطہرات اندر ہی سے آپ کا سر دھو دیا کرتیں تھیں، بہر حال یہ حجرے، ظاہری و مادی اعتبار سے، اینٹوں، گارے، کھجور کی ڈالیوں اور تنوں سے تعمیر شدہ، چھوٹی، چھوٹی، کوٹھریاں ہی سہی، لیکن عظمت و برکت کے اعتبار سے، روئے زمین پر سب سے زیادہ بابرکت وعظیم تھے، کہ انہیں اللہ کے محبوب ﷺ کی رہائش گاہ ہونے کا شرف حاصل تھا، انہی میں ہماری ان ماؤں کی زندگیاں بسر ہوئیں، جن میں غریب خاندانوں سے تعلق رکھنے والی بیوائیں بھی تھیں، سرداروں اور رئیسوں کی بیٹیاں بھی تھیں، شہنشاہوں کی شہزادیاں بھی تھیں اور وہ فقیہہ، مجتہدہ، ماں بھی تھیں، جنہیں محبوب رب العٰلمین کی محبوبہ ہونے کا اعزاز حاصل تھا، جن کی ذہانت وذکاوت پر آقائے دو

جہاں ﷺ کو ناز رہا، جن کی براءت وصداقت کی گواہی، کلام الٰہی نے دی، انہی کا مقدس حجرہ آقا ﷺ کی دائمی آرام گاہ بنا، انہی مقدس حجروں کو، عبد مقدس، عبد کامل ﷺ کی عبادت اور طویل سجدوں کا شرف حاصل ہوا، انہی مبارک حجروں میں متعدد بار وحی الٰہیہ کا نزول ہوتا رہا، یہاں فرشتوں کے سردار حضرت جبرئیل کی آمد ورفت عام تھی، یہی حجرے مرکز رشد وہدایت تھے، کتنے عظیم تھے یہ حجرات، عظمت ظاہری و مادی شان وشوکت سے نہیں ہوتی، عظمت و برکت کا تعلق تو نسبت سے ہے۔

جن میں روح القدس بے اجازت نہ جائیں ان سرادق کی عصمت پہ لاکھوں سلام

انہدام حجرات

۸۸ ہجری میں ولید بن عبد الملک نے، مسجد نبوی شریف کی توسیع اور دوبارہ تعمیر کا فیصلہ کیا، اور مدینہ منورہ کے گورنر عمر بن عبد العزیز کو حکم دیا، کہ مسجد کے قرب وجوار کے مکانات خرید کر، مسجد کی توسیع کی جائے، ظاہر ہے اسی توسیعی پروگرام کی زد میں حجرات مقدسہ بھی آئے، لہٰذا ان کو بھی منہدم کر دیا گیا، حجروں کو جب مسمار کیا جانے لگا، تو اہل مدینہ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، مدینہ کے گلی، کوچوں اور گھروں میں کہرام مچ گیا، مرد وعورت آہ وبکا کرنے لگے۔

عطا خراسانی کا بیان ہے، کہ جب ولید بن عبد الملک کا حکم مدینہ منورہ میں پہنچا، کہ امہات المومنین کے حجرات مقدسہ گرا کر مسجد میں شامل کر دیئے جائیں، تو اس وقت میں مدینہ منورہ میں موجود تھا، حجرے کھجوروں کی شاخوں کے تھے، اور ان کے دروازوں پر ٹاٹ کے پردے پڑے ہوئے تھے، مدینۃ الرسول کے لوگ ولید کے اس حکم پر انتہائی پریشان و بے چین تھے اور زار وقطار، رو رہے تھے، "فَمَا رَأَيْتُ يَوْمًا كَانَ أَكْثَرَ بَاكِيًا مِنْ ذَالِكَ الْيَوْمِ" میں نے لوگوں کو اس دن سے زیادہ کبھی روتے نہ دیکھا۔

سیدنا سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میری خواہش تھی کہ حجرات مقدسہ اسی حالت پر چھوڑ دیئے جائیں۔

عمران بن ابی انس فرماتے ہیں، میں نے صحابہ کرام کی ایسی جماعت دیکھی، جو حجرات مقدسہ کے گرائے جانے کے واقعہ سے سخت نڈھال اور پریشان تھے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہہ رہا تھا، ان میں ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن بن عوف، ابو امامہ بن سہل اور خارجہ بن زید بھی شامل تھے۔

ابو امامہ فرماتے ہیں، کاش یہ لوگ حجرات مقدسہ کو اسی حالت پر چھوڑ دیتے، تا کہ آنے والی نسلوں کو ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا اور وہ، ان سے سادگی وقناعت کا درس لیتے رہتے، اور لوگ دیکھتے، کہ اللہ نے اپنے جس نبی کو دنیا کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی تھیں، ان کی رہائش کے لئے حجرات پسند فرمائے تھے۔

علامہ سہیلی لکھتے ہیں، کہ جب ان حجرات کو منہدم کرنے کے لئے، خلیفہ وقت کا حکم آیا، تو فضائے مدینہ، لوگوں کی گریہ وزاری سے اس طرح لبریز ہوگئی جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے دن۔

ہماری بھی یہ آرزو ہے، کہ کاش، ہماری ماؤں کے یہ بابرکت مکانات موجود ہوتے، اور آج ہمیں بھی ان کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا، لیکن چونکہ انہیں ایک اعلیٰ مقصد، یعنی مسجد کی توسیع کے لئے مسمار کیا گیا، اس لئے ان کی زیارت سے محرومی قابل برداشت ہے، لیکن افسوس تو ان مقامات مقدسہ کے ختم ہو جانے کا ہے، جنہیں، بلاوجہ، بلامقصد یا تو شہید کر دیا گیا، یا اہل محبت کی نظروں سے اوجھل کر دیا گیا، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک، جنت البقیع میں مدفون جلیل القدر صحابہ و صحابیات، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء، کے مزارات پر انوار کہاں گئے، مدینہ منورہ میں بے شمار آثار مقدسہ کا آج نام ونشان نہ رہا، شہداء بدر واحد کی زیارات پر سخت پابندی عائد ہے، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مرقد انور تک رسائی ممکن نہ رہی، مولد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور مظلوم اہل ایمان کی پہلی آماجگاہ، دار ارقم وغیرہ کا نام ونشان تک نہیں، کوئی ہے بتانے والا کہ ان تمام متبرک مقامات کو امت مسلمہ سے کس نے چھین لیا، اور ان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کس اعلیٰ یا ادنیٰ مقصد کے لئے کیا گیا، ظلم وستم کی ان داستانوں پر رونا اور امت کا مضطرب ہونا بجا ہے۔

اہل بیت کی مدینہ آمد

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، مدینہ منورہ تشریف لے آئے، سفر اور اس کے اثرات ختم ہو گئے، مسجد نبوی شریف کی تعمیر، تکمیل کے مرحلہ تک پہنچ گئی، تو آپ نے اپنے اہل بیت کو اور حضرت ابوبکر نے اپنے اہل خانہ کو مدینہ بلانے کا اہتمام فرمایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید بن حارثہ اور حضرت ابو رافع کو، سواری کے لئے دو اونٹ دیئے اور اخراجات کے لئے پانچ سو درہم عطا فرمائے، اور مکہ جانے کا حکم دیا، تاکہ یہ دونوں آپ کے اہل بیت کو مدینہ منورہ لے کر آئیں، حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے اہل خانہ کے پاس عبداللہ بن اریقط کو بھیجا، یہی وہ شخص ہے جسے سفر ہجرت کے وقت ساتھ لیا گیا تھا تاکہ وہ مدینہ کا راستہ دکھائے۔

حضرت زید بن حارثہ اور حضرت رافع حسب پروگرام، اہل بیت کو لے کر، بخیر وعافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے، ان کے ہمراہ، جو اہل بیت پہنچے، وہ یہ تھے، ام المومنین حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا، اس وقت صرف یہی حضور کی زوجیت میں تھیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دائی اور خادمہ، حضرت ام ایمن، اپنے صاحبزادے اسامہ کے ہمراہ، یہ حضرت زید بن حارثہ کی زوجہ تھیں، حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی چار صاحبزادیوں میں سے دو، حضرت سیدہ فاطمہ اور حضرت ام کلثوم آئیں، جب کہ حضرت رقیہ اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہمراہ حبشہ میں تھیں، کچھ عرصہ بعد یہ دونوں بھی حبشہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے، جب کہ بڑی صاحبزادی حضرت زینب، ابوالعاص بن ربیع کی زوجیت میں تھیں اور ابوالعاص کو ابھی شرف اسلام نصیب نہ ہوا تھا، لہٰذا اس نے حضرت زینب کو مدینہ نہ آنے دیا، غزوۂ بدر کے قیدیوں میں ابوالعاص بھی تھا، جب قیدیوں کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا اور آقائے رحمت نے ان میں ابوالعاص کو بھی دیکھا، تو آپ نے اسے آزاد کر دیا، اس نے مکہ پہنچ کر، حضرت زینب کو اجازت دی، اور وہ بھی مدینہ منورہ تشریف لے آئیں۔

عبداللہ بن اریقط نے مکہ پہنچ کر، حضرت ابوبکر کے صاحبزادے، عبداللہ کو حضرت ابوبکر کا پیغام دیا، لہٰذا وہ بھی اپنی والدہ اور دونوں بہنوں، حضرت عائشہ اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہم کو لے کر بعافیت مدینہ منورہ پہنچ گئے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفیق حضرت ابوبکر کے سفر ہجرت کا بقیہ مرحلہ بھی پورا ہو گیا۔

اذان کی ابتداء

کسی بھی اجتماعی مذہبی رسم کی ادائیگی سے پہلے اس کا عام اعلان ضروری ہے، تا کہ اس سے متعلق لوگ جمع ہو سکیں، اور اسے اجتماعی طور پر ادا کر سکیں، اس لئے ہر قوم میں اجتماعی عبادات کی دعوت دینے کے لئے، کوئی نہ کوئی طریقہ موجود ہے، عیسائیوں نے اپنے گرجوں میں اونچی سے اونچی جگہ پر بڑے بڑے گھنٹے لٹکائے ہوئے ہیں، جو اجتماعی عبادات کے وقت بالخصوص اتوار کو، کافی دیر تک بجائے جاتے ہیں جن کی آواز میلوں دور پہنچتی ہے، یہودی اس مقصد کے لئے ناقوس بجاتے ہیں، پارسی آگ جلاتے ہیں، اور ہندو عیسائیوں کی طرح، گھنٹیاں ہی بجاتے ہیں۔

مسجد نبوی شریف کی تعمیر کے بعد، لوگ پانچوں نمازوں کے لئے جمع ہوتے اور اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے، لیکن اب تک اس اجتماعی عبادت کے لئے، چونکہ، اعلان کا کوئی ذریعہ اختیار نہیں کیا گیا، اس لئے بہت سے لوگ جماعت میں شریک ہونے سے محروم رہتے اور انفرادی طور پر فریضہ ادا کرتے، یہ ایک بد نظمی سی تھی جو اسلام کے مزاج کے بھی خلاف تھی اور مزاج رسول کو بھی گوارا نہ تھی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے، اس گتھی کو کسی نہ کسی طرح سلجھانے کا فیصلہ فرمایا، اور اپنی عادت مبارکہ کے مطابق، صحابہ کرام کو مشورے کے لئے طلب فرمایا۔

اکثر صحابہ نے انہی طریقوں کو اپنانے کی تجاویز پیش کیں جو یہود و نصاریٰ اور مجوس میں رائج تھے، مگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تجاویز کو پسند نہ فرمایا، کیونکہ اسلام دین وقیع ہے، اس کا اپنا نظام موجود

ہے، جس میں امتیازی عنصر نمایاں ہے، کہ اس کی عبادات ومعاملات کے طریقے دیگر اقوام سے ممتاز اور علیحدہ ہیں، اسی لئے اسلام غیر مسلم قوم سے مشابہت یعنی ان کے طریقے اپنانے کی اجازت نہیں دیتا، تو یہ کیونکر ممکن ہے، کہ نماز جیسی اہم عبادت کے لئے، کسی غیر قوم کا طریقہ اعلان اپنا لیا جاتا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے، گھنٹیاں یا ناقوس بجانے یا آگ روشن کرنے کی تجاویز کو مسترد فرمادیا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گویا ہوئے، ''اَوَلَا تَبْعَثُوْنَ رَجُلاً یُنَادِیْ بِالصَّلٰوۃِ'' کیا یہ موزوں نہ ہوگا، کہ وقت نماز کا ایک شخص اعلان کردیا کرے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ تجویز پسند آئی، اور آپ نے فرمایا، ''یَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلٰوۃِ'' اے بلال اٹھو اور نماز کے وقت کا اعلان کرو، آپ نے اس ارشاد سے یا تو، حضرت بلال کو موذن مقرر فرمایا، اور یا اسی مشاورت کے دوران وقت نماز آگیا، تو بلال کو اعلان کا حکم دیا، اور حضرت بلال نے، جن الفاظ سے چاہا اعلان کیا، کیونکہ ابھی ان جملوں کا تعین باقی تھا، جو اذان میں کہے جائیں گے، اور آپ نہایت فکر کے ساتھ اس پر غور فرمارہے تھے، جیسا کہ عبداللہ بن زید نے بیان کیا کہ میں اس مجلس مشاورت میں حاضر تھا، اور میں نے اس معاملہ میں اپنے آقا ﷺ کے تفکر کو محسوس کیا، جب میں گھر واپس آیا، تو میری بھی ساری رات اضطراب میں گزری، بڑی مشکل سے نیند آئی، تو میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں ناقوس لئے ہوئے تھا، میں نے اس سے کہا، ''اَتَبِیْعُ ھٰذَا النَّاقُوْسَ'' کیا تم یہ ناقوس بیچو گے، اس نے پوچھا تم اس کا کیا کرو گے، میں نے کہا، ہم اسے بجا کر لوگوں کو نماز کی دعوت دیا کریں گے، اس نے کہا، کیا میں تمہیں اس سے بہتر طریقہ نہ بتادوں، میں نے خوش ہو کر کہا، ہاں ضرور بتاؤ، وہ کہنے لگا، اللہ کے رسول ﷺ سے عرض کرو، کہ وہ لوگوں کو نماز کی دعوت اس طرح دیا کریں:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ، حی علی الفلاح، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ،

حضرت ابن عمر نے بتایا کہ جب عبداللہ بن زید کی آنکھ کھلی، تو ان سے صبح ہونے کا انتظار نہ ہوا، اور دوڑتے ہوئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، سارا خواب سنایا، آپ نے فرمایا، ''اِنَّھَا لَرُؤْیَا حَقٌّ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی'' انشاء اللہ، یہ سچا خواب ہے۔

حضرت عمر فاروق نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا، لیکن انہیں جسارت نہ ہوئی کہ وہ آدھی رات کو، اپنے آقا کے آرام میں مخل ہوں، جب وقت فجر ہوا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، عبداللہ بن زید کو

حکم دیا، جاؤ، تم حضرت بلال کو اذان کے کلمات بتاتے جاؤ اور وہ اذان دیں، حضرت عمر نے جب، بلال کی آواز میں کلمات سنے، تو دوڑتے ہوئے، آقا ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور بتایا، یا رسول اللہ، بخدا! ''لَقَدْ رَأَیْتُ مِثْلَ ذٰلِکَ'' میں نے بھی اسی طرح کا خواب دیکھا ہے، آپ نے فرمایا، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ مجھے اطمینان ہو گیا۔

مفہوم اذان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، جس طرح اسلام کے دیگر احکام امتیازی شان اور بے شمار خوبیوں کے حامل ہیں، اسی طرح اذان اور اس کے کلمات بھی ممتاز ہیں اور اسلام کے دین حق ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہیں، کہ دن میں پانچ مرتبہ، ہمارا مؤذن، کلمۂ حق بلند کرتا اور ایک اللہ کی کبریائی کا اعلان کرتا ہے، وہ بانگ دہل پکارتا ہے کہ سوائے ایک اللہ کے کوئی عبادت کے لائق نہیں، نیز وہ واحدنیت باری تعالیٰ کے ساتھ ہی محمد (ﷺ) کی رسالت کا اعلان کر کے ان کے ذکر کی رفعت و بلندی کی ذمہ داری پوری کرتا ہے، اور سننے والوں کے دلوں اور دماغوں میں یہ عقیدہ، مستحکم و محفوظ کرتا رہتا ہے، کہ جس اللہ کی عبادت کی تمہیں دعوت دی جا رہی ہے، محمد ﷺ اسی کے رسول برحق ہیں، ان کا ذکر اللہ کے ذکر سے جدا نہیں ہو سکتا، کہ ہم نے اللہ کو انہی کے وسیلہ اور توسط سے جانا پہچانا ہے، پس اے اللہ و رسول پر ایمان رکھنے والو، اپنے اعتراف وحدانیت اور اقرار رسالت کے ثبوت کے لئے، نیز اللہ کی بندگی اور رسول کی غلامی کے اظہار کے لئے نماز کی طرف آؤ، کہ یہ نماز ہی تمہاری فلاح و بہبود کا ذریعہ اور وسیلہ ہے، مزید سنو، کسی کی بڑائی کا خیال بھی نہ کرو، اللہ اکبر، کہ بڑا صرف اللہ ہی ہے اور کسی کی پوجا یا پرستش کر کے اپنے آپ کو ذلیل و خوار نہ کرو، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ، کہ عبادت کے لائق سوائے اللہ کے، کوئی نہیں۔

بہرحال اذان اور اس کے کلمات میں معنویت ہے، کشش ہے، تاثیر ہے، کہ اس کو سن کر، اہل ایمان کے دل، ذکر الٰہی کی طرف مائل ہوتے ہیں، اعتراف عبدیت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، شوق اطاعت پیدا ہوتا ہے، ایمانی قوت کا احساس ہونے لگتا ہے، جب کہ غیر مسلموں کے دل لرزنے لگتے ہیں، اسی لئے وہ اذان کے وقت یا تو اپنے کان بند کر لیتے ہیں، اور اگر ان کا بس چلتا ہے، تو وہ اذان پر پابندی لگا دیتے ہیں، جیسا کہ غیر مسلم ممالک بالخصوص بھارت میں، آئے دن ہوتا رہتا ہے، پس ہمیں اپنے اس اسلامی شعار پر ناز کرنا چاہیے، مؤذن کی دعوت کو قبول کرنا اور نماز کی پابندی کرنا چاہیے، کہ یہی ہماری فوز و فلاح اور نجات کا یقینی ذریعہ ہے، اللہ اکبر، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔

مواخات

معاشی ترقی وخوش حالی، معاشرتی امن وامان اور سکون وطمانیت، سیاسی رعب ودبدبہ اور وقار کے لئے، قومی اتحاد واتفاق، ناگزیر ہے، بالخصوص اس وقت، جب قوم کا وجود کسی نظریہ کی بنیاد پر ہو، اور اس کے درمیان صرف نظریہ ہی واحد قدر مشترک ہو، اور یہ صرف اسلام ہے جس نے ایسی قوم کو جنم دیا، جس کے درمیان قدر مشترک صرف اسلام ہی رہا، اس ﷺ نے سوا دیگر اقدار کی کوئی قدر نہ رہی، نہ رنگ ونسل کی قدر رہی، نہ خونی رشتوں کی کوئی اہمیت رہی، قرآن نے بنی نوع انسان کو خطاب کرتے ہوئے واضح اعلان فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَ جَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا (الحجرات:13)

''اے لوگو! ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے اور بنا دیا ہے تمہیں مختلف قومیں اور مختلف خاندان، تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو''۔

طریقہ پیدائش سب کا ایک ہی ہے، اس کے باوجود، قوموں اور خاندانوں میں تمہاری تقسیم اس لئے نہیں، کہ تم اس تقسیم پر آپس میں فخر کرنے لگو، اور انسانیت ہی کو تقسیم کر ڈالو، یہ فطری اور قدرتی تقسیم تو، ذریعۂ تعارف ہے، پس اسے اسی طرح استعمال کیا جائے، جس طرح آپس میں بھائی اپنے ناموں کو استعمال کرتے ہیں، کہ نام صرف پہچان کا ذریعہ ہوتے ہیں، مختلف ناموں کے باوجود بھائیوں کی محبت و الفت میں کوئی کمی نہیں آتی، اسی طرح، قومی اور خاندانی تقسیم کے باوجود انسانی رشتوں میں فرق پیدا نہیں ہونا چاہیے، میرے آقا ﷺ نے اسی پیغام الٰہی کی وضاحت کرتے ہوئے، فتح مکہ کے دن فرمایا:

''اے لوگو! بس انسانوں کے دو ہی گروہ ہیں، ''رَجُلٌ بِرٌّ تَقِيٌّ كَرِيْمٌ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى'' ایک نیک متقی جو اللہ کے نزدیک محترم ہے، ''رَجُلٌ فَاجِرٌ شَقِيٌّ هَيِّنٌ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى'' دوسرا بدکار، بدبخت جو اللہ کے نزدیک حقیر ہے، ''اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ خَلَقَ اللّٰهُ اٰدَمَ مِنْ تُرَابٍ'' سارے انسان آدم کی اولاد ہیں جب کہ اللہ نے آدم کو مٹی سے پیدا فرمایا ہے''۔

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی رحمت ﷺ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا،

يَاَيُّهَا النَّاسُ! اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ، وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔

''اے لوگو! تمہارا رب ایک ہے، کسی عربی کو عجمی پر، کسی عجمی کو کسی عربی پر، کوئی فضیلت نہیں، نہ کسی کالے کو سرخ پر، اور نہ کسی سرخ کو کالے پر، برتری حاصل ہے، بجز تقویٰ کے، اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہوگا''۔

كُلُّكُمْ بَنُوْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ، وَلَيَنْتَهِيَنَّ قَوْمٌ يَفْخَرُوْنَ بِاٰبَائِهِمْ اَوْ لَيَكُوْنَنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعْلَانِ

''تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کیے گئے، لوگ اپنے باپ دادا پر فخر کرنے سے باز آجائیں، ورنہ وہ اللہ کے نزدیک گوبر کے کالے کیڑے سے بھی زیادہ حقیر و ذلیل ہوں گے''۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْئَلُكُمْ عَنْ اَحْسَابِكُمْ وَلَا عَنْ اَنْسَابِكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَاللّٰهِ اَتْقٰكُمْ

''اللہ تعالیٰ حشر کے دن تمہارے حسب و نسب کے متعلق باز پرس نہ کرے گا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ محترم وہ ہوگا جو زیادہ متقی ہوگا''۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَاَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ

''اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور مالوں کی طرف نہیں دیکھتا، بلکہ وہ تمہارے دلوں اور اعمال کی طرف دیکھتا ہے''۔

ان ارشادات پر غور کے بعد یہ حقیقت واضح ہوتی ہے، کہ قومیت یا قومی اتحاد کا ذریعہ نہ تو شعوب و قبائل ہیں، نہ رنگ و نسل، نہ آباء و اجداد کے بلند مراتب و مناصب، حسن و جمال اور نہ دولت و شوکت، صرف اخلاص و اعمال اور تقویٰ و پرہیزگاری وجہ فضیلت بن سکتی ہے، جو اسلام سے ملتی ہے، اسی لئے قرآن کریم، اخوت کی بنیاد، ایمان کو قرار دیتا ہے، اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد جب اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے غلاموں کی حالت پر غور فرمایا، تو صورت حال یہ نظر آئی کہ حلقۂ اسلام میں داخل ہونے والے، اپنے اپنے قبائل، خاندانوں، حتیٰ کہ خونی رشتہ داروں کو چھوڑ کر آئے ہیں، ان کے رنگ مختلف ہیں، زبانوں میں بھی اختلاف ہے، معاشرت میں فرق ہے، انہوں نے صرف بت پرستی ہی نہیں چھوڑی ہے، بلکہ حسب و نسب کی پوجا بھی ختم کر دی ہے، عصبیت کے بتوں کو انہوں نے پاش پاش کیا ہے، پس ضروری تھا، کہ ان ظاہری و مادی رشتوں کے بدلے انہیں وہ رشتے ملیں، جو حقیقی ہوں، جو واقعی ایک دوسرے کے ہمدرد اور معاون ہوں، جن رشتوں

کی بنیاد نسل، نسب، رنگ یا زبان نہ ہو، بلکہ اب انہیں جس ڈور میں پرویا جائے وہ "حبل اللہ" اللہ کی رسی ہو۔

آقائے رحمت ﷺ نے منتخب اور چیدہ چیدہ مہاجرین وانصار کو طلب فرمایا، ارشاد ہوا، "تَاٰخُوْا فِی اللّٰہِ اَخَوَیْنِ اَخَوَیْنِ" اللہ کے لئے، دو دو، آپس میں بھائی بھائی ہو جاؤ، اس مژدہ اخوت ومودت کو سن کر سب خوش ہو گئے، ابتداء کرتے ہوئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھاما، اور فرمایا "ھذا اخی" "یہ میرا بھائی ہے، پھر آپ نے اپنے چچا حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کا بھائی قرار دیا، پھر جن حضرات کو، اخوت کی کڑی سے منسلک کیا گیا، ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

اسماء مہاجرین	اسماء انصار	اسماء مہاجرین	اسماء انصار
جعفر بن ابی طالب	معاذ بن جبل	زبیر بن العوام	سلمہ بن سلامہ
ابوبکر صدیق	خارجہ بن زید	عثمان بن عفان	اوس بن ثابت بن المنذر
عمر بن خطاب	عتبان بن مالک	طلحہ بن عبیداللہ	کعب بن مالک
ابوعبیدہ بن عبداللہ بن جراح	سعد بن معاذ یا ابوطلحہ	سعید بن زید	ابی بن کعب
عبدالرحمٰن بن عوف	سعد بن ربیع	مصعب بن عمیر	ابوایوب خالد بن زید
ابوحذیفہ بن عتبہ	عباد بن بشر	عمار بن یاسر	حذیفہ بن یمان
ابوذر غفاری	المنذر بن عمر المعتق	حاطب بن ابی بلتعہ	عویم بن ساعدہ
سلمان فارسی	ابوالدرداء	بلال	ابورویحہ
سعد بن ابی وقاص	محمد بن مسلمہ	عبداللہ بن مسعود	سہل بن حنیف

یہ تھی وہ اسلامی اخوت ومواخات، جس کی ابتداء خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تاکہ ہمیشہ کے لئے مسلم قومیت کی بنیاد صرف اسلام کو ہی سمجھا جائے، یعنی ہمارا اپنا صرف مسلمان ہے، جب کہ غیر مسلم سے کتنے ہی قریبی رشتے یا تعلقات ہوں وہ ہمارا اپنا نہیں، مسلمان کے لئے قابل اعتماد صرف مسلمان ہے، بوقت ضرورت، مسلمان صرف مسلمان ہی کی مدد حاصل کر سکتا ہے، جب کہ بوقت مصیبت مسلمان، غیر مسلم کی مدد کر سکتا ہے، میرے آقا ﷺ نے جس طرح امت مسلمہ کی بنیاد اسلام کو قرار دیا، اسی طرح، کفر کو کافروں کی وحدت کا ذریعہ بتایا، "اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ" کہ کفار، چاہے، مشرق کے ہوں یا مغرب کے، ان کا تعلق شمال سے ہو یا جنوب سے، وہ کالے ہوں یا گورے، بتوں کے پجاری ہوں یا تثلیث ان کا عقیدہ ہو، یہودی ہوں، یا پارسی، ان میں کفر قدر مشترک ہے، لہٰذا وہ

ملت واحدہ ہیں، مسلمانوں سے ان کا اشتراک محال ہے، مسلمانوں سے ان کی ہمدردی کا اظہار یا تعاون کا دعویٰ صرف مکر وفریب ہے، حقیقت نہیں، اگر ہم اس حقیقت کو تسلیم کرلیں تو اتحاد بین المسلمین کی ضرورت واہمیت کا احساس کرسکیں گے اور اتحاد بین المسلمین کے بعد ہی ہم صحیح معنی میں باوقار امت مسلمہ کہلانے کے مستحق ہوسکیں گے، اللہ ہمیں اتحاد بین المسلمین کی دولت نصیب فرمائے، آمین

اخوت کے اثرات ونتائج

مسلمانوں کی پہلی قوم، جو اخوت اسلامیہ کے ذریعہ وجود میں آئی، اسے اس نظام اخوت کی خوب، خوب برکتیں ملیں، ان کا وہ رنج وملال یکسر جاتا رہا، جو اسلام قبول کرنے بعد، اپنے قبائل، خاندانوں، سے جدائی کے سبب تھا، اب وہ خوش تھے کہ مخصوص قبائل اور محدود خاندان کے عوض وہ ایک ایسی قوم کا حصہ ہیں، جس میں محبت والفت کا جذبہ اور باہمی تعاون کا طریقہ پایا جاتا ہے، اس نظام کی برکت سے ہمیشہ کے لئے وہ دیوار مسمار ہوگئی، جو مہاجرین وانصار کے درمیان حائل تھی اور جس کے سبب وہ ایک دوسرے کو اجنبی خیال کرتے تھے، اب ان کے درمیان ایسا رشتہ قائم ہو چکا تھا، جس کے سبب انصار نے اپنے ضرورت مند بھائیوں کے لئے ایثار وقربانی کی ایک نظیر قائم کی، جب کہ مہاجرین نے حمیت و غیرت کا ثبوت دیا۔

بخاری ومسلم میں، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضرت سعد بن ربیع انصاری نے اپنے مہاجر بھائی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا، کہ تم میرے اسلامی بھائی ہو، میں اس شہر کا متمول ترین شخص ہوں، میں تمہیں اپنی تمام دولت، جائیداد وزمین کا نصف حصہ دیتا ہوں، نیز میری دو بیویاں ہیں، ان میں سے جو آپ کو پسند ہو، میں اسے طلاق دیتا ہوں، آپ اس سے نکاح کرلیں، عبدالرحمٰن بن عوف اپنے بھائی کی اس پیش کش سے بے حد متاثر ہوئے اور دعائیں دیتے ہوئے بولے، میرے بھائی، تمہارے ایثار کا بہت شکریہ، اللہ تعالیٰ تمہارے مال ومتاع اور اہل وعیال میں مزید برکت عطا فرمائے، مجھے تمہاری کسی چیز کی ضرورت نہیں، میرے پاس کچھ پیسے ہیں، میں تجارت کرنا چاہتا ہوں، تم مجھے بازار کا راستہ بتادو، تاکہ میں اپنی روزی خود کما سکوں، حضرت سعد خاموش ہوگئے، بازار کا راستہ بتایا، تجارت شروع کی، اللہ نے خوب برکت دی، ایک دن بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے، کپڑوں پر زعفران کے چھینٹے پڑے ہوئے تھے، آقا ﷺ نے فرمایا، عبدالرحمٰن ''مهيم'' یہ رنگ کیسا ہے، عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! میں نے ایک خاتون سے نکاح کرلیا ہے، آقا نے پوچھا، مہر کیا ادا کیا، عرض کیا، کھجور کی گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، ''اَوْلِمْ وَلَوْ كَانَ بِشَاةٍ'' جاؤ ولیمہ کرو، چاہے ایک بکری ہی ہو۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا سے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو چند ہی دن میں اللہ تعالیٰ نے بہت برکت عطا فرمائی، اور ان کا شمار مدینہ کے دولت مندوں میں ہونے لگا، جب ان کے قافلے سامان تجارت سے لدے ہوئے مدینہ طیبہ میں داخل ہوتے تھے تو ایک دھوم مچ جاتی تھی، ایک مرتبہ، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اچانک شور سنا، آپ نے معلوم کیا، یہ شور کیا ہو رہا ہے، بتایا گیا، کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پانچ سو اونٹ سامان تجارت لے کر، مدینہ طیبہ کی منڈی میں پہنچے ہیں اور لوگ سامان خریدنے کے لئے دوڑ رہے ہیں، حضرت عبدالرحمٰن نے عوف نے، سب سامان تجارت کو اللہ کی راہ میں صدقہ کر دیا۔

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن بن عوف کو قبیلہ بنو نضیر کی متروکہ اراضی سے ایک قطعہ زمین، حصہ میں ملا، آپ نے اسے چالیس ہزار دینار میں فروخت کیا، اور سب رقم ازواج مطہرات میں تقسیم کر دی۔

غرضیکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کی برکت اور عبدالرحمٰن بن عوف کی حمیت وغیرت اور محنت ومشقت نے انہیں مالا مال کر دیا، اور انہوں نے صدقہ وخیرات کی کثرت کو اپنا وطیرہ بنا کر، سلسلۂ برکت کو جاری رکھا، رضی اللہ عنہ۔

ایک روز انصار نے، آقا ﷺ سے گزارش کی، یا رسول اللہ! ہمارے نخلستانوں کو ہمارے اور مہاجرین کے درمیان، نصف نصف تقسیم فرما دیں، آپ نے از روئے عدل وانصاف فرمایا، "تمہارے مہاجر بھائی صرف پھلوں میں تمہارے شریک ہوں گے، ملکیت میں نہیں"، انصار نے آپ کے ارشاد کو قبول کیا، اور پھلوں کا نصف حصہ دیتے رہے۔

جب بنو نضیر کو جلاوطن کیا گیا اور ان کی مزروعہ زمینیں قبضہ میں آئیں، تو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انصار سے فرمایا، کہ تمہارے مہاجر بھائیوں کے پاس کوئی مال وجائیداد نہیں، اگر تم پسند کرو، تو بنو نضیر کی زمینیں اور تمہارے اموال، مہاجرین اور تمہارے درمیان تقسیم کر دوں، اور اگر تم چاہو تو تمہارے اموال واپس کر دیئے جائیں اور بنو نضیر کی اراضی صرف مہاجرین میں تقسیم کر دی جائیں، تو انصار کہنے لگے، "بَلْ قَسِّمْ هٰذَا فِيهِمْ وَاقْسِمْ لَهُمْ مِنْ اَمْوَالِنَا مَا شِئْتَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ" یا رسول اللہ! یہ بنو نضیر کی زمینیں تو آپ سب مہاجروں میں تقسیم کر دیں، اور ہماری زمینوں کو ان کے اور ہمارے درمیان جیسے چاہیں تقسیم کر دیں، اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلاموں کا یہ جذبۂ ایثار پسند آیا، پس ارشاد ہوا:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر: 9)

"اور ترجیح دیتے ہیں انہیں اپنے آپ پر، اگرچہ خود انہیں اس چیز کی شدید ضرورت ہو"۔

غرضیکہ رشتۂ مواخات نے انصار و مہاجرین کو ایک دوسرے کے اتنا قریب تر کر دیا، کہ دونوں کو ایک دوسرے کی ضروریات کا احساس ہونے لگا، انصار، مہاجرین کے لئے ایثار و قربانی کا پیکر بن گئے، جب کہ مہاجرین اپنے انصار بھائیوں کے ممنون احسان رہتے اور ان کی کوشش ہوتی کہ وہ انصار کے سہارے زندگی بسر کرنے کی بجائے جلد از جلد، خود اپنے پیروں پر کھڑے ہوں، اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے شب و روز محنت و مشقت کی اور نہایت کامیاب رہے، معاشی ترقی کے باوجود نہ مہاجرین نے اپنے انصار بھائیوں سے دوری اختیار کی اور نہ انصار نے آقا ﷺ کے قائم کردہ رشتۂ اخوت کو ذرا بھی کمزور ہونے دیا، بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ یہ رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہوتا گیا، اور ایک رشتہ سے کئی رشتوں نے جنم پایا۔

یہ رشتۂ اخوت سیاسی اعتبار سے بھی نہایت مؤثر ثابت ہوا، کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی قیادت میں منافقوں کی ایک جماعت جنم لے چکی تھی اور یہ لوگ انصار و مہاجرین کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کر کے، انہیں انتشار و افتراق کے دلدل میں ڈھکیل دینے اور اسلامی تحریک کو ناکام بنانے کا جو پروگرام بناتے رہتے تھے وہ محض رشتۂ اخوت ہی کے سبب ملیامیٹ ہو گیا، کہ اس رشتہ کے بعد انصار و مہاجرین کا کسی سازش کا شکار ہو جانا ممکن نہ رہا تھا، علاوہ ازیں جب یہ خبر اہل مکہ کو ملی کہ مہاجرین و انصار نے تو معاہدۂ مواخات کر لیا ہے اور وہ اب بھائیوں اور رشتہ داروں جیسی زندگی گزار رہے ہیں، تو کفار مکہ کے دل دہل گئے اور انہیں اپنا مستقبل مزید تاریک نظر آنے لگا، اپنی ذلت و خواری کا انہیں مزید یقین ہونے لگا۔

اور جب، اس انوکھے اسلامی رشتہ کی خبر عرب کے دیگر مقامات اور دیگر ممالک تک پہنچی، تو جس نے سنا اسے حیرت ہوئی، تعجب ہوا، کہ اس سے پہلے تاریخ انسانیت میں کوئی ایسی نظیر موجود نہ تھی، کہ محض اخوت کے معاہدے سے مدتوں کی دشمنیوں کا خاتمہ ہوا ہو، اور نسلی و لسانی امتیاز مٹ گیا ہو، قبائلی خاندانوں کی برتری اور تعصب کا تصور تک نہ رہا ہو، اس خبر پر غور و خوض ہوا، بحث و مباحثہ ہوا اور اسے معلم کامل ﷺ کی نہایت کامیاب حکمت عملی قرار دیا گیا، فتح اسلام کا پہلا قدم قرار دیا گیا، تہذیب و تمدن میں ایک نہایت مفید اور مؤثر اضافہ قرار دیا گیا، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

صفہ یونیورسٹی کا قیام

قوم میں باہمی محبت و الفت پیدا کرنے کی غرض سے رشتۂ اخوت قائم کیا گیا، جس کے بعد باقاعدہ نظام تعلیم کے رواج کے لئے صفہ یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا، کیونکہ جس طرح قومی وقار کے لئے باہمی محبت و الفت ناگزیر ہے، اسی طرح علم اور فروغ علم بھی لازمی جز ہے، پس میرے آقا ﷺ نے مسجد

نبوی شریف سے متصل ہی ایک چبوترہ بنوایا، جو درس وتدریس کے لئے مخصوص تھا، اس یونیورسٹی کے پرنسپل اور مرکزی معلم، بنفس نفیس خود معلم کامل ﷺ ہی تھے، اگر چہ آپ ہمہ وقت اپنے غلاموں کی تعلیم وتربیت میں مصروف رہتے، لیکن اب تک اس کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، جس کا آغاز صفہ یونیورسٹی کے قیام سے کیا گیا، جامعہ کے دیگر اساتذہ میں سے حضرت عبداللہ بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ تھے، جو شعبہ کتابت کے استاد تھے، یہ فن کتابت میں نہایت ماہر تھے، زمانۂ جاہلیت میں بھی بحیثیت کاتب معروف تھے، ایک استاد حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ تھے، یہ بھی کتابت سکھاتے نیز قرآن کریم کی تعلیم دیتے تھے، کیونکہ یہ ماہر تجوید تھے، ان دونوں کے علاوہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت بھی معلمین میں شامل تھے۔

جامعہ میں طلبہ کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی، کبھی ستر، اسی تک طلبہ ہو جاتے تھے، آقائے رحمت ﷺ ان کی تعلیم، قیام وطعام کی بذات خود نگرانی فرماتے تھے، اصحاب صفہ پر آپ کی خاص عنایت رہتی تھی، صحابہ کرام کو ان کی مدد کرنے، کھانا وغیرہ کھلانے کی تاکید فرماتے رہتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا، کہ جہاں آپ کی دعوت ہوتی، اپنے ہمراہ ان اصحاب کو بھی لے جاتے تھے، پھر بھی ان پر کئی کئی دن کے فاقے گزرتے تھے، یہاں تک کہ ان میں کمزور حضرات، بھوک کی شدت کے سبب دوران نماز، بے ہوش ہو جاتے تھے، اور جب آقاء رحمت ﷺ، ان کو دیکھتے، تو فرماتے، اے علم کے پیاسو! اگر تمہیں معلوم ہو جائے، کہ بارگاہ الٰہی میں تمہارا کیا مرتبہ ہے تو تم فقر وفاقہ کو اور زیادہ پسند کرو گے'' پھر صحابہ کو مخاطب کر کے فرماتے تھے،'' طالب علم کا بھوکا پیٹ، ستر عقل مند عابدوں سے زیادہ اللہ کو پسند ہے''

ایک مرتبہ آپ نے اصحاب صفہ کی اس حالت کو ملاحظہ فرمایا، تو ارشاد فرمایا،'' میری امت میں سے جو بھی دین کے لئے ایسی زندگی گزارے گا جیسی تم گزارتے ہو وہ قیامت کے دن میرے رفیقوں میں ہوگا، لوگ سارا دن بازاروں میں کام کرتے اپنے اہل وعیال کے لئے روزی کماتے، اپنے گھروں میں سکون کی نیند سوتے، لیکن علم دین کے یہ پیاسے، پھٹے پرانے کپڑوں میں خالی پیٹ، دنیا کی ہر فکر سے آزاد، دیوانہ وار، معلم کامل ﷺ، سے حصول علم اور آپ کی اداؤں کو اپنے دل ودماغ میں محفوظ کر لینے اور ان پر غور وفکر میں مصروف رہتے تھے، بس یہ عاشق تھے، متوالے تھے علم کے، انہوں نے حصول علم ہی کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیا تھا، اور اس طرح یہ امت مسلمہ کے بڑے محسن قرار پائے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ میرے بھائی تجارت میں مصروف رہتے تھے، کھیتی باڑی کرتے تھے، اور میں علم سے سیر ہونے کے لئے ہمہ وقت، اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتا تھا، لہٰذا میری جھولی میں علم کا وہ خزانہ آیا جس سے دوسرے محروم رہے۔

جامعہ صفہ کے جن طلبہ نے خصوصی طور پر، معلم کامل ﷺ سے فیض حاصل کیا، اور نور علم کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلایا ان میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم، حضرت ابوسعید خدری، حضرت حذیفہ، حضرت مسعود بن ربیع، حضرت عیاض بن حمار، حضرت عبداللہ بن جحش، رضی اللہ عنہم۔

یہودیوں سے معاہدہ

مدینہ میں یہودیوں کا ایک طاقت ور گروہ موجود تھا، جو دیگر اہل مدینہ کی نسبت معاشی طور پر مستحکم تھا اور صاحب کتاب ہونے کے سبب اسے علمی برتری اور فوقیت بھی حاصل تھی، یہودی اگرچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف وکمالات سے بخوبی واقف تھے اور آپ کو پہچانتے بھی تھے، لیکن حسد زدہ تھے، جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ میں جلوہ افروز ہوئے اور یہودیوں نے آپ کی روز افزوں کامیابی اور حلقۂ اسلام کی وسعت سے، آپ کے روشن مستقبل کا اندازہ لگایا، تو ان کے حسد وعناد کی آگ بھڑک اٹھی، اور وہ اپنی سیادت وثقاہت کو ختم ہونے اور اپنے تاریک مستقبل کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگے، تو ان کو ایک ہی راستہ نظر آیا، کہ وہ اندرون مدینہ، منافقین کے ہاتھ مضبوط کریں اور انہیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں تیز کرنے پر اکسائیں، نیز بیرون مدینہ، وہ کفار مکہ سے ساز باز کریں، اور انہیں مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کریں، جب اللہ کے رسول ﷺ نے یہودیوں کی طرف سے بڑھتے ہوئے خطرات کو محسوس کیا، تو آپ نے، تدبیر وتدبر اور اپنی حکمت عملی کو بروئے کار لاتے ہوئے، یہودیوں کو ایک ایسے معاہدے کی دعوت دی، جس سے مدینہ کے امن وامان کو یقینی بنایا جا سکے، ظاہر ہے اس میں مسلمانوں اور یہودیوں دونوں ہی کا فائدہ تھا، لہٰذا یہودی ایسے معاہدے کے لئے راضی ہو گئے، اس معاہدے کے بنیادی نکات یہ تھے:

(۱) خون بہا اور فدیہ کا جو طریقہ رائج ہے وہ اسی طرح چلتا رہے گا۔

(۲) یہودیوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی، ان کے مذہبی امور میں نہ مداخلت کی جائے گی اور نہ کوئی رکاوٹ پیدا کی جائے گی۔

(۳) یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان دوستانہ تعلقات ہوں گے وہ ایک دوسرے سے اچھا برتاؤ کریں گے۔

(۴) یہودیوں یا مسلمانوں میں سے کسی کو جنگ درپیش ہوگی، تو دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔

(۵) کوئی فریق قریش کو امان نہ دے گا۔

(۶) مدینہ پر کوئی حملہ آور ہوگا، تو دونوں فریق مل کر اس کا مقابلہ کریں گے۔

(۷) کسی دشمن سے، اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا۔

ہجرت کے پہلے سال ہی، آقا ﷺ اور مسلمانوں کو چند اہم شخصیات کی وفات کا صدمہ بھی پہنچا، ان میں سے چند حضرات کا تذکرہ کرتے ہیں:

حضرت اسعد بن زرارہ

یہ ان چھ حضرات میں سے تھے جنہوں نے، عقبۂ اولیٰ، کے موقع پر اسلام قبول کیا، اسعد بن زرارہ کو یہ شرف حاصل ہوا، کہ بیعت کے لئے، سب سے پہلے یہی آگے بڑھے، گویا یہ اہل مدینہ میں پہلے مسلمان تھے، نیز یہی پہلے سلمان ہیں، جنہوں نے مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت ابوامامہ

انہوں نے عقبۂ ثانیہ کے موقع پر ان بارہ ساتھیوں میں سے سب پہلے شرف بیعت حاصل کیا، جو مدینہ سے ان کے ہمراہ آئے تھے، اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے، ابوامامہ کو تینوں عقبات میں حاضری کا شرف حاصل رہا، عقبۂ ثالثہ کے موقع پر، جن حضرات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدینہ منورہ تشریف لانے کی دعوت دی ان میں بھی ابوامامہ شامل تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، اہل مدینہ کے لئے جو بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے ان میں سے آپ بھی ایک تھے، مدینہ منورہ میں سب سے پہلے جمعہ قائم کرنے اور امامت کرنے کا اعزاز بھی آپ کو حاصل ہوا، تعمیر صفہ یونیورسٹی کے دوران ہی، آپ کے گلے میں ایسا پھوڑا نکلا، جو جان لیوا ثابت ہوا۔

حضرت کلثوم بن الہدم

ان کا تعلق قبیلہ بنی اوس سے تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ طیبہ تشریف آوری سے پہلے حلقہ بگوش اسلام ہوئے، اکثر مہاجرین نے قبا میں انہی کے گھر قیام فرمایا، جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے بھی انہی کے گھر قیام فرمایا، اسی سال آپ کا بھی وصال ہوا۔

پہلے بچہ کی ولادت

یہودیوں نے مسلمانوں کو پریشان کرنے کے لئے یہ افواہ اڑا دی تھی، کہ ہم نے مہاجرین کی عورتوں پر جادو کر دیا ہے، اب وہ سب بانجھ ہوگئی ہیں، ان کے یہاں اب اولاد نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ نے حضرت زبیر کو اسماء بنت ابی بکر کے بطن سے بیٹا عطا فرمایا، مہاجرین میں یہ پہلے مولود تھے، ان کا نام عبداللہ رکھا گیا، جب کہ انصار میں پہلے مولود، نعمان بن بشیر تھے۔

امام بخاری کی روایت ہے کہ حضرت اسماء نے بتایا، کہ میں جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچی، تو حاملہ تھی، میرا پہلا قیام قبا میں تھا، اسی اثناء میں عبداللہ کی پیدائش ہوئی، میں انہیں لے کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ نے بچہ کو گود میں لیا، اور کھجور چبا کر بچہ کو کھلائی، اس خوش نصیب بچے کو پہلی غذا، کھجور اور آپ کا لعاب مقدس نصیب ہوا، پھر آپ نے میرے بچے کے لئے دعا فرمائی، اور انہیں برکتوں سے نوازا، یہ مسلمانوں میں ہجرت کے بعد پیدا ہونے والے پہلے مولود تھے، حضرت عبداللہ کی ولادت کی خبر سے مسلمانوں میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور انہوں نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی

ہجرت کے پہلے سال کے اہم واقعات میں سے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رخصتی ہے، آپ کا نکاح ہجرت سے پہلے مکہ میں ماہ شوال میں ہو گیا تھا لیکن رخصتی ہجرت کے بعد، ربیع الثانی میں ہوئی۔

بنت صدیق آرام جانِ نبی — اس حریم براءت پہ لاکھوں سلام
یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ — ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

مدنی زندگی

ہجرت کا دوسرا سال

تحویل قبلہ، یہودیوں کا ردعمل، رمضان کے روزے، صدقۂ فطر، عید الفطر، فرضیت زکوٰۃ، نمازوں کی رکعات، قصاص و دیت، حضرت فاطمہ کا نکاح، مدینہ کے داخلی حالات، یہود کی ریشہ دوانیاں، یہود کی مخالفت کی وجہ، منافقین کی ریشہ دوانیاں، مدینہ کے خارجی حالات، یہود و منافقین سے رابطہ، جہاد کی اجازت، غزوات رسول ﷺ، غزوہ یا سریہ، سرایا کی روانگی کا مقصد، سریہ حمزہ، سریہ عبیدہ بن حارث، سریہ سعد بن ابی وقاص، غزوۂ بدر۔

ہجرت کا دوسرا سال

ہجرت کا دوسرا سال امت مسلمہ کے لئے نہایت اہمیت کا حامل رہا، جب کہ پہلے سال میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو امور سرانجام دیئے، بالخصوص مہاجرین وانصار کے مابین رشتۂ اخوت قائم کرنا، بعد کے واقعات سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ، درحقیقت یہ تمام امور ان واقعات کے پیش نظر ہی انجام دیئے گئے، یعنی میرے آقا ﷺ کو آنے والے تمام امور کا بخوبی علم تھا، پس آپ نے ان کی پیش بندی فرمائی، ہم عرض کر چکے ہیں، کہ عمل مواخات نے مہاجرین وانصار کو ایک دوسرے کے اس قدر قریب کر دیا تھا، ان میں اتنا باہمی اعتماد واتحاد پیدا کر دیا تھا، کہ کسی کی سازش اور فتنہ انگیزی سے ان کے درمیان افتراق وانتشار پیدا ہونے کا امکان ہی نہ رہا تھا، جب کہ بعد کے حالات نے ثابت کر دیا، کہ یہودیوں اور منافقوں نے، مہاجرین وانصار کے درمیان غلط فہمیاں پیدا کرنے اور انہیں لڑانے کی بارہا مشترکہ کوششیں کیں، لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھائی اور ذلیل ہی ہوتے رہے، اسی طرح یہود مدینہ سے جو معاہدہ کیا گیا، اس کی وجہ سے مدینہ کا امن قائم رہا، اور مسلمان شہر سے باہر جا کر، اندرونی حالات سے مطمئن ہو کر، غزوات میں حصہ لیتے رہے، اور کامیاب ہوتے رہے۔

بہرحال ہجرت کے بعد پہلے سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، خداداد حکمت وبصیرت سے، مستقبل میں پیش آنے والے حالات کی پوری طرح تیار کر لی تھی، آپ نے اسلامی ریاست کی

بنیادوں کو غیر متزلزل بنا دیا تھا، اور غیر اعلانیہ طور پر اس کی حفاظت اور علم اسلام بلند رکھنے کے لئے ایسے مجاہدین تیار کر لئے تھے، جنہوں نے ہر مرتبہ اپنے سے زیادہ طاقتور دشمن سے مقابلہ کیا، لیکن شکست کا منہ نہ دیکھا۔

ہجرت کے دوسرے سال اگرچہ نہایت ہنگامی حالات کا سامنا رہا، لیکن اس کے باوجود معلم کامل ﷺ نے غلاموں کی تعلیم و تربیت کا بنیادی کام جاری رکھا، اسی دور میں بنیادی احکام شرع نازل ہوئے، آپ نے ان کی تشریح و تفصیل کی تعلیم دی اور اپنے فرض منصبی کو پورا کرتے رہے۔

2 ہجری میں جو احکام شرع نازل ہوئے، وہ یہ ہیں: تحویل قبلہ، رمضان کے روزوں کی فرضیت، صدقہ فطر کا حکم، نماز عید الفطر، اب تک پانچ نمازوں کے دو، دو فرض تھے، اب ظہر و عصر اور عشاء کے چار، چار فرض کر دیئے گئے، جب کہ حالت سفر میں ان نمازوں کے دو، دو فرض ہی رہے، مغرب کے تین فرض کر دیئے گئے، زکوٰۃ فرض ہوئی، قصاص کا قانون نافذ ہوا، دیتوں کا نظام مقرر ہوا۔

2 ہجری کا اہم ترین واقعہ، غزوۂ بدر ہے، ہم پہلے مندرجہ بالا احکام شرع کی مختصر اً وضاحت کرتے ہیں، پھر انشاء المولیٰ، غزوۂ بدر اور اس سال میں ہونے والے واقعات بیان کریں گے۔

تحویل قبلہ

جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو بحکم الٰہی، بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے لگے، اور سترہ مہینے تک مسلمانوں کا قبلہ، کعبہ کی بجائے بیت المقدس رہا، لیکن فطرتاً، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خواہش تھی کہ آپ کے غلاموں کا قبلہ کعبہ ہی ہو، کیونکہ نسل بنو اسماعیل سے اس کا گہرا تعلق ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام، اس کے معمار ہیں، اپنی خواہش کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ کی نظریں بار بار آسمان کی طرف اٹھتی تھیں، آپ کی اس ادا کو قرآن کریم نے بیان فرمایا، تاکہ جو بھی، جب بھی، کعبہ کی طرف منہ کر کے عبادت کرے، اس کے تصور میں یہ رہے، کہ اللہ نے کعبہ کو میرے آقا ﷺ کی خواہش اور پسند کے مطابق میرے لئے قبلہ بنایا ہے، ارشاد ہوا، قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ہم دیکھ رہے ہیں، بار بار آپ کا آسمان کی طرف منہ پھیرنا یہ کہاں ممکن، اور کیسے ممکن ہو سکتا ہے، کہ محبوب کی خواہش، اس کا رب پوری نہ کرے، وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى کا مقتضیٰ یہی ہے، پس رب نے وعدہ فرمایا فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ہم ضرور پھیر دیں گے آپ کو اسی قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند فرماتے ہیں، اس وقت آپ محلہ بنی سلمہ میں نماز ظہر ادا فرما رہے تھے، دو رکعت پوری ہوئیں، کہ جبرئیل حاضر خدمت ہوئے، حکم رب سنایا، فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ اے پیارے! اب اپنا چہرہ

مسجد حرام کی طرف پھیر لیجئے، (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنے چہرے اسی کی طرف پھیر لو، پس محبوب ﷺ نے دوران نماز ہی تعمیل حکم کی اور اپنا چہرہ، شمال، بیت المقدس سے، جنوب کعبہ مشرفہ کی طرف پھیر لیا، اور آپ کی اقتداء میں جو صحابہ نماز ادا کر رہے تھے، انہوں نے بھی اپنے امام کی اتباع کی، اس طرح ہمیشہ کے لئے، امت مسلمہ کا قبلہ، آقا ﷺ کی مرضی اور خواہش کے مطابق کعبہ ہو گیا، اس عمل رسول کی اطلاع، جہاں جہاں پہنچی، اماموں اور مقتدیوں نے بلا تردد و تامل، آقا ﷺ کی ادا کے مطابق عمل کیا، کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حاکم مطلق ہونے اور آپ کی غیر مشروط اطاعت پر ایمان رکھتے تھے، اور آپ کی بلا تامل و تردد، اتباع و پیروی کو، دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کا ذریعہ بالیقین جانتے تھے۔

حضرت عباد بن بشر رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں نماز ظہر ادا کر کے، محلہ بنی حارثہ گئے، وہاں انصار با جماعت نماز عصر ادا کر رہے تھے، اس وقت وہ حالت رکوع میں تھے، حضرت عباد بن بشر نے با آواز بلند کہا، "اَشْهَدُ بِاللّٰهِ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَلَ الْبَيْتِ فَاسْتَدَارُوْا" میں اللہ کے نام کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں بیت اللہ شریف کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے، یہ سنتے ہی حالت نماز ہی میں سب نمازیوں نے بلا تامل، اپنا رخ کعبہ کی طرف پھیر لیا۔

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ ہم محلہ بنی اشہل میں، نماز با جماعت پڑھ رہے تھے، کہ ایک آدمی نے خبر دی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نماز میں کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہو گیا، یہ آواز سنتے ہی، ہمارے امام نے بیت المقدس سے بیت اللہ شریف کی طرف، حالت نماز میں ہی رخ پھیر لیا، اور تمام مقتدیوں نے امام کی پیروی کی۔

یہ واقعات قابل غور ہیں، کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، آقا ﷺ کی غیر مشروط اطاعت پر یقین رکھتے تھے، کہ انہوں نے صرف تحویل قبلہ کو بلا تردد تسلیم نہ کیا، بلکہ کسی نے آقا سے یہ تک پوچھنے کی ضرورت نہ سمجھی کہ حالت نماز میں تبدیلئ رخ کیا ضروری تھا، اس کے بعد کی نماز سے بھی حکم کی تعمیل کا آغاز ہو سکتا تھا، لیکن نہیں، جو نماز کی جس حالت میں تھا اس نے اسی حالت میں عمل کیا، اطاعت و اتباع کی یہ کیفیت ہی، مستقبل کے حالات پر اثر انداز رہی اور وہ مشکل سے مشکل مرحلہ سے بآسانی گزرتے رہے، اور ہر موقع پر کامیابی و کامرانی ان کا مقدر رہی، حتیٰ کہ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

محلہ بنی سلمہ میں، جہاں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، یہ مسجد بنو سلم کہلاتی تھی، حکم تحویل قبلہ سے اس مسجد کو یہ، انوکھی خصوصیت حاصل ہوئی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں ایک نماز، دو قبلوں کی

طرف رخ کر کے ادا فرمائی، لہٰذا اس مسجد کو "مسجد قبلتین" کہا جانے لگا، یہ مدینہ منورہ سے تقریباً ایک کلومیٹر پر واقع ہے، غالباً 1980 عیسوی تک، اس میں دو محرابیں موجود تھیں، جن کی راقم الحروف نے کئی بار، زیارت کی، لیکن برا ہو جہالت کا، بعض جاہل اس محراب کی طرف رخ کر کے نوافل پڑھا کرتے تھے، جو بیت المقدس کی طرف تھی، جب کہ ان کا یہ عمل بالکل جائز نہ تھا، ہاں اہل محبت حصول برکت کے لئے اس محراب میں کھڑے ہو کر دعا کرتے یا موقع ملنے پر کچھ دیر بیٹھ جاتے، تلاوت قرآن کرتے، درود شریف پڑھتے تھے، کہ ان اعمال میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن جاہلوں کی وجہ سے امت مسلمہ اس یادگار سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئی، اس محراب کو بند کر دیا گیا، اب اس جگہ صرف دیوار پر، آیت تحویل قبلہ لکھی ہوئی ہے، جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ یہ مقام محراب بیت المقدس ہے۔

یہودیوں کا ردعمل

تحویل قبلہ کی خبر جب یہودیوں کو ہوئی، تو انہوں نے طرح طرح کی بیہودہ گوئی شروع کر دی، کبھی کہا کہ یہ لوگ مکہ والوں کی طرف مائل ہو رہے ہیں، انہیں خوش کرنے کی غرض سے انہوں نے کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے، کبھی کہا کہ جب کعبہ کی ہی طرف منہ کرنا تھا، تو اسے چھوڑ کر بیت المقدس کو قبلہ کیوں بنایا تھا، اس طرح کی لایعنی باتوں سے ان کا مقصد مسلمانوں کو ورغلانے اور ان کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کے سوا کچھ نہ تھا، لیکن جس قوم کے دلوں میں، قائد کی محبت گھر بنا چکی ہو، اور جب غلاموں کا مقصد حیات صرف آقا کی اطاعت و فرمانبرداری ہو، ان پر کسی کی لاف زنی کیسے اثر انداز ہو سکتی ہے، تا ہم اللہ رب العزت جل مجدہ نے تحویل قبلہ کی حکمت بیان فرمائی:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ (بقرہ:143)

"اور ہم نے نہیں مقرر کیا بیت المقدس کو قبلہ، جس پر آپ اب تک رہے، مگر اس لئے کہ ہم دیکھ لیں، کہ کون پیروی کرتا ہے رسول کی، اور کون انحراف کرتا ہے"۔

ایک سمت سے دوسری سمت کی طرف فوج کو رخ موڑنے کا حکم دینا، سالار فوج کے کمال حکمت کا مظہر ہوتا ہے، اور بلا چون و چرا حکم کی تعمیل، فوجیوں کی کمال اطاعت کا ثبوت ہوتا ہے، آقا نے حکم دیا، غلاموں نے بلا چون و چرا تعمیل کی، تا کہ دنیا والوں پر ظاہر کر دیا جائے، کہ جس رہبر و راہنما کے غلام پیکر اطاعت و فرمانبرداری ہوں، اس کے مشن کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی، اس کی روشن کردہ شمع کو، کوئی طوفان متاثر نہیں کر سکتا۔

رمضان کے روزے

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے، اور آپ نے یہودیوں کو دیکھا کہ وہ دس محرم کو روزہ رکھتے ہیں، تو آپ نے اس روزے کی وجہ دریافت فرمائی، بتایا گیا، کہ یہود کی تاریخ کے مطابق اس دن اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات نصیب فرمائی تھی، پس وہ اپنے نبی پر اللہ کے اس عظیم احسان کی یاد میں بطور شکرانہ ہر سال، اسی دن روزہ رکھتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''نَحْنُ اَحَقُّ بِمُوْسٰی مِنْکُمْ'' موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کے انعام کا شکریہ ادا کرنے کے ہم، تم سے زیادہ حق دار ہیں، لہٰذا آپ نے دس محرم کو خود بھی روزہ رکھا، اور غلاموں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا، پھر، ہجرت کے دوسرے سال، شعبان المعظم میں، پورے رمضان کے روزے فرض ہوئے۔

روزوں سے متعلق آیات قرآنیہ کی تفسیر، روزے کی حکمت اور اس کے فوائد و اثرات، روزوں کے فضائل وغیرہ، چونکہ، تفسیری اور فقہی عنوانات ہیں، اس لئے ان کو یہاں بیان کرنا، موضوع کتاب کے مناسب نہ ہوگا، ان موضوعات پر ہماری کتاب ''تیس راتیں'' قابل مطالعہ ہے۔

صدقۂ فطر

چونکہ صدقہ فطر کا تعلق روزوں اور عید الفطر، دونوں سے ہے، کہ یہ روزے میں نادانستہ کوتاہیوں کے کفارے کے طور پر ادا کیا جاتا ہے، اور نماز عید سے پہلے ادا کرنا افضل ہے، لہٰذا، معلم شریعت مطہرہ ﷺ نے اسی سال، رمضان المبارک ختم ہونے اور عید الفطر آنے سے پہلے، صدقۂ فطر کے تفصیلی احکام عطا فرمائے۔

عید الفطر

دوگانہ عید الفطر، اور عید کی خوشی کا تعلق روزوں سے ہے، کہ بخوبی روزے پورے ہونے پر بطور شکرانہ، دوگانہ عید الفطر ادا کیا جاتا ہے، نیز بخیر و عافیت اس عبادت کی تکمیل پر امت مسلمہ کو خوشی منانے کے لئے یہ دن مخصوص کیا گیا ہے، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، اسی سال، عید الفطر کے احکام عطا فرمائے اور دوگانہ عید ادا کیا۔

فرضیت زکوٰۃ

چونکہ اب پہلی اسلامی ریاست کا وجود، تقریباً عمل میں آ چکا تھا، لہٰذا وہ تمام احکام بتدریج نازل اور نافذ ہو رہے تھے، جو ایک مکمل نظام حیات کے لئے ضروری ہیں، انہی احکام کا ایک اہم جزو، زکوٰۃ

ہے، جو دولت مندوں سے ان کی دولت کا ایک حصہ وصول کر کے غریبوں میں تقسیم کرنے کا ایک شرعی طریقہ ہے، جس کی فرضیت کا مقصد، مسلم معاشرے کو غربت سے محفوظ رکھنا ہے، اسی سال زکوٰۃ کا حکم نازل ہوا، جس کی تفصیلات، معلم شریعت ﷺ نے بیان فرمائیں۔

تاریخ اسلام سے واضح اور ثابت ہے، کہ نظام زکوٰۃ نے اسلامی دور حکومت میں اپنا مقصد پورا کیا اور مسلم معاشرے، پر اس کے واضح اثرات ہوئے، اور یہ اثرات ہر دور کے لئے ہیں، لیکن ان کے حاصل کرنے کے لئے، دیانت، لازمی ہے، کہ زکوٰۃ دینے والے، دیانت سے زکوٰۃ کی رقم ادا کریں، زکوٰۃ وصول کرنے والے، حکام دیانت دار ہوں اور وہ دیانت سے زکوٰۃ اس کے مستحقین پر صرف کریں، نیز، زکوٰۃ لینے والے دیانت دار ہوں کہ وہ اسی صورت میں، مال زکوٰۃ، قبول کریں، جب وہ شرعاً مستحق زکوٰۃ ہوں۔

نمازوں کی رکعات

اب تک پانچ نمازوں میں دو، دو رکعتیں فرض تھیں، اس سال معلم شریعت ﷺ نے ظہر، عصر، اور عشاء کے چار، چار فرض مقرر فرمائے، جب کہ مغرب کے تین مقرر فرمائے اور فجر کے دو ہی فرض رہے، حالت سفر میں قصر کا حکم دیا گیا، بایں صورت، کہ ظہر، عصر اور عشاء کے دو، دو فرض ادا کیے جائیں، نیز آپ نے نماز کے تفصیلی احکام بیان فرمائے۔

قصاص و دیت

اسلامی حکومت میں شعبہ عدل و انصاف کو از حد، اہمیت حاصل ہے، جس کا مقصد اہل حقوق کو ان کے حقوق کی ادائیگی ہے، اور جو لوگ کسی کی حق تلفی کے مرتکب ہوں، ان سے صرف حقوق ادا کرانا ہی نہیں، بلکہ حق تلفی کے جرم کی سزا دینا بھی، حکومت اسلامیہ کی ذمہ داری ہے، تا کہ معاشرے میں حق تلفی کا جرم عام نہ ہونے پائے۔

سب سے بڑی حق تلفی، کسی کو، بلا وجہ قصداً قتل کر دینا ہے، یہ ایک نا قابل تلافی جرم ہے، اس کی سزا، سوائے اس کے کوئی نہیں، کہ قاتل ہی کو ختم کر دیا جائے، تا کہ وہ اس جرم کا اعادہ نہ کر سکے، اور اس سخت قانون کے نفاذ کے سبب کسی کو قاتل بننے کی جراءت نہ ہو، اسی لئے قرآن کریم نے قصاص کو، قوم کی زندگی قرار دیا، ارشاد ہوا، وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اور تمہارے لئے قصاص میں حیات ہے، اے عقل مندو! تا کہ تم (خونریزی سے) بچو، کاش آج کے عقل مند بھی اس حقیقت کو سمجھ لیتے، تو ہم بھی امن و امان کی زندگی بسر کرتے ہوتے۔

ہاں جرم قتل کی سخت سزا، یعنی قتل، میں ایک نرم پہلو بھی تھا، تو شریعت کاملہ نے اس کے استعمال کی بھی اجازت دی، اس کو "دیت" کہا جاتا ہے، یعنی اگر قاتل کے ورثاء، از راہ ہمدردی و اسلامی اخوت، قاتل کو موت سے بچانے اور اپنے مقتول کی دیت قبول کرنے پر، برضا و رغبت راضی ہو جائیں، تو شرعاً قاتل کی جان بخشی ہو سکتی ہے، بایں صورت کہ عدالت دیت کی رقم، شرعی احکام کو ملحوظ رکھتے ہوئے متعین کرے، اور قاتل کو اس کی ادائیگی کا حکم دے۔

قصاص و دیت کی حکمتوں، اثرات و فوائد اور تفصیلی احکام کے لئے، ہماری کتاب یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی پہلی جلد مقالہ نمبر 5 کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا، جہاں خصوصیت سے وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ کے قرآنی دعوے کی وضاحت کی گئی ہے۔

حضرت فاطمہ کا نکاح

سیدہ فاطمہ الزہرا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی، سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں اور سب سے زیادہ لاڈلی اور پیاری تھیں، آپ نے انہیں "سَیِّدَۃُ نِسَآءِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ" جنتی عورتوں کی سردار مقرر فرمایا، اعلان نبوت سے پانچ سال پہلے پیدا ہوئیں، اس وقت کعبہ کی تعمیر نو ہو رہی تھی، اور آقا ﷺ کی عمر مبارک، پینتیس برس کی ہو چکی تھی، رجب 1 ہجری میں نکاح ہوا، اور رخصتی، غزوۂ بدر کے بعد 2 ہجری میں ہوئی، اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ برس کی تھی، انشاء اللہ آپ کے تفصیلی حالات، "اولاد امجاد" کے زیر عنوان پیش کیے جائیں گے، یہاں آپ کے نکاح سے متعلق کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

جب حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا، بلوغ کی عمر کو پہنچیں، تو خاندان قریش کے متعدد حضرات نے، بارگاہ رسالت میں، ان سے رشتہ کی درخواست پیش کی، یہ درخواست دہندگان، اپنے مال و دولت، اثر و رسوخ اور اسلامی خدمات کے باعث عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صرف یہ جواب دیتے رہے، کہ جیسا اللہ چاہے گا، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی، اس سعادت عظمیٰ کے خواہاں تھے، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے، نہایت قرب کے باوجود، اپنی ناداری اور کم مائیگی کے سبب، اپنی دلی تمنا کا اظہار نہ کر پا رہے تھے، کہ انہیں تائید ایزدی حاصل ہوئی، اور ہوا یوں کہ

ایک روز، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم، مسجد نبوی شریف میں بیٹھے، اپنے آقا ﷺ کے حالات پر گفتگو کر رہے تھے، اسی دوران سیدہ فاطمہ کے نکاح کا بھی ذکر آ گیا، حضرت صدیق نے کہا، کہ بڑے بڑے شرفاء نے اس رشتہ کی درخواست کی لیکن آقا ﷺ نے جواب دیا کہ، جیسا اللہ چاہے گا، لیکن حضرت علی نے اب تک گزارش پیش نہیں کی، شاید وہ

اپنی غربت و تنگدستی کے باعث جرأت نہیں کر پا رہے، جب کہ میرا خیال ہے کہ، اللہ اور اس کا رسول مکرم، اس رشتہ کو، انہی کے لئے روکے ہوئے ہیں، پھر حضرت صدیق نے، حضرت عمر اور حضرت سعد سے کہا، اٹھو، علی کے پاس چلتے ہیں، اور ان سے اس خاموشی کی وجہ معلوم کرتے ہیں، اگر وہ غربت و افلاس کی وجہ سے خاموش ہیں، تو ہم ان کا مالی تعاون کریں گے، پس یہ تینوں حضرات حضرت علی کے پاس پہنچے، ان کی ہمت افزائی کی، اپنے تعاون کا یقین دلایا، اور کہا، چلو، سرکار کے دربار میں اپنی گزارش پیش کرو، حضور تمہیں یہ رشتہ ضرور دیں گے، کہ شاید، اللہ اور اس کے رسول نے یہ رشتہ تمہارے لئے روکا ہوا ہے، ان حضرات کی گفتگو سن کر، حضرت علی کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے، اپنی تہی دامنی کا حال سنایا، اور کہا، اس افلاس کی حالت میں کیسے جرأت کروں لیکن ان حضرات نے پھر ہمتِ افزائی کی اور کہا، اللہ اور اس کے رسول کی نظر میں مال و دولت کی کوئی وقعت نہیں، آپ چلیں اور اپنی گزارش پیش کریں۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ حاضر دربار ہوئے، سرکار نے توجہ فرمائی، حاضری کا سبب دریافت کیا، آپ نے نہایت ہی شرم و حیا کے لہجہ میں درخواست پیش کی، آقا ﷺ کے چہرۂ انور پر مسرت کے آثار نمایاں ہو گئے، اور مسکراتے ہوئے فرمایا، مہر ادا کرنے کے لئے، کوئی چیز ہے، عرض گزار ہوئے، میری حالت حضور سے پوشیدہ نہیں، میرے پاس، ایک تلوار، ایک زرہ اور ایک اونٹنی ہے، جس پر میں پانی بھر کر لاتا ہوں، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، تلوار تمہاری اہم ضرورت ہے، اونٹنی تمہاری روزی کا ذریعہ ہے، تو لہٰذا زرہ کے عوض، میں اپنی بچی کا نکاح، تم سے کر دیتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ، یہ مژدۂ جانفزا سن کر، باہر تشریف لائے، تو حضرت ابوبکر و عمر کو منتظر پایا، یہ دونوں حضرات بھی خوشخبری سن کر بہت خوش ہوئے، پھر تینوں حضرات مسجد میں آئے تو آقا ﷺ کو بھی رونق افروز پایا، انصار و مہاجرین کو جمع کیا گیا، اور آقا ﷺ نے حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کا عقد کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے حکم دیا، کہ زرہ بیچ کر، اس کی رقم میرے پاس لاؤ، پس میں گیا، اور اپنی زرہ، چار سو درہم میں حضرت عثمان کو فروخت کر دی، انہوں نے قیمت ادا کرنے کے بعد کہا، علی میں نے زرہ خرید لی، اب میں یہ بطور تحفہ آپ کو دیتا ہوں، قبول فرمایئے، میں زرہ اور رقم لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور یہ دونوں چیزیں، آپ کی خدمت میں پیش کر دیں، نیز حضرت عثمان نے میرے ساتھ جو حسن سلوک کیا تھا، وہ بھی میں نے آپ کو بتایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سن کر خوش ہوئے، اور حضرت عثمان کے لئے دعائے برکت و عافیت فرمائی، پھر آپ نے حضرت ابوبکر کو حکم دیا، کہ جاؤ، میری بیٹی کے لئے ضروری سامان خرید لاؤ، ان کے ہمراہ، حضرت

سلمان فارسی اور حضرت بلال کو کیا، تا کہ یہ دونوں سامان اٹھا کر لائیں۔

شہنشاہ کائنات ﷺ نے، اپنی لاڈلی، چہیتی، شہزادی کو، جو جہیز عطا فرمایا، وہ بھی قابل ملاحظہ ہے، بان کی بنی ہوئی ایک چارپائی، چمڑے کا گدا، جس کے اندر، روئی کی بجائے کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، مٹی کے دو گھڑے۔

یہ بھی ایمان افروز واقعہ پڑھتے چلیے، نکاح ہو گیا رخصتی کا وقت قریب ہو گیا، حضرت علی کے پاس اہلیہ محترمہ کو رکھنے کے لئے کوئی چار دیواری نہیں، بالآخر ایک کوٹھری کرایہ پر لی، چند راتیں اس میں بسر کیں، لیکن ان کے لئے تو کرایہ بھی ادا کرنا آسان نہ تھا، بہت ہمت کر کے، لاڈلی بیٹی، بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ! آپ کے غلام حارثہ بن نعمان کے پاس کئی مکان ہیں، اگر آپ انہیں حکم دیں تو وہ ایک مکان ہمیں دے دیں گے، آقا ﷺ نے فرمایا، میں حارثہ سے مہاجرین کے لئے پہلے ہی کئی مکان لے چکا ہوں، اب مجھے ان کو مزید زیر بار کرتے ہوئے شرم آتی ہے، یہ بات کسی طرح حارثہ بن نعمان کو معلوم ہو گئی، بے چین ہو گئے، آقا کے دربار میں حاضر ہوئے، عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! یہ غلام اور اس کا سب کچھ آپ ہی کا ہے، جو مکان میں نے آپ کو پیش کیے وہ مجھے ان مکانات سے زیادہ عزیز ہیں، جو میرے پاس ہیں، پس آپ نے صاحبزادی کے لئے ایک مکان قبول فرمایا، اور حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما، اس میں رہنے لگے۔

مدینہ کے داخلی حالات

اللہ کے رسول ﷺ کی حکمت و تدبیر اور تعلیم و تربیت نے، مہاجرین و انصار کے درمیان ایسی یگانگت اور محبت و الفت پیدا کر دی تھی کہ وہ کسی امتیاز کے بغیر یک جاں ہو کر، پہلی اسلامی ریاست کے قیام میں اپنے آقا ﷺ کے ہمرکاب ہو کر دن بدن آگے بڑھ رہے تھے، ایک طرف ان کا باہمی اتحاد و اتفاق، دوسری طرف ان کا بے پناہ جذبۂ اطاعت و فرمانبرداری اور اپنے آقا سے والہانہ عشق و محبت انہیں ہر روز کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کر رہے تھے، یہاں اگرچہ مکہ جیسے ناساز گار حالات سے نجات مل چکی تھی، مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا، لیکن اندرون و بیرون مدینہ دشمن بہر حال موجود تھا، جو اب بھی مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتا تھا، اور اہل ایمان کو روئے زمین سے مٹا دینے کے سہانے خواب دیکھتا رہتا تھا، اندرون مدینہ ایک گروہ یہودیوں کا اور دوسرا منافقین کا تھا، جو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور ان کی جمعیت میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کی سازشوں میں مصروف رہتے تھے، ہر مرتبہ ناکام ہوتے، ذلیل و خوار ہوتے پھر بھی باز نہ آتے تھے، کیونکہ ان کا تعلق، بیرون مدینہ موجود دشمنوں سے تھا، اور وہ انہیں طرح طرح سے مسلمانوں کے خلاف ورغلاتے رہتے

تھے، اور یہ دونوں گروہ ان کا آلہ کار بن کر ذلیل وخوار ہوتے رہتے تھے، آیئے ان دونوں گروہوں کی حرکتوں کا اختصار کے ساتھ مطالعہ کریں۔

یہود کی ریشہ دوانیاں

یہ آپ پڑھ چکے کہ مدینہ میں یہودیوں کا ایک بڑا گروہ آباد تھا، جو معاشی و معاشرتی اعتبار سے خاصا مستحکم تھا، مدینہ کی مرکزی تجارت پر تقریباً انہی کا قبضہ تھا، ان کے پاس وسیع وعریض قلعے تھے، جن میں ان کے پورے خاندان آباد تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے، ہجرت کے پہلے ہی سال ان یہودیوں سے معاہدہ کر کے انہیں، مدینہ طیبہ کے امن وامان اور پرسکون زندگی میں برابر کا شریک ٹھہرا لیا تھا، یہ معاہدہ، جس کا آپ مطالعہ کر چکے ہیں، ان کی مرضی سے ہوا تھا اور یہ اس سے مطمئن بھی تھے۔

علاوہ ازیں یہودی ایک ایسی قوم تھی اور ہے، جو اقوام عالم میں سب سے زیادہ نبی آخر الزماں ﷺ سے متعارف ہے، قرآن کریم نے بھی ان کی اس خوبی کو بیان فرمایا ہے: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وہ رسول مکرم ﷺ کو اتنا ہی جانتے پہچانتے ہیں، جتنا اپنے بیٹوں کو، کیوں کہ یہود کے علماء آپ کی تشریف آوری سے پہلے اپنی محافل میں آپ کے اوصاف وکمالات کو بیان کرتے تھے، وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یثرب نبی آخر الزماں کا ہجرت گاہ ہوگا، اور آپ ہی کی زیارت کے اشتیاق میں، مدینہ میں موجود یہودی اپنا وطن چھوڑ کر، یہاں آباد ہوئے تھے، جب ان کو مشرکین اور اپنے دیگر دشمنوں سے جنگ کا سامنا ہوتا تھا، تو ان کے علماء حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے فتح وکامرانی کی دعائیں کیا کرتے تھے، جب ان کی آبادی قحط زدہ ہوتی تھی، تو وہ ہمارے آقا ﷺ ہی کے وسیلہ سے باران رحمت کی دعائیں کرتے تھے اور اللہ بوسیلہ رحمۃ للعالمین ان پر اپنی رحمت برسا دیتا تھا، اور یہ دعا تو ہر موقع پر ان کا معمول تھی، ''اَللّٰهُمَّ ابْعَثِ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ نَجِدُهٗ فِي التَّوْرَاةِ الَّذِيْ وَعَدْتَنَا اَنَّكَ بَاعِثُهٗ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ'' اے اللہ! اس نبی امی کو مبعوث فرما دے، جس کا ذکر ہم توراۃ میں پاتے ہیں، اور جس کے بارے میں تو نے ہم سے وعدہ فرمایا ہے، کہ تو اسے آخری زمانہ میں مبعوث فرمائے گا۔

اتنا جاننے پہچاننے کے بعد، دیانت کا تقاضا تو یہ تھا، کہ یہودی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوتے ہی، بلا تامل وتردد، آپ پر ایمان لے آتے اور آپ کی غلامی اختیار کر لیتے، لیکن اس کے برعکس یہ بدنصیب آقائے رحمت ﷺ کی عداوت اور مسلمانوں کی دشمنی میں مبتلا ہو گئے انہوں نے اسلام کے خلاف سازشوں کو اپنا شعار بنا لیا، پس ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ کے ارشاد کے مطابق ذلت وخواری ان کا مقدر بنی۔

یہودی کی مخالفت کی وجہ

یہودی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنے عناد کی ایک وجہ تو یہ بتاتے تھے کہ اب تک سلسلۂ نبوت حضرت اسحاق علیہ السلام کی نسل میں چلا آ رہا تھا، جب کہ یہ تو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں، لہٰذا ہم ان کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے، دوسرا اعتراض انہیں یہ تھا، کہ یہ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا رسول اور اولوالعزم نبی قرار دیتے ہیں، ان کو بغیر باپ کے مریم کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے، کہ ہماری قتل کی سازش سے بچا کر، اللہ نے حضرت عیسیٰ کو آسمان پر اٹھالیا، وہ زندہ ہیں، قیامت سے پہلے تشریف لائیں گے، جب کہ یہودیوں کے نزدیک تو، العیاذ باللہ، حضرت عیسیٰ نبی تو درکنار، ایک اچھے انسان بھی کہلانے کے مستحق نہیں، جب کہ ان کے نزدیک آپ کا نسب بھی مشکوک تھا، ان عقائد پر اعتراض کے علاوہ ان کی مخالفت کی اصل وجہ یہ تھی، کہ اسلام کی پھیلتی ہوئی تحریک اور مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت وطاقت دیکھ کر انہیں اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا تھا، لہٰذا وہ ہر طرح مسلمانوں کی مخالفت ہی کو اپنی بقا کا ذریعہ سمجھتے تھے، وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اسلام دشمن عرب کی حمایت حاصل کر کے وہ مسلمانوں پر مدینہ کی زمین تنگ کر دیں گے، اور مسلمان مجبور ہو کر یا تو مدینہ خالی کر دیں گے، یا ان کی برتری قبول کر کے مدینہ کا نظم ونسق ان کے سپرد کر دیں گے، اور خود ان کی پناہ میں غلامی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

منافقین کی ریشہ دوانیاں

یہ گروہ اسلام اور مسلمانوں کے لئے، کفار ومشرکین اور یہود سے بھی زیادہ خطرناک تھا، کہ انہوں نے کسی دباؤ، لالچ یا حالات سے مجبور ہو کر، مسلمان ہونے کا اعلان تو کر دیا تھا، لیکن مار آستین تھے، مسلمانوں کو ڈسنے اور تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، ان میں سے اکثر یہود ہی تھے، ان کا سرغنہ عبداللہ بن ابی تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل، اسے اہل یثرب نے اپنا، سردار یا بادشاہ تسلیم کر لیا تھا، اس کی تاج پوشی کا انتظام ہو رہا تھا، سنار کے پاس تاج تیار ہو رہا تھا، کہ اسی دوران، آقائے مدینہ ﷺ کی تشریف آوری ہوئی اور اس کی سیادت و بادشاہت کا سارا پروگرام ملیامیٹ ہو گیا اب اس کو کوئی پوچھتا تک نہ تھا، اس نے لوگوں کو مطمئن کرنے کے لئے اسلام تو قبول کیا، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان سے سخت بغض وعناد رکھتا تھا، اسی گروہ کے لئے ارشاد باری تعالیٰ ہوا، اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ بے شک منافقین جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں ہوں گے، علاوہ ازیں قرآن کریم میں سیکڑوں آیات ہیں، جو اہل ایمان کو منافقین کی

فتنہ انگزیوں سے باخبر رکھنے کے لئے نازل ہوئیں۔

منافقین کا طریقہ کار یہ تھا، کہ وہ مسجد میں آتے، مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھتے، ان سے ملتے، جلتے، ان کی باتیں سنتے، پھر باہر جا کر، دین کا مذاق اڑاتے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے نازیبا باتیں کرتے، وہ کبھی حضور کے علم پر اعتراض کرتے، تو کبھی آپ کی تعلیمات پر، اور اکثر، مسلمانوں کی غربت وافلاس ان کا موضوع گفتگو رہتا تھا۔

چونکہ طبقۂ منافقین کو پہچاننا اور ان کی سازشوں سے محفوظ رہنا آسان نہ تھا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے، اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے خطرناک ارادوں سے باخبر کیا، نیز بعض منافقین کے آپ کو نام تک بتا دیئے، حتیٰ کہ وقت آنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نام بنام پکار کر، ان خبیثوں کو مسجد سے نکل جانے کا حکم دیا، بعض صحابہ نے اپنے رشتہ دار، منافقوں کو خوب ذلیل وخوار کر کے مسجد سے نکالا، حضرت ابوایوب انصاری نے، اپنے قبیلہ کے، عمرو بن قیس اور رافع بن ربیعہ کو بالوں سے گھسیٹ کر مسجد سے باہر پھینکا، اور ان کی خاصی مرمت بھی کی، کیونکہ یہ دونوں بہت خبیث قسم کے منافق تھے، اور حضرت ابوایوب کئی مرتبہ ان کی بیہودہ باتیں سن چکے تھے۔

ہماری اس مختصر گفتگو سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا، کہ یہود اور منافقین، مدینہ منورہ کے پرسکون ماحول کو خراب کرنے، مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایذا رسانی کی فکر میں لگے رہتے تھے، ان کا دائرۂ کار صرف مدینہ کے اندر تک ہی محدود نہ تھا، بلکہ بیرون مدینہ بھی وہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے ساز باز کرتے رہتے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی وسیع نظر، اور اللہ کی طرف سے عطا کردہ علم غیب نے، گھر کے ان بھیدیوں کو کبھی کسی سازش میں کامیاب نہیں ہونے دیا۔

مدینہ کے خارجی حالات

اہل مکہ کے ہاتھوں سے اگرچہ اب بازی نکل چکی تھی، لیکن ''کھسیانی بلی کھمبا نوچے'' کے مصداق وہ اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تھے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی سازشوں کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا، اگرچہ اب انہیں یقین ہو چکا تھا کہ اسلامی تحریک کو دبا دینا، اور شمع اسلام کو بجھا دینا، ان کے ہی نہیں بلکہ کسی کے بھی بس کی بات نہیں، تاہم وہ اپنی سازشوں کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں میں اضطراب و بے چینی، الجھن اور پریشانی پیدا کرنے کا یقینی ذریعہ سمجھتے تھے، اور اب اتنا ہی ان کے جلے دلوں کی ٹھنڈک کے لئے کافی تھا، کہ انہیں اس سے زائد کی، کوئی توقع ہی نہ رہی تھی، انہوں نے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے جو طریقے اختیار کیے تھے، انہیں ہم تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

انہوں نے مدینہ کے یہودیوں اور منافقین سے رابطہ قائم کیا، انہیں دھمکیاں دے کر مسلمانوں سے جنگ کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی کہ ان مکاروں کے ذریعہ اندرون مدینہ سازشوں کا ایک جال بچھ سکے، اور مدینہ کے داخلی حالات خراب سے خراب تر ہو جائیں۔

انہوں نے جزائر عرب میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف پروپیگنڈہ مہم تیز کر دی، تا کہ وہ زیادہ سے زیادہ قبائل عرب کی حمایت حاصل کر سکیں، وہ اپنی اس مہم کے دوران قبائل عرب کو یہ باور کرانے کی کوشش کیا کرتے تھے، کہ ''اگر ہم سب نے متحد و منظم ہو کر اسلام اور مسلمانوں کو بیخ کنی نہ کی، تو وہ دن دور نہیں، کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) پورے عرب کے بادشاہ ہوں گے، اور ان کا لشکر جرار ہمیں نیست و نابود کر کے ہی دم لے گا''۔

انہوں نے اطراف مدینہ میں دہشت گردی کا ماحول پیدا کر دیا تھا، کہ آئے دن، ان کی ٹولیاں، اطراف مدینہ کی چراگاہوں کو روند جاتیں، ان میں موجود اونٹوں وغیرہ کو ہانک کر لے جاتیں، لوٹ مار کا یہ سلسلہ ان دنوں زیادہ ہوتا تھا، جب مکہ والوں کے قافلہ، تجارت کے لئے شام جایا کرتے تھے۔

یہود و منافقین کا رابطہ

سنن ابی داؤد میں عبدالرحمن بن کعب کی ایک روایت ہے، کہ کفار قریش نے، عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) اور اوس وخزرج قبیلوں کے ان لوگوں کو جو اب تک بت پرست تھے، غزوۂ بدر سے پہلے خط لکھا، کہ تم نے ہمارے آدمی کو پناہ دی ہے، بخدا! یا تو تم ان سے جنگ کرو، یا ان کو وہاں سے نکال دو، ورنہ ہم ایک لشکر جرار لے کر تم پر حملہ آور ہوں گے، تمہارے جنگ جو، جوانوں کو تہ تیغ کر ڈالیں گے، تمہاری عورتوں کو لونڈیاں بنالیں گے، جب یہ دھمکی آمیز خط، عبداللہ بن ابی اور اس کے مشرک حواریوں کو ملا، تو انہوں نے باہم مشورے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جنگ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب منافقین کے اس فیصلہ کی اطلاع، اللہ کے رسول ﷺ کو ملی، تو آپ بنفس نفیس ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا، اگر قریش کی دھمکی سے خوفزدہ ہو کر، تم ہمارے ساتھ جنگ کرو گے، تو تمہیں زیادہ نقصان ہوگا، بنسبت اس کے کہ تم اہل مکہ کے ساتھ جنگ کرو، کیونکہ وہ تمہارے رشتہ دار نہیں، تمہارے قبیلہ کے افراد نہیں، ان سے لڑائی کے وقت جب تم انہیں قتل کرو گے، تو اغیار کو قتل کرو گے، لیکن اگر تم ہمارے ساتھ جنگ کرو گے، تو تمہیں اپنے بیٹوں، اپنے بھائیوں اور اپنے عزیز واقارب سے، جو مسلمان ہو چکے ہیں، جنگ کرنا پڑے گی، اس طرح تم اپنے ہی بیٹوں، بھائیوں اور رشتہ داروں کو قتل کرو گے، پس تم خود سوچ لو، کہ تمہارے لئے کون سا راستہ بہتر ہے، آپ کا یہ فرمان سن کر وہ سب منتشر ہو گئے، (جنگ کا ارادہ ختم کر دیا)۔

غور فرمائیے، اہل مکہ نے اتنا زبردست تیر چھوڑا تھا، جو اگر نشانہ پر لگ جاتا، تو مدینہ منورہ کے گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہتی نظر آتیں لیکن معلم کتاب وحکمت ﷺ کی حکمت وتدبیر نے کفار کا سارا منصوبہ خاک میں ملا دیا، اور وہ سب حسب سابق جل بھن کر رہ گئے۔

اس ناکامی کے باوجود انہوں نے یہودیوں سے رابطہ کیا، اور انہیں بھی اسی قسم کا خط لکھا، کہ ''تم اسلحہ کے ذخائر اور قلعوں کے مالک ہو، لہٰذا ہمارے لوگوں کے ساتھ جنگ نہ کرو، ورنہ ہم تم پر حملہ آور ہوں گے، پھر ہمارے اور تمہاری عورتوں کی پازیبوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو سکے گی (یعنی مردوں کو قتل کر دیا جائے گا اور عورتوں پر قبضہ کر لیا جائے گا)۔

یہودیوں کے قبیلہ بنی نضیر کو جب یہ دھمکی آمیز خط ملا، تو انہوں نے، اس معاہدہ کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا، جو وہ ہجرت کے پہلے ہی سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر چکے تھے، (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودیوں کے اس فیصلہ کے بعد جو اقدام کیا، اس کا ذکر آگے آتا ہے)۔

اسی طرح انہوں نے ایک دھمکی آمیز خط براہ راست مسلمانوں کو بھی لکھا، ''مسلمانو! تم خوش نہ ہو، کہ تم ہمارے چنگل سے نکل کر، وہاں پہنچ گئے، جہاں تم آزادی سے زندگی بسر کر سکتے ہو، یاد رکھو، ہم تمہاری بستی پر چڑھائی کریں گے، اور تم میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑیں گے، لیکن اس دھمکی کا نہ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کوئی اثر ہوا، اور نہ ہی انصار ومہاجرین اس سے خوف زدہ ہوئے۔

غرضیکہ، کفار مکہ کے، یہود ومنافقین سے مسلسل روابط، جزائر عرب میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ مہم، نیز اطراف مدینہ میں ان کی لوٹ مار اور دہشت گردی، سے بیرون مدینہ حالات دن بدن خراب ہو رہے تھے، اور مدینہ پر خطرات کے بادل منڈلانے لگے تھے، جس کے باعث، بطور احتیاط مدینہ منورہ کی حفاظت ضروری ہو گئی، پس اللہ کے رسول ﷺ، اکثر راتوں کو جاگا کرتے، اور رات کی تاریکی میں دولت کدہ سے باہر تشریف لاتے، اطراف مدینہ تک تشریف لے جاتے اور حالات کا جائزہ لیا کرتے تھے، نیز صحابہ چوکنے رہتے، اور مدینہ منورہ کی حفاظت کا پوری طرح خیال رکھتے۔

جہاد کی اجازت

آپ پڑھ چکے ہیں، کہ مکہ کے تیرہ سالہ دور میں کوئی دن ایسا نہ گزرا، جس میں مسلمانوں پر کفار مکہ کے ظلم وستم کا کوئی نہ کوئی واقعہ پیش نہ آیا ہو، جب کہ کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا، کہ ظلم وستم کے اس سخت اور طویل دور میں مسلمانوں نے بدلہ لینے کی غرض سے، اپنی تلوار، نیام سے باہر نکالی ہو، حالانکہ جس مٹی کے لوگ ظالم وجابر تھے، اسی مٹی سے یہ مظلوم بھی پیدا ہوئے تھے، لیکن نہایت صبر واستقامت کے

ساتھ، ہر طرح کے مظالم کو برداشت کر رہے تھے، صرف اس لئے کہ جب بھی انہوں نے اپنے آقا ﷺ سے ظالموں سے انتقام لینے اور ان کا مقابلہ کرنے کی اجازت چاہی، تو جواب ملا، ''اِصْبِرُوْا فَاِنِّیْ لَمْ اُوْمَرْ بِالْقِتَالِ'' صبر کرتے رہو، کہ ابھی مجھے جنگ کرنے کی اجازت نہیں ملی ہے، پس ان بہادروں نے، آقا ﷺ کی تلقین صبر کو اپنایا، ہر ظلم سہا، اور اذن جہاد کا انتظار کرتے رہے،

بالآخر، جب حالات یہ حقیقت ثابت کرنے کے لئے کافی ہو گئے، کہ اسلام ہرگز قتل و غارت کو پسند نہیں فرماتا، نہ دہشت گردی اور بہیمیت سے اس کا کوئی تعلق ہے، لیکن جب قاتل، غارت گر، دہشت گرد، امن پسندوں کا جینا دوبھر کر دیں، انہیں کسی کا آزادانہ، زندہ رہنا گوارا نہ ہو، وہ ہر ایک کو صرف اپنے احکام و نظریات کا پابند بنا لینا چاہتے ہوں، تو ان سے مدافعت کے لئے، ان سے مظلوموں کو نجات دلانے کے لئے، ان کے ظلم و ستم کے خاتمہ کے لئے، اپنے دین اور آزادی کے تحفظ کے لئے، مسلمانوں کو ''جہاد'' کی اجازت ملی، یہ ملحوظ رہے، کہ یہ اجازت تیرہ سال، مسلسل مظالم سہنے کے بعد، وطن تک چھوڑ دینے کے بعد، بارہ صفر 2 ہجری کو، اس وقت دی گئی، جب دشمن، عزت و ناموس، دین و مذہب، سب کچھ چھین لینے کے لئے، سر پر منڈلانے لگے، اور حالات اتنے مخدوش و خطرناک ہو گئے، کہ اب تلوار کا نیام میں رکھنا خودکشی کے سوا کچھ نہ تھا، خودکشی بھی، انفرادی نہیں، اجتماعی ہوتی، افراد کی نہیں قوم کی ہوتی، نظریہ کی نہیں، نظام حیات کی ہوتی، پس اللہ رحیم و کریم نے بڑا اکرم فرمایا، کہ ''جہاد'' کی اجازت دی، ارشاد ہوا:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ۝ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْكُمْ فِیْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِیْنَ ۝ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝ (بقرہ)

''اور اللہ کی راہ میں لڑو، ان سے جو تم سے لڑتے ہیں، اور (ان پر بھی) زیادتی نہ کرنا، بے شک اللہ تعالیٰ، زیادتی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا، اور انہیں قتل کرو، جہاں بھی انہیں پاؤ، اور انہیں نکال دو، جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا تھا، اور فتنہ انگیزی تو قتل سے بھی

زیادہ سخت ہے، اور مسجد حرام کے قریب، ان سے جنگ نہ کرو، یہاں تک کہ وہ (خود) تم سے وہاں جنگ کرنے لگیں، پس اگر وہ تم سے لڑیں، تو پھر تم انہیں قتل کرو، یہی سزا ہے (ایسے) کافروں کی، پھر اگر وہ باز آجائیں، (تو جان لو) کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے، اور لڑتے رہو ان سے، یہاں تک کہ نہ رہے، فتنہ (وفساد) اور ہوجائے دین صرف اللہ کے لئے، پھر اگر وہ باز آجائیں، تو (سمجھ لو) کہ سختی (کسی پر) جائز نہیں مگر ظالموں پر"۔

تیرہ سال، متواتر مصائب وآلام جھیلنے کے بعد، مسلمانوں کو جہاد کی اجازت مل رہی ہے، لیکن احتیاط کے ساتھ، قابل غور ہے، لڑو، لیکن نہ تو بلا مقصد، نہ ملک گیری، اور اقتدار کے لئے، نہ تجارت کی وسعت کے لئے، نہ نسلی ولسانی تعصب کے سبب، بلکہ، فی سبیل اللہ، کلمۂ حق کی بلندی اور دین کی حفاظت کے لئے، لڑو، لیکن کمزوروں، اور ناداروں کے ساتھ نہیں، بلکہ صرف ان کے ساتھ جو تم سے لڑیں، جو تم پر ظلم کریں، لڑو، لیکن اس شرط کے ساتھ، کہ جذبۂ انتقام میں زیادتی کا ارتکاب نہ ہونے پائے، کیونکہ زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں کرتا، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، کسانوں، راہبوں اور جو لوگ جنگ میں شریک نہ ہوں، اسلام ان پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا، یہ اجازت صرف جہاد کی ہے، دہشت گردی کی نہیں، جہاد اور دہشت گردی میں بہت فرق ہے، جہاد، عبادت ہے، دہشت گردی جہالت ہے، اللہ کی نظروں میں مجاہد بہت بلند مرتبہ ہے، جب کہ دہشت گرد مجرم ہے، جہاد کے عنوان پر تفصیلی گفتگو، ہماری کتاب "یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" کی پہلی جلد میں موجود ہے۔

جب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے، اذن جہاد سے متعلق، اپنے غلاموں کو اللہ کا حکم سنایا، تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی، وہ ایک دوسرے کو مبارک باد دے رہے تھے، اور یوں محسوس کر رہے تھے، جیسے ان کے بندھے ہاتھ، کھل گئے ہوں، انہوں نے، اپنی تلواریں اور تیر صیقل کرنا شروع کردیئے، پس اب وہ اس دن کے منتظر تھے، جب کافروں ظالموں اور جابروں سے، انہیں مقابلہ کا موقع ملے، دوسری طرف جب دشمنوں کو پتہ چلا، کہ مسلمانوں کو جہاد کی اجازت مل گئی ہے، تو ان کے گھروں میں، صف ماتم بچھ گئی، بڑے بڑے سورما کانپنے لگے، اور اپنے انجام بد سے بچنے کی تدبیریں سوچنے لگے۔

غزوات رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کلمۂ حق بلند کرنے اور قیام امن وامان کے لئے، سخت محنت اور جدوجہد میں، جہاد اور غزوات کا باب نہایت اہم ہے، اسی لئے ہر دور میں، اسلاف کے نزدیک اس عنوان کو اہمیت حاصل رہی ہے، حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ، "ہمیں حضو

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مغازی اس طرح پڑھائے جاتے تھے، جیسے قرآن کریم کی کوئی سورت پڑھائی جاتی ہے۔

غزوہ یا سریہ

غزوہ، اس چھوٹے یا بڑے لشکر کو کہا جاتا ہے، جس میں، اللہ کے رسول ﷺ، بنفس نفیس شریک ہوئے ہوں، خواہ اس لشکر کو جنگ کا موقع ملا ہو یا نہ ملا ہو، چاہے اس لشکر کے سفر کا مقصد، جنگ کے علاوہ، کچھ اور ہو۔

سریہ، اس فوجی دستہ کو کہا جاتا ہے، جس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود شرکت نہ فرمائی ہو، بلکہ کسی صحابی کو اس دستہ کا، امیر مقرر فرمایا ہو، سریہ کے لئے بھی ضروری نہیں، کہ جنگ ہو، یا جنگ کی نیت سے روانہ ہوا ہو۔

سرایا کی روانگی کا مقصد

مدینہ منورہ کے داخلی و خارجی حالات کا آپ مطالعہ کر چکے، نیز آپ کو معلوم ہو چکا کہ اسی دوران، اللہ تعالیٰ نے، جہاد کی اجازت بھی مرحمت فرمائی، جو در حقیقت، سلسلۂ غزوات کے آغاز کی خبر تھی، میرے آقا ﷺ کا ہر اقدام، پر از حکمت ہوتا تھا، آپ کا سیاسی عمل، تدبیر و تدبر بھرپور اور یقینی کامیابی کی طرف ایک قدم ہوتا تھا، آپ نے اذن جہاد سے پہلے ہی اطراف مدینہ میں، سرایا کی روانگی کا آغاز کیا، تا کہ، مسلمانوں کی عسکری تربیت ہو، ان میں سیاسی سوجھ بوجھ کا ملکہ پیدا ہو، دشمن سے معاملات کو سنجیدگی کے ساتھ طے کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، علاوہ ازیں، دشمن کو مرعوب کیا جا سکے، دشمن کے تجارتی قافلوں کے لئے، مدینہ کے قرب و جوار سے گزرنے والی راہوں کو پر خطر بنایا جائے، تا کہ دشمن کو احساس ہو سکے، کہ اس نے مدینہ پر حملہ کرنے کی غلطی کی، تو اسے زبردست تجارتی نقصان اٹھانا ہوگا۔

اسی پس منظر میں آپ سرایا اور غزوات کا مطالعہ کیجئے اور اندازہ لگایئے، کہ معلم حکمت ﷺ نے کس طرح، اپنے غلاموں کو ایک عسکری قوت بنایا، اور آپ دشمن کو مرعوب کرنے میں، کس طرح کامیاب ہوئے۔

سریۂ حمزہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر ملی، کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ، شام سے مکہ واپس جا رہا ہے، آپ نے اسے مرعوب کرنے کی غرض سے ایک دستہ روانہ کرنے کا فیصلہ فرمایا، یہ پہلا لشکر تھا، جو ہجرت کے [illegible]ت ماہ بعد، رمضان المبارک میں روانہ کیا گیا، آپ نے اس لشکر کا امیر، اپنے چچا حضرت حمزہ رضی

اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، قریش کے اس قافلہ کا امیر ابوجہل تھا (شاید اسی لئے آپ نے حضرت امیر حمزہ کو اس لشکر کا قائد بنایا تھا، کہ ابوجہل مکہ میں ان سے مار کھا چکا تھا اور مرعوب ہو چکا تھا، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں) مسلمانوں کا یہ لشکر صرف تیس افراد پر مشتمل تھا، جب کہ قافلہ کی حفاظت کے لئے تین سو مسلح محافظ ابوجہل کے ساتھ تھے، مدینہ سے باہر، سیف البحر (ساحل سمندر) پر دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہو گیا، اور دونوں نے جنگ کے لئے صف بندی کر لی، قریب تھا کہ جنگ شروع ہو جائے، لیکن قبیلہ جہینہ کا سردار مجدی بن عمرو، درمیان میں آ گیا، چونکہ امیر حمزہ اور ابوجہل دونوں سے مجدی کے تعلقات بہت اچھے تھے، اس نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا، اور جنگ روکنے میں کامیاب ہو گیا، ابوجہل پر، امیر حمزہ کا رعب طاری تھا ان کے تیس افراد، اُس کی نظروں میں تین سو پر بھاری تھے، اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ جنگ سے فرار اختیار کیا جائے، لہٰذا، مجدی کی تجویز کو اس نے، اپنی ضدی طبیعت کے برخلاف تسلیم کیا، اور مکہ روانہ ہو گیا، اور حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ بخیر وعافیت مدینہ واپس آ گئے، انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تمام حالات بتائے، آپ نے چچا کے فیصلہ کی تائید فرمائی، اور مجدی کی غیر جانبدارانہ اور مخلصانہ کوششوں پر اظہار مسرت کیا، اور فرمایا، "اِنَّهٗ مَيْمُوْنُ النَّقِيْبَةِ مُبَارَكُ الْاَمْرِ" کہ مجدی اچھی خصلتوں والا اور بابرکت شخص ہے۔

سریہ عبیدہ بن حارث

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، ہجرت کے آٹھ ماہ بعد، ماہ شوال میں، حضرت عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دستہ روانہ کیا، اس کا مقصد بھی، قریش کے ایک قافلہ کو مرعوب کرنا تھا، اس قافلہ کا امیر ابوسفیان تھا، جس کے ساتھ دوسو افراد پر مشتمل لشکر تھا، جب کہ مسلمانوں کی تعداد ساٹھ یا اسی تھی، جحفہ، مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر، رابغ کے وادی میں ایک چشمہ ہے، جہاں ابوسفیان ٹھہرا ہوا تھا، مسلمانوں کا لشکر بھی اسی مقام پر آ پہنچا، اور ایک دوسرے پر تیروں کی بارش ہونے لگی، اسلامی جنگوں میں مجاہدین اسلام کی طرف سے، اس موقع پر پہلا تیر، حضرت سعد بن ابی وقاص نے چلایا، اور پھر اپنے ترکش کے سارے تیر چلا دیئے، اور کسی تیر کا نشانہ خطا نہ ہوا، ہر تیر نے کسی نہ کسی کافر کو زخم دیا، اس صورت حال نے، ابوسفیان کو بوکھلا دیا، اسے پہلی مرتبہ مسلمانوں کے ایمانی جذبہ کا اندازہ ہوا، پس اس نے جنگ نہ بڑھانے میں ہی عافیت سمجھی اور مکہ واپس چلا گیا،

تیروں کی بارش کے دوران ہی ایک عجیب واقعہ یہ پیش آیا، کہ لشکر ابوسفیان سے دو شخص، مقداد بن عمرو البہرانی اور عتبہ بن الغزوان المازنی، نکل کر مسلمانوں کی پناہ میں آ گئے، درحقیقت یہ حضرات بہت پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن کافروں کے چنگل میں بری طرح پھنسے ہوئے تھے، اسی لئے کہ وہ مکہ

سے ہجرت کر کے آقا ﷺ کے قدموں میں اب تک نہ آسکے تھے، جب ابوسفیان کا دستہ مکہ سے روانہ ہوا تو اس میں یہ دونوں بھی اس امید پر شامل ہو گئے، کہ جونہی موقع ملے گا، وہ مدینہ میں داخل ہو جائیں گے، اللہ نے ان پر کرم کیا اور انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدم بوسی کا موقع نصیب ہو گیا۔

سریہ سعد بن ابی وقاص

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا ابھی آپ نے ذکر پڑھا، کہ انہوں نے، مجاہدین اسلام میں سب سے پہلے تیر اندازی کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد کی قیادت میں، ہجرت کے نویں مہینے، ذیقعدہ میں، بیس افراد پر مشتمل ایک دستہ، الخرار کی جانب روانہ فرمایا الخرار، حجفہ کے قریب ایک بستی کا نام ہے، انہیں بھی، قریش کے ایک تجارتی قافلہ پر چھاپہ مارنے کا حکم دیا گیا تھا، لیکن یہ ہدایت بھی کی گئی تھی، کہ دشمن کے تعاقب میں الخرار سے آگے ہرگز نہ بڑھیں، حضرت سعد جب اپنا دستہ لے کر الخرار پہنچے، تو قریش کا قافلہ نکل چکا تھا، انہوں نے اپنے آقا ﷺ کی ہدایت پر عمل کیا اور الخرار سے واپس مدینہ منورہ آ گئے۔

ایک وضاحت، آپ پڑھ رہے ہیں، کہ آقا ﷺ نے جو دستے اطراف مدینہ میں روانہ کیے، انہیں قریش کے تجارتی قافلوں پر چھاپے مارنے کی ہدایت کی گئی، نیز آپ پڑھیں گے، کہ غزوۂ بدر کے موقع پر بھی مجاہدین اسلام کا جو لشکر، اللہ کے رسول ﷺ کی قیادت میں مدینہ سے روانہ ہوا تھا، اس کا ارادہ کفار سے جنگ کرنے کا نہ تھا، بلکہ وہ بھی، قریش کے بڑے تجارتی قافلے کو لوٹنے کے لئے نکلا تھا، جس کا قائد ابوسفیان تھا، لیکن حالات نے جنگ پر مجبور کر دیا اور غزوۂ بدر ہوا، اور مجاہدین اسلام کو اللہ نے فتح و کامرانی نصیب فرمائی، میرے آقا ﷺ کے اس عمل کو مخالفین نے دہشت گردی قرار دیا اور اس پر انہیں خاصی ہرزہ سرائی کا موقع ہاتھ آیا، جب کہ حقیقت یہ ہے، کہ معلم حکمت ﷺ کے اس اقدام کا مقصد دشمن کو مرعوب کرنا یا اسے معاشی طور پر الجھن میں ڈالنا تھا، جو حالت جنگ کی ایک حکمت عملی ہے، جس پر آج بھی عمل ہوتا ہے، غزوۂ بدر کے عنوان پر ہماری ایک کتاب ''یوم الفرقان'' ہے جس میں ہم نے خصوصی طور پر علماء کی تائید سے، اس الجھن کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، اس کا مطالعہ، متلاشیان حق کے لئے نہایت مفید ہو گیا۔

اب ہم ان غزوات پر گفتگو کا آغاز کرتے ہیں، جو ہجرت کے دوسرے سال وقوع پذیر ہوئے۔

سلسلۂ غزوات

آپ پڑھ چکے ہیں، کہ غزوہ اس اسلامی لشکر کو کہا جاتا ہے، جس کی سربراہی بذات خود سالار اعظم

ﷺ نے کی ہو، چاہے یہ لشکر جنگ کے لئے روانہ ہوا ہو، جنگ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، اور چاہے، روانگی کے وقت اس لشکر کی نیت جنگ کرنے کی نہ ہو، اور حالات نے جنگ پر مجبور کر دیا ہو، لہٰذا جنگ کرنا پڑی ہو۔

ان غزوات کی کل تعداد ستائیس ہے، جن میں نو غزوات میں کفار سے جنگ ہوئی، سرایا کی کل تعداد، سینتالیس بتائی گئی ہے، وہ غزوات جن میں کافروں سے جنگ ہوئی، یہ ہیں، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق، غزوۂ قریظہ، غزوۂ مصطلق، غزوۂ خیبر، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ حنین، اور غزوۂ طائف۔

پہلا غزوۂ ابواء

غزوۂ ابواء، پہلا غزوہ ہے، جس میں اللہ کے رسول ﷺ بنفس نفیس شریک ہوئے، غزوۂ ابواء کو غزوۂ ودان بھی کہا جاتا ہے "فرعہ" ایک ضلع ہے، اس میں ابواء اور ودان، دو شہر آباد ہیں، اس غزوہ کا مقصد بھی، قریش کے ایک تجارتی قافلہ پر چھاپہ مارنا تھا، اس لشکر کا علمبردار حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی عدم موجودگی میں مدینہ میں اپنا نائب حضرت سعد بن عبادہ کو مقرر فرمایا، جب یہ لشکر، ابواء پہنچا تو قافلہ پہلے ہی نکل چکا تھا، لہٰذا نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

اگر چہ اس مہم کا مقصد تو حاصل نہ ہو سکا، لیکن اس سفر کے دوران ایک اہم کام ہو گیا، اس علاقہ میں، قبیلہ بنی ضمرہ آباد تھا، جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات ہوئی، اور باہمی تعاون کا معاہدہ طے پایا، اس معاہدہ کی رو سے، بنی ضمرہ، مشرک ہونے کے باوجود، اہل مکہ کی مسلمانوں کے خلاف امداد نہ کر سکتے تھے، یہ ایک بڑی سیاسی کامیابی تھی، جو مسلمانوں کو منجانب اللہ نصیب ہوئی، اس سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پندرہ دن صرف ہوئے۔

غزوۂ بواط

یہ غزوہ، ہجرت سے تیرہ ماہ بعد، ربیع الثانی میں وقوع پذیر ہوا، اس مہم کا علم حضرت سعد بن ابی وقاص کو دیا گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مدینہ طیبہ میں اپنا نائب، صائب بن عثمان بن مظعون کو مقرر فرمایا، اس مہم کا مقصد بھی قریش کے اس تجارتی قافلہ پر چھاپہ مارنا تھا جس کی قیادت، امیہ بن خلف کر رہا تھا، اس کے ساتھ سو افراد تھے، جب کہ قافلہ اڑھائی ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا، جب لشکر اسلام بواط پہنچا، تو قافلہ نکل چکا تھا، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

غزوۂ صفوان

یہ غزوہ بھی ہجرت کے تیرہ ماہ بعد، وقوع پذیر ہوا، اس موقع پر لشکر اسلام کے علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید بن حارثہ کو مدینہ منورہ میں اپنا نائب مقرر کیا تھا، اس مہم کا مقصد، قریش کے لیٹروں کے ایک قافلہ کا تعاقب کرنا تھا، یہ لیٹرے، نواح مدینہ کی ایک چراگاہ ''الجاء'' سے مسلمانوں کے اونٹ، بھیڑ، بکریاں ہانک کر لے گئے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی تو آپ نے ان کا تعاقب وادی صفوان تک کیا، لیکن قافلہ بچ کر نکل گیا، وادی صفوان، چونکہ وادئ بدر سے بہت قریب واقع ہے، اس لئے اس غزوے کو، غزوۂ بدر اولیٰ بھی کہا جاتا ہے۔

غزوۂ ذی العشیر ہ

عشیرہ، ایک قصبہ ہے، کو ینبع کے علاقہ میں واقع ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی، کہ اہل مکہ کا ایک تجارتی قافلہ شام جارہا ہے، جس کا سردار ابوسفیان ہے، اس قافلہ کی خاص بات یہ تھی، کہ اہل مکہ کے تمام مرد وزن نے اس میں سرمایہ لگایا تھا، مؤرخین نے لکھا ہے، کہ اس قافلہ میں، پچاس ہزار، سنہری اشرفیوں کی سرمایہ کاری کی گئی تھی، جو اس وقت کے اعتبار سے بڑی حیرت انگیز تھی، مزید برآں یہ کہ قافلہ کے حصہ داروں نے فیصلہ کیا تھا، کہ اس تجارت کا تمام نفع، مسلمانوں کے خلاف اور مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے استعمال کیا جائے گا، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ قافلہ کو ہراساں کرنے اور اس کو نقصان پہنچانے کے لئے مدینہ منورہ سے، ڈیڑھ سو غلاموں کے ہمراہ، نکلے، روانگی کے وقت آپ نے، اباسلمٰی بن عبدالاسد کو اپنا نائب مقرر فرمایا، مہم کا پرچم حضرت امیر حمزہ کو ملا، لیکن قافلہ چند روز پہلے ہی نکل چکا تھا، عشیرہ آپ جمادی الاولیٰ میں تشریف فرما ہوئے، اور تقریباً جمادی الثانیہ کے دوسرے ہفتہ تک آپ نے یہاں قیام فرمایا۔

ذوالعشیر ہ میں قیام کے دوران آپ نے بنو مدلج سے ملاقات فرمائی، اور اسی قسم کا معاہدہ کیا جیسا، غزوۂ ابواء کے موقع پر بنی ضمر ہ سے ہو چکا تھا، چونکہ بنو مدلج، بنو ضمر ہ کے حلیف تھے، لہٰذا معاہدہ میں کوئی دشواری پیش نہ آئی، اس معاہدہ کے مطابق، دو قبیلے، مسلمانوں کے خلاف، اہل مکہ کے عدم تعاون کے پابند ہو گئے تھے، اور یہ مسلمانوں کی ایک بڑی سیاسی کامیابی تھی، جب کہ کافروں کے لئے ایک بڑا حادثہ تھا، کہ اس طرح دن بدن ان کے مددگار کم ہو رہے تھے۔

اس مقام پر، دوبارہ ہم آپ کو دعوت فکر دیں گے، کہ معلم حکمت ﷺ نے دشمن کے قافلوں کا تعاقب نہ تو دہشت گردی پھیلانے کی غرض سے کیا اور نہ ہی اس عمل کا مقصد ان قافلوں کو لوٹنا اور مالی

فائدہ حاصل کرنا تھا، بلکہ صرف دشمن کو مرعوب کرنا اور اسے اپنی قوت و طاقت اور جرأت مندی کا پیغام دینا تھا، یہی وجہ تھی کہ تقریباً، ہر قافلہ، مہم کے موقع پر پہنچنے سے پہلے ہی نکل چکا ہوتا تھا، یہ اتفاق نہ تھا، بلکہ اس میں قصد کا بھی دخل تھا، کہ اس طرح بلا مزاحمت مقصد حاصل ہوتا رہا، میرے آقا ﷺ کا یہ صرف ایک سیاسی اقدام تھا، علاوہ ازیں یہ تبلیغ اسلام اور قبائل عرب کی حمایت حاصل کرنے کا بھی ایک ذریعہ تھا، جیسا کہ آپ نے پڑھا کہ اسی دوران، بنوضمرہ اور بنومدلج سے معاہدوں کا موقع ملا۔

سریہ عبداللہ بن جحش

یہ ہجرت کے سترہ ماہ بعد، رجب، کا واقعہ ہے، حضرت عبداللہ بن جحش کو اس مہم کا امیر مقرر فرمایا گیا وہ خود اس واقعہ کے راوی ہیں، کہ ایک روز، نماز عشاء کے وقت آقا ﷺ نے مجھے طلب فرمایا، اور حکم دیا، کہ فجر کے وقت مسلح ہو کر آنا اور مجھ سے ملنا، تمہیں کہیں بھیجنا ہے، میں نے تعمیل کی اور بارگاہ میں حاضر ہو گیا، آپ نے حضرت ابی بن کعب سے ایک حکم نامہ لکھوا کر مجھے دیا، اور فرمایا، اس مکتوب کو بحفاظت رکھو، اور کچھ سپاہیوں کو ہمراہ لو اور سفر پر روانہ ہو جاؤ دو دن سفر کرنے کے بعد، ہمارا مکتوب کھولنا، اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے اس کی تعمیل کرنا، میں عرض گزار ہوا، یارسول اللہ! مجھے کس سمت سفر کا حکم ہے، آپ نے فرمایا، نجدیہ کی سمت منہ کرو، اور چل دو، میں اٹھا، اپنے ہمراہ بارہ سپاہیوں کا ایک دستہ لیا، اور نجدیہ کی سمت چل پڑا، (یہ ہے کمال اطاعت، کہ منزل معلوم نہیں اور تعمیل حکم ہو رہی ہے)۔

حسب الحکم، ہم نے دو رات سفر کرنے کے بعد گرامی نامہ کھولا، حکم ہوا، "اللہ کے نام کی برکت سے، سفر جاری رکھو، یہاں تک کہ بطن نخلہ پہنچ جاؤ، کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا، وہاں پہنچ کر قریش کا انتظار کرنا، اور ان کے حالات سے ہمیں آگاہ کرنا، آقا ﷺ کے حکم کے مطابق قافلہ بطن نخلہ پہنچا، تو ہم نے دیکھا، کہ قریش کا ایک تجارتی قافلہ سامان لے کر عراق جا رہا ہے، اس قافلہ میں مکہ کے سردار، عمرو بن الحضرمی، حکم بن کیسان مخزومی، نوفل بن عبداللہ مخزومی اور عثمان بن عبداللہ مخزومی بھی موجود تھے، یہ لوگ مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی ٹولی کو دیکھ کر سہم گئے، مسلمانوں نے باہمی مشورے کے بعد فیصلہ کیا، کہ شکار، ہاتھ سے نکلنا نہیں چاہیے، اگر جنگ نہیں، تو دھمکی ہی سہی، لہٰذا سب نے اپنے تیر کمانوں میں لگا لئے، اور حضرت داؤد بن عبداللہ نے، ایک ایسا نشانہ لگایا، کہ عمرو بن حضرمی، لوٹ پوٹ ہو گیا، دوسرے مجاہدین نے بھی مشرکین پر حملہ کر دیا، عثمان بن عبداللہ اور حکم بن عبداللہ کو گرفتار کر لیا، جب کہ نوفل بن عبداللہ بھاگ گیا، سامان سے لدے اونٹوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا، امیر قافلہ، ان اسیروں اور اونٹوں کو لے کر، بارگاہ آقا ﷺ میں حاضر ہوئے، چونکہ یہ واقعہ، رجب کے آخری دن پیش آیا تھا، لہٰذا کافروں کو موقع مل گیا، انہوں نے خوب شور مچایا، کہ محمد (ﷺ) نے اشہر حرم کا خیال

بھی نہ کیا اوران مہینوں میں بھی، اپنے سپاہیوں کو جنگ کی اجازت دے دی ہے، ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، عبداللہ بن جحش سے اظہار ناراضگی کرتے ہوئے فرمایا، ''مَا اَمَرْتُکُمْ بِالْقِتَالِ فِی الشَّھْرِ الْحَرَامِ'' میں نے تمہیں حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم نہ دیا تھا، نیز مال غنیمت سے آپ نے اپنا حصہ بھی نہ لیا، غلاموں سے آقا ﷺ کا اظہار ناراضگی، غم اندوہ کے پہاڑ سے کم نہ ہوتا تھا، مجاہدین جو اپنی کامیابی پر خوش تھے، اب اس قدر غمزدہ اور افسردہ ہوئے، کہ کئی دن گھروں سے باہر نہ آسکے، پس اللہ کو اپنے محبوب ﷺ کے غلاموں پر رحم آیا، اور وحی الٰہی گویا ہوئی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ (بقرہ:217)

''وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ماہ حرام میں جنگ کرنے کا حکم کیا ہے، آپ فرمائیے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے، لیکن روک دینا اللہ کی راہ سے اور اس کے ساتھ کفر کرنا، اور روک دینا مسجد حرام سے، اور نکال دینا اس میں رہنے والوں کو اس سے، بھی زیادہ بڑے گناہ ہیں، اللہ کے نزدیک اور فتنہ وفساد قتل سے بھی زیادہ گناہ ہے اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے، یہاں تک کہ پھیر دیں، تمہیں تمہارے دین سے اگر بن پڑے''۔

غزوۂ بدر

جہاد بدر کی تاریخ دہرا رہا ہوں — گزشتہ سال کا زریں ورق الٹا رہا ہوں میں
جہاد بدر کا دن غزوت و اکرام کا دن تھا — اطاعت کا ثمر تھا ضبط کے انعام کا دن تھا
شواہد میرے دعوے کے ہیں ارشادات قرآنی — کہ فتح بدر اک آیت تھی من آیات ربانی

غزوۂ بدر، تاریخ اسلام کا پہلا معرکہ، جب اسلام اور کفر، حق اور باطل، سچ اور جھوٹ کا پہلا مقابلہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اس معرکہ کا ذکر فرمایا، جس سے اس کی اہمیت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، ارشاد ہوا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ (آل عمران:123)

''اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کی تھی، (میدان) بدر میں، حالانکہ تم بالکل کمزور تھے''۔

بدر، ایک شخص کا نام تھا، جس نے مکہ و مدینہ کے درمیان، سمندر کے قریب پڑاؤ ڈالا تھا، پھر آہستہ آہستہ یہاں آبادی ہوگئی، اس شخص کی نسبت سے اس بستی کو بدر کہا جانے لگا، چونکہ یہ مکہ سے شام وغیرہ جانے والے تجارتی قافلوں کی گزرگاہ تھی، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوسفیان کے قافلہ پر چھاپہ مارنے کی غرض سے اسی طرف کا رخ کیا، اور یہاں وہ معرکہ پیش آیا، جو ہمیشہ کے لئے حق و باطل میں امتیاز کا ذریعہ بن گیا، اسی لئے اس معرکہ کو "غزوۂ بدر" کہا جاتا ہے۔

وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ کا ارشاد، اس معرکہ میں مسلمانوں کی تعداد کی کمی نیز مادی و ظاہری وسائل کی کمی کی طرف اشارہ ہے، کہ لشکر اسلام صرف تین سو تیرہ افراد پر مشتمل تھا، جب کہ سواری کے لئے، تین سپاہیوں کو ایک اونٹ ملا تھا، کھانے پینے کا بھی کوئی معقول انتظام نہ تھا، اس کے برعکس، قافلۂ قریش میں شرکاء کی تعداد نو سو، پچاس تھی، ان کے ساتھ، سو گھوڑے، ستر اونٹ تھے، گانے بجانے والی عورتیں، شراب اور عیش و عیاشی کا تمام سامان ان کے ہمراہ تھا، نیز کھانے پینے کا سامان وافر مقدار میں موجود تھا، یہ اللہ ہی کی مدد تھی، کہ "اَذِلَّةٌ" ہونے کے باوجود اہل ایمان کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی۔

قرآن کریم نے اس معرکہ کو "یوم الفرقان" بھی فرمایا ہے، ارشاد ہوا:

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ؕ (انفال:41)

"اور جسے ہم نے اتارا اپنے (محبوب) بندہ پر فیصلہ کے دن، جس روز آمنے سامنے ہوئے دونوں لشکر"۔

غزوۂ بدر

اس فیصلہ کا دن ثابت ہوا، جس کا انتظار تقریباً پندرہ برس سے، صرف اہل اسلام ہی کو نہ تھا، بلکہ کفار مکہ، جو بزعم خود اپنے آپ کو حق پر جانتے تھے، اسی دن کے منتظر تھے، ان کے علاوہ اطراف عرب کو بھی، اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لئے، انتظار تھا، حق اور حقیقت کے ظاہر ہونے کا، پس "یوم الفرقان" آ ہی گیا، حق بھی ظاہر ہو گیا، حقیقت کا بھی پتہ چل گیا، اسلام، غالب ہوا، اہل اسلام کو فتح و کامیابی میسر آئی، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

قرآن کریم نے اس معرکہ کو "یوم البطشة الکبریٰ" بھی کہا ہے، فرمایا گیا:

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى ۚ اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ (الدخان)

"جس روز ہم انہیں، پوری شدت سے پکڑیں گے، اس روز ہم ان سے بدلہ لیں لے لیں گے"۔

رب ذوالجلال نے، اپنے ارشاد کے مطابق، کافروں کو، اس دن بڑی شدت سے پکڑا، کہ کمزور مسلمان اوراس کے آقاﷺ پر تیرہ سال تک ظلم وستم ڈھانے، ان کی زندگی اجیرن بنادینے، ان کو بے وطن کردینے کا بدلہ ایک ہی دن میں لے لیا، ابوجہل، امیہ، عتبہ، شیبہ، ولید، بڑے ہی ظالم ومکار تھے، بڑے سورما بنتے تھے، ایک ہی جھٹکے میں، خاک وخون میں لوٹتے، تڑپتے اور پھڑکتے نظر آرہے تھے، کوئی ان کے منہ میں پانی کا قطرہ تک ٹپکانے والا نہ تھا۔

غزوۂ ذی العشیرہ کا واقعہ آپ پڑھ چکے، کہ اللہ کے رسول ﷺ قریش کے جس تجارتی قافلہ کے تعاقب میں نکلے تھے وہ پہلے ہی جاچکا تھا، آپ چند روز اس کے انتظار میں، العشیرہ ہی میں قیام پذیر رہے جب آپ کو قافلہ کی واپسی کی اطلاع ملی تو آپ نے غلاموں کو حکم دیا، کہ قافلہ کا پھر تعاقب کیا جائے، یہ قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں سفر کررہا تھا، حکم کی تعمیل کرتے ہوئے، کچھ سپاہی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں چل دیئے، لیکن کچھ نے خیال کیا کہ، قافلہ صرف چالیس افراد پر مشتمل ہے جس پر قابو پالینے کے لئے ہمارے ساتھی کافی ہیں، سب کے جانے کی ضرورت نہیں، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی یہی حکم تھا، کہ جو سپاہی تیار ہیں بس وہی چلیں جو لوگ تیار نہ تھے، آپ نے ان کا انتظار بھی نہ فرمایا۔

مدینہ سے روانگی

ہجرت کے انیس ماہ بعد، رمضان المبارک کی بارہ تاریخ ہفتہ کے دن، آقائے رحمت ﷺ، اپنے تین سو تیرہ یا پندرہ، سپاہیوں کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، مجاہدین کے پاس، سواری کے لئے، صرف ایک گھوڑا اور اسی اونٹ تھے، باقی لوگ پیدل تھے، لہٰذا، آقائے رحمت ﷺ نے، تین صحابہ کو ایک، ایک اونٹ دیا، تاکہ وہ باری باری سواری کریں، اور یہی اصول آپ نے خود بھی اپنایا، حالانکہ آپ، قائدوامام تھے، لشکر کے کمانڈرانچیف تھے، اگر آپ اپنے لئے ایک اونٹ مخصوص فرماتے، اوراس پر سارا سفر کرتے، تو کوئی اعتراض نہ کرتا، لیکن پیغمبر عدل وانصاف کے لئے یہ ممکن نہ تھا، لہٰذا، آپ نے، حضرت علی اور ابوالبابہ کو اپنی سواری میں شریک کیا، اور دوسرے غلاموں کی طرح ہی سفر کرتے رہے، حضرت علی اور ابوالبابہ نے اپنی باری کے موقع پر گزارش کی کہ آقا! ہماری باری بھی لے لیں، ہمارے لئے یہی بڑا اعزاز ہے، کہ آپ کے اونٹ کی نکیل ہمارے ہاتھوں میں ہو اور آپ کی سواری کی مٹی، ہمارے چہروں پر پڑتی رہے، آقاﷺ نے فرمایا، "مَا اَنْتُمَا بِاَقْوٰیْ مِنِّیْ وَمَا اَنَا بِاَغْنٰی عَنْکُمَا عَنِ الْاَجْرِ" "تم دونوں نہ تو مجھ سے زیادہ طاقت ور ہو، اور نہ یہ کہ مجھے اجر کی ضرورت نہیں، صرف تمہیں ہی اجر کی ضرورت ہے، درحقیقت میرے آقاﷺ کا یہ ارشاد، قیامت تک آنے

والے، قائدین اور سالاران لشکر کے لئے، قابل غور اور قابل عمل پیغام ہے، کہ دوران جنگ نہ تو ان کے آرام میں خلل واقع ہوتا ہے، نہ ہی ان کے کھانے، پینے اور عیش وعیاشی میں فرق آتا ہے، ان کے چہرے، خاک آلود ہونا تو درکنار، ان کے کپڑے تک میلے نہیں ہو پاتے، ان کے لئے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پیغام مساوات ہے، کہ سپاہی، یا پیادہ ہوں، تو تم بھی پا پیادہ ہو، جب سپاہی بھوکے پیاسے ہوں، تو تم بھی بھوکے پیاسے ہو، تم قائد ہو، تم سالار ہو، تمہارا مقام آگے رہنا ہے، جب کہ سپاہیوں کو تمہارے پیچھے رہنا چاہیے، پس میدان جنگ میں تمہیں آگے ہونا چاہیے، سپاہیوں کو پیچھے، پہلا تیر تمہارا چلے، پہلی گولی تمہاری چلے، پھر دیکھو، سپاہیوں میں کیسا جوش وجذبہ پیدا ہوتا ہے، اور وہ دشمن پر، کس طرح طوفان بن کر حملہ آور ہوتے ہیں۔

جب ابوسفیان کو اطلاع ملی کہ لشکر اسلام، اس کے تعاقب کے لئے نکل چکا ہے، تو اس کی جان پر بن آئی، سارے علاقہ میں اس نے اپنے جاسوس پھیلا دیئے، تاکہ لشکر اسلام کا حال معلوم ہو سکے، ایک سپاہی مکہ کی طرف دوڑایا، اور اہل مکہ کو پیغام بھیجا، کہ لشکر اسلام ہم پر حملہ کے لئے نکل چکا ہے، لہٰذا ہماری امداد کے لئے جلد از جلد لشکر بھیجا جائے، خبر سن کر، کفار مکہ تو دیوانے ہو گئے، ان کے خیال میں مسلمانوں کو تہس نہس کر دینے کا ایک بہترین موقع ہاتھ آیا تھا، وہ جانتے تھے کہ لشکر اسلام تنہا بھی ہے، نادار و مفلس بھی، مسلمانوں کے پاس نہ افرادی قوت تھی، نہ حسب ضرورت اسلحہ اور نہ ہی اشیاء خورد ونوش کا کوئی انتظام تھا، جب کہ اہل مکہ کو جملہ ضروریات جنگ حاصل تھیں، جس پر انہیں ناز تھا، تکبر و غرور تھا، وہ اس حقیقت سے بے خبر تھے، کہ اہل ایمان کے لئے سب سے بڑی طاقت سب سے بڑی قوت، ایمان کے ساتھ، اپنے آقا کی محبت ہے، لہٰذا کفار نے بڑے ہی جوش وخروش کے ساتھ جنگ کی تیاری شروع کی، جو لوگ بذات خود شریک نہ ہو سکتے تھے، انہوں نے بھی، اسلحہ، سواریاں اور سرمایہ، سب کچھ فراہم کیا، تین روز تک سفر کی تیاریاں ہوتی رہیں، اور نو سو پچاس افراد پر مشتمل، اسلحہ اور دیگر سامان جنگ سے لیس، ایک زبردست لشکر تیار ہو گیا، جس کو اپنی فتح و کامرانی کا یقین کامل تھا، جو مستقبل میں ایک بڑی غلط فہمی ثابت ہوئی۔

ادھر ابوسفیان نے اپنا راستہ تبدیل کر دیا، اور وہ بحفاظت مکہ کی راہ پر آ گیا، اب چونکہ لشکر اسلام سے مقابلہ کا خطرہ نہ رہا تھا، ابوسفیان بلاوجہ جنگ کا خطرہ مول نہ لینا چاہتا تھا، لہٰذا اس نے قاصد کو دوڑایا، اور اہل مکہ کو خبر دی، کہ قافلہ محفوظ ہے، اب کسی لشکر کی ضرورت نہیں، لیکن لشکر کفار، جو پہنچ چکا تھا، غرور و تکبر میں مبتلا، سپاہیوں نے واپسی سے انکار کیا، جنگ اور صرف جنگ کے نعرے لگانے لگے، انہیں کیا پتہ تھا، کہ بدر، ان کا قبرستان بنے گا کہ یہاں موت ان کا انتظار کر رہی ہے، وہ کہنے لگے'' ہم

ضرور بدر جائیں گے، وہاں تین روز قیام کریں گے، اونٹ ذبح ہوں گے، کھانے پکائے اور کھائے جائیں گے، شراب کے جام چھلکیں گے، رقص و سرور کی محفلیں جمیں گی، جشن کا سماں ہوگا، اس طرح سارا عرب ہم سے خوفزدہ ہو جائے گا، گویا نکلے جنگ کے لئے تھے، اور پروگرام بن گیا، سیر و تفریح کا، عیش و عشرت اور جشن کا، اس سارے منصوبہ میں ابوجہل پیش پیش تھا، اسے عمر رسیدہ سنجیدہ لوگوں نے سمجھانے کی ہر چند کوشش کی لیکن، آخر جہالت وحماقت کا باپ کہلاتا تھا، کیسے کسی کی بات مان لیتا۔

اللہ کے رسول ﷺ، جب مقام ذفران، پہنچے، تو خبر ملی کہ قریش کا ایک بڑا لشکر، مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کے لئے آرہا ہے، جب کہ آپ تو مدینہ سے صرف قافلہ کا تعاقب کرنے اور اسے لوٹنے کے لئے نکلے تھے، جنگ کا وہم و گمان بھی نہ تھا، لہٰذا اب صورت حال یکسر تبدیل ہو گئی، پس آپ نے، غلاموں کو طلب کیا، تاکہ موجودہ صورت حال کے مطابق، باہمی مشورے سے فیصلہ کیا جا سکے، جب آپ نے نئے حالات سے غلاموں کو آگاہ کیا، تو سب نے نہایت ہی پر جوش گفتگو کی، سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق اٹھے، اور بڑی ہی جرأت مندانہ باتیں کیں، پھر حضرت عمر نے اپنے جذبۂ جاں نثاری کا بھرپور مظاہرہ کیا، پھر حضرت مقداد بن عمرو عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! تشریف لے چلئے، جدھر آپ کو، آپ کا رب جانے کا حکم دیتا ہے، ہم سب آپ کے ساتھ ہیں، ہمارا جواب ہرگز وہ نہ ہوگا، جو حضرت موسیٰ کو ان کی قوم نے دیا تھا، فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ جاؤ، تم اور تمہارا رب جنگ کرے، ہم یہاں بیٹھے تماشا دیکھیں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، اپنے غلام کی اس گفتگو سے خوشی ہوئی، آپ نے اس کے لئے دعائے خیر کی، پھر آپ نے، انصار کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا، ''اَشِيْرُوْا عَلَيَّ اَيُّهَا النَّاسُ'' اے لوگو! مجھے مشورہ دو، پس سعد بن معاذ کھڑے ہوئے، اور عرض کرنے لگے، ''یارسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں، ہم نے آپ کی اتباع و پیروی کا آپ سے معاہدہ کیا ہے، پس ہم ہر حال میں آپ کے ساتھ ہیں، حتیٰ کہ اگر آپ ہمیں سمندر میں چھلانگ لگانے کا حکم دیں گے تو ہم سب بخوشی تعمیل کریں گے، ہم دشمن کے مقابلہ کے لئے تیار ہیں، ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے جنگی کارناموں سے، آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک بخشے گا، پس ''فَسِرْ عَلٰى بَرَكَةِ اللّٰهِ'' اللہ کی برکت سے روانہ ہو جائیے۔

آقائے رحمت ﷺ، حضرت سعد بن معاذ کی اس گفتگو سے بے حد خوش ہوئے، کہ آپ کا نورانی چہرہ مزید چمک اٹھا، دیگر صحابہ میں جوش کی ایک لہر سی دوڑ گئی، پس آپ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا، فرمایا، ''وَاللّٰهِ لَكَاَنِّيْ الْاٰنَ اَنْظُرُ اِلٰى مَصَارِعِ الْقَوْمِ'' بخدا میں قوم کے مقتولوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں، پس قائد اعظم ﷺ، اپنے مختصر، بے سروسامان، لشکر کے ہمراہ، مقام بدر، میں رونق

افروز ہوئے۔

کافروں کا لشکر، یہاں پہنچ کر، پہلے ہی بالائی حصہ پر قابض ہو چکا تھا، لہٰذا مسلمان نشیبی اور ریتلے علاقے میں خیمہ زن ہوئے، رات کو اللہ نے باران رحمت نازل فرمائی، مجاہدین اطمینان وسکون کے ساتھ سوئے، ان کی ریتلی زمین بالکل ہموار ہوگئی، جس پر چلنا پھرنا آسان تھا، جب کہ کافر ساری رات ہوا اور بارش کے طوفان کے سبب پریشان حال رہے، ان کے خیموں کے سامنے کیچڑ اور پھسلن ہو گئی، کہ چلنا مشکل ہو گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت عبداللہ بن مسعود کو کافروں کا حال دیکھنے کے لئے بھیجا، ان حضرات نے بتایا، کہ دشمن نہایت پریشان حال ہے، اب تک ان پر موسلا دھار بارش برس رہی ہے، ان کا چلنا پھرنا تک دشوار ہو رہا ہے۔

عریش

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تجویز پر، سالار جنگ ﷺ کے لئے ایک ٹیلے پر عریش (چھپر) بنا دیا گیا، تاکہ آپ جنگ کا حال ملاحظہ فرماتے رہیں، جس میں حضور کے ہمراہ آپ کے رفیق حضرت ابوبکر صدیق بھی تھے، اور حضرت سعد بن معاذ، خود دروازے پر، پہرے کے لئے کھڑے تھے، اللہ کے رسول ﷺ، حالات کا معائنہ فرمانے کے لئے، صبح سویرے، وادیٔ بدر، تشریف لائے، کفار کی سج، دھج اور کروفر کو دیکھ کر آپ نے اپنے رب کریم سے دعا کی، ''اے اللہ! یہ قریش کا لشکر ہے جو بڑے تکبر اور فخر سے چلا آرہا ہے، تاکہ تیرے ساتھ ٹکرائے اور تیرے رسول کو جھٹلائے'' ''اَللّٰھُمَّ فَنَصْرُکَ الَّذِیْ وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اَحِنْھُمُ الْغَدَاۃَ'' اے اللہ! اپنی وہ مدد نازل فرما، جس کا تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے، اے اللہ! کل ان کو ہلاک کر دے۔

حضرت عبداللہ بن عباس بتاتے ہیں، کہ آقا ﷺ نے، مشرکین کے لشکر پر نظر ڈالی، اور ان کی ایک ہزار سے زیادہ نفری کو ملاحظہ فرمایا، تو آپ نے دوبارہ دست دعا دراز کئے، اور نہایت آہ وزاری سے دعا کی، آپ کی چادر کندھوں سے نیچے گر پڑی، ابوبکر، تیزی سے آئے، چادر اٹھائی، آقا کو سینہ سے لگا لیا، اور عرض کرنے لگے، اے اللہ کے پیارے نبی! بس کیجئے، آپ کا رب آپ کی دعا کو ضرور قبول فرمائے گا، اسی وقت جبرئیل امین وحی لے کر حاضر ہوئے۔

اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِیْنَ ۝ (انفال)

''یاد کرو، جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے، تو اس نے تمہاری فریاد سن لی، (اور

فرمایا) میں یقیناً، ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرنے والا ہوں، جو پے در پے آنے والے ہیں''۔

پھر اللہ کے محبوب ﷺ، بارگاہ صمدیت میں عرض گزار ہوئے: ''اَللّٰهُمَّ اِنْ ظَهَرُوْا عَلٰى هٰذِهِ الْعِصَابَةِ ظَهَرَ الشِّرْكُ وَلَا يَقُوْمُ لَكَ دِيْنٌ'' اے اللہ! اگر یہ کافر، مسلمانوں کی اس جماعت پر غالب آ گئے، تو شرک غالب آ جائے گا، اور پھر تیرا دین قائم نہ رہ سکے گا، اللہ تعالیٰ نے اس وقت، ایک ہزار فرشتے نازل فرمائے، جنہوں نے کفار کو حصار میں لے لیا، آقا ﷺ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے، ابوبکر کو مژدہ دیا، لو مبارک ہو، حضرت جبرئیل، زمین و آسمان کے درمیان کھڑے ہیں، ان کے ساتھ فرشتوں کی جماعت ہے، جس نے کافروں کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے مجاہدین کے درمیان رونق افروز ہو کر خطبہ دیا، اللہ کی راہ میں ان کے جذبۂ جاں نثاری کو سراہا، فتح و کامرانی کا مژدہ دیا، خیر و برکت کی دعاؤں سے نوازا، اور صفوں کو درست کر کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جانے کا حکم صادر فرمایا۔

اس دوران، متعدد ایمان افروز واقعات رونما ہوئے، جنہیں ہم اپنے تحقیقی مقالہ ''یوم الفرقان'' میں لکھ چکے ہیں، معذرت کے ساتھ قارئین کو تکلیف دیں گے اور گزارش کریں گے، کہ اس مقالہ کا ضرور مطالعہ فرمائیں، کتاب کی ضخامت کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ہم یہاں اختصار سے کام لے رہے ہیں۔

جنگ کا آغاز

غرضیکہ کفار کی طرف سے جنگ کا آغاز ہوا، سب سے پہلا بدبخت اسود بن عبدالاسد المخزومی تھا، جو مسلمانوں کے حوض کی طرف، پانی پینے کے بہانے بڑھا، لیکن وہ حوض کا پانی ناپاک کر دینا چاہتا تھا، حضرت حمزہ نے اسے دیکھا، تو للکارے، جب آمنا سامنا ہوا تو آپ نے ایک ہی وار میں اسے جہنم رسید کر دیا۔

اسود کو تڑپتا دیکھا، تو ربیعہ بن عتبہ بے قابو ہو گیا، اپنے بھائی شیبہ اور اپنے بیٹے ولید کے ہمراہ میدان میں آ کر چلانے لگا، ''هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ'' ہے کوئی مقابلہ کرنے والا، تین انصاری نوجوان، ان تینوں کے مقابلہ کے لئے، سامنے آ کھڑے ہوئے، لیکن اس نے انصار سے لڑنے سے انکار کر دیا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت عبیدہ، حمزہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو مقابلہ کرنے کا حکم دیا، حضرت حمزہ نے شیبہ کو للکارا، اور قبل اس کے کہ وہ سنبھلتا، ایک ہی وار میں خاتمہ کر ڈالا، اس طرح حضرت علی نے مہلت دیئے بغیر ولید کا صفایا کر ڈالا، لیکن عبیدہ اور عتبہ کا مقابلہ ہوا، عبیدہ نے عتبہ کو زخمی کر دیا، لیکن اس کی تلوار عبیدہ کی ٹانگ پر پڑی، جس سے ٹانگ کٹ گئی، حضرت حمزہ اور حضرت علی کی نظر پڑی تو

انہوں نے تیزی سے عتبہ پر حملہ کیا، اور اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، ابوسفیان کی بیوی ہندہ کو جب، ان کی ہلاکت کی خبر ہوئی، تو اس نے نذر مانی کہ، وہ حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر چبائے گی، یہ حادثہ غزوۂ احد میں رونما ہوا، جیسا کہ انشاء اللہ آپ پڑھیں گے۔

جب قریش کے یہ تین سردار ہلاک ہو گئے، تو ابوجہل خبیث نے اپنے لشکر کا حوصلہ بلند کرنے کی غرض سے نعرہ لگایا، "لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَکُمْ" ہمارا مددگار عزیٰ ہے اور تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں، سرکار دو عالم ﷺ کے ارشاد کے مطابق لشکر اسلام سے صدا بلند ہوئی، "اَللّٰہُ مَوْلَانَا لَا مَوْلٰی لَکُمْ" اللہ ہمارا مددگار ہے، تمہارا کوئی مددگار نہیں، "قَتْلَانَا فِی الْجَنَّةِ وَقَتْلَاکُمْ فِی النَّارِ" ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں"۔

پہلے شہید

غزوۂ بدر کے پہلے شہید، حضرت مجع، تھے، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے غلام تھے، اس کے بعد حضرت حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے، وہ حوض پر پانی پی رہے تھے، کہ ایک نیزہ آ کر ان کی گردن میں پیوست ہو گیا، اور آپ نے جام شہادت نوش فرمایا۔

حضرت حارثہ بن سراقہ کی ماں، آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر، پوچھنے لگیں، یا رسول اللہ! کیا میرا بیٹا جنت میں ہے، آپ نے فرمایا، "وَیْحَکِ اُھْبِلْتِ اَنَّھَا جِنَانٌ ثَمَانٌ وَاِنَّ ابْنَکِ اَصَابَ الْفِرْدَوْسَ الْاَعْلٰی" تیرا بھلا ہو، ایک جنت نہیں ہے، آٹھ جنتیں ہیں اور تیرے بیٹے کو فردوس اعلیٰ میں جگہ عطا فرمائی گئی، کمال تو، مالک جنت مخبر صادق ﷺ کی وسعت نظر کا ہے، کہ جنت کے آٹھوں طبقات پر نظر ڈالی اور ماں کو اس کے بیٹے کا پتہ بتا دیا، ﷺ۔

امیہ کا قتل

امیہ بن خلف وہی مکہ کا رئیس اعظم اور ظالم ترین خبیث تھا، جو حضرت بلال کا آقا تھا، اور ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد وہ انہیں، طرح طرح سے ایذا پہنچاتا تھا اور ان پر ظلم وستم کیا کرتے تھا، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے بتایا، کہ امیہ زمانہ جاہلیت میں میرا اچھا دوست تھا، آج میدان جنگ میں اسے میں نے دیکھا، کہ بڑا ہی گھبرایا، سہما، اور خوفزدہ تھا، ڈر کے مارے کانپ رہا تھا، کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کا انجام دیکھ رہا تھا، اس نے مجھے دیکھا تو لپٹ گیا، اور نہایت عاجزی وخوشامد کے انداز میں کہنے لگا، آج صرف تم ہی مجھ کو بچا سکتے ہو، اگر تم مجھے بچا لو گے تو میں ساری زندگی تمہارا احسان مند رہوں گا، اور تمہارے اس احسان کا ضرور بدلہ دوں گا، اس کا بیٹا بھی ساتھ تھا، مجھے پرانی دوستی کا خیال

آیا، اور میں نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا، میں دونوں کو اپنے ساتھ لے کر ایسی جگہ جا رہا تھا، جہاں انہیں چھپا سکوں، لیکن ہمیں حضرت بلال نے دیکھ لیا، اور اس زور سے چلائے، کہ کئی مجاہدین، تلواریں تانے ہماری طرف دوڑے اور ہمیں گھیرے میں لے لیا، میں چونکہ دونوں کو پناہ دے چکا تھا، لہٰذا لوگوں سے بہت کہا کہ میں نے انہیں پناہ دی ہے، پس تم لوگ انہیں چھوڑ دو، لیکن کسی نے میری ایک نہ سنی، امیہ اور اس کے بیٹے پر حملہ کر دیا، کسی مجاہد نے امیہ کے بیٹے کا تو ایک وار میں کام تمام کر دیا، امیہ نے جب اپنے بیٹے کو تڑپتے دیکھا، تو اس زور سے چیخا کہ میں نے اپنی زندگی میں ایسی چیخ نہ سنی تھی، میں امیہ کو بچانے کی کوشش کرتا رہا، کیونکہ میں اسے اپنی پناہ میں لے چکا تھا، لیکن لوگوں نے مار، مار کر، اس ظالم کا برا حال کر دیا، یہاں تک کہ وہ زمین پر لوٹنے اور تڑپنے لگا، خباب بن المنذر نے موقع پا کر، اس کی ناک کاٹ لی، وہ مزید چیخا اور کہنے لگا، مجھے چھوڑ دو، اب میں بھی مجبوراً اس کے پاس سے ہٹ گیا، کہ اتنے میں بلال دوڑے آئے، اور ایک ہی وار میں، اپنے سب بدلے، لے لئے، اور یہ خبیث بھی جہنم رسید ہوا۔

امت کے فرعون کا قتل

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ جنگ پورے شباب پر تھی، میں میدان جنگ میں کھڑا ہوا تھا، میرے دونوں طرف دو نوجوان تھے، اچانک ایک نے مجھ سے پوچھا

چچا! کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں، میں نے کہا ہاں، لیکن تم اسے کیوں دیکھنا چاہتے ہو۔

نوجوان بولا، میں نے سنا ہے، اس خبیث نے مکہ میں، ہمارے آقا ﷺ کو بہت ستایا، بہت پریشان کیا، پس، میں نے قسم کھائی ہے، کہ میں جہاں بھی اس ملعون کو دیکھوں گا، اس پر ضرور حملہ کروں گا، چاہے وہ مارا جائے، یا میں۔

عبدالرحمٰن بن عوف، ابھی میں اس نوجوان کو جواب نہ دے پایا تھا، کہ دوسرے نے بھی یہی سوال کر ڈالا، اسی دوران، ابوجہل اونٹ سے اترتا مجھے نظر آیا، میں نے دونوں کو بتایا، دیکھو! وہ سامنے ابوجہل ہے، ابھی میرا جملہ پورا بھی نہ ہوا تھا، کہ دونوں نوجوان تیزی سے ابوجہل پر لپکے، اور میں نے دیکھا کہ دونوں اس خبیث سے لپٹے ہوئے ہیں، اور لمحہ بھر میں ایک نے اس کی ٹانگ کاٹ ڈالی، اور دوسرے نے، اس پر پے در پے وار کیے، یہاں تک کہ وہ زمین پر گر پڑا۔

یہ دونوں، نوجوان، معاذ و معوذ تھے، ان کے باپ کا نام حارث اور ماں کا، عفراء تھا، کوئی ایسی کتاب نہیں، جس میں غزوۂ بدر کا ذکر ہو اور اس میں، معاذ و معوذ کا نہایت اہتمام کے ساتھ تذکرہ نہ کیا ہو، ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مؤرخین نے بالاتفاق، ان دونوں جوانوں ہی کو، غزوۂ بدر کا ہیرو قرار دیا

ہے اور حق بھی یہی ہے کہ انہوں نے کارنامہ ہی اتنا عظیم انجام دیا، جو تاریخ غزوات میں اپنی نظیر آپ ہی ہے، کتنا بڑا کارنامہ ہے، وہ مکہ کا سب سے متکبر و مغرور سردار اور اس لشکر کا سالار، جنگ کرانے کا پوری طرح ذمہ دار، ابوجہل ہی تھا، لشکر اسلام کے بہادروں اور تجربہ کاروں نے ابھی اس پر حملہ کرنے کا خیال تک نہ کیا تھا، کہ ان نوجوانوں نے اسے اپنا نشانہ بنایا، اور کامیاب نشانہ، کہ آناً فاناً جہنم میں دھکیل دیا، یہ درس عبرت ہے، ہمارے نوجوانوں کے لئے، کہ جو کام نوجوان کر سکتا ہے، اسے عمر رسیدہ لوگ سوچ بھی نہیں سکتے، اے اللہ ہمارے نوجوانوں کو بھی ایسی ہی ہمت عطا فرما۔

جبین لوح غیرت پر لکھا ہے نام دونوں کا جوانو! قابل تقلید ہے اقدام دونوں کا

لب کوثر پہنچ کر شوق نوشاد نوش تھا ان کو وہ غازی تھے مئے حب نبی کا جوش تھا ان کو

عکرمہ، باپ کی حالت دیکھ کر دوڑا، اس نے پیچھے سے حضرت معاذ پر حملہ کیا، کہ ان کا بازو کٹ کر لٹک گیا، اب دونوں بھائی کافروں سے مقابلہ کر رہے تھے جوان پر ہر طرف سے حملہ آور ہو رہے تھے، تاکہ اپنے ہیرو کا بدلہ لے سکیں، حضرت معاذ کا لٹکا ہوا ہاتھ، رکاوٹ ڈال رہا تھا، اس بہادر نوجوان کی بہادری کا تو اندازہ کیجئے، کہ معاذ نے اپنا ہاتھ پیر کے نیچے دبا کر، اوپر کی طرف جھٹکا دیا، اور جہاں تھے اسے وہیں چھوڑا، اور اب اطمینان سے جنگ میں مصروف ہو گئے، موقع ملا تو آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر، خوشخبری سنائی، آپ نے تین مرتبہ، نعرۂ تکبیر، بلند فرمایا۔

حضرت معوذ، دوبارہ میدان جنگ میں، تلوار لہراتے آئے، اور خوب لڑے، حتیٰ کہ جام شہادت نوش کیا، حضرت معاذ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان سے بے حد محبت فرماتے اور ان کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔

جب جنگ کا فیصلہ ہو چکا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ کوئی جائے اور ابوجہل کی خبر لائے، حضرت عبداللہ بن مسعود، قتل گاہ میں تشریف لائے، تو دیکھا کہ ابوجہل ملعون، خاک و خون میں لت پت، تڑپ رہا اور سسکیاں لے رہا ہے، آپ اس کے سینے پر چڑھ گئے، اس کی داڑھی پکڑی اور فرمایا، "تو ہی ہے، اللہ کے رسول کا اور آپ کے غلاموں کا دشمن، آج تجھے کیا ہوا۔

ملعون بولا، آج جوان مرد کو، اسی کی قوم کے بچوں نے مار ڈالا، بتاؤ، فتح کس کی ہوئی۔

ابن مسعود بولے، فتح و کامرانی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کے لئے ہے، اے بدنصیب! تو، تو فرعون سے بھی بدتر ہے، کہ جس نے غرق ہوتے ہوئے حق کا اعتراف تو کر لیا تھا، لیکن تو، اس ذلت و خواری کی حالت میں بھی اپنی ضلالت و گمراہی پر ڈٹا ہوا ہے، تو، بڑا ہی ضدی اور ہٹ دھرم ہے۔

ابوجہل نے کہا، جاؤ! محمد بن عبداللہ (ﷺ) سے کہہ دو، کہ میں دنیا سے اس حال میں رخصت

ہور ہا ہوں، کہ ان سے بڑھ کر، میرے نزدیک کوئی برا نہیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ میں نے اس ملعون کا سر قلم کرنے کے لئے تلوار نکالی، لیکن وہ کند ہو چکی تھی، پس میں نے اسی کی تلوار کھینچی، جو چمک رہی تھی، اب تک اس پر خون کا دھبہ تک نہ لگا تھا، اور گردن پر مارنا ہی چاہتا تھا، کہ وہ بولا "اے ابن مسعود! میری گردن ذرا، لمبی، اوپر سے کاٹنا، تا کہ دشمن کے سامنے میرا سر، دوسرے سروں میں اونچا رہے" (یہ ہے تکبر کی لعنت) پس میں نے اس کا سر قلم کر دیا، اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہو گیا، آپ اس کے قریب ہوئے، اور آپ کے چہرے پر، اللہ کے فضل و کرم کے آثار نمایاں تھے، اور فرمایا "کَانَ ھٰذَا فِرْعَوْنَ ھٰذِہٖ الْاُمَّۃِ" یہ اس امت کا فرعون تھا، بعض روایات کے مطابق، آپ نے بطور شکرانہ دو رکعت نفل بھی ادا فرمائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا، یا رسول اللہ! اس فرعون کو کس نے ہلاک کیا، آپ نے فرمایا، عفراء کے بیٹوں، معاذ و معوذ نے، ان پر اللہ رحم فرمائے، جو اس فرعون امت کے قتل میں شریک ہوئے، عرض کیا گیا اور کون اس کے قتل میں شریک ہوا، ارشاد ہوا، اللہ کے فرشتے اور عبداللہ بن مسعود بھی اس کے قتل میں شریک تھے۔

بلاشبہ ابوجہل کی ہلاکت، اللہ سے بغاوت کرنے والوں، متکبرین اور ہٹ دھرم ضدیوں کے لئے، درس عبرت ہے، اگر یہ خبیث کسی بدترین مرض میں مبتلا ہو کر، مرتا، تو وہ بھی اس سے زیادہ ذلت و خواری کی موت نہ ہوتی، کہ حق و باطل کا پہلا ہی معرکہ ہے، مکہ کے اس ہیرو کی تلوار، نیام سے باہر بھی نہ آ پائی تھی، کہ اللہ کی تلوار، اس پر برسی اور لمحہ بھر میں اس کا خاتمہ ہو گیا، یہ اور تا قیامت پیدا ہونے والے باطل پرست، مغرور و متکبر، ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہوئے، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

پس، اے حق پرستو اب قیامت تک جس کی بھی رسی ڈھیلی دیکھو، اور اسے تکبر و غرور میں مست، ظلم و ستم کرتا ہوا پاؤ، تو اس سے ہرگز ہرگز، خوف زدہ نہ ہونا بلکہ اس سے مقابلہ کے لئے، اپنے اندر ایمان کی قوت و طاقت پیدا کرو، یقیناً تم ہی، کامیاب و کامران ہو گے، کہ وعدہ الٰہی ہے:

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

(آل عمران)

"اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو، اور تم ہی بلند ہو کر رہو گے، اگر تم (سچے) مومن ہو"۔

ابولہب کی ہلاکت

آپ منتظر ہوں گے، ابولہب کا انجام پڑھنے کے، کیونکہ یہ خبیث بھی، بڑا ہی ظالم، کمینہ فطرت تھا، کسی سے کچھ کم نہ تھا، کہ دونوں ہی، اللہ و رسول کی دشمنی میں، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش

میں سرگرداں تھے، تو ملاحظہ فرمایئے، اس ملعون کا بھی عبرتناک انجام دوران جنگ تو یہ خبیث کسی کی زد میں نہ آسکا، کہ میدان ہی میں نہ آیا، جو مار کھاتا، لہٰذا بچ نکلا، شاید اسی لئے کہ اس کا انجام، میدان جنگ کی موت سے بھی بدتر ہونا تھا، کہ ابھی ان لٹے پٹے، سورماؤں کو مکہ پہنچے ایک ہفتہ بھی نہ ہوا تھا، یہ اپنے مردوں کی ہلاکت پر، پوری طرح ماتم بھی نہ کر پائے تھے، کہ ابولہب کے ایک ایسا دانہ نکلا، جو اہل عرب میں موت کی علامت سمجھا جاتا تھا، نیز خیال کیا جاتا تھا کہ یہ مرض متعدی ہوتا ہے، لہٰذا، ایسے مریض سے سب کا دور رہنا ضروری ہے، حالت مرض ہی میں نہیں، بلکہ مرنے کے بعد بھی، لہٰذا جب ابولہب کے بیٹوں اور اس کے اہل خانہ وخاندان کو پتہ چلا، کہ ابولہب کے ایسا دانہ نکلا ہے، تو سب اس سے دور ہو گئے، دوادارو کرنا تو در کنار، کوئی اس کے حلق میں پانی کا قطرہ ٹپکانے پر بھی آمادہ نہ ہوتا تھا، اسے تنہا ایک کمرے میں چھوڑ دیا گیا تھا، جب تک جان رہی، اپنے لئے، سب کچھ خود ہی کرتا رہا، اور انجام کار، تڑپ، تڑپ کر تنہائی میں، ہی مر گیا، اب اس کی لاش کو، کوئی دفن کرنے تک کے لئے تیار نہ تھا، ایک گڑھا کھودا گیا، اور مزدوروں کو بلا کر، کتے کی طرح، اس کی لاش کو مٹی میں دبا دیا گیا، الامان والحفیظ۔

یہ تھا، تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّ تَبَّ کا وعدۂ الٰہی، جو آج پورا ہوا، اور دنیا نے جان لیا، کہ گستاخان رسول، کا مقدر صرف ذلت وخواری ہے، ایسے بدبختوں کو، گور وکفن تک نصیب نہیں ہوتا، ان کی ہلاکت پر، اپنا یا غیر، کوئی آنسو تک بہانے والا نہیں ہوتا، ان کی اولاد تک، انہیں کندھا دینے کے لئے تیار نہیں ہوتی، (نعوذ باللہ من ذالک)۔

اہل مدینہ کو مژدہ فتح

جنگ کا خاتمہ ہوا، لشکر اسلام، اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں، رب کریم کی حمد وثنا کرتا اور شکر بجا لاتا ہوا، بصد ادب ونیاز، اور عجز وانکساری سے سروں کو خم کیے، فتح وظفر کا پرچم لہراتا، جب مدینہ منورہ کے قریب اُثیل کے مقام پر پہنچا، تو آقا ﷺ نے، حضرت زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کو، آگے بڑھ کر، مدینہ میں اپنے بھائی بہنوں کو مژدۂ فتح وکامرانی سنانے کا حکم دیا، ان دونوں حضرات نے مدینہ پہنچ کر، بآواز بلند اعلان کیا، "اے لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سلامتی اور بخیر و عافیت، کامیابی وکامرانی کے ساتھ واپسی مبارک ہو، نیز خوشخبری ہو، کہ اللہ رحیم وکریم نے اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ عطا فرمایا، اور اللہ ورسول ﷺ کے دشمن، مغلوب اور ذلیل وخوار ہوئے، بہت سے مشرک قتل کر دیئے گئے، اور بہت سے جنگی قیدی بنا لئے گئے۔

الا یا معشر الانصار! یہ دن ہے مسرت کا ۔۔۔ عنایت ہے نبی کی اور احسان رب عزت کا
کوئی دن اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا سعادت کا ۔۔۔ کہ چودہ خوش نصیبوں کو ملا رتبہ شہادت کا

دکھا کر سرفروشی جیت کر ایمان کی بازی　　مدینے کی طرف واپس ہوئے ہیں تین سو غازی
خدا رکھے سلامت ہے ہمارا کملی والا بھی　　اسی کے دم سے ہے یہ نصرت باری تعالیٰ بھی
نوید اے طالبان دید حق مطلوب آتا ہے　　مدینے کی طرف اللہ کا محبوب آتا ہے

یہ خوشخبری سن کر لوگوں کو کچھ دیر کے لئے تو حیرت ہوئی، لیکن جب دوبارہ اعلان سنا، تو جوش مسرت سے جھومنے اور نعرۂ تکبیر بلند کرنے لگے، مرد گھروں سے باہر نکل آئے، عورتیں دروازوں اور چھتوں پر آ کر، اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے مضطرب و بے چین انتظار کرنے لگیں، پھر دوبارہ کچھ ایسا ہی سماں نظر آنے لگا جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہجرت کر کے آنے کے موقع پر تھا۔

یہ دونوں حضرات، مژدۂ فتح لے کر، مدینہ میں عین اس وقت داخل ہوئے، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ، حضرت عثمان کی زوجہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی، حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو، جنت البقیع شریف میں دفن کر رہے تھے، جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے تھے، اسی وقت حضرت رقیہ سخت بیمار تھیں، آپ نے حضرت عثمان کو، ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں رکنے کا حکم دیا تھا، حضرت عثمان چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کی تعمیل کے سبب غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے، لہٰذا انہیں آقائے رحمت ﷺ نے، مال غنیمت سے حصہ بھی دیا، اور شرکاء بدر میں بھی شامل فرمایا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، بعد عصر، اُثیل سے روانہ ہو کر، الروحا کے مقام پر پہنچے، یہاں آپ کا استقبال اور ہدیۂ تبریک وعقیدت پیش کرنے کے لئے اہل مدینہ کا جم غفیر موجود تھا، نیز جو لوگ کسی عذر شرعی کے باعث، غزوہ میں شریک نہ ہو سکے تھے، انہوں نے، اپنے آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں معذرت نامہ پیش کیے جو مقبول ہوئے، اور ان کے لئے دعائے خیر کی گئی، اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ، فتح وکامرانی کا علم لہراتے، ۲۲ رمضان المبارک کو جمعہ کے دن، مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، مسرت وشادمانی کے اس موقع پر بھی بچیوں نے دف بجا بجا کر وہی ترانہ گایا، جو آج سے دو سال قبل، اس وقت گایا تھا، جب محبوب کائنات ﷺ مکہ سے ہجرت کر کے تشریف لائے اور مدینہ منورہ میں رونق افروز ہوئے تھے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا　　مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا　　مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاع
أَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا　　جِئْتَ بِالْأَمْرِ الْمُطَاع

بشر کی شان وحدت کے جو یہ جلوے نظر آئے
ستارے بھی مبارکباد دینے کو اتر آئے

قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ

بدر کے دوسرے روز، جب ستر قیدی، بارگاہ رسالت مآب میں پیش کیے گئے، تو آقائے رحمت ﷺ نے سب سے پہلے، ان کے قیام وطعام کا انتظام فرمایا، آپ نے، انہیں، صحابہ کرام کے درمیان تقسیم کردیا، اور تاکید فرمائی کہ ان کی مناسب میزبانی کی جائے، انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، کہ یہ پیکر خلق عظیم ﷺ کے اخلاق کریمانہ کا مقتضیٰ تھا، اور یہی اسلام کی تعلیم پر عمل کا پہلا موقع تھا۔

ابوعزیز، کفار مکہ کی اہم شخصیت تھا، مشرکین مکہ کے لشکر کا علمبردار تھا، اور حضرت مصعب بن عمیر کا سگا بھائی تھا، جب بدر میں اسے گرفتار کیا گیا، اور ایک انصاری کو اس کے ہاتھ باندھتے حضرت مصعب نے دیکھا تو ان سے کہا، ذرا کس کر، اسے باندھو، اس کی ماں بہت دولت مند ہے، وہ کثیر رقم کے بدلے اسے آزاد کرائے گی، ابوعزیز نے کہا، مصعب! تم میرے بھائی ہوکر، یہ کہہ رہے ہو، مصعب نے کہا، یہ انصاری میرا بھائی ہے، نہ تم میرے بھائی ہو اور نہ تمہاری ماں، میری ماں ہے، ابوعزیز نے بتایا، جب میں گرفتار ہوکر مدینہ پہنچا، تو مجھے ایک انصاری کے حوالہ کردیا گیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، اس انصاری کو ہر طرح میرا خیال رکھنے کا حکم دیا، لہٰذا وہ انصاری بھائی میری بہت خاطر ومدارت کرتے، مجھے کھانے کے لئے روٹی دیتے اور خود چند کھجوروں پر گزارہ کرتے تھے، میرے اصرار کے باوجود وہ کئی دن تک ایسا ہی کرتے رہے، یہاں تک کہ میری ماں نے، چار ہزار کی کثیر رقم، بطور فدیہ ادا کی اور مجھے آزاد کرالیا، ابوعزیز کچھ عرصہ بعد مشرف باسلام ہوگئے۔

قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کا، یہی ایک واقعہ، اسلام کی محبت ورأفت بھری تعلیم کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے، جب کہ آج انسانی حقوق کی حفاظت کے دعویدار، کوئی ایسی مثال پیش نہیں کرسکتے، بہت پرانی بات نہیں ہے، دنیا جانتی ہے، کہ عراق وافغانستان کے گرفتار شدہ قیدیوں کے ساتھ کیا برتاؤ ہو رہا ہے۔ جیلوں میں، انہیں کیسی کیسی صعوبتوں کا سامنا کرنا پڑرہا ہے، نہ معقول کھانے کا انتظام اور نہ ہی سکون وآرام کی نیند میسر، اسرائیل، فلسطینی قیدیوں پر کیسے کیسے مظالم ڈھا رہا ہے، اور دوسروں کو کیا کہیے اپنا حال کیا کم خراب ہے، ہماری جیلیں بھری پڑی ہیں پانچ آدمیوں کی کوٹھری میں بھیڑ بکریوں کی طرح پچیس قیدیوں کو بھر دیا جاتا ہے، نہ کھانے پینے کا انتظام نہ دیگر ضروریات کا انتظام، لیکن آقائے رحمت ﷺ کی تعلیم کے مطابق قیدی مجرم ہیں، لیکن ہماری طرح انسان بھی ہیں، اگر کسی مجرم کی سزا پھانسی بھی ہے، تو اس سے پہلے، اسے دوسری سزائیں دینے، اذیتوں اور تکلیفوں میں مبتلا کرنے کا کوئی

جواز نہیں، لہٰذا ہر قیدی کے کھانے، پینے، اور آرام کا انتظام بالکل اسی طرح ہونا چاہیے، جیسے آزاد انسانوں کے لئے ہوتا ہے، یہ قیدیوں کا حق ہے، جو آقا ﷺ نے انہیں دیا ہے، یہی عدل وانصاف کا تقاضا ہے۔

اسیران جنگ کے ساتھ، آقائے رحمت ﷺ کا مزید حسن سلوک ملاحظہ ہو، قیدیوں کے پاس کپڑے نہ تھے، آپ نے ان کے لئے معقول لباس کا اہتمام فرمایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا، حضرت عباس بھی گرفتار کیے گئے تھے، وہ دراز قد تھے، کسی صحابی کا کرتہ ان کے جسم پر ٹھیک نہ آیا، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے جب دیکھا تو اپنا کرتا منگا کر حضرت عباس کو دیا، کیونکہ وہ آپ کا ہم قد تھا، بخاری شریف میں ہے، کہ عبداللہ بن ابی کے کفن کے لئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا کرتہ عطا فرمایا، وہ اسی کا معاوضہ تھا۔

قیدیوں کا انجام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، صحابہ کرام سے اسیران جنگ کے انجام سے متعلق مشورہ فرمایا، متعدد تجاویز پیش کی گئیں، حضرت ابوبکر کا مشورہ تھا، کہ فدیہ لے کر سب کو آزاد کر دیا جائے، کیا عجب یہ مسلمان ہو جائیں، یا اپنے وطن پہنچ کر اہل مکہ کو ہمارا حال بتائیں اور اس طرح دشمن دوبارہ ہم پر حملہ آور ہونے کی ہمت نہ کر پائے، نیز فدیہ کی رقم سے ہماری معاشی حالت بہتر ہوگی اور ہم اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام بسہولت کر سکیں گے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سخت مزاج وسخت گیر تھے، لہٰذا انہوں نے رائے دی، کہ سب قیدیوں کو قتل کر دیا جائے، وہ بھی اس طرح کہ ہر شخص اپنے عزیز کو یا جان پہچان والے کو قتل کرے، ہمارے اس عمل سے، صرف کفار مکہ اور قبائل عرب ہی نہیں، بلکہ مدینہ میں موجود، یہود و منافقین تک کانپ اٹھیں گے، اور آئندہ وہ ہماری طرف بری نظر تک اٹھانے کی غلطی نہ کریں گے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ کی تجویز تھی، کہ ان سب کو، کسی گھنی جھاڑی میں چھوڑ کر، آگ لگا دی جائے، تاکہ جہنم کے اس ایندھن کو ہم دنیا میں ہی بھڑکتا دیکھ لیں، اس طرح دنیا بھر کے ظالم، ان ظالموں کے انجام سے عبرت حاصل کریں۔

ان تجاویز میں، چونکہ نرم ترین تجویز، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی، کہ وہ خود بھی، نرم مزاج اور نہایت رقیق القلب تھے، اور جس بارگاہ میں یہ تجویز پیش ہوئی وہ بھی بارگاہ رحمت ہے، لہٰذا منظور ہوئی، اور فیصلہ ہو گیا کہ ہر قیدی کو چار ہزار درم کے عوض آزاد کر دیا جائے گا، لیکن جو لوگ پڑھے لکھے ہیں، وہ اس فیصلہ سے مستثنیٰ ہوں گے، ان کا فدیہ، یہ ہوگا، کہ ان میں سے ہر ایک دس

مسلمانوں کو تعلیم دے اور وہ جتنا، جانتا ہے، اتنا سکھا دے پھر اسے آزاد کر دیا جائے گا، نیز بعض قیدیوں پر خصوصی کرم فرمایا گیا، کہ انہیں بغیر فدیہ لئے آزاد کر دیا گیا۔

جھکایا سر یہ فشائے نبی پا کر صحابہ نے　　کندیں نرم کیں ہر ایک کی جا کر صحابہ نے
اسیروں نے جو قید سخت سے یوں خلاصی پائی　　تو چشم درد منداں میں بھی نیند آئی

چچا عباس سے فدیہ

ابھی آپ نے پڑھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا عباس بھی قیدیوں میں شامل تھے، یہ ممکن نہ تھا کہ پیغمبر عدل و انصاف اپنے چچا کو بغیر فدیہ لئے آزاد کر دیتے حضرت عباس بھی ان لوگوں میں سے تھے جو لشکر کفار کے لئے، کھانے وغیرہ کا انتظام کر رہے تھے، اس مقصد کے لئے وہ آٹھ ہزار گرام سونا، اپنے ہمراہ لائے تھے، جو گرفتار ہونے کے بعد ان سے لے کر مال غنیمت میں شامل کر دیا گیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے فرمایا، کہ چچا، اگر آپ اپنا، اپنے دو بھتیجوں، عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث، نیز اپنے حلیف عمر بن حجدم کا فدیہ ادا کر دیں تو آپ کو آزاد کیا جا سکتا ہے، حضرت عباس نے کہا، مجھ سے جو سونا لیا جا چکا ہے، وہ فدیہ میں شمار کر لیا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، وہ تو مال غنیمت ہے، فدیہ میں کیسے شمار ہو سکتا ہے، حضرت عباس کہنے لگے، اگر مجھ پر اتنا بوجھ ڈالا گیا، تو میں بالکل ہی بھکاری ہو جاؤں گا، آپ نے فرمایا، چچا! اس مال کا کیا ہوگا، جو آپ نے مکہ سے نکلتے وقت اپنی اہلیہ ام فضل کے سپرد کیا تھا، حضرت عباس حیرت زدہ ہو کر کہنے لگے وہ مال تو میں نے رات کی تاریکی میں ام فضل کو دیا تھا، اس کے اور میرے علاوہ اس بات کا کسی کو پتہ نہ تھا، حیرت ہے، آپ کو کیسے خبر ہو گئی، عالم غیب ﷺ نے فرمایا، مجھے میرے رب نے خبر دی، اور سب کچھ وہی مجھے بتاتا ہے، یہ سن کر حضرت عباس کو آپ کے، رسول برحق ہونے کا، یقین ہو گیا، اور جو کچھ شکوک و شبہات تھے وہ دور ہو گئے، انہوں نے فدیہ کی رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا، جس کے عوض آپ کو آزاد کر دیا گیا، اور وہ ہمیشہ کے لئے، آقائے رحمت ﷺ کے غلام بن گئے، لیکن آپ نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کیا، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوجوہ آپ کو ہجرت نہ کرنے اور مکہ میں ہی رہنے کا حکم دیا، جس کی انہوں نے تعمیل کی، فتح مکہ کے دن آپ نے اپنے مشرف باسلام ہونے کا اعلان کیا، اس دن قاسم نعمت ﷺ نے، حجاج کو آب زمزم پلانے کا اعزاز، حضرت عباس کو بخشا۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ اعلان اسلام کے بعد، اللہ تعالیٰ نے مجھے بہت نوازا، جو سونا مجھ سے لے کر مال غنیمت میں شامل کیا گیا تھا، اور جو دولت مجھے بطور فدیہ ادا کرنا پڑی تھی، اللہ نے مجھے اس سے کئی گنا زیادہ دولت عطا فرما دی، اور سب سے عظیم مرتبہ جو مجھے میسر آیا، وہ حجاج کرام کو آب

زمزم پلانے کی خدمت ہے، جو میرے نزدیک سارے عرب کی دولت سے بڑھ کر ہے، سورۃ الانفال کی آیات 71,70، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے، اسی واقعہ سے متعلق ہیں۔

محمد کا سخن اظہار ہے حق و عدالت کا — بہ دل اقرار کرتا ہوں میں توحید و رسالت کا
یہ کہہ کر جنگ کرنے کا ازالہ کر دیا سارا — اسیران بنی ہاشم کا فدیہ بھر دیا سارا

داماد سے فدیہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے داماد، حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر، ابوالعاص بن ربیع بھی اسیران جنگ میں شامل تھے، پیکر عدل و انصاف ﷺ نے انہیں بھی فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا، انہوں نے اپنی بیوی زینب کو پیغام بھیجا، کہ فدیہ کی رقم روانہ کر دو، چنانچہ چند روز میں مکہ سے فدیہ کی رقم آ گئی، اس میں وہ ہار بھی تھا، جو شادی کے موقع پر، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اپنی بیٹی کو دیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ہار دیکھا تو آپ کا دل بھر آیا، آپ نے صحابہ سے فرمایا، اگر کسی کو اعتراض نہ ہو تو بیٹی کو ماں کی نشانی واپس کر دی جائے، سب نے بخوشی اظہار رضامندی کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے، ابوالعاص کو آزاد کیا، اور ہار واپس کرتے ہوئے فرمایا، اگر ہو سکے تو زینب کو ہمارے پاس بھیج دو، آپ نے زید بن حارثہ کو، ابوالعاص کے ہمراہ کیا اور فرمایا، یہ زینب کو لے کر آئیں گے۔

مکہ پہنچ کر، ابوالعاص نے زید بن حارثہ کو، ایک محفوظ مقام پر ٹھہرایا، زینب سے کہا کہ تم مدینہ جانے کے لئے تیار ہو جاؤ، اور اپنے بھائی کنانہ بن ربیع کو بتایا کہ فلاں مقام پر، زید بن حارثہ انتظار کر رہے ہیں، تم ان کے پاس ان کو پہنچا دو، کنانہ، زینب کی سواری لے کر چلے، تو کچھ لوگوں نے اسے دیکھ لیا، اور مزاحمت کی اسی دوران، حضرت زینب اونٹ سے گر پڑیں، حاملہ تھیں، چند دن بعد، اسی حادثہ کے سبب حمل ضائع ہو گیا کچھ دن بعد ابوالعاص بھی مشرف باسلام ہوئے، اور مدینہ منورہ آ گئے۔

مکہ ماتم کدہ بن گیا

فتح و کامرانی کے یقین کے ساتھ، کفار مکہ، اللہ کے سپاہیوں کا مقابلہ کرنے نکلے تھے، کہ ان کے پاس مادی و ظاہری وسائل اور سامان جنگ کی کمی نہ تھی، جب کہ ان کے خیال میں مسلمان مفلس و نادار اور نہایت کمزور تھے، لیکن انہیں اہل ایمان کی قوت ایمان کا اندازہ نہ تھا، چونکہ وہ اللہ پر ایمان نہ رکھتے تھے، لہٰذا، ان کے ذہنوں میں اللہ کی نصرت و حمایت کا تصور تک نہ تھا، وہ اللہ کے رسول کے منکر تھے لہٰذا، انہیں آپ کے مقام محبوبیت کا کوئی پتہ نہ تھا، قرآن کریم کے بار بار اعلان کے باوجود وہ دین کی حفاظت و بقا کے وعدۂ الٰہی پر یقین نہ رکھتے تھے، لہٰذا مکہ سے روانگی کے بعد ہی انہوں نے اپنے

لشکر کے استقبال اور فتح وکامرانی کا جشن منانے کی تیاریاں شروع کر دی تھیں، مکہ کے گلی، کوچوں اور گھروں کو سجانے لگے تھے، رقص وسرور اور شراب نوشی کی محفلوں کا اہتمام ہونے لگا تھا، انہیں اتنا بھی ہوش نہ تھا، کہ اپنے بے بس اور بے جان، بتوں کے سامنے ہی جا کر اپنے لشکر کی کامیابی کی دعا کر لیتے، ان حالات میں، جب مکہ والوں کو خبر ملی، کہ ان کے سارے سورماؤں کو ایک ہی لہر بہا لے گئی، اور جہنم میں دھکیل دیا، تو ان پر کیا بیتی، یہ تو انہی کا دل جانے، گلی کوچوں میں ماتم تھا، اب ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا، لٹا، پٹا، لشکر واپس آیا، تو استقبال تو درکنار، اسے کوئی پوچھنے والا تک نہ تھا، بچے کھچے، سپاہیوں کے لئے، سوائے نفرت کے کچھ نہ تھا، ہر ایک یہ ہی کہتا سنائی دے رہا تھا، "کاش انہیں بھی جہنم کی آگ نے نگل لیا ہوتا"۔

بہت روئے گی قرشی قوم ان عالی نژادوں کو جو لے جاتے تھے میداں میں سواروں کو پیادوں کو

ایک عرصہ یہی کیفیت رہی، بازار بند رہے، کاروبار ختم ہو گیا، گھروں سے صبح وشام صرف رونے کی آوازیں آتی تھیں، بتوں کے گرد جمع ہونے والے، ان کی پوجا کی بجائے، انہیں گالیاں دیتے سنائی دیتے تھے، قریش کا موجودہ سردار ابوسفیان، اس حالت سے بے حد پریشان تھا، بالآخر اس نے رؤساء مکہ سے مشورہ کے بعد ایک روز اپنی قوم کو جمع کیا، لشکر کی ناکامی ونامرادی پر افسوس کا اظہار کیا، جھوٹی تسلیاں دیں، ہلاک شدگان کا انتقام لینے اور دوبارہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کے عزم کا اظہار کیا، جس کا لوگوں پر کچھ اثر ہوا، زندگی معمول پر آئی، اور کاروبار وغیرہ شروع ہو گیا۔

نتائج واثرات

غزوہ بدر، حق وباطل کا پہلا معرکہ تھا، اور انسانی تاریخ میں یہ پہلی جنگ تھی جس کے دونوں لشکروں میں، زمین وآسمان کا فرق تھا، ایک لشکر کی نفری صرف 313 افراد پر مشتمل تھی وہ بھی بے سروسامان، جب کہ دوسرا لشکر ہزار سے زائد افراد پر مشتمل تھا، جس کو تمام جنگی ساز وسامان میسر تھا، یہ ایک عجیب صورت حال تھی، جس نے اقوام عالم بالخصوص قبائل عرب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا، سب ہی جنگ کا نتیجہ سننے کے لئے مضطرب تھے، اکثریت اسلام اور مسلمانوں کے مخالفین کی تھی، جو بہرکیف لشکر اسلام کی ناکامی کے خواہاں تھے، رب کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے، محبوب کی محبوب امت پر کرم فرمایا، کہ فتح دی، عزت دی، غلبہ دیا، اور کفر کو ہمیشہ کے لئے ذلیل وخوار کر دیا۔ دشمن کی توقعات کے برعکس صورت حال نے، غیر جانبدار اقوام کو اہل اسلام کا جانبدار بنا دیا، اور وہ کم از کم اسلام کو ایک حقیقت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامیاب قیادت اور اہل ایمان میں ایمان کی بے پناہ قوت وطاقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے، اب اسلام کے خلاف آسانی سے کچھ سوچنا، ان کے لئے

ممکن نہ رہا، جو سلاطین اور دولت مند اقوام، اب تک مسلمانوں کو قریش کا ایک باغی گروہ خیال کرتے تھے، اب انہیں مسلم امہ کو ایک علیحدہ قوم تسلیم کرنا پڑا، اور سیاسی تدبر اور بصیرت رکھنے والی قومیں مسلمانوں سے وہی سلوک کرنے پر آمادہ نظر آنے لگیں، جو سیاسی میدان میں باوقار قوموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

ادھر، خود اہل ایمان پر اس پہلے معرکہ میں کامیابی کا بے حد مثبت اور مفید اثر ہوا، کہ جو قوم، متواتر پندرہ سال سے صرف ظلم وستم سہتی آ رہی تھی، اس کے جذبات اس قدر سرد ہو چکے تھے، کہ مظلومیت ہی کو اس نے اپنا مقدر سمجھ لیا تھا، کسی طاقت ور قوم سے ٹکرانے اور مقابلہ کرنے کا، اس کے ذہن میں تصور تک نہ رہا تھا، ہم اس کیفیت کو ایمان کی کمزوری نہیں کہہ سکتے، بلکہ یہ ایک فطری عمل ہے، کہ جب جذبات طویل عرصہ تک دبے رہیں، تو ان کا احساس ہی ختم ہو جاتا ہے، یہ تو کمال ہے معلم کامل ﷺ کا کہ وقت آنے پر، آپ نے اپنے غلاموں کو ایسا بیدار کیا، جیسے وہ کبھی سوئے ہی نہ تھے، نیز یہ اثر تھا اس عشق ومحبت اور جذبۂ اطاعت کا، جس سے صحابہ کرام کے قلوب لبریز تھے، کہ آقا ﷺ کا اشارہ ملتے ہی ان کے خوابیدہ جذبات بیدار ہوئے، اور ظاہری حالات، مادی وسائل کی پروا کیے بغیر، وہ میدان جنگ میں نظر آنے لگے، اور وہ کارنامہ کر دکھایا، جس کی تاریخ انسانیت میں نظیر نہیں ملتی، جس پر آج تک دنیا حیران ہے۔

اس معرکۂ اول کی کامیابی وکامرانی نے، ایک مظلوم قوم کو، ہمیشہ کے لئے، ظلم وستم سے نجات کا مژدہ دیا، اپنے اور غیر، سب ہی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، کہ غزوۂ بدر میں کامیابی کے بعد، کسی دور میں امت مسلمہ مظلوم نہ رہی، اس پہلی فتح نے اہل ایمان کو ظالم کا ہاتھ پکڑنے اور ظلم کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی ہمت دی، ظالم کا، ڈٹ کر مقابلہ کرنے کی جرأت دی، عدل وانصاف کا حکم نافذ کرنے کی قوت دی، اور علم اسلام کو بلند رکھنے کی طاقت دی، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمد رحمۃ للعلمین
وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

گزارش

غزوۂ بدر کے عنوان پر ہم نے جو کچھ لکھا، اس میں اختصار کو ملحوظ رکھا ہے، کیونکہ ہم اس عنوان پر، تفصیلی وتحقیقی مقالہ "یوم الفرقان" پیش کر چکے ہیں، لہٰذا اہل ذوق سے گزارش ہے، کہ وہ اس مقالہ کا ضرور مطالعہ کریں، بہت مفید معلومات حاصل ہوں گی۔

غزوۂ بدر اور غزوۂ احد کے درمیان، یعنی 2 ہجری میں ہی باختلاف روایت، پانچ یا چھ غزوات

ہوئے، ان کا مختصر حال بھی ہدیۂ ناظرین ہے۔

غزوۂ بنی سلیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، غزوۂ بدر سے واپس تشریف لائے، تو چند ہی دن بعد، آپ کو اطلاع ملی کہ، قبیلہ بنو سلیم اور غطفان نے ایک لشکر منظم کر لیا ہے، اور وہ مدینہ منورہ پر حملہ کا منصوبہ بنا رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ، بلا تاخیر، دو سو مجاہدین کو لے کر روانہ ہوئے، اس لشکر کے علمبردار حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، جب لشکر اسلام، ان قبیلوں کے چشموں تک پہنچا، تو وہاں کسی کو نہ پایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چند سپاہیوں کو وادی کی بلندی پر بھیجا اور خود، وسط وادی میں خیمہ زن ہوئے، ایک چرواہے کو اونٹ چراتے ہوئے پایا گیا، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کا نام یسار ہے، اس نے بتایا کہ قبیلے کے سب لوگ اونچائی کی طرف چلے گئے، ہم چند چرواہے، اونٹوں کو چرانے اور ان کی دیکھ بھال کے لئے یہاں موجود ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں تین رات قیام فرمایا، پانچ سو اونٹ بطور مال غنیمت، قبضہ میں آئے، چرواہے یسار کو جنگی قیدی بنالیا گیا، جسے بعد میں آقا رحمت ﷺ نے آزاد کر دیا۔

اس غزوہ سے فارغ ہو کر، تقریباً چھ ہفتہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدینہ منورہ میں قیام کا موقع ملا، اس دوران، اسیران بدر سے فدیہ کی وصول یابی، ان کی رہائی اور دیگر اہم امور انجام پذیر ہوئے، لیکن چونکہ غزوۂ بدر میں دشمن کی ذلت وخواری کے باعث مدینہ پر حملہ کا خطرہ زیادہ ہو گیا تھا، لہٰذا صحابہ کی جماعتیں مدینہ کے اردگرد گشت لگاتی رہتی تھیں، اور غلام اپنے آقا ﷺ کو حالات سے باخبر کرتے رہتے تھے۔

غزوۂ سویق

غزوۂ بدر میں رؤسائے قریش کی ہلاکت اور کچھ کی گرفتاری کے بعد، ابوسفیان کو سرداری کا موقع ہاتھ آیا، لیکن ایسے نازک وقت جب پوری قوم، بدر میں اپنی ذلت وخواری کے سبب، ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی اب صرف وہی سردار کامیاب ہو سکتا تھا، جو قوم کی خواہش کے مطابق جلد از جلد مسلمانوں سے انتقام کی، کامیاب کوشش کرے، ابوسفیان نے طرح طرح سے قوم کو دلاسا دیا، اور مکر و فریب سے وہ ہر دل عزیز بننے کی کوشش کرتا رہا، اس نے ایک چال یہ چلی، کہ اس نے علی الاعلان قسم کھائی، کہ جب تک وہ مقتولین کا بدلہ نہ لے گا، گھی نہ کھائے گا اور غسل نہ کرے گا، قسم کھانے کے بعد اسے اپنی قسم پوری کرنے کی فکر ہوئی، لہٰذا، دو سو سواروں کا ایک دستہ لے کر وہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہوا، دوران سفر اس نے بنی نضیر کے رئیس حی بن اخطب اور سلام بن مشکم سے ملاقات کر کے،

اپنا دکھ درد بتایا اور ان سے تعاون کی بھیک مانگی، لیکن چونکہ بدر میں مسلمانوں کی شاندار فتح نے یہودیوں اور تمام قبائل عرب پر ایک دھاک بٹھادی تھی، اور انہیں اہل ایمان کی قوت کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا، لہذا ان دونوں سرداروں نے معذرت کرلی اور کسی قسم کے تعاون کے لئے تیار نہ ہوئے، مجبوراً ابوسفیان اپنی ٹولی لے کر مدینہ کی طرف بڑھا، اور مقام عریض پہنچا، جہاں مسلمانوں کا ایک نخلستان تھا، جس میں کھجور کے پودوں کا ایک بڑا ذخیرہ تھا، اس نے "کھسیانی بلی کھمبا نوچے کے مصداق" اس نخلستان کو آگ لگائی، اور وہاں موجود ایک انصاری، معبد بن عمرا اور ان کے ایک ساتھی کو شہید کر دیا، اور اس عظیم کارنامہ کے بعد اپنی قسم پوری ہونے کا اعلان کر دیا، جونہی نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابوسفیان کی اس رذیل حرکت کا پتہ چلا، آپ اپنے دوسو غلاموں کا دستہ لے کر، اس کے تعاقب کے لئے روانہ ہوئے، لیکن وہ پہلے ہی اتنا خوفزدہ ہو کر بھاگا تھا کہ بدحواسی کی حالت میں وہ اپنے لشکر کے کھانے پینے کے لئے ستوؤں کی جو بوریاں لایا تھا، اپنے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے اس نے وہ بوریاں بھی پھینک دی تھیں، عربی میں ستوؤں کو سویق کہتے ہیں، ابوسفیان کے ستوؤں کی نسبت ہی یہ غزوہ سویق کہلایا۔

بہر حال مسلمانوں نے کافی دور تک ابوسفیان کا تعاقب کیا، جب اس کے مکہ کی راہ پر، پڑ جانے کا یقین ہو گیا، تو آقا ﷺ نے واپس مدینہ کا رخ کیا، اور راستے میں پڑی، سویق کی بوریاں، اونٹوں پر لادنے کا حکم دیا، کہ یہ اس غزوہ کا مال غنیمت تھا، جو مجاہدین کا حق بنا، دشمن کے بھاگ جانے اور مقابلہ کی نوبت نہ آنے کی وجہ سے بعض صحابہ کو خیال ہوا، کہ شاید ہمارا یہ سفر، عنداللہ غزوہ نہ ہوگا، پس انہوں نے آقا ﷺ سے پوچھا، "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَتَطْمَعُ اَنْ تَکُوْنَ غَزْوَۃً قَالَ نَعَمْ" یارسول اللہ! کیا آپ امید کرتے ہیں کہ ہمارا یہ سفر، جہاد شمار ہوگا، آپ نے فرمایا، بے شک۔

غزوہ غطفان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی کہ قبیلہ غطفان کے کچھ خاندان، دعثور بن حارث کی قیادت میں، مقام ذی امر، پر جمع ہو رہے ہیں، تاکہ مسلمانوں کے علاقہ پر حملہ کر کے لوٹ مار کریں، سالار اعظم ﷺ اطلاع ملتے ہی، اپنے، ساڑھے چار سو بہادروں کے ہمراہ، مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، اس موقع پر آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، لشکر اسلام، مقام [illegible] پہنچا، تو بنی غطفان کا ایک شخص جبار بن ثعلبہ مل گیا، مسلمانوں نے اسے روکا اور پوچھا تم کدھر جا رہے ہو، اس نے بتایا، میں روزگار کی تلاش میں یثرب جا رہا ہوں، جب اسے بارگاہ رسالت میں لایا گیا تو وہ اس قدر مرعوب ہوا، کہ اس نے اپنے قبیلہ کے تمام حالات بتا دیئے، نیز بتایا، کہ میرے لوگ مسلمانوں سے پہلے ہی اس قدر خوفزدہ ہیں کہ وہ آپ کا مقابلہ کرنے کی کبھی ہمت نہیں کر

سکتے، وہ آپ لوگوں کی آمد کی اطلاع ملتے ہی پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا چھپیں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبار کو دعوت اسلام دی، جسے اس نے بلا تامل قبول کرلیا، اور مسلمان ہوگیا، اور لشکر اسلام کو اپنی راہنمائی میں، غطفان کے علاقہ میں لے گیا، جب ان لوگوں کو لشکر اسلام کی آمد کی اطلاع ملی، تو وہی حال نظر آیا، جو جبار بتا چکا تھا، کہ سب لوگ اپنے گھروں سے بھاگ کر، پہاڑوں کی چوٹیوں میں جا چھپے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، بنو غطفان کے ایک چشمہ، ذی امر، پر تشریف لائے، اور یہاں خیمے نصب کر دیئے گئے، کچھ دیر بعد ہی موسلا دھار بارش ہوئی، کہ آقا ﷺ اور آپ کے غلام خوب بھیگ گئے، (یہ بارش ایک اہم واقعہ کا سبب بنی جو یہ ہے)۔

اللہ کے رسول ﷺ ایک درخت کے نیچے تشریف لائے، اپنا بھیگا پراہن مبارک خشک ہونے کے لئے درخت پر پھیلا دیا، اور خود آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے، بنو غطفان کے کچھ لوگوں نے، آپ کو تنہا آرام کرتے دیکھا، تو اپنے سردار دعثور کو مشورہ دیا، کہ یہی موقع ہے، آپ انہیں ختم کر سکتے ہیں، بے قوف سردار نے اپنی تلوار لی، اور ان کے سر پر جا کھڑا ہوا، جن کا محافظ اللہ ہے، اور بولا "یَا مُحَمَّدَ مَنْ یَّمْنَعُکَ مِنِّی الْیَوْمَ" اے محمد (ﷺ) آج آپ کو مجھ سے کون بچائے گا آپ نے اس کی طرف توجہ کیے بغیر، نہایت اطمینان سے جواب دیا، "اللہ" یہ پر جلال جواب سنتے ہی اس پر لرزہ طاری ہوگیا اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تلوار اٹھاتے ہوئے فرمایا، "دعثور! اب بتا، تجھے کون بچائے گا" وہ بولا، کوئی بچانے والا نہیں، پس میں گواہی دیتا ہوں، "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" اور میں وعدہ کرتا ہوں، کہ میرا لشکر آپ پر حملہ آور نہ ہوگا، پس خطرہ ٹل گیا، اور اللہ کے رسول ﷺ وہاں چند روز قیام کے بعد، مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

دو یہودیوں کا قتل

اللہ کے رسول ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد، ترجیحی بنیاد پر جو اہم امور انجام دیئے، ان میں، مدینہ کے غیر مسلم قبائل خصوصاً یہودیوں سے دوستی کا معاہدہ تھا، جس کی اہم ترین شرط یہ تھی کہ "اَنْ لَّا یُحَارِبُوْہُ وَاَنْ لَّا یُظَاهِرُوْا عَلَیْهِ عَدُوًّا" کہ وہ نہ خود (حضور) سے جنگ کریں گے، اور نہ (مدینہ پر) حملہ کرنے والے کسی دشمن کی مدد کریں گے، ظاہر ہے اس معاہدہ کا مقصد، مدینہ میں امن وامان کا قیام اور داخلی حالات کو پر سکون رکھنا تھا، تاکہ بوقت ضرورت، بلا خوف وخطر، خارجی حالات سے نمٹا جا سکے، لیکن مشرکین، منافقین اور بالخصوص یہودی، اس مقصد عظیم کو ختم کر دینے کی غرض سے وقتاً فوقتاً معاہدے کی خلاف ورزی کرتے رہتے تھے، کبھی وہ مسلمانوں کے درمیان، انتشار وافتراق پیدا کرنے کی کوشش کرتے، تو کبھی اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے، کبھی کفار مکہ

کے ساتھ ساز باز کیا کرتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ مدت مصلحتاً ان کی حرکتوں کو برداشت کیا، لیکن غزوۂ بدر کے بعد حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے، اور ہر محاذ پر دشمن کا مقابلہ کرنے اور اس کی سرکوبی کا فیصلہ کرلیا گیا تھا، یہی وجہ تھی، کہ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطراف مدینہ میں دشمن کی کسی سازش کا پتہ چلتا، آپ بلا تاخیر اس کو کچلنے کے لئے تشریف لے جاتے اور کامیابی کے بعد، مطمئن ہو کر واپس آتے، اب یہی حکمت عملی اندرون مدینہ بھی اختیار کی گئی، اور سب سے پہلے دو یہودیوں کو قتل کرایا گیا، جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت ہی زیادہ زہر اگلتے رہتے تھے۔

ابوعنک، یہ بد بخت ایک سو بیس سالہ بوڑھا تھا، جس کا مشغلہ صرف یہ تھا، کہ وہ اسلام اور ہادئ اسلام ﷺ کے خلاف نہایت ہی قبیح اشعار کہا کرتا تھا، مسلمان اس کی بیہودہ گوئی سنتے اور خون کے گھونٹ پی کر رہ جاتے تھے، کہ وہ آقا کے حکم کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھا سکتے تھے، جب اس خبیث کی اذیت رسانی انتہاء کو پہنچ گئی اور موزوں وقت بھی آ گیا، تو آقا ﷺ نے صرف اتنا فرمایا، ''مَنْ لِیْ ھٰذَا الْخَبِیْثُ'' اس خبیث کو، کون کیفر کردار تک پہنچائے گا، یہ ارشاد ابوعنک کی موت کا اعلان تھا، حضرت سالم بن عمیر رضی اللہ عنہ، عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! اس خبیث کو میں جہنم رسید کروں گا، یا جان دے دوں گا۔

حضرت سالم نے موقع کا انتظار شروع کر دیا، گرمی کا موسم تھا، وہ ایک رات اپنے گھر کے صحن میں سویا ہوا تھا، حضرت سالم کو پتہ چلا، تو تلوار لہراتے پہنچ گئے، اور ایک ہی وار میں کام تمام کر دیا، اپنی کامیابی پر خوش ہوتے، مستانہ وار، آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے اور مژدہ سنایا، اللہ کے رسول ﷺ، اس فتنہ انگیز بد بخت کی ہلاکت پر خوش ہوئے، اپنے رب کا شکر بجا لائے، اور غلام کو دعاؤں سے نوازا۔

عصماء بنت مروان، ایک یہودن تھی، اس کا کام بھی ہر وقت، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں بدکلامی کرنا تھا، وہ طرح طرح سے لوگوں کو اسلام کے خلاف بھڑکاتی رہتی تھی، مسلمانوں کو بدنام کرنے کے لئے کہانیاں گھڑتی اور لوگوں کو سنایا کرتی تھی، جب اس کی شرانگیزی حد سے تجاوز کر گئی، تو ایک رات حضرت عمیر بن عوف نے اس کا بھی کام تمام کر دیا، اور آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی ہلاکت کی خبر سنائی، رات گئے، جب عمیر، دربار رسالت میں واپس لوٹے، تو دیکھا کہ عصماء کے بیٹے اور دوسرے لوگ اسے دفن کرنے کی تیاری کر رہے ہیں، کسی نے عمیر سے پوچھا، کیا تم نے اسے قتل کیا، آپ نے فرمایا، ہاں میں نے ہی قتل کیا ہے، تم جو کرنا چاہتے ہو، کرو، اور ہاں، اگر تم سب اس قسم کی بیہودہ گوئی کرتے، جیسے یہ ملعونہ کرتی تھی، تو میں تم سب کو قتل کر ڈالتا، یا اپنی جان دے دیتا، اور

اب بھی ایسا ہی کروں گا، عمیر کی یہ جرأت مندانہ گفتگو سن کر سب سہم گئے۔

ان دو واقعات کے بعد یہودی اگرچہ محتاط ہو گئے، سر عام بکواس کرنے اور مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے کی ان میں ہمت نہ رہی، تاہم وہ اپنی سرشت نہ چھوڑ سکے اور سازشوں سے باز نہ آئے، حتیٰ کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کرنے کی بھی کوشش کی، بالآخر وہ اپنے انجام کو پہنچے، تفصیلات آپ پڑھیں گے۔

غزوۂ الفروع

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی، کہ بنی سلیم بن منصور نے ایک لشکر منظم کیا ہے، اور وہ مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، آپ، تین سو مجاہدین کو لے کر، ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے، جونہی ان سورماؤں کو لشکر اسلام کے متعلق خبر ملی، سب تتر بتر ہو گئے، اور سرکار دو عالم ﷺ، اپنے صحابہ کے ساتھ بخیر و عافیت مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

غزوۂ بنو قینقاع

مدینہ کے یہودیوں کا قبیلہ، پندرہ شوال 2 ہجری، بروز ہفتہ، اس قبیلہ کا محاصرہ شروع ہوا پندرہ دن جاری رہا، بالآخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور مدینہ سے نکلنے پر مجبور ہو گئے، تفصیل یہ ہے:

غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کا مدینہ کے یہودیوں پر منفی اثر ہوا، کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں سے حسد و عناد کے، جو جذبات خفیہ تھے اب وہ ظاہر ہونے لگے، مسلمانوں کے خلاف، ان کی سازشوں اور ہرزہ سرائی میں دن بدن اضافہ ہونے لگا، مدینہ کے بازاروں اور گلی کوچوں میں مسلمانوں سے ان کے لڑائی جھگڑوں کے واقعات روزمرہ بڑھنے لگے، حتیٰ کہ انہوں نے کھلم کھلا، معاہدے کی شقوں کی خلاف ورزی کرنا اور معاہدے کو کالعدم قرار دینا شروع کر دیا، آقائے کائنات ﷺ نے اس خطرناک صورت حال کو ختم کرنے کے لئے نہایت حکیمانہ انداز اختیار فرمایا، کہ ایک روز آپ بنفس نفیس، ان کے بازار میں تشریف لے گئے، ان کو جمع کیا، اور محبت بھرے انداز میں ان کو سمجھانے اور ان کے طرز عمل کے خطرناک انجام سے آگاہ کرنے کی کوشش کی، نیز آپ نے فرمایا، اے گروہ یہود! اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرو، کہیں تم پر بھی وہ ایسا عذاب نازل نہ کر دے، جیسا عذاب اس نے مکہ کے مغرور قریشیوں پر نازل کیا، اسلام قبول کر لو، تم اچھی طرح جانتے ہو کہ، میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں، میرے متعلق یہ حقیقت تم اپنی کتاب تورات میں لکھی ہوئی پاتے ہو، اللہ تعالیٰ نے، تمہیں، مجھ پر ایمان لانے کا بار بار حکم دیا ہے" یہودیوں نے آپ کی اس محبت بھری نصیحت کو دھمکی سمجھا اور اس کا بہت سخت

اور بیہودہ جواب دیا، وہ کہنے لگے، "اے محمد! (ﷺ) تم ہمیں بھی، اپنی قوم کی طرح خیال کرتے ہو، اس قوم کو شکست دے کر، جسے فن حرب کا کوئی علم نہ تھا، تم غرور میں مبتلا نہ ہو" "لَئِنْ حَارَبْتَنَا لَتَعْلَمَنَّ اِنَّا نَحْنُ النَّاسُ" "اگر تم نے ہم سے جنگ کی، تو تمہیں پتہ چل جائے گا، کہ ہم کس قسم کے لوگ ہیں" پیکر صبر وتحمل ﷺ نے یہودیوں کی اس گستاخی اور دھمکی کا کوئی جواب نہ دیا، کیونکہ آپ بگڑے حالات کو سنوارنا چاہتے تھے مزید بگاڑنا نہیں، لہٰذا آپ واپس تشریف لا رہے تھے، کہ وحی الٰہی نازل ہوئی، پیارے خاموش نہ جایئے، بلکہ ان کی خوش فہمی کو دور کر دیجئے، ان پر، ان کی حقیقت واضح کر دیجئے۔

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾ (آل عمران)

"اے (محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام) آپ کافروں کو بتا دیجئے، کہ عنقریب تم (دنیا میں) مغلوب کیے جاؤ گے، اور جہنم کی طرف دھکیلے جاؤ گے، اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، بے شک تمہارے لئے (عبرت کا) نشان تھا (ان) دو گروہوں میں جو ملے تھے (میدان بدر میں) ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑتا تھا، اور دوسرا کافر تھا، (مسلمان انہیں) اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے (اپنی) آنکھوں سے، اور اللہ مدد کرتا ہے، اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے، یقیناً اس واقعہ (بدر) میں بہت بڑا سبق ہے، آنکھ والوں کے لئے"۔

اللہ کی طرف سے، یہودیوں کے مغلوب ہونے کی خبر کے باوجود، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان پر حملہ کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا تھا، جو کچھ سمجھانا تھا وہ محبت سے سمجھا دیا تھا، لیکن اسی دوران، انہوں نے ایک ایسی بیہودہ اور قبیح حرکت کی جو مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت تھی، لہٰذا آپ نے فوری اقدام کا فیصلہ فرمایا۔

بدترین واقعہ یہ پیش آیا، کہ ایک مسلمان خاتون، بنو قینقاع کے بازار میں، اپنا کچھ سامان فروخت کرنے آئی، سامان بیچ کر وہ ایک سنار کی دوکان پر کچھ زیور خریدنے کے لئے آ کر بیٹھی، یہاں کچھ اوباش یہودی جمع تھے، جنہوں نے اس سے مذاق کرنا شروع کر دیا، اور اس کے چہرے سے نقاب اٹھانے کی کوشش کرنے لگے، ایک بدمعاش اس خاتون کے پیچھے سے آیا اور چپکے سے اس کا تہ بند کا پلو اس کی قمیص سے کچھ اس طرح باندھ دیا، کہ جب وہ اٹھی تو برہنہ ہو گئی، اس حال میں خاتون کو دیکھ

کر، یہ خبیث ہنسنے اور اس بے چاری کا مذاق اڑانے لگے، وہ چیخی اور فریاد کرنے لگی، ایک مسلمان وہاں سے گزر رہا تھا، اس نے اپنی دینی بہن کو اس حال میں دیکھا تو دوڑا آیا، اور یہودی ملعون کو وہیں ڈھیر کر دیا، بازار کے سارے یہودی جمع ہو گئے اور انہوں نے اس غیور مسلمان کو شہید کر دیا، ظاہر ہے، کہ کسی قوم کی بہن کو برہنہ کر کے اس کا مذاق بنانے، اس کی اہانت کرنے اور اس کی حمایت کے لئے آگے بڑھنے والے غیور بھائی کو شہید کر دینے سے بڑھ کر اور کون سا جرم ہو سکتا ہے، ایک عورت پوری قوم کی عزت ہوتی ہے، اس کی غیرت پوری قوم کی غیرت ہوتی ہے، غیور قوم سب کچھ برداشت کر سکتی ہے لیکن اپنی بہن، بیٹی یا ماں کی عزت و آبرو پر حملہ، برداشت نہیں کر سکتی، کاش آج بھی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا جائے، اور ان بے غیرتوں کو سخت ترین سزا دی جانے لگے، جو اپنی ہی بہنوں، بیٹیوں یا ماؤں کی عصمت دری کرتے اور معاشرے میں دندناتے پھرتے ہیں، بے غیرت لوگ انہی کی عزت کرتے ہیں۔

بہر حال یہودی بدمعاشوں نے، مسلمانوں کی ایک بہن کی عزت و ناموس پر حملہ کرنے کی کوشش کی اور اس کے ایک غیرت مند بھائی کو قتل کر دیا، پس اب وہ مزید مہلت دیئے جانے کے قابل نہ رہے، اب وقت آ گیا، کہ انہیں، ان کے تمام جرائم کی سزا دی جائے، ایسی سزا جو باقی ماندہ لوگوں کے لئے عبرت بن جائے اور معاشرہ ہمیشہ کے لئے جرائم سے پاک ہو جائے، معاشرے کی بیٹی بے خوف و خطر زندگی بسر کر سکے، پس قائد اعظم ﷺ نے یہودیوں کے اس مجرم قبیلہ بنو قینقاع کو بلا تاخیر سزا دینے کا فیصلہ فرمایا، مشرف باسلام ہو کر، عزت کی زندگی بسر کرنا، یا ذلت و خواری کی سزا، جو وہ پسند کریں، انہوں نے اب بھی مسلمان ہونے سے انکار کر دیا، لہٰذا ذلت و خواری ان کا مقدر بن گئی، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ذلیل و خوار ہو کر نیست و نابود ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، بنو قینقاع کی بستی کا محاصرہ کر لیا، اس بستی میں صرف مردوں کی تعداد سو تھی، جن کے پاس تین سو زرہیں، اور تلواروں، نیزوں اور کمانوں کا بڑا ذخیرہ تھا، سواری کے لئے، اونٹوں اور گھوڑوں کی بھی کمی نہ تھی، کھانے پینے کا سامان بھی بکثرت موجود تھا، (لیکن بزدل تھے، یہودی ہمیشہ سے بزدل ہی ہوتے ہیں، آج کے یہودی بھی، اپنے آباء و اجداد کی طرح بے حد بزدل ہیں) پندرہ دن محاصرہ جاری رہا، لیکن، ایک تیر تک چلانے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی، جب کہ اسلام جنگ کی ابتداء کا حکم نہیں دیتا، لہٰذا صرف محاصرہ ہی رہا، پندرہ دن کے بعد بنو قینقاع نے شکست تسلیم کر لی، اور اپنے متعلق فیصلہ کا اختیار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے سپرد کر دیا، کہ میرے آقا ﷺ کو اپنے ہی نہیں بلکہ غیر اور یہودی جیسے بدترین دشمن تک پیکر عدل و انصاف تسلیم کرتے تھے، پس انہوں نے آپ ہی کو اپنا حکم بنایا، کہ آپ کے سوا، کسی سے انصاف کی امید نہ تھی، نیز انہوں نے کہا، کہ آپ جو

چاہیں فیصلہ کریں، ہم آپ کے ہر فیصلہ کے پابند ہوں گے، ہاں ممکن ہو تو ہماری یہ درخواست قبول کر لی جائے، کہ ہمیں مع اہل وعیال اور ساز وسامان کے مدینہ چھوڑ دینے کی اجازت مل جائے، ہم کسی دوسری جگہ آباد ہو جائیں گے، اگر حضور ہمارے اموال اور اسلحہ لینا چاہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہ ہوگا، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی، اور انہیں تین دن کے اندر مدینہ منورہ چھوڑ دینے کا حکم دیا، پس یہودیوں نے مدینہ چھوڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت عبادہ بن صامت اور محمد بن مسلمہ، کو ان پر نگران مقرر فرمایا۔

یہودیوں سے، حضرت عبادہ بن صامت کے عرصہ دراز سے تعلقات تھے اور بہت قریبی تعلق تھا، لہٰذا انہوں نے مقررہ مدت میں کچھ اضافہ کی درخواست کی، لیکن عبادہ تو محاصرے کے روز اول ہی، اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں سے ناطہ توڑ چکے تھے، لہٰذا انہوں نے نفی میں جواب دیا، اور کہا کہ وقت مقرر کی پابندی لازمی ہے، ورنہ تمہارے بقیہ لوگوں کو غلام بنالیا جائے گا، اور ساز وسامان پر قبضہ کر لیا جائے گا، ذلت وخواری کی یہ انتہا تھی، لیکن ان کے کرتوتوں کی سزا تھی، بدنصیب اگر معاہدے کی پابندی کرتے رہتے تو یہ دن نہ دیکھتے، اور اگر دعوت حق کو قبول کر لیتے تو دیگر غلامان رسول کی طرح ہمیشہ کے لئے امت مسلمہ کے سر کا تاج بن جاتے۔

کعب بن اشرف کا قتل

کعب بن اشرف، نسلاً اور اصلاً یہودی نہ تھا، اس کی ماں یہودیہ تھی، اپنی دولت وثروت کے سبب، حجاز میں بسنے والے ساری یہودیوں کا سرغنہ اور سردار بن گیا تھا، چونکہ سخی تھا، لہٰذا یہودیوں کی ضروریات بھی بڑی فراخدالی سے پوری کرتا تھا، مزید برآں، وہ تمام علماء یہود کو، معقول سالانہ وظائف دیا کرتا تھا، جو عبادت گاہوں، اپنی محافل اور گلی کوچوں میں اس کی قصیدہ خوانی کرتے رہتے تھے، اس لئے وہ یہودیوں کے تمام ہی قبائل میں ہر دل عزیز تھا، وہ بڑا قد آور عظیم الجثہ تھا، بڑا سر تھا، توند نکلی ہوئی تھی، بارعب شخصیت کا مالک تھا، لہٰذا قوم اس سے مرعوب ہی رہتی تھی۔

کعب، بھی اسلام اور مسلمانوں کے بدترین دشمنوں میں سے ایک تھا، مسلمانوں کے خلاف اس کے جرائم کی ایک طویل فہرست ہے، چند بدترین جرم یہ تھے۔

یہود سے جو معاہدہ ہوا تھا، اس نے کبھی اس کی پابندی نہیں کی۔

چونکہ فصیح اللسان اور قادر الکلام شاعر تھا، لہٰذا وہ اپنے اس فن کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت اور اسلام دشمنی کے لئے استعمال کیا کرتا تھا، اور محبوب عالم ﷺ کی ہجو میں اشعار کہتا تھا، اور اسلام دشمنوں کو مسلمانوں کے خلاف، اشعار سے بھڑکایا کرتا تھا۔

جب زید بن حارثہ اور عبداللہ بن رواحہ، غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی شاندار کامیابی کا مژدہ لے کر، مدینہ منورہ تشریف لائے، اور انہوں خصوصی طور پر، نام بنام، رؤسائے قریش کی ہلاکت کی خبر دی، تو سب سے پہلے کعب ہی نے انہیں جھٹلاتے ہوئے کہا، کہ اگر یہ سب سچ ہے، تو "لَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ مِّنْ ظَهْرِهَا" زمین پر زندہ رہنے سے بہتر اس کے اندر دفن ہو جانا ہے۔

صرف یہی شخص تھا جو کفار قریش کے ماتم میں شریک ہونے کے لئے مکہ آیا، مکہ میں قیام کے دوران یہ شکست خوردہ اہل مکہ کے جذبات کو بیدار کرتا، اور بھڑکاتا رہا، نیز انہیں، مقتولین کا بدلہ لینے کے لئے، مدینہ پر، بڑے حملہ کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کرتا رہا، اور یقین دلاتا رہا کہ وہ خود اور اس کی پوری قوم ان کا مکمل تعاون کرے گی۔

کعب بن اشرف کا نہایت ہی گھناؤنا اور بدترین جرم یہ تھا، کہ وہ اپنے اشعار میں صحابہ کرام کی عصمت شعار اور عفت مآب، بیویوں کا نام، لے، لے کر ذکر کرتا اور ان سے اپنے عشق و محبت اور فرضی افسانے بیان کرتا، اور یہ گندے، بیہودہ اشعار اپنی محفلوں میں سنایا کرتا تھا، جنہیں لوگ، مزے، لے، لے کر سنتے ٹھٹھے لگاتے، مقدس خواتین کا مذاق اڑایا کرتے تھے، مسلمانوں اور خود اس کے سنجیدہ لوگوں نے اسے بار بار منع کیا، کہ وہ ایسا نہ کرے، لیکن وہ باز نہ آیا۔

قارئین خود سوچیں، اور فیصلہ کریں، کہ کیا ایسے سنگین جرائم کا مرتکب شخص، کسی باوقار اور غیرت مند قوم کے لئے ایک لمحہ کے لئے بھی قابل برداشت ہو سکتا ہے، لیکن چونکہ پیکر صبر و حلم ﷺ نے، جذبات پر قابو رکھنے، اور دشمنوں کی باتوں، ان کی، ہرزہ سرائی اور ایذا رسانی پر صبر کرنے، اور حلم و بردباری کے ساتھ انہیں برداشت کرنے کی تعلیم دی ہے، لہٰذا اس وقت بھی غلاموں نے اپنے آقا ﷺ کی تعلیم پر عمل کیا، اور آج بھی اس تعلیم پر عمل پیرا ہیں، لیکن جب دشمن حد سے تجاوز کرنے لگے، اس کی حرکتیں، امت مسلمہ کی عزت و ناموس کے لئے، اس کے اتحاد کے لئے خطرہ بن جائیں، تو آقائے رحمت ﷺ ہی اس سے نجات حاصل کرنے کی اجازت دیتے ہیں کہ اب وہ ایسا زہریلا کیڑا بن چکا ہے، جس کی زندگی پوری قوم کے لئے خطرناک ہو سکتی ہے، لہٰذا اب اس کا کچل دینا ہی ضروری ہے، پس

آقائے کائنات ﷺ نے، ایک روز اپنے مخصوص صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا، "مَنْ يَّنْتَدِبُ لِقَتْلِ كَعْبٍ" "کعب کو قتل کرنے کے لئے کون تیار ہے" سب سے پہلے، قبیلہ اوس کے محمد بن مسلمہ عرض گزار ہوئے، "اَنَا اَتَكَفَّلُ لَكَ بِهٖ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" "یارسول اللہ: اسے قتل کرنے کی ذمہ داری میں قبول کرتا ہوں، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، کامیابی و کامرانی کے لئے دعا کی، نیز فرمایا،

کہ سعد بن معاذ (جو قبیلہ کے سردار تھے) سے ضرور مشورہ کر لینا، اس ارشاد کے مطابق محمد بن مسلمہ نے سعد بن معاذ کو بتایا، کہ میں نے یہ ذمہ داری قبول کر لی ہے، حضرت سعد نے تائید کی اور اپنے تعاون کا یقین دلایا۔

محمد بن مسلمہ نے، ذہنی منصوبہ تیار کیا، اور اپنی قریبی دوستوں، حضرت ابو نائلہ، عباد بن بشیر، حارث بن اوس اور ابو عبس بن جبیر، کے پاس پہنچے، اور انہیں اس ذمہ داری کی اطلاع دی جو انہوں نے بارگاہ رسالت میں قبول کی تھی، نیز اس ذمہ داری کی تکمیل کے لئے انہوں نے جو منصوبہ بنایا تھا، اس کو بیان کیا، ان حضرات نے حضرت محمد بن مسلمہ کی تائید کی اور اپنے مکمل تعاون کا یقین دلایا اور اسی وقت سے کام شروع کر دیا۔

منصوبہ کے مطابق ایک روز، محمد بن مسلمہ، تنہا، کعب کے پاس پہنچے، اور انہوں نے جنگی تدبر کے مطابق، بادل ناخواستہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کا انداز اختیار کرتے ہوئے، کعب کو اپنی تنگی کا حال بتایا، کہ میں تم سے چند من غلہ لینے آیا ہوں، تا کہ کچھ دن گزارہ ہو سکے، کعب، محمد بن مسلمہ کی گفتگو سن کر خوش ہوا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف بیہودہ باتیں کرنے لگا، جسے محمد بن مسلمہ نہایت ہی صبر کے ساتھ برداشت کرتے رہے، آخر کار کعب انہیں غلہ دینے پر اس شرط کے ساتھ راضی ہوا، کہ محمد بن مسلمہ اپنی کوئی چیز رہن رکھ دیں، انہوں نے از خود پیش کش کی کہ میں اپنا اسلحہ تمہارے پاس رہن رکھ دوں گا، دراصل اس بہانہ وہ مسلح ہو کر، کعب کے پاس پہنچنا چاہتے تھے، کعب نے اس پیش کش کو قبول کیا اور محمد بن مسلمہ واپس آ گئے، کچھ ہی دیر بعد ابو نائلہ، کعب کے پاس پہنچے، انہوں نے ذرا مختلف انداز سے گفتگو کی اور اپنی آمد کا مقصد وہی بتایا، کہ مجھے کچھ غلہ درکار ہے، نیز انہوں نے کہا، کہ میرے کچھ اور ساتھی بھی اس مقصد کے لئے تم سے ملنا چاہتے ہیں، اگر تم اجازت دو تو میں کسی دن انہیں بھی لے آؤں، کعب تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دشمنی میں غرق تھا، اسے آپ کے خلاف باتیں کرنے اور سننے میں مزا آتا تھا، نیز وہ مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنے کی غرض سے، ان کی ہر ضرورت پوری کرنے پر آمادہ تھا، لہٰذا اس نے، ابو نائلہ کو بخوشی اجازت دی کہ تم جسے لانا چاہتے ہو لے آؤ، میں تم لوگوں کی ضرور مدد کروں گا۔

اب پروگرام کے مطابق، مہم کا آخری مرحلہ آ گیا تھا، جس کے لئے ایک چاندنی رات کا وقت مقرر کیا گیا، روانگی سے پہلے، یہ پانچوں حضرات، پہلے آقا ﷺ سے اجازت اور دعا لینے کی غرض سے، آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، آپ ان مجاہدین کو رخصت کرنے کے لئے، بقیع تک تشریف لے گئے، اور دعاؤں کے ساتھ الوداع کیا، آقا ﷺ کی دعاؤں کے سہارے، غلام اپنے شکار کی طرف

روانہ ہوئے، کعب بن اشرف کے گھر پہنچے، وہ ان سے بہت اچھی طرح ملا، ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں اوران حضرات نے کعب کو اپنے ہمراہ، شعب العجوز (ایک تفریحی مقام) جانے کے لئے تیار کر لیا، اب جال بچھ چکا تھا، اور شکار پھنسا ہی چاہتا تھا، شعب العجوز پہنچ کر مزید بے تکلفی بڑھی، شعرو شاعری ہوتی رہی، کعب نے کچھ تازہ اشعار سنائے، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجو میں تھے، پس ابو نائلہ نے اس کو دھکا دیا، اور ساتھیوں سے کہا، ''اِضْرِبُوْا عَدُوَّ اللّٰهِ'' اللہ کے دشمن کو مارو، پانچوں نے اتنی تیزی اور تواتر سے مارا، کہ بد بخت اپنی مدد کے لئے بھی کسی کو نہ پکار سکا، تلواروں سے اتنے زبردست حملہ کیے، کہ جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہوگئے، سر تن سے جدا کیا، اور ساتھ لے کر چل دیئے، تھوڑی ہی دیر میں ہر طرف سے یہودی آتے دکھائی دیئے، اور مجاہدین ایک محفوظ راستہ سے نکل کر، جب بقیع کے قریب پہنچے، تو بآواز بلند، نعرۂ تکبیر لگایا، اللہ کے رسول ﷺ نے سنا تو جوابی نعرہ بلند کیا، غلام، آقا کے دربار میں حاضر ہوئے، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن کا سر آقا ﷺ کے قدموں میں ڈالا، آپ نے دعائیہ کلمہ ارشاد فرمایا، ''اَفْلَحَتِ الْوُجُوْهُ'' اللہ ان مجاہدوں کو سرخرو کرے، غلاموں نے آقا کو بھی دعاء میں شامل کرتے ہوئے کہا، ''وَ وَجْهُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ'' یارسول اللہ! آپ کو بھی سرخرو کرے، کہ ہر کامیابی وکامرانی کا سرچشمہ آپ کی ہی تو ذات ہے۔

بعض مؤرخین نے کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ سن تین ہجری کے واقعات میں شمار کیا، تاہم اس کا واقعہ کی صحت سے کوئی تعلق نہیں، کعب کی ہلاکت سے یہودی خاصے تڑپے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف ان کی بکواس میں اضافہ ہوا، لیکن ہر دور کے یہودیوں کی طرح وہ بھی بزدل تھے، مسلمانوں سے بے حد مرعوب تھے، اس واقعہ نے انہیں مزید خوفزدہ کر دیا، لہٰذا کسی کی ہمت نہ ہوئی، کہ وہ اپنے محبوب سردار کے انتقام کی بات کرتا، یا مسلمانوں کی آبادی میں آکر، مردانگی دکھاتا، جب یہ خبر اطراف مدینہ اور مکہ پہنچی، تو یہاں کے یہود، کفار ومشرکین پر بھی تقریباً ایسا ہی اثر ہوا، کہ مسلمانوں کی بلند ہمتی سے وہ بھی خوفزدہ ہونے لگے۔

2 ہجری میں ہی مؤرخین نے ''غزوۂ قرقرۃ الکدر'' اور ''غزوۂ بحران'' ''سریۂ زید بن حارثہ'' کا بھی ذکر کیا ہے، ان مہموں میں دشمنوں سے مقابلہ تو نہ ہوا تاہم دشمن کا چھوڑا ہوا کافی مال، مال غنیمت ملا، جس سے مسلمانوں کی معاشی حالات پر بہتر اثرات پڑے۔

الحمد للہ، ہجرت کے دوسرے سال کے اہم واقعات کا تذکرہ ختم ہوا، اب ہم ہجرت کے تیسرے سال کا مطالعہ کرتے ہیں، بعون اللہ ورسولہ۔

مدنی زندگی

ہجرت کا تیسرا سال

غزوۂ احد، شہادت امیر حمزہ، حضرت حنظلہ کی شہادت، ایک خطرناک لغزش، افسوسناک انجام، جنگ میں خواتین کا کردار، زیارت شہدائے احد، غزوۂ حمراء الاسد، حضرت حفصہ سے نکاح، سیدہ ام کلثوم کا نکاح، زینت بن خزیمہ سے نکاح، حضرت امام حسن کی ولادت، دیگر شرعی احکام،

ہجرت کا تیسرا سال

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

(آل عمران)

غزوۂ احد

ہجرت کے تیسرے سال کا اہم ترین واقعہ، غزوۂ احد ہے۔

دور جاہلیت میں جہالت کے اثرات میں سے ایک یہ بھی تھا، کہ اگر ایک قبیلہ، کسی دوسرے قبیلہ کے ایک فرد کو قتل کر دیتا تھا، تو فریقین کے لئے جنگ فرض ہو جاتی تھی دونوں ایک دوسرے سے انتقام لیتے رہتے تھے اور یہ سلسلہ برسوں جاری رہتا تھا، صلح وصفائی کا تو تصور تک نہ تھا صرف انتقام کی آگ تھی، جو بھڑکتی رہتی اور دن بدن بڑھتی ہی رہتی تھی، کوئی پانی ایسا نہ تھا جو اس آگ کو بجھا سکتا، غزوۂ بدر میں، قریش کے ستر رؤسا ہلاک ہوئے تھے، تو اس آگ کے تو بجھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا اور یہ بھی کوئی معمولی سردار نہ تھے، سب ہی بڑے نامی گرامی اور اپنی قوم کے سرغنہ افراد تھے، قوم کے سر کا تاج تھے، اس کی عزت وآبرو تھے، لہٰذا ان کی ہلاکت سے مکہ کے بچے، بوڑھے، مرد وعورت بالخصوص نوجوان سب ہی نہایت برافروختہ تھے، جس کا اظہار، شب وروز وہ اپنی محافل، مجالس، حتیٰ کہ کاروباری اوقات کرتے رہتے، کوئی انہیں روکنے والا نہ تھا، ان کے پاس کوئی معلم نہ تھا، جو انہیں صبر وتحمل کا درس دیتا،

سب کے سب جاہل ہی تھے۔

وادئ بدر میں قریش مکہ کی شکست صرف جنگی نوعیت کی اور سیاسی قسم کی نہ تھی، بلکہ اس پسپائی نے، ان کو زندگی کے ہر شعبہ میں پسپا کر دیا تھا، سیاسی اعتبار سے تو وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے تھے، معاشی اور معاشرتی اعتبار سے بھی انہیں ناقابل تلافی نقصان ہوا تھا، جس کی تلافی کے لئے وہ ہر لمحہ مضطرب اور بے چین رہتے تھے، معرکۂ بدر سے پہلے ہی، ان کی تجارتی شاہراہ پر امن نہ رہی تھی، اس معرکہ کے بعد تو اب یہ راستہ، ان کے لئے تقریباً بند ہو چکا تھا کیونکہ انہیں یقین تھا، کہ جنگ میں کامیابی نے مسلمانوں کو اتنا جری اور بہادر بنا دیا ہے، کہ ہمارے قافلوں کا ان سے محفوظ رہنا قطعاً ممکن نہیں، گویا اب انہیں اپنا سلسلۂ تجارت ختم ہوتا نظر آ رہا تھا، گویا معاشی حالت اور سیاسی شہرت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔

سب سے بڑا درد، جو انہیں ہر لمحہ تڑپائے رکھتا تھا، اور جس کی وجہ سے ان کی رات کی نیندیں اڑ گئی تھیں اور دن کا سکون ختم ہو گیا تھا نہ وہ چین سے کاروبار کر پاتے تھے، اور نہ ہی ان کے لئے لٹے پٹے معاشرے میں شادی، بیاہ کی خوشیوں کا کوئی تصور رہا تھا، یہ ان ستر مقتولین کا درد تھا، جن میں ان کے، چوٹی کے متعدد سردار بھی شامل تھے، مکہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا، جس کا کوئی فرد ہلاک نہ ہوا ہو، کوئی باپ ایسا نہ تھا، جو اپنے بیٹے سے محروم نہ ہوا ہو، پس ان کے پاس سوائے اس کے کوئی راستہ نہ تھا، کہ وہ ایک بار پھر انتقام کے لئے آگے بڑھیں، اور اپنے مقتولین کا بدلہ لیں، اپنی سیاسی، معاشی اور معاشرتی ساکھ کو بحال کرنے کے لئے، ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہ تھا، سوائے اس کے کہ وہ پھر مدینہ منورہ پر حملہ کریں، پس انہوں نے اپنے دل کی بھڑاس نکالی لیکن مقصد حاصل نہ کر سکے۔

عملی اقدام

قریش کے سردار، جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی شامل تھا، ابوسفیان کے پاس پہنچے، اور کہنے لگے، کہ ہمارے دکھ پر ایک سال سے زیادہ عرصہ بیت چکا ہے، ہمارا ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے، لیکن ہم اب تک کوئی مداوا نہ کر سکے، لہٰذا اب بلا تاخیر، ہمیں پوری تیاری کے ساتھ مدینہ پر حملہ کرنا، اور دشمن کو تہس نہس کر دینا چاہیے، یہ ہماری مجبوری ہے، کہ اس کے بغیر ہمیں سکون میسر نہیں آ سکتا، اور نہ ہی لٹی پٹی، عزت و آبرو، واپس مل سکتی ہے، ابوسفیان نے اس پر فوراً آمادگی کا اظہار کیا، اور فیصلہ کیا گیا، کہ ہمیں مزید قوت کے لئے قبائل عرب کا تعاون بھی حاصل کرنا چاہیے اور ان سے جنگ میں شریک ہونے کی درخواست کرنا چاہیے، اس مقصد کے لئے انہوں نے اطراف عرب میں اپنے سفیر روانہ کیے، لیکن کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی، کیونکہ عرب کے قبائل مسلمانوں سے خوفزدہ تھے۔

اہل عرب کے لئے، جنگ کے موقع پر عورتوں کی بہت اہمیت تھی، کہ ان کا رقص وسرور، ان کا گانا بجانا، ان سے ہنسی مذاق، جنسی چھیڑ چھاڑ، ان کے سپاہیوں کے لئے، فرحت وسکون اور تقویت کا ذریعہ تھا، لشکر کے آگے، آگے عورتوں کا نظر آنا، ان کی ہمت میں اضافہ کا باعث ہوتا تھا، میدان جنگ میں جب فوجیوں کے سامنے کوئی عورت آجاتی، تو اس میں ایسی جرأت پیدا ہو جاتی، کہ وہ اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے تو تیار ہو جاتا تھا، لیکن اسے پیچھے ہٹنا ہرگز گوارا نہ ہوتا تھا، بہت سی عورتیں وہ تھیں، جن کی اولاد، غزوۂ بدر میں ہلاک ہو چکی تھی اور انہوں نے قسمیں کھائی ہوئی تھیں کہ وہ اپنے دشمنوں کا خون پی کر ہی، سکون کا سانس لیں گی، لہٰذا جب فوج تیار ہوئی، تو عورتوں کا بھی ایک قافلہ تیار کیا گیا، جس میں بڑے بڑے معزز گھرانے کی خواتین، بڑی خوشی اور مسرت کے ساتھ شریک تھیں، ان میں ہند قابل ذکر ہے، جس کے باپ، عتبہ کو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ نے قتل کیا تھا اور ہند نے اسی وقت قسم کھائی تھی کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کا کلیجہ نکالے اور چبائے گی، حضرت حمزہ نے جبیر ابن مطعم کے چچا کو بھی قتل کیا تھا، ہند نے جبیر کے غلام وحشی کو آمادہ کیا تھا، کہ وہ حضرت حمزہ کو قتل کرے، جس کے عوض اسے آزاد کر دیا جائے گا، وحشی کو تیز اندازی میں کمال حاصل تھا، (پورا واقعہ آگے آتا ہے)۔

جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس، حضور کی ہدایت کے مطابق مکہ میں ہی قیام پذیر تھے، عالم غیب رسول نے انہیں اسی دن کے لئے مکہ میں رہنے کا حکم دیا تھا، پس انہوں نے، مکہ میں جنگی تیاریوں کا تمام حال لکھا، اور ایک قاصد کو بند مکتوب دے کر مدینہ طیبہ روانہ کیا جسے ہدایت کی کہ وہ جلد از جلد مدینہ پہنچے، اور آقا ﷺ کی بارگاہ میں ان کا مکتوب پیش کرے۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، چچا کا مکتوب ملا، تو آپ نے بلا تاخیر، جوابی جنگ کے اقدامات اور ضروری تدابیر کا آغاز کر دیا، اس سلسلہ میں آپ نے حضرت انس اور مونس کو روانہ کیا، کہ وہ مکہ کے راستہ پر پہنچیں اور کفار کے لشکر سے متعلق معلومات حاصل کریں، پس ان دونوں حضرات نے، آقا کی ہدایت پر عمل کیا، اور واپس آکر بتایا، کہ قریش مدینہ کے قریب پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے، ہماری ایک چراگاہ، عریض کو صاف کر ڈالا ہے، معاً، آپ نے خباب بن منذر کو کفار کی نفری معلوم کرنے کے لئے بھیجا، انہوں نے واپس آکر صحیح تخمینہ سے مطلع کیا، چونکہ شہر پر حملہ کا خطرہ تھا، لہٰذا ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے حضرت سعد بن عبادہ اور سعد بن معاذ مسلح ہو کر ساری رات مسجد نبوی شریف پر پہرہ دیتے رہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صبح صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا، اکابر صحابہ کی رائے تھی، کہ مدینہ کے اندر رہ کر ہی دشمن کا مقابلہ کیا جائے، عبداللہ بن ابی بن سلول، جسے اب تک کسی مشورے میں شریک

نہیں کیا گیا تھا، اس نے بھی یہی رائے دی، لیکن جو نوجوان صحابہ جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے انہوں نے مدینہ سے باہر نکل کر، مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا، جسے اللہ کے محبوب ﷺ نے بھی پسند فرمایا، کیونکہ آپ کسی طور پسند نہ فرماتے تھے کہ شہر کا امن وامان تہ وبالا ہو، نیز عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو دشواریوں اور پریشانیوں کا بلاوجہ سامنا کرنا پڑے۔

لشکر کفار نے، بدھ کے دن، پہنچ کر، احد پر خیمے گاڑھ دیئے تھے، جب کہ آقا ﷺ، جمعہ کے دن، نماز جمعہ کے بعد، ایک ہزار صحابہ کو لے کر مدینہ سے باہر تشریف لائے، اس لشکر میں، عبداللہ بن ابی کے ساتھ تین سو منافقین بھی شریک تھے، لیکن عبداللہ بن ابی، ان منافقین کو اپنے ہمراہ لے کر واپس چلا گیا، اور بہانہ، یہ بنایا، کہ میری رائے نہیں مانی گئی، لہٰذا میں اور میرے ساتھی جنگ میں حصہ لینے پر تیار نہیں، اب صرف سات سو کی نفری باقی رہی، ان میں ایک سو زرہ پوش تھے، مدینہ سے باہر آ کر، سالار اعظم ﷺ نے فوج کا معائنہ کیا، اور حکم دیا، کہ کم عمر بچوں کو واپس بھیج دیا جائے، ان میں حضرت زید بن ثابت، براء بن عازب، ابوسعید خدری، عبداللہ بن عمر اور عرابہ اوسی، بھی شامل تھے، لیکن جاں نثاری کا یہ جذبہ تھا، کہ جب حضرت رافع بن خدیج کو واپسی کا حکم ملا، تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے، تاکہ قد لمبا نظر آئے، ان کی یہ ترکیب کارآمد ثابت ہوئی اور انہیں فوج میں شامل کر لیا گیا، سمرہ جو رافع کے ہم عمر تھے، کہنے لگے، کہ میں رافع کو لڑائی میں پچھاڑ دیتا ہوں، لہٰذا مجھے بھی فوج میں شامل کیا جائے، پس دونوں کا مقابلہ کرایا گیا، اور سمرہ نے رافع کو نہایت آسانی سے زمین پر دے مارا، لہٰذا انہیں بھی مجاہدین میں شامل ہونے کی اجازت مل گئی۔

آنحضرت ﷺ نے، کوہ احد کو پیچھے رکھا، اور صف آرائی فرمائی، حضرت مصعب بن عمیر کو علم عطا ہوا، جب کہ حضرت زبیر بن العوام لشکر کے افسر مقرر ہوئے، نیز حضرت حمزہ کو لشکر کے اس حصہ کی کمان ملی جو زرہ پوش نہ تھا، اور چونکہ احتمال تھا کہ کہیں پشت کی طرف سے دشمن حملہ نہ کر دے، لہٰذا عبداللہ بن جبیر کی قیادت میں، پچاس مجاہدین کی ایک جماعت کو پہاڑ کے اوپر نگرانی کے لئے مقرر کیا گیا، تاکہ کوئی خطرہ نہ رہے، اور ان سپاہیوں کو ہدایت دی گئی، کہ فتح ہو یا اس کے برعکس کوئی صورت پیش آئے، ان میں کوئی بھی اپنی جگہ سے نہ ہلے۔

چونکہ کفار مکہ کو بدر میں تلخ تجربہ ہو چکا تھا، لہٰذا، ایک تو وہ پوری تیاری سے مسلح ہو کر، بڑی سج دھج کے ساتھ آئے تھے، اگرچہ جو تکبر وغرور ان کی ذلت وخواری کا سبب بنا تھا، ان میں، اب بھی اس کی کمی نہ تھی، ان کی سجی دھجی عورتیں، فخر ومباہات کے گانے گاتی آگے آگے تھیں اور طبل کی تھاپ پر خود ناچ رہی تھیں، جنگ پر آمادہ کرنے والے ان کے گیت، اور ان کے تھرتھراتے جسم، فوج کے جذبات کو ابھار

رہے، اوران میں جوش پیدا کر رہے تھے۔

آغاز جنگ

غزوۂ احد ہی میں یہ آیت مبارک نازل ہوئی، وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ بندگان الٰہی کو وعدۂ الٰہی پر، غیر متزلزل یقین تھا، اور یہی ان کا سرمایہ جنگ تھا، یہی سب سے زیادہ دشمن کو تباہ کرنے والا اسلحہ تھا، یہی ان کی قوت و طاقت تھی، اور اپنے رب کے اسی وعدے کے سہارے وہ پرامید تھے، اور دشمن کو تہس نہس کر دینے کے لیے مضطرب و بے چین تھے۔

ابوسفیان رات کی تاریکی میں مدینہ پر حملہ کر کے، ہلاک شدگان کا انتقام لینے کی کوشش کر چکا تھا، لیکن ناکام رہا تھا، غزوۂ سویق کے موقع پر اسے خوفزدہ ہو کر ناکام ہی بھاگنا پڑا تھا، لہٰذا اب انہوں نے فیصلہ کیا کہ کوئی اجتماعی کوشش کی جائے جو یقیناً کامیاب ہو، غزوۂ بدر سے پہلے جو تجارتی قافلہ مال و دولت لے کر واپس آنے میں کامیاب ہو گیا تھا، اس کا سب سامان، اب تک دارالندوہ میں محفوظ تھا، لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ اصل مال تو مالکوں کو واپس کر دیا جائے اور منافع جنگ میں صرف کیا جائے، ابوسفیان نے اس تجویز کو منظور کیا اور سب سے پہلے اپنا اور اپنے خاندان کا منافع دینے کا اعلان کیا، منافع کی کل رقم موجودہ حساب سے تقریباً پچاس ہزار پونڈ بنتی تھی، جو اس زمانہ کے اعتبار سے ایک بڑا سرمایہ تھا۔

سرمایہ کے انتظام سے مطمئن ہو کر، ان لوگوں نے افرادی قوت جمع کرنا شروع کی، اس مقصد کے لئے صرف اہل مکہ ہی کو نہیں، بلکہ اطراف مکہ میں آباد قبائل کو بھی دعوت دی گئی، جو قبائلی مسلمانوں کے خون کے پیاسے تھے انہوں نے شرکت کا وعدہ کیا، جب کہ اکثر قبائلی، جو مسلمانوں سے مرعوب ہو چکے تھے، اس جنگ میں شرکت پر آمادہ نہ ہوئے، بہر حال، تین ہزار افراد پر مشتمل، لشکر جمع کر لیا گیا، جن میں قریش کے علاوہ بنو کنانہ، اہل تہامہ اور مختلف قبائل شامل تھے، ان میں سات سو زرہ پوش اور تین سو گھڑ سوار تھے، جبیر بن مطعم کے حبشی غلام وحشی کو لشکر میں خصوصی طور پر شامل کیا گیا، یہ ایک اچھا تیر انداز تھا، کبھی اس کا نشانہ خطا نہ ہوتا تھا، چونکہ اس کے سپرد نہایت بڑا کام کیا گیا تھا، یعنی حضرت حمزہ کو قتل کرنا، جو جبیر بن مطعم اور ہندہ کی بڑی خواہش تھی، لہٰذا اسے لشکر میں خصوصی اہمیت دی جا رہی تھی، مختصر یہ کہ اپنی ظاہری و مادی قوت پر ناز کرتے ہوئے، لشکر کفار، مکہ سے روانہ ہوا، اور احد پہنچ کر خیمہ زن ہو گیا، جنگی انتظامات سے زیادہ ان کی توجہ، کھانے پینے، رقص و سرور اور عیش و عشرت کی طرف تھی، کیونکہ وہ کامیابی کو تو اپنا مقدر سمجھ بیٹھے تھے، لیکن بہر حال لڑنے کے لئے آئے تھے، تو کچھ تیاری تو کرنی ہی تھی، عیاشی سے فارغ ہو کر انہوں نے صف بندی کی طرف توجہ دی، چونکہ بدر میں خاصی مار کھا چکے تھے اس لئے وہ ان غلطیوں کا اعادہ نہیں کرنا چاہتے تھے جو ماضی میں ان کی ہزیمت کا باعث بنی تھیں، پس

اب وہ صف بندی میں بے حد محتاط تھے، کہ صف بندی پر ہی جنگ کا دارومدار ہوتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لشکر اسلام سے خطاب

آغاز جنگ سے پہلے، اللہ کے رسول ﷺ مجاہدین سے خطاب ضرور فرمایا کرتے تھے، جس کا مقصد جنگ سے متعلق ضروری احکامات بیان کرنا، جنگ کی حکمت عملی واضح کرنا، اور حالات کے مطابق، جنگ میں، بروقت اقدامات سے متعلق ضروری ہدایات دینا ہوتا تھا آج آپ نے غلاموں کو جس خطبہ سے نوازا وہ اگرچہ بہت طویل تھا، لیکن نہایت مفید و مؤثر بھی تھا، چند اقتباسات ہدیۂ ناظرین ہیں:

بے شک اللہ تعالیٰ، اس کا ساتھی ہوتا ہے، جو اس کا فرمانبردار ہوتا ہے اور بے شک شیطان اس کے ساتھ ہوتا ہے، جو اللہ کا نافرمان ہوتا ہے۔

جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے، اس کی پابندی لازم جانو، کیونکہ میں تمہاری ہدایت پر بہت حریص ہوں۔

جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، اس پر دس بار درود بھیجتے ہیں۔

جو شخص کسی مسلمان یا کافر پر احسان کرے، اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر لازم ہو جاتا ہے، دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

میرے دل میں جبرئیل امین نے یہ بات ڈال دی ہے، کہ کوئی آدمی اس وقت تک نہ مرے گا، جب تک اپنے رزق کا آخری لقمہ بھی پورا پورا حاصل نہ کرے گا۔

پس اللہ تعالیٰ جو تمہارا پروردگار ہے، اس سے ڈرتے رہو۔

اور رزق طلب کرنے میں خوب صورت (حلال) ذرائع اختیار کرو، اور رزق ملنے میں تاخیر، تمہیں، اس بات پر برانگیختہ نہ کرے، کہ تم اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے اسے طلب کرو، کیونکہ جو چیز اس کے پاس ہے، وہ اس کی فرمانبرداری سے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے اس طرح ہے، جیسے سر جسم کے لئے، جب سر بیمار ہوتا ہے، تو سارا جسم بیمار ہو جاتا ہے۔[1]

اس خطبہ مبارک سے فارغ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگ سے متعلق خصوصی احکام صادر فرمائے، پہلا حکم یہ تھا، کہ جب تک میں تمہیں حکم نہ دوں، کوئی شخص جنگ کا آغاز نہ کرے، (کہ جنگ کے لئے سالار جنگ کی اطاعت نہایت ہی اہم ہوتی ہے)۔

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں، ٹیلہ پر، جن پچاس جانبازوں کی جماعت متعین فرمائی گئی تھی انہیں خصوصی ہدایت دی گئی، کہ وہ کسی بھی موقع پر ٹیلہ سے نیچے نہ آئیں، اور اپنا مورچہ

نہ چھوڑیں، دشمن پر پوری نظر رکھیں، کہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر پائے، اچھی طرح سن لو، کہ اگر تم مورچہ پر ڈٹے رہے تو حالات ہمارے قابو میں رہیں گے، اگر ضرورت پڑے تو، دشمن پر تیر برساتے رہنا، اے اللہ! تو گواہ رہنا، کہ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔

معلم حکمت و دانائی ﷺ نے، مورچہ پر متعین مجاہدین کے لئے کس قدر واضح ہدایت فرمائی، کیونکہ ان حضرات کی ذرا سی غلطی سے حالات نہایت ہی ہولناک صورت اختیار کر سکتے تھے، اور ایسا ہی ہوا، آگے ملاحظہ فرمایئے، اور اللہ کے نبی کی نافرمانی کے انجام پر غور کیجئے۔

فریقین آمنے سامنے

اب جنگ کے آغاز، حق و باطل کے درمیان ایک مرتبہ پھر، فیصلے کا وقت آیا ہی چاہتا تھا، اسلام اور کفر کے لشکر آمنے سامنے آ چکے تھے، کفار کو اپنی ظاہری و مادی قوت و طاقت پر ناز ہے، جب کہ اہل ایمان کو اللہ پر اعتماد، اپنے آقا ﷺ کی قیادت پر بھروسہ اور قوت ایمان پر ناز ہے، کفار تکبر و غرور سے اکڑے ہوئے، اور مسلمان اپنے رب کریم کے حضور سر خمیدہ تھے، بڑا فرق تھا دونوں میں، ایک لشکر، بظاہر بے سرو سامان تھا، تو دوسرا ساز و سامان اور ہتھیاروں سے لیس، ایک لشکر رحمانی تھا، تو دوسرا شیطانی، حق و باطل کا مقابلہ تھا، جب کہ پہلے ہی باطل ذلیل و خوار ہو چکا تھا، لیکن، باطل بے شرم ہوتا ہے، بے غیرت ہوتا ہے، ضدی اور ہٹ دھرم ہوتا ہے، پس حق سے مار کھا چکنے کے بعد پھر حق کے سامنے آ، کھڑا ہوا تھا۔

ابوسفیان جنگ کی ابتداء اپنی فطری مکاری اور چالاکی سے کرتا ہے، اس نے اوس و خزرج کے لوگوں کو پیغام بھیجا، کہ ہمارے تمہارے تعلقات دیرینہ ہیں، دونوں کے، ایک دوسرے سے تجارتی و معاشی مفادات بھی وابستہ ہیں، ہم ہرگز تم سے لڑنا گوارا نہیں کرتے، ہم چاہتے ہیں کہ تم درمیان سے ہٹ جاؤ، اور ہمیں ان لوگوں سے نمٹنے دو، جو ہمارے رشتہ دار بھی ہیں اور ہم وطن بھی، انہوں نے ہماری پناہ حاصل کی ہوئی ہے، ابوسفیان کو اپنی مکاری پر ناز تھا، کہ وہ لوگوں کو دھوکے دیتا رہتا تھا، اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے مکر و فریب سے مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے میں کامیاب ہو جائے گا، اسے پتہ نہ تھا کہ آج اس کا واسطہ غلاموں کے ایک ایسے لشکر سے پڑا ہے، جن کے آقا نے انہیں "بنیان مرصوص" بنا دیا ہے، وہ ایک دوسرے سے ایسے جڑے ہوئے ہیں، جیسے جسم کے اعضاء یا ایک دیوار کی اینٹیں، یہ اخوت کی رسی ہیں، تسبیح کے دانوں کی طرح پرو دیئے گئے ہیں، اب انہوں نے مل کر، یک جان ہو کر تھام لیا ہے، ان کی کسی ٹولی کا جدا ہونا تو کیا، ایک فرد کا بھی علیحدہ ہو جانا ... غرضیکہ ابوسفیان شاید پہلی مرتبہ اپنی مکاری میں ناکام ہوا، اور یہ اس جنگ میں کافروں کے

لئے، ناکامی ونامرادی کا پہلا پیغام تھا۔

ابو دجانہ کے لئے اعزاز

آغاز جنگ سے پہلے، حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تلوار نکالی اور فرمایا، "مَنْ يَّاْخُذُ هٰذَا السَّيْفَ بِحَقِّهٖ" کون اس تلوار کو اس عزم کے ساتھ لیتا ہے کہ وہ اس کا حق ادا کرے، مجاہدین سے کئی حضرات پیش ہوئے، اور تلوار لینے کی خواہش ظاہر کی، لیکن یہ اعزاز، عرب کے مشہور بہادر حضرت ابو دجانہ کے مقدر میں تھا، وہ آگے بڑھے اور عرض گزار ہوئے، "مَا حَقُّهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" یا رسول اللہ! اس کا کیا حق ہے، آپ نے فرمایا، "اَنْ تَضْرِبَ بِهِ الْعَدُوَّ حَتّٰى يَنْحَنِيَ" کہ اس سے تو دشمن کو اتنا مارے کہ یہ ٹیڑھی ہو جائے، ابو دجانہ نے عرض کی، یا رسول اللہ میں اس شرط پر تلوار لیتا ہوں، پس تلوار ابو دجانہ کو نصیب ہوئی، ان کا ایک سرخ دوپٹہ تھا، جسے "عِصَابَةُ الْمَوْتِ" موت کا دوپٹہ کہا جاتا تھا، جب وہ یہ دوپٹہ سر پر باندھ لیتے تھے، تو لوگوں کو یقین ہو جاتا تھا، کہ بس اب دشمن کی خیر نہیں ہے، گویا دوپٹہ، ابو دجانہ کی شجاعت و جرأت کا علم تھا اور دشمن کے لئے موت کا پیغام، پس ابو دجانہ نے دوپٹہ، زیب سر کیا، اور آقا ﷺ کا عطیہ زیب دست، اب وہ تلوار چمکاتے، بڑے ہی غرور کی چال چلنے لگے، آقا نے اپنے باہمت و باعزم غلام پر نظر کرم ڈالی، تو مسکرائے اور فرمائے، "یہ چال اللہ کو بالکل پسند نہیں، سوائے میدان جہاد کے"۔

اب جنگ شروع ہوتی ہے

جنگ کی ابتداء کفار کی طرف سے ہوئی، کہ وہی جنگ کرنے آئے تھے، اور شمع اسلام کو بجھانے، نیز مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے فریب میں مبتلا تھے، جب کہ مسلمان نہ کسی پر حملہ آور ہوتا ہے اور نہ ہی جنگ کی ابتداء کرتا ہے، کہ اسلام تو امن و آشتی کا درس دیتا ہے، دہشت گردی کو، ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے، پیغامبر امن ﷺ کو یہ کب گوارا ہو سکتا ہے کہ انسان، انسان ہی کو قتل کرے، یا اس کی عزت و آبرو کو پامال کرے، اور اسے ہراساں و خوفزدہ کرے، وہ تو آقائے رحمت ہیں، ہر کسی کے لئے ان کا دامن رحمت کشادہ اور کھلا ہوا ہے۔

جس کافر نے جنگ کی ابتدا کی وہ، ابو عامر، تھا، یہ خبیث اپنے پچاس ساتھیوں کے ہمراہ میدان جنگ میں آکر چلایا، "يَا مَعْشَرَ الْاَوْسِ اَنَا اَبُوْ عَامِرٍ" اے گروہ اوس، میں ابو عامر ہوں، اس کو غلط فہمی تھی، کہ اس کا نام سن کر، اوس کے نوجوان، اس کی طرف دوڑتے چلے آئیں گے، لیکن اس کی ساری آرزوئیں خاک ہو گئیں، جب اس نے جواب سنا، "لَا اَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا يَا فَاسِقُ" اے

اللہ تیری آنکھوں کو کبھی ٹھنڈا نہ کرے۔

یہ سنتے ہی فاسق، بے قابو ہو گیا، جنگ شروع کردی، لشکر اسلام پر تیروں کی بارش ہونے لگی، تیر ختم ہو گئے، تو پتھر برسائے جانے لگے، مکہ کی شریف زادیاں، میدان میں ناچ رہی تھیں، گا رہی تھیں، مقتولین بدر کی یاد، دلا رہی تھیں، تاکہ ان کے سورما، پیچھے نہ ہٹنے پائیں۔

مسلمان اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے، انہوں نے اب تک ایک تیر بھی نہ چلایا تھا، کہ آقا کے حکم کے بغیر وہ حرکت نہیں کر سکتے تھے، مطیع وفرمانبردار تھے، اور اطاعت وفرمانبرداری ہی کو ذریعۂ کامیابی وکامرانی یقین کرتے تھے، حتیٰ کہ آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کا آغاز کیا، لیکن ابھی تیروں کا تیروں سے جواب نہیں دیا گیا، بلکہ پہلے، رب رحمٰن ورحیم کے حضور، رحمت کی دعا کرتے ہوئے، محبوب نے اپنے ہاتھ اٹھائے، اور عرض گزار ہوئے " اَللّٰھُمَّ بِکَ اَحُوْلُ وَبِکَ وَفِیْکَ اُقَاتِلُ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ " اے اللہ! میں تیری قوت ہی کے ساتھ دشمن پر حملہ کرتا ہوں، اور تیری قوت ہی کے ساتھ، ان پر ہلہ بولتا ہوں، مجھے اللہ ہی کافی ہے، اور وہی بہترین کارساز ہے۔

اب اشارہ ملا، اور سب سے پہلے، حضرت ابودجانہ، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ، مقدس ومتبرک تلوار کو لہراتے، اس کا حق ادا کرنے کا عزم لئے اٹھے، پہلے اپنا سرخ دوپٹہ زیب سر کیا، تاکہ دشمن کو پیغام موت مل جائے، پھر میدان کارزار میں رونق افروز ہوئے، جدھر سے گزرتے، کشتوں کے پشتے لگاتے چلے جاتے، جو سامنے آتا جہنم رسید ہوتا، سامنے سے ایک کافر گرجتا، دھاڑتا آیا، وہ جس زخمی مجاہد کے پاس سے گزرتا، اس کو شہید کرتا جاتا، ابودجانہ نے اس کو دیکھا، تو عقاب کی طرح اس پر لپکے، اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں، کہ میں نے ایک لحیم وشحیم کافر کو، ایک مسلمان کی طرف بڑھتے دیکھا، جو بظاہر اس کافر سے، قوت وطاقت میں کمتر نظر آرہا تھا، کہ اتنے میں وہ مجاہد، تیزی سے کافر پر لپکا ایک وار میں اس کے بھی دو ٹکڑے کر ڈالے، مجاہد نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھایا، تو وہ حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ تھے، کہنے لگے کعب کیسا رہا، کیا تمہیں اچھا لگا، میں نے کہا، خوب، بہت خوب۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ میں نے دیکھا، کہ ہند زوجہ ابوسفیان پر ابودجانہ کی نظر پڑی وہ اس کی طرف لپکے اور اپنی تلوار اس کے سر کے بیچوں بیچ رکھ دی، میں خوش ہوا، کہ بس اب ہندہ کا کام ہوا، لیکن ابودجانہ نے اچانک تلوار اٹھائی اور نظریں نیچی کیے واپس آگئے، میں آگے بڑھا، اور اس سے کہا، ابودجانہ! یہ کیا، تم نے اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکال دیا، جب کہ تمہیں پتہ ہے کہ اس خبیثہ نے امیر حمزہ کا کلیجہ چبانے کا عہد کیا ہوا ہے، ابودجانہ کہنے لگے، ہاں بھائی افسوس مجھے بھی بہت

ہے لیکن، ''كَرِهْتُ اَنْ اَضْرِبَ بِسَيْفِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِمْرَأَةً لَا نَاصِرَ لَهَا'' مجھے گوارا نہ ہوا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مبارک تلوار سے ایک تنہا عورت کو قتل کروں۔

ایک مشرک میدان کارزار میں دھاڑ رہا تھا، ''هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ'' لیکن کسی نے اس کا جواب نہ دیا، بالآخر حضرت زبیر سے نہ رہا گیا وہ چھلانگ لگا کر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے، اونٹنی دوڑاتے اس کے قریب پہنچے، اور اچانک حملہ کر دیا، آقا ﷺ نے اپنے غلام کی شجاعت و جرأت کا یہ کارنامہ ملاحظہ فرمایا، تو مسکرائے اور فرمایا، جو پہلے زمین پر گرے گا اسی کا کام تمام ہو جائے گا، دیکھتے ہی دیکھتے کافر زمین پر گرا، اور حضرت زبیر اونٹنی سے کود کر نیچے آئے، ایک وار کیا، اور کافر جہنم رسید ہوا، اس موقع پر آقا ﷺ نے بطور تحفہ، حضرت زبیر کے لئے فرمایا، ''ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے، اور میرا حواری زبیر ہے'' نیز فرمایا، ''اس خبیث کافر کے مقابلہ کے لئے اگر زبیر نہ آتا تو میں خود، اس کو قتل کرتا''۔

میدان کارزار گرم

گھسان کا رن پڑ رہا تھا، میدان کارزار، گرم تھا، اللہ کے سپاہی، اللہ بزرگ و برتر کا نام بلند کرنے کے لئے، سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے، مشرکین بھی لڑ رہے تھے، لیکن بزدل تھے، خوفزدہ تھے، لہٰذا، زیادہ دیر، اللہ کے شیروں، کا مقابلہ نہ کر سکے، حضرت ابو دجانہ، طلحہ بن عبید اللہ، سیدنا حمزہ، سیدنا علی، سیدنا انس بن نضر، سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہم، جس شجاعت و بے جگری سے حملے کر رہے اور لڑ رہے تھے، اس نے سورماؤں کے چھکے، چھڑا دیئے تھے، یہاں تک کہ ان کے قدم اکھڑنے لگے اور وہ بھاگنے کی فکر کرنے لگے، ان کے سوار دستوں نے تین مرتبہ، پہاڑی کے عقب سے حملہ کرنے کی کوشش کی، لیکن ٹیلہ پر متعین دستہ کی طرف سے، بے پناہ تیروں کی بارش نے، انہیں آگے نہ بڑھنے دیا۔

لشکر اسلام کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، چٹان کی طرح میدان میں کھڑے، دشمن کے حملوں کو روک رہے تھے، جب دشمن نے ان کی جرأت واستقامت دیکھی، تو اس نے اللہ کے اس سپاہی کو اپنا نشانہ بنایا، اور ان پر تیر برسانے شروع کر دیئے، کہ جب فوج کا علمبردار موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، تو جھنڈا سرنگوں ہو جاتا ہے، اور جب جھنڈا سرنگوں ہو جائے، تو سپاہیوں کا میدان میں ٹھہرنا مشکل ہو جاتا ہے، پس کافروں نے آپ پر تلوار کا وار کیا، اور وہ ہاتھ کاٹ دیا، جس سے آپ علم اسلام بلند کیے ہوئے تھے، انہوں نے بائیں ہاتھ سے جھنڈا بلند کیا، اور آیہ مبارکہ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ......'' تلاوت کی، پھر ظالم دشمن نے آپ کا بایاں ہاتھ کاٹ ڈالا، لیکن اس باہمت مرد مجاہد نے علم سرنگوں نہ ہونے دیا، زخمی بازوؤں میں اسے دبا کر بلند رکھا، حتیٰ کہ اللہ کا یہ سپاہی، اور آقا کا محبوب غلام مدینہ منورہ میں اسلام کا پہلا مبلغ، ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

حضرت مصعب بن عمیر کا قاتل ابن قمیہ تھا، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پہچانتا نہ تھا، لہٰذا پورے لشکر کفار میں اس نے شور مچا دیا، "قَتَلْتُ مُحَمَّدًا" میں نے محمد (ﷺ) کو قتل کر دیا۔

جنگ پورے شباب پر تھی، حضرت مصعب شہید ہو چکے تھے، سالار اعظم ﷺ نے، اللہ کے شیر، حضرت علی کو جھنڈا اٹھانے کا حکم دیا، آپ نے بڑے فخر کے ساتھ، علم اسلام بلند کرتے ہوئے کہا، "اَنَا اَبُو الْقَصَمِ" میں باطل کی کمر توڑنے والا سپاہی ہوں۔

اسی دوران، کفار کا علمبردار، طلحہ بن ابی طلحہ، للکارا، "هَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ" کسی نے اس کی طرف توجہ نہ کی، تو وہ جل کر بولا، مسلمانو! تمہارا یہ دعویٰ ہے (جو حق ہے) کہ تمہارے مقتول جنت میں ہیں، اور ہمارے مقتول دوزخ میں ہیں، اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے، تو میرے مقابلہ پر کیوں نہیں آتے، حضرت علی نے اس خبیث کی بکواس سنی، تلوار لہراتے سامنے آ کھڑے ہوئے، کافر حملہ کرنا ہی چاہتا تھا، کہ آپ نے ایک ہی وار میں اس کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔

طلحہ کی ہلاکت کے بعد، اس کا بھائی ابو شیبہ، جھنڈا لئے آگے بڑھا، حضرت حمزہ نے دیکھا، تو بلا تاخیر حملہ کیا، اور تھوڑی دیر میں یہ خبیث بھی زمین پر تڑپتا نظر آنے لگا۔

اب جانبین سے تابڑ توڑ حملے ہونے لگے، تیروں کی بارش اور تلواروں کی چمک کے سوا کچھ نظر نہ آ رہا تھا، کفار کے گیارہ علمبردار ہلاک ہو چکے تھے، لہٰذا اب وہ حواس باختہ تھے، انہیں اتنا بھی پتہ نہ تھا کہ وہ مسلمانوں پر حملہ کر رہے ہیں یا اپنوں کو ہی نشانہ بنا رہے ہیں، عورتیں واویلا مچا رہی تھیں مگر ان کی چیخ و پکار سننے والا کوئی نہ تھا، غرضیکہ ہر طرف کہرام مچا ہوا تھا، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا، ہر کوئی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا، جب کہ اللہ کے شیر اپنی چمکدار تلواروں سے کافروں کے سر قلم کر رہے تھے، خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔

حضرت زبیر بن عوام اور براء بن عازب، قریش کی عورتوں کے بھاگنے کا حال بتاتے ہیں، کہ ان عورتوں کو اپنے لباس تک کا ہوش نہ تھا، ہند اور رؤسا قریش کی شہزادیاں، خاک و خون میں لت پت، گرتی، ٹکراتی، بھاگی جا رہی تھی، کسی کا دوپٹہ لٹک رہا تھا، اور لوگ اس سے الجھ کر گر رہے تھے، تو کسی کا دوسرے ہی سے غائب تھی، پنڈلیاں ننگی نظر آ رہی تھیں، غرضیکہ یہ عورتیں، بے حال اور بدحال بھاگی چلی جا رہی تھیں، قریش کی ایک خاتون عمرہ بنت علقمہ، نہایت دراز قد، گداز جسم، حسینہ و جمیلہ تھی، جو لشکر کفار میں، مردوں کے جذبات کو، دوسری عورتوں کی طرح بھڑکانے کے لئے شامل تھی، اس نے جب دیکھا، کہ صرف عورتیں ہی نہیں بلکہ مرد بھی میدان جنگ سے بھاگ رہے تھے، تو ان کو لعن و طعن کرتی آگے بڑھی، اس نے اپنے سورماؤں کو نام لے لے کر پکار کر ملامت

کی، چند عورتوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھی، سب نے بال کھولے ہوئے تھے اور غصہ سے اپنے کپڑے پھاڑے ہوئے تھے، وہ زخمی شیرنی کی طرح دھاڑی، اے بے غیرتو! اے بزدلو! تمہیں کیا ہوا تم تو عورتوں سے بھی بدتر نکلے، بہتر ہے کہ تم چوڑیاں پہن کر خیموں میں جا بیٹھو، اے بزدلو! اگر تم دشمن کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے، تو بہتر ہوتا کہ مر جاتے، کہ مرنے والوں سے کوئی گلہ تو نہیں کیا جاسکتا، اہل مکہ کے آخری علمبردار، صواب کے ہلاک ہو جانے کے بعد، جھنڈا زمین پر پڑا تھا جسے بھگوڑے اپنے ہی پیروں سے روند رہے تھے، عمرہ آگے بڑھی اور ہمت کر کے جھنڈا اٹھا لیا، فضا میں لہرایا، اور پھر چلائی، ظالمو! دیکھو! یہ جھنڈا ہے، جو قوم کی غیرت وحمیت کی علامت ہوتا ہے، اس کی لاج رکھ لو، اور میدان میں جمع ہو جاؤ، پھر دشمن پر حملہ کرو، اس کی لعن طعن سن کر، بے غیرت دوبارہ جمع ہونا شروع ہوئے، جس کی مسلمانوں کو توقع نہ تھی، وہ تو اپنی صفیں منتشر کر کے، اپنے آقا کے حضور مبارک باد پیش کرنے اور اپنے رب کریم کا شکر ادا کرنے کے لئے جا رہے تھے، پہاڑی پر متعین دستہ بھی قبل از وقت نیچے آچکا تھا، دشمن نے موقع پایا، اور پہاڑی پر چڑھ کر، تیروں اور پتھروں بوچھاڑ شروع کر دی، جس سے لشکر اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، اور عارضی طور پر فتح، شکست میں تبدیل ہوگئی، تفصیل آگے آتی ہے۔

شہادت امیر حمزہ

اللہ اور اس کے رسول کے شیر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معزز چچا، حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت، غزوہ احد کے اہم ترین، المناک ترین واقعات میں سے ایک واقعہ ہے، جو آقائے رحمت ﷺ اور جملہ صحابہ کرام کے لئے عظیم صدمہ کا باعث ہے، امت مسلمہ نے ہر دور میں اس حادثہ پر آنسو بہائے اور تا ابد اس دکھ کو محسوس کیا جاتا رہے گا، اس حادثۂ روح فرسا کا حال آپ کے قاتل، وحشی نے خود بیان کرتے ہوئے بتایا۔

میدان کارزار گرم تھا، کہ میں نے، کسی کے عشق ومحبت میں مست، جذبۂ جہاد سے سرشار، ایک سپاہی کو دیکھا، کہ وہ جس طرف رخ کرتا ہے، کافروں کو پچھاڑتا، کاٹتا اور روندتا چلا جاتا ہے، میں اس کی جرأت وہمت پر حیرت زدہ تھا، وہ تو بالکل ایک غضب ناک بپھرا ہوا شیر معلوم ہو رہا تھا، ایک موقع پر وہ قریب سے گزرا، تو میں لرز کر ایک چٹان کی اوٹ میں چھپ گیا، میں نے آج تک کبھی ایسا بہادر جانباز نہ دیکھا تھا، میں جاننا چاہتا تھا کہ آخر یہ کون ہے، میں نے لوگوں سے پوچھا، تو معلوم ہوا، کہ یہ قریش کا ہاشمی سردار، حمزہ بن عبد المطلب ہے، مجھے اسی پر تو حملہ آور ہونا ہے، لیکن یہ کیسے ہوگا، میں تو ڈر کے مارے کانپنے لگا، اور سوچ میں پڑ گیا، میں اگرچہ نہایت باکمال تیرانداز ہوں، لیکن یہ تو اتنا پھرتیلا ہے، کہ اس کا زد میں آنا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے، میں نے چاہا کہ اپنا ارادہ ملتوی کر دوں، کہ مجھے

تھا، کہ اگر میرا نشانہ خطا ہو گیا، تو، خیر نہیں ہے، میرا انجام عبرتناک ہو گا، اور یہ شیر میرے پرزے پرزے بکھیر ڈالے گا، پس میں پیچھے ہٹنے لگا، کہ معاً مجھے خیال آیا، کہ اس قتل کے عوض مجھے میرے آقا، جبیر بن مطعم نے آزاد کرنے کا لالچ دیا ہے، پس یہی موقع ہے غلامی سے نجات حاصل کرنے گا، اگر میں نے اس موقع کو گنوا دیا، تو ہمیشہ غلام ہی رہوں گا، اور غلامی کی زندگی سے موت بہتر ہے، پس میں نے ہمت کی اور ایک چٹان کی اوٹ میں گھات لگا کر بیٹھ گیا، موقع پاتے ہی میں نے اپنے لرزتے ہاتھوں سے تیر چلا ہی دیا، اور اتفاق سے وہ نشانہ پر جا لگا، امیر حمزہ نے مجھے دیکھا، لیکن زخم اتنا کاری تھا کہ اٹھ نہ سکے، اور اللہ کو پیارے ہو گئے، رضی اللہ عنہ (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ)۔

وحشی نے حضرت حمزہ کو شہید کرنے کے بعد آپ کا کلیجہ نکالا، اسے لے کر ہندہ کے پاس گیا، وہ خبیثہ بہت خوش ہوئی، کہ اس کی تو یہی آرزو تھی جو پوری ہوئی، اس نے اپنے زیورات اتار کر بطور انعام، وحشی کو دیئے، ہندہ نے آپ کا کلیجہ چبایا، لیکن نگل نہ سکی، اس نے وحشی سے کہا، کہ مجھے حمزہ کی لاش کے پاس لے چلو تا کہ میں اسے دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکوں، اس سنگدل ملعونہ نے آپ کے اور دیگر شہداء کے ناک کان کاٹ کر ہار بنایا، جب مکہ میں داخل ہوئی تو یہ ہار پہنے ہوئے تھی، وحشی نے کہا جب میں مکہ آیا، تو میں نے مالک کو اس کا وعدہ یاد دلایا، پس اس نے مجھے آزاد کر دیا، جب مکہ فتح ہوا تو میں طائف آ گیا، میں بہت پریشان اور اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا تھا، کہ کسی نے مجھے بتایا، نبی رؤف و رحیم ﷺ کسی ایسے شخص کو کبھی قتل نہیں کرتے، جو اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو، لہٰذا تم ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو جاؤ، پس میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور مسلمان ہو گیا، بس آپ نے اتنا فرمایا، "وَيْحَكَ غَيِّبْ وَجْهَكَ عَلَيَّ فَلَا اَرَاكَ" تو غائب ہو جا، مجھے کبھی نظر نہ آنا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں، جب لشکر اسلام، مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوا، تو حضرت وحشی بھی شامل تھے، وحشی کہتے ہیں، کہ میرے ہاتھ میں وہی نیزہ تھا، جس سے میں نے حضرت حمزہ کو شہید کر کے زندگی کا بدترین جرم کیا تھا، اور جس کی تلافی کے لئے میں ہر لحہ بے چین رہتا تھا، اس وقت سے میری رات کی نیند اور دن کا چین حرام ہو گیا تھا، آج میں خوش تھا، کہ اللہ نے مجھے یہ بہت اچھا موقع دیا ہے جسے میں کسی قیمت پر بھی ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا، پس میں موقع کی تلاش میں تھا، میدان کارزار گرم ہوا، میں چھپ کر انتظار کرنے لگا، کہ اچانک کذاب میرے سامنے سے گزرا، اور میں نے اس پر وار کیا، اللہ نے میری مدد کی کہ نشانہ ٹھیک لگا، اور مسیلمہ کذاب گھوڑے سے گرا، کہ ایک مجاہد نے دوڑ کر اپنی تلوار سے اس کو جہنم رسید کر دیا، لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ۔

حضرت وحشی کہتے ہیں، کہ میں زندگی میں کبھی اتنا خوش نہ ہوا، جتنا آج، کہ میں نے اپنے جرم کی

تلافی کرلی، مجھے خوشی تھی کہ اگر مجھ سے سب سے بہتر آدمی شہید کرنے کا جرم سرزد ہوا تھا، تو بحمد اللہ آج مجھے، اللہ اور اس کے رسول کے دشمن، سب سے زیادہ شریر مرتد کو ہلاک کرنے کا شرف بھی حاصل ہوا، پس یہ صدمہ ضرور ہوا کہ، اس وقت اللہ کے رسول ﷺ اس دنیا میں موجود نہ تھے، اگر آپ ہوتے تو شاید مجھے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت مل جاتی، تو میری زندگی میں ایک بڑی کمی نہ رہتی، تاہم مجھے یقین ہے کہ میرے آقا ﷺ نے میرے اس کارنامہ کو ضرور ملاحظہ فرمایا، اور مجھے معاف بھی کردیا ہوگا۔

عبداللہ بن جحش کی شہادت

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ حالت جنگ میں دعا قبول ہوتی ہے، آؤ ہم دونوں دعا کریں، اور ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں، مجیب الدعوات، اپنے پیارے محبوب، مستجاب الدعوات ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے ضرور قبول فرمائے گا، پس ہم دونوں ایک گوشہ میں، باوضو جا بیٹھے، اور پہلے میں نے پوری عجز و انکساری سے دعا کی، اور عبداللہ بن جحش نے آمین کہی، میری دعا تھی کہ اے اللہ! کل جب دشمن سے ہمارا مقابلہ ہو، تو ہمارے سامنے ایک جری بہادر کافر ہو، جو مجھ سے لڑے، اور میں تیری اور تیرے محبوب کی رضا کے لئے اس سے لڑوں، اور اسے ہلاک کردوں، اس کے اسلحہ اور سواری پر قبضہ کرکے، اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں پیش کروں، حضرت عبداللہ نے میری دعا پر آمین کہی، پھر حضرت عبداللہ بن جحش نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، اور عرض گزار ہوئے، اے میرے مولیٰ! میرے مقابلہ پر ایک تومند، بہادر کو بھیج دے، کہ میں اس سے تیری رضا کے لئے لڑوں، وہ مجھ سے جنگ کرے، اور وہ مجھے قتل کردے، میرے ناک، کان کاٹ لے، پھر میں اسی حال میں تیرے حضور پیش کیا جاؤں، اس حال میں کہ تو مجھ سے راضی ہو، اور میں تیری رضا کا طلب گار ہوں، حضرت سعد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کی دعا قبول کی، اور عبداللہ کی دعا میری دعا سے بہت ہی بہتر تھی، پس اس کے ساتھ وہی سلوک ہوا، جو انہوں نے چاہا تھا۔

حضرت عبداللہ بن جحش کی دوران جنگ تلوار ٹوٹ گئی، وہ بہت پریشان تھے، کہ کوئی دوسری تلوار موجود نہ تھی، اپنے آقا ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر، اپنی مجبوری بیان کی، مختار کل ﷺ نے انہیں، کھجور کی ایک شاخ تھماتے ہوئے فرمایا، جاؤ اس سے لڑو، اور غلام کے اعتماد کلی کا اندازہ لگایئے، کہ عبداللہ اس شاخ کو ہی مستی کے عالم میں لہراتے میدان کی طرف چلے دیکھا، تو نہایت آب دار تلوار، ہاتھ میں تھی، لڑے اور خوب لڑے، آخر دم تک اس شاخ سے ہی دشمن کو تہ تیغ کرتے رہے۔

آپ کی شہادت کے بعد یہ تلوار بطور تبرک نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتی رہی، حتیٰ کہ خلیفہ معتصم باللہ کے

ایک امیر سلطنت نے یہ تلوار بعوض دوسو درہم خریدلی، جس کے بعد اس کی مزید تاریخ کا پتہ نہ چل سکا۔

عمرو بن جموح کی شہادت

حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ چار بیٹوں کے باپ تھے، بہت زیادہ لنگڑے تھے، جب انہوں نے غزوۂ احد میں شریک ہونے کا ارادہ کیا تو ان کے بیٹوں نے انہیں روکا اور کہا کہ، آپ معذور ہیں جنگ میں شریک ہونے کا ارادہ نہ کریں، آپ پر جہاد فرض نہیں، یہ نہایت افسردہ حال، اپنے رحیم وکریم آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی، یارسول اللہ! میں آپ کے ہمراہ جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہوں لیکن میرے بیٹے مجھے روک رہے ہیں، آپ نے بھی فرمایا کہ تم معذور ہو لہٰذا جنگ میں شریک ہونے کا ارادہ نہ کرو، آقا کے سامنے کچھ بول تو، نہ سکتے تھے لیکن بے حد غمزدہ ہو کر، مسجد نبوی شریف کے ایک گوشے میں جا بیٹھے، سرکار نے نظر کرم فرمائی اور اجازت دے دی، جب وہ جہاد کے لئے روانہ ہونے لگے، تو رب کریم کے دربار میں التجا کی، ''اَللّٰهُمَّ لَاتَرُدَّنِىْ اِلٰى اَهْلِىْ خَائِبًا'' اے اللہ! مجھے ناکام ونامراد، گھر والوں کی طرف واپس نہ فرمانا، اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی، دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جام شہادت نوش فرمایا۔

مقام غور ہے، کہ ہمارے سروں کے یہ تاج کس قدر شہادت کے شوقین تھے، کہ اللہ سے شہید ہونے کی بھیک مانگا کرتے تھے، جب کہ عام لوگ تو درازیٔ عمر کی دعائیں کرتے ہیں، کاش آج پھر یہ جذبۂ شہادت بیدار ہو جائے، تو دشمن ہم سے لرزتا اور کانپتا نظر آنے لگے گا، اور ہم دوبارہ باوقار و بارعب قوم نظر آئیں گے

حضرت حنظلہ کی شہادت

اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾ (الشوریٰ)

''اللہ چن لیتا ہے، اپنی طرف جس کو چاہتا ہے، اور ہدایت دیتا ہے، اپنی طرف اسے جو رجوع کرتا ہے''۔

اب ہم ایک عظیم شخصیت کی حیران کن شہادت کا ایمان افروز واقعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے ہیں، حضرت حنظلہ، ابو عامر فاسق کے بیٹے تھے، یہ کرشمہ قدرت ہے، کہ بدطینت وفاسق باپ کی گود میں نیک طینت، پیکر صبر اور پیکر صدق ووفا، پروان چڑھا۔

جب لشکر اسلام کے بہادروں کے تابڑ توڑ حملوں سے اعداء اسلام، تتر بتر ہونے لگے، اور ان کے پاؤں کے پیر اکھڑنے لگے، تو حضرت حنظلہ نے لشکر کفار کے سپہ سالار ابو سفیان کو دیکھا، بجلی کی

طرح اس پر لپکے، اپنی تلوار سے وار کیا، جو گھوڑے پر لگا، گھوڑا لڑکھڑایا اور گر گیا، ساتھ ہی ابو سفیان بھی زمین پر گرا، اور چلا کر مدد طلب کرنے لگا، ایک کافر، اسود بن شداد، دوڑا آیا، اور اپنے نیزے سے حضرت حنظلہ پر حملہ کر دیا، جو ان کے جسم کو چیرتا پار نکل گیا، حضرت حنظلہ زخمی شیر کی طرح اس پر حملہ آور ہوئے، لیکن اس خبیث نے، پہلے ہی دوسرا وار کر دیا، جو جان لیوا ثابت ہوا۔

آقا ﷺ کی خدمت میں غلام کی جاں بازی و جان نثاری کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، "میں نے دیکھا، کہ حنظلہ کو فرشتے زمین و آسمان کے درمیان بارش کے پانی سے غسل دے رہے ہیں۔

حضرت ابو اسید الساعدی نے بتایا کہ جب ہم، حنظلہ کے پاس گئے، تو یہ دیکھ کر تعجب ہوا، کہ ان کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں، ایک تو اس لئے کہ شہید کو، بغیر غسل کے دفن کیا جاتا ہے، دوسرا اس لئے کہ، آخر حضرت حنظلہ کو ملائکہ نے کیوں غسل دیا، اب ہم اس راز کو جاننے کے لئے بے چین تھے، آقا ﷺ نے فرمایا، جاؤ، ان کے اہل خانہ سے معلوم کرو، وہی اس راز سے پردہ اٹھائیں گے، حیرت زدہ لوگ، حضرت حنظلہ کی بیوہ کے پاس پہنچے، اور ان سے ماجرا جاننا چاہا، عفت شعار خاتون نے بتایا، کہ انہوں نے آج رات مجھ سے ہم بستری کی تھی، کہ یہ ہماری شب زفاف تھی، صبح انہوں نے اپنے آقا ﷺ کی طرف سے اعلان جہاد سنا، تو گوارا نہ کیا کہ حاضری میں تاخیر ہو، لہٰذا بغیر غسل کیے، لشکر اسلام میں شامل ہو گئے۔

حضرت حنظلہ کی زوجہ کا نام، جمیلہ تھا، جو عبداللہ بن ابی منافق کی بہن تھی، جب وہ جہاد کے لئے چلے گئے تو جمیلہ نے خاندان کے چار آدمیوں کو بلا کر گواہ بنا لیا، تا کہ ان پر کوئی الزام نہ لگایا جا سکے، اور کوئی افسانہ، نہ گھڑا جا سکے، ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت کیوں کر پیش آئی، انہوں نے بتایا کہ میں نے دیکھا کہ آسمان کھل گیا اور حنظلہ اس میں داخل ہو گئے پھر آسمان کا دروازہ بند ہو گیا، مجھے یقین ہو گیا، کہ حنظلہ میدان جہاد میں ضرور شہید ہوں گے، میں حاملہ ہوں پس بطور احتیاط میں نے گواہ بنا لئے۔

اللہ تعالیٰ نے، غسیل الملائکہ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کو بیٹا عطا فرمایا، جس کا نام عبداللہ، رکھا گیا، اہل مدینہ نے جب یزید کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، تو یہی عبداللہ بن حنظلہ، اہل مدینہ کے لشکر کے کمانڈر تھے، رضی اللہ عنہ۔

"پس اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی قدرت کا نمونہ بنانے کے لئے چن لیتا ہے، اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے ہدایت پاتا ہے"۔

ایک خطرناک لغزش

حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں پہاڑی پر متعین دستہ نے جب کفار کی صفوں کو منتشر ہوتے دیکھا، انہیں تتر بتر ہوتے دیکھا، تو ان کی شکست وہزیمت کا یقین کر لیا، اور یہ یقین اس وقت مزید پختہ ہو گیا جب انہوں نے مجاہدین کو مال غنیمت لوٹتے اور کافروں کو گرفتار کرتے دیکھا، لہٰذا، اس صورت حال کے پیش نظر انہوں نے بھی پہاڑی سے اترنے کا فیصلہ کیا، تاکہ وہ اپنے بھائیوں کی، مال غنیمت جمع کرنے اور قیدیوں کو جکڑنے، میں مدد کر سکیں، ان لوگوں نے اس ارادے کا اظہار، اپنے قائد سے کیا، لیکن عبداللہ بن جبیر نے ان کی سختی سے مخالفت کی اور کہا ایسا ہرگز ہرگز نہ کرنا، یہ بہت بڑی غلطی ہوگی، جس کا انجام نہایت ہی بدتر ہو سکتا ہے، کیونکہ ہمارے آقا ﷺ واضح طور پر فرما چکے ہیں، ''اِحْمُوْا ظُهُوْرَنَا وَلَا تَبْرَحُوْا مِنْ مَكَانِكُمْ'' ہماری پشتوں کی نگہبانی کرنا، اور اپنی جگہ کو ہرگز نہ چھوڑنا، ''وَاِذَا رَأَيْتُمُوْنَا نُقْتَلُ فَلَا تَنْصُرُوْنَا'' اور جب تم دیکھو کہ ہمیں قتل کیا جا رہا ہے، تو ہماری مدد کو ہرگز نہ آنا، ''وَاِنْ غَنِمْنَا فَلَا تُشْرِكُوْنَا'' اور اگر دیکھو کہ ہم مال غنیمت جمع کر رہے ہیں، تو ہمارا ہاتھ نہ بٹانا، ''اِحْمُوْا ظُهُوْرَنَا'' ہر حال میں ہماری پشتوں کی نگہبانی کرتے رہنا، اللہ اکبر کبیرا، مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کتنا واضح ارشاد ہے، وہ تمام خیالات جو مجاہدین کے دلوں میں پیدا ہوئے اور جن کے باعث ان حضرات نے پہاڑی چھوڑنے کا فیصلہ کیا، میرے آقا ﷺ نے پہلے ہی ظاہر فرما دیئے، لیکن برا ہو ابلیس ملعون کا کہ اس نے، آقا کے ان اطاعت شعار غلاموں کو، پھر بھی بہکا ہی دیا۔

بہر حال حضرت عبداللہ بن جبیر کی سخت مخالفت کے باوجود یہ حضرات اپنے فیصلہ پر ڈٹے رہے، اور پہاڑی سے نیچے آ کر اپنے بھائیوں کی مدد میں مصروف ہو گئے، ہنگامی صورت حال تھی، کسی نے توجہ بھی نہ کی، کہ پہاڑی چھوڑ کر یہ لوگ چلے آئے ہیں، پہاڑی پر صرف دس محافظ باقی تھے عبداللہ بن جبیر، اور ان کے ساتھیوں کو آقا کی اطاعت کا شرف حاصل رہا۔

افسوسناک انجام

کفار نے متعدد بار، اس پہاڑی پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ وہ عقب سے مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچائیں لیکن ہر مرتبہ وہ ناکام رہے، کیونکہ ہر مرتبہ مجاہدین کا دستہ اوپر سے ان پر تیروں کی بارش کرتا رہا، لیکن اب یہ اہم مورچہ خالی ہو چکا تھا، اور کفار کے لئے ایک بہترین موقع موجود تھا، جس کو خالد بن ولید نے تاڑا، وہ اپنے چند ساتھیوں کو لے کر، معمولی سی مزاحمت کے بعد پہاڑی پر

قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے، حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اوران کے بقیہ نو ساتھیوں کو، ان ظالموں نے بڑی بے دردی سے شہید کر دیا، ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی، ناک، کان کاٹے اور انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، پھر انہوں نے مجاہدین اسلام پر تیروں کی بوچھاڑ کی، الامان والحفیظ، کہ ایسا عظیم حادثہ رونما ہوا، جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، پس ہر طرف کہرام مچا ہوا تھا، کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، کچھ نظر نہ آتا تھا، کہ اپنا کون ہے، اور دشمن کون ہے، سب سے زیادہ افسوسناک صورت حال یہ پیش ہوئی، کہ افراتفری کے عالم میں کئی سپاہی اپنوں ہی کے ہاتھوں شہید ہوئے، قرآن کریم نے اس صورت حال کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْھُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾ (آل عمران)

اور بے شک اللہ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا، جب کہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے، اور رسول کے حکم کے بارے میں جھگڑا کرنے لگے، اور تم نے نافرمانی کی اس کے بعد کہ اللہ نے تمہیں وہ دکھا دیا تھا، جو تم پسند کرتے تھے، تم میں سے کچھ دنیا کے خواہاں ہوئے اور کچھ آخرت کے، پھر اللہ نے تمہیں (کافروں کے) تعاقب سے پیچھے ہٹا دیا، تا کہ وہ تمہیں آزمائے، ملور بے شک اس نے تمہیں معاف فرما دیا، اور اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا ہی فضل و کرم فرمانے والا ہے"۔

آیات کے مضمون پر غور فرمایئے، پہلے بتایا گیا، کہ رب نے تم سے جو وعدہ فرمایا تھا، اس کے مطابق، تم فتح و کامرانی سے ہمکنار ہونے ہی کو تھے، لیکن اسی دوران تم اپنے آقا ﷺ کی نافرمانی کا شکار ہو گئے، ان کے واضح حکم کی تعبیر میں تمہارے درمیان اختلاف ہو گیا، بالآخر، تم میں سے کچھ نے مال غنیمت اکٹھا کرنے کا فیصلہ کر لیا، اور کچھ نے اپنی آخرت سنوارنے کا فیصلہ کیا، پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں آزمائش میں مبتلا کر دیا، لیکن اس کے باوجود، تم ہمارے ہو، ہمارے محبوب کے غلام ہو، پس ہم نے تمہیں معاف کر دیا، اب تم خود کو خطاوار نہ سمجھنا، مجرم نہ خیال کرنا، اور تا ابد کوئی بھی تمہیں گناہ گار خیال نہ کرے۔

اب اس حادثہ کا المناک ترین حصہ ملاحظہ ہو، جسے پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، افراتفری

کے دوران، کسی شیطان نے تین بار آواز لگائی، کہ جان عالم ﷺ کو قتل کر دیا گیا، جب کہ یہ ممکن نہ تھا کہ، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کا وعدہ پہلے سے موجود تھا، لیکن جہاں جانوں پر بن رہی ہو، وہاں کسے حقائق کا خیال آتا ہے اس صدائے فریب نے ایک کہرام مچا دیا، ہر ایک کا رخ مدینہ منورہ کی طرف ہو گیا، یہ تھوڑی سی نافرمانی کا انجام ہے، کہ رخ پلٹ گئے، اللہ محفوظ رکھے نبی کی حکم عدولی سے۔

مجاہدین کا ایک گروہ تو مدینہ جا پہنچا، حضرت ام ایمن نے دیکھا اور حال پوچھا، تو وہ چلائیں، خاک اٹھا کر ان کے منہ پر ڈالی، بولی، تم بڑے ہی بے غیرت ہو، آقا کو، چھوڑ کر، اپنی جان بچا کر بھاگ آئے، اگر وہ بالفرض شہید بھی ہو گئے، تو تم اب زندہ رہ کر کیا کرو گے، کیوں کر تم بھی نہ مر گئے، لاؤ اپنی تلواریں، ہمیں دو تا کہ ہم جا کر دشمنوں کی گردنیں کاٹیں، ادھر میدان جنگ میں جانبازوں کی ایک ٹولی موجود تھی، انہوں نے اپنے ساتھیوں کو للکارا، کہ اٹھو، اور دشمن کا مقابلہ کرو، اگر ہمارے آقا شہید ہو چکے ہیں تو ہمارے زندہ رہنے کا کیا فائدہ! آؤ، آؤ! لڑیں، یہاں تک ہم بھی شہید ہو جائیں۔

کفار موقع سے فائدہ اٹھا کر، مسلمانوں پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے، اور اللہ کے بندے پھر ایک مرتبہ، کفار کے ظلم وستم کا شکار ہو رہے تھے، لیکن پیکر استقلال و استقامت ﷺ اپنے مقام پر ڈٹے، کافروں پر تیروں کی بارش برسا رہے تھے، حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ

کفار نے ہمارا قتل کر کے ہمیں بڑا دکھ پہنچایا، اور جان عالم ﷺ کو بھی تکلیف ہوئی، اس ذات کی قسم جس نے حضور کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، آپ ایک بالشت بھی اپنی جگہ سے آگے پیچھے نہ ہوئے، آپ دشمن کے سامنے کھڑے تھے، صحابہ کا ایک گروہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف لوٹ کر آتا تھا، اور دوسرا میدان میں کفار سے مقابلہ کے لئے پھیل جاتا تھا، میں بسا اوقات آپ کو دیکھتا تھا، کہ کھڑے ہو کر اپنی دو کمانوں سے تیر برسا رہے ہیں، کبھی پتھر پھینک رہے ہیں، یہاں تک کہ دشمن آنکھوں سے اوجھل ہو گیا، اللہ کے رسول ﷺ اس طرح ثابت قدم رہے، گویا آپ اکیلے نہیں بلکہ آپ کے آس پاس طاقت ور جوانوں کا ایک دستہ ہے، جو آپ کی حفاظت بھی کر رہا ہے، اور آپ کے ساتھ دشمن پر تیروں کی بارش بھی کر رہا ہے۔

دوسری طرف یہ حال تھا کہ کافر، جان عالم ﷺ، پر تیر برسا رہے تھے اور آپ کی جان لینے کے درپے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ خود اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت فرما رہا تھا، جیسا کہ ارشاد ہوا، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے لوگ منتشر ہو گئے، تو آپ میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، میں گھبرا گیا، اور آپ کو تلاش کرنے کے لئے ادھر ادھر،

دوڑنے لگا، مقتولین میں دیکھا، تو آپ وہاں نہ تھے، لیکن مجھے یہ یقین تھا کہ آپ ہرگز راہ فرار اختیار نہ فرمائیں گے، میں نے فیصلہ کیا، کہ اب زندہ رہنے کا کوئی فائدہ نہیں، بہتر ہے کہ میں لڑوں، یہاں تک کہ شہید ہو جاؤں، پس میں نے تلوار لہرائی اور کفار کی صفوں میں گھس گیا، اور آنکھیں بند کر کے تلوار چلانا شروع کر دی، لیکن سب کافر، ادھر ادھر بھاگ گئے، پس میں نے دیکھا کہ آقائے رحمت ﷺ اسی جم غفیر میں موجود ہیں، اور دشمن کا مقابلہ کر رہے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس ہولناک صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ میں ان لوگوں میں سے تھا جو، اپنے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی طرف لوٹ کر آئے تھے، میں نے دیکھا کہ کوئی اپنے محبوب کا دفاع کر رہا ہے، میں نے سوچا کہ یہ ضرور، طلحہ ہوں گے، لیکن جب میں قریب پہنچا، تو وہ خوش نصیب حضرت ابوعبیدہ بن جراح تھے، میں یہ کربناک حالت دیکھ کر سہم گیا کہ اللہ کے پیارے رسول اللہ ﷺ کے سامنے والے، (باختلاف روایت) چار دانت ٹوٹے ہوئے ہیں، اور آپ کے چہرۂ انور میں خود کے دو ٹکڑے پھنسے ہوئے ہیں، میں نے آپ کے مبارک رخسار سے وہ ٹکڑے نکالنے کا ارادہ کیا، تو ابوعبیدہ نے مجھے روکا اور کہا، بھائی! برائے مہربانی یہ سعادت مجھے حاصل کرنے دیجئے، انہوں نے وہ حلقہ اپنے دانتوں سے کھینچا، جو بمشکل نکلا، یہاں تک کہ ابوعبیدہ کے اپنے چار دانت اکھڑ گئے، جس سے ان کے حسن و جمال میں مزید اضافہ ہو گیا، اور وہ بہت ہی خوبصورت نظر آنے لگے، (آقا کے دندان مبارک شہید ہوئے تو غلام نے بھی اپنے دانت توڑ لئے، اسے کہتے ہیں سچا عشق) پھر دوسرا حلقہ بھی بہت کوششوں کے بعد نکال لیا، (اللہ ہی جانے میرے پیارے محبوب ﷺ کو کتنی تکلیف ہوئی ہوگی، اللہ کی لعنت ہو، ان ظالموں پر)۔

حضرت ابوبکر صدیق کہتے ہیں، کہ حضرت طلحہ کا سارا جسم زخموں سے چھلنی تھا، جب ہم نے ان کے زخم شمار کیے تو وہ ستر سے بھی زیادہ تھے، جن سے اتنا خون بہہ رہا تھا کہ آپ بے ہوش ہو گئے، میں نے ان کے منہ پر پانی چھڑکا تو انہیں ہوش آیا، آنکھ کھولی تو پہلا سوال کیا، "مَافَعَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا حال ہے، ہم نے بتایا کہ، الحمد للہ، آپ بخیر ہیں، یہ سن کر اس عاشق صادق نے برملا کہا، "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كُلُّ مُصِيْبَةٍ بَعْدَهٗ جَلَلٌ" اللہ کا شکر ہے، کہ حضور سلامت ہیں، کہ آپ ہوتے ہوئے کسی مصیبت کی کوئی حقیقت نہیں۔

چہرۂ انور سے جب خود کی دو کڑیاں نکالی گئیں، تو خون کا فوارہ بہنے لگا، حضرت مالک بن سنان دوڑے اور خون چوسنے لگے، آقا نے غلام سے پوچھا کیا خون چوس رہے ہو، عرض کی، جی، یا حبیب اللہ ﷺ، غلام کو مژدہ ملا، "مَنْ مَسَّ دَمِىْ دَمَهٗ لَمْ تُصِبْهُ النَّارُ" جس کا خون میرے خون کو

چھوئے گا، اسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی۔

حالت میں تبدیلی

جنگ تقریباً ختم ہونے والی تھی، دشمن میں افراتفری اور خوف و ہراس پھیل چکا تھا، اس کے پیر اکھڑ چکے تھے، فتح و کامرانی لشکر اسلام کا مقدر بنا ہی چاہتی تھی، مال غنیمت جمع ہونا شروع ہو چکا تھا، دشمن کے بھگوڑوں کو گرفتار کیا جا رہا تھا، کہ پہاڑی پر متعینہ دستہ کی ایک اجتہادی غلطی نے اچانک کایا پلٹ دی، فتح کا چمکنے والا سورج، تاریک گھٹا میں چھپ گیا، کفر ایک بار پھر دندناتا ہوا نظر آنے لگا، اور جو کچھ ہوا، وہ آپ نے پڑھا، سب سے زیادہ افسوسناک حادثہ یہ ہوا، کہ کائنات کے آقا ﷺ کو شدید صدمہ ہوا، آپ کا چہرۂ انور زخمی ہوا، چمکتے ہوئے چار دانتوں سے موتی جھڑے، آپ کو اپنے دست مبارک سے تیر چلانے پڑے، اللہ نے ان مجاہدین کو ان کی غلطی پر متنبہ کیا، اور جرم کی سزا بھی دی، پھر فوراً ہی، محبوب کے محبوب غلاموں پر رحم فرمایا، اور ان کی معافی کا بھی اعلان کر دیا تاکہ قیامت تک کوئی انہیں مجرم تصور کر کے اپنا ایمان برباد نہ کر لے، سزا ختم ہوئی، پھر نصرت الٰہی نازل ہوئی، حالات بدلنے لگے۔

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغۡشٰى طَآئِفَةً مِّنۡكُمۡ ۙ

"پھر اللہ تعالیٰ نے غم و اندوہ کے بعد تم پر راحت نازل فرمائی، کہ تم میں سے ایک گروہ پر غنودگی چھانے لگی"۔ (آل عمران: 154)

اللہ کے سپاہی بہت تھک چکے تھے، پس اللہ نے رحم فرمایا، ان کی تکان دور کرنے کے لئے ان پر غنودگی طاری فرما دی، سب پر ایک ساتھ نہیں، بلکہ کبھی کسی کو نیند آ جاتی، کبھی کسی کو، تاکہ جنگ جاری رہے، بعض کو تو ایسی نیند آتی کہ ہاتھ سے تلوار چھوٹ جاتی، یہ بڑا ہی کرم تھا رب کریم کا، بطفیل نبی کریم ﷺ۔

آقا ﷺ کی شہادت کی افواہ ہی نے حالات میں تبدیلی پیدا کی، کہ اسی سے غلاموں کا جذبہ بیدار ہوا، جو میدان جنگ میں موجود تھے وہ تیزی سے آپ کی طرف دوڑے، جو مایوس ہو کر، بھاگ رہے یا بیٹھ گئے تھے، انہیں کسی نہ کسی نے شرم دلائی اور متنبہ کیا، تو وہ بھی اپنی تلوار لہراتے میدان میں نظر آنے لگے، سب سے پہلے حضرت کعب بن مالک نے اپنے آقا کو پہچانا، انہوں نے دیوانہ وار، باآواز بلند اعلان کرنا شروع کر دیا، اے اللہ کے سپاہیو! ہمارے آقا ﷺ یہاں ہیں، ادھر آؤ، ان کے گرد جمع ہو جاؤ، جس نے کعب کی آواز سنی وہ دوڑا آیا، اور تھوڑی ہی دیر میں، آقا کے گرد غلاموں کا ہجوم ہو گیا، اسی دوران حضرت کعب پر اتنے تیر برسے کہ جسم مبارک چھلنی ہو گیا، لہولہان ہو گیا، گنے گئے تو ستر سے زیادہ زخم تھے۔

چوٹی پر جانے کی کوشش

حضرت کعب کی آواز پر جمع ہونے کے بعد، مجاہدین نے سنبھالا لیا، اور دوبارہ دشمن پر تیر برسانے شروع کر دیئے، جن سپاہیوں کو اب تک، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی کی خبر نہ ہو سکی تھی وہ میدان ہی میں مصروف پیکار تھے، اب ان کا خیال یہ تھا، کہ ''جب آقا ہی نہ رہے تو ہماری زندگی کس کام کی'' لہٰذا، پوری ہمت واستقامت کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے، مار بھی رہے تھے، اور شہید بھی ہو رہے تھے، اسی دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہاڑی پر پہنچنے کا فیصلہ فرمایا، تاکہ زخموں کی کچھ دیکھ بھال بھی ہو سکے، نیز غلاموں پر آقا کی نظر رحمت بھی پڑ سکے، لیکن اس کوشش میں سخت مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، کفار نے آپ کو چوٹی پر چڑھتے دیکھ لیا، پس ایک فیصلہ کن حملے کے ارادے سے، آپ کی طرف دوڑے، اور پتھروں کی بارش شروع کر دی، حضرت جابر بن عبداللہ نے بتایا، کہ اس وقت حضور کے ہمراہ گیارہ سپاہی تھے، جن میں حضرت طلحہ بھی شامل تھے، دشمن کے مقابلہ کے لئے سب سے پہلے حضرت طلحہ نے سامنے آنا چاہا لیکن آپ نے روک دیا، ایک ایک کر کے دیگر صحابہ نے بڑی جوانمردی سے مقابلہ کیا، اور شہید ہوتے رہے، اسی دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جاں نثار غلام حضرت طلحہ کے ساتھ بلندی پر پہنچ گئے، پھر حضرت طلحہ دشمن کے سامنے ڈٹ گئے، تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی، اگرچہ خوب زخم کھائے، انگلیاں کٹ گئیں، ہاتھ شل ہو گئے، لیکن دشمن کو ایک انچ نہ بڑھنے دیا، مخبر صادق ﷺ نے ان شہداء کے لئے جنت میں اپنی رفاقت کا مژدہ دیا۔

چند ایمان افروز واقعات

حالات تبدیل ہو رہے ہیں، عشق ومحبت اور ایمانی جذبوں کا مظاہرہ پہلے سے کہیں زیادہ ہو رہا ہے، کہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زخمی حالت میں دیکھ کر ہر قسم کے قیود و بند سے آزاد ہو کر غلام جس بے جگری سے لڑ رہے، مار رہے یا مر جانے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں، اس کی نظیر، اس سے پہلے نہ آج تک صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا کی کوئی قوم پیش کر سکی اور نہ ہی کبھی یہ منظر نظر آ سکتا ہے، ان متعدد ایمان افروز واقعات میں سے چند ملاحظہ ہوں:

اللہ کے محبوب ﷺ رونق افروز ہیں، دشمن ہر چہار سمت سے یلغار کر رہا ہے، ایک جانب اللہ کے شیر حضرت علی، شمشیر حیدری لہراتے ہوئے دشمن کی صفوں پر بے دریغ حملہ کر رہے ہیں، دوسری طرف، حضرت ابودجانہ، موت کا سرخ دوپٹہ سر پر باندھے، آقا کی عطا کردہ تلوار کا حق ادا کرنے میں مصروف ہیں، گاجر مولی کی طرح مشرکین کی فصل کاٹتے چلے جا رہے ہیں، تیسری طرف حضرت سعد

ہیں، بے نظیر و بے مثال تیر انداز ہیں، آقا کو اپنے اس غلام کی مہارت پر ناز ہے، کافروں کی صفوں پر بجلی گراتے، بجلی ہی کی طرح چلے جا رہے ہیں، اور چوتھی سمت، خباب بن منذر نے مورچہ سنبھالا ہوا ہے، جو کفر و طاغوت کی فوج پر قہر الٰہی بن کر گر رہے ہیں، ان کا حملہ اس قدر زبردست ہے کہ کافروں کو ان پر یکبارگی حملہ کرنا پڑا، کہ اچانک کسی نے ان کے شہید ہو جانے کی افواہ اڑا دی، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد یہ تلوار لہراتے نمودار ہوئے، اور کفار پر ایسا زوردار حملہ کیا، کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، مشہور زمانہ تیر افگن تھے، ان کی تیر اندازی کو بطور مثال، پیش کیا جاتا ہے، یہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں بیٹھ گئے، اپنے ترکش کے سب تیر نکال کر سامنے رکھ لئے، اور دشمن کو تاک تاک کر نشانہ بناتے رہے، کہ ایک بھی وار خالی نہ گیا، جب کوئی مجاہد اپنا ترکش لئے یہاں سے گزرتا، جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اس کو حکم دیتے، کہ یہ تیر طلحہ کے پاس رکھ دو، جب کہ طلحہ کو خبر تک نہیں، کہ زندگی میں اس سے پہلے انہوں نے کبھی اتنے تیر چلائے ہوں، سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بار بار سر اقدس اٹھا کر جنگ کا نظارہ فرماتے، تو غلام عرض کرتا، یا رسول اللہ! ''لَا تُشْرِفْ يُصِبْكَ سَهْمٌ مِنْ سِهَامِ الْقَوْمِ نَحْرِیْ دُوْنَ نَحْرِكَ'' سر مبارک اوپر نہ اٹھائیں، کہیں دشمن کا کوئی تیر آپ کے نہ آن لگے، میری گردن حضور کی گردن پر نثار ہو، یہی طلحہ ہیں جن کا جسم تیروں سے چھلنی ہو گیا تھا، اور جب ان کے زخم شمار کیے گئے تو اسی سے زیادہ تھے، جیسا کہ آپ بروایت حضرت ابوبکر صدیق، پڑھ چکے ہیں۔

خادم بارگاہ رسالت حضرت انس کے چچا، اور ہم نام، حضرت انس، غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، جس کا انہیں بے حد قلق رہتا تھا، ہمہ وقت دعا کیا کرتے تھے، کہ، اے اللہ! مجھے کوئی ایسا موقع نصیب فرما، کہ میرا یہ اضطراب ختم ہو جائے اور میں تلافی مافات، کر سکوں، ان کی آرزو پوری ہوئی، اور یہ غزوہ احد میں نہایت جوش و جذبہ کے ساتھ شریک ہوئے۔

جب جنگ نے ہنگامی صورت اختیار کی، تو انس نے چند مجاہدین کو نہایت افسردہ حالت میں بیٹھے دیکھا، انہوں نے پوچھا کیا ہوا، تم لوگ ایسے مایوس کیوں بیٹھے ہو، جواب ملا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تو شہید ہو گئے، اب ہم کر بھی کیا سکتے ہیں، حضرت انس نے انہیں جھڑکتے ہوئے کہا، ''مَاتَصْنَعُوْنَ بَعْدَهٗ'' حضور کے بعد زندہ رہ کر تم کیا کرو گے، ''قُوْمُوْا وَمُوْتُوْا عَلٰی مَامَاتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' کھڑے ہو اور اس مقصد کے لئے جان دے دو، جس کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جان دی، یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے آگے بڑھے، جبل احد کے پاس حضرت سعد بن معاذ نے انہوں نے کہا، انس! میں تمہارے ساتھ ہوں، اور پیچھے پیچھے چل دیئے، وہ کفار کی صفوں کو چیرتے اور بار بار کہتے، ''وَاهًا لِرِيْحِ الْجَنَّةِ وَرَبِّ النَّضْرِ، اِنِّیْ لَاَجِدُ رِيْحَهَا مِنْ دُوْنِ اُحُدٍ''

واہ واہ، رب نضر کی قسم! مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے، میں جنت کی مہک جبل احد کی طرف سے محسوس کر رہا ہوں، وہ دشمن کا مقابلہ کرتے رہے، حتیٰ کہ جام شہادت نوش فرما گئے، ان کے بھتیجے حضرت انس نے بتایا، کہ آپ کے جسم پر اسی سے زیادہ زخم تھے، ظالموں نے ان کو قتل کرنے پر اکتفا نہ کیا، بلکہ ان کی لاش کو روندا، مثلہ کیا، آنکھیں نکال دیں، اور ناک، کان کاٹ دیئے، جب مقتولین کی لاشوں کو پہچانا جا رہا تھا، تو ان کی بہن نے، ان کی ایک انگلی، یا تل سے اپنے بھائی کی لاش پہچانی، رضی اللہ عنہ۔

جنگ میں خواتین کا کردار

غزوات میں شرکت کی خواتین کو بھی اجازت دی جاتی تھی، جن کی ذمہ داری یہ ہوتی تھی، کہ وہ مجاہدین کے لئے، کھانے پینے کا اہتمام کریں، زخمی سپاہیوں کی مرہم پٹی کریں، اور مجاہدین کی کامیابی کے لئے اللہ کے حضور سر بسجود ہو کر دعائیں کریں، غزوۂ احد میں بھی خواتین کی ایک جماعت شریک تھی، اور اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہی تھی، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ام المومنین حضرت عائشہ اور ام سلیم، پائینچے چڑھائے مشک میں پانی بھر کر لاتی تھیں اور مجاہدین خصوصاً زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں، اسی طرح حضرت ابوسعید خدری کی والدہ، بی بی ام سلیط بھی پانی بھر بھر کر لا رہی تھیں اور مجاہدین کو پانی پلا رہی تھیں۔

حضرت ام عمارہ

ان کا نام ''نسیبہ'' تھا، یہ اپنے شوہر، زید بن عاصم اور، دو بیٹوں، عمارہ اور عبداللہ کو ساتھ لے کر آئی تھیں، پہلے تو یہ مجاہدین کو پانی پلا رہی تھیں، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر کفار کی یلغار ہوئی اور انہوں نے دیکھا، تو مشک پھینکی، اور ایک خنجر لے کر، کفار کے مقابلہ پر آ گئیں، تیر و تلوار کے وار، روکتی رہیں اسی دوران، ان کی گردن اور سر پر، تیرہ زخم آئے، ابن قمیہ ملعون نے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تلوار سے وار کیا، تو ام عمارہ سامنے آ گئیں، تلوار کندھے پر لگی، جس سے نہایت گہرا زخم آیا، پھر انہوں نے ابن قمیہ پر وار کیا، لیکن وہ دوہری زرہ پہنے ہوئے تھا، لہٰذا کوئی اثر نہ ہوا۔

ام عمارہ کے فرزند، عبداللہ کہتے ہیں، کہ مجھے ایک کافر نے زخمی کر دیا، زخم بہت گہرا تھا، خون بند نہ ہو رہا تھا، میری ماں نے زخم پر پٹی باندھی، اور اس حال میں مجھے حکم دیا کہ بیٹا اٹھو، میدان میں جاؤ، دشمن سے مقابلہ کرو، اتفاق سے وہی کافر، حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے سامنے آ گیا، آپ نے میری ماں کو بتایا، کہ یہی ہے جس نے تمہارے بیٹے کو زخمی کیا تھا، انہوں نے جھپٹ کر، اس کافر پر تلوار سے بھرپور حملہ کیا، کہ وہ گر پڑا، اور سرین کے بل گھسٹتا ہوا بھاگا، یہ منظر دیکھ کر، اللہ کے رسول ﷺ

مسکرائے، اور فرمایا، اے ام عمارہ! اللہ کا شکرادا کر، کہ اس نے تجھے اتنی طاقت بخشی، کہ تو نے جہاد میں حصہ لیا، اس وقت میری ماں نے اپنے آقا سے گزارش کی کہ آپ دعا فرمادیں کہ، ہم لوگوں کو جنت میں بھی آپ کی خدمت کا موقع میسر آجائے، پس آپ نے دعا کی، "اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھُمْ رُفَقَائِیْ فِی الْجَنَّةِ" یا اللہ! ان سب کو جنت میں میرا رفیق بنادے، حضرت ام عمارہ زندگی بھر کہتی رہیں، کہ اس دعا کے بعد مجھے کوئی فکر نہیں، مجھ پر چاہے کتنی ہی بڑی مصیبت آجائے۔

انصاری خاتون کا صبر

یک انصاری خاتون کے باپ، بھائی، شوہر، سب ہی شہید ہو چکے تھے، تینوں کی شہادت کی خبر، انہیں لوگوں نے علیحدہ علیحدہ دی، وہ ہر ایک سے یہی پوچھتی رہیں، کہ یہ بتاؤ، میرے آقا ﷺ کیسے ہیں، جب لوگوں نے اسے مطمئن کیا، کہ ہمارے آقا ﷺ بعافیت ہیں، تو وہ خوش ہوئی، اللہ کا شکرادا کیا، اور بولی، بس وہ زندہ سلامت ہیں، تو خیر ہی خیر ہے، عافیت ہی عافیت ہے، بزبان شاعر اس خاتون نے کہا:

تسلی ہے پناہ بے کساں زندہ سلامت ہے — کوئی پروا نہیں سارا جہاں زندہ سلامت ہے

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا — اے شہ دیں! تیرے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

عثمان بن عبداللہ کی ہلاکت

یہ قریش کا ایک بہادر، سورما تھا، جسے اپنی قوت پر ناز تھا، فن سپاہ گری کا بڑا ماہر کہلاتا تھا، غزوۂ بدر میں گرفتار ہوا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فدیہ لے کر اسے آزاد کر دیا تھا، لیکن اس کی موت اسے غزوۂ احد میں کھینچ لائی، سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق، گھوڑے پر سوار ہو کر اللہ کے رسول ﷺ پر حملہ کرنے کے لئے دندناتا آرہا تھا، قریب پہنچا، تو آپ کو مخاطب کرتے ہوئے، چلایا، "لَا نَجُوْتُ اِنْ نَجُوْتَ" اگر آپ بچ گئے تو میں کبھی نہ بچ سکوں گا، جب وہ مزید قریب ہوا، تو آقا ﷺ، زخموں سے جراحت کے باوجود، مقابلہ کے لئے خود کھڑے ہو گئے، اچانک گھوڑے کا پاؤں پھسلا اور وہ مغرور، زمین پر آگرا، اس کا گھوڑا اسے پھینک کر بھاگ گیا، پھر یہ حضور کی طرف بڑھا، حضرت حارث بن صمہ مقابلہ کے لئے سامنے آگئے، اور اس کی ٹانگ پر، ایسی تلوار ماری کہ ٹانگ دور جا گری، وہ ایسا گرا کہ اٹھ نہ سکا، حارث اس پر چڑھ گئے اور کام تمام کر دیا، اس کا خود اور زرہ آپ کو ملی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی ہلاکت پر اپنے رب کریم کا شکرادا کیا۔

ابی بن خلف کی ہلاکت

جنگ بدر میں، دونوں بھائی، امیہ اور ابی، بڑے ہی کروفر سے شریک ہوئے، امیہ کو تو حضرت بلال نے تہ تیغ کر دیا تھا اور ابی بن خلف گرفتار ہوا تھا، اور فدیہ دے کر آزاد ہو گیا تھا، کیونکہ اس کا عبرتناک انجام غزوۂ احد میں مقدر تھا، اس کا ایک گھوڑا تھا، جس کی یہ بہت خدمت کرتا اور کہتا تھا کہ اس پر سوار ہو کر، میں محمد (ﷺ) کو قتل کروں گا، جب اللہ کے رسول ﷺ کو اس کے بیہودہ ارادے کی اطلاع دی گئی، تو آپ نے فرمایا، "بَلْ اَنَا اَقْتُلُهُ اِنْشَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی" انشاءاللہ میں اس کو قتل کروں گا، زبان رسالت سے نکلی بات کا غلط ہونا ممکن ہی نہیں، پس آپ ہی نے اس نامراد کو قتل کیا، اور ہوا یہ:

ابی بن خلف، جنگ احد میں اسی گھوڑے پر سوار ہو کر آیا تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے صحابہ کو پہلے ہی ہدایت فرما دی تھی، کہ ابی پر نظر رکھنا، ممکن ہے، وہ مجھ پر پیچھے سے حملہ کر دے، جب تم اسے دیکھو تو مجھے بتا دینا، کیونکہ آپ جنگ کے دوران پیچھے مڑ کر نہ دیکھتے تھے، جب آقا ﷺ گھاٹی میں رونق افروز ہوئے، تو یہ بدبخت، آ دھمکا، اس نے آپ کو دیکھ کر کہا، "اَیْنَ مُحَمَّدٌ لَا نَجَوْتُ اِنْ نَجَا" محمد (ﷺ) کہاں ہیں، اگر وہ بچ گئے تو میں نہ بچ سکوں گا، اسے دیکھتے ہی غلام آگے بڑھے اور اس کو روکنا چاہا، لیکن بہادروں کے آقا ﷺ نے فرمایا، "دَعُوْهُ وَخَلُّوْا طَرِیْقَهٗ" اس کو چھوڑ دو، اس کا راستہ خالی کر دو، یعنی اسے آگے آنے دو، جلال الٰہی کے پیکر، قہر خداوندی کے مظہر ﷺ نے اسے دیکھا، تو فرمایا، "یَا کَذَّابُ اَیْنَ تَفِرُّ" اے کذاب! اب بھاگ کر کدھر جائے گا، آپ نے حارث بن صمہ کے ہاتھ سے ایک چھوٹا نیزہ لیا، اور بڑے جوش سے جھرجھری لی، جس سے صحابہ پر بھی لرزہ طاری ہو گیا، اب جان عالم ﷺ اکیلے ابی کے سامنے کھڑے تھے، آپ نے نیزہ اس کی گردن پر ٹھیک اس جگہ مارا، جو خود اور زرہ کے درمیان ننگی رہ گئی تھی، نیزہ ٹھیک نشانہ پر لگا، کہ نبی کا نشانہ خطا نہیں ہوتا، بس ایک ضرب نے اس مغرور کا کام تمام کر دیا، حواس باختہ ہو گیا، گھوڑے سے گر کر، تڑپنے لگا، وہ بیل کی طرح ڈکار رہا تھا، سر پیٹتا، چلاتا، "قَتَلَنِیْ وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ" بخدا مجھے محمد (ﷺ) نے مار ڈالا، اپنے لشکر کی طرف دوڑا، جب لوگوں نے اس کی چوٹ دیکھی، تو کہنے لگے، یہ تو ایک معمولی سی خراش ہے، ابی! تو، تو بڑا ہی بزدل ہے، کہ اس خراش سے اتنا تڑپ رہا ہے۔

لوگ اس کا مذاق اڑا رہے تھے، یہ تو اسی کو پتہ تھا، کہ یہ ضرب عام آدمی کی نہیں، نبی کی ہے، جس نے تڑپا دیا ہے، اور ایسا تڑپایا، کہ کئی دن تک نہ مرا تڑپتا ہی رہا، جب کافروں کا لشکر مکہ واپس ہوا، تو مقام سرف پر اس کا دم نکلا، اور جہنم رسید ہوا۔

جنگ بند ہوگئی

بہر حال جنگ بند ہوگئی، کون کامیاب ہوا، اور کون ناکام، کیا یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے؟ یہ فیصلہ کرنا ان کے لئے دشوار ہوگا جنہوں نے غزوۂ احد کے، واقعات کو عام جنگوں کے منظر میں پڑھا، لیکن ان کے لئے ہرگز دشوار نہیں، جنہوں نے اس پر ایمان کی روشنی میں، ایک جہاد کی حیثیت سے غور کیا، اور حقائق کا تجزیہ کیا، ہم اس سلسلہ میں اپنی بساط کے مطابق چند باتیں عرض کرتے ہیں:

لشکر کفار کا مقصد صرف یہ تھا، کہ مسلمانوں کے حوصلے پست ہو جائیں، انہیں اسلام کی اشاعت سے روک دیا جائے، اور اگر موقع ہاتھ آئے، تو (العیاذ باللہ) جان عالم ﷺ کو قتل کر دیا جائے، جنگ کے حالات کے مطابق، ان تینوں باتوں کا جواب نفی میں ملتا ہے۔

حوصلے پست نہیں ہوئے، بلکہ بلند ہوئے، یہ ایک واضح حقیقت ہے، جس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں، تاہم اگر جنگ کے بعد کے حالات کو، تلاش ثبوت کے مقصد سے پڑھا جائے، تو آپ کو ثبوت ہی ثبوت ملتا جائے گا، صرف ایک ثبوت یہ ہے کہ غزوۂ احد کے بعد کسی جنگ میں ان حالات کا اعادہ نہ ہوا، حتیٰ کہ وہ مرکز جہاں سے شورش اور سازش ہوتی تھی، جہاں جنگی تیاریاں ہوتی تھیں، جہاں مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کے منصوبے گھڑے جاتے تھے، یعنی مکہ فتح ہوگیا، اور قیامت تک کے لئے مسلمانوں کا مرکز بن گیا، ایسا مقدس و پاکیزہ مرکز، کہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافروں کا داخلہ بند کر دیا گیا، اور اسے اہل ایمان کے لئے جائے پناہ اور جائے سکون بنا دیا گیا، کیا اب بھی کہا جا سکتا ہے، کہ غزوۂ احد میں دشمن کے ظلم و ستم نے، مسلمانوں کے حوصلے پست کر دیئے تھے، علاوہ ازیں ان حالات پر غور کیجئے، جب جنگ بند ہوئی، تو پہلے کافروں نے میدان جنگ چھوڑا تھا، نیز چلتے چلتے، ابو سفیان نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا، آئندہ ہمارا تمہارا مقابلہ ایک سال بعد بدر الصغریٰ کے مقام پر ہوگا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ہمیں تمہارا چیلنج قبول ہے، اگر حوصلہ پست ہوتا، تو یہ جواب نہ ملتا، مزید غور فرمایئے، جب کفار میدان جہاد سے نکلے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو حکم دیا، کہ ان کا تعاقب کرو، اور دیکھو کہ یہ مدینہ کا رخ تو نہیں کرتے، نیز آپ نے فرمایا، ''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ وَاِنْ سَارُوْ اِلَیْھَا ...... لَاَسِیْرَنَّ اِلَیْھِمْ ثُمَّ لَاُنَاجِزَنَّھُمْ''، اس ذات کی قسم! جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، اگر انہوں نے مدینہ منورہ پر چڑھائی کی، تو میں فوراً ان کا تعاقب کروں گا، اور انہیں، جنگ کا چیلنج دوں گا، سوچئے، کیا حوصلہ پست ہونے کے بعد ایسے عزم کا اظہار کیا جا سکتا ہے،

اسی طرح اسلام کی اشاعت میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، جس طرح سورج طلوع ہو کر، جتنا بلند ہوتا ہے، اتنی ہی اس کی کرنیں پھیلتی جاتی ہیں اسی طرح اسلام روز اول سے عروج پر ہے، جہاں کل نہ

پہنچا تھا، آج پہنچ چکا ہے، اور جہاں اب تک نہیں پہنچا وہاں مستقبل میں پہنچ کر رہے گا، کرہ ارض کے گوشہ گوشہ میں اس کی کرنیں پھیل چکی ہیں، اور ہاں سورج تو اپنے وقت پر غروب ہو جاتا ہے، کہ وہ غروب ہونے ہی کے لئے طلوع ہوتا ہے، نظام عالم کے لئے اس کا طلوع ہونا بھی ضروری اور غروب ہونا بھی ضروری ہے، لیکن اسلام غروب ہونے کے لئے طلوع نہیں ہوا، یہ قیامت تک طلوع ہی رہے گا، کہ انسانی اقدار کی بقا اور انسانیت کا عروج، اسلام کے طلوع اور عروج سے وابستہ ہے، شمع اسلام کو نہ اس دور کے دشمن بجھانے میں کامیاب ہو سکے نہ آج کے اور نہ ہی مستقبل کے کامیاب ہو سکیں گے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ يَاْبَى اللّٰهُ اِلَّاۤ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾ (توبہ)

''وہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو بجھا دیں، اپنی پھونکوں سے، اور انکار فرماتا ہے اللہ، مگر یہ کہ کمال تک پہنچا دے اپنے نور کو، اگرچہ کافر ناپسند کریں''۔

يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَ اللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸﴾ (الصف)

''وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اپنے نور کو کمال تک پہنچا کر رہے گا، چاہے کافر ناپسند کریں اس کو''۔

ارشاد باری تعالیٰ واضح ہے، اسلام، انسان کا وضع کردہ قانون نہیں، یہ اللہ کا نور اور اللہ کا پسندیدہ دین ہے، اللہ ہی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے، اس کا مقابلہ کون کر سکتا ہے، پس کیسے کہا جا سکتا ہے، کہ غزوۂ احد میں کفار نے اشاعت اسلام کو نقصان پہنچایا، ان کی یا ان سے زیادہ طاقتور دشمن کی پھونکوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے، پس شمع اسلام روشن ہے اور قیامت تک روشن رہے گی، اشاعت اسلام کا کام ہر دور میں جاری رہا اور جاری رہے گا۔

جنگ احد میں لشکر کفار کا تیسرا مقصد، جان عالم ﷺ کی جان لینا تھا، جس کی جان سے کائنات میں جان ہے، اسی لئے اسلام کے ابتدائی ایام میں ہی اعلان کر دیا گیا تھا، وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ پیارے محبوب اللہ آپ کو دشمن کے شر سے محفوظ رکھے گا، پس اس نے اپنا وعدہ پورا فرمایا، کہ مکہ میں ظلم و ستم کے تیرہ سال گزرے، کفار نے کئی مرتبہ، آپ کی جان لینے کی کوشش کی، لیکن اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی، اس کے باوجود بھی، احمق کافر اپنی کوششوں سے باز نہ آئے، جان لینے کی کوششیں کرتے رہے اور ناکام رہے، جان عالم ﷺ زندہ رہے، اور عالم ظاہری سے منتقل ہو جانے کے بعد

بھی زندہ ہیں، ظاہری آنکھوں سے تو ہم بھی انہیں نہیں دیکھ پاتے، لیکن وہ تو دل کی آنکھوں سے بھی محروم ہیں، جوانہیں مردہ خیال کرتے ہیں۔

تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ	مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے

یہ لشکر اسلام کی عظیم کامیابی ہے، کہ اس نے سخت مزاحمت کے باوجود، کفار کو ان کے کسی مقصد میں کامیاب نہ ہونے دیا، ستر جلیل القدر صحابہ شہید ہو گئے، حتیٰ کہ جان عالم ﷺ نے بھی سخت اذیت اور جسمانی تکلیف برداشت کی، لیکن اللہ کے سپاہیوں نے نہ اپنے آقا کو تنہا چھوڑا، اور نہ ہی میدان سے بھاگے، ان کے حوصلے بلند رہے، خدمت دین، اشاعت اسلام اور عشق ومحبت رسول کے جذبہ میں کوئی کمی نہ آئی، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک وخون غلطیدن	خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

شہداء کرام کی خبر گیری

جب ظالم کافروں کا لشکر میدان جنگ سے چلا گیا، تو آقا ﷺ اپنے غلاموں کے ہمراہ، اپنے جان نثار شہداء کی خبر گیری کے لئے تشریف لائے، جس شہید کی نعش ملی وہ مثلہ شدہ تھی، حلیہ بگڑا ہوا تھا، اکثر کو پہچاننا بھی دشوار ہو رہا تھا، صرف حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کی لاش صحیح وسلامت تھی، شاید اس لئے کہ شہید ہونے کے بعد انہیں فرشتے غسل کرانے لے گئے تھے، اور جب وہ واپس شہداء میں پہنچے، تو کافران کی طرف متوجہ نہ ہوئے، ورنہ، یہ بھیڑیئے، ان کو بھی صحیح سالم نہ چھوڑتے، یہاں ہم صرف سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی مقدس لاش کا ذکر، کر رہے ہیں۔

سید الشہداء کی لاش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، لاشوں کے معائنہ کے دوران، بار بار، فرما رہے تھے، ''مَافَعَلَ عَمِّيْ'' میرے چچا نے کیا کیا، یعنی ان کی خبر بتاؤ، وہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں، اسی دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، اور وہ مقام بتایا، جہاں لاش دیکھ کر آئے تھے، اللہ کے رسول ﷺ، بسرعت اس جگہ پہنچے، تو محبوب چچا کا حال دیکھ کر آپ دم بخود کھڑے ہو گئے، پیٹ چاک ہے، دل، جگر نکلا ہوا ہے، ناک، کان کٹے ہوئے ہیں، آنکھیں نظر نہیں آ رہیں، جسم کا کوئی حصہ تیروں، تلواروں کے زخموں سے خالی نہیں، یہ منظر ملاحظہ فرما کر آقائے رحمت ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں، حتیٰ کہ کچھ دیر کے لئے ہچکی بندھ گئی، پھر آپ نے چچا کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، ''رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْكَ'' آپ پر اللہ کی رحمت ہو، ''فَإِنَّكَ وَكُنْتَ كَمَا عَلِمْتُكَ فَعُوْلًا لِلْخَيْرَاتِ'' جیسا کہ میں جانتا ہوں کہ آپ

بھلائیاں کرنے والے تھے، "وُصُولاً لِلرَّحِمِ" صلہ رحمی کرنے والے تھے، پھر آپ نے فرمایا، "لَوْلاَ اَنْ تَحْزَنَ صَفِيَّةُ (اَوْنِسَاءَ نَا) لَتَرَكْتُهُ حَتّٰى يُحْشَرَ مِنْ بُطُوْنِ السِّبَاعِ وَحَوَاصِلِ الطَّيْرِ" اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ آپ کی بہن صفیہ، یا ہمارے خاندان کی عورتیں، غمزدہ ہوں گی، تو میں آپ کی لاش کو یوں ہی چھوڑ دیتا، تا کہ قیامت کے دن آپ کا حشر، درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں سے ہوتا، پھر فرمایا، کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کافروں پر غلبہ عطا فرمایا، تو میں ان کے ستر مقتولین کا اس سے بدتر مثلہ کروں گا، چونکہ آپ کا یہ ارشاد فرط جذبات میں تھا جو آپ کے منصب رحمت کے لئے موزوں نہ تھا لہٰذا حضرت جبرئیل وحی الٰہی لے کر بارگاہ میں حاضر ہوئے۔

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ (النحل)

"اور اگر تم انہیں سزا دینا چاہو تو انہیں سزا دو، لیکن اس قدر جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے، اور اگر تم صبر کرو، تو صبر ہی بہتر ہے، صبر کرنے والوں کے لئے"۔

پس سید الصابرین رحمۃ للعالمین نے صبر کو اختیار فرمایا، کبھی کسی لاش کو مثلہ نہ فرمایا، اور قیامت تک کے لئے، اس بدترین عمل کو ممنوع قرار دے دیا۔

حضرت صفیہ کا صبر

حضرت صفیہ، سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی سگی بہن تھیں، جو غزوہ میں شریک تھیں، جب انہیں معلوم ہوا، کہ بھائی شہید ہو چکے ہیں اور آقائے رحمت ﷺ ان کی لاش کا معائنہ کر رہے ہیں، تو آپ بھی دوڑتی آئیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان پر نظر پڑی، تو آپ نے ان کے بیٹے حضرت زبیر بن عوام کو حکم دیا، کہ جاؤ اور اپنی ماں کو روکو، کہ کہیں وہ بھائی کی بریدہ لاش کو دیکھ کر ذہنی توازن نہ کھو دیں، حضرت زبیر آگے بڑھے، ماں کو روکنے لگے تو انہوں نے دھکا مار کر بیٹے کو ہٹا دیا، انہوں نے کہا، ماں! مجھے آقا ﷺ نے حکم دیا، کہ تمہیں روکوں اور لاش تک نہ پہنچنے دوں، فرمانے لگیں، "لَاَصْبِرَنَّ وَ اَحْتَسِبَنَّ اِنْشَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى" انشاء اللہ میں صبر کروں گی، اور ثواب کی امیدوار رہوں گی، پس وہ بھائی کی لاش پر پہنچیں، اور اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھا، اور خاموش، دم بخود کھڑی ہو گئیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حالت دیکھ کر خیال فرمایا کہ، کہیں یہ ذہنی توازن نہ کھو بیٹھیں، لہٰذا آپ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھا، جس کے اثر سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اور حال ٹھیک ہو گیا۔

حضرت صفیہ کے صبر و شکر کی یہ کیفیت امت کی ان عورتوں کے لئے درس ہے، جو معمولی تکلیف پر

بالخصوص اللہ ورسول کے احکام کی تعمیل میں کسی دشواری کے پیش آنے پر، بکھر جاتی ہیں، واویلا کرنے لگتی ہیں، اللہ سے شکوہ کرنے لگتی ہیں، وہ سبق حاصل کریں اور سوچیں کہ ایک بہن نے اپنے عزیز بھائی کی لاش کو دیکھا، اور وہ بھی ایسی لاش جس کا ہر حصہ زخمی تھا، کٹا ہوا تھا، نہ دل کا پتہ تھا، نہ کان اور ناک کا پتہ تھا، نہ آنکھیں نظر آرہی تھیں اور پیٹ چاک تھا، اللہ محفوظ رکھے کسی کو ایسا صدمہ نہ پہنچے۔

آج حضرت صفیہ اپنے بھائی کے لئے بطور تحفہ، کفن کی دو چادریں لائی تھیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک چادر کا کفن اپنے چچا کو پہنایا، اور دوسری چادر سے آپ نے اس شہید راہ حق کو کفن دیا، جس کی لاش، حضرت حمزہ کے قریب پڑی تھی اور اس کا بھی وہی حال تھا جو حضرت حمزہ کا تھا، پیکر عدل و انصاف نے گوارا نہ کیا کہ چچا کو تو دو چادروں کا کفن مل جائے، اور دوسرے جان نثار کو بے کفن دفن کر دیا جائے، حضرت حمزہ کو جس چادر کا کفن ملا، وہ اتنی چھوٹی تھی، کہ سر ڈھکا جاتا تو پیر کھل جاتے، اور پیر ڈھکے جاتے تو سر کھل جاتا تھا، پس سر ڈھانپ دیا گیا اور پیروں پر، اذخر، گھاس ڈال دی گئی۔

شہداء کی تدفین

شہداء کی تدفین بھی ایک نہایت ہی صبر آزما مرحلہ تھا، ان جان نثاروں کے جسم پر، جو اسلحہ اور زرہیں وغیرہ تھیں وہ اتار لی گئیں، اکثر کو بلا کفن، خون میں لت پت کپڑوں میں دفن کیا گیا، بعض کو کفن نصیب ہوا، تو ایک کپڑا دو کے لئے، تین کے لئے میسر آیا، بعض شہداء قبروں میں، دو دو، تین تین دفن کئے گئے، جس شہید کو قرآن کریم کی زیادہ سورتیں یاد تھیں، اسے قبر میں پہلے رکھا جاتا تھا، بعض شہداء کے وارثوں نے درخواست پیش کی کہ ہمارے شہداء کی لاشیں ہمارے سپرد کی جائیں، تاکہ ہم انہیں مدینہ منورہ لے جاکر، جنت البقیع میں دفن کریں، یہ درخواست نامنظور ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہر شہید کو اس کے مقتل ہی میں دفن کیا جائے گا۔

شہدائے احد کی تدفین کے بعد، غمزدہ وافسردہ، لیکن صابر وشاکر، لشکر اسلام، میدان جنگ سے باہر آیا، اللہ کے رسول ﷺ، نے دامن احد پر کھڑے ہو کر طویل دعا کی اور مدینہ منورہ کا رخ فرمایا۔

لشکر اسلام مدینہ میں

وہ لشکر اسلام جو چند دن پہلے، نہایت کروفر اور بلند عزائم کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوا تھا، جس کی ہمت وشجاعت، خلوص وللہیت اور اپنے آقا ﷺ سے عشق ومحبت کے مظاہرے میدان جنگ میں دیکھے گئے، آج مدینہ منورہ میں داخل ہو رہا ہے، تو افسردہ وغم زدہ ہے، کہ اسے اپنے ستر سے زیادہ بہادروں کی بریدہ لاشوں کو سپرد خاک کرنا پڑا، نیز ساتھیوں میں کوئی ایسا نظر نہیں آرہا تھا، جس کے جسم پر

زخم نہ ہوں، سب سے بڑا صدمہ، جس سے اللہ کے یہ سپاہی نڈھال نظر آ رہے ہیں، جان عالم ﷺ کا زخمی ہونا تھا، جس سے آپ کو خاصی نقاہت لاحق تھی، حتیٰ کہ آپ کو سواری سے غلاموں نے سہارا دے کر اتارا، لیکن اس صورت حال کے باوجود نہ تو مجاہدین کے حوصلے پست تھے، نہ ہی وہ مایوسی کا شکار تھے، اور نہ ہی افراتفری کا کوئی منظر تھا، انہیں اپنے اعزاء واقارب کی شہادت کی اطلاع دی جاتی، تو وہ صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، پڑھتے اور سب ہی کا ایک سوال تھا، کہ ہمارے آقا ﷺ کیسے ہیں اور کہاں ہیں، خصوصاً عورتوں نے جس صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا، تاریخ انسانیت میں اس کی نظیر نہیں ملتی، جب کہ عورتیں طبعاً نہایت کمزور اور رقیق القلب ہوتی ہیں۔

سب سے پہلی خاتون، جو لشکر اسلام کے سامنے آئیں، حمنہ بنت جحش تھیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دیکھا تو قریب بلا کر فرمایا، "یا حمنة احتسبی" "اے حمنہ! اپنی مصیبت کا اجر اپنے رب سے طلب کرو، انہوں نے پریشان ہو کر پوچھا، "مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" کس کی موت کا اجر اپنے رب سے مانگوں، تو آپ نے بتایا، کہ تمہارے ماموں، حمزہ، بھائی عبداللہ بن جحش، اور شوہر مصعب بن عمیر شہید ہو گئے، حمنہ نے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، پڑھا اور صبر کیا۔

قبیلہ بنی دینار کی ایک خاتون کو بتایا گیا، کہ اس کا باپ، بھائی اور خاوند تینوں نے جام شہادت نوش کیا، وہ اللہ کی بندی، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، پڑھنے کے بعد کہتی ہے، مجھے میرے آقا ﷺ کا دیدار کرا دو، کہ میں انہیں زندہ سلامت دیکھ کر تسلی کرنا چاہتی ہوں، جب اس نے آپ کی زیارت کر لی، تو بولی، "کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ" آپ سلامت ہیں، تو ہر مصیبت ہیچ ہے۔

مسجد نبوی شریف کے قریب پہنچ کر، آقا ﷺ کی طرف سے اعلان ہوا، کہ سب لوگ، اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں، تعمیل حکم ہوئی، زخموں کے باعث آپ کو، اٹھا کر سواری سے اتارا گیا، حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ کے کندھوں پر ٹیک لگا کر آپ کاشانہ مبارک تک تشریف لائے، انہی دونوں حضرات کے کندھوں پر ٹیک لگا کر آپ نماز مغرب کے لئے تشریف لائے، جب کہ عشاء کی نماز کے لئے آپ از خود چل کر تشریف فرما ہوئے، کہ مرہم پٹی اور آرام سے، تکلیف خاصی کم ہو گئی تھی۔

زیارت شہدائے احد

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، شہداء احد کے مزارات پر تشریف لے جاتے تھے، اور ان سے مخاطب ہو کر فرماتے تھے، تم پر سلامتی ہو، اس صبر کی وجہ سے جو تم نے کیا، پس تمہارا، انجام بہترین ہوا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد، حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کا بھی یہی معمول رہا، (حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ذکر اس لئے نہیں، کہ آپ نے دارالخلافہ، کوفہ کو بنالیا تھا اور آپ وہیں مقیم تھے)۔

عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن فردہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام شہداء احد کی زیارت کے لئے تشریف لائے، اور فرمایا، "اَللّٰھُمَّ اِنَّ عَبْدَکَ وَنَبِیَّکَ یَشْھَدُ اَنَّ ھٰؤُلَآءِ شُھَدَآءُ، اے اللہ! بے شک تیرا بندہ اور تیرا نبی گواہی دیتا ہے کہ یہ شہداء ہیں، "وَاَنَّہٗ مَنْ زَارَھُمْ اَوْسَلَّمَ عَلَیْھِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ رَدُّوْا عَلَیْہِ" اور قیامت تک جو لوگ ان کی زیارت کریں گے، یا انہیں (دور سے بھی) سلام عرض کریں گے، یہ حضرات انہیں سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جب شہداء احد کے مزارات پر حاضر ہوتے، تو سلام عرض کرتے، پھر اپنے ساتھیوں سے فرماتے، "اَلَا تُسَلِّمُوْنَ عَلٰی قَوْمٍ یَرُدُّوْنَ عَلَیْکُمُ السَّلَامَ" کیا تم اس قوم کو سلام نہیں کرتے، جو تمہارے سلام کا جواب دیتے ہیں۔

قرآن وحدیث کے مطابق عقیدہ حق یہی ہے، کہ اللہ قادر و مطلق نے شہداء کو روحانی و جسمانی، حیات ابدی کے انعام سے نوازا ہے، پس زائرین وعقیدت مندوں کا سلام اور ان کی طرف سے جواب ملنا، امر یقینی ہے، جسے اللہ کے مقرب ومخصوص بندے سنتے بھی ہیں۔

غزوۂ احد کا صبر آزما مرحلہ ختم ہوا، جو درحقیقت اہل ایمان کی آزمائش کا مرحلہ تھا، اس غزوہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے کیجئے، کہ سورۂ آل عمران کی ساٹھ آیات آیت نمبر 121 تا 180 اسی غزوے کی تفصیلات پر مشتمل ہیں، جن کے مطالعہ سے، اس غزوے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، نیز وہ تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں جو دشمنان اسلام یا کم علم مؤرخین کی طرف سے اہل ایمان کے ذہنوں کو پراگندہ کرنے کی غرض سے پیدا کیے گئے، چونکہ اس عنوان کا تعلق تفسیر سے ہے، لہٰذا یہاں ہم اس پر گفتگو نہیں کر سکتے، صاحب ذوق حضرات کے لئے ہمارا مشورہ ہے، کہ وہ آیات مذکورہ کی تفسیر کے لئے، حضرت پیر محمد کرم شاہ علیہ الرحمہ کی تفسیر "ضیاء القرآن" کا مطالعہ کریں۔

غزوۂ حمراء الاسد

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مجاہدین اسلام نے ابھی سکون کا سانس بھی نہ لیا تھا، زخموں کے درد میں کمی تک نہ ہوئی تھی، ہتھیار اتارے پورا ایک دن بھی نہ گزرا تھا، کہ "غزوۂ حمراء الاسد" پیش آ گیا، جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ

جب کفار مکہ میدان سے نکلے تھے، تو اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے مدینہ پر حملہ کے خطرے کے پیش نظر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو، ان کا تعاقب کرنے کا حکم دیا، تاکہ یہ یقین کر لیا

جائے، کہ وہ مکہ ہی واپس جارہے ہیں، حضرت علی نے کافی دور تک ان کا تعاقب کیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یقین کے ساتھ بتایا، کہ کفار نے مکہ ہی کا رخ کیا ہے، لہٰذا اب ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں لیکن بہت دور جا کر، ان خبیثوں کو شیطان نے ورغلایا، اور وہ آپس میں باتیں کرنے لگے، کہ اگر بغور دیکھا جائے، تو حقیقت یہ ہے کہ ہمیں جنگ میں فتح تو درکنار کوئی خاص کامیابی بھی نہیں ہوئی، کیونکہ اگرچہ ہم نے کافی مسلمانوں کو قتل کیا، لیکن اس سے اسلام کے پھلنے پھولنے پر کوئی اثر نہ پڑے گا، کیونکہ ہم نے جن لوگوں کو قتل کیا ہے، ان میں سوائے چند کے باقی سب عوامی سطح کے لوگ تھے، جب کہ ہم جان توڑ کوششوں کے باوجود محمد (ﷺ) کی جان لینے میں ناکام رہے، نیز صف اول کے کسی شخص کو ہم قتل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن جراح، ابودجانہ، سعد بن عبادہ، سعد بن معاذ، وغیرہ جیسے لوگ زندہ ہیں، یہی لوگ ہیں جو خدمت و اشاعت اسلام میں پیش پیش رہتے ہیں، یہ لوگ دوبارہ مسلمانوں کو منظم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور وہ وقت دور نہیں جب یہ لوگ مزید طاقت ور لشکر لے کر ہم پر حملہ آور ہوں گے اور ہمیں تہس نہس کر دیں گے، لہٰذا ہمیں مکہ میں داخل ہونے اور اپنا اسلحہ کھولنے سے پہلے، یعنی ابھی ان لوگوں پر دوبارہ حملہ کر دینا چاہیے، کہ یہی وقت موزوں ترین ہے، کیونکہ وہ سب زخموں سے نڈھال ہو چکے ہیں، ابھی ان میں ہمارا مقابلہ کرنے کی سکت نہیں، اس قسم کے بیہودہ خیالات نے انہیں دوبارہ حملہ کرنے پر آمادہ کیا، اور وہ دوسرے ہی دن مکہ کی بجائے مدینہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی تو آپ نے صبح اعلان فرما دیا، کہ کفار پر حملہ کے لئے سب تیار ہو جائیں، اور اس لشکر میں صرف وہی مجاہدین شامل ہوں گے، جو کل غزوۂ احد سے واپس آئے ہیں، یعنی وہ لشکر جو صرف تھکا ماندہ ہی نہیں، بلکہ اس کا ہر فرد زخمی ہے، کسی کا سر پھٹا ہوا ہے، تو کسی کا ہاتھ یا پیر کٹا ہوا ہے، کسی کے جسم پر ستر زخم ہیں، تو کسی کے اسی، ان ہی افراد پر مشتمل لشکر ہوگا، کسی تر و تازہ، نئے فرد کو شامل ہونے کی اجازت نہیں، تا کہ کوئی نہ کہہ سکے، کہ پرانے سپاہیوں کے حوصلے پست ہو چکے ہیں، لہٰذا اب نئے سپاہی بھرتی کیے گئے ہیں، تا کہ دنیا دیکھ لے اور جان لے کہ کمال اطاعت، کمال عشق و محبت کیا ہوتا ہے، تا کہ دیکھ لیا جائے، کہ محمد عربی ﷺ جیسا شفیق مطاع و حاکم، باکمال معلم و مربی، نہ اس سے پہلے ہوا، اور نہ ہی کبھی ہو سکتا ہے، پس جس نے اعلان سنا، وہ بلا تساہل، بلا تاخیر، گھر سے لبیک کی صدا بلند کرتا نکلا، ایسا معلوم ہوتا تھا، اور ایسا ہی تھا، کہ آقا ﷺ کی پکار سے تکان بھی دور ہو گئی، اور زخموں کا درد بھی رفو ہو گیا، مزید برآں، نہ کسی بیوی نے شوہر کو منع کیا نہ کسی ماں نے بیٹے کو، نہ کسی بہن نے بھائی کو روکا، کہ سب ہی پیکر اطاعت تھے سب سچے عاشق تھے، جذبۂ اطاعت و شہادت کے لئے یہ

واقعہ ملاحظہ ہو:

حضرت جابر بن عبداللہ، بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں، یا رسول اللہ! میں جنگ احد میں شریک ہونے کے لئے تیار تھا، لیکن میرے باپ نے مجھے خواتین کی حفاظت اور گھر کی دیکھ بھال کرنے کا حکم دیا، لہٰذا میں شرکت سے محروم رہا، جب کہ میرے باپ جنگ میں شریک بھی ہوئے، اور شہید بھی ہو گئے لہٰذا عرض گزار ہوں کہ اس مرتبہ مجھے خصوصی اجازت مرحمت ہو، تاکہ جہاد میں شرکت کی عظیم سعادت میسر آسکے، آقائے رحمت ﷺ نے درخواست منظور فرمائی پس یہی اس لشکر میں ایک نئے سپاہی تھے، اور وہ اپنی درخواست قبول ہونے پر بے حد خوش تھے، اللہ اکبر! کیسا عظیم بیٹا تھا، جو اپنے باپ کی شہادت کے بعد بھی شہید ہونے کے لئے تیار ہے، اور ماں کیسی عظیم تھی، جس نے بیٹے کو نہ روکا، کہ اس گھر کا فرد اعلیٰ قربانی دے چکا، اب ہم مزید قربانی نہیں دے سکتے، حق یہ ہے، کہ اہل ایمان کا یہی جذبہ، اسلام کی بقاء اشاعت اور حفاظت کا ذریعہ تھا، اور اسی جذبہ کے باعث مسلمان باعزت و باوقار قوم تھے۔

بہر حال، اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں، زخمی لیکن تر و تازہ غلام، نہایت جوش و جذبہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے، ایک مرتبہ پھر لشکر کفار کی سرکوبی کا عزم لے کر چلے، حمراء الاسد مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک موضع ہے، جب لشکر اسلام یہاں پہنچا، تو قائد اعظم ﷺ نے خیمہ زن ہونے کا حکم دیا، اسی مقام پر قبیلہ بنی خزاعہ کا ایک شخص معبد بن ابی معبد حاضر ہو کر، حلقہ بگوش اسلام ہوا، چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی خونریزی کو پسند نہ فرمایا ہمیشہ اپنا دفاع کیا اور بحالت مجبوری تلوار نیام سے نکالنے کا حکم دیا، لہٰذا آپ نے اس جنگ کو بھی ٹالنے کی غرض سے معبد سے فرمایا، کہ تم لشکر کفار میں جاؤ اور ابوسفیان کو اتنا خوفزدہ کرو کہ وہ بھاگنے پر مجبور ہو جائے، تاکہ جنگ کی نوبت نہ آئے۔

معبد مقام "الروحا" پر ابوسفیان سے ملے، جسے معبد کے مسلمان ہو جانے کا علم نہ تھا، لہٰذا اس نے خود ہی پوچھا، "مَاوَرَائَکَ یَا مَعْبَدُ" اے معبد! بتاؤ تمہارے پیچھے کا کیا حال ہے، معبد کو موقع مل گیا، انہوں نے کہا، ابوسفیان! مسلمان نہایت جوش و جذبہ اور غصہ کی حالت میں تمہارے پیچھے ایک بڑا لشکر لے کر دوڑے آرہے ہیں، جو مسلمان غزوۂ احد میں شریک نہ ہو سکے تھے، وہ سب جمع ہو گئے ہیں، میں نے آج سے پہلے اتنا بڑا لشکر نہ دیکھا، ابوسفیان نے کہا، تو اب تمہاری کیا رائے ہے، معبد نے کہا، میں تو یہی کہوں گا، کہ اس لشکر کے قریب آنے سے پہلے تم اپنی جانیں بچا کر بھاگ جاؤ، ابوسفیان کہنے لگا، لیکن ہم تو مسلمانوں کو تہس نہس کر دینے کا پختہ ارادہ کر کے آئے ہیں، معبد نے کہا ایسی غلطی ہرگز نہ کرنا ورنہ سخت نقصان اٹھاؤ گے، اور اس کے ذمہ دار تم ہی قرار پاؤ گے، پس ابوسفیان نے اپنے لشکر کو

حالات سے باخبر کیا، وہ سنتے ہی دم دبا کر بھاگ گئے، یہ جنگ کو ٹالنے کے لئے آقائے حکمت ﷺ کی حکمت عملی اور تدبیر تھی، جو کامیاب ہوئی، آپ کئی روز، حمراء الاسد، میں ٹھہرے اور لشکر کفار کا انتظار کرتے رہے، لیکن یہ سورما، ڈر، ڈرا کر بھاگ چکے تھے، چند روز حمراء الاسد میں قیام کے بعد، آپ اللہ کا شکر ادا کرتے اور فتح و کامیابی کا پرچم لہراتے واپس مدینہ طیبہ تشریف لے آئے۔

آیئے، اب ۳ ہجری کے دیگر واقعات میں سے چند پر نظر ڈالیں:

حضرت حفصہ سے نکاح

حضرت حفصہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، ان کی شادی، حنیس بن حذافہ القرشی سے ہو چکی تھی، جو نہایت خوش بخت تھے کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مشرف باسلام ہوئے، مہاجر حبشہ تھے، حبشہ سے مکہ واپس آئے، پھر مدینہ ہجرت کر کے پہنچے، غزوۂ بدر میں شریک ہوئے اور نہایت جواں مردی سے لڑے، غزوۂ احد میں شریک ہوئے، دشمنوں کا مقابلہ کرتے وہ شدید زخمی ہو گئے، اور کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنی اٹھارہ سالہ بیٹی کے بیوہ ہو جانے کا سخت صدمہ تھا، وہ چاہتے تھے، کہ جلد از جلد بیٹی کا دوسرا نکاح ہو جائے، لیکن آٹھ ماہ گزر جانے کے بعد، کسی نے تحریک نہ کی، بالآخر حضرت عمر خود ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے، اور ان سے کہا کہ وہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لے لیں، لیکن ابوبکر نے کوئی جواب نہ دیا، خاموشی اختیار کی، جس کا حضرت عمر کو بے حد صدمہ تھا پھر وہ بڑی امید لے کر حضرت عثمان کے پاس گئے، کہ ان کی اہلیہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی حضرت رقیہ کا وصال ہو چکا تھا اور انہوں نے اب تک دوسرا نکاح نہ کیا تھا جب کہ تقریباً ایک سال گزر چکا تھا، پس حضرت عمر نے، حضرت عثمان سے کہا کہ آپ حفصہ سے نکاح کر لیں، حضرت عثمان نے، جواب دینے کے لئے چند دن کی مہلت چاہی، جب مدت مہلت ختم ہو گئی تو حضرت عمر دوبارہ حضرت عثمان کے پاس آئے، اور جواب طلب کیا، آپ نے کہا، میرا ابھی شادی کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے ان دونوں دوستوں پر بڑا اعتماد تھا، لیکن اس معاملہ میں ان کے جواب سے وہ سخت مایوس اور افسردہ ہوئے، اس حال میں وہ اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں اپنا دکھ لے کر حاضر ہوئے، اور حضرت ابوبکر و عثمان کا شکوہ کیا، آپ نے اپنے غلام کو تسلی دی اور مژدہ سنایا، کہ "یَتَزَوَّجُ حَفْصَةَ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْ عُثْمَانَ وَ يَتَزَوَّجُ عُثْمَانَ مَنْ هِيَ خَيْرٌ مِنْ حَفْصَةَ" کہ حفصہ سے وہ نکاح کرے گا جو عثمان سے بہت بہتر ہے، اور عثمان اس سے نکاح کریں گے جو حفصہ سے بہتر ہے، حضرت عمر، یہ مژدہ سن کر، جلدی سے اٹھے، تا کہ اپنی غمزدہ بیٹی اور دونوں دوستوں کو خوش خبری

سنائیں، پہلے آپ کی ملاقات حضرت ابوبکر سے ہوئی، جنہوں نے عمر کا چہرہ دیکھ کر سمجھ لیا، کہ یہ آقا کے پاس سے آ رہے ہیں اور خوشخبری لے کر آئے ہیں، پس آپ نے مبارکباد دی، اور کہا کہ اے عمر اسی لئے میں نے اس دن آپ کو کوئی جواب نہ دیا تھا، کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے آپ کی بچی کا ذکر کیا تھا، میں آپ کا راز فاش نہیں کرنا چاہتا تھا، آپ کے فیصلہ کا منتظر تھا، اگر آپ کوئی جواب نہ دیتے، تو میں ضرور حفصہ سے نکاح کر لیتا۔

بہر حال حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نکاح کر لیا، اور وہ ہماری ماں بن گئیں، اور آٹھ سال آپ کی خدمت کا شرف حاصل کرتی رہیں، حضور کے وصال کے بعد، اسی حجرۂ مبارکہ میں قیام پذیر رہیں، آپ کے شب و روز عبادت الٰہی میں بسر ہوتے رہے، ساٹھ برس کی عمر میں، 45 ہجری شعبان کے مہینہ میں وصال ہوا، جنت البقیع میں دفن ہیں، لیکن مزار مقدس کا صحیح پتہ نہیں۔

سیدہ ام کلثوم کا نکاح

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی اور حضرت عثمان کی اہلیہ، حضرت رقیہ کا وصال عین اس روز ہوا جس دن، اہل مدینہ کو غزوۂ بدر میں، لشکر اسلام کی شاندار فتح کی خبر ملی، چونکہ آقا ﷺ حضرت عثمان کو بے حد چاہتے تھے، لہٰذا آپ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم کو بھی ان کی زوجیت میں دینے کا فیصلہ فرمایا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل میں یہ عظیم فضیلت ہے کہ آپ کے عقد میں حضور کی دو صاحبزادیاں آئیں اسی نسبت سے آپ کو "ذوالنورین" کہا گیا، جمادی الثانیہ 3 ہجری کو یہ نکاح ہوا۔

حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی رفیقہ حیات تھیں، جنہوں نے مقبولیت کی ساعت میں اپنی شہادت کی دعا مانگی تھی، نیز دعا کی تھی، کہ کافر صرف ان کو قتل ہی نہ کریں بلکہ ان کے ناک کان کاٹ کر، ان کا مثلہ کر دیں، ان کی آنکھیں نکال لیں، تا کہ وہ اس حال میں بارگاہ رب العزت جل مجدہ میں پیش ہوں اور جب رحیم و کریم ان سے پوچھے کہ تیرا یہ حال کیسے ہوا، تو وہ عرض کریں، "فِیْکَ وَ فِیْ رَسُوْلِکَ" یااللہ! میرا یہ حال تیری اور تیرے رسول کی محبت میں ہوا ہے، اللہ نے ان کی دعا قبول کی، وہ غزوۂ احد میں شہید ہوئے، اور ان کی دعا کے عین مطابق ان کا حال کر دیا گیا، حضرت زینب بیوہ ہو گئیں، نہایت غمزدہ اور افسردہ رہتیں، صورت شکل کی بھی اچھی تھیں، جو کوئی دوسرا، ان سے نکاح کر لیتا، آقائے رحمت ﷺ کو ان کا حال بتایا گیا، پس آپ نے

ان کو اپنی زوجیت میں لے کر سہارا دیا، حرم نبوی میں رہنے کا ان کو صرف آٹھ مہینے شرف حاصل ہوا، اور انتقال ہو گیا، اللہ کے رسول ﷺ نے خود ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، لیکن مزار مبارک کا پتہ نہیں، یہ پہلی زوجۂ مطہرہ ہیں جن کا مدینہ منورہ میں انتقال ہوا، حضرت زینب بڑی سخی تھیں، بیواؤں، یتیموں، بے سہاروں اور مساکین کی بہت مدد کیا کرتی تھیں، اسی لئے انہیں "ام المساکین" کا لقب ملا۔

حضرت امام حسن کی ولادت

رمضان المبارک 3 ہجری، حضرت امام حسن پیدا ہوئے، چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، حضرت فاطمہ نیز حضرت علی سے بے حد محبت تھی لہٰذا ان کے صاحبزادے کی پیدائش پر بہت خوشی ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ساتویں دن آپ کا عقیقہ کیا جس کے لئے، دو دنبے ذبح کیے، حضرت فاطمہ کو حکم دیا کہ، بچہ کے سر کے بال منڈوائیں، اور ان کے ہم وزن چاندی کا صدقہ کر دیں، تعمیل حکم کی گئی، اسی دن بچے کی ختنہ کرائی گئی، اور ساتویں دن ہی نام رکھا گیا۔

بچہ کی پیدائش سے متعلق یہ امور ہمیشہ کے لئے سنت قرار دیئے گئے، گویا، حضرت امام حسن کی ولادت کی برکت ہے، کہ ہمیں اپنے بچوں کی پیدائش سے متعلق شرعی احکام ملے، جن پر ہم عمل کرتے ہیں، اور اجر و ثواب پاتے ہیں۔

دیگر شرعی احکام

3 ہجری میں شریعت مطہرہ کے جو احکام نافذ ہوئے وہ یہ ہیں:

وراثت کا قانون، جو معیشت و معاشرت، عدل و انصاف کی بقا کے لئے ناگزیر ہے، اس سے متعلق قرآن کے احکام اسی سال نازل ہوئے، جن میں خصوصی طور پر ذوی الارحام کے حقوق کو تفصیل سے بیان کیا گیا۔

مسلمانوں کو مشرک عورتوں سے نکاح کرنے کی مخالفت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا۔

مدنی زندگی

ہجرت کا چوتھا سال

سریہ ابی سلمہ، رجیع کا المیہ، حضرت عاصم کی قسم، حضرت زید بن دثنہ کی شہادت، حضرت خبیب کی شہادت، حضرت خبیب کی لاش، ایک ناکام سازش، حادثہ بئر معونہ، غزوۂ بنی نضیر، عبداللہ بن ابی کی خباثت، بنو نضیر پر چڑھائی، حضرت علی کی تلاش، نخلستان کاٹنے کا حکم، جلاوطنی کا مرحلہ، مال غنیمت کی تقسیم، غزوۂ ذات الرقاع، حضرت جابر کا اونٹ، غزوہ بدر الصغریٰ، دیگر اہم واقعات، ایک اور حادثہ، حرمت شراب۔

ہجرت کا چوتھا سال

جان عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ہر سال بلکہ ہر دن اور ہر لمحہ نہایت اہم اور مصروف تھا، جس کا اندازہ آپ کو، آئندہ سالوں کے حالات کے مطالعہ سے ہوگا، جو ایام ماضیہ کے بہ نسبت مزید مصروف سے مصروف تر نظر آرہے ہیں، اسی پس منظر میں 4 ہجری کا مطالعہ کیجئے، اندازہ کیجئے، کہ ایک سال میں آپ کو، پانچ سرایا اور ایک غزوہ پیش آیا، جب کہ، آپ کی سیاسی، معاشی، معاشرتی اور تبلیغ و اشاعت دین کی مصروفیات اس کے علاوہ ہیں۔

سریہ ابی سلمہ

غزوہ بدر میں عظیم الشان فتح کے بعد، جزیرۂ عرب کے پیشتر قبائل پر مسلمانوں کا خوف و رعب طاری ہو گیا تھا، جس کے سبب وہ اہل ایمان سے دوستانہ، سفارتی تعلقات قائم کرنے کی مساعی کرنے لگے تھے، اس سلسلہ میں اگرچہ ان کے نمائندے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے، اور اپنی طرف سے ہر قسم کے تعاون کا یقین دلاتے رہتے تھے، لیکن غزوۂ احد میں گومگو کی کیفیت اور مشرکین کے ظاہری اور وقتی غلبہ کے باعث حالات تبدیل ہوئے، کیونکہ کافروں نے غزوۂ احد کی کیفیت کو اپنی واضح اور شاندار کامیابی اور مسلمانوں کی ناکامی قرار دیا، اور پورے عرب میں خوب ڈھنڈورا پیٹا، کہ بالآخر قریش مکہ، مسلمانوں پر غالب آ ہی گئے، لہٰذا جو قبائل فطرتاً اور طبعاً، رشتۂ کفر کی وجہ سے کفار مکہ کی طرف مائل تھے،

اور انہوں نے مسلمانوں سے محض خوف کی بناء پر تعلق قائم کیا تھا، انہوں نے اچانک اپنی سیاسی پالیسی تبدیل کی اور مسلمانوں کی طرف سے رخ پھیر کر، وہ دوبارہ کفار سے پینگیں بڑھانے لگے، اور ماضی میں ان سے عدم تعاون پر اظہار ندامت، اور مستقبل میں ان کے مکمل تعاون کا یقین دلانے لگے۔

قبائل عرب کی طرف سے اس صورت حال کی اصل وجہ یہ تھی، کہ یہ خود تو کوئی قوت نہ تھے، اپنے سیاسی اور معاشی تحفظ کے لئے انہیں کسی قوت کا سہارا لینا، ناگزیر تھا، ظاہر ہے اس وقت، مسلمان بڑی طاقت تھے، یا کفار مکہ کو اپنی قوت کا جھوٹا زعم تھا، لہٰذا وہ جس کا پلہ بھاری سمجھتے تھے، اسی کی چاپلوسی میں لگ جاتے، اور اسے اپنی غلامی کا یقین دلانے لگتے تھے۔

بہر حال پہلی حرکت بنو اسد کی طرف سے ہوئی، کہ وہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے خواب دیکھنے لگے، وہاں سے ایک شخص آیا اور اس نے بارگاہ نبوت میں تفصیلی حالات بیان کیے، پیکر حکمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تاخیر، حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں ایک دستہ تیار کیا اور دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا، کیونکہ آپ کسی بھی حال میں مدینہ منورہ کے امن وامان میں خلل پسند نہ فرماتے تھے اور دشمن کو شہر پر حملہ آور ہونے کی مہلت نہیں دینا چاہتے تھے۔

لشکر اسلام کے بہادر سپاہی، جب بنو اسد کے قرب و جوار میں پہنچے، اور انہیں خبر ہوئی کہ مسلمان ہماری سرکوبی کے لئے تیزی سے چلے آرہے ہیں، تو وہ بزدل اپنی بستیاں خالی کر کے بھاگ گئے، اور جسے جہاں موقع ملا وہ جا چھپا، جب مسلمان ان آبادیوں میں داخل ہوئے، تو کوئی انسان نظر نہ آیا، صرف ان کے اونٹ، بھیڑ، بکریاں، بڑی تعداد میں، گھوم پھر رہے تھے، لشکر اسلام نے ان پر قبضہ کیا اور ہانک کر مدینہ منورہ لے آئے، جس شخص نے بنو اسد کے منصوبوں کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع دی تھی، اور لشکر اسلام کی رہبری کی تھی، آپ نے اسے انعام و اکرام سے اتنا نوازا، کہ وہ مالا مال ہو گیا، اور باقی مال غنیمت احکام شرع کے مطابق تقسیم کر دیا گیا، یہ واقعہ محرم 4 ہجری میں پیش آیا۔

اس سریہ کے سالار، حضرت ابوسلمہ، غزوۂ احد میں شدید زخمی ہوئے تھے، دو ماہ کے عرصہ میں، زخم اچھی طرح مندمل بھی نہ ہوئے تھے، کہ آپ کو اس مہم پر روانگی کا حکم ملا، جس کی انہوں نے بلا تامل تعمیل کی، بیس روزہ سفر کی مشقت اور اس میں جدوجہد کے سبب دوبارہ زخم ہرے ہو گئے، تکلیف زیادہ ہو گئی، بالآخر اسی سال جمادی الاولیٰ کی 26 تاریخ کو وصال ہو گیا، رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔

رجیع کا المیہ

کافروں کے مکار اور فریبی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، یہ کتنے ہی شریفانہ لباس میں کیوں نہ ہوں، اپنی مکاری اور رذیل حرکتوں سے باز نہیں آتے، آج بھی ماضی کی طرح اسلام اور مسلمانوں

کے خلاف ان کی گھناؤنی حرکتوں کا سلسلہ جاری ہے، اس مکار قوم کی ذلالت کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے کیجئے۔

عضل اور قارہ، بنی ہون بن خزیمہ کی دو شاخیں ہیں، ان کے چند افراد بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، اور کہنے لگے، کہ ہمارے قبیلوں میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے اور مقبول ہو رہا ہے، ہم اور کافی لوگ مشرف باسلام ہو چکے ہیں، اب ہمارے علاقوں میں، تبلیغ اسلام اور تعلیم احکام دین کی اشاعت کی ضرورت ہے، ہم اسی مقصد کے لئے حاضر ہوئے ہیں، کہ چند مبلغین ہمارے ہمراہ کر دیئے جائیں، تاکہ ہمارے قبائل کے مزید لوگ مشرف باسلام ہو سکیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی خواہش کے مطابق، ان صحابہ کرام کو ان کے ہمراہ کر دیا، مرثد بن ابی مرثد الغنمی، خالد بن البکیر، عاصم بن ثابت، خبیب بن عدی، زید بن الدثنہ، عبداللہ بن طارق، رضی اللہ عنہم، آپ نے اس جماعت کا قائد حضرت مرثد بن ابی مرثد کو مقرر فرمایا، یہ حضرات اپنے میزبانوں کے ہمراہ جب، عسفان و مکہ کے درمیان واقع مقام رجیع پر پہنچے، تو کافر انہیں ایک جگہ روک کر قبیلہ بنولحیان کے پاس پہنچے، اور ان سے کہا، کہ ہمارے قبضے میں اس وقت چھ مسلمان ہیں، اگر آپ ہماری مدد کریں تو ہم انہیں قیدی بنا کر مکہ لے جائیں، اور قریش سے ان کا سودا کر لیں، یہ وہ لوگ ہیں جو غزوۂ بدر و احد میں لوگوں کو قتل کر چکے ہیں لہٰذا ہم ان کو فروخت کر کے بھاری رقم حاصل کر سکتے ہیں، اور اس دولت میں آپ لوگ برابر کے حصہ دار ہوں گے، بنولحیان بھی بھکاریوں سے کم نہ تھے، دولت کے لالچ میں وہ اپنے دو سو لیٹروں کا لشکر لے کر، اللہ کے سپاہیوں کے سامنے آ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے، تم لوگ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو، ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے، غیور مسلمانوں نے کافروں کا قیدی بننا گوارا نہ کیا، اور انہوں نے اس چند روزہ زندگی پر ابدی زندگی شہادت کو ترجیح دی، پس کافروں سے مقابلہ شروع کر دیا، حضرت مرثد، خالد، عاصم اور حضرت عبداللہ شہید ہو گئے، جب کہ حضرت خبیب اور حضرت زید گرفتار کر لئے گئے، اور انہیں مکہ لا کر، قریش کے ہاتھوں فروخت کر دیا گیا۔

حضرت عاصم کی قسم

اسلام قبول کرنے کے بعد، حضرت عاصم بن ثابت نے قسم کھائی تھی، کہ وہ زندگی بھر کسی کافر کو ہاتھ نہ لگائیں گے اور نہ ہی وہ کسی کافر کو اپنا پاک جسم چھونے دیں گے، پس انہوں نے اپنی ساری زندگی اس قسم کو نبھایا، ان کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے محبوب کے غلام کی قسم کی لاج رکھی، ہوا، یہ کہ حضرت عاصم نے غزوۂ احد میں، سلافہ بنت سعد کے دو بیٹوں کو قتل کیا تھا، سلافہ نے قسم کھائی تھی کہ وہ ان کی کھوپڑی میں شراب پئے گی، یہ بات پورے عرب میں مشہور تھی، اور بہت سے غنڈے حضرت

عاصم کو قتل کرنے کی فکر میں تھے تاکہ وہ سلافہ سے ان کے سر کی بھاری رقم وصول کریں، انہی میں سے ایک، ہذیل تھا، جو رجیع، کے دھوکے بازوں میں شامل تھا، اسے اچھا موقع ہاتھ آیا، اور واقعہ کے کئی دن بعد یہ تنہا، حضرت عاصم کی مبارک لاش پر پہنچا تاکہ اپنا مذموم ارادہ پورا کر سکے، لیکن وہ، یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا، کہ حضرت عاصم شہد کی لاش کو شہد کی مکھیوں نے گھیرا ہوا ہے، اس لاش تک پہنچنے کی پوری کوشش کی لیکن ہاتھ تک نہ لگا سکا، اس نے سوچا، یہ کام رات کو کیا جا سکتا ہے، جب مکھیاں اپنے چھتوں میں چلی جائیں گی، لیکن رات ہونے سے پہلے، سیلاب کا ایک تیز ریلا آیا، جو آپ کی لاش کو بہا کر لے گیا، اور کافر خائب وخاسر ہوا۔

حضرت زید بن دشنہ کی شہادت

حضرت زید نے، غزوۂ بدر میں، صفوان کے باپ امیہ کو قتل کیا تھا، لہٰذا جب صفوان کو پتہ چلا، کہ زید مکہ کے بازار میں فروخت ہو رہے ہیں، تو اس نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں خرید لیا، تاکہ وہ آپ کو قتل کر کے، اپنے باپ کا بدلہ لے اور اپنا دل ٹھنڈا کرے۔

صفوان نے، حضرت زید کو مکہ کے گلی کوچوں اور بازاروں میں گھمایا، اور مقام تنعیم پر ان کے قتل کرنے کا اعلان کیا تاکہ لوگ تماشہ دیکھنے کے لئے جمع ہوں، وقت مقررہ پر اللہ کے سپاہی کو مقتل میں لایا گیا، جہاں تماش بینوں کا جم غفیر پہلے جمع ہو چکا تھا، ان میں ابوسفیان بھی تھا، جس نے ازراہ مذاق، حضرت زید سے پوچھا، ''اے زید! اللہ کے واسطے مجھے صحیح صحیح بتاؤ، کہ تمہارے نزدیک یہ بہتر نہ ہوتا، کہ اس وقت یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوتے اور تم ان کی جگہ اپنے اہل وعیال میں آرام کرتے'' اس وقت تک ابوسفیان کو پتہ نہ تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی صحابہ میں کیا حیثیت ہے، انہیں اس نشۂ عشق ومحبت کا اندازہ نہ تھا جس نے غلاموں کو ہر قسم کے خوف وحزن سے آزاد کر دیا تھا، اور ان کا مقصد حیات آقا پر جان نثاری کے سوا کچھ نہ رہا تھا، پس ابوسفیان نے عاشق کا جواب سنا تو دم بخود ہو گئے، حضرت زید نے فرمایا، ''وَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ مُحَمَّدًا اَلْاٰنَ فِیْ مَكَانِهِ الَّذِیْ هُوَ فِیْهِ تُصِیْبُهٗ شَوْكَةٌ تُؤْذِیْهِ وَاِنِّیْ جَالِسٌ فِیْ اَهْلِیْ'' واللہ، مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت جہاں بھی تشریف فرما ہیں، ان کے ایک کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ بیٹھا رہوں، جواب سن کر ابوسفیان کا منہ لٹک گیا، اور کہنے لگا، ''مَا رَاَیْتُ مِنَ النَّاسِ اَحَدًا یُحِبُّ اَحَدًا كَحُبِّ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ مُحَمَّدًا (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کی قسم، میں نے کسی کو، کسی سے اتنی محبت کرتے نہ دیکھا، جتنی محمد کے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے کرتے ہیں۔

حضرت زید کا یہ جواب کافروں کے منہ پر ایک طمانچہ تھا، جب کہ تا ابد عشق ومحبت رسول کا دعویٰ

کرنے والوں کے لئے، دعوت فکر ہے، کہ کیا محبت رسول نے ان کے اندر جذبۂ اطاعت وفرمانبرداری بیدار کیا ہے، کیا وہ کفر اور طریقہ کفار سے بے زار و متنفر ہوئے ہیں، کیا عشق رسول نے انہیں ہر قسم کی طمع، حرص اور ہوی وہوس سے مستغنی کر دیا ہے، کیا ان میں ایثار وقربانی کا مادہ پیدا ہوا ہے، کہ یہ تو عشق ومحبت کے ابتدائی اثرات ہیں، جب کہ کمال عشق، جاں نثاری اور جانبازی ہے، جس کا ثبوت حضرت زید بن دثنہ اور دیگر صحابہ کرام نے عملاً پیش کیا۔

بہر حال عاشق پر، تیروں کی بارش کی گئی، کہ شاید وہ اسلام سے لاتعلقی کا اعلان کر دیں، لیکن وہ پیکر صبر واستقامت بنے بہیمیت و بربریت کو برداشت کرتے رہے، بالآخر صفوان نے اپنے غلام نسطاس کو اشارہ کیا، جس نے آپ کا سر مبارک تن سے جدا کر دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ ۔

حضرت خبیب کی شہادت

حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ لشکر اسلام کے ایک بہادر سپاہی تھے، انہوں نے غزوۂ بدر میں، حارث بن عامر کو قتل کیا تھا، جب یہ مکہ لائے گئے تو حارث کے بیٹوں نے اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے انہیں، بھاری قیمت ادا کر کے خرید لیا، اور ایک خاتون، ماویہ، کے گھر میں انہیں محبوس کر دیا، ماویہ نے مشرف باسلام ہونے کے بعد، حضرت خبیب کی اسیری کے ایام کا چشم دید حال بیان کیا، انہوں نے بتایا کہ:

میں نے خبیب جیسا سراپا یمن وبرکت قیدی کبھی نہ دیکھا، وہ میرے گھر میں محبوس تھے، ایک دن میں نے ان کے کمرے میں جھانکا تو میں یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئی کہ خبیب کے ہاتھوں میں انگوروں کا بڑا خوشہ ہے اور وہ اس سے چن چن کر، بڑے سکون سے بیٹھے انگور کھا رہے ہیں، جب کہ یہ انگور کا موسم نہ تھا۔

حضرت حبیب کے ہاتھوں میں انگور دیکھ کر ماویہ کو حیرت اس لئے ہوئی، کہ اب تک وہ ایمان نہ لائی تھیں، جب کہ اہل ایمان کے لئے تو، یہ عام بات ہے، کہ اللہ اپنے بندوں پر کرم فرماتا، اور قید و آزادی ہر حال میں غیب سے ان کی ضروریات پوری فرماتا ہے، وہ ہر چیز پر قادر ہے، بعینہ یہی واقعہ سیدہ مریم ام عیسیٰ کے ساتھ پیش آیا تھا، جو قرآن کریم میں محفوظ ہے:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾ (آل عمران)

''جب بھی حضرت زکریا مریم کے حجرے میں جاتے تو ان کے پاس کھانے کی چیزیں موجود پاتے، (ایک مرتبہ زکریا نے) کہا اے مریم! تمہارے لئے یہ سب کہاں سے آتا ہے، (مریم نے) کہا یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے، بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بغیر حساب رزق دیتا ہے''۔

مقصود آیت کی تفسیر نہیں صرف یہ بتانا ہے، کہ اللہ تعالیٰ انبیاء ورسل کے علاوہ بھی، صاحب ایمان و تقویٰ بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، ایسی قوت وطاقت سے نواز دیتا ہے کہ ان سے امور متحیرہ کا صدور ہونے لگتا ہے، نیز وہ جس طرح چاہتا ہے، غیب سے ان کی مدد فرماتا، اسی کو کرامات اولیاء کہا جاتا ہے، یقیناً حضرت مریم نبیہ نہ تھیں، بلاشبہ وہ ولیہ تھیں، ان کی کرامت کو اللہ کے نبی حضرت زکریا نے تسلیم کیا، اور فضل الٰہی کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اسی مقام پر اپنے لئے اولاد کی دعا کی، جو قبول ہوئی، پس حضرت خبیب کو انگور کھاتے، ماویہ نے دیکھا، تو متحیر ہوئیں، کیونکہ وہ اس وقت مومنہ نہ تھیں، لیکن جب ہم نے یہ واقعہ پڑھا یا سنا تو کوئی حیرت نہ ہوئی، کیونکہ حضرت خبیب، صحابی تھے اور صحابی سے زیادہ بلند مرتبہ کون ولی ہو سکتا ہے، اور کرامات اولیاء، حق ہیں حقیقت ہے، جس کا انکار امت مسلمہ میں سوائے معتزلہ کے کسی نے نہ کیا۔

حضرت ماویہ، حضرت خبیب کے دور اسیری کا ایک واقعہ اور بیان کرتی ہیں، کہ ایک دن خبیب نے مجھ سے استرا مانگا، میں سمجھ گئی کہ یہ اپنے پوشیدہ بال صاف کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا میں نے، انہیں استرا دے دیا، اسی دوران میرا ایک بچہ ان کی گود میں جا کر بیٹھ گیا، یہ دیکھ کر، میں تو گھبرا گئی، خبیب نے مجھے دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولے: ''اَتَخشَینَ اَنْ اَقْتُلَهٗ'' کیا تم ڈرتی ہو، کہ میں اسے قتل کر دوں گا، ''مَا کُنْتُ اَفْعَلُ ذٰلِکَ اِنْشَاءَ اللّٰهُ'' میں ایسا ہرگز نہ کروں گا، انشاء اللہ، (کہ جس کے آقا نے عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اٹھانے کی ممانعت فرمائی ہو، اس سے کیوں کر ممکن ہے کہ وہ بچے کو قتل کر دے، بچہ دوست کا ہو یا دشمن کا)۔

حضرت خبیب کو، پھانسی دینے کے لئے، سرزمین حرم سے باہر مقام تنعیم لے جایا گیا، اس حال میں کہ وہ رسیوں سے جکڑے ہوئے تھے اور ان کے پیچھے، تماشائیوں کا ایک جم غفیر تھا، جب وہ مقام صلیب پر پہنچے تو انہوں نے کہا کہ میں اپنی زندگی کی آخری دو رکعت نماز پڑھنا چاہتا ہوں، ان کی یہ آخری خواہش پوری کی گئی، آپ نے دو رکعت نماز، نہایت اطمینان سے، لیکن مختصر ادا کی، اور پھر، فرمایا کہ آج سے پہلے کبھی نماز میں اتنا لطف نہ آیا، دل چاہتا تھا، کہ دیر تک اپنے رب کے دربار میں حاضر رہوں، لیکن میں نے ایسا نہ کیا، کہ کہیں تم لوگ یہ خیال نہ کرو، کہ محمد عربی ﷺ کا غلام خوفزدہ ہے، نماز

کے سہارے، وہ اپنی زندگی کے جتنے لمحات بڑھا سکتا ہے، بڑھا رہا ہے۔

بہر حال حضرت خبیب کو سولی پر چڑھا کر، تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی گئی، تیر برستے رہے، یہاں تک کہ آپ نے جام شہادت نوش فرمایا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ، اور عین اسی وقت مدینہ منورہ میں، صحابہ کرام نے اپنے آقا ﷺ کو فرماتے سنا، "وَعَلَیْکُمَا" تم دونوں (زید و خبیب) پر فرمایا، یا فرمایا، "عَلَیْکَ السَّلَامُ خُبَیْبٌ قَتَلَهٗ قُرَیْشٌ" اے خبیب تم پر سلام ہو، قریش نے خبیب کو شہید کر دیا۔

عاشقاں او خوباں خوب تر　　خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

حضرت خبیب کی لاش

ظالموں نے حضرت خبیب کی مقدس لاش کو سولی پر ہی لٹکا چھوڑ دیا، تا کہ چرند، پرند، درندے، اسے چیر، پھاڑ دیں، لیکن صحابیٔ رسول، چاہے زندہ ہو یا مردہ، اس کی توہین، اللہ کی مخلوق میں، سوائے کافر کے، اور کوئی نہیں کر سکتا، پس لاش اسی طرح محفوظ کئی دن لٹکی رہی، ہاں کافر آتے جاتے دیکھتے اور حیرت کرتے، ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے غلاموں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، کہ جو شخص، خبیب بن عدی کی لاش کو سولی سے اتار کر لائے، اس کے لئے جنت ہے، یہ بشارت سن کر، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت مقداد بن الاسود، اٹھے، آقا سے اجازت چاہی اور مکہ کا رخ کیا، رات کو سفر کرتے، دن کو چھپتے چھپاتے، مقام تنعیم پہنچے، اپنے بھائی کی لاش کو اتارا، جو بالکل تر و تازہ، خون میں لت پت تھی، اور اونٹ پر رکھ کر، واپس ہونے لگے، کہ کسی نے دیکھ لیا، اور مکہ میں خبر پھیلا دی، لہٰذا قریش کے ستر سواروں نے، تیز رو اونٹوں پر، ان حضرات کا تعاقب کیا، جب ان دونوں نے دیکھا، کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں، تو حضرت خبیب کی لاش مبارک کو زمین پر رکھ دیا، اچانک دیکھا، کہ زمین پھٹی اور لاش کو نگل گئی، اور زمین پھٹنے کا نشان تک نہ رہا، اسی لئے، حضرت خبیب کو "بلیع الارض" یعنی زمین کا نگلا ہوا، کہا جاتا ہے، حضرت زبیر اور مقداد کو اطمینان ہو گیا، کہ ان کا شہید بھائی، اپنے اصل مقام پر پہنچ گیا، اب یہ دونوں حضرات خود کافروں کے قریب آئے اور کہا، ہم دونوں شیر ہیں، جو اپنے جنگل میں جا رہے ہیں، اگر ہو سکے تو ہمارا راستہ روک کر دیکھو، ورنہ اپنا راستہ بدل لو، کافروں نے جب، حضرت خبیب کی لاش نہ دیکھی، اور ان کی دھمکی سنی، تو منہ لٹکا کر، مکہ کا رخ کیا۔

یہ دونوں حضرات بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، اور سب حال عرض کیا، اس موقع پر حضرت جبرئیل بھی حاضر تھے، وہ عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! آپ کے ان دونوں سپاہیوں پر فرشتوں کو بھی ناز ہے۔ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ (مدارج النبوت)۔

ایک ناکام سازش

بار بار جنگ کرنے اور مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کی کوششوں کے علاوہ اہل مکہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازشوں سے بھی باز نہ آتے تھے جب کہ وہ اپنی ہر سازش میں بری طرح ناکام ہوتے، ذلیل وخوار ہوتے تھے، کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیگر امور غیبیہ کی طرح، ان سازشوں سے بھی مطلع فرما دیتا تھا، اور آپ کی حفاظت بھی فرماتا تھا۔

اسی قسم کی ایک ناکام سازش ابوسفیان نے کی، جو اسے رؤساء قریش نے سوجھائی، کہ محمد (ﷺ) مدینہ کی گلیوں اور بازاروں میں بغیر کسی محافظ دستہ کے چلتے پھرتے ہیں، اگر ہم کسی شخص کو مدینہ بھیج دیں، تو وہ بآسانی ان کا کام تمام کر کے واپس آ سکتا ہے، حاضرین میں سے کوئی تیار نہ ہوا، لیکن رات کی تاریکی میں ایک اعرابی ابوسفیان کے پاس آیا، اور بولا، اگر تم مجھ سے بھاری انعام کا وعدہ کرو تو میں مدینہ جاتا ہوں، میرے پاس، چیل کے پیر سے چھوٹا، بہت تیز نیزہ ہے، جسے میں آسانی سے چھپا کر لے جا سکتا ہوں، ابوسفیان نے اس سے انعام واکرام کا وعدہ کیا سواری کے لئے اونٹ دیا، زاد راہ دیا، اور یہ شخص کامیابی کی امید میں مست تیز رو اونٹنی دوڑاتا، چھ دن کا سفر کر کے مدینہ پہنچا، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، قریب پہنچنا چاہتا تھا، لیکن لوگوں نے روکا، سرکار نے مسکراتے ہوئے فرمایا، آگے آنے دو، روکنے کی ضرورت نہیں، وہ جب زیادہ قریب ہونے لگا، تو حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے، گردن پکڑ کر دھکا دیا، اور چھپا ہوا نیزہ برآمد کر لیا، سرکار نے پوچھا، بتاؤ تم کس لئے آئے ہو اور کس کے بھیجے ہوئے ہو، اس نے جان کی امان چاہی، اور سارا ماجرا بیان کر دیا، آقائے رحمت ﷺ نے حضرت اسید کو حکم دیا، کہ اسے ایک رات محبوس رکھو اور صبح لے کر آؤ۔

صبح، جب حضرت اسید، اسے لے کر حاضر ہوئے، تو آقا ﷺ نے فرمایا، تم آزاد ہو، جہاں چاہو، جا سکتے ہو، لیکن میری تجویز ہے، اگر تم چاہو تو اسلام قبول کر لو، کہ اسی میں دنیا و آخرت کی بھلائی ہے، اس نے خوش ہو کر، کلمہ پڑھا، آقا ﷺ کی غلامی اختیار کی، چند دن خدمت میں حاضر رہا، احکام دین کی تعلیم حاصل کی، اور اپنا چمکتا دمکتا مقدر لے کر واپس چلا گیا، آیا تھا، جان لینے اور واپس ہوا، جانباز و جان نثار بن کر، بڑا ہی خوش نصیب تھا۔

حادثہ بیر معونہ

غزوۂ احد کے چار ماہ بعد، صفر میں، ابو براء، بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا، یہ ملاعب الاسنہ کے لقب سے مشہور تھا، یعنی نیزوں سے کھیلنے والا، معلم کامل ﷺ نے اسے دعوت حق دی، جسے سن کر

وہ خاموش رہا، اور کہنے لگا، نجد کے لوگ مائل باسلام ہیں، اگر آپ وہاں میرے ساتھ مبلغین کی ایک جماعت کر دیں، تو ان کی تعلیم و تبلیغ سے بکثرت لوگ اسلام قبول کر لیں گے، مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، "اِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْہِمْ اَھْلَ النَّجْدِ" مجھے اندیشہ ہے، کہ اہل نجد انہیں نقصان پہنچائیں گے، ابو براء نے کہا، میں جماعت مبلغین کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چالیس افراد پر مشتمل مبلغین کی ایک جماعت مرتب فرمائی اور انہیں ابو براء کے ہمراہ روانہ کر دیا، امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس جماعت کے شرکاء کی تعداد ستر بتائی ہے، مبلغین کی اس جماعت کا سربراہ حضرت منذر بن عمرو انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا گیا۔

معلم کامل ﷺ کے غلاموں کی یہ مخلص جماعت، نجد سے کفر کی تاریکی چھانٹنے کا عزم لے کر روانہ ہوئی، بیر معونہ، پہنچ کر ان حضرات نے قیام کیا، اور حرام بن ملحان کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مکتوب گرامی دے کر، قبیلہ کے سردار عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، اس خبیث و بدبخت نے، اللہ کے رسول ﷺ کا پیغام کھول کر بھی نہ دیکھا، اور اپنے ایک درباری کو اشارہ کیا، جس نے حضرت حرام کے کندھوں کے درمیان اس زور سے نیزہ گھونپا کہ آر پار ہو گیا، پس آپ کی زبان مبارک سے برملا نکلا، "اَللّٰہُ اَکْبَرُ، فُزْتُ وَ رَبِّ الْکَعْبَۃِ" اللہ بڑا ہے، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا، خون کا فوارہ پھوٹا تو آپ نے دونوں ہاتھوں سے خون اپنے سر اور مبارک چہرے پر مل لیا، گویا شہید نے خون سے غسل کیا اور جام شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

پھر عامر بن طفیل نے اپنی قوم کو للکارا، اور کہا مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں نیست و نابود کر دو، لیکن لوگوں نے اس کی بات ماننے سے انکار کیا، اور کہا، کہ ابو براء نے ان کو پناہ دی ہے اور یہ ہمارے مہمان بھی ہیں ہم انہیں ہرگز قتل نہ کریں گے، عامر، خبیث نے دوسرے قبیلے کے لوگوں سے کہا، کہ آپ لوگ مسلمانوں کو قتل کر دیں، مسلمانوں کو تو ایسی غداری کا وہم و گمان تک نہ تھا، نہ ہی وہ جنگ کے لئے تیار تھے، انہوں نے دیکھا کہ سیکڑوں تلواریں لہراتی، ان کی طرف بڑھ رہی ہیں، تو اولاً تو وہ ہکا بکا رہ گئے، پھر سنبھلے اور آگے بڑھ کر دشمن کا مقابلہ کیا، اللہ کے شیر تھے، خوب لڑے، لیکن سیکڑوں سے، چالیس یا ستر کا مقابلہ تھا، جب تک ہو سکا ڈٹے رہے، اور انجام کار سب نے ہی جام شہادت نوش کیا، صرف کعب بن زید النجاری، زخموں سے چور، سسکتے ہوئے بچے، انہیں بھی مردہ خیال کر کے ظالموں نے چھوڑ دیا تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام حضرت عامر بن فہیرہ بھی اس جماعت میں شامل تھے اور شہید کیے گئے، عامر بن طفیل نے دیکھا کہ قتل کے بعد ایک لاش آسمان کی طرف جا رہی ہے، اس نے حیرت سے پوچھا، یہ کون ہے، جسے آسمان کی طرف لے جایا جا رہا ہے، لوگوں نے بتایا، یہ عامر بن

فہیرہ ہیں،

اے اللہ! بے شمار رحمتیں نازل فرما اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب صحابہ کرام پر، اور ہمیں ان کی اتباع و پیروی کی توفیق مرحمت فرما، آمین۔

رحیم و کریم آقا ﷺ کو جب اس حادثۂ فاجعہ کی خبر ملی، تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا، روزانہ نماز فجر کے بعد، ایک ماہ تک آپ ان ظالموں کے لئے بددعا فرماتے رہے، جنھوں نے غداری کی اور آپ کے محبوب غلاموں کو شہید کیا، یہاں تک کہ ان شہداء نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی، "بَلِّغُوْا عَنَّا قَوْمَنَا اَنْ لَقِيْنَا رَبَّنَا فَرَضِيَ عَنَّا وَرَضِيْنَا عَنْهُ" اے فرشتو! ہماری قوم کو خبر کر دو، کہ ہم نے اپنے رب سے ملاقات کی، وہ ہم سے راضی ہو گیا، اور ہم اس سے راضی ہوئے، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

غزوۂ بنی نضیر

قبیلہ بنو نضیر، یہودیوں کا ایک بڑا قبیلہ تھا، جو مدینہ منورہ میں آباد تھا، جس کا سردار حیّ بن اخطب تھا، غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا، اس کے سبب یہود و منافقین، مسلمانوں کو کمزور سمجھنے لگے، اور ان کے خلاف دونوں کی سازشوں میں تیزی آ گئی، جب کہ ان سازشوں کا مقصد صرف، جان عالم ﷺ کی جان لینا تھا (جو ناممکن تھا)۔

بیر معونہ کے حادثہ سے کسی طرح، عمرو بن امیہ بچ گئے تھے، وہ واپس مدینہ آ رہے تھے، تو ان کی ملاقات دشمن قبیلہ کے دو آدمیوں سے ہوئی، عمرو نے موقع پا کر ان دونوں کو جہنم رسید کر دیا، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تو سارا ماجرا بیان کیا، اور دو آدمیوں کو بطور انتقام قتل کر دینے کا بھی ذکر کیا، جس پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اظہار افسوس کیا اور فرمایا، کہ ان لوگوں کو تو ہم امان دے چکے ہیں، عمرو بن امیہ پریشان ہو کر، عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! مجھے پناہ کا علم نہ تھا، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، بہر حال اب ہمیں ان کی دیت ادا کرنا ہوگی اور ان کا سامان ان کے ورثاء کے سپرد کرنا ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودیوں سے جو معاہدہ کیا تھا، اس کی ایک شق یہ بھی تھی، کہ اگر فریقین میں سے کسی کو، کسی کی دیت ادا کرنا پڑے، تو دونوں ایک دوسرے سے تعاون کریں گے، اسی معاہدے کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ، حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی اور چند دیگر صحابہ کے ہمراہ، بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے اور آپ نے بتایا، کہ عمرو بن امیہ نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا ہے، ہمیں دیت ادا کرنا ہے، لہٰذا آپ لوگ معاہدے کے مطابق ہمارا، تعاون کریں، ان مکاروں نے بظاہر، ہمارے آقا ﷺ کا بہت اچھا استقبال کیا، پوری طرح آداب میزبانی بجالائے، جب کہ ان میں سے چند، ایک سازش تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔

حیَ بن اخطب جوان کا سردار تھا، اس نے اپنے چند ساتھیوں کو بلا کر کہا، موقع بہت اچھا ہے، چھت پر جاؤ، وہاں چکی کا ایک پاٹ رکھا ہے وہ ان لوگوں پر پھینک دو، پھر دیکھو، کیسا مزا آتا ہے، سب کے سب یہیں ڈھیر ہو جائیں گے، تجویز سن کر، احمق خوش ہو گئے، ایک دوسرے سے بڑھ کر یہ کارنامہ انجام دینے کے لئے تیار تھے، لیکن بے وقوفوں میں ایک عقل مند بھی تھا، سلام بن مشکم، اس نے کہا، ایسی حماقت نہ کرنا، آج میری بات مان لو، چاہے پھر ساری زندگی میری کوئی بات نہ ماننا، اگر تم نے ایسا ارادہ کیا تو انہیں ضرور پتہ چل جائے گا، اور پھر ہم سب کا نہایت ہی برا انجام ہوگا، لیکن کسی نے اس ہمدرد اور حقیقت شناس کی بات نہ سنی، اور اپنے ارادے کی تکمیل کے لئے تیاری شروع کر دی۔

اللہ محافظ حقیقی، جس نے اپنے محبوب کی حفاظت کا خصوصی طور پر ذمہ لیا ہوا ہے، نے آپ کو ان غداروں کی سازش سے باخبر فرما دیا، لہٰذا آپ تنہا اٹھے، اور مدینہ منورہ تشریف لے آئے، آپ کے صحابہ کافی دیر آپ کا انتظار کرتے رہے، اور سازشیوں نے خیال کیا کہ شاید آپ کسی ضرورت کے لئے تشریف لے گئے ہیں ضرور واپس آئیں گے، اسی دوران، ایک یہودی آیا، اس نے پوچھا، یہ سب کیا ہو رہا ہے، آپ لوگ یہاں کیوں جمع ہیں، اسے سارا حال بتایا گیا، حیَ بن اخطب نے خاص طور پر اپنی سازش بتائی، وہ شخص مسکراتے ہوئے بولا، بیوقوفو! تم اسی طرح سوچتے رہو، میں نے انہیں مدینہ میں دیکھا ہے، یہ سن کر، سب پر سناٹا چھا گیا، پریشان ہو گئے، اور اپنے انجام بد کے خوف سے لرزنے لگے، صحابہ کرام نے بھی جانے کا فیصلہ فرمایا۔

یہ آپس میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے تھے، کہ آخر محمد (ﷺ) کچھ کہے بغیر کیوں چلے گئے، انہیں میں سے ایک شخص کنانہ بن صوریہ بولا، وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، اللہ ان کی حفاظت فرماتا ہے، بروقت انہیں خطرات سے باخبر کر دیا جاتا ہے، آج بھی ایسا ہی ہوا، اور تم جانتے ہو، کہ اس سے پہلے بھی کئی مرتبہ، ایسا ہو چکا ہے، لیکن تم ہو، کہ اپنی حرکتوں سے باز آنا ہی نہیں چاہتے، سنو! ابھی وقت ہے، میری بات مان لو، اسلام قبول کر لو، حفظ و امان بھی پا لو گے، عزت و آبرو، اور مال و دولت بھی بچا لو گے، اور اگر مسلمان ہونا نہیں چاہتے، تو بدرجہ مجبوری، تیار رہو، تمہیں مدینہ چھوڑنے کا حکم ملنے والا ہے، عافیت اسی میں ہوگی، کہ اپنی انا چھوڑ کر، سر تسلیم خم کر دو، ان کے حکم کی تعمیل کرو، یہ شہر چھوڑ کر کہیں آباد ہو جاؤ، ان بدنصیبوں نے حلقہ بگوش اسلام ہو کر، عزت و آبرو کی زندگی پر، ذلت و خواری اور جلا وطنی کی زندگی کو ترجیح دی۔

حضرت صدیق اکبر اور دیگر صحابہ دربار میں حاضر ہوئے، اور عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! آپ [تشر]یف لے آئے اور ہمیں پتہ بھی نہ چلا، آپ نے فرمایا، یہود نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی،

میرے رب نے فضل فرمایا، اور مجھے ان کی سازش سے بروقت باخبر کر دیا، معلوم ہوتا ہے، اب وقت آ گیا ہے، کہ ان خبیثوں سے ہم اپنے مقدس شہر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک کر لیں، پس آپ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو طلب فرمایا، کہ بنونضیر کے پاس جاؤ، اور میرا یہ حکم سنا دو، "اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْسَلَنِیْ اِلَيْكُمْ اَنْ اَخْرِجُوْا مِنْ بَلَدِیْ" کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے، اور حکم دیا ہے کہ تم میرے شہر سے نکل جاؤ۔

اللہ قہار و جبار کے رسول معظم ﷺ کا پر جلال حکم سن کر، بے غیرت و غدار یہود، کھسر پسر کرنے لگے، کچھ نے غیظ و غضب کا مظاہرہ کرنا چاہا، تو دوسروں نے انہیں ٹھنڈا کیا، اور کہا سر تسلیم خم کر دو، حکم کی تعمیل کرو، کہ اس کے سوا، اب کوئی چارہ نہیں، بصورت دیگر، ان کی تلواریں ہمارا صفایا کر دیں گی، ہمارے باقیماندہ لوگ ان کے غلام بنیں گے، ہماری عورتیں، ان کی لونڈیاں ہوں گی، رہی سہی عزت بھی خاک میں مل جائے گی، پس عافیت اسی میں ہے، کہ اٹھو، تیاری کرو، اپنے اہل و عیال کو لو، اپنا مال و متاع جمع کرو، اور چل دو، پس ان لوگوں نے ہمیشہ کے لئے، دیار نبی ﷺ کو خالی کرنے کا فیصلہ کر لیا، تاریخ میں بہت کم، ایسا موقع نظر آتا ہے، کہ آقائے رحمت ﷺ نے ایسا پر جلال حکم سنایا ہو، آپ تو ہمیشہ پیکر صبر و استقلال بنے دشمنوں کے مظالم سہتے رہے، لیکن یہ یہودیوں کی بدبختی اور بدنصیبی تھی، کہ وہ آقائے رحمت ﷺ کے رحم و کرم سے، ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے، آج بھی ان کا مقدر یہی ہے، آقا ﷺ کے اس واضح عمل سے روگردانی کرتے ہوئے، آج اگر کوئی، کسی دشمن کے دباؤ میں آ کر، محض سیاسی مفاد کے لئے، یہودیوں پر رحم کرنے یا ان کی عزت و آبرو کی بحالی میں مدد کرنے کا خیال بھی کرے، تو اسے اپنے انجام بد کے لئے تیار ہو جانا چاہیے، کہ رسول کی نافرمانی، اللہ کے عذاب کو دعوت دینے کے مترادف ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

عبداللہ بن ابی کی خباثت

بہر حال یہودی، اپنی تباہی و بربادی کے خوف سے مدینہ منورہ، چھوڑ دینے پر آمادہ ہو چکے تھے، لیکن عبداللہ بن ابی کی خباثت آڑے آ گئی، اس نے بنونضیر کو پیغام بھیجا، کہ تم مدینہ چھوڑنے کی غلطی ہرگز نہ کرو، تمہارے پاس قلعہ ہیں، بے انتہا اسلحہ ہے، اپنے قلعوں میں مورچے بنا لو اور مسلمانوں پر تیروں، تلواروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کر ڈالو، میرے دو ہزار سپاہی ہر حال میں تمہاری مدد کریں گے، علاوہ ازیں میں، بنوقریظہ اور بنوغطفان سے بھی بات کر چکا ہوں، وہ تمہارے ہم مذہب ہونے کے ناطے تمہارا ساتھ دیں گے، تم ایک مضبوط، قوت و طاقت والی قوم ہو، تمہیں جلاوطن ہونے کی کیا ضرورت ہے، ہم سب مل کر، مسلمانوں کو اپنے شہر سے نکال باہر کریں گے، عبداللہ بن ابی نے بنوغطفان سے

رابطہ کیا، تو انہوں نے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیا، کہ ہم تو پہلے ہی سے عتاب میں آچکے ہیں، اور جب وہ خبیث بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد قرظی سے ملا تو اس نے بھی ہری جھنڈی دکھادی، اور کہا، "لَنْ يَنْقُضَ رَجُلٌ وَاحِدٌ مِنَّا الْعَهْدَ" ہمارا کوئی فرد، ہرگز عہد شکنی کا مرتکب نہ ہوگا، سلام بن مشکم کو جب حالات کا پتہ چلا تو اس نے حیّ بن اخطب سے کہا، کہ تجھے، عبداللہ بن ابی منافق نے گمراہ کر دیا ہے، کاش تو اس کے فریب میں مبتلا نہ ہوتا اور عزت بچا کر، مدینہ سے نکل جاتا، تو اپنے ساتھ قوم کو قعر مذلت میں دھکیل رہا ہے، اب بھی وقت ہے، ہوش کے ناخن لے، اور اپنا ارادہ تبدیل کرنے سے باز آجا، لیکن بے وقوف حیّ نے ایک نہ سنی اور جب سلام نے مزید اصرار کیا، تو اس نے دوٹوک جواب دیتے ہوئے کہا، "تَأْبَى نَفْسِيْ اِلَّا عَدَاوَةَ مُحَمَّدٍ وَاِلَّا قِتَالَهُ" میرا نفس تو انکار کرتا ہے، کہ میں محمد (ﷺ) سے صلح کروں، میں تو ان سے دشمنی ہی کرتا رہوں گا، اور ان سے جنگ کروں گا۔

بالآخر، حیّ بن اخطب نے، اپنے بھائی جدی بن اخطب کو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں اپنا فیصلہ سنانے کے لئے روانہ کیا، کہ "اِنَّا لَا نَبْرَحُ دِيَارَنَا وَاَمْوَالَنَا فَاصْنَعْ مَا اَنْتَ صَانِعٌ" ہم کسی قیمت پر بھی اپنے گھروں اور اپنے اموال کو چھوڑ کر نہ جائیں گے، آپ کو جو کرنا ہے، کریں، حیّ نے اپنے بھائی جدی کو عبداللہ بن ابی کے پاس بھی بھیجا اور ہدایت کی کہ اسے جا کر بتاؤ کہ ہم نے مسلمانوں کو تمہارے مشورے کے بعد جنگ کا چیلنج دے دیا ہے، اب تم، حسب وعدہ ہماری امداد کے لئے فوراً آپہنچو، کہ مسلمان کسی وقت بھی ہم پر حملہ آور ہو سکتے ہیں، لیکن عبداللہ مکار نے نہایت سرد مہری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا، کہ میں بنو غطفان سے بات کروں گا، کہ پہلے وہ تمہاری مدد کریں، پھر میں بھی آتا ہوں، جدی، اس کیفیت کو دیکھ کر سٹ پٹا گیا، اور دوڑتا ہوا، حیّ کے پاس آیا، اور اسے حالات بتاتے ہوئے سخت مایوسی کا اظہار کیا، اب حیّ بن اخطب بھی گھبرایا اور پوچھنے لگا، جدی! جب تم نے محمد (ﷺ) کو میرا پیغام دیا، تو ان کا کیا، ردعمل تھا، جدی نے کہا، انہوں نے پیغام سنتے ہی، زبردست نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور اسی جذبے سے، ان کے غلاموں نے جواب دیا، مجھے معلوم ہوتا ہے، کہ اب ہماری خیر نہیں، مسلمان بڑے باہمت ہیں، وہ جرأت واستقامت سے ہم پر حملہ کریں گے، اور اللہ جانے کہ ہمارا کیا حشر ہوگا، وہ یہود کے خلاف اعلان جنگ کر چکے اور بہت جلد حملہ کرنے والے ہیں، پس اللہ ہی خیر کرے۔

بنو نضیر پر چڑھائی

اللہ کے رسول ﷺ نے حسب عادت، حضرت ابن ام مکتوم کو مسجد نبوی شریف میں امامت کے لئے اپنا نائب مقرر فرمایا، اور بعد ظہر غلاموں کے جلو میں بنو نضیر کی طرف روانہ ہوئے، آپ نے نماز

عصر، بنونضیر کے ایک کھلے میدان میں ادا فرمائی، اور یہیں اپنے لئے خیمہ نصب کرنے کا حکم دیا، بنونضیر نے جب اللہ کے شیروں کو دیکھا، قلعوں کی دیواروں پر مورچہ بنا کر، لشکر اسلام پر پتھروں اور تیروں کی بارش برسانا شروع کر دی، رات ہوگئی، جان عالم ﷺ نے عشاء کی نماز اسی کھلے میدان میں ادا فرمائی، اس کے بعد آپ دس سپاہیوں کے ہمراہ، اپنے کاشانۂ اقدس پر تشریف لے آئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام کی قیادت کا شرف حاصل ہوا، مسلمان ساری رات یہودیوں کا محاصرہ کیے رہے، اس دوران گاہے بگاہے، نعرۂ تکبیر بلند کرتے، جن سے یہودیوں کے دل لرز جاتے اور ان پر خوف طاری ہو جاتا، آقا ﷺ صبح سویرے بنی خطمہ کے کھلے میدان میں پہنچے، صحابہ بھی جمع ہو گئے، نماز فجر ادا کی گئی، اور حضرت بلال نے اپنے آقا کے لئے خیمہ نصب فرما دیا یہودیوں کا ایک ماہر تیر انداز، عزوک تھا، جس کا نشانہ کبھی خطا نہ ہوتا تھا، وہ میرے آقا ﷺ کے خیمہ پر تیر برسا رہا تھا، آپ نے خیمہ کو مزید دور کر دینے کا حکم دیا، تاکہ تیر نہ پہنچ سکے۔

آج کا بھی پورا دن گزر گیا، لیکن عبداللہ بن ابی خبیث مدد کے لئے نہ پہنچا، اپنے گھر میں چھپا بیٹھا رہا، سلام بن مشکم نے حیی سے پوچھا، ابن ابی کہاں ہے، اس کے ہزاروں فوجی کہاں گئے، حیی بن اخطب اب نادم تھا، سوائے شرمندگی کے اس کے پاس کچھ نہ تھا، وہ سب سے معذرت کرتا پھر رہا تھا، اور لوگ اس پر لعن طعن کے تیر برسا رہے تھے، وہ صرف اتنا کہتا کہ ہمارا مقدر خراب ہے یہ جنگ اور تباہی ہمارے مقدر میں لکھی تھی عبداللہ بن ابی نے ہمارے ساتھ بڑا ہی مکر کیا، ہم اسے نہ چھوڑیں گے، وغیرہ وغیرہ، بکواس۔

حضرت علی کی تلاش

نماز عشاء کے بعد لوگوں کو محسوس ہوا، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ان میں موجود نہیں، صحابہ کرام پریشان ہوئے، ہر طرف تلاش کرنے کے لئے دوڑے، مخبر صادق ﷺ کو معلوم ہوا، تو آپ نے فرمایا، گھبراؤ نہیں، علی کو کچھ نہیں ہوا، وہ کسی مہم پر ہوں گے، انشاء اللہ ابھی واپس آ جائیں گے، اتنے میں ایک نعرہ گونجا، دیکھا تو اسد اللہ، عزوک خبیث کا سر لٹکائے چلے آ رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ خوش ہوئے، علی اور غلاموں کو اس کامیابی پر مبارک باد دی اور دعائے خیر کی، حضرت علی نے بتایا، یہ ملعون، جھاڑیوں میں چھپا گھات لگائے بیٹھا تھا کہ اللہ نے مجھے اس کو جہنم رسید کرنے کا موقع عطا فرمایا، لیکن افسوس کہ اس کے دس ساتھی ادھر ادھر بھاگ گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سپاہیوں کو دوڑایا، جن میں حضرت ابودجانہ اور سہیل بن حنیف جیسے بہادر اور تجربہ کار سپاہی بھی شامل تھے، ان حضرات نے تھوڑی سی تگ و دو کے بعد سب بھگوڑوں کو جا پکڑا اور تہ تیغ کر دیا، ان کے سر قلم کر کے، بنی خطمہ جیسے

ایک کنوئیں میں پھینک دیئے گئے۔

نخلستان کاٹنے کا حکم

آقائے رحمت ﷺ نے بنونضیر کا نخلستان کاٹنے کا حکم دیا، تاکہ کھجور کے گھنے درختوں کے پیچھے چھپ کر دشمن حملہ نہ کر سکے، ورنہ آقا ﷺ نے ہمیشہ دوران جنگ پھل دار درختوں کو کاٹنے کی ممانعت فرمائی، پس یہ دشمن سے بچاؤ کی ایک تدبیر کی گئی تھی، جو کامیاب رہی، حضور نے حضرت ابویعلیٰ مازنی اور حضرت عبداللہ بن سلام کو اس کام کے لئے مقرر فرمایا، یہ حضرات بڑی احتیاط سے اپنا کام کر رہے تھے اور فرما رہے تھے، کہ سب نخلستان، اللہ بطور غنیمت ہمیں عطا فرمائے گا، حیٌ ابن اخطب نے درختوں کی کٹائی کا دردناک منظر دیکھا تو تڑپ گیا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیغام بھیجا، کہ آپ تو زمین میں فساد برپا کرنے سے منع فرماتے ہیں، اب یہ کیا ہو رہا ہے، آپ نے فرمایا، یہ اس لئے ہو رہا ہے، کہ تم ہوش میں آجاؤ ورنہ ان درختوں کی طرح تمہارے سر کاٹے جا سکتے ہیں، ان حضرات نے صرف دس درخت کاٹے اور پھر اپنا کام روک دیا، کہ یہی درخت زیادہ گھنے تھے، ان میں عجوہ کھجور کے بھی کچھ درخت تھے، جو نہایت مہنگی ہوتی ہیں۔

بہر حال یہ تدبیر کامیاب ہوئی، حیٌ بن اخطب کی اکڑی گردن، خم ہو گئی، اور اس نے پیغام بھیجا کہ ہم آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں، مدینہ سے نکلنے کے لئے تیار ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اب اس طرح تم نہیں جا سکتے، اپنے ہتھیار تم ساتھ نہ لے جا سکو گے، ہاں پھر بھی ہم تم پر اتنا رحم فرماتے ہیں، کہ تم جتنا سامان اونٹوں پر لاد سکتے ہو، وہ لے جاؤ، باقی مال غنیمت ہوگا، حیٌ کچھ سوچنے لگا، کہ سلام بن مشکم بولا، اب سوچنے کے لئے کچھ نہ رہا، پس جو ملتا ہے لے لو، اور بھاگ چلو، ورنہ مزید نقصان ہو سکتا ہے، حیٌ، اب بھی بمشکل راضی ہوا، پندرہ دن یا تیئس دن بعد محاصرہ اٹھا لیا گیا، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہ کو، یہودیوں کو جلاوطن کرنے اور ان کی نگرانی کرنے کی ذمہ داری دی، اور جلاوطنی کا مرحلہ شروع ہو گیا۔

جلاوطنی کا مرحلہ

یہودیوں نے، جو اپنی شکست پر جلے، بھنے تھے، اپنے قلعوں اور مکانوں کو گرانا شروع کر دیا، تاکہ مسلمان، ان میں نہ رہ سکیں، ادھر مدینہ کے قرب و جوار میں یہودیوں کے جو مکان خالی پڑے تھے، ان مسلمانوں نے تہس نہس کر ڈالا، تاکہ یہودیوں کو احساس ہو سکے، کہ جو کچھ ہوا، قلعوں اور مکانوں کو کرنے کے لئے نہ ہوا، بلکہ اگر یہودی معاہدہ شکنی کا جرم نہ کرتے تو وہ سکون سے دیگر شہریوں کی

طرح، اپنے گھروں میں باعزت زندگی بسر کرتے رہتے، یہ ان کے کرتوت تھے، جن کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔

غرضیکہ یہودیوں نے اونٹوں پر خوب سامان لادا، یہاں تک کہ دروازے اور کھڑکیاں بھی نکال کر لادلیں، ان کی عورتوں نے اپنے تمام زیورات اپنے اوپر لاد لئے، اور اس طرح اتراتے اور خوش ہوتے نکلے، جیسے کچھ ہوا ہی نہ تھا، بے غیرت تھے، بے غیرتی کا مظاہرہ کر رہے تھے، اگرچہ وہ اس لائق تھے، کہ انہیں ننگا کر کے، دھکے مار، مار کر نکالا جاتا، لیکن یہ آقائے رحمت ﷺ کا رحم وکرم تھا، جس نے انہیں، کچھ نہ کچھ ذلت وخواری سے پناہ دی، اور کسی نے ان کی طرف انگلی کا اشارہ تک نہ کیا، نہ ان کی ذلت وخواری کا مذاق اڑایا، کہ سب ہی معلم اخلاق ﷺ کے تربیت یافتہ تھے، کسی رکیک حرکت کا خیال تک ان کے ذہن میں نہ آسکتا تھا، ورنہ ایسے مواقع پر بہت کچھ ہوتا ہے، جو ہوسکتا تھا۔

اس طرح، بحمد اللہ، ایک بدطنیت، بداطوار قوم سے مسلمانوں کا مقدس مرکز، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک ہوگیا، کہ غیر مسلم اور بالخصوص یہودیوں کا مسلم معاشرے میں وجود، مسلمانوں کے اخلاق و عادات پر ضرور اثر انداز ہوتا ہے، آج ہم پر مغربی تہذیب کے اثرات صرف اس لئے نمودار ہیں، کہ ہماری ایک بڑی تعداد مغربی ممالک میں آباد ہے، جو وہاں کاروبار کرتے ہیں، نوجوان تعلیمی اداروں میں، تعلیم حاصل کرتے ہیں، اس اختلاط نے ہمارے معاشرے کو بھی متاثر کیا، عریانیت وفحاشی، ہماری تہذیب کا حصہ بن رہی ہے، خانگی اور گھریلو رابطوں پر اثر پڑ رہا ہے، دن بدن زندگی اجیرن ہوتی جاتی ہے، کاش ہم اس مرض کو سمجھ سکیں، آقائے رحمت ﷺ کے دامن میں پناہ گزین ہوکر، اپنے آپ کو تباہی وبربادی سے یقینی طور پر بچاسکیں، اللہ ہماری مدد کرے۔

مال غنیمت کی تقسیم

غزوہ بنی نضیر، ربیع الاول 4 ہجری میں وقوع پذیر ہوا، مال غنیمت، احکام الٰہی اور احکام رسول اللہ ﷺ کے مطابق تقسیم کیے گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جملہ انصار کو طلب فرمایا، حمد وثناء کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا، یہ اموال غنیمت موجود ہیں، اگر تم چاہو، تو انہیں سب مجاہدین کے درمیان بمطابق شریعت تقسیم کردیا جائے، اور اگر تمہاری مرضی ہو، تو جو اراضی اور مکانات وغیرہ تم نے مہاجرین کو دے رکھے ہیں اور وہ تمہاری ملکیت ہیں، اب تمہیں واپس کردیئے جائیں اور یہ مال غنیمت مہاجروں کو تقسیم کردیا جائے، تاکہ وہ خوش حال زندگی بسر کرسکیں، انصار کی طرف سے سعد بن زرارہ اور سعد بن معاذ عرض گزار ہوئے، "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ بَلْ تُقْسِمُہٗ بَیْنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَیَکُوْنُوْا فِیْ دُوْرِنَا کَمَا کَانُوْا" یارسول اللہ! ہمارے اموال مہاجرین ہی کے پاس

رہنے دیجئے اور مال غنیمت بھی ان ہی کو عطا فرما دیجئے، تا کہ وہ ہمارے ہی گھروں میں پہلے جیسے خوشحال ہوسکیں، سب انصار نے بیک آواز کہا، ''رَضِینَا وَ سَلِمْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' اے اللہ کے پیارے رسول! ہمیں یہ تجویز قبول ہے اور ہم اس پر خوش ہیں، اس عظیم ایثار پر، آقا ﷺ نے اظہار خوشی فرمایا، اور دعا کی، ''اَللّٰھُمَّ ارْحَمِ الْاَنْصَارَ'' اے اللہ انصار پر رحم فرما، پس انصار کی مرضی کے مطابق اموال غنیمت سے مہاجروں کو نوازا گیا، انصار کے صرف تین آدمیوں کو مال غنیمت سے حصہ دیا گیا، کہ یہ لوگ نادار ضرورت مند تھے۔

ذرا غور فرمایئے، کہ انصار و مہاجرین کے درمیان کیسا خلوص تھا، کیسا جذبۂ ایثار و قربانی تھا، یہ اثر تھا اس رشتۂ اخوت کا، جو آقائے رحمت ﷺ نے مدینہ منورہ تشریف آوری کے فوراً بعد، ان کے درمیان قائم فرمایا تھا، جو خونی رشتہ سے زیادہ مؤثر اور مستحکم تھا، یہ پیغام ہے، امت مسلمہ کے لئے، جس کے درمیان مہاجر و انصار کی ایسی دیوار حائل ہے، جو ایک دوسرے کا حال نہ سننے دیتی ہے اور نہ دیکھنے دیتی ہے، قابل صد افسوس ہے کہ امت مسلمہ کو، علاقائی، لسانی اور قبائلی، تعصب نے بکھیر کر رکھ دیا ہے، جذبۂ ایثار و قربانی تو درکنار، ہمارے درمیان کسی کے دکھ، درد اور تکلیف تک کا احساس نہ رہا، اللہ ہماری اس بیماری کو دور فرمائے، آمین۔

غزوۂ ذات الرقاع

رقاع کا واحد، رقعہ ہے، کپڑے کا وہ ٹکڑا جس سے پیوند لگایا جاتا ہے، اس غزوہ کو ذات الرقاع، کہنے کی متعدد وجوہ ہیں:

مسلمانوں نے اپنے پھٹے ہوئے جھنڈوں کو پیوند لگائے ہوئے تھے۔

جس وادی میں یہ غزوہ ہوا، اس میں ایک درخت تھا، جسے ذات الرقاع کہا جاتا تھا۔

سنگلاخ اور ریتلی زمین میں چلنے سے مسلمانوں کے پاؤں پھٹ گئے، جن پر انہوں نے پٹیاں باندھی ہوئی تھیں۔

اس وادی کے پہاڑوں میں، سفید اور سرخ رنگ کی لکیریں تھیں، یوں معلوم ہوتا تھا، کہ کپڑوں کے ٹکڑے یکجا جوڑ دیئے ہیں، بہر حال ان وجوہ میں سے کسی کی بناء پر، یہ غزوہ، غزوۂ ذات الرقاع کہلاتا ہے، یہ غزوہ بنی نضیر کے غزوہ کے چار ماہ بعد، جمادی الثانیہ 4 ہجری میں واقع ہوا۔

نجد سے آنے والے قافلوں نے خبر دی کہ، بنو محارب اور بنو ثعلبہ نے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں شروع کر دی ہیں، چونکہ اس سے پہلے بیر معونہ کا افسوسناک واقعہ پیش آچکا تھا، جس سے مسلمانوں کو زبردست دھچکا لگ چکا تھا، جس کی وجہ سے دشمنوں کی ہمتیں بڑھنے لگی تھیں، لہٰذا سوچا گیا

کہ اگر ان کے خلاف فوری کارروائی نہ کی گئی، تو ان کے مزید حوصلے بلند ہوں گے، اور وہ مسلمانوں کی بربادی کے خواب دیکھنے لگیں گے، پس اللہ کے رسول ﷺ نے فوری طور پر دشمن کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا، اور آپ چار سو سپاہیوں کا لشکر لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، جب دشمن کو مسلمانوں کی آمد کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے نوجوانوں اور اردگرد کے لوگوں کا جم غفیر جمع کر لیا، فریقین نے، ایک دوسرے کی قوت کا اندازہ لگایا، اور جنگ میں تاخیر اور تامل کو مناسب جانا، مسلمان اگرچہ، تعداد اور وسائل میں کم تھے، تاہم ان کی قوت ایمان کا مقابلہ کافروں کے لئے ناممکن تھا، لیکن جنگ کی نوبت نہ آئی، اور آقائے کائنات ﷺ مجاہدین اسلام کے ہمراہ بعافیت مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

دوران سفر، دو ایمان افروز واقعات پیش آئے، آپ بھی ملاحظہ فرمایئے:

قبیلہ بنی محارب کا ایک شخص، غورث، اپنے سرداروں کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ، اگر آپ لوگوں کی مرضی ہو تو میں، محمد (ﷺ) کو قتل کرنے جاتا ہوں، سرداروں نے بہت خوش ہو کر، اجازت دی اور مہم پر روانہ کر دیا، غورث جب، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو آپ گود میں تلوار، رکھے ہوئے رونق افروز تھے، غورث نہایت ادب واحترام سے آپ کے سامنے بیٹھ گیا، اور باتیں کرنے لگا، کچھ دیر بعد وہ کہنے لگا، کہ آپ کی تلوار بہت اچھی ہے، کیا میں دیکھ سکتا ہوں، آپ نے بلا تامل تلوار اس کو تھما دی، جسے وہ نیام سے نکال کر، دیکھنے اور لہرانے لگا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بغیر کسی خوف وخطر کے اطمینان سے، اسے دیکھتے اور گفتگو فرماتے رہے، وہ کہنے لگا، ''اَمَا تَخَافُنِیْ وَ فِیْ یَدِی السَّیْفُ'' کیا آپ کو ڈر نہیں لگ رہا، جب کہ میرے ہاتھ میں تلوار ہے، جان عالم ﷺ نے بڑے اعتماد سے فرمایا، ''ھَلْ یَمْنَعُنِیَ اللّٰہُ مِنْکَ'' بلکہ اللہ مجھے تیرے شر سے بچائے گا، آپ کا یہ جواب سن کر وہ کانپ گیا، اور تلوار، رکھ کر خاموشی سے چل دیا۔

اسی سفر کے دوران، حضور علیہ الصلوٰۃ نے ایک جگہ، رات بسر کرنے کے لئے قیام فرمایا، آپ نے غلاموں سے پوچھا آج رات کون پہرہ دے گا، عمار بن یاسر اور عباد بن بشر نے اپنے آپ کو پیش کیا، جب یہ حضرات گھاٹی کے دہانہ پر پہنچے، جہاں پہرہ دینا تھا، تو حضرت عباد نے کہا کہ میں رات کے پہلے حصہ میں پہرہ دوں گا، جب کہ حضرت عمار نے رات کے آخری حصہ میں پہرہ دینے کا وعدہ کیا، حضرت عمار نے اپنے مقررہ وقت پر پہرہ دینا شروع کر دیا، اور حضرت عباد سو گئے، حضرت عمار نے نفل کی نیت باندھ لی، اسی دوران ان کے ایک تیر آ لگا، انہوں نے تیر نکالا اور پھینک دیا، تھوڑی دیر بعد، دوسرا تیر لگا، وہ بھی آپ نے نکالا اور پھینک دیا، پھر تیسرا تیر آیا، وہ بھی آپ نے نکالا، نماز پوری کی اور حضرت عباد کو جگایا، وہ آپ کو، خون میں لت پت دیکھ کر گھبرا گئے، اور کہنے لگے، بھائی! آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ

اٹھایا، اللہ کے محبوب بندے نے جواب دیا، کہ میں تلاوت قرآن میں اتنا محو تھا، کہ مجھے تیر لگنے کا احساس ہی نہ ہوا، تیسرا تیر لگا، تو مجھے پتہ چلا کہ خون کافی بہہ رہا ہے، میں نے اب تمہیں اٹھایا، تا کہ اگر میں چل بسوں تو مورچہ خالی نہ رہے اور تم پہرہ دینا شروع کر دو۔

اللہ اکبر! ایثار و جانثاری، اور اطاعت شعاری کے یہ کرشمے آپ کو غلامان مصطفیٰ ﷺ کے حالات کے سوا کہیں نہیں مل سکتے، جو ہمارے لئے درس عبرت ہیں، ہمیں ان واقعات سے اپنی حالت کا موازنہ کرنا اور اپنے آپ کو سدھارنا چاہیے، اللہ توفیق عمل دے، آمین۔

حضرت جابر کا اونٹ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ، خود اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں، کہ غزوۂ ذات الرقاع کے سفر کے دوران، میں اپنی لاغر و کمزور اونٹنی پر سفر کر رہا تھا، جو اتنی تھک چکی تھی کہ اس کے لئے قدم اٹھانا دشوار ہو گیا، آقائے رحمت ﷺ نے نظر کرم فرمائی، اور مجھے اونٹنی بٹھانے کا حکم دیا، میں نے تعمیل کی، آپ اپنی سواری سے نیچے تشریف لائے، اور میری اونٹنی پر، تین مرتبہ اپنی چھڑی ماری، اور فرمایا، اب چلو، میں اونٹنی پر سوار ہوا تو وہ ہوا سے باتیں کرنے لگی، اللہ کے رسول ﷺ کی سواری بھی میرے ساتھ ساتھ تھی، مجھے آپ سے خوب باتیں کرنے کا موقع میسر آیا، آپ نے پوچھا، جابر! کیا تم نے شادی کر لی ہے، میں نے عرض کی، جی، یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، کنواری لڑکی سے یا ثیبہ سے، میں نے بتایا، ثیبہ سے، آپ نے فرمایا، کسی کنواری لڑکی سے شادی کرتے تو اچھا ہوتا، میں نے گزارش کی، یا رسول اللہ! میرے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، اور میرے لئے سات بہنوں کی ذمہ داری چھوڑ گئے ہیں، لہٰذا میں نے ایک عمر رسیدہ، تجربہ کار، ثیبہ سے شادی کی تا کہ وہ میری بہنوں کو بھی سنبھال سکے، اور میری دیکھ بھال بھی کرے، آپ نے خوش ہو کر فرمایا، "اَصَبْتَ اِنْشَآءَ اللّٰہُ" تم نے یہ درست فیصلہ کیا ہے، انشاء اللہ، اسی دوران میرے آقا ﷺ نے مجھ سے ایک اوقیہ سونے کے عوض، میری اونٹنی کا بھی سودا کیا، حالانکہ میں آپ کو ہدیہ پیش کرنا چاہتا تھا، لیکن آپ نے قیمت ادا فرما کر اسے خریدا۔

پھر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، جب ہم، صرار، گاؤں پہنچیں گے، تو وہاں دن بھر ٹھہریں گے، اونٹ ذبح کر کے مجاہدین کی ضیافت کریں گے، اور تمہاری بیوی کو تمہارے پہنچنے کا علم ہو جائے گا، وہ پردے، چادریں، تکیہ غلاف وغیرہ دھو کر تمہارے استقبال کی تیاریاں کرے گی، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! اس غریب کے پاس یہ سب کہاں سے آئے، آپ نے فرمایا، "اِنَّهَا سَتَكُوْنُ" سب ہو جائے گا، میرے لئے، آقا کا یہ ارشاد ایک مژدہ تھا، جسے سن کر دل ہی دل میں بہت خوش ہوا۔

لشکر اسلام، صرار، پہنچا، حسب پروگرام اونٹ ذبح کیے گئے، خوب ضیافت ہوئی، سارا دن ہم نے

وہاں گزارا، شام کو مدینہ طیبہ پہنچے، گھر آ کر میں نے اپنی بیوی کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب باتیں سنائیں، وہ بہت خوش ہوئی، پھر میں اپنی اونٹنی لے کر، مسجد نبوی شریف حاضر ہوا، اور دروازے پر کھڑا ہو گیا، اللہ کے رسول ﷺ نے اونٹنی دیکھ کر پوچھا، یہ کس کی ہے، میں نے عرض کی، سرکار! یہ آپ ہی کی اونٹنی ہے، آپ نے فرمایا، یہ تم ہی رکھو، اور حضرت بلال کو حکم دیا، کہ وہ مجھے ایک اوقیہ سونا دے دیں، میں سونا لے کر، چلا آیا، اللہ تعالیٰ نے قاسم نعمت ﷺ کے اس عطیہ میں اتنی برکت عطا فرمائی، کہ میں کبھی تنگ دست نہ ہوا۔

غزوۂ بدر الصغریٰ

ابو سفیان نے میدان احد سے نکلتے ہوئے، مسلمانوں کو سال آئندہ، دوبارہ مقابلہ کا چیلنج کیا تھا، جسے قبول کر لیا گیا تھا، غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، جمادی الثانیہ، رجب اور شعبان کے مہینے مدینہ منورہ میں گزارے، آخر شعبان میں آپ نے، ابو سفیان کا عملی جواب دینے کی غرض سے، بدر، تشریف لے جانے کا ارادہ فرمایا، جب صحابہ کرام کو اس کا علم ہوا، تو ان میں خوشی کی لہر دوڑ گئی، کیونکہ مسلمان بھی، احد میں شہید ہونے والوں، بالخصوص حضرت امیر حمزہ کی شہادت کا انتقام لینے کے لئے بے چین تھے، لہٰذا پورے جوش و جذبہ کے ساتھ، جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں، ہر طرف جنگ کی باتیں ہونے لگیں، شجاعت و بہادری کے ترانے گائے جانے لگے۔

جب ابو سفیان کو مسلمانوں کی تیاریوں کا پتہ چلا، تو وہ بوکھلا گیا، جوں جوں جنگ کا وقت قریب آتا جاتا، اس کی بوکھلاہٹ میں اضافہ ہوتا جاتا، اس نے افواہیں پھیلانے کا سلسلہ شروع کر دیا، تاکہ مسلمان گھبرائیں اور ان پر خوف طاری ہو، اور وہ بدر کا رخ نہ کریں، اپنی جھوٹی ساکھ اور عزت بچانے کے لئے، اس نے اطراف عرب میں اپنے لوگوں کو پھیلایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈا کریں، نیز یہ افواہ پھیلائیں، کہ اہل مکہ نے ایک بڑا لشکر تیار کر لیا ہے، اور چند ہی روز میں وہ مکہ سے نکلنے والا ہے، نعیم بن مسعود ایک شخص تھا، اس خبیث نے مدینہ پہنچ کر، ایسی افواہیں پھیلائیں، کہ وقتی طور پر مسلمان ان سے متاثر ہوئے، جب آقا ﷺ کو خبر ملی تو آپ نے، صحابہ کرام کو مشورے کے لئے طلب کیا، اس موقع پر، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی ایمانی جرأت نے رنگ دکھایا، ان دونوں حضرات نے، آقا کی بارگاہ میں عرض کی، یا رسول اللہ! اللہ اپنے دین کو غالب کرنے والا اور اپنے رسول کو عزت دینے والا ہے، ہم نے قوم کے ساتھ جنگ کا وعدہ کیا تھا، ہم پسند نہیں کرتے، کہ ہم وقت پر وہاں نہ پہنچیں اور وہ ہمیں بزدل خیال کریں، پس آپ تاریخ مقرر پر تشریف لے چلئے، اللہ کی قسم! اسی میں خیر ہے، تمام صحابہ نے تائید کی اور اللہ کے رسول ﷺ نے، لشکر اسلام کی روانگی کا اعلان فرمادیا،

جسے سنتے ہی، افواہوں کے بادل چھٹ گئے اور دوبارہ، زور و شور سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئیں،

نعیم بن مسعود ناکام و نامراد، واپس آیا، اور ابو سفیان کو مدینہ کا حال بتایا، تو وہ سٹ پٹا گیا، اب اس نے جنگ سے فرار کا ایک اور بہانہ تلاش کیا، قوم کو جمع کیا، اور کہا، ہم مکہ سے باہر کچھ دور جائیں گے، جب مسلمانوں کو ہماری تعداد اور فوجی قوت کا پتہ چلے گا، تو وہ ہرگز مدینہ سے نہیں نکلیں گے، پھر بھی، اگر وہ بدر پہنچ ہی گئے، تو ہم واپس چلے جائیں گے، کیونکہ آپ لوگ جانتے ہیں، کہ آج کل قحط پڑ رہا ہے، جانوروں کے لئے نہ چارہ ہے، اور نہ پانی، ان حالات میں جنگ کرنا بڑی غلطی ہوگی اور اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا، احمقوں کی سمجھ میں یہ بات آگئی، پروگرام کے مطابق دو ہزار افراد پر مشتمل، لشکر کفار مکہ سے نکلا، جب کہ آقا ﷺ پندرہ سو مجاہدین کا لشکر لے کر میدان بدر میں قیام پذیر ہو چکے تھے، جونہی ابو سفیان کو یہ اطلاع ملی وہ حسب پروگرام، الٹے پاؤں بھاگا، اور مکہ آکر ہی دم لیا،

ان دنوں بدر میں سالانہ تجارتی میلہ لگا ہوا تھا، مسلمان اپنے ہمراہ سامان تجارت بھی لائے تھے، کہ اگر جنگ نہ ہوئی، تو ہم میلہ سے فائدہ حاصل کریں گے اور ایسا ہی ہوا، اور بدر میں ایک ہفتہ سے زیادہ قیام کے دوران مسلمان نہایت اطمینان سے تجارت کرتے اور نفع کماتے رہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ، "رَبِحتُ لِلدِّینَارِ دِینَارًا" دینار کے بدلہ دینار کا فائدہ ہوا، گویا سو فیصد نفع کمایا، اللہ نے اہل ایمان کے خلوص اور جذبہ ایثار کا انہیں صلہ عطا فرمایا، فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ پس دے دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب (یعنی کامیابی) اور آخرت کا ثواب (یعنی نعیم جنت اور لذت عمل) اور اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، نیکو کاروں سے، اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَيِّاٰتِهِمْ فِيْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ ۭ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِيْ كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ یہی وہ (خوش نصیب) ہیں، جن کے اعمال کو ہم قبول کرتے ہیں، اور جن کی برائیوں سے ہم درگزر کرتے ہیں، یہ جنتیوں میں سے ہوں گے، یہ (اللہ کا) سچا وعدہ ہے، جو (اہل ایمان) سے کیا گیا ہے، اے اللہ! ہمیں بھی ان خوش نصیبوں میں شامل فرما،

مدینہ طیبہ سے روانگی سے قبل، حسب عادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رئیس المنافقین، اخبث الخبائث ابن ابی کے بیٹے، حضرت عبداللہ کو اپنا نائب، امیر مدینہ اور امام مسجد نبوی شریف مقرر فرمایا، آقا کائنات ﷺ کا یہ عمل نہایت ہی قابل غور ہے، کہ اپنے اور مسلمانوں کے بدترین دشمن، خبیث ترین منافق کے بیٹے کو، دیگر جلیل القدر صحابہ کی موجودگی میں، آپ نے اتنا بڑا اعزاز بخشا، تا کہ آقا ﷺ کا اپنے غلاموں پر اعتماد کلی ثابت ہو جائے، چاہے کوئی غلام بدترین منافق کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو، نیز اس لئے کہ ثابت ہو جائے، کہ صحابہ کے رشتہ کی بنیاد، صرف اور صرف اسلام تھا، اسلام کے مقابلہ میں ان

کے نزدیک کسی رشتہ کی ذرا بھی حیثیت نہ تھی، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا یہی حکم امت مسلمہ کے لئے ہے، جسے صحابۂ کرام نے اپنے عمل سے ثابت کیا، تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ مردے سے زندہ کو پیدا کرنا، قادر مطلق کی شان ہے، مردہ منافق سے، زندہ حضرت عبداللہ کا پیدا ہونا، حیرت نہیں، کرشمۂ قدرت ہے، اور زندہ بھی ایسا جسے جلیل القدر صحابی ہونے کا شرف حاصل ہوا، کئی مرتبہ غزوات میں شرکت کے مواقع میسر آئے، اور اب آقا ﷺ کی نیابت کا عظیم اعزاز نصیب ہوا، یہ ہے میرے آقا ﷺ کی نگاہ کرم، جس پر پڑ جائے، اسے تاجدار بنا دیتی ہے۔

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

4ھ ہجری کے دیگر اہم واقعات

4ھ ہجری، ربیع الثانی، ام المومنین حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 3ھ ہجری میں آپ سے نکاح کیا، صرف آٹھ ماہ رفاقت رہی۔

حضرت رقیہ کے لخت جگر، حضرت عبداللہ بن عثمان بن عفان کا عمر چھ سات سال انتقال ہوا، کسی مرغ نے آپ کی آنکھ میں چونچ ماردی تھی، تکلیف بڑھتی رہی، زخم گہرا ہو گیا، بالآخر جان لیوا ثابت ہوا، 5 شعبان 4ھ ہجری، حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی، اسلام کے لئے، جن کی عظیم قربانی اور کربلا میں، اعزاء واحباب کے ساتھ شہادت تاریخ اسلام کا ایک اہم سنہرا باب ہے۔

یہود مدینہ، سریانی بولتے، اور اسی زبان میں خط وکتابت کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے ضرورت محسوس کی، کہ غلاموں میں سے کسی کو سریانی سیکھنا چاہیے، تاکہ ان کے خطوط کے جوابات، انہی کی زبان میں دیئے جاسکیں، اور بآسانی ان کے حالات معلوم ہوتے رہا کریں، حضرت زید بن ثابت نہایت ذہین تھے، وہ فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ نے یہودیوں کی زبان سیکھنے کا مجھے حکم دیا، میں نے کوشش کی صرف دو ہفتہ میں، میں نے سریانی پر عبور حاصل کر لیا، میں ان کے خطوط کے جوابات بھی اسی لغت میں لکھا کرتا تھا، اور ان سے ان کی زبان میں بخوبی گفتگو بھی کر لیتا تھا، میری اس صلاحیت پر یہودی حیرت زدہ تھے۔

اسی سال، حضرت ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالاسد کا انتقال ہوا، یہ برہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی ہوئیں، یعنی ابوسلمہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے مزید برآں رضاعی بھائی بھی تھے کہ انہوں نے حضور کے ساتھ، ثویبہ کا دودھ پیا تھا، سابق الاسلام تھے، دارارقم کے دور میں، حضرت عثمان اور حضرت ارقم کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے تھے، آقا ﷺ کو ان کے وصال کا بہت افسوس ہوا۔

ام سلمٰی کو شرف زوجیت

ام سلمٰی کے سابق شوہر ابو سلمہ تھے، جن کے وصال کی خبر ابھی آپ نے پڑھی، یہ دونوں سابق الاسلام تھے، پہلے دونوں نے ہجرت حبشہ کی، کچھ عرصہ بعد مکہ واپس آ گئے، آقا ﷺ کی ہجرت کے بعد غلاموں نے بھی مدینہ منورہ کا رخ کیا، ابو سلمہ مکہ چھوڑنے میں کامیاب ہوئے لیکن ان کی اہلیہ کو میکے والوں نے روک لیا، مزید ظلم یہ ہوا کہ ماں سے بچے کو، اس کی ددھیال والوں نے چھین لیا، ام سلمٰی تقریباً ایک سال، شوہر اور بچے کی جدائی میں روتی اور دعائیں کرتی رہیں، اللہ نے ایک دن ان کی سن لی، مدینہ جانے کی اجازت بھی مل گئی اور بچہ بھی مل گیا، تفصیلی واقعہ آپ گزشتہ اوراق پر ملاحظہ فرما چکے ہیں، شوہر کے انتقال کے وقت ان کی عمر تقریباً پچیس برس کی تھی کئی بچے تھے، نہایت تنگ دستی سے زندگی بسر ہوتی تھی، ان کی پریشانی اور ابو سلمہ سے دوستی کے سبب، پہلے حضرت ابو بکر نے ان کو پیغام نکاح دیا، لیکن انہوں نے منع کیا، پھر حضرت عمر نے نکاح کی خواہش ظاہر کی، لیکن اب بھی آپ نے انکار کر دیا، ام سلمٰی کہتی ہیں کہ میں نے شوہر کے انتقال کے وقت دعا کی تھی، ''اَللّٰھُمَّ عِنْدَکَ اَحْتَسِبُ مُصِیْبَتِیْ ھٰذِہٖ'' اے اللہ! میں اپنی اس مصیبت پر تجھ ہی سے صبر و اجر مانگتی ہوں، ''اَللّٰھُمَّ اخْلُفْنِیْ فِیْھَا خَیْرًا مِّنْھَا'' اے اللہ! مجھے اس مصیبت کا نعم البدل عطا فرما، لہٰذا میں نے ابو بکر و عمر کو انکار کر دیا، کہ وہ میرے نزدیک بحیثیت شوہر، میرے شوہر سے بہتر نہ تھے، پھر ایک دن مجھے، آقا ﷺ کا پیغام ملا، تو میں نے منظور کر لیا، کہ ان کے دامن رحمت سے بہتر ایک مصیبت زدہ کے لئے کوئی پناہ گاہ نہیں ہو سکتی، لیکن میں نے آپ کی خدمت میں نکاح نہ کرنے کی تین وجوہ پیش کیں: (1) میں ایک غیور عورت ہوں، سوکنوں کو برداشت نہ کر سکوں گی (2) بچوں والی ہوں، لہٰذا آقا کی خدمت کا حق ادا نہ کر سکوں گی (3) میرا کوئی ولی نہیں جو میری طرف سے ایجاب قبول کرے، مشکل کشا ﷺ نے فرمایا، تم پریشان نہ ہو، ہم دعا کریں گے کہ اللہ تمہیں سوکنوں کو برداشت کرنے کی قوت عطا فرمائے، رہا مسئلہ بچوں کا تو ''فَاللّٰہُ فَسَیَکْفِیْکَھُمْ'' اللہ ان کا انتظام فرما دے گا، جب کہ ولی تمہارا بیٹا سلمہ ہو گا۔

ام سلمٰی کا نکاح ہو گیا، ازواج مطہرات کے ساتھ بہنوں کی طرح مل جل کر رہنے لگیں، آقا ﷺ کی سرپرستی کے طفیل بچوں کی بھی کفالت کا انتظام ہو گیا، غرضیکہ تنہائی و تنگدستی ختم ہو گئی، پرسکون زندگی، سابقہ زندگی سے بہت بہتر میسر آئی، عظیم منصب بھی ملا، کہ امت کی ماں بن گئیں، سات برس تک آقا ﷺ کی خدمت کرتی رہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد، اڑتالیس سال زندہ رہیں، چوراسی برس کی عمر میں انتقال ہوا۔

ایک اور حادثہ

اسی سال، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد بن ہاشم کا انتقال ہوا، یہ پہلی خاتون تھیں، جنہوں نے نجیب الطرفین ہاشمی بچہ جنا، کہ یہ خود بھی ہاشمی تھیں اور ان کے شوہر ابو طالب بھی ہاشمی تھے، عبدالمطلب کے انتقال کے بعد، جب ابو طالب کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کا شرف حاصل ہوا، تو فاطمہ بنت اسد کو بھی خدمت کا موقع ہاتھ آیا، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بے حد خدمت کیا کرتیں اور ان کو بہت چاہتی تھیں، تھوڑی دیر کے لئے آپ نظروں سے اوجھل ہوتے تو بے چین ہو جاتی تھیں، جب ان کا انتقال ہوا، تو حضور نے انہیں اپنا پیراہن مبارک پہنایا، اور ان کی قبر میں تھوڑی دیر خود لیٹے رہے، ان کو دفن کرنے کے بعد فرمایا، "جَزَاکِ اللّٰہُ خَیْرًا لَقَدْ کُنْتِ خَیْرَ اُمٍّ" میری ماں! اللہ تعالیٰ تمہیں جزائے خیر دے، کہ تم بہترین ماں تھیں، نیز آپ نے صحابہ کو بتایا کہ میں نے اپنا کرتہ اس لئے انہیں پہنایا، کہ انہیں جنت کا لباس پہنایا جائے، اور قبر میں اس لئے لیٹا، کہ یہ قبر ان کے لئے کشادہ ہو جائے۔

حضرت فاطمہ بڑی محبت کرنے والی اور ہمدرد خاتون تھیں، غریبوں کی بے حد مدد کیا کرتی تھیں، ابتداء اسلام ہی کے دور میں آپ مشرف باسلام ہو گئی تھیں، اور دعوت حق و تبلیغ اسلام میں پورا پورا حصہ لیتی تھیں، اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی محبوب چچی کے وصال کا بہت دکھ ہوا۔

یہاں، بروایت حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، یہ بتا دینا بھی موزوں ہوگا، کہ صرف پانچ حضرات ایسے خوش نصیب ہوئے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ان کی قبروں میں پہلے، خود تشریف لے گئے، پھر انہیں دفن کیا گیا، ان خوش نصیب حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

1۔ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا، 2۔ حضرت خدیجہ کا ایک بیٹا، 3۔ حضرت عبداللہ مزنی، جنہیں ذوالجبادین، کہا جاتا تھا۔

4۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی والدہ محترمہ یعنی حضرت ابوبکر کی اہلیہ مکرمہ حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا، اور 5۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا (مدارج النبوۃ)

حرمت شراب

شراب، جوام الخبائث، تمام برائیوں کی جڑ ہے، اہل عرب کی گھٹی میں شامل تھی، لہٰذا اسے نہایت حکمت و مصلحت کے ساتھ بتدریج اسے چھڑایا گیا، کہ اولاً صرف اتنا بتایا گیا اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا

کہ دونوں (شراب اور جوئے) کا گناہ، ان کے نفع سے بہت زیادہ ہے، اس لئے پہلے ہی ارشاد پر، صحابہ نے سمجھ لیا، کہ اللہ تعالیٰ شراب کو پسند نہیں فرماتا اور کچھ نے اس قبیح عادت کو چھوڑ بھی دیا، پھر مزید ارشاد ہوا، لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى نشہ کی حالت میں نماز کے قریب بھی نہ جاؤ، ظاہر ہے، صحابہ نماز تو نہ چھوڑ سکتے تھے، لہٰذا شراب نوشی خود بخود کم ہوگئی، حتیٰ کہ 4 ہجری میں واضح حکم آ گیا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (مائدہ)

''اے ایمان والو! شراب اور جوا، اور بت، اور جوئے کے تیر، سب ناپاک ہیں، شیطان کی کارستانیاں ہیں، پس ان سے بچو، تاکہ تم فلاح پا جاؤ''۔

یہ واضح حکم نازل ہوا، تو نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک منادی کو طلب فرمایا، اور حکم دیا کہ مدینہ کے گلی کوچوں میں پھر کر لوگوں کو جمع کرو اور اللہ کا یہ حکم سناؤ، صحابہ تو اس کے لئے پہلے ہی تیار ہو چکے تھے، بس وقت کا انتظار تھا، جونہی منادی کی آواز سنی، لوگوں کا اس کے اردگرد ہجوم ہوگیا، حکم الٰہی سن کر، ایک عجیب مستی طاری ہوگئی، ہر شخص منادی بن گیا، دروازے، کھٹکھٹا، کھٹکھٹا کر، گھر، گھر، خبر پہنچانے لگے، اور چند لمحہ بعد ہی مدینہ کی گلیوں میں شراب بہنے لگی، مٹکے توڑ دیئے گئے، ہاتھوں میں موجود جام پھینک دیئے گئے، منہ سے شراب کا وہ قطرہ بھی تھوک دیا گیا، جو ابھی حلق کے اندر نہ گیا تھا، کلیاں کیں، غسل کیے، کپڑے بدلے، اب شراب کی مستی نہیں ایمان کی مستی میں سب جھوم رہے تھے، گلی کوچوں میں جمع تھے، ایک دوسرے کو مبارک باد، دے رہے تھے۔

حرمت شراب کا عنوان نہایت اہم ہے، جسے ہم نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' میں لکھا ہے، جو نہایت مفید اور دلچسپ ہے، لہٰذا مطالعہ کیجئے ''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا'' جلد اول، مقالہ نمبر:39

مدنی زندگی

ہجرت کا پانچواں سال

غزوۂ دومۃ الجندل، غزوۂ مریسیع، سخت طوفان، اونٹنی کا گم ہونا، حارث کا مشرف باسلام ہونا، منافقین کی ایک رکیک سازش، افک، آیات براءت، حضرت جویریہ سے نکاح، غزوۂ احزاب، متحدہ محاذ کا قیام، مدینہ منورہ میں خبر، خندق کی کھدائی، ایک چٹان، حضرت جابر نے دعوت کی، دشمن کی آمد، کفار کا نیا منصوبہ، حضرت صفیہ کی بہادری، معاہدے کے لئے مشورہ، نعیمی کارنامہ، شہداء و مقتولین، غزوۂ بنو قریظہ، حضرت ابولبابہ کی توبہ، یہودی مردوں کا قتل، ایک اہم رسم کا خاتمہ، ابورافع سلام کا عبرتناک انجام، زینب بنت جحش کو شرف قبولیت، حضرت ام حبیبہ سے نکاح، بارگاہ رسالت میں پہلا وفد، زلزلہ، صلوٰۃ الخسوف، آیت تیمم کا نزول، اسی سال۔

ہجرت کا پانچواں سال

یہ سال بھی تقریباً غزوات کا سال رہا، خاص طور پر، ایک اہم غزوہ، احزاب، اسی سال وقوع پذیر ہوا، نیز تاریخ اسلام کا المناک ترین واقعہ، ''افک'' بھی اسی سال پیش آیا، جس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کو سخت صدمہ پہنچایا، تفصیلات آگے آتی ہیں۔

غزوہ دومۃ الجندل

دومۃ الجندل، مدینہ منورہ سے، پندرہ رات کی مسافت پر واقع ایک شہر کا نام ہے، جو حکومت روم کی حدود میں، صوبہ شام کا ایک سرحدی شہر تھا، یہ پہلا موقع تھا، کہ مجاہدین اسلام نے مملکت روم کا رخ کیا، اس وقت یہ ملک سپر پاور کی حیثیت رکھتا تھا، عرب اور جزائر عرب کو خیال تک میں نہ لاتا تھا، یہاں تک کہ تمام قبائل، رومیوں کے نزدیک، بادیہ نشین، جاہل اور اجڈ قوم کی حیثیت رکھتے تھے، جو روم کے بادشاہ قیصر اور دیگر ارکان مملکت کے لئے قابل توجہ نہ تھے، پس اللہ کے رسول ﷺ نے روم کی طرف مجاہدین اسلام کا ایک دستہ لے جانے کا فیصلہ فرمایا، تاکہ وہاں کے حکام وعوام کو عرب میں تیزی سے ابھرنے والے دین کا احساس دلایا جائے، اور انہیں اندازہ ہو سکے کہ اسلام ایک ہائی سپر پاور کی حیثیت سے ابھر رہا ہے، جو مستقبل میں کسی وقت بھی ان کے غرور کا سر نیچا کر سکتا اور ان پر غالب آسکتا ہے۔

علاوہ ازیں دومۃ الجندل اور اس کے گرد و نواح کے علاقے ڈاکوؤں اور لیٹروں کا مرکز بنے

ہوئے تھے، جو آئے دن تجارتی قافلوں اور دیگر مسافروں کو لوٹتے رہتے تھے، کسی کی ہمت نہ تھی، جو ان کی سرکوبی کرتا حتیٰ کہ یہ خبریں گشت کرنے لگیں کہ یہ غنڈے جلد مدینہ منورہ پر حملہ کرکے، مسلمانوں کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان تباہ کاریوں کے سدباب کے لئے، فوری طور پر ان کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا، تاکہ ان کی ہمتیں مزید بلند نہ ہوسکیں، اور آپ، ربیع الاول 5 ہجری کو ایک ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر، دومۃ الجندل روانہ ہوئے، لیکن ان لوگوں کو جونہی لشکر اسلام کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی یہ بزدل فرار ہو گئے، جب اللہ کے سپاہی پہنچے تو سارا علاقہ خالی تھا، صرف ان کے جانور چر، پھر رہے تھے، جن پر مجاہدین نے قبضہ کرلیا، اللہ کے رسول ﷺ نے قرب و جوار کے علاقوں میں بھی اپنے دستے روانہ کیے، لیکن وہاں بھی کوئی نہ ملا، پس آپ نے چند روز وہاں قیام فرمایا، اور مدینہ واپس تشریف لے آئے، جانوروں کی بڑی تعداد بطور مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آئی جسے مجاہدین میں تقسیم کیا گیا، یہ لشکر بیس ربیع الثانی کو مدینہ منورہ میں داخل ہوا۔

غزوۂ مریسیع

قبیلہ بنوخزاعہ کے ایک چشمہ کا نام، مریسیع تھا، چونکہ یہ غزوہ اس چشمہ کے قریب واقع ہوا، اس لئے اس کو غزوۂ مریسیع کہا جانے لگا، نیز یہ غزوۂ بنی مصطلق بھی کہلاتا ہے، اور تاریخ کی اکثر کتابوں میں یہی نام استعمال ہوا ہے، چونکہ اس غزوہ کا سبب قبیلۂ بنومصطلق تھا، لہٰذا اس کو غزوۂ بنومصطلق کہا گیا، اس غزوہ کے سن وقوع میں، اختلاف ہے، بعض نے اسے 6 ہجری کے واقعات میں شمار کیا ہے، اکثر مورخین اس کا سال 5 ہجری بتاتے ہیں، جو ہمارے نزدیک قابل ترجیح ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ کو خبر دی گئی کہ، قبیلہ بنومصطلق کا رئیس، حارث بن ابی ضرار، مدینہ منورہ پر حملہ کی تیاری کر رہا ہے، اس مقصد کے لئے اس نے اپنی قوم کے نوجوانوں، اور ارد گرد کے دیگر قبائل پر مشتمل، ہزاروں افراد کی فوج تیار کرلی ہے، اور کسی دن بھی حملہ آور ہوسکتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر کی تصدیق کے لئے، اپنے سپاہی، بریدہ بن حصیب کو روانہ کیا، انہوں نے واپس آکر تصدیق کی، اور دشمن کی جنگ کی تیاریوں کا تفصیلی حال بتایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان جہاد کرایا، جسے سنتے ہی صحابہ کرام اپنے گھروں سے دوڑے آئے، اور اپنے آقا کے گرد جمع ہو گئے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ، جب سفر کے لئے نکلتے، تو آپ کے ہمراہ ازواج مطہرات میں سے کوئی ایک زوجہ محترمہ ضرور ہوتی تھیں، جن کا انتخاب بذریعہ قرعہ کیا جاتا تھا، اس سفر کے لئے قرعہ میں، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نام نکلا، لہٰذا آپ کو، ﷺ کی معیت کا موقع میسر آیا۔

منافقین کی ایک کثیر تعداد، اس مرتبہ لشکر اسلام میں شامل تھی، جس کی وجہ ان کی سہولت پسندی اور لالچ تھا، کہ یہ سفر قریب ہی کا تھا، دشمن بھی کچھ زیادہ طاقت ور نہ تھا، اور مال غنیمت بھی بکثرت ہاتھ آنے کی توقع تھی۔

بہر حال، دو شعبان بروز سوموار، لشکر اسلام روانگی کے لئے، صف آرا ہوا، حسب معمول حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زید بن حارثہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، اور اپنے غلاموں کو لے کر روانہ ہوئے، حارث بن ابی ضرار کو جب اطلاع ملی کہ لشکر اسلام اس کی سرکوبی کے لئے حرکت میں آچکا ہے، نیز مسلمانوں نے اس کے ایک جاسوس کو بھی قتل کر ڈالا ہے تو اس کے اور اس کے ساتھیوں کے ہوش اڑ گئے، اطراف کے جو بدو، اس کی فوج میں شامل ہو گئے تھے، وہ لمحہ بھر بھی نہ رکے اور بھاگ گئے، اب حارث اپنے قبیلہ کے چند افراد کے ساتھ، اپنی حماقت کی سزا بھگتنے کے لئے وہاں رہ گیا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے پیش قدمی جاری رکھی، چشمہ مریسیع، پہنچ کر آپ نے لشکر کو جنگ کے لئے تیار ہونے اور صف بندی کرنے کا حکم دیا۔

جنگ کا آغاز تیز اندازی سے ہوا، کچھ دیر فریقین ایک دوسرے پر تیر برساتے رہے، تھوڑی دیر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اندازہ ہو گیا، کہ دشمن کے پاس نہ طاقت ہے اور نہ ہی جنگی مہارت، لہٰذا آپ نے غلاموں کو کفار پر یکبارگی حملہ کرنے کا حکم دیا، مجاہدین دشمن پر ٹوٹ پڑے، حسب توقع بہت کم وقت میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا، دشمن کے دس آدمی مارے گئے، باقی گرفتار کر لئے گئے، صرف چند افراد بھاگنے میں کامیاب ہو سکے، دشمن نے شکست تسلیم کی اور ہتھیار ڈال دیئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابونضلہ کو مژدۂ فتح دینے کے لئے مدینہ روانہ کیا، عین اس خوشی کے موقع پر منافقین کی شرانگیزی سے ایک فتنہ کھڑا ہو گیا اور بدمزگی پیدا ہو گئی۔

ہوا یہ کہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک ملازم، جہجاہ مسعود الغفاری اور ایک منافق سنان بن وبرا لجہنی کے درمیان پانی بھرنے پر جھگڑا ہو گیا، جہجاہ نے سنان کی پٹائی کر دی جس سے سنان، خون میں لت پت ہو گیا، اور اس نے رسم جاہلیت کے انداز پر انصار کو پکارا، وہ وطنی نسبت سے سنان کے گرد جمع ہو گئے، مجبوراً جہجاہ نے مہاجرین کو پکارا تو وہ ان کی طرف دوڑے اور فریقین نے تلواریں تان لیں، کسی نے آقائے رحمت ﷺ کو اس خطرناک صورت حال کی خبر کی، آپ خیمہ سے باہر تشریف لائے اور فریقین کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا، ''مَا بَالُ دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ'' زمانہ جاہلیت کے اس نعرہ کا کیا مقصد ہے، ان بیہودہ باتوں کو چھوڑ دو، اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم، اس طرح کہ ظالم کو ظلم سے روکو، اور مظلوم کو ظالم سے بچاؤ، سرکار کے اس ارشاد کے بعد معاملہ رفع دفع ہو گیا، لیکن

منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی نے بات کو طول دیا، اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے مہاجروں کے خلاف خوب زہر اگلا، انہیں بھکاری، ذلیل وخوار، اور نہ جانے کیا، کیا کہا، انصار کو خوب چڑھلیا، اور ایسا انداز اختیار کیا کہ انصار مہاجرین سے متنفر ہو جائیں، اور مہاجرین وانصار لڑ پڑیں، لیکن معلم حکمت ﷺ کی حکمت نے اس آگ کو بجھایا۔

جب ابن ابی بکواس کر رہا تھا، اس وقت وہاں، حضرت زید ابن ارقم بھی موجود تھے، نوجوان تھے، منافق کی باتیں ضبط نہ کر سکے، کھڑے ہو گئے، اور کہنے لگے، ''بخدا! تو ذلیل ہے، تیرے ساتھیوں کی تعداد قلیل ہے، تو اپنی قوم میں سخت ناپسندیدہ ہے، جب کہ محمد ﷺ کو اللہ نے عزت دی ہے، اور مسلمانوں کی کثرت کے سبب وہ قوت والے ہیں'' ابن ابی کو یہ خیال بھی نہ تھا، کہ اس کی محفل میں کوئی مسلمان بھی ہوگا، حضرت زید کی گفتگو سن کر، وہ پریشان ہو گیا، اور کہنے لگا، ''اُسْکُتْ فَاِنَّمَا کُنْتُ اَلْعَبُ'' خاموش ہو جاؤ، میں تو مذاق کر رہا تھا۔

حضرت زید بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور ابن ابی کی ساری بکواس من وعن بیان کر دی، اس وقت دربار میں، مہاجرین وانصار موجود تھے، حضرت زید کی باتیں سن کر، آقا ﷺ کا چہرۂ مبارک متغیر ہو گیا، افسوس کے آثار نمودار ہو گئے، آپ نے حضرت زید سے فرمایا، تم اس سے ناراض ہو، اس لئے ایسی باتیں کر رہے ہو، آپ نے عرض کی، واللہ یا رسول اللہ! میں نے اپنے کانوں سے یہ سب کچھ سنا ہے، آپ نے فرمایا، زید! شاید تیرے کانوں نے سننے میں غلطی کی ہوگی، آپ عرض گزار ہوئے، واللہ یا رسول اللہ! میرے کانوں نے صحیح سنا ہے، آپ نے فرمایا، شاید تمہیں کچھ شبہ ہو گیا ہو، زید بولے، واللہ یا رسول اللہ! جو کچھ اس نے کہا، وہ سب باتیں لشکر میں پھیل گئی ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کا مقصد یہ تھا، کہ اگر زید خاموش ہو جائیں، تو یہ باتیں یہیں دب جائیں گی۔

یہ سن کر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ یا رسول اللہ! حکم دیں کہ اس ملعون کو قتل کر دیا جائے، آپ نے فرمایا، نہیں اگر میں ایسا کروں گا تو دشمن کہیں گے، لو اب محمد (ﷺ) نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔

کچھ انصار، عبداللہ بن ابی کے پاس گئے، اور اس سے پوچھا، کیا تم نے، یہ سب کہا تھا، اس نے صاف انکار کر دیا، اور صفائی پیش کرنے کے لئے حضور کے دربار میں حاضر ہو گیا، اور کہنے لگا، یہ سراسر مجھ پر بہتان ہے، میں نے ایسی کوئی بات نہ کی۔

جب پیکر حکمت ﷺ نے اندازہ کیا کہ اب بات بڑھ رہی ہے، تو حکمت عملی اختیار فرمائی، اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے، جب اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا، کہ آقا سفر کا ارادہ فرما رہے ہیں، تو

عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! خلاف معمول، شدید گرمی میں سفر کا ارادہ کرنے کی کیا وجہ ہے، آپ نے فرمایا، کیا تم نے سنا کہ عبداللہ بن ابی نے کیا کہا، حتیٰ کہ اس نے یہ بھی کہہ دیا، ''اِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ'' مدینہ واپس پہنچ کر، باعزت، ذلیل کو نکال باہر کرے گا، اسید عرض گزار ہوئے، ''وَهُوَ الْاَذَلُّ وَاَنْتَ الْاَعَزُّ وَالْعِزَّةُ لِلّٰهِ وَلَكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ'' یارسول اللہ، وہی ذلیل ہے اور آپ سب سے زیادہ باعزت ہیں، اور عزت تو، اللہ کے لئے، اور آپ کے لئے اور مسلمانوں کے لئے ہے، یارسول اللہ! اس سے نرمی فرمائیے، کہ آپ کی تشریف آوری سے قبل، اس کے لئے شاہی تاج تیار ہو رہا تھا، اس کی بادشاہی کا اعلان ہونے والا تھا، آپ کی تشریف آوری کے بعد سارا ماحول بدل گیا، وہ اپنی نامرادی پر تڑپ رہا ہے، اس لئے ایسی بیہودہ گوئی کرتا رہتا ہے۔

ابن ابی کے لڑکے، حضرت عبداللہ، جو نہایت صادق الایمان اور جان نثار مسلمان تھے، خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! اگر آپ میرے باپ کو قتل کرنے کا فیصلہ فرمائیں، تو غلام کو حکم دیں، میں اس کا سر قلم کر کے، آپ کے قدموں میں ڈال دوں گا، کیونکہ اگر یہ کام کسی دوسرے مسلمان بھائی نے کیا، تو میں جب بھی اسے دیکھوں گا مجھے غصہ آئے گا، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں ایک کافر کے بدلے میں اپنے مسلمان بھائی کو قتل کر دوں، اور خود دوزخ کا ایندھن بن جاؤں ''وَعَفْوُكَ اَفْضَلُ وَمَنُّكَ اَعْظَمُ'' یارسول اللہ! آپ کی شان عفو افضل اور آپ کا احسان بہت بڑا ہے، آقا ﷺ نے فرمایا، ''اے عبداللہ! مَا اَرَدْتُّ مِثْلَهُ وَلَا اَمَرْتُ بِهِ وَلَنُحْسِنَنَّ صُحْبَتَهُ مَا كَانَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا'' نہ میں نے اس کے قتل کا ارادہ کیا ہے، اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، جب تک وہ ہم میں رہے گا، ہم اس کے ساتھ، اچھا برتاؤ کریں گے۔

جب غلاموں نے آقا کو اونٹنی پر سوار دیکھا، تو سب نے اپنا سامان سمیٹا اور جلدی جلدی اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے، لشکر اسلام فاتح لیکن اس واقعہ کے سبب افسردہ تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے خلاف معمول، سارا دن، ساری رات اور دوسرے دن سہ پہر تک سفر کیا کسی کو ستانے یا آرام کرنے کا موقع نہ دیا، جب پڑاؤ کی اجازت ملی، تو تھکے ہارے، سب ہی لیٹ گئے اور فوراً ہی سو گئے، اٹھے تو تازہ دم تھے، اس ناگوار واقعہ کو بھول چکے تھے، دوبارہ سفر ہوا شروع اور ہنسی خوشی سب مدینہ میں داخل ہوئے، اور یہی حکمت تھی تھکا دینے والا طویل اور متواتر سفر کرنے کی۔

سخت طوفان

لشکر اسلام مدینہ کے قریب ہی تھا، کہ سخت طوفان آیا ہوا کے جھونکے اس قدر تیز و تند تھے، کہ اونٹوں کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا، لوگوں نے کہنا شروع کیا، کہ مدینہ منورہ میں کوئی حادثہ پیش آ گیا

ہے، کسی دشمن نے حملہ کر دیا ہے، مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، کہ مدینہ پر کوئی حملہ نہیں کر سکتا کہ مدینہ کے چاروں طرف اللہ کے فرشتے حفاظت کے لئے موجود ہیں اور ہمارے پہنچنے تک حفاظت کرتے رہیں گے، یہ آندھی، منافقوں کے سردار زید بن رفاعہ کی موت کے سبب ہے، کہ وہ مر گیا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، مخبر صادق ﷺ کا ارشاد سن کر، عبداللہ بن ابی کے پاس پہنچے اور اسے بتایا، تیرا جانی دوست اور بڑا سہارا ختم ہو گیا، زید بن رفاعہ مر گیا، ابن ابی پریشان ہو کر پوچھنے لگا، کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا، آپ نے فرمایا، سرکار دو عالم ﷺ نے خبر دی ہے، (ابن ابی نے اس خبر کو نہ جھٹلایا، کہ تمام منافق، بلکہ کفار یہود تک آپ کو ''مخبر مغیبات'' تسلیم کرتے تھے)۔

اونٹنی کا گم ہونا

اس آندھی وطوفان کے دوران، جان عالم ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی، بہت تلاش کے باوجود نہ مل سکی، ایک منافق نصیت کہنے لگا، یہ لوگ کیا تلاش کر رہے ہیں، لوگوں نے بتایا، آقا ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی ہے، پتہ نہیں چل رہا کس طرف نکل گئی، اس خبیث کو عیب جوئی کا موقع ملا، کہنے لگا ''اَلَا یُخْبِرُهُ اللّٰهُ بِمَکَانِهَا'' کیا اللہ نے انہیں نہیں بتایا! ایک صحابی نے اس خبیث کا یہ طنز سنا تو کہا، اللہ تجھے ہلاک کرے، تو منافق ہے، اگر مجھے اپنے آقا کی ناراضگی کا خوف نہ ہوتا، تو میں ابھی تجھے قتل کر دیتا، میری نظروں کے سامنے سے دور ہو جا، یہ منافق دوڑا ہوا جہاں پناہ کے دربار میں آ گیا (کہ سب کو انہی کے دامن رحمت میں پناہ ملتی ہے، دوست ہو یا دشمن) حضور علیہ الصلوٰۃ نے، منافق کو سناتے ہوئے فرمایا، ''اِنَّ رَجُلًا مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ شَمِتَ اَنْ ضَلَّتْ نَاقَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَقَالَ اَلَا یُخْبِرُهُ اللّٰهُ بِمَکَانِهَا'' ایک منافق اس بات پر خوش ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی گم ہو گئی اور اس نے کہا، کہ کیا اللہ تعالیٰ اس کی خبر نہیں کرتا، پس اللہ نے مجھے خبر کر دی، وہ اس گھاٹی میں ہے، اس کی نکیل ایک درخت میں پھنس گئی ہے، جاؤ اسے لے آؤ، غلام گئے اور اونٹنی پکڑ کر لے آئے، نصیت، میرے آقا ﷺ کے علم کی وسعت سے متاثر ہوا، اور حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

قابل غور ہے، کہ غلام اونٹنی تلاش کر رہے تھے، اور آقا جانتے تھے کہ اونٹنی کہاں ہے، کیوں، اس لئے کہ غلاموں کو آقا کی خدمت کا شرف بخشا اور اس پر اجر دیا جائے، یا اس لئے، کہ اب تک آقا ﷺ نے توجہ نہیں فرمائی تھی، جب ایک واقعہ پیش آیا تو توجہ فرمائی اور بتا دیا، یا اس لئے، کہ یہ واقعہ ایک منافق کے مسلمان ہونے کا باعث ہو بہرحال اس واقعہ کو کسی بھی نوع، میرے آقا ﷺ کے علم غیب کے انکار کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا ہے، ہاں واضح طور پر دلیل ثبوت ہے۔

جب لشکر وادی عتیق میں پہنچا، تو مدینہ میں داخل ہونے سے پہلے، حضرت عبداللہ اپنے منافق باپ

ابن ابی کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، اور فرمایا اونٹنی سے نیچے آؤ، جب وہ اتر آیا تو فرمانے لگے کہ تم مدینہ میں اس وقت تک داخل نہیں ہو سکتے جب تک اپنی زبان سے نہ کہو گے، ''لَاَنَا اَذَلُّ مِنَ الصِّبْيَانِ لَاَنَا اَذَلُّ مِنَ النِّسَآءِ'' کہ میں بچوں سے بھی زیادہ کمزور ہوں، میں عورتوں سے بھی زیادہ کمزور تر ہوں، آقائے رحمت ﷺ نے دیکھا تو حضرت عبداللہ کو حکم دیا، کہ اسے مت روکو، اس کے حال پر ہی چھوڑ دو۔

حارث کا مشرف باسلام ہونا

غزوۂ مریسیع کے محرک، بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی، جویریہ بھی اسیران جنگ میں شامل تھی، چند دن کے بعد وہ اونٹوں کا ایک گلہ برائے فدیہ لے کر مدینہ آیا، جب وادیٔ عقیق پہنچا، تو اس کی نیت خراب ہو گئی، اور گلہ میں سے نہایت اعلیٰ نسل کے دو اونٹ نکال کر اس نے وادیٔ میں چھوڑ دیئے، اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر، اونٹوں کا گلہ پیش کیا اور درخواست کی کہ یہ میری بیٹی کا فدیہ ہے اب اسے آزاد کر دیا جائے اور میرے سپرد کر دیا جائے، مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، وہ اونٹ بھی لے کر آؤ، جو تم نے وادی عقیق میں چھپائے ہیں، کیونکہ وہ اچھی نسل کے ہیں، یہ سن کر حارث دم بخود ہو گیا، کلمہ پڑھا، اور بیٹی کو آزاد کرانے کے لئے، آنے والا، خود ہمیشہ کے لئے غلام بن گیا۔

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے ۔۔۔ دو عالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے
فضل خدا سے غیب شہادت ہوا انہیں ۔۔۔ اس پر شہادت آیت وحی و اثر کی ہے

منافقین کی ایک رکیک سازش

نفاق کفر سے بدتر، بلا ہے اور منافق، کافروں سے زیادہ ذلیل ترین قوم ہے، اس لئے، منافقین کا ٹھکانہ، جہنم کا نچلا ترین طبقہ ہے، اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ کفار نے، مکی دور میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت ستایا، آپ پر اور آپ کے غلاموں پر بے حد ظلم ڈھائے، یقیناً وہ آپ کے خون کے پیاسے تھے، آپ کو، مجنون و دیوانہ اور جادوگر کہا، اس سب کے باوجود، انہوں نے کبھی آپ کی عزت و ناموس پر حملہ نہ کیا، کبھی آپ کی کردار کشی کی کوشش نہ کی، بلکہ وہ آپ کو، امین و صادق، کہتے رہے، اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھ کر، ان کو اطمینان ہوتا تھا، آپ ہی سے وہ اپنے مقدمات کے فیصلے کراتے رہے، لیکن منافق بڑی ہی ذلیل اور بے غیرت قوم ہے، مدنی زندگی میں منافقین ہی، آقائے رحمت ﷺ کے بدترین دشمن تھے، جن میں یہ جرأت تو نہ تھی، کہ وہ علی الاعلان آپ کی مخالفت کرتے یا آپ کو ستاتے، لیکن ان کی بدترین سازشیں، اللہ کے رسول ﷺ نیز آپ کے

غلاموں کے لئے، اہل مکہ کے مظالم سے زیادہ تکلیف دہ رہیں، کہ عین جنگ کے موقع پر انہوں نے دھوکہ دیا، مسلمانوں میں قبائلی اور وطنی عصبیت پیدا کر کے، باہمی اختلاف پیدا کرنے اور انہیں آپس میں لڑانے کی ناکام کوششیں کیں، یہاں تک کہ انہوں نے، میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ردائے تطہیر پر بھی، اپنی غلاظت کے چھینٹے ڈالنے اور اسے داغ دار کرنے کی جسارت کی، جس کے نتیجہ میں واقعۂ افک پیش آیا، یہ حادثہ عظیمہ، غزوۂ بنو مصطلق کے بعد ہی، پانچ یا چھ ہجری میں رونما ہوا، اس واقعہ سے متعلق قرآن کریم، سورۃ النور، کی دس آیات نازل ہوئیں، قرآن کریم نے اس واقعہ کو ''افک'' یعنی تہمت، کہا، جو اس کے غلط اور بیہودہ ہونے کا اعلان ہے، مزید برآں، اللہ تعالیٰ نے اس افک کو اہل ایمان کے لئے ''خیر'' قرار دیا، تفصیل آگے آتی ہے۔

واقعہ افک کو ہم نے تفصیل اور اپنی استعداد کے مطابق نہایت تحقیق سے اپنی کتاب ''یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ'' میں لکھا ہے، جو اہل ذوق کے لئے نہایت مفید ہے، اس کا خلاصہ ہم یہاں پیش کر رہے ہیں، تفصیل کے لئے، ملاحظہ ہو، ''یَآاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ'' جلد دوم، مقالہ، 64۔

افک

آپ پڑھ چکے ہیں، کہ غزوۂ بنی مصطلق کے سفر میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ، ہماری ماں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں، غزوہ میں فتح و کامیابی کے بعد روانگی کا وقت آیا اور لوگ سوار ہونے لگے، تو میری ماں قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئیں، پردے کا لحاظ رکھتے ہوئے، چونکہ ام المومنین کا خیمہ، مردوں کے خیموں سے قدرے دور لگایا جاتا تھا، لہٰذا کسی نے آپ کو جاتے نہ دیکھا، قافلہ روانہ ہونے لگا، تو غلاموں نے، آپ کا ہودج اٹھا کر، اونٹ پر رکھ دیا، ام المومنین اس وقت اتنی تپلی دبلی اور کم وزن تھیں کہ کسی کو یہ احساس تک نہ ہوا کہ ہودج خالی ہے، کسی کو یہ احساس اس لئے بھی نہ ہوا، کہ سب فتح و کامرانی کے ساتھ گھر پہنچنے کی خوشی میں مست تھے، حضرت عائشہ فرماتی ہیں، کہ میں نے اپنے سینہ پر ہاتھ لگایا، تو میرا ہار غائب تھا، جو یمنی سیپوں کا بنا ہوا تھا، اور مجھے پسند تھا، اس لئے واپسی میں مزید دیر ہوئی، اور جب میں اپنی جگہ پہنچی، تو دیکھ کر مجھ پر سناٹا چھا گیا، کہ وہاں نہ میرا ہودج تھا، نہ اونٹ، اور نہ قافلہ کا نام و نشان، سب جا چکے تھے، میں سوچتی رہی کہ اب کیا کروں، پس میں نے اسی جگہ بیٹھ کر انتظار کرنے کا فیصلہ کیا، کیونکہ اگر میں قافلہ کے تعاقب میں جاتی، تو مزید پریشان ہو جاتی، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے لینے آتے اور میں کسی دوسرے راستے پر بھٹک رہی ہوتی، میں بیٹھی رہی جب رات زیادہ ہوگئی، تو اپنی چادر لپیٹ کر لیٹ گئی، مجھے نیند آ گئی، اچانک میں نے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، کی آواز سنی، آنکھ کھلی، تو صبح ہو چکی تھی، اور حضرت صفوان بن معطل سلمی، کھڑے نظر آئے، ان

کے سپرد یہی کام تھا، کہ جب قافلہ روانہ ہو جائے، تو بعد میں یہ قافلہ کا گرا پڑا سامان جمع کریں، اور سرکار کے دربار میں پیش کردیں، آج کا دن ان کے لئے بڑا اور تاریخی بن گیا، کہ ان کی ماں مل گئیں، جس پر یہ خوش بھی تھے اور پریشان بھی، خوش اس لئے کہ ماں کی خدمت کا موقع ملا، اور پریشان اس لئے کہ، شرعی حدود کی پابندی کے ساتھ کس طرح اپنی ذمہ داری پوری کریں، لیکن حضرت صفوان کامیاب رہے، کہ انہوں نے شرعی پابندی کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنی ذمہ داری پوری کی، حضرت عائشہ بتاتی ہیں:

کہ صفوان، اپنی اونٹنی میرے قریب بٹھا کر دور چلے گئے، جب میں پوری طرح آرام سے بیٹھ گئی، تو وہ آئے، اونٹنی کی نکیل پکڑی اور مدینہ کا رخ کیا، فرماتی ہیں، "وَاللّٰهِ مَا يُكَلِّمُنِيْ كَلِمَةً وَلَا سَمِعْتُ مِنْهُ كَلِمَةً غَيْرَ اِسْتِرْجَاعِهٖ" بقسم دوران سفر، نہ صفوان نے مجھ سے کوئی بات کی اور نہ ہی میں نے ان کی زبان سے، انا للہ، کے علاوہ کوئی کلمہ سنا، یہاں تک کہ ہم قافلہ میں آکر شامل ہو گئے اور قافلہ مدینہ منورہ پہنچ گیا۔

بات صرف اتنی سی تھی، لیکن منافقین نے اس کا افسانہ بنا دیا، عبداللہ بن ابی نے میری ماں پر الزام لگایا، اور اس کا خوب پروپیگنڈا کیا، وہ گھر، گھر جاتا، اور اپنی خود ساختہ کہانی مردوں، عورتوں اور بچوں کے سامنے بیان کرتا، لہٰذا طرح طرح کی مزید کہانیاں بننے لگیں، صحابہ کرام میں ایک ہیجان پیدا ہو گیا، آپس میں اختلاف کی نوبت آئی، حتیٰ کہ حضرت حسان، حضرت مسطح اور حضرت حمنہ رضی اللہ عنہم تو بدگمانی کا شکار بھی ہو گئے۔

نبی رحمت ﷺ کو جب منافقین کی خباثت کا علم ہوا، تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا، آپ نے فرمایا، "لَوَ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِيْ اِلَّا خَيْرًا" بقسم میں اپنی اہلیہ کے متعلق پاکیزگی کے سوا کچھ نہیں جانتا، "وَقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا" اور انہوں نے، جس سے تہمت لگائی ہے، مجھے اس کے متعلق بھی پاکیزگی ہی کا علم ہے، اس کے علاوہ آپ نے کچھ نہ فرمایا، خاموشی اختیار کی، کہ آپ اس معاملہ میں فیصلہ الٰہی کے خواہاں اور منتظر تھے، کہ الزام لگانے والوں کو مزید موشگافیوں کا موقع نہ مل سکے، اور اہل ایمان کے ایمان تازہ ہو جائیں، نیز میری ماں کی طہارت و پاکیزگی کا وہ ثبوت فراہم ہو جو اس سے پہلے کسی صاحبہ عظمت و فضیلت کو میسر نہ آسکا۔

ام المومنین حضرت عائشہ، سفر سے واپس آکر بیمار ہو گئیں اور ایک ماہ تک سخت بیمار رہیں، لہٰذا انہیں کچھ خبر نہ تھی، کہ باہر ان کے خلاف کیا باتیں بنائی جا رہی ہیں، ہاں وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رویہ میں ضرور تبدیلی محسوس کر رہی تھیں، کہ آپ تشریف لاتے تو بس سلام کرتے اور فرماتے، كَيْفَ تِيْكُمْ، کیا حال ہے، اور واپس تشریف لے جاتے، ظاہر ہے کہ آقا ﷺ کی اس سرد مہری نے، میری ماں کو

مزید متفکر کر دیا جس سے ان کی بیماری میں اس قدر اضافہ ہوا کہ آپ بے حد کمزور ہو گئیں، بغیر سہارے، اٹھنا، بیٹھنا اور ضروریات پوری کرنا بھی دشوار ہو گیا، ایک رات آپ ام مسطح کے ہمراہ قضائے حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئیں، واپسی پر ام مسطح کا پیر پھسلا تو ان کی زبان سے نکلا، "تَعِسَ مِسْطَحٌ" مسطح تو ہلاک ہو جائے، ام المومنین نے سنا، تو فرمایا، تمہیں مسطح کو ایسی بددعا نہیں دینی چاہیے وہ ایک نیک نوجوان ہیں، بدری ہیں اور تم اہل بدر کی فضیلت جانتی ہو، ام مسطح نے کہا، کہ، میں اس سے نفرت کرتی ہوں، کیونکہ وہ تم پر تہمت لگانے والوں کا ساتھ دے رہا ہے، چونکہ آپ نے تہمت کی بات پہلی مرتبہ سنی، تو چونکیں، اور پوچھنے لگیں، یہ تہمت کی کیا بات ہے، میں تو کچھ نہیں جانتی، ام مسطح نے سب واقعہ بتایا، جسے سن کر ام المومنین بے حد پریشان ہوئیں، مزید کمزوری اور نقاہت ہو گئی، بمشکل گھر پہنچیں۔

جب اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے، تو حسب معمول آپ نے سوال کیا اور پوچھا، "كَيْفَ تِيكُمْ" کیا حال ہے، حضرت ام المومنین نے گزارش کی، "اَتَأْذَنُ لِيْ اَنْ اٰتِيَ اَبَوَيَّ" کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے والدین کے گھر چلی جاؤں، ام المومنین فرماتی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے اجازت مرحمت فرمائی اور میں اپنے والدین کے گھر چلی گئی، اور میں نے اپنی والدہ سے سب بات کی، انہوں نے مجھے تسلی دی، لیکن میں اپنے والدین کو متفکر دیکھ کر بہت پریشان رہتی تھی، اس دوران، ایک دن آقا ﷺ تشریف لائے، اور ایک مہینہ کے دوران پہلی مرتبہ میرے قریب رونق افروز ہوئے، پہلے آپ نے کلمہ شہادت پڑھا، پھر فرمایا، عائشہ! مجھے تمہارے متعلق، ایسی، ایسی خبر ملی ہے، اگر تم اس تہمت سے بری ہو، تو عنقریب اللہ تعالیٰ تمہاری براءت کا اعلان فرما دے گا، اور اگر یہ تہمت حقیقت ہے تو توبہ کرو، کیونکہ جب بندہ اعتراف گناہ کے بعد، توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں، کہ حضور کی باتیں سن کر، میرے آنسو خشک ہو گئے، اور میں نے اپنے والد سے کہا کہ آپ حضور کو جواب دیجئے، لیکن انہوں نے فرمایا، "مَا اَدْرِيْ مَا اَقُوْلُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" میں نہیں جانتا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا کہوں، میں نے اپنی والدہ سے کہا، تو ان کا بھی یہی جواب تھا، بالآخر میں نے خود ہمت کی اور عرض گزار ہوئی، "اَنَا جَارِيَةٌ حَدِيْثَةُ السِّنِّ لَا اَقْرَأُ كَثِيْرًا مِنَ الْقُرْاٰنِ" میں ایک کم عمر لڑکی ہوں، میں بہت زیادہ قرآن کریم بھی پڑھی ہوئی نہیں ہوں، "اِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ عَرَفْتُ اَنَّكُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ بِهٰذَا حَتّٰى اسْتَقَرَّ فِيْ نُفُوْسِكُمْ وَ صَدَّقْتُمْ بِهٖ" بخدا! مجھے معلوم ہے کہ تم لوگوں نے اس خبر کو سن لیا ہے، اور یہ تم لوگوں کے دلوں میں جم گئی ہے اور تم نے اس کو سچ مان لیا ہے، "فَاِنْ قُلْتُ لَكُمْ اِنِّيْ بَرِيْئَةٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اَنِّيْ

بَرِیْئَۃٌ لَا تُصَدِّقُوْنَنِیْ بِذٰلِکَ'' لہٰذا اگر میں تم سے کہوں کہ میں بری ہوں اور اللہ جانتا ہے کہ میں بری ہوں، تو تم میری تصدیق نہ کرو گے، ''وَلَئِنْ اعْتَرَفْتُ لَکُمْ بِاَمْرٍ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اَنِّیْ بَرِیْئَۃٌ لَتُصَدِّقُوْنَنِیْ'' اور اگر میں ایک ایسی بات کا اقرار کرلوں، اللہ جانتا ہے کہ اس سے میں بری ہوں، تو تم میری بات مان لو گے، ''وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ مَا اَجِدُ لِیْ وَلَکُمْ مَثَلاً اِلَّا کَمَا قَالَ اَبُوْ یُوْسُفَ'' اور میں اپنے اور تمہارے درمیان، حضرت یعقوب کی مثال پاتی ہوں، کہ وہی کہوں جو انہوں نے کہا تھا، فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ۝ ۔

فرماتی ہیں، کہ اس گفتگو کے بعد میں اٹھی اور ایک طرف جا کر لیٹ گئی، چونکہ میں اپنے دل کی بات، اپنے آقا کو سنا چکی تھی، اس لئے اب میں قدرے پرسکون اور مطمئن ہو گئی تھی، اور مجھے یقین تھا، کہ اللہ تعالیٰ، جلد ہی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ میری براءت ظاہر فرما دے گا، لیکن میں یہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ مجھ پر اتنا کرم ہوگا، کہ میری براءت کے لئے وحی الٰہی نازل ہوگی، ابھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی جگہ پر ہی رونق افروز تھے، کہ آپ کے چہرے پر آثار وحی نمایاں ہوئے، کہ نزول وحی کے وقت، سخت سردی کے باوجود، آپ کا چہرۂ انور، سرخ ہو جاتا تھا اور پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپکنے لگتا تھا، پس آپ کی یہی کیفیت ہوئی اور حضرت جبرئیل نے حاضر ہو کر آپ کو'' آیات براءت'' سنائیں، جس کے بعد آپ کا نورانی چہرہ خوشی سے چمکنے لگا، اور آپ نے فرمایا، ''اَبْشِرِیْ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ اللّٰہَ قَدْ بَرَّاکِ'' اے عائشہ! مبارک ہو، اللہ تعالیٰ نے تمہاری براءت کا اعلان فرما دیا، میری والدہ نے کہا، اے عائشہ کھڑی ہو، اور آقا ﷺ کا شکریہ ادا کرو، میں نے (بطور ناز) کہا میں کسی کے لئے کھڑی نہ ہوں گی اور نہ میں کسی کا شکریہ ادا کروں گی، میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں، جس نے میری براءت کا اظہار فرمایا۔

آیات براءت

سورۃ النور کی، یہ دس آیات، آیات براءت کہلاتی ہیں، کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی محبوبہ زوجۂ مطہرہ حضرت ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی پاکیزگی کا اعلان فرمایا، جس کے بعد آپ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صدیقہ کہلائیں، ممکن تھا کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، از خود یا وحی غیر متلو کے ذریعہ اپنی اہلیہ مقدسہ کی براءت کا اظہار فرماتے، تو اس وقت منافقین کی زبانیں بند نہ ہوتیں، یا مستقبل میں منافق یا بدعقیدہ لوگ ہرزہ سرائی کرتے اور آپ کی ردائے تطہیر کو داغ دار کرنے کی کوشش جاتی، پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنی محفوظ کتاب کے ذریعہ آپ کی تطہیر کا اعلان فرما کر، بڑا احسان فرمایا کہ امت کو بدعقیدگی اور بدگمانی سے بچا لیا اور ہمیشہ کے لئے بدگوئی کا دروازہ بند کر دیا، اب

کوئی اپنی ماں کے متعلق برا خیال کرے تو یہ اس کا مقدر ہے، اللہ محفوظ رکھے، آمین۔

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنكُمْ ۚ لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم ۖ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُم مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ ۚ وَالَّذِي تَوَلَّىٰ كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١﴾ لَّوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَٰذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ ﴿١٢﴾ لَّوْلَا جَاءُوا عَلَيْهِ بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ ۚ فَإِذْ لَمْ يَأْتُوا بِالشُّهَدَاءِ فَأُولَٰئِكَ عِندَ اللَّهِ هُمُ الْكَاذِبُونَ ﴿١٣﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٤﴾ إِذْ تَلَقَّوْنَهُ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُولُونَ بِأَفْوَاهِكُم مَّا لَيْسَ لَكُم بِهِ عِلْمٌ وَتَحْسَبُونَهُ هَيِّنًا وَهُوَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمٌ ﴿١٥﴾ وَلَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ قُلْتُم مَّا يَكُونُ لَنَا أَن نَّتَكَلَّمَ بِهَٰذَا سُبْحَانَكَ هَٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ ﴿١٦﴾ يَعِظُكُمُ اللَّهُ أَن تَعُودُوا لِمِثْلِهِ أَبَدًا إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧﴾ وَيُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿١٨﴾ إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿١٩﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ وَأَنَّ اللَّهَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٠﴾ (النور)

''بے شک جنہوں جھوٹی تہمت لگائی ہے وہ ایک گروہ ہے تم میں سے، تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو، بلکہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، ہر شخص کے لئے ان میں سے اتنا گناہ ہے، جتنا اس نے کمایا، اور جس نے سب سے زیادہ حصہ لیا، ان میں سے، اسی کے لئے بڑا عذاب ہے، ایسا کیوں نہ ہوا، کہ جب تم نے یہ (افواہ) سنی، تو گمان کیا ہوتا، مؤمن مردوں نے اور مؤمن عورتوں نے، اپنوں کے متعلق پاک گمان، اور کہہ دیا ہوتا کہ یہ تو کھلا بہتان ہے، وہ اس پر چار گواہ کیوں پیش نہ کر سکے (اگر وہ سچے تھے) پس جب وہ گواہ پیش نہ کر سکے، تو وہی ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے ہیں، اور اگر نہ ہوتا، اللہ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت، دنیا میں اور آخرت میں تو پہنچتا تمہیں ان باتوں کی وجہ سے عذاب عظیم، (جب تم ایک دوسرے سے) نقل کر رہے تھے اس (بہتان) کو، اپنی زبانوں سے اور کہا کرتے تھے اپنے

مونہوں سے ایسی بات جس کا تمہیں کوئی علم نہ تھا، نیز خیال کرتے تھے، کہ یہ معمولی بات ہے، حالانکہ یہ بات اللہ کے نزدیک بہت بڑی تھی، اور ایسا کیوں نہ ہوا، کہ جب تم نے یہ افواہ سنی، تو تم نے کہہ دیا ہوتا، کہ ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ گفتگو کریں اس کے متعلق، اے اللہ تو پاک ہے، یہ بہت بڑا بہتان ہے، نصیحت کرتا ہے تمہیں اللہ کہ دوبارہ اس قسم کی بات ہرگز نہ کرنا، اگر تم ایمان دار ہو، اور کھول کر بیان کرتا ہے، اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں، اور اللہ سب کچھ جاننے والا ہے، بڑا دانا ہے، بے شک جو لوگ یہ پسند کرتے ہیں، کہ ایمان والوں میں بے حیائی پھیلے، ان کے لئے دردناک عذاب ہے، دنیا میں اور آخرت میں، اور اللہ (حقیقت) کو جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت، اور یہ کہ اللہ بہت مہربان اور رحیم ہے (تو تم بھی نہ بچ سکتے تھے)"۔

غور فرمایئے، اللہ تعالٰی کس قدر واضح انداز سے، اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طہارت و پاکیزگی کا اعلان فرما رہا ہے، ابتداء ہی میں اس واقعہ کو افک، یعنی بہتان قرار دیا، یہ ایک لفظ ہی براءت، اور منافقین کی سازش کا پردہ چاک کر دینے کے لئے کافی تھا، لیکن اس پر اکتفا نہ کیا گیا، بلکہ واقعہ کی سنگینی اور بدترین نتائج کا باعث ہونے کے سبب، دس آیات کے ذریعہ، اس کا تفصیلی رد کیا گیا، پہلے، افک، کہا گیا، پھر بہتان قرار دیا گیا، پھر، افک مبین، کھلا بہتان فرمایا اور پھر، بہتان عظیم، بڑا بہتان کہا گیا، گویا، ایک رتی ایسی گنجائش نہ چھوڑی گئی، جس سے کوئی دشمن اسلام، واقعہ کی صداقت ثابت کرنے کا سہارا لے سکے۔

کتاب کے اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے، ان آیات کی تشریح و تفسیر یہاں بیان نہیں کی جا سکتی، جو نہایت اہم اور ایمان افروز ہے لہٰذا ہم گزارش کریں گے، کہ اس موقع پر اہل ذوق حضرات "يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" جلد دوم، مقالہ، 64، کا مطالعہ ضرور کریں۔

حضرت جویریہ سے نکاح

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، کہ غزوۂ مریسیع میں کامیابی کے بعد جو کافر گرفتار ہوئے، ان میں بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی، جویریہ بھی تھیں جب تمام قیدی، لونڈی غلام بنا کر، مجاہدین میں تقسیم کر دیئے گئے، تو جویریہ، حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں، جویریہ نے حضرت ثابت سے گزارش کی، کہ میں سردار کی بیٹی ہوں، آپ کچھ رقم لے لیں اور مجھے آزاد کر دیں، حضرت ثابت نے رضامندی کا اظہار کیا، تو یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر، عرض گزار ہوئیں، کہ میں نے ثابت کو راضی کر لیا، وہ رقم لے کر مجھے آزاد کرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن اس وقت میرے پاس کچھ

بھی نہیں ہے، اگر آپ رقم کا انتظام فرمادیں، تو میں اپنے قبیلہ میں پہنچ کر، آپ کی رقم واپس کردوں گی، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، اگر میں تمہارے ساتھ اس سے بہتر سلوک کروں، تو کیا تم اسے منظور کرلوگی، جویریہ نے پوچھا وہ کیا؟ آپ نے فرمایا، میں خود، تمہاری طرف سے سب رقم ادا کردوں اور تمہیں آزاد کر کے، تم سے نکاح کرلوں، تاکہ تمہارا خاندانی اعزاز ووقار محفوظ رہے، جویریہ بخوشی اس پر رضامند ہوگئیں، پس اللہ کے رسول ﷺ نے، حضرت ثابت کو بلا کر مطلوبہ رقم ادا فرمائی، اور جویریہ سے کہا، اب تم آزاد ہو، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے نکاح کرلیا، میرے آقا ﷺ کے اس عمل کی پہلی برکت تو یہ ہوئی، کہ جب لشکر اسلام کو پتہ چلا، کہ ہمارے آقا نے، حضرت جویریہ سے نکاح کرلیا ہے اور اب وہ ہماری ماں بن گئی ہیں، تو ہمارے لئے مناسب نہیں کہ ماں کے خاندان کے کسی فرد کو بھی غلام یا لونڈی بنائیں، لہٰذا سب اسیران جنگ آزاد کردیئے گئے اس کے بعد، جب بنو مصطلق کو معلوم ہوا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمارے سردار کی بیٹی کو دنیا وآخرت کا عظیم منصب عطا فرمایا ہے، تو انہوں نے آپ کی غلامی کا فیصلہ کیا، اور مشرف باسلام ہوگئے،

غزوۂ احزاب

احزاب، فرقے، جماعتیں، اس جنگ کے لئے، دشمن کے متعدد قبائل نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف متحدہ محاذ بنایا تھا، اسی لئے اسے غزوۂ احزاب کہا جاتا ہے، نیز اسے غزوۂ خندق کہا جاتا ہے، کہ دشمن سے مدینہ منورہ کی حفاظت کے لئے ایک خندق کھودی گئی تھی، اس نسبت سے یہ غزوۂ خندق کہلاتا ہے۔

متحدہ محاذ کا قیام

اس متحدہ محاذ کے محرک وہ بنی نضیر تھے، جن کے مدینہ منورہ سے اخراج کا حال آپ پڑھ چکے ہیں، اولاً انہوں نے قبیلہ ابووائل کی حمایت حاصل کی، اور بیس افراد پر مشتمل، ایک گروپ مکہ پہنچا، اور انہوں نے قریش کے رؤسا اور سرداروں کو احساس دلایا، کہ اب کسی اسلام دشمن گروپ کے لئے تنہا مسلمانوں سے مقابلہ کرنا بے سود اور بے کار ہے، ہاں اس نئی قوم کو، جب ہی ختم کیا جاسکتا ہے، کہ جب اس کے مخالفین متحد ہوجائیں، اور منظم ہوکر، اپنے وسائل یکجا کرلیں، اور پھر مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کا فیصلہ کریں، کفار مکہ نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور اس اتحاد میں شامل ہونے کا یقین دلایا، لیکن انہیں اپنے بتوں سے متعلق یہودیوں سے بھی اسی رویہ کی توقع تھی، جو مسلمانوں کا رویہ تھا، اور یہی حقیقت بھی ہے، کہ سب اہل کتاب بت پرستی کی مخالفت پر متفق ہیں، لیکن یہودی نہایت مکار اور خودغرض قوم ہے،

جس کے نزدیک ذاتی مفاد کے مقابلہ پر دین کی کوئی اہمیت نہیں، لہٰذا جب کفار قریش نے ان سے اپنے عقائد اور بت پرستی کے متعلق وضاحت چاہی، تو انہوں نے اطمینان دلاتے ہوئے کہا، کہ ہم اسلام پر آپ کے عقائد کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کی حمایت کرتے ہیں، پس یہودیوں اور کفار کے درمیان متحدہ اسلام دشمنی کا معاہدہ طے ہو گیا، جس کے بعد دونوں فرقوں کے حمایتی قبائل بھی شامل ہو گئے عرب کی تاریخ میں یہ پہلا اتحاد تھا، جس نے، باختلاف روایات، دس، بارہ، پندرہ ہزار کا لشکر منظم کر لیا، جو سر زمین عرب پر پہلا بڑا لشکر تھا، کہ اہل عرب نے اس سے پہلے کبھی اتنا طویل لشکر نہ دیکھا تھا۔

مدینہ منورہ میں خبر

اس سازش اور اعداء اسلام کے نئے منصوبہ کی خبر، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی، تو آپ نے فرمایا، حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، جوں جوں مدینہ میں خبر پھیلی، پروانے، شمع کے گرد جمع ہونا شروع ہو گئے، جن میں دو سو سالہ بوڑھے، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے بچے بھی شریک ہونے کے لئے دوڑے چلے آ رہے تھے، لیکن آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ برس سے کم عمر بچوں کو پیار محبت سے سمجھایا اور گھر واپس کر دیا، بہر حال ایک زبردست، جری اور پر جوش لشکر کی تیاری شروع ہو گئی، جاں نثار اپنی ہمت و جراءت کے کارنامے دکھانے کے لئے مضطرب و بے چین نظر آ رہے تھے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تجربہ کار صحابہ کو، جنگی تدبیر اور حکمت عملی مرتب کرنے کے لئے، طلب فرمایا، اس جنگ میں سب سے اہم مسئلہ مدینہ منورہ کی حفاظت کا درپیش تھا، کیونکہ اس مرتبہ، ہر چند دشمن کا نشانہ مدینہ طیبہ ہی تھا، جس کا امن و امان، اور جس کی پرسکون زندگی، حاسدین کے لئے نہایت تکلیف دہ تھی، اس سلسلہ میں جو تجاویز سامنے آئیں ان میں اہم ترین، تجویز حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی تھی، آپ نے بتایا، کہ ایسے مواقع پر اہل فارس، شہر کی حفاظت کے لئے، اس کے گرد خندق کھودتے اور اس میں آگ جلا دیتے تھے، تاکہ دشمن شہر میں داخل نہ ہو سکے، اگر ہم بھی ایسا ہی کریں تو مناسب ہوگا، اہل عرب کے لئے یہ تجویز بالکل نئی تھی، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بے حد پسند فرمائی، اور فیصلہ ہوا کہ دشمن کی آمد سے پہلے اس کام کا آغاز کر دیا جائے، اور جلد از جلد اس کو مکمل کر لیا جائے۔

خندق کی کھدائی

ساڑھے تین میل لمبی، پانچ گز گہری اور اتنی ہی چوڑی، خندق کھودنے کا فیصلہ کیا گیا، مدینہ طیبہ کی سخت اور پتھریلی زمین پر یہ کوئی معمولی اور آسان کام نہ تھا، لیکن ایمانی قوت تمام دشواریوں کو دور کر دیتی

اور ہر مشکل کو آسان کر دیتی ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دس، دس صحابہ کی ٹولیاں بنائیں، اور ہر ٹولی کے ذمہ، روزانہ کم از کم چالیس گز، خندق کی کھدائی کا کام سپرد فرمایا، جب کہ بوڑھے سلمان، تنہا روزانہ پانچ گز زمین کھود لیا کرتے تھے، سالار اعظم ﷺ، اس کام میں غلاموں کے ساتھ برابر کے شریک رہے، کہ آپ کھدی ہوئی مٹی نکال کر، اس کا پشتہ بنا رہے تھے، میرے آقا ﷺ کا نورانی حسین جسم مبارک مٹی میں اٹا ہوا تھا، آقائے رحمت ﷺ نے غلاموں کو محنت و مشقت کرتے دیکھا، تو اس طرح دعا گو ہوئے:

اِنَّ الْعَیْشَ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ ۔۔۔ فَاغْفِرِ الْاِنْصَارَ وَالْمُھَاجِرَہ

بے شک زندگی تو آخرت ہی کی زندگی ہے، اے اللہ مہاجر و انصار کو بخش دے۔

غلاموں نے آقا کی دعا سنی تو جذبۂ ایمان مزید بیدار ہوا، کام میں مزید تیزی آئی، اور وہ اس طرح نغمہ سرا تھے۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا ۔۔۔ عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم وہ غلام ہیں جنہوں نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی ہے، کہ ہم زندگی بھر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے۔

ایک چٹان

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ میں، سلمان، حذیفہ اور دیگر ساتھی، اپنے حصہ کی خندق کھود رہے تھے، اور مطمئن تھے کہ کام تیزی سے ہو رہا ہے، کہ اچانک ہماری کدال کے نیچے ایک سخت چٹان آ گئی، ہم نے اس پر بہت ضربیں لگائیں، لیکن اس پر نشان تک نہ پڑا، مجبوراً ہم بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور اپنی بے بسی عرض کی، آپ تشریف لائے، اور کدال لے کر خندق میں اترے، بسم اللہ کے بعد، آپ نے آیۂ مبارکہ، **تَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا** پڑھی، پوری ہو گئی آپ کے رب کی نعمت سچائی اور انصاف کے ساتھ، پھر آپ نے ضرب لگائی، چٹان سے روشنی پھیلی اور ایک حصہ علیحدہ ہو گیا، آپ نے فرمایا، ''**اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ**'' مجھے شام کی کنجیاں دے دی گئیں، آپ نے پھر آیۂ مبارکہ تلاوت فرمائی، اور دوسری ضرب لگائی، چٹان سے روشنی پھیلی، اور دوسرا حصہ الگ ہو گیا، آپ نے فرمایا، ''**اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ فَارِسَ**'' مجھے فارس کی چابیاں دے دی گئیں، پھر آپ نے مذکورہ آیت تلاوت فرمائی، اور تیسری ضرب لگائی، روشنی پھیلی اور چٹان ریزہ ریزہ ہو گئی، آپ نے فرمایا: ''**اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ**'' مجھے یمن کی چابیاں دے دی گئیں۔

آقائے کائنات ﷺ نے چٹان کے ریزے ریزے، کر کے مجاہدین کی مشکل آسان کی، اور

اللہ جل جلالہ دعم نوالہ نے ، اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس عظیم کارنامہ پر خوش ہو کر، انعام سے نوازا، کہ بوسیلہ محبوب ﷺ، آپ کے غلاموں کو ان تین ممالک کی فتح کا مژدہ دیا جو اس دور کی سپر پاورز کہلاتی تھیں، یہ مژدہ ایسے ناسازگار حالات میں دیا گیا، جب مجاہدین، ایک بڑے لشکر کے مقابلہ کی تیاریاں کر رہے تھے، وہ بھوکے تھے، پیاسے تھے، تعداد و مادی وسائل کے اعتبار سے بہت کم تھے، ایسے وقت بڑے، بڑے ممالک کی فتح کا اعلان، بڑا ہی عجیب معلوم ہوا، لیکن اس پر تعجب، منافقین کو ہوا، احمقوں کو ہوا، اہل ایمان، اہل محبت کو نہیں، انہوں نے اس خبر پر سو فیصد یقین کیا، اللہ کا شکر ادا کیا، اور ان ممالک پر، علم اسلام لہرانے کے عزم کے ساتھ، موجودہ دشمن کو کچلنے اور اس کی سرکوبی کرنے کے لئے وہ مزید محنت و مشقت سے کام کرنے لگے، کہ انہیں پتہ چل گیا، کہ ہماری منزل یہ جنگ نہیں، یہ تو اس منزل کی طرف گزرگاہ ہے، جس کا مژدہ مخبر غیب ﷺ نے دیا ہے، ہمیں ابھی بہت کام کرنا ہے، شام، فارس اور یمن پر اپنے جھنڈے گاڑھنے ہیں، اللہ کے ان بہادر سپاہیوں نے محنت کی، مشقت کی، جانوں کی بازی لگائی، پس کامیابی و کامرانی ان کی قدم بوس ہوئی، اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے انہیں منزل تک پہنچایا، دنیا نے دیکھا، جو بھوکے تھے، بظاہر کمزور و ناتواں تھے انہوں نے اپنے دانا و توانا آقا کی قیادت میں، شام، فارس اور یمن پر ہی نہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں اسلام کا علم بلند کر دکھایا۔

حضرت جابر نے دعوت کی

خندق کی کھدائی جاری تھی، تین دن کا فاقہ گزر چکا ہے، مجاہدین نے، کمر سیدھی رکھنے کے لئے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا ہے، جب اضطراب بڑھتا ہے، تو آقا کے دامن رحمت میں پناہ کے لئے دوڑتے ہیں، اپنے کرتے اٹھا کر، پیٹ پر بندھے پتھر دکھاتے ہیں اور جب جان دو عالم ﷺ اپنا مبارک پیراہن اٹھاتے ہیں تو غلام یہ دیکھ کر حیرت زدہ ہو جاتے ہیں، کہ آقا کے پیٹ پر تو دو پتھر بندھے ہوئے ہیں، حضرت جابر، حاضر دربار ہیں، یہ منظر، دیکھ کر بے تاب ہو جاتے ہیں، دوڑتے دوڑے گھر آتے ہیں، بیوی کو سارا حال بتاتے اور پوچھتے ہیں، کیا کھانے کا کوئی انتظام ہو سکتا ہے، نیک بخت بیوی بھی بے چین ہو گئی، اور بولی، یہ بکری کا بچہ آپ ذبح کریں، تھوڑے سے جو ہیں، میں پیستی ہوں، شام ہونے کو آئی، حضرت جابر، آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! آپ کی باندی نے کھانا پکایا ہے تشریف لے چلیں، لیکن کھانا کم ہے، صرف دو، چار آدمیوں کے لئے، کافی ہو سکتا ہے، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، جاؤ بیوی سے کہو، ہمارے پہنچنے تک ہانڈی، چولہے سے نہ اتارے، اور روٹیاں نہ پکائے، پھر آپ نے باآواز بلند فرمایا، اے خندق والو! تمہارے

بھائی جابر نے تمہارے لئے کھانا پکایا ہے، چلو سب کھائیں۔

حضرت جابر کہتے ہیں، آقا ﷺ آگے، غلام ان کے پیچھے، سب کا رخ میرے غریب خانہ کی طرف تھا، میں گھبرایا، گھر پہنچا، بیوی کو بتایا، کہ سب لشکر آرہا ہے، اب کیا ہوگا، اس نیک بخت نے صرف اتنا پوچھا، تم نے سب کو دعوت دی ہے، یا آقا ﷺ نے، میں نے بتایا، میں نے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دعوت دی تھی اور بتا بھی دیا تھا، کہ کھانا تھوڑا ہے، لیکن آقا نے سب کو مدعو کر لیا، بیوی نے کہا، پھر گھبرانے کی کیا بات ہے، وہ خود ہی انتظام فرمائیں گے، کہ بھوکوں کو کھلانا، ان کی عادت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے، ہانڈی کھولی اپنا بابرکت لعاب اس میں ڈالا، آٹے میں بھی لعاب مبارک ڈالا، مجھے حکم دیا، کہ روٹی پکانا شروع کرو، اور مدد کے لئے محلہ سے چند عورتوں کو بلالو، جابر کو حکم ملا، کہ دس، دس، آدمیوں کو بلا کر کھانا، کھلاتے رہو، مہمان کھانا کھا رہے تھے اور آقا ﷺ میزبانی فرما رہے تھے نہ آٹا کم ہو رہا تھا، نہ ہانڈی خالی ہو رہی تھی، بارہ سو یا چودہ سو، افراد نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا، کھانا ویسا کا ویسا رہا۔

خلق کے حاکم ہو تم رزق کے قاسم ہو تم   تم سے ملا جو ملا تم پہ کروڑوں درود

حضرت نعمان بن بشیر کی ہمشیرہ بتاتی ہیں کہ خندق کی کھدائی میں میرے باپ اور ماموں بھی شریک تھے، میری والدہ نے مجھے کچھ کھجوریں دیں کہ میں، یہ ان دونوں کو پہنچادوں، میں کھجوریں لے کر جا رہی تھی، کہ آقا ﷺ نے دیکھ لیا، مجھے اپنے پاس بلایا اور کھجوریں لے کر ایک چادر پر بچھا دیں، پھر ایک غلام کو حکم دیا، کہ اعلان کر دو کہ کھانا تیار ہے، اعلان سنتے ہی سب جمع ہو گئے، اور خوب سیر ہو کر کھجوریں کھائیں، اور ان میں کوئی کمی نہ ہوئی۔

ام عامر اشہلیہ نے، کچھ حلوہ حضور کی خدمت میں بھیجا، اس وقت آپ ام المومنین حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں رونق افروز تھے، اس میں سے ام المومنین نے جتنا چاہا تناول فرمایا، باقی حلوہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، لے کر باہر تشریف لائے، سب اہل خندق کو بلایا، سب نے خوب کھایا، لیکن حلوے میں کوئی کمی نہ آئی۔

خیر و برکت کے یہ واقعات، میرے آقا ﷺ کے باب المعجزات سے متعلق ہیں، جنہیں انشاء اللہ ہم، ان کے مقام پر بیان کریں گے۔

غرضیکہ تمام دستے، اپنے اپنے حصہ کی کھدائی، نہایت محنت و مشقت سے کرتے رہے، جن کا کام پورا ہو جاتا، وہ فارغ ہو کر بیٹھ نہ جاتے، بلکہ اپنے بھائیوں کی مدد کرنے لگتے تھے، اس طرح وقت سے پہلے ہی کھدائی مکمل ہو گئی، جس کے بعد لشکر اسلام کے لئے، مناسب مقامات پر خیمے لگائے گئے۔

دشمن کی آمد

اسی دوران دشمن کی آمد کا شور ہوا، ایک طوفان تھا جو امنڈا چلا آ رہا تھا، دو، چار، ہزار نہیں، بارہ یا پندرہ ہزار کا ایک زبردست لشکر تھا، کہ اتنا بڑا لشکر، اب تک اہل عرب کی آنکھوں نے نہ دیکھا تھا، دشمن پوری قوت اور تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہے تھے، انہیں ایسا معلوم ہو رہا تھا، کہ راستہ صاف ہے کوئی مزاحمت کرنے والا نہیں، بس اب مدینہ ہمارا ہے، لیکن اچانک انہوں نے اپنے سامنے خندق دیکھی، تو حفاظت کی ایک نئی تدبیر پر وہ حیرت زدہ ہوئے، کہ اب تک عرب میں، خندق کا کوئی تصور نہ تھا، مجبوراً انہیں رکنا اور پڑاؤ ڈالنا پڑا، اللہ کے رسول ﷺ نے، کوہ سلع کو اپنی پشت کی طرف رکھ کر، صف بندی شروع کی، یہاں سے مسلمانوں نے، دشمن کے لشکر پر جو نظر ڈالی، تو عجب نظارہ سامنے آیا کہ تا حد نظر انسان اور جانور ہی نظر آ رہے تھے، جذبۂ ایمانی سے سرشار، کامل الایمان مجاہدین پر تھوڑی دیر کے لئے، جو کیفیت طاری ہوئی، وہ بزبان قرآن یہ تھی:

اِذْ جَآءُوْكُمْ مِّنْ فَوْقِكُمْ وَ مِنْ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَ اِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ وَ بَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ تَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ الظُّنُوْنَا ﴿۱۰﴾ هُنَالِكَ ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ زُلْزِلُوْا زِلْزَالًا شَدِیْدًا ﴿۱۱﴾ (الاحزاب)

"جب تم پر دشمن نے اوپر اور نیچے کی طرف سے حملہ کیا، اور دہشت کے سبب تمہاری آنکھیں پتھرا گئیں، اور کلیجے منہ کو آنے لگے، اور تم اللہ کے متعلق مختلف خیال کرنے لگے، اس موقع پر اہل ایمان کو آزمایا گیا اور انہیں خوب جھنجوڑا گیا"۔

یہ ایک فطری کیفیت تھی، جس کے آثار، نمایاں بھی ہوئے، اور جس کا ذہن وقلب پر بھی قدرے اثر ہوا، لیکن استقلال واستقامت میں کوئی خلل واقع نہ ہوا، اور نہ اہل ایمان کی زبان پر، اپنی طرف سے کوئی فیصلہ آیا، جب کہ ایسے نازک موقع پر منافقین نے اپنی خباثت سے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنے کی کوشش کی

وَ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗۤ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲﴾ (الاحزاب)

"جب کہ اس موقع پر منافق اور وہ لوگ جن کے دل میں روگ تھا، کہہ رہے تھے، کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے (فتح کا) وعدہ صرف دھوکا دینے کے لئے کیا تھا"۔ (العیاذ باللہ)

نیز انہوں نے مسلمانوں کی ہمتوں کو پسند کرنے اور ان میں انتشار پیدا کرنے کے لئے کہا،

وَإِذْ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ يَٰٓأَهْلَ يَثْرِبَ لَا مُقَامَ لَكُمْ فَارْجِعُوا ۚ (احزاب)

''اور جب ان (منافقین) کی ایک جماعت کہتی پھر رہی تھی، کہ اے یثرب والو! تمہارے لئے اب یہاں ٹھہرنا ممکن نہیں لہٰذا اب لوٹ چلو''۔

مزید برآں، مکار منافقوں نے، اہل ایمان کی ہمت شکنی کے لئے میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنا چاہا، اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر، بھاگنے کا ایک بہانہ گھڑا۔

وَيَسْتَأْذِنُ فَرِيقٌ مِّنْهُمُ النَّبِيَّ يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ ۛ وَمَا هِيَ بِعَوْرَةٍ ۖ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا ﴿۱۳﴾ (احزاب)

''اور ان میں سے ایک گروہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ کہتے ہوئے اجازت چاہنے لگا، کہ ہمارے گھر بالکل غیر محفوظ ہیں، حالانکہ وہ غیر محفوظ نہ تھے، ان کا یہ بہانہ صرف بھاگنے کے لئے تھا''۔

ساڑھے تین میل لمبی خندق کے ہوتے ہوئے، مدینہ میں موجود عورتوں اور بچوں کے لئے ہرگز کوئی خطرہ نہ تھا، یہ منافقین کا میدان چھوڑنے کے لئے محض ایک بہانہ اور مکر تھا، جب کہ اہل ایمان، اپنے اہل خانہ کی طرف سے بالکل مطمئن، میدان میں ڈٹے ہوئے تھے، اصل بات یہ تھی کہ منافقین لشکر اسلام کا ساتھ دینا ہی نہ چاہتے تھے، یہ تو فتنہ وفساد پھیلانے والوں کو پسند کرتے اور ان کا ساتھ دینے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔

وَلَوْ دُخِلَتْ عَلَيْهِمْ مِّنْ أَقْطَارِهَا ثُمَّ سُئِلُوا الْفِتْنَةَ لَآتَوْهَا وَمَا تَلَبَّثُوا بِهَآ إِلَّا يَسِيرًا ﴿۱۴﴾ (احزاب)

''اور اگر (دشمن) مدینہ کے اطراف میں گھس آتے اور انہیں فتنہ وفساد میں شریک ہونے کے لئے کہا جاتا، تو وہ فوراً اس میں شریک ہو جاتے، بہت تھوڑے سے تامل کے بعد''۔

غرضیکہ مکار منافقوں نے، اس نازک موقع پر اہل ایمان کی ہمت شکنی اور ان میں انتشار پیدا کرنے کی پوری پوری کوشش کی، لیکن مجاہدین اسلام پر اس کا کوئی اثر نہ ہونا تھا اور نہ ہوا، جب کہ وہ جس عارضی خوف میں مبتلا ہوئے تھے، وہ رفع دفع ہو گیا، اور اب وہ پورے جذبہ ایمانی کے ساتھ، اپنی شجاعت و بسالت کے مظاہرے، اور اپنی تعداد سے کئی گنا زیادہ دشمن سے مقابلہ کے لئے نہایت اضطراب کے ساتھ، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے منتظر تھے، اسی دوران ابوسفیان کا ایک خط، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملا، اس نے لکھا:

اے اللہ! تیرے نام کے ساتھ، لات وعزیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ میں آپ کی طرف ایک عظیم لشکر لے کر آیا ہوں ہم نے یہ پختہ ارادہ کر لیا ہے، کہ ہم اس وقت تک واپس نہ ہوں گے، جب تک تمہاری جڑیں اکھاڑ کر نہ پھینک دیں میں نے دیکھا کہ آپ نے ہمارے ساتھ مقابلہ کرنے کو مکروہ جانا ہے اور ہمارے راستہ میں خندقیں کھود دی ہیں، بڑے تعجب کی بات ہے، یہ چیز آپ کو کس نے سکھائی ہے، اگر ہم بفرض اس دفعہ واپس چلے گئے، تو پھر آئیں گے اور جنگ احد کی یاد تازہ کریں گے۔

ابوسفیان کا یہ خط، ابو اثامہ اُلخشمی لے کر آیا تھا، آقا ﷺ اپنے خیمہ میں رونق افروز تھے، اس وقت حضرت ابی بن کعب حاضر تھے، انہوں نے یہ خط پڑھ کر سنایا، اللہ کے رسول ﷺ نے جواباً جو گرامی نامہ روانہ فرمایا، وہ ملاحظہ ہو:

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اَبِيْ سُفْيَانَ بْنِ حَرْبٍ اَمَّا بَعْدُ! فَقَدِيْمًا غَرَّكَ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ اَمَّا ذَكَرْتَ...... اَنَّكَ سِرْتَ اِلَيْنَا فِيْ جَمْعِكُمْ وَاَنَّكَ لَا تُرِيْدُ اَنْ تَعُوْدَ حَتّٰى تَسْتَاْصِلَنَا فَذٰلِكَ اَمْرٌ يَحُوْلُ اللّٰهُ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ وَيَجْعَلُ لَنَا الْعَاقِبَةَ حَتّٰى لَا تُذْكَرَ اللَّاتُ وَالْعُزّٰى وَلَيَاْتِيَنَّ عَلَيْكَ يَوْمٌ اُكْسِرُ فِيْهِ لِلَّاتَ وَ الْعُزّٰى وَاَسَافَ وَنَائِلَةَ وَهُبَلَ حَتّٰى اُذَكِّرَكَ يَا سَفِيْهَ غَالِبٍ۔

"یہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے ابوسفیان بن حرب کی طرف ہے، اما بعد، عرصہ دراز سے اللہ کے بارے میں شیطان تجھے دھوکہ دے رہا ہے، اور یہ بات جو تو نے لکھی ہے، کہ تو اپنا لشکر جرار لے کر ہماری طرف آیا ہے، اور تو نے پختہ ارادہ کر لیا ہے، کہ اس وقت تک واپس نہ جائے گا، جب تک ہمارا خاتمہ نہ کر دے، تو یہ ایسی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ، تیرے اور اس چیز کے درمیان خود حائل ہو جائے گا، اور تم اس میں کامیاب نہ ہو گے، اور انجام کار فتح ہماری ہو گی، یہاں تک کہ لات وعزیٰ کو کوئی یاد نہ کرے گا، اور یقیناً وہ دن آئے گا، جب میں لات، عزیٰ، اساف، نائلہ اور ہبل کو توڑ کر، ریزہ ریزہ کر دوں گا، اور اے خاندان بنی غالب کے احمق! میں تجھے اس روز یہ بات یاد کراؤں گا"۔

کفار کا نیا منصوبہ

اپنے سامنے، ساڑھے تین میل لمبی اور پانچ گز چوڑی خندق دیکھ کر، لشکر کفار کے ہوش اڑ گئے، انہوں نے حفاظت کی یہ تدبیر، پہلی مرتبہ دیکھی تھی، جس پر وہ پریشان تھے، ان کی سمجھ میں نہ آتا تھا، کہ اب کیا، کیا جائے، بالآخر انہوں نے، اپنے ماہرین جنگ سے مشورہ کیا اور طے پایا، کہ یہودیوں کے

قبیلہ بنو قریظہ سے رابطہ کیا جائے، جو اب تک مدینہ کے اندر ہی تھے، کیونکہ اب ایک ہی راستہ ہے، کہ بنو قریظہ لشکر اسلام پر حملہ کریں، اور خندق کے اس طرف ہم مسلمانوں پر تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ کریں، لہٰذا بنو نضیر کے سردار حیی بن اخطب سے کہا گیا، کہ تم بنو قریظہ کے پاس جا کر، انہیں آمادہ کرو، اور ان سے کہو، کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کریں، حیی بن اخطب جب بنو قریظہ کے سردار، کعب بن اسد قرظی سے ملنے پہنچا، تو کعب نے ملاقات سے انکار کر دیا، قلعہ کا دروازہ بند کر لیا، اور کہا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ، کیونکہ، ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان جو معاہدہ ہے، فریقین اس کی پابندی کر رہے ہیں، ہمیں یہاں نہ کوئی تکلیف ہے اور نہ کوئی خطرہ، ہاں اگر ہم نے کوئی غلط قدم اٹھایا، تو ہمارا بھی انجام وہی ہوگا جو تمہارا ہو چکا ہے، لیکن حیی کے بے حد اصرار کے بعد کعب نے دروازہ کھول دیا، حیی نے کعب کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے ہوئے کہا، "جِئْتُکَ بِعِزِ الدَّهْرِ بَبَحْرٍ طَامٍ جِئْتُکَ بِقُرَيْشٍ عَلٰى قَادَتِهَا وَ سَادَتِهَا" میں تمہارے پاس زمانہ بھر کی عزتیں لے کر آیا ہوں، ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر لے کر آیا ہوں، میں تمہارے پاس قریش کے بہادر، ان کے سرداروں کو ساتھ لے کر آیا ہوں، غرضیکہ جب حیی کا اصرار بڑھا تو یہودی نے یہودی کی بات مان ہی لی (کہ کفر باوجود باہمی اختلاف کے ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جاتا ہے)۔

جب اللہ کے رسول ﷺ کو اس نئی سازش کا پتہ چلا، تو آپ نے تصدیق کے لئے، حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو روانہ کیا، اور فرمایا، کہ اگر یہ خبر غلط ہو تو واپس آ کر علی الاعلان بتا دینا، اور صحیح ہو، تو خاموشی سے صرف مجھے بتانا، تا کہ مجاہدین کے حوصلے پست نہ ہوں، جب یہ دونوں حضرات بنو قریظہ کی آبادی میں پہنچے، تو وہاں کا سماں ہی دوسرا تھا، پورے زور و شور سے جنگی تیاریاں ہو رہی تھیں، انہوں نے کعب سے گفتگو کی اور اسے اس کی غلطی پر آگاہ کیا، لیکن وہ کوئی معقول بات سننے کے لئے تیار نہ تھا، اس نے صاف کہہ دیا، کہ اب ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں، اب ہم بنو نضیر اور قریش کے ساتھ ہیں اور تم سے بنو نضیر کا انتقام لے کر ہی دم لیں گے، پس یہ حضرات واپس بارگاہ رسالت میں آئے، اور بنو قریظہ کے عزائم اور بدعہدی کا حال انہوں نے اشارۃً اپنے آقا کو بتایا، لیکن بہر حال یہ اطلاع عام ہو گئی اور مسلمانوں کی پریشانی میں اضافہ کا سبب بنی، لیکن جب مخبر صادق ﷺ نے اعلان فرمایا، کہ "اَبْشِرُوْا يَا مَعْشَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَ بِعَوْنِهٖ" اے مسلمانو! تمہیں خوش خبری ہو، کہ اللہ کی نصرت و مدد تمہارے ساتھ ہوگی، تو جان نثاروں کی ساری پریشانی اور الجھن دور ہو گئی، اور وہ تازہ دم نظر آنے لگے، کہ وہ اپنے آقا ﷺ کی ہر بات پر پختہ یقین رکھتے تھے۔

بنو قریظہ نے جب عہد شکنی کا فیصلہ کر لیا، تو انہی میں سے عمرو بن سعد نے انہیں، اس کے برے

نتائج سے ڈرایا، اور یہ فاش غلطی کرنے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ نہ مانے، اسد، اسید اور ثعلبہ، اس قبیلہ کے نہایت خوش نصیب افراد ثابت ہوئے، جنہوں نے اپنے قبیلہ کی ضد، ہٹ دھرمی کا اندازہ کیا تو وہ لشکر اسلام میں آکر، شامل ہو گئے، بعد میں مشرف باسلام بھی ہوئے۔

بنو قریظہ نے ایک رات تاریکی میں، مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا، جب اللہ کے رسول ﷺ کو خبر ہوئی، تو آپ نے سلمہ ابن اسلم کی قیادت میں دو سو مجاہدین کا دستہ اور زید بن حارثہ کی قیادت میں تین سو کا دستہ، مدینہ کی حفاظت کے لئے روانہ فرمایا، یہ حضرات ساری رات، مدینہ کے گلی، کوچوں میں پہرہ دیتے رہے، اور اس بلند آواز سے نعرۂ تکبیر بلند کرتے، کہ پورا مدینہ گونج اٹھتا تھا، بنو قریظہ مسلمانوں کی اس بیداری اور بلند ہمتی سے نہایت مایوس ہوئے، اور انہیں اچھی طرح اندازہ ہو گیا، کہ اگر انہوں نے کوئی احمقانہ اقدام کیا، تو انہیں ایسی سزا ملے گی، کہ ان کی نسلیں تک یاد رکھیں گی۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، غزوۂ خندق میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھیں، وہ بیان فرماتی ہیں، ان دنوں کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی، ایک رات میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے ہیں، پھر آپ خیمہ سے باہر تشریف لائے، اور کافی دیر تک گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہے، پھر میں نے آپ کو فرماتے سنا، ”مشرکین کے سوار خندق کے ارد گرد گھوم رہے ہیں“ پھر آپ نے، عباد بن بشر کو طلب فرمایا، اور پوچھا تمہارے ساتھ اور کون ہے، انہوں نے بتایا، کہ یہاں مجاہدین کا ایک دستہ ہے، جو حضور کے خیمہ کا پہرہ دے رہا ہے، آپ نے حکم دیا، اپنے ساتھیوں کو لو اور خندق کا چکر لگاؤ، مجھے دشمن کے گھوڑے نظر آ رہے ہیں، جو شاید خندق کی کسی تنگ جگہ سے ہماری طرف آنے کا موقع تلاش کر رہے ہیں تاکہ وہ تم پر اچانک حملہ کر سکیں، پھر آپ نے دعا کی، ”اَللّٰهُمَّ اِدْفَعْ عَنَّا شَرَّهُمْ وَانْصُرْنَا عَلَيْهِمْ وَاغْلِبْهُمْ وَلَا يَغْلِبُهُمْ اَحَدٌ غَيْرُكَ“ اے اللہ! ان کے شر کو ہم سے دور کر دے، اور ہمیں ان پر فتح عطا فرما، اے اللہ! ان کو مغلوب کر دے، تیرے سوا ان کو، کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔

حضرت عباد اپنے دستہ کے ہمراہ خندق کا چکر لگانے کے لئے روانہ ہو گئے، اچانک انہوں نے دیکھا، کہ ابو سفیان، اپنے چند سپاہیوں کے ہمراہ، خندق کی ایک تنگ جگہ سے داخل ہونے کی کوشش کر رہا ہے، مجاہدین نے اسے للکارا، پتھروں اور تیروں کی ان پر بارش شروع کر دی، کفار سٹ پٹائے اور بھاگنے پر مجبور ہو گئے، حضرت عباد کہتے ہیں، جب ہم واپس آئے، تو آقا ﷺ نماز میں مصروف تھے، آپ فارغ ہوئے تو ہم نے آپ کو سب حال بتایا، ام سلمہ نے فرمایا، ”يَرْحَمُ اللّٰهُ عِبَادَ بْنَ بِشْرٍ فَاِنَّهٗ كَانَ اَلْزَمَ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقُبَّتِهٖ يَحْرِسُهَا اَبَدًا“ اللہ تعالیٰ عباد پر اپنی رحمت نازل فرمائے، یہ ہر وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خیمہ کے پاس رہتے تھے اور

اس کا پہرہ دینے میں ذرا غفلت نہ کرتے تھے۔

مشرکین نے خندق کو عبور کرنے کی بار بار کوشش کی، لیکن کبھی کامیاب نہ ہو سکے، جانبین سے پتھروں اور تیروں کی بارش ہوتی رہتی تھی، جب کفار کی انفرادی کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں، تو انہوں نے یکبارگی حملہ کرنے کا فیصلہ کیا، وہ ساری رات باہمی مشورے اور منصوبہ بندی کرتے رہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خطرے کا احساس ہو گیا، آپ نے سب مجاہدین کو جمع کر کے ہدایت فرمائی، کہ اگر کفار یکبارگی حملہ کریں، تو ان کا منہ توڑ جواب دیا جائے، اگر تم صبر و استقامت اور شجاعت و بسالت کا مظاہرہ کرو گے، تو فتح و کامرانی تمہارے قدم بوس ہو گی، صبح ہوتے ہی کفار نے مختلف اطراف سے محاصرہ کیا، اور وہ دستہ جو خالد بن ولید کی کمان میں تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خیمہ پر تیروں کی بوچھاڑ کرنے لگا، مسلمانوں نے اپنے آقا ﷺ کی حفاظت اور اسلامی پرچم بلند رکھنے کے لئے جان کی بازی لگا دی، سارا دن گھمسان کی جنگ ہوتی رہی، ظہر، عصر اور مغرب کی نمازیں ادا کرنے کا بھی کسی کو موقع نہ مل سکا، جب رات کا اندھیرا چھا گیا، تو کفار خیموں میں چلے گئے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت اسید بن حضیر کی قیادت میں دو سو مجاہدین کا دستہ، خندق کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا تھا، تھوڑی دیر بعد، خالد بن ولید نے دوبارہ حملہ کیا اور تیروں کی بوچھاڑ شروع کر دی، کیونکہ کافروں کو غلط فہمی تھی، کہ مسلمان تھکے ہارے اپنے خیمے میں جا کر سو گئے ہوں گے انہیں کیا پتہ کہ اللہ کے سپاہی، کبھی نہیں سوتے، جب دو سو مجاہدین نے ان پر تیروں کی جوابی بوچھاڑ کی تو، انہیں خائب و خاسر واپس ہونا پڑا، خالد بن ولید کے دستہ میں وحشی بھی موجود تھا، جس نے غزوۂ احد میں حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا، اس نے اپنا چھوٹا نیزہ، حضرت طفیل بن نعمان یا طفیل بن مالک بن نعمان کے پھینک کر مارا، اور آپ نے جام شہادت نوش فرمایا، اللہ کے رسول ﷺ واپس اپنے خیمہ میں تشریف لائے، اور آپ نے حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا، اور لشکر اسلام نے، اپنے آقا کی امامت میں ظہر کی نماز ادا کی، پھر صرف اقامت کے ساتھ، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کی گئیں، مجاہدین اسلام، صبح سے نصف شب تک، دشمن کا سخت مقابلہ کرنے کے باوجود تازہ دم تھے، لہٰذا انہوں نے نہایت حسن و خوبی سے نمازیں ادا کیں۔

حضرت صفیہ کی بہادری

دوران جنگ، اندرون مدینہ اگرچہ حفاظتی انتظام کر دیا گیا تھا، تاہم یہودیوں کی ٹولیاں، ادھر ادھر چکر لگا رہی تھیں، خصوصاً خواتین کی قیام گاہوں پر ان کی نظر تھی، کہ موقع ملے، تو وہ کام کر گزریں، حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی بتاتی ہیں کہ میں نے ایک یہودی کو

کئی مرتبہ اپنی قیام گاہ کے قرب وجوار میں دیکھا، جو مجھے مشکوک معلوم ہوا، میں نے حضرت حسان سے کہا، کہ آپ نیچے جایئے اور قبل اس کے کہ وہ کوئی نازیبا حرکت کرے، آپ اس کا خاتمہ کر دیں، لیکن انہوں نے معذرت کر لی، آخر کار میں خود ہی نیچے اتری، ایک ڈنڈا اٹھایا، اور جونہی وہ خبیث مجھے نظر آیا میں نے اس کا کام تمام کر دیا، میں نے چاہا کہ اس کے کپڑے اتار لوں، لیکن حیاء وشرم کے سبب میں ایسا نہ کر سکی، پھر میں نے حضرت حسان سے کہا، کہ آپ جا کر اس کے کپڑے اتاریں اور اس کا سر قلم کر کے، یہودیوں کی طرف پھینک دیں، لیکن وہ اب بھی آمادہ نہ ہوئے، لہٰذا میں خود نیچے اتری اور یہ کام بھی کر دیا، میں نے اس کا سر کاٹا اور یہودیوں کی بستی میں پھینک آئی، یہودی سر دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے، اور انہیں یقین ہو گیا، کہ مسلمانوں نے حفاظت کا نہایت مکمل انتظام کیا ہے، اب ہمارا کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہو سکتا، اس کے بعد کوئی یہودی ہمارے علاقہ میں نظر نہ آیا۔

معاہدے کے لئے مشورہ

اگرچہ منافقین اب تک بادل نخواستہ، لشکر اسلام میں شریک تھے، لیکن اب وہ آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے، لیکن غلامان مصطفیٰ نہایت صبر واستقامت کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر ڈٹے ہوئے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حکیمانہ تدبیر اختیار فرمائی، کہ بنی غطفان کے سردار عیینہ بن حصن اور ابوالحارث بن عمرو کو طلب فرمایا، اور کہا کہ، اگر تم محاصرہ ختم کر کے چلے جاؤ، تو ہم مدینہ کی کھجوروں کا تیسرا حصہ تمہیں دیں گے، انہوں نے اس پر آمادگی کا اظہار کیا، میرے آقا ﷺ، اس تجویز سے، دشمن کی جمعیتُ میں انتشار واختلاف پیدا کر دینا چاہتے تھے، جو جنگی تدابیر کا ایک حصہ ہے، اسی دوران، اسید بن حضیر آ گئے، انہوں نے دیکھا کہ عیینہ پاؤں پھیلائے، حضور کے سامنے بیٹھا ہے، تو انہوں نے کہا، یا عَیْنَ الْھِجْرَسِ! اے بندر کی آنکھوں والے! کیا تو، اللہ کے رسول کے دربار میں اس طرح پاؤں پھیلائے بیٹھا ہے، بخدا! اگر یہ میرے آقا کا دربار نہ ہوتا، تو میں اس نیزے سے تیرا پیٹ پھاڑ دیتا۔

اللہ کے رسول معظم ﷺ نے معاہدے سے متعلق، مشورہ کرنے کے لئے، سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ کو طلب فرمایا، اور اپنی تجویز سے آگاہ کیا، ان دونوں حضرات نے گزارش کی، یارسول اللہ! اگر یہ اللہ کا حکم یا آپ کی مرضی ہے، تو سر تسلیم خم ہے، اور اگر یہ معاہدہ صرف ہماری سلامتی اور حفاظت کے لئے ہے، تو آقا! ہم نے اس سے پہلے یہودیوں کو کبھی ایک دانہ کھجور بطور خراج نہ دی، جب کہ اب تو اللہ اور اس کے رسول نے ہمیں، عزت وقوت بخشی ہے پس ہم ہرگز پسند نہ کریں گے، کہ ہمارے پھل سے ایک دانہ بھی وہ کھائیں، "وَاللّٰهِ لَا نُعْطِيْهِمْ اِلَّا السَّيْفَ حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَ بَيْنَهُمْ" اللہ کی قسم! ہم انہیں سوائے تلوار کے کچھ نہ دیں گے، یہاں تک کہ اللہ ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ

فرمادے، اپنے غلاموں کا یہ جراءت مندانہ جواب سماعت فرما کر، آقا ﷺ بے حد مسرور ہوئے اور دعائیں دیں۔

نعیمی کارنامہ

بنوغطفان کا ایک نوجوان، نعیم بن مسعود، بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یارسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے میرا دل نورایمان سے منور کیا ہے لیکن میرے مسلمان ہونے کی، ابھی تک کسی کو خبر نہیں، اگر میں، آپ کے اور اسلام کے کسی کام آسکوں، تو یہ میرے لئے، بڑا اعزاز، اور اخروی نجات کا ذریعہ ہوگا، آقا ﷺ نے فرمایا کہ تم تنہا، صرف ایک ہی کارنامہ سرانجام دے سکتے ہو، کہ کسی طرح دشمن میں اختلاف وانتشار پیدا کردو، کہ ''اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ'' حالت جنگ میں دشمن کو دھوکا دینا جائز ہے۔

بنوقریظہ اور غطفان سے نعیم کے اچھے تعلقات تھے، پس وہ پہلے بنوقریظہ کے پاس گئے اور انہیں سمجھایا، کہ تم مدینہ میں آباد ہو، یہاں تمہاری جائیداد، مال ومنال سب کچھ ہے، اور تمہیں یہیں رہنا ہے، تم نے مسلمانوں سے معاہدہ توڑ کر بلاوجہ دشمنی مول لی ہے، جب کہ بنوغطفان مدینہ سے نکالے جاچکے ہیں، انہوں نے اپنا کاروبار وغیرہ اپنی بستیوں میں کرلیا ہے، جنگ کے بعد وہ تو چلے جائیں گے، ان کا کوئی نقصان نہ ہوگا اور قریش کا بھی یہی حال ہے، وہ مکہ میں آباد ہیں دولت مند ہیں، عرب کے قبائل سے ان کے تعلقات ہیں، ان پر بھی کوئی اثر نہ ہوگا بس تم ہی خسارے میں ہو، مسلمانوں سے دشمنی مول لے کر، تم نے اپنا سکون تباہ کیا ہے، اور بلاوجہ خطرہ مول لیا ہے، سنو! میرا مشورہ ہے، کہ تم بنوغطفان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو، کہ وہ اپنے چند آدمی بطور ضمانت تمہیں دے دیں، تاکہ تمہیں یقین و اطمینان ہوسکے، کہ وہ جنگ کے بعد تمہیں بے یارومددگار چھوڑ کر نہ جائیں گے، نعیم کی باتوں سے بنو قریظہ بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے، ''قَدْ اَشَرْتَ بِنُصْحٍ'' تم نے بہت ہی اچھا مشورہ دیا ہے۔

پھر نعیم، بنوغطفان اور قریش کے خاص، خاص لوگوں سے ملے اور کہا کہ میرے اور تمہارے تعلقات نہایت اچھے اور خوشگوار ہیں، ہم ایک دوسرے کے بہی خواہ اور دوست ہیں، مجھے ایک خبر ملی ہے، میں تمہیں اس سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں تاکہ تم کسی خسارے کا شکار نہ ہو، لیکن شرط یہ ہے کہ تم اس راز کو افشا نہ کرو گے، وہ متفکر ہوئے اور رازداری کے وعدے کے ساتھ بے چین ہو کر کہنے لگے، بھائی! جلدی بتاؤ کیا خبر لائے ہو، نعیم نے بتایا، کہ سب لوگ جانتے ہیں کہ بنوقریظہ کا مسلمانوں سے دوستی کا معاہدہ تھا جو انہوں نے توڑا، اور جنگ میں شریک ہوگئے لیکن اب وہ پچھتا رہے ہیں، اور معاہدے کو تازہ کرنے نیز دوبارہ دوستی قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، ان کا خیال ہے کہ جنگ کے بعد آپ لوگ انہیں مسلمانوں کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چل دیں گے، اور مسلمان انہیں انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑیں

گے، پس انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا ہے، کہ ہم قریش اور بنی غطفان کے کچھ لوگوں کو آپ کی خدمت میں پیش کریں گے، آپ انہیں قتل کر دیجئے، اس طرح ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے اور ہم مل کر ان پر حملہ کریں گے اور بآسانی غالب آ جائیں گے، اس مقصد کے لئے، بنو قریظہ، بطور ضمانت تمہارے کچھ آدمی مانگیں گے، خبردار! تم ان کے فریب میں ہرگز مبتلا نہ ہونا، ورنہ تمہارا ناقابل تلافی نقصان ہوگا۔

اتفاقاً، ہفتہ کی شب ابوسفیان نے عکرمہ اور ورقہ بن غطفان کو، چند دوسرے سرداروں کے ہمراہ یہودیوں کے پاس پیغام دے کر بھیجا، کہ اب محاصرہ بہت طویل ہو چکا ہے، ہمارا لشکر تھک چکا ہے، ہمارے جانور ہلاک ہو رہے ہیں، ہم ایک فیصلہ کن جنگ کے بعد اپنے گھروں کو واپس لوٹنا چاہتے ہیں، لہٰذا ہم نے مسلمانوں پر، سامنے سے حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اور تم پیچھے سے حملہ کرو، تا کہ دشمن دونوں طرف سے پسپا ہو سکے، اور ہم کامیاب ہو کر واپس چلے جائیں، اس خبر سے بنو قریظہ کو نعیم کی باتوں پر مزید یقین ہوا، اور انہوں نے یہ کہہ کر فیصلہ ماننے سے انکار کر دیا، کہ ہم یوم السبت میں کوئی کام نہیں کرتے، نیز ہم نے مسلمانوں سے مزید دشمنی مول نہ لینے کا فیصلہ کر لیا ہے، کیونکہ تم تو چلے جاؤ گے، اور ہمیں مسلمانوں ہی کے ساتھ زندگی بسر کرنا ہے، جب بنو قریظہ کا دو ٹوک جواب ابوسفیان کو ملا تو اسے بھی نعیم کی باتوں پر مزید یقین ہوا، آقا ﷺ کی تجویز کے مطابق، نعیم کو کامیابی ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا فرما دیئے، کہ دشمن آپس میں ہی ایک دوسرے سے متنفر ہو گئے۔

تیز و تند آندھی

سخت سردی کا موسم تھا، جو انسان اور جانوروں سب ہی کے لئے باعث تکلیف تھا، حالات بھی تیزی سے ناموافق صورت اختیار کر رہے تھے، حوصلے پست ہو رہے تھے، اسی دوران ایک سخت آندھی کی صورت میں، دشمن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، جس سے خیمے اکھڑ گئے، جانور بھاگنے لگے، ہانڈیاں الٹ گئیں، تاریکی پھیل گئی، لوگ آپس میں ٹکرانے لگے، غرضیکہ ہر طرف آفت ہی آفت تھی، جنگ کا محرک ابوسفیان ہی تھا، اس نے لشکر سے مشورہ کیے بغیر فیصلہ کیا، اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اور چلایا، یارو میں تو چلا، بس ہو گئی جنگ، مزید تباہی برداشت نہیں ہو سکتی، لہٰذا تم بھی کوچ کرو، ابوسفیان چیختا چلاتا بھاگا، ظاہر ہے جب سردار اور سالار جنگ ہی بھگوڑا اور بزدل نکلا، تو قوم کیسے ٹھہر سکتی تھی، پس سب اپنا ساز و سامان چھوڑ کر بھاگتے نظر آئے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے، اپنے آقا ﷺ کو کچھ ایسے انداز سے، کافروں کی سراسیمگی اور بھاگنے کا حال بتایا، کہ اللہ کے رسول ﷺ مسکرا دیئے، آپ کے موتی جیسے، پیارے دانت چمکے تو

غلاموں کو اپنا مقدر چمکتا نظر آنے لگا، کفر کی تاریکی چھٹ گئی، آسمان طیبہ نور برسانے لگا اور علم اسلام ہمیشہ کے لئے لہرانے لگا۔

حضرت علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، کہ آندھی اتنی تیز و تند تھی، کہ اگر آقائے رحمت ﷺ کا رحم و کرم نہ ہوتا، تو ایک ایک کافر کے پرخچے اڑ جاتے، اور اللہ کا عذاب انہیں تہس نہس کر دیتا، لیکن آپ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں، پس کافروں کو بھی آپ کی رحمت کا سہارا ملا، اور وہ بچ بچا کر بھاگ گئے۔

شہداء و مقتولین

غزوۂ خندق میں، نو مسلمان شہید ہوئے، سعید بن معاذ، اسد بن اوس، عبداللہ بن سہل، طفیل بن نعمان، ثعلبہ بن عنمہ، کعب بن زید، قیس بن زید، عبداللہ بن ابی خالد، ابو سنان بن سیفی، جب کہ کفار کے صرف تین آدمی، جہنم رسید ہوئے، عثمان بن منبہ، عمرو بن عبدود، جسے مولائے علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے قتل کیا، اور نوفل بن عبداللہ جسے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے موت کے گھاٹ اتارا، حضرت زبیر نے جب اس خبیث کو اپنا شکار بنایا، تو کسی نے آپ کی تلوار کی تعریف کرتے ہوئے کہا، ا زبیر! "مَارَاَیْنَا مِثْلَ سَیْفِکَ" ہم نے آپ کی جیسی کوئی تلوار نہ دیکھی، آپ نے فرمایا، "وَاللّٰہِ مَا السَّیْفُ وَلٰکِنَّ السَّاعِدُ" بخدا! یہ تلوار کا کمال نہیں، اس بازو کی قوت ہے، جس نے یہ تلوار چلائی، کفار نے اپنے مقتولین کی لاشوں کے عوض، دس دس ہزار درہم کی پیش کش کی، لیکن جان عالم ﷺ نے فرمایا، "لَا نَاکُلُ ثَمَنَ الْمَوْتٰی" ہم مردوں کی قیمت نہیں کھاتے، اور آپ نے لاشیں ان کے سپرد کر دیں۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

اس جنگ میں اسلام کے بطل جلیل، ہر دل عزیز، آقا ﷺ کے نہایت معتمد علیہ غلام حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ سخت زخمی ہوئے، حبان بن قیس مردود نے آپ کے تیر مارا جو آپ کے بازو کی شہ رگ اکحل میں پیوست ہو گیا، حبان نے، تیر پھینکتے ہوئے کہا، "خُذْھَا وَاَنَا ابْنُ الْعَرِقَۃِ" لو، تیر سنبھالو، میں ہوں عرقہ کا بیٹا، اللہ کے رسول ﷺ نے سنا تو فرمایا، "عَرَّقَ اللّٰہُ وَجْھَکَ فِی النَّارِ" اللہ تیرے چہرے کو آگ میں عرق آلود کرے۔

حضرت سعد کو جب اپنے زخم کی شدت کا احساس ہوا، تو آپ نے دعا کی اے اللہ! اگر قریش کے ساتھ مزید جنگ ہونی ہے، تو مجھے مزید زندگی عطا فرما، کیونکہ مجھے اس قوم سے لڑنا بہت پسند ہے، جس

نے تیرے نبی کو ستایا انہیں جھٹلایا، اور وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، اے اللہ! اگر یہ آخری جنگ ہے تو اس زخم کو میری شہادت کا وسیلہ بنادے، لیکن مجھے اس وقت تک موت نہ آئے، جب تک میں بنوقریظہ کا انجام اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں۔

پس اللہ رحیم وکریم نے اپنے محبوب کے غلام کی دعا قبول فرمائی، اور انہوں نے بنوقریظہ کے مردوں کو قتل ہوتے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا، اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے، ان کی آنکھوں کو ٹھنڈا کیا، اور اسلام کو غلبہ عطا فرمایا۔

فتح وکامرانی کا سورج طلوع ہوا

آقا ﷺ نے خالی میدان پر ایک نظر ڈالی اور غلاموں کو، بشیر ونذیر رسول نے مژدہ دیا، "اَلْاٰنَ نَغْزُوْھُمْ وَلَا یَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِیْرُ اِلَیْھِمْ" اب ہم ان پر حملہ کیا کریں گے، وہ ہم پر کبھی حملہ نہ کر سکیں گے، اب ہم ان کی طرف جائیں گے (یہ آخری جملہ فتح مکہ کی خوش خبری ہے)۔

اللہ رحیم وکریم نے اپنے حبیب کریم ﷺ کی زبان حق ترجمان سے نکلے ہوئے کلمات کی لاج رکھی، کہ غزوۂ احزاب کے بعد کفار مسلمانوں پر کبھی حملہ آور نہ ہو سکے، جب بھی ضرورت پیش آئی لشکر اسلام نے ہی پیش قدمی کی حتیٰ کہ اللہ نے اسلام کے علم کو بلند فرمایا، مکہ فتح ہو گیا، جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ کا اعلان حق، حق ثابت ہوا حق ہمیشہ کے لئے غالب ہوا اور باطل ہمیشہ کے لئے مٹ گیا۔

الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

غزوۂ بنوقریظہ

بنی قریظہ نے عین دوران جنگ جو خباثت اور غداری کی، اس کا حال آپ پڑھ چکے ہیں، اس بدترین جرم کی جو بدترین سزا انہیں دی گئی وہ بلاشبہ اسی کے مستحق تھے، کہ عدل وانصاف کا یہی تقاضا تھا، اس پر اعتراض جاہلوں کے سوا، نہ کسی نے کیا اور نہ کر سکتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے، ان کی سازش اور ان کے منصوبوں کو خاک میں نہ ملا دیا ہوتا، تو مسلمانوں کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا، ان کا تصور بھی مشکل ہے۔

جب قریش، بنوغطفان اور بنواسد ذلیل وخوار اور ناکام ونامراد ہو کر بھاگے، اور آقائے کائنات ﷺ فتح وکامرانی کے ساتھ علم اسلام لہراتے مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، تو مرد وعورت اور بچوں نے کامیابی کی خوشی میں مست ہو کر جھوم جھوم کر ترانے گائے، تو بنوقریظہ اور منافقین کو ذلت وخواری کا احساس ہوا نیز بنوقریظہ اپنے خوفناک مستقبل کا تصور کر کے لرزتے کانپتے نظر آنے لگے، اب وہ اس فکر

میں مبتلا تھے کہ کس طرح مسلمانوں کو راضی کیا جائے اور شہنشاہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور اظہار ندامت کر کے آپ سے اپنے جرم کی معافی کی درخواست کی جائے، دوسری طرف اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاشانہ مبارک میں رونق افروز ہوئے تو آپ کے سر دھونے اور غسل کرنے کا انتظام کیا ہی جا رہا تھا، کہ اسی اثناء میں حضرت جبرئیل حاضر خدمت ہو کر، عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! میں کافروں کا تعاقب کر کے انہیں مقام روحاء تک چھوڑ کر آیا ہوں، آپ کے رب کا آپ کے لئے حکم ہے، کہ اس وقت تک ہتھیار نہ اتارے جائیں، جب تک بنو قریظہ کو، ان کے انجام تک نہ پہنچا دیا جائے، آپ کی مدد اور تعاون کے لئے فرشتوں کی جماعت حاضر ہے، آپ لشکر اسلام کو اپنے ہمراہ لے کر پیش قدمی فرمایئے، اللہ آپ کی مدد فرمائے گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بلال، کو اذان دینے اور اعلان کا حکم دیا، کہ "مَنْ کَانَ سَامِعًا مُطِیْعًا فَلَا یُصَلِّیَنَّ الْعَصْرَ اِلَّا بَنِیْ قُرَیْظَۃَ" اعلان سننے والا ہر اطاعت گزار مسلمان، بنی قریظہ کے محلہ میں نماز عصر ادا کرے، پس صدا گونجی، "یَا خَیْلَ اللّٰہِ ارْکَبِیْ" اے اللہ کے شہسوارو! اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ، جس نے سنا، اس نے اس صدا کو دوہرایا، اور پورے شہر میں صدائیں گونجنے لگیں، آقا کا حکم تھا پس نہ تھکان رہی نہ بھوک پیاس، جلدی جلدی، عورتوں نے مردوں کو تیار کیا، ہر گھر سے مجاہدین دوڑتے نظر آنے لگے، چند لمحے گزرے کہ پروانے شمع کے گرد جمع ہو گئے، اس حال میں کہ ان کے چہرے نور ایمان سے چمک رہے تھے، قوت ایمان کے آثار نمایاں تھے، نعرہ ہائے تکبیر کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں، جنہیں بنو قریظہ نے بھی سنا، اور اپنی تباہی و بربادی کا اندازہ کر لیا، لشکر اسلام تیار، آگے بڑھنے کے لئے بے چین تھا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے علم اسلام، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا، اور اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتے، دشمن کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے، بنو قریظہ کے قلعہ کے قریب پہنچتے ہی، حضرت علی نے اسلام کا پرچم گاڑھ دیا، یہودیوں نے مسلمانوں کو دیکھا تو قلعہ کے دروازے بند کر لئے، مرد و زن سب چھتوں پر چڑھ گئے، مسلمانوں کو گالیاں دینے لگے، حضرت اسید بن حضیر نے جب ان کی بکواس سنی تو غضب ناک ہو کر فرمایا، "یَا اَعْدَاءَ اللّٰہِ لَا نَبْرَحُ عَنْ حُصُوْنِکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوْا جُوْعًا" اے اللہ کے دشمنو! ہم تمہارے قلعوں کا محاصرہ نہ چھوڑیں گے، یہاں تک کہ تم بھوکے مر جاؤ، یہودی حضرت اسید کو اپنی دوستی کا واسطہ دینے لگے، آپ نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن سے نہ ہماری دوستی ہو سکتی ہے اور نہ ہی کوئی تعلق۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں رات بسر کی، صبح ہوتے ہی قلعہ کا محاصرہ کر لیا گیا، اور مناسب مقامات پر تیر انداز متعین کر دیئے گئے، یہودیوں نے تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے مجاہدین کی طرف سے انہیں موثر جواب دیا جاتا رہا اور جب مسلمانوں نے ان پر مزید دباؤ ڈالا تو انہوں نے مجبور ہو کر

گفتگو کرنے کی درخواست پیش کی جو منظور ہوئی، یہودیوں نے نباش بن قیس کو بارگاہ رسالت میں بھیجا، اس نے گزارش کی، کہ جن شرائط پر بنونضیر کو نکل جانے کی اجازت دی گئی، انہی شرائط پر ہمیں بھی جانے دیا جائے، لیکن سرکار نے صاف انکار فرما دیا، پھر وہ کہنے لگا، ہم اپنا سب مال و متاع چھوڑتے ہیں صرف ہماری جاں بخشی کی جائے یہ تجویز بھی مسترد کر دی گئی، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا اگر تم اپنے متعلق میرا فیصلہ ماننے کے لئے تیار ہو، تو مفاہمت کی کوئی صورت پیدا ہو سکتی ہے، نباش قلعہ میں واپس گیا اور اپنی قوم کو سب باتیں بتائیں۔

یہودیوں کے سردار کعب بن اسد نے نباش کی سب باتیں غور سے سنیں اور بولا میری تین تجویزیں ہیں، جو بھی تمہیں پسند آئے اس پر عمل کر لو، ایک یہ کہ اسلام قبول کر لو، اور یہی نجات کا بہترین راستہ ہے، کیونکہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ محمد ﷺ وہی نبی برحق ہیں، جن کے اوصاف و کمالات ہم کتب سابقہ میں پڑھتے ہیں، اور جن کی آمد کی خبر پچھلے انبیاء دیتے رہے، اب تک ہم نے ان کا انکار محض حسد اور عناد کی بناء پر کیا، اس کے علاوہ کوئی معقول وجہ انکار نہیں، لیکن ضدی اور ہٹ دھرم قوم کا کوئی فرد اس معقول تجویز پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار نہ ہوا، کعب بولا میری دوسری تجویز یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو اپنی تلواروں سے کاٹ ڈالو، اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑو، نتیجہ دیکھا جائے گا، جو بھی ہوگا یہ سن کر لوگ تڑپ گئے، کہنے لگے یہ تو بدترین ظلم ہوگا ہم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے، کعب نے تیسری تجویز پیش کی کہ آج ہفتہ کی شب ہے مسلمان جانتے ہیں یوم السبت کا ہم احترام کرتے ہیں، اس دن انسانوں کا شکار تو درکنار ہم مچھلی کا شکار بھی نہیں کرتے، پس صبح ہوتے ہی ان پر یکبارگی حملہ کر دو، ممکن ہے ہم کامیاب ہو جائیں، کہ فتح ہمارے لئے بڑی ہی عظیم نعمت ہوگی، قوم نے اس تجویز پر شدید رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا، یہ کیسے ممکن ہے، کہ ہم اپنی جانیں بچانے کے لئے اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کریں، جب کہ ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم سے پہلے لوگ، اللہ کے قانون سے بغاوت ہی کے سبب تباہ و برباد کر دیئے گئے، کعب جھنجھلا کر بولا، ''مَابَاتَ مِنكُمْ مُنْذُ وَلَدَتْهُ اُمُّهُ لَيْلَةً وَاحِدَةً جَازِمًا'' ہمیشہ تم سب گومگو کی کیفیت میں رہے ہو، کسی چیز کے متعلق فیصلہ کرنے کی تم میں صلاحیت ہی نہیں ہے۔

پچیس دن تک محاصرہ جاری رہا جب وہ عاجز آ گئے، تو چار و لاچار انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فیصلہ قبول کرنے پر آمادگی کا اظہار کیا پس آقائے رحمت ﷺ کے حکم کے مطابق، ان کے نوجوانوں کو رسیوں سے جکڑ دیا گیا، ان کی عورتوں اور بچوں کو علیحدہ محفوظ مقام پر پہنچا دیا گیا، اسی دوران، قبیلہ بنی اوس کا ایک وفد حاضر بارگاہ ہوا، اور عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ! آپ نے ہماری سفارش پر بنونضیر کو چھوڑا تھا، بنوقریظہ سے بھی ہمارے دوستانہ تعلقات ہیں، وہ اپنی بیوفائی پر نادم و

شرمندہ ہیں، آقا کرم فرمایئے، ہم گزارش کرتے ہیں کہ بنونضیر کی طرح بنوقریظہ کو بھی جانے کی اجازت مرحمت ہو جائے، سرکار خاموش رہے، جب ان کا اصرار بڑھا، تو آپ نے فرمایا، کیا تم پسند کرو گے کہ تمہارے ہی قبیلہ کا کوئی فرد ان کے متعلق فیصلہ کردے، انہوں نے عرض کی، جیسے سرکار کی مرضی، آپ نے فرمایا، میں سعد بن معاذ کو حکم مقرر کرتا ہوں، یہ فیصلہ سن کر وہ بہت خوش ہوئے، اور بولے جی منظور ہے، ایک روایت کے مطابق حضرت سعد کا نام بنوقریظہ نے خود تجویز کیا تھا۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت سعد غزوۂ خندق میں شدید زخمی ہو گئے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مسجد نبوی شریف کے قریب رفیدہ کے خیمہ میں ٹھہرایا تھا، تاکہ ان کی مرہم پٹی آپ کی نگرانی میں ہو اور عیادت کے لئے آنے جانے میں آپ کو آسانی رہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اجازت کے مطابق یہودی انہیں لینے گئے، راستہ بھر ان کی خوشامد کرتے اور اپنی دوستی کا واسطہ دیتے رہے، جب ان کی بکواس بہت زیادہ ہوگئی، تو حضرت سعد نے صرف اتنا فرمایا ''قَدْ اٰنَ لِسَعْدٍ اَنْ لَا یَاْخُذَہٗ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ'' اب سعد کے لئے ایسا وقت آگیا ہے کہ اللہ کی راہ میں کسی ملامت کرنے والے کی بات پرواہ نہیں، سعد کی سواری دیکھ کر آقا رحمت ﷺ نے فرمایا، ''قُوْمُوْا لِسَیِّدِکُمْ'' اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ، پھر آپ نے فرمایا، ''اُحْکُمْ فِیْہِمْ یَا سَعْدُ'' اے سعد! ان کے متعلق فیصلہ کرو، انہوں نے عرض کی ''اَللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ اَحَقُّ بِالْحُکْمِ'' فیصلہ فرمانے کا حق تو، اللہ اور اس کے رسول کو ہی ہے، آپ نے فرمایا ''اَمَرَکَ اللّٰہُ اَنْ تَحْکُمَ فِیْہِمْ'' تمہیں فیصلہ کرنے کا حکم اللہ نے ہی دیا ہے، پس حضرت سعد نے پہلے حاضرین سے پوچھا، کیا میرا فیصلہ آپ سب کے لئے قابل قبول ہوگا؟ سب نے بخوشی اثبات میں جواب دیا، پس حضرت سعد نے کہا میرا فیصلہ تو یہ ہے کہ ان کے بالغوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں اور بچوں کو لونڈی اور غلام بنالیا جائے، آقا ﷺ نے فرمایا: ''لَقَدْ حَکَمْتَ فِیْہِمْ بِحُکْمِ اللّٰہِ مِنْ فَوْقِ سَبْعَۃِ اَرْقِعَۃٍ'' اے سعد! بے شک تم نے وہی فیصلہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں کے اوپر فرمایا ہے۔

حضرت ابولبابہ کی توبہ

حضرت سعد کے فیصلہ پر عمل درآمد ہونے سے پہلے، حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آیا، لہٰذا پہلے یہ ملاحظہ ہو، ابولبابہ سے بنی قریظہ کے دیرینہ تعلقات تھے، لہٰذا دوران محاصرہ انہوں نے گزارش کی کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیا جائے ہم ان سے کچھ مشورہ کرنا چاہتے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی درخواست منظور فرمائی اور ابولبابہ کو ان کے پاس جانے کی اجازت دے دی بنوقریظہ نے ابولبابہ کو اپنی پریشانی کا حال سنایا، اپنی غلطی پر اظہار ندامت کیا اور پوچھا، اگر ہم حضور علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو اپنا حکم تسلیم کرلیں، تو آپ کا کیا خیال ہے وہ ہمارے ساتھ کیسا برتاؤ کریں گے، آپ خاموش رہے لیکن بے اختیار، آپ کا ہاتھ آپ کے گلے سے جا لگا، جو اشارہ تھا کہ تم سب قتل کر دیئے جاؤ گے، معاً ابولبابہ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا وہ اٹھے اور سیدھے مسجد نبوی شریف پہنچے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ لیا (اسی ستون کو اسطوانہ توبہ یا اسطوانہ ابی لبابہ کہتے ہیں جہاں ہم گناہ گاروں کی توبہ بھی، یقیناً قبول ہوتی ہے) ابولبابہ کو یہ جراءت نہ ہوئی، کہ وہ وسیلۂ دنیا و آخرت ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنی غلطی بتاتے اور دعائے مغفرت کی درخواست پیش کرتے (کہ ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق گناہوں کی بخشش کا آسان ذریعہ، آقائے رحمت کے دربار کی حاضری ہی ہے) بہر حال عدم جرأت یا عجلت کے سبب ابولبابہ یہ فیصلہ کر بیٹھے، لہٰذا چھ دن اور چھ رات کی سزا بھگتنا پڑی، جب کئی دن ابولبابہ کو آقا ﷺ نے اپنے دربار عالی میں نہ پایا، تو معلوم کیا، کہ ابولبابہ کہاں ہیں بتایا گیا کہ انہوں نے اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ لیا ہے، آقائے رحمت ﷺ نے اظہار افسوس کرتے ہوئے فرمایا، کاش ابولبابہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کے لئے دعائے مغفرت کرتا، اور ان کا یہ حال نہ ہوتا انہوں نے اپنا معاملہ بلا واسطہ اپنے رب کے سپرد کر دیا، پس وہی ان پر رحم و کرم فرمانے والا ہے اور ان کے گناہ کو معاف کرنے والا ہے۔

ایک شب اللہ کے رسول ﷺ، ام المومنین حضرت ام سلمہ کے حجرۂ مبارکہ میں جلوہ افروز تھے کہ رات گئے انہوں نے آقا ﷺ کو مسکراتے دیکھا، آپ نے خوش ہو کر پوچھا! یا رسول اللہ، مسرت و خوشی کی خبر باندی کو بھی سنایئے، فرمایا اللہ تعالیٰ نے ابولبابہ کی خطا معاف کر دی، ام سلمہ نے عرض کی اگر اجازت ہو تو میں، ابولبابہ کو مژدہ سنا دوں اور مبارکباد دے دوں، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی، ام سلمہ نے ابولبابہ کو باآواز بلند خوشخبری سنائی اور مبارک باد دی، بعض صحابہ نے سنا تو ''بارک اللہ و رسولہ'' کہتے ابولبابہ کو کھولنے کے لئے دوڑے، لیکن انہوں نے سب کو روک دیا اور کہا، نہیں نہیں، اللہ کے واسطے مجھے نہ کھولو، کہ میرے آقا ﷺ ہی اپنے دست مبارک سے مجھے کھولیں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز فجر کے لئے تشریف لائے تو پہلے آپ نے اپنے غلام کو آزاد کیا اور مبارک باد دی، حضرت ابولبابہ کے لئے یہ بے حد خوشی اور مسرت کا موقعہ تھا، کئی دن تک صحابہ آپ کو مبارک باد دیتے رہے، علامہ اقبال نے کیا خوب کہا:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر تو می بینی حسابم ناگزیر از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

یہودی مردوں کا قتل

بمطابق فیصلہ حضرت سعد بن معاذ، یہودیوں کے قتل کا آغاز ہوا مختلف مقامات پر گڑھے کھودے گئے، خبیثوں کو رسیوں سے جکڑ کر لایا گیا ان میں ان کا سردار کعب بن اسد بھی شامل تھا، فتنہ کی جڑ حیٔ بن اخطب اخبث بھی تھا، اس نے سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے، جسے اس نے جگہ جگہ سے پھاڑا ہوا تھا تا کہ اس کے بعد اس کے کپڑے کوئی نہ پہن سکے (کم از کم کوئی مسلمان تو ان منحوس اور گندے کپڑوں کو پہننا ہرگز گوارا نہ کرتا) انہیں قتل کر کے، گڑھوں میں پھینک دیا جاتا تھا، ان بدمعاشوں اور بدنصیبوں کی کل تعداد، چھ سو یا سات سو کے لگ بھگ تھی۔

بنی قریظہ کا ایک سردار، زبیر بن باطا بہت بوڑھا اور اندھا تھا، اس نے زمانہ جاہلیت کی ایک جنگ ''بعاث'' میں حضرت ثابت بن قیس پر کوئی احسان کیا تھا، حضرت ثابت نے آج اس کے احسان کا بدلہ چکانا چاہا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر زبیر کی جان بخشی کی التجا کی جو منظور ہوئی، حضرت ثابت اس بوڑھے کے پاس گئے اور کہا کیا تو نے مجھے پہچانا، وہ بولا بھلا میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں، آپ نے فرمایا، کہ تمہارے لئے خوشخبری ہے، کہ میری درخواست پر، میرے آقا نے تجھے معاف کر دیا اور تیری جان بخش دی، وہ بولا ایک بوڑھا جس کی نہ بیوی نہ اولاد، زندہ رہ کر کیا کرے گا، حضرت ثابت پھر آقائے رحمت ﷺ کے حضور حاضر ہوئے آپ نے ان کی درخواست پر، زبیر کے بیوی بچوں کو بھی آزاد کرنے کا حکم صادر فرمایا، جب اس اندھے کو بتایا گیا تو وہ بولا، وہ گھرانہ جس کی نہ کوئی جائیداد ہو اور نہ مال و اسباب ہوں کیسے زندہ رہ سکے گا، حضرت ثابت پھر آقائے رحمت ﷺ کے دربار کریمانہ میں حاضر ہوئے، آپ نے ان کی گزارش پر بوڑھے کا مال و دولت اور اس کی جائیداد وغیرہ بھی واپس فرما دی، جب ثابت نے اپنے کریم آقا کی اس سخاوکرم کی خبر زبیر کو دی، تو وہ مکار کہنے لگا، کعب بن اسد اور حیٔ بن اخطب کا کیا حال ہوا، بتایا گیا، کہ انہیں قتل کر دیا گیا پھر اس نے پوچھا، عزال بن شموال، بنو کعب اور بنو عمرو بن قریظہ کہاں ہیں، بتایا سب جہنم میں پہنچ چکے ہیں خبیث کہنے لگا، ان سب کے بغیر زندگی کا کیا لطف! مجھے بھی ان سے جلدی ملا دو، پس اسے بھی اس کی خواہش کے مطابق جہنم پہنچا دیا گیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے کہتے سنا کہ میں اپنے پیاروں سے ملنا چاہتا ہوں، تو آپ نے فرمایا ''يَلْقَاهُمُ اللّٰهُ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا مُخَلَّدًا'' یہ اپنے پیاروں سے ضرور ملے گا لیکن جہنم کی اس آگ میں، جس میں یہ اور اس کے ساتھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پھینک دیئے گئے ہیں۔

سعد بن معاذ کی وفات

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ غزوۂ احزاب میں شدید زخمی ہوئے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور بنوقریظہ کا انجام دیکھنے کے لئے انہیں زندگی عطا فرمائی، انہوں نے اپنی آنکھوں سے بنوقریظہ کا نہ صرف انجام دیکھا، بلکہ وہ انجام دیکھا، جو انہی کے فیصلہ کے مطابق ہوا، اللہ نے آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو سکون بخشا، بلاشبہ وہ بڑے خوش بخت تھے، مقصد حیات پورا ہوگیا اللہ بھی راضی ہوا اور آقا ﷺ کی رضا وخوشنودی بھی میسر آئی، فالحمدللہ۔

کارہائے نمایاں انجام دیئے، وقت آگیا اور چل دیئے، غلام کی جدائی پر آقا کو بے حد صدمہ ہوا، اسید بن حضیر اور سلمہ بن سلامہ نے غسل دیا، جلوس جنازہ کی قیادت سید الانبیاء نے کی اور نماز جنازہ کی امامت امام الانبیاء نے کی، جنت البقیع شریف میں دفن ہونے کا شرف پایا، مستجاب الدعوات ﷺ نے قبر کے قریب کھڑے ہوکر دعا کی، حضرت سعد کی والدہ قبر پر حاضر ہوئیں، آقائے رحمت ﷺ نے تعزیت کی اور ان کو صبر کی تلقین، انہوں نے پڑھا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

قرآن کریم میں، غزوۂ احزاب سے متعلق آیات ان کی تشریح وتفسیر اس غزوے سے متعلق چند دیگر اہم واقعات، بنوقریظہ کے مردوں کے قتل پر، اعتراضات اور ان کے جوابات، غزوۂ خندق اور غزوۂ بنوقریظہ کے اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل پر اثرات وغیرہ کو یہاں، بوجہ اختصار نہ لکھا جا سکا، جب کہ ان تمام امور پر ہم نے "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" جلد دوم، مقالہ نمبر 61 میں تفصیلی گفتگو کی ہے، جو اہل ذوق حضرات کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی ضرور مطالعہ فرمایئے۔

ایک اہم رسم کا خاتمہ

پانچ ہجری، عرب میں مدت سے یہ رواج چلا آرہا تھا، کہ لوگ کسی کے بیٹے یا بیٹی کو گود لے لیا کرتے تھے، جسے متبنیٰ کہا جاتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی، ازراہ شفقت ومحبت حضرت زید بن حارثہ کو متبنیٰ بنایا ہوا تھا حتیٰ کہ وہ زید بن محمد کہلائے جاتے تھے، متبنیٰ کے تمام حقوق حقیقی اولاد جیسے ہوتے تھے وہ وارث بھی ہوتا تھا اس کے لئے وہ عورتیں حرام ہوتی تھیں جو حقیقی اولاد کے لئے حرام تھیں، اور وہ رشتے حلال ہوتے تھے جو حقیقی اولاد کے لئے حلال ہوتے تھے، حقیقی بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ سے جس طرح، سسر کا نکاح حرام تھا اسی طرح متبنیٰ کی بیوہ یا مطلقہ سے بھی سسر نکاح نہ کرسکتا تھا۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے قرآن کریم کی متعدد آیات کے ذریعہ اس قدیم رواج کو ہمیشہ کے

لئے ختم فرما دیا، کیونکہ اس سے خونی رشتوں کی، توہین، حق تلفی ہوتی تھی اور دیگر مفاسد جنم لیتے تھے، چونکہ اللہ کے رسول ﷺ کی حیات مبارکہ امت کے لئے اسوۂ حسنہ ہے، اس لئے اس رسم کے خاتمہ کے لئے آپ ہی کے عمل کو نمونہ بنایا گیا، بایں صورت کہ گود لئے بچہ کو اس کے اصل باپ کی طرف منسوب کرنے کا حکم دیا گیا، جس کے مطابق زید کو بھی ان کے اصل باپ کی نسبت سے پکارا جانے لگا، یعنی اب وہ زید بن حارثہ کہلائے جانے لگے، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زید کی شادی حضرت زینب سے کرائی تھی، لیکن یہ رشتہ زیادہ دن نہ چل سکا اور زید نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منع کرنے کے باوجود معذرت کے ساتھ، حضرت زینب کو طلاق دے دی، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ کو امت کے لئے قربانی دینے اور اسوہ بننے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا زَوَّجْنٰكَهَا پیارے ہم نے، زینب سے آپ کا نکاح کر دیا، یعنی اب اس عمل میں کسی تامل و تردد کی گنجائش نہیں، نکاح ہو چکا، پیارے آپ رسم نکاح پوری کیجئے اور زینب کو اپنے حرم محترم میں داخل فرمایئے، جاہل جو چاہیں بکواس کرتے رہیں، قدیم رسم و رواج کا خاتمہ ہم نے آپ کے وسیلہ جلیلہ سے کر دیا ہے اب متبنیٰ کی حیثیت بدل گئی، اس سے رشتۂ محبت و شفقت باقی رہے گا، خونی جیسا رشتہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا گیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خواہش کے مطابق، اسی سال آیاتِ پردہ نازل ہوئیں، اور صاحب شریعت ﷺ نے، پہلے اپنی ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیا، اور پھر عام عورتوں کے لئے، اس حکم شرع کا اعلان کرایا گیا، یہ حکم بھی پانچ ہجری ہی میں نافذ ہوا۔

متبنیٰ اور پردے سے متعلق شرعی احکام کو ہم نے اپنی کتاب ''یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، جس کا مطالعہ مفید ہوگا۔

ابورافع سلام کا عبرتناک انجام

پانچ ہجری اوس اور خزرج، جان عالم ﷺ پر ہمہ وقت جان نثار کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، آپ سے بے حد محبت کرتے تھے، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش رکھتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کی ہدایت کے مطابق، کعب بن اشرف کو، اوس کے چند نوجوانوں نے ہلاک کر دیا تھا، لہٰذا اب خزرج کے نوجوان بھی کوئی ایسا ہی کارنامہ سرانجام دے کر، اپنے آقا ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کی آرزو رکھتے تھے، ابورافع سلام، حیّ بن اخطب کی طرح نہایت خبیث اسلام دشمن تھا، جو ہر وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کے متعلق بدگوئی کرتا رہتا تھا، وہ اپنی قیام گاہ پر لوگوں کو صرف اس لئے جمع کرتا تھا، کہ آقائے رحمت ﷺ کی ہجو کرے، مسلمانوں کا مذاق اڑائے، لوگ اس کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے اور آپس میں خوب مسخراپن کرتے تھے، خزرج کے کچھ نوجوانوں نے

اس خبیث کو اپنا نشانہ بنایا ہوا تھا، وہ موقع کی تاک میں تھے۔

سلام، خیبر میں اپنے قلعہ میں رہائش پذیر تھا، جو نہایت محفوظ تھا، خزرج کے نوجوان بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہوئے اور انہوں نے آپ سے سلام کو ٹھکانے لگانے کی اجازت چاہی، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو، وہ تمہارا حامی و ناصر ہوگا، بروایت امام بخاری، حضرت عبداللہ کی قیادت میں چند نوجوانوں کا دستہ سلام کے قلعہ کے قریب پہنچا، امیر دستہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا، کہ تم لوگ یہاں رکو، میں قلعہ کے اندر جانے کی کوشش کرتا ہوں، حضرت عبداللہ نے دروازے کے قریب پہنچ کر چادر اوڑھ لی اور اس طرح بیٹھ گئے، جیسے کوئی پیشاب کے لئے بیٹھتا ہے، جب لوگ قلعہ میں داخل ہوگئے اور یہ بیٹھے رہے تو دربان نے کہا، بھائی! اگر تمہیں اندر جانا ہے تو جلدی کرو، ورنہ میں دروازہ بند کرتا ہوں، حضرت عبداللہ بتاتے ہیں کہ میں تیزی سے قلعہ میں داخل ہوگیا، بواب نے دروازہ بند کیا، چابیوں کا گچھا، کھونٹی پر لٹکا دیا اور اندر چلا گیا، میں اٹھا چابیاں لیں اور تالا کھول دیا۔

ابو رافع کے یہاں رات کو محفل جما کرتی تھی، لوگ ایک دوسرے کو، قصے، کہانیاں سناتے تھے، حالات حاضرہ پر گفتگو ہوتی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا جاتا تھا، بہر حال جب مجلس ختم ہوئی اور لوگ گھروں کو جانے لگے، تو میں اوپر چڑھ گیا، میں نے اپنے پیچھے سب دروازوں کو مقفل کر دیا تھا تاکہ اگر کسی کو میری موجودگی کا پتہ چل بھی جائے، تو اس کے حملہ کرنے سے پہلے، میں سلام کا کام تمام کر دوں، جب میں اس کی آرام گاہ میں پہنچا، تو وہاں سخت اندھیرا تھا مجھے نظر نہ آسکا کہ وہ خبیث کہاں لیٹا ہے، پس میں نے، یا رافع کہہ کر پکارا، اس نے جواب دیا، کون ہے، میں اس کی آواز کی سمت چلا، اور تلوار کا بھرپور وار اس پر کیا، لیکن افسوس کہ وار خالی گیا سلام نے چلانا شروع کر دیا، میں کمرے سے باہر نکل آیا، کچھ دیر بعد پھر میں نے آواز دی، یا رافع وہ گھبرایا، اور بولا کون ہے جو سامنے نہیں آتا، میں اس پر تیزی سے جھپٹا اور اس مرتبہ ایسا وار کیا جو خالی نہ گیا، میں نے اپنی تلوار اس خبیث کے پیٹ پر رکھ کر زور سے دبائی کہ خبیث جہنم رسید ہوگیا، تیزی سے نیچے اترتے ہوئے میرا پیر پھسلا اور میری پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی، جیسے تیسے میں اپنے ساتھیوں تک پہنچا، وہ سہارا دے کر مجھے آقا ﷺ کی بارگاہ میں لے گئے، ابو رافع کی ہلاکت کی خبر سن کر آپ خوش ہوئے میں نے اپنی ٹوٹی ہوئی ہڈی آپ کو دکھائی، شافی الامراض ﷺ نے اپنا دست شفاء پھیرا جس سے وہ ایسی درست ہوگئی، جیسے کبھی کوئی تکلیف ہوئی نہ تھی۔

خالد بن سفیان کی سازش

اسلام اور مسلمانوں کی عظمت و رفعت آشکارا ہو جانے کے باوجود بھی کچھ احمق، سازشوں میں

مصروف تھے، انہیں میں سے ایک خالد بن سفیان کا نام تاریخ میں ملتا ہے، جو اپنے دوستوں اور حمایتیوں کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ آور ہونے اور اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا منصوبہ بنا رہا تھا، جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر وقت باخبر رہتے تھے، لہٰذا جب آپ کو اس خبیث کی سازش کا علم ہوا، تو آپ نے حسب عادت فوراً اس کی سرکوبی کا انتظام فرمایا، حضرت عبداللہ بن انیس کو حکم دیا، کہ جاؤ اور خالد بن سفیان کو ٹھکانے لگاؤ، غلام نے آقا کے حکم کی تعمیل کی، تلوار اٹھائی اور چل دیئے، راستہ میں نماز کا وقت ہو گیا آپ نے نماز کی نیت باندھی، چلتے رہے اور اشاروں سے ارکان نماز بھی ادا کرتے رہے، کہ حالت جنگ میں یہ جائز ہے، حتیٰ کہ خالد کے پاس پہنچے، آپ کو دیکھ کر اس نے کہا "مَنِ الرَّجُلُ" تم کون ہو، آپ نے فرمایا، میں ایک عربی ہوں سنا ہے تم مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے ہو، وہ اکڑ کر بولا تم نے ٹھیک ہی سنا ہے، حضرت عبداللہ نے کہا، اگر میں تمہاری کوئی مدد کر سکوں، تو میں حاضر ہوں، خالد نے کہا ہاں، آؤ میرے ساتھ چلو، میں تمہیں سب پروگرام بتاتا ہوں، حضرت عبداللہ اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے، تھوڑی دور چل کر موقع پایا، تو ایسا حملہ کیا کہ تلوار کے ایک ہی وار میں جہنم پہنچا دیا۔

حضرت عبداللہ نے بتایا کہ جب میں، واپس بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا، "اَفْلَحَ الْوَجْهُ" یہ چہرہ کامیاب ہو گیا، میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت عجز و انکساری کے ساتھ خبر دی، یا رسول اللہ! بفضلہ تبارک و تعالیٰ، غلام نے آپ کے حکم کی تعمیل کر دی اور اس کافر کو ہلاک کر دیا، آپ کا چہرہ مبارک چمکنے لگا اور فرمایا تم نے سچ کہا، پھر آپ مجھے اپنے ساتھ اپنے دولت کدہ پر لے گئے اور ایک عصا لا کر دیا، اور فرمایا عبداللہ! اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھنا میں نے اسے ہاتھ میں لیا اور میری خوشی کی انتہا نہ تھی، مجھے اپنے مقدر پر ناز تھا کہ آج مجھے دنیا و آخرت کی ساری نعمتیں نصیب ہو گئیں، میں دربار سے واپس آیا تو جو ملتا بڑے فخر سے اسے بتاتا، کہ دیکھو میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ مبارک عصا بخشا ہے، کسی نے کہا تم واپس جا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھو، کہ آپ نے یہ عصا مجھے کیوں عنایت فرمایا ہے، میں دوبارہ حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ! مجھے یہ عصا کیوں بخشا گیا ہے، آپ نے فرمایا "اٰيَةٌ بَيْنِىْ وَبَيْنَكَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّ اَقَلَّ النَّاسِ اَلْمُتَخَصِّرُوْنَ يَوْمَئِذٍ" یہ قیامت کے دن میرے اور تیرے درمیان نشانی ہوگی، اور بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے کولہوں پر ٹیک لگائے ہوں گے، حضرت عبداللہ نے ساری زندگی اس مقدس عطیہ کو اپنے پاس رکھا، جب وفات کا وقت قریب آیا تو فرمایا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس مبارک نشانی کو میرے کفن میں رکھ دینا، پس وصیت پوری کی گئی۔

زینب بنت جحش کو شرف زوجیت

حضرت زینب بنت جحش سے نکاح رسول کا واقعہ ان اہم واقعات سیرت میں سے ہے، جن

ذکر قرآن کریم میں موجود ہے جب کہ یہ واقعہ سورۂ احزاب میں بیان کیا گیا ہے، مختصراً ہدیہ قارئین ہے:

زینب بنت جحش کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہ سے کیا تھا، لیکن دونوں ہم مزاج نہ ہو سکے لہٰذا کچھ عرصہ بعد حضرت زید نے، حضرت زینب کو طلاق دے دی، اللہ کے حکم زَوَّجْنٰكَهَا کے مطابق، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زینب کو شرف زوجیت سے سرفراز فرمایا اور انہیں امت کی ماں ہونے کا عظیم اعزاز بخشا، اس فیصلہ الٰہی کا مقصد متبنیٰ سے متعلق، عرب کی قدیم رسم کو ہمیشہ کے لئے ختم کرنا تھا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، ہماری کتاب یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا جلد دوم، مقالہ:64۔

بروایت امام بخاری، حضرت انس بن مالک، خادم رسول نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت زینب سے نکاح کے بعد دعوت ولیمہ کا اہتمام فرمایا، اور مجھے سب غلاموں کو مدعو کرنے کا حکم دیا گیا، روٹی اور گوشت سے مہمانوں کی تواضع کا انتظام کیا گیا تھا، لوگ گروہ در گروہ آتے اور کھانا کھا کر جاتے رہے، میں نے سب ہی کو دعوت دی تھی کسی کو نہ چھوڑا تھا، اور سب ہی شریک ہوئے جب مہمانوں کی آمد کا سلسلہ ختم ہو گیا، تو ہمیں برتن اٹھانے اور دستر خوان سمیٹ لینے کا حکم ملا، ہم نے تعمیل کی سب لوگ چلے گئے لیکن تین آدمی بیٹھے باتیں کرتے رہے، اللہ کے رسول ﷺ، نہایت باحیا اور شرمیلے تھے، لہٰذا آپ ان سے چلے جانے کو نہ کہہ سکے لیکن خود اٹھ کر، دیگر ازواج مطہرات کے پاس تشریف لے گئے اور کافی دیر بعد واپس آئے، یہ تینوں اب تک بیٹھے ہوئے تھے کافی دیر کے بعد گئے، جس کا ذکر سورۂ احزاب کی آیت نمبر 53 میں ہے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جلد دوم، مقالہ 64۔

حضرت زینب کے کچھ حالات

ہماری ماں حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان مومنات قانتات میں سے تھیں، جنہوں نے سب سے پہلے ہجرت کی، نہایت سخی تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کے متعلق فرماتی ہیں، میں نے کوئی عورت ایسی نہ دیکھی جو دین کے معاملہ میں تقویٰ، صلہ رحمی اور امانت وصداقت میں حضرت زینب سے بہتر ہو، آپ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا'' تم میں سب سے پہلی مجھ سے ملنے والی وہ ہوگی جس کے ہاتھ، تم سب سے زیادہ لمبے ہوں گے، پس ہم سب ہاتھ ملا کر دیکھتی تھیں، کہ کس کے ہاتھ سب سے زیادہ لمبے ہیں اور کون خوش نصیب سب سے پہلے آقا ﷺ کے حضور حاضر ہوگی، لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا تو ہمیں پتہ چلا لمبے ہاتھوں سے مراد، ان کی سخاوت اور فیاضی تھی۔

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ازواج مطہرات میں سب سے پہلے وصال ہوا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ۲۰ ہجری میں آپ نے اپنی ماں کی نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں دفن ہوئیں، مزار مبارک کا پتہ نہیں۔

حضرت ام حبیبہ سے نکاح

ابوسفیان اور اس کی بیوی دونوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدترین دشمنوں میں سے تھے، لیکن ان سے پیدا ہونے والی اور ان کی آغوش میں پروان چڑھنے والی ام حبیبہ ان خوش نصیبوں میں شامل ہیں جو دارارقم کے دور میں مشرف باسلام ہوئیں، یہ اپنے شوہر عبیداللہ بن جحش کے ہمراہ ہجرت کر کے حبشہ گئیں، عبیداللہ یہاں کی چمک دمک کے لالچ میں مبتلا ہو کر عیسائی ہو گیا، لیکن ام حبیبہ اپنے ایمان پر ثابت رہیں، اللہ کے رسول ﷺ کو عبیداللہ کے مرتد ہو جانے کی جب خبر ملی تو آپ کو ام حبیبہ کے پردیس میں بیوہ اور بے سہارا ہو جانے کا بہت دکھ ہوا، کیونکہ ان کی بیوگی اور تنہائی کا سبب صرف اسلام تھا، 5 ہجری حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے شاہ حبشہ کو پیغام بھیجا، کہ ام حبیبہ سے آپ کا نکاح کر دیا جائے واقعہ کی تفصیل، خود ام حبیبہ بیان کرتی ہیں۔

ایک روز میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی، کہ نجاشی کی لونڈی ابرہہ، اس کا پیغام لے کر آئی، کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مکتوب گرامی ملا ہے کہ میں آپ کا نکاح، اللہ کے رسول ﷺ سے کر دوں، لہٰذا آپ کسی کو اپنا وکیل مقرر کریں جو آپ کی طرف سے نکاح قبول کرے، یہ پیغام سن کر میری تو خوشی کی انتہا نہ رہی، میں نے ابرہہ کو دعائیں دیں اپنے کڑے، چاندی کی پازیبیں اور انگوٹھیاں اتار کر بطور انعام دیں، اور خالد بن سعید کو اپنا وکیل مقرر کیا، رات کے وقت نجاشی نے تقریب نکاح کا اہتمام کیا، جعفر بن ابی طالب اور دیگر مہاجرین کو مدعو کیا، خود خطبہ نکاح پڑھا اور چار سو دینار مہر مقرر کیا یہ رقم میرے وکیل کے حوالہ کر دی گئی، حاضرین پر دینار نچھاور کیے گئے، جب سب لوگ اٹھ کر جانے لگے تو نجاشی نے سب کو روکا اور کہا کہ کھانا کھا کر تشریف لے جائیں کیونکہ نکاح کے بعد دعوت سنت انبیاء ہے، لہٰذا سب لوگ رک گئے، اور نہایت پر تکلف کھانے کھائے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کی حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے دربار میں حاضری اور آپ کے دیگر حالات انشاء اللہ امہات المومنین کے حالات زندگی کے ذیل میں بیان کیے جائیں گے۔

حضرت ام سعد کا انتقال

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غزوۂ دومۃ الجندل کے لئے تشریف لے گئے تھے، اسی دوران

حضرت سعد بن عبادہ کی والدہ ماجدہ حضرت ام سعد کا انتقال ہو گیا، یہ وہ خوش نصیب خاتون ہیں، جنہوں نے ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں حاضر ہو کر شرف بیعت حاصل کیا، آقائے رحمت ﷺ کو دوران سفر ہی ان کے انتقال کی خبر ملی، آپ کو بہت صدمہ ہوا، مدینہ واپس آ کر آپ اپنی خادمہ کی قبر پر تشریف لائے اور دعائے مغفرت کی، اس موقع پر، حضرت سعد نے پوچھا، یا رسول اللہ! کیا میں اپنی ماں کو ایصال ثواب کے لئے صدقہ کر سکتا ہوں، آپ نے فرمایا، ہاں صدقہ کرو، پوچھا ''اَیُّ الصَّدَقَۃِ اَفْضَلُ'' کون سا صدقہ افضل ہے، فرمایا پانی، پس حضرت سعد بن عبادہ نے اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لئے، کنواں کھدوایا، اور فرمایا ''ھٰذِہٖ لِاُمِّ سَعْدٍ'' یہ کنواں ام سعد کا ہے، یہ کنواں ''بئر ام سعد'' ہی کے نام سے مشہور تھا، گویا مرنے کے بعد کسی کے نام سے صدقہ کرنا جائز ہے، اور اگر اس چیز پر مردہ کا نام لیا جائے، اور وہ چیز اس کے نام سے مشہور ہو جائے، تو حرام نہیں ہوتی۔

بارگاہ رسالت میں پہلا وفد

5 ہجری بحمد اللہ تبارک و تعالیٰ اب دن بدن اسلام کو شہرت حاصل ہو رہی ہے، پیغام حق دور، دور پھیل رہا ہے، فکریں بدل رہی ہیں سوچ میں تبدیلی آ رہی ہے، دشمن دوستی کا ہاتھ پھیلا رہے ہیں، قبائل میں اسلام کا چرچا ہو رہا ہے وہ حلقہ بگوش اسلام ہونے پر غور کر رہے ہیں، کہ قبیلہ مزینہ کے ایک وفد نے سبقت حاصل کی، اور اس کے چودہ خوش نصیب افراد اپنے سردار بلال بن حارث کی قیادت میں بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، بیرونی علاقہ سے آنے والا یہ پہلا وفد تھا، جس کے بعد وفود کا سلسلہ جاری ہوا، معلم کامل ﷺ نے اپنے ان غلاموں کو دین کی ضروری تعلیم سے بہرہ ور فرمایا، اور حکم دیا، ''اِرْجِعُوْا فَاَیْنَمَا تَکُوْنُوْا فَاَنْتُمْ مِنَ الْمُھَاجِرِیْنَ'' اپنے وطن واپس چلے جاؤ، تم جہاں بھی رہو گے، تمہارا شمار مہاجرین میں ہو گا، اس حکم کی مصلحت یہ تھی، کہ مسلمان صرف مدینہ ہی میں محدود نہ رہیں، بلکہ اپنے شہروں اور اپنے قبائل میں آباد ہو کر، نور اسلام پھیلائیں، تا کہ کفر و شرک اور جہالت کی تاریکی چھٹے اور دائرہ اسلام وسیع ہو سکے، رہا مسئلہ، ہجرت اور قیام مدینہ کے اجر و ثواب کا تو وہ قاسم نعمت ہیں، دنیا ہی میں جس کو چاہیں جنتی قرار دے دیں اور جسے چاہیں ہجرت کے بلند مقام اور اجر و ثواب سے نواز دیں۔

فصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین

زلزلہ

اسی سال مدینہ منورہ میں زلزلہ آیا، جان عالم ﷺ نے اس موقع پر فرمایا: ''اَنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ

یَسۡتَعۡتِبُکُمۡ فَاعۡتِبُوۡہُ" بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ چاہتا ہے، کہ تم توبہ کر کے اسے راضی کرو لہٰذا تم اس کو راضی کرو۔

زلزلہ، اللہ کی قدرت وقوت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، جسے وہ جب چاہتا ہے ظاہر فرماتا ہے، تا کہ اس کے بندے اس سے غافل نہ ہونے پائیں اور حالت زلزلہ میں مزید اس کو راضی کرنے کی کوشش کریں، جس کا ذریعہ توبہ ہے، اس لئے معلم کامل ﷺ نے فرمایا، کہ اللہ چاہتا ہے کہ توبہ کر کے تم اسے راضی کرو۔

صلوٰۃ الخسوف

وہ نماز جو چاند گرہن کے وقت پڑھی جاتی ہے، اس سال جمادی الثانیہ میں چاند گرہن ہوا یہود نے واویلا مچا دیا غصے میں تانبے کے برتنوں کو کاٹنے لگے، ان کا خیال تھا کہ چاند پر جادو کر دیا گیا ہے، جس کے سبب اس کی روشنی سلب ہو گئی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے مسلمانوں کو دوگانہ خسوف ادا کرنے کا حکم دیا، جو اس حقیقت کا اعلان تھا، چاند گرہن اللہ کے قہر وجلال کی نشانیوں میں سے ایک نشان ہے، پس اس وقت اللہ کے بندے کو اس کے حضور سجدہ کرنا چاہیے، توبہ کرنا چاہیے، اللہ کی رضا کے لئے اس کی عبادت کرنا چاہیے تا کہ وہ اللہ کے قہر سے محفوظ رہیں۔

آیت تیمم کا نزول

سورۃ النساء 43 ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ اِنۡ کُنۡتُمۡ مَّرۡضٰۤی اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ اَوۡ جَآءَ اَحَدٌ مِّنۡکُمۡ مِّنَ الۡغَآئِطِ اَوۡ لٰمَسۡتُمُ النِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُوۡا مَآءً فَتَیَمَّمُوۡا صَعِیۡدًا طَیِّبًا فَامۡسَحُوۡا بِوُجُوۡہِکُمۡ وَ اَیۡدِیۡکُمۡ ؕ (النساء)

"اور اگر تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی پاخانہ سے آئے، یا عورتوں سے مباشرت کی، پس تم پانی نہ پاؤ تو قصد کرو پاک مٹی کا، تو مسح کرو (اس سے) اپنے مونہوں اور ہاتھوں کا"۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ایک سفر میں گئی، یہاں تک کہ جب ہم، بیدا یا ذات الجیش (قرب مدینہ دو آبادیوں کا نام ہے) پہنچے تو میرا ہار گم ہو گیا، اس کی تلاش کے لئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قیام فرمایا، اور قافلہ بھی ٹھہر گیا یہاں پانی نہ تھا، اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ پانی تھا، لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق کے پاس آ کر کہا، آپ نہیں

دیکھتے کہ حضرت عائشہ نے کیا کیا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور لوگوں کو ٹھہرا لیا، جب کہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ ہے، حضرت ابوبکر آئے اور اس وقت حضور میرے زانو پر، سر رکھے آرام فرمارہے تھے اور فرمایا، تم نے حضور ﷺ اور لوگوں کو روک لیا، حالانکہ نہ یہاں پانی ہے اور نہ لوگوں کے ہمراہ ہے، ام المومنین فرماتی ہیں، ابوبکر مجھ پر ناراض ہوئے اور جو اللہ نے چاہا، انہوں نے کہا اور اپنے ہاتھ سے میری کوکھ میں کونچنا شروع کیا، لیکن میں حرکت نہ کر سکی، کہ اللہ کے رسول ﷺ میرے زانو پر آرام فرماتے، پس جب صبح ہوئی ایسی جگہ جہاں پانی نہ تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اٹھے، اور اللہ تعالیٰ نے آیت تیمم نازل فرمائی، اور لوگوں نے تیمم کیا، اس موقع پر (خوش ہوکر) اسید بن حضیر نے کہا، اے آل ابوبکر! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں (یعنی تمہارے وسیلہ سے امت کو ایسی برکتیں میسر آتی ہی رہتی ہیں) فرماتی ہیں، جب میرا اونٹ اٹھایا گیا، تو ہار اس کے نیچے موجود تھا (گویا یہ سب بہانہ تھا، نزول نعمت الٰہیہ کا)

مؤرخین کے مطابق، یہ واقعہ 5 ہجری کا ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بنی مصطلق سے واپس تشریف لا رہے تھے، اسی سال، مسلمان عورتوں کے لئے پردے کا حکم نازل ہوا۔

زنا کرنے والے کے لئے، سو کوڑوں کی سزا کا حکم دیا گیا۔

حد قذف، لعان، ظہار کے احکام نازل ہوئے۔

حالت جنگ میں نماز خوف کا حکم دیا گیا نیز اس کا طریقہ بتایا گیا۔

اگر ان مسائل کی تفصیل مطلوب ہو تو ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کا مطالعہ مفید ہوگا۔

مدنی زندگی

ہجرت کا چھٹا سال

غزوۂ بنی لحیان، غزوۂ الغابہ، دلچسپ واقعہ، سریہ محمد بن مسلمہ، ثمامہ بن آثال کی گرفتاری، دیگر سرایا، غزوۂ حدیبیہ، حدیبیہ میں قیام، عروہ بن مسعود بارگاہ رسالت میں، اہل مکہ کی سازش، حضرت عثمان کی مکہ روانگی، حضرت عثمان کا مظاہرۂ عشق، بیعت شجرہ، اہل مکہ پر بیعت کا اثر، صلح نامہ پر گفتگو، حضرت علی کی مجبوری، دوران معاہدہ ایک حادثہ، مسلمانوں کا معاہدہ پر ردعمل، حدیبیہ سے واپسی، دعائے برکت، مژدۂ فتح مبین، معاہدہ اور فتح مبین، ابوبصیر مدینہ میں، ابو بصیر کا کارنامہ، ابوسفیان بارگاہ رسالت میں، فرضیت حج، نماز استسقاء، مشرکین سے حرمت نکاح۔

ہجرت کا چھٹا سال

اللہ کے حبیب لبیب ﷺ، غزوۂ احزاب اور غزوۂ بنی قریظہ سے، پانچ ہجری کے آخری مہینہ ذی الحجہ کے پہلے عشرے میں فارغ ہوئے، ان دونوں غزوات میں قریش و یہود کو جو ذلت و خواری ہوئی اور جس طرح وہ تباہ و برباد ہوئے، گزشتہ صفحات پر آپ ان حالات کا مطالعہ کر چکے ہیں، ان حالات نے، دشمن کو اتنا کمزور اور فرسودہ حال کر دیا تھا، کہ اب ان میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کوئی بڑا منصوبہ سوچنے کی بھی ہمت نہ رہی تھی، اب صرف لٹیروں اور ڈاکوؤں کی شر انگیزیاں باقی رہ گئی تھیں، لہٰذا آقائے رحمت ﷺ اور آپ کے غلاموں کو دشمن کے مقابلہ اور جہاد کی تگ و دو سے قدرے فرصت ملی تو آپ نے دیگر فرائض منصبی یعنی تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیۂ نفس پر توجہ فرمائی، اور مسلسل جنگوں کے سبب صحابہ کرام دشمن پر یلغار اور جہاد کے جس جذبہ سے سرشار تھے، اس سے انہیں احکام شرع کی تعلیم اور تزکیۂ نفس کی تربیت کی دعوت دینے اور اس اہم شعبہ کی طرف مکمل توجہ دینے کے لئے فرمایا: ''رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ'' اب ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف واپس آگئے، نیز آپ نے فرمایا: ''اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ'' مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے، ایک مرتبہ آپ نے صحابہ سے سوال فرمایا، تم پہلوان کسے کہتے ہو، عرض کیا گیا، جسے لوگ پچھاڑ نہ سکیں آپ نے فرمایا نہیں، پہلوان وہ ہے ''مَنْ يَمْلِكُ نَفْسَهٗ عِنْدَ الْغَضَبِ'' جو غصہ میں اپنے نفس کو قابو میں

رکھے یعنی اس پہلوان کو پچھاڑ سکے، جس کا اکھاڑا، خود اس کے سینہ میں ہے، ان ارشادات نے قوم کا رخ موڑ دیا، اس کے ذوق کو بدل دیا، اور صرف تلوار چلانے اور تیر برسانے کو جہاد سمجھنے والے، جہادی جذبہ اور محنت ومشقت کے ساتھ جہاد اکبر کی طرف متوجہ ہو گئے، اور وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی سند رکھنے والے معلم کامل ﷺ نے انہیں وہ سب سکھا دیا جو انہوں نے سیکھنا چاہا اور جو وہ نہ جانتے تھے، وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ اس کی واضح دلیل ہے، معلم کامل ﷺ کی درسگاہ سے تعلیم وتربیت حاصل کرنے والے، جس طرح میدان جہاد کے کامیاب و ماہر مجاہد تھے، اسی طرح وہ میدان علم وعمل کے کامیاب سپاہی نظر آنے لگے، کہ انہوں نے اسلام کی تعلیم وتربیت اور تہذیب وتمدن سے دنیا کو روشناس کرایا، اور انسان کو اس علم کے حصول کی دعوت دی جو انسانیت کی شرافت وعظمت کی بقا کا ضامن ہو، اور اس تہذیب وتمدن کی طرف بلایا، جو امن وامان اور سکون واطمینان کا معاشرہ فراہم کرنے کا یقینی ذریعہ ہے، انشاء اللہ اس عنوان پر تفصیلی گفتگو اگلے صفحات پر ہوگی۔

بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چھ ہجری کے ابتدائی چھ ماہ کے شب وروز، اپنے غلاموں کی تعلیم وتربیت پر صرف کیے اور صحابہ کرام نے آپ سے، خوب خوب فیض حاصل کیا، لیکن رخ کی اس تبدیلی نے، ایک لمحہ کے لئے بھی دشمن کی سازشوں سے غافل نہ کیا، اور نہ ہی جذبۂ جہاد میں کوئی کمی واقع ہوئی بلکہ اس تعلیم وتربیت نے میدانی جہاد کے جذبات کو مزید ابھارا اور نکھار دیا، جیسا کہ آپ مستقبل کے واقعات سے اندازہ کر سکیں گے۔

غزوۂ بنی لحیان

علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ، ضیاء النبی کے مطابق 6 ہجری کے غزوات وسرایا کا آغاز، غزوہ بنی لحیان سے ہوتا ہے، جب کہ اکثر مؤرخین نے اس سال کی ابتداء واقعہ صلح حدیبیہ سے کی ہے، جب کہ یہ واقعہ اس سال ذوالقعدہ میں پیش آیا، شاید ان حضرات نے اس واقعہ کی اہمیت کو پیش نظر رکھا، جب کہ تاریخی اعتبار سے وہی ترتیب زیادہ موزوں ہے جس کا ضیاء النبی میں لحاظ رکھا گیا ہے، ہم نے بھی اسی ترتیب کو اختیار کیا ہے۔

بنو لحیان، وہی قبیلہ ہے جس کا ذکر واقعہ رجیع میں کیا جا چکا ہے، کہ یہ قبیلہ چھ صحابہ کرام کے قتل کا مجرم تھا، ان صحابہ میں زید بن دثنہ اور حبیب بن عدی بھی شامل تھے، جنہیں مکہ لے جا کر فروخت کیا گیا، اور کفار نے اسلام کے ان بہادر سپوتوں کو نہایت بے دردی سے شہید کیا، ان کا انتقام اور بنو لحیان کو ان کے جرم کی سزا دینا، عدالت نبوی کے عدل وانصاف کا مقتضی تھا، مسلمانوں کی خواہش اور ان کی ذمہ داری تھی، لیکن دیگر مہمات میں مصروفیات کے سبب اب تک اس کا موقع نہ مل سکا، اب کوئی جنگی مہم

سامنے نہ تھی، لہٰذا جمادی الاولیٰ میں آقا ﷺ نے اس کام کو انجام دینے کا فیصلہ فرمایا، اور دو سو مجاہدین کا لشکر لے کر آپ بنولحیان کی طرف روانہ ہوئے، لیکن جنگی حکمت عملی کے طور پر آپ اپنے اس عزم کو ظاہر نہ کرنا چاہتے تھے، لہٰذا آپ نے ابتداءً شام کا رُخ کیا، اور کافی دور نکلنے کے بعد اچانک، آپ نے بنولحیان کے علاقہ کی طرف رُخ کیا اور رفتار تیز کر دی، تاکہ مجرموں کو خبر ہونے سے پہلے لشکر اسلام اس پر حملہ آور ہو سکے اور انہیں ان کے جرم کی پوری پوری سزا مل سکے، لیکن انہیں اطلاع مل گئی اور وہ اپنی بستیوں کو چھوڑ کر پہاڑوں کی چوٹیوں اور غاروں میں جا چھپے، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے انتظار میں اس لق ودق صحرا میں قیام فرمانا، مناسب خیال نہ کیا لہٰذا وہاں سے عسفان تشریف لے آئے، یہاں آپ نے تقریباً چودہ روز قیام فرمایا اس دوران آپ نے مجاہدین کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں، عسفان کے گردونواح میں روانہ کیں، تاکہ یہاں آباد قبائل کو مرعوب کیا جائے، ان علاقوں کے جغرافیائی حالات سے آگاہی حاصل کی جائے، یہاں قیام کے دوران متعدد قبائل کے لوگ آپ کی زیارت کے لئے آتے رہے اور دیدار سے مشرف ہوتے رہے، جن تک اسلام کا پیغام بھی پہنچا، غرضیکہ اصل مقصد سفر میں تو کامیابی نہ ہو سکی، لیکن دوسرے نہایت مفید مقاصد حاصل ہوئے، جو مستقبل میں اشاعت اسلام کے لئے معاون ثابت ہوئے۔

غزوۃ الغابہ

چونکہ یہ غزوہ مدینہ طیبہ کے قریب ایک چراگاہ "غابہ" سے متعلق ہے اس لئے اسے غزوۂ غابہ کہا گیا، اس چراگاہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اونٹ چرا کرتے تھے، یہاں بنوغطفان کے سردار نے ڈاکہ مارا، چرواہے کو قتل کر دیا اس کی بیوی کو گرفتار کر لیا اور بیس اونٹ ہانک لے گیا، یہ ڈاکو عیینہ بن حصن تھا، جو غزوۂ خندق میں شریک تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی کو مدینہ کی تہائی کھجوریں دینے کا لالچ دیا تھا، جس کے معاہدے کی اس کو توقع تھی، جب معاہدہ نہ ہو سکا، تو یہ بہت سیخ پا ہوا، غیظ و غضب کی آگ اور جنگ میں شکست کی ذلت وخواری نے اس کو مسلمانوں کا سخت ترین دشمن بنا دیا تھا، لیکن اب باقاعدہ جنگ کرنے کی نہ تو اس میں جرأت تھی اور نہ ہی اس کا کوئی ساتھ دینے کے لئے تیار تھا لیکن مسلمانوں کی دشمنی نے اسے اتنا جلایا اور بھڑکایا کہ یہ ڈاکو اور لٹیرا بننے پر مجبور ہو گیا، اور پہلا حملہ، اس نے، غابہ کی چراگاہ پر کیا، لیکن یہاں وہ پہلے سے بھی زیادہ ذلیل وخوار ہوا۔

اتفاقاً سلمہ بن عمرو بن اکوع صبح سویرے اپنے گھر سے، طابا (مدینہ کے قریب ایک بستی) جانے کے لئے نکلے، جب یہ ثنیۃ الوداع کی بلندی پر پہنچے تو انہیں کچھ گھوڑے دوڑتے نظر آئے، انہیں شک ہوا کہ دشمن کے گھوڑے ہیں، عرب کے دستور کے مطابق انہوں نے "واصباحا" کا نعرہ لگایا، اور جب

کوئی جواب نہ ملا تو یہ تیزی سے دشمن کی طرف لپکے اور تیر برسانا شروع کر دیئے، اسی دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع مل گئی، آپ نے مدینہ میں اعلان کرا دیا، ''الفزع، الفزع'' خطرہ، خطرہ لوگ سنتے ہی چاروں طرف سے دوڑے اور آقا کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے حضرت زید بن سعد کو حکم دیا کہ تم مجاہدین کا ایک دستہ لے کر چلو، میں بھی پہنچتا ہوں، یہ آٹھ شہسوار تھے جو اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے، ان میں ابو عیاش بھی تھے جن کے پاس نہایت اعلیٰ تیز رفتار گھوڑا تھا، حضور نے اس سے کہا ابو عیاش! تم اپنا گھوڑا، کسی زیادہ ماہر سوار کو دے دو، اس وقت ابو عیاش جوش جہاد میں مست تھے، کہنے لگے ''یارسول اللہ! اَنَا اَفْرَسُ النَّاسِ'' میں خود سب سے زیادہ ماہر شہسوار ہوں، ابو عیاش خود بتاتے ہیں کہ میں نے ابھی پچاس گز کا فاصلہ طے نہ کیا تھا کہ گھوڑے نے مجھے زمین پر پٹخ دیا لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کا گھوڑا معاذ بن ماعص کو عطا فرمایا۔ یہ دستہ نہایت تیز رفتاری سے غابہ جا پہنچا، اور دشمن کا تعاقب کرنے لگا، عیینہ کا بیٹا حبیب، حضرت ابو قتادہ کی زد میں آ گیا، آپ نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا، اور اس کی لاش کو اپنی چادر سے ڈھانپ دیا، اور پھر دشمن کے تعاقب کے لئے دوڑے۔

اسی دوران، اللہ کے رسول ﷺ اپنا دستہ لے کر پہنچ گئے، صحابہ کرام نے ایک لاش پر، ابو قتادہ کی چادر دیکھی تو اناللہ پڑھا اور کہنے لگے، ابو قتادہ شہید ہو گئے، آقا ﷺ نے سنا تو فرمایا ''لَیْسَ اَبُوْقَتَادَۃَ وَلٰکِنَّہٗ قَتِیْلٌ لِاَبِیْ قَتَادَۃَ'' یہ ابو قتادہ نہیں ہیں، بلکہ ابو قتادہ کا مقتول ہے، حضرت ابو بکر اور عمر آگے بڑھے چادر ہٹائی تو وہ مسعدہ یعنی حبیب کی لاش تھی، ان دونوں حضرات نے نعرہ بلند کیا، اور کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ کہا ہے، یارسول اللہ! یہ مسعدہ کی لاش ہے، اتنے میں ابو قتادہ نظر آئے، جوان اونٹنیوں کو ہانک کر لا رہے تھے، جنہیں لٹیرے لے جانے کی کوشش کر رہے تھے، آقا ﷺ اپنے غلام کی بہادری اور کامیابی پر خوش ہوئے، اور مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا ''اُدْنُ مِنِّیْ یَا اَبَا قَتَادَۃَ'' اے ابو قتادہ! میرے قریب آؤ، وہ قریب ہوئے تو آقا رحیم و کریم نے نہایت نرمی کے ساتھ ان کے چہرے پر لگی ہوئی، نیزے کی نوک کھینچی، پھر اپنا لعاب شفا، اس پر ملا اور اپنی مبارک ہتھیلی سے اسے دبایا حضرت قتادہ کہتے ہیں ''فَوَالَّذِیْ اَکْرَمَ مُحَمَّدًا بِالنُّبُوَّۃِ مَاضَرَبَ عَلَیَّ سَاعَۃً قَطُّ وَلَا قَرِ[illegible] قَطَرَ عَلَیَّ'' اس ذات کی قسم! جس نے میرے آقا کو نبوت سے مکرم و معزز کیا، یوں محسوس ہوتا تھا، کہ مجھے کوئی چوٹ لگی ہے اور نہ مجھے کوئی زخم آیا ہے، مستجاب الدعوات ﷺ نے اپنے غلام کے لئے [illegible] کی، ''اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَہٗ فِیْ شَعْرِہٖ وَبَشَرِہٖ'' اے اللہ اس کے بالوں میں اور اس کے چہرے [illegible] رونق میں برکت دے۔

وصال کے وقت حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف ستر سال تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا [illegible]

کوئی پندرہ سالہ نوجوان سو رہا ہے۔

وہ دعا جس کا جوبن بہار قبول   اس نسیم اجابت پہ لاکھوں سلام

اللہ کے رسول ﷺ اپنے مجاہدین کے ہمراہ دشمن کا تعاقب کرتے رہے، یہاں تک کہ آپ کوہ ذی قرد تک پہنچ گئے (اس پہاڑی کی نسبت سے اس غزوہ کو غزوۂ ذی قرد بھی کہا گیا ہے) آپ نے ایک رات یہاں قیام فرمایا۔

امام مسلم نے سلمہ بن اکوع کی حدیث کو مفصل بیان فرمایا ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے، حضرت سلمہ بتاتے ہیں، کہ میں ڈاکوؤں پر تیر برساتا رہا اور انہیں خاک و خون میں تڑپاتا رہا، جب ان کا کوئی سوار مجھ پر حملہ کرنے کے لئے بڑھتا تو میں کسی درخت کے تنے میں چھپ کر، اس پر تیر برساتا اور اسے لہولہان کر دیتا اور جب وہ کسی تنگ گھاٹی میں داخل ہوتے، تو میں پہاڑ کے اوپر چڑھ کر ان کا شکار کرنے لگتا تھا، آخر کار آقا ﷺ کی سب اونٹنیاں میں نے چھین لیں، لٹیرے جب بھاگنے لگے تو میں نے ان کا تعاقب کیا، انہوں نے اپنا وزن ہلکا کرنے کے لئے، اپنی تیس چادریں اور تیس نیزے پھینک دیئے، جو چیز وہ پھینکتے، میں بطور نشان، اس پر پتھر رکھ دیتا تھا، تا کہ مجاہدین اسلام یہاں سے گزریں تو وہ جان لیں کہ یہ مال غنیمت ہے اور اس پر قبضہ کرلیں۔

یہ لوگ ایک جگہ ٹھہر گئے تا کہ وہ صبح کا کھانا کھائیں میں بھی پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا، ستا رہا تھا کہ ان کے پاس عیینہ بن بدر الفزاری آیا اور پوچھنے لگا، یہ کون شخص ہے جو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا ہے، وہ کہنے لگے، یہی تو ہے جس نے ہمیں پریشان کر رکھا ہے ہم نے جو مال لوٹا تھا وہ بھی اس نے چھین لیا ہے اور ہماری کافی چیزوں پر قبضہ کرلیا، ہمارے نوجوانوں کو لہولہان کر دیا، فزاری نے کہا اب موقع ہے، چار آدمی جا کر اس کا کام تمام کر سکتے ہیں، پس میں نے دیکھا کہ چار آدمی میری طرف آ رہے ہیں، جب وہ قریب ہو گئے، تو میں نے ان سے کہا: "هَلْ تَعْرِفُوْنَنِیْ" "تم مجھے پہچانتے ہو، انہوں نے کہا نہیں بتاؤ تم کون ہو، میں نے اپنا تعارف کرایا کہ میں سلمہ بن اکوع ہوں" "وَالَّذِیْ کَرَّمَ وَجْهَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا اَطْلُبُ رَجُلًا مِنْکُمْ اِلَّا اَدْرَکْتُهٗ وَلَا یَطْلُبُنِیْ فَیُدْرِکُنِیْ" "اس اللہ کی قسم جس نے ہمارے آقا محمد ﷺ کے چہرے کو منور و مکرم کیا، اگر میں تم میں سے کسی کو پکڑنا چاہوں تو فوراً پکڑ لوں گا، اور تم میں سے کوئی مجھے نہیں پکڑ سکتا، میری بات سن کر وہ خوف زدہ ہو گئے اور فوراً بھاگ گئے۔

میں پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھا رہا، یہاں تک کہ میں نے اپنے آقا ﷺ کو غلاموں کے ہمراہ آتے دیکھا، سب سے آگے اخرم الاسدی تھے، جو تیزی سے دشمن کی طرف دوڑے جا رہے تھے، میں نے ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا ٹھہرو مت جاؤ، ساتھیوں کو آنے دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تمہیں پکڑ لیں،

اخرم نے کہا، اے سلمہ! اگر تم اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہو اور یہ جانتے ہو کہ جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے، تو میرے اور شہادت کے درمیان نہ آؤ، پس میں ہٹ گیا، وہ آگے بڑھے، عیینہ کے بیٹے عبدالرحمٰن سے ان کا مقابلہ ہوا، عبدالرحمٰن نے نیزے سے ان پر حملہ کیا، اور تھوڑی دیر بعد اللہ نے اخرم کی آرزو پوری کر دی کہ شہید ہو گئے اسی دوران حضرت ابوقتادہ پہنچ گئے، انہوں نے عبدالرحمٰن پر حملہ کیا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔

حضرت اخرم کی شہادت کے لئے بیتابی کا سبب بتاتے ہوئے، مؤرخین نے لکھا کہ ایک دن پہلے ہی اخرم نے خواب دیکھا تھا، کہ ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھلا ہے اور وہ پہلے آسمان میں داخل ہو گئے، یہاں تک کہ اسی طرح دروازے کھلتے رہے اور ساتویں آسمان پر پہنچ گئے، وہ فرماتے ہیں جب میں سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچا، تو مجھے بتایا گیا کہ یہ تمہاری منزل ہے، اخرم کہتے ہیں کہ میں نے اپنے خواب کی تعبیر، حضرت ابوبکر سے پوچھی، کہ خواب کی تعبیر بتانے میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا، انہوں نے کہا، "اَبْشِرْ بِالشَّهَادَةِ" تمہیں شہادت کی خوشخبری ہو، اس خواب کی تعبیر ایک روز بعد ہی پوری ہو گئی اور اخرم نے اپنی منزل پالی۔

دلچسپ واقعہ

آپ پڑھ چکے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چرواہے کو ڈاکوؤں نے قتل کر دیا اور اس کی بیوی کو پکڑ کر لے گئے، اس مظلومہ کو، رات کو رسیوں سے جکڑ کر، جانور کی طرح صحن میں باندھ دیا جاتا تھا، ایک رات جب سب لوگ غافل پڑے سو رہے تھے، کسی طرح یہ اپنی رسیاں کھولنے میں کامیاب ہو گئی، اور باہر نکل آئی، اس نے آقا ﷺ کی اونٹنی عضباء کو کھڑا دیکھا، یہ اس پر سوار ہوئی اور مدینہ کی طرف چل دی، بہت خوفزدہ تھی، کہ کہیں دشمن پھر نہ پکڑ لیں، اسی حالت میں اس نے نذر مانی، کہ اگر میں خیر و عافیت سے اپنے گھر پہنچ گئی، تو اس اونٹنی کو اللہ کے لئے ذبح کر دوں گی، اور گوشت فقراء مساکین میں تقسیم کروں گی، یہ خاتون جب مدینہ پہنچی، تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر، اس نے واقعہ بتایا، اور اپنی نذر کے متعلق بھی بتایا، نذر کی بات سن کر، اللہ کے رسول ﷺ مسکرائے اور فرمایا "بِئْسَمَا جَزَيْتِهَا اِنْ حَمَلَكِ اللّٰهُ عَلَيْهَا وَنَجَّاكِ بِهَا ثُمَّ تَنْحَرِيْنَهَا" تو نے اس اونٹنی کو بہت برا بدلہ دیا ہے، اللہ نے تجھے اس پر سوار کیا، اور اس کے ذریعہ تجھے نجات دی، پھر تو اسے ذبح کرنا چاہتی ہے، پھر آپ نے شریعت مطہرہ کا ایک مسئلہ بیان فرمایا، کہ جو نذر، اللہ کی نافرمانی میں مانی جائے یا کسی ایسی چیز میں جو تمہاری ملکیت نہ ہو، اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے، "اِنَّمَا هِيَ نَاقَةٌ مِنْ اِبِلِيْ" یہ میری اونٹنی ہے (تیری ملک نہیں، اس کو یہاں چھوڑو) "اِرْجِعِيْ اِلٰى اَهْلِكِ عَلٰى بَرَكَةِ

اللہ'' اپنے گھر جاؤ، اللہ تمہیں برکت دے۔

ڈاکوؤں کی سرکوبی کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اونٹنیاں اور مال غنیمت لے کر کامیاب و کامران مدینہ منورہ تشریف لائے۔

سریہ محمد بن مسلمہ

دس محرم 6 ہجری ضریہ مدینہ منورہ سے سات رات کی مسافت پر ایک گاؤں آباد ہے، جہاں ایک قبیلہ بنی بکر آباد تھا، ان کے لوگ بھی مسلمانوں کو تنگ کرتے، اور ان کی چراگاہوں میں آ کر لوٹ مار کرتے رہتے تھے، دوسرے قافلوں کے سفر کو بھی انہوں نے تکلیف دہ بنایا ہوا تھا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا، اور تیس مجاہدین کا ایک دستہ، حضرت محمد بن مسلمہ الاشہلی کی قیادت میں، ان پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کیا، آپ نے محمد بن مسلمہ کو ہدایت کی، کہ سفر خفیہ رہے اور اچانک حملہ کیا جائے، تاکہ یہ راہ فرار اختیار نہ کرنے پائیں، محمد بن مسلمہ نے حکم کی تعمیل کی، آپ ساری رات سفر کرتے، اور دن میں پہاڑوں اور جھاڑیوں میں چھپ کر آرام کر لیتے تھے، ضریہ پہنچ کر آپ نے آقا ﷺ کی ہدایت کے مطابق دشمن پر اچانک حملہ کیا، جو کامیاب رہا، مجاہدین نے ان کے کافی آدمی مارے، جب کہ اکثر لوگ بھاگنے میں کامیاب ہو گئے، ان کے ڈیڑھ سو اونٹ اور تین ہزار بکریاں بطور غنیمت ہاتھ آئیں، انیس دن کے بعد مجاہدین اسلام کامیاب و کامران مدینہ منورہ واپس ہوئے۔

ثمامہ بن اثال کی گرفتاری

ثمامہ بن اثال الحنفی، نہایت دولت مند غلہ کے بڑے تاجر تھے، مکہ میں غلہ کی ترسیل کا دارومدار ان پر تھا، کہ اہل مکہ اپنے سامان تجارت کے عوض ان سے غلہ لیا کرتے تھے، جب قیدیوں کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا گیا، تو آپ نے ثمامہ کو دیکھا اور پہچان لیا، آپ نے محمد بن مسلمہ سے فرمایا تمہیں پتہ ہے کہ تم نے کسے قیدی بنایا ہوا ہے، انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا، آپ نے ثمامہ کو اپنے قریب بلایا، اور محمد بن مسلمہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے ان کی رہائش ان کے کھانے پینے کا معقول انتظام ہو اور میری اونٹنی کا دودھ پینے کے لئے انہیں دیا جائے، آقا ﷺ کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے ثمامہ کو ایک شاہی مہمان جیسا اعزاز دیا گیا۔

ایک دن آقائے رحمت ﷺ نے ثمامہ سے دریافت فرمایا، کہ تمہارے پاس کیا ہے؟ وہ بولے میرے پاس خیر ہے پس اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایک ایسے شخص کو قتل کریں گے جو اس کا سزاوار ہے اور اگر آپ مجھ پر احسان کریں تو ایک ایسے شخص پر احسان کریں گے، جو ساری زندگی آپ کا

احسان مند اور شکر گزار رہے گا، اگر آپ کو مال کی ضرورت ہے تو فرمایئے آپ کے حکم کی تعمیل ہوگی اور مطالبہ پورا ہوگا، اس مختصر گفتگو کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے، دوسرے دن پھر آپ تشریف لائے، اور بعینہٖ یہی گفتگو ہوئی، تیسرے روز بھی اسی گفتگو کا اعادہ ہوا پس آقا ﷺ نے ثمامہ کو آزاد کر دینے کا حکم صادر فرمایا، ثمامہ مسجد کے قریب ایک کنوئیں پر گیا، غسل کیا اور پاک صاف ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو اکلمہ پڑھا اور ہمیشہ کے لئے آقائے رحمت ﷺ کی غلامی اختیار کر لی۔

ثمامہ کے لئے حسب معمول رات کا کھانا آیا، لیکن آج انہوں نے خلاف معمول بہت کم کھایا، دودھ پیش کیا گیا اس کے بھی چند گھونٹ لئے، ثمامہ کی یہ کیفیت اللہ کے رسول ﷺ کو بتائی گئی، آپ نے فرمایا مومن اور کافر کے کھانے میں یہی فرق ہے، کافر حرص و لالچ کے سبب سات آنتوں میں کھاتا ہے جب کہ مومن سیر چشم اور دل کا غنی ہوتا ہے، وہ ایک ہی آنت میں کھاتا ہے۔

مشرف باسلام ہونے کے بعد ایک روز ثمامہ نے آقا ﷺ کو بتایا، کہ آج سے پہلے مجھے آپ کا چہرہ از حد ناپسند تھا، لیکن اب سب سے زیادہ پسندیدہ چہرہ میرے نزدیک آپ ہی کا ہے، پہلے آپ کا دین مجھے تمام ادیان سے زیادہ برا لگتا تھا، اب یہی میرے لئے عزیز ترین دین ہے، پہلے آپ کے شہر سے مجھے قلبی نفرت تھی، اب اسی کی محبت میرے قلب کی گہرائیوں میں ہے، یارسول اللہ! آپ جانتے ہیں، میں عمرے کے لئے جا رہا تھا، کہ آپ کے سپاہیوں نے مجھے اسیر بنا لیا اور اب میں اپنی مرضی سے ہمیشہ کے لئے آپ کا اسیر ہو گیا ہوں، آقا ﷺ نے ثمامہ کو عمرے کی قبولیت کا مژدہ دیا، اور فرمایا جاؤ عمرہ کرو۔

ثمامہ عمرے کے لئے مکہ پہنچے، تو اہل مکہ ان پر طعن و تشنیع کے تیر چلانے لگے، کسی نے انہیں بزدل کہا، تو کسی نے کہا کہ ہم نے کبھی نہ سوچا تھا کہ تم بھی بے دین ہو سکتے ہو، ثمامہ خاموشی سے سب کی باتیں سنتے رہے، اور آخر میں بولے میں نہ بزدل ہوا ہوں اور نہ ہی کسی سے خوفزدہ ہوں، پہلے میں بے دین تھا اب ہادئ اعظم ﷺ کے دامن سے وابستہ ہو کر دین دار ہو گیا، کامیابی و کامرانی کی راہ پر آ گیا ہوں، اب مجھے منزل مراد قریب نظر آنے لگی ہے، اور سنو! آج سے میرا تمہارا تجارتی و معاشرتی تعلق ختم ہو گیا اب تمہیں یمامہ کے غلہ کا ایک دانہ بھی نہ ملے گا، ثمامہ نے عمرہ کیا اور اپنے وطن یمامہ چلے گئے اور اپنے کارکنوں کو حکم دیا، کہ مکہ کے کسی تاجر کو گندم کا ایک دانہ بھی نہ دیا جائے۔

چونکہ اہل مکہ کو غلہ صرف یمامہ ہی سے ملتا تھا، لہٰذا چند ہی دن میں وہ قحط کا شکار ہونے لگے، انہیں مجبوراً اس صورت حال سے نجات کے لئے کوئی تدبیر نکالنی پڑی، باہمی مشورے کے بعد انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضری کا فیصلہ کیا، تاکہ آقائے رحمت ﷺ کے در اقدس پر حاضر ہو کر رحم و کرم

درخواست پیش کی جائے، پس چند رؤساء مکہ، مدینہ منورہ پہنچے اور انہوں نے آقائے رحمت ﷺ کو قرابت کا واسطہ دے کر اپنی دکھ بھری کہانی سنائی، بے سہاروں کے سہارا، رؤف و رحیم آقا ﷺ کو حالات سن کر بہت افسوس ہوا، آپ نے فوراً، یمامہ قاصد روانہ کیا اور ثمامہ بن اثال کو حکم دیا، کہ غلہ کی بندش فوراً ختم کی جائے، ہمارے لئے ہرگز یہ مناسب نہیں کہ اللہ کی مخلوق کو بھوک و افلاس میں مبتلا کریں، ہم تو دنیا سے غربت و تنگدستی کا خاتمہ کرنا چاہتے ہیں، ثمامہ نے آقا ﷺ کا حکم پڑھا تو سر تسلیم خم کر دیا، اور اہل مکہ پر غلہ کی بندش ختم ہو گئی۔

یہ ایک نمونہ ہے، آقائے رحمت ﷺ کے رحم و کرم کا ان دشمنوں پر جو ساری زندگی آپ پر ظلم و ستم ڈھاتے رہے، آپ کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کرتے رہے، اسلام اور مسلمانوں کو تہس نہس کرنے کی ناکام تدبیریں کرتے رہے۔

آتا ہے فقیروں پہ انہیں پیار کچھ ایسا ۔۔۔ خود بھیک بھی دیں اور کہیں منگتا کا بھلا ہو
منگتا تو ہے منگتا کوئی شاہوں میں دکھائے ۔۔۔ جس کو میرے سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

دیگر سرایا

6ہجری کے واقعات میں، مورخین نے درج ذیل سرایا کا بھی ذکر کیا ہے:

سریہ عکاش بن محصن الاسدی، سریہ محمد بن مسلمہ، سریہ ابی عبیدہ بن الجراح، سریہ زید بن حاشہ، سریہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، سریہ زید بن ثابت، سریہ کرز بن جابر، سریہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، سریہ زید بن حارثہ۔

ان تمام سرایا کا مقصد تقریباً ایک ہی تھا، یعنی اطراف مدینہ میں آباد، ان قبیلوں کی سرکوبی اور گوشمالی، جن کا ذریعہ معاش ڈاکہ زنی اور رہزنی تھا، یہ مسافروں کو لوٹتے اور اطراف مدینہ میں موجود مسلمانوں کی چراگاہوں سے ان کے اونٹ ہانک لے جاتے تھے، چونکہ مسلمان صرف اپنے ہی شہروں اور ممالک میں امن و امان کے قیام کے ذمہ دار نہیں، بلکہ ان کی ذمہ داری ہے کہ دنیا کے جس گوشہ سے بھی انہیں بدامنی اور ظلم و ستم کی اطلاع ملے، وہ وہاں پہنچیں ظالموں کا مقابلہ کریں، اور وہاں کے باسیوں کو پرامن اور پرسکون زندگی فراہم کریں، قطع نظر اس کے کہ یہ آبادیاں کس دین اور کس مذہب کے پیروکاروں کی ہیں، امن و سکون ہر ایک کا حق ہے، جو اسے ملنا چاہیے، دہشت گردی اور ظلم دنیا سے مٹنا چاہیے، اسلام نے اپنے ماننے والوں کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے، اور معلم اسلام ﷺ نے غلاموں کو، اپنے سپاہیوں کو یہ ذمہ داری پوری کرنے کی عملی تعلیم دی ہے، اسی تعلیم و تربیت کا حصہ غزوات یا سرایا ہیں، جو صرف ظلم کے استیصال اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے وقوع پذیر ہوئے

اور انہی کے نتیجہ میں، نہ صرف مسلمانوں بلکہ غیر مسلم اقوام کو بھی، پر سکون اور بے خوف وخطر، زندگی میسر آئی، اور وہ جزائرِ عرب، جن میں نہ کسی کی عزت وآبرو محفوظ تھی اور نہ ہی مال ودولت، جہاں مسافروں کے لئے، سفر کرنا، جانوں کو خطرہ میں ڈالے بغیر ممکن نہ تھا، اسلحہ سے لیس بڑے قافلہ تو بحفاظت اپنی منزل تک پہنچ جاتے تھے، لیکن کمزور، چھوٹے قافلے اکثر لوٹ لئے جاتے، اور ان کے پاس جو کچھ بھی مال واسباب ہوتا تھا، وہ اس سے محروم کر دیئے جاتے تھے، اس طرح وہ بھی اپنی گزر اوقات کے لئے لوٹ مار پر مجبور ہو جاتے تھے، گویا، ڈاکو، مزید ڈاکوؤں کو ظالم مزید ظالموں کو جنم دیتے رہتے تھے۔

نبی معظم ﷺ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث فرمایا گیا، جسے جانوروں تک کی تکلیف گوارا نہ تھی، وہ آقائے رحمت ﷺ انسانوں پر انسانوں کا ظلم کب گوارا فرما سکتے، پس انہیں جب اور جہاں سے بھی دہشت گردی کی اطلاع ملی، انہوں نے اپنے مجاہدوں کو دہشت گردوں کی سرکوبی کے لئے دوڑایا، اور وہاں کے باسیوں کو ظلم سے نجات دلائی، اس مقصد کے لئے، بسا اوقات مجاہدین کو اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑا، دہشت گردوں کو تہ تیغ بھی کیا گیا، ان کے جوانوں کو قیدی بھی بنایا گیا، ان کا مال واسباب بھی چھینا گیا، لیکن یہ سب کچھ، نہ چاہتے ہوئے بھی ضروری تھا، کہ اس کے بغیر دہشت گردی کا خاتمہ ممکن نہ تھا، ظالموں کی بیخ کنی ممکن نہ تھی، پس یہ سب کچھ کرنا پڑا، بالکل اسی طرح، جس طرح فصل بونے اور اگانے کے لئے زمین کو جھاڑیوں سے صاف کرنا ضروری ہوتا ہے پس یہ اعتراض احمقانہ ہے کہ مجاہدین اسلام، لوٹ مار کیا کرتے تھے، تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے کبھی، نہ تو پر امن مسافروں کو ستایا، اور نہ پر امن آبادیوں پر وہ کبھی حملہ آور ہوئے، انہوں نے یا تو اسلام کے دشمنوں کی قوت کو پامال کیا اور یا انسانیت کے دشمنوں پر یلغار کی، نتیجتاً کچھ ہی عرصہ بعد پورا عرب امن وامان کا گہوارا بن گیا لوگوں کی عزت وآبرو محفوظ ہو گئی، انہوں نے سکون کا سانس لیا، مسافر بے خوف وخطر دن میں یا رات میں جب چاہتے سفر کرنے لگے۔

انسانیت کی اس بے لوث خدمت نے، مسلمانوں کا بھی وقار بلند کیا، اور اب بمشکل ہی کوئی دشمن ان پر بری نظر ڈالنے کی جراءت کر پاتا تھا، اس کیفیت میں کمی وزیادتی تو ضرور ہوتی رہی، امت مسلمہ کے لئے نشیب وفراز کے دور تو آتے رہے، لیکن کبھی کسی قوم کی ہمت نہ ہوئی، کہ مسلمانوں کو دہشت گرد یا ظالم قرار دے، جیسا کہ ہمارے دور میں ہو رہا ہے، اور ہم ذلت وخواری کے ایسے درک اسفل میں ہیں، کہ ان الزامات کو قبول کرنے پر مجبور ہیں، حتیٰ کہ، دہشت گردی اور ظلم وستم کے استیصال کے نام پر ہم دہشت گردوں اور ظالموں کا آلہ کار بنے ہوئے ہیں، ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں، اور انہی کی طرح مجرم ہیں جان کی حفاظت اور دولت کے لالچ نے ہمیں ذلت وخواری کے یہ دن دکھائے، جس

کہ نہ جان محفوظ ہے اور نہ ہی دولت میسر ہے، اللہ ہی ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

بمردان راحت کہ راہے بدہ وزیں دشمنانم پناہ بدہ

اے اللہ! نیک بندوں کے صدقہ تو مجھے صراط مستقیم پر چلنے کو توفیق عطا فرما، اور ان دشمنوں کے شر سے نجات عطا فرما۔

بہر حال، یہ تمام سرایا، اپنے مفاد اور ذاتی اغراض کی تکمیل کے لئے نہ تھے بلکہ انسانیت کو اس کا حق امن و سکون فراہم کرنے اور دہشت گردوں اور ظالموں سے نجات دلانے کے لئے تھے، نیز دنیا کو یہ پیغام دینا مقصود تھا کہ اسلام امن و امان کے قیام کے لئے، ہر اس جگہ پہنچا اور پہنچتا رہے گا جہاں کمزوروں کی زندگی کو اجیرن بنایا جا رہا ہو اور ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر دیا گیا ہو، کہ حق حقدار کو دلانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے، حقدار چاہے مسلم ہو یا غیر مسلم کہ تقاضائے عدل و انصاف یہی ہے۔

وہ، جو حق سے اپنے لئے چاہتے ہیں وہی ہر بشر کے لئے چاہتے ہیں

غزوۂ حدیبیہ

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عمرے کے لئے ایک سفر تھا، لیکن چونکہ کفار مکہ نے اس میں رکاوٹ پیدا کی اور آپ کو مقام حدیبیہ پر قیام کرنا پڑا، لہٰذا اسے غزوۂ حدیبیہ کہا گیا، اور چونکہ یہیں کفار سے معاہدہ ہوا، لہٰذا اسے معاہدۂ حدیبیہ یا صلح حدیبیہ کا نام بھی دیا گیا، اسی موقع پر آقا ﷺ نے اپنے غلاموں سے خصوصی بیعت لی، اس وقت آپ ایک درخت کے سایہ میں رونق افروز تھے، اس لئے اسے بیعتِ شجرہ کہا جاتا ہے اور چونکہ اس بیعت سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہوا، لہٰذا اسے بیعت رضوان بھی کہا گیا، جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

حدیبیہ ایک کنوئیں کا نام ہے، اس نسبت سے اس آبادی کو حدیبیہ کہا جاتا ہے، جو مکہ مکرمہ سے نو میل کے فاصلہ پر ہے، اس کا اکثر حصہ، حرم میں داخل ہے، یہ واقعہ ذی قعد 6 ہجری میں پیش آیا، کہ آقائے رحمت ﷺ، پیر کی صبح، چودہ سو صحابہ کے جھرمٹ میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، اپنی عدم موجودگی میں اپنی امامت و نیابت کا شرف حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کو عطا فرمایا۔

آپ کے ہمراہ اس سفر میں حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا شریک تھیں، قصویٰ سواری تھی، قربانی کے لئے آپ کے ہمراہ ستر اونٹ تھے، جن کی گردنوں میں بطور علامت قلادے ڈال دیئے گئے تھے، کسی کے پاس اسلحہ نہ تھا، سوائے ایک ایک تلوار کے، جو اہل عرب کی عادت کے مطابق ضروریات سفر کا ایک حصہ ہوتی تھی، یہ تلواریں نیام میں بند تھیں، گویا یہ واضح تھا کہ یہ سفر صرف عمرے کے لئے ہے، کوئی علامت ایسی نہ تھی، جس سے یہ شبہ بھی ہو سکے، کہ یہ کوئی لشکر ہے، جو مکہ پر حملہ آور ہونے کا

ارادہ رکھتا ہے۔

اس سفر کا اصل سبب یہ تھا کہ گزشتہ چھ سال کی مسلسل جدوجہد، متواتر غزوات و سرایا اور نہایت مصروف زندگی کے بعد، اب صحابہ کرام کو قدرے سکون میسر آیا تھا، اور یہ حضرات بے حد خوش تھے کہ اللہ نے انہیں اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے، سب سے عظیم اور بڑی نعمت یہ کہ ان میں ان کے آقا، جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونق افروز ہیں، جو ان کے سکون قلب کا ذریعہ ہیں، خوشیوں اور مسرتوں کا مرکز ہیں، ہر قسم کی الجھنوں اور پریشانیوں کا مداوا ہیں، یہ ضرورت کے وقت حاجت روا ہیں، بے چارگی ولاچاری کے عالم میں سہارا ہیں، ان کی زیارت، خوشیوں کو دوبالا اور غموں کو دور کر دیتی ہے، دنیا کی عزت ووقار کا ذریعہ ہیں اور آخرت میں رفع مراتب کا وسیلہ ہیں۔

خوشا چشمے کہ رخسار تو بیند   خوشا جانے کہ جانانش تو باشی

کس قدر خوش نصیب ہے وہ آنکھ جو تیرے چہرہ انور کی زیارت کرے، اور کس قدر خوش نصیب ہے وہ جان کہ جس کا محبوب تو ہو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حبیب اللہ۔

ہمہ شادی و راحت باشد اے دوست   دراں خانہ کہ مہمانش تو باشی

اے دوست! جس گھر کا مہمان تو ہے، اس میں خوشی ہی خوشی اور راحت ہی راحت ہوتی ہے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا رسول اللہ۔

صحابہ کرام کو ناز تھا، کہ ان کے شہر میں، اللہ کا پیغام نازل ہوتا ہے، کہ جہاں جہاں، رسول پہنچتے ہیں، وہیں، جبرئیل وحی حق لئے حاضر بارگاہ ہوتے ہیں، گویا یہ شہر، مرکز وحی وتجلیات باری تعالیٰ ہے، اس کی حفاظت پر اللہ کے فرشتے مامور ہیں۔

علاوہ ازیں، اللہ نے انہیں فتوحات سے نوازا، ان کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کیا، سیاسی برتری اور معاشی خوشحالی عطا فرمائی، لیکن ایک کانٹا تھا جو ان عاشقوں کو چبھتا رہتا تھا، ایک درد تھا جو ان کے سکون میں مخل ہوتا تھا، کہ اللہ کی تمام نوازشات کے باوجود، آخر ہم اب تک اللہ کے گھر کی زیارت سے کیوں محروم ہیں، آخر کب وقت آئے گا، کہ ہم اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں اللہ کے گھر کا طواف کریں گے، یہ احساس مہاجروں سے زیادہ ان انصار کو تھا، جنہیں اب تک حرم کعبہ کی حاضری کا موقع میسر نہ آیا تھا، صحابہ کرام اپنے اضطراب کا اظہار، گاہے بگاہے آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں کرتے رہتے تھے، اور آپ غلاموں کو یہ فرما کر مطمئن کر دیتے تھے، کہ انشاء اللہ اب جلد ہی وقت آنے والا ہے، اور ایک دن آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کو نوید مسرت سنائی، "میں نے خواب دیکھا ہے کہ ہم سب امن و سلامتی اور آزادی کے ساتھ، حرم کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں، نبی کا خواب عام خواب نہیں ہوتا، جس پر

کسی ردعمل کا اظہار نہ ہو، نبی کا خواب تو وحی الٰہی ہوتا ہے، حکم الٰہی ہوتا ہے، بشارت ہوتا ہے، جو عالم وجود میں ضرور آتا ہے، پس غلاموں نے خواب سنا تو مسرت وخوشی کی انتہا نہ رہی، تکبیر وتسبیح کے نعرے بلند ہونے لگے، آناً فاناً پورے شہر میں خبر پھیل گئی اور عید کا سا سماں نظر آنے لگا، شوق زیارت بیت اللہ اس انتہا کو پہنچا، کہ پروگرام سے پہلے ہی تیاریاں شروع ہوگئیں، بالکل اسی طرح جیسے ہر مسلمان یقینی پروگرام کے بغیر صرف ایک موہوم امید پر مدینہ منورہ کی حاضری کی تیاریاں کرتا رہتا ہے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے غلاموں کے اس شوق کو ملاحظہ فرمایا، تو آپ نے ان کی دلجوئی اور مستقبل کے فوائد کے پیش نظر سفر کا اعلان فرمایا، تیاریاں عروج پر آگئیں، اور بالآخر دیرینہ آرزوؤں کی تکمیل کی امید کے ساتھ، یہ قافلہ روانہ ہوا، مدینہ طیبہ سے تقریباً سات میل کے بعد جب قافلہ مقام ذو الحلیفہ پہنچا تو سب نے احرام باندھا، آقا ﷺ نے دو رکعت نفل ادا کیے، قصوی پر رونق افروز ہوئے اور با آواز بلند تلبیہ کہا۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ۔

قریش کو، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکہ تشریف لانے کی خبر ہوئی، تو انہوں نے اپنی ذہنیت کے مطابق اسے، اللہ کے رسول ﷺ کی ایک جنگی چال قرار دیا، اور کہا کہ عمرے کے بہانے وہ مکہ میں داخل ہونا اور ہمارے شہر پر قبضہ کر لینا چاہتے ہیں، لہٰذا انہوں نے طے کیا کہ ان کی پیش قدمی روکی جائے اور مکہ میں ان کا داخلہ ناممکن بنا دیا جائے، اس مقصد کے لئے انہوں نے خالد بن ولید کو، دو سو سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر دے کر روانہ کیا، یہ لشکر، مقام ذوطویٰ پر خیمہ زن ہوا، جب آقائے رحمت ﷺ کو قریش کے اس احمقانہ فیصلہ کی اطلاع ملی تو آپ کو بہت افسوس ہوا، آپ نے فرمایا، فَمَا تَظُنُّ قُرَیْشٌ "قریش کس گمان میں مبتلا ہیں،" فَوَاللّٰہِ لاَ اَزَالُ اُجَاھِدُ عَلَی الَّذِیْ بَعَثَنِیَ اللّٰہُ بِہٖ حَتّٰی یُظْھِرَ اللّٰہُ اَوْ تَنْفَرِدُ ھٰذِہِ السَّالِفَۃُ" بخدا! میں اس دین کے لئے جہاد کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ اللہ اسے غلبہ عطا فرما دے، یا میری زندگی ختم ہو جائے۔

اب چونکہ حالات تبدیل ہو چکے تھے، قریش نے اس مقدس اور سادہ سفر کو بلاوجہ جنگ کا رنگ دے دیا تھا، لہٰذا جان عالم ﷺ نے، اپنی سنت مبارکہ مطابق مستقبل کا پروگرام مرتب کرنے کے لئے، اپنے غلاموں کو مشورہ کے لئے طلب فرمایا، اس موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی رائے پیش کرتے ہوئے کہا، یارسول اللہ! ہم عمرہ کرنے کے لئے آئے ہیں، جنگ کرنے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں، پس ہمیں اپنی منزل کی طرف رخ کرنا چاہیے، ہاں اگر ہمیں کسی نے، بیت اللہ کی زیارت

اوراس کے طواف سے روکا، تو ہم ضرور اس کا مقابلہ کریں گے، حتیٰ کہ وہ ہمارا راستہ چھوڑ دے، اسید بن حضیر اور دیگر صحابہ نے بھی اس رائے کی تائید کی، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، "سِیْرُوْا عَلٰی اِسْمِ اللّٰہِ" اللہ کے نام سے آگے بڑھو، تاہم جنگ وجدل سے بچنے کی غرض سے بطور احتیاط، آپ نے غیر معروف راستہ سے سفر کرنے کا فیصلہ فرمایا، اور غلاموں سے پوچھا، کیا کوئی ہمیں غیر معروف راستہ سے مکہ لے جا سکتا ہے پس ایک صحابی نے اپنی خدمات پیش کیں، اور قافلہ ان کی راہنمائی میں نہایت دشوار گزار پتھریلے راستوں کو عبور کرتا ہوا حدیبیہ پہنچا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری، جب پتھریلے راستہ سے ہموار میدان میں پہنچی تو آپ نے فرمایا "قُوْلُوْا نَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَنَتُوْبُ اِلَیْہِ" کہو، ہم اللہ سے مغفرت طلب کرتے اور اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، سب نے اس وظیفہ کا ورد کیا، آپ نے فرمایا یہ وہ بات تھی، جس پر عمل کا بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا، اور انہوں نے انکار کرتے ہوئے اس کو بدل دیا، آقا ﷺ کا یہ ارشاد اشارہ ہے، قرآن کریم کے بیان کردہ اس واقعہ کی طرف، کہ جب بنی اسرائیل اپنے مفتوحہ شہر میں داخل ہونے لگے، تو اللہ نے انہیں ہدایت فرمائی، کہ وہ اس موقع پر دیگر فاتحین کی طرح تکبر وغرور کا مظاہرہ کرتے ہوئے مفتوحہ علاقہ میں داخل نہ ہوں، بلکہ نہایت ہی عجز وانکساری اختیار کریں، اس طرح کہ بطور شکر ان کے سر جھکے ہوں، اور ان کی زبانوں پر یہ ورد ہو، فرمایا گیا۔

وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ (بقرہ)

"اور کہتے جاؤ، اے اللہ! ہمیں بخش دے، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، اور ہم نیکو کاروں کو زیادہ دیتے ہیں"۔

کس قدر فضل وکرم تھا، رب کریم کا، بنی اسرائیل پر، کہ صرف طلب مغفرت کا ہی حکم نہ دیا، بلکہ مغفرت کا مژدہ بھی عطا ہوا، نیز، عطائے مزید کا بھی یقین دلایا گیا تھا۔

لیکن یہ قوم بڑی ظالم تھی کہ سرکشی ان کی سرشت میں تھی، کہ کبھی انہوں نے اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا، بلکہ اپنے نبی پر، اپنے ایمان کا احسان ہی جتلاتے رہے اور طرح طرح کے مطالبے ہی کرتے رہے، اور یہی حال آج بھی یہودیوں کا ہے، نسلیں گزر گئیں، زمانہ بیت گیا، لیکن سرشت نہ بدلی، بہر حال اس موقع پر بھی انہوں نے حسب عادت نافرمانی کی، اور "حطة" کی جگہ انہوں نے "حنطة" کی رٹ لگائی، یعنی گیہوں، اس سے ان کی مراد، معاشی خوشحالی اور عیش وعشرت کی زندگی تھی، پس اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب میں مبتلا کر دیا، کہ باغیوں کو وقت مقررہ پر عذاب میں مبتلا کرنا، سنت الٰہیہ رہی ہے۔

حدیبیہ میں قیام

جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام حدیبیہ پہنچے تو قصویٰ بیٹھ گئی، لوگوں نے کہا، شاید اونٹنی تھک گئی ہے، آپ نے فرمایا، "اِنَّمَا حَبِسَهَا حَابِسُ الْفِيْلِ عَنْ مَكَّةَ" اسے، اسی نے روکا ہے جس نے ہاتھیوں کو مکہ جانے سے روکا تھا، کہ اس وقت اصحاب فیل سے کعبہ کی حفاظت مقصود تھی اور آج مکہ کو قتل و غارت سے بچانا ہے، جس کا امکان کفار مکہ کی طرف سے ظاہر ہو رہا ہے، پس آپ نے غلاموں کو یہیں خیمہ زن ہونے کا حکم دیا، کسی نے عرض کی، یارسول اللہ! یہاں دور دور پانی نظر نہیں آ رہا، آپ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور صحابی کو دیتے ہوئے فرمایا، کنوئیں کے اندر اترو اور اس تیر کو گاڑ دو، صحابی تیر گاڑ کر ابھی باہر نہ آپائے تھے، کہ سوتوں سے پانی جاری ہو گیا، دیکھتے ہی دیکھتے کنواں بھر گیا، صلی اللہ علیہ وسلم یا حبیب اللہ۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حدیبیہ پہنچنے کی خبر، قریش کو ہوئی تو وہ ہکا بکا رہ گئے، کہ خالد بن ولید کا لشکر تو انہیں روکنے کے لئے پڑاؤ ڈالے پڑا ہے، اور وہ ہمارے سروں پر آ پہنچے، مکہ میں خوف و ہراس پھیل گیا، حالت جنگ میں حفاظت کی تدابیر سوچی جانے لگیں، باہمی مشورے ہونے لگے، بالآخر قبیلہ بنوخزاعہ کے سردار بدیل بن ورقاء کو چند لوگوں کے ساتھ حدیبیہ بھیجنے کا فیصلہ ہوا، تاکہ وہ صحیح صورت حال معلوم کر کے آئیں، بدیل، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور اس نے آپ کی مکہ آمد کا مقصد معلوم کیا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نہایت وضاحت کے ساتھ حالات بتائے، قربانی کے اونٹوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، دیکھو! ان کی گردنوں میں قلادے پڑے ہیں، یہ عام جانور نہیں قربانی کے جانور ہیں نیز ہمارا حال دیکھو، ہم سب احرام میں ہیں اور اس حالت میں ہم شکار بھی نہیں کر سکتے، جنگ کیا کریں گے، ہمارے پاس کوئی جنگی ساز و سامان نہیں، صرف ایک تلوار ہے، جو سفر کے لئے تم بھی ضروری سمجھتے ہو، پس اہل مکہ کو یقین دلا دو، کہ ہم صرف اور صرف اللہ کے گھر کی زیارت اور طواف کرنے کے لئے آئے ہیں، اور مقصد پورا ہونے پر واپس ہو جائیں گے۔

بدیل بن ورقاء نے حالات پر اچھی طرح غور کیا، اور مکہ آ کر بتایا، کہ حقیقت یہی ہے، کہ محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف عمرہ کرنے آئے ہیں، اس نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ ہمیں ان کا راستہ نہیں روکنا چاہیے، ان کے متعلق تمہارے خیالات غلط ہیں، وہ بالکل پر امن ہیں، صرف عمرہ کریں گے اور کچھ نہیں، لیکن انہوں نے اپنے ہی نمائندے کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا، اس کے بعد کئی نمائندے بھیجے گئے اور سب ہی واپس آ کر ایک سا مشورہ دیتے رہے کہ مسلمانوں کو عمرہ کرنے دیا جائے ہمیں حق نہیں کہ ہم کسی کو اللہ کے گھر سے روکیں، متواتر ایک ہی مشورے کے سبب ان کے خوف و ہراس میں اضافہ

ہوتا رہا اور خلفشار بڑھتا رہا، بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ کسی باوقار تجربہ کار شخص کو سفیر بنا کر بھیجا جائے، اور اس کے مشورے پر عمل کیا جائے۔

عروہ بن مسعود بارگاہ رسالت میں

عروہ بن مسعود ثقفی ایک معمر شخص تھا اہل مکہ اس کا بہت احترام کرتے تھے، کیونکہ اس کے مشورے اور فیصلے اکثر صائب اور درست ہوتے تھے، لوگوں کو اس پر پوری طرح اعتماد تھا، کیونکہ وہ ہمیشہ لوگوں کی بھلائی اور بہتری کی بات کرتا تھا، باختلاف روایت، قریش نے اسے سفارت کے لئے منتخب کیا، یا اس نے معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر خود اپنے آپ کو پیش کیا بہر حال وہ مکہ سے نکل کر، حدیبیہ، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، پہلے اس نے صحابہ کرام کے ہجوم پر نظر ڈالی ان سے گفتگو کی اور ان کے ایمانی جذبات کا اندازہ کیا، پھر اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا، مکہ آپ کی قوم کا مرکز ہے، اگر آپ نے ان آوارہ منش لوگوں کے ساتھ اہل مکہ پر حملہ کیا، تو یہ آپ پر بدنامی کا ایسا دھبہ ہوگا جو کبھی نہ مٹ سکے گا اور اگر جنگ کی نوبت آئی، تو آپ کے یہ ساتھی آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، حضرت ابوبکر صدیق نے جب یہ جملہ سنا تو آپ ضبط نہ کر سکے اور نہایت ہی غضب ناک ہو کر بولے، اے لات کے غلیظ چیتھڑے کو چوسنے والے، کیا تو یہ بکتا ہے کہ جنگ کی حالت میں، ہم اپنی جان سے زیادہ عزیز آقا کو تنہا چھوڑ دیں گے، عروہ یہ انداز گفتگو سن کر ہکا بکا رہ گیا، اور پوچھنے لگا، یہ شخص کون ہے، بتایا گیا یہ ابوبکر ہیں عروہ سر خمیدہ بولا، اے ابوبکر، مجھ پر تمہارا ایک احسان ہے جس کا بدلہ میں اب تک نہ چکا سکا ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تمہاری تلخ کلامی کا ضرور جواب دیتا۔

عرب کی عادت کے مطابق دوران گفتگو، عروہ، آقا ﷺ کی ریش مبارک پر بار بار ہاتھ لگا رہا تھا، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ جو قریب ہی کھڑے تھے، بار بار عروہ کو روکتے رہے، لیکن جب وہ باز نہ آیا، تو نہایت غضب ناک ہو کر بولے، عروہ! اب اگر تو نے اپنے ناپاک ہاتھ سے میرے آقا کی ریش مبارک کو چھوا، تو یہ ہاتھ واپس نہ جا سکے گا، عروہ کہنے لگا: ''مَا اَفَظَّکَ وَاَغْلَظَکَ'' تم کتنے ترش مزاج اور سخت کلام ہو، عروہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا یہ کون شخص ہے، آپ نے فرمایا یہ تیرا بھتیجا مغیرہ ہے۔

چونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے نہایت وضاحت اور دلائل وشواہد سے یہ بتایا کہ ہماری یہاں آمد کا مقصد، سوائے عمرہ کے اور کچھ نہیں، لہٰذا عروہ جب مکہ واپس پہنچا، تو اس نے پہلے نمائندوں سے زیادہ پر اثر انداز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا مقصد بتایا، اور کہا، '' کہ مجھے اس حقیقت میں کوئی شک و شبہ نہیں، کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) اپنے مخلص ساتھیوں کے ساتھ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا تم

انہیں نہ روکو، اور مطمئن رہو کہ وہ چند دن بعد واپس ہو جائیں گے" نیز، اس نے بتایا، کہ میں قیصر و کسریٰ کے دربار میں جا چکا ہوں، لیکن میں نے عقیدت و محبت اور جان نثاری کے وہ جذبات جو غلامان محمد (ﷺ) میں پائے ہیں، مجھے کسی شہنشاہ و حاکم کے درباریوں میں نظر نہ آئے، ان کے غلاموں کا حال یہ ہے، کہ جب آقا تھوکتے ہیں، تو وہ آپ کا لعاب دہن تبرک سمجھ کر ہاتھوں پر لے لیتے اور اپنے چہروں پر مل لیتے ہیں، وہ وضو کرتے ہیں، تو غلام پانی کا قطرہ زمین پر نہیں گرنے دیتے، بلکہ اسے بھی ہاتھوں پر لے کر اپنے چہروں اور سینوں پر مل لیتے ہیں، جب وہ کسی کام کے لئے اشارہ کرتے ہیں تو سب تیار ہو جاتے ہیں اور پہل کرنے کے لئے بے تاب نظر آنے لگتے ہیں، بہر حال اطاعت شعاری، خلوص و محبت اور وفاداری کے ایسے جذبات میں نے کہیں نہ پائے، پس یہ سوچنا بھی بڑی غلطی ہو گی کہ جنگ اور مصیبت کے وقت یہ لوگ اپنے آقا کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے، نہیں وہ اپنے نبی ﷺ کی حفاظت کے لئے جان کی بازی لگا دیں گے، لیکن انہیں تنہا ہرگز نہ چھوڑیں گے، عروہ نے کہا، اے قریش! میں نے جو کچھ دیکھا اور سمجھا، تمہیں بتا دیا ہے، اب جو مناسب ہو، تم فیصلہ کر لو۔

اہل مکہ کی سازش

قریش اگرچہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچایا جائے لیکن انہیں یہ خوف تھا، کہ اگر انہوں نے ایسا کیا تو اطراف عرب کے قبائل یہ یقین کر لیں گے کہ قریش کعبہ کے محافظ و خادم نہیں بلکہ مالک بن بیٹھے ہیں اور جس طرح آج انہوں نے مسلمانوں کو طواف سے روک دیا ہے، اسی طرح جب اور جس کے ساتھ وہ چاہیں گے یہی برتاؤ کر سکتے ہیں، قریش کے خلاف یہ تاثر صرف سیاسی اعتبار سے ہی ان کے لئے نقصان دہ نہ ہوتا بلکہ اس کی وجہ سے انہیں تجارتی اور معاشی خسارہ بھی اٹھانا پڑتا، لہٰذا وہ مسلمانوں پر حملہ کرنے کی بجائے، ایسی حرکتیں کر رہے تھے کہ مسلمان برافروختہ ہو جائیں اور ان پر حملہ کر دیں، اور قریش یہ کہنے میں حق بجانب ہوں کہ ہم نے مسلمانوں کو عمرے سے ہرگز نہ روکا وہ عمرہ کرنے آئے ہی نہ تھے، انہوں نے ہم پر حملہ کیا لہٰذا ہم نے انہیں مکہ میں داخل نہ ہونے دیا، کہ ان کا تو مقصد ہی مکہ پر قبضہ کرنا تھا، بہر حال بدنامی سے بچنے کے لئے وہ خود تو حملہ نہ کرنا چاہتے تھے، لیکن مسلمانوں کو جنگ پر اکسا رہے تھے، تاکہ ان کو ایک عذر ہاتھ آ جائے، جس کے سبب انہوں نے مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے روکا۔ اپنے اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایک رات قریش کے تقریباً پچاس آدمی اسلامی کیمپ میں گھس آئے اور انہوں نے نہتے مسلمانوں پر پتھراؤ کیا اور تیر برسانے شروع کر دیئے، قریب تھا کہ وہ اپنی سازش میں کامیاب ہو جاتے، لیکن مسلمانوں نے صبر و تحمل سے کام لیا اور حسن تدبیر سے سب حملہ آوروں کو پکڑ کر آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا، اور

آپ نے نہایت حکمت وتدبر سے کام لیا، کہ سب کو آزاد کردیا، اسی طرح ایک روز مسلمان نماز فجر میں مصروف تھے کہ اسی آدمی حملہ آور ہوئے، ان سب کو گرفتار کرلیا گیا، لیکن آقائے رحمت ﷺ نے انہیں آزاد کردیا، میرے آقا ﷺ کی حکمت اور تدبر قریش کے لئے مزید پریشانی اور الجھن کا سبب بنا، کہ وہ مسلمانوں سے جنگ کرنا چاہتے تھے، خود حملہ کرنا نہیں چاہتے تھے اور مسلمانوں کو حملہ کرنے کے لئے اکسانے میں کامیاب نہ ہوسکے۔

حضرت عثمان کی مکہ روانگی

قریش اپنے کئی سفیر بھیج چکے تھے، جو دربار نبوی سے مطمئن ہوکر واپس ہوئے لیکن اپنی احمق اور جاہل قوم کو مطمئن نہ کرسکے، حتیٰ کہ عروہ بن مسعود ثقفی بھی ناکام رہا، حالانکہ وہ نہایت پختہ کار اور کہنہ مشق سفیر تھا، لہٰذا کسی بھی طرح فیصلہ کی اب تک کوئی جھلک نظر نہیں آرہی تھی، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل مکہ کے پاس اپنا سفیر روانہ کرنے کا فیصلہ فرمایا، آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، اور انہیں یہ ذمہ داری سونپنے کا ارادہ ظاہر فرمایا، لیکن حضرت عمر نے معذرت کرتے ہوئے معقول وجہ بیان کی، کہ میرے دل میں مشرکین مکہ سے جو عداوت اور نفرت ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہیں، نیز میرے خاندان بنی عدی کا کوئی فرد مکہ میں موجود نہیں، جس سے بوقت ضرورت مجھے کوئی مدد حاصل ہوسکے، لہٰذا میری تجویز ہے کہ یہ ذمہ داری حضرت عثمان غنی کو دی جائے، کہ ان کی کامیابی کا زیادہ امکان ہے، کیونکہ اکثر اہل مکہ پر ان کے احسانات ہیں، ان سے تعلقات ہیں، وہ نرم مزاج بھی ہیں، نیز ان کے خاندان کے لوگ بھی وہاں موجود ہیں، مجھے یقین ہے کہ وہ باآسانی یہ خدمت انجام دے سکیں گے، آقا ﷺ کو، حضرت عمر کی رائے پسند آئی، آپ نے حضرت عثمان کو طلب فرمایا، اور بحیثیت سفیر، انہیں مکہ جانے کا حکم دیا، اور ہدایت فرمائی کہ وہ اپنی ذاتی کوششوں اور اپنے خاندانی اثر ورسوخ سے، اہل مکہ کی غلط فہمیاں دور کریں اور انہیں یہ باور کرانے کی حتی المقدور کوشش کریں کہ مسلمان صرف اور صرف اللہ کے گھر کی زیارت کرنا چاہتے ہیں، وہ ہرگز کسی قسم کا دھوکہ نہ کریں گے، لہٰذا انہیں طواف کعبہ سے نہ روکا جائے، نیز آپ نے ہدایت فرمائی کہ مکہ میں موجود مظلوم و مجبور مسلمان مرد اور عورتوں کو یہ یقین دلانا کہ عنقریب ان کی بے کسی اور بے بسی کے دن ختم ہونے والے ہیں، انشاء اللہ جلد ہی مکہ فتح ہوگا، اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حق غالب آئے گا۔

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ، مکہ کے لئے روانہ ہوئے، حدیبیہ سے نکلتے ہی، آپ کی ملاقات، ابان بن سعید سے ہوگئی، جو آپ کا چچازاد بھائی تھا، آپ نے اسے مکہ میں اپنی سفارتی ذمہ داریوں کے متعلق بتایا، اس نے آپ کو اپنی پناہ میں لے لیا، اور کہا کہ اب آپ اطمینان سے اپنا کام

جاری رکھیں، بعد میں ابان حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مکہ پہنچ کر آپ نے رؤسائے مکہ سے ملاقات کی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکہ تشریف آوری کا مقصد اور اپنے نہتے ساتھیوں کے طواف کعبہ کے لئے جذبات، نہایت وضاحت سے بیان کیے لیکن جو سمجھنا ہی نہ چاہے، اسے کون سمجھا سکتا ہے پس وہ اپنی ضد پر اڑے رہے اور حضرت عثمان کی کوئی بات نہ مانی اور کہا، کہ ہم فیصلہ کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا جائے گا، لہٰذا اس سال آپ کو واپس ہی ہونا ہوگا، ہاں سال آئندہ کے متعلق غور کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عثمان کا مظاہرہ عشق

اہل مکہ سے مزید ملاقاتوں اور سلسلہ گفتگو جاری رکھنے کے لئے حضرت عثمان نے کچھ دن مکہ میں قیام کا فیصلہ کیا، اس دوران انہیں طواف کعبہ کی پیش کش کی گئی، لیکن آپ نے انتہائی محبت بھرا جواب دے کر مشرکین کو حیرت زدہ کر دیا، آپ نے فرمایا "مَا كُنْتُ لِأَفْعَلَ حَتّٰى يَطُوْفَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ" میں اس وقت تک کعبہ کا طواف نہ کروں گا جب تک میرے محبوب آقا ﷺ کو طواف کرنے کا موقع نہیں ملتا۔

اللہ اکبر! حالات کے پیش نظر، عاشق کے اس جواب پر غور فرمایئے چھ سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے، کہ حرم کعبہ کی حاضری میسر نہ آئی، جیسے تیسے وقت آیا تو حرم کے دروازے پر روک دیئے گئے، چودہ سو افراد میں سے صرف عثمان کا مقدر چمکا اور مکہ میں داخل ہو سکے، اب اللہ کا گھر سامنے ہے، صرف اللہ کے رسول کی محبت کی دیوار درمیان میں حائل ہے، اس کے سوا کوئی رکاوٹ نہیں، عثمان کے لئے بڑا امتحان ہے، انہیں فیصلہ کرنا ہے کہ عابد بننا ہے یا عاشق، عثمان نہ بدعقیدہ تھے نہ جاہل، وہ جانتے تھے کہ عابد تو ابلیس بھی تھا، لیکن صرف اور صرف نبی کی عظمت کے انکار کے سبب شیطان بن گیا، مردود بارگاہ ہو گیا، کہ قبولیت عبادت کا ذریعہ عظمت و محبت ہے پس عثمان نے عبادت کے لالچ میں محبوب کی عظمت و محبت سے انحراف گوارا نہ کیا، اور بلا تردد و تامل، کفار کی پیش کش کو ٹھکراتے ہوئے، فیصلہ سنا دیا، کہ جب تک میرے آقا کو طواف کا موقع نہیں ملتا، میں طواف نہیں کر سکتا، کہ انہی کی عبادت کے صدقہ میں ہماری عبادتیں قبول ہوتی ہیں، وہ نہ تھے تو ہم مشرک تھے انہوں نے ہی ہمیں ایمان کی دولت سے نوازا اسلام کا شرف بخشا، پس ان کے وسیلہ کے بغیر قیامت تک کسی کا طواف تو بڑی بات ہے، ایک سجدہ تک قبول نہیں ہو سکتا، یہ ہے نمونہ عشق و محبت۔

ادھر حدیبیہ میں مسلمان اپنے بھائی عثمان کے مقدر پر رشک کر رہے تھے وہ آپس میں کہتے تھے، کہ ان کو خوب موقع ملا، ان کا مقدر خوب چمکا، وہ تو ہر روز عمرہ کرتے ہوں گے، طواف اور سعی کے مزے

لوٹ رہے ہوں گے، آبِ زمزم سے سیراب ہو رہے ہوں گے، ایک دن آقا ﷺ کے حضور، کسی نے ان خیالات کا اظہار کر دیا، آقا نے اپنے غلام پر مکمل اعتماد اور ان کی خوش عقیدگی و محبت کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا ''مَآ اَظُنُّهُ طَافَ بِالْبَيْتِ وَنَحْنُ مَحْصُوْرُوْنَ'' میرا یقین ہے عثمان کعبہ کا طواف، ہمارے بغیر کبھی نہیں کر سکتے، کیسے ممکن ہے کہ ہم یہاں روک دیئے گئے ہیں اور ہمارا سچا عاشق، ہمارا غلام، آزادی سے اللہ کے گھر کا طواف کرلے، جب حضرت عثمان حدیبیہ واپس پہنچے، تو صحابہ نے انہیں اگرچہ حالت احرام میں دیکھا، لیکن سوال کر بیٹھے، اے عثمان! کیا آپ نے طواف کر لیا، اس عاشق صادق نے جواب دیا، ''بِئْسَمَا ظَنَنْتُمْ بِیْ'' آپ لوگوں نے میرے متعلق بہت برا گمان کیا، ''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْمَكَثْتُ بِهَا سَنَةً وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُقِيْمٌ بِالْحُدَيْبِيَةِ مَاطُفْتُ بِهَا حَتّٰى يَطُوْفَ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر میں مکہ میں ایک سال بھی رہتا اور آقا ﷺ حدیبیہ میں مقیم ہوتے، تو بھی میں اس وقت تک ہرگز طواف نہ کرتا، جب تک میرے آقا ﷺ طواف نہ کر لیتے کہ

عشق کے بندوں سے مسلک پوچھنا بے سود ہے　　تیرا در ہر قافلے کی منزل مقصود ہے

بیعت شجرہ

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ﴿۱۸﴾ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۹﴾ (الفتح)

'' یقیناً اللہ تعالیٰ ان مومنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ آپ کی بیعت کر رہے تھے، درخت کے نیچے، پس جان لیا اس نے، جو کچھ ان کے دلوں میں تھا، پس اللہ نے ان پر سکون نازل فرمایا، اور بطور انعام قریبی فتح بخشی اور بکثرت مال غنیمت بخشا، جس کو وہ عنقریب حاصل کریں گے، اور اللہ سب سے زیادہ زبردست، بڑا دانا ہے''۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے، اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضا کا واضح اعلان فرمایا، لہٰذا اسے ''بیعت رضوان'' کہا گیا، اور اس بیعت کے وقت محبوب کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام، ایک سایہ دار درخت کے نیچے رونق افروز تھے لہٰذا اس بیعت کو ''بیعت شجرہ'' کہا گیا، دلوں کا حال جاننے والے، اللہ علیم و خبیر نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست حق پرست پر بیعت کرنے والوں کے خلوص اور عزم مصمم کو

جان لیا، پس ان سے اپنی رضا کا اظہار کرتے ہوئے انہیں، ان خصوصی، انعامات سے بھی نوازا جن کی حدیبیہ کے ماحول میں سخت ضرورت تھی اور جو ان کی مزید ہمت افزائی کا سبب بنے، کہ ان کے مضطرب دلوں کو سکون وچین بخشا، انہیں فتح قریب کا مژدہ دیا، نیز انہیں کثیر مال غنیمت کے حصول کی خبر دی، پس یہ اللہ کے بندے مطمئن ہو کر ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

مکہ میں حضرت عثمان کا قیام کچھ طویل ہو گیا، اسی دوران یہ افواہ پھیل گئی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا، اس افواہ سے صحابہ کرام میں شدید اضطراب پیدا ہو گیا، آقا ﷺ نے غلاموں کو مطمئن کرنے کے لئے اعلان فرمایا، کہ ہم یہاں سے اس وقت تک واپس نہ ہوں گے، جب تک عثمان کا بدلہ نہ لے لیں، نیز آپ نے حکم دیا کہ جان کی بازی لگانے کے لئے بیعت کی جائے، اعلان کا سننا تھا کہ غلام صف آراستہ ہو گئے، اور بیعت کا آغاز ہوا، بیعت کا عنوان یہ تھا، کہ حالات چاہے کتنے ہی سنگین ہوں ہم مقابلہ کریں گے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے آقا ﷺ کا دست مبارک پکڑے ہوئے تھے اور غلام یکے بعد دیگرے مستانہ وار بیعت کر رہے تھے، حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے تین مرتبہ بیعت کی، ابتداء میں درمیان اور آخر میں، آپ فرماتے ہیں "بَایَعْنَاهُ عَلٰی عَدَمِ الْفِرَارِ وَاَنَّهٗ اِمَّا الْفَتْحُ وَاِمَّا الشَّهَادَةُ" ہم نے اس شرط پر بیعت کی کہ ہم فرار نہ ہوں گے، چاہے فتح حاصل ہو یا جام شہادت۔

اب ایک نہایت ہی اہم مرحلہ آتا ہے، ملاحظہ ہو، سب غلام بیعت کر رہے تھے، حضرت عثمان موجود نہیں کہ انہی کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تو بیعت ہو رہی ہے، لیکن غیب کا حال جاننے والے، آقا ﷺ کی نظریں مکہ میں چلتے پھرتے عثمان پر ہیں، پس آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھا اور فرمایا، "اَللّٰهُمَّ هٰذِهٖ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنَّهٗ فِیْ حَاجَتِکَ وَحَاجَةِ رَسُوْلِکَ" اے اللہ! یہ بیعت عثمان کی طرف سے ہے، جو تیرے اور تیرے رسول کے حکم کی تعمیل میں ہے، اس موقع پر علامہ دحلان علیہ الرحمہ نے فرمایا "وَمَا ذَالِکَ اِلَّا لِاَنَّهٗ عَلِمَ بِعَدَمِ صِحَّةِ الْقَوْلِ بِقَتْلِهٖ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بیعت اس لئے فرمائی، کہ آپ کو حضرت عثمان کے شہید نہ ہونے کا علم تھا۔

کیسا قابل رشک مقدر ہے، حضرت عثمان کا کہ آقا اپنے دست مبارک کو غلام کا ہاتھ قرار دے رہے ہیں، ان کی زندگی کا اعلان فرما رہے ہیں، نیز بتا رہے ہیں کہ ہمیں عثمان پر مکمل اعتماد ہے، پس ہم یقین کرتے ہیں کہ وہ ہمارے حکم پر دوسروں کی طرح جان کی بازی لگائیں گے، ان کی جان پہلے ہی ہماری ہو چکی ہے، گویا سب نے اپنی مرضی سے بیعت کی اور عثمان نے آقا ﷺ کی مرضی سے، اس انداز میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ یکتا و یگانہ رہے، جس طرح ذوالنورین ہونے میں ان کا کوئی شریک نہ ہوا۔

اہل مکہ پر بیعت کا اثر

اہل مکہ کو یقین ہو چکا تھا، کہ مسلمان نہتے ہیں حالت احرام میں ہیں، وہ جنگ کے ارادے سے نہیں آئے، جب انہیں پتہ چلا کہ اس صورت حال کے باوجود، انہوں نے اپنے آقا ﷺ کے ہاتھ پر جانبازی و جاں نثاری کی بیعت کی ہے اور وہ بھی قتل عثمان کی ایک افواہ پر، تو وہ مسلمانوں کی اس ہمت و جرأت اور جذبۂ اطاعت پر حیران ہوئے، اور ان میں خوف و سراسیمگی کی ایسی کیفیت پیدا ہوئی، کہ وہ سنجیدگی سے مسئلہ کا کوئی نہ کوئی حل تلاش کرنے پر مجبور ہو گئے، انہوں نے اپنی مشاورتی کونسل کا اجلاس بلایا، جس میں بیعت رضوان کے نتیجہ میں اس خطرے کا برملا اعتراف کیا گیا، اگر ہم نے اس مسئلہ کو کوئی اہمیت نہ دی اور اس سلسلے میں جلد کوئی اقدام نہ کیا، تو عین ممکن ہے، کہ مسلمان مکہ پر ہلہ بول دیں، جو ہمارے لئے بے حد پریشانی کا باعث ہوگا، لہٰذا فیصلہ کیا گیا کہ کسی باصلاحیت موزوں شخص کو سفیر بنا کر حدیبیہ بھیجا جائے، جو مذاکرات کے ذریعے مسئلہ کا ایسا حل نکالے، جس سے اہل عرب میں ہماری ساکھ بھی باقی رہ جائے، اور وہ مسلمانوں کے لئے بھی قابل قبول ہو، لہٰذا سہیل بن عمرو کو منتخب کیا گیا، جسے معاہدہ کرنے کا مکمل اختیار دیا گیا، لیکن بنیادی شق یہ متعین کر دی گئی، کہ مسلمانوں کو بہر صورت اس سال واپس جانا ہوگا ہاں آئندہ سال وہ مکہ میں صرف تین دن کے لئے آ سکتے اور عمرہ کر سکتے ہیں، سہیل کو بتایا گیا کہ یہ شرط لازم ہے، کیونکہ اگر اب مسلمانوں کو عمرہ کی اجازت دے دی گئی تو سارے عرب میں ہماری بدنامی ہوگی، اور یہی کہا جائے گا، کہ مسلمان بزور شمشیر اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے، قریش ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔

سہیل اپنے دو ساتھیوں حویطب اور مکرز کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں پہنچا، تو آقا ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا، "قَدْ سَهَلَ اَمْرُکُمْ" اب تمہارا معاملہ آسان ہو گیا، معلوم ہوتا ہے قریش صلح پر آمادہ ہو گئے اور سہیل اسی مقصد سے آیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ سہیل سے گفتگو کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گئے، عبادہ بن بشر اور سلمہ بن اسلم، بطور محافظ آپ کے پیچھے کھڑے ہو گئے، سہیل نہایت ادب و احترام سے حاضر ہو کر دوزانو بیٹھ گیا، آقا ﷺ کے اردگرد غلاموں کا جھرمٹ تھا، جو کسی فیصلہ کا محض اس لئے بے چینی سے انتظار کر رہے تھے، کہ شاید انہیں اللہ کے گھر کی حاضری میسر آ جائے، لیکن ساتھ ہی وہ اپنے آقا ﷺ کے حضور سر تسلیم خم کیے ہوئے، آقا کے ہر حکم پر امنا و صدقنا کہنے اور تعمیل کرنے کے لئے پوری طرح آمادہ تھے۔

صلح نامہ پر گفتگو

سہیل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالیہ میں قریش کا پیغام پہنچایا اور بتایا، کہ وہ صلح چاہتے ہیں اور میں ان کے نمائندے کی حیثیت سے صلح کی شرطوں پر گفتگو اور باہمی رضامندی کے بعد صلح نامہ تیار کرانے کے لئے حاضر ہوا ہوں، صلح پسند آقا ﷺ نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور گفتگو کا آغاز ہوا، دوران گفتگو، آوازیں پست و بلند ہوتی رہیں قریش کی سراسر زیادتیوں پر، صحابہ کے درمیان بھی اختلاف پیدا ہوا اور باہمی انتشار تک نوبت آئی لیکن سب اپنے محبوب آقا کے اطاعت شعار تھے، لہٰذا جونہی آپ انگلی کے اشارے سے خاموشی کا حکم دیتے سب خاموش ہو جاتے تھے، طویل گفتگو کے بعد صلح نامہ کی شقیں متعین ہوئیں، اور ان کو دستاویز کی صورت دینے کا فیصلہ کیا گیا، اللہ کے رسول ﷺ نے صلح نامہ لکھنے کے لئے، اوس بن خولی کو طلب فرمایا، لیکن سہیل نے فوراً اعتراض کیا، اور بولا یہ کام، حضرت علی یا حضرت عثمان سے کرایا جائے، لہٰذا آپ نے حضرت علی کو بلایا اور فرمایا لکھو، **بسم اللہ الرحمن الرحیم** سہیل تڑپا اور بولا، یہ رحمٰن ورحیم لکھنا تو آپ کا طریقہ ہے، ہم تو **باسمک اللھم** لکھتے ہیں، لہٰذا یہی لکھا جائے سہیل کی اس بکواس پر صحابہ میں اضطراب کی کیفیت پیدا ہونے لگی، تو آقا ﷺ کی انگلی کا اشارہ نظر آیا اور سب خاموش ہو گئے، اور اللہ کے رحم وکرم سے محروم بدنصیب کی تجویز کے مطابق، صلح نامہ کا آغاز **باسمک اللھم** سے کیا گیا۔

اب شمع رسالت کے پروانوں، عاشقوں کے لئے ایک نہایت ہی صبر آزما مرحلہ آتا ہے، کہ آقا ﷺ نے حضرت علی کو حکم دیا، اب آگے لکھو، "**هٰذَا مَا اصْطَلَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**" یہ جملہ سن کر تو کافر پہلے سے بھی زیادہ بھڑکا اور تڑپ کر بولا، کہ اختلاف کی بنیاد تو رسول اللہ ہے اگر ہم آپ کو اللہ کا رسول تسلیم کرتے، تو آپ کو مکہ سے کیوں روکتے اور صلح نامہ کی نوبت کیوں آتی، لہٰذا محمد بن عبداللہ، لکھا جائے، غور فرمایئے عشق ومحبت کے متوالوں پر کیا گزری ہوگی، یہ لمحہ ان کے لئے کیسا کٹھن ہوگا، حیرت سے سب ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے، آپس میں کہنے لگے، یہ کیسا ظلم ہے کہ ہم اپنے آقا کو، محمد رسول اللہ، بھی نہیں لکھ سکتے، یہ صبر وضبط کی انتہا تھی، آنکھوں میں خون اتر آیا، ممکن تھا کہ غلام ناموس رسالت کے تحفظ کے لئے، حکمت ومصلحت کی حد سے تجاوز کر بیٹھتے، لہٰذا آقا ﷺ نے پھر اشارۂ انگشت کیا، جسے دیکھتے ہی سب مچل کر رہ گئے، خاموش ہو گئے اور محفل پر سناٹا طاری ہو گیا، حضرت علی کو حکم ملا لکھو، محمد بن عبداللہ، کہ میں عبداللہ کا بیٹا ہوں اور اللہ کا رسول بھی، حضرت علی نے حکم کی تعمیل کی، اور کانپتے ہاتھ سے محمد رسول اللہ کی جگہ، محمد بن عبداللہ لکھا، ﷺ

سہیل کا ساتھی حویطب، جاں نثاروں کی یہ حالت دیکھ کر حیرت زدہ تھا، وہ اپنے تیسرے ساتھی،

مکرز سے کہنے لگا: "مَا رَأَيْتُ قَوْمًا أَحْوَطَ لِدِيْنِهِمْ مِنْ هٰؤُلَاءِ" میں نے کسی قوم کو اپنے دین کے بارے میں اتنی زیادہ احتیاط کرنے والا نہ دیکھا، بہر حال نہایت نازک مراحل سے گزرنے کے بعد، جو صلح نامہ ضبط تحریر میں آیا، اور جس پر فریقین کے دستخط ہوئے اس کا ترجمہ یہ ہے:

اے اللہ تیرے نام سے، یہ وہ معاہدہ ہے، جس پر محمد بن عبداللہ اور سہیل بن عمرو نے صلح کی ہے، انہوں نے اس بات پر صلح کی ہے کہ دس سال تک فریقین میں جنگ نہ ہوگی، لوگ امن سے رہیں گے اور کوئی کسی دوسرے پر دست درازی نہ کرے گا، کوئی چوری اور خیانت کا ارتکاب نہ کرے گا، ہم ایک دوسرے کے راز افشاء نہ کریں گے، اور جس قبیلہ کی مرضی ہو وہ محمد (ﷺ) سے معاہدہ کرے اور جس کی مرضی ہو وہ قریش سے معاہدہ کر لے، مکہ والوں میں سے جو شخص اپنے ولی کی اجازت کے بغیر محمد (ﷺ) کے پاس آئے گا، تو آپ اسے واپس کر دیں گے، اور اگر اصحاب رسول میں سے کوئی شخص قریش کے پاس آئے گا تو وہ اسے واپس نہ کریں گے، اور محمد (ﷺ) اس سال اپنے صحابہ سمیت واپس چلے جائیں گے، جب کہ سال آئندہ وہ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ کرنے آسکیں گے، مکہ میں صرف تین روز قیام کریں گے، تلوار کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا ہتھیار نہ ہوگا، اور تلواریں بھی نیاموں میں بند ہوں گی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے معاہدے پر دستخط، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عثمان بن عفان، حضرت ابوعبیدہ بن جراح اور حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم نے کیے، جب کہ مشرکین کی طرف سے، حویطب بن عبدالعزیٰ اور مکرز بن حفص کے دستخط ہوئے، معاہدہ کی اصل، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس رہی، جب کہ اس کی نقل سہیل کے سپرد کر دی گئی۔

حضرت علی کی مجبوری

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل میں، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی جگہ بادل نخواستہ، باسمک اللھم کا جملہ تو لکھ دیا، لیکن محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) لکھنا ان کے لئے بہت ہی دشوار امر تھا، جب کہ ایک طرف حکم رسول تھا اور دوسری طرف تقاضۂ عشق و محبت، تقاضۂ ادب و احترام، یہ ان کی مجبوری تھی جس نے قلم کو پکڑ رکھا تھا نیز حضرت اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ بھی آپ کی تائید کر رہے تھے اور برابر کہہ رہے تھے اگر ہم نے، رسول اللہ کا جملہ قلمزد کر دیا، تو یہ ہمارے ضعف ایمان کا ثبوت ہوگا، لیکن اللہ کے رسول ﷺ بہر صورت معاہدے کی تکمیل کے خواہاں تھے، کیونکہ آپ مستقبل میں اس معاہدے کے فوائد سے بخوبی باخبر تھے، جب کہ آپ کے سوا ان فوائد کا

کوئی تصور تک نہ کرسکتا، پس آپ نے غلاموں کے جذبات عشق ومحبت کو قابو کیا اور حضرت علی سے فرمایا، (بروایت امام بیہقی) ''قَالَ لِعَلِيٍّ اُمْحُهُ'' حضرت علی کو حکم دیا، اسے مٹا دو، ''فَاَبٰی'' حضرت علی نے معذرت کی، ''فَمَحَاهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ'' تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اپنے دست مبارک سے مٹا دیا ''وَكَتَبَ هٰذَا مَا صَالَحَ عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰهِ'' اور خود ہی تحریر فرمایا، یہ وہ صلح ہے جس پر محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے کفار مکہ سے صلح کی ہے، چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے غلاموں کے جذبات عشق ومحبت کا اندازہ تھا، لہٰذا آپ نے اس بظاہر حکم عدولی پر کسی قسم کا اظہار ناراضگی نہ فرمایا، بلکہ ان کی دلجوئی فرمائی اور حسب حال از خود الفاظ تبدیل فرما دیئے۔

دوران معاہدہ ایک حادثہ

صلح نامہ کی شرائط طے ہو چکی تھیں، لیکن ابھی تکمیل کے لئے، فریقین کے دستخطوں کا مرحلہ باقی تھا، کہ اسی دوران ایک نہایت دردناک حادثہ پیش آیا، حضرت ابو جندل بن سہیل ایک عرصہ قبل مسلمان ہو چکے تھے، اپنے باپ سہیل اور اہل مکہ کے اسیر تھے جو ان پر دل کھول کر ظلم کر رہے تھے، کسی سرکش جانور کی طرح انہیں زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، جب انہیں حدیبیہ میں حضور آقائے رحمت ﷺ کی آمد کا پتہ چلا، تو اس وقت سے انہوں نے کسی نہ کسی طرح حدیبیہ پہنچ کر رحمۃ للعالمین ﷺ کے دامن میں پناہ لینے کا فیصلہ کیا، اور آخر کار یہ کامیاب ہوئے اور عین اس وقت حدیبیہ پہنچ گئے، جب ان کا باپ سہیل مسلمانوں سے معاہدہ کرنے میں مصروف تھا۔

ابو جندل زنجیروں میں جکڑے لوٹتے، پوٹتے کسی نہ کسی طرح جب حدیبیہ کے قریب پہنچے اور مسلمانوں کی ان پر نظر پڑی تو وہ اپنے مظلوم بھائی کی مدد اور انہیں پناہ دینے کے لئے تیزی سے ان کی طرف دوڑے، انہیں سہارا دیا اور آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر کیا، سہیل نے جب اپنے بیٹے کو دیکھا، تو وہ بلبلا اٹھا اور انہیں زدوکوب کرنے لگا، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، سہیل انہیں نہ مارو، تم ان پر بہت ظلم کر چکے ہو اب یہ ہماری پناہ میں ہیں، سہیل نے کہا ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا یہ میرا بیٹا ہے مجھے حق ہے کہ اس کے ساتھ جیسا چاہوں سلوک کروں، یہ ہمارا پہلا آدمی ہے جو آپ کی پناہ میں آنا چاہتا ہے، میں معاہدے کے مطابق اس کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہوں اور آپ کو معاہدے کے مطابق میرا یہ مطالبہ ماننا ہوگا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ابھی تو معاہدہ مکمل ہوا ہی نہیں صرف اس کی شقیں طے پائی ہیں جب تک کسی معاہدے پر فریقین کے دستخط نہ ہوں، وہ مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی فریقین میں سے کوئی اس کا پابند ہوتا ہے، لیکن وہ خبیث اپنی ضد پر اڑا رہا، اس صورت حال نے مسلمانوں کو بھی بیخ پا کر دیا، قریب تھا کہ وہ اپنے مظلوم بھائی کی مدد کے لئے سہیل پر حملہ کر دیں، لیکن پیغمبر امن وسلامتی ﷺ

نے پھر اپنے غلاموں کو روکا انہیں صبر واستقلال کی تلقین فرمائی، اور فیصلہ فرمایا کہ صلح نامہ کی بقا اور قیام امن کے لئے ایک اور قربانی دی جائے، پس آپ نے نہایت محبت سے اپنے غلام ابوجندل کو اپنے قریب کیا، اور فرمایا ''اے ابوجندل! صبر کرو اس پر اجر کی اللہ سے امید رکھو، یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اور تمہارے کمزور ساتھیوں کے لئے نجات کا راستہ بنانے ہی والا ہے، ہم نے قوم کے ساتھ صلح کر لی ہے، اور ان کے ساتھ عہد و پیمان کر لیا ہے، لہٰذا اب ہم عہد شکنی نہیں کر سکتے''۔

آقائے رحمت ﷺ کے اس فیصلہ نے نہ صرف ابوجندل بلکہ تمام ہی غلاموں کو تڑپا دیا، اور پیکر اطاعت و وفا غلاموں کے سامنے ابوجندل کو ظالم گھسیٹ کر لے گئے اور وہ کچھ نہ کر سکے، لیکن حقیقت یہ ہے، کہ یہ کمزوری نہ تھی بلکہ آقا ﷺ کی اطاعت کا ایک نمونہ تھا، امن و امان کے قیام کے لئے قربانی کی ایک مثال تھی، تا کہ قیامت تک کوئی انصاف پسند، دیانت دار شخص یا قوم مسلمانوں پر بدعہدی یا دہشت گردی کا الزام نہ لگا سکے۔

مسلمانوں کا معاہدے پر ردعمل

مسلمانوں کو جب اس معاہدے کی تفصیلات معلوم ہوئیں، تو وہ غم واندوہ سے نڈھال ہو گئے، اور بے حالی میں کوئی ادھر اور کوئی ادھر جا بیٹھا، سب خاموش تھے، کوئی کسی سے بات کرنا گوارا نہ کر رہا تھا، کیونکہ ان کے لئے اپنے آقا کی عزت و ناموس اور اسلام کی حفاظت کے لئے جانیں قربانی کر دینا تو آسان تھا، لیکن کفار سے دبنا ان کی شرائط کو تسلیم کرنا اور ان کی مرضی کا معاہدہ کر لینا، ہرگز قابل برداشت نہ تھا، جب کہ حقیقت بالکل اس کے برعکس تھی، جسے مستقبل کا حال جاننے والے نبی مکرم ﷺ کے سوا کوئی نہ جانتا تھا، لہٰذا آپ اس معاہدے پر مطمئن تھے اور ثانی اثنین کی خوبی کا مظاہرہ یہاں بھی ہوا، کہ اس معاہدے پر، دوسرے مطمئن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نظر آ رہے تھے، کہ آپ سے جو بھی صلح نامہ کے متعلق پوچھتا، تو آپ کا جواب ہوتا، ''اَیُّھَا الرَّجُلُ اِنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَلَیْسَ یَعْصِیْ رَبَّهٗ وَھُوَ نَاصِرُهٗ'' اے شخص! حضور اللہ کے رسول ہیں، وہ اپنے رب کی نافرمانی نہیں کرتے، اور وہی آپ کا مددگار ہے۔

اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبت صحابی بھی اضطراب و بے چینی کی کیفیت سے نہ بچ سکے، جب انہوں نے مظلوم ابوجندل کو بے یار و مددگار دیکھا، کہ سہیل انہیں جانور کی طرح گھسیٹتا لے جا رہا ہے، تو وہ ضبط نہ کر سکے، اور آقا ﷺ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر بولے، یا رسول اللہ! کیا آپ رسول برحق نہیں، آپ نے فرمایا بے شک میں رسول برحق ہوں حضرت عمر نے کہا، کیا ہم حق پر نہیں، آپ نے فرمایا بلاشبہ ہم حق پر ہیں، عرض گزار ہوئے، تو ہم دین میں یہ ذلت کیوں

برداشت کریں، آپ نے فرمایا میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہ میری مدد کرے گا، حضرت عمر عرض کرنے لگے، کیا آپ نے یہ نہ فرمایا تھا، کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کریں گے، آپ نے فرمایا، ہاں، لیکن یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسی سال کریں گے، حضرت عمر خاموش ہو گئے اور اسی حالت اضطراب میں حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے اور اپنی پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے بعینہ یہی گفتگو ان سے کی اور ابوبکر نے بعینہ یہی جواب دیئے، جو آقا صلی اللہ علیہ وسلم دے چکے تھے، نیز فرمایا ''فَاسْتَمْسِکْ بِغَرْزِہٖ حَتّٰی تَمُوْتَ'' آخر دم تک ان کی رکاب کو مضبوطی سے تھامے رہو، ''فَوَ اللّٰہِ اِنَّہٗ عَلَی الْحَقِّ وَاَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' اللہ کی قسم، وہ حق پر ہیں اور وہ اللہ کے رسول ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا، ''وَاَنَا اَشْھَدُ اَنَّہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' اور میں بھی گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔

بہرحال اس معاہدے کی شرائط چونکہ بظاہر کفار کے حق میں نظر آ رہی تھیں لہٰذا مسلمان انہیں سن کر بے حد افسردہ اور دل شکستہ ہوئے، خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بہت زیادہ اثر ہوا، جس کا اندازہ ان کی اس گفتگو سے کیا جا سکتا ہے، جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور پھر حضرت ابوبکر صدیق سے کی ان کی زبان پر یہ کلمات صرف جذبۂ محبت اور غیرت وحمیت ایمانی کے باعث آئے، معاذ اللہ بے ادبی یا گستاخی، حکم عدولی یا نافرمانی حضرت عمر کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی، تاہم وہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں، اپنے انداز گفتگو اور کلمات گفتگو پر ہمیشہ نادم رہے، جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں:
''فَمَازِلْتُ اَتَصَدَّقُ وَاَصُوْمُ وَاُصَلِّیْ وَاَعْتِقُ مِنَ الَّذِیْ صَنَعْتُ یَوْمَئِذٍ مَخَافَۃَ کَلَامِیَ الَّذِیْ تَکَلَّمْتُ بِہٖ حَتّٰی رَجَوْتُ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرًا'' یہ کلمات جو میری زبان سے نکلے، ان کی تلافی کے لئے میں صدقہ کرتا رہا روزے رکھتا رہا، نوافل پڑھتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا، تاکہ جو لغزش مجھ سے اس (حدیبیہ کے) دن سرزد ہوئی تھی وہ معاف کر دی جائے، یہ سلسلہ میں نے جاری رکھا یہاں تک کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت وبھلائی کی قوی امید ہو گئی۔

حدیبیہ سے واپسی

صلح کے اہم عمل سے فراغت کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں تین دن مزید قیام فرمایا، شاید اس لئے کہ غلام کچھ آرام کر لیں اور تازہ دم ہو کر سفر کیا جائے، لیکن صحابہ کرام اس قدر پژمردہ، افسردہ اور دل شکستہ تھے کہ سب کے چہرے مرجھائے ہوئے تھے، معلوم ہوتا تھا کہ نہ جانے کتنے تھکے ہوئے یا بیمار ہیں کہ اس سے پہلے کبھی، حتیٰ کہ جنگوں کے بعد بھی اللہ کے ان سپاہیوں کو اس حال میں نہ دیکھا گیا تھا، ظاہر ہے اس کی ایک وجہ تو تکمیل ارادہ یعنی طواف کعبہ سے محروم رہنا اور دوسری وجہ وہ معاہدہ جس میں بظاہر کفار کی ہر بات کو تسلیم کرنا پڑا تھا، ان حضرات کے صدمہ کا اندازہ

اس سے کیا جا سکتا ہے کہ جب اللہ کے رسول ﷺ نے قربانی کرنے اور احرام کھول دینے کا حکم دیا، تو سب روٹھے، روٹھے اپنی جگہ بیٹھے رہے، آقا ﷺ کو اپنے غلاموں کی اس حالت پر افسوس ہوا اور خاموشی سے آپ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے، اور ام المومنین حضرت ام سلمہ کو صحابہ کی یہ کیفیت بتائی انہوں نے تجویز پیش کی، کہ آپ کسی سے کچھ نہ فرمائیں بس اپنی قربانی کرلیں، بال ترشوالیں، لہٰذا آپ نے ایسا ہی کیا، جب صحابہ نے آپ کو قربانی کر کے احرام اتارتے دیکھا تو اب انہیں یقین ہو گیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپسی کا فیصلہ فرما چکے ہیں اور اب طواف کعبہ کرنے کا کوئی امکان نہیں رہا، لہٰذا سب نے اپنی قربانیاں کیں اور احرام سے آزاد ہو گئے، تیسرے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہو گئے۔

دعائے برکت

اس سفر کے دوران متعدد معجزات رونما ہوئے جنہیں انشاء اللہ باب المعجزات میں بیان کیا جائے گا، یہاں صرف ایک واقعہ پیش نظر ہے کہ واپس ہوتے ہوئے جب قافلہ مقام عسفان پہنچا، تو خوراک کا سامان ختم ہو چکا تھا بعض صحابہ نے سواری کے اونٹوں میں سے چند اونٹ ذبح کرنے کی اجازت طلب کی، آقا نے اجازت دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ لوگ خوراک کے لئے سواری کے اونٹوں کو ذبح کرنے کا انتظام کر رہے ہیں تو آپ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! ابھی سفر باقی ہے، کسی مقام پر بھی کوئی ناخوشگوار صورت پیش آسکتی ہے، مناسب ہوگا، کہ سواری کے اونٹ ذبح کرنے کی آپ ممانعت فرمادیں، رہا معاملہ خوراک کا تو مناسب ہوگا کہ آپ تمام صحابہ کو حکم دیجئے، کہ جس کے پاس جو کچھ کھانے کا بچا ہوا سامان ہے وہ آپ کے سامنے جمع کر دیں اور آپ اس پر دعائے برکت کر دیں، اللہ تعالیٰ آپ کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے، لہٰذا خوراک کا مسئلہ طے ہو جائے گا، آقا ﷺ نے اپنے ذہین غلام کی اس تجویز کو پسند فرمایا، اونٹ ذبح کرنے سے لوگوں کو روک دیا گیا اور کھانے کا سامان جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چمڑے کے دستر خوان پر سب لوگوں نے اپنا اپنا سامان لا کر رکھ دیا، جو زیادہ سے زیادہ سو آدمیوں کی خوراک کے مساوی ہوگا، مستجاب الدعوات ﷺ نے دعا کی اور غلاموں میں کھانا تقسیم کرنے کا حکم دیا، سو آدمیوں کا یہ کھانا پندرہ سو آدمیوں کے لئے بخوبی پورا ہو گیا اور اصل بچا رہا، اللہ کے اس جود و عطا پر اللہ کے محبوب ﷺ مسکرائے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک نظر آنے لگے۔

مژدۂ فتح مبین

حدیبیہ سے افسردہ و پژمردہ قافلہ مدینہ کے لئے روانہ ہوا، ہر شخص اس خیال سے خون کے آنسو بہاتا نظر آرہا تھا کہ اس سے زیادہ ذلت آمیز، ہزیمت و شکست کبھی نہ ہوئی، صحابہ کرام کے لئے یہ ایک نہایت ہی صبر آزما امتحان تھا، جس میں بالآخر وہ کامیاب ہوئے، اللہ کو اپنے محبوب کے محبوب غلاموں پر رحم آیا، اور دوران سفر ہی، حضرت جبرئیل علیہ السلام ہدیہ تبریک کے ساتھ پیغام رب کریم لے کر حاضر بارگاہ ہوئے "اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا" بے شک ہم نے آپ کے لئے فتح مبین کا دروازہ کھول دیا، سورۃ فتح کی یہ پہلی آیت، غمزدہ مسلمانوں کے لئے مژدۂ فتح تھی، ان کے صبر کا عظیم صلہ تھی جس صلح کو ظاہر بیں نگاہوں نے اپنی شکست خیال کیا تھا وہی فتح مبین کا ذریعہ قرار دی گئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو بہت ہی غمزدہ تھے، آیہ مبارک سن کر، آقا ﷺ سے عرض گزار ہوئے، کہ کیا یہ معاہدہ فتح مبین ہے، آپ نے فرمایا ہاں، یہی میرے رب کا ارشاد ہے، اللہ کے اس ارشاد کو جس نے سنا اس کا غم ڈھل گیا، افسردگی ختم ہوگئی، مرجھایا ہوا چہرہ تروتازہ ہوگیا، ایمان کو تقویت حاصل ہوئی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ مردہ جسموں میں دوبارہ جان پڑگئی، جو قدم اٹھائے نہ اٹھ رہے تھے اب وہ اللہ کی حمد وثناء کرتے ہوئے اپنے آقا ﷺ کی محبت میں مستانہ وار مدینہ طیبہ کی طرف بڑھنے لگے، سفر بھی جاری تھا اور برکات وسلامتی کا سلسلہ بھی، آقائے رحمت ﷺ نے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا "اُنْزِلَتْ عَلَيَّ ضُحًى اٰيَةٌ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيْعًا ثَلَاثًا" چاشت کے وقت مجھ پر ایک سورت (الفتح) نازل ہوئی ہے، جو مجھے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے (آپ نے اس جملہ کا تین بار اعادہ فرمایا)۔

اس موقع پر ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ سورۂ فتح کی، ان آیات کی مختصر تشریح کی جائے جن میں اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنے خصوصی انعامات کو بیان فرمایا، نیز ان انعامات کا ذکر کیا گیا، جو آپ کے صدقہ میں آپ کے غلاموں پر کیے گئے، ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا، یقیناً ہم نے آپ کو شاندار فتح عطا فرمائی، یعنی صلح حدیبیہ درحقیقت ایک شاندار فتح ہے، اس فتح کی نسبت بطور خاص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کی گئی، تاکہ اس فتح پر خوش ہونے والے اور ناز کرنے والے یہ یقین رکھیں کہ انہیں اللہ کا یہ انعام اور اللہ کی طرف سے یہ اعزاز، اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حسن تدبیر، حکمت ومصلحت، باصلاحیت قیادت کے طفیل نصیب ہوا، جس کا مظاہرہ حدیبیہ میں بار بار ہوتا رہا، یہ معاہدۂ فتح مبین کس طرح ثابت ہوا، انشاء اللہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ، تا کہ اللہ تعالیٰ آپ سے وہ الزام جو آپ پر (ہجرت سے پہلے) لگائے گئے دور فرمادے اور وہ الزام جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے، ہجرت سے پہلے اہل مکہ میرے آقا ﷺ کو، کاہن، شاعر، ساحر اور مجنون کہتے رہے، نیز الزام لگاتے رہے، کہ جن آیتوں کو یہ کلام الٰہی کہتے ہیں، وہ ان کی من گھڑت ہیں، ان کی باتیں وہ افسانے ہیں جو یہ کسی اور سے سنتے ہیں یا انہیں کوئی پڑھاتا ہے (العیاذ باللہ)

ہجرت کے بعد، آپ پر الزامات لگائے گئے کہ انہوں نے قوم کو اختلاف و انتشار میں مبتلا کر دیا، بھائی کو بھائی سے، اولاد کو ماں باپ سے جدا کر دیا، انہوں نے جنگ کی آگ بھڑکا کر مکہ کو اجاڑ دیا، ہمارے تجارتی راستوں کو خطرناک بنا کر، ہمارے قومی انتظامات کو درہم برہم کر ڈالا، وغیرہ وغیرہ، (معاذ اللہ)۔

اللہ نے فرمایا، صلح حدیبیہ بایں صورت فتح مبین ہے، کہ اس سے وہ تمام الزامات جو، اے محبوب! آپ پر ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد لگائے گئے، سب غلط ثابت ہو گئے، اور آپ کی ذات مبارکہ ہر قسم کے الزامات سے پاک و صاف ہو کر چمکنے لگی، اس معاہدے نے ان الزامات کو کس طرح دھو ڈالا، تفصیل آگے آتی ہے۔

وَيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ، اور (تا کہ) آپ پر اپنے انعام کو مکمل فرمادے، کہ یہ صلح ہی ہماری نعمتوں کے تمام اور دین متین کے اکمال کا سبب بنی، اسی کے بعد دین کی سربلندی اور دور دراز ممالک تک اسلام کے پیغام کی رسائی کا وقت آیا، تفصیل آتی ہے۔

وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا، اور (تا کہ) آپ کو سیدھی راہ پر چلائے، بایں معنیٰ کہ اشاعت اسلام کی راہ میں پیش آنے والی تمام رکاوٹیں، اس صلح ہی کے بعد دور ہو گئیں، کانٹوں بھرا راستہ صاف و ستھرا ہو گیا، نتیجتاً پیغام حق کی اشاعت کا کام سہل و آسان اور مزید تیز ہو گیا، نیز فرائض نبوت کی، ذمہ داری کو بسہولت پورا کرنے کے لئے، ہم نے مسدود راہوں کو آپ کے لئے کشادہ کر دیا، تفصیل انشاء اللہ آگے آتی ہے۔

وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا، اور (تا کہ) اللہ تعالیٰ آپ کی زبردست مدد فرمائے گا، کہ اے پیارے! اب آپ ہمیشہ ہمیشہ غالب رہیں گے، اب فتح و کامرانی کا دور آ چکا، اس میں کوئی خلل واقع نہ ہوگا، کوئی رکاوٹ پیدا نہ کر سکے گا۔

ان انعامات و نوازشات باری تعالیٰ ہی کے سبب حضور علیہ والصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "هِيَ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنَ الدُّنْيَا جَمِيعًا" کہ یہ سورۂ مبارک مجھے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے، جب

صحابہ کرام نے ان آیات مبارکہ کو سنا، تو اپنے آقا کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبارک باد پیش کی، خوشی اور مسرت کا اظہار کیا لیکن کسی نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ کو آپ کے رب نے بتا دیا کہ آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، اب آپ ہمارے متعلق فرمایئے کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہوگا، مقصد یہ تھا کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر غیر ارادی طور پر ہماری جو کیفیت ہوئی، جس سے آپ کو بھی رنج ہوا، اس کا مداوا ہمیں کس طرح کرنا ہوگا، کہ یہ سب کچھ ہمیں آپ کے حضور کرنا ہرگز مناسب نہ تھا، پس اللہ رب رحیم و کریم نے اپنے محبوب کے غلاموں پر بھی کرم فرمایا اور ان کے متعلق ارشاد ہوا:

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ لِیَزْدَادُوْۤا اِیْمَانًا مَّعَ اِیْمَانِهِمْؕ وَ لِلّٰهِ جُنُوْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِؕ وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًاۙ (الفتح)

"وہی ہے، جس نے اہل ایمان کے دلوں میں اطمینان اتارا، تا کہ وہ بڑھ جائیں (قوت) ایمان میں اپنے (پہلے) ایمان کے ساتھ، اور اللہ ہی کے زیر فرمان ہیں، زمین و آسمان کے سارے لشکر اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے والا بہت دانا ہے"۔

اے میرے محبوب کے غلامو! اپنے محبوب کے صدقہ میں ہم نے تم پر بھی بہت کرم فرمایا ہے، ذرا عمرے کے لئے روانگی کے وقت سے اب تک کے حالات پر غور کرو، تو تمہیں ہماری کرم نوازی کا اندازہ ہوگا، جب مسلمان عمرے کے ارادے سے اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ سے نکلنے لگے، تو اس وقت منافقین نے انہیں ورغلانے اور ان پر طعن و تشنیع میں کوئی کسر نہ چھوڑی یہاں تک کہا کہ یہ سب موت کے منہ میں جا رہے ہیں، اہل مکہ ان کے ساتھ بہت ہی برا سلوک کریں گے، لیکن اس کے باوجود تم اپنے آقا کے حکم کی تعمیل اور ہمارے گھر کی زیارت کے شوق میں نہایت دلجمعی کے ساتھ مدینہ سے نکلے، یہ اس لئے ہوا کہ ہم نے ہی تمہارے قلب کو سکون و اطمینان بخشا تھا، پھر جب مکہ کے قریب پہنچ کر، اہل ایمان کو پتہ چلا کہ اہل مکہ تو، جنگ پر آمادہ ہیں، وہ مکہ سے باہر آ چکے ہیں، تا کہ مقابلہ کریں وہ کسی طرح بھی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے کی اجازت نہ دیں گے، لیکن نہتے ہونے کے باوجود اس وقت بھی مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس پیدا نہ ہوا، کیونکہ ہم ان کے دلوں پر سکون نازل کر چکے تھے، پس وہ ثابت قدم رہے، اور اپنی منزل کی طرف بڑھتے رہے لیکن یہ ہماری ہی حکمت تھی، کہ وہ حدیبیہ میں ٹھہرے اور جب حضرت عثمان غنی کی شہادت کی افواہ پھیلی، تو سب نے اپنے بھائی عثمان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے، اپنے آقا ﷺ کے ہاتھ پر، جان کی بازی لگا دینے

کے لئے بیعت کی اس وقت کسی کو یہ خیال تک نہ آیا، کہ ہم اہل مکہ کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں ہمارے پاس تو سوائے تلوار کے کچھ نہیں، بے سروسامان، مسافر ہیں، حالت احرام میں ہیں، لیکن انہوں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور جانبازی اور جان نثاری کا عہد کیا، کیونکہ ہماری نازل کردہ سکینہ سے انہیں اپنی قوت ایمان پر مکمل اعتماد حاصل ہو چکا تھا، اور انہیں ظاہری و مادی وسائل کا خیال تک نہ تھا، نہ ہی دشمن کی قوت اور کثرت تعداد کی انہیں کوئی پرواتھی۔

اور اہل ایمان کے لئے، وہ وقت نازک ترین تھا، جب انہیں شرائط صلح سے باخبر کیا گیا، اور اسی صلح نامہ کے سبب وہ اپنے ایک مظلوم بھائی ابو جندل کی مدد کرنے سے قاصر رہے، یہ وقت تھا، جب کہ نظم و ضبط پارہ پارہ ہو سکتا تھا، یہ وقت تھا، جب کہ کمال اطاعت شعاری میں نقص واقع ہو سکتا تھا، جب کہ صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے چھوٹ سکتا تھا، کہ خوف و ہراس، اشتعال و انتقام، بددلی اور افسردگی، یعنی ہمت شکنی اور دل شکنی کے تمام اسباب یکجا تھے لیکن پیکر صبر و استقلال کے غلاموں نے پہاڑوں سے زیادہ مضبوط و مستحکم بن کر دکھایا، طوفان ٹکراتے رہے لیکن انہیں جنبش نہ دے سکے، یہ صرف انہی لوگوں سے ممکن ہوا، جن کی قوت ایمان کو اللہ کے عطا کردہ سکون و اطمینان نے دنیا کی ہر قوت پر غالب کر دیا تھا۔

زمین و آسمان کے سب لشکر اللہ کے قبضۂ قدرت میں ہیں، جن سے وہ ماضی میں اپنے بندوں کی مدد کرتا رہا ہے، حدیبیہ میں بھی ان کی غیبی مدد ممکن تھی، پس وہ شرائط صلح جو کفار کی مرضی کے مطابق طے پائی تھیں، مسلمانوں کی مجبوری یا کمزوری کے سبب تسلیم نہیں کیے گئے، بلکہ ان میں اللہ کی بے شمار حکمتیں تھیں جن کے باعث یہ قابل قبول ہوئیں، اب ان حکمتوں کے ظہور کا وقت آ گیا ہے، اور ''اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا'' کے مژدۂ جانفزا سے اس کا آغاز ہو چکا ہے۔

لِّيُدۡخِلَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَا وَيُكَفِّرَ عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ‌ؕ وَكَانَ ذٰ لِكَ عِنۡدَ اللّٰهِ فَوۡزًا عَظِيۡمًا ۙ‏

''تا کہ، اللہ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو ان باغات میں داخل کر دے، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں اور ان سے ان کی برائیوں کو دور فرما دے، اور یہ اللہ کے نزدیک بڑی کامیابی ہے''۔ (الفتح)

حدیبیہ میں، جو الجھن اور پریشانیاں مسلمانوں کو پیش آئیں، اللہ کی طرف سے ان کا امتحان تھا، اور ان کو برداشت کرنے کی قوت بصورت سکینہ اللہ کی طرف سے انعام تھا، تا کہ مومنین و مومنات آزمائش میں کامیاب ہوں اور اللہ انہیں جنت عطا فرمائے، اور دنیا میں ان کی کوتاہیوں اور برائیوں کو معاف فرما دے، کہ اللہ کے نزدیک یہی بڑی کامیابی ہے۔ پس حدیبیہ کے شرکاء ہی کامیاب و کامران

قرار پائے۔

معاہدہ اور فتح مبین

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا وہ معاہدۂ حدیبیہ جس کو ظاہر بین نگاہوں نے، اسلام اور مسلمانوں کی اہانت اور شکست و ہزیمت سمجھا، جس نے مسلمانوں کو وقتی طور پر نہایت افسردہ و رنجیدہ کیا، اور جسے کافروں نے اپنی فتح و کامرانی جانا، لیکن اللہ نے اسے فتح مبین فرمایا، نیز اسی کے باعث اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اہل ایمان کو خصوصی انعامات سے نوازا، اس اجمال کی تفصیل ہم حالات کی روشنی میں پیش کرنا چاہتے ہیں، تاکہ اس سلسلہ میں کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے۔

آپ جانتے ہیں کہ قریش اور کفار مکہ نے اعلان نبوت کے روز اولی سے، اس معاہدے کے دن تک، نہ تو اسلام کو ایک مستقل دین کی حیثیت دی اور نہ ہی مسلمانوں کو انہوں نے ایک علیحدہ قوم تسلیم کیا، بلکہ وہ اسلام کو ایک من گھڑت کہانی اور مسلمانوں کو اپنے باغیوں اور مکہ کے مفرور لوگوں کا ٹولہ کہتے رہے، اسی لئے مکی زندگی میں وہ اپنے ظلم وستم، اور مدنی زندگی میں جنگوں لوٹ مار اور ڈکیتیوں کے ذریعہ شمع اسلام کو بجھانے اور مسلمانوں کو تہس نہس کردینے کی ناکام کوششیں کرتے رہے، انہوں نے جب بھی بات کی، غرور وتکبر کی مسلمانوں کی تذلیل اور انہیں نیست ونابود کردینے کی، یہ پہلا موقع تھا کہ حالات سے مجبور ہو کر وہ مسلمانوں سے سنجیدہ گفتگو اور باقاعدہ ایک معاہدہ کرنے پر مجبور ہوئے، جب کہ باب سیاست میں، کسی قوم سے صلح اور معاہدہ کرنا گویا اس قوم کو، اس کے نظریہ کو اس کی ریاست وحکومت کو تسلیم کرنا ہوتا ہے، پس یہ معاہدہ اسی اعتبار سے مسلمانوں کے لئے فتح مبین قرار پایا، کہ قریش ان کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے، اور آج سے پہلے مسلمانوں کے متعلق ان کی جو سیاسی پالیسی تھی بالآخر انہیں ترک کرنا پڑی، قریش کے اس عمل کا اثر صرف مکہ تک ہی محدود نہ رہا، بلکہ اطراف مکہ اور جزائر عرب کے جتنے قبائل کفار مکہ کے سیاسی حلیف تھے، انہیں بھی مسلمانوں کی حیثیت کو تسلیم کرنا پڑا، جس کے بعد اسلام قبول کرنے میں ان کے لئے جو رکاوٹ تھی وہ دور ہو گئی، اور انہوں نے اسلام سے اپنا مستقبل وابستہ کرنے کا فیصلہ کیا، تاریخ گواہ ہے، اس معاہدے کے بعد بڑے بڑے وفود، بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوتے رہے، اور چونکہ اس معاہدے کی ایک شق یہ بھی تھی کہ "قبائل عرب کو اختیار ہوگا، کہ وہ فریقین میں سے جس کے ساتھ چاہیں دوستی کا معاہدہ کر لیں" اس شق کا بھی پورا پورا فائدہ مسلمانوں ہی کو ہوا، بایں صورت کہ اکثر قبائل عرب رشتہ کفر کے سبب قریش کے ہی حلیف تھے، اب انہیں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے کی آزادی ملی، لہٰذا انہوں نے مسلمانوں کے حق میں فیصلہ کیا اور ان سے دوستی کے معاہدے کرنے لگے، جیسا کہ، عرب کے ایک

بڑے اور مشہور قبیلہ، بنوخزاعہ نے صلح کا اعلان سنتے ہی اپنا فیصلہ سنایا، ''نَحْنُ نَدْخُلُ فِيْ عَهْدِ مُحَمَّدٍ وَعَقْدِهٖ'' ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے دوستی کا معاہدہ کرتے ہیں۔

بہر حال یہ معاہدہ بایں صورت فتح مبین ثابت ہوا، کہ اس کی بناء پر، قریش مسلمانوں کو ایک علیحدہ قوم تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئے، جس کا اثر ساری دنیائے عرب پر ہوا، کہ بڑے بڑے قبائل مشرف باسلام ہوئے، اور بڑے بڑے قبائل مسلمانوں کے حلیف اور دوست بنے بلاشبہ یہ ایک بڑی سیاسی کامیابی تھی، جس کا اندازہ اہل سیاست بخوبی کر سکتے ہیں اور وہی اس کی اہمیت کو سمجھ سکتے ہیں۔

معاہدے کی ایک اہم شرط تھی ''وَضْعُ الْحَرْبِ عَشْرَ سِنِيْنَ يَأْمَنُ فِيْهَا النَّاسُ وَيَكُفُّ بَعْضُهُمْ عَنْ بَعْضٍ عَلٰى اَنَّهٗ لَا اِسْلَالَ وَلَا اِغْلَالَ'' دس سال تک فریقین میں جنگ نہ ہوگی، لوگ امن سے رہیں گے، کوئی کسی پر دست درازی نہ کرے گا، کوئی چوری اور خیانت کا ارتکاب نہ کرے گا، گویا، مکہ و مدینہ اور اس کے اطراف تقریباً پورا عرب امن و امان کا گہوارہ ہو گیا، اب کسی کو، کسی سے خوف نہ تھا، نہ ڈکیتیاں تھیں اور نہ ہی تجارتی قافلوں کی لوٹ مار تھی، نہ کسی کے آنے جانے اور ملنے جلنے پر پابندی تھی، سکون تھا، امن تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ

مشرکین آزادی سے مدینہ آتے، اپنے احباب اور عزیزوں کے ساتھ مہینوں رہتے، اس دوران وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے تربیت یافتہ اہل مدینہ کے اخلاق و کردار کی معاشی و معاشرتی طرز زندگی اور اسلامی ریاست کے نظم و نسق کا بغور مطالعہ کرتے اور جب واپس ہوتے، تو ان کے قلوب مائل باسلام ہوتے تھے اور وہ اپنے اہل خانہ و خاندان کے سامنے اپنے تأثرات بیان کرتے تھے، جن سے وہ متاثر ہوتے اور ان کے دلوں میں بھی اسلام کی وقعت اور مسلمانوں کی عزت کا جذبہ بیدار ہوتا تھا، اس کیفیت میں اضافہ اس طرح بھی ہوتا تھا، کہ مسلمان بھی مکہ جا کر اپنے اعزاء واقرباء کے ساتھ رہتے، اور اپنے عمل و کردار سے اسلامی تعلیمات کا مظاہرہ کرتے، گویا اس شق کے باعث دشمنوں کے دلوں سے اسلام کی نفرت دن بدن کم ہونے لگی اسلام اور مسلمانوں کی عزت و محبت ان کے دلوں میں جگہ لینے لگی، بنجر زمین سیراب ہونے لگی، پس عنقریب ہی بیج بونے اور فصل کاٹنے کا وقت آنے والا تھا، جیسا کہ ہو کر رہا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

معاہدے کی اس شق کی وجہ سے چونکہ اب امن تھا، سکون تھا، نہ مدینہ پر کسی کے حملہ آور ہونے کی خبر کا امکان تھا، نہ چراگاہوں کو لوٹنے اور نہ مسلمانوں کے مال پر ڈاکہ زنی کی وارداتوں کا اندیشہ تھا، لہٰذا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کتاب و حکمت، تزکیہ نفس اور تبلیغ دین کی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی اور نہایت تیزی سے رکا ہوا کام دوبارہ شروع ہو گیا، صفہ یونیورسٹی میں بہار آ گئی،

اب سرایا کی بجائے، مبلغین کی جماعتیں تیار کی گئیں اور انہیں اطراف عرب میں بھیجا گیا، اس دور کی سپر طاقتوں، شہنشاہوں اور سلاطین عرب کو، دعوت اسلام دی گئی، اور ان کو مکاتیب گرامی ارسال کئے گئے، یہودیوں کی قوت ختم کرنے کے لئے، خیبر اور اس جیسے دیگر قلعوں کو فتح کیا گیا، جیسا کہ آپ کو مستقبل میں وقوع پذیر حالات سے اندازہ ہوگا۔

مختصر یہ کہ معاہدے کی اس شق کے مطابق امن وامان قائم ہوا، جس کا پورا پورا فائدہ مسلمانوں ہی کو ہوا، اور یہ صلح ان کے لئے فتح مبین ثابت ہوئی۔

معاہدے کی یہ شق بھی قابل غور ہے، "مَنْ اَتٰی مُحَمَّدًا مِنْهُمْ بِغَیْرِ اِذْنِ وَلِیِّهٖ رَدَّهٗ مُحَمَّدٌ اِلَیْهِ وَاَنَّهٗ مَنْ اَتٰی قُرَیْشًا مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ لَمْ یَرُدُّوْهُ" مکہ سے جو اپنے ولی کے اذن کے بغیر مدینہ آئے گا، تو اسے آپ واپس کر دیں گے، اور اگر حضور کے اصحاب میں سے کوئی مکہ آئے گا تو اسے قریش واپس نہ کریں گے۔

یہی شق، تمام صحابہ پر نہایت گراں گزری تھی، اور بظاہر، یہ سراسر ناانصافی ہے کہ مدینہ والے تو پابند نہیں کہ مکہ کے کسی شخص کو نہیں روک سکتے، چاہے وہ ان کا اپنا ہو اور کتنا ہی مظلوم ہو، جب کہ مکہ والے، مدینہ کے کسی شخص کو واپس کر دینے کے پابند نہیں، چاہے وہ اس کے ساتھ کتنا ہی بدترین برتاؤ کریں، اسی شق کے مطابق، اس وقت بھی مسلمان لاچار و مجبور ہو گئے تھے، جب ظالم مشرک، حضرت ابو جندل کو مارتے پیٹتے واپس لے جا رہے تھے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس شرط کو بھی منظور فرمایا، کہ آپ اس کے اچھے اثرات وعواقب کو جانتے تھے، جو چند دن بعد ہی ظاہر ہوئے، حتیٰ کہ قریش اپنی اس پسندیدہ شق کو معاہدے سے خود ہی ختم کرانے پر مجبور ہو گئے، ہوا یہ کہ

ابو بصیر مدینہ میں۔

ابو بصیر نامی ایک نوجوان عرصہ سے، مکہ میں مسلمان ہونے کی سزا بھگت رہے تھے، ان کے خاندان کے لوگوں نے انہیں آہنی زنجیروں سے جکڑ رکھا تھا، صبح شام ان پر کوڑے برسائے جاتے تھے، کئی کئی دن بھوکا، پیاسا رکھا جاتا تھا، لیکن اللہ کا یہ بندہ نہایت صبر واستقامت سے ان مظالم کو سہتا اور اللہ ہی سے اپنی رہائی اور نجات کی بھیک مانگتا رہتا تھا، بالآخر ایک رات کسی نہ کسی طرح یہ نوجوان اپنے عقوبت خانہ سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا، اور سیکڑوں میل کا پاپیادہ سفر کر کے آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ گزین ہونے کے لئے مدینہ منورہ پہنچا، اس طرح ابو بصیر پہلے شخص ہیں، جو معاہدۂ حدیبیہ کے بعد ظلم وستم سے نجات حاصل کر کے، مدینہ طیبہ کی پاکیزہ آب وہوا اور پرسکون ماحول میں سانس لینے اور زندگی کے بقیہ ایام، آقائے رحمت ﷺ کی پناہ میں بسر کرنے کے لئے مدینہ منورہ پہنچے لیکن

ہنوز زخم ہرے تھے، زیارت محبوب کی پیاس بجھی نہ تھی کہ دو دن بعد ہی مکہ کے دو کافر، ان کے تعاقب میں مدینہ منورہ پہنچ گئے، ایک خنیس عامری اور دوسرا کوثر تھا، یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، کہ ہمارا ایک عزیز، ہماری اجازت کے بغیر مکہ سے فرار ہو کر آپ کی پناہ گاہ میں آگیا ہے، ہم اسے پکڑنے آئے ہیں ہمیں یقین ہے کہ معاہدے کے مطابق آپ اسے ہمارے حوالہ کر دیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابو بصیر کو طلب فرمایا، اور ان دونوں کے سپرد کر دیا، ابو بصیر نے عجز و انکساری کرتے ہوئے اپنے آقا سے عرض کی، یارسول اللہ! آپ مجھے کافروں کے حوالہ کر رہے ہیں، جن کے مظالم سے بمشکل نجات حاصل کر کے میں آپ کی پناہ میں حاضر ہوا ہوں، اب واپس پہنچوں گا تو وہ مجھ پر مزید ظلم کریں گے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ میں صبر کی سکت نہ رہے اور میں ایمان سے محروم ہو جاؤں، آپ نے فرمایا، اے ابو بصیر! تم جانتے ہو کہ ہم نے اس قوم سے ایک معاہدہ کیا ہے اور ہمارا دین معاہدوں کی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دیتا، ہاں اللہ تمہارے لئے اور دیگر مظلوم مسلمانوں کے لئے نجات کا راستہ ضرور ہموار کرے گا، ابو بصیر نے دوبارہ کرم کی درخواست کی تو، آقا ﷺ نے حکما فرمایا: ''اِنْطَلِقْ یَا اَبَابُصَیرِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَیَجْعَلُ لَکَ فَرَجًاوَّ مَخْرَجًا'' ابو بصیر! چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمہاری نجات اور رہائی کا راستہ کھول دے گا، پس ابو بصیر، گردن جھکائے، خاموشی کے ساتھ دونوں کافروں کے ساتھ چل دیئے۔

ابو بصیر کا کارنامہ

مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر جب یہ لوگ ذوالحلیفہ پہنچے، تو یہاں آرام کے لئے کچھ دیر ٹھہرنے کا فیصلہ کیا، ابو بصیر نے نماز ظہر ادا کی، اور اپنی کھجوریں نکال کر کھانے بیٹھ گئے، ساتھیوں کو بھی دعوت دی انہوں نے بھی اپنا توشہ دان کھولا اور تینوں کھانے اور باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے، دوران گفتگو عرب کی عادت کے مطابق، خنیس عامری اپنی تلوار کی تعریف کرنے لگا، اور اسے لہراتے ہوئے بولا، ایک وقت آئے گا جب میں اپنی اس تلوار سے، اوس وخزرج کو صبح سے شام تک قتل کروں گا، ابو بصیر بولے یہ تلوار کچھ کاٹتی بھی ہے، یا ویسے ہی تم اس کی تعریفیں کر رہے ہو، وہ بولا بے حد تیز ہے، ابو بصیر کو ایک موقع ہاتھ آیا کہنے لگے، ذرا دکھاؤ، میں دیکھوں، کیسی ہے اور جونہی تلوار ہاتھ میں آئی ایک لمحہ ضائع کیے بغیر، خنیس پر بھرپور حملہ کیا، اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا اور تیزی سے کوثر کی طرف لپکے لیکن وہ بھاگ نکلا، دوڑتا، ہانپتا، کانپتا، پسینے میں شرابور بارگاہ رسالت پناہ میں پہنچا سرکار کی نظر پڑی، تو آپ نے پوچھا ''وَیْحَکَ مَالَکَ'' تجھے کیا ہوا، کہنے لگا، امان چاہتا ہوں، ابو بصیر نے عامری کو قتل کر دیا اور میرے پیچھے آ رہا ہے، آقائے رحمت ﷺ نے اسے پناہ دی صحابہ کے دل اپنے بھائی کی ہمت د

جراءت پر خوشی سے اچھلنے لگے، لیکن سب دم بخود رہے، کہ اظہار مسرت اس وقت مناسب نہ تھا۔

اتنے میں ابو بصیر، خنیس کے اونٹ پر سوار، اس کی تلوار گلے میں لٹکائے پہنچ گئے، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر نہایت اطمینان اور احترام کے ساتھ عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کی معاہدے کے مطابق مجھے دشمن کے سپرد کر دیا، لیکن میں اپنا دین بچا کر حاضر ہو گیا ہوں، صحابہ اپنے جراءت مند بھائی کے چہرے کو ٹکٹکی باندھے، بنظر استحسان دیکھ رہے تھے، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے غلام پر، نظر محبت ڈالی اور فرمایا "وَيْلُ اُمِّهٖ مِسْعَرُ حَرْبٍ لَوْ كَانَ مَعَهٗ رِجَالٌ" اگر اسے کچھ ساتھی مل جائیں، تو یہ جنگ کی آگ خوب بھڑکا سکتا ہے۔

ابو بصیر نے خنیس کے کپڑے، ہتھیار اونٹ اور دیگر سامان بطور غنیمت آقا کے حضور پیش کیا، آپ نے فرمایا، یہ سامان اٹھاؤ اور جہاں چاہو چلے جاؤ، میں نہ تو یہ سامان قبول کر سکتا ہوں اور نہ ہی تجھے اپنی پناہ میں رکھ سکتا ہوں، لہٰذا تم مدینہ سے فوراً نکل جاؤ،

جب اہل مکہ کو ابو بصیر کی جرأت، خنیس کی ہلاکت کا پتہ چلا اور دیگر حالات کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے دوسرے آدمی کی جان صرف اس لئے بچ گئی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا، تو انہوں نے کہا، کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معاہدے کی پابندی کی ہے، اس واقعہ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، یہ ابو بصیر کی اپنی حرکت ہے، ہمیں اسے تلاش کرنا اور اس سے انتقام لینا چاہیے۔

ابو بصیر، مدینہ سے روانہ ہو کر سیف البحر کے مقام پر آ کر روپوش ہو گئے، یہ جگہ اس اعتبار سے نہایت اہم تھی کہ یہیں سے اہل مکہ کے تجارتی قافلوں کا گزر ہوتا تھا، ابو بصیر نے یہاں کئی دن اپنی کھجوروں پر گزارہ کیا، اور پھر ساحل سمندر پر آ کر مچھلیاں پکڑتے اور بھون کر کھاتے رہے، سیف البحر میں روپوش ہونے کی اطلاع، کسی طرح قرب و جوار کے مظلوم مسلمانوں کو ہو گئی، پس وہ بھی کسی نہ کسی طرح ان تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، مکہ میں ابو جندل کو پتہ چلا، تو انہوں نے بھی تیاری شروع کر دی، اور ایک رات اپنے ہمراہ، ستر مظلوم مسلمانوں کا قافلہ لے کر یہ بھی ابو بصیر سے آ ملے، اب کیا تھا، پورا لشکر یہاں موجود تھا، جو تین سو جراءت مند، بہادر مجاہدین پر مشتمل تھا، جو کسی معاہدے کے پابند نہ تھے، آزاد تھے اور اپنے دین کی حفاظت اور اہل مکہ سے ظلم و ستم سے نجات کے لئے یہاں روپوش تھے، مدینہ سے ان کا کوئی رابطہ تک نہ تھا اور یہ بات اہل مکہ کو بھی تسلیم تھی، یہ اپنے فیصلے خود کرتے تھے، انہیں حق تھا کہ وہ ظالموں سے جس طرح چاہیں بدلہ لیں، چاہے انہیں جانی نقصان پہنچا کر یا مالی نقصان پہنچا کر، اور یہ ایسا ہی کر رہے تھے، ان کا یہ عمل اتنا تیزی سے آگے بڑھا کہ چند ہی دن میں قریش کے سر ما تنگ آ گئے، اور آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد مانگنے اور آپ کا سہارا لینے پر مجبور ہو گئے، اور یہیں

سے ہی یہ غیر منصفانہ شق بھی فتح مبین کا ایک ذریعہ بنی ہے۔

ابوسفیان بارگاہ رسالت میں

اہل مکہ ان آزاد عاشقوں کی روزمرہ کی کارروائیوں اور ان میں دن بدن اضافہ سے بوکھلا اٹھے، حتیٰ کہ افق مکہ پر خوف و ہراس کی تاریک گھٹائیں چھانے لگیں، انہوں نے باہمی مشورے کے بعد فیصلہ کیا، کہ ابوسفیان چند رؤسائے مکہ کے ہمراہ محمد (ﷺ) کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست پیش کریں، کہ معاہدے کی یہ شق بالکل ختم کر دی جائے اور اہل مکہ و مدینہ کو آزادی دی جائے کہ وہ جہاں چاہیں، اپنی مرضی کے مطابق رہیں، نیز، ابوبصیر، ابوجندل اور ان کے ساتھیوں کو مدینہ بلا لیا جائے، تاکہ اہل مکہ اور ان کے تجارتی قافلوں کو جان و مال کے خطرات سے نجات حاصل ہو سکے۔

قرارداد کے مطابق اہل مکہ کا وفد ابوسفیان کی قیادت میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، اور طے شدہ درخواست پیش کی، جسے آقائے رحمت ﷺ نے شرف قبول بخشا، معاہدے سے اس شق کو خارج کر دیا گیا، نیز آپ نے، حضرت ابوبصیر اور ابوجندل کو مکتوب گرامی ارسال فرمایا، کہ تم دونوں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ مدینہ آجاؤ کیونکہ معاہدے کی وہ شق، جس کے سبب اتنی مدت تم ہماری پناہ سے محروم رہے، قریش کی درخواست پر کالعدم قرار دے دی گئی ہے، اب تم مدینہ منورہ کی پر بہار فضا میں امن و سکون کی زندگی بسر کر سکو گے، اب کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچایا جائے کہ ہم امن و امان کے خواہاں ہیں۔

جب یہ گرامی نامہ لے کر قاصد، ان دونوں حضرات کے پاس پہنچا، تو ابوبصیر پر نزع کا عالم طاری تھا، انہوں نے آقا ﷺ کا پیغام سنا، مکتوب گرامی کو بوسہ دیا، اور واصل بحق ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، ابوجندل، ان کی تجہیز و تکفین اور تدفین کے بعد اپنا قافلہ لے کر مدینہ آئے، اور آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے، یاد کیجئے اس وقت کو جب ابوجندل، آہنی زنجیروں میں جکڑے پناہ کی بھیک مانگ رہے تھے، لیکن محروم رہے سب کی نظروں کے سامنے، کافر انہیں گھسیٹتے لے گئے، کوئی مدد نہ کر سکا، اور آج ان پر آقا کا کتنا کرم ہوا، کہ پروانہ پناہ خود عنایت فرمایا، اور جب بارگاہ میں باریابی کا شرف حاصل ہوا، تو گلے لگایا، سب نے گلے لگایا مبارکبادیں پیش کیں یہی تو ہے فتح مبین۔

فرضیت حج

فرضیت حج کے سال سے متعلق مؤرخین کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، ایک روایت پانچ ہجری کی ہے، جب کہ اس پر سب کا اتفاق ہے، کہ فتح مکہ کے بعد نو ہجری میں پہلا اسلامی حج ہوا، جس کا امیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا، اور اس پر بھی سب کا

اتفاق ہے، کہ آقا ﷺ نے دس ہجری میں حج فرمایا، جسے حجۃ الوداع کہا گیا، ایک قول یہ بھی ہے کہ حج چھ ہجری میں فرض ہوا، اور ہمارے نزدیک یہی احسن اور قرین قیاس ہے، کہ درحقیقت فرضیت حج بھی اس فتح مبین کا ایک حصہ ہے جس کی خوشخبری، صلح حدیبیہ کے بعد دی گئی، امام رافعی، امام نووی اور جمہور علماء نے اس قول کو صحیح قرار دیا ہے، جب کہ سات آٹھ اور نو ہجری کی روایات بھی ملتی ہیں، لیکن ان روایات کو کوئی تائید حاصل نہیں۔

نماز استسقاء

اسی سال معلم شریعت ﷺ نے نماز استسقاء ادا فرمائی اور اس کی تعلیم دی، جس کا باعث یہ واقعہ ہوا، کہ رمضان المبارک کے ایک دن صحابہ کرام نے آقائے رحمت ﷺ سے درخواست کی کہ، یا رسول اللہ! ایک عرصہ گزر چکا کہ ہم اللہ کی رحمت بارش سے محروم ہیں، پانی کے ذخائر ختم ہو چکے ہیں، گھاس خشک ہوگئی ہے، درختوں کے پتے اور کھال تک سوکھ چکے ہیں، مویشی ہلاک ہو رہے ہیں، لوگ فاقوں پر مجبور ہو گئے ہیں، کہ غذائی اجناس ختم ہو چکی ہیں، آپ کی قوم قحط میں مبتلا ہے، "فَاسْتَسْقِ لَنَا رَبَّنَا" اے اللہ کے مستجاب الدعوات محبوب! ہمارے لئے بارش کی دعا کر دیجئے۔

پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غلاموں کے ایک جم غفیر کے ساتھ عیدگاہ تشریف لائے، اور دو رکعت نماز استسقاء باجماعت ادا فرمائی، اور باآواز بلند قراءت کی، سورۂ فاتحہ کے بعد، پہلی رکعت میں، سورۃ الاعلیٰ اور دوسری رکعت میں سورۃ الغاشیہ تلاوت فرمائیں، یہی سورتیں آپ نماز عیدین میں تلاوت فرماتے تھے "فَلَمَّا قَضٰى صَلٰوتَهٗ اِسْتَقْبَلَ النَّاسَ بِوَجْهِهٖ" نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اپنا چہرہ انور لوگوں کی طرف کر لیا، چادر مبارک کو پلٹ کر اوڑھا، اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے پہلے آپ نے تکبیر کہی اور طویل دعا کی، (یہ دعا فقہ کی کتابوں میں محفوظ ہے، جنہیں یاد ہوتی ہے، وہ نماز استسقاء کے بعد پڑھتے ہیں ورنہ اپنے ہی الفاظ میں، عجز و انکساری کے ساتھ بارش کے لئے دعا کی جاتی ہے)۔

لوگ ابھی اپنی جگہ سے اٹھے بھی نہ تھے، کہ بادل چھایا بارش شروع ہوگئی، سات دن اور سات رات پانی برستا رہا، آخرکار غلام پھر آقا کے دربار میں حاضر ہوئے، عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! بہت بارش ہوگئی مکانات گر رہے ہیں، راستے پانی میں ڈوب چکے ہیں، فصلیں تباہ ہوگئیں، آقا ﷺ مسکرائے، آپ نے بادل کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "حَوَالَيْنَا لَا عَلَيْنَا" ہمارے اردگرد برس ہم پر نہ برس، اسی وقت مدینہ کا افق صاف ہوگیا، جب کہ چاروں طرف بادل چھایا نظر آ رہا تھا، پھر آپ نے دعا کی "اَللّٰهُمَّ عَلٰى رُءُوْسِ الظِّرَابِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرِ وَبُطُوْنِ الْاَوْدِيَةِ

وَظُهُوْرِ الْاٰكَامِ "اے اللہ! چٹانوں کے سروں پر درختوں کے جھنڈوں پر، وادیوں کے اندر اور ٹیلوں کی پشتوں پر، پانی برسا اب حسین منظر یہ تھا کہ مدینہ کے اردگرد بارش برستی نظر آ رہی تھی، اور افق مدینہ صاف وشفاف تھا، لوگ خوشی کے ترانے گا رہے اور اپنے کام کر رہے تھے۔

مشرکین سے حرمت نکاح

اسی سال، مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے لئے مشرک عورتوں اور مردوں سے نکاح حرام قرار پایا۔ بہرحال چھ ہجری، مژدۂ فتح مبین کا سال قرار پاتا ہے، جس سے مسلمانوں کے لئے ظاہری باطنی، مادی وروحانی فتوحات کے دروازے کھل گئے، اب ان کے عسر، صعوبت اور دشواریوں کے دن بیت گئے، مسرت وشادمانی، عروج وترقی کے شب وروز میسر آئے، جو درحقیقت دنیا میں صلہ تھا، اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا، اپنے آقا ﷺ سے والہانہ عقیدت ومحبت کا اور معلم کامل ﷺ کی تعلیم وتربیت کے مطابق، صبر واستقلال اور استقامت کے ساتھ مصائب وآلام اور ناخوشگوار حالات کو برداشت کرنے کا۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ والصلوٰۃ والسلام علٰی رحمۃ للعلمین
وعلی الہ واصحابہ اجمعین

مدنی زندگی

ہجرت کا ساتواں سال

سلاطین کو دعوت اسلام، اصحمہ نجاشی کو دعوت اسلام، قیصر روم کو دعوت اسلام، شاہ مصر کو دعوت اسلام، حاکم غسان کو دعوت اسلام، شہنشاہ ایران کو دعوت اسلام، بادشاہ یمامہ کو دعوت اسلام، غزوۂ خیبر، خیبر کا جائے وقوع، فاتح خیبر کا تعین، سیاہ فام غلام، محمد بن مسلمہ کی شہادت، قلعہ قموص، قلعۃ الصعب، قلعہ قلۃ الزبیر، قلعہ ابی، قلعہ وطیح اور سلالم، صحائف تورات، قابل غور، صفیہ بنت حی کی عزت افزائی، ابوایوب انصاری کی محبت، ایک اور سازش، حجاج بن علاط کا واقعہ، یہودیوں کی دیگر بستیاں، نماز فجر قضا ہوگئی، قضائے نماز میں حکمت، مدینہ طیبہ واپسی، خیبر کے بعد، عمرۃ القضاء، مکہ مکرمہ میں داخلہ، مکہ مکرمہ سے واپسی، عمارہ بنت حمزہ، اذان بلال۔

ہجرت کا ساتواں سال

کلاہ و تخت کسریٰ از تو نابود سپاہ ملک قیصر از تو درہم

میرے آقا ﷺ نے غزوۂ احزاب میں فتح و کامرانی کی مبارکباد کے ساتھ ہی غلاموں کو یہ خوشخبری بھی سنا دی تھی، کہ "اَلْاٰنَ نَغْزُوْهُمْ وَلَا یَغْزُوْنَنَا نَحْنُ نَسِیْرُ اِلَیْهِمْ" اب ہم ان پر حملہ کریں گے وہ ہم پر چڑھائی نہ کر سکیں گے، اسی ارشاد کا عملی آغاز صلح حدیبیہ کے بعد ہوا، جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فتح مبین قرار دیا، اب مسلمانوں پر ہر روز فتح و کامرانی کا سورج طلوع ہونے لگا، اور اسلام کا دائرہ ایسا وسیع ہوا کہ ایشیا، افریقہ اور یورپ تک اسلام کا پیغام پہنچا اور علم اسلام لہرانے لگا، جب کہ آج دنیا کے گوشہ گوشہ میں اللہ کا کلمہ بلند ہو رہا ہے اور اس کے رسول ﷺ کا چرچا عام ہے۔

آپ پڑھ چکے ہیں کہ معاہدۂ حدیبیہ کی ایک اہم شق یہ تھی کہ دس سال تک سلسلۂ جنگ بند رہے گا، فریقین امن و امان قائم کرنے کے ذمہ دار ہوں گے، دیگر شرائط کی طرح اس شرط سے بھی مسلمانوں کو بھرپور فائدہ حاصل ہوا، کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اب پورے اطمینان و سکون کے ساتھ، ان لوگوں تک دعوت حق پہنچانے کا پروگرام بنایا، جو اگرچہ اسلام کی حقانیت اور اس کی سرعت اشاعت سے تو واقف ہو چکے تھے، لیکن اب تک ان کی طرف سے مثبت یا منفی کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہ ہوا تھا، کیونکہ انہیں اب تک باقاعدہ پیغمبر اسلام کا پیغام نہ پہنچا تھا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اب اس

اہم کام کی طرف توجہ فرمائی اور عرب کے صحراؤں میں آباد قبائل، نیز شہنشاہوں، سلاطین کو باقاعدہ دعوت اسلام دینے کے لئے قاصد روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔

مہر نبوت

جب صحابہ کرام کو اطلاع ملی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سلاطین کو دعوت حق کے لئے مکاتیب روانہ کرنے والے ہیں، تو بعض حضرات نے جو شاہی دربار کے آداب اور طور طریقوں سے واقف تھے، گزارش کی کہ یا رسول اللہ! یہ بادشاہ نہایت مغرور و متکبر ہیں، یہ کسی ایسے مکتوب پر توجہ نہیں کرتے جو سر بمہر نہ ہوا، لہٰذا اگر مناسب ہو تو مہر نبوت بنوالی جائے، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تجویز پسند فرمائی، اور آپ کے لئے، ایک چاندی کی انگوٹھی بطور مہر بنوائی گئی، جس پر اوپر اللہ، درمیان میں رسول، پھر محمد کے الفاظ کنداں تھے، اس کی صورت بیضوی تھی، یہ مقدس و بابرکت انگوٹھی آپ کے بعد بالترتیب، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کی تحویل میں رہی، اور حضرت عثمان کی انگلی سے کنوئیں میں گر گئی تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی، اس کنوئیں کا نام ''بیر اریس'' تھا جسے ''بیر خاتم'' بھی کہا جاتا تھا، غرض کہ یہ پہلی اور آخری انگوٹھی تھی جو آپ نے مکاتیب کو سر بمہر کرنے کے لئے استعمال فرمائی۔

سلاطین کو دعوت اسلام

نبی آخر الزمان ﷺ نے جن صحابہ کرام کو سلاطین کے پاس اپنے مکاتیب گرامی پہنچانے کے لئے مقرر فرمایا، ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں، یہ حضرات نہایت سادگی کے ساتھ سفیرانہ کروفر کے بغیر، آقائے کائنات ﷺ کے غلام اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے ان بادشاہوں کے دربار میں پہنچے، جہاں کے غیر شرعی آداب و اطوار کی پروا کیے بغیر انہوں نے اپنے آقا ﷺ کے حکم نامے، ان کے سپرد کیے۔

(۱) حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ، نجاشی بادشاہ حبشہ کے پاس بھیجے گئے،

(۲) حضرت دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ۔ ہرقل قیصر، روم کے پاس پہنچے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ، پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں کسریٰ ایران کے دربار میں بھیجے گئے۔

(۴) حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ، مقوقس شاہ مصر کو مکتوب گرامی دینے کے لئے، اسکندریہ تشریف لے گئے۔

(۵) حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ، ھوذہ بن علی الحنفی کے لئے پیغام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر گئے،
(٦) حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ، عربی عیسائیوں کے سردار حارث بن ابی شمر الغسانی کے پاس شام کے سرحدی علاقہ میں تشریف لے گئے۔
یہ صاحب معجزات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا، کہ اپنے جس سفیر کو آپ نے جس ملک کے لئے مقرر فرمایا، وہ اس ملک کی حدود میں داخل ہوتے ہی وہاں کی زبان نہایت روانی سے بولنے لگا، اور بادشاہ سے اس نے، اسی کی زبان میں گفتگو کی، یہ کمال ہر ملک میں نہایت ہی حیرت کا باعث بنا۔

اصحمہ نجاشی کو دعوت اسلام

نجاشی اور اہل حبشہ کے لئے اسلام غیر معروف نہ تھا، کہ بعثت کے پانچویں سال مسلمانوں کی ایک معقول تعداد مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ آ چکی تھی، نیز کفار مکہ کے سفیر، عمرو بن عاص کے جواب میں مسلمانوں کی طرف سے حضرت جعفر طیار، نجاشی کے دربار میں ایک نہایت موثر تقریر کر چکے تھے، اس تقریر میں آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کی تعلیمات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا تھا، جس سے شاہ حبشہ نہایت متاثر ہوا، اور ایک روایت کے مطابق وہ خفیہ طور پر حضرت جعفر کے ہاتھ پر مشرف با سلام ہو گیا تھا، لیکن اس کے لئے امور سلطنت مانع تھے، لہٰذا وہ اپنے اسلام لانے کا اعلان نہ کر سکا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا علم تھا، اس لئے آپ نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے، اسے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنے عقد کا وکیل مقرر فرمایا، اور نجاشی نے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نہایت اہتمام کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو پورا کیا، حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ام حبیبہ کا مہر بھی خود ہی ادا کیا، جو دیگر ازواج مطہرات کی بہ نسبت سب سے زیادہ مہر تھا، یعنی پانچ سو درہم نیز نو ہجری میں جب آپ کو نجاشی کے انتقال کی خبر ملی تو آپ نے اس کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی۔
جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت عمرو بن امیہ کو نجاشی کے پاس مکتوب گرامی دے کر روانہ فرمایا، تو اس وقت، حضرت جعفر طیار اور کچھ دیگر مسلمان حبشہ میں قیام پذیر تھے، لہٰذا آپ نے حضرت عمرو کو ہدایت کی، کہ جعفر طیار کی قیادت میں مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ جا کر، تم گرامی نامہ نجاشی کو دینا اور مکتوب گرامی میں بھی یہی لکھا گیا تھا، "قَدْ بَعَثْتُ اِلَيْکَ ابْنَ عَمِّیْ جَعْفَرًا وَمَعَهٗ نَفَرٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ" "میں نے تمہارے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر اور چند مسلمانوں کو بھیجا ہے، بہر حال آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق مکتوب گرامی نجاشی کو دیا گیا، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے،
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، "من محمد رسول الله الی النجاشی ملک الحبشه"
اما بعد! میں تیرے سامنے، اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس کے بغیر اور کوئی معبود نہیں، وہ بادشاہ حقیقی ہے،

ہر عیب سے پاک ہے، سلامت رکھنے والا ہے، نگہبان ہے، میں گواہی دیتا ہوں، کہ عیسیٰ بن مریم، روح اللہ ہیں، اور اس کا کلمہ ہیں جو اس نے مریم کو القاء کیا، وہ مریم جو، اللہ تعالیٰ سے لو لگائے ہے، پاک ہے، مطہر ہے، خوشبودار ہے، پاک دامن ہے، جو عیسیٰ کی حاملہ ہوئی، اللہ نے اسے اپنی روح سے پیدا کیا، اور اس روح کو مریم میں پھونکا، جس طرح آدم کو اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا۔

''وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ اِلَی اللّٰہِ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَالْمُوَالَاۃِ عَلٰی طَاعَتِہٖ'' میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ اللہ پر ایمان لاؤ، جو وحدہ لاشریک ہے، اور ہمیشہ اس کی اطاعت کرو، پس اگر تم میری پیروی کرو گے اور اس پر ایمان لے آؤ گے جو میں لے کر آیا ہوں، تو بے شک میں اللہ کا رسول ہوں، میں تجھے اور تیرے لشکر کو اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، میں نے پیغام حق پہنچا دیا اور نصیحت کا حق ادا کر دیا، پس میری نصیحت قبول کر لو۔

یہ مکتوب گرامی جب قاصد رسول نے اسے دیا، تو وہ تخت سے اتر کر نیچے بیٹھ گیا، مکتوب گرامی کو بوسہ دیا، اور نہایت ادب واحترام سے پڑھ کر بولا، ''اَشْھَدُ بِاللّٰہِ اَنَّہُ النَّبِیُّ الْاُمِّیُّ الَّذِیْ یَنْتَظِرُہٗ اَھْلُ الْکِتٰبِ'' میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ہی وہ نبی ہیں جن کا اہل کتاب انتظار کر رہے تھے، نیز کہنے لگا، آپ کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ آپ راکب حمار ہیں، آپ ہی کے بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی کہ آپ شتر سوار ہیں، پس اگر میرے بس میں ہوتا تو میں خود حاضر ہوتا، پھر اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں عریضہ لکھا، جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، من النجاشی اصحمه سلام علیک یا رسول الله ورحمة الله وبرکاته، اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی ہدایت دی، امابعد! یارسول اللہ: آپ کا گرامی نامہ مجھے موصول ہوا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ نے جو ذکر فرمایا ہے، آسمان کے رب کی قسم، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سے ذرہ برابر بھی کم و بیش نہیں، آپ کے چچا زاد بھائی جعفر اور دوسرے مسلمان یہاں پہنچ گئے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں، کہ حضور اللہ کے سچے رسول ہیں، میں نے حضور کی بیعت کی اور حضور کے ابن عم کے ہاتھ پر، اللہ رب العلمین پر ایمان لے آیا ہوں، اپنے بیٹے ارحاء کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں بھیج رہا ہوں اگر حکم ہو، تو میں خود بھی حاضری کے لئے تیار ہوں، میں گواہی دیتا ہوں، حضور کا ہر فرمان حق ہے ''**والسلام علیک یا رسول الله ورحمة الله وبرکاته۔**

نجاشی کا بیٹا، ارحاء دوران سفر حادثہ سے ہلاک ہو گیا، اور آقائے کائنات ﷺ کے دربار میں

حاضری سے محروم رہا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بعد نجاشی کو، حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے عقد کے متعلق حکم نامہ ارشاد فرمایا جس کی تعمیل کی گئی، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

نجاشی نے آقا ﷺ کے دونوں گرامی نامے بڑی حفاظت اور احترام سے، ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ میں رکھے اور کہا ''لَنْ تَزَالَ الْحَبَشَةُ بِخَيْرٍ مَا كَانَ هٰذَانِ الْكِتَابَانِ بَيْنَ اَظْهُرِهَا'' حبشہ میں ہر طرح خیر و عافیت رہے گی، جب تک یہ دونوں گرامی نامہ اس کے پاس موجود ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان دونوں گرامی ناموں کے متعلق، معروف مصنف و مؤرخ، ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم لکھتے ہیں کہ ''ابھی حال ہی میں حبشی و اطالوی جنگ کی ابتداء میں اخبارات نے (ہمدم نے مصر کے اخبار ''البلاغ'' سے اور اس نے، ادریس بابا کے اخبار ''برہان اسلام'' سے نقل کر کے) یہ خبر شائع کی تھی کہ نجاشی نے اپنے خزانہ سے یہ گرامی نامہ، جو اب تک محفوظ ہیں نکال کر مسلمانوں کے ایک وفد کو دکھائے۔

قیصر روم کو دعوت اسلام

آقائے کائنات ﷺ نے ایک گرامی نامہ، مطلق العنان مغرور متکبر شہنشاہ، ہرقل قیصر روم کے پاس بھیجا جس کے لئے آپ نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا، جنہیں اللہ خالق کائنات نے حسن و جمال کی دولت سے مالا مال کیا تھا، شاید اسی لئے، حضرت جبرئیل، جب انسانی شکل میں بارگاہ رسالت پناہ ﷺ میں حاضری دیتے، تو حضرت دحیہ کلبی کی شکل میں ہوتے تھے۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ کی معروف تصنیف سے یہ واقعہ ہدیہ ناظرین ہے، وہ لکھتے ہیں، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت دحیہ کو گرامی نامہ دے کر روانہ فرمایا، تو انہیں ہدایت فرمائی، کہ وہ پہلے بصریٰ کے حاکم حارث بن ابی شمر کے پاس جائیں، وہ تمہارے ساتھ اپنا کوئی آدمی کر دے گا اور اس طرح، بآسانی تمہاری رسائی قیصر تک ہو سکے گی، حارث نے تعمیل حکم کی اور اپنے ایک خاص مصاحب عدی بن حاتم کو حضرت دحیہ کے ساتھ جانے کا حکم دیا اور کہا، کہ قیصر تک یہ گرامی نامہ پہنچانے میں تم حضرت دحیہ کا تعاون کرو، ان دنوں ہرقل بیت المقدس، مسجد اقصیٰ کی زیارت کے لئے آیا ہوا تھا، کہ اس نے نذر مانی تھی کہ کسریٰ شاہ ایران پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے بعد، وہ مسجد اقصیٰ میں دوگانہ شکر ادا کرے گا، لہٰذا عدی بن حاتم، حضرت دحیہ کو لے کر، بیت المقدس پہنچے، دونوں نے ہرقل سے ملاقات کی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گرامی نامہ پہنچایا، آپ نے تحریر فرمایا تھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْلَ عَظِيْمِ الرُّوْمِ سلم علی من اتبع الهدی، اَمَّا بَعْدُ: میں تجھے اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، تو

اسلام قبول کرلے، تو سلامت رہے گا، تو اسلام قبول کرلے، تو اللہ تعالیٰ تجھے دوگنا اجر عطا فرمائے گا، اور اگر تو نے اس دعوت کو قبول کرنے سے روگردانی کی تو تیرے عوام کے انکار کا گناہ بھی تیری ہی گردن پر ہوگا، يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ۝ اور اے اہل کتاب! آجاؤ اس کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے (وہ یہ ہے) کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں گے، اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں گے، اگر اس دعوت کے باوجود وہ روگردانی کریں، تو تم کہہ دو، کہ تم گواہ رہنا کہ ہم مسلمان ہیں۔

قیصر، گرامی نامہ پڑھتے ہی کانپنے لگا، اس پر آقائے کائنات ﷺ کا جلال ایسا طاری ہوا، کہ وہ پسینہ پسینہ ہوگیا، حاضرین دربار کے چہرے خوف سے پیلے پڑ گئے، سب شاہی سطوت و ہیبت اور تکبر و غرور کافور ہوگیا، اس نے حکم دیا، کہ اگر مکہ کا کوئی تجارتی قافلہ، اس وقت شہر میں موجود ہو، تو اسے بلایا جائے، تاکہ اس نبی اور اس کے لائے ہوئے دین کے متعلق تفصیلات معلوم کی جاسکیں، تحقیق کے بعد معلوم ہوا، کہ غزہ میں، مکہ کا ایک تجارتی قافلہ موجود ہے، پس اسے بلایا گیا، اتفاق سے اس کے سربراہ ابوسفیان تھے، اس قافلہ کی شاہ ہرقل کے دربار میں حاضری وہاں ابوسفیان اور قیصر کا مکالمہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، خود ابوسفیان نے مسلمان ہونے کے بعد بیان کیا، جو ہم بخاری شریف سے نقل کر رہے ہیں۔

ابوسفیان نے بتایا، کہ جب ہم قیصر کے سامنے پیش ہوئے، تو اس نے پوچھا، کہ تم میں سے، محمد بن عبداللہ (ﷺ) کا قریب ترین رشتہ دار کون ہے، میں نے آگے بڑھ کر کہا، کہ میں ہوں ابوسفیان، ان کے چچا کا بیٹا ہوں، پس قیصر نے مجھے اپنے سامنے بیٹھنے کا حکم دیا اور میرے ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا، اور کہا کہ اگر یہ جھوٹ بولے تو تم فوراً مجھے بتا دینا، ابوسفیان کہتے ہیں، کہ میں ضرور کچھ جھوٹ بولتا لیکن اب یہ ممکن نہ تھا کیونکہ مجھے اپنے ساتھیوں میں جھوٹا مشہور ہونے اور ذلیل ہونے کا خوف تھا، بہرحال اب قیصر نے جو کچھ پوچھا، ابوسفیان جواب دیتے رہے۔

قیصر، ان کا خاندان کیسا ہے (یعنی ان کا تعلق کسی اچھے اعلیٰ خاندان سے ہے، یا وہ نچلے درجہ سے تعلق رکھتے ہیں)

ابوسفیان، وہ عرب کے شریف ترین خاندان (بنو ہاشم) سے تعلق رکھتے ہیں۔

قیصر، کیا، ان سے پہلے، ان کے بزرگوں میں سے کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

ابوسفیان، نہیں

قیصر، کیا ان کے اسلاف میں کوئی بادشاہ گزرا ہے۔

ابوسفیان، نہیں

قیصر، ان کے پیروکار غریب ہیں یا دولت مند۔

ابوسفیان، غریب وضعیف لوگ ہیں۔

قیصر، ان کے ماننے والوں کی تعداد، دن بدن بڑھ رہی ہے یا گھٹ رہی ہے۔

ابوسفیان، بڑھ رہی ہے۔

قیصر، کیا ان کا دین قبول کرنے کے بعد، کوئی شخص مرتد بھی ہوا ہے۔

ابوسفیان، نہیں۔

قیصر، نبوت کے دعوت سے پہلے کیا لوگ ان پر جھوٹ بولنے کا الزام لگاتے تھے۔

ابوسفیان، ہرگز نہیں۔

قیصر، کیا انہوں نے کبھی کسی سے عہد شکنی کی ہے۔

ابوسفیان، اب تک نہیں کی، البتہ ہمارے ساتھ ان کا معاہدہ (حدیبیہ) ہوا ہے، معلوم نہیں وہ ایفائے عہد کرتے ہیں یا نہیں (ابوسفیان نے بتایا کہ میں اپنے جوابات میں اس جملہ کے سوا کچھ نہ بڑھا سکا، لیکن قیصر نے اس پر توجہ نہ کی)

قیصر، کیا اس سے تمہاری کوئی جنگ ہوئی۔

ابوسفیان، ہمارے درمیان کئی مرتبہ جنگ ہوئی۔

قیصر، اس کا نتیجہ کیا رہا۔

ابوسفیان، کبھی وہ غالب آئے اور کبھی ہم۔

قیصر، وہ تمہیں کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔

ابوسفیان، وہ ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، وہ ہمیں نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، صدقہ کرنے، سچ بولنے، عفت اور صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں۔

ابوسفیان بتاتے ہیں کہ میری سب باتیں سننے کے بعد ہرقل بولا، کہ جو کچھ تم نے بتایا، اگر وہ حق اور سچ ہے تو وہی یقیناً ایک دن میرے قدموں کی اس جگہ کے مالک ہو جائیں گے (یعنی سلطنت روم پر اسلام کا پرچم لہرانے لگے گا، اور ایسا ہی ہوا) مجھے یہ تو یقین تھا، کہ نبی آخرالزماں کا عنقریب ظہور ہونے والا ہے، لیکن مجھے یہ گمان نہ تھا، کہ وہ تم میں سے ہوں گے، اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکوں گا، تو میں سفر کی مشقت ضرور اٹھاتا، اور اگر مجھے ان کے دربار کی حاضری میسر آتی تو میں ضرور ان کے

قدموں کو دھوتا۔

ابو سفیان نے بتایا، کہ اس مکالمہ اور ہرقل کے اس تبصرے پر اس کے درباری برافروختہ ہوگئے اور شور وغل مچانے لگے، اور ہمیں باہر چلے جانے کا حکم ملا میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا، خدا کی قسم، ابن ابو کبشہ (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) بڑا عظیم ہو گیا ہے، کہ اس سے رومیوں کا بادشاہ بھی خوفزدہ ہے، میں تو ہمیشہ یقین کرتا رہا، کہ وہ ایک دن ضرور غالب ہو کر رہے گا، معلوم ہوتا ہے کہ اب میرے لئے قبول اسلام کا دروازہ کھول دیا گیا ہے۔

حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ہرقل دربار سے اٹھا اور حضرت دحیہ کو تنہائی میں لے گیا، اور آپ سے کہنے لگا، خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، کہ ان کے صفات و کمالات ہماری کتابوں میں موجود ہیں، بلاشبہ یہ وہی نبی آخر الزماں ہیں، جن کا انتظار اہل کتاب کو تھا، لیکن میں اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنے سے معذور و مجبور ہوں، کہ میری قوم مجھے ہرگز زندہ نہ چھوڑے گی، اس نے حضرت دحیہ کو ایک خط دیا، اور کہا کہ آپ میرا یہ خط لے کر ''صغاطر'' کے پاس جائیں، وہ روم میں موجود ہے، سلطنت کا عظیم مذہبی رہنما ہے، اور اہل روم اس کا بے حد احترام کرتے ہیں، حضرت دحیہ صغاطر کے پاس گئے اسے ہرقل کا خط دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعارف کرایا، احکام اسلام کی تفصیلات بیان کیں، اس نے آپ کی گفتگو بغور سنی اور بولا، ''بخدا! محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں، ان کی جن صفات کا آپ نے ذکر کیا، وہ ہم جانتے ہیں، کہ وہ ہماری کتابوں میں موجود ہیں، مجھے ان کی نبوت کے متعلق کوئی شک وشبہ نہیں، پھر وہ اٹھا، اور اپنے چرچ میں گیا، جہاں پہلے سے عیسائیوں کا ایک جم غفیر موجود تھا، وہ ان سے اس طرح مخاطب ہوا۔

''میرے رومی بھائیو! غور سے سنو، میرے پاس احمد عربی کا مقدس خط آیا ہے، جس میں انہوں نے ہمیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی ہے، ان کی نبوت و رسالت آفتاب سے روشن تر ہے، پس اٹھو اور سب کہو: لا الٰہ الا اللہ محمداً عبدہ ورسولہ یہ سن کر عیسائی بپھر گئے اور انہوں نے اپنے محترم و معزز پیشوا پر اتنے تیر برسائے کہ وہ جاں بحق ہو گیا۔

حضرت دحیہ، جان بچا کر ہرقل کے پاس واپس پہنچے اور صغاطر کا سب حال بتایا، قیصر بولا آپ نے دیکھا جو شخص قوم میں مجھ سے زیادہ معزز و محترم تھا، ان جاہلوں نے اس کا کیا حشر کیا اگر میں اسلام قبول کرنے اور اس کی حقانیت کا اعلان کر دوں، تو یہ ظالم میرا اس سے بھی بدتر حال کر چھوڑیں گے۔

اس کے بعد قیصر اپنے دار الخلافہ حمص آ گیا، اور اس نے اپنے محل کے وسیع صحن میں تمام امراء سلطنت اور اعیان مملکت کا اجلاس طلب کیا، جب سب مہمان پہنچ گئے تو اس نے محل کے تمام دروازے

بند کر دینے کا حکم دیا اور نہایت شاہی جاہ وجلال کے ساتھ وہ حاضرین کے سامنے آ کر اس طرح مخاطب ہوا "مملکت روم کے معززین! اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا ملک ہمیشہ آزاد رہے ہمیشہ باقی رہے ترقی کرتا رہے امن وسکون کا گہوارہ بنا رہے، تو میری بات پر غور کرو، میں تم سے کہتا ہوں کہ جو نبی آخر الزماں مکہ میں ظہور پذیر ہوا اور مدینہ میں رونق افروز ہے، اس کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ اس کا کلمہ پڑھ لو کامیاب وکامران رہو گے۔

یہ سنتے ہی حاضرین میں بھگدڑ مچ گئی، وہ ایک دوسرے کو دھکے لاتیں مارتے، باہر نکلنے کے لئے دروازوں کی طرف لپکے لیکن دروازے تو پہلے ہی بند کر دیئے گئے، ہرقل نے اس موقع پر مصلحت سے کام لیا، سب کو بلا کر بٹھایا، اور کہا میں نے جو کچھ کہا، یہ آپ حضرات کے امتحان کے لئے تھا، میں دین پر آپ کی استقامت اور عقیدے سے پختہ وابستگی کا اندازہ کرنا چاہتا تھا، اب میں مطمئن ہوں کہ آپ کسی نئے دین کو قبول نہیں کر سکتے، قیصر کی یہ گفتگو سن کر سب بے حد خوش ہوئے اور اپنی رسم کے مطابق بادشاہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے۔

علامہ بدرالدین عینی، شارح بخاری لکھتے ہیں کہ قیصر نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس مکتوب گرامی کا بہت احترام کیا، اسے سونے کی ایک نلکی میں بڑے اہتمام سے محفوظ کر دیا، وہ گاہے بگاہے اس کی زیارت بھی کرتا رہتا تھا، ہرقل کے بعد اس کے وارث بادشاہ بھی اس مکتوب گرامی کا بے حد احترام کرتے تھے اور اسے ہمیشہ بلند اور معزز مقام پر رکھتے تھے۔

شاہ مصر کو دعوت اسلام

اللہ کے رسول ﷺ نے مصر کے بادشاہ مقوقس کو خط لکھا اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ کو حکم دیا کہ وہ اس گرامی نامہ کو لے کر بادشاہ کے پاس جائیں، حضرت حاطب حسب الحکم مصر کے دارالخلافہ اسکندریہ پہنچے، آپ نے دیکھا کہ وہاں تو ملاقاتیوں کا اژدہام ہے، جو اطراف مصر سے آئے ہوئے تھے اور مہینوں، ہفتوں سے ملاقات کا وقت ملنے کا انتظار کر رہے تھے، حضرت حاطب نے کسی طرح دربان تک رسائی حاصل کی اور اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا، اس نے آپ کا بے حد احترام کیا اور بادشاہ تک پہنچا دیا، آپ نے بادشاہ کو مکتوب گرامی دیا جسے بادشاہ نے نہایت احترام سے بوسہ دیا اور پڑھا، اس گرامی نامہ کا مضمون نام کی تبدیلی کے ساتھ وہی تھا جو اس سے پہلے قیصر کو لکھا گیا تھا، مقوقس نے اسے نہایت احترام سے ہاتھی دانت کی ایک ڈبیہ میں رکھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جواباً لکھا، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس عظیم القبط سلام علیک، اما بعد میں نے آپ کا گرامی نامہ پڑھا، اس کے مندرجات کو اور جس دین کو قبول کرنے کی آپ نے

دعوی دی ہے، سمجھا مجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک نبی کی آمد ہوگی، لیکن میرا خیال تھا کہ وہ شام میں ظاہر ہوگا، میں نے آپ کے قاصد کی عزت وتکریم کی ہے، میں حضور کی خدمت میں دو کنیزیں پیش کر رہا ہوں، اہل قبط کی نگاہوں میں ان کی بہت قدر ومنزلت ہے، ایک خلعت اور ایک خچر، حضور کی سواری کے لئے پیش ہے۔

بادشاہ نے اسلام قبول کرنے کے متعلق کچھ نہ لکھا، ان دو کنیزوں میں سے ہی ایک حضرت ماریہ قبطیہ تھیں، جنہیں کاشانۂ نبوت میں شمولیت کا اعزاز حاصل ہوا، انہی کے بطن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی ولادت ہوئی، جو اٹھارہ ماہ کی عمر میں انتقال کر گئے، دوسری کنیز ''سیرین'' تھیں، جو دربار رسالت کے شاعر، حضرت حسان کو عطا ہوئیں، مقوقس نے جو خچر بھیجا تھا، اس کا رنگ سفید تھا، وہ دلدل کے نام سے مشہور ہوا، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہا۔

بروایت واقدی، مقوقس نے حضرت حاطب سے تنہائی میں گفتگو کرتے ہوئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوصاف وکمالات معلوم کیے اور ان کی تصدیق کی لیکن کہنے لگا کہ اگر میں اسلام قبول کر لوں، تو مجھ سے بادشاہت اور یہ تاج وتخت سب چھن جائے گا، جو مجھے گوارا نہیں، حضرت حاطب نے جب آقا ﷺ کو یہ بات بتائی تو آپ نے فرمایا ''ضَنَّ الْخَبِيْثُ بِمُلْكِهِ وَلَا بَقَآءَ لِمُلْكِهِ'' خبیث نے اپنے ملک کے سلسلے میں بخل کیا، لیکن اس کا ملک باقی نہ رہے گا۔

حاکم غسان کو دعوت اسلام

حارث بن ابی شمر الغسانی کو قیصر نے، ریاست غسان کا حاکم مقرر کیا تھا، یہ شخص بے حد متکبر ومغرور تھا اپنی دولت وحکومت کے نشہ میں مست رہتا تھا اور کسی کو خیال میں نہ لاتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت شجاع بن وہب رضی اللہ عنہ کو مکتوب گرامی دے کر اس کے پاس بھیجا، یہ مختصر ترین خط تھا، آپ نے تحریر فرمایا، بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، من محمد رسول الله الى الحارث بن ابى شمر وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، سلام ہو اس پر جس نے ہدایت کی پیروی کی اور اس پر ایمان لے آیا اور اس کی تصدیق کی، میں تجھے دعوت دیتا ہوں کہ اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان لے آ، تیرا ملک باقی رہے گا۔

حضرت شجاع نے بتایا، جب میں حارث کے پاس پہنچا تو دو دن تک اس کے دروازے پر بیٹھا رہا، ملاقات کی کوئی صورت نہ نکل پا رہی تھی، بالآخر میں نے اس کے دربان سے رابطہ کیا، اسے اپنی آمد کا مقصد بتایا، اس نے میری بہت عزت کی وہ روزانہ کچھ دیر میرے پاس بیٹھتا تھا، اور میرے آقا

ﷺ کے حالات معلوم کرتا رہتا تھا، بالآخر وہ ایک دن میرے ہاتھ پر مشرف باسلام ہو گیا، اس نے بتایا کہ حارث، جب خود باہر آئے گا تو اس سے ملاقات ہو سکے گی، لیکن وہ نہایت خبیث النفس شخص ہے، اس سے توقع نہ رکھو کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام پر غور کرے گا، اب میں حارث کے باہر آنے کا انتظار کرتا رہا، اس دوران دربار نے میری بہت خاطر مدارت کی، وہ ہر طرح میرا خیال رکھتا تھا آخر کار ایک روز حارث باہر آیا، وہ نہایت متکبرانہ انداز میں لوگوں سے ملاقات کر رہا تھا میں آگے بڑھا اور اپنے آقا ﷺ کا مکتوب گرامی اس کے سپرد کر دیا۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم نے لکھا، کہ حارث نے گرامی نامہ پڑھا، تو غصہ سے بے قابو ہو گیا اس نے آپ کا مکتوب گرامی زمین پر دے مارا، اور کہنے لگا، میں دیکھتا ہوں کون میرا ملک مجھ سے چھینتا ہے اس نے فوراً لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا، تا کہ وہ مدینہ منورہ پر حملہ آور ہو، پھر اس نے اپنے ارادے سے قیصر کو مطلع کیا، قیصر نے اس کو فوراً جواب لکھا، ''محمد بن عبداللہ (ﷺ) پر حملہ کرنے کا خیال دماغ سے نکال دو، ایسی غلطی نہ کرنا، جلد میرے پاس پہنچو، قیصر کا خط پڑھ کر حارث کا مزاج درست ہو گیا۔

حضرت شجاع کہتے ہیں اب مجھ سے اس کے رویہ میں تبدیلی آ گئی، وہ میری خاطر مدارت کرنے لگا اس نے مجھ سے پوچھا کہ تم کب واپس جا رہے ہو، میں نے بتایا کل واپسی کا ارادہ ہے، اس نے بطور ہدیہ مجھے ایک سو مثقال سونا دیا،

شہنشاہ ایران کو دعوت اسلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور کی ایک سپر پاور حکومت ایران بھی تھی، جس کا بادشاہ خسرو پرویز تھا، آپ نے حضرت عبداللہ حذافہ السہمی کو طلب فرمایا، انہیں مکتوب گرامی دے کر ایران جانے کا حکم دیا، مکتوب گرامی یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ، من محمد رسول الله الی کسریٰ عظیم فارس، سلامتی ہو اس شخص پر جس نے ہدایت کی پیروی کی، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آیا، اور گواہی دی کہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، اور محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

''وَاَدْعُوْکَ بِدَاعِیَۃِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ'' اے کسریٰ! میں تمہیں اللہ عزوجل پر ایمان لانے کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں اللہ عزوجل کا رسول ہوں، تمام لوگوں کی طرف تا کہ میں بروقت متنبہ کروں، انہیں جو زندہ ہیں، اور تا کہ حجت تمام کر دوں، کفار پر ''اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ اَبَیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ'' اسلام قبول کر لو سلامت رہو گے اگر انکار کرو گے تو مجوسیوں کی گمراہی کا بھی گناہ تیری ہی

گردن پر رہے گا۔

جب کسریٰ نے میرے آقا ﷺ کا گرامی نامہ پڑھا، تو غصہ سے بے قابو ہو گیا، گرامی نامہ چاک کر دیا، اور کہنے لگا (نعوذ باللہ) میرے غلام کی یہ ہمت کہ اس نے مجھے اس قسم کا خط لکھا، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس خبیث کی انتہائی گستاخی کا حال بتایا گیا، تو آپ نے فرمایا "مَزَّقَ کِتَابِیْ مَزَّقَ اللّٰہُ مُلْکَہٗ" اس نے میرا مکتوب گرامی پارہ پارہ کیا، اللہ نے اس کا ملک پارہ پارہ کر دیا۔

کسریٰ نے یمن میں اپنے مقرر کردہ گورنر "باذان" کو خط لکھا، کہ میری معلومات کے مطابق تیرے علاقہ میں کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے میں حکم دیتا ہوں کہ اسے فوراً ہتھکڑی پہنا کر میرے پاس بھیجو، باذان نے اپنے ایک وزیر کو، ایک شخص کے ہمراہ مدینہ طیبہ روانہ کیا، نیز اس نے انہیں ایک خط بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دیا، یہ دونوں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی بہت عزت افزائی فرمائی، ان کے قیام وطعام کا خصوصی اہتمام کیا، پھر ایک صبح اپنے پاس بلوایا، وہ دونوں حاضر خدمت ہوئے، آپ نے بیٹھنے کا اشارہ کیا، دونوں نہایت ادب سے دوزانو بیٹھ گئے، پھر گفتگو کا آغاز ہوا، انہوں نے بتایا کہ کسریٰ نے ہمارے بادشاہ باذان کو حکم دیا ہے کہ وہ آپ کو گرفتار کر کے، کسریٰ کے دربار میں پیش کرے، پس باذان نے ہمیں یہاں بھیجا ہے، ہم آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں کہ آپ باذان کے حکم کی تعمیل کریں گے، تو وہ آپ کے لئے کسریٰ سے اچھا برتاؤ کرنے کی سفارش کرے گا، بصورت دیگر جو انجام ہو سکتا ہے وہ آپ کو معلوم ہے، عزت مآب آقا ﷺ نے باذان کا خط بھی پڑھا، اس خط کے مندرجات اور قاصدوں کی دھمکی آمیز گفتگو پر آپ کو ہنسی آئی، آپ نے دونوں قاصدوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، جس پر وہ خاموش رہے، اور بولے اگر آپ ہمارے ساتھ نہ جانا چاہیں، تو بادشاہ باذان کو جوابی خط تحریر فرما دیں، ہم اسے پہنچا دیں گے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اب جاؤ آرام کرو، صبح پھر ملاقات ہو گی۔

معلوم ایسا ہوتا تھا، کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے رب کریم کی طرف سے کسی خاص خبر کے منتظر ہیں، پس ایسا ہی ہوا، کہ جبریئل علیہ السلام آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! آپ کے رب نے، مغرور پرویز پر اس کے بیٹے شیرویہ کو مسلط کر دیا، اس نے اپنے باپ کو ہلاک کر دیا، صبح جب دونوں قاصد دوبارہ دربار اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا "اَبْلِغَا صَاحِبَکُمَا اَنَّ رَبِّیْ قَدْ قَتَلَ رَبَّہٗ کِسْرٰی فِیْ ھٰذِہِ اللَّیْلَۃِ سَبْعَ سَاعَاتٍ مَضَتْ مِنْھَا" تم دونوں جاؤ اپنے صاحب (باذان) کو بتا دو، کہ میرے رب نے اس (باذان) کے رب کو اسی رات قتل کر دیا، جب کہ رات کے سات پہر گزر چکے تھے، آپ نے مزید بتایا، کہ کسریٰ کے بیٹے شیرویہ نے اپنے باپ کی چھاتی

پر چڑھ کر اس کا پیٹ پھاڑ ڈالا، جاؤ اور باذان کو جا کر اس کے شہنشاہ کی ہلاکت کی خبر کر دو، وہ کہنے لگے آپ جانتے ہیں کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، اس کے نتائج کتنے خوفناک ہوں گے جو آپ بتا رہے ہیں، ہم اپنے بادشاہ کو لکھ دیں گے اور وہ اس کی سخت ترین سزا دے گا، حضور انور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جاؤ جا کر یہ سب باتیں اپنے آقا کو بتا دو، اور یہ بھی بتانا، کہ بہت جلد میرا دین اور میری حکومت کسریٰ کی آخری سرحدوں پر ہوگی، بلکہ میری حکومت وہاں تک ہوگی، جہاں کوئی گھر والا یا سم والا جانور ہوگا، اور اسے یہ بھی بتانا، کہ اگر تم اسلام قبول کر لو گے، تو تمہارا ملک اور تمہارا ساز و سامان تمہارے پاس ہی رہنے دیا جائے گا۔

جب باذان کے قاصد واپس جانے لگے، تو رسول اللہ ﷺ نے انہیں بطور تحفہ ایک کمر بند عطا فرمایا، جو سونے اور چاندی سے مرصع تھا اور بہت قیمتی تھا، جب یہ دونوں باذان کے پاس پہنچے اور انہوں نے تمام حالات اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باتیں باذان کو بتائیں تو وہ کہنے لگا، کہ وہ کوئی بادشاہ نہیں بلکہ نبی معلوم ہوتے ہیں، اور اگر ان کی بتائی ہوئی، کسریٰ کی ہلاکت کی خبر صحیح ہوئی تو تمام بادشاہوں سے پہلے میں ان کا غلام بن جاؤں گا، چند ہی روز بعد شیرویہ کا حکم نامہ باذان کو ملا، کہ اب مجھے کسریٰ تسلیم کیا جائے میری اطاعت کی جائے، کہ نوشیرواں کسریٰ ہلاک ہو چکا ہے، یہ خبر سنتے ہی باذان اور اس کی قوم نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی خبر دے دی۔

بادشاہ یمامہ کو دعوت السلام

یمامہ وہی ملک ہے جس سے ثمامہ بن آثال کا تعلق تھا، جو پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے، گویا یہاں اسلام غیر متعارف نہ تھا، اللہ کے رسول ﷺ نے یہاں کے بادشاہ "ہوزہ" کو بھی دعوت اسلام دی، یہاں آپ کا مکتوب گرامی حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ لے کر آئے، ہوزہ نے قاصد رسول ﷺ کا احترام کیا اور مکتوب گرامی کو بغور پڑھا لیکن جواب نہایت ہی احمقانہ دیا، اس نے کہا، اگر محمد بن عبداللہ (ﷺ) اپنی حکومت کا کچھ حصہ مجھے دینے پر راضی ہوں، تو میں ان کی پیروی کے لئے تیار ہوں، حضرت سلیط نے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر ہوزہ کی بیوقوفی کا حال بتایا، آقائے کائنات ﷺ نے فرمایا، "اسلام ملک گیری کی ہوس پوری کرنے کے لئے نہیں آیا، اگر کوئی زمین کا ایک ٹکڑا بھی طلب کرے تو میں نہ دوں گا۔

بہر حال سات ہجری کے آغاز میں اللہ کے رسول ﷺ نے جن سلاطین کو دعوت اسلام دی، ان میں نجاشی، شہنشاہ حبشہ تو مقدر والا رہا، جس نے آقائے کائنات ﷺ کی غلامی قبول کی، باقی کا ردعمل زیادہ نامعقول نظر نہیں آتا، سوائے کسریٰ پرویز کے، جو اپنی بیہودہ گوئی اور گستاخی کے سبب فوری

طور پر اپنے انجام کو پہنچا، تاہم ان بادشاہوں کو دعوت اسلام دینے کا جو اصل مقصد تھا وہ حاصل ہوا، کہ دور دراز علاقوں تک اسلام کا پیغام پہنچا، بادشاہوں اور ان کی قوموں کو مسلمانوں کے ایک علیحدہ باوقار قوم ہونے کا اندازہ ہوا، نیز، انہیں یہ تسلیم کرنا پڑا، کہ محمد عربی ﷺ دنیاوی بادشاہ یا حاکم نہیں، ان کی تحریک کا مقصد ملک گیری یا اپنی ریاست کی وسعت نہیں، وہ لوگوں پر بالجبر حکومت نہیں کرتے، بلکہ وہ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں، جو دنیا میں اللہ کی حاکمیت کے علمبردار ہیں، جو دنیا سے ظلم واستبداد کا خاتمہ کر کے عدل وانصاف کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں، جو بلاشبہ اپنے منصفانہ اور مشفقانہ، بے لوث اور بے داغ کردار کے سبب اپنی قوم کے قلوب واذہان کے حاکم ہیں، وہ اپنی قوم کے معلم بھی ہیں اور مربی بھی ہیں، ان کے غم خوار وغمگسار بھی ہیں اور حاجت روا بھی، انہی کی تعلیم وتربیت نے ایک غیر مہذب قوم کو تہذیب وتمدن کا نمونہ بنا دیا، ظالموں کو پیکر انصاف بنا دیا، انہی کی تدبیر وتدبر اور حکمت عملی نے ایک کمزور ونادار قوم کو جس کے پاس نہ دولت کی قوت تھی اور نہ ہی اسلحہ وہتھیار کی طاقت، ان اقوام پر فاتح اور غالب کر دیا، جنہیں اپنی مادی قوت وطاقت پر گھمنڈ تھا، انہوں نے اپنے غلاموں کو ایسا درس اخوت ومساوات دیا، جو اپنے قبائلی اختلافات، لسانی تعصب اور باہمی تفوق کو بھلا کر، پرسکون ماحول میں زندگی بسر کرنے لگے، اور ایسے طاقت ور ہو گئے کہ شہنشاہوں اور اقوام عالم کو اپنے نظریہ اپنی تہذیب وتمدن اپنانے اور اپنے آقا ﷺ کی غلامی، اختیار کرنے کی دعوت دینے لگے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ والصلوٰة والسلام علٰى خاتم النبيين وعلٰى آله واصحابه اجمعين

مس خاک کو جس نے کندن بنایا　　کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا　　پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا

رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

سبق پھر شریعت کا ان کو پڑھایا　　حقیقت کا گر، ان کو اک اک بتایا
زمانے کے بگڑے ہوؤں کو بنایا　　بہت دن کے سوتے ہوؤں کو جگایا

کھلے تھے نہ جو راز اب تک جہاں پر
وہ دکھلا دیئے ایک پردہ اٹھا کر

غزوۂ خیبر

رحمۃ للعالمین ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ منورہ میں یہودی قبائل، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے، جنہیں اہل مدینہ کے معاشی شعبہ میں برتری حاصل تھی، بایں صورت کہ یہاں پھلوں کے باغات اور اناج کی منڈیاں، ان کے قبضہ میں تھیں، بیشتر مزروعہ زمینوں کے بھی یہی مالک تھے، اللہ کے رسول ﷺ کو نہ تو ان کی معاشی برتری سے کوئی سروکار تھا اور نہ ہی ان کی تہذیب و تمدن سے، بس آپ اتنا چاہتے تھے، کہ مدینہ میں جو بھی رہے امن وامان سے رہے اور دوسروں کو سکون سے جینے دے، کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے، کیونکہ آپ اسلام کی پہلی ریاست کی داغ بیل ڈال رہے تھے، جس کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھی گئی تھی، جہاں سب کے مساویانہ حقوق تھے، جہاں اخوت و بھائی چارے کا خوشگوار ماحول تھا، اسی لئے آپ نے مہاجر وانصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرمایا، نیز یہودیوں کے حقوق کے تحفظ اور اسلامی ریاست میں ان کی عزت، دولت اور تجارت کی حفاظت کے لئے انہی کے مفاد میں معاہدہ کیا، لیکن انہیں یہ پرسکون زندگی راس نہ آئی، انہوں نے متعدد بار معاہدے کی شقوں کی خلاف ورزی کی، مسلمانوں کے ساتھ مکر وفریب کی چالیں چلتے رہے حتیٰ کہ آقائے رحمت ﷺ کو قتل کردینے کی سازش کی، بالآخر انہیں مدینہ منورہ چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا، ان کی بنی، سنوری گھر گرستی برباد ہوئی، انہیں اپنے تجارتی مراکز چھوڑنے پڑے، لہلہاتی فصلوں سے محروم ہونا پڑا، بالخصوص بنو قریظہ کا نہایت عبرتناک انجام ہوا، کہ ان کے مردوں کا قتل عام کیا گیا، غرضیکہ یہ نہایت ذلیل وخوار ہوئے، بادیہ نشینی اور بدحالی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہوگئے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہودی نہایت خبیث اور بے غیرت قوم ہے، یہ سب کچھ ہو جانے کے باوجود بھی، وہ اسلام دشمنی سے باز نہ آئے، اب بھی وہ مسلمانوں پر حملہ آور ہونے اور انہیں نقصان پہنچانے کے خواب دیکھتے تھے، اور دوسرے قبائل سے ساز باز کر کے، اسلامی ریاست کے خلاف منصوبہ بندی کرتے رہتے تھے۔

جب اللہ کے رسول ﷺ سفر حدیبیہ سے واپس تشریف لائے، تو آپ کو خبر ملی کہ خیبر کے یہودی دیگر قبائل عرب کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کی سازش میں مصروف ہیں، ان کی ٹولیاں مشرکین عرب سے رابطہ کر رہی ہیں اور انہیں مسلمانوں کے خلاف جنگ پر آمادہ کرنے میں مصروف ہیں، یہ ایک تشویشناک خبر تھی، جس پر فوری ردعمل نہایت ضروری تھا، لہٰذا آقا ﷺ نے بلا تاخیر، خیبر کی طرف پیش قدمی کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ فتنہ کو سر اٹھانے سے پہلے کچل دیا جائے، اس مقصد کے لئے آپ نے بطور مجاہدین انہی حضرات کو دعوت دی، جو سفر حدیبیہ میں شریک تھے، تاکہ وہ موعودہ فتح مبین کا منظر دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرسکیں اور ان کے دل مطمئن ہوسکیں، تاہم اس لشکر میں ایسے افراد کو بھی شرکت

کی اجازت ملی، جو خالصتاً للہ، جہاد فی سبیل اللہ میں شرکت کے خواہاں ہوں اور انہیں غنیمت ملنے کا خیال تک نہ ہو، پس لشکر اسلام منظم ہوا اور سپہ سالار لشکر محرم، سات ہجری کو خیبر کی طرف روانہ ہوئے۔

معمول کے مطابق، حضرت سباع بن عرفطہ یا حضرت نمیلہ بن عبداللہ اللیثی کو نائب مقرر کیا گیا، لشکر اسلام کی تعداد سولہ سو تھی، جن میں صرف دو سو گھڑ سوار تھے مقدمۃ الجیش کی قیادت حضرت عکاشہ بن محصن کو حاصل تھی، میمنہ کے امیر حضرت عمر فاروق تھے، جب کہ میسرہ کی امارت ایک اور صحابی کو دی گئی، بنو اشجع کے دو آدمیوں کو راستہ دکھانے کے لئے مقرر کیا گیا، حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو شریک سفر ہونے کا شرف حاصل تھا۔

بنو غطفان کو جب خبر ہوئی، کہ لشکر اسلام خیبر کی طرف بڑھ رہا ہے، تو انہوں نے اپنے نوجوانوں کو اہل خیبر کی امداد کے لئے جمع کیا، لیکن جب وہ اپنی آبادی سے باہر نکلے، تو کچھ دیر بعد ہی انہیں ایک شور سنائی دیا، انہیں خیال ہوا کہ شاید کسی نے ان کے اہل وعیال پر حملہ کر دیا، لہٰذا وہ تیزی سے واپس ہوئے لیکن وہاں حالات حسب معمول تھے، پھر بھی انہوں نے احتیاطاً اپنی آبادی کی حفاظت کا فیصلہ کیا، اور یہودیوں کی امداد سے باز رہے (یہ شور یقیناً اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی امداد کے لئے تھا، تا کہ بنو غطفان یہودیوں کو تقویت نہ پہنچا سکیں)۔

اگر چہ خیبر مدینہ منورہ سے 156 کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، لیکن سالار قافلہ ﷺ نے نہایت راز داری اور تیز رفتاری سے یہ طویل مسافت صرف تین راتوں میں طے فرمائی، جب آپ حدود خیبر میں داخل ہوئے، تو رب کے حضور دست دعا دراز کیے اور اس طرح دعا کی، "اَللّٰھُمَّ رَبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَمَا اَظْلَلْنَ" اے اللہ! اے سات آسمانوں اور وہ جن چیزوں پر سایہ فگن ہیں، ان کے رب "وَرَبُّ الْاَرَضِیْنَ السَّبْعِ وَمَا اَقْلَلْنَ" اے سات زمینوں اور جو کچھ انہوں نے اپنے اوپر اٹھایا ہوا ہے، ان کے رب! "وَرَبُّ الشَّیٰطِیْنِ وَمَا اَضْلَلْنَ" اے شیطانوں اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا، سب کے رب! "وَرَبُّ الرِّیَاحِ وَمَا اَذْرَیْنَ" اے ہواؤں، اور جن کو وہ اڑا رہی ہیں، ان سب سے رب! "فَاِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ الْقَرْیَۃِ وَخَیْرِ اَھْلِھَا وَ خَیْرِ مَا فِیْھَا" ہم تجھ سے اس گاؤں کی خیر، اور اس کے باشندوں کی خیر اور اس کی ہر چیز کی خیر سوال کرتے ہیں "وَنَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ اَھْلِھَا وَ شَرِّ مَافِیْھَا" اور ہم اس گاؤں کے شر، اور اس کے رہنے والوں کے شر اور اس کی ہر چیز کے شر کی پناہ مانگتے ہیں، پھر آپ نے فرمایا "اَقْدِمُوْا بِسْمِ اللّٰہِ" اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، ہر آبادی میں داخل ہوتے وقت یہ دعا کیا کرتے تھے لہٰذا اسے یاد کر لینا چاہیے)۔

اہل خیبر کو پتہ چل گیا تھا، لیکن چونکہ انہوں نے دس ہزار افراد پر مشتمل اپنی فوج بنا رکھی تھی، جس

کے لئے اسلحہ کی بھی کمی نہ تھی، لہٰذا وہ گھمنڈ میں مبتلا تھے اور انہیں یقین نہ تھا کہ مسلمان ان پر حملہ کریں گے، وہ حسب معمول اپنے کاروبار اور عیش و آرام میں مصروف تھے، کہ ایک صبح انہوں نے اچانک مسلمانوں کو اپنی آبادی پر چڑھائی کرتے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں، وہ چلائے ''مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ'' یہ تو محمد (ﷺ) اور ان کا لشکر ہے، پوری آبادی میں کہرام مچ گیا، سب اپنے قلعوں کی طرف دوڑے، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ! خَرِبَتْ خَيْبَرُ، اِنَّا اِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ'' اللہ سب سے بڑا ہے، خیبر اجڑ گیا جب ہم کسی قوم کے میدان میں خیمہ زن ہوتے ہیں، تو جن کو ڈرادیا جاتا ہے ان کی صبح خوفناک ہوتی ہے، یہودی اپنے قلعوں میں بند ہو گئے، انہوں نے اپنے سردار سلام بن مشکم کو صورت حال سے آگاہ کیا، اس نے افسوس کرتے ہوئے کہا، کاش ہم پہلے مدینہ پر حملہ کر دیتے، پھر اس نے اپنی قوم کو ہمت و جراءت سے مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی تاکید کی، اپنی فوج، اپنے ہتھیاروں اور مضبوط قلعوں پر فخر کرتے ہوئے کہا، کہ مسلمان ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

حضرت حباب کا مشورہ

حضور نے حالات کا جائزہ لیا، تو آپ کو یقین ہو گیا کہ دشمن پر جنگ کے بغیر قابو نہیں پایا جا سکتا، لہٰذا آپ نے اپنے غلاموں کو جنگ کی حکمت عملی سے متعلق ہدایات دیں اور انہیں مقابلہ کے لئے تیار کر دیا، اس موقع پر حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے جائے قیام کے متعلق کچھ گزارش کرتے ہوئے کہا، یارسول اللہ! اگر یہاں آپ کا قیام حکم الٰہی کے مطابق ہے تو ''اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا'' بصورت دیگر میں اس جگہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہوں گا، آقا ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، تو حضرت حباب عرض گزار ہوئے، آقا! یہ نشیبی علاقہ ہے جب کہ دشمن ہم سے خاصی بلندی پر ہے، لہٰذا اگر دشمن نے تیر برسائے تو ہمیں خاصا نقصان پہنچ سکتا ہے، نیز ہمارے چاروں طرف کھجوروں کے جھنڈ ہیں، کہ ہمیں دشمن کی کسی حرکت کا پتہ نہیں چل سکتا، ممکن ہے کہ رات کو وہ اپنے قلعوں سے نکل کر ہم پر اچانک حملہ کر دیں، آقا ﷺ کو غلام کی تجویز پسند آئی، آپ نے محمد بن مسلمہ کو، علاقہ کا سروے کر کے مناسب جگہ منتخب کرنے کا حکم دیا، وہ چند سپاہیوں کے ہمراہ علاقہ میں گھومے اور ایک مناسب جگہ منتخب کر کے آقا ﷺ کو مطلع کیا، آپ کے حکم سے لشکر اسلام وہاں منتقل ہو گیا۔

خیبر جائے وقوع

خیبر ایک وسیع و عریض سرسبز و شاداب اور نہایت خوب صورت علاقہ ہے، جس میں جگہ جگہ یہودیوں

کے چھوٹے بڑے لیکن مضبوط اور محفوظ قلعے موجود تھے ان تمام قلعوں پر یکسر حملہ کرنا ممکن نہ تھا، اور نہ ہی کسی ایک قلعہ کو نشانہ بنانا اور دوسرے قلعوں کو چھوڑ دینا مناسب ہوتا، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے مجاہدین کی ٹولیاں سب قلعوں پر متعین فرمائیں، تاکہ ان قلعوں میں موجود لوگ یکجا ہو کر حملہ نہ کر سکیں، لشکر اسلام ایک ایک قلعہ پر حملہ آور ہوتا اور اس کو فتح کرنے کے بعد دوسرے قلعہ کی طرف متوجہ ہوتا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلے قلعہ "ناعم" پر حملہ کرنے کا حکم دیا، یہ مرکزی حیثیت کا قلعہ تھا، یہودی فوج کی اکثریت اور ان کا بکثرت اسلحہ اسی قلعہ میں بند تھا، اس کی فتح کے بعد دیگر قلعوں کو فتح کر لینا آسان تھا، لہٰذا لشکر اسلام نے اسی قلعہ کا سب سے پہلے محاصرہ کیا، خود آقا ﷺ آج اسلحہ سے لیس تھے، سر مبارک پر خود سجا ہوا تھا، دو زرہیں زیب تن تھیں، دست مبارک میں نیزہ اور ڈھال تھی، آپ جس گھوڑے پر رونق افروز تھے، اس کا نام "الظرب" تھا، جو نہایت خوبصورت اور تیز رفتار تھا، سارا دن جنگ ہوتی رہی، یہودی مسلمانوں پر تیر برساتے رہے، مسلمان وہی تیر اٹھا کر یہودیوں کی طرف پھینکتے رہے، شام ہوئی تو آقا ﷺ اپنی قیام گاہ پر واپس تشریف لے آئے۔

فاتح خیبر کا تعین

بروایت حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو گاہے بگاہے، درد شقیقہ کی تکلیف ہو جاتی تھی، جنگ خیبر کے دوران بھی یہ تکلیف ہوئی جس کے سبب آپ ایک دن کے لئے خیمہ سے باہر تشریف نہ لا سکے (یہ ناعم پر حملہ کا دوسرا دن تھا) اللہ کے رسول ﷺ نے آج علم اسلام، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سپرد فرمایا، شدید جنگ ہوئی، لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا، پھر علم اسلام حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا، اس دن بھی شدید جنگ ہوتی رہی، لیکن قلعہ آج بھی فتح نہ ہو سکا، آقا ﷺ کو صورت حال سے مطلع کیا گیا، تو آپ نے فرمایا "لَأُعْطِيَنَّ رَايَةَ غَدًا رَجُلًا يَفْتَحُ اللّٰهُ عَلَيْهِ لَيْسَ بِفَرَّارٍ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ يَاخُذُهَا عَنْوَةً" کل یہ جھنڈا میں اسے دوں گا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس قلعہ کو فتح فرمائے گا وہ شخص فرار نہ ہو گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرنے والا ہو گا، اور قوت بازو سے اس قلعہ پر قابض ہو جائے گا۔

آقا ﷺ کا یہ ارشاد سب مجاہدین نے سنا، لہٰذا ساری رات سب مضطرب و بے چین رہے، ان میں سے ہر ایک کی آرزو تھی، کہ آقا کی نظر انتخاب سے اس کا مقدر چمکے، صبح وقت سے پہلے ہی تمام مجاہد بارگاہ رسالت میں حاضر تھے، مضطرب تھے، منتظر تھے دیکھنا چاہتے تھے، کہ اللہ و رسول کی محبت کرنے والا اور فاتح خیبر ہونے والا کون خوش نصیب ہے، اس انتظار میں نماز جمعہ کا وقت آ گیا، آقا ﷺ نے مجاہدین سے خطاب فرمایا، اور بآواز بلند کہا "این علی" علی کہاں ہیں، صحابہ کی انتظار کی گھڑیاں ختم

ہوئیں، انتخاب رسول پر سب خوش ہوئے، لیکن حاضرین میں علی موجود نہ تھے، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ آپ کو بلانے کے لئے دوڑے، تھوڑی ہی دیر بعد حضرت علی بارگاہ رسالت میں حاضر تھے، اور حال یہ تھا کہ آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی (حضرت علی پیدائشی، آشوب چشم کے مریض تھے) آقائے رحمت ﷺ نے پوچھا علی یہ کیا ہوا، عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! آنکھیں دکھ رہی ہیں بہت تکلیف ہے، کچھ نظر نہیں آتا، آقا ﷺ نے فرمایا علی میرے قریب آؤ، حضرت علی بتاتے ہیں میں قریب ہوا، میرے آقا نے میرا سر اپنی گود میں رکھا، اور اپنا لعاب مبارک میری آنکھوں پر ملا، میری ساری تکلیف کافور ہوگئی، میرے آنکھیں ہمیشہ کے لئے ٹھیک ہوگئیں، زندگی میں کبھی آشوب چشم کی شکایت نہ ہوئی، حضرت علی کو پرچم عطا ہوا اور یہودیوں پر فیصلہ کن حملے کا حکم ملا، حضرت علی نے عرض کی، یارسول اللہ! کیا میں ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھوں جب تک وہ مسلمان ہو جائیں، ارشاد ہوا، آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھو، انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دو، نیز انہیں بتاؤ کہ مشرف باسلام ہونے کے بعد ان پر اللہ و رسول کے کیا حقوق عائد ہوں گے، اے علی! اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک کو بھی ہدایت دے دے، تو یہ تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ تمہیں بطور انعام واکرام، سرخ اونٹ دیئے جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ ناعم کے قریب پہنچے اور اپنا جھنڈا اگاڑ دیا، ایک یہودی چھت سے دیکھ رہا تھا، وہ بولا تم کون ہو، آپ نے فرمایا، میں علی ہوں، یہودی برجستہ بولا، قسم اس اللہ کی جس نے موسیٰ کو تورات عطا فرمائی، آپ یہودیوں پر ضرور غالب ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کے لئے سب سے پہلے، مرحب کا بھائی حارث آگے بڑھا، آپ نے ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا، اس کے دوسرے ساتھی واپس قلعہ میں چلے گئے، دوسرا یہودی جو مقابلہ پر آیا "عامر" یہ طویل القامت اور بھرے جسم کا شخص تھا، حضرت علی نے اس پر کئی وار کیے لیکن کوئی اثر نہ ہوا، آپ نے اس کی پنڈلیوں پر وار کیا تو وہ گر پڑا، اور آپ نے اس پر قابو پا کر اسے جہنم رسید کیا، یاسر، نہایت ڈیل ڈول والا یہودی تھا، میدان میں آیا، تو حضرت علی مقابلہ کے لئے آگے بڑھے، لیکن حضرت زبیر بن عوام نے آپ کو روکا، اور کہا یہ میرا شکار ہے، حضرت زبیر کی والدہ نے اپنے بیٹے کو ایک ہیبت ناک شخص کے مقابلہ پر دیکھا، تو ان کی والدہ حضور کی پھوپھی حضرت صفیہ عرض گزار ہوئیں، یارسول اللہ! کیا یہ شخص میرے بیٹے کو قتل کر دے گا، آپ نے فرمایا "بَلْ اِبْنُکَ یَقْتُلُهٗ اِنْشَآءَ اللّٰهُ" بلکہ انشاء اللہ، تمہارا بیٹا اسے قتل کر دے گا اور دیکھتے ہی دیکھتے حضرت زبیر نے یاسر کو قتل کر ڈالا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے زبیر بن عوام کو اعزاز بخشتے ہوئے فرمایا، "ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے، اور میرا حواری میری پھوپھی کا بیٹا زبیر ہے۔

مرحب، میدان میں

مرحب یہودیوں کا ہیرو سمجھا جاتا تھا، اس کی بہادری و جواں مردی کے قصے محفلوں میں بیان ہوتے تھے، لوگ اس کی آمد کی خبر سن کر کانپنے لگتے تھے، یہ دعویٰ کرتا تھا ''اِذَا اللُّیُوْثُ اَقْبَلَتْ تَلَهَّبَتْ'' کہ جب شیر مجھ پر حملہ کرتے ہیں تو میں جوش سے بھڑک اٹھتا ہوں، لیکن آج یہ اللہ کے ان شیروں کے سامنے تھا، جس سے بچ نکلنا، اس کے لئے ممکن نہ تھا، کہ یہ نہ جانے اس جیسے کتنے گیڈروں کو لقمۂ اجل بنا چکے تھے، حضرت عامر بن اکوع نے اسے دیکھا تو رجز پڑھتے، تلوار لہراتے میدان میں آئے، دونوں کا مقابلہ ہوا، مرحب کی تلوار آپ کے گھٹنے پر لگی، زخم کاری تھا آپ شہید ہو گئے، اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ، کہ فوراً ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ گرجتے ہوئے میدان میں آئے، اور مرحب کے سر پر ایسا زبردست وار کیا، کہ آپ کی تلوار اس کے فولادی خود کو کاٹتی اس کے دانتوں تک جا پہنچی، آپ نے تلوار کھینچی اور اس سے اس کا سر کاٹ دیا اور آقا ﷺ کے دربار میں پیش کر دیا۔

سیاہ فام غلام

حضرت جابر، انس، عروہ اور موسیٰ بن عقبہ رضی اللہ عنہم کی روایت ہے، کہ اہل خیبر میں سے کسی یہودی کا ایک سیاہ فام غلام تھا، اس نے جب اپنے مالک اور دوسروں کو جنگ کی تیاری کرتے دیکھا، تو پوچھا یہ کس مہم کے لئے ہے، اسے بتایا گیا کہ ہم ایسے شخص کے مقابلہ کے لئے جا رہے ہیں جو نبی ہونے کا دعویدار ہے، غلام نے جب یہودی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر سنا تو خاموش ہو گیا، اور اپنے مالک کی بکریاں چرانے کے لئے نکل گیا، یہ بکریاں لے کر وہ آقائے رحمت ﷺ کے دربار میں حاضر ہوا، اور پوچھنے لگا، کیا آپ ہی نبوت کا دعویٰ کرتے ہیں، آپ نے فرمایا، میں ہی اللہ کا نبی ہوں، غلام نے کہا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں، آپ نے فرمایا، میں تمہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دیتا ہوں، اور کہتا ہوں کہ تم گواہی دو، کہ اللہ کے سوا عبادت کے لائق کوئی نہیں اور یہ کہ، میں اللہ کا رسول ہوں، غلام بولا، اگر میں یہ گواہی دوں تو مجھے کیا ملے گا، آپ نے فرمایا تجھے جنت ملے گی، غلام مشرف باسلام ہو گیا، آپ کا غلام بن گیا، اب اس نے اپنے آقا ﷺ سے بھیک مانگی اور کہا، میں ایک شخص ہوں جس کا رنگ کالا ہے، چہرہ بدصورت ہے، جسم بدبودار ہے، میرے پاس مال و دولت بھی نہیں غریب و لاچار ہوں، اگر میں یہودیوں سے جنگ کروں تو کیا مجھے جنت ملے گی، قاسم جنت ﷺ نے فرمایا ہاں تم ضرور جنت کے حق دار ہو گے، وہ پھر عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ! میرے پاس یہ بکریاں ہیں، جو امانت ہیں، میں ان کا کیا کروں، آپ نے فرمایا، انہیں قلعہ کی طرف ہانک دو

ان پر کنکریاں مارو، یہ اپنے مالک کے پاس چلی جائیں گی۔ اس نے ایسا ہی کیا اور دیکھا کہ وہ بکریاں ایسے جارہی تھیں جیسے چرواہا ان کو ہانک رہا ہو، اللہ کے رسول ﷺ کو اس کی دیانت داری پر تعجب ہوا۔

اب یہ حبشی غلام جھومتا، مست میدان جنگ میں پہنچا، اور دشمن سے لڑنا شروع کیا، کچھ دیر بعد اس کے ایک ایسا تیر لگا جو جان لیوا ثابت ہوا، وہ شہید ہو گیا، اسلام قبول کرنے کے بعد اسے ایک سجدہ تک کرنے کی مہلت نہ ملی، مسلمان اسے اٹھا کر اپنے لشکر میں لے آئے، رحمت عالم ﷺ نے فرمایا، اسے میرے خیمہ میں لے جاؤ، آپ فارغ ہو کر خیمہ میں تشریف لائے اور فرمایا ''لَقَدْ اَحْسَنَ اللّٰہُ وَجْھَکَ وَطَیَّبَ رِیْحَکَ وَکَثَّرَ مَالَکَ'' اے حبشی غلام! تیرے چہرے کو اللہ نے خوب صورت بنا دیا، تیری بدبو کو خوشبو میں بدل دیا اور تیرے مال کو بہت بڑھا دیا، آقا ﷺ نے فرمایا، میں نے دو حوروں کو دیکھا جو اس کے چہرے سے گرد و غبار کو صاف کر رہی تھیں، نیز فرمایا، اللہ تعالیٰ اس چہرے کو خاک آلود کرے، جس نے تیرے چہرے کو غبار آلود کیا، اور اس شخص کو ہلاک کرے جس نے تجھے شہید کیا۔

محمد بن مسلمہ کی شہادت

قلعہ ناعم کی جنگ کے دوران، حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ، نہایت بہادری اور جواں مردی کے جوہر دکھا رہے تھے، کہ گرمی اور پیاس کی شدت کی وجہ سے موقع پا کر آپ قلعہ کی دیوار کے سایہ میں ستانے کے لئے بیٹھ گئے، سر سے خود اتار لیا، چھت سے کسی یہودی نے آپ کو دیکھا، تو مرحب کو خبر کی اس نے اوپر سے ایک پتھر پھینکا جس سے آپ کا سر کچل گیا، اور شہید ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، اسی دن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مرحب کو قتل کیا۔

قلعہ قموص

خیبر کے قلعوں میں مضبوط ترین قلعہ قموص سمجھا جاتا تھا، قلعہ ناعم اور دیگر قلعوں کے فتح ہو جانے کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجاہدین کو قموص پر حملہ کرنے کا حکم دیا، ایک روایت کے مطابق، مرحب اسی قلعہ میں موجود تھا، اور یہیں حضرت علی نے اس کا کام تمام کیا، اس قلعہ پر جنگ سب سے زیادہ گھمسان اور سخت ہوئی، یہاں اسد اللہ نے اپنی شجاعت کے جوہر خوب دکھائے، دشمن کا ناطقہ بند کر دیا، دوران جنگ آپ کی ڈھال کٹ کر گر پڑی، تو آپ نے قلعہ قموص کا پھانک اکھاڑ دیا، اور ایک کواڑ کو ڈھال بنا کر دشمن کی تلواریں روکتے رہے، یہ کواڑ، اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ بعد میں چالیس آدمی اس کو نہ اٹھا پائے۔

قلعہ قموص کا بیس دن محاصرہ جاری رہا، آخرکار، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو بھی فتح کیا، اور اس پر علم اسلام لہرا دیا گیا، اور یہاں موجود بہت سے مردوں اور عورتوں کو قیدی بنالیا گیا، جن میں حی بن اخطب کی بیٹی اور سردار قلعہ کنانہ بن ابی الحقیق کی بیوی صفیہ بھی شامل تھیں، (صفیہ سے متعلق تفصیل آپ ابھی ملاحظہ کریں گے)۔

قلعہ الصعب

مسلمانوں نے قلعہ الصعب کا محاصرہ کیا جو تین دن تک جاری رہا، یہ بھی ایک وسیع وعریض اور نہایت مضبوط قلعہ تھا، اسی دوران ایک یہودی کی بکریوں کا ریوڑ چرتا نظر آیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلاموں سے فرمایا، تم میں سے کون، اس ریوڑ سے چند بکریاں پکڑ کر لا سکتا ہے، حضرت ابن عمر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ غلام حاضر ہے، آقا نے اجازت دی اور میں اس ریوڑ سے دو بکریاں پکڑ لایا، جب کہ باقی بھاگ گئیں، میں نے دونوں بکریوں کو اپنی دونوں بغلوں میں دبایا ہوا تھا، لیکن مجھے بوجھ کا بالکل احساس نہ ہوا، بکریاں بارگاہ رسالت میں پیش کی گئیں، تو آپ نے انہیں ذبح کر کے مجاہدین میں گوشت تقسیم کرنے کا حکم دیا جس میں بہت برکت ہوئی اور کافی لوگوں نے اسے سیر ہو کر کھایا۔

علامہ مقریزی کے مطابق اس قلعہ کو فتح کرنے کے لئے دو روز تک جنگ ہوتی رہی، لیکن کامیابی نہ ہو سکی، تیسرے روز، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو پرچم سپرد کیا، اور مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ قلعہ پر حملہ کرنے کا حکم دیا، اس حملہ میں سالار اعظم ﷺ بنفس نفیس شریک تھے فریقین میں گھمسان کا رن پڑا، جب یہودیوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا تو اپنے تیروں کا رخ آپ کی طرف کر دیا، شمع رسالت کے پروانے آپ کے گرد جمع ہو گئے اور عشق ومحبت سے بھرے ہوئے سینے ڈھال بن گئے، یہودیوں نے ایک بھرپور حملہ کیا جس کے سبب مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، اسی دوران چند یہودی سپاہی، آقا کے قریب پہنچ گئے اس وقت آپ اپنے گھوڑے سے اتر کر نیچے کھڑے تھے، حباب بن منذر یہ خطرناک صورت دیکھ کر دوڑے اور دشمن کے مقابلہ میں ڈٹ گئے، آقا ﷺ نے غلاموں کو مقابلہ کے لئے بلایا، منتشر مجاہدین پھر جم کر مقابلہ کرنے لگے، یہاں تک کہ یہودی واپس قلعہ میں گھس گئے، آہنی دروازے بند کر لئے اور چھتوں سے سنگباری کرنے لگے، مسلمان پھر پیچھے ہٹے، تو یہودیوں نے خیال کیا کہ اب مسلمان بھاگنا چاہتے ہیں لہٰذا وہ قلعہ سے باہر نکل آئے، ایک مرتبہ پھر گھمسان کی جنگ ہوئی اس مرتبہ جب یہودی اپنے قلعہ میں پناہ لینے بھاگے، تو مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا اور وہ بھی قلعہ میں داخل ہو گئے اور یہودیوں کو بے دریغ قتل کیا، جنہوں نے ہتھیار

ڈال دیئے انہیں گرفتار کر لیا گیا، یعنی بحمد اللہ، یہ معرکہ بھی سر ہوا، ایک اور اہم قلعہ فتح ہو گیا۔

علامہ مقریزی لکھتے ہیں کہ اس قلعہ سے خوراک کے جو ذخائر دستیاب ہوئے، ان میں جو، کھجور، گھی، شہد، تیل، چربی اور دیگر بے شمار اشیاء تھیں، آقا ﷺ نے اعلان فرمایا: "كُلُوْا وَاعْلِفُوْا وَلَا تَحْتَمِلُوْا" خود کھاؤ، جانوروں کو کھلاؤ، لیکن کوئی چیز اٹھا کر نہ لے جاؤ، اس قلعہ سے مسلمانوں کو یمنی کپڑے کی بیس گانٹھیں ملیں، مختلف قسم کے شراب کے مٹکے ملے جنہیں توڑ دیا گیا اور شراب بہادی گئی، تانبے اور مٹی کے برتن ملے جن میں یہود کھاتے اور پیتے تھے، آقا ﷺ نے فرمایا انہیں دھو کر استعمال کرو، ان اشیاء کے علاوہ بھیڑ، بکریوں کے ریوڑ، گائے کے گلے اور کثیر تعداد میں گدھے بھی ملے ایک یہودی کی نشان دہی پر زیر زمین تہ خانہ سے بھاری مقدار میں نہایت اعلیٰ قسم کا اسلحہ بھی ملا۔

ایک افسوس ناک واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک مسلمان، عبداللہ الحمار نے فرط مسرت میں شراب پی اور مست ہو گیا، آقا نے اس کو پکڑ کر جوتوں سے مارا اور وہاں موجود غلاموں کو بھی حکم دیا، کہ سب جوتوں سے اس کی پٹائی کریں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو کہا "لعنة الله عليه" اس پر اللہ کی لعنت ہو، آقائے رحمت ﷺ نے منع فرمایا، اور فرمایا "فَاِنَّهٗ يُحِبُّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" کیونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، لہٰذا اس پر لعنت نہ کرو (اس سے گناہ سرزد ہوا ہے، جس کی اسے سزا مل گئی، اب اس پر اللہ کا عذاب مسلط ہونے کی دعا نہ کرو)۔

قلعہ قلۃ الزبیر

قلہ پہاڑ کی چوٹی کو کہتے ہیں یہ علاقہ چونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آیا تھا، لہٰذا اسے "قلۃ الزبیر" کا نام دیا گیا، قلعہ ناعم اور صعب کے فتح ہونے کے بعد، جو یہودی ان دونوں قلعوں سے فرار ہوئے، انہوں نے قلۃ الزبیر میں پناہ لی تھی، تین دن تک اس قلعہ کا محاصرہ رہا، لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو سکا، نہ جنگ ہوئی اور نہ ہی قلعہ فتح ہو سکا، اس طرح یہ قلعہ، مسلمانوں کے لئے ایک معمہ بن گیا، جسے اپنی قوم کے ایک غدار یہودی غزال نے حل کیا، یہ آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اپنی اور اپنے اہل وعیال کی جان کی پناہ کا طلب گار ہوا، تاکہ اس قلعہ کا راز بتائے، آقائے رحمت ﷺ نے اسے پناہ دی، تو اس نے بتایا کہ اگر آپ اس قلعہ کا ایک ماہ بھی محاصرہ کیے رہیں، تو یہودیوں کو کوئی تکلیف نہ ہو گی، کیونکہ یہاں سامان خوراک کافی مقدار میں موجود ہے، نیز انہوں نے پانی کے لئے سرنگیں بنا رکھی ہیں، جہاں سے وہ رات کی تاریکی میں پانی حاصل کر لیتے ہیں، اگر آپ ان سرنگوں کو کاٹ دیں، تو ان کا پانی بند ہو جائے گا اور وہ ہتھیار ڈالنے یا باہر آ کر جنگ کرنے پر مجبور ہو جائیں گے، چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے ایسا ہی کیا، تدبیر کامیاب ہوئی دشمن باہر آ گیا زبردست جنگ ہوئی، کئی مسلمان شہید ہوئے

دس یہودی بھی مارے گئے، بالآخر فتح مسلمانوں کی ہوئی۔

قلعہ ''ابی''

اس قلعہ کی فتح کا سہرا حضرت ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کے سر رہا، کہ جنگ شروع ہوتے ہی ایک یہودی نے ایک مسلمان کو شہید کر دیا، تو حضرت ابو دجانہ نے مزید نقصان سے پہلے ہی اس جنگ کے خاتمہ کا فیصلہ کیا، آپ نے حسب عادت اپنے خود پر سرخ دوپٹہ باندھا، اپنی تلوار لہراتے نہایت فخر و ناز کی چال چلتے میدان میں آئے، اور اپنے مجاہد بھائی کے قاتل کی پہلے ہی وار میں ٹانگیں کاٹ دیں اور آناً فاناً اس کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ہلاک شدہ یہودی کی تلوار، زرہ اور دوسرا سامان لے کر آقا ﷺ کے دربار میں پیش ہوئے آپ نے ابو دجانہ کی بہادری پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وہ سب سامان ابو دجانہ کو بطور انعام عطا فرمایا، ابو دجانہ کے اس پہلے حملے نے یہودیوں کو ایسا خوفزدہ کیا کہ پھر کوئی یہودی میدان میں آنے کی جراءت نہ کر سکا، بس قلعہ بند ہو کر پتھر اور تیر پھینکتے رہے، لہٰذا ایک مرتبہ پھر ابو دجانہ نے جراءت مندانہ فیصلہ کیا، کہ آپ اپنے ساتھیوں کو اشارہ کرتے ہوئے تیزی سے آگے بڑھے اور سب نے مل کر ایک دھکے میں قلعہ کا مضبوط دروازہ توڑ گرایا، اب مجاہدین یہودیوں کو اپنی زد میں لے رہے تھے، اور وہ مار کھاتے دیواروں پر چڑھ کر قلعہ کے باہر چھلانگیں لگا رہے تھے اور قریبی قلعہ ''النزائی'' میں پناہ لے رہے تھے، بہر حال حضرت ابو دجانہ کی جراءت مندانہ قیادت میں ''قلعہ ابی'' فتح ہوا، جہاں سے مجاہدین کو سامان خوراک اور بڑی تعداد میں بھیڑ بکریاں ہاتھ آئیں۔

قلعہ وطیح اور سلالم

تقریباً خیبر کے سب قلعے فتح ہو چکے تھے اور ان پر علم اسلام لہرا رہا تھا، بس وطیح اور سلالم نامی دو قلعے باقی تھے، آقا ﷺ نے ان کے بھی محاصرہ کا حکم دیا، چودہ دن محاصرہ جاری رہا، لیکن یہودی میدان میں آنا تو درکنار ایک کنکری تک باہر نہ آئی، سب یہودی اتنے سہمے اور خوفزدہ تھے کہ اب پناہ گاہ سے باہر آنے کی ان میں ہمت ہی نہ تھی، لیکن حالت جنگ میں جب تک دشمن مار کھا کر بھاگ نہ جائے یا شکست تسلیم کر کے صلح و آشتی پر آمادہ نہ ہو جائے، اس وقت اسے نہیں چھوڑا جا سکتا کہ ایسی صورت میں وہ دوبارہ سر اٹھاتا یا فتح و کامرانی کا جھوٹا ڈھنڈورا پیٹنے لگتا ہے، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ، منجنیقوں کے ذریعہ قلعہ پر سنگ باری کر کے اسے تباہ کر دیا جائے، جب یہودیوں کو مسلمانوں کی تدبیر جنگ کا پتہ چلا، تو انہیں اپنی موت، اسیری، غلامی اور تباہ و بربادی کا یقین ہو گیا، اس لئے ان کے پاس سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا، کہ ہتھیار ڈال دیں اور صلح کی بھیک مانگیں، پس سردار قلعہ کنانہ بن

الحقیق نے اپنے نمائندے کی معرفت، باریابی کی اجازت چاہی آقا ﷺ نے اجازت دی، کنانہ حاضر بارگاہ ہوا، اور درج ذیل شرائط پر اس نے صلح کا معاہدہ کیا:

آقائے رحمت ﷺ قلعہ میں مورچہ بند یہودیوں کا خون معاف فرمادیں، اور ان کے اہل و عیال کو ان کے حوالہ کر دیا جائے۔

یہودی خیبر کے قلعوں اور اس کے مزروعہ علاقوں سے مع اپنے اہل وعیال نکل جائیں گے۔

یہودی، سونے چاندی کے سارے زیورات، سواری کے جانور ہر قسم کا اسلحہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالہ کر دیں گے، نیز اپنا تجارتی کپڑا بھی چھوڑ دیں گے، صرف اتنا کپڑا ساتھ لے جائیں گے، جو اپنی پشتوں پر لاد سکیں گے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس صلح کو جو یہودیوں کی شکست اور انتہائی ذلت وخواری کی مظہر تھی، قبول فرمایا، نیز فرمایا، کہ اگر تم نے اپنا کوئی سامان چھپایا، تو اس صلح سے اللہ اور اس کا رسول بری ہوں گے، یعنی صلح ختم ہو جائے گی اور مجاہدین اسلام جس طرح چاہیں تمہاری درگت بنائیں گے، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجاہدین کی ایک جماعت کو مقرر فرمایا، جو کنانہ کے ساتھ دونوں قلعوں میں جائے، حسب معاہدہ تمام سامان پر قبضہ کرے اور یہودیوں کو ان کے اہل وعیال کے ساتھ نکال باہر کرے پس ایسا ہی کیا گیا۔

اس عمل کے نتیجہ میں سونا، چاندی، کپڑا، سامان خوراک، اسلحہ، جانور اور اس کے علاوہ اس علاقہ کے وہ نخلستان بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے، جس میں کھجوروں کے چالیس ہزار درخت موجود تھے۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ والصلوٰۃ والسلام علٰی سید الانبیاء والمرسلین وعلٰی اٰلہ واصحابہ اجمعین

صحائف تورات

ان قلعوں کی فتوحات سے جو بے شمار قیمتی اموال غنیمت حاصل ہوئے، ان میں تورات کے چند نسخے بھی تھے، یہود کو پتہ چلا، تو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، کہ تورات ہماری مقدس کتاب ہے، لہٰذا اس کے جتنے نسخے مسلمانوں کے قبضے میں آئے ہیں، وہ ہمیں واپس کر دیئے جائیں، آقائے عدل وانصاف ﷺ نے ان کی درخواست قبول کی اور مسلمانوں کو حکم دیا، کہ نہایت ادب واحترام سے تورات کے نسخے اس کے اہل کے سپرد کر دیئے جائیں، پس تعمیل حکم ہوئی اور سب نسخے واپس کر دیئے گئے۔

ڈاکٹر اسرائیل ویلفنسن نے اپنی تصنیف "تاریخ الیہود فی بلاد العرب" میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا

ہے، اور سرکار دو عالم ﷺ کی عالی ظرفی اور کشادہ دلی پر وہ حیران ہو کر رہ گئے، اس نے حضور ﷺ کے اس طرز عمل کا موازنہ یہودیوں اور عیسائیوں کے طرز عمل سے کیا ہے، وہ لکھتا ہے:

پیغمبر اسلام کے اس کریمانہ سلوک سے یہ حقیقت واضح ہو گئی، کہ دوسرے مذاہب کے مقدس صحیفوں کا حضور کے قلب مبارک میں کتنا احترام تھا، یہودی آج بھی حضور کے اس احسان کے معترف ہیں، اس کریمانہ طرز عمل کے برعکس رومیوں نے جب یروشلم پر 70 بعد مسیح قبضہ کیا، تو انہوں نے عیسائیوں کی مقدس کتابوں کو نذر آتش کر دیا، اور اپنے پیروں تلے انہیں روند ڈالا، اسی طرح نصاریٰ نے جب سپین میں یہودیوں کے خلاف مہم چلائی تھی، تو انہوں نے بھی تورات کے جتنے نسخے، انہیں ملے تھے، انہیں جلا کر خاکستر بنا دیا تھا، واضح تفاوت ہے پیغمبر اسلام کے طرز عمل میں اور دیگر فاتحین کے طرز عمل میں۔ (ماخوز از ضیاء النبی، ج 4، 248، مصنف، حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمہ)

قابل غور ہے، میرے آقا ﷺ کا یہ عمل اور اس پر، ایک یہودی مصنف کا تبصرہ، ان اقوام عالم کے لئے جو آج مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگاتے نہیں تھکتے، اور ان کی زبان وقلم کا سارا زور، اسلام کو دہشت گردی کی تعلیم دینے والا مذہب قرار دینے پر صرف ہو رہا ہے، ذرا سوچیں وہ یہودی جو مسجد اقصیٰ کے اردگرد، فتنہ وفساد برپا کر کے شعائر اسلام اور متبرک زمین کی برکتوں کو پامال کر رہے ہیں، وہ سوچیں کہ جس تورات پر وہ عمل کا دعویٰ کرتے ہیں، یہ نبی آخر الزماں ﷺ ہی کا عطیہ ہے، ورنہ ان کے پاس آج دعوے کے لئے بھی کچھ نہ ہوتا، وہ بتائیں کہ انہوں نے میرے آقا ﷺ کے احسان کا کیا بدلہ چکایا، صرف یہی کہ وہ ان کے غلاموں کا قتل عام کیے جا رہے ہیں، اور سوچیں وہ عیسائی جو مسلم ممالک میں گھس کر مسلمانوں کی زندگی اجیرن بنا رہے ہیں، ان کا قتل عام کر رہے ہیں، جب کہ مسلمان صرف اپنے دین کی حفاظت اپنے حقوق کے حصول کے لئے کوشاں ہیں، اور وہ اپنی اس کوشش میں کامیابی کے لئے، جانیں لے نہیں رہے بلکہ ظالموں کی ہوس کا شکار ہو رہے ہیں اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیے جا رہے ہیں، لیکن پھر بھی وہی دہشت گرد قرار پاتے ہیں۔

کاش یہود ونصاریٰ سوچیں کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان، کتاب مقدس کا رشتہ موجود ہے، جس کی بنیاد پر اہل کتاب ایک دوسرے سے قریب ہیں، لیکن آج کے یہود ونصاریٰ نے اس مقدس رشتہ کو فراموش کر کے، ان قوموں کو اپنا بھائی بنا لیا ہے جو اس ترقی کے دور میں بھی کفر وشرک میں مبتلا ہے، پتھروں اور جانوروں کے پجاری ہیں، جنہیں قرآن کی طرح، زبور، تورات وانجیل نے بھی اہل کتاب کا دشمن اور قابل نفرت قرار دیا ہے، حیرت ہے اس احمقانہ فیصلہ پر کہ اپنوں سے دشمنی اور دشمنوں سے دوستی کا رشتہ قائم کر لیا جائے۔

بحمد اللہ مسلمان آج بھی قرآن کے احکام اور معلم قرآن ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں، کہ وہ اپنی شریعت کے مطابق ہر قوم کے ساتھ اچھے تعلقات کے خواہاں ہیں، ظالموں، ستم گروں، دہشت گردوں سے بےزار ولاتعلق ہیں، دنیا میں امان وامان کا قیام ان کی کوشش اور خواہش ہے۔

ظلمت کفر سے بڑھ کے ہے سیاہی دل کی ۔۔۔ دور کیونکر دل اغیار سے کینہ ہو جائے

صفیہ بنت حی کی عزت افزائی

صفیہ کے باپ حیی بن اخطب کو بنو قریظہ کے مردوں کے ساتھ قتل کیا گیا، جو یہودیوں میں رئیس اعظم تھا، ان کا شوہر کنانہ غزوۂ خیبر میں مارا گیا، اور یہ لشکر اسلام کی اسیر بن کر آقائے رحمت ﷺ کی پناہ میں تھیں، جہاں سب کے ساتھ انصاف ہوتا ہے، جہاں ہر کسی کو باآسانی اس کا حق ملتا ہے، جہاں ہر کسی کو اس کی شایان شان منصب ومرتبہ ملتا ہے۔

حضرت صفیہ ایک سردار کی شہزادی اور ایک سردار کی بیوی تھیں، مسلمانوں کی قید میں آئیں، تو ان کے احترام میں کوئی فرق نہ آیا، اتفاق سے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آگئیں، تو دوسرے مسلمانوں نے ایک شہزادی کا ایک عام آدمی کے پاس رہنا مناسب نہ سمجھا، آقا ﷺ کی توجہ مبذول کرائی گئی، تو آپ نے ان کے منصب کے تحفظ کے جذبہ کو پسند فرمایا، غلام کو حکم ملا صفیہ سے دستبردار ہو جاؤ، کوئی دوسری کنیز لے لو، بلا تامل تعمیل حکم ہوئی، حضرت صفیہ جنہیں یہ شرف بھی حاصل ہے کہ وہ اللہ کے نبی حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں، بلاشبہ اس کی حق دار تھیں، کہ آقائے کائنات ﷺ کی پناہ میں آنے کے بعد انہیں، ان کے سابقہ اعزازات سے بلند ترین اعزاز بخشا جائے، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اپنے لئے منتخب فرمایا، لیکن انہیں اختیار دیتے ہوئے فرمایا، اگر تم اپنے اعزاء واقارب کے ساتھ رہنا چاہو، تو ہماری طرف سے آزاد ہو، تم جا سکتی ہو، بصورت دیگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہیں اپنی زوجیت کا شرف عطا فرمائیں گے، حضرت صفیہ بخوبی جانتی تھیں، کہ نبی کے دامن سے وابستگی، نہ صرف دنیا ہی نہیں، بلکہ آخرت کا بھی بلند ترین اعزاز ہے، پس انہوں نے اپنا فیصلہ سنایا "اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" میں اللہ اور اس کے رسول کو پسند کرتی ہوں، مجھے اب کہیں جانے کی ضرورت نہیں، وہ مشرف باسلام ہوئیں، آقا نے انہیں آزاد کیا، اور اپنی زوجیت میں لے کر ایک شہزادی کو ملکہ، یعنی ہمیشہ کے لئے امت مسلمہ کی ماں ہونے کا اعلیٰ ترین اعزاز بخشا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شب زفاف میں حضرت صفیہ کی آنکھ سے نیچے ایک سبز داغ دیکھا، آپ نے پوچھا، یہ داغ کیسا ہے، انہوں نے اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا تھا، کہ ایک دن میں اپنے سابق شوہر کنانہ کو ایک عجیب خواب سنایا، کہ میری گود میں آسمان کا چاند آگرا ہے" وہ یہ سنتے

ہی بے قابو ہو گیا، اور بولا "مَا هٰذَا اِلَّا اَنَّکِ تَمَنَّیْنَ مَلِکَ الْحِجَازِ مُحَمَّدًا" اس خواب سے معلوم ہوتا ہے کہ تیری آرزو ہے کہ تو بادشاہ حجاز محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ملکہ بنے، اور اس نے غصہ میں میرے منہ پر ایک زوردار طمانچہ مارا جس سے یہ داغ پڑ گیا۔

یہ بڑی ہی عجیب بات ہے، خیبر کے قلعہ میں عیش و آرام کے دن بسر کرنے والی ایک شہزادی، جس نے نہ تو کبھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا نہ ہی آپ سے کبھی ملاقات کی ان کی ملکہ بننے کی کیسے آرزو کر سکتی ہے، جب کہ کسی شادی شدہ عورت کی گود میں چاند آ گرا، کی عام تعبیر یہ ہوتی ہے، کہ وہ چاند جیسے حسین بچہ کی ماں بنے گی، لیکن کنانہ نے خواب کی جو تعبیر لی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی چاند سے مراد، صرف میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کو لیتے تھے، جب کہ ان کے حسن و جمال کے مقابلہ پر چاند کی کوئی حیثیت نہیں کہ چاند میں داغ ہے وہ بے داغ تھے، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ابوایوب انصاری کی محبت

ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، اب حضور علیہ الصلوۃ السلام کے خیمہ میں ہیں، پہلی رات ہے رات گئے، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیمہ کے باہر کسی کے چلنے کی آواز سنی، پوچھا کون ہے، آواز آئی، یارسول اللہ! آپ کا غلام ابوایوب انصاری حاضر ہے۔ سرکار خیمہ سے باہر تشریف لائے اور پوچھا، ابوایوب تم اتنی رات گئے یہاں کیا کر رہے ہو، عرض گزار ہوئے، آقا! صفیہ زخم خوردہ ہیں ان کا شوہر، باپ، چچا ہمارے ہاتھوں قتل ہوئے ہیں، یہ نومسلمہ ہیں، مجھے خطرہ ہوا کہ کہیں وہ آپ کی شان میں کوئی گستاخی نہ کریں، پس میں دوڑا آیا اور پہرہ دینے لگا، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے غلام کے جذبۂ جاں نثاری سے خوش ہوئے اور دعا کی "اَللّٰهُمَّ احْفَظْ اَبَا اَیُّوْبَ کَمَا بَاتَ یَحْفَظُنِیْ" اے اللہ! جس طرح ابوایوب انصاری ساری رات میری حفاظت کے لئے جاگتا رہا ہے، الٰہی! تو بھی اس کی حفاظت فرما۔

ایک اور سازش

فتح خیبر کے بعد، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ضروری انتظامات کے لئے چند دن، خیبر ہی میں قیام فرمایا، اسی دوران پٹے پٹائے ذلیل و خوار مکار یہودیوں نے ایک اور ناکام سازش کی، جس کا آلہ کار، زینب نامی یہودیہ کو بنایا، یہ خبیثہ یہودیوں کے ایک سردار، حارث کی بیٹی سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بہن تھی، اور تینوں ہی نہایت خبیث النفس تھے جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جا چکے تھے۔

زینب نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی دعوت کی، اور اس نے یہ معلوم کر لیا تھا، کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بکری کے بازو کا گوشت پسند ہے، لہٰذا اس نے بکری کا گوشت پکایا، اور اس میں زہر ملا دیا

جب کہ بازو میں زیادہ زہر ملا دیا، اور آقا ﷺ کے حضور پیش کیا، آپ نے اپنی پسند کے مطابق بازو اٹھالیا، اور اس کا ٹکڑا منہ میں رکھا اور فوراً ہی تھوک دیا اور فرمایا "اِنَّ هٰذَا الْعَظْمَ لَيُخْبِرُنِیْ اَنَّهٗ مَسْمُوْمٌ" کہ اس بازو نے مجھے خبر دی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے۔

اس دستر خوان پر آقا ﷺ کے ہمراہ حضرت بشر بن براء اور چند دیگر صحابہ بھی تھے، بشر نے گوشت کا ایک ٹکڑا چبایا اور نگل لیا، زہر بہت سخت اور زود اثر تھا، گوشت کا ایک ٹکڑا کھاتے ہی بشر کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور فوراً ہی آپ کی موت واقع ہو گئی، انہوں نے مرنے سے پہلے اپنے آقا سے محبت اور تعظیم کا اظہار کرتے ہوئے بتایا، کہ گوشت کا ٹکڑا چباتے ہی مجھے یوں محسوس ہو گیا تھا کہ اس میں زہر ملا دیا گیا ہے، لیکن میں حضور کی موجودگی میں اسے تھوک نہ سکا، کہ میں یہ بے ادبی نہیں کرنا چاہتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت بشر کی موت کے بعد حکم صادر فرمایا کہ زینب کو، بطور قصاص قتل کر دیا جائے، تعمیل حکم ہوئی۔

مال غنیمت کی تقسیم

آپ پڑھتے آ رہے ہیں، کہ خیبر کے تقریباً تمام قلعوں سے مسلمانوں کو بکثرت مال غنیمت حاصل ہوا، جو اب تک حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سب سے زیادہ تھا، اور یہ صرف ان حضرات کا حق قرار دیا گیا تھا، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ حدیبیہ میں موجود تھے، اور آقا ﷺ نے انہی حضرات کو غزوۂ خیبر میں شرکت کی اجازت دی تھی، لیکن جو لوگ خیبر نہ آسکے تھے، یا پہلے ہی دنیا سے جا چکے تھے، انہیں بھی حصہ دیا گیا، کہ وہ بہر حال، حدیبی تھے، یہ فیصلہ عین ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق کیا گیا تھا فرمایا گیا:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ (الفتح:20)

"اللہ نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ فرمایا ہے، جنہیں تم حاصل کر لو، پس جلدی دے دیئے ہیں تمہیں یہ اموال غنیمت"۔

یہ رب کریم کی طرف سے صلہ و انعام تھا، اس کربناک ذہنی اذیت کا جو شرکاء حدیبیہ نے، معاہدۂ صلح کے وقت برداشت کی، پس آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ انعام الٰہی بمطابق حکم الٰہی اس کے حق داروں میں تقسیم فرمایا۔

...ی زمینوں کا انتظام

آپ پڑھ چکے ہیں کہ خیبر کے قلعے فتح ہو جانے کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہودیوں کو

قلعے خالی کر دینے اور خیبر کی حدود سے نکل جانے کا حکم دیا، اب یہودیوں کے لئے تعمیل حکم کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، لیکن ان کے ذہن میں ایک تجویز آئی جس کے منظور ہو جانے کی صورت میں وہ خانہ بدوشی کی زندگی سے بچ سکتے تھے انہوں نے آقائے رحمت ﷺ کی بارگاہ میں درخواست پیش کی کہ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو یہاں کی زرعی زمینوں کی دیکھ بھال اور کھیتی باڑی کرنے کے لئے ہمیں یہاں رہنے کی اجازت مرحمت فرمائیں، بایں صورت کہ پیداوار کا نصف حصہ ہمارا ہو اور نصف آپ کا، چونکہ زمینیں کافی تھیں، جب کہ اہل مدینہ کی تعداد کم تھی اور ان کی اپنی مذہبی اور تجارتی مصروفیات بھی خاصی تھیں، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس تجویز پر رضامندی کا اظہار فرمایا، لیکن اس وقت یہ وضاحت بھی فرمادی "نُقِرُّکُمْ فِیْھَا عَلٰی ذٰلِکَ مَاشِئْنَا" کہ ہم جب تک چاہیں گے تمہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دیں گے، اب یہودی اگرچہ غلام تھے، لیکن اس سہولت پر خوش تھے کہ خانہ بدوشی اور بے روزگاری سے بچ گئے، ورنہ ان کا سارا مال و متاع تو مال غنیمت بن چکا تھا، اگر زمینوں سے بھی بالکل محروم کر دیئے جاتے تو کھانے پینے کے لالے پڑ جاتے۔

اس فیصلہ کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو بطور نگران محصل تقرر فرمایا، ہر سال آپ کی نگرانی میں ہی زمینوں کی پیداوار معاہدے کے مطابق تقسیم ہوا کرتی تھی، کہ نصف حصہ یہود کو دے دیا جاتا اور نصف بیت المال میں جمع کر دیا جاتا تھا۔

حجاج بن علاط کا واقعہ

حجاج بن علاط مکہ کا ایک دولت مند تاجر تھا، جب اسے اطلاع ملی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام آج کل خیبر میں رونق افروز ہیں تو وہ حالات کا جائزہ لینے خیبر پہنچا، بارگاہ رسالت میں حاضر ہوتے ہی اس کی حالت بدل گئی اور مشرف باسلام ہو گیا، چند روز اس نے یہاں قیام کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مکہ واپس ہونے کی اجازت چاہی اور عرض گزار ہوا، کہ یارسول اللہ! میری کافی دولت میری بیوی کے پاس ہے، اور کافی دولت اہل مکہ کے قبضہ میں ہے جو انہوں نے مجھ سے قرض لی ہوئی ہے اگر میں نے انہیں اپنے مسلمان ہونے کی خبر دی، تو ان لوگوں سے دولت حاصل کرنا ممکن نہ رہے گا، اگر اجازت ہو تو میں کوئی تدبیر اختیار کروں، کہ آسانی سے میری دولت مل جائے آپ نے حجاج کو مکہ واپس ہونے اور تدبیر کرنے کی اجازت دی۔

اہل مکہ کو یقین کی حد تک یہ غلط فہمی تھی کہ مسلمانوں کو خیبر میں سخت ہزیمت ہو گی اور انہیں بڑا نقصان اٹھانا پڑے گا، جب انہیں پتہ چلا کہ حجاج مکہ واپس پہنچ گئے ہیں، تو وہ دوڑے دوڑے ان کے پاس آئے، وہ خیبر کے حالات اپنے خیال کے مطابق جاننے کے لئے بے چین تھے، حجاج نے ان

اس خواہش کو بھانپ لیا اپنی دولت وصول کرنے کے لئے انہوں نے تدبیر اختیار کی، اور اہل مکہ کو بتایا، کہ خیبر کے یہودیوں نے مسلمانوں کو عبرت ناک شکست دی ہے، ان کا قتل عام کیا ہے، جو بچے انہیں قیدی بنا لیا ہے، نیز فیصلہ کیا ہے کہ وہ ان قیدیوں کو مکہ لا کر قتل کریں گے، یہ خبر سنتے ہی کفار تو بدمست ہو گئے، نعرے لگانے لگے، ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے، شراب کے جام چھلکنے لگے، رقص و سرور کی محفلیں جم گئیں۔

اب حجاج اپنے مقصد کی طرف بڑھے اور انہوں نے ایک چال اور چلی، بااثر لوگوں کو بتایا کہ میں جلد خیبر جا کر مسلمانوں کا وہ مال خرید لینا چاہتا ہوں، جس پر یہودیوں نے قبضہ کیا ہے اور وہ اسے فروخت کرنے کے لئے بازار میں لانے والے ہیں، لیکن مشکل یہ ہے کہ میرے پاس سرمایہ نہیں، اگر آپ لوگ میری مدد کریں، اور میری وہ دولت واپس کرا دیں، جو مکہ کے لوگوں نے مجھ سے قرض لی ہوئی ہے، تو میں نہایت سستے داموں مسلمانوں کا سامان خرید سکوں گا، ان لوگوں نے تعاون کا وعدہ کیا اور چند ہی دن میں حجاج کی سب دولت وصول ہو گئی، یہی بات انہوں نے اپنی بیوی کو سمجھائی اس نے بھی سب سرمایہ حجاج کے سپرد کر دیا۔

حجاج کی بتائی ہوئی خبر مکہ میں نہایت تیزی سے پھیل چکی تھی، جس سے مکہ میں موجود مظلوم، مسلمانوں کو سخت اذیت ہوئی، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب کو پتہ چلا، تو ان پر سکتہ طاری ہو گیا، جب کچھ طبیعت بحال ہوئی تو آپ نے اپنے ایک غلام کو حکم دیا، کہ تو جا اور اس خبر کے متعلق حجاج سے صحیح معلومات حاصل کر کے جلد واپس آ، غلام حجاج کے پاس پہنچا، حجاج نے کہا اپنے آقا کو بتاؤ، کہ میں خود ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور میں انہیں ایسی خبر سناؤں گا، کہ وہ خوش ہو جائیں گے، غلام نے آ کر حضرت عباس کو یہ بات بتائی تو وہ فرط مسرت سے اٹھ کر کھڑے ہوئے، اور اسی خوشی میں انہوں نے غلام کو آزاد کر دیا، نیز نذر مانی کہ حجاج نے اگر خیر و عافیت کی خبر سنائی تو میں دس غلام مزید آزاد کروں گا، اب حضرت عباس نہایت بے چینی سے حجاج کا انتظار کر رہے تھے، کہ دوپہر کے وقت حجاج پہنچے اور کہا کہ مجھے تنہائی میں آپ سے گفتگو کرنی ہے، حضرت عباس انہیں علیحدہ کمرے میں لے گئے، حجاج نے ابتداء میں ان سے وعدہ لیا، کہ میں جو خبر آپ کو بتانے والا ہوں، تین دن تک آپ وہ کسی کو نہ بتائیں گے، اس دوران میں مکہ سے چلا جاؤں گا اور پھر آپ اس خبر کا اعلان کر دیں گے، حضرت عباس نے بے چین ہو کر کہا، ہاں میں پختہ وعدہ کرتا ہوں کہ یہ راز تین دن کسی پر ظاہر نہیں ہوگا، پس اب تم جلد مجھے حقیقت حال بتاؤ، حجاج نے کہا اب تک آپ نے جو کچھ سنا کہ اہل مکہ سے دولت واپس لینے کے لئے میری ایک تدبیر تھی، جب کہ حقیقت اس کے بالکل

برعکس ہے، ہمارے آقا ﷺ نے خیبر کے سب قلعے فتح کر لئے ہیں، جن پر اسلام کے جھنڈے لہرا رہے ہیں، اور مسلمانوں کو بکثرت مال غنیمت حاصل ہوا ہے، حضرت عباس یہ خبر سن کر جھومنے لگے، وہ کبھی حجاج کو گلے لگاتے اور کبھی ان کی پیشانی چومتے۔

اسی روز شام کو حجاج مکہ سے روانہ ہو گئے، حسب وعدہ تین دن تک حضرت عباس خاموش رہے، جو ایک نہایت کٹھن اور دشوار مرحلہ تھا، لیکن وعدے کے مطابق انہیں ایسا کرنا ہی تھا، تین دن پورے ہو جانے کے بعد، حضرت عباس نہایت ہشاش بشاش حرم کعبہ میں داخل ہوئے، تو وہاں موجود کفار کو حیرت ہوئی، پھر بھی انہوں نے ازراہ ہمدردی کہا، کہ اے ابوالفضل! اللہ آپ کو ہمیشہ خوش وخرم رکھے، آپ نے فرمایا میں تو خوش وخرم ہوں، تم اپنی خبر لو، سنو! حجاج نے تم سب کو بے وقوف بنایا، جب کہ حقیقت وہ ہے جو حجاج نے مجھے بتائی کہ اللہ کے رسول نے خیبر کے سب قلعے فتح کر لئے ہیں اور ان پر اسلام کے پرچم لہرا رہے ہیں، یہ خبر اہل مکہ پر بجلی بن کر گری، ان کے چہرے پژمردہ ہو گئے، سب ایک دوسرے کی طرف دیکھتے اور کف افسوس ملتے رہ گئے۔

خیبر میں دیگر مسلمانوں کی حاضری

خیبر کی فتح، اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں، بالخصوص کفار مکہ کے لئے دائمی ذلت وخواری کا پیغام تھی، جب کہ مسلمانوں کے لئے فتح مبین اور مستقبل میں فتح عظیم کا مژدہ تھی، لہٰذا یہ خبر جہاں جہاں پہنچی کفار پر بجلی بن کر گری، جب کہ اہل ایمان کی تقویت مسرت وخوشی کا باعث بنی جو مسلمان سنتا کہ خیبر کے قلعوں پر اسلام کے پرچم لہرا رہے ہیں، اس کے دل میں خیبر چلو یا مدینہ چلو کی آرزو مچلنے لگتی۔

حضرت جعفر بن ابی طالب، تقریباً بارہ سال سے حبشہ میں اقامت پذیر تھے، جہاں انہیں خصوصی شہریت حاصل تھی جب انہوں نے فتح خیبر کا مژدہ سنا تو دیگر مہاجرین کے ہمراہ خیبر پہنچ گئے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ان کو بلوایا، بہر حال آقا ﷺ نے جعفر کو دیکھا، تو کھڑے ہو گئے، گلے لگایا، پیشانی پر بوسہ دیا، اور فرمایا "مَا اَدْرِیْ بِاَیِّهِمَا اَنَا اَسَرُّ بِفَتْحِ خَیْبَرَ اَمْ بِقُدُوْمِ جَعْفَرَ" میں نہیں جانتا کہ مجھے کس بات کی زیادہ خوشی ہوئی ہے فتح خیبر کی یا جعفر کی آمد کی حضرت جعفر کے ساتھ آنے والوں کی تعداد سولہ تھی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ، دوس کے اسی افراد کے ہمراہ مدینہ منورہ پہنچے وہاں معلوم ہوا، کہ آقا ﷺ اب تک خیبر میں ہی قیام پذیر ہیں، پورا قافلہ لے کر حاضر بارگاہ ہوئے، اللہ کے رسول ﷺ نے بے حد مسرت کا اظہار فرمایا، اور مجاہدین کے مشورے سے ان حضرات کو بھی مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا۔

خیبر میں احکام شرع کا اعلان

صاحب شریعت ﷺ نے خیبر میں درج ذیل شرعی احکام کا اعلان فرمایا:

درندہ جانوروں، پنجہ دار پرندوں، گدھے اور خچر کی حرمت کا اعلان فرمایا۔

چاندی، سونے کی تجارت، کمی بیشی کے ساتھ، دیگر اشیاء ضرورت کی طرح ممنوع فرمائی۔

اب تک لونڈی حاصل ہوتے ہی اس کے ساتھ صحبت کرنا، جائز تھا، اب حکم، استبراء کا اعلان کیا گیا کہ حاملہ ہونے کی صورت میں وضع حمل کے بعد، اور عام صورت میں ایک مہینہ گزر جانے کے بعد صحبت کی اجازت ہے۔

خیبر میں ہی، عورتوں سے متعہ کرنا بھی حرام، زنا کے مترادف قرار دیا گیا۔

یہودیوں کی دیگر بستیاں

آقائے رحمت ﷺ چاہتے تھے، کہ یہودیوں کی ریشہ دوانیاں اور سازشیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں اور انہیں اس قابل نہ چھوڑا جائے کہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ پر آنے کا کبھی خیال بھی کر سکیں، لہٰذا خیبر سے فارغ ہونے کے بعد، آپ نے وادئ قریٰ، تیماء اور فدک کے یہودیوں کو پیغام ارسال فرمایا، کہ وہ اسلام قبول کر لیں، یا مطیع ہو جائیں ورنہ ان کا انجام بھی اہل خیبر جیسا ہوگا۔

وادئ قریٰ نے، آسانی سے بات نہ سمجھی، انہوں نے مسلمانوں کو جنگ کا چیلنج دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وادی کے محاصرہ کا حکم دیا، یہودیوں نے مجاہدین پر تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے، حضرت مدعم رضی اللہ عنہ، اپنے اونٹ کا کجاوہ اتار رہے تھے، کہ ایک تیر آ کر لگا اور یہ شہید ہو گئے، پھر ان یہودیوں کو اسلام قبول کرنے پر آمادہ کیا جاتا رہا لیکن یہ باز نہ آئے، لہٰذا مجاہدین نے ان پر ایک بھرپور وار کیا، دس یہودی ہلاک ہوئے، تب ان کی سمجھ میں یہ بات آئی انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے، کامیابی کے بعد، آقائے رحمت ﷺ نے ان کو بھی وہی رعایت دی جو اہل خیبر کو دی گئی، کہ یہ اپنی بستی میں رہیں، مزروعہ زمین پر کاشت کریں اور اس کا نصف حصہ بیت المال میں جمع کرائیں۔

خیبر اور وادئ قریٰ کے یہودیوں کا انجام جب تیماء اور فدک کے یہودیوں کو معلوم ہوا تو وہ بلا چون وچرا انہی شرائط پر صلح کے لئے آمادہ ہو گئے، جن شرائط پر اہل خیبر اور وادئ قریٰ سے صلح ہو چکی تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور معاہدۂ صلح طے پا گیا، لیکن چونکہ ان علاقوں میں لشکر کشی کا موقع نہیں آیا تھا، لہٰذا یہاں کی زمینیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتی ملکیت قرار پائیں، جن کی آمدنی آپ اپنی حسب منشاء اپنے اہل خانہ، بنو ہاشم کے یتامیٰ و مساکین اور دیگر امور خیر پر

صرف فرماتے رہے۔

نماز فجر قضا ہو گئی

بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ خیبر سے واپسی کے دوران، آقا ﷺ نے ایک رات ابتدائی حصہ میں سفر شروع کیا، جب رات ڈھل گئی اور نیند محسوس ہونے لگی، تو آپ نے غلاموں کو آرام کرنے کی اجازت دی، قبل اس کے کہ لوگ آرام کے لئے جائیں، آپ نے فرمایا، تم میں کوئی ایسا ہے جو ساری رات جاگتا رہے اور ہمیں نماز فجر کے لئے اٹھا دے، ایسا نہ ہو کہ ہم سوئے رہ جائیں اور نماز قضا ہو جائے، حضرت بلال نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں، پس لوگ مطمئن ہو کر سو گئے حضرت بلال نے نوافل پڑھنا شروع کر دیئے اور جب تک اللہ نے چاہا وہ اللہ کی عبادت میں مصروف رہے، طلوع فجر سے تھوڑی ہی دیر پہلے وہ مشرق کی طرف منہ کر کے اپنے اونٹ سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، تا کہ جب صبح صادق ہو تو انہیں معلوم ہو جائے، لیکن وہ گہری نیند سو گئے، اور ایسے سوئے کہ انہیں کچھ خبر نہ رہی، حتیٰ کہ آفتاب طلوع ہو گیا، دھوپ تیز ہوئی، تو سب سے پہلے آقا ﷺ بیدار ہوئے، آپ نے فرمایا "مَا صَنَعْتَ بِنَا يَا بِلَالُ" اے بلال! تم نے ہمارے ساتھ کیا کیا، بلال عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! جس ذات نے آپ کو سلائے رکھا، اس نے مجھے بھی جاگنے نہ دیا، آپ نے فرمایا "صَدَقْتَ" بلال! تم نے سچ کہا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے سب کو یہاں سے کوچ کرنے کا حکم دیا، کچھ دور آگے جا کر آپ نے اپنی سواری کو بٹھایا اور سب کو اترنے کا حکم دیا، حضرت بلال نے اذان دی اقامت کہی، اور امام الانبیاء والمرسلین کی اقتداء میں سب نے نماز فجر قضا پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آقا ﷺ نے فرمایا "إِذَا نَسِيتُمُ الصَّلٰوةَ فَصَلُّوهَا إِذَا ذَكَرْتُمُوهَا إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ" اگر تم نماز ادا کرنا بھول جاؤ، تو جیسے ہی یاد آئے پڑھا لیا کرو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، نماز مجھے یاد کرنے کے لئے ادا کیا کرو۔

قضائے نماز میں حکمت

یقیناً اللہ کے رسول ﷺ کا کوئی عمل، مرضی رب کے خلاف نہ ہوتا تھا اور نہ ہی آپ کا کوئی کام خالی از حکمت ہوتا تھا، لہٰذا آپ کی نماز قضا ہونا بھی مرضی الٰہی کے عین مطابق تھی اور اس میں حکمت یہ بیان کی گئی ہے، کہ آقا ﷺ کا ارشاد ہے: "صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ" نماز اس طرح پڑھا کرو، جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو، صحابہ کرام نے آپ کو سفر و حضر، ہر حال میں نماز

پڑھتے دیکھا اور اسی کے مطابق وہ بھی نماز ادا کرتے رہے، لیکن آج تک، آپ کی نماز قضاء نہ ہوئی تھی، جو آج ہوگئی اور صحابہ کرام نے آپ کو قضا نماز پڑھتے ہوئے بھی دیکھ لیا، اور اسی طرح انہوں نے بھی پڑھی، نیز آپ کی نماز قضا ہوئی تب ہی ہمیں قضا کرنے کا طریقہ معلوم ہوا، اور ہم نے قضاء کے مسائل جانے، علاوہ ازیں، آقا ﷺ کی قضاء ہماری قضا نمازوں کی قبولیت کا وسیلہ ہے "وَلِلّٰهِ فِيْ شُئُوْنِهٖ حِكَمٌ لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰى" اور اللہ کے سارے کاموں میں بے شمار حکمتیں ہوتی ہیں۔

مدینہ طیبہ واپسی

غزوۂ بدر کے بعد، غزوۂ خیبر کا سفر ہر اعتبار سے کامیاب ترین تھا، کہ اس سفر میں خیبر، وادیٔ قریٰ، تیماء اور فدک کے تمام قلعوں پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا، اور آقا ﷺ اپنے غلاموں کے ساتھ، یہودیوں کی قوت و شوکت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پامال کرتے ہوئے مدینہ طیبہ واپس تشریف لائے، جب کہ مدینہ منورہ سے خیبر روانگی کے وقت اسلام کے دشمنوں کو مسلمانوں کی شکست و ہزیمت کا یقین تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ خیبر کے یہودی مادی و ظاہری اعتبار سے نہایت طاقت ور ہیں، ان کے پاس دس ہزار سے زیادہ تربیت یافتہ فوج ہے اسلحہ کا انبار ہے، سامان خوراک بھی وافر مقدار میں موجود ہے، وسیع و عریض مضبوط قلعے ہیں یہ سولہ سو مسلمان بے سروسامان ایک طاقت ور قوم سے مقابلہ کرنے چلے ہیں، جو اپنی تباہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے، لیکن جو ایمان ہی سے محروم ہیں وہ کیا جانیں کہ ایمان کی قوت کیا ہوتی ہے، اللہ کی نصرت و حمایت کی کیا اہمیت ہوتی ہے، لہٰذا جب فتح و کامرانی کا علم لہراتے، مجاہدین اسلام، سپاہ سالار اعظم ﷺ کی قیادت میں مدینہ منورہ واپس ہوئے تو آج صرف منافقین مدینہ ہی کو نہیں بلکہ عرب کے گوشہ گوشہ میں موجود اسلام کے دشمنوں کو اعتراف کرنا پڑا، کہ اسلام ایک قوت ہے اور مسلمان ایک طاقتور قوم ہیں، ان کے آقا ایک کامیاب قائد و رہبر ہیں، انہیں اللہ کی نصرت و حمایت حاصل ہے، پس فتح و کامرانی ان کا مقدر بن چکی ہے۔

بہرحال جب آقا ﷺ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، تو دشمن شرمندہ تھے، اپنے مستقبل سے مایوس تھے، اپنی ناکامی و نامرادی پر غمزدہ تھے، مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی قوت و طاقت سے خوفزدہ تھے جب کہ مسلمان اپنے آقا ﷺ کی غلامی پر نازاں و فرحاں تھے، وہ اپنی کامیابی و کامرانی پر اپنے رب کے حضور سربسجود تھے، روشن مستقبل کے آثار ان کے چہروں پر نمایاں تھے، آج انہیں یقین ہو چکا تھا کہ اب وہ کمزور و مظلوم قوم نہیں، بلکہ دنیا سے ظلم و ستم مٹانے والی طاقت ور قوم ہیں، اب ان کا ایمان پہلے سے زیادہ مضبوط اور عزائم مزید بلند تھے۔

غزوۂ خیبر کے بعد

غزوۂ خیبر سے فارغ ہو کر، اللہ کے رسول ﷺ نے کچھ عرصہ مدینہ منورہ میں قیام کا فیصلہ فرمایا، تا کہ اسلامی ریاست سے متعلق، انتظامی امور اور تعلیم کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفس پر توجہ دی جا سکے، اس دوران اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کسی سازش یا کسی قبیلہ کی طرف سے بدامنی پیدا کرنے کی خبریں موصول ہوئیں، تو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ٹولیاں روانہ فرماتے رہے، جنہوں نے خوش اسلوبی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور اپنی اپنی مہمات میں کامیاب ہوتے رہے، سات ہجری میں مؤرخین نے ایسی چند مہمات کا ذکر کیا ہے، جو یہ ہیں:

سریۂ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سریۂ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سریۂ عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ، سریۂ بشیر بن سعد الانصاری رضی اللہ عنہ، سریۂ غالب بن عبداللہ اللیثی رضی اللہ عنہ، سریہ ابی حدرد الاسلمی رضی اللہ عنہ، سریۂ عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ،

عمرۃ القضاء

آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں، کہ چھ ہجری میں اللہ کے رسول ﷺ نے، اپنے چودہ سو غلاموں کے ہمراہ عمرہ کرنے کا فیصلہ فرمایا لیکن آپ کو معاہدۂ صلح کے بعد، حدیبیہ سے واپس آنا پڑا اس صلح کو اللہ تعالیٰ نے ''فتح مبین'' قرار دیا، جس کا ثبوت غزوۂ خیبر کی شاندار کامیابی کی صورت میں نظر آیا، نیز مستقبل کے واقعات نے اس ''فتح مبین'' کو ثابت کر دکھایا، بہر حال معاہدۂ حدیبیہ کے مطابق آقا ﷺ کو اس سال، صرف تین دن کے لئے مکہ میں قیام اور عمرہ کرنے کی اجازت ملی تھی وہ بھی اس شرط کے ساتھ کہ مسلمان بالکل غیر مسلح ہوں گے، پس اللہ کے رسول ﷺ نے پورے ایک سال بعد ذیقعدہ میں مکہ روانگی کا عزم فرمایا، گزشتہ سال جو لوگ آپ کے ہمراہ تھے انہیں اس سال بھی ہمراہی کا شرف بخشا گیا، ان حضرات کے علاوہ کچھ دیگر صحابہ بھی شریک سفر ہوئے قربانی کے لئے ساٹھ اونٹ لئے گئے، جن کی گردنوں میں قلادے پہنا دیئے گئے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سو گھوڑے، اسلحہ اور دیگر سامان جنگ بھی ہمراہ لے جانے کا اہتمام فرمایا، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! یہ سامان جنگ کس لئے، جب کہ معاہدے کے مطابق تو ہم مکہ میں صرف ایک تلوار لے کر داخل ہو سکیں گے اور وہ تلوار بھی نیام میں ہوگی، آقا ﷺ نے اسلحہ لینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا کفار پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا، ہم یہ اسلحہ مکہ کے قریب کسی جگہ محفوظ کر دیں گے، مکہ میں بغیر اسلحہ کے معاہدے کے مطابق ہی داخل ہوں گے، اب اگر اہل مکہ نے کوئی حماقت کی اور ہمیں ان سے جنگ کرنا پڑی، تو ہم غیر مسلح نہ

ہوں گے ہمارا یہ اسلحہ کام آئے گا، اسلحہ کا نگران بشیر بن اسعد کو مقرر کیا گیا، جب کہ گھوڑوں کی دیکھ بھال کی ذمہ داری محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قرار پائی، یہ دونوں حضرات اسلحہ اور گھوڑے لے کر قافلہ سے پہلے، مرالظہر ان پہنچ گئے، جہاں انہیں چند قریشی نوجوانوں نے دیکھا، وہ گھوڑوں پر لدا اسلحہ دیکھ کر حیران ہوئے، اور مکہ آ کر انہوں نے یہ خبر پھیلا دی کہ مسلمان پھر مکہ پر حملہ کرنے کے ارادے سے آ رہے ہیں، لوگ خوفزدہ اور سراسیمہ ہو گئے لیکن ان کے سرداروں اور بزرگوں نے کہا کہ محمد بن عبداللہ (ﷺ) ہرگز معاہدے کی خلاف ورزی نہ کریں گے لہٰذا ہمیں انتظار کرنا چاہیے، ان کی آمد کے بعد صورت حاصل واضح ہو جائے گی۔

اللہ کے رسول ﷺ حالت احرام میں تلبیہ کہتے، جب مرالظہر ان پہنچے تو مکرز ابن حفص چند قریشی نوجوانوں کے ہمراہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہنے لگا، عہد شکنی آپ کا شیوہ نہیں پھر آپ سامان جنگ اپنے ہمراہ کیوں لائے ہیں، آپ نے فرمایا، تم ٹھیک کہتے ہو ہم کبھی عہد شکنی نہیں کرتے اور نہ کریں گے، معاہدے کے مطابق ہم صرف ایک تلوار لے کر، جو نیام میں ہو گی داخل ہوں گے، پس تم مطمئن رہو اور اپنی قوم کو اطمینان دلا دو، مکرز نے واپس آ کر یہ خبر سنائی تو اہل مکہ مطمئن ہو گئے۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

7 ہجری، 4 ذی الحجہ، علی الصباح اللہ کے رسول ﷺ دو ہزار جاں نثاروں کے ہمراہ 7 سال بعد حرم مکہ میں رونق افروز ہوئے، آقا ﷺ مہاجرین و انصار سب ہی کے چہرے خوشی و مسرت سے چمک رہے تھے، لیکن بدنصیب کفار مکہ ان نورانی چہروں کی زیارت تک سے محروم تھے، کچھ اپنے گھروں میں چھپ گئے، کچھ پہاڑوں کے غاروں اور چوٹیوں پر جا چھپے، اللہ کے رسول ﷺ قصویٰ پر سوار، حجون کی طرف سے حرم شریف میں داخل ہوئے، پورا مکہ "لبیک اللھم لبیک" کی صداؤں سے گونج رہا تھا، کافروں کے دل کانپ رہے تھے، وہ اللہ کے سپاہیوں کے متعلق طرح طرح کی بیہودہ گوئی اور ان کا مذاق اڑانے میں مصروف تھے، ان کی ایک بیہودہ بات یہ تھی، کہ مسلمانوں کو یثرب کی آب و ہوا اور بخار نے لاغر و کمزور کر دیا ہوگا، دیکھتے ہیں وہ کیسے طواف کریں گے، اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار کی اس گفتگو سے باخبر کر دیا، پس آپ نے غلاموں کو مطاف میں داخل ہونے سے پہلے "اضطباع" اور طواف کے پہلے تین چکروں میں "رمل" کا حکم دیا۔

اضطباع

یعنی احرام کی چادر کو اس طرح اوڑھنا کہ سیدھا بازو کھلا رہے، جب کہ الٹا کندھا ڈھکا ہو، اور

''رمل'' سینہ نکال کر پنجوں پر تیزی سے اچھلتے کودتے، چلنا اس کیفیت و حالت سے قوت و طاقت کا مظاہرہ ہوتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار پر یہ واضح کرنے کے لئے کہ مسلمان مجاہد ہوتا ہے، اللہ کا سپاہی ہوتا ہے وہ نہ کبھی لاغر ہوتا ہے اور نہ ہی کمزور، ہمہ وقت دشمن کے مقابلہ اور اپنے ایمان کے تحفظ کے لئے چاق و چوبند رہتا ہے، ''اضطباع'' اور ''رمل'' کا حکم دیا گیا جو ہمیشہ کے لئے سنت قرار پایا،

حضرت عبداللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ادائے عمرہ کے دوران ہم، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے حصار میں لئے رہے تاکہ آپ کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہونے پائے، حضرت سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ طواف سے فارغ ہو کر، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے گھر میں تشریف لے گئے اور ساری رات عبادت میں مصروف رہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر، صفا و مروہ کے درمیان سعی کی اور مروہ کے قریب قربانی کے اونٹ ذبح کیے۔

جن صحابہ کو، مکہ سے باہر ساز و سامان اور اسلحہ کی حفاظت کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا، ان کی جگہ دو سو صحابہ کو جو عمرہ کر چکے تھے روانہ کیا گیا تاکہ وہ بھی اللہ کے گھر کا طواف اور عمرہ کر لیں۔

مکہ مکرمہ سے واپسی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کا مکہ میں قیام اہل مکہ کے لئے نہایت بوجھ بنا ہوا تھا، وہ بڑی بے چینی سے معاہدے کے مطابق تین دن کی مدت پوری ہونے کا انتظار کر رہے تھے، لہٰذا چوتھے دن جب ظہر کا وقت ہوا، تو کفار نے آپ کی بارگاہ میں دو آدمی بھیجے، اس وقت اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غلاموں سے مصروف گفتگو تھے، ان دونوں نے نہایت گستاخانہ انداز سے کہا کہ معاہدے کے مطابق مدت پوری ہو چکی لہٰذا آپ لوگ مکہ خالی کر دیں، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مزید مہلت چاہی لیکن ان دونوں نے نہایت متکبرانہ انداز میں منع کر دیا، پس آپ نے غلاموں کو روانگی کا حکم دیا اور فرمایا ''لَا يُمْسِيَنَّ اَحَدٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ'' کوئی مسلمان شام تک نہ ٹھہرے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ناقہ پر سوار ہوئے اور مکہ سے باہر مقام سرف میں آ کر قیام فرمایا، اور یہاں سے قافلہ مدینہ طیبہ کے لئے روانہ ہوا، اور وعدہ الٰہی پورا ہو کر رہا۔

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۙ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِيْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (فتح)

یقیناً اللہ تعالیٰ نے سچ کر دکھایا اپنے رسول کا خواب حق کے ساتھ، کہ تم ضرور داخل ہو گے،

مسجد حرام میں جب اللہ نے چاہا امن وامان سے منڈواتے ہوئے اپنے سروں کو یا ترشواتے ہوئے، تمہیں کسی کا خوف نہ ہوگا، پس وہ جانتا ہے جو تم نہیں جانتے تو اس نے عطا فرمادی تمہیں اس سے پہلے ایسی فتح جو قریب ہے"۔

یہی خواب تھا، جو گزشتہ سال پورا نہ ہو سکا، اللہ تعالیٰ نے اب اسے پورا کر دیا، جس کے بعد، فتح مکہ ہے، اور فتح مبین کا مژدہ اپنے کمال کو پہنچے گا۔

عمارہ بنت حمزہ

سید الشہداء، امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی عمارہ اپنی ماں سلمہ بنت عمیس کے پاس مکہ میں رہائش پذیر تھی، اس نے حضرت علی کو دیکھا تو "یَا عَمِّیْ یَا عَمِّیْ" کہتی چپٹ گئی، آپ نے بچی کو گود میں لیا، اور بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! ہم اپنے بھائی کی بیٹی کو یہاں کب تک چھوڑے رہیں گے، آپ نے اسے مدینہ لے جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، حضرت علی نے انہیں حضرت فاطمہ کے سپرد کرتے ہوئے کہا، لو اس کا خاص خیال رکھنا، مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت علی، حضرت جعفر اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بچی کی کفالت پر اختلاف ہوا، حضرت علی کا دعویٰ تھا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے، لہٰذا میں اس کا زیادہ حق دار ہوں، حضرت زید کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت حمزہ کا بھائی بنایا تھا، لہٰذا زید نے کہا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے، پس مجھے اس کی کفالت کا موقع دیا جائے، نیز حضرت حمزہ نے مجھے اس کا وصی مقرر کیا تھا، حضرت جعفر نے کہا، یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے نیز اس کی خالہ میری بیوی ہے لہٰذا میں علی اور زید دونوں کی بہ نسبت اس کا زیادہ حق دار ہوں، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ کیا اور فرمایا "اَلْخَالَۃُ بِمَنْزِلَۃِ الْاُمِّ" خالہ ماں کے قائم مقام ہوتی ہے۔

اذان بلال

بعض مؤرخین نے عمرے کے موقع پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کا واقعہ بھی لکھا ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام طواف کعبہ سے فارغ ہو کر ساری رات کعبہ کے اندر اللہ کی عبادت میں مصروف رہے (اس موقع پر آپ نے اپنے رب سے کیا مانگا اور رب کریم نے کیا دیا، یہ تو مانگنے اور دینے والا ہی جانے، ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہی مانگا جو سال آئندہ، چند ماہ بعد ملا) نماز فجر کا وقت ہوا تو اللہ کے رسول ﷺ نے مؤذن مدینہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم فرمایا، بلال نہایت جوش و جذبہ کے ساتھ کعبہ کی چھت پر چڑھے اور اللہ کا نام بلند کیا، اذان بلال پوری

وادیٔ مکہ میں گونجی ''اشهد ان لا اله الا الله'' ''اشهد ان محمدا رسول الله'' کی صدا نے اپنوں ہی کو نہیں غیروں کو بھی جگا دیا، کفار کے دل دہل گئے، اہل ایمان کے دل ایمان کی حرارت سے دھڑکنے لگے وہ اللہ کے گھر کی طرف دوڑے، کافروں نے کانوں میں انگلیاں ٹھونسیں، ابو جہل کا بیٹا عکرمہ کہنے لگا، کہ اللہ نے میرے (بدنصیب) باپ پر بڑا کرم فرمایا کہ وہ اس غلام کی یہ آواز سننے کے لئے زندہ نہ رہا، صفوان بن امیہ بولا، کہ اللہ کا شکر ہے کہ میرا (بدبخت) باپ یہ منظر دیکھے بغیر مر گیا، خالد بن اسید نے کہا کہ کتنا اچھا ہوا کہ میرا (بدنصیب) باپ ہلاک ہو چکا، کہ اس نے ایک حبشی غلام سے یہ کلمات نہ سنے، کچھ کافروں نے اپنے منہ ڈھک لئے تو کچھ احتجاج کرتے ہوئے بولے، ہم نے تو انہیں صرف عمرہ کرنے کی اجازت دی تھی، لیکن یہ کیا ہو رہا ہے۔

کعبہ کی چھت پر، حضرت بلال کی یہ پہلی اذان تھی، جو صرف آج کی نماز فجر کی دعوت نہ تھی بلکہ اس بات کا اعلان تھی کہ اب اللہ کے گھر میں بتوں کی پوجا کا دور ختم ہوا چاہتا ہے، وقت آنے والا ہے، کہ اللہ کے گھر میں اللہ کے بندے صرف ایک اللہ کی عبادت کیا کریں گے، وقت آنے والا ہے، کہ یہاں سے اللہ اور اس کے رسول کے سوا کسی کا نام بلند نہ ہوگا، یہ لحہ اہل ایمان کے لئے کس قدر سکون وطمانیت کا لحہ ہوگا، اس کا اندازہ تو صرف انہی کو ہوگا، ہم تو صرف اتنا سوچ سکتے ہیں، کہ یہ اسی اذان بلال کی صدائیں ہیں، جو آج تک گونج رہی ہیں، اور قیامت تک گونجتی رہیں گی، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بہر حال 6 ہجری تو اہل ایمان کے لئے غزوات وسرایا کا سال رہا، جب کہ واقعۂ حدیبیہ نے مسلمانوں کو ایک بڑی آزمائش میں مبتلا کیا، ان پر افسردگی اور الجھن کے خاصے گہرے بادل چھائے رہے، اگر انہیں اللہ کے رسول ﷺ کی کامل رہبری اور رہنمائی حاصل نہ ہوتی اور ان غلاموں کے دل، آقا کی محبت اور جذبۂ اطاعت سے سرشار نہ ہوتے، تو استقلال واستقامت کے ساتھ، اس کٹھن مرحلہ سے گزر جانا ممکن نہ تھا، پس یہ ابتلاء وآزمائش میں کامیاب قرار پائے، اور بطور انعام مژدہ ''فتح مبین'' سنایا گیا، جس سے سارے رنج والم ڈھل گئے، عزم نو پیدا ہوا کہ شہنشاہوں اور بادشاہوں تک کو پیغام حق پہنچاتے نظر آئے، قوت وطاقت پر ناز کرنے والی قومیں، سرنگوں ہونے لگیں، خیبر کے ناقابل تسخیر قلعوں پر اسلام کے پرچم لہرانے لگے، حتیٰ کہ کعبہ کی چھت سے اللہ کا نام بلند ہو کر رہا، اور اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا کا ابتدائی مرحلہ پورا ہوا۔

وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ والصلوة والسلام علىٰ سيد الانبياء والمرسلين وعلىٰ اله واصحابه اجمعين،

مدنی زندگی

ہجرت کا آٹھواں سال

اصحاب ثلثہ کا اسلام قبول کرنا، غزوۂ موتہ، سریۂ ذات السلاسل، سریۃ الخبط، غزوۂ فتح مکہ، غزوۂ حنین، چوری کی سزا، صاحبزادے کی پیدائش، حضرت زینب کی وفات، غلہ کی گرانی، مسجد نبوی میں منبر، وفد عبدالقیس۔

ہجرت کا آٹھواں سال

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕؔ اِنَّهٗ کَانَ تَوَّابًا ﴿۳﴾ (نصر)

"جب اللہ کی مدد اور فتح آ جائے اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں، اللہ کے دین میں فوج درفوج تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور اپنی امت کے لئے اس سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے"۔

ہجرت کا آٹھواں سال

نصرت خیر الناصرین اور فتح خیر الفاتحین کا سال

وعدہ فتح مبین پورا ہونے کا سال

رحمۃ للعالمین ﷺ کے وسیلۂ جلیلہ سے رب العلمین کی رحمتوں کی برکھا کا سال

سید القائدین ﷺ کی پر از حکمت باکمال قیادت کے مظاہرے کا سال

خاتم النبیین ﷺ کی ختم نبوت کے اعلان کا سال

سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی دائمی سیادت کے مظاہرے کا سال

علم اسلام کی تا ابد بلندی ورفعت کا سال

اہل ایمان کے مصائب وآلام کے خاتمہ کا سال

مسلمانوں کی دائمی وابدی ترقی وعروج اور عزت ووقار کا سال

اللہ کے گھر کی ہمیشہ کے لئے طہارت وپاکیزگی کا سال

اللہ کے گھر سے تاقیامت کلمۂ حق بلند ہونے اور اذان بلال کی صدا گونجتے رہنے کا سال

دعا، رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا

قبول ہونے کا سال

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کے اعلان عام کا سال

اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کے دائمی اصول کے بیان کا سال

عفو ودرگزر اور عدل وانصاف کی حیران کن، بے نظیر مثال قائم کرنے کا سال

آیئے! اب اس سال کی تفصیلات اور دلچسپ واقعات کا مطالعہ کر کے ہم اپنے ایمان کو تازہ کریں، عشق ومحبت میں اضافہ کریں، اتباع قرآن وسنت کا عزم کریں کہ ایمان کی تازگی، عشق ومحبت کی زیادتی، شریعت کی پابندی، کامیابی وکامرانی اور فلاح وبہبود کا اسلحہ ہیں۔

اصحاب ثلثہ کا اسلام قبول کرنا

عمرو بن العاص، خالد بن ولید اور عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ، تینوں ایک ساتھ ہی مشرف باسلام ہوئے، اسی لئے ہم نے ان کے لئے "اصحاب ثلاثہ" کا جملہ استعمال کیا ہے، جو غالباً نہایت مناسب ہے، ان تینوں حضرات کو اہل عرب میں نہایت عزت ووقعت حاصل تھی، اہل عرب کو ان کے تدبیر وتدبر، حکمت ودانائی، شجاعت وبہادری پر کلی اعتماد اور ناز تھا، اکثر منصوبے انہی کی تائید اور منظوری کے بعد قابل عمل ہوتے تھے، ان حضرات کے قبول اسلام کی خبر نے دنیائے عرب کو ہلا کر رکھ دیا۔

وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِیْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کے مطابق تین افراد پر مشتمل یہ پہلی فوج تھی جو اللہ کے دین میں داخل ہوئی، جسے فتح مکہ کا مقدمۃ الجیش یا پیش خیمہ کہا جائے، تو بے جا نہ ہوگا جب کہ ان حضرات کا قافلہ، بارگاہ رسالت میں حضوری کے لئے مدینہ طیبہ میں داخل ہوا، تو انہوں نے ایک غیر معروف آواز سنی، کہنے والے نے کہا "قَدْ اَعْطَتْ مَكَّةُ الْمَقَادَةَ بَعْدَ هٰذَيْنِ" ان دونوں کے چلے آنے کے بعد مکہ نے اپنی باگ ڈور، ہمارے حوالے کر دی ہے اور چند دن بعد ایسا ہی ہوا۔

عمرو بن العاص اور خالد بن ولید کے مشرف باسلام ہونے کا واقعہ نہایت حیرت انگیز اور ایمان افروز ہے، جسے ہم بیان کر رہے ہیں، جب کہ عثمان بن طلحہ، خالد بن ولید کی تحریک پر مسلمان ہوئے، لہٰذا ان کا ذکر خالد بن ولید کے ذیل میں آتا ہے۔

عمرو بن العاص کا مشرف باسلام ہونا

عمرو بن العاص نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ خود بیان کیا ہے، وہ بتاتے ہیں کہ:

میرا دل اسلام اور مسلمانوں کی عداوت ونفرت سے بھرا ہوا تھا، میں جنگ بدر، احد اور خندق میں شریک ہوا، قریش کے رؤساء وسردار اور متعدد کفار ہلاک ہوئے لیکن میں بچا رہا، جب جنگ خندق میں کافروں کے لشکر جرار کو نہایت ہزیمت اور ذلت وخواری ہوئی، تو میں سوچنے لگا کہ ہماری افرادی قوت اسلحہ اور دیگر سامان کی بکثرت موجودگی کے باوجود بھی ہمیں بار بار کمزور ونادار مسلمانوں کے مقابلہ میں ناکامی ونامرادی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے، ذلت وخواری ہی ہمارا مقدر بنتی ہے، ہر مرتبہ ہم اپنے چہیتوں سے محروم ہو جاتے اور ہمارے گھر ماتم کدہ بن جاتے ہیں، آخر اس بدنصیبی کا سبب کیا ہے؟ میں نے رات دن سوچا اور خوب غور کیا تو میں اس نتیجہ پر پہنچا، کہ یقیناً ایک دن محمد (ﷺ) ضرور قریش پر غالب آئیں گے اور وہ دن ہماری نہایت ذلت وخواری کا دن ہوگا، جو میرے لئے ناقابل دیدنی ہوگا، لہٰذا میں نے مکہ چھوڑ دینے اور قوم سے علیحدگی اختیار کر لینے کا فیصلہ کیا، اور میں ''رھط'' چلا گیا، جہاں میرا مکان اور سازوسامان پہلے ہی سے موجود تھا، کہ میں یہاں آتا جاتا رہتا تھا اب میں نے یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی اور اہل مکہ سے تقریباً تعلقات منقطع کر لئے، اسی دوران واقعۂ حدیبیہ پیش آیا، کہ صلح حدیبیہ ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ واپس ہو گئے، اور لشکر کفار مکہ آ گیا جب کہ اس لشکر کے سالار خالد بن ولید تھے، اس واقعہ سے میں نے نتیجہ نکالا کہ یقیناً سال آئندہ مسلمان مکہ فتح کر لیں گے، میرے دل میں اسلام اور مسلمانوں سے مزید نفرت پیدا ہوئی اور میں نے طے کر لیا، کہ اگر مکہ فتح ہو گیا اور قریش کا بچہ بچہ بھی مسلمان ہو گیا، تب بھی میں اسلام قبول نہ کروں گا، ایسی صورت حال پیش آنے سے پہلے میں نے مکہ سے کہیں دور جا کر گمنام زندگی بسر کرنے کا فیصلہ کیا، میں اپنے قبیلہ کے لوگوں میں آیا، انہیں مستقبل کے خطرات سے باخبر کیا اور اپنا فیصلہ سناتے ہوئے میں نے انہیں بتایا کہ محمد (ﷺ) کی غلامی میں زندگی بسر کرنے سے بہتر یہ ہے، کہ حبشہ جا کر نجاشی بادشاہ کی پناہ لی جائے چونکہ میرے قبیلہ کے لوگ مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے، لہٰذا انہوں نے بھی میرا ساتھ دینے اور مکہ چھوڑنے کا فیصلہ کیا، اور ہم سب نے حبشہ روانگی کی تیاری شروع کر دی، ہم نے نجاشی کے لئے بطور تحفہ، مکہ کا بنا ہوا چمڑے کا سامان خریدا، جو نجاشی کو بہت پسند تھا اور ہم سب حبشہ پہنچ گئے۔

حبشہ پہنچ کر ہم بادشاہ کے دربار میں حاضری کا پروگرام بنا رہے تھے، کہ اسی دوران میں نے وہاں عمرو بن امیہ الضمری کو دیکھا، معلوم ہوا کہ وہ شاہ حبشہ کے نام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حکم نامہ لے کر آیا ہے، میرے دماغ نے فوراً ایک منصوبہ گھڑا میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا، کہ اگر بادشاہ عمرو بن امیہ

کو میرے سپرد کردے، تو میں اس کی گردن اڑا دوں، ساتھیوں سے مشورے کے بعد میں تحائف لے کر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا، میں نے حسب دستور بادشاہ کو سجدہ کیا، وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش نظر آ رہا تھا، جب میں نے اسے اس کے پسندیدہ تحائف پیش کیے تو وہ مزید خوش ہوا، میں سمجھا کہ بس میرا کام ہو گیا، بادشاہ نے مجھے بلا خوف و خطر حبشہ میں رہنے کی اجازت دی اور کہا جب بھی میری کسی مدد کی ضرورت ہو، میرے پاس چلے آنا، پس میں نے موقع پاتے ہی اپنا مدعا عرض کر دیا میں نے کہا، سرکار ابھی آپ کے دربار سے ہمارے دشمن کا ایک قاصد گیا ہے، ان دشمنوں نے ہمیں پے در پے صدمے پہنچائے ہیں ہمارے نامور، بہادر جرنیلوں اور سرداروں کو قتل کیا ہے، وہ ہمارے ہی نہیں ہمارے دین کے، ہمارے بتوں کے بھی دشمن ہیں، پس میری گزارش ہے کہ حضور کرم فرمائیں اور دشمن کے اس قاصد کو میرے حوالے کر دیں، تا کہ میں اسے قتل کر کے، اپنا دل ٹھنڈا کر سکوں یہ سنتے ہی نجاشی کے چہرے کا رنگ بدل گیا، وہ غصہ سے بے تاب اور بے قابو نظر آنے لگا، اس نے اس زور سے میری ناک پر گھونسا مارا کہ میں تڑپ گیا، نتھنوں سے گویا خون کی نہر بہنے لگی، اس وقت میں اتنا شرمندہ ہوا کہ اگر زمین پھٹ جاتی تو میں اس میں دھنس جاتا۔

میں نے بادشاہ سے کہا، اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ میری اس بات پر اتنے ناراض ہوں گے تو میں کبھی ایسا نہ کہتا، میں اپنی بات پر شرمندہ ہوں اور معافی کا طلب گار ہوں، بادشاہ کا غصہ ٹھنڈا ہوا، تو اس نے میرا خون صاف کرنے کا حکم دیا، نئے کپڑے منگوائے اور مجھے پہننے کے لئے کہا، پھر وہ کہنے لگا، عمرو! تم نے ایسی ہستی کے قاصد کو مجھ سے مانگا اور اسے قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، جس کے پاس حضرت جبرائیل آتے جاتے ہیں، جو موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی خدمت میں بھی حاضر ہوتے تھے، میں نے بادشاہ سے پوچھا، کیا آپ بھی اسلام کے حق ہونے کی شہادت دیتے ہیں، نجاشی بولا، بے شک میں بھی اس دین کے حق ہونے کی شہادت دیتا ہوں، اے عمرو! میری بات مانو اور اس ہستی گرامی کی غلامی اختیار کر لو، بلا شبہ وہ حق پر ہیں اور ایک دن وہ اپنے تمام دشمنوں پر اسی طرح غالب آ جائیں گے، جس طرح موسیٰ علیہ السلام، فرعون اور اس کے لشکر پر غالب آ گئے تھے۔

عمرو بن العاص بتاتے ہیں نجاشی کی گفتگو سن کر میری عجب حالت ہو گئی، مجھے ایک عجب سی تبدیلی کا احساس ہونے لگا، میں سوچنے لگا جو دین عرب میں پھیل چکا ہے اور جس کا پیغام سلاطین کو بھی متاثر کرنے لگا ہے، وہ یقیناً سارے ادیان پر غالب آ کر رہے گا، وہ یقیناً زبردست دشمنوں کی گردنیں خم کر کے رہے گا، پس عافیت اسی میں ہے کہ میں بھی اس دین کو قبول کر کے راہ عزت و نجات حاصل کروں، میں خیالات کی دنیا سے باہر آیا، اور بادشاہ سے پوچھنے لگا، کیا آپ ان کی طرف سے میرے اسلام قبول

کرنے کی بیعت لے سکتے ہیں، بادشاہ نے کہا کیوں نہیں، نجاشی نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اسلام قبول کرنے کے لئے مجھ سے بیعت لی (یعنی یہ وعدہ لیا کہ میں ضرور مسلمان ہو جاؤں گا)۔

میں نجاشی کا خوب صورت لباس زیب تن کیے ہوئے اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا وہ مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، اور پوچھنے لگے کیا بادشاہ نے تمہاری درخواست منظور کر لی، میں نے بات ٹالتے ہوئے کہا کہ یہ پہلی ملاقات تھی، میں نے اتنا سخت مطالبہ کرنا مناسب نہ سمجھا، ساتھیوں نے میری تائید کی میں چند دن سب کے ساتھ رہا اور ایک روز بہانہ بنا کر، سب کو چھوڑ کر سیدھا بندرگاہ پہنچا جہاں ایک کشتی تیار کھڑی تھی، لوگ اس میں سوار ہو رہے تھے، میں بھی سوار ہو گیا، کشتی نے مجھے یمن کی بندرگاہ پر پہنچایا، یمن آ کر میں نے ایک اونٹ خریدا، اور منزل مقصود یعنی مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا، میں بے حد خوش اور کسی کی محبت میں گرفتار اپنی اونٹنی دوڑا رہا تھا، تا کہ جلد از جلد محبوب کی قدم بوسی کا شرف حاصل کر سکوں اور ان کے دیدار سے اپنے دل اور آنکھوں کو ٹھنڈا کروں، میں مقام ”ھداۃ“ پر پہنچا، تو میری نظر ایک خیمہ پڑی جس کے سامنے ایک آدمی کو کھڑا دیکھا، میں قریب ہوا تو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا، کہ وہ خالد بن ولید ہیں، میں نے کہا خالد! تم یہاں کیسے، وہ بولے محمد ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دینے جا رہا ہوں، تا کہ ان کی غلامی اختیار کروں، کہ سب لوگ مسلمان ہو چکے ہیں، کوئی قابل ذکر شخصیت باقی نہ رہی، اب اگر ہم نے مزید تاخیر کی تو وہ دن دور نہیں جب وہ ہماری گردن دبوچ لیں گے، میں نے کہا میں بھی انہیں کی بارگاہ بیکس پناہ میں اسلام قبول کرنے کے لئے جا رہا ہوں، اس اثناء میں خیمہ سے عثمان بن طلحہ برآمد ہوئے اور ہم تینوں منزل مقصود کی طرف چل دیئے۔

مدینہ منورہ پہنچ کر ہم نے غسل کیا، لباس تبدیل کیا، اور مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے اس وقت اذان عصر ہو رہی تھی، آقا ﷺ کا چہرۂ انور مسرت سے چمک رہا تھا، مسکراتے ہوئے آپ نے ہمارا استقبال کیا، شمع رسالت کے پروانے بھی ہمیں دیکھ کر مسرور و خوش نظر آ رہے تھے پہلے خالد بن ولید آگے بڑھے اور مشرف باسلام ہوئے، پھر عثمان بن طلحہ نے بیعت اسلام کا شرف حاصل کیا، اب میری باری تھی، میں بے حد خوش لیکن نہایت شرمندہ تھا، نظریں جھکائے آگے بڑھا، اور صرف اتنی گزارش کر سکا کہ، یا رسول اللہ! میں اس شرط پر بیعت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سابقہ گناہ معاف فرما دے، آقا ﷺ نے مژدہ سنایا، ”اِنَّ الْاِسْلَامَ یَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهٗ وَالْهِجْرَةُ تَجُبُّ مَا كَانَ قَبْلَهَا“ اسلام پچھلے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت بھی پچھلے گناہوں کو مٹا دیتی ہے، پس میں نے اسلام قبول کر رضی اللہ عنہ۔

خالد بن ولید کا مشرف باسلام ہونا

اب ملاحظہ ہو، حضرت خالد بن ولید کے مشرف باسلام ہونے کا ایمان افروز واقعہ، خود ان کی زبانی، خالد بن ولید نے بتایا کہ:

جب میرے رب نے میرے لئے بھلائی کا ارادہ فرمایا، تو اس نے اسلام کی محبت میرے دل میں ڈال دی، حدیبیہ سے پہلے جتنی جنگیں ہوئیں میں لشکر کفار میں شریک ہو کر لشکر اسلام کا مقابلہ کرتا رہا، اور ہر جنگ کے بعد مجھے یہ احساس ہوتا رہا کہ جلد ہی مسلمانوں کو اہل مکہ اور اپنے دیگر دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو کر رہے گا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ آنا چاہا تو کفار نے میری سرکردگی میں آپ کو روکنے کے لئے لشکر روانہ کیا، تو مقام عسفان پر میرے لشکر اور لشکر اسلام کا آمنا سامنا ہوا، میں نے مسلمانوں کا راستہ روک لیا، نماز ظہر کا وقت ہو چکا تھا، لشکر اسلام نے نہایت اطمینان سے اپنے آقا کی امامت میں نماز ادا کی، اس دوران ہم نے حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن ہمت نہ ہوئی، جب وقت عصر آیا، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز خوف ادا کی، میں سمجھ گیا کہ آپ کو ہمارے برے ارادے کا علم ہو گیا، نیز اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرما رہا ہے، پس مجھے یقین ہو گیا کہ ہم ہرگز آپ پر حملہ نہیں کر سکتے، میں اپنا لشکر لے کر راستہ سے ہٹ گیا، اور اللہ کے رسول ﷺ آگے بڑھ کر، حدیبیہ میں خیمہ زن ہو گئے (تفصیلات آپ پڑھ چکے ہیں)۔

خالد بن ولید کہتے ہیں معاہدہ صلح کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام واپس تشریف لے گئے، اب میں ایک اضطرابی کیفیت میں مبتلا تھا، چاہتا تھا کہ مکہ چھوڑ کر کہیں چلا جاؤں، لیکن کہاں جاتا، حبشہ جاتا تو وہاں کا بادشاہ تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، اور اگر بادشاہ ہرقل کی پناہ لیتا، تو مجھے اپنا آبائی دین چھوڑ کر یہودی یا نصرانی ہونا پڑتا، نیز عجمیوں کی غلامی اختیار کرنا پڑتی جسے میری عزت نے گوارا نہ کیا، لہٰذا میں نے مکہ ہی میں گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمرۂ قضاء کے لئے مکہ تشریف لائے، تو میں روپوش ہو گیا کہ مکہ میں آپ کے داخل ہونے طواف کعبہ اور سعی کرنے کے مناظر میرے لئے ناقابل برداشت تھے، میرا بھائی ولید بن ولید پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا اور وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ مکہ آیا ہوا تھا، اس نے مجھے تلاش کیا، لیکن میں نہ مل سکا تو اس نے مجھے ایک خط لکھا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، میرے لئے سب سے زیادہ حیرت کی بات یہ تھی کہ تو اب تک اسلام کی صداقت پر یقین نہ کر سکا، حالانکہ تو نہایت عقل مند و دانا ہے، پس اسلام کی سچائی تجھ پر کُھل

طرح پوشیدہ رہ سکتی ہے، اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے پوچھا کہ خالد کہاں ہے، میں نے عرض کی، اللہ تعالیٰ اسے لے آئے گا نیز آپ نے فرمایا، کہ خالد جیسا زیرک شخص اسلام کی حقانیت سے کیونکر جاہل رہ سکتا ہے، اگر وہ کفار و مشرکین کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرتا تو اس کے لئے بہت بہتر ہوتا، ہم اس کی قدر کرتے اور دوسروں پر اسے فوقیت دیتے، اے میرے بھائی! زندگی کے جو لمحات تم ضائع کر چکے ہو ان کا فوراً تدارک کرو، تو نے واقعی بڑے زریں مواقع ضائع کیے ہیں۔

خالد کہتے ہیں جب مجھے میرے بھائی کا خط ملا تو میری آنکھیں کھل گئیں، میں مکہ چھوڑنے اور اسلام قبول کرنے کے لئے بے چین ہو گیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق میرے دل میں جو بغض و عناد تھا وہ کافور ہو گیا، اب میرا قلب ان کی طرف مائل تھا، اور آنکھیں ان کی زیارت کے لئے مضطرب تھیں، انہی دنوں میں نے ایک خواب دیکھا، کہ میں ایک تنگ اور بنجر علاقہ سے نکل کر کشادہ اور سرسبز و شاداب علاقہ میں پہنچ گیا ہوں، مجھے اندازہ تھا، کہ یہ ایک اہم خواب ہے میں نے مدینہ جانے کا فیصلہ کر لیا، جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ابوبکر سے میں نے اپنے خواب کی تعبیر پوچھی، آپ نے بتایا کہ تنگ و بنجر علاقہ کفر و شرک کا تھا، اور کشادہ و وسیع علاقہ اسلام کا ہے جہاں تم پہنچ چکے ہو۔

سفر مدینہ سے پہلے، مجھے کسی کو اپنا رفیق سفر بنانے کا خیال آیا، میں گھر سے نکلا، تو میری ملاقات، صفوان بن امیہ سے ہو گئی، میں نے اس سے کہا میرے دوست! میری بات غور سے سنو اور سوچ کر جواب دو، دیکھو ہمارا کیا حال ہو گیا ہے، ذلت و خواری دن بدن ہم سے قریب ہوتی جا رہی ہے، جب کہ محمد (ﷺ) کا حلقہ وسیع ہو رہا ہے، وہ عرب و عجم پر غالب آ رہے ہیں کیا بہتر نہ ہوگا، کہ اب ہم بھی ان کے دربار میں حاضر ہو کر ان کی غلامی اختیار کر لیں، جو ہماری عزت میں اضافہ کا ذریعہ ہوگا، صفوان میری بات سن کر سیخ پا ہو گیا اور کہنے لگا: "لَوْ لَمْ يَبْقَ غَيْرِيْ مَا اتَّبَعْتُهُ اَبَدًا" اگر سب ان پر ایمان لے آئیں اور میرے سوا کوئی باقی نہ رہے تب بھی میں ان کی اطاعت قبول نہ کروں گا، میں صفوان سے مایوس ہو کر چل دیا، کیونکہ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ اس کا بھائی اور باپ غزوۂ بدر میں قتل ہو چکے ہیں، جن کے انتقام کی آگ نے اس کو اسلام سے مزید متنفر کر دیا ہے۔

خالد کہتے ہیں، صفوان بن امیہ کے بعد میری ملاقات عکرمہ بن ابی جہل سے ہوئی اس سے بھی میں نے وہی گفتگو کی جو صفوان سے کر چکا تھا لیکن جواب دیتے ہوئے اس کا لہجہ صفوان سے بھی زیادہ ترش تھا، چونکہ اس کا باپ ابوجہل اور اس کے کئی عزیز غزوۂ بدر میں ہلاک ہو چکے تھے لہٰذا مجھے خیال آیا، اس سے بھی اسلام قبول کرنے کی توقع عبث ہی ہے۔

پھر مجھے عثمان بن طلحہ کا خیال آیا، کہ وہ میرا نہایت ہی قریبی دوست تھا، میں اپنے اونٹ پر سوار ہو

کر، اس کی طرف چل دیا، لیکن چونکہ غزوۂ احد میں اس کے بھی کئی قریبی عزیز مارے جا چکے تھے، لہٰذا مجھے اس سے بھی توقع نہ تھی کہ وہ میری بات مانے گا، لیکن نہ جانے کیوں میرا دل اس کی طرف مائل تھا اور میں اس کے پاس پہنچ ہی گیا، میں نے تمام صورت حال اس کو بتائی، وہ خلاف توقع میرا رفیق سفر اور رفیق عزم بننے پر آمادہ ہو گیا جس کی بہت خوشی ہوئی، اور ہم پروگرام کے مطابق مکہ سے نکل کر ھداۃ پہنچے، جہاں عمرو بن العاص سے ہماری ملاقات ہوئی، (اس کے آگے وہی واقعہ ہے جو عمرو بن العاص کے واقعہ میں بیان ہو چکا، اعادہ کی ضرورت نہیں)۔

حضرت خالد بتاتے ہیں، کہ مشرف باسلام ہونے کے بعد میں عرض گزار ہوا، یارسول اللہ! آپ دعا فرمادیں کہ آج سے پہلے مجھ سے جو غلطیاں سرزد ہوئیں، اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے، آپ نے فرمایا ''اَلْاِسْلَامُ یَجُبُّ مَا کَانَ قَبْلَہٗ'' اسلام سے پہلے جتنے بھی گناہ سرزد ہو چکے وہ سب اسلام قبول کرنے کے بعد مٹ جاتے ہیں، میں نے گزارش کی، یارسول اللہ! میری مغفرت کی دعا فرمادیں، آپ نے ہاتھ اٹھائے اور یوں دعا کی: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِخَالِدِ بْنِ وَلِیْدٍ کُلَّمَا اَوْضَعَ فِیْہِ مِنْ سَدٍّ عَنْ سَبِیْلِکَ'' اے اللہ! خالد بن ولید نے تیرے راستے سے روکنے کی جتنی بار بھی کوشش کی، تو اسے معاف فرمادے۔

حضرت خالد فرماتے ہیں، میرے بعد عمرو بن العاص اور پھر عثمان بن طلحہ بن ابی طلحہ نے اسلام قبول کیا، نیز حضرت خالد کا قول ہے:

وَکَانَ قُدُوْمُنَا فِیْ صَفَرٍ سَنَۃَ ثَمَانٍ فَوَ اللّٰہِ مَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ یَوْمٍ اَسْلَمْتُ یَعْدِلُ بِیْ اَحَدًا مِنْ اَصْحَابِہٖ فِیْمَا حَزَبَہٗ

''مدینہ منورہ ہماری حاضری، صفر آٹھ ہجری میں ہوئی، پس اللہ کی قسم جس روز سے میں ایمان لایا، اس وقت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی اہم موقع پر اپنے کسی صحابی کو میرے برابر قرار نہ دیا (ہمیشہ مجھے فوقیت و برتری سے نوازا) رضی اللہ عنہ''۔

غزوۂ موتہ

جمادی الاولیٰ آٹھ ہجری بمقام ''موتہ'' لشکر اسلام کا رومیوں سے پہلا مقابلہ ہوا، عرب کے دیگر عیسائی قبائل بھی رومیوں کی مدد کے لئے اس جنگ میں موجود تھے، لہٰذا یہ ایک بڑا لشکر تھا اس جنگ کا باعث:

ایک یہ کہ حق و صداقت پر مبنی دین اسلام کا پیغام جزائر عرب کی سرحدوں کو عبور کر کے، ممالک عجم

پر چھا رہا تھا، ظلم واستبداد اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے لوگ اس پیغام رحمت میں پناہ گزین ہو رہے تھے، بالخصوص علاقہ شام کے لوگ بڑی تیزی سے اسلام قبول کر رہے تھے، یہ صورت حال وہاں کے متعصب عیسائیوں اور ظالم حکمرانوں کے لئے بڑی پریشانی کا سبب بن رہی تھی، لہٰذا وہاں قیصر روم کے مقرر کردہ گورنر نے حکم جاری کیا، کہ جو شامی عرب اسلام قبول کرے، اسے قتل کر دیا جائے لیکن ان بے اثر پھونکوں سے شمع اسلام گل ہونے کی بجائے مزید بھڑ کنے لگی اور اس کی شعاعیں مزید پھیلنے لگیں، مقدر والے اسلام کے دامن سے وابستہ ہوتے رہے، اور جام شہادت سے سیراب ہوتے رہے، اپنے غلاموں کا اس بیدردی سے قتل عام آقائے رؤوف ورحیم کے لئے ناقابل برداشت تھا۔

اس جنگ کا دوسرا سبب یہ تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے، حاکم بصریٰ حارث بن ابی شمر الغسانی کے پاس اپنا گرامی نامہ پہنچانے کے لئے حضرت حارث بن عمیر الازدی کو روانہ فرمایا، جب وہ مقام موتہ پر پہنچے تو بصریٰ کا ایک رئیس شرحبیل بن عمرو الغسانی ملا، اس نے حارث بن عمیر سے پوچھا تم کون ہو اور کہاں جا رہے ہو، آپ نے بتا دیا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قاصد ہوں اور حارث بن ابی شمر کو آپ کا گرامی نامہ پہنچانے جا رہا ہوں، شرحبیل یہ سنتے ہی غصے سے لال پیلا ہو گیا اس نے حارث بن عمیر کو رسیوں سے جکڑا اور ان کا سر قلم کر دیا۔

جب یہ المناک خبر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنی تو آپ کو بے حد صدمہ ہوا، کہ شرحبیل نے دہشت گردی کی بدترین حرکت کی کہ ایک سفیر کو بلا وجہ قتل کر ڈالا، یہ ایک ناقابل معافی جرم تھا، جس سے درگزر کرنا پیغمبر امن ورحمت کے لئے ممکن نہ تھا، کیونکہ آپ کے مشن کا ایک اہم ترین مقصد ظلم وستم کو اور دہشت گردی کو ختم کرنا تھا۔

کسی قوم کی طرف سے دہشت گردی کے ایک بھی جرم کا ثبوت مل جائے، تو یہی اس کی سرکوبی کے جواز کے لئے کافی ہو جاتا ہے، کیونکہ دہشت گردی شراب کی طرح ہے، کہ اگر شراب کا ایک گھونٹ نگل لیا گیا تو پھر اس کی لت لگ جاتی ہے، بالکل اسی طرح دہشت گردی کے پہلے قدم پر گرفت نہ کی جائے تو یہ ظالم عادت بن جاتی ہے، اور پھر دہشت گرد کو ختم کرنا آسان نہیں رہتا کہ وہ اپنے جیسے نہ جانے کتنے ظالموں کو جنم دے چکا ہوتا ہے، بہرحال رومیوں کی جانب سے دہشت گردی کے یہ دو واقعات ان کی گرفت اور سرکوبی کے جواز کے لئے کافی تھے، پس آقائے رحمت ﷺ نے عمرۃ قضاء سے واپسی کے بعد ان دہشت گردوں کو نیست ونابود کر دینے کا فیصلہ فرمایا، اور آپ نے موتہ کی طرف لشکر روانہ کرنے کا اعلان کر دیا، مجاہدین اسلام کو ہدایت کی گئی کہ وہ مدینہ طیبہ سے باہر مقام جرف میں جمع ہوں، جب آقا ﷺ کو مجاہدین کے جمع ہونے کی اطلاع دی گئی، تو آپ تشریف لائے نماز ظہر ادا کی گئی، پھر آپ نے

مجاہدین کو ضروری ہدایات دیں، آپ نے فرمایا:

''میں اس لشکر کا سپہ سالار زید بن حارثہ کو مقرر کرتا ہوں، اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب لشکر کی کمان سنبھالیں گے وہ بھی شہید ہو جائیں، تو پھر عبداللہ بن رواحہ، مجاہدین کے قائد ہوں گے اور ان کے بعد مسلمان جس کو چاہیں امیر لشکر منتخب کریں''۔

(اللہ اکبر! میرے آقا مخبر صادق ﷺ نے جو فرمایا وہ ہو کر رہا، جیسا کہ آگے آتا ہے) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم اسلام زید بن حارثہ کے سپرد کیا، اور ہدایت فرمائی، کہ مجاہدین پہلے حارث بن عمیر شہید کے مزار پر حاضری دیں پھر اہلیان موتہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دیں، اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو بہت ہی بہتر ہوگا، ورنہ اللہ سے مدد طلب کر کے ان سے اعلان جنگ کر دیا جائے، پھر آقائے رحمت ﷺ غلاموں کو رخصت کرنے کے لئے ''ثنیۃ الوداع'' تک تشریف لائے، یہاں ٹھہرے اور مجاہدین کو وصیت فرمائی، آپ نے فرمایا'' میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی اور ہمرکاب مسلمانوں کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کی راہ میں کافروں سے جنگ کرو ''لَاتَغْدِرُوْا'' کسی کے ساتھ دھوکہ نہ کرو'' وَلَا تَغُلُّوْا'' اور بددیانتی نہ کرو'' وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَلَا اِمْرَاَةً'' اور کسی بچے کو اور کسی عورت کو مت قتل کرو،'' وَلَا كَبِيْرًا فَانِيًا'' اور نہ کسی بوڑھے کو'' وَلَا مُنْعَزِلاً بِصَوْمِعَةٍ'' اور نہ خانقاہوں میں گوشہ نشینوں کو قتل کرو'' وَلَا تَقْرَبُوْا نَخْلاً'' اور کھجور کے درخت کو نقصان نہ پہنچاؤ'' وَلَا تَقْطَعُوْا شَجَرًا'' اور کسی درخت کو نہ کاٹو'' وَلَا تَهْدِمُوْا بِنَاءً'' اور کسی مکان کو نہ ڈھاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہو، وہ تم سے ہر تکلیف کو دور کرے اور تمہیں صحیح وسلامت اموال غنیمت کے ساتھ واپس لائے۔

ان ہدایات مبارکہ پر غور کیجئے، لشکر کو جنگ کے لئے روانہ کیا جا رہا ہے، یا امن وامان قائم کرنے کے لئے اور بچوں، عورتوں، بوڑھوں، حتیٰ کہ درختوں اور عمارات کی حفاظت کے لئے! بے شک اللہ کے رسول ﷺ کا مقصد امن وامان ہی قائم کرنا تھا، اس دنیا کے باسیوں کو بے خوف وخطر اور پرسکون زندگی بخشنا تھا، حق داروں کو حق دلانا اور کمزوروں کی مدد کرنا تھا، ظلم وستم اور ظالموں کو تہس نہس کرنا تھا، دہشت گردی اور دہشت گردوں کو نیست ونابود کرنا تھا، اسلام نے مسلمانوں پر صرف انہی مقاصد کے حصول کے لئے جہاد فرض کیا ہے، اس دور میں امن وامان قائم کرنے کے ٹھیکیداروں کی طرح اسلام بے دریغ قتل عام، بستے اور آباد حسین وخوب صورت شہروں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دینے اور انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی ہرگز اجازت نہیں دیتا، جو ایسا کرتے ہیں وہی ظالم ہیں اور وہی دہشت گرد ہیں، ظالم، ظلم پھیلا سکتا ہے اسے ختم نہیں کر سکتا، دہشت گرد، دہشت گردی پھیلا سکتے ہیں اسے ختم نہیں کر

سکتے، جیسا کہ آج ہو رہا ہے پس امت مسلمہ کی ذمہ داری ہے کہ ظالم و دہشت گرد، کتنا ہی مسلح کیوں نہ ہو کتنا ہی طاقت ور اور قوت والا کیوں نہ ہو، اس کا مقابلہ کرے، اسے نیست و نابود کر دے، حتیٰ کے اللہ کی مخلوق صرف انسان ہی نہیں، جانور اور درخت تک محفوظ ہو جائیں اور اس دنیا میں ہر طرف امن و سکون ہو جائے، ایسا کرنے والوں کا اللہ مدد گار رہتا ہے، انجام کار وہی غالب آتے ہیں، فتح و کامرانی انہی کے قدم بوس ہوتی ہے۔

آغاز جنگ

اللہ کے رسول ﷺ کی دعاؤں اور آپ کے سایۂ رحمت میں لشکر اسلام، ثنیۃ الوداع سے بروز جمعہ بعد فجر روانہ ہوا، جس کی اطلاع رومیوں کو ہوئی، تو انہوں ایک لاکھ سے زیادہ کا لشکر جرار مقابلہ کے لئے تیار کر لیا، جو پوری طرح اسلحہ اور دیگر سامان جنگ سے لیس تھا، انہیں ہر قسم کے مادی وسائل میسر تھے، اب تک ہمت بھی بلند تھی کیونکہ یہ مسلمانوں سے عیسائیوں کا پہلا مقابلہ تھا انہیں نہ تو مسلمانوں کی ایمانی قوت کا اندازہ تھا اور نہ ہی ان کے ساتھ اللہ کی رحمت و نصرت کا، وہ اپنے مادی وسائل پر نازاں و فرحاں تھے اور بس۔

جب مسلمانوں نے اتنا عظیم لشکر دیکھا تو وقتی اور عارضی طور پر انہیں بھی حیرت اور پریشانی ہوئی کہ واقعی آج سے پہلے کبھی اتنے بڑے لشکر سے ان کا مقابلہ نہ ہوا تھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ میں بھی جنگ موتہ میں شریک تھا میں نے جب دشمن کی بے شمار فوج اس کے ساتھ بکثرت جنگی ساز و سامان کو دیکھا، تو میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں، میری پریشانی اور سراسیمگی کی کیفیت دیکھ کر ثابت بن ارقم بولے، ابو ہریرہ! شاید تم یہ سب کچھ دیکھ کر پریشان ہو رہے ہو، میں نے کہا، جی، میں بہت پریشان ہوں کہ اس سے پہلے کبھی میری آنکھوں نے ایسا سماں نہیں دیکھا، ثابت نے کہا، تم غزوۂ بدر میں شریک نہ تھے، دشمن وہاں بھی ہم سے تین گنا زیادہ تھے، اور ہم آج کی بہ نسبت ہر اعتبار سے کمزور و ناتواں تھے، ہمارے پاس کھانے کے لئے کھجوروں کے سوا کچھ نہ تھا، اے ابو ہریرہ! سنو! "اِنَّا لَمْ نُنْصَرُ بِالْكَثْرَةِ" لشکر اسلام کو کثرت کے سبب کامیابی نہ ہوئی بلکہ ہماری کامیابی کا ذریعہ، صرف نصرت الٰہی اور ہماری قوت ایمانی ہے۔

اس عظیم لشکر سے مقابلہ کے لئے مجاہدین دو رات باہمی مشورہ کرتے رہے، بالآخر طے پایا، کہ اللہ کے رسول ﷺ کو حالات سے باخبر کیا جائے، ممکن ہے آپ مزید کمک روانہ فرما دیں، اور ہمارے لئے قدرے آسانی کی صورت پیدا ہو جائے، ورنہ آقا ﷺ کا جو ارشاد ہو گا، اس کی تعمیل دل و جان سے کی جائے گی، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو یہ فیصلہ پسند نہ آیا، آپ نے پورے جوش

ایمان کے ساتھ ایک نعرہ بلند کیا، جس نے مجاہدین کو لرزا دیا، پھر آپ نے فرمایا:

یا قوم! جس چیز کو تم ناپسند کر رہے ہو، اسی کے لئے تو ہم گھروں سے نکلے ہیں، یعنی شہادت ہم دشمن کے ساتھ کثرت تعداد اور مادی قوت کے بھروسہ پر جنگ نہیں کرتے "اِلَّا بِهٰذَا الدِّيْنِ الَّذِيْ اَكْرَمَنَا بِهٖ" ہم تو اس دین کے بل بوتے پر جنگ کرتے ہیں، جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں مشرف فرمایا "فَانْطَلِقُوْا فَاِنَّمَا هِيَ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ اِمَّا ظُهُوْرٌ اِمَّا شَهَادَةٌ" پس جنگ کی طرف بڑھو، دو میں ایک نیکی ضرور ملے گی، غلبہ یا شہادت۔

یہ ایمان افروز گفتگو سن کر، سب پکار اٹھے "قَدْ وَاللّٰهِ صَدَقَ ابْنُ رَوَاحَةَ" بخدا! ابن رواحہ نے سچ کہا اور نہایت ہمت و جراءت کے ساتھ سب آمادہ بر جنگ ہو گئے، صف بندی ہوئی، اب دونوں لشکر آمنے سامنے تھے، جنگ کا آغاز ہوا میدان کارزار گرم ہوا۔

زید بن حارثہ شہید ہوئے

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عطا کردہ علم لہراتے، مجاہدانہ شان کے ساتھ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ دشمن کے مقابلے کے لئے تشریف لائے، آپ کی تلوار بجلی کی طرح چمکتی اور ہر وار میں دشمن کا سر قلم کر دیتی، آپ متعدد کافروں کو موت کے گھاٹ اتار چکے، تو آقا ﷺ کی پیش گوئی پوری ہونے کا وقت آیا، کسی نے آپ کے سینہ مبارک پر ایسا نیزا مارا کہ جان لیوا ثابت ہوا، اور آپ نے تاج شہادت زیب سر کیا، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

جعفر بن ابی طالب شہید ہوئے

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو گھوڑے سے نیچے گرتا دیکھا تو جعفر بن ابی طالب لپکے اور علم اسلام کو زمین پر گرنے سے پہلے ہاتھ میں لے کر لہرایا، معاً دشمن حملہ آور ہوا جسے آپ نے اپنی ڈھال پر لیا اور مقابلہ شروع کر دیا، اسی دوران آپ نے محسوس کیا کہ سوار ہو کر دشمن پر حملہ کرنے کا لطف نہیں لہٰذا آپ نے گھوڑے سے چھلانگ لگائی، اپنی تلوار سے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اس لئے کہ ان کے بعد گھوڑا دشمن کے کام نہ آئے، یا اس لئے کہ جنگ کے حالات کچھ بھی ہوں لیکن فرار کا خیال تک نہ آنے پائے، بہر حال اب آپ سنبھلے اور پے در پے وار کر کے دشمنوں کی صفوں کو تتر بتر کر دیا، جو سامنے ٹھہرا وہ جہنم رسید ہوا اسی دوران آپ کا دایاں ہاتھ کٹ کر دور جا گرا، آپ نے پرچم کو زمین بوس ہونے سے پہلے اپنے بائیں ہاتھ سے بلند کیا، کہ دشمن نے اس ہاتھ کو بھی کاٹ دیا، لیکن اب بھی اللہ کے سپاہی کو پرچم کے احترام کا خیال رہا، آپ نے اسے سینہ سے لگا کر دونوں بازوں سے دبوچ لیا، اب صرف

پرچم کی حفاظت کا خیال تھا، نہ جسم و جان کی پرواتھی اور نہ ہی دفاع کی قوت، دشمن نے جسم اطہر پر تیروں اور تلواروں کی بوچھاڑ کر ڈالی، حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آگے بڑھ کر پرچم سنبھالا، اتنے میں کسی ظالم نے ایسا وار کیا کہ جسم اطہر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا، اور آپ نے بھی اپنے آقا کی پیش گوئی کے مطابق جام شہادت نوش فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت جعفر کے جسم مبارک پر نیزوں اور تلواروں کے نوے سے زیادہ زخم آئے، خاص بات یہ کہ ایک نشان بھی آپ کی پشت پر نہ تھا سب زخم چہرے اور سینہ پر تھے، گویا اللہ کے اس مجاہد نے کسی لمحہ بھی دشمن کو پیٹھ نہ دکھائی تھی۔

عبداللہ بن رواحہ شہید ہوئے

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد آقا ﷺ کی ہدایت کے مطابق، علم اسلام، حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے سنبھالا، کیونکہ حضرت جعفر کی شہادت نے دشمنوں کو خاصی غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ اپنے آپ کو فتح سے قریب خیال کرنے لگے تھے، لہٰذا جنگ میں شدت پیدا ہو گئی اور اب مجاہدین اسلام تقریباً دشمن کے نرغہ میں تھے، حضرت عبداللہ بن رواحہ، جونہی پرچم لہراتے میدان میں آئے دشمن نے ان کو اپنے نشانہ پر لیا، ہر طرف سے تیروں کی بارش اور تلواروں کی بوچھاڑ ہونے لگی، جب کہ حضرت عبداللہ نے بھی دشمن کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، چونکہ آقا فرما چکے تھے، لہٰذا شہادت مقدر ہو چکی تھی، اور شہید ہونے والوں کو آقا ﷺ کی خبر پر یقین کامل تھا، پس وہ میدان میں آئے ہی جامۂ شہادت زیب تن کرنے کے لئے تھے، ان حضرات نے جتنا بھی مقابلہ کیا، اپنی حفاظت کے لئے نہ کیا بلکہ دشمن کو گزند پہنچانے اور اس کو حتیٰ المقدور کمزور کرنے کے لئے کیا، بہر حال اس مرد مجاہد نے بھی اپنی جان عزیز، اپنے رب کریم کے کلمۂ حق کو بلند کرتے ہوئے پیش کر دی اور شہید ہو گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، کیا خوب کہا علامہ اقبال نے ؎

عاشقان او زخوباں خوب تر　　خوشتر و زیبا تر و محبوب تر

ان تینوں عاشقوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا، تا قیامت اللہ کی بے شمار رحمتیں نازل ہوں، ان کی قبر اطہر پر، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

حضرت خالد کی فنی مہارت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقرر کردہ تینوں علمبردار اپنی منزل پا چکے، اب سورج غروب ہو چکا لہٰذا جنگ رک گئی، دونوں لشکر رات گزارنے کے لئے، اپنے اپنے خیموں کی طرف چلے گئے لیکن

لشکر اسلام کے لئے ایک نہایت اہم مرحلہ نئے سپہ سالار کا انتخاب تھا، جو آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق مجاہدین کو ہی کرنا تھا، باہمی مشورے ہورہے تھے، رات تیزی سے گزر رہی تھی، کہ ثابت بن قیس آگے بڑھے، اسلام کا جھنڈا اٹھایا، لہراتے ہوئے مجاہدین کو للکارا اور بولے، ایسا آدمی چن لو جو علم اسلام بلند رکھ سکے، لوگوں نے کہا، آپ سے بہتر ہمارے نزدیک کوئی نہیں، انہوں نے کہا میں اس اعزاز کے لائق نہیں، سامنے حضرت خالد کھڑے تھے، ان سے کہا، ابوسلمان! (حضرت خالد کی کنیت) آگے بڑھو، اور آقا ﷺ کی اس امانت کو سنبھالو، حضرت خالد نے کہا، آپ اس شرف کے مجھ سے زیادہ حق دار ہیں مجھ سے عمر میں بڑے ہیں، غزوۂ بدر میں شرکت کی سعادت حاصل کر چکے ہیں، ثابت نے جوش سے کہا، خالد! آگے بڑھو، یہ پرچم میں نے زمین سے صرف تمہارے لئے اٹھایا ہے، تم ہی اس کے اہل ہو، پھر حضرت ثابت نے حاضرین سے پوچھا، کیا تم لوگ خالد کو قائد لشکر منتخب کرنا پسند کرتے ہو، سب نے بیک آواز اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، خالد آگے بڑھے، پرچم لے کر لہرایا، اور اس نازک وقت میں انہوں نے لشکر کی قیادت سنبھال کر، اللہ و رسول کی مدد کی ذمہ داری قبول کی۔

بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضرت عبداللہ بن رواحہ کی شہادت کے بعد مسلمان تتر بتر ہونے لگے تھے، حضرت خالد نے علم اسلام ہاتھ میں لے کر انہیں پکارا اور یکجا کرنے کی کوشش کی، لیکن کسی پر کوئی اثر نہ ہوا، یہاں تک کہ قطبہ بن عامر جو میمنہ کے امیر تھے، انہوں نے باواز بلند کہا، ''اَیُّهَا النَّاسُ! لَاَنْ یُّقْتَلَ الرَّجُلُ فِیْ حَرْبِ الْكُفَّارِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یُّقْتَلَ فِیْ حَالِ الْفِرَادِ'' مسلمان کا، کافروں سے جنگ کرتے ہوئے، قتل کیا جانا اس سے بہتر ہے کہ اسے بھاگتے ہوئے قتل کیا جائے، لوگ حضرت قطبہ کی پکار سن کر جمع ہو گئے، رات کافی ہو چکی تھی لہٰذا اپنے اپنے خیموں میں آرام کے لئے چلے گئے، (اب ملاحظہ ہو حضرت خالد کی فن جنگ میں مہارت)۔

صبح ہوئی تو حضرت خالد نے لشکر کو از سر نو ترتیب دیا اور دوبارہ صف بندی کی، اسطرح کہ اگلی صفوں کے سپاہیوں کو پیچھے اور پچھلی صفوں کے سپاہیوں کو آگے کیا، جب دشمن کے سپاہی صف آراء ہوئے تو انہیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جو لوگ کل ان کے سامنے تھے، ان میں کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا سب چہرے نئے تھے، تر و تازہ تھے (اور شاید آج اللہ کے سپاہیوں کو بایں صورت نصرت الٰہی بھی حاصل تھی کہ ان کے چہرے بارعب نظر آرہے تھے) یہ صورت حال دیکھی تو انہیں خیال آیا، کہ مدینہ سے مزید نئی فوج آگئی ہے وہ اس قدر مرعوب ہوئے، کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے، اور ان کے قدم اکھڑنے لگے، وہ ادھر ادھر دیکھنے لگے، گویا فرار کا موقع تلاش کرنے لگے، حضرت خالد نے دشمن کی اندرونی حالت اور نفسیاتی بے چینی کو ان کے چہروں سے بھانپ لیا، موقع سے فائدہ اٹھایا، زوردار نعرۂ تکبیر بلند

گیا، میدان کارزار گرم ہوا، اللہ کے سپاہی، نہایت جراءت و ہمت کے ساتھ ان پر تابڑ توڑ حملے کر رہے تھے، اور شام سے پہلے مردوں کے ڈھیر نظر آنے لگے، کثیر مال غنیمت ہاتھ آیا۔

مخبر صادق علیہ وآلہ وسلم کا خطاب

مدینہ منورہ سے کوسوں دور، مجاہدین اسلام برسرپیکار ہیں، گھمسان کا رن ہے، دشمن کی صفوں کی صفیں موت کا شکار ہو رہی ہیں، کہ مدینہ طیبہ میں "الصلوٰۃ جامعۃ" کی صدائے بلال گونجی ہے، پروانے شمع کے ارد گرد جمع ہو جاتے ہیں چند لمحوں میں مسجد بھر گئی، آقا صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر جلوہ فرما ہو کر ارشاد فرماتے ہیں "یَآ اَیُّھَا النَّاسُ" حاضرین متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ آقا کی آنکھوں سے موتی ٹپک رہے ہیں اس حال میں آپ نے فرمایا، میں تمہیں تمہارے غازیوں کے لشکر کے حالات سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں، پس سنو کہ لشکر یہاں سے روانہ ہوا اور موتہ پہنچ کر دشمن سے اللہ کے سپاہیوں کا مقابلہ ہوا۔

"وَقُتِلَ زَیْدٌ شَھِیْدًا فَاسْتَغْفِرُوْا لَهٗ" لشکر اسلام کے پہلے علمبردار زید بن حارثہ نے جام شہادت نوش کیا، پس ان کے لئے دعائے مغفرت کرو، پھر حضرت جعفر نے علم اسلام بلند کیا، اور دشمن پر پے در پے وار کیے۔

"حَتّٰی قُتِلَ شَھِیْدًا فَاسْتَغْفِرُوْا لَهٗ" یہاں تک کہ وہ بھی شہید ہو گئے، پس ان کے لئے مغفرت طلب کرو پھر عبداللہ بن رواحہ نے علم اسلام اٹھایا، اور بڑی ثابت قدمی سے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔

"حَتّٰی قُتِلَ شَھِیْدًا فَاسْتَغْفِرُوْا لَهٗ" یہاں تک کہ انہوں نے بھی مرتبۂ شہادت پایا، پس ان کے لئے مغفرت کی دعا کرو۔

آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا، کہ ان حضرات کی شہادت کے بعد، خالد بن ولید نے علم اسلام کو لہرایا، وہ اللہ کے بہترین بندے اور قبیلہ کے بہترین بھائی ہیں "وَھُوَ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ" وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں، "فَفَتَحَ اللّٰہُ عَلٰی یَدِہٖ" پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں پر مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

ابھی جنگ جاری ہے، اور مدینہ منورہ میں بزبان رسالت اعلان فتح ہو چکا اور جب چند روز بعد، حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ مژدۂ فتح لے کر حاضر ہوئے، تو قبل اس کے وہ کچھ بتائیں اللہ کے مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی حالات جنگ بیان فرما دیئے، پس حضرت یعلیٰ اتنا عرض کر سکے "وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا تَرَکْتَ مِنْ حَدِیْثِھِمْ حَرْفًا وَّاحِدًا" اس ذات پاک کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے، آپ نے ان کے حالات، حرف بحرف بیان فرما دیئے "وَاِنَّ

اَمْرَھُمْ لَکَمَاذَکَرْتَ" بے شک تمام حالات ایسے ہی تھے جیسے آپ نے بیان فرمائے۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا — چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

انجام جنگ

فتح کامیابی و کامرانی، جیسا کہ آقائے کائنات ﷺ نے اعلان فرمایا، علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے انجام بایں الفاظ بیان فرمایا: "فَلَمَّا حَمَلَ عَلَیْهِمْ خَالِدٌ هَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ" جب حضرت خالد نے رومیوں پر حملہ کیا، تو اللہ کی تائید سے انہیں شکست دی، اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ مزید غور فرمایئے، کہ صرف تین ہزار مجاہدین اسلام کے مقابلہ پر دو لاکھ سے زائد رومیوں کا لشکر تھا، سات روز تک جنگ جاری رہی، اور معمولی نہیں گھمسان کی جنگ تھی، حضرت خالد کے ہاتھ میں "نو تلواریں" ٹوٹیں، لیکن اللہ کی مدد شامل حال تھی، صرف بارہ "مجاہدین" شہید ہوئے، جب کہ دشمن کے ہلاک شدگان کی تعداد کثیر تھی، پس بلاشبہ یہ فتح مبین تھی فتح عظیم تھی، اس میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

12، شہدا کرام، غزوۂ موتہ میں جو حضرات، مرتبۂ شہادت سے سرفراز ہوئے، بلاشبہ وہ امت کے محسنین میں سے ہیں جن کا احسان ناقابل فراموش ہے، ان محسنین امت کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرات زید بن حارثہ، جعفر بن ابی طالب، عبداللہ بن رواحہ، مسعود بن الاسود، وہب بن سعد بن ابی سرح، عباد بن قیس، حارث بن نعمان، سراقہ بن عمرو، ابو کلیب بن عمرو بن زید، جابر بن عمرو بن زید (یہ دونوں سگے بھائی تھے) عمرو، عامر (یہ دونوں بھی سگے بھائی تھے)۔

رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وجزاهم عن الاسلام والمسلين وصلى الله تعالٰى علٰى خير خلقه محمد و علٰى اله واصحابه اجمعين

سریہ ذات السلاسل

مقام جنگ چشمہ "سلاسل" مقرر تھا، یا کفار نے اپنے آپ کو فرار سے بچنے کے لئے زنجیروں میں جکڑ رکھا تھا، "بلی" اور "عذرہ" قبیلوں سے مقابلہ متوقع تھا، تاریخ جمادی الثانیہ، آٹھ ہجری۔

اللہ کے رسول ﷺ کو اطلاع دی گئی، کہ قبائل مذکورہ مدینہ منورہ کے اطراف، لوٹ مار، دہشت گردی کا منصوبہ بنا رہے ہیں، پس آقا ﷺ نے ان کی سرکوبی کا فوری انتظام فرمایا اور حضرت عمرو بن العاص کو دو سو مجاہدین کے دستہ کے ساتھ دہشت گردوں کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ فرمایا، جب مجاہدین دشمن کے علاقہ میں پہنچے تو معلوم ہوا، کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے، لہٰذا سالار ﷺ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مزید افرادی قوت عطا فرمانے کی درخواست کی، آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی سرکردگی میں دوسو مجاہدین کا مزید دستہ روانہ فرمایا، جس میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما جیسی عظیم شخصیات بھی شامل تھیں، ان حضرات کی موجودگی کے باوجود حضرت ابوعبیدہ کو قیادت کا شرف محض ان کی جنگی مہارت کے سبب حاصل ہوا، جس کو انہوں نے میدان جنگ میں ثابت بھی کر دکھایا۔

مخبر صادق ﷺ نے

رخصت کرتے ہوئے ابوعبیدہ کو نصیحت فرمائی ''اَنْ تَكُوْنَا جَمِيْعًا وَلَا تَخْتَلِفَا'' تم دونوں (ابو عبیدہ اور عمرو بن عاص) متحد رہنا، اختلاف نہ کرنا، جب ابوعبیدہ اپنا دستہ لے کر عمرو بن عاص کے پاس پہنچے، تو پہلی ہی نماز کے موقع پر، مخبر صادق کے ارشاد کے مطابق اختلاف کی صورت پیش آئی کہ دونوں امیر حق امامت حاصل کرنے پر مصر ہوئے، لیکن حضرت ابوعبیدہ کو، آقا ﷺ کی ہدایت یاد آئی اور وہ حضرت عمرو بن عاص کے حق میں دستبردار ہو گئے، اور حضرت عمرو امامت کرتے اور ابوعبیدہ ان کی اقتداء میں نماز ادا کرتے رہے۔

جب لشکر اسلام دشمن کی آبادی پر حملہ آور ہوا، تو وہ اپنی کثرت اسلحہ اور تعداد کے باوجود پہاڑیوں اور چوٹیوں پر جا چھپے، مسلمانوں نے تین دن وہاں قیام کیا اور جو کچھ مال غنیمت ہاتھ لگا وہ لے کر واپس مدینہ منورہ پہنچے۔

اطاعت امیر کی ایک مثال

آپ جانتے ہیں کہ جنگ و امن، سفر و حضر، ہر حال میں مسلمانوں کو اطاعت امیر کی بے حد تاکید کی گئی ہے، جب کہ امیر خود رسول اللہ کا مطیع فرمانبردار ہو اور خلاف شرع کوئی حکم نہ دے، کہ درحقیقت اطاعت امیر ہی، قومی نظم و نسق اور باہمی اتحاد و اتفاق کا ذریعہ ہے، سریہ ذات سلاسل میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا، جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ صحابہ کرام اطاعت امیر کے کس قدر پابند تھے، اور اسی لئے کامیاب تھے، ہوا یہ کہ:

ایک رات نہایت سخت سردی پڑی، کچھ مجاہدین نے چاہا آگ جلا کر ٹھنڈ سے بچا جائے، حضرت عمرو بن عاص کو پتہ چلا، تو انہوں نے پورے لشکر میں اعلان کرا دیا کہ کوئی آگ نہ جلائے، لوگ حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور قائد لشکر کی شکایت کی، آپ نے امیر لشکر سے سفارش کی کہ آگ جلانے کی اجازت دی جائے تا کہ لوگ سردی سے بچ سکیں، عمرو بن عاص نے کہا، ہرگز نہیں، جو آگ جلائے گا

میں اسے اسی آگ میں جھونک دوں گا، سب پر سناٹا طاری ہو گیا، حضرت عمر نے چاہا کہ وہ خود امیر سے بات کریں، لیکن حضرت ابوبکر نے انہیں روکا، اور فرمایا، کہ ”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اسی لئے امیر بنایا ہے کہ وہ جنگی امور کو بخوبی جانتے ہیں“ پس حضرت عمر خاموش ہو گئے، پھر ایسا ہی ایک واقعہ اور پیش آیا، ہوا یہ کہ:

جب دشمن میدان چھوڑ کر بھاگے تو بعض مجاہدین نے ان کا تعاقب کرنا چاہا، عمرو بن عاص نے انہیں سختی سے روک دیا، مجاہدین میں امیر لشکر کے اس فیصلہ پر بھی خاصی چہ میگوئیاں ہوئیں لیکن کوئی کچھ نہ کر سکا نہ کسی نے احتجاج کیا اور نہ ہی اظہار ناراضگی، کہ اطاعت امیر لازمی ہے۔

جب مجاہدین مدینہ منورہ پہنچے، تو بارگاہ آقا ﷺ میں انہوں نے عمرو بن عاص کی شکایت کی، آقا نے عمرو کو طلب فرمایا، اور آگ جلانے نیز دشمن کا تعاقب کرنے سے روکنے کی وجہ معلوم کی، حضرت عمرو بن عاص، عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! میں نے آگ جلانے سے اس لئے روکا، کہ آگ کی روشنی میں دشمن ہمیں دیکھ کر ہماری تعداد کا اندازہ کر سکتا تھا، اور ممکن تھا کہ ہم پر سخت حملہ ہو جاتا، اور جنگ ختم ہو جانے کے بعد تعاقب کرنے سے اس لئے منع کیا، کہ مجھے خطرہ تھا کہ قرب وجوار میں آباد قبائل کہیں پیچھے سے حملہ نہ کر دیں، آقائے رحمت ﷺ نے اپنے ماہر جنگ غلام کی دونوں باتوں کو بہت پسند فرمایا، نیز شکایت کرنے والوں کے دل مطمئن ہو گئے۔

سریۃ الخبط

امام بخاری علیہ الرحمہ نے اس سریہ کو ”غزوۂ سیف البحر“ لکھا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوعبیدہ بن الجراح کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا لشکر، کفار قبیلہ جہنیہ کی مسلمانوں کے خلاف شرارتوں اور سازشوں پر نظر رکھنے کے لئے روانہ فرمایا، یہ واقعہ، رجب آٹھ ہجری کا ہے۔

”خبط“ درخت کے پتوں کو کہا جاتا ہے، اس سریہ میں خوراک کی اتنی قلت تھی کہ مجاہدین کو روزانہ ایک کھجور فی کس دی جاتی تھی، اور جب کھجوریں بھی ختم ہو گئیں تو مجاہدین نے درختوں کے پتوں پر گزارہ کیا اور یہ سلسلہ تین ماہ جاری رہا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ یہ سفر تقریباً ایک ماہ کا تھا جب بھوک کی شدت سے ہم لوگ پتے کھانے پر مجبور ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ہمارے لئے رزق کا انتظام فرمایا، بایں صورت کہ سمندر کی لہروں نے ایک اتنی بڑی مچھلی کنارے پر لا پھینکی جو پہاڑ کی طرح تھی، لہٰذا تین سو سپاہی اس مچھلی کا گوشت اٹھارہ دن تک کھاتے رہے، اور واپسی کے وقت کافی گوشت اپنے ساتھ بھی لے لیا، یہ مچھلی اتنی بڑی تھی، کہ حضرت ابوعبیدہ نے اس کی دو پسلیاں کاٹ کر زمین پر کھڑی کر دیں، تو

ایک اونٹ مع کجاوہ اس میں سے بآسانی گزر گیا، بلاشبہ یہ اللہ کی مدد تھی۔

جب ہم مدینہ منورہ پہنچے اور آقا ﷺ کو اس مچھلی کا حال بتایا، تو آپ نے فرمایا: ''رِزْقٌ اَخْرَجَهُ اللّٰهُ لَكُمْ'' یہ تمہارے لئے اللہ کا عطا کردہ رزق تھا، پھر آپ نے پوچھا، کیا تمہارے پاس اس مچھلی کا کچھ گوشت ہے، ہم نے پیش کیا، تو آپ نے تناول فرمایا۔

اسی سفر میں حضرت قیس بن سعد کی سخاوت کا منظر دیکھنے میں آیا، کہ آپ نے تین دن تک مجاہدین کو روزانہ ایک اونٹ ذبح کر کے کھلایا، جب اللہ کے رسول ﷺ کو حضرت قیس کی سخاوت اور ایثار کا واقعہ بتایا گیا، تو آپ نے فرمایا: اِنَّ الْجُوْدَ لَمِنْ شِيْمَةِ اَهْلِ ذٰلِكَ الْبَيْتِ سخاوت تو اس خاندان کے افراد کی عادت ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ جَآءَ الۡحَقُّ وَ زَهَقَ الۡبَاطِلُ ؕ اِنَّ الۡبَاطِلَ كَانَ زَهُوۡقًا ﴿۸۱﴾

"اور آپ (اعلان) فرما دیجئے، آ گیا حق اور مٹ گیا باطل، بیشک باطل مٹنے ہی والا تھا"۔

فتح المکۃ المکرّمہ

مٹانے کفر کو توحید کا پیام آیا ہے　　جہانِ نو کے لئے ایک نیا نظام آیا ہے

رسولِ حق سے نئے دور کا ہوا آغاز　　نوائے وقت بنی انقلاب کی آواز

غزوۂ فتح مکہ

وہ شمع اجالا جس نے کیا چالیس برس تک غاروں میں
ایک روز چمکنے والی تھی سب دنیا کے درباروں میں

اللہ کے خلیل حضرت سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ''وادیٔ غیر ذی زرع'' کو'' وادی ذی عظمت'' بنایا، کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں، اپنی لاڈلی زوجہ مکرمہ حضرت ہاجرہ اور اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہاں چھوڑا، اور اس بے مثال ایثار و قربانی کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تا کہ وہ نماز قائم کریں، یہ مقام ایک اللہ کی عبادت کا مرکز بن جائے، جو یہاں آئے وہ ہر اعتبار سے بے خوف و بے خطر ہو جائے یہ پورا علاقہ'' حرم'' بن جائے، پس اللہ نے اپنے خلیل کی دعا قبول فرمائی، کہ:

خلیل ہی کو اپنے گھر کی تعمیر کا حکم دیا اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ جو بنی نوع انسان کے لئے پہلا مرکز عبادت قرار پایا۔

لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّھُدًی لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۹۶﴾ اس گھر کو برکت والا بھی بنایا دیا گیا، اور تمام جہانوں کے لئے مرکز ہدایت بھی۔

فِیْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰھِیْمَ یہی گھر عجائب خانہ قدرت الٰہیہ بھی قرار پایا، کہ یہاں مقام

ابراہیم، حجر اسود اور زمزم جیسی عجیب وغریب، قدرت باری تعالیٰ کی نشانیاں موجود ہیں۔

وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ خلیل کی دعا قبول ہوئی کہ اس میں داخل ہونے والا خوف وخطر سے محفوظ ہے۔

اور جب ابراہیم واسماعیل علیہما السلام نے اللہ کے گھر کی دیواریں بلند کرلیں، تو اجرت ومزدوری مانگنے کے لئے رب کعبہ کے حضور ہاتھ پھیلائے اور دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِكَ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ یُزَكِّیْهِمْ ؕ (البقرہ:129)

''اے ہمارے رب! ان میں، ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمادے جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سنائے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انہیں پاک وصاف کردے''۔

پس اللہ نے اپنے خلیل کی یہ دعا بھی قبول فرمائی، کہ نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور ان کی تعلیمات کے ذریعہ اس گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مرکز رشد وہدایت بنادیا، اور آباد کردیا، کہ دعائے خلیل فَاجْعَلْ اَفْىِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ کے مطابق لوگوں کے دل اس کی طرف مائل ہوگئے، کہ شب وروز یہاں اللہ کے بندے، اللہ کی عبادت کے لئے جمع رہتے ہیں، وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ اور یہاں دنیا کے گوشہ گوشہ سے رزق آنے لگا، کہ پھلوں اور دیگر اشیاء خورد ونوش کی کمی نہ رہی ''وادی غیر ذی زرع'' ویران وغیر آباد وادی، بارونق ہوگئی باعظمت ہوگئی۔

اللہ نے حکم دیا وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىِٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۝ اور ہم نے تاکید کردی ابراہیم واسماعیل کو کہ وہ میرا گھر، خوب صاف ستھرا رکھیں (میرے مہمانوں) طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجود کرنے والوں کے لئے پس ان دونوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی، یہاں آنے والوں کو ہر قسم کی سہولت وراحت مہیا کی، اور یہ سلسلہ مدت دراز تک جاری رہا، لیکن

بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے اور کچھ عرصہ بعد ان کی تعلیمات کا اثر ختم ہوجانے کے بعد، دور جہالت وجاہلیت نے انسانوں کو گمراہی کے گڑھے میں ایسا ڈھکیلا، کہ نہ اسے اپنی قدر ومنزلت کا احساس رہا نہ ہی اللہ کے گھر اور اس کے شعائر کے احترام کا شعور رہا، اور ہوا یہ ہے کہ:

اپنی خواہش نفس کی تکمیل کے لئے، جاہل انسان خود ہی قوانین زندگی وضع کرنے لگا، نتیجتاً اس کی زندگی کا کوئی شعبہ پاک وصاف نہ رہا، وہ آگ، پانی، جانوروں اور بتوں کی پوجا میں ملوث ہوگیا اور

اللہ کا گھر تین سو ساٹھ بتوں کا گھر بنا دیا گیا۔ اس کے گرد طواف کی رسم تو باقی رہی، لیکن روح طواف باقی نہ رہی، طواف کرنے والے ایسے بے شرم و بے حیا ہو گئے کہ ننگے ہو کر طواف کرنے لگے۔ قربانی کے گوشت اور خون سے اللہ کے پاکیزہ گھر کو ناپاک و غلیظ کیا جانے لگا۔ جہاں جانوروں کو بھی خوف و خطر نہ ہوتا تھا وہاں انسان بھی بے خوف و خطر نہ رہا۔

حرم کی زمین پر، اللہ کی بغاوت عام ہو گئی، قتل و غارت اور ظلم و ستم عام ہو گیا، شراب نوشی، جوئے بازی عام ہو گئی۔ اور جب دعائے خلیل کے مطابق، اللہ نے اپنے گھر کو آباد اور پاک و صاف کرنے کے لئے، نبی آخر الزماں ﷺ کو مبعوث فرمایا، تو حرم مکہ کے ہی باسی سب سے پہلے ان کے دشمن ہوئے، ان احمقوں نے مظلوم انسانیت کو پناہ دینے والے آقاء رحمت ﷺ کو مجنون و دیوانہ اور جادوگر کہا، ان کے لائے ہوئے کلام الٰہی کا نہ صرف انکار کیا بلکہ اس کا مذاق اڑایا، اہل ایمان پر ظلم و ستم ڈھائے، حتیٰ کہ انہیں اللہ کے گھر اور اس کی مقدس سرزمین سے ہجرت کرنا پڑی۔

غرضیکہ، آٹھ ہجری تک یعنی اکیس سال، اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے غلاموں نے نہایت تحمل اور صبر و استقامت کے ساتھ حالات کا پوری طرح قوت ایمانی سے مقابلہ کیا، اپنے جان و مال کی قربانیاں دیں، ہر قسم کی اذیتیں اور تکلیفیں برداشت کیں، لیکن کبھی ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے، کبھی خدمت دین، اشاعت اسلام اور اطاعت رسول میں کوتاہی اور سستی نہ کی، بالآخر غیرت الٰہی جوش میں آئی، نصرت الٰہی کی برکھا برسنا شروع ہوئی، رحمت کی برسات کا موسم قریب آیا، فتح مبین کا سورج عروج پر پہنچا اور اللہ نے اپنے گھر کو دوبارہ پاک و صاف کرنے کا اعزاز اپنے محبوب کے غلاموں کو بخشا مکہ فتح ہوا، کعبہ سے صدائے بلال گونجی، علم اسلام لہرایا، لرزتے اور کانپتے ظالموں اور ستم گروں کو لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ کا مژدہ رحمت سنا کر نئی زندگی بخشی گئی، اور وَجَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝ کا دائمی اعلان کر دیا گیا، اور اسی کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوہام و خرافات، تعصب و ہٹ دھرمی، جہالت و بربریت، نفس پرستی اور اندھی تقلید کا خاتمہ ہو گیا، انسان کو خود شناسی اور خداشناسی کی عظیم نعمت میسر آئی، پر سکون و پر امن معاشرے کے قیام کی نوید دی گئی، اور پھر ہر زبان گویا ہوئی:

وہ آیا سب کے لئے رحمت خدا بن کر
تمام عالم ہستی کا رہنما بن کر

مٹانے کفر کو توحید کا پیام آیا
جہان نو کے لئے ایک نیا نظام آیا

رسول حق سے نئے دور کا ہوا آغاز
نوائے وقت بنی انقلاب کی آواز

مچی ہے دھوم کہ حق کا امیں آیا ہے
وہ اپنے ساتھ خدا کی کتاب لایا ہے

اسباب غزوہ مکہ

معاہدۂ صلح حدیبیہ کے مطابق اگر چہ فریقین، دس سال تک جنگ نہ کرنے کے پابند تھے، لیکن اہل مکہ کی اسلام دشمنی نے انہیں اس قدر بے تاب کر رکھا تھا، کہ وہ پابندی کے باوجود بھی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی نہ کوئی حیلہ بہانہ تلاش کرتے رہتے تھے، لہٰذا یہ معاہدۂ صلح صرف چند ماہ چلا اور پھر قریش ہی کی طرف سے اس کی خلاف ورزی شروع ہوئی اور اس کا خاتمہ ہو گیا، ہوا یہ کہ:

معاہدہ کے مطابق قبائل عرب کو آزادی حاصل تھی، کہ وہ فریقین میں سے جس کے چاہیں حمایتی بن جائیں، لہٰذا بنو کنانہ قریش کے حلیف بن گئے تھے، جب کہ بنو خزاعہ نے مسلمانوں کی حمایت کا اعلان کر دیا تھا، غزوۂ موتہ کے مبہم فیصلہ کو کفار مکہ نے مسلمانوں کی شکست سمجھا اور یہ خیال کرنے لگے کہ مسلمان اب کمزور ہو گئے۔ لہٰذا اگر اب معاہدے کی پابندی نہ بھی کی جائے، تو وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اسی دوران بنو کنانہ اور بنو بکر نے قریش سے امداد مانگی، تا کہ وہ بنو خزاعہ سے اپنی پرانی دشمنی کا بدلہ لینے کے لئے جنگ کریں، قریش نے اس موقع کو غنیمت جانا اور صرف اپنے عام سپاہیوں سے مدد نہ کی، بلکہ خود بعض رؤساء اور سردار بھی بنو کنانہ کے لشکر میں شامل ہو گئے اور نہایت زور و شور سے جنگ کی تیاری ہونے لگی، جب کہ بنو خزاعہ مطمئن تھے، اپنے کاروبار میں مصروف تھے، اپنے گھروں میں آرام کر رہے تھے، کیونکہ انہیں معاہدے کی بناء پر کسی طرف سے، کسی دشمن کا خطرہ نہ تھا، جب ان پر حملہ ہوا، تو وہ تو سراسیمہ و بدحال ہو گئے وہ بھاگ رہے تھے، لیکن کسی کو پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں، یہاں تک کہ وہ حدود حرم میں داخل ہو گئے، کہ یہاں انہیں امان اور پناہ ملنے کا یقین تھا، لیکن یہاں بھی ان پر تیروں اور نیزوں کی بارش ہوتی رہی، تلواریں ان کے سر اڑاتی رہیں، کسی کو کوئی پتہ نہ چل سکا کہ کتنے بوڑھے مارے گئے، کتنے بچے ہلاک ہوئے اور کتنی عورتیں کام آئیں، بچے کھچے لوگوں نے جہاں موقع ملا، پناہ لی، رات کا اندھیرا چھا گیا، مکہ کے گلی کوچوں میں پڑے بدحال، زخمیوں کے کراہنے، سسکیاں لینے کی آوازیں آ رہی تھیں، لیکن کوئی ان کی مدد کرنے والا نہ تھا جب صبح ہوئی تو سب ہی لاشوں کا ڈھیر تھے، اہل مکہ اپنی اس کامیابی پر مطمئن تھے، جب کہ یہی بدعہدی ان کی ذلت و خواری کا پیش خیمہ بنی۔

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ، ایک رات آقا ﷺ میرے حجرے میں رونق افروز تھے، آپ تہجد کے لئے بیدار ہوئے اور وضو کے لئے تشریف لے گئے، اسی دوران میں نے سنا کہ آپ فرما رہے ہیں "لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ" پھر فرمایا: "نُصِرْتَ، نُصِرْتَ، نُصِرْتَ" جب آپ تشریف لائے، تو میں نے عرض کی، یارسول اللہ! کون تھا، جس سے آپ نے مدد

کا وعدہ فرمایا، آپ نے بتایا، کہ بنوکعب کے ایک شخص نے مجھ سے فریاد کی، کہ قریش کی مدد سے بنوبکر نے ہم پر حملہ کیا، اور ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہمارے بے شمار افراد کو قتل کر دیا، ام المومنین فرماتی ہیں، کہ ہم تین دن تک کسی واقعے کی اطلاع ملنے کا انتظار کرتے رہے، یہاں تک کہ ایک روز نماز فجر کے بعد سالم خزاعی، چالیس افراد کے ہمراہ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، اور اس نے تمام واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے بعد نہایت دردناک انداز میں، آقائے رحمت ﷺ سے منظوم استغاثہ کیا، جسے سن کر آپ پر اور جملہ حاضرین پر رقت طاری ہوگئی، آپ نے فرمایا: ''نُصِرْتَ یَا عَمْرَو بْنَ سَالِمٍ'' عمرو بن سالم! تمہاری ضرور مدد کی جائے گی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ جب مظلوموں کی دادرسی کرنے کے بعد آقائے رحمت ﷺ نے بنوخزاعہ کی دردبھری کہانی سنی تو فرمایا: ''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَاَمْنَعَنَّھُمْ مِمَّا اَمْنَعُ مِنْہُ نَفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَبَیْتِیْ'' اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میں ان کا ہر اس شخص سے دفاع کروں گا، جس سے میں اپنی ذات، آل اور اہل خانہ کا دفاع کرتا ہوں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحقیق حال کے لئے، بنوخزاعہ کے وفد سے چند سوالات کیے، ان کے جوابات سے جب آپ کو یہ اندازہ ہوگیا، کہ یہ عہد شکنی بنوبکر کے ایک خاندان، بنونفاثہ نے قریش کی مدد سے کی ہے، تو آپ نے حضرت ضمرہ رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ کرنے کا فیصلہ کیا، تاکہ واقعہ کی مزید تفصیل معلوم ہوسکے نیز اصل مجرم کا پتہ چل سکے، آپ نے حضرت ضمرہ کو اہل مکہ کے سامنے تین تجاویز پیش کرنے کی ہدایت کی، بنوخزاعہ کے مقتولین کی دیت ادا کی جائے، اہل مکہ بنونفاثہ سے دوستی کا معاہدہ ختم کردیں، ورنہ صلح حدیبیہ کو کالعدم قرار دیا جائے۔

ظاہر ہے ان تجاویز سے بہتر کوئی صورت نہ ہوسکتی تھی، یہی انصاف کا تقاضا تھا، کہ عہد شکنی کرنے والے مقتولین کی دیت ادا کریں، اور مدد کرنے والے ظالموں سے دوستی ختم کریں، معاہدے کی بقا انہی دو صورتوں میں رہ سکتی تھی، ورنہ صرف یہی صورت تھی کہ معاہدہ ختم کردیا جائے۔

قریش کے جذباتی افراد نے پہلی دو تجاویز تسلیم کرنا اپنے لئے ندامت و شرمندگی کا باعث سمجھا اور تیسری تجویز کو قبول کرتے ہوئے معاہدے کے خاتمہ کا اعلان کردیا، جو ان کے لئے مزید ذلت و خواری کا سبب بنی، حضرت ضمرہ کی واپسی کی بعد ان کی آنکھیں کھلیں اور بے حد پشیمان ہوئے۔

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، کہ حارث بن ہشام اور چند دوسرے لوگ صفوان بن امیہ اور اس کے ساتھیوں کے پاس آئے، کہ انہوں نے ہی بنوخزاعہ پر حملہ کرنے میں بنوبکر کی مدد کی تھی، حارث وغیرہ نے صفوان کو اس کی حرکت پر ملامت کی اور ابوسفیان سے کہا، کہ یہ کوئی معمولی معاملہ

نہیں، جسے نظر انداز کر دیا جائے ہمیں بگڑے ہوئے حالات پر غور کرنا اور انہیں سدھارنے کی پوری کوشش کرنا چاہیے ورنہ اس کا نتیجہ ہمارے لئے بہت برا ہو سکتا ہے، انہوں نے باہمی مشورے کے بعد طے کیا کہ، ابوسفیان خود مدینہ منورہ جا کر معاملہ طے کریں، چونکہ ابوسفیان کو بھی یقین تھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حلیفوں کے انتقام کے لئے ضرور کوئی اقدام کریں گے، لہٰذا وہ بھی مدینہ طیبہ جانے پر آمادہ ہو گئے۔

ابوسفیان مدینہ منورہ میں

میرے آقا مخبر صادق ﷺ نے پہلے ہی فرما دیا تھا، کہ ابوسفیان خود مدینہ آ کر معذرت کرے گا، اور معاہدے کی بقا بلکہ اس کی مدت میں توسیع کی درخواست پیش کرے گا، ابوسفیان اپنے ایک غلام کے ہمراہ نہایت تیزی سے مدینہ کے لئے روانہ ہوا، کہ وہ جلد از جلد حضور کی بارگاہ میں پہنچ سکے اور قبل اس کے اللہ کے رسول ﷺ اہل مکہ کے خلاف کسی اقدام کا فیصلہ فرمائیں، وہ معاملہ کو ختم کرنے کی کوشش کرے، جیسے تیسے ابوسفیان کا سفر ختم ہوا، اور وہ مدینہ پہنچ کر سیدھا اپنی بیٹی ہماری ماں حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے گھر پہنچا، اس کا خیال تھا کہ بیٹی کی موجودگی میں اگر وہ بارگاہ رسالت میں اپنی درخواست پیش کرے گا، تو شاید سرکار اس پر خصوصی توجہ دیں گے، اور اگر ضرورت پیش آئی تو اسے بیٹی کی تائید وسفارش بھی حاصل ہو سکے گی۔

ام حبیبہ اور ابوسفیان

ابوسفیان، ام حبیبہ کے دروازے پر پہنچا، تو انہوں نے کسی خاص مسرت کا اظہار نہ کیا، جب کہ ابوسفیان نے بہت خوشی کا اظہار کیا، کہ عرصہ دراز کے بعد باپ نے بیٹی کو دیکھا تھا، لیکن ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا جس عظیم ہستی سے نسبت رکھتی تھیں اس کے مقابلہ میں کسی رشتہ کی کیا حیثیت ہو سکتی تھی، پس ابوسفیان گھر میں داخل ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس و پاکیزہ بستر پر بیٹھنے لگا، بیٹی نے باپ کو روکا اور آقا کا مقدس بستر لپیٹ دیا، ابوسفیان کو حضرت ام حبیبہ کے اس عمل پر بڑی حیرت ہوئی، اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا، وہ کہنے لگا، بیٹی! تم نے یہ بستر کیوں لپیٹ دیا، کیا یہ میرے بیٹھنے کے قابل نہیں، یا میں اس پر بیٹھنے کے لائق نہیں، حضرت ام حبیبہ نے فرمایا، دوسری بات صحیح ہے، ناپاک مشرک کس طرح آقا کے پاکیزہ و مطہر بستر پر بیٹھنے کے لائق ہو سکتا ہے، اب تو ابوسفیان کا پسینہ چھوٹ گیا، وہ حیرت زدہ ہو کر بولا، بیٹی! مجھے تم سے ایسے رویہ کی توقع نہ تھی، میری ماں بغیر تأمل اور جھجک کے بولیں، باپ! مجھے توقع نہ تھی کہ آپ قریش کے سردار، رئیس اور نہایت عقل مند ہوئے کے باوجود

تک شرک وکفر کی نجاست میں ملوث رہیں گے، گونگے، بہرے پتھروں کی پوجا میں مبتلا رہیں گے، کیا ہوا آپ کو، دنیا کی دولت، قیادت وسیادت کے نشہ میں آپ ایسے مبتلا ہوئے کہ حقیقت اور حق کو پہچاننے کی صلاحیت سے بھی محروم ہوگئے، میں آپ کی بیٹی ہوں، اللہ نے مجھے اسلام کی دولت سے نوازا ہے، بڑا ہی اعزاز بخشا ہے کہ میں امت کی ماں کے بلند منصب پر ہوں، پس آپ کو بھی نصیحت کرتی ہوں آپ مدینہ منورہ میں تو داخل ہو چکے ہیں، اب اپنے قلب کو ایمان کے نور سے بھی منور کر لیجئے، میرے آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ حاصل کر لیجئے، یقین جانئے، بڑی عزت نصیب ہوگی، اس مقدس بستر پر آرام کرنے کا اعزاز ملے گا، میرے آقا کی غلامی دوجہاں کی امیری ہے۔

خواہی کہ رسد دوجہانت بہبود در بندگئی رسول باشی بہ سجود

ابوسفیان بیٹی کے رویہ پر نادم وشرمندہ ہوا، اور مایوس ہوکر مسجد نبوی شریف میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، اور عرض گزار ہوا، کہ میں اپنی اور اہل مکہ کی طرف سے درخواست پیش کرتا ہوں کہ حضور اس معاہدے کی تجدید فرمائیں کہ اسی میں فریقین کا فائدہ ہے، پورے عرب میں امن وامان ہے اور لوگ اس معاہدے کی وجہ سے بے خوف وخطر پرسکون زندگی بسر کر رہے ہیں، آقا ﷺ نے بارعب انداز میں پوچھا، ابوسفیان! کیا تم صرف اس معاہدے کی تجدید کے لئے ہمارے دربار میں حاضر ہوئے، کیا تم نے کوئی عہد شکنی کی ہے، کہ اب تجدید کی ضرورت پیش آئی، ابوسفیان پریشان ہوگیا، اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا، کہ وہ عہد شکنی کی ذمہ داری قبول کرنے اور جرم کا اعتراف کرنے کے لئے تیار نہ تھا، لہٰذا اس نے بات ٹالتے ہوئے کہا، بخدا! ہم تو معاہدے کے پابند ہیں، نہ ہم اس میں کوئی تبدیلی چاہتے ہیں اور نہ ہی کسی تغیر کے خواہاں ہیں، سرکار ابد قرار ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی، ابوسفیان اٹھ کر حضرت ابوبکر کے پاس پہنچا اور مدعا بیان کرتے ہوئے کہنے لگا کہ یا تو آپ تجدید عہد کی حضور سے سفارش کریں یا ازخود لوگوں کو پناہ دینے کا اعلان کر دیں، حضرت ابوبکر نے فرمایا، کہ میں نہ تو آقا ﷺ کی بارگاہ میں سفارش کی جرأت کر سکتا ہوں اور نہ آپ کی اجازت کے بغیر کسی قسم کے فیصلہ کا مجاز ہوں، ابوسفیان یہاں سے ناامید ہوکر، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، اور اس نے آپ سے بھی حسب سابق گفتگو کی جس کا آپ نے اپنے مزاج کے مطابق نہایت سخت اور ترش جواب دیا، جس پر ابوسفیان برافروختہ ہو کر بولا ''جُوْزِيتَ مِنْ ذِيْ رَحِمٍ شَرًّا'' اس قطع رحمی کی تمہیں سزا دی جائے گی، اب ابوسفیان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، لیکن سب کا جواب تھا ''جِوَارِیْ فِیْ جِوَارِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا یُجِیْرُ اَحَدٌ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ'' میری پناہ تو اپنے آقا کی پناہ کے تابع ہے، اور کسی

کی مجال نہیں کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی مرضی کے خلاف کسی کو پناہ دے سکے، اسی طرح مکہ کا سردار دردر پر بھیک مانگتا اور ذلیل وخوار ہوتا رہا، حتیٰ کہ وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر حاضر ہوا، اور حسنین کریمین کا واسطہ دے کر گڑگڑانے اور پناہ مانگنے لگا، لیکن وہاں سے بھی دھتکار کے سوا کچھ حاصل نہ کرسکا۔

دوبارہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اسی گفتگو کا اعادہ کرنے لگا، آپ نے اس سے مذاق کیا یا بے وقوف بنایا اور فرمایا جب تمہیں کوئی پناہ دینے کے لئے تیار نہیں، تو تم مکہ کے سردار ہو تمہاری بھی حیثیت کم نہیں، کیوں نہیں از خود پناہ کا اعلان کر دیتے، ابوسفیان سیدھا مسجد نبوی شریف پہنچا اور حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے پناہ دینے کا اعلان کر دیا، پھر اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اور نہایت تیز رفتاری سے حدود مدینہ سے نکل بھاگا، مدینہ منورہ کافر کو ذلت وخواری کے سوا کچھ نہیں دیتا، جب کہ اہل ایمان، اہل عشق ومحبت آج تک یہاں سے جھولیاں بھر بھر کر لے جاتے ہیں۔

نہ رہ سکے گا مدینہ میں بے ادب گستاخ — وہی رہے گا یہاں جو رہے قرینے سے

قابل غور

اللہ کے رسول ﷺ نے مختصر گفتگو کے بعد ابوسفیان سے کوئی بات نہ کی، جب کہ آپ نے جان لیا تھا، کہ عہد شکنی کا مجرم یہی ہے جب ہی تو تجدید عہد کی درخواست لے کر آیا ہے، کہ آپ نے اپنی بارگاہ میں آئے ہوئے، مہمان کو ذلیل وخوار اور مزید شرمندہ کرنا گوارہ نہ فرمایا۔

آقا ﷺ کی بارگاہ سے محروم ہونے کے بعد ابوسفیان، حضرات ابوبکر، عمر، عثمان، علی، سعد بن عبادہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہم سے بھیک مانگتا رہا لیکن محروم رہا، سب نے ایک ہی جواب دیا، کہ ''ہم وہ غلام نہیں جو آقا ﷺ کی مرضی کے برعکس کوئی فیصلہ کر سکیں'' عظیم المرتبت صحابہ کا یہ متفقہ فیصلہ ہمارے لئے دعوت فکر ہے، دعوت عمل ہے'' جب کہ ہم اپنی زندگی کا ہر فیصلہ، آقا ﷺ کے فیصلوں کی پروا کیے بغیر از خود کرتے ہیں، ہم اپنے لئے دستور وضابطہ حیات از خود وضع کرتے ہیں'' یقین جانیے خلاف شرع اس جرأت ہی کے سبب ہمارے فیصلوں میں برکت نہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں، وہ ہمارے لئے نہ ذریعۂ عزت ہیں اور نہ ہی ذریعہ نجات، یقین جانیے، یہی فیصلے اور ضابطے ہماری ذلت وخواری کا سبب بنے ہیں، اور انہی کی وجہ سے ہم امن وامان اور پرسکون ومطمئن زندگی سے محروم ہیں، کاش ہم اس حقیقت کو جان لیں، کہ ہم بڑے ہی عظیم آقا کے غلام ہیں، اور انہی کی غلامی ذلت وخواری سے نجات کی ضمانت اور عزت وعظمت کا یقینی وسیلہ ہے، ہمارے لئے ان کی عطا کردہ شریعت کافی ہے، نہ ہمیں خود کوئی شریعت وضع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی کے نظام زندگی کو اپنانے کی

ضرورت۔

ہم حلقہ بگوشان در مصطفوی ہیں　　　ہم اور کسی در پہ جبیں کیسے جھکائیں

بہرحال جب ابوسفیان چلا گیا، تو مستجاب الدعوات ﷺ نے دست دعا دراز کرتے ہوئے اپنے رب کریم سے یوں دعا کی: "اَللّٰھُمَّ خُذِ الْعُیُوْنَ وَالْاَخْبَارَ عَنْ قُرَیْشٍ حَتّٰی نَبْغَتَھَا فِیْ بِلَادِھَا" اے اللہ! قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دے، ہماری کوئی خبر ان تک نہ پہنچ سکے یہاں تک کہ ہم ان کے شہروں پر اچانک حملہ کردیں۔

ابوسفیان مکہ میں

مدینہ منورہ میں اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے ابوسفیان کو کافی دن رہنا پڑا پھر وہ نادم و نامراد لوٹا، جب مکہ پہنچا تو یہاں کچھ اور ہی سماں تھا، لوگ اس پر الزام لگا رہے تھے کہ ہمارا سردار مرتد ہوگیا، اس نے ہمیں دھوکہ دیا ہے اور محمد (ﷺ) کی بیعت کرلی ہے، جب وہ گھر پہنچا تو بیوی ہند نے آڑے ہاتھوں لیا، اتنے دن تم مدینہ میں کیا کرتے رہے، وہاں سے کیا خوشخبری لے کر آئے، کیا معاہدے کی تجدید کا کوئی دستاویز ملا، کیا محمد (ﷺ) نے پناہ کا اعلان کیا، بیوی نے ایک سانس میں کئی سوالات کر ڈالے، ابوسفیان خاموش سنتا رہا، کر بھی کیا سکتا تھا، کچھ ملا ہوتا، تو ضرور بتاتا، جب ہند خاموش ہوئی، تو ابوسفیان نے نہایت ندامت کے ساتھ اپنی ذلت وخواری کی کہانی سنائی جسے سن کر وہ مزید برافروختہ ہوئی، کہنے لگی تم بہت ہی ناکام قاصد رہے تم اپنی قوم کے بدبخت سردار ہو، تم نے کبھی بھلائی اور خیر کا کوئی کام نہیں کیا، تمہاری ہی وجہ سے قوم کو ہمیشہ ذلت وخواری کا سامنا کرنا پڑا، وہ بکتی رہی، مکہ کا سردار سر جھکائے سنتا رہا۔

ابوسفیان نے بمشکل رات گزاری صبح ہوتے ہی اساف اور نائلہ بتوں کے پاس پہنچا، پوجا پاٹ کی سر منڈایا، اور ایک جانور کی قربانی دی، اور ان سے عہد کیا "لَا اُفَارِقُ عِبَادَتَکُمَا حَتّٰی اَمُوْتَ عَلٰی مَامَاتَ عَلَیْهِ اَبِیْ" میں تمہاری پوجا کبھی نہ چھوڑوں گا، یہاں تک کہ مجھے اس عقیدے پر موت آجائے، جس عقیدے پر میرا باپ مرا، ابوسفیان نے یہ سارا ڈرامہ اس لئے رچایا تھا، کہ وہ اس الزام سے بری ہو سکے جو اس کی قوم نے اس پر لگایا، اور اس کی سیادت قائم رہے۔

جب قریش کو ابوسفیان کی واپسی کی خبر ہوئی تو وہ اپنے سردار کے گرد جمع ہوگئے، اور پوچھنے لگے کیا تم اپنے مقصد میں کامیاب لوٹے ہو، ابوسفیان نے نہایت ندامت و معذرت کے ساتھ بتایا، کہ میں نے ہر چند کوشش کی، لیکن محمد بن عبداللہ (ﷺ) نے کوئی جواب نہ دیا، پھر میں نے ان کے جلیل القدر صحابہ سے درخواست کی لیکن سب کا ایک جواب تھا "جَوَارِیْ فِیْ جَوَارِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی

اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" میری پناہ اللہ کے رسول کی پناہ کے تابع ہے، یہ حقیقت ہے میں نے آج تک کسی قوم کو اپنے قائد کا ایسا مطیع وفرمانبردار نہ دیکھا جیسے حضور کے صحابہ آپ کی اطاعت شعار اور فرمانبردار ہیں، بہرحال افسوسناک خبر یہ ہے کہ میں مقصد حاصل نہ کرسکا، ناکام ونامراد واپس آیا ہوں۔

مکہ پر حملہ کی تیاری۔

اب وقت آچکا تھا، کہ کعبہ کو دائمی آبادی بخشنے والا، حرم کعبہ میں داخل ہو، اللہ کے گھر کو ہمیشہ کے لئے بتوں سے پاک وصاف کردے، اس پر اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کا پرچم لہرادے، حرم کعبہ کو شرک وکفر اور رسومات وبدعات سے پاک کردے، حرم کعبہ میں ظالم ومظلوم جو بھی داخل ہو، اسے پناہ میسر آئے، پس پیغمبر امن ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا عزم فرمایا، حسب عادت اپنے غلاموں کو مشورہ کرنے کے لئے طلب فرمایا، اور پھر مکہ پر حملہ کرنے کی تیاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔

آقائے رحمت ﷺ ایک روز اپنے حجرۂ منورہ سے باہر تشریف لائے اور دروازے کے سامنے بیٹھ گئے، کچھ فاصلہ پر صحابہ حاضر بارگاہ تھے، تھوڑی دیر غور وفکر کے بعد آپ نے حضرت ابوبکر کو اشارہ فرمایا، وہ حاضر ہوئے آپ ان سے گفتگو فرماتے رہے، پھر حضرت عمر کو طلب فرمایا وہ حاضر ہوئے، ان سے گفتگو کی، پھر حاضرین کو اشارہ سے قریب ہونے کا حکم ملا، سب نے تعمیل کی، آپ نے فرمایا، تمہارے ان دونوں دوستوں کی مثال یہ ہے کہ ابوبکر کا حال حضرت ابراہیم جیسا ہے کہ وہ اللہ کے معاملہ میں گھی کی طرح نرم ہے، اور عمر کا حال حضرت نوح جیسا ہے کہ اللہ کے معاملہ میں پتھر سے بھی زیادہ سخت ہے، اب تم لوگ مکہ فتح کرنے کے لئے تیار ہوجاؤ، ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔

آقا ﷺ کا یہ حکم ایک بڑی خوشخبری تھی، جسے سننے کے لئے غلام عرصہ دراز سے بےتاب تھے، پس انہوں نے اظہار شکر اور اظہار مسرت کے طور پر نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے، اللہ کے رسول ﷺ نے فتح وکامرانی کی دعا فرمائی اور واپس حجرۂ مبارکہ میں تشریف لے گئے۔

صحابہ نے حضرت ابوبکر سے پوچھا کہ آپ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کیا گفتگو کی تھی، جو آقا نے آپ کو گھی کی مانند نرم قرار دیا، ابوبکر نے بتایا سرکار نے مجھ سے مکہ پر حملہ کرنے کے متعلق مشورہ کیا، تو میں نے عرض کی یارسول اللہ! اہل مکہ سب ہی آپ کی قوم کے افراد ہیں، ان پر حملہ کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا، پھر لوگوں نے حضرت عمر سے پوچھا، کہ آپ نے کیا کہا جو آپ کو پتھر سے زیادہ سخت قرار دیا گیا، انہوں نے کہا جب آقا ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے عرض کی، یارسول اللہ! اہل مکہ کے مظالم آپ کے سامنے ہیں، انہوں نے آپ پر جو الزامات تراشے وہ آپ کے علم میں ہیں، اب وقت آگیا ہے کہ ہم کافروں کو تہس نہس کردیں، تاکہ اللہ کے گھر میں ہم آزادی کے ساتھ

اللہ کی عبادت کر سکیں، پس میرے آقا ﷺ نے جنگ کی تیاری کا حکم دے دیا۔

غلام اپنے آقا ﷺ کی ہدایت کے مطابق نہایت جوش و جذبہ کے ساتھ جنگ کی تیاری میں مصروف ہو گئے، وہ نہ خوف زدہ تھے نہ ہی انہیں کسی قسم کا خطرہ لاحق تھا، وہ خوش تھے، فتح یا شہادت کے امیدوار تھے کوئی تلواریں صیقل کر رہا تھا، تو کوئی تیر اور نیزے گن رہا تھا، کوئی سواری کا انتظام کر رہا تھا، غرضیکہ اللہ کا ہر سپاہی، جذبۂ جہاد میں مست اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں لگا ہوا تھا، اور مکہ روانگی کے حکم کا منتظر تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بغرض حفاظت، اطراف مدینہ میں پہرے دار مقرر فرما دیئے تھے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان پہرے داروں کی خدمت و نگرانی کے لئے مقرر فرمایا تھا۔

حضرت حاطب کا واقعہ

مدینہ منورہ میں جنگ کی تیاریاں پورے شباب پر تھیں لیکن راز داری کا پورا اہتمام تھا، اسی دوران حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے ایک فروگزاشت ہو گئی، کہ انہوں نے اہل مکہ کو مدینہ میں جنگ کی تیاری سے متعلق ایک خط لکھا جسے مکہ بھیجنے کے لئے ایک عورت کو دس اشرفیاں دے کر تیار کیا، وہ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہو گئی، اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے حبیب لبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بذریعہ القا مطلع فرما دیا، آپ نے حضرت علی، زبیر بن عوام اور مقداد بن اسود کو طلب فرمایا اور حکم دیا کہ فوراً مکہ کی طرف روانہ ہو جاؤ، روضۂ خاخ کے مقام پر تمہیں ایک عورت مکہ جاتی ہوئی ملے گی، اسے روکنا اس کے پاس ایک خط ہے وہ اس سے لے کر آ جاؤ، یہ تینوں حضرات بجلی کی طرح روانہ ہوئے، اور اس عورت کو روک لیا اور کہا کہ تو جو خط لے کر مکہ جا رہی ہے، وہ ہمیں چاہیے، عورت نے قسمیں کھائیں اور کہا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں، حضرت علی نے اس کے سامان کی تلاش لی لیکن خط نہ ملا، پھر آپ نے سختی سے کہا، اگر تو نے وہ خط نہ دیا تو ہم مجبور ہوں گے، تجھے ننگا کر دیں گے اور خط نکال لیں گے، ہمیں یقین ہے کہ تیرے پاس خط ہے، کہ آقا ﷺ نے ہمیں بتایا ہے اور آپ کی بتائی ہوئی کوئی خبر ہرگز غلط نہیں ہو سکتی، جب اس عورت نے صورت حال بگڑتی دیکھی تو خط نکال کر دے دیا، حضرات آقا کی بارگاہ میں خط لے کر حاضر ہوئے، آپ نے حضرت حاطب کو طلب فرمایا، اور پوچھا، تم نے ایسا کیوں کیا۔

حضرت حاطب نے بقسم عرض کی، یا رسول اللہ! نہ تو میں مرتد ہوا ہوں اور نہ ہی مجھے اس حقیقت میں شک و شبہ ہے کہ مکہ فتح ہو گا، اگر اہل مکہ کو ہمارے منصوبے کی خبر بھی ہو جائے، یا آپ تنہا مکہ پر حملہ آور ہوں، تب بھی کامیابی و کامرانی ہمارا مقدر ہو گی، میرے اس خط کا سبب صرف اتنا ہے کہ میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں، وہاں کوئی عزیز و رشتہ دار نہیں جو حالت جنگ میں ان کی دیکھ بھال

کرے، میں اہل مکہ پر اس خط کے ذریعے احسان کرنا چاہتا تھا، تا کہ وہ اس کے بدلے میرے اہل خانہ کی حفاظت کریں اور ان کا خیال رکھیں، آقائے رحمت ﷺ نے غلاموں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا'' وَاَنَّهٗ قَدْ صَدَقَکُمْ '' حاطب نے تمہیں سچی بات بتا دی ہے، لیکن حضرت عمر سے نہ رہا گیا انہوں نے حضرت حاطب کو جھڑکا، اور کہا، اللہ تجھے ہلاک کرے، حضور نے تو مدینہ کے گرد پہرے دار مقرر کیے ہوئے ہیں، تا کہ اہل مکہ کو ہماری تیاری کی خبر نہ ہو سکے اور تو انہیں خط کے ذریعہ باقاعدہ اطلاع دے رہا تھا، عمر نے اپنی تلوار تان لی اور عرض کرنے لگے، یارسول اللہ! اجازت ہو تو، میں ابھی اس منافق کا سر قلم کر دوں، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، عمر! ٹھہرو کیا تم بھول گئے کہ تمہارا بھائی حاطب بدری ہے، اور بدریوں پر اللہ کی خاص نوازش ہے کہ ان کے لئے ارشاد فرمایا'' اِعْمَلُوْا مَاشِئْتُمْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ '' جو چاہو کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی ہے، حضرت عمر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور زبان پر یہ جملہ آیا'' اللہ ورسولہ اعلم '' اسی موقع پر درج ذیل آیات نازل ہوئیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۚ يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ ۭ اِنْ كُنْتُمْ خَرَجْتُمْ جِهَادًا فِيْ سَبِيْلِيْ وَابْتِغَآءَ مَرْضَاتِيْ ۤ تُسِرُّوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ ڰ وَاَنَا اَعْلَمُ بِمَآ اَخْفَيْتُمْ وَمَآ اَعْلَنْتُمْ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ① اِنْ يَّثْقَفُوْكُمْ يَكُوْنُوْا لَكُمْ اَعْدَآءً وَّيَبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْۗءِ وَوَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ ② لَنْ تَنْفَعَكُمْ اَرْحَامُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ ڔ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ڔ يَفْصِلُ بَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ③ (الممتحنہ)

اے ایمان والو! نہ بناؤ میرے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو دوست، تم تو ان سے اظہار محبت کرتے ہو، حالانکہ وہ انکار کرتے ہیں، اس دین حق کا جو تمہارے پاس آیا ہے، انہوں نے رسول مکرم کو اور تمہیں نکالا ہے (مکہ سے) محض اس لئے کہ تم ایمان لائے ہو، اللہ پر، جو تمہارا پروردگار ہے، اگر جہاد کرنے نکلے ہو، میری راہ اور میری رضا جوئی کے لئے تم بڑی راز داری سے، ان کی طرف محبت کا پیغام بھیجتے ہو، حالانکہ میں جانتا ہوں جو تم نے چھپا رکھا ہے، اور جو تم نے ظاہر کیا ہے، اور تم میں سے جو ایسا کرے تو وہ سیدھے راستہ سے بھٹک

گیا، اگر وہ تم پر قابو پالیں تو تمہارے دشمن ہوں گے اور تمہاری طرف اپنے ہاتھ بڑھائیں گے، اور اپنی زبانیں برائی کے ساتھ، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم ان کی طرح کافر بن جاؤ، نہ نفع پہنچائیں گے تمہیں تمہارے رشتہ دار، اور نہ تمہاری اولاد، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جدائی ڈال دے گا تمہارے درمیان اور جو تم کر رہے ہو اللہ تعالیٰ خود دیکھنے والا ہے"۔

نہایت مشفقانہ اور واضح انداز میں اہل ایمان کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے دشمنوں سے جو مسلمانوں کے بھی دشمن ہیں، دوستی کرنے کی ممانعت کی گئی، نیز اس کے نقصانات بھی بیان کر دیئے گئے، درحقیقت ان آیات کا عنوان ہے "کفار سے دوستی" جو ہمارے دور کا اہم عنوان ہے کہ آج ہم بالخصوص حکومتی سطح پر کافروں کو اپنوں سے زیادہ مخلص اور دوست سمجھتے ہیں، جس کی قرآن نے متعدد مقامات پر ممانعت کی نیز مفسر قرآن ﷺ نے اپنے عمل سے اس کی وضاحت فرمائی، ان آیات کی مزید تشریح جاننا مقصود ہو تو ہماری کتاب یَآاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جلد دوم، مقالہ نمبر 8 کا مطالعہ نہایت مفید ہوگا۔

فتح مکہ کی مکہ روانگی

چہار شنبہ، 10 رمضان المبارک 8 ہجری، یکم جنوری 630ء تاریخ اسلام کا سورج پوری آب و تاب سے طلوع ہوا، حسب معمول ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری رضی اللہ عنہ کو مدینہ منورہ میں نائب و امام کی ذمہ داری سونپی گئی، آقا ﷺ کے اعلان کے مطابق، اطراف مدینہ کے تمام مسلمان مدینہ طیبہ میں موجود تھے، ایک عجیب رونق ایک عجیب بہار تھی، روانگی سے قبل اعلان ہوا، جو چاہے روزہ رکھے جو چاہے افطار کرے، کہ سفر میں اختیار ہے، حضرت زبیر بن عوام کو دو سو مجاہدین کا دستہ دے کر آگے چلنے کا حکم ملا، اور قائد کائنات ﷺ دس ہزار سے زائد فوجیوں پر مشتمل، تاریخ غزوات کا سب سے بڑا لشکر لے کر اللہ کی حمد و ثناء کرتے، اللہ کے گھر کو بتوں سے ہمیشہ ہمیشہ پاک کرنے کے لئے مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، بعض مؤرخین کے مطابق یہ منظر حسین ترین منظر تھا، کہ مجاہدین کی زبانوں پر حمد باری تھی، دلوں میں جذبۂ اطاعت شعاری تھا، بے شمار اسلام کے پرچم لہرا رہے تھے، محسوس کیا جا سکتا تھا، کہ اللہ کے ان سپاہیوں پر نور کی بارش ہو رہی ہے، اللہ کی نورانی مخلوق ملائکہ ان کو گھیرے ہوئے ہیں۔

لشکر اسلام جب مدینہ طیبہ سے باہر، تیس میل کے فاصلہ پر مقام "عرج" میں پہنچا، تو اس وقت رسول ﷺ اور اکثر صحابہ کا روزہ تھا، گرمی کی شدت سے، سخت تکلیف ہو رہی تھی، خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے سر مبارک پر بار بار پانی ڈال رہے تھے لوگوں نے آقاء رحمت بانی شریعت کی بارگاہ میں حاضر ہو کر گرمی کی شدت کی شکایت کی، آپ نے دودھ یا پانی سے بھرا برتن منگوایا

اسے سواری پر رکھا، تا کہ سب لوگ دیکھ لیں، پھر آپ نے اسے نوش فرمایا، اور اپنے پاس موجود غلاموں کو دیا، یہ خبر جس کو ہوتی گئی اس نے آقا کی اتباع کرتے ہوئے گرمی کی شدت کے باعث قبل از وقت افطار کیا،

کتیا پر رحم وکرم

آقائے رحمت ﷺ نہ صرف انسانوں کے لئے رحیم وکریم ہیں، بلکہ جانوروں کو بھی آپ کے سایۂ رحمت میں پناہ نصیب ہوتی ہے، دوران سفر آپ کی نظر کرم ایک کتیا پر پڑی جو اپنے نوزائیدہ بچوں کو دودھ پلا رہی تھی، فوراً آپ کو خیال آیا، کہ کسی سپاہی سے اس کو تکلیف نہ پہنچے لہٰذا آپ نے حضرت جمیل بن سراقہ کو اس کتیا کی نگرانی کا حکم دیا، جمیل بن سراقہ، وہاں کھڑے اپنی ذمہ داری پوری کرتے رہے، یہاں تک کہ پورا لشکر گزر گیا، جب آپ کو یقین ہو گیا کہ کتیا اور اس کے بچے اب محفوظ ہیں، تب آپ بھی روانہ ہو گئے۔

اللہ اکبر! ایک چھوٹا سا واقعہ ہے، جس کی تشہیر اس دور میں، آقائے رحمت ﷺ اور مسلمانوں سے دہشت گردی کے داغ کو صاف کر سکتی ہے، بشرطیکہ الزام لگانے والے عقل وعدل سے کام لیں، اور سوچیں کہ صرف ایک کتیا اور اس کے بچوں کی حفاظت کے لئے اپنے ایک سپاہی کو مقرر کرنے والے، آقائے رحمت ﷺ سے کس طرح یہ توقع کی جا سکتی ہے، کہ انہوں نے سرایا وغزوات کے دوران کسی پر ظلم کیا یا بلاوجہ اس کے قتل کا حکم دیا ہو، یا ان کی تعلیمات سے دہشت گردی کا پیغام ملتا ہو، جب کہ آج امن وامان کے قیام کے لئے، دہشت گردی کے خاتمہ کا جھوٹا دعویٰ کرنے والے، تو اتنے ظالم دہشت گرد ہیں کہ ان کے میزائل اور بموں سے جانور تو درکنار، ننھے ننھے بچے کمزور و ناتوان بوڑھے اور عورتیں تک محفوظ نہیں، وہ نسلیں ختم کر رہے ہیں اور پھر بھی عدل وانصاف اور انسانوں کی ہمدردی کے دعویدار ہیں، کاش کوئی آگے بڑھے، ان دہشت گردوں کو آئینہ دکھائے، اور ثابت کرے کہ یہ خود دہشت گرد ہیں، اہل ایمان مجاہد ہوتا ہے، وہ دہشت گردی اور ظلم وستم کے خاتمہ اور ظالموں دہشت گردوں کو ملیا میٹ اور نیست و نابود کرنے، امن وامان اور عدل وانصاف کے لئے جہاد کرتا ہے، جس کا دہشت گردی سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

بہر حال پیش قدمی جاری رہی، سو سو مجاہدین کے دستے تیار کیے گئے، جو لشکر اسلام کے آگے آگے چلتے رہیں، اسی دوران بنو ہوازن کا ایک جاسوس پکڑا گیا، اس نے بتایا کہ قبیلہ ہوازن مسلمانوں سے جنگ کی تیاری کر رہا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: **حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ اُولٰٓئِكَ الْعُصَاةُ**'' حضرت خالد کو اس جاسوس کی نگرانی کا حکم ملا تا کہ یہ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو لشکر اسلام

حالات نہ بتا سکے۔

دوران سفر ہی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ، مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جاتے ہوئے ملے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دیکھا تو فرمایا، "اے عم محترم! آپ کی ہجرت آخری ہجرت ہے جس طرح میری نبوت آخری نبوت ہے" انہوں نے اپنا ساز و سامان مدینہ منورہ روانہ کیا اور خود لشکر اسلام کے ساتھ ہو لئے۔

مرالظہران میں قیام

عشاء کا وقت ہو چکا تھا، مرالظہران پہنچ کر غلاموں کو خیمہ زن ہونے اور آرام کرنے کا حکم ملا، نیز اعلان ہوا، کہ سب لوگ اپنے خیموں کے سامنے آگ روشن کریں، فوراً تعمیل حکم ہوئی، ہزاروں چولہے روشن ہو گئے، ساری وادی جگمگ، جگمگ کرنے لگی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لشکر کی نگرانی کا حکم ہوا، لشکر اسلام مکہ کے قریب آ چکا تھا، لیکن کامیاب رازداری کی وجہ سے کفار اب تک اس صورت حال سے بے خبر تھے، لیکن معاہدہ ختم ہو جانے کے باعث وہ ہر وقت خطرہ محسوس کرتے اور خوفزدہ رہتے تھے، انہوں نے ایک مرتبہ پھر ابوسفیان کو چند لوگوں کے ہمراہ روانہ کیا، کہ وہ بیرون مکہ جا کر حالات کا جائزہ لیں، اور اگر کہیں حضور سے ملاقات ہو جائے، تو پناہ کی درخواست کریں، حسب پروگرام جب یہ لوگ، مرالظہران کے قریب پہنچے تو خیموں کی ایک وسیع و عریض بستی دیکھ کر حیرت زدہ ہو گئے، ابوسفیان پریشان و سراسیمہ حال بولا، یہ لشکر کہاں سے آ گیا اور ہمیں خبر تک نہ ہو پائی۔

ابن شہاب علیہ الرحمہ بتاتے ہیں، کہ ایک صبح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ میں نے خواب دیکھا ہے، کہ ہم مکہ کے قریب پہنچ گئے ہیں، مکہ سے ایک کتیا بھونکتی نکلی، جب ہم اس کے قریب ہوئے تو وہ زمین پر لیٹ گئی، اور اس سے دودھ بہنے لگا، آپ نے فرمایا، اے ابوبکر! اہل مکہ کی قوت اب دم توڑ چکی ہے، اب وہ ہمیں اپنا دودھ پیش کر رہے ہیں، جلد ہی وہ اپنی رشتہ داریوں کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہوں گے، نیز مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، ابوبکر! اب کئی لوگ تمہارے ساتھ ملاقات کرنے والے ہیں، ہاں اگر ابوسفیان سے ملاقات ہو تو تم اسے قتل نہ کرنا (کہ مخبر صادق ﷺ کو ابوسفیان کے مشرف باسلام ہونے کا علم تھا).

اور ابوسفیان مسلمان ہو گئے

اور اب یہ مژدۂ جانفزا، پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے کہ لشکر اسلام مکہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی، قریش مکہ کے سردار ابوسفیان مشرف باسلام ہو گئے، گویا فتح مکہ کا اعلان ہو گیا، واقعہ یہ ہے کہ:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ میرے والد حضرت عباس، مرا ظہران میں ساری رات یہ سوچ کر بے تاب رہے، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بزور شمشیر مکہ فتح کریں گے تو قریش برباد ہو جائیں گے، کاش وہ صبح سے پہلے بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر امان طلب کریں، حضرت عباس بتاتے ہیں کہ میں رات کو ہی اٹھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خچر پر سوار ہو کر کسی ایسے آدمی کی تلاش میں نکلا، جو مکہ جا رہا ہو اور وہ اہل مکہ کو میرا پیغام پہنچا دے، جب میں ''اراک'' کی بستی کے قریب پہنچا، تو مجھے ابو سفیان کی آواز سنائی دی، وہ کسی سے باتیں کر رہا تھا میں نے اسے آواز دی ''یا ابا حنظلہ'' اس نے میری آواز پہچان لی، اور پکارا ''لبیک یا ابا الفضل'' میں اس کے پاس پہنچا تو میں نے وہاں حکیم بن حزام اور بدیل کو بھی بیٹھا دیکھا، میں نے ان سے کہا، اے ظالمو! تم یہاں بیٹھے باتیں کر رہے، کیا تم نے یہ خیمے نہیں دیکھے یہ اللہ کے سپاہی ہیں، جو مکہ میں داخل ہو کر تمہیں نیست و نابود کر دیں گے، اٹھو اور کوئی تدبیر کرو، ابو سفیان نے کہا، یا ابا الفضل! ہم نے یہ خیمے دیکھے، ہمیں حیرت ہوئی، کہ یہ لشکر ہمارے سر پر آ پہنچا اور ہمیں خبر تک نہ ہو پائی، ہم بھی خوفزدہ ہیں، اب آپ ہی کوئی تدبیر بتایئے کہ ہماری قوم تباہی سے بچ سکے، حضرت عباس نے کہا ایک ہی تدبیر ہے، کہ تم میرے ساتھ بارگاہ رسالت پناہ میں چلو، میں تمہارے لئے اپنے آقا سے امان کی درخواست کروں گا، مجھے امید ہے کہ وہ میری درخواست رد نہ فرمائیں گے، پس یہ تینوں میرے ہمراہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے، اتنے میں حضرت عمر اپنی تلوار تانے پہنچ گئے، اور بولے اے اللہ و رسول کے دشمن! میں تجھے قتل کیے بغیر نہ چھوڑوں گا، اللہ کا شکر ہے کہ تو اس وقت میرے قابو میں ہے، جب کہ تجھے کسی کی پناہ نصیب نہیں، میں نے آقا ﷺ سے عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے ان تینوں کو پناہ دی ہے اور آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں، پھر میں آپ سے چپٹ گیا، اور آپ کی مبارک پیشانی کو چومنے لگا، جب کہ عمر نہایت غضب ناک تھے اور ابو سفیان کو قتل کر دینا چاہتے تھے، آقائے رحمت ﷺ نے اشارہ سے حضرت عمر کو روکا، اور ہمیں بیٹھنے کا حکم دیا، پھر آپ نے ابو سفیان سے حالات معلوم کیے، اور ان تینوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی، انہوں نے بیک آواز کہا ''نشھد ان لا الہ الا اللہ'' آپ نے فرمایا جب تک تم میری رسالت کو تسلیم نہ کر لو مسلمان نہیں ہو سکتے، پس حکیم بن حزام اور بدیل نے ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' کہا اور مشرف با سلام ہو گئے، لیکن ابو سفیان نے کہا مجھے کچھ مہلت چاہیے، کہ میں غور کر سکوں، سرکار نے فرمایا، عباس! اسے اپنے خیمہ میں لے جاؤ اور صبح ہماری خدمت میں پیش کرو۔

جب صبح ہوئی تو مؤذن نے اذان دی، سب نے کلمات اذان دہرائے ابو سفیان حیرت سے

بولا، یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں، میں نے بتایا کہ یہ نماز کی تیاری کر رہے ہیں، پھر جب آقا ﷺ نے وضو فرمایا، تو ابوسفیان کی حیرت کی انتہا نہ رہی اس نے دیکھا کہ غلام آپ کے گرد جمع ہیں، آپ وضو فرما رہے ہیں، لیکن کیا مجال پانی کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرا ہو، صحابہ کرام اپنے ہاتھوں پر پانی لے کر اسے اپنے سروں اور چہروں پر ملتے رہے، ابوسفیان کہنے لگا، واللہ میں نے عقیدت و محبت کا یہ منظر کبھی نہ دیکھا، مجھے قیصر و کسریٰ کے درباروں میں جانے کا موقع ملا، لیکن عشق و محبت کی یہ کیفیت مجھے کسی بادشاہ کے دربار میں نظر نہ آئی، حضرت عباس نے فرمایا، یہ بادشاہ نہیں، نبی ہیں، مزید برآں ابوسفیان کو اس وقت حیرت ہوئی، جب اس نے امام الانبیاء کی قیادت میں غلاموں کو اللہ کے حضور نماز ادا کرتے دیکھا، جب آقا ﷺ نے تکبیر تحریمہ کہی، تو سب نے اللہ اکبر کہا، سب نے امام کی اتباع میں ایک ساتھ رکوع کیا، سجدے کیے، نظم و ضبط اور اطاعت شعاری کا یہ منظر صرف ابوسفیان ہی کے لئے نہیں بلکہ ہر غیر مسلم کے حیرت زدہ اور مرعوب کر دینے کے لئے کافی تھا، جب کہ الحمد اللہ آج بھی یہی کیفیت موجود ہے۔

حضرت عباس فرماتے ہیں کہ اس منظر کے بعد، اب ابوسفیان کا تکبر و غرور بتوں پر ناز اور کفر و شرک کی انا سب کا خاتمہ ہو چکا تھا اب اس کے لئے اسلام قبول کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، پس نماز سے فارغ ہو کر میں اسے بارگاہ رسالت میں لے کر حاضر ہوا، آپ نے پوچھا، ابوسفیان! کیا حال ہے اور کیا ارادہ ہے، ابوسفیان نے باآواز بلند کہا ''**اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا رسول الله**'' یہ سنتے ہی اللہ کے رسول نے اللہ کا شکر ادا کیا، سب سے پہلے حضرت عمر تھے، جنہوں نے ابوسفیان کو گلے لگایا، لشکر اسلام میں یہ خبر خوشبو کی طرح پھیل گئی، اور پورا لشکر زعفران بن گیا، مجاہدین ایک دوسرے کو گلے لگانے اور فتح مکہ کی مبارکباد دینے لگے۔

اس پر مسرت و بابرکت موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی، یارسول اللہ! ابوسفیان، قریش کے سردار، مکہ کے رئیس ہیں، بلند مرتبہ اور ہر دل عزیز ہیں، بہتر ہوگا کہ ان کو کسی اعزاز سے نوازا جائے، عزت بخشندہ آقا ﷺ نے اعزاز بخشا، ارشاد ہوا ''**مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ**'' جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو گیا، اس کے لئے امان ہے۔

ابوسفیان نے جب مکہ جانے کا ارادہ کیا، تو دانائے حکمت ﷺ نے حضرت عباس سے فرمایا، ابوسفیان جب تنگ وادی میں پہنچے تو آپ اس کا راستہ روک لیں، تا کہ وہ اپنی آنکھوں سے قوت اسلام کا مشاہدہ کر لے (تا کہ انہیں اپنے مشرف باسلام ہونے پر مزید اطمینان ہو اور وہ مسلمان ہونے کریں، نیز وہ مکہ پہنچ کر لشکر اسلام کی کثرت اور شان و شوکت کا حال اہل مکہ کو بتائیں، تو کافروں

کے دل لرزنے لگیں اور ان پر مسلمانوں کا خوف ورعب طاری ہو جائے) حضرت عباس نے حکم کی تعمیل کی اور تیزی سے وادی کے تنگ راستہ پر جا کر کھڑے ہوئے، ابوسفیان خوفزدہ ہو کر بولے، اے ہاشمیو! کیا تم وعدہ شکنی پر آمادہ ہو، حضرت عباس نے فرمایا ہرگز نہیں، خاندان نبوت نہ تو وعدہ شکنی کرتا ہے اور نہ ہی غداری، میں نے تمہیں یہاں صرف اس لئے روکا ہے کہ تم اللہ کی اس فوج کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، جو مکہ فتح کرنے کا عزم مصمم کر چکی ہے۔

لشکر اسلام کی مکہ روانگی

دانائے کل ﷺ نے لشکر کی صف بندی میں اس کی شان وشوکت کے مظاہرے کا خاص خیال رکھا، آپ کے حکم کے مطابق مجاہدین اپنی سواریوں پر سوار ہو گئے، گھوڑ سوار مجاہدوں کو لشکر کے آگے چلنے کا حکم ملا، ہر دستہ کا اور ہر قبیلہ کا پرچم لہرانے لگا، حضرت ابوعبیدہ مقدمۃ الجیش کے قائد مقرر ہوئے، جب کہ حضرت خالد، میمنہ اور حضرت زبیر بن عوام، میسرہ کے قائد بنائے گئے اور لشکر کے قلب میں کائنات کے دولہا اور آقا ﷺ رونق افروز تھے، حکم ملتے ہی نعرہ ہائے تکبیر کی صدائیں گونجیں اور مجاہدین نے پیش قدمی شروع کر دی۔

حضرت خالد کا لشکر ایک ہزار سپاہیوں پر مشتمل تھا، جو نہایت نرالی شان سے نعرۂ تکبیر بلند کرتے آگے بڑھا، ابوسفیان نے دیکھا تو حضرت عباس سے پوچھا، یہ قائد لشکر کون ہے، آپ نے فرمایا، خالد بن ولید، ابوسفیان حیرت سے بولے، الغلام، وہ نوجوان خالد، عباس نے کہا جی، وہی نوجوان خالد، حضرت خالد کی ابوسفیان پر نظر پڑی تو انہوں نے شوکت اسلام کا اظہار کرتے ہوئے گردن اکڑا لی اور سینہ تان لیا اور مزید جوش وجذبہ کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کیا۔

شور تکبیر سے تھرتھراتی زمین — جنبش جیش نصرت پہ لاکھوں سلام

مجاہدین کے دستے گزرتے رہے، ابوسفیان لشکر اسلام کی شان وشوکت پر حیرت زدہ ہوتے رہے، وہ فکر مند تھے کہ اب ان کی قوم کا کیا انجام ہوگا، حضرت عباس سے بار بار پوچھتے جاتے، کہ آقا ﷺ کس دستہ میں شامل ہیں، ان کی زیارت کب ہوگی، حضرت عباس مسکراتے ہوئے جواب دیتے ابھی انتظار کرو، وہ رونق افروز ہونے ہی والے ہیں، تم دیکھو گے، ان کی شان ہی نرالی ہوگی، کہ آج فرشتے بھی ان کی عظمت پر ناز کر رہے ہیں، اسی اثناء میں ابوسفیان، چلچلاتی دھوپ میں بادل کا ایک ٹکڑا دیکھ کر متحیر ہوتے ہیں اور حضرت عباس سے کہتے ہیں، دیکھو! اس تیز دھوپ میں یہ بادل کا ٹکڑا کیسا؟ جواب ملا، یہ بادل نہیں، سایۂ رحمت باری ہے، جو ہمیشہ ہمارے آقا کے اوپر رہتا ہے، مجاہدین آگے بڑھتے رہے، اچانک بڑی ہی شان شوکت سے ایک دستہ آتا نظر آیا، جس میں مہاجرین وانصار

کے رؤساء اور جلیل القدر صحابہ شامل تھے، سب ایک ہی لباس میں ملبوس تھے، سبز لباس زیب تن تھا، جسم پر خود اور زرہیں تھیں، ہر طرف اسلام کے پرچم لہرا رہے تھے، تسبیح وتحمید کی صدائیں گونج رہی تھیں، گاہے بگاہے تکبیر کے نعرے بلند ہو رہے تھے، شمع رسالت کے پروانے اپنے محبوب کے گرد مستانہ وار جھومتے، شوکت اسلام کا مظاہرہ کر رہے تھے، پیکر نور الٰہی کی ضیاء پاشی کا آغاز ہوا، ابوسفیان کی آنکھیں چندھیانے لگیں، ہوش وحواس باختہ ہونے لگے، انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا، غور سے دیکھا، تو شہنشاہ کائنات کی زیارت سے مشرف ہوئے، جن کے سر اقدس پر سونے، جوہرات کا بادشاہوں جیسا تاج نہ تھا، ان کے جسم اقدس پر حریر وریشم کا لباس نہ تھا، ان کے چہرے پر تکبر وغرور کے آثار نہ تھے، بلکہ وہ اللہ کے بہادر سپاہی کی طرح، سر اقدس پر لوہے کا خود پہنے تھے، جسم مبارک پر لوہے کی زرہ تھی، اللہ کی نوازشات سے ان کی گردن خم تھی، ان کا چہرہ نور سے چمک رہا تھا، ہر طرف انوار الٰہی کی برکھا برستی نظر آ رہی تھی، ابوسفیان بولے، عباس! بلاشبہ تمہارا بھتیجا عظیم بادشاہ ہے، عباس نے فوراً جواب دیا، ابوسفیان! وہ بادشاہ نہیں، سید الانبیاء والمرسلین ہیں، حضور ﷺ، ابوسفیان سے قریب ہوئے۔

ابوسفیان نے کہا، یارسول اللہ! کیا آج آپ اپنی قوم کا قتل عام کریں گے، کہ ابھی سعد بن عبادہ کہتے گزرے ہیں "اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ" آج کا دن قتل وغارت کا دن ہے، "اَلْيَوْمَ تَسْتَحِلُّ الْحُرْمَةُ" آج حرم میں خونریزی کی جائے گی، "اَلْيَوْمَ اَذَلَّ اللّٰهُ قُرَيْشًا" آج اللہ قریش کو ذلیل کر دے گا، پھر ابوسفیان کہنے لگے، میں آپ کی قوم کے بارے میں آپ کو اللہ کا واسطہ دیتا ہوں، آپ تمام لوگوں سے زیادہ نیکوکار ہیں، سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے ہیں، سب سے زیادہ رحیم وکریم ہیں، آقائے رحم وکرم ﷺ نے ابوسفیان کی التجا سنی تو فرمایا، "كَذَبَ سَعْدٌ يَا اَبَا سُفْيَانَ" اے ابوسفیان! سعد نے غلط کہا، "اَلْيَوْمُ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ" آج کا دن رحمت کا دن ہے، "اَلْيَوْمُ يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللّٰهُ فِيْهِ الْكَعْبَةَ" آج کا دن وہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ کعبہ کی عظمت کو ظاہر کرے گا، "اَلْيَوْمُ يَوْمٌ تُكْسٰى فِيْهِ الْكَعْبَةُ" آج کا دن وہ ہے جس میں کعبہ کو غلاف پہنایا جائے گا، "اَلْيَوْمُ يَوْمٌ اَعَزَّ اللّٰهُ فِيْهِ قُرَيْشًا" آج کا دن وہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ قریش کی عزت کو چار چاند لگائے گا، پھر آقائے رحمت ﷺ نے حضرت سعد کو طلب فرمایا، اور ان سے پرچم لے کر ان کے بیٹے سعد کو دے دیا، آپ کی اس حکمت عملی سے، سعد کو سزا بھی مل گئی اور ان کی دلجوئی بھی ہوگئی، کہ علم اسلام ان کے بیٹے ہی کو دیا گیا، نیز ابوسفیان کو مزید اطمینان ہوگیا۔

حضرت عباس نے ابوسفیان کو جلد از جلد مکہ پہنچ کر، اہل مکہ کو صورت حال سے باخبر کرنے اور

انہیں دعوت اسلام دینے کا مشورہ دیا، تا کہ وہ آنے والے خطرات سے محفوظ رہ سکیں، اور حرم کعبہ میں خون خرابہ کی نوبت نہ آئے، ابوسفیان نے مکہ پہنچ کر اپنی قوم کو جمع کیا، اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ اسلام قبول کرلیں، ورنہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتنا بڑا لشکر لے کر آپہنچے ہیں، کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ پوری قوم ہی آج نیست و نابود ہو جائے، پس عافیت اسلام قبول کر لینے ہی میں ہے، نیز انہوں نے بتایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اعلان کیا ہے: ''مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ'' لوگوں نے کہا، ابوسفیان! تیرے گھر میں کتنے لوگ سما سکتے ہیں، پھر اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمان دہرایا، کہ جس نے اپنا دروازہ بند کرلیا، اس کے لئے بھی امان ہے، جو مسجد حرام میں داخل ہوگیا اس کے لئے بھی امان ہے، ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عتبہ بھی وہیں کھڑی تھی، شوہر کی باتیں سن کر بے قابو ہوگئی، ابوسفیان کی مونچھیں پکڑ کر کہنے لگی، اس گھی کے مٹکے کو قتل کر ڈالو اس میں کوئی بھلائی نہیں، یہ قوم کا بدبخت سردار ہے جو کبھی کوئی اچھی خبر لے کر نہ آیا، ابوسفیان بولا دوستو! اس عورت کی باتوں میں نہ آنا ورنہ بڑے نقصان میں رہو گے، تہس نہس کر دیئے جاؤ گے، میں پھر کہتا ہوں، اور سچ کہتا ہوں، مجاہدین اسلام کی شان و شوکت دیکھ کر آیا ہوں، ان کے مقابلے کی تم میں طاقت نہیں، پس میری بات مان لو، ان کے آنے سے پہلے اسلام قبول کرلو، امن و امان اور عزت کی زندگی مل جائے گی۔

دخول مکہ کی تیاری

سالار اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق پورا لشکر اسلام ''وادیٔ ذی طویٰ'' میں جمع ہوگیا، یہاں آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے غلاموں کو دخول مکہ سے متعلق ضروری ہدایات دیں، لشکر کو متعدد حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، اور ہدایت کی گئی، کہ مکہ مکرمہ میں مختلف اطراف سے داخل ہونا ہے، جس میں حکمت یہ تھی کہ:

اگر پورا لشکر ایک سمت سے داخل ہوتا تو راستہ تنگ ہو جاتا، لوگوں کو تکلیف ہوتی نیز منزل مقصود تک پہنچنے میں تاخیر ہوتی، پس آپ نے مختلف سمتوں میں داخل ہونے کا حکم دیا۔

اگر پورا لشکر ایک ہی سمت سے داخل ہوتا، تو کفار مکہ جمع ہو کر سامنے آ کھڑے ہوتے، جب کہ ان میں مقابلہ کی سکت نہ تھی وہ بے تحاشا مارے جاتے، اور آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرزمین حرم پر خونریزی سے گریز کرنا چاہتے تھے، مختلف سمتوں سے داخل ہونے کی صورت میں جنگ کا امکان نہ تھا، کہ اس طرح قریش اگر جنگ پر آمادہ بھی ہوتے تو انہیں اپنی قوت تقسیم کرنا پڑتی اس طرح وہ مزید کمزور ہو جاتے، اور لشکر اسلام کو دیکھ کر ان راستہ چھوڑ دینے پر مجبور ہوتے۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ جنگی حکمت نہایت کامیاب رہی، کہ لشکر السلام کے دستے بغیر کسی مزاحمت کے اللہ کے گھر میں داخل ہوتے رہے، صرف حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو معمولی سی

مزاحمت کا سامنا ہوا، کہ جب وہ مکہ کی جنوبی سمت سے اپنا دستہ لے کر آگے بڑھے، تو قریش کی ایک چھوٹی سی ٹولی نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی، حضرت خالد نے بآواز بلند ان کو نصیحت کی اور بتایا، کہ آج کوئی قوت مسلمانوں کو مکہ فتح کرنے سے نہیں روک سکتی، فیصلۂ الٰہی ہو چکا ہے، کہ اب اللہ کے گھر میں صرف ایک اللہ کی ہمیشہ ہمیشہ عبادت ہوگی، لہٰذا جو امان چاہتا ہے وہ ہمارے راستے سے ہٹ جائے اور جو عزت و نجات چاہتا ہے وہ ہمارے آقا ﷺ کی غلامی قبول کرے، مسلمان ہو جائے لیکن احمقوں نے ایک نہ سنی، مسلمانوں پر حملہ کر دیا، حضرت خالد کو بھی اپنے لشکر کے دفاع اور اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے جوابی حملہ کرنا پڑا، اور چشم زدن میں قریش کے چوبیس اور قبیلہ ہذیل کے چار آدمی خاک و خون میں تڑپنے لگے، انہوں نے یہ منظر دیکھا تو بری طرح بھاگے، پہاڑوں اور چوٹیوں پر چڑھ کر اپنی جان بچائی،

آقائے رحمت ﷺ نے مجاہدین کو یہ ہدایت روانہ فرمائی تھی، کہ اللہ کے گھر کی طرف بڑھتے ہوئے کسی کی تلوار، نیام سے باہر نہ ہو، لیکن جب آپ ایک بلند چوٹی ''اذاخر'' پر پہنچے، تو آپ کو کچھ تلواریں چمکتی نظر آئیں، آپ نے پوچھا، میرے منع کرنے کے باوجود یہ ننگی تلواریں کس کی چمک رہی ہیں، جو میں دیکھ رہا ہوں، عرض کیا گیا، یا رسول اللہ! کچھ قریش نے حضرت خالد کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور پھر مسلمانوں پر حملہ کر دیا، لہٰذا انہیں بھی اپنی تلواریں نکالنی پڑیں، ورنہ حضرت خالد کی مجال نہیں کہ وہ آقا کی حکم عدولی کریں، آپ نے فرمایا: ''قَضَاءُ اللّٰهِ خَيْرٌ'' اللہ کا فیصلہ ہی بہتر ہے۔

آقائے رحمت ﷺ کی یہ ہدایت نہایت قابل غور ہے'' مکہ کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے تلواریں نیام میں رہیں'' گویا یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ آپ حرم میں آباد لوگوں کو جو آپ کے اور اسلام کے بدترین دشمن تھے، خوف و ہراس میں مبتلا کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔

شہنشاہ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں ورود مسعود

صبح ہدیٰ تافت از جبین محمد　　عرصہَ دنیا گرفت دین محمد
از پیش و پس ہر چہ بودہ و باشد　　دیدہَ عیاں چشم تیز بین محمد

وہ دور یاد کیجئے جب:

آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی، اور دنیا والوں کی نظروں سے چھپ کر آپ دار ارقم میں، اللہ کی عبادت کرتے، اپنے چند غلاموں کو اللہ کا پیغام سناتے اور ان کی تعلیم و تربیت کا فریضہ ادا کرتے رہے، پھر اس شمع کی روشنی دار ارقم سے باہر نکلی اور صرف بیالیس افراد پر مشتمل قافلہ اللہ کے گھر کا طواف کرتا اور اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہوتا نظر آتا، یہیں سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑانے کمزور و نادار مسلمانوں پر ظلم و ستم ڈھانے کے دور کا آغاز ہوا، حتیٰ کہ اپنے محسن حضرت ابوبکر کو، احسان فراموشوں نے جوتوں سے مارا پیٹا۔

وہ دور یاد کیجئے جب:

کوہ صفا پر آفتاب نبوت طلوع ہوا، اور داعی حق و صداقت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کو پکارا، اور معبودان باطلہ کو چھوڑ کر کفر و شرک سے تائب ہو کر، ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دی تو جواب میں مظالم کا طوفان امنڈ آیا۔

اب آپ یاد کیجئے

داعی عدل و انصاف کو کس کس طرح ستایا اور پریشان کیا گیا، ساحر، مجنون و دیوانہ کہا گیا "مذمم" کہہ کر پکارا گیا، آپ کے غلاموں، حضرت عثمان، بلال و آل یاسر پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے، شعب ابی طالب میں محصوری کے ایام پر توجہ کیجئے، نیز یاد کیجئے کہ، طائف میں ہمارے آقا پر گالیوں اور پتھروں کی کس طرح بوچھاڑ کی گئی، اہل ایمان کو اپنا گھر بار، کاروبار سب چھوڑ کر حبشہ جا کر پناہ لینا پڑی، غرضیکہ نبوت کے تیرہ مکی سال کا ہر دن اور ہر رات مظالم برداشت کرتے اور کافروں کا مقابلہ کرتے بسر ہوا، بالآخر "فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ﴿۶﴾" کے وعدہ الٰہی پورا ہونے کا وقت آیا، اور اہل ایمان کے مصائب و آلام کا دور ختم ہونے کے آثار نظر آنے لگے، مدنی دور کے ابتدائی سات سالوں کا مطالعہ اسی منظر میں کیجئے تو آپ کو ہر دن ایک نیا سورج طلوع ہوتا نظر آئے گا۔ رحمت والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یثرب کو مدینہ بنایا، اس کی سر زمین مصیبت زدہ مسلمانوں کے لئے

آغوش رحمت و پناہ بن گئی، اللہ کے گھر کی تعمیر، مہاجر و انصار کے درمیان رشتۂ اخوت، دشمن سے مقابلہ کی قوت و طاقت، احکام شریعت کا نزول اور ان کا نفاذ، یہ سب وہ امور تھے جن سے اسلام کی جڑیں مضبوط ہوئیں، غلاموں نے آقا ﷺ سے عشق و محبت کا رشتہ جوڑا اور آپ کی قیادت میں اسلام کے پودے کی خوب خوب آبیاری کی، آقا ﷺ نے اس پودے کو جس قسم کا پانی دینے کا حکم دیا، غلاموں نے سر تسلیم خم کیا حتیٰ کہ جب بھی اسے خون پلانا پڑا، تو عاشقوں نے گردنیں کٹائیں اور خون کی ندیاں جاری ہوگئیں، پس یہ پودا گھنا سایہ دار درخت بنا، اس کے سایہ تلے صرف اہل مدینہ ہی نہیں، بلکہ عرب و عجم کے مظلوم و مصیبت زدہ انسان پناہ گزین نظر آنے لگے، اور پھر یہ سب مل کر، آقائے رحمت ﷺ کی قیادت میں اسی سایہ دار رخت تلے پناہ کی دعوت لے کر اس سرزمین کی طرف چلے، جہاں اللہ رحیم و کریم کا گھر ہونے کے باوجود، اب تک ظلم و ستم، حق تلفی اور بدکاری، بدکرداری اور بدعملی کا دور دورہ تھا، جس کا خاتمہ انسانیت کی عزت و عظمت بحال کرنے کے لئے ناگزیر تھا، پس مصلح اعظم ﷺ نے حالات سازگار ہو جانے کے بعد، اللہ کے گھر کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بتوں اور شرک و کفر کی غلاظت سے پاک و صاف کر دینے کے لئے مکہ کی طرف قدم بڑھایا، لیکن نہایت محتاط انداز سے، کہ تطہیر کعبہ کی کوشش میں، خونریزی نہ ہونے پائے، حرم کی بے حرمتی نہ ہونے پائے کہ رحمت برسانے والا، زحمت کس طرح پہنچا سکتا ہے، اسی لئے مجاہدین کو ہدایت فرمائی کہ اللہ کے گھر کی طرف بڑھتے ہوئے کسی کی تلوار نہ چمکنے پائے، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے، اس کے لئے امان، جو اپنا دروازہ بند کرلے اس کے لئے امان، مجاہدین مکہ کی مختلف سمتوں سے اللہ کے گھر میں داخل ہوں تاکہ، اگر قریش مقابلہ کا ارادہ بھی رکھتے ہوں، تو بھی مقابلہ نہ کرسکیں، غرضیکہ

تمام رحمت و بخشش تمام لطف و کرم   متاع قلب گدایان بے نوا ہیں رسول

دخول مکہ مکرمہ

آقا ﷺ کی ہدایت کے مطابق مجاہدین کے دستے اطراف مکہ سے طلوع ہوئے، مکہ کے گلی کوچے، اہل ایمان سے کھچا کھچ ہو گئے، تسبیح و تحمید اور تکبیر کی صداؤں سے گونج گئے، کفار کے دل لرزنے لگے، انہوں نے پہاڑوں اور چوٹیوں کی طرف بھاگنا شروع کیا، تاکہ پناہ حاصل کرسکیں، حکیم بن حزام اور ابوسفیان نے قریش کو پکارا، کیوں اپنی جانیں قربان کرتے ہو، اپنے گھروں میں گھس جاؤ، دروازے بند کرلو، ہتھیار پھینک دو، امان پاؤ گے کہ فاتح مکہ ﷺ فرما چکے ہیں، کہ جو اپنا دروازہ بند کر لے گا جو ہتھیار پھینک دے گا، اس کے لئے امان ہے، یہ صدائے امان سن کر لوگ اپنے گھروں کی

طرف اپنے ہتھیار پھینکتے دوڑے اور اپنے دروازے بند کر لئے، گویا اب شرک وکفر کی تاریکی صرف گھروں میں تھی، جب کہ مکہ کے گلی کوچے ایمان کے نور سے روشن ومنور ہورہے تھے، اللہ کے گھر کی طرف جانے والے راستے کفر وشرک سے پاک وصاف ہو چکے تھے، اور اللہ کے بندے اس کی عبادت کے لئے اس کے گھر کی طرف رواں دواں تھے، مرد وعورت، بوڑھے، جوان، بچے سب ہی اپنی چھتوں پر چڑھے، اس نورانی چہرے کی زیارت کے لئے بے تاب تھے، جس کے نور سے مکہ چمک دمک رہا تھا،

اچانک مجاہدین کا ایک سبز پوش دستہ نظر آیا، جس کے بیچوں وبیچ، شہنشاہ کائنات ﷺ اپنی اونٹنی ''قصویٰ'' پر جلوہ افروز نظر آئے، آپ کے سر مبارک پر یمنی چادر کا عمامہ بندھا ہوا تھا، یہ بارات اپنے دولہا کو لئے خراماں خراماں آگے بڑھ رہی تھی، یا بدر کامل تاروں کے جھرمٹ میں طلوع ہو رہا تھا، اس دشوار ترین اور عظیم فتح کے موقع پر تاریخ انسانیت کے عظیم ترین فاتح ﷺ کی وہ کیفیت نہ تھی، جو معمولی فتح کے موقع پر شہنشاہوں اور بادشاہوں کی ہوتی ہے، اللہ کی کائنات کے شہنشاہ پر عجز وانکساری کے آثار نمایاں تھے، گردن اس قدر جھکی ہوئی تھی، کہ بار بار، سر اقدس کجاوے کی اگلی لکڑی سے لگ رہا تھا، زبان مبارک اللہ کے شکر اور اس کی حمد وثناء کے لئے مسلسل متحرک تھی، کامیابی وکامرانی پر مسرت کا انداز آقا ﷺ کی پرنم آنکھوں سے کیا جا سکتا تھا، اور ظاہر ہے جیسا معلم ویسے ہی متعلم، جیسا آقا ویسے ہی غلام، لہٰذا عجز وانکساری کی تقریباً یہی کیفیت مجاہدین اسلام پر طاری تھی، سرہائے نیاز خم تھا، تسبیح وتحمید ورد زبان تھی، نعرہ ہائے تکبیر اعلان فتح تھے۔

بہر حال آقائے کائنات ﷺ دس ہزار جاں نثاروں کے جھرمٹ میں کعبہ مشرف سے قریب ہوئے اور آپ نے اپنے عصا مبارک سے رکن یمانی کا استلام کیا، اور نعرۂ تکبیر بلند فرمایا، غلاموں نے بھی جوابی نعرہ لگایا، جس سے مکہ کے در ودیوار اور چاروں طرف موجود کوہسار لرز اٹھے، یہ نعرے دیر تک بلند ہوتے رہے، جن سے کافروں کے دل لرزتے رہے، یہ بلند نعرے گویا اعلان فتح تھا، پھر فاتح مکہ نے کعبہ کا طواف کیا، جو اللہ کے بندوں کی اتنی بڑی جماعت کا پہلا طواف تھا، جس پر ملائکہ بھی رشک کر رہے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا، کہ نبی معظم ﷺ فتح وظفر کے پرچم لہراتے ہوئے بیت اللہ کے قریب پہنچے، تو آپ نے ملاحظہ فرمایا، کہ اللہ کے گھر کے ارد گرد اور اوپر تین سو ساٹھ بت موجود تھے، جنہیں نہایت مضبوطی سے نصب کیا گیا تھا، آپ نے آیۃ مبارکہ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ ۗ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ۝ تلاوت فرمائی اور چھڑی مبارک سے اشارہ کیا، جس بت

طرف آپ اشارہ فرماتے، وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑتا، کعبہ کے دروازے کے پاس بڑا بت ہبل نصب تھا، آقا ﷺ نے اس کی آنکھوں میں اپنی کمان گھونپی اور حکم دیا کہ اس بت کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے، حضرت زبیر نے دفور جذبات میں حضرت ابوسفیان سے کہا کہ جنگ احد کے دن تم نے ''اُعلُ هُبُلْ'' کا نعرہ لگایا تھا، ذرا آج اس کی حالت دیکھو، ابوسفیان نے کہا، آج ان باتوں کو چھوڑ دو۔

تیری آمد تھی کہ بیت اللہ مجرے کو جھکا تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرتھرا کر گر گیا

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، فتح مکہ کے دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' یہ ہے وہ فتح مبین جس کا وعدہ مجھ سے میرے رب نے کیا تھا'' پھر آپ نے سورۃ النصر تلاوت فرمائی'' اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ '' جب اللہ کی مدد آ پہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے) اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ اللہ کے دین میں فوج درفوج داخل ہو رہے ہیں، تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے، اور (اپنی امت کے لئے) اس سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔

دخول کعبہ

طواف کعبہ اور اس کے اردگرد بتوں کے خاتمہ کے بعد، اللہ کے رسول ﷺ نے قصویٰ سے اترنے کا ارادہ فرمایا، لیکن کثرت ہجوم کے سبب زمین پر تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، پس غلاموں نے اچھا موقع پایا، اپنے محبوب آقا ﷺ کو ہاتھوں پر لے کر اتارا، آپ مقام ابراہیم پر تشریف لائے اور دوگانہ طواف ادا فرمایا، پھر زمزم پر تشریف لے گئے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ڈول سے پانی نکالا، آپ نے آب زمزم نوش فرمایا، نیز وضو کیا، حسب معمول اردگرد موجود صحابہ آقا کے اعضاء سے مس ہونے والا پانی ہاتھوں پر لے کر اپنے چہروں اور جسم پر ملتے رہے، آقا ﷺ دوبارہ مسجد حرام میں تشریف لائے، حضرت ابوبکر صدیق، اپنی تلوار تانے آقا کے ہمراہ تھے، کعبہ کے کلید بردار، عثمان بن طلحہ کو طلب کیا گیا، اسے کعبہ کا دروازہ کھولنے کا حکم ملا عثمان نے حکم کی تعمیل کی اور مسلمانوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باب فتح ورحمت، باب کعبہ وا ہو گیا، اور قیامت تک کے لئے اللہ کے گھر کو آباد کرنے والا، اللہ کا محبوب سر نیاز خم کیے اللہ کے گھر میں داخل ہوا'' حق بحقدار رسید''۔

کعبہ میں آپ داخل ہوئے، تو ملاحظہ فرمایا کہ حضرت ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کی تصویریں رکھی ہوئی ہیں، جب کہ اللہ کے خلیل کے ہاتھ میں جوئے کے تیر موجود تھے، آپ نے فرمایا اللہ ظالموں کو غارت کرے، وہ اچھی طرح جانتے ہیں، کہ حضرت ابراہیم کا جوئے سے کوئی تعلق نہ تھا

پس آپ نے ان تماثیل کو گرانے کا حکم دیا، حضرت بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ نے یہ کار خیر انجام دیا، آقا ﷺ نے کعبہ کے اندر موجود تین ستونوں کے درمیان کھڑے ہو کر دوگانہ شکر ادا کیا، پھر آپ دروازے کے قریب تشریف لائے، اور بایں الفاظ، اپنے رب ذوالجلال والاکرام کی کبریائی بیان کی، آپ نے فرمایا ''لَا اِلٰهَ اِلاَّ اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْکَ لَهٗ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ'' اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دیا، اپنے بندے کی مدد فرمائی، اس نے تنہا دشمن کے لشکروں کو شکست دی۔

عفو عام کا اعلان

اب آقائے رحمت ﷺ دشمنوں کی طرف متوجہ ہوئے، جو آپ کے کعبہ میں داخل ہونے کا منظر دیکھنے اور اپنے انجام کا فیصلہ سننے کے لئے حرم میں جمع ہو چکے تھے، آپ نے فرمایا، اے گروہ قریش! تمہارا کیا خیال ہے، میں تم سے کیسا سلوک کرنے والا ہوں، ظالموں کی نظروں میں وہ تمام مظالم تھے جو وہ اس نبی رحمت ﷺ اور ان کے غلاموں پر ڈھا چکے تھے، وہ یہ سوال سن کر لرز گئے، لیکن ہمت کی اور موہوم سی امید کا ایک سہارا لیتے ہوئے بولے ''نَظُنُّ خَيْرًا'' ہم خیر کی امید رکھتے ہیں پھر وہ میرے آقا ﷺ کی اس طرح تعریف کرنے لگے: ''نَبِیٌّ کَرِيْمٌ وَاَخٌ کَرِيْمٌ اِبْنُ اَخٍ کَرِيْمٍ وَقَدْ قُدِرْتَ'' آپ کریم نبی ہیں، کریم بھائی ہیں، کریم بھائی کے فرزند ہیں، آج آپ کو قدرت واختیار بھی عطا فرمایا گیا۔

فتح مکہ کے عزم سے لے کر اس لمحہ تک آقائے رحمت ﷺ نے سرزمین مکہ پر خون کا ایک قطرہ بھی بہانے کا ارادہ نہ فرمایا تھا، دخول مکہ میں نازک مرحلہ پر خونریزی کے امکان کو ختم کرنے ہی کے لئے آپ نے مجاہدین کو ہدایت کی تھی، کہ کسی کی تلوار نیام سے باہر نہ نکلے، جس کی حتی المقدور پابندی کی گئی، اب فیصلہ کا وقت آ چکا تھا، ایسی مثال قائم کرنے کا وقت آ چکا تھا، جو قیامت تک کے فاتحین کے لئے قابل اتباع ہو، جس کی تقلید مفتوحہ علاقہ میں امن وامان کے قیام کی ضمانت مہیا کرے، جس پر عمل کرنے والوں پر کوئی ظالم بھی دہشت گردی کا داغ نہ لگا پائے، پس آپ نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَقُوْلُ کَمَا قَالَ اَخِیْ يُوْسُفُ

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْکُمُ الْيَوْمَ ۖ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ ۖ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اِذْهَبُوْا وَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ

''میں آج وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف نے کہی تھی، کہ آج تمہاری کوئی گرفت ''

نہیں، اللہ تمہارے سارے گناہوں کو معاف فرمائے اور وہ سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے، جاؤ چلے جاؤ، تم آزاد ہو"۔

اس موقع پر مؤرخین سیرت نے نہایت ایمان افروز تبصرے کیے ہیں، کہ ایک قلم کار کے لئے یہ موقع مؤمنانہ جذبات کے اظہار ہی کا ہے، پس ہم بھی انہی تبصروں کا خلاصہ، اپنے جذبات کی تسکین کے لئے اپنے الفاظ میں پیش کر رہے ہیں،

رحمۃ للعالمین ﷺ کے فیصلہ کے منتظر اپنے انجام بد سے زیادہ آپ کے رحم و کرم کے امیدوار تھے، کہ انہیں آپ کے اخلاق کریمانہ کا بخوبی اندازہ تھا، وہ یہ بھی جانتے تھے کہ اس رحمت کامل کا مقصد جہاد، اپنے دشمنوں پر ظلم و ستم یا ان سے انتقام نہیں، بلکہ انہوں نے ہمیشہ ظلم و ستم کے خاتمہ اور دہشت گردی کو نیست و نابود کرنے کے لئے تلوار نیام سے باہر نکالی، وہ کسی ملک میں ملک گیری کی ہوس لے کر داخل نہ ہوئے، بلکہ مفتوحہ علاقوں کو امن و امان کا گہوارہ بنانے کے لئے آئے، انہوں نے کبھی مجبوروں اور کمزوروں پر تلوار نہ اٹھائی بلکہ صرف ظالموں اور سرکشوں کے سر قلم کیے، انہوں نے میرے آقا ﷺ کے صبر و استقامت اور تحمل کو بارہا آزمایا تھا، غزوات و سرایا کے موقع پر وہ آپ کے عفو و درگزر کی خوبی کا بھی مشاہدہ کر چکے تھے، اسیروں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کا بھی انہیں بخوبی اندازہ تھا، عام زندگی میں بھی وہ آپ کے بہترین کردار کے معترف تھے، انسانوں سے ہی نہیں بلکہ جانوروں تک سے انہیں آپ کی رحم دلی کا پتہ تھا، پس وہ امیدوار رحم و کرم تھے، کہ انہیں رحم و کرم کے آثار ابھی وقت نظر آ چکے تھے، جب رحیم و کریم فاتح اعظم ﷺ نے ابوسفیان کے گھر کو، اپنے دشمنوں کے لئے پناہ گاہ قرار دیا تھا، جب آپ نے گھروں کے دروازے بند کر لینے والوں کے لئے امان کا اعلان فرمایا تھا، جب آپ نے اپنے مجاہدین کو ہدایت فرمائی تھی کہ بوڑھے، بچوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے، انہیں خوفزدہ نہ کیا جائے، نیز تلواریں نیام میں بند رہیں، پس اب وقت آیا، حسب امید انہیں عام معافی اور آزادی کا مژدہ سنایا گیا۔

یہ مژدۂ عفو و آزادی ان لوگوں کے گوش گزار ہوا، جنہوں نے آپ پر مکی زندگی میں ظلم و ستم کا ہر حربہ استعمال کیا، آپ پر کوڑا ڈالا، آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے آپ کی گردن میں رسی کا پھندا ڈال کر آپ کی جان لینے کی کوشش کی، دوران سجدہ آپ پر غلیظ اوجڑی رکھی، آپ کو ساحر، مجنون اور دیوانہ کہا، کلام الٰہی کو جادوگری بڑ کہا، آپ کے مخلص ترین دوست کو خوب مارا پیٹا، عثمان و بلال اور آل یاسر پر ہوشربا ظلم کیے، اللہ کے گھر میں ایک اللہ کی عبادت کو ناممکن بنایا، آپ کے غلاموں کو سرزمین حرم چھوڑ کر، شاہ حبشہ کی پناہ لینے پر مجبور کیا، حتیٰ کہ اللہ کے رسول ﷺ کو "بلد امین" چھوڑ کر مدینہ منورہ

ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا، پھر بھی ظالموں کی آتش ظلم ٹھنڈی نہ ہوئی، مدینہ منورہ پر بار بار حملہ کیا، غزوات و سرایا پر آمادہ کیا، حضرت حمزہ کو نہ صرف قتل کیا بلکہ ان کی لاش کی دل بھر کر بے حرمتی کی، ان کا کلیجہ نکال کر چبایا گیا کچھ نہ کیا، پھر بھی دنیا نے دیکھا، سنا، پڑھا کہ ان ظالموں کی معافی کا اعلان ہوا، ان کو آزادی کا مژدہ دیا گیا، جب کہ موقع سر قلم کر دینے، ان کو تہس نہس کر دینے کا تھا، لیکن رحمت عالم ﷺ نے ایسا نہ کیا، ظالموں کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لیا، تا کہ ایک مثال قائم ہو، اور تا ابد فاتحین فتح و ظفر کے نشہ میں مست ہو کر مفتوحین کو اپنے غرور و تکبر اور انتقام کا شکار نہ بنائیں، بلکہ ان کو عزت و سکون کی زندگی بخشیں اور امن و امان کی ضمانت دیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کے اس رحم و کرم کا نتیجہ یہ نکلا کہ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا کی تصویر سامنے آئی دشمنوں کی گردنیں جھک گئیں، ان کے دل اسلام اور مسلمانوں کی عداوت سے پاک ہو گئے، اور جو غیر تھے وہ اپنے بن گئے، جو ہاتھ ایذا رسانی کے لئے اٹھتے تھے اب وہ آقا ﷺ سے بیعت کے لئے پھیلنے لگے، اور لوگ اَفْوَاجًا، اللہ کے دین میں شامل ہونے لگے سرزمین مکہ، کفر و شرک سے ہمیشہ کے لئے پاک ہو گئی، اللہ کے گھر میں صرف ایک اللہ کی عبادت ہونے لگی، معلم کتاب و حکمت نے اس موقع پر، جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں احکام شرع متین بیان فرمائے، نیز آپ نے فرمایا:

ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دیا، اس نے اپنے بندے کی مدد کی اور کفار کے تمام لشکروں کو تنہا شکست دے دی، تمام فخر کی باتیں، تمام پرانے خونوں کا بدلہ، تمام پرانے خون بہا اور جاہلیت کی رسمیں میرے قدموں کے نیچے ہیں، صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانا یہ دو اعزاز، اس سے مستثنیٰ ہیں، ''يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ! اِنَّ اللّٰهَ اَذْهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا بِالْاٰبَآءِ وَالنَّاسُ مِنْ اٰدَمَ وَ اٰدَمُ مِنْ تُرَابٍ'' اے گروہ قریش! اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانہ جاہلیت کی رعونت اور اپنے آباء کے ساتھ تفاخر دور کر دیا ہے، سارے لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے، پھر آپ نے آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۝

''اے لوگو! ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا اور بنا دیا تمہیں مختلف قومیں اور خاندان تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، تم میں سب سے زیادہ معزز اللہ کی بارگاہ میں، وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہو، بے شک اللہ تعالیٰ علیم اور خبیر ہے''۔ (الحجرات)

آقائے کائنات ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو طلب فرمایا اور کعبہ مکرمہ کی چابیاں سپرد کرتے ہوئے فرمایا "خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَايَنْزِعُهَا مِنْكُمْ اِلاَّ ظَالِمٌ" لو یہ چابی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے تمہارے پاس رہے گی یہ تم سے سوائے ظالم کے کوئی نہ چھین سکے گا۔

کعبہ مشرفہ کی چابی

اللہ کے گھر کا کلید بردار ہونا، بلاشبہ ایک بڑا اعزاز ہے جو برسہابرس سے عثمان بن طلحہ کو حاصل تھا، جو فتح کے دن مشرف باسلام ہوئے۔

اس واقعہ کی تفصیل خود عثمان بن طلحہ بیان کرتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت مدینہ سے ایک دن پہلے مجھے دعوت اسلام دی، جس کا مذاق اڑاتے ہوئے میں نے کہا، یا محمد (ﷺ) آپ نے بڑی عجیب بات کی اور بہت ہمت کی کہ مجھے اپنے نئے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی، حیرت ہے کہ آپ مجھ سے یہ توقع رکھتے ہیں کہ میں آپ کی اطاعت قبول کرلوں، حالانکہ آپ نے اپنے آباءواجداد کے دین سے بغاوت کی اور خود ایک نیا دین اختیار کیا ہے اور دوسروں کو بھی آپ اس کو قبول کرنے کی دعوت دیتے ہیں، عثمان بن طلحہ نے بتایا کہ ہم زائرین کے لئے ہفتہ میں دو مرتبہ، سوموار اور جمعرات کو کعبہ کا دروازہ کھولا کرتے تھے، ان زائرین میں ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی شامل تھے، میں نے آپ سے نہایت گستاخانہ انداز میں گفتگو کی، لیکن آپ نے بڑے تحمل سے میری باتیں سنیں اور قطعاً برہم نہ ہوئے، اور فرمایا "یاعُثْمَانُ لَعَلَّکَ تَرىٰ هٰذَا الْمِفْتَاحَ يَوْمًا بِيَدِىْ اَضَعُهٗ حَيْثُ شِئْتُ" اے عثمان! ایک دن تم یہ چابی میرے ہاتھ میں دیکھو گے، اور میں جسے چاہوں گا دے دوں گا، عثمان کہتے ہیں میں یہ سن کر پریشان ہو گیا، میں نے کہا کیا اس روز قریش کی عزت وآبرو خاک میں مل چکی ہوگی، آپ نے فرمایا نہیں ایسا نہیں ہوگا، بلکہ قریش مزید عزت وشوکت والے ہوں گے "بَلْ عَمِرَتْ يَوْمَئِذٍ وَعَزَّتْ"۔

عثمان کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات میرے دل پر نقش ہوگئی اور مجھے یقین ہوگیا، کہ جیسا آپ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہو کر رہے گا کیونکہ یہ سب جانتے اور مانتے تھے، کہ آپ کی بات کبھی غلط نہیں ہوتی، میں نے چاہا کہ میں اسلام قبول کرلوں، لیکن مجھے ایسا نہ کرنے دیا گیا اور آخرکار وہ دن آہی گیا، کہ مکہ فتح ہوا اور جب آپ نے کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ فرمایا، تو مجھے طلب کیا اور مجھ سے چابی مانگی، اب میری کیا مجال تھی کہ میں آپ کی حکم عدولی کروں، پس میں نے بڑے ہی احترام سے چابی آپ کو پیش کردی، پھر آپ نے فرمایا عثمان! کیا تمہیں میں نے نہ بتایا تھا کہ ایک دن یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا سپرد کردوں گا، میں نے عرض کی یارسول اللہ! بے شک

آپ نے جو فرمایا، وہی میں دیکھ رہا ہوں، اور اسی وقت میں مشرف باسلام ہو گیا۔

عثمان بن طلحہ تو سمجھے تھے کہ اب میں ہمیشہ کے لئے کعبہ کی کلید برداری کے اعزاز سے محروم ہو جاؤں گا، جب کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی خواہش کی تھی، ''یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِجْمَعْ لَنَا الْحِجَابَةَ وَالسِّقَايَةَ'' حجاج کو پانی پلانے اور کعبہ کی کلید برداری دونوں شرف ہمیں بخشے جائیں، لیکن پیکر عدل وانصاف سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی، کہ آپ کسی کی حق تلفی فرمائیں گے، پس آپ نے چابی عثمان بن طلحہ کو واپس کرتے ہوئے، فرمایا، ''خُذُوْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا يَنْزِعُهَا مِنْكُمْ اِلَّا ظَالِمٌ''۔

قاسم عز وشرف ﷺ نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو چابی سونپتے ہوئے یہ ضمانت بھی دی کہ یہ اعزاز تاقیامت تمہاری ہی نسل کو حاصل رہے گا، چودہ سو برس گزر چکے اب تک کوئی ظالم یہ جراءت نہ کرسکا، کہ آقا ﷺ کا بخشا ہوا اعزاز، حضرت عثمان کی نسل سے چھین سکے، یہی حال رسول کے عطا کردہ دیگر اعزازات کا ہے، کہ آپ نے جس کو جو عزت بخش دی، اسے اس عزت سے کوئی محروم نہ کرسکا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکہ میں قیام گاہ

اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں قیام کے لئے حضرت ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر قیام کا فیصلہ فرمایا، بروایت امام بخاری علیہ الرحمہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ام ہانی بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے، آپ نے غسل فرمایا، پھر آٹھ رکعت نماز چاشت پڑھی، یہ نماز مختصر ادا فرمائی، لیکن رکوع وسجود مختصر نہ تھے، ایک روایت یہ بھی ہے کہ نماز سے فارغ ہوکر، آپ نے ام ہانی سے پوچھا، کیا گھر میں کچھ کھانے کو ہے، انہوں نے بتایا: یارسول اللہ! خشک روٹی کے چند ٹکڑے ہیں، فرمایا، لاؤ آپ نے اپنے دست مبارک سے ان ٹکڑوں کو پانی میں بھگویا، ام ہانی نے نمک پیش کیا، آپ نے فرمایا، کوئی اور سالن ہے، ام ہانی نے عرض کی، جی سرکہ ہے، آقائے کائنات ﷺ نے بھیگی ہوئی روٹی پر نمک چھڑکا اور اس میں سرکہ ملایا اور تناول فرما کر اللہ کا شکر ادا کیا، اسی موقع پر آپ نے فرمایا سرکہ بہترین سالن ہے، جس گھر میں سرکہ ہوگا اس گھر والے محتاج نہ ہوں گے۔

حضرت ام ہانی نے درخواست پیش کی، یارسول اللہ! میں نے حارث بن ہشام (برادر ابوجہل) اور زبیر بن امیہ کو امان دی ہے لیکن میرے بھائی حضرت علی ان دونوں کے قتل کے درپے ہیں، کیونکہ ان دونوں نے خالد بن ولید کے دستہ پر حملہ کیا تھا، آقائے رحمت پناہ ﷺ نے فرمایا، ''قَدْ اَجَرْنَا مَنْ اَجَرْتِ'' جس کو تم نے امان دی، اسے ہم نے بھی امان دی۔

انصار کی تشویش

فتح مکہ کی مسرت وشادمانی، ایمانی جذبات کی مظہر تھی کہ یہ ممکن ہی نہ تھا کہ کوئی مسلمان اللہ کی اس عظیم نعمت پر خوش اور رب کریم کا شکر گزار نہ ہو، انصار صحابہ بھی اللہ کے اس انعام پر اتنے ہی خوش تھے جتنے مہاجر صحابہ خوش تھے، لیکن انصار کو اس نعمت کے ملنے سے صرف یہ خطرہ محسوس ہونے لگا تھا، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ نعمت عظمٰی سے محروم ہو جائیں اور ان کے عزیز از جان محبوب ترین آقا ﷺ مدینہ چھوڑ کر مکہ میں قیام کا فیصلہ فرمالیں، کہ مکہ بلد امین ہے، یہاں اللہ کا گھر موجود ہے یہ آقا کا مولد ہے، اگر کفار مکہ کے بے پناہ مظالم نہ ہوتے تو آپ مکہ ہرگز نہ چھوڑتے، اب الحمدللہ مکہ فتح ہو چکا دشمن دوست بن گئے، باغی، اطاعت شعار ہو گئے، کافر مسلمان ہو گئے، اب مکہ میں تاقیامت مسلمانوں پر کوئی ظلم نہ کر سکے گا، پس کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں کا امن وسکون ہمارے امن وسکون کو چھین لے، یہاں کی رونق ہماری رونق کو لے لے، کہیں ایسا نہ کہ ہم اپنے محبوب کی زیارت سے محروم کر دیئے جائیں اور ہم ان کی یاد میں تڑپتے تڑپتے ہی دنیا سے چل بسیں۔

دلوں کا حال جاننے والے آقا ﷺ کو اپنے غلاموں کی تشویش اور افسردگی کا احساس ہوا، پس ایک دن آپ کوہ صفا پر جلوہ فرما تھے، ارد گرد جاں نثاروں کا ہجوم تھا، اچانک دست دعا دراز ہوئے، مستجاب الدعوات ﷺ نے خوب دعا کی، بھکاریوں نے خوب آمین کہی، دعا سے فارغ ہو کر آپ نے انصار صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا، میں تم سے تمہاری تشویش اور دلگیری کا حال معلوم کرنا چاہتا ہوں، سب نے گردنیں جھکا لیں، کہ کسی میں عرض حال پیش کرنے کی ہمت نہ تھی، جب آقا نے شفقت بھرے انداز سے اصرار کیا تو انہوں نے اپنے قلبی خطرات کا اظہار کیا، دلنواز غمگسار آقا ﷺ نے اپنے عاشقوں کی افسردگی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ فرما دیا، ارشاد ہوا "مَعَاذَ اللّٰہِ! اَلْمَحْیَا مَحْیَاکُمْ وَالْمَمَاتُ مَمَاتُکُمْ" اللہ کی پناہ! میری زندگی اور میری موت تمہارے ساتھ ہو گی، انہی انصار کی ہمت افزائی اور دلجوئی کے لئے آپ نے مزید فرمایا "لَوْلَا الْھِجْرَۃُ لَکُنْتُ اِمْرَءً مِنَ الْاَنْصَارِ وَلَوْ سَلَکَ النَّاسُ شِعْبًا وَسَلَکَ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَکْتُ شِعْبَ الْاَنْصَارِ" اگر ہجرت نہ ہوتی، تو میں انصار کے قبائل کا ایک فرد ہوتا، اگر لوگ ایک وادی میں چلیں اور انصار دوسری وادی میں چلیں، تو میں بھی انصار کی وادی میں چلوں گا۔

عزت بخشندہ آقا ﷺ نے جو اعزاز انصار کو بخشا بلاشبہ وہ اسی کے مستحق تھے، کہ انہوں نے جس طرح اپنے آقا ﷺ کی چاکری کی اور اپنے مہاجر بھائیوں کو گلے لگایا، تاریخ انسانیت میں اس کی نظیر نہیں، نیز سرزمین مکہ پر کعبۃ اللہ کا وجود اس کی حرمت وعظمت کی دائمی ضمانت ہے، جب کہ

یثرب تو صرف اس لئے مدینہ بنا کہ اسے اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکن بنا دیا، اگر یہاں سے محبوب ہی کے مبارک قدم واپس ہو جاتے، تو مدینہ کی کیا حیثیت رہتی، صرف ایک تاریخی شہر کہلاتا، اور اب

جس خاک پہ رکھتے تھے قدم سید عالم — اس خاک پہ قربان دل شیدا ہے ہمارا
خم ہو گئی پشت فلک اس طعن زمیں سے — سن ہم پہ مدینہ ہے وہ رتبہ ہے ہمارا
امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ — کہ ہو سگان مدینہ میں میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں — مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ کو مار و غار

دوران قیام مکہ

فاتح مکہ ﷺ نے فتح مکہ کے بعد پندرہ دن مکہ میں قیام فرمایا، یہ تاریخ اسلام کا زریں دورانیہ تھا، جس میں جان عالم ﷺ کا ہر لمحہ نہایت مصروف گزرا، اس دوران آپ نے نبوت کی اہم ترین ذمہ داری، بت شکنی اور بت کدوں کا انہدام، انجام دی، اہم احکام شرع بیان فرمائے، مکہ کے نظم ونسق پر توجہ دی، دامن رحمت میں پناہ لینے کے لئے فوج در فوج، حاضر ہونے والوں کو شرف بیعت بخشا، ضروری ہے کہ ان امور کا بھی مختصراً ذکر کیا جائے۔

بت شکنی

گزشتہ صفحات پر بھی ذکر آ چکا ہے، کہ آقا ﷺ نے کعبہ کے اردگرد موجود تمام بتوں کو صرف اپنی چھڑی کے اشارے سے مسمار کیا جن کی تعداد تین سو ساٹھ بیان کی جاتی ہے، باب کعبہ پر ان کا سب سے بڑا بت ''ہبل'' نصب تھا، اسے بھی آپ نے چھڑی کے اشارہ سے گرایا، اور پھر حکم دیا کہ اس کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے، میرے آقا ﷺ جس بت کی طرف اپنی مقدس چھڑی سے اشارہ فرماتے وہ اوندھے منہ گرتا تھا۔

مکہ مکرمہ کے قرب وجوار میں بڑے بڑے بت کدے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں منہدم کرنے اور ان میں موجود بتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے مجاہدین کے دستے روانہ کیے، کہ یہ اس وقت کے حالات میں نہایت ضروری تھا، تا کہ عملی طور پر بھی اسلام کی فتح اور اسلامی قوانین کے نفاذ کا اعلان ہو اور لوگوں کے دلوں میں اسلام کی محبت وعظمت پیدا ہو، اور بت پرستوں کے دل بتوں کی محبت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے پاک وصاف ہو جائیں، کلمہ پڑھ لینے کے بعد ان کے دل میں کبھی بت پرستی کا خیال نہ آنے پائے۔

عزیٰ، مشرکین کے نزدیک سب سے بڑا بت تھا، جو مکہ سے قریب مقام نخلہ کی ایک عمارت میں تھا، اس کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بھیجا گیا، جب عزیٰ کے پہرے داروں کو خالد بن ولید کے حملہ آور ہونے کی اطلاع ملی تو ان کے سردار نے عزیٰ کے گلے میں تلوار لٹکائی اور اشعار پڑھتا ہوا تیزی سے بھاگ گیا، اشعار کا خلاصہ یہ تھا" اے عزیٰ، اس تلوار سے خالد پر ایسا وار کرنا جو خطا نہ ہو، اب اپنے چہرے سے نقاب الٹ کر، آستین چڑھا کر مقابلہ کے لئے تیار ہو جا، اگر تو خالد کو قتل نہ کر سکا، تو سب گناہوں کا بوجھ تیرے سر پر ہوگا" بہرحال حضرت خالد نے کسی کی مزاحمت کے بغیر اس عمارت کو مسمار کیا اور بارگاہ محبوب میں حاضر ہوئے، آپ نے پوچھا، خالد! کیا تم نے وہاں کوئی چیز دیکھی، عرض کی، یا رسول اللہ! میں نے تو وہاں کوئی چیز نہیں دیکھی، ارشاد ہوا، خالد! تم کچھ کر کے نہ آئے واپس جاؤ اور پورا کام کر کے آؤ، حضرت خالد جب دوبارہ اس عمارت کے پاس پہنچے تو آپ نے وہاں ایک سیاہ فام بھیانک عورت کو دیکھا، جو اپنے بال بکھیرے چیخ چلا اور واویلا کر رہی تھی، حضرت خالد نے اسے قتل کیا، اور آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر، سب ماجرا بیان کیا، آپ نے فرمایا: "تِلْکَ الْعُزّٰی وَلَا تُعْبَدُ اَبَدًا" یہی تو عزیٰ تھی جس کی اب بھی پوجا نہ کی جائے گی۔

سواع، قبیلہ ہذیل کا بت تھا، اس کو پاش پاش کرنے کے لئے، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا گیا، جب حضرت عمرو پہنچے تو وہاں ایک پجاری بیٹھا تھا، وہ کہنے لگا تمہارا کیا ارادہ ہے، آپ نے فرمایا تیرے اس معبود باطل کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے صفایا کرنے کا ارادہ ہے، پجاری کہنے لگا، عمرو تم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے، کیونکہ یہ بت خود اپنا دفاع کرے گا، اور تم میں اس کے مقابلہ کی سکت نہیں، عمرو بن عاص اس احمق کی بات پر ہنسے، فرمایا ابھی دیکھ کیا ہوتا ہے، آگے بڑھے اور بت کو پاش پاش کر دیا، مجاہدین کو حکم دیا کہ عمارت کو بھی مسمار کریں، تا کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہے، عمرو بن عاص نے اس پجاری کو للکارا اور فرمایا، دیکھ لیا تو نے اپنے بے جان معبود کا انجام، جو خود کو نہ بچا سکا وہ تجھے کیسے بچا سکے گا، پجاری لرزتے ہوئے بولا: اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝۔

منات، یہ بھی ایک بہت بڑا اور نہایت اہم بت تھا، اوس، خزرج اور غسان اس کی پوجا کرتے تھے، اس کا صفایا کرنے کے لئے حضرت سعد بن زید الاشہلی کو بیس مجاہدین کے ساتھ روانہ کیا گیا، جب سعد یہاں پہنچے تو منات کے خادم نے پوچھا، کیا ارادہ ہے، آپ نے کہا ابھی معلوم ہو جائے گا، وہ پجاری کانپتا، ایک طرف جا کھڑا ہوا، جب حضرت سعد منات کے قریب پہنچے تو آپ نے ایک عورت کو سر پیٹتے اور سینہ کوبی کرتے دیکھا، وہ اپنی تباہی و بربادی پر واویلا کر رہی تھی، حضرت سعد نے تلوار کے

ایک وار سے اسے قتل کر دیا، اور مجاہدین کو حکم دیا، کہ اس بت اور اس عمارت کا صفایا کر دیں۔

مکہ میں قیام کے دوران صاحب شریعت ﷺ نے جن شرعی احکام کا اعلان فرمایا، ان میں سے چند یہ ہیں:

''لَایُقْتَلُ الْمُسْلِمُ بِکَافِرٍ'' ''مسلمان کسی کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔

''وَلَا یَتَوَارَثُ اَھلُ مِلَّتَیْنِ مُخْتَلِفَتَیْنِ'' ''دو مختلف مذہبوں کو ماننے والے ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے۔

''لَا تُنْکَحُ الْمَرْاَۃُ عَلٰی عَمَّتِھَا وَلَا عَلٰی خَالَتِھَا'' پھوپھی نکاح میں ہو تو اس کی بھتیجی، اور خالہ نکاح میں ہو تو اس کی بھانجی سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

''اَلْبَیِّنَۃُ عَلَی الْمُدَّعِیْ وَالْیَمِیْنُ عَلٰی مَنْ اَنْکَرَ'' ''ثبوت دعویٰ کے لئے گواہ پیش کرنا مدعی کی ذمہ داری ہے، اگر مدعی گواہ پیش نہ کر سکے تو مدعیٰ علیہ سے حلف لیا جائے گا۔

''اَلَاّ تُسَافِرَ الْمَرْاَۃُ مَسِیْرَۃَ ثَلَاثَۃِ اَیَّامٍ اِلَاّ مَعَ ذِیْ مَحْرَمٍ'' ''کوئی عورت تین دن کی مسافت سے زیادہ کا سفر بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔

''لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْعَصْرِ وَ بَعْدَ الصُّبْحِ'' ''عصر اور فجر کے بعد کوئی نفلی نماز نہ پڑھی جائے۔

''لَا یُصَامُ یَوْمُ الْاَضْحٰی وَ یَوْمُ الْفِطْرِ'' ''عیدالاضحیٰ اور عیدالفطر کے دن روزہ نہ رکھا جائے۔

اذان بلال

پہلے ہی دن جب نماز ظہر کا وقت ہوا، تو امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، کہ کعبہ کی چھت پر چڑھو اور اذان دو، حضرت بلال کے لئے بلاشبہ یہ عظیم ترین اعزاز تھا جس پر انہیں بجا طور پر ساری زندگی ناز رہا، وہ تیزی سے کعبہ کی چھت پر چڑھے اور اپنی پوری قوت سے اعلاء کلمۃ اللہ کی ذمہ پوری کی، مکہ کے گلی کوچے گونج اٹھے، اہل ایمان کے دل خوشی سے جھومنے لگے، کافروں پر لرزہ طاری ہو گیا، نو مسلموں کی غیرت نے تھوڑی دیر کے لئے انہیں للکارا، ابوسفیان، عتاب بن اسید اور حارث بن ہشام حرم شریف کے صحن میں بیٹھے تھے، کلمات اذان سنے، تو عتاب نے کہا، اللہ نے بڑا کرم کیا کہ میرا باپ اسید مر گیا، اگر آج وہ زندہ ہوتا تو یہ آواز سن کر تڑپ جاتا، محمد (ﷺ) کو اس سیاہ کوے کے سوا اور کوئی اس کام کے لئے نہ ملا، حارث بن ہشام بولا، اگر مجھے یقین ہوتا کہ محمد (ﷺ) حق پر ہیں تو میں آج ضرور ان کی اتباع کرتا، ابوسفیان چونکہ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے، لہٰذا انہوں نے نرم بات کی، کہنے لگے ''لَا اَقُوْلُ شَیْئًا لَوْتَکَلَّمْتُ لَاَخْبَرَتْ عَنِّیْ ھٰذِہِ الْحِصٰی'' میں کچھ نہیں کہتا کیونکہ اگر میں کچھ کہوں گا، تو یہ کنکریاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خبر کر دیں گی۔

یہ تینوں آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ دلوں کا حال جاننے والے آقا ﷺ ان کے پاس تشریف لے آئے اور فرمایا تم نے جو کچھ کہا میں جانتا ہوں، اے عتاب! تم نے یہ کہا اور اے حارث! تم نے ایسا کہا، ابوسفیان بولے، یارسول اللہ! میں نے تو کوئی بات نہ کہی، اللہ کے رسول ﷺ ابو سفیان کی اس بوکھلاہٹ پر مسکرائے، عتاب اور حارث کہنے لگے، یارسول اللہ! اب ہمیں یقین ہو گیا کہ آپ دلوں کا حال جانتے ہیں اور بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں، پس ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں آپ اللہ کے رسول ہیں۔

سعید بن عاص کے بیٹوں میں سے ایک بیٹا اذان سن کر کہنے لگا، کہ اللہ کا شکر ہے کہ آج میرا باپ زندہ نہیں، ورنہ وہ اس حبشی کو کعبہ کی چھت پر دیکھ کر بڑا ہی غضب ناک ہوتا، حکم بن عاص نے کہا، یہ ایک عجیب وغریب سانحہ ہے، کہ ایک حبشی غلام کعبہ کی چھت پر چڑھ کر چیخ رہا ہے۔

بہرحال چونکہ یہ پہلی اذان تھی جو کعبہ کی چھت سے مکہ میں گونجی، اس لئے اس قسم کا ردعمل ظاہر ہوا، اس کے بعد یہی اذان اہل مکہ کے دلوں کا سکون بن گئی، اور پانچوں وقت حضرت بلال کی صدا مکہ میں گونجنے لگی، حتیٰ کہ بلال اپنے آقا ﷺ کے ہمراہ واپس مدینہ چلے گئے اور اذان ہوتی رہی، بلال دنیا سے چلے گئے، صدیاں بیت گئیں کعبہ سے صدائے اذان دنیا کے گوشہ گوشہ میں گونج رہی ہے، اور قیامت تک کوئی صدائے بلال کو دبانے یا روکنے والا پیدا نہ ہو سکے گا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

لوگوں کا فوج در فوج اسلام قبول کرنا

فتح مکہ ہی کے ساتھ، اللہ کے ارشاد "وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا" کا منظر نظر آنے لگا، مکہ کے لوگ فوج در فوج اللہ کے دین کو قبول کرتے ہوئے نظر آئے، اطراف مکہ کے قبائل، فوج در فوج اللہ کے دین کو قبول کرتے نظر آئے، حتیٰ کہ وہ پندرہ جو شہنشاہ دوعالم ﷺ کے اعلان کے مطابق واجب القتل قرار دیئے گئے تھے، کہ اللہ کے رسول ﷺ اور مسلمانوں پر ان کے مظالم ناقابل معافی جرائم تھے، لیکن قربان جایئے، رحمۃ للعالمین ﷺ کے خلق عظیم کے آپ نے ان بدترین مجرموں میں سے تین کے سوا سب کو معاف کر دیا، اور جب وہ آپ کی پناہ کی بھیک مانگتے آپ کے دربار میں حاضر ہوئے، تو آپ نے انہیں شرف غلامی سے نوازا، چونکہ ان حضرات کے واقعات اور ان کا مشرف باسلام ہونا، میرے آقا ﷺ کے رحم وکرم اور خلق عظیم کا عظیم ثبوت فراہم کرتا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ ان واقعات کو لکھا جائے، تاکہ اسلام پر دہشت گردی کی تعلیم اور دہشت گردوں کی حمایت کا الزام لگانے والوں کو بتایا جا سکے، کہ فتح وظفر اور طاقت وقوت کے باوجود ایسے بدترین مجرموں کی معافی کا اعلان دنیا کو دہشت گردی اور دہشت گردوں کے نیست ونابود کرنے کا طریقہ تعلیم

کرنے اور امن و امان قائم کرنے کے لئے، ایثار و قربانی کا پیغام دینے کے لئے تھا کہ ناکام دہشت گردوں کی جان بخشی اور ان کے لئے لَا تَثۡرِیۡبَ عَلَیۡکُمُ الۡیَوۡمَ کا اعلان ہی انہیں دہشت گردی سے روک سکتا ہے، جب کہ چند دہشت گردوں کی تلاش میں بے قصور انسانوں کی جانیں لینا، ان کی املاک کو تباہ کرنا، نہ صرف دہشت گردوں کی تعداد میں اضافہ کا سبب بنتا ہے، بلکہ فاتح قوم کے دہشت گرد ہونے کا واضح ثبوت فراہم کرتا ہے، پس آیئے مطالعہ کریں ان بدترین مجرموں کے ساتھ آقائے رحیم و کریم، پیکر حلم و عفو ﷺ کے حسن سلوک کا، یہ کل پندرہ افراد تھے جن میں سے صرف تین کو قتل کیا گیا، بارہ کو امان ملی اور انہوں نے اسلام قبول کیا۔

تین مقتولین

عبداللہ بن خطل، یہ فتح مکہ سے قبل مدینہ آکر مسلمان ہوگیا، اس نے اپنے ایک مسلمان خادم کو محض اس جرم پر قتل کر دیا تھا کہ خادم نے اس کے لئے بروقت کھانا تیار نہیں کیا تھا، یہ سزا سے بچنے کے لئے فرار ہو کر مکہ پہنچا اور مرتد ہوگیا، لہٰذا فتح مکہ کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔

مقیس بن صبابہ

اس کے ایک بھائی کو ایک انصاری نے غلطی سے قتل کر دیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقتول کی دیت ادا فرما دی، لیکن مقیس نے دیت وصول کر لینے کے بعد ایک دن موقع پا کر قاتل انصاری کو قتل کر دیا، فتح مکہ کے بعد بطور قصاص اس کو قتل کر دیا گیا۔

قریبہ

یہ ابن خطل کی لونڈی تھی، جو مکہ کی معروف مغنیہ تھی ظہور اسلام کے بعد یہ رقص و سرور کی محفلوں میں صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق، ہجو یہ گانے گاتی تھی جو نہایت ہی بیہودہ ہوتے تھے، فتح مکہ کے دن چونکہ اس نے امان نہ چاہی لہٰذا قتل کر دی گئی، جب کہ اس کی ایک سہیلی جو اسی کے ساتھ گاتی تھی، امان کی طلب گار ہوئی اسے معافی دی گئی اور اس نے اسلام قبول کیا۔

جو لوگ مشرف باسلام ہوئے، ان میں چند کا تذکرہ ہدیہ قارئین ہے:

عبداللہ بن ابی سرح العامری

یہ مرتد ہو کر مدینہ منورہ سے فرار ہو کر مکہ آ گیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں گستاخی اور بیہودہ گوئی اس کا وطیرہ ہو گیا تھا، چونکہ مرتد واجب القتل ہوتا ہے، لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان فرما دیا تھا کہ عبداللہ بن ابی سرح جہاں نظر آئے قتل کر دیا جائے، جب اس کو معلوم ہوا کہ اس کو

قتل کر دینے کا عام اعلان ہوگیا، تو یہ کسی نہ کسی طرح جان بچا کر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا، یہ آپ کا رضائی بھائی تھا، جس نے حضرت عثمان کی بہت خوشامد کی تو آپ نے اسے پناہ دے دی، چند دن بعد حضرت عثمان، اسے آقا ﷺ کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوئے اور دامن رحمت میں پناہ دینے کی درخواست پیش کی، عبداللہ بھی نہایت عاجزی کے ساتھ تائب ہوا، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کی درخواست پر کوئی توجہ نہ فرمائی، حتیٰ کہ حضرت عثمان کا اصرار اتنا بڑھا کہ آقائے رحمت ﷺ کو رحم آ ہی گیا، اور آپ نے عبداللہ بن ابی سرح کو پناہ عطا فرما دی، عبداللہ نے اسلام قبول کیا، آقا نے اپنی بیعت سے مشرف فرمایا، اور مقدر بدل دینے والے آقا ﷺ نے اس کی شقاوت کو سعادت میں تبدیل کر دیا۔

عبداللہ بن ابی سرح مشرف باسلام ہونے کے بعد، مجاہدین اسلام میں شامل ہو کر مسلسل جہاد کرتے رہے، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں انہوں نے افریقہ کے متعدد ممالک فتح کیے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صعید مصر کا انہیں گورنر مقرر کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں مصر کا بھی گورنر بنا دیا۔

عبداللہ بن ابی سرح نے ایک روز نماز فجر کے بعد دعا کی، یا اللہ! میری زندگی کا آخری عمل نماز فجر بنادے، اللہ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور چند روز بعد جب آپ نے نماز فجر کا آخری سلام پھیرا تو معاً وصال ہوگیا، 57 یا 59 سال وصال ہے۔

عکرمہ بن ابو جہل

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، اسلام اور مسلمانوں سے ابو جہل کی دشمنی اور عداوت معلوم اور نہایت معروف ہے، اسی لئے آقا ﷺ نے اسے امت کا فرعون قرار دیا، اس کا بیٹا عکرمہ بھی اپنے باپ سے کچھ کم نہ تھا، اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے "مباح الدم" قرار دیا، یعنی اس کو قتل کرنے کا اذن عام دیا گیا، جب اسے پتہ چلا کہ اس کا خون مباح کر دیا گیا ہے، تو اسے یقین ہوگیا کہ مکہ میں اس کا محفوظ رہنا ممکن نہیں لہٰذا اس نے مکہ سے فرار ہو کر سمندر میں کود کر اپنی جان دینے کا فیصلہ کر لیا، کہ احمق، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی غلامی پر خودکشی کو ترجیح دیتا تھا، عکرمہ کی بیوی ام حکیم مسلمان ہو چکی تھی، وہ آقا ﷺ کے دربار میں عرض گزار ہوئی، کہ یا رسول اللہ! کرم فرمایئے، عکرمہ کو معاف فرما دیجئے اسے امان دے دیجئے، کہ آپ کی نظر کرم سے اس کی جان بچ جائے گی اور وہ جہنم سے بھی آزاد ہو جائے گا، آقا نے درخواست قبول فرمائی۔

ام حکیم اپنے شوہر کو تلاش کرتی ساحل سمندر پر پہنچی تو اس نے دیکھا کہ عکرمہ کشتی پر سوار ہے، اور

ملاح اس سے کہہ رہا ہے "اَخلِصْ اَخلِصْ" "خلوص کا اظہار کر، جب کہ عکرمہ لات وہبل کو پکار رہا تھا، ملاح کی بات سن کر، عکرمہ نے اس سے پوچھا مجھے کیا کہنا چاہیے، اس نے کہا کہو "لا الہ الا اللہ" ام حکیم نے عکرمہ کو پکارا اور کہا میں تمہارے پاس ایک ایسے شخص کی امان کا مژدہ لے کر آئی ہوں، جو تمام لوگوں سے زیادہ نیکوکار ہے اور سراپا خیر ہے، پس تم اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو، بلکہ میرے آقا ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ لے لو۔

اپنی پناہ میں عکرمہ کے پہنچنے سے پہلے آقا ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا کہ عکرمہ بن ابوجہل ہماری خدمت میں حاضر ہونے والا ہے، اس کے سامنے کوئی اس کے باپ کی ہلاکت کا ذکر نہ کرے، کہ اس سے اس کی دلآزاری ہوگی، اسی وقت عکرمہ اپنی بیوی کے ساتھ آتا نظر آیا، پیکر خلق عظیم نے جب امت کے فرعون کے بیٹے عکرمہ کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس سے اظہار محبت اور اس کی آمد پر اظہار مسرت کرتے ہوئے آپ کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے: "مَرْحَبًا بِمَنْ جَآءَ مُؤمِنًا مُهَاجِرًا" میں اس شخص کو خوش آمدید کہتا ہوں جو ایمان لایا اور ہجرت کر کے میرے پاس آیا، عکرمہ دست بستہ و شرمندہ حاضر بارگاہ ہوا، اور اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا، یا رسول اللہ! اس عورت نے مجھے خوش خبری دی ہے کہ آپ نے مجھے معاف فرما دیا، اور اپنی پناہ میں لے لیا، سرکار نے فرمایا ہاں، تمہارے لئے امان ہے، اب عکرمہ کا لرزتا ہوا دل ٹھہرا، بات کرنے کی ہمت ہوئی تو کہنے لگا، یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آپ کس بات کی دعوت دیتے ہیں، داعی حق وصداقت ﷺ نے عکرمہ کو نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور دیگر بنیادی احکام اسلام بتاتے ہوئے فرمایا، تم گواہی دو "ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ" عکرمہ نے کہا آپ کی دعوت بڑی ہی پیاری ہے، آپ اعلان نبوت سے پہلے ہی صادق امین تھے آج میں نے حق کو پہچان لیا ہے "اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انک عبدہ ورسولہ" کلمہ پڑھ کر، بطور اظہار اطاعت، عکرمہ نے اپنی گردن جھکا لی اور آقائے رحمت ﷺ نے اپنے دامن رحمت میں لیتے ہوئے فرمایا "عکرمہ جو مانگنا چاہتے ہو مانگو ہم عطا فرمائیں گے، عکرمہ عرض گزار ہوئے، "یا رسول اللہ! اِسْتَغْفِرْ لِیْ کُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَتُكَهَا" میں نے آپ کے ساتھ جو عداوتیں کیں میری ہر عداوت کو معاف کرا دیجئے، مستجاب الدعوات ﷺ نے رب رحیم وکریم کی بارگاہ میں دست دعا دراز کرتے ہوئے کہا: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعِكْرَمَةَ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَنِيْهَا اَوْ مَنْصَرٍ تَعلَم بہ" اے اللہ عکرمہ نے میرے ساتھ جو عداوتیں کیں ان سب کو معاف فرما دے، اور اس نے اپنی زبان سے مجھے جو اذیت پہنچائی اسے بھی معاف فرما دے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عکرمہ ساری زندگی اسلام کی خدمت واشاعت کرتے رہے،

جہاد میں حصہ لیتے رہے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، جب مرتدین اور جھوٹے مدعیان نبوت سے جنگ کر کے فارغ ہوئے تو آپ نے رومی لشکروں پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لشکر اسلام کا قائد مقرر کیا، کچھ دن بعد ابوعبیدہ کی جگہ حضرت خالد بن ولید کو لشکر اسلام کا سالار مقرر فرمایا، رومیوں سے مقابلہ کے لئے جو مجاہدین حضرت خالد کے ہمراہ تھے ان میں حضرت عکرمہ، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہم بھی تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں جب مقام حمص پر رومیوں کی بڑی فوج سے لشکر اسلام مقابلہ کر رہے تھے، تو کسی مجاہد نے ان سے کہا، عکرمہ! اپنی جان پر رحم کرو آپ نے جواب دیا، جب میں بتوں کی حمایت میں جنگ کرتا تھا تو کبھی میں نے اپنی جان کی پرواہ نہ کی، آج جب میں اللہ وحدہ لاشریک کا نام بلند کرنے کے لئے مصروف جنگ ہوں، تو کیسے اپنی جان کی پروا کرسکتا ہوں، آج تو مجھے آہو چشم حوریں نظر آ رہی ہیں، جو مجھ سے ملاقات کے لئے بے تاب ہیں، بلاشبہ اللہ کے رسول ﷺ نے ہم سے جو وعدے کیے ہیں، وہ سچے ہیں، عکرمہ نے تلوار چلانی شروع کی اور رومیوں کے لشکر کو چیرتے آگے بڑھنے لگے ان کا کوئی قدم پیچھے ہٹتے نہ دیکھا گیا، اسی دوران، رومیوں کے بطریق "ہربیس" کو موقع ملا اور اس نے اپنا نیزہ آپ کے دل میں گھونپ دیا، جو پشت چیرتا پار نکل گیا اور عکرمہ نے جام شہادت نوش کیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

بلاشبہ یہ حقانیت اسلام کا واضح ثبوت اور پیغمبر انقلاب کی اثر انگیز نظر کا کمال ہے، کہ جو لوگ ساری زندگی شمع اسلام کو بجھانے کی کوشش کرتے رہے، جب انہیں ہدایت نصیب ہوئی، تو اسی شمع پر، پروانہ وار نثار ہو گئے۔

امام غزالی علیہ الرحمہ "احیاء العلوم" میں رقم طراز ہیں، کہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت عکرمہ جب قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو اکثر ان پر غشی طاری ہو جاتی تھی اور بے خودی کی کیفیت میں وہ بار بار کہتے "هو كلام ربی" "یہ میرے رب کا کلام ہے۔

ایک روز حضرت عکرمہ نے بارگاہ رسالت مآب میں شکوہ پیش کیا، کہ لوگ مجھے عکرمہ بن ابوجہل کہہ کر پکارتے ہیں، آقائے رحمت ﷺ نے حکم دیا کہ آئندہ انہیں عکرمہ بن ابوجہل نہ کہا جائے، نیز فرمایا: "اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ" مرحومین کی خوبیاں بیان کرو اور ان کی برائیوں سے اپنی زبان بند رکھو۔

حضرت عکرمہ کے مسلمان ہونے سے پہلے کی بات ہے، کہ انہوں نے ایک مسلمان مجاہد کو شہید کیا، غیب جاننے والے آقا نے دیکھا تو آپ کو ہنسی آ گئی، کسی نے عرض کی یا رسول اللہ! ہمارے بھائی کے قتل ہونے پر آپ خوش ہو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا "اَضْحَكَنِيْ اَنَّهُمَا فِيْ دَرَجَةٍ وَاحِدَةٍ فِي

الْجَنَّةِ'' مجھے اس بات پر ہنسی آئی کہ یہ دونوں (قاتل ومقتول) جنت کے ایک ہی درجہ میں ہوں گے، کہ آج میرا سپاہی شہید ہوا ہے، اور کل عکرمہ بھی مسلمان ہو کر جہاد کرے گا اور شہید ہوگا، جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت عکرمہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں رومیوں سے مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے کہ یہ تو ممکن ہی نہیں کہ آقا ﷺ جو فرمادیں، وہ پورا نہ ہو، ﷺ۔

وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں　　اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

صفوان بن امیہ

صفوان اور اس کا باپ امیہ، دونوں ان لوگوں میں سے تھے جن کے دلوں میں اسلام دشمنی کا لاوا بہتا رہتا تھا، امیہ تو غزوۂ بدر میں ہی میں ہلاک ہو چکا تھا، لیکن صفوان آج تک اسی لئے زندہ تھا کہ اس کے مقدر میں آقائے رحمت ﷺ کی غلامی اور آپ کے دامن رحمت سے وابستگی تھی، فتح مکہ کے دن جن لوگوں کو مباح الدم قرار دیا گیا، ان میں صفوان بن امیہ بھی شامل تھا، کیونکہ اس نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے غلاموں کو ستانے اور اذیت پہنچانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی، جب صفوان کو معلوم ہوا کہ اس کے قتل کا اذن عام ہو گیا ہے، تو اس پر اللہ کی زمین تنگ ہو گئی لہٰذا اس نے سمندر میں ڈوب کر اپنی جان دے دینے کا فیصلہ کیا، صفوان کا چچا زاد بھائی عُمیر بن وہب مسلمان ہو چکا تھا، وہ بارگاہ رسالت پناہ میں حاضر ہوا اور نہایت عجز وانکساری سے صفوان کے لئے امان کا طلب گار ہوا، آقائے رحمت ﷺ نے اس کی درخواست قبول کی اور صفوان کے لئے امان کا اعلان فرمایا، اور عمیر کو حکم دیا کہ صفوان کو ہماری بارگاہ میں پیش کرو، عمیر عرض کرنے لگے، یارسول اللہ! وہ نہایت خوفزدہ ہے، میری بات پر ہرگز یقین نہیں کرے گا، بڑا کرم ہوگا کہ آپ کوئی ایسی نشانی عطا فرمادیں، جسے دیکھ کر وہ میری بات ماننے پر مجبور ہو جائے، پس آقائے رحمت نے نہایت ہی کریمانہ سلوک فرمایا کہ اپنا مقدس عمامہ عمیر کو دیا۔

جب عمیر صفوان کی تلاش میں سمندر کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ وہ سمندر میں چھلانگ لگانا ہی چاہتا ہے، آپ نے اسے پکارا اور کہا کہ میں تمہارے لئے، جان عالم ﷺ سے امان لے کر آیا ہوں، دیکھو بطور ثبوت آقا نے مجھے اپنا عمامہ عطا فرمایا تا کہ اسے دیکھ کر تم میری بات پر یقین کرلو، پھر بھی بمشکل تمام صفوان نے عمیر کی بات پر یقین کیا، اور وہ دونوں بارگاہ رحمت میں حاضر ہوئے، آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر، لرزتے کانپتے صفوان نے کہا، عمیر نے مجھے بتایا کہ آپ نے مجھے امان دے دی ہے، آقا ﷺ نے فرمایا، ہاں تیرے لئے امان ہے، اس نے کہا مجھے اسلام قبول کرنے کے متعلق، سوچنے کے لئے دو ماہ کی مدت دی جائے، آپ نے فرمایا تمہیں چار ماہ کی مدت دی جاتی ہے۔

صفوان بن امیہ رؤسائے مکہ میں متمول ترین رئیس تھا، غزوۂ حنین کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے چالیس ہزار درہم بطور قرض طلب فرمائے، نیز کچھ زرہیں عاریۃً طلب کیں، صفوان کہنے لگا، کیا آپ میرا مال غصب کرنا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، ہم تمہارا سب مال تمہیں پورا پورا واپس کریں گے، صفوان راضی ہو گیا اور خود بھی بطور تماشہ بین جنگ میں شریک ہوا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہوازن سے حاصل شدہ مال غنیمت تقسیم فرمایا، تو صفوان کو بھی تین سو اونٹ بطور ہدیہ دیئے، لیکن صفوان وادیٔ حنین کو طمع بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، جس میں بھیڑ، بکریاں بھری ہوئی تھیں، تو قاسم نعمت ﷺ نے پوچھا، صفوان! کیا تمہیں یہ وادی پسند ہے، کہنے لگا بہت پسند ہے، کاش میں اس کا مالک ہوتا، آقا نے فرمایا، تو تم ہی اس کے مالک ہوئے، اس بہتے دریا کی سخاوت پر حیرت زدہ ہو کر کہنے لگا، بخدا! کوئی بادشاہ کسی پر دولت کی اتنی بارش نہیں برسا سکتا، یہ سخاوت صرف اللہ کا رسول ہی کر سکتا ہے، پس صفوان چار ماہ کی مدت ختم ہونے کا انتظار نہ کر سکا اور مشرف با سلام ہو گیا۔

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا موج بحر ساحت پہ لاکھوں سلام

ہند بنت عتبہ

حضرت ابوسفیان کی بیوی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مسلمانوں کی بدترین دشمن تھی، جس نے غزوۂ احد میں امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبایا، آپ کے اور دیگر شہدائے احد کے ناک کان کاٹ کر ہار بنایا اور بڑے فخر سے پہنا، ظاہر ہے ایسی ظالمہ اور خبیثہ کا خون حلال ہی ہونا چاہیے تھا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے فتح مکہ کے دن اس کو قتل کرنے کی عام اجازت دی، جب اسے اپنی موت سامنے کھڑی نظر آنے لگی، تو سوائے میرے آقا ﷺ کے دامن رحمت کے اس کو کوئی پناہ گاہ نظر نہ آئی، پس یہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی، اور خوف کی وجہ سے اس نے برقعہ اوڑھا ہوا تھا، جب وہ دوسری عورتوں کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچی تو آپ نے فرمایا، کہ ان امور پر میری بیعت کرو۔

"اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ گی، چوری نہ کرو گی، زنا نہ کرو گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کرو گی، کسی پر بہتان نہیں لگاؤ گی اور میری نافرمانی نہیں کرو گی"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کے بعد ہند بولی، میں کبھی کبھی اپنے شوہر ابوسفیان کا مال چرا لیتی، معلوم نہیں یہ میرے لئے حلال ہے یا نہیں، ابوسفیان وہاں موجود تھے، کہنے لگے تم نے اب تک جو کچھ چرایا میں نے معاف کیا، اب اللہ کے رسول ﷺ نے ہند کو پہچانا اور فرمایا کیا تو عتبہ کی

بیٹی ہند ہے، بولی جی میں ہند بنت عتبہ ہوں، آپ سے امان کی طلب گار ہوں اور اپنے ماضی پر نادم ہوں، اب تک میں نے جو غلطیاں کی ان پر شرمندہ ہوں اور معافی کی خواستگار ہوں۔

جب نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ "زنا نہ کروگی" ہند حیران ہو کر بولی، کیا آزاد عورتیں بھی یہ جرم کرتی ہیں، اور جب آپ نے فرمایا "اپنے بچوں کو قتل نہ کروگی" تو ہند کہنے لگی، ہم نے تو بچوں کو پال کر بڑا کیا، جب وہ جوان ہو گئے، تو آپ نے انہیں غزوۂ بدر میں قتل کر ڈالا، ہند کی اس بات پر حضرت عمر فاروق اور دیگر حاضرین مجلس ہنسنے لگے، اور آقا ﷺ بھی مسکرائے جب آپ نے فرمایا، کہ "کسی پر تہمت نہ لگاؤ گی" تو ہند نے کہا، تہمت لگانا بہت بری بات ہے، یارسول اللہ! آپ ہمیں صرف اچھی باتوں اور خیر ہی کا حکم دیتے ہیں، جب آپ ﷺ نے فرمایا، "میری بیعت کرو، اس بات پر کہ تم میری نافرمانی نہ کروگی" تو ہند نے عرض کی، یارسول اللہ! ہم آپ کے مطیع و فرمانبردار بن کر ہی یہاں حاضر ہیں، آپ کی نافرمانی کا وہم و گمان بھی نہیں کر سکتے۔

بہر حال ہند مشرف باسلام ہو گئیں اور رحیم و کریم آقا ﷺ نے انہیں اپنے دامن رحمت میں پناہ دی اور بیعت کا شرف بخشا، ہند اور ابوسفیان، کے اسلام قبول کرنے اور انہیں صحابیت کا شرف نصیب ہونے میں شک کرنا نہایت گمراہی ہے، اللہ محفوظ رکھے۔

وحشی بن حرب

یہ وہ شخص ہے جس نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ احد میں شہید کر کے اللہ کے رسول ﷺ کو بہت بڑا صدمہ پہنچایا، اور امت مسلمہ کا عظیم نقصان کیا اس کا یہ جرم کوئی معمولی نہ تھا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے بجا طور پر اس کو قتل کر دینے کا اذن دیا، جب وحشی کو اپنی سزا کا علم ہوا، تو اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ زندہ نہیں بچ سکتا، لہٰذا وہ مکہ سے فرار ہو کر طائف پہنچا لیکن الحمد للہ وہ وقت بھی آ گیا، جب مسلمانوں نے طائف کا محاصرہ کیا، اور اہل طائف کو شکست تسلیم کرنا پڑی اور طائف اسلامی ریاست کا ایک حصہ قرار پایا، وحشی کو اب یہاں بھی وہی خطرہ لاحق ہوا جس کی وجہ سے وہ مکہ سے بھاگ کر یہاں پناہ گزین ہوا تھا، اب اس نے شام یا یمن جا کر پناہ لینے کا ارادہ کیا لیکن کسی نے اسے مشورہ دیا، اب تجھے رحمۃ للعالمین ﷺ کے دامن رحمت کے سوا کہیں پناہ نصیب نہیں ہو سکتی، کہ شام و یمن ہی نہیں، دنیا کے گوشہ گوشہ پر ان کا غلبہ ہو کر رہے گا لہٰذا اس کی جان ہی بچ سکتی ہے، جو ان سے امان طلب کرے اور ان کی پناہ میں چلا جائے، جب کہ وہ نہایت رحیم و کریم، نرم مزاج، رحم دل اور مجرموں سے درگزر کرنے اور انہیں بخشنے والے ہیں، وہ کتنے ہی بدترین مجرموں کو معاف بھی کر چکے ہیں، پس تو اگر زندگی چاہتا ہے تو ان کی بارگاہ میں حاضر ہو کر زندگی کی بھیک مانگ، وہ ضرور

معاف کردیں گے۔

وحشی موقع پاکر اچانک بارگاہ رسالت میں پناہ میں حاضر ہوا، اور قبل اس کے کہ کوئی اس کی طرف نظر اٹھائے اس نے باآواز بلند کلمہ پڑھا، اللہ کے رسول ﷺ نے نظر اٹھا کر دیکھا تو فرمایا، کیا تم وحشی ہو، اس نے کہا جی آپ کی پناہ میں حاضر ہو گیا ہوں، بدترین مجرم ہوں، نادم و شرمندہ ہوں، معافی کا طلبگار ہوں، آقائے رحمت ﷺ نے درخواست قبول فرمائی، امان دی اور فرمایا، بیٹھو مجھے بتاؤ کہ تم نے میرے چچا حمزہ کو کس طرح قتل کیا تھا، وحشی خوف سے کانپنے لگا، آپ نے فرمایا ڈرو نہیں بیٹھو، اب تم ہماری پناہ میں ہو، سناؤ تم نے حمزہ کو کس طرح قتل کیا تھا، وحشی نے پوری کہانی سنائی، آقا ﷺ پر رنج و غم کا اثر ظاہر ہونے لگا، آپ نے فرمایا تمہارا اسلام قبول ہے، لیکن تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اپنا منہ چھپالو یہاں سے چلے جاؤ، اور ہمیں کبھی اپنا چہرہ نہ دکھانا۔

بہر حال یہ آقا کریم ﷺ کا حلم و کرم ہے، کہ وحشی کی جاں بخشی ہوئی وہ مسلمان ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں، انہیں اپنے جرم کی کچھ تلافی کا بھی موقع میسر آگیا، کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم سے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کی سرکوبی کے لئے لشکر اسلام روانہ ہوا تو اس میں وحشی بھی شامل ہو گئے، جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن دوران جنگ یہی کوشش کرتے رہے کہ مسیلمہ کا قاتل بننے کا اعزاز حاصل کریں، تاکہ قاتل حمزہ، قاتل مسیلمہ کذاب کہلایا جانے لگے، پس وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے، اور جس نیزے سے انہوں نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا اسی نیزے سے مسیلمہ کا کام تمام کر دیا، اب وحشی کو سکون ملا، کہ انہیں یقین تھا، کہ اللہ میری اس تلافی کو قبول فرما کر مجھے ضرور بخش دے گا۔

جب کہ وحشی کے ماضی کی تلافی تو اسلام قبول کرنے سے ہی ہو گئی تھی، کہ اسلام ماضی کے تمام داغ دھو دیتا ہے چاہے وہ کتنے ہی گہرے کیوں نہ ہوں، وحشی مسلمان بھی ہو گئے، شرف صحابیت بھی میسر آگیا، مجاہد بنے اور کامیاب مجاہد بنے، کہ ناموس رسالت کے ڈاکو مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے میں کامیاب رہے، رضی اللہ عنہ۔

عتبہ و معتب بن ابی لہب

ابولہب کی بدتمیزی، بدخواہی اور اسلام دشمنی اس انتہا کو پہنچی کہ قرآن کریم نے اس بدنصیب کی تباہی و بربادی کا اعلان کیا جو پورا ہو کر رہا، تفصیل گزشتہ صفحات پر بیان ہو چکی ہے، اس کی اولاد بھی اس سے کم نہ تھی، اس کے دو بیٹوں میں فتح مکہ کے دن اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام یا مسلمانوں کو منہ دکھاتے، لہٰذا وہ روپوش ہو گئے تھے ایک دن رحیم و کریم آقا ﷺ کو ان کا خیال آیا، تو

آپ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ان کے متعلق پوچھا اور فرمایا، کہ عتبہ اور معتب کو میرے پاس لے کر آیئے، حضرت عباس ان کی تلاش میں نکلے، بمشکل ان سے ملاقات ہوئی، اور ان کو لے کر سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، یہ دونوں لرزتے، کانپتے آپ کے سامنے آئے، تو آپ نے نہایت شفقت و محبت کے ساتھ انہیں مسلمان ہونے کی دعوت دی، آقا ﷺ کے حسن سلوک کو دیکھ کر ان کی کچھ ڈھارس بندھی اور دونوں مشرف باسلام ہو گئے، کرم بالائے کرم یہ کہ آپ ان دونوں کا ہاتھ پکڑ کر ملتزم کے پاس تشریف لائے، ان کے گناہوں اور جرائم کی معافی کے لئے نہایت عجز و انکساری سے دعا کی۔

جب مستجاب الدعوات ﷺ دعا سے فارغ ہوئے تو آپ کے نورانی چہرے پر نہایت مسرت کے آثار نظر آرہے تھے، حضرت عباس رضی اللہ عنہ دیکھ کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! اللہ آپ کو خوش رکھے، اس وقت آپ کا چہرۂ مبارک خوشی سے تمتما رہا ہے، آقا ﷺ نے فرمایا، واقعی میں بہت خوش ہوں کہ میں نے اپنے رب سے اپنے چچا کے ان دونوں بیٹوں کو مانگا اور اس نے میری طلب پوری فرمائی۔

عتبہ اور معتب ہمہ وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ساتھ نظر آتے تھے، جنگ حنین اور جنگ طائف میں شریک ہوئے، جرأت و شجاعت کے جوہر دکھائے، اور لحہ بھر کے لئے بھی آقائے کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے جدا نہ ہوئے، رضی اللہ عنہما۔

سہیل بن عمرو

اس کا بیٹا عبداللہ پہلے ہی مسلمان ہو چکا تھا، لیکن فتح مکہ کے دن سہیل اپنی موت کے خوف سے روپوش ہو گیا تھا، حضرت عبداللہ اپنے رحیم و کریم آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور باپ کے لئے امان کی درخواست پیش کی، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، اللہ کی امان سے وہ امن میں ہے، اس سے کہو وہ بے خوف ہو کر ہمارے دربار میں حاضر ہو سکتا ہے، آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا، کہ اگر سہیل سے کسی کی ملاقات ہو تو اس سے نہایت شفقت و محبت کا سلوک کیا جائے اور ہمارے دربار میں پیش کیا جائے، ہم جانتے ہیں کہ سہیل دانش مند اور شریف النفس ہے وہ زیادہ دیر اسلام سے انکار نہ کر سکے گا۔

حضرت عبداللہ اپنے باپ سے ملے اور اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے امان کی خوشخبری دی، سہیل نے کہا "كَانَ وَاللّٰهِ بِرًّا صَغِيْرًا بِرًّا كَبِيْرًا" بقسم وہ بچپن میں بھی احسان و کرم والے تھے اور اب بھی احسان و کرم ان کا شیوہ ہے، سہیل نے روپوشی ختم کی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے دربار میں حاضر ہونے لگے، مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے، لیکن مسلمان نہ ہوئے، حالت کفر ہی میں وہ غزوۂ حنین میں شریک ہوئے، حتیٰ کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے سہیل کے قلب کو نور ایمان سے منور کر ہی دیا، مسلمان ہونے کے بعد جلیل القدر صحابہ میں ان کا شمار ہونے لگا، انہوں نے نہایت مشکل حالات میں بھی اسلام کے علم کو سرنگوں نہ ہونے دیا، آقائے رحمت ﷺ کے وصال کی خبر خاص و عام صحابہ کے لئے، ابتلاء و آزمائش کی خبر تھی جب اہل مکہ کو یہ اندوہناک اطلاع ملی تو گلی، کوچوں اور گھروں میں ایک کہرام برپا ہوگیا، لوگوں نے اسلام کے دین حق ہونے پر شک و شبہہ کرنا شروع کر دیا قریب تھا، کہ کچھ نو مسلم مرتد ہو جاتے، اس نازک موقع پر اللہ نے حضرت سہیل سے اپنے دین کی حفاظت کا کام لیا، آپ نے لوگوں کو حرم شریف کی طرف بلایا اور ایسا ایمان افروز خطبہ دیا، کہ تمام شکوک و شبہات رفع ہوگئے، اور قوم گمراہی سے بچ گئی۔

حضرت سہیل جنگ یرموک میں شریک ہوئے اور شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلعت شہادت سے نوازا، رضی اللہ عنہ۔

شیبہ بن عثمان بن ابی طلحہ

شیبہ نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ خود بیان کیا، وہ بتاتے ہیں کہ لوگ فوج در فوج اسلام قبول کر رہے تھے، لیکن میں کفر و شرک پر اڑا ہوا تھا، اور میں نے فیصلہ کر لیا تھا، کہ چاہے سارا عرب مسلمان ہو جائے، لیکن میں اپنا دین کبھی نہ چھوڑوں گا، نبی مکرم ﷺ مکہ سے ہوازن کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئے تو میں لشکر اسلام میں شامل ہوگیا، میرا منصوبہ یہ تھا کہ اس سفر کے دوران موقع پاتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کر کے وہ کام کر دکھاؤں گا، جو اہل مکہ گزشتہ بائیس سال میں نہ کر سکے، اور اس طرح میں اپنے باپ، چچا اور چچازاد بھائیوں کا انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا جنہیں مسلمانوں نے غزوۂ احد میں قتل کیا تھا، جب حنین میں دونوں لشکر گتھم گتھا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اپنے خچر سے اتر آئے ہیں، مجھے اپنا کام کرنے کے لئے یہ بہترین موقع معلوم ہوا، میں اپنی تلوار تان کر حضور کی طرف بڑھا، قریب تھا کہ میں آپ پر حملہ کر دوں کہ اچانک میری آنکھوں کے سامنے آگ کا ایک شعلہ چمکا جس نے میری آنکھوں کو خیرہ کر دیا، اور میں کانپنے لگا، اسی وقت میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی طرف متوجہ پایا اور دیکھا کہ آپ مسکرا رہے ہیں، آپ نے فرمایا ''یَا شَیْبَۃَ اُدْنُ مِنِّیْ'' اے شیبہ! میرے قریب آؤ، میں قریب ہوا، تو آپ نے دست مبارک میرے سینے پر رکھا اور دعا فرمائی ''اَللّٰھُمَّ اَعِذْہُ مِنَ الشَّیْطَانِ'' اے اللہ! شیبہ کو شیطان کے شر سے بچالے، پس میرے دل کی کایا پلٹ گئی، اور حال یہ ہوا کہ ''فَوَاللّٰہِ لَھُوَ فِی السَّاعَۃِ صَارَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ

سَمْعِیْ وَبَصَرِیْ وَاَذْھَبَ اللّٰہُ مَا کَانَ فِیَّ" بخدا! اسی وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے اپنے کانوں اور آنکھوں سے بھی زیادہ محبوب ہو گئے، اور میرے دل میں آپ کے خلاف جو نفرت تھی، اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرما دیا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے حکم دیا "اُدْنُ فَقَاتِلْ" میرے قریب ہو اور دشمن سے جنگ کر، میں نے تلوار چلانا شروع کی اور ایسے جذبے سے لڑا کہ اگر میرا باپ بھی سامنے آجاتا تو میں اسے بھی نہ چھوڑتا جب تک جنگ جاری رہی میں لڑتا رہا۔

شیبہ کہتے ہیں، جنگ کے بعد ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا، "اے شیبہ! اللہ نے تیرے بارے میں جو ارادہ فرمایا ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تو نے اپنے بارے میں کیا" فَذَلَّنِیْ مَا اَضْمَرْتُہٗ فِیْ نَفْسِیْ مِمَّا لَمْ اَذْکُرْہُ لِاَحَدٍ قَطُّ" پھر آپ نے میرے وہ پوشیدہ راز بیان فرمائے، جنہیں میں نے کبھی کسی پر ظاہر نہ کیا تھا "فقلت انی اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد انک رسول اللہ"۔

ابو قحافہ عثمان بن عامر

فتح مکہ کے دن، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پہلا کام یہ کیا، کہ اپنے والد ابو قحافہ کو بارگاہ رسالت میں پیش کیا اس وقت اللہ کے رسول ﷺ حرم شریف میں رونق افروز تھے، بوڑھے اور نابینا ابو قحافہ کو دیکھ کر آپ نے فرمایا، ابو بکر! تم انہیں کیوں لے آئے میں خود ہی ان کے پاس جاتا، آقائے رحمت ﷺ نے ابو قحافہ کو اپنے سامنے بٹھا کر ان کے سینہ پر دست اقدس پھیرا اور فرمایا، ابو قحافہ! اسلام قبول کر لو ابو قحافہ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انفرادی اعزاز ہے، کہ آپ کی چار پشتیں مسلمان ہوئیں اور انہیں شرف صحابیت بھی نصیب ہوا، باپ ابو قحافہ، خود ابو بکر، عبد الرحمٰن بن ابو بکر اور محمد بن عبد الرحمٰن، نیز حضرت ابو بکر کی والدہ ام الخیر سلمی، صاحبزادی حضرت اسماء اور ان کے صاحبزادے عبد اللہ بن زبیر کو بھی شرف صحابیت حاصل ہوا، جب کہ عائشہ بنت ابی بکر نے امت مسلمہ کی ماں ہونے کا بلند ترین مرتبہ پایا، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

جس کے آگے سر سروراں خم رہیں — اس سرتاج رفعت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے — اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

گورنر مکہ کا تقرر

فتح مکہ کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے مکہ میں پندرہ دن قیام فرمایا، تاکہ اللہ کا دین قبول کرنے

والوں کو بیعت سے مشرف کیا جائے، نیز نئی اسلامی ریاست کے نظم ونسق اور ان کے باشندوں کے لئے احکام شرع کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے، لہٰذا یہ ایام آپ کی حیات مبارکہ کے مصروف ترین ایام نظر آتے ہیں، تقریباً صبح سے شام تک آپ تاریک دلوں کو نور ایمان سے منور کرنے میں مصروف رہتے تھے، اسی دوران شرعی اور انتظامی امور بھی انجام پاتے تھے۔

نبی معظم ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو بحیثیت معلم اہل مکہ کے لئے متعین فرمایا، جب کہ انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے عتاب بن اسید کو مقرر کیا گیا، اس وقت حضرت عتاب کی عمر صرف اکیس سال کی تھی، یہ بات قابل غور ہے کہ اب تقریباً تمام اہل مکہ مشرف باسلام ہو چکے تھے، جن میں رؤساء وسردار بھی تھے، عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگ بھی شامل تھے، مختلف اعتبارات سے باکمال لوگ بھی موجود تھے، اس کے باوجود اکیس سالہ نوجوان عتاب بن اسید کو امام وگورنر کا منصب ملنا، ان کی نہایت ہی اعلیٰ صلاحیتوں کا واضح ثبوت ہے، آقا ﷺ نے حضرت عتاب کو والی مقرر کرتے ہوئے فرمایا، ”اے عتاب! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں کن لوگوں پر والی مقرر کیا ہے؟ میں نے تمہیں اللہ کے خاص بندوں پر والی مقرر کیا ہے، اگر اس منصب کے لئے میری نظر میں کوئی دوسرا شخص مناسب ہوتا تو میں ضرور اس کو یہ ذمہ داری سونپتا، اب جاؤ اپنی ذمہ داریاں پوری کرو،“ میں نے اللہ کے خاص بندوں پر تمہیں والی مقرر کیا ہے“ (یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ بطور تاکید دہرایا)۔

نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گورنر مکہ حضرت عتاب کے لئے ایک درہم یومیہ وظیفہ مقرر فرمایا، آپ اپنی اس تنخواہ پر بے حد قانع اور شاکر تھے، فرمایا کرتے تھے ”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے لئے ایک درہم یومیہ، وظیفہ مقرر کیا ہے ایک درہم سے جس کا پیٹ نہیں بھرتا، اللہ تعالیٰ اس کو کبھی سیر نہیں کرے گا۔

حضرت عتاب نے بحیثیت گورنر مکہ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دن تک اپنی ذمہ داریاں پوری کیں اور حسن اتفاق یہ کہ جس دن خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وصال ہوا عین اسی دن حضرت عتاب بھی اس دار فانی سے رخصت ہوئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ، رضی اللہ عنہما۔

الحمد للہ فتح مکہ کے عنوان پر ہم نے تفصیلی گفتگو کی، جس کو اگرچہ مکمل نہیں کہا جاسکتا لیکن حالات و حقائق جاننے کے لئے کافی ضرور ہے، اس سلسلہ میں ایک حقیقت کا اعادہ کرنا چاہیں گے جو حالات حاضرہ کے پیش نظر نہایت اہم ہے، کہ آقائے رحمت ﷺ نے مکہ فتح کرنے کا عزم، ملک گیری یا نظام کے ارادے سے ہرگز نہ کیا تھا، بلکہ اس کا سبب صرف اہل مکہ کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف

مسلسل ریشہ دوانیاں، سازشیں اور پورے عرب میں بدامنی پھیلانے کی کوشش تھا، آپ نے جب مکہ کی طرف پیش قدمی فرمائی تو لشکر اسلام کو آپ کی یہ ہدایات نہایت اہم اور قابل غور ہیں کہ:

کسی سپاہی کی تلوار نیام سے باہر نہ ہو، کہ ہم اپنی چمکدار تلواروں سے کسی کو خوفزدہ کرنا نہیں چاہتے۔

لشکر السلام مکہ میں مختلف سمتوں سے داخل ہو، تا کہ اہل مکہ کسی غلط فہمی کی بناء پر بھی ہماری مزاحمت نہ کر پائیں کہ ہمیں ان سے مقابلہ کرنا پڑے، اور مکہ کی مقدس سرزمین خون آلود ہو۔

نیز فتح مکہ کے بعد آقا ﷺ نے دشمنوں پر اپنی رحمت کی خصوصی بارش برسائی، ارشاد: ولاَ تَثْرِیبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ وانتم الطلقاءُ"تم پر کوئی جرم نہیں، آج تم سب آزاد ہو۔

ان تک کو معاف کر دیا گیا، جن کو سنگین جرائم کے باعث مباح الدم اور واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔

ہند، وحشی اور ابولہب کے بیٹوں جیسے ظالموں کا اسلام قبول کیا گیا۔ یہ سب اسی لئے کیا گیا کہ اسلام اور مسلمانوں پر تا قیامت بدامنی پھیلانے، دہشت گردی میں مبتلا ہونے کا الزام نہ لگایا جا سکے، کہ آقائے رحمت ﷺ کی اس تعلیم کے بعد کوئی مسلمان نہ دہشت گرد ہو سکتا ہے اور نہ ہی بدامنی پھیلانے کا جرم کر سکتا ہے۔

غزوہ حنین

یہ غزوہ ان اہم غزوات میں سے ایک ہے، جن کا ذکر قرآن کریم میں محفوظ ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (توبہ)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے بہت سی جنگوں میں تمہاری مدد فرمائی اور حنین کے روز بھی جب تمہیں گھمنڈ میں مبتلا کر دیا تھا تمہاری کثرت نے، پس تمہیں اس کثرت نے کچھ فائدہ نہ دیا، اور زمین اپنی کثرت کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی، پھر تم پیٹھ پھیرتے ہوئے مڑے، پھر اللہ تعالیٰ نے خاص تسکین نازل فرمائی اپنے رسول پر اور اہل ایمان پر اور اتارے وہ لشکر جنہیں تم نہ دیکھ سکے اور کافروں کو عذاب دیا، اور کافروں کی یہی سزا ہے، پھر اللہ تعالیٰ جس پر چاہے گا رحمت سے توجہ فرمائے گا، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے"۔

حنین مکہ و طائف کے درمیان ایک وادی ہے، جہاں قبیلۂ ہوازن آباد تھا، یہ قبیلہ اپنی افرادی کثرت، جنگی مہارت، بالخصوص تیر اندازی اور نشانہ بازی کے باعث عرب میں امتیازی حیثیت رکھتا اور اپنی ان خوبیوں پر نہ صرف نازاں بلکہ بے حد متکبر و مغرور تھا، اسی لئے اس قبیلہ نے فتح مکہ کا الٹا اثر لیا، حالانکہ فتح مکہ کے بعد صرف قریش ہی نہیں بلکہ عرب کے دیگر بڑے بڑے قبائل فوج در فوج حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے، لیکن ہوازن نے اس کے برعکس اپنی قوت و طاقت کے بل بوتے پر مسلمانوں پر حملہ کرنے اور ان پر غالب آنے کا فیصلہ کیا اور قبیلہ بنو ثقیف نیز چند دیگر قبائل کو اپنے ساتھ ملا کر جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے ارادوں کا علم ہوا تو آپ نے امن و امان کی بقاء کے لئے ضروری سمجھا کہ ہوازن سے نمٹا جائے، تاکہ اس بڑے فتنہ کے خاتمہ کے بعد اسلام کے خلاف کسی بھی سازش اور عرب میں بدامنی کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہو سکے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگی تدبیر کے مطابق فیصلہ فرمایا کہ دشمن کی قوت و طاقت اور اس کے ارادوں کا پتہ چلایا جائے، آپ نے اس مقصد کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد، کو حکم دیا کہ وہ دشمن کی آبادی میں جا کر حالات کا جائزہ لیں، آپ نے حکم کی تعمیل کی، دشمن کی آبادی میں پہنچے اور اس کی جنگی سرگرمیوں کا تفصیلی جائزہ لیا، ایک مرتبہ حضرت عبداللہ دشمن کے کمانڈر انچیف مالک بن عوف کے خیمہ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، آپ نے دیکھا کہ قبیلہ کے رؤسا اور سردار اپنے کمانڈر کے گرد جمع ہیں اور مالک ان کے سامنے بڑیں مار رہا ہے، انہیں بتا رہا ہے کہ محمد (ﷺ) کا مقابلہ آج تک کسی ایسے لشکر سے ہوا ہی نہیں، پس اے میرے ساتھیو! علی الصبح اپنی صفیں درست کر لو، پہلے اپنے مویشیوں کی صفیں بناؤ، ان کے آگے اپنی عورتوں کو کھڑا کرو، پھر اپنے جوانوں کی صفیں بناؤ اور مسلمانوں پر یکبارگی حملہ کر دو، اور ہاں حملہ سے پہلے نیاموں کو توڑ دو، اس طرح تم بھاگنے کے تمام امکانات ختم کر کے جب حملہ آور ہو گے اور تمہاری بیس ہزار تلواریں دشمن پر برسیں گی تو یقیناً تمہاری فتح ہو گی، یاد رکھو فتح اس کی ہوتی ہے جو حملہ میں پہل کرے اور یکبارگی حملہ آور ہو۔

حضرت عبداللہ سب کچھ سننے اور دیکھنے کے بعد آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور آپ کو دشمن کے عزائم سے آگاہ کیا، آپ نے دشمن کی تیاریوں سے متعلق معتبر ذریعہ سے تفصیلات معلوم کرتے ہی لشکر اسلام کو تیاری کا حکم دیا، جس میں وہ تمام انصار و مہاجرین شریک تھے، جن کو فتح مکہ کا اعزاز حاصل ہو چکا تھا، ان کے علاوہ دو ہزار نو مسلم بھی لشکر اسلام میں شامل تھے، یہ کل بارہ ہزار افراد تھے، جو نئے عزم اور پختہ ارادے کے ساتھ اپنے آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کے لئے فوراً تیار ہو گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتایا گیا کہ صفوان بن مالک کے پاس زرہوں اور دیگر اسلحہ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے، آپ نے اس کو بلوایا، اور فرمایا، ہم دشمن سے جنگ کے لئے جا رہے ہیں، اپنا اسلحہ ہمیں دے دو، اس نے کہا ''اَغَصۡبًا یَا مُحَمَّدُ'' یا محمد (ﷺ) کیا آپ یہ اسلحہ مجھ سے جبراً لینا چاہتے ہیں، آپ نے فرمایا ''لَا بَلۡ عَارِیَۃً مَضۡمُوۡنَۃً حَتّٰی نَرُدَّھَا اِلَیۡکَ'' نہیں ہم یہ اسلحہ تم سے عاریتاً مانگ رہے ہیں، جو واپس کر دیا جائے گا، اگر اس میں سے کوئی چیز ضائع ہو گی تو ہم اس کی قیمت ادا کریں گے۔

صفوان بن مالک راضی ہو گیا، آپ نے فرمایا اس اسلحہ کو میدان جنگ تک پہنچانا بھی تمہاری ذمہ داری ہو گی، وہ اس پر راضی ہو گیا، اور اس نے تمام سامان اپنے اونٹوں پر لاد کر وادئ اوطاس تک پہنچا دیا، جنگی اخراجات کو پورا کرنے کے لئے اللہ کے رسول ﷺ نے تین قریشیوں سے بھی قرضہ لیا، صفوان ابن امیہ سے پچاس ہزار درہم، عبداللہ بن ربیعہ سے چالیس ہزار اور حویطب بن عبداللہ سے چالیس ہزار، ان دراہم کو آپ نے مفلس مجاہدین میں تقسیم فرما دیا تا کہ وہ جنگی سامان خرید سکیں اور ا[illegible]

دیگر ضروریات پوری کریں، عتاب بن اسید کو مکہ کا حاکم مقرر فرمایا، اور آپ لشکر اسلام لے کر 6 شوال 8 ہجری کو مکہ سے حنین کی طرف روانہ ہوئے، شمسی اعتبار سے یہ واقعہ 27 جنوری 630 عیسوی کا ہے، اس جنگ میں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہما شریک تھیں۔

بعض شرکاء لشکر

دس ہزار فاتحین مکہ کے علاوہ لشکر اسلام میں وہ دو ہزار نو مسلم بھی شامل تھے جنہیں آقائے رحمت ﷺ نے ''انتم الطلقاء'' کا مژدہ سنا کر آزاد کر دیا تھا، انہوں نے اگرچہ بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا، لیکن اب تک ان کے قلوب نور ایمان سے منور نہ ہوئے تھے، نیز وہ لوگ بھی شریک سفر ہو گئے جنہوں نے اب تک اسلام قبول نہ کیا تھا یا تو مال غنیمت کے لالچ میں اور یا اس خیال خام کی بناء پر کہ ہوازن و ثقیف کا لشکر جب مسلمانوں کو شکست دے گا تو یہ تماشہ دیکھیں اور لطف اندوز ہوں گے، کچھ ایسے ضعیف الاعتقاد بھی لشکر میں شامل ہو گئے تھے، جو پتھروں اور درختوں کو دیکھ کر اپنے بتوں کو یاد کرنے لگتے، ان کے آگے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے تھے، ان کے لئے جانور ذبح کرتے اور اس طرح وہ بت پرستی کی یاد تازہ کر لیتے تھے، اس لشکر میں شیبہ بن عثمان جیسے بد طینت لوگ بھی شامل تھے، اس کا ارادہ تھا کہ دوران سفر یا دوران جنگ وہ موقع پاتے ہی اللہ کے رسول ﷺ کو قتل کر دینے میں کامیاب ہو جائے گا، انہیں کیا پتہ تھا کہ جس کا محافظ اللہ ہو اسے دنیا کی کوئی طاقت زک نہیں پہنچا سکتی۔

دشمن کے جاسوس

لشکر اسلام کے حنین میں داخل ہونے سے پہلے کافروں نے اپنے تین جاسوس روانہ کیے، تا کہ وہ مسلمانوں کی تعداد اور ان کی قوت و طاقت نیز جنگی ساز و سامان کا اندازہ لگا کر اپنے لشکر کو خبر کریں، واپس آ کر انہوں نے لرزتے اور کانپتے ہوئے بتایا، کہ جب ہم مسلمانوں کی لشکر گاہ میں پہنچے تو وہاں ہم نے سفید رنگ کے لوگ ابلق گھوڑوں پر دیکھے جن کے چہرے ایک خاص قسم کے نور سے چمک رہے تھے، ان کو دیکھتے ہی ہم پر لرزہ طاری ہو گیا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ ہم میں جان ہی نہیں ہے، بخدا! ہمیں ایسا لگتا تھا کہ ہم اہل زمین کا مقابلہ کرنے نہیں بلکہ آسمانی مخلوق کا مقابلہ کرنے نکل پڑے ہیں، ہماری رائے ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو ہم اپنے گھروں کو لوٹ چلیں، لشکر کفار کے سردار مالک بن عوف نے ان کو ڈانٹا اور ایک مکان میں بند کرنے کا حکم دیا، تا کہ یہ لشکر کو حقیقت حال سے آگاہ نہ کر سکیں، مالک معاملہ کی تہ تک پہنچ چکا تھا، اسے بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی مدد کے لئے حسب سابق آسمانی مخلوق اتر چکی ہے، لیکن وہ کفر کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، لہٰذا جنگ سے باز نہ آیا۔

لشکر اسلام کی ابتدائی ہزیمت

آپ پڑھ چکے ہیں کہ اس غزوے میں شریک مسلمانوں کو اپنی افرادی قوت اور کثرت پر ناز تھا۔ جس کے سبب انہوں نے فتح و کامرانی کو اپنا حق سمجھ لیا تھا، وہ کچھ دیر کے لئے یہ بھول گئے تھے کہ مسلمان اللہ کا سپاہی ہوتا ہے۔ اللہ ہی کی نصرت اس کی کامیابی کا ذریعہ ہوتی ہے، جنگی ساز و سامان، اہل ایمان کی فتح کا کبھی ذریعہ نہ رہا اور نہ ہی ہو سکتا ہے، پس جب بھی مسلمانوں کو اپنے مادی وسائل پر ناز ہوا، اللہ تعالیٰ نے بطور تنبیہ انہیں وقتی و عارضی شکست سے دوچار کیا، لیکن جوں ہی ان کے آقا ﷺ نے انہیں باخبر کیا اور پکارا تو انہیں ہوش آیا پس وہ پلٹے اور انہوں نے اپنی معمولی غلطی کا پورا پورا کفارہ ادا کیا، اللہ نے ان کی توبہ قبول کی، ان کی مدد فرمائی اور کامیابی و کامرانی ان کے قدم بوس ہوئی، ماضی میں بھی ایسا ہوا اور آج غزوۂ حنین میں بھی ایسا ہی نظر آیا، کہ کافروں کے بھرپور حملہ، تلواروں کی بوچھاڑ اور تیروں کی برسات نے اللہ کے سپاہیوں کو پیٹھ دکھانے پر مجبور کر دیا، وہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے آقا جان عالم ﷺ سے غافل اپنی جان بچانے کے لئے دوڑے جا رہے تھے، لیکن جان عالم ﷺ اپنے غلاموں سے کبھی لمحہ بھر کے لئے بھی غافل نہیں ہوئے، آپ تنہا صرف چند سپاہیوں کے ساتھ میدان میں کھڑے، اسلام کی حفاظت کے لئے، مسلمانوں کی عزت و آبرو کی حفاظت کے لئے دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ، جنگ حنین کے دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھا، بہت سے لوگ بھاگ گئے میں ان اسی سپاہیوں میں سے ایک تھا جو آپ کے ساتھ ثابت قدم رہے، کہ وحی نازل ہوئی:

ثُمَّ أَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ (توبہ:26)

”پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں پر سکینت نازل فرمائی“۔

حضرت ابوسفیان بن حارث کے لئے اعزاز

حضرت ابوسفیان بتاتے ہیں کہ جنگ کے دوران میں نے گھوڑے سے چھلانگ لگا دی اور میرے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی میں اپنے آقا ﷺ پر اپنی جان نثار کر دینا چاہتا تھا، آقا ﷺ نے مجھے محبت بھری نظر سے دیکھا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! یہ ابوسفیان آپ کے چچازاد بھائی ہیں، اے اللہ کے حبیب! اس پر کرم فرمائیے، اس سے راضی ہو جائیے، آپ نے فرمایا ”غَفَرَ اللّٰهُ لَهُ كُلَّ عَدَاوَةٍ عَادَانِيهَا“ اللہ اس کی وہ دشمنی معاف کرے جو آج سے پہلے اس کو مجھ سے تھی، ابوسفیان

کہتے ہیں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا "یا اخی" اے میرے بھائی، آقا ﷺ کی زبان مبارک سے میں نے جب "یا اخی" سنا تو میں تڑپ اٹھا "فَقَبَّلْتُ رِجْلَهٗ فِي الرِّكَابِ" اور میں نے آپ کے قدم مبارک چوم لیے جو رکاب میں تھے، پھر مخبر صادق ﷺ نے مجھے مژدہ دیتے ہوئے فرمایا: "اَبُوْسُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ مِنْ شَبَابِ اَهْلِ الْجَنَّةِ" ابوسفیان بن حارث اہل جنت کے جوانوں میں سے ہے، یہ سنا اور ابوسفیان نے دشمن پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے۔

غلاموں کی واپسی

بہادروں کے سردار آقائے رحمت ﷺ جرأت و شجاعت کا مظاہرہ کرتے، بلا خوف وخطر، دشمن کی صفوں کو چیرتے آگے بڑھ رہے تھے کہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباس کو دیکھا، تو فرمایا، یاعم! اپنی بلند آواز سے اعلان فرمایئے "يَا مَعْشَرَ الْاَنْصَارِ يَا اَصْحَابَ السَّمُرَةِ يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا تَحْتَ الشَّجَرَةِ وَيَا لَلْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اٰوَوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اے گروہ انصار! اے بیری کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو! اے مہاجرین! جنہوں نے درخت کے نیچے جان دینے کی بیعت کی تھی، اے انصار! جنہوں نے اللہ کے رسول ﷺ کو پناہ دی تھی" حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بعینہ یہی جملے دہرائے، آپ کی آواز سنتے ہی پروانے، شمع کا رخ کرنے لگے، انھوں نے اپنی سواریوں کو پلٹانا شروع کیا، جن لوگوں کی سواریاں کثرت اژدہام کے سبب نہ مڑ سکیں وہ انہیں چھوڑ کر، آقا کی طرف دوڑنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے غلام اپنے آقا ﷺ کے گرد جمع ہو گئے، جن کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تلواریں تھیں، آقا ﷺ کا حکم ملتے ہی وہ دشمن پر ٹوٹ پڑے، تلواروں اور نیزروں سے ان کو گھائل اور زخمی کرنے لگے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جانباز مجاہدین کی جب یہ کیفیت ملاحظہ فرمائی تو ارشاد ہوا "اَلْاٰنَ حَمِيَ الْوَطِيْسُ" اب لڑائی کا تنور بھڑک اٹھا۔

تھوڑی ہی دیر میں کفار کی ہمت جواب دے گئی، ان کے پیر اکھڑ گئے اور وہ بھاگنے لگے، مسلمان ان کا تعاقب کرتے رہے، گاجر مولی کی طرح ان کو کاٹتے رہے، جو ہاتھ آیا اسے جنگی قیدی بنالیا، دشمن کے عزائم پسپا ہو گئے، ذلت وخواری اور ناکامی ونامرادی ان کا مقدر بننے لگی، دوران جنگ ستر مشرک قتل کیے گئے جب کہ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کرتے ہوئے تین سو سے زیادہ ہلاک کیے، اور چھ ہزار سے زیادہ کو قیدی بنایا، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی بطور غنیمت حاصل ہوئی، جب کہ مسلمان صرف چار شہید ہوئے، یہ بات نہایت ہی قابل غور ہے کہ:

"میدان جنگ میں آقائے رحمت پیغمبر امن ﷺ نے ایک عورت کی لاش پڑی دیکھی، تو بے دردگی کا اظہار فرمایا، اور خالد بن ولید کو ہدایت فرمائی کہ آئندہ کسی حال میں بھی عورتوں یا بچوں کو قتل

نہ کیا جائے''۔

اوطاس پر حملہ

شکست خوردہ کفار نے طائف، اوطاس اور نخلہ کی وادیوں اور قلعوں میں پناہ لی، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی سرکوبی کا بھی فیصلہ فرمایا، تاکہ یہ دوبارہ منظم ہوکر مسلمانوں کے خلاف سازش نہ کر سکیں، آپ نے حضرت ابو عامر اشعری کی قیادت میں فوج کا ایک دستہ اوطاس کی طرف روانہ فرمایا، جب کہ درید بن الصمہ کئی ہزار کا لشکر لے کر مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے آپہنچا، درید کے بیٹے نے حضرت ابو عامر پر تیر سے وار کیا جو آپ کی ران پر پیوست ہوگیا اور جان لیوا ثابت ہوا، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے قاتل کا پیچھا کیا اور معمولی مقابلہ کے بعد اس کا کام تمام کردیا۔

حضرت ابو عامر نے آخری سانسیں لیتے ہوئے اپنے بھتیجے ابو موسیٰ اشعری کو فوج کا سالار مقرر کیا اور علم اسلام ان کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ تم آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر میرا اسلام عرض کرنا اور دعا کی درخواست پیش کرنا، جنگ سے فارغ ہوکر ابو موسیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چچا کا سلام و پیغام پیش کیا، حضرت ابو موسیٰ بتاتے ہیں کہ اس وقت آقا ﷺ چارپائی پر آرام فرماتے آپ بیٹھے تو آپ کے جسم اطہر پر بان کے نشان تھے، آپ نے پانی منگا کر وضو فرمایا، پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کو اتنا بلند کیا کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی نظر آنے لگی، پھر دعا کی ''یا اللہ! ابو عامر کو قیامت کے دن دوسرے لوگوں سے زیادہ بلند مرتبہ عطا فرما'' میں نے آقا ﷺ کا یہ کرم دیکھا تو اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کی، آپ نے میرے لئے رب کریم کے دربار میں اس طرح دعا کی، ''یا اللہ! عبداللہ بن قیس کو بخش دے اور اس کو قیامت کے دن عزت والی جگہ نصیب فرما'' (عبداللہ بن قیس، ابو موسیٰ اشعری کا نام ہے)۔

بہر حال اوطاس کے معرکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے مجاہدین اسلام کو غلبہ عطا فرمایا، جب کہ مشرکین پسپا اور ذلیل ہوئے ان کے ہزاروں سپاہی گرفتار کرلئے گئے، قیدیوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رضاعی بہن، حضرت حلیمہ سعدیہ کی صاحبزادی ''شیماء'' بھی شامل تھیں، جب انہیں آپ کے دربار میں پیش کیا گیا تو انہوں نے خود اپنا تعارف کرایا، اور کہا میں آپ کی بہن ''شیماء'' ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں پہچانا اپنی چادر بچھا کر انہیں بٹھایا، فرط محبت سے آپ کی آنکھیں نم ہوگئیں، آپ کے چہرۂ انور پر خوشی کے آثار نمایاں تھے، آپ نے کچھ اونٹ اور بکریاں دے کر فرمایا، بہن تم آزاد ہو، اگر چاہو تو میرے ساتھ رہو، اور اگر اپنے گھر جانا چاہو تو جاسکتی ہو، انہوں نے اپنے گھر جانا چاہا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں نہایت عزت واحترام کے ساتھ ان کے قبیلہ میں پہنچا

کی ہدایت فرمائی۔

طائف کا محاصرہ

وہی مقام ہے جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، مکی دور میں تبلیغ اسلام کے لئے تشریف لے گئے لیکن اہل طائف نے آقائے رحمت ﷺ پر پتھر برسائے اور آپ کا خون بہایا، لیکن پھر بھی آپ نے ان ظالموں کی ہدایت کی دعا مانگی، یہ شہر قلعہ نما تھا، کہ اس کے اردگرد اونچی اور مضبوط دیوار بنائی گئی تھی، جس میں مضبوط دروازے تھے، طائف کے بھگوڑوں نے جب دیکھا کہ لشکر اسلام ان کے قریب پہنچنے والا ہے، تو انہوں نے دروازے بند کر لئے اور اندر محصور ہو گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب ان کی جنگی تیاریوں کا علم ہوا تو آپ نے حضرت خالد کی قیادت میں ایک ہزار افراد پر مشتمل فوجی دستہ طائف کی طرف روانہ فرمایا، حضرت خالد کی فوج طائف کی دیوار سے متصل خیمہ زن ہو گئی، حضرت خالد نے دیکھا کہ قبیلہ ثقیف کے نوجوان مسلح ہو کر شہر کی دیوار پر کھڑے ہیں، آپ نے باآواز بلند ان سے کہا کہ تم میں سے کچھ میرے پاس آئیں تاکہ ہم باہمی مذاکرات سے معاملات طے کرنے کی کوشش کریں لیکن وہ نہ مانے، بلکہ کہنے لگے آج ہم تمہیں بتائیں گے کہ جنگجو کیسے ہوتے ہیں، اب تک تمہیں ماہرین جنگ سے واسطہ ہی نہیں پڑا، حضرت خالد نے جواباً کہا، کیا تم نہیں جانتے کہ میرے آقا ﷺ نے خیبر میں یہود کے قلعوں کو پاش پاش کر ڈالا، اہل فدک کی طرف، آپ نے صرف ایک مجاہد بھیجا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے، تم ڈرو اس انجام سے جو بنی قریظہ کا مقدر بنا، نیز دیکھو آج مکہ پر کس طرح اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے، سوچو، اوطاس میں ہوازن کو کس نے پسپا کیا ہے اب مسلمانوں کے سامنے تمہاری کیا حیثیت ہے، جب کہ تم ہمارے ہی خوف سے ایک قلعہ میں محصور ہو گئے ہو، اگر میرے آقا ﷺ نے تم پر حملہ نہ بھی کیا تو اہل عرب ہی تمہاری تکہ بوٹی کر دیں گے، کہ وہ سب مسلمان ہو چکے ہیں اور اسلام کے خلاف کسی سازش کو پنپتا نہیں دیکھ سکتے۔

حضرت خالد کے طائف پہنچنے کے چند دن بعد آقائے رحمت ﷺ بھی اپنے غلاموں کے جھرمٹ میں یہاں تشریف لے آئے، قلعہ کے قریب ہی خیمے لگا دیئے گئے، قلعہ کی دیوار پر کھڑے بنو ثقیف کے تیراندازوں نے بے پناہ تیر برسانے شروع کر دیئے، جس سے لشکر اسلام کے متعدد سپاہی زخمی ہوئے جب کہ بارہ افراد شہید بھی ہو گئے، اس صورت حال کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہاں سے خیمہ اکھاڑ کر ایسی جگہ نصب کرنے کا حکم دیا جو تیروں کی زد میں نہ آسکے، یہی وہ جگہ ہے جہاں قبیلہ بنو ثقیف نے مشرف باسلام ہونے کے بعد مسجد تعمیر کی، جس کے بانی امیہ بن عامر تھے، روایت ہے کہ اس مسجد میں ایک ستون تھا جس سے طلوع آفتاب کے وقت ایک آواز آتی تھی، جسے سن

کر لوگ کہا کرتے تھے کہ یہ اللہ کی تسبیح کر رہا ہے۔

حضرت خالد نے کئی مرتبہ دشمن کو للکارا اور قلعہ سے باہر نکل کر مقابلہ کی دعوت دی، لیکن ان میں ہمت نہ تھی کہ وہ میدان میں آ کر بہادروں کی طرح جنگ کرتے، جانبین سے صرف تیروں کا تبادلہ ہو رہا تھا جس سے دن بدن مسلمانوں کا نقصان بڑھتا ہی جا رہا تھا، جس کے پیش نظر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ سے مشورہ کیا، اس موقع پر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے رائے پیش کی کہ قلعہ کی دیوار کو پاش پاش کرنے کے لئے منجنیق استعمال کی جائے جیسے ایران کے جنگجو کرتے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت سلمان ہی کو منجنیق بنانے کا حکم دیا، انہوں نے تعمیل حکم کی" تاریخ اسلام میں یہ پہلی منجنیق تھی جو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے بنائی" منجنیق سے قلعہ کی دیوار پر سنگ باری کی گئی لیکن دیوار اس قدر مضبوط تھی کہ کوئی شگاف نہ پڑا۔

اب محاصرے کو تقریباً دو ہفتے گزر چکے تھے اسی دوران حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نوفل بن معاویہ دئلی سے مشورہ کیا، انہوں نے عرض کیا کہ "لومڑی بھٹ میں ہے، اگر آپ کوشش جاری رکھیں تو پکڑی جائے گی، اور اگر اس کو چھوڑ دیا جائے تو اس میں ہمیں نقصان پہنچانے کی ہمت نہیں" پس آقائے رحمت ﷺ نے محاصرہ اٹھا لینے اور کوچ کرنے کا اعلان فرما دیا، جب لشکر اسلام واپس ہونے لگا، تو بعض غلاموں نے آقا سے بنوثقیف کے لئے بددعا کرنے کی درخواست کی، آپ نے دست دعا دراز فرمائے اور رب کریم کے دربار میں عرض گزار ہوئے "اَللّٰهُمَّ اهْدِ ثَقِيْفًا وَائْتِ بِهِمْ" یا اللہ! بنوثقیف کو ہدایت عطا فرما اور انہیں مسلمان بنا دے، اللہ رب العزۃ نے اپنے مستجاب الدعوات محبوب کی دعا قبول فرمائی، اور کچھ عرصہ بعد ہی بنوثقیف مدینہ منورہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے، جو قلعہ وقتی طور پر ہزاروں سپاہیوں سے فتح نہ ہوا تھا وہ دعائے رسول سے فتح ہو گیا۔

محاصرہ کیوں ختم کیا گیا

یہ خیال بڑے ہی فساد کا باعث ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طائف کا محاصرہ ختم کرنے کا اعلان، العیاذ باللہ، کسی خطرے یا ناکامی کے ڈر کی وجہ سے کیا تھا، آپ دشمن کی قوت و طاقت کا اندازہ کر لینے کے بعد مقابلہ سے راہ فرار اختیار کرنا چاہتے تھے، واللہ ایسا ہرگز ہرگز نہ تھا کہ اللہ کے نبی پر نہ تو دشمن کا خوف طاری ہوتا ہے، نہ ہی وہ کسی خطرے کے سبب راہ فرار اختیار کرتا ہے، بلکہ خطرات کا مقابلہ اور دشمن کا خاتمہ تو نبی کی ذمہ داریوں میں ایک اہم ذمہ داری ہے، درحقیقت اس اہم فیصلہ کی درج ذیل وجوہ تھیں، جنہیں مؤرخین و محدثین نے بیان فرمایا ہے:

طائف کا قلعہ بہت مضبوط تھا، جس کی دیوار میں منجنیق سے سنگباری کا کوئی اثر نہ ہوا، مزید برآں بنو

ثقیف کے پاس سامان خورد ونوش کا اتنا بڑا ذخیرہ موجود تھا، کہ وہ کسی رسد کے بغیر اپنا محاصرہ برداشت کر سکتے تھے اور انہوں نے اپنے اس عزم کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

طائف، جنگی اعتبار سے نہایت ہی اہم تھا کہ کسی وقت بھی اسلام دشمن عناصر اس قلعہ نما شہر میں جمع ہو کر مسلمانوں کے خلاف سازش کر سکتے تھے، لیکن معرکۂ اوطاس میں شکست وذلت کے بعد مسلمانوں کے اخلاق وکردار سے متاثر ہو کر، قبیلہ ہوازن مسلمان ہو چکا تھا، اسی دوران بنوثقیف کے بعد کافی لوگ اسلام قبول کر چکے تھے، یہاں تک کہ ان کا سردار مالک بن عوف بھی مشرف باسلام ہو چکا تھا، ان حالات میں طائف کی سابقہ دفاعی اہمیت بھی تبدیل ہو چکی تھی اور اس کو فتح کرنے کے لئے کسی بڑے خطرہ کا سامنا کرنا ضروری نہ تھا۔

شوال کا مہینہ قریب الختم تھا، ذیقعد کا چاند نظر آنے والا تھا، جو اشہر حرم میں سے ایک ہے، جس میں جنگ وجدال اور قتل وقتال شرعاً ممنوع ہے، پس ضروری ہو گیا تھا کہ ذیقعد کے آغاز سے پہلے محاصرہ ختم کر کے امن وامان کا اعلان کر دیا جائے۔

مستقبل کا حال جاننے والے آقا ﷺ کو بنوثقیف کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع مل چکی تھی، جس کا اشارہ اس دعا میں نظر آتا ہے جو آپ نے طائف سے روانہ ہوتے ہوئے بنوثقیف کے لئے کی تھی۔

یہ وجوہ تھیں جن کے باعث حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محاصرہ ختم کرنے کا فیصلہ فرمایا، لیکن ہمارے نزدیک اہم ترین بات یہ ہے کہ امیر کی اطاعت ہی لشکر کی کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے، جب کہ میرے آقا ﷺ تو اللہ کے مقرر کردہ امیر اعظم ہیں، جن کے تمام فیصلے اور احکام اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، ان کی زبان درحقیقت ترجمان حق ہے، ان کے کسی فیصلہ کی خلاف ورزی بڑی گمراہی ہے جس پر قرآن شاہد ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝۳۶ (احزاب)

"کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق نہیں، کہ جب اللہ اور اس کے رسول ان کے معاملہ کا فیصلہ فرما دیں تو پھر انہیں کوئی اختیار ہو اس معاملہ میں، اور جو نافرمانی کرتا ہے، اللہ اور اس کے رسول کی، تو وہ کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا"۔

حکم نافذ ہے تیرا خامہ تیرا سیف تیری　　دم میں جو چاہے کرے دور ہے شاہا تیرا

مؤلفۃ القلوب

وہ لوگ جن کے دلوں کو مسلمانوں سے ہمدردی اور اسلام کی طرف مائل کرنے کی غرض سے ان کی امداد کی جائے، یہ تین قسم کے لوگ تھے۔

ایک قبائل کے وہ سردار جن سے اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور غریب مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا خطرہ رہتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے ان کو نوازا تا کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت اور مخالفت سے باز رہیں۔

دوسرا غریب مشرکین کا وہ گروہ جن کی امداد اس لئے کی گئی تا کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں اور مسلمان ہو جائیں۔

تیسرا وہ گروہ جو مسلمان تو ہو گیا تھا لیکن اب تک اسلام پر ان کے دل مطمئن نہ ہوئے تھے، جب ان لوگوں پر آقائے رحمت ﷺ کی داد و دہش کی برسات ہوئی تو یہ راسخ العقیدہ مسلمان ہو گئے، ان کے قلوب نور ایمان سے روشن و منور ہو گئے۔

غلبۂ اسلام کے بعد تالیف قلوب کا باب بند ہو گیا، کہ مد زکوٰۃ، صدقات واجبہ یا بیت المال سے ایسے لوگوں کی کسی طرح امداد نہیں کی جا سکتی ہاں بطور حسن سلوک انفرادی امداد جائز ہے، لیکن اس پر منجانب اللہ کسی ثواب کی امید نہیں کی جا سکتی۔

آقائے رحمت ﷺ نے اخلاقی و مالی ہر اعتبار سے مذکورہ بالا تینوں قسم کے لوگوں کی امداد فرمائی، لیکن یہ مدد کبھی اموال غنیمت سے نہ کی، بلکہ اس ''خمس'' سے کی گئی جو شرعاً آپ کا حصہ ہوتا تھا، کہ اگر آپ مال غنیمت سے اس کی تقسیم سے پہلے کسی کو دیتے، تو اگرچہ آپ کے اس عمل پر کوئی اعتراض نہ کرتا، تاہم یہ آپ کے زہد و تقویٰ کے خلاف ہوتا، پس آپ نے اپنے حصہ یعنی ''خمس'' سے جس کو پایا دیا اور خوب خوب دیا، مثلاً

غزوۂ حنین کے مال غنیمت تقسیم فرمانے کے بعد آپ نے حضرت ابوسفیان کو خطاب فرمایا، اور انہیں چالیس اوقیہ چاندی اور سو اونٹ عطا فرمائے وہ کہنے لگے، یارسول اللہ! لشکر اسلام میں میرے دو بیٹے یزید اور معاویہ بھی شامل تھے، پس آپ نے ہر ایک کو چالیس اوقیہ سونا اور سو اونٹ عطا فرمائے پس ابوسفیان کا قلب نور ایمان سے چمک اٹھا، اور آقا کی محبت سے لبریز ہو گیا، بے اختیار عرض گزار ہوئے، ''یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لَاَنْتَ كَرِيْمٌ فِي الْحَرْبِ وَ فِي السِّلْمِ، بے شک آپ جنگ و صلح دونوں حالتوں میں بہت ہی کریم ہیں، میں نے آپ کے ساتھ جنگ

کی تو آپ کو بہترین شخص پایا ان لوگوں میں جن سے جنگ کی جاتی ہے، پھر میں نے آپ سے مصالحت کی تو آپ بہترین صلح کرنے والے ہیں، هٰذَا غَايَةُ الْكَرَمِ، یہ آپ کا انتہائی جود و کرم ہے، جزاک اللہ خیرا۔

اب آقا کی رحمت حکیم بن حزام کی طرف متوجہ ہوئی، آپ نے انہیں طلب فرمایا، اور سو اونٹ عطا فرمائے، انہوں نے مزید سو اونٹوں کا مطالبہ کیا جو آپ نے عنایت فرما دیئے، حکیم بن حزام نے پھر اتنے ہی اونٹ مانگے جو دے دیئے گئے، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ''اے حکیم! یہ مال بہت سبز اور میٹھا ہے، جو اسے نفس کی سخاوت کے ساتھ حاصل کرتا ہے، اسے بہت برکت دی جاتی ہے، اور جو اسے حرص و لالچ کی وجہ سے لیتا ہے وہ برکت سے محروم رہتا ہے اور کبھی سیر نہیں ہوتا، حکیم! یاد رکھو، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے'' آقا ﷺ کی اس نصیحت کا حکیم بن حزام پر بے حد اثر ہوا انہوں نے صرف سو اونٹ لئے اور باقی دو سو واپس کر دیئے، اور عرض کرنے لگے'' اللہ کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، آج کے بعد میں کبھی آپ سے کوئی مطالبہ نہ کروں گا، اور آپ کے بعد بھی کسی سے کچھ نہ مانگوں گا یہاں تک کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔

حکیم بن حزام نے اپنے آقا ﷺ سے جو وعدہ کیا، اسے ساری زندگی نبھایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب صحابہ کرام میں اموال تقسیم کرتے تو حکیم بن حزام کو بھی عطا فرماتے، لیکن آپ نے کبھی کچھ قبول نہ کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں مال فئی تقسیم فرمایا اور حکیم بن حزام کو ان کا حصہ دینے کے لئے طلب فرمایا، تو وہ نہ آئے، غرضیکہ حکیم بن حزام نے کبھی کسی سے کچھ نہ لیا حتیٰ کہ دنیا سے رخصت ہو گئے، رضی اللہ عنہ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب صفوان بن امیہ کو نوازا، تو وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے'' کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے حنین کے اموال غنیمت سے اتنا دیا کہ'' وَهُوَ اَبْغَضُ الْخَلْقِ اِلَیَّ حَتّٰی مَاخَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا اَحَبَّ اِلَیَّ'' جو ذات میرے نزدیک ساری مخلوق سے زیادہ مبغوض تھی وہ میرے لئے سب سے زیادہ محبوب ہو گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو مجاہدوں عیینہ بن حصین اور اقرع بن حابس کو سو سو اونٹ عطا فرمائے، جب کہ جعیل بن سراقہ الضمری کو کچھ عطا نہ ہوا، کسی نے عرض کی یا رسول اللہ! جعیل تو اصحاب صفہ کے فقراء میں سے ہیں، قدیم الاسلام ہیں، آپ نے ان کو بالکل محروم کر دیا، آپ نے فرمایا'' قسم اس رب کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، میں نے عیینہ اور اقرع کی تالیف قلب کی ہے تا کہ وہ صحیح العقیدہ اور صادق الاسلام ہو جائیں، جب کہ جعیل کے قلب میں اسلام کی محبت گھر کر چکی ہے اور

وہی اس کے لئے کافی ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مہاجرین وانصار میں سے کسی کو حنین کے اموال غنیمت سے کچھ نہ دیا، کہ وہ تو اسلام کے لئے اپنی جانیں اپنے اموال قربان کرتے تھے، ان کے قلوب تو پہلے ہی ایمان کے نور سے منور روشن ہو چکے تھے، وہ تالیف قلوب کے محتاج نہ تھے، کہ اس کی ضرورت تو ان نومسلموں کو تھی، جنہوں نے ابھی شرک اور بت پرستی سے ناطہ توڑا تھا، تاکہ دوبارہ وہ کفر کی طرف مائل نہ ہوں، کوئی لالچ یا دباؤ انہیں گمراہ نہ کر سکے، پس آقائے رحمت ﷺ نے مال و دولت کی اس کثرت سے ان پر بارش برسائی کہ اسلام کی محبت سے ان کے قلوب لبریز ہو گئے، آقا نے انہیں ایسا مستغنی کر دیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے دنیا والوں سے بے نیاز ہو گئے، نیز اسلام کے لئے وہ ہمہ وقت اپنی جان و مال کا نذرانہ پیش کرنے کے لئے آمادہ نظر آنے لگے، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

ہاتھ جس طرف اٹھا غنی کر دیا　　　موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

فتح مکہ کے بعد

غزوۂ حنین و طائف اور مدینہ منورہ تک پہنچنے کے دوران متعدد دلچسپ واقعات پیش آئے، جن سے میرے آقا ﷺ کی عظمت اور غلاموں کی آپ سے محبت اور آپ کی اطاعت کا اظہار ہوتا ہے، ہم یہاں ان کو چھوڑ رہے ہیں تاہم کسی دوسرے موقع پر آپ ان کا مطالعہ کر سکیں گے، اب 8 ہجری کے دیگر چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

چوری کی سزا

جس معاشرے میں جرائم عام ہوں، اس میں امن و امان کے قیام اور عوام کو باعزت پرسکون ماحول فراہم کرنے کے لئے حکومت کی کوئی تدبیر کارآمد نہیں ہو سکتی چونکہ اسلام امن کا علمبردار ہے، عوام کے لئے پرسکون و اطمینان بخش زندگی فراہم کرنے کی ضمانت دیتا ہے، لہٰذا شریعت اسلامیہ نے ایسے احکام و قوانین عطا فرمائے، جو جرائم کے مرض کو روکنے یا ایسے جراثیم کو بروقت ختم کر دینے کے لئے کافی ہیں جن سے جرائم پھیلنے کا معمولی سا بھی خطرہ ہو، بلاشبہ یہ قوانین پوری امت کے لئے رحمت ہیں، اور ہر زمانہ اور ہر مقام کے لئے مؤثر و مفید ہیں۔

چوری کی سزا کا قانون 8 ہجری میں ہی نازل ہوا، فرمایا گیا،

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (المائدہ)

"چوری کرنے والے اور چوری کرنے والی، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو، جو انہوں نے کیا، اس کا بدلہ دینے کے لئے، بطور عبرت ناک سزا کے اللہ کی طرف سے، اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے"۔

یہ سزا مملکت اسلامیہ کے ہر باشندے کے لئے ہے، چاہے وہ امیر ہو یا غریب، وزیرزادہ ہو یا کبیر زادہ، اس عمومیت ہی کی وضاحت کے لئے معلم شرع ﷺ نے فرمایا "لَوْ سَرَقَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا" اگر (بالفرض والمحال) فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا، قابل غور ہے میرے آقا ﷺ کا یہ عدل وانصاف، جب کہ بحیثیت نبی آپ خود بعض احکام شرع سے مستثنیٰ ہیں اور آپ کو خداداد اختیار حاصل ہے کہ آپ جسے چاہیں جس حکم شرع سے مستثنیٰ قرار دے دیں، جیسا کہ واقعات سے ثابت ہے۔

صاحبزادے کی پیدائش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صاحبزادے حضرت ابراہیم، اسی سال، حضرت ام المومنین ماریہ قبطیہ کے بطن سے پیدا ہوئے، جن سے آپ کو بے پناہ محبت تھی لیکن حکمت باری تعالیٰ کہ ڈیڑھ سال بعد ہی ان کا انتقال ہوا، جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بے حد صدمہ ہوا، اتفاق سے اسی دن سورج گرہن ہوا، زمانہ جاہلیت کے عقیدے کے مطابق لوگوں نے اسے حضرت ابراہیم کی موت کا سبب قرار دیا، اس جاہلانہ عقیدے کی تردید اور اسے لغو قرار دینے کے لئے معلم کامل ﷺ نے خطبہ دیا اور فرمایا، "چاند و سورج کسی کی موت کے سبب گرہن نہیں ہوتے، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس کرشمۂ قدرت سے اپنے بندوں کو خوف دلاتا ہے، پھر آپ نے نماز کسوف باجماعت ادا فرمائی،

حضرت زینب کی وفات

اسی سال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا، یہ حضرت ابوالعاص بن ربیع کی زوجہ مکرمہ تھیں، آقا ﷺ کو ان کی وفات پر بے حد صدمہ پہنچا، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

غلہ کی گرانی

اسی سال مدینہ منورہ میں غلہ بہت گراں ہو گیا جس کے سبب بازار میں غلہ کی کمی بھی ہو گئی، چند صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! غلہ بہت مہنگا ہو گیا ہے، آپ بھاؤ مقرر فرما دیں تا کہ مزید گرانی نہ ہونے پائے، آپ نے اس تجویز کو مسترد کرتے ہوئے

فرمایا، ''اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمُسَعِرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ'' اللہ ہی بھاؤ مقرر فرمانے والا ہے، وہی روزی کو تنگ کرنے والا ہے کشادہ کرنے والا ہے، رزق دینے والا ہے۔

مسجد نبوی میں منبر

بعض مؤرخین کی روایت کے مطابق اسی سال پہلی مرتبہ مسجد نبوی شریف میں منبر رکھا گیا، یہ منبر لکڑی کا تھا جو ایک صحابیہ نے مسجد کے لئے عطیہ کیا تھا، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس منبر کو شام لے جانا چاہا، جب اسے اٹھایا گیا تو اچانک پورے شہر میں اس قدر اندھیرا چھا گیا کہ دن میں تارے نظر آنے لگے، حضرت امیر معاویہ کو اپنے غلط فیصلہ پر ندامت ہوئی اور وہاں موجود صحابہ سے آپ نے معذرت کی، آپ نے اس کے نیچے تین سیڑھیاں مزید بنوا کر اونچا کر دیا، تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفاء راشدین کے مقام پر کھڑے ہو کر کوئی دوسرا خطبہ نہ دے، جب یہ منبر کافی پرانا اور بوسیدہ ہو گیا تو خلفاء عباسیہ نے اس کی مرمت کرائی، جس کے بعد حسب ضرورت اس کی مرمت یا تزئین و آرائش کام جاری ہے، اور اب یہ ایک حسین ترین منبر ہے۔

وفد عبد القیس

قبیلہ عبد القیس کا وفد بھی اسی سال حاضر بارگاہ ہوا، یہ لوگ جب اپنے آقا ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے تو احتراماً اپنی سواریوں سے اتر پڑے اور فرط عقیدت سے آپ کے قدمہائے مبارک کو بوسے دینے لگے، اللہ کے رسول ﷺ نے ان لوگوں کو اس عمل سے منع نہ فرمایا، بلکہ ان سے محبت و الفت کا اظہار کرتے ہوئے ان کے لئے دعا کی ''اے اللہ! عبد القیس کی بخشش و مغفرت فرمادے)۔

اللہ کے رسول ﷺ کے اس عمل سے واضح ہے، کہ بزرگوں سے اظہار عقیدت و محبت جائز ہے، نیز علماء، مشائخ، بالخصوص والدین کی دست بوسی یا قدم بوسی میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ مظاہرۂ احترام کے سوا کچھ نہیں، اس عمل خیر کو ناجائز یا شرک قرار دینا بلا ثبوت ہے، جہالت ہے۔

بحمد اللہ 8 ہجری کے واقعات اختتام پذیر ہوتے ہیں، جن کو اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے پیش کیا گیا اس سال کے اہم واقعات، فتح مکہ اور غزوۂ حنین وطائف ہیں، جن کے بعد اسلام کا نور دنیا کے ہر اس گوشہ تک پہنچا جہاں کوئی آبادی تھی، علم اسلام ہمیشہ کے لئے بلند ہو گیا، شمع اسلام ہمیشہ کے لئے محفوظ ہو گئی، کہ آج تک تند و تیز ہواؤں کے طوفان نہ اس کے نور کو مدہم کر سکے اور نہ قیامت تک ایسا ممکن ہو گا۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (توبہ)

"وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھا دینا چاہتے ہیں، اور اللہ انکار فرماتا ہے، مگر یہ کہ وہ کمال تک پہنچادے اپنے نور کو اگر چہ کافر اس کو ناپسند کریں"۔

بحمد اللہ، اسلام محفوظ ہے، قرآن محفوظ ہے، دین محفوظ ہے، لیکن مسلمان کمزور ہیں، ہم کمزور ہیں، غیروں اور دشمنوں نے ہمیں کمزور نہیں کیا ہم اپنی ہی حرکتوں، فرقہ بندی، انتشار وافتراق سے کمزور ہوئے ہیں، پس اب،

زمانہ منتظر ہے اب نئی شیرازہ بندی کا　　　　بہت کچھ ہو چکی اجزائے ہستی کی پریشانی

ہجرت کا نواں سال

نو ہجری اس سال کم وبیش آٹھ سرایا وقوع پذیر ہوئے، علاوہ ازیں غزوۂ تبوک بھی اس سال کے اہم ترین واقعات میں سے ایک ہے، نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں متعدد وفود کی حاضری مسجد ضرار کا انہدام، لعان کا واقعہ، قبیلہ ثقیف کا مشرف باسلام ہونا، نجاشی شاہِ حبشہ کی وفات، رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی ہلاکت، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں حجاج کرام کے پہلے قافلہ کی روانگی بھی قابل ذکر واقعات ہیں۔

اس سال میں وقوع پذیر، سرایا سے متعلق یہ بات جان لینا ضروری ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، ان سرایا میں سے اکثر میں، صرف نومسلموں کو روانہ فرمایا، تاکہ آپ کے اعتماد سے ان کی ہمت افزائی ہو، ان کا ایمان مضبوط ہو، ان علاقوں کی بود و باش اور جغرافیائی حالات سے انہیں واقفیت حاصل ہو، نیز انہیں بحیثیت مسلمان مجاہدین جہاد کرنے کا سلیقہ آئے اور ان کے دل، السابقون الاولون، کی طرح شوق شہادت سے لبریز ہو جائیں، جو اسلام اور مسلمانوں کی عزت وعظمت کی بقا کے لئے جزو ایمان ہے، کیونکہ

شہادت کا لہو جن کے رخوں کا بن گیا غازہ　　کھلا تھا ان کی خاطر دائمی جنت کا دروازہ
شہادت آخرت منزل ہے انسانی سعادت کی　　وہ خوش قسمت ہیں جنہیں مل جائے دولت شہادت کی

شہادت پا کے ہستی زندۂ جاوید ہوتی ہے — یہ رنگین شام صبح عید کی تمہید ہوتی ہے
شہید اس دار فانی میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں — زمین پر چاند تاروں کی طرح تابندہ رہتے ہیں
اسی رنگت کو ہے ترجیح اس دنیا کی زینت پر — خدا رحمت کرے ان عاشقان پاک طینت پر

سریہ عیینہ بن حصین

محرم 9 ہجری، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بشر بن سفیان الکعبی کو بنو کعب کے پاس زکوٰۃ و صدقات کی وصولی کے لئے روانہ فرمایا بنو کعب کے پڑوس میں ہی قبیلہ بنو تمیم بھی آباد تھا، حضرت بشر نے بنو کعب کو آقا ﷺ کا پیغام دیا، تو انہوں نے برضاء ورغبت، اونٹ، بھیڑ، بکریاں اور دیگر اموال بکثرت بمعہ صدقہ وزکوٰۃ حضرت بشر کے سپرد کر دیا، بنو تمیم طبعاً نہایت خسیس تھے، کثیر مال دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا، انہوں نے بنو کعب سے کہا کہ ہم اپنی بستی کی اتنی دولت ہرگز مدینہ نہیں جانے دیں گے، بنو کعب نے انہیں سمجھایا اور ہر چند کہا کہ یہ دولت ہماری ہے ہمیں اختیار ہے جسے چاہیں دیں، یہ ہماری خوش نصیبی ہوگی کہ اللہ کے رسول ﷺ کے دربار میں ہمارا یہ عطیہ مقبول ومنظور ہو جائے لیکن بنو تمیم اپنی ضد پر اڑے رہے، انہوں نے ایک نہ سنی، حتیٰ کہ تلوار تان کر آمادہ جنگ ہو گئے، حضرت بشر نے یہ خطرناک صورت حال دیکھی تو واپس مدینہ طیبہ پہنچے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں صورت حال بیان کی، آپ نے پچاس مجاہدین کی ایک ٹولی، حضرت بشر کی قیادت میں بنو تمیم کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمائی، جب اس مختصر لشکر کو بنو تمیم نے اپنی طرف آتے دیکھا تو ان کے ہوش اڑ گئے، اپنے گھر بار اور مال ومتاع سب کچھ چھوڑ کر بھاگے، مسلمانوں نے ان کے گیارہ مرد اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لئے اور انہیں مدینہ منورہ لے آئے، چند دن بعد بنو تمیم کے سردار اپنے قیدیوں کو چھڑانے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، لیکن ان کے دماغ اب تک درست نہ ہوئے تھے، انہیں اپنی فصاحت وبلاغت پر بڑا گھمنڈ تھا، وہ کاشانہ مقدس پر حاضر ہوئے اور نہایت گستاخانہ انداز میں اللہ کے رسول ﷺ کو پکار کر کہنے لگے، اے محمد (ﷺ) باہر آؤ، ہم تم سے فخر ومباہات اور شاعری وخطابت میں مقابلہ کرنا چاہتے ہیں "فَاِنَّ مَدْحَنَا زَیْنٌ وَذَمَّنَا شَیْنٌ" کیونکہ ہم جس کی تعریف کرتے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے مزین وآراستہ ہو جاتا ہے، اور ہم جس کی ہجو کرتے ہیں، اسے ذلیل ورسوا کر دیتے ہیں، اس گستاخی سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کرنا آپ کے رب کریم کو پسند نہ آیا، پس وحی الٰہی نازل ہوئی:

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝

''بے شک جولوگ آپ کو حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے وقوف ہیں، اگر وہ آپ کے باہر تشریف لانے کا انتظار کرتے، تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔(الحجرات)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام باہر تشریف لائے، چونکہ نماز ظہر کا وقت ہو چکا تھا لہذا آپ نے نماز ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہو کر آپ مسجد کے صحن میں رونق افروز ہوئے، اور بنو تمیم کے وفد سے ان کی آمد کا مقصد دریافت فرمایا، لیکن احمقوں نے فن خطابت وشاعری میں اپنے کمالات کی باتیں اور ان پر اظہار فخر شروع کر دیا، آقائے رحمت ﷺ ان کی لایعنی گفتگو نہایت تحمل سے سماعت فرماتے رہے جب کہ وہ اصرار کرتے رہے کہ خطابت وشاعری میں ہمارا مقابلہ کیا جائے، بالآخر سرکار نے فرمایا، کہ تم اپنے کسی خطیب یا شاعر کو مظاہرۂ فن کے لئے پیش کرو، انہوں نے بڑے فخر کے ساتھ اقرع بن حابس اور عطارد بن حابس کو حکم دیا کہ تم اپنی قوم کے فضائل ومناقب بیان کرو، جب وہ دونوں اپنی گفتگو ختم کر چکے، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو کھڑا ہونے کا حکم دیا، حضرت ثابت کا خطاب اور ان کے اشعار سن کر بنو تمیم کا پسینہ بہنے لگا، خصوصاً ان کا شاعر، حضرت ثابت کی شاعری سے اس قدر متاثر ہوا کہ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گیا، اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا، اب بنو تمیم نے ندامت وشرمندگی کے ساتھ اپنے اعزاء واقارب کی رہائی کی درخواست پیش کی جو قبول ہوئی، اور آقائے رحمت ﷺ نے رحم وکرم فرمایا، تمام قیدیوں کو فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا۔

سریہ ولید بن عقبہ

9 ہجری، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ولید بن عقبہ کو بنی مصطلق کے ایک خاندان سے واجبات شرعیہ وصول کرنے کے لئے بھیجا، ولید اور بنی مصطلق کے درمیان دیرینہ عداوت تھی جب بنی مصطلق کو ولید کی آمد کی اطلاع ملی، تو انہوں نے مطلوبہ صدقات ولید کو دینے کے لئے آدمی کو پہلے ہی بھیج دیا، ولید نے جب دیکھا کہ بنی مصطلق کا ایک شخص اس کی طرف چلا آرہا ہے، تو انہیں خیال ہوا کہ یہ مجھے قتل کرنے آرہا ہے لہذا ولید واپس مدینہ منورہ چلے گئے اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اپنی واپسی کی وجہ بیان کی اور معذرت پیش کی، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت خالد بن ولید کو روانہ فرمایا اور ہدایت کی کہ اگر تمہیں بنو مصطلق کے مسلمان ہونے کا کوئی ثبوت مل جائے تو تم ان کے صدقات وصول کر کے واپس آجانا ورنہ ان کا مقابلہ کرنا اور ان سے وہی سلوک کرنا جو کفار ومشرکین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

حضرت خالد خفیہ طور پر وہاں پہنچے تو مغرب اور عشاء کی اذان سنی تو ان سے صدقات وصول کر کے واپس آگئے، اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حالات بتائے، اس موقع پر

وحی الٰہی نازل ہوئی ارشاد ہوا:

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوٓا اَنْ تُصِيبُوا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِينَ ○ (الحجرات)

''اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ ضرر پہنچاؤ تم کسی قوم کو بے خبری میں پھر تم اپنے کیے پر پچھتانے لگو''۔

سریہ علقمہ بن مجزر

ربیع الثانی 9 ہجری، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ملی کہ حبشہ کے کچھ لوگ جدہ کے سامنے جمع ہو گئے ہیں، معلوم ہوتا ہے وہ اہل جدہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کر رہے ہیں، آپ نے حضرت علقمہ بن مجزر رضی اللہ عنہ کی قیادت میں تین سو مجاہدین کا دستہ حبشیوں کی سرکوبی کے لئے روانہ فرمایا، جب انہیں لشکر اسلام کی آمد کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے خوفزدہ ہو کر سمندر میں چھلانگیں لگا دیں اور ایک جزیرے میں پناہ لی، مجاہدین اسلام نے بھی ان کے تعاقب میں سمندر کو عبور کیا، جب حبشیوں نے مجاہدین کو آتے دیکھا تو جزیرے سے نکل بھاگے، اور جھاڑیوں وغیرہ میں روپوش ہو گئے، حضرت علقمہ نے اپنے سپاہیوں کو واپسی کا حکم دیا، جن میں سے بعض نے دستہ سے نکل کر جلد اپنے گھروں کو پہنچنے کا ارادہ ظاہر کیا، انہیں اجازت دی گئی اور ان کا قائد حضرت عبداللہ بن حذافہ السہمی کو مقرر کیا گیا،

حضرت عبداللہ حذافہ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ شب باشی کے لئے ایک جگہ رکے، رات کو کچھ لوگوں نے سردی سے بچنے کے لئے آگ جلائی حضرت عبداللہ طبعاً ظریف آدمی واقع ہوئے تھے، آپ نے ساتھیوں سے کہا، اٹھو اس آگ میں کود پڑو، ساتھی کھڑے ہو گئے اور قریب تھا کہ وہ اپنے امیر کی اطاعت کر دکھاتے، عبداللہ نے انہیں روکا اور کہا کہ میں نے تو مذاق کیا تھا، جب یہ لوگ اپنے آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے تو انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا معلم شریعت ﷺ نے اس موقع پر ایک عام قانون تعلیم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ''مَنْ اَمَرَكُمْ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا تُطِيعُوهُ'' جو شخص بھی تمہیں معصیت کا حکم دے اس کی اطاعت نہ کرو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سریہ روانہ فرمایا اور اس کا قائد ایک انصاری کو مقرر فرمایا اور مجاہدین کو حکم دیا کہ وہ امیر کی اطاعت کریں، دوران سفر وہ انصاری کسی وجہ سے مجاہدین سے ناراض ہو گئے، اور انہیں غصہ میں حکم دیا، کہ ایندھن جمع کیا جائے تمام مجاہدین نے تعمیل کی اور ایندھن کا ڈھیر لگا دیا، اب حکم ملا کہ آگ جلائی جائے آگ جلا دی گئی تو امیر نے

حکم دیا سب لوگ آگ میں کود پڑیں، سب لوگ حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے اور بولے ''ہمارے آقا ﷺ تو سراپا رحمت ہیں، ہم نے ان کے دامن رحمت میں جہنم کی آگ سے بچنے کے لئے پناہ لی وہ کب گوارا کر سکتے ہیں کہ ہم دنیا ہی میں خودسوزی کریں اور جہنمی ہو جائیں اسی دوران امیر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور آگ بھی ٹھنڈی کر دی گئی۔

مجاہدین کا یہ دستہ جب آقائے رحمت ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، تو انہوں نے یہ دلچسپ واقعہ اپنے آقا کے حضور بیان کیا، آپ نے فرمایا تم میں جو بھی اس آگ میں داخل ہو جاتا پھر کبھی وہ اس سے باہر نہ آ سکتا تھا، نیز آپ نے ایک عام اصول شرع عطا فرمایا، ارشاد ہوا ''لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ'' اللہ تعالیٰ کی معصیت میں کوئی اطاعت نہیں، اطاعت صرف نیک کام میں ہوتی ہے۔

عدی بن حاتم کا قبول اسلام

حاتم طائی کا قبیلہ بنی طے، عرب کے مشہور قبائل میں ایک تھا، حاتم کی فیاضی اور سخاوت نے اس قبیلہ کو چار چاند لگا دیئے تھے، حاتم کی وفات کے بعد اس کا بیٹا عدی اپنی قوم کا سردار مقرر ہوا، عدی نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ خود بیان کیا وہ کہتے ہیں کہ۔

اگرچہ عرب کے کفار و مشرکین حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناپسند کرتے تھے، لیکن میری ناپسندیدگی سب سے زیادہ تھی، کیونکہ مجھے اپنی قوم کی سیاست اور اپنے مذہب عیسائیت پر بڑا فخر تھا، لہٰذا میں نہ تو نئے دین کو قبول کرنے پر آمادہ تھا اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت تھی، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی فتوحات اور مسلمانوں کی کامیابی و کامرانی کی خبریں سن کر خوفزدہ رہتا تھا کہ کہیں آپ میرے علاقہ پر حملہ نہ کر دیں، لہٰذا میں نے اپنے ایک نوکر کو ہدایت کر دی تھی کہ اصطبل میں کچھ چاق و چوبند گھوڑے ہر وقت تیار رہنے چاہئیں، جو لشکر اسلام کے مقابلہ کے لئے تیار رہیں، ایک دن وہ گھبرایا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ لشکر اسلام اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں آ پہنچا ہے، اب کیا حکم ہے اور ہمیں کیا کرنا ہوگا میں نے اس سے گھوڑے منگوائے، بیوی بچوں کو ان پر سوار کیا اور شام کی طرف روانہ ہو گیا لیکن جلدی میں اپنی بہن سفانہ کو وہیں چھوڑ دیا۔

میں شام پہنچا اور وہیں سکونت اختیار کر لی، مسلمان میرے علاقہ پر حملہ آور ہوئے انہوں نے میرے قبیلہ کے بہت سے لوگوں کو قیدی بنا لیا جن میں سفانہ بھی تھی، ان قیدیوں کو مسجد نبوی کے سامنے ایک جھونپڑی میں رکھا گیا اور ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا گیا، ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سفانہ کے قریب سے گزرے وہ بہت فصیح اور چرب زبان تھی، اس نے آپ سے گزارش کی کہ میرا وا

مر چکا ہے میرا کفیل مجھے تنہا چھوڑ کر شام چلا گیا ہے، اب کوئی نہیں جو مجھے سہارا دے آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ پر احسان فرمائے گا، آقا ﷺ نے سفانہ سے پوچھا، تیرا کفیل کون تھا، اس نے بتایا عدی بن حاتم، آپ نے فرمایا وہی عدی جو اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہے، اتنا فرما کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لے گئے دوسرے روز آپ پھر تشریف لائے تو پھر میں نے اپنی عرض پیش کی، لیکن آپ نے پھر وہی جواب دیا، اور تشریف لے گئے، تیسرے روز آپ تشریف لائے لیکن میں خاموش کھڑی رہی، مجھے ایک نوجوان نے اشارہ کیا کہ تم اپنی گزارش پیش کرو، پس میں نے ہمت کی اور اپنی عرضی تیسری مرتبہ پیش کر دی، آقائے رحمت ﷺ نے کرم فرمایا اور مجھے آزادی کا مژدہ دیا، نیز ہدایت فرمائی کہ تم یہاں سے اس وقت تک نہ جانا جب تک تمہیں تمہاری قوم کا کوئی معتبر ساتھی نہ مل جائے، میں چند روز ٹھہری رہی، یہاں تک کہ قبیلہ بلیہ اور قضاعہ کے کچھ لوگ آئے جو شام جا رہے تھے اور یہ بہت اچھے لوگ تھے، میں نے ان کے ساتھ جانے کا فیصلہ کیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئی تا کہ اپنی روانگی کی آپ کو اطلاع دوں، پس اللہ کے رسول ﷺ نے میرا ارادہ سن کر بڑی محبت سے رخصت کیا، آپ نے مجھے نیا جوڑا، سواری کے لئے اونٹ عطا فرمایا اخراجات کے لئے کچھ رقم دی اور میں ان لوگوں کے ہمراہ شام پہنچ گئی۔

عدی کہتے ہیں میں نے اچانک اپنی بہن کو دیکھا تو میں بہت خوش ہوا، لیکن وہ بہت غصہ میں تھی کیونکہ میں اسے تنہا چھوڑ کر اپنے اہل وعیال کو لے کر شام چلا آیا تھا، حالت غصہ میں اس نے مجھے خوب ملامت کی لیکن میں خاموشی سے سنتا رہا، کیونکہ میں واقعی قصوروار تھا، میں نے سفانہ سے معذرت طلب کی، معافی مانگی جب اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا، تو میں نے اس کی خیریت معلوم کی، اور جاننا چاہا کہ دوران قید اس پر کیا بیتی، اس نے مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحم دلی اور ان کے ساتھیوں کی خوش اخلاقی کا تفصیلی حال بتایا، اور کہا جس قدر جلد ممکن ہو، تم ان کی خدمت میں حاضر ہو جاؤ، اگر وہ نبی ہیں تو تم ان پر ایمان لاؤ کہ اسی میں دنیا و آخرت کی عزت اور نجات ہے اور اگر وہ بادشاہ ہیں تو وہ ضرور مردم شناس ہوں گے اور تمہاری خداداد صلاحیتوں کو پہچان کر ضرور تمہیں کوئی اعلیٰ منصب عطا فرمائیں گے، بہر حال تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ تم ان کے حضور حاضر ہو جاؤ۔

سفانہ کا مشورہ نہایت ہی دانش مندانہ تھا لہٰذا میں نے مدینہ منورہ روانگی کا فیصلہ کر لیا، جب میں مدینہ طیبہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ حضور مسجد نبوی میں رونق افروز ہیں، میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا تو آپ کی پہلی ہی جھلک نے میرے قلب پر ایک عجیب اثر کیا، میں آپ کے قریب ہوا، آپ نے پوچھا، کون ہو، میں نے جواب دیا "عدی بن حاتم" آپ بے حد خوش ہوئے، کھڑے ہوئے اپنے

ساتھیوں کو چھوڑا اور مجھے لے کر اپنے کاشانہ اقدس کی طرف چل دیئے، اتنے میں ایک بوڑھی نہایت کمزور عورت آئی، اور عرض کرنے لگی، ذرا ٹھہریں اور میری عرض سنیں آپ اس کے قریب ہوئے اس نے جو کچھ کہا، اسے بڑے غور سے آپ نے سنا، یہ منظر دیکھ کر میرے دل نے گواہی دی کہ "وَاللّٰہِ مَا هٰذَا بِمَلِکٍ" اللہ کی قسم یہ بادشاہ نہیں، اس عورت کی گزارش ختم ہوگئی تو پھر آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے چلنے کا اشارہ فرمایا، جب اپنے حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے، تو آپ نے ایک تکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا" اجلس علی هذا" اس پر بیٹھ جاؤ، میں نے ہر چند منع کیا، لیکن آپ فرماتے رہے "بَلْ اَنْتَ" نہیں تم ہی بیٹھو، مجبوراً مجھے حکم کی تعمیل کرنا پڑی اور میں بیٹھ گیا آپ میرے سامنے زمین پر تشریف فرما ہوئے، پھر میرے دل نے آواز دی "وَاللّٰہِ مَا هٰذَا بِاَمْرِ مَلِکٍ" اللہ کی قسم یہ کسی بادشاہ کا طرز عمل نہیں (کہ بادشاہوں میں تو بڑا ہی غرور و تکبر ہوتا ہے، وہ تو تکلفات اور کروفر کے شکنجے میں جکڑے ہوتے ہیں، ان کے چہرے پر رعونت ہوتی ہے، ان کا چہرہ تو نہایت ذلت آمیز ہوتا ہے، اور یہ تو پیکر خلق ہیں، عجز و انکساری ان کا شیوہ معلوم ہوتا ہے، ان کا چہرہ تو پر انوار و پر کشش ہے "وَاللّٰہِ مَا هٰذَا بِاَمْرِ مَلِکٍ"۔

پھر آپ میری طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا، اے عدی بن حاتم! کیا تم عیسائیوں کے فرقہ "رکوسی" سے تعلق نہیں رکھتے، میں نے عرض کی "جی ایسا ہی ہے" پھر فرمایا کیا تم اپنی قوم سے غنیمت کا چوتھائی حصہ وصول نہیں کرتے، میں نے اعتراف کیا تو آپ نے فرمایا لیکن تمہارے دین میں تو یہ جائز نہیں، میں نے عرض کی، جی ایسا ہی ہے پس آپ کے ان غیبی ارشادات سے مجھے آپ کے رسول برحق ہونے کا یقین ہو گیا، اور یہ کہ آپ سے کوئی چیز مخفی نہیں، آپ دلوں کا حال تک جانتے ہیں، پھر رحمت عالم ﷺ نے فرمایا" عدی! شاید تم اس دین کو اس لئے قبول نہیں کرنا چاہتے کہ مسلمان غریب و نادار ہیں، لیکن یاد رکھو کہ وہ وقت جلدی آنے والا ہے جب میرے غلاموں کے پاس مال و دولت کی اتنی کثرت ہوگی کہ ان میں کوئی لینے والا نہ ہوگا، پھر ارشاد ہوا، شاید تم اس لئے اس دین کو قبول کرنے سے گریز کر رہے ہو کہ مسلمانوں کی تعداد کم ہے، ان کے دشمنوں کی تعداد زیادہ ہے، جن سے وہ خوف زدہ رہتے ہیں، عدی سنو! عنقریب وہ دن آنے والا ہے، کہ ایک عورت قادسیہ سے تنہا مکہ کا سفر کرے گی، اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، نیز آپ نے فرمایا، اے عدی! شاید تم اس لئے حق کو قبول کرنے میں تاخیر کر رہے ہو کہ مسلمان محکوم ہیں، خدا کی قسم! عنقریب وہ دن آنے والا ہے کہ یہ بابل کے قصر ابیض کو فتح کریں گے، اور کسریٰ کی وسیع و عریض مملکت پر اسلام کا پرچم لہرائے گا" پس اللہ کے رسول ﷺ کے ان ارشادات کو سن کر میری آنکھیں کھل گئیں میرا قلب روشن ہو گیا، مجھ پر حق کی حقیقت

واضح ہوگئی اور میں کلمہ پڑھ کر آپ کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔

عدی بن حاتم نے بتایا کہ میرے آقا مخبر صادق ﷺ نے جو تین پیش گوئیاں فرمائیں، ان میں سے دو پوری ہوچکیں اور تیسری بھی پوری ہو کر رہے گی، عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس لشکر میں شرکت کی جس نے قصر ابیض پر علم اسلام لہرایا، اور میں نے اس عورت کو خود دیکھا جو قادسیہ کا سفر بلا خوف و خطر کر کے مکہ پہنچی اور اس نے بیت اللہ کا طواف کیا، (تیسری پیش گوئی بھی پوری ہوئی کہ خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور سے ہی، اس امت کی خوش حالی کا آغاز ہوا، حتیٰ کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المال میں جمع شدہ زکوٰۃ اس کثرت سے موجود رہتی تھی کہ مستحقین کے لئے اعلان کرایا جاتا تھا لیکن کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا، (اور اب تو سب ہی جانتے ہیں کہ مسلمان بحمد اللہ تیل کے کنوؤں اور سونے کی کانوں کے مالک ہیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ عوام غریب ہیں، کیونکہ حکام ظالم اور غاصب ہیں وہ عیش و عشرت میں مست ہیں، خزانے دولت سے بھرے پڑے ہیں لیکن انہیں عوام تک پہنچانے کے لئے ان ظالموں کے پاس منصوبہ بندی کرنے کا وقت تک نہیں، اللہ ایسے حکام سے نجات عطا فرمائے)۔

غزوۂ تبوک

''تبوک'' ایک مقام کا نام ہے جو مدینہ طیبہ اور دمشق کے بالکل وسط میں ہے، یہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کا آخری غزوہ تھا جو رجب 9 ہجری میں واقع ہوا، فتح مکہ اور بنو ثقیف و بنو ہوازن کی سرکوبی کے بعد تقریباً پورا عرب اسلام کے نور سے روشن و منور ہو چکا تھا، اور اب وقت آ گیا تھا کہ اطراف عرب پر کفر و شرک اور شاہی تمکنت و نخوت کے چھائے ہوئے بادلوں کو چھانٹا جائے اور وہاں کے باسیوں کو متکبر و مغرور بادشاہوں کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر، آزادی کی باعزت پر سکون و پر امن زندگی بسر کرنے کا، بنیادی حق دلایا جائے، کہ اسلام پیامبر امن و امان ہے، اہل اسلام دنیا بھر کے انسانوں کو دہشت گردی، غنڈہ گردی اور جبر و ظلم سے نجات دلانے کے ذمہ دار ہیں، اسی مقصد کے حصول کے لئے رحیم و کریم رب نے اہل ایمان کو جہاد کرنے کا حکم دیا ہے، کہ گھٹا ٹوپ تاریکیوں کو چھانٹنے کا واحد ذریعہ جہاد ہی ہے، پس ارشاد باری تعالیٰ ہوا:

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۴۱ (توبہ)

''جہاد کے لئے نکلو ہلکے ہو یا بوجھل، اور جہاد کرو اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں تمہارے لئے یہی بہتر ہے، اگر تم (اپنا نفع و نقصان) جانتے ہو''۔

اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے غلام جو اگرچہ اسلام کے دشمنوں سے مقابلہ کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے اب مزید الرٹ رہنے لگے کہ اس حکم الٰہی کے نزول کے بعد دشمن کی طرف سے ممکنہ اطمینان اور متواتر فتوحات کے سبب پر سکون زندگی بسر کرنے کا خیال ختم ہو گیا، اور مزید جذبۂ جہاد بیدار ہو گیا، اس لئے وہ سپاہی جو اطراف عرب میں جاسوسی کے لئے متعین تھے، اب مزید محنت و مشقت سے اپنا کام کرنے اور دشمن کی معمولی حرکات و سکنات پر بھی نظر رکھنے لگے اور جہاں بھی کوئی خطرہ محسوس کرتے تو فوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بتا دیتے تھے اور آقا ﷺ بلا تاخیر اس کے ازالہ کا انتظام فرماتے تھے۔

حجاز کے مشرق میں ایرانیوں کی وسیع و عریض حکومت تھی، یہ ایرانی مشرک و آتش پرست تھے اور مغرب میں رومی سلطنت تھی، جو اہل کتاب اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار تھے، مشرکین عرب کا

تعلق اپنے ہم عقیدہ ایرانیوں سے رہتا تھا، جب کہ رومیوں سے ان کے عیسائی ہونے کے ناطے اہل اسلام زیادہ قریب تھے، جس سال غزوہ بدر ہوا، تقریباً اسی سال ایرانیوں نے رومیوں پر حملہ کیا، دوران جنگ مشرکین عرب کی ہمدردیاں ایرانیوں کے ساتھ تھیں، جب کہ مسلمان رومیوں کے بہی خواہ تھے، ایرانیوں کو فتح ہوئی اور رومی مغلوب ہوئے، مشرکین عرب نے اپنے ہم مسلک ایرانیوں کی کامیابی پر خوب طبلے بجائے اور اظہار مسرت کیا، معلوم ہوتا تھا یہی جنگ میں کامیاب ہوئے ہیں، جب کہ مسلمانوں کو رومیوں کی ناکامیوں پر بے حد صدمہ ہوا، اللہ نے پیارے حبیب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس کیفیت کو ختم کرنے کے لئے وحی نازل فرمائی، ارشاد فرمایا:

الٓمّٓ ۚ غُلِبَتِ الرُّوۡمُ ۙ فِیۡۤ اَدۡنَی الۡاَرۡضِ وَ ہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ غَلَبِہِمۡ سَیَغۡلِبُوۡنَ ۙ فِیۡ بِضۡعِ سِنِیۡنَ ۬ؕ لِلّٰہِ الۡاَمۡرُ مِنۡ قَبۡلُ وَ مِنۡۢ بَعۡدُ ؕ وَ یَوۡمَئِذٍ یَّفۡرَحُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ۙ بِنَصۡرِ اللّٰہِ ؕ یَنۡصُرُ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الرَّحِیۡمُ ۙ

''رومی، قریبی زمین میں ہرا دیئے گئے ہیں اور وہ ہارے جانے کے بعد ضرور غالب آئیں گے چند برس کے اندر، اللہ ہی کا حکم ہے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اس دن، اہل ایمان خوش ہوں گے اللہ کے مدد سے، اور وہ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے، اور وہی سب پر غالب ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے''۔ (الروم)

غرضیکہ مسلمانوں کی رومیوں سے ہمدردی تھی اور وہ ان کے بہی خواہ تھے، اسی لئے قرآن کریم نے رومیوں کے غلبہ کی خبر کے ساتھ ہی ان کی کامیابی کو اہل ایمان کی مسرت وشادمانی کا ذریعہ قرار دیا، اور اسی لئے مسلمانوں کو اہل روم سے کبھی کوئی خطرہ لاحق نہ ہوا، لیکن ایک غلط خبر، غزوہ تبوک کے واقع ہونے کا باعث بنی، کہ روم کے کچھ تاجر حسب معمول مدینہ منورہ آئے اور انہوں نے افواہ پھیلادی کہ ہرقل قیصر روم نے اپنی بے شمار فوج مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے جمع کر لی ہے، فوجیوں کو پورے سال کی تنخواہ دے دی گئی ہے، ان کے عیش وعشرت کا بکثرت ساز وسامان مہیا کر دیا گیا ہے، انہیں طرح طرح لالچ دیا جارہا ہے تاکہ وہ دلجمعی سے جنگ لڑیں اور میدان جنگ چھوڑ کر فرار ہونے نہ پائیں۔

آقائے رحمت ﷺ نیز صحابہ کرام کو اس افواہ پر بہت حیرت ہوئی کیونکہ ان سے اس قسم کی عداوت ودشمنی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، لیکن اس کی تائید، مسجد ضرار کے واقعہ سے ہوتی تھی جو درج ہے۔

مسجد ضرار

ابو عامر راہب کے اکسانے اور ورغلانے پر منافقوں نے مسجد قباء کے بالمقابل ایک مسجد تعمیر کی، جس کا مقصد مسلمانوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنا تھا، منافق اس مسجد ہی میں بیٹھ کر ابو عامر کی قیادت میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے، ان سے جنگ کرنے کے منصوبے بناتے یا کم از کم انہیں خلفشار میں مبتلا کر دینا چاہتے تھے، ایک مرتبہ ابو عامر نے منافقوں کو بتایا کہ میں ہرقل شاہ روم کی خدمت میں جا رہا ہوں تا کہ اس سے ایک بڑے لشکر کی درخواست کروں، ایسا لشکر جس کے حملہ کی مسلمان تاب نہ لا سکیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب تبوک کے لئے روانہ ہو رہے تھے اس وقت چند منافق آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ ! صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے بیماروں، کمزوروں اور بوڑھوں کے لئے ایک مسجد آبادی سے قریب تر بنائی ہے، آپ کرم فرمائیں، اس مسجد میں ایک نماز ادا فرمائیں تا کہ آپ کی برکت سے یہ مسجد عند اللہ مقبول ہو، آپ نے فرمایا اس وقت میں جہاد کے لئے روانہ ہو رہا ہوں، اتنا وقت نہیں کہ میں تمہاری خواہش پوری کر سکوں، واپسی پر دیکھا جائے گا کہ کیا ہوتا ہے، آپ تبوک سے واپس ہونے لگے تو اسی دوران منافقین کی چال بازی اور مکاری سے متعلق وحی الٰہی نازل ہوئی، جس سے ان کی اسلام دشمنی اور مسلمانوں کے خلاف سازش کا پردہ چاک ہو گیا، بالخصوص منافقین کی تعمیر کردہ مسجد کا مقصد تعمیر بیان کرتے ہوئے، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، اس مسجد میں نماز پڑھنے کی قطعی ممانعت فرمائی، ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَاۤ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝ (توبہ)

"اور وہ لوگ جنہوں نے ایک مسجد مسلمانوں کو نقصان پہنچانے، ان میں انتشار و افتراق اور خلفشار پھیلانے کے لئے بنائی، اور اس لئے کہ جو لوگ پہلے ہی اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کر رہے ہیں، ان کے لئے ایک پناہ گاہ میسر آ جائے، اور قسمیں کھائیں کہ ہم نے تو صرف بھلائی کا ارادہ کیا ہے، اور اللہ گواہی دیتا ہے، کہ بے شک یہ لوگ جھوٹے ہیں، اے اللہ کے محبوب ! آپ کبھی بھی اس مسجد میں نہ کھڑے ہوں، وہ مسجد (مسجد قبا) جس کی بنیاد

پہلے ہی دن سے پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے، وہ زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاکی کو پسند کرتے ہیں، اور اللہ پاک رہنے والوں ہی کو پسند فرماتا ہے"۔

قرآن کریم کی ان آیات کے نزول کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معد بن عدی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مسجد ضرار کو منہدم کر کے اس میں آگ لگا دی جائے، تا کہ منافقین کے سب منصوبے خاکستر ہو جائیں۔

اعلان جنگ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ عادت مبارکہ تھی، کہ آپ جنگی امور و مجاہدین سے راز میں رکھتے تھے حتیٰ کہ کسی کو مقام جنگ کا پتہ نہ ہوتا تھا، صرف اعلان جنگ ہوتا تھا اور لشکر اسلام اپنے قائد کی قیادت میں میدان کارزار کی طرف چل دیتا تھا، لیکن اس مرتبہ، مصلحتاً آپ نے جنگ کا اعلان کرا دیا اور ساتھ ہی یہ بتا دیا گیا، کہ ہم تبوک جا رہے ہیں جہاں ہمارا مقابلہ اس وقت کی سپر پاور سے ہوگا۔

اتفاق سے یہ دن بڑی عسرت و تنگی کے تھے، قحط پڑ رہا تھا، موسم بھی بے حد گرم تھا، سورج کی تمازت میں سفر کرنا، جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف تھا، پھل اور سبزیوں کا میسر آنا تو درکنار یہاں تو ایک وقت کی روٹی، جانوروں کے لئے چارہ، پانی وغیرہ ملنا بھی دشوار تھا لیکن اللہ کے بہادر سپاہیوں کے لئے یہ حالات اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کبھی رکاوٹ نہ بن سکے، پس مجاہدین نہایت جذبہ و شوق سے جہاد کی تیاری میں مصروف ہو گئے، کسی کو فکر نہ تھی کسی کو پریشانی نہ تھی کہ دوران سفر ان پر کیا بیتے گی، انہیں یقین کامل تھا، کہ جب آقا کی اطاعت ہوتی ہے تو ضرور اللہ کی حمایت و نصرت کا نزول ہوتا ہے۔

چندے کی اپیل

مدارس کی تعمیر، مساجد اور دیگر رفاہی اداروں کا قیام در حقیقت سب ہی جہاد ہے، جن کا قائم کرنا اور ان کے اخراجات کا اہتمام کرنا، امت مسلمہ کی اجتماعی اور قومی ذمہ داری ہے، پس اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان امور کی انجام دہی کے لئے ہمیشہ اپنے غلاموں کو طلب فرماتے اور ان سے مالی و وقتی اور ہر قسم کے تعاون کا مطالبہ کیا کرتے تھے، غزوۂ تبوک کی تیاری کے لئے بھی آپ نے چندے کی اپیل کی اور غلاموں نے ایک دوسرے سے بڑھ، چڑھ کر حصہ لیا، چند صحابہ کرام کا ایثار ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیکر ایثار تھے، ہمیشہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارے پر آپ مالی

تعاون کرتے رہے غزوۂ تبوک کی ضروریات کے لئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام سے تعاون طلب کیا، سب سے پہلے حضرت ابوبکر اٹھے، گھر میں جو کچھ تھا، بشمول چار ہزار درہم نقد، سب کچھ آقائے کائنات ﷺ کے حضور پیش کر دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گھر گرستی کا سامان دیکھ کر فرمایا "مَا اَبْقَیْتَ لِاَهْلِکَ یَا اَبَابَکْرٍ" کیا گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے، جاں نثار غلام نے جواباً عرض کیا: "اَبْقَیْتُ لَهُمُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" ان کو میں نے اللہ اور اس کے رسول کے سپرد کر دیا ہے، اسی واقعہ کو علامہ اقبال نے کلیات اقبال میں نہایت ہی ایمان افروز انداز میں بیان کیا، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اتنے میں وہ رفیق نبوت بھی آ گیا — جس سے بنائے عشق و محبت ہے استوار
لے آیا اپنے ساتھ وہ مرد وفا سرشت — ہر چیز جس سے چشم جہاں میں ہو اعتبار
بولے حضور چاہیے فکر عیال بھی — کہنے لگا وہ عشق و محبت کا راز دار
اے تجھ سے دیدہ مہ و انجم فروغ گیر — اے تیری ذات باعث تکوین روز گار
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس — صدیق کے لئے خدا کا رسول بس

حضرت صدیق اکبر کے بعد حضرت فاروق اعظم اپنے گھر کا آدھا ساز و سامان لے کر حاضر ہوئے اور آقا کی خدمت میں پیش کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے سوال فرمایا "مَا اَبْقَیْتَ لِاَهْلِکَ یَا عُمَرُ" کیا تم نے اپنے اہل و عیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے، عمر عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! نصف حاضر خدمت ہے اور نصف اہل خانہ کے لئے چھوڑا ہے، جب عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایثار کا پتہ چلا تو انہیں یقین ہو گیا، کہ وہ خود یا کوئی بھی کسی بھی معاملہ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت نہیں لے جا سکتے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ

غزوۂ تبوک کے موقع پر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے غنی اور فیاضی کا جو ثبوت فراہم کیا تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، آپ نے دس ہزار مجاہدین کی کفالت اپنے ذمہ لی اور انہیں تمام اسلحہ، اونٹ اور دیگر سامان ضرورت مہیا کیا، حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد پر حضرت عثمان غنی دس ہزار درہم اپنی آستین میں لے کر حاضر ہوئے، اور آقائے رحمت ﷺ کے دامن رحمت میں پلٹ دیئے، میں نے دیکھا کہ حضور ان دراہم کو الٹ پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے "اَللّٰهُمَّ ارْضِ عَنْ عُثْمَانَ فَاِنِّیْ عَنْهُ رَاضٍ" اے اللہ! عثمان سے راضی ہو جا کیونکہ میں اس سے راضی ہو گیا، پھر آپ نے حضرت عثمان کو مژدہ دیتے ہوئے فرمایا "غَفَرَ اللّٰهُ لَکَ یَا عُثْمَانُ" اے

عثمان! اللہ نے تمہیں بخش دیا، ''فَسَرَرْتَ وَمَا اَعْلَنْتَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ'' جوتم نے چھپایا، اور جوتم نے ظاہر کیا، اور جو کچھ قیامت تک ہونے والا ہے ''مَايُبَالِىْ مَاعَمِلَ بَعْدَهَا'' عثمان کو آج کے بعد کسی عمل کی پروا نہیں، (یعنی چاہے کوئی نیکی کریں یا نہ کریں ان کے لئے یہی عمل کافی ہے کہ وہ جنتی ہو چکے)۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں اپنے گھر کا آدھا ساز وسامان اور دوسو اوقیہ چاندی لے کر حاضر ہوئے آقائے مستجاب الدعوات نے اپنے غلام کو دعا دیتے ہوئے فرمایا ''بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ فِيْ مَا اَنْفَقْتَ وَفِيْ مَا اَبْقَيْتَ'' اے عبدالرحمٰن! اللہ تجھے برکت دے اس مال میں جوتو نے خرچ کیا، اور اس مال میں جوتو نے (اپنے اہل خانہ کے لئے) باقی رکھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول ہوئی اور خیر الرازقین رب نے آپ کو دولت کثیرہ عطا فرمائی، غالباً آپ صحابہ کرام میں سب سے زیادہ دولت مند ہوئے، جس کا اندازہ اللہ کی راہ میں آپ کے ان اخراجات سے ہوتا ہے، کہ آپ نے مختلف اوقات میں اپنے آقا کے ارشاد پر تقریباً پچاس ہزار دینار ودرہم اور ایک ہزار اونٹ پیش کیے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا وصال مدینہ طیبہ 41 ہجری میں ہوا، آپ کی عمر شریف بہتر برس کی ہوئی، آپ نے کتنی دولت چھوڑی ملاحظہ ہو، آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے مال سے پچاس ہزار دینار، اللہ کی راہ میں خرچ کر دیے جائیں اور ہر بدری کو چار سو دینار دیئے جائیں جب کہ اس وقت ایک سو ''بدری'' زندہ تھے، ایک ہزار گھوڑے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں، ان اخراجات کے بعد بھی اتنا سونا بچا کہ کلہاڑوں سے کاٹا گیا، آپ کی چار بیویاں تھیں، ہر بیوی کو اسی ہزار دینار میراث کا حصہ ملا۔

دعوت فکر

اس مقام پر ہم اپنے قارئین کو، دعوت غور وفکر دیئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے کیا ہم اپنے مال و دولت اور عمر میں بے برکتی کا شکار نہیں؟ اس سوال کا جواب سب ہی اثبات میں دیں گے، تو پھر ہم آپ کو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی حالت پر غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں، ان کے عمل کی اتباع کی دعوت دیتے ہیں، کہ انہوں نے آقا ﷺ کو راضی کیا تو دعا پائی، رب بھی راضی ہو گیا، خوب ملا، بے حد کچھ ملا، دولت کے انبار لگ گئے، کثرت دولت کے باوجود بھی بخیل و کنجوس نہ ہوئے، دیتے ہی

رہے اور پاتے ہی رہے حتیٰ کہ مرتے وقت بھی دینے کی وصیت کی، آج بظاہر، ہمارے آقا ہماری نظروں کے سامنے نہیں لیکن انہیں کے قائم کردہ ادارے مساجد و مدارس موجود ہیں، ان کے نائبین، مشائخ علماء موجود ہیں، ان کے محبوبین، غرباء و مساکین موجود ہیں، اپنی دولت ان پر بے دریغ خرچ کیجئے، اور بے برکتی سے نجات پایئے، خوب برکت ہوگی، خوب رزق میں فراوانی ہوگی، یاد رکھیے خرچ کرنے سے دولت کم نہیں ہوتی بلکہ جو خرچ ہوتا ہے اس سے زیادہ ملتا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ یَقْدِرُ لَهٗ ؕ وَ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ ۚ وَ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۳۹﴾ (سبا)

"آپ فرمایئے، بے شک میرا رب، کشادہ کر دیتا ہے رزق جس کے لئے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور تنگ کر دیتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے اور جو چیز تم خرچ کرتے ہو، وہ اس کی جگہ اور دیتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے"۔

آیت مبارکہ میں وَمَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَهُوَ یُخْلِفُهٗ کا ارشاد زیادہ قابل غور ہے کیونکہ یہ غلط فہمی عام ہے، کہ خرچ کرنے سے دولت ضرور کم ہوتی ہے جب کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وعدۂ الٰہی تو یہ ہے، کہ تم جتنا خرچ کرتے ہو ہم دیتے ہیں بلکہ اس سے بہت زیادہ دیتے ہیں کہ مقتضائے خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ یہی ہے، پس بے برکتی سے نجات اور رزق کی فراخی کا واحد ذریعہ اللہ کی راہ میں بے دریغ خرچ کرنے کے سوا کچھ نہیں، اللہ توفیق دے۔

انتہائے ایثار

دولت مندوں کا ایثار کوئی کمال نہیں، کمال تو یہ ہے کہ بندے کے پاس کچھ بھی نہ ہو، پھر بھی وہ اللہ و رسول کی رضا کے لئے اپنے دین کی حفاظت واشاعت میں حصہ لینے کا جذبہ رکھتا ہو، اور وہ اپنے جذبے کی تسکین کے لئے محنت و مشقت کرے اور جس طرح بھی ممکن ہو اللہ کی راہ میں خرچ کرے، ملاحظہ ہو ایک غریب صحابی، حضرت ابوعقیل انصاری رضی اللہ عنہ کا جذبۂ ایمان، جذبۂ ایثار۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلاموں کو غزوۂ تبوک کے لئے امداد کی تلقین فرمائی، دولت مندوں نے دولت کا ڈھیر لگا دیا، غریب صحابہ تڑپ اٹھے، کاش ہمارے پاس بھی کچھ ہوتا، ہم بھی اللہ کی راہ میں کچھ دے پاتے، انہیں میں ابوعقیل انصاری بھی تھے، پریشان حال گھر پہنچے بیوی نے سبب پریشانی پوچھا، ابوعقیل نے سب کچھ بتایا، گھر میں کھانے تک کو نہ تھا، بیوی افسردہ حال ایک کونے میں جا بیٹھی، ابوعقیل نے خود ہی ہمت کی، تدبیر سوچی، وہ ایک یہودی کے پاس پہنچے، اپنے آپ کو مزدوری کے لئے

پیش کیا، یہودی نے کہا، میرے باغ میں پانی لگادو، دو صاع کھجوریں ملیں گی، ساری رات محنت کی، کنوئیں سے ڈول بھر بھر کر باغ سیراب کرتے رہے، صبح دو صاع کھجوریں ملیں بہت خوش ہوئے گھر پہنچے، آدھی کھجوریں بیوی کو دیں اور آدھی اپنے آقا ﷺ کے دربار میں پیش کردیں، غریب پرور آقا نے اپنے غریب غلام کا حقیر تحفہ ٹھکرایا نہیں، بلکہ اس کی ہمت افزائی کے لئے حکم دیا، کہ یہ کھجوریں لو، اور دو دو کھجوروں کے لگے ہوئے ڈھیروں پر ڈال دو، کہ اللہ اپنے اس مخلص غریب بندے کے صدقہ، دولت مندوں کے صدقات کو ضرور قبول فرمائے گا (کہ اللہ خلوص کی قدر فرماتا ہے اور غریبوں کی دعائیں بھی، دولت مندوں کی رفعت و بلندی کا وسیلہ ہوتی ہیں)۔

مال و دولت، سازو سامان جمع ہو چکا تو اللہ کے رسول ﷺ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا، جاں نثاران اسلام جوق در جوق صف آراء ہونے لگے، لیکن بعض لوگ جو بظاہر تو مسلمان ہو چکے تھے، لیکن اب تک ان کے دل ایمان سے لبریز نہ ہوئے تھے وہ جذبۂ ایثار اور شوق شہادت سے عاری تھے یہ لوگ نہ صرف جنگ میں شرکت سے گریزاں تھے، بلکہ اہل ایمان کو بھی روک رہے تھے، وہ ان سے کہہ رہے تھے لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ اتنی شدید گرمی میں مت نکلو، ان لوگوں کی بیہودہ گوئی کو ختم کرنے کے لئے، وحی الٰہی نازل ہوئی:

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ (توبہ)

"پیارے محبوب! بتادیجئے کہ جہنم کی آگ اس گرمی سے بہت زیادہ سخت ہے، کاش یہ لوگ اس حقیقت کو سمجھ سکیں"۔

جب لشکر اسلام کی روانگی کا وقت قریب آیا، تو کچھ مفلس و نادار اہل ایمان بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! ہمارے پاس سواریاں نہیں، لیکن شوق جہاد ہے، اگر آپ کرم فرمائیں، اور ہمارے لئے سواریوں کا انتظام ہو جائے، تو ہم بھی جہاد میں شرکت کی سعادت حاصل کر سکیں گے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، کہ اگرچہ میرے غلاموں نے بکثرت اونٹ فراہم کیے لیکن اب بھی سواریاں کم ہیں، یہ اونٹ ضرورت مند مجاہدین میں تقسیم کیے جاچکے، اب مزید انتظام ممکن نہیں، یہ لوگ اپنے آقا ﷺ کا جواب سن کر بہت افسردہ ہوگئے، ان کی آنکھیں پرنم ہوگئیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی افسردگی اور اس ادا کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

"وہ اس حال میں واپس ہوئے، کہ شدید غم کے باعث ان کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے، کیونکہ راہ حق میں خرچ کرنے کے لئے ان کے پاس کوئی چیز نہ تھی"۔ (توبہ)

یامین بن عمیر النضری نے، ابو یعلیٰ عبدالرحمٰن بن کعب اور عبداللہ بن مغفل کو زاروقطار روتے دیکھا، تو دونوں کا حال دریافت کیا انہوں نے کہا ہم جہاد میں شریک ہونا چاہتے ہیں، لیکن بدنصیبی کہ ہمارے پاس سواری نہیں، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھی نہیں جو آپ ہمیں عنایت فرمادیتے اور ہم جہاد میں شرکت کی سعادت سے محروم نہ ہو پاتے، یامین نے دونوں کو ایک ایک اونٹ اور کچھ کھجوریں دیں اور یہ دونوں اپنی قسمت پر نازاں وفرحاں لشکر میں شامل ہوگئے (ملاحظہ فرمایا آپ نے کیا جذبۂ جہاد تھا، کیا شوق شہادت تھا، اللہ کے ان سپاہیوں میں)۔

منافقین کا حال

منافقین کے دل، اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں سے بغض وکینہ اور حسد سے بھرے رہتے تھے، یہ بدنصیب کبھی تو نہایت نازک وقت پر مسلمانوں کو دھوکہ دے کر اور کبھی ان میں انتشار وافتراق پیدا کر کے تو کبھی ان پر طعن وتشنیع کے تیر برسا کر، اسلام کو نقصان پہنچانے کی ناکام کوشش کرتے رہتے تھے۔

غزوۂ تبوک کے لئے جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا ﷺ کے حضور دولت کا ڈھیر لگادیا، تو ان خبیثوں نے پروپیگنڈا کیا کہ یہ سب ریاء ونمود ہے، عزت وشہرت کے حصول کی خواہش ہے، اور جب حضرت ابو عقیل انصاری رضی اللہ عنہ نے ساری رات محنت ومزدوری کر کے اپنے آقا ﷺ کے دربار میں ایک صاع کھجوریں پیش کیں تو ان ظالموں نے بکواس کی "اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ مِّنْ تَمْرِ ھٰذَا" اللہ کو ان کھجوروں کی ضرورت نہیں۔

جنگ کے نازک موقع پر اس قسم کی بیہودہ گوئی سے لشکر کی ہمت شکنی کا اور اس کے منتشر ہوجانے کا خطرہ لاحق ہوسکتا تھا، اللہ رحیم وکریم نے اپنے سپاہیوں کو ہر قسم کی غلط فہمی اور خطرے سے محفوظ رکھنے کے لئے منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ۭ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾ (توبہ)

"جو لوگ خوشی خوشی خرچ کرنے والے مومنین پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں، اور جن ناداروں کے پاس اپنی محنت ومشقت کی کمائی کے سوا کچھ نہیں، یہ لوگ ان کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس مذاق کی سزا دے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے"۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اعزاز

روانگی سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو اپنا نائب مقرر فرمایا، اور چونکہ سفر طویل تھا نیز منافقین کی سازشوں کا خطرہ تھا، لہٰذا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کی شجاعت اور فطانت کے سبب اہل مدینہ بالخصوص امہات المومنین کی حفاظت اور دیکھ بھال کے لئے مقرر فرمایا، لشکر اسلام کی روانگی کے فوراً بعد منافقین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر الزام تراشیاں شروع کر دیں، کسی نے انہیں بزدل کہا، تو کسی نے الزام لگایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت علی سے ناراض ہیں، اس لئے انہیں اپنے ساتھ لے کر نہیں گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے یہ سب بیہودہ باتیں ناقابل برداشت تھیں، لہٰذا آپ نے ہتھیار سجائے اور مقام جرف پہنچ کر شامل لشکر ہو گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وفا شعار غلام کو دیکھا، تو اس حکم عدولی کی وجہ دریافت فرمائی، حضرت علی نے سب حال بیان کیا اور جہاد میں شریک ہونے کی اجازت چاہی، آقا ﷺ نے فرمایا علی! میں نے تمہیں امہات المومنین اور ضعیف و کمزور مسلمانوں کی حفاظت و خدمت کی بڑی ذمہ داری سونپی ہے، لہٰذا واپس جاؤ اپنی ذمہ داری پوری کرو، منافقین جھوٹے ہیں، ان کی بکواس پر توجہ نہ دو، نیز آپ نے فرمایا ''اَفَلَا تَرْضٰی یَا عَلِیُّ اَنْ تَکُوْنَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ'' اے علی! کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم میرے لئے ایسے ہو جاؤ جیسے حضرت ہارون، حضرت موسیٰ کے لئے تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے اس سے بڑا اعزاز و اکرام اور کیا ہو سکتا تھا، کہ نبی آخر الزماں ﷺ نے انہیں اپنا نائب ہونے کا اعلان فرما دیا، پس حضرت علی اپنے مقدر پر نازاں و فرحاں مدینہ طیبہ واپس ہو گئے۔

لشکر اسلام کی روانگی

آقائے کائنات ﷺ، رجب 9 ہجری تیس ہزار جان بازوں کے جلو میں مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے، مجاہدین کی سواری کے لئے اونٹوں کے علاوہ دس ہزار گھوڑے تھے، چونکہ سواریاں کم اور سواروں کی تعداد زیادہ تھی، لہٰذا تین سپاہیوں کے لئے ایک سواری فراہم کی جا سکی، جس پر باری باری اللہ کے سپاہیوں نے یہ طویل سفر طے کیا، لشکر کا سب سے بڑا پرچم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو عطا ہوا۔

مدینہ طیبہ سے روانگی کے وقت عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین بھی اپنے حواریوں کے ہمراہ لشکر اسلام میں شامل تھا، لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثنیۃ الوداع میں قیام فرمایا، تو عبداللہ بن

ابی نے لشکر اسلام سے علیحدہ اپنا خیمہ لگایا، اور جب لشکر روانہ ہونے لگا تو یہ گروہ منافقین لوگوں کی نظروں سے چھپ کر مدینہ طیبہ واپس ہو گیا، حسب سابق اس موقع پر بھی ان مکاروں نے دھوکہ دیا، لیکن ان کی دھوکہ بازی سے نہ پہلے کبھی مسلمانوں کو کوئی نقصان ہوا اور نہ ہی آج، کہ مسلمانوں نے انہیں کبھی اپنے لشکر کا اہم حصہ سمجھا ہی نہ تھا، اسی واقعہ سے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَ قَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ (توبہ)

"اے محبوب! وہ (منافقین) پہلے بھی فتنہ انگیزی میں کوشاں رہے، اور آپ کے لئے تجاویز الٹ پلٹ کرتے رہے، یہاں تک کہ حق آ گیا، اور اللہ کا حکم غالب ہو کر رہا اور وہ ناخوش ہی رہے"۔

جذبۂ ایمان کا ایک واقعہ

یہ ابوخیثمہ کا واقعہ ہے، جو اپنے اہل وعیال اور مال ودولت کی محبت کے سبب لشکر اسلام میں شامل نہ ہوئے تھے، سخت گرمی کے ایک دن ابوخیثمہ اپنے باغ میں آئے، تو دیکھا کہ ان کی دو بیویاں اپنے اپنے چھپروں کے سایہ تلے آرام کر رہی تھیں، انہوں نے ٹھنڈک کے لئے چھڑکاؤ کیا ہوا تھا، اچھے اور لذیذ کھانے تیار کیے ہوئے تھے اور اپنے شوہر کی منتظر تھیں، ابوخیثمہ نے یہ عیش وعشرت کا منظر دیکھا تو ان کا ایمانی جذبہ بھڑک اٹھا، اور سوچنے لگے "اللہ کے رسول ﷺ تو دھوپ اور لو میں اور ابوخیثمہ ٹھنڈے سائے میں جہاں پانی ٹھنڈا رکھا ہے، لذیذ کھانا تیار ہے، خوبصورت بیویاں موجود ہیں یہ تو ہرگز انصاف نہیں" یہ خیال آنا تھا کہ ہر چیز کی محبت پر آقا کی محبت غالب آ گئی، اور بلا تاخیر تیز رو اونٹنی پر سوار ہو کر آقا ﷺ کے دربار میں حضوری کے لئے روانہ ہو گئے، لشکر اسلام تبوک پہنچ چکا تھا، لوگوں نے ایک تیز رو سواری دیکھی تو آقا ﷺ کو خبر دی، یا رسول اللہ! کوئی شتر سوار تیزی سے ہماری طرف چلا آ رہا ہے، غیب کا حال جاننے والے نبی ﷺ نے فرمایا "كُنْ اَبَا خَيْثَمَةَ" اسی دوران ابوخیثمہ آقا کے دربار میں حاضر ہو چکے تھے، رحیم وکریم آقا ﷺ نے فرمایا "اَوْلٰى لَكَ يَا اَبَا خَيْثَمَةَ ثُمَّ اَخْبَرَهٗ خَبَرَهٗ" اے ابوخیثمہ! تمہیں مبارک ہو پھر آپ نے از خود ان کا حال بیان فرمایا (یعنی لشکر اسلام میں شریک نہ ہونے کا سبب بھی بتا دیا، اور وہ منظر بھی بیان فرمایا جسے دیکھ کر ابوخیثمہ پر غیرت ایمان غالب آئی)۔

ثمود کی آبادی سے گزر

فَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ وَ هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۴۴﴾

"پس انہوں نے (قوم ثمود) اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی، تو پکڑ لیا انہیں ایک خوفناک کڑک نے اور وہ دیکھ رہے تھے"۔

حجر، وادیٔ قریٰ میں ایک دیہات ہے، یہاں قوم ثمود پر عذاب نازل ہوا، وہ تباہ و برباد ہو گئے، ان کے مکانات، اب تک دعوتِ عبرت کے لئے موجود ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، سفر تبوک کے دوران جب مقام حجر پر پہنچے تو آپ نے لشکر کو ہدایت فرمائی، کہ یہاں کا پانی نہ پینا اور نہ ہی ساتھ لینا، نیز آپ نے فرمایا کہ رات کو کوئی شخص اپنے خیمہ سے تنہا باہر نہ نکلے، کچھ سپاہیوں نے بتایا کہ ہم نے تو پہلے ہی اپنے مشکیزوں میں پانی بھر لیا ہے، اور اس سے آٹا بھی گوندھ لیا ہے آپ نے حکم دیا کہ پانی بہا دیا جائے اور آٹا اونٹوں کو کھلا دیا جائے۔

دو سپاہیوں سے غلطی ہوئی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے برخلاف، رات کو تنہا باہر نکلے پس ایک کا تو کسی غیبی ہاتھ نے گلا دبوچ لیا اور وہ بدحواس ہو گئے، اور دوسرے کو تیز آندھی اڑا کر لے گئی، اور مقام حجر سے دور بنی طے قبیلہ کے دو پہاڑوں کے درمیان جا پھینکا، آقائے رحمت ﷺ کو خبر دی گئی تو آپ کو بہت افسوس ہوا آپ نے ان دونوں مصیبت زدوں کے لئے دعا فرمائی پس جن کا گلا دبوچا گیا تھا، وہ تو اسی وقت صحت یاب ہو گئے، اور دوسرے صاحب بھی کچھ عرصہ بعد بنی طے کے وفد کے ساتھ واپس آ گئے۔

مقام عبرت ہے کہ جس قوم پر عذاب الٰہی نازل ہو، ان کی آبادیاں تک مسافروں اور راہگیروں کے لئے محفوظ راہ گزر نہ رہیں، فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۝۔

حضرت صالح کی اونٹنی

دوران سفر اس چشمہ کے پاس سے بھی گزر ہوا، جس سے حضرت سیدنا صالح علیہ السلام کی اونٹنی پانی پیا کرتی تھی، آقا ﷺ نے فرمایا، معجزات کا مطالبہ نہ کیا کرو، حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم نے معجزے کا مطالبہ ہی کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا کرشمہ دکھایا، اور پتھر کی چٹان سے ان کے لئے اونٹنی پیدا فرما دی، لیکن ان کی قوم اس کی قدر و منزلت کو نہ پہچان سکی اور نہ ہی انہوں نے اونٹنی کے وہ حقوق ادا کیے جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا، بلکہ ان ظالموں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں اور اسے ہلاک کر دیا، پس اس گستاخی کے سبب ان پر اللہ کا عذاب نازل ہوا، کہ ایک تند و تیز ہوا کے ذریعہ ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا، قرآن کریم ہے:

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ۝ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ۝ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۥ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

بِذَنۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا یَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ (الشمس)

''قوم ثمود نے اپنے پیغمبر کو اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا، جب ان میں سے ایک بڑا بد بخت اٹھا تو اللہ کے رسول نے انہیں بتایا، (محتاط رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے پھر بھی انہوں نے رسول کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، پس انہیں ہلاک کر دیا ان کے رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث ان سب کو پیوند خاک کر دیا، اور اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا کوئی ڈر نہیں''۔

نزول باران رحمت

غزوہ تبوک کے ایام میں بلا کی گرمی تھی، سفر طویل تھا، ایک وسیع وعریض صحرا کو عبور کرنا تھا، جہاں پانی کا ایک قطرہ بھی میسر نہ تھا، پیاس کی شدت تھی، اللہ کے سپاہی اس کرب و بلا کے باوجود اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے مصروف اطاعت تھے، بے چینی بہت بڑھی تو مجبوراً وہ اپنی سواری کا اونٹ ذبح کرتے، اس کے معدے اور آنتوں میں موجود پانی سے اپنا حلق اور ہونٹ تر کر لیتے تھے، لیکن کیا مجال کہ کوئی اپنے آقا سے شکوہ کرتا۔

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! آپ کا رب آپ پر بڑا ہی مہربان ہے وہ آپ کی ہر دعا قبول فرماتا ہے، پس بارش کے لئے دست دعا دراز فرمایئے، مستجاب الدعوات آقا نے اپنے محبوب رفیق کی درخواست قبول فرمائی، اللہ کے دربار میں دست دعا دراز کیے، مقدس ہاتھوں کا اٹھنا تھا کہ باران رحمت کا نزول شروع ہوا، موسلا دھار بارش ہونے لگی، انسان، جانور سب ہی خوب سیراب ہو گئے، مشکیزے اور برتن پانی سے بھر لئے گئے، صحابہ کرام نے بتایا، جب ہم نے دوبارہ سفر شروع کیا اور اپنے خیموں کے حدود سے باہر نکلے تو بارش تو درکنار بادل تک کا نام ونشان نہ تھا۔

وہ دعا جس کا جوبن بہارِ قبول   اس نسیم اجابت پہ لاکھوں سلام

قصویٰ کی گمشدگی

ایک مقام پر قیام کے دوران، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناقہ قصویٰ گم ہو گئی، صحابہ کرام اس کی تلاش میں سرگرداں تھے کہ اسی دوران، زید بن نصیت منافق کہنے لگا، حیرت ہے لوگ تو کہتے ہیں کہ محمد ﷺ دلوں کا حال جانتے اور غیب کی خبریں دیتے ہیں، آج کیا ہوا کہ ان کی اپنی اونٹنی گم ہو گئی اور انہیں پتہ تک نہیں کہ کہاں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس بیہودہ گوئی کا علم ہوا تو آپ نے فرمایا،

بخدا! میں وہی جانتا ہوں جو میرا رب مجھے بتاتا ہے، پھر آپ نے فرمایا قصویٰ فلاں وادی میں ہے، اس کی نکیل درخت میں پھنس گئی ہے، تم میں سے کوئی جائے اور اسے لے آئے، پس چند صحابہ گئے اور قصویٰ کو لے کر آگئے، یہ صرف منافق ہی تھے جو میرے آقا ﷺ کے کمال علم کے منکر رہے، جب کہ اہل ایمان کا عقیدہ تو ہر دور میں یہی رہا۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحیِ خدا   چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

چشمۂ تبوک

حضرت حذیفہ اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے کہ جب لشکر اسلام تبوک کے قریب پہنچا تو، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعلان کرایا، کہ کل ہم تبوک پہنچنے والے ہیں، وہاں ایک چشمہ ہے جس سے پانی رس رہا ہے، کوئی مجاہد مجھ سے پہلے اس پانی کے قریب بھی نہ جائے، جب لشکر تبوک پہنچا تو پیاس کی شدت کے باوجود، کسی کی ہمت نہ ہوئی، کہ وہ چشمہ سے پانی پیے، لیکن دو سپاہی بے حد مضطرب تھے ان سے نہ رہا گیا اور انہوں نے پانی پی لیا، اللہ کے رسول ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ بہت ناراض ہوئے، دونوں مجرم معذرت خواہ ہوئے، آقائے رحمت ﷺ نے انہیں معاف فرمایا، پھر چشمہ سے پانی منگایا، آپ نے اس سے منہ ہاتھ دھویا اور پانی میں کلی کر کے حکم دیا، کہ اسے چشمہ میں ڈال دیا جائے، جو چشمہ صرف رس رہا تھا اب اس سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا، پانی اس جوش سے نکل رہا تھا، گویا زمین کو پھاڑ کر نکل رہا ہے، پھر آپ نے فرمایا، اے معاذ! اگر تیری عمر دراز ہوئی تو تو یہاں سرسبز باغات دیکھے گا۔

یہ چشمہ اب تک جاری ہے، اور چشمۂ تبوک کے نام سے مشہور ہے، نیز مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق تبوک ایک نہایت خوبصورت اور سرسبز شاداب علاقہ ہے۔

جس کے پانی سے شاداب جان و جناں   اس دین کی طراوت پہ لاکھوں سلام

خطبۂ تبوک

تبوک پہنچ کر جان عالم ﷺ نے سب سے پہلے نماز کا اہتمام فرمایا، ایک پتھر منگا کر سمت کعبہ کے تعین کے لئے رکھا، پھر آپ نے نماز ظہر کی امامت فرمائی، جس کے بعد معلم کامل ﷺ نے طویل خطبہ دیا، خطبۂ تبوک کے چند اقتباسات سے استفادہ کیجئے، ارشاد ہوا:

فَاِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ	سب سے زیادہ سچی بات اللہ کی کتاب قرآن کریم ہے

وَاَوْثَقُ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى
اور سب سے مضبوط سہارا کلمۂ تقویٰ ہے

وَاَشْرَفُ الْحَدِيْثِ ذِكْرُ اللّٰهِ
تمام باتوں میں بہتر بات، اللہ کا ذکر ہے

وَاَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْاٰنُ
اور سب قصوں سے بہتر یہ قرآن ہے،

وَاَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَآءِ
اور سب سے بہتر موت، جام شہادت پینا ہے،

وَخَيْرُ الْاَعْمَالِ مَانَفَعَ
اور بہترین عمل وہ ہے جو نفع دے،

وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى
اوپر والا ہاتھ، نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے

وَمَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى
اور کم اور کافی چیز، اس کثیر سے بہتر ہے جو (یاد الٰہی سے) غافل کر دے،

وَمِنْ اَعْظَمِ الْخَطَايَا اللِّسَانُ الْكَاذِبُ
بڑے گناہوں میں سے ایک جھوٹی زبان ہے

وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ
اور بہترین تونگری نفس کی تونگری ہے

وَخَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى
اور بہترین توشہ تقویٰ ہے

وَالنِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ
میت پر نوحہ کرنا، چیخنا، چلانا جاہلیت کا عمل ہے

وَالْغُلُوْلُ مِنْ حَرِّ جَهَنَّمَ
اور خیانت دوزخ کی آگ ہے

وَالسُّكْرُ كَيٌّ مِّنَ النَّارِ
اور نشہ کرنا، دوزخ کی آگ سے داغے جانے کے مترادف ہے

وَالْخَمْرُ جِمَاعُ الْاِثْمِ
اور شراب تمام گناہوں کا سرچشمہ ہے

وَشَرُّ الْمَاٰكِلِ مَالُ الْيَتِيْمِ
اور بدترین خوراک یتیم کا مال ہے

وَالسَّعِيْدُ مَنْ وُّعِظَ بِغَيْرِهٖ
اور سعادت مند انسان وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے

سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ
مومن کو گالی دینا فسق ہے، اور اس سے قتل کرنا کفر ہے

وَمَنْ يَّعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ عَنْهُ
جو (دوسروں کو) کو معاف کر دے، اللہ اسے معاف کر دے گا

وَمَنْ يَّكْظِمِ الْغَيْظَ يَاْجُرْهُ اللّٰهُ
اور جو غصہ پی جائے گا، اللہ اسے اجر دے گا

وَمَنْ يَّصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ
جو مصیبت پر صبر کرے گا، اللہ اسے اجر دے گا،

وَمَنْ يُّتْبِعِ السُّمْعَةَ يُسَمِّعِ اللّٰهُ بِهٖ
اور جو افواہیں پھیلائے گا، اللہ اس کو ذلیل وخوار

کرے گا

وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰہَ یُعَذِّبْہُ اللّٰہُ — اور جو اللہ کی نافرمانی کرے گا، اللہ اسے عذاب میں مبتلا کرے گا

اے اللہ! ہمیں اپنی اطاعت اور اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر عمل کی توفیق نصیب فرما، آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

پانچ خصوصی انعامات

اللہ کے رسول ﷺ پر چھ نمازیں فرض تھیں، جن میں ایک نماز تہجد تھی، آپ کی سنتوں میں سے ایک، مسواک کرنا ہے، خصوصاً نماز تہجد کے لئے آپ وضو فرماتے، تو مسواک ضرور استعمال فرماتے، ایک رات تبوک میں نماز تہجد سے فارغ ہو کر آپ غلاموں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا'' آج شب مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا فرمائی گئی ہیں جو آج تک کسی کو عطا نہیں ہوئیں۔

۱، مجھ سے پہلے تمام انبیاء کرام مخصوص اقوام کے لئے مبعوث ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے تمام بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے مبعوث فرمایا۔

۲، میرے لئے ساری زمین کو سجدہ گاہ بنایا گیا، جب بھی نماز کا وقت ہو جہاں بھی ہو، قبلہ رو ہو کر اپنے رب کے حضور سجدہ کر لیتا ہوں، جب کہ مجھ سے پہلے سب امتیں صرف اپنی مخصوص عبادت گاہوں میں ہی عبادت کر سکتی تھیں۔

۳، پانی نہ ہونے کی صورت میں میرے لئے مٹی کو ذریعۂ طہارت بنا دیا گیا، کہ میں تیمم کر کے اللہ کی عبادت کر سکتا ہوں۔

۴، اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت کو میرے لئے حلال فرمایا، جب کہ مجھ سے پہلے مال غنیمت کا استعمال ممنوع تھا۔

۵، آپ نے تین مرتبہ فرمایا'' ھِیَ مَا ھِیَ، ھِیَ مَا ھِیَ، ھِیَ مَا ھِیَ '' صحابہ عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! یہ کیا ہے آپ نے فرمایا، مجھے رب نے مانگنے کی اجازت دی، کہ ہر نبی نے اپنے رب سے سوال کیا ہے، اور میں نے یہ سوال تمہارے لئے اور ان سب غلاموں کے لئے کیا ہے، جو'' لا الٰہ الا اللہ '' پر یقین رکھتے ہیں۔

سفر تبوک کی حکمتیں

آپ پڑھ چکے ہیں کہ جن رومیوں سے مقابلہ کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دور دراز کا سفر

کیا اور تبوک تشریف لائے، ان رومیوں نے مسلمانوں پر نہ تو حملہ کی تیاری کی تھی اور نہ ہی وہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، یہ صرف ایک افواہ تھی، جسے روم کے تاجروں نے صرف مسلمانوں کے سکون میں خلل پیدا کرنے کے لئے پھیلایا تھا، اور یہ بات دلوں کا حال جاننے والے آقا ﷺ بخوبی جانتے تھے، اس کے باوجود آپ کا لشکر اسلام لے کر مدینہ سے نکلنا اور تبوک پہنچنا نہ تو بے خبری کا باعث تھا اور نہ ہی خالی از حکمت تھا، کہ معلم حکمت ﷺ کا کوئی عمل حکمت سے خالی نہ ہوتا تھا، پس اس سفر میں بھی یقیناً بے شمار حکمتیں تھیں، مثلاً

اللہ کے رسول ﷺ اللہ کے سپاہیوں کو ہمہ وقت چاق و چوبند رکھتے تھے، اسی لئے سفر تبوک سے پہلے بھی ایسے متعدد غزوات و سرایا ہوئے جن میں جنگ نہ ہوئی، جب کہ میرے آقا ﷺ کے کمال علم مقتضا یہی تھا کہ آپ ان غزوات و سرایا کے نتائج سے غافل و بے خبر نہ ہوں، نیز ایسے تمام سفروں کی یہ بھی حکمت تھی کہ دشمن کو مرعوب رکھا جائے، اس کے سامنے اہل ایمان کی قوت و طاقت کا مظاہرہ کیا جاتا رہے، تا کہ وہ بآسانی مقابلہ پر آمادہ نہ ہو سکے۔

سفر تبوک میں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ نو مسلم مجاہدین سفر جہاد کی محنت و مشقت کے عادی بنیں، کہ مستقبل میں اسلام کی حفاظت کی ذمہ داری انہیں ہی پوری کرنی تھی، اور ایسا ہی ہوا، کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظاہری طور پر پردہ فرما جانے کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں جتنے جنگ کے مواقع آئے، ان میں یہی تربیت یافتہ لوگ شریک ہوتے رہے، اور انہیں کبھی کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئی۔

سفر تبوک کا ایک اہم مقصد یہ بھی تھا کہ اہل روم اور اس کے گرد و نواح کے لوگوں کو مرعوب کیا جائے، کہ وہ اپنی قوت و طاقت پر نازاں تھے، تکبر و غرور سے ان کی گردنیں اکڑی رہتی تھیں، جب کہ مسلمانوں کے متعلق ان کو یہ غلط فہمی تھی، کہ پیہم جنگوں، بالخصوص بنی ثقیف اور بنی ہوازن سے مقابلہ کے بعد مسلمان ایک کمزور قوم ہیں، پس جب اور جو چاہے انہیں زیر و مغلوب کر سکتا ہے، جب آقائے کائنات ﷺ تیس ہزار سپاہی لے کر تبوک پہنچے تو صرف رومیوں ہی نہیں بلکہ ان کے گرد و نواح کی قومیں بھی اہل ایمان کے جذبات سے مرعوب ہو گئیں، ان کی غلط فہمیاں ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئیں، جس کا ثبوت شاہ ہرقل کے اس رد عمل میں دیکھا جا سکتا ہے، جو اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گرامی نامہ وصول ہونے کے بعد ظاہر کیا، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

سفر تبوک اور اس جیسے سفروں سے، حضور اکرم ﷺ کا مقصد، غلاموں کو تعلیم دینا اور ان کی تربیت کرنا بھی تھا، کہ حالت سفر، تعلیم و تربیت کے لئے موزوں ترین ہوتی ہے، ایک تو اس لئے کہ معمول کے ایام کی بہ نسبت ایام سفر میں تعلیم و تربیت کے لئے زیادہ وقت ملتا ہے، دوسرے اس لئے کہ

حالت سفر میں، استاد شاگرد، آقا و غلام کو ایک دوسرے کے زیادہ قرب میسر آتا ہے، ایک دوسرے کے عادات و اطوار کو دیکھنے کا زیادہ موقع حاصل ہوتا ہے، باہمی مزاج شناسی ہوتی ہے، اور یہ سب چیزیں مؤثر تعلیم و تربیت کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔

بہر حال سفر تبوک کا سبب نہ تو، العیاذ باللہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حقیقت حال سے بے خبر ہونا تھا اور نہ ہی یہ سفر بے نتیجہ تھا۔

ہرقل کو دعوت اسلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تبوک پہنچ کر یہ اندازہ ہوا کہ رومیوں کی اسلام کے خلاف جنگ کی تیاری کی اطلاع بے بنیاد تھی، کہ تبوک اور اس کے گرد و نواح میں کوئی آثار جنگ نہ تھے، پس آپ نے ہرقل کو دعوت اسلام دینے کا فیصلہ فرمایا، ایک دن آپ نے صحابہ سے فرمایا "جو شخص میرا مکتوب شاہ ہرقل کو پہنچائے گا وہ جنتی ہوگا" حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! اگر قیصر نے اس گرامی نامہ کو قبول نہ کیا تب بھی آپ اپنا وعدہ پورا فرمائیں گے، ارشاد ہوا، یقیناً، حضرت دحیہ کلبی، آقائے کائنات ﷺ سے مژدۂ جنت سن کر جھومنے لگے اور نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مکتوب گرامی لے کر حمص روانہ ہوئے، جہاں شاہ ہرقل قیام پذیر تھا۔

حضرت امام احمد بروایت سعید بن ابی راشد بیان کرتے ہیں، کہ میرا ایک پڑوسی "تنوخی" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہرقل کے قاصد کی حیثیت سے آیا، میں نے اس سے پوچھا، کیا تم مجھے اس مکتوب گرامی کے متعلق کچھ بتاؤ گے جو میرے آقا ﷺ نے ہرقل کو روانہ کیا تھا، پس اس نے بتایا کہ جب ہرقل کو یہ مکتوب گرامی ملا تو اس نے اپنے ارکین سلطنت اور علماء مملکت کو جمع کیا اور انہیں بتایا، کہ محمد عربی ﷺ تبوک میں قیام پذیر ہیں، ان کا گرامی نامہ مجھے ملا، انہوں نے مجھے تین باتوں میں سے ایک قبول کرنے کی دعوت دی ہے، وہ باتیں یہ ہیں، میں ان کا دین قبول کرلوں، ہم اپنے باغات اور مکانات ان کے حوالے کردیں، جب کہ زمینوں کے مالک ہم ہی رہیں گے یا جنگ کے لئے تیار ہو جائیں"۔

ہرقل نے کہا، حاضرین! آپ جانتے ہیں کہ ہماری کتابوں میں اس نبی کا ذکر موجود ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ نبی مکرم ہماری زمینیں چھین لے گا، لہٰذا میری رائے ہے کہ ہم اس نبی کی اطاعت قبول کرلیں، تاکہ ہمیں کسی پریشانی کا مقابلہ نہ کرنا پڑے، یہ سنتے ہی لوگ سیخ پا ہوگئے، اور کہنے لگے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم اپنا دین چھوڑ کر ایک حجازی عرب کے غلام بن جائیں، ایسا ہرگز نہ ہوگا، حالات کی سنگینی کے پیش نظر ہرقل نے سوچا، کہ کہیں یہ لوگ مجھ سے میرا تخت و تاج ہی نہ چھین لیں، پس اس نے تدبیر

اختیار کی، اور بولا، آپ لوگ آرام سے بیٹھیں اور میری بات سنیں میں نے تو یہ سب باتیں صرف اس لئے کی تھیں کہ میں دین پر آپ لوگوں کی پختگی کا اندازہ کرنا چاہتا تھا، جب کہ میں کوئی قدم آپ کی رائے خلاف نہیں اٹھاؤں گا، اب میری رائے ہے کہ میں اس نبی کے پاس اپنا قاصد روانہ کروں، پس آپ لوگ ایک ایسا شخص بتائیں، جس کا حافظہ تیز ہو، جس کی زبان عربی ہو، تاکہ وہ نبی اس سے جو گفتگو کرے وہ اسے اچھی طرح سمجھے اور اس کی باتیں یاد رکھے اور واپس آکر ہمیں صحیح حالات بتائے چنانچہ ''تنوخی'' کا انتخاب کیا گیا، جس کی عمر سو سال سے زیادہ تھی، وہ نہایت زیرک اور چالاک تھا اپنی مادری زبان کی طرح عربی بھی خوب روانی سے بول سکتا تھا۔

ہرقل نے اس سے کہا، میرا یہ خط لے جاؤ اور اس شخص کو پہنچا دو اور وہ جو باتیں کرے انہیں اچھی طرح ذہن نشین کر لینا، اور واپس آکر مجھے من وعن ہر بات بتانا، خصوصاً تین باتوں پر زیادہ توجہ دینا، جو خط پہلے لکھا گیا تھا، وہ اس کا تذکرہ کرتے ہیں یا نہیں، میرا خط پڑھنے کے بعد وہ اپنی گفتگو کے دوران رات کا ذکر کرتے ہیں یا نہیں، نیز غور سے دیکھنا کہ ان کی پشت پر کوئی ایسا نشان ہے جو خصوصی طور پر قابل توجہ ہو''۔

سعید بن ابی راشد نے کہا کہ ''تنوخی'' ہرقل کا خط لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، اس نے مجھے بتایا کہ میں جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں پہنچا تو میں نے دیکھا کہ آپ صحابہ کرام سے محو گفتگو ہیں، میں نے آپ کی خدمت اقدس میں بادشاہ کا خط پیش کیا، آپ نے مجھ سے پوچھا، تم کس قبیلہ سے ہو، میں نے کہا میں تنوخ کا بھائی ہوں، پھر آپ نے فرمایا، اسلام، ملت حنفیہ کی دعوت دیتا ہے، کیا تم اسے قبول کرنے کے لئے تیار ہو، میں نے کہا حضور! میں اپنی قوم کا قاصد ہوں، اور اپنے دین نصرانیت پر قائم ہوں، اپنے وطن واپس ہونے تک میں کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر ہوں، آپ نے فرمایا، اے تنوخی! میں نے کسریٰ کو خط لکھا تھا، اس نے میرے خط کے پرزے پرزے کر دیئے، پس میرے رب نے اس کی حکومت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، حضور نے فرمایا، میں نے نجاشی کو خط لکھا، اس نے میری دعوت قبول کر لی، پس عزت پائی، نیز آپ نے فرمایا، میں نے ہرقل کو خط بھیجا، جس کا اس نے احترام کیا، پس وہ دنیا والوں کی نظروں میں محترم ہو گیا۔

تنوخی نے کہا ہرقل نے مجھے جن تین باتوں پر خصوصی توجہ کرنے کی ہدایت کی تھی، ان میں سے ایک بات پوری ہو گئی، یعنی آپ نے اپنے سابقہ خط کا ذکر فرمایا، پھر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا، یا رسول اللہ! آپ کے مکتوب گرامی میں ہے، کہ ''جنت آسمانوں اور زمین کے عرض میں ہے'' یا رسول اللہ! پھر دوزخ کہاں ہو گی، آپ نے فرمایا'' سبحان اللہ، یہ تو بتاؤ کہ جب رات آتی ہے

دن کہاں جاتا ہے، "لیل" کے ذکر سے ہرقل کی دوسری بات بھی پوری ہوگئی۔

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہرقل کا خط ملاحظہ فرمایا، اور فرمایا، تنوخی! تم قاصد ہو، حالت سفر میں ہو لیکن ہماری مالی حالت اچھی نہیں ورنہ میں تمہیں انعام و اکرام سے نوازتا، اور تم اپنے وطن واپس جاتے۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب تنوخی جانے لگا تو ایک صحابی نے اسے روکا اور کہا کہ میں تمہیں تحفہ دیتا ہوں، پھر انہوں نے اسے ایک قیمتی لباس دیا، تنوخی نے پوچھا یہ کون صاحب ہیں، بتایا گیا، یہ حضرت عثمان غنی ہیں، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اس مہمان کو کون اپنے ساتھ رکھے گا، ایک انصاری اٹھے اور عرض کی، یا رسول اللہ! آج رات یہ میرا مہمان ہوگا، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تنوخی کو بلایا، اپنی پشت مبارک سے اپنا کرتہ اٹھایا اور فرمایا، تنوخی! دیکھ لو جس کا تمہیں تمہارے بادشاہ نے حکم دیا ہے، تنوخی نے آپ کی مبارک پشت پر مہر نبوت دیکھی اور کہا یہ بادشاہ کی تیسری بات تھی جو پوری ہوگئی، پھر تنوخی ہرقل کے پاس پہنچا اور اس نے جو کچھ سنا اور دیکھا تھا بادشاہ کو بتایا، ہرقل نے ایک مرتبہ پھر اراکین سلطنت اور علماء مملکت کو بلایا اور تمام تفصیل بتاتے ہوئے کہا، کہ میں پھر کہتا ہوں کہ محمد عربی ﷺ کی اطاعت قبول کرلو، لیکن وہ نہ مانے۔

ذوالبجادین کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ عبداللہ ذوالبجادین کا تعلق مزینہ قبیلہ سے تھا، یہ بچہ ہی تھا کہ اس کا باپ فوت ہوگیا، اس کی پرورش اس کے چچا نے کی جو دولت مند تھا، چچا نے اپنے بھتیجے کو خوب نوازا اور دولت مند بنا دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ منورہ تشریف آوری کے وقت ہی اس کے دل میں مسلمان ہونے کا جذبہ بیدار ہوگیا تھا، لیکن اپنے چچا کے خوف سے وہ اسلام قبول کرنے کی ہمت نہ کر پاتا تھا، اسی کشمکش میں ایک عرصہ بیت گیا، فتح مکہ کے بعد عبداللہ سے نہ رہا گیا اور اس نے اپنے چچا سے کہا کہ ایک عرصہ سے میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کے ساتھ ہی اسلام قبول کروں گا، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کا مسلمان ہونے کا ارادہ ہی نہیں، لہٰذا آپ مجھے اجازت دیں کہ میں نبی معظم ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کرلوں اور مشرف باسلام ہو جاؤں، چچا اپنے بھتیجے کی باتیں سن کر سیخ پا ہوگیا، اور بولا، اگر تو نے ایسا کیا تو میں تجھ سے نہ صرف قطع تعلق کرلوں گا بلکہ اپنا دیا ہوا مال و دولت بھی چھین لوں گا، یہاں تک کہ تو جو کپڑے پہنے ہے یہ بھی اتروا لوں گا عبداللہ نے جرأت کے ساتھ جواب دیا، مجھے اس کی پروا نہیں میرے نزدیک ایمان کی دولت سب سے عظیم دولت ہے، اس کے مقابلہ میں ہر چیز ہیچ ہے۔

عبداللہ سے سب کچھ چھین لیا گیا، اس کی ماں نے اپنی ایک چادر دو ٹکڑے کر کے دی جس سے انہوں نے اپنا ستر ڈھانپا، اسی حال میں وہ مسجد نبوی شریف پہنچے، سیدالانبیاء ﷺ کی امامت میں نماز فجر ادا کی، نماز سے فارغ ہو کر آقائے رحمت ﷺ نے عبداللہ کو دیکھا تو پوچھا، تم کون ہو، عبداللہ نے جواب دیا، میرا نام عبدالعزیٰ ہے، آقا ﷺ نے فرمایا "اَنْتَ عَبْدُاللّٰهِ ذُوالْبِجَادَیْنِ" (آج سے) تم عبداللہ ہو اور تمہارا لقب ذوالبجادین ہے، پھر آپ نے عبداللہ کو اہل صفہ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا، جہاں وہ علم حاصل کرتے رہے، صاحب قرآن ﷺ سے انہیں تعلیم قرآن حاصل کرنے کا شرف حاصل ہوا یہ نہایت بلند آواز اور بہترین قاری تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تبوک روانہ ہوئے، تو ذوالبجادین بھی لشکر میں شامل تھے، وہ اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! میرے لئے دعا فرمادیں کہ اللہ مجھے شہادت نصیب فرمادے، آقا ﷺ نے دعا کی "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحَرِّمُ دَمَهٗ عَلَى الْكُفَّارِ" اے اللہ! میں کافروں کے لئے اس کا خون حرام کرتا ہوں، عبداللہ یہ سن کر تڑپ اٹھے عرض کرنے لگے، یارسول اللہ! میں شہادت کے شرف سے محروم ہو گیا، مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، عبداللہ، جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کر رہے ہو گے اسی اثناء میں تم بخار میں مبتلا ہو جاؤ گے اور تمہیں موت آجائے گی تب بھی تم شہید ہو گے، عبداللہ آپ کی زبان حق ترجمان سے یہ مژدہ سن کر مطمئن ہو گئے، چند دن بعد ہی وہ جان لیوا بخار میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت بلال بن حارث المزنی فرماتے ہیں کہ میں ذوالبجادین کی تجہیز و تدفین کے وقت موجود تھا، رات کا وقت ہو گیا، حضرت بلال حبشی نے مشعل روشن کی، آقائے رحمت ﷺ بنفس نفیس عبداللہ کی قبر میں جلوہ افروز ہوئے، حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے نعش کو حضور کے سپرد کیا، آپ نے ان کی تدفین کے بعد دعا کی "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ قَدْ اَمْسَیْتُ عَنْهُ رَاضِیًا فَارْضِ عَنْهُ" اے اللہ! آج شام تک میں اس سے راضی تھا، پس تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ ایمان افروز منظر دیکھا تو کہا: "یا لیتنی کنت صاحب اللحد" اے کاش! میں اس قبر میں دفن ہوتا (واقعی حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ بڑے ہی مقدار والے تھے)۔

سفر تبوک ہی کے دوران اللہ کے رسول ﷺ نے ایلہ کے بادشاہ نیز اہل اذرح سے مصالحت کی اور ان کے لئے امن کی دستاویز تحریر کرائی، جس کے نتیجہ میں یہ لوگ مسلمانوں کو جزیہ ادا کرنے کے پابند بنائے گئے۔

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ سفر جن میں جنگ نہ ہوئی، بے سود اور بیکار نہ تھے بلکہ ان سے بے شمار مذہبی، سیاسی، سماجی اور مالی فوائد حاصل ہوئے، سفر تبوک اور وہاں عرصہ دراز تک قیام بھی بے حد مفید رہا جیسا کہ واقعات مذکورہ بالا اور دیگر واقعات سے واضح ہوتا ہے۔

دمشق روانگی کا ارادہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تبوک چھوڑنے سے پہلے صحابہ کرام سے مشورہ طلب فرمایا کہ ہمیں اسی سفر کے دوران، دمشق کی طرف پیش قدمی کرنا چاہیے یا واپس مدینہ منورہ جانا چاہیے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گزارش کی کہ، یارسول اللہ! دمشق جانے کا حکم، اگر اللہ کی طرف سے ہے تو تعمیل کی جائے، آپ نے فرمایا اگر یہ حکم الٰہی ہوتا تو مشورے کی گنجائش ہی نہ تھی، پس حضرت عمر نے رائے پیش کی، کہ شام میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، نیز مجاہدین کو اپنے گھروں سے نکلے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا ہے، ابھی سفر بھی طویل ہے، لہٰذا مناسب ہوگا کہ ہم واپس مدینہ طیبہ ہی چلیں، کچھ آرام کے بعد، اگر ضرورت ہوئی تو شام کا رخ کیا جائے گا، اسی دوران اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مدینہ طیبہ واپسی کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا، "فِيهَا مَحْيَاكَ وَمَمَاتُكَ وَمِنْهَا تُبْعَثُ" اسی شہر میں آپ کی زندگی بسر ہوگی اور اسی میں آپ کی وفات ہوگی، اور اسی کی مٹی سے آپ کو اٹھایا جائے گا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے تعمیل حکم کی اور مدینہ طیبہ روانگی کا اعلان فرمایا۔

غذا کی قلت

مدینہ منورہ روانگی سے قبل بعض صحابہ نے شکایت کی یارسول اللہ! مسلسل فاقہ کشی کے باعث مجاہدین اس قدر کمزور ہو گئے ہیں کہ ان میں طویل سفر کی ہمت نہیں، بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ صحابہ نے اونٹ ذبح کرنے کی اجازت چاہی تاکہ گوشت کھایا جائے اور چربی سے قدرے تازگی حاصل کر لی جائے، آقائے رحمت ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی، لوگ اپنے اونٹ ذبح کر رہے تھے، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو انہیں روکا اور آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! ہمارے پاس سواری کے جانور پہلے ہی کم ہیں، اگر ان میں سے بھی کچھ ذبح کر لیے گئے تو سفر مزید دشوار ہو جائے گا، ہمارا ایمان ہے کہ اللہ آپ کی دعا ضرور قبول فرماتا ہے، جس کا مشاہدہ ہم حدیبیہ اور دیگر مواقع پر بارہا کر چکے ہیں، پس آپ دعا فرمائیں تو غذا کی قلت ختم ہو سکتی ہے، اپنے محبوب غلام کا یہ مشورہ آقا کو پسند آیا، آپ نے حکم دیا کہ موجودہ اشیاء خوردنی ایک جگہ جمع کر لی جائیں، آپ نے وضو فرمایا، دو نفل ادا کیے اور دست دعا دراز کرتے ہوئے، رب کریم سے دعائے

برکت کی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ دعا سے فارغ ہو کر مستجاب الدعوات ﷺ نے اعلان کرایا، کہ جس کو جتنی اشیاء خوردنی کی ضرورت ہے وہ لے لے، پس لوگوں نے اپنے تھیلے بھرے، برتن بھرے، جس نے جتنا چاہا لیا، خوب لیا، خوب کھایا، ایک صحابی نے بتایا کہ میں نے روٹی کا ایک ٹکڑا اور ایک مٹھی کھجور اس دستر خوان پر رکھی تھی پھر دیکھا تو سامان کا ڈھیر لگا ہوا تھا، پھر میں نے ایک بوری ستو سے اور ایک آٹے سے بھرلی، میں مدینہ طیبہ تک یہ چیزیں استعمال کرتا رہا لیکن میں نے ان میں کمی نہ دیکھی۔

جب عبد مقدس ﷺ نے اپنے معبود حقیقی کے کرم اور ذرہ نوازی کا مشاہدہ کیا تو فرمایا "اشھد ان لا الله الا الله وانی رسول الله "میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ میں اللہ کا رسول ہوں،

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے
بتاؤ اے مفلسو! کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے

مدینہ طیبہ اور جبل احد

حضرات، جابر، انس اور ابو قتادہ رضی اللہ عنہم کی روایت ہے، کہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب ہم مدینہ طیبہ کے قریب پہنچے اور اس کی عمارتیں نظر آنے لگیں تو آقا ﷺ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا: "هٰذِهٖ طَابَةٌ" یہ شہر پاکیزہ ہے، جہاں میرے کریم رب نے مجھے بسایا ہے، یہ شہر اپنے باشندوں سے خبث وگندگی کو اس طرح دور کردیتا ہے جیسے تارکول، لوہے کے زنگ کو دور کردیتا ہے، پھر آپ کی نظر مبارک جبل احد پر پڑی تو آپ نے فرمایا: "هٰذَا اُحُدٌ جَبَلٌ يُحِبُّنَا وَنُحِبُّهٗ" یہ احد ایسا پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

حضرت سائب بن زید رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام تبوک سے واپس تشریف لائے، تو میں بچوں کے ساتھ آپ کے استقبال کے لئے مدینہ منورہ سے باہر ثنیۃ الوداع پہنچا نیز جب اللہ کے رسول ﷺ نے مدینہ منورہ میں قدم رنجہ فرمایا، تو عورتیں، بچے اور بچیاں آپ کے استقبال کے لئے نکل آئے، اور کچھ اپنی چھتوں پر جمع ہو گئے، اور وہ سب وہی اشعار گا رہے تھے، انہوں نے اس وقت گائے تھے جب اللہ کے رسول ﷺ نے پہلی مرتبہ مدینہ کو رونق بخشی تھی۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

معلم کامل صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا (یہ آپ کی سنت ہے) کہ جب بھی آپ سفر سے واپس تشریف لاتے، تو سیدھے مسجد پہنچ کر دو نفل ادا فرماتے آج بھی جب آپ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، تو پہلے مسجد میں تشریف لائے اور دو نفل ادا کیے اور تھوڑی دیر کے لئے بیٹھ گئے، آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کی، یارسول اللہ! میں نے آپ کی مدح میں قصیدہ لکھا ہے، اجازت ہو تو پیش کروں، آپ نے فرمایا: "قُلْ لَا يُفَضِّضِ اللّٰهُ فَاكَ" سناؤ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ کو ہمیشہ سلامت رکھے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے، حضرت عباس نے اپنا کلام پیش کیا، کیسی عجیب روحانی ونورانی محفل تھی کہ سید الانبیاء خود رونق افروز ہیں، اور سامعین، مقدس ہستیاں صحابہ کرام ہیں، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وَاَنْتَ لَمَّا وُلِدْتَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ وَضَاءَتْ بِنُوْرِكَ الْاُفُقُ

یارسول اللہ! جب آپ کی ولادت باسعادت ہوئی تو زمین چمک اٹھی، اور آسمان بھی آپ کے نور سے روشن ہو گئے۔

فَنَحْنُ فِي ذٰلِكَ الضِّيَاءِ وَ فِي النُّوْرِ سُبُلَ الرَّشَادِ نَخْتَرِقُ

اور ہم آپ کے اس ضیاء ونور میں ہدایت کے راستوں کو طے کر رہے ہیں،

وَرَدْتَ نَارَ الْخَلِيْلِ مُكْتَتِمًا فِيْ صُلْبِهٖ وَاَنْتَ كَيْفَ يَحْتَرِقُ

اور آپ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھڑکائی ہوئی آگ میں تشریف لے گئے، ان کی صلب میں آپ کا نور تھا، پس آگ کی کیا مجال تھی کہ ابراہیم خلیل اللہ کو جلا سکے۔

ملاحظہ فرمایا، آپ نے کیسے ایمان افروز اشعار ہیں، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے کس طرح عقیدت ومحبت کا مظاہرہ کیا جا رہا ہے ذکر ولادت ہو رہا ہے، صاحب ولادت، خود اپنا ذکر سماعت فرما رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں، عاشق جھوم رہے ہیں نہ سفر کی تکان کا احساس ہے نہ اہل خانہ کے انتظار کی پرواہ ہے، کہ ذکر ولادت رسول ہی، رب کریم کا شکر ادا کرنے کا کامیاب ترین ذریعہ ہے، کہ پہلے شکر ادا کر لیا جائے پھر اہل وعیال سے ملاقات کا لطف آئے گا، خیال رہے، یہ ماہ ربیع الاول شریف نہیں، ذکر ولادت تو طریقہ شکر ہے، کوئی مہینہ ہو، کوئی دن ہو، کیا جا سکتا ہے، سفر پر روانگی ہو یا سفر سے واپسی، خوشی کا موقع ہو یا غم کا، ہر حال میں محبوب کا ذکر ان کے رب کے شکر کا ذریعہ ہے، صبر وطمانینت کا وسیلہ ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ عمل اور صحابہ کرام کی سنت ہے، الحمد للہ، کہ اہل سنت وجماعت اس پر عامل ہیں۔

دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں وفود کی آمد

عرب کے پیشتر قبائل اسلام کو وقتی وعارضی تحریک سمجھتے تھے اور ان کے خیال میں مسلمان عرب کا کمزور ترین طبقہ تھا جس کو کسی وقت کوئی بھی نیست ونابود کر سکتا تھا، اس لئے ان کے وہم گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ بھی کبھی حلقہ بگوش اسلام ہوں گے، لیکن جوں جوں اسلامی تحریک کا دائرہ بڑھتا گیا اور مسلمانوں کو فتح ونصرت حاصل ہوتی گئی، اسلام کے متعلق ان قبائل کا نظریہ بھی تبدیل ہوتا گیا، حتیٰ کہ اب وہ سوچنے لگے کہ اگر قریش نے اسلام قبول کر لیا تو ہم بھی اپنا دین چھوڑنے اور مسلمان ہونے پر غور کریں گے، بالآخر وہ وقت بھی آ گیا جب مکہ فتح ہوا قریش حلقہ بگوش اسلام ہوئے، کعبہ مشرفہ کی چھت سے ایک حبشی غلام نے اللہ کی وحدانیت اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا اعلان کیا، بتوں اور بت کدوں کو تہس نہس کیا گیا، پھر بنو ثقیف و بنو ہوازن جیسے جنگجو اور ماہرین جنگ قبائل پر غلبہ حاصل ہوا، یہ انقلابی حالات مشرکین وکفار کے لئے غیر متوقع تھے، لہٰذا وہ حیرت زدہ ہو کر ان حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے، جس سے ان کے دلوں میں بھی انقلابی کیفیت پیدا ہو رہی تھی، مزید برآں یہ کہ وہ جب نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ اور دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی خبریں سنتے تو ان پر اسلام کی حقانیت مزید واضح ہوتی چلی جا رہی تھی، انہوں نے لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ کا رحمت بھرا اعلان بھی سنا، جو ان ظالموں کے لئے تھا، جنہوں نے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے اور پریشان کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی، وہ آپ کے خون کے پیاسے ہی نہ تھے بلکہ انہوں نے آپ کے محبوب ترین صحابہ کو قتل کیا، کوئی تصور بھی نہ کر سکتا تھا کہ ایسے بدترین مجرموں کو بھی ان پر غالب آنے والا، ان کے شہر کو فتح کر لینے والا، معاف کر سکتا ہے، لیکن انہیں معاف کیا گیا اور آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس عمل نے دلوں میں انقلاب پیدا کر دیا۔

بہر حال اب وہ تمام شکوک وشبہات دور ہو چکے جن کے سبب قبائل عرب اسلام سے متنفر تھے، لہٰذا عرب کے دور دراز خطوں میں آباد قبائل کے وفود کا تانتا بندھ گیا، اگرچہ ان کی آمد کے مقاصد مختلف تھے، بعض کے دل اسلام کی عداوت سے اب بھی لبریز تھے، بعض قبول حق کا جذبہ لے کر حاضر ہوئے تھے، بعض اپنی الجھنوں اور پریشانیوں کا مداوا تلاش کرنے آئے تھے، تو کوئی اپنی روحانی تسکین کے لئے حاضر ہوا تھا، لیکن آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب کو دعوت حق دی، خوش نصیب کلمہ پڑھ کر آپ کے دامن سے وابستہ ہوئے، جب کہ کچھ اپنے دین پر قائم رہے، انہوں نے ٹیکس کی ادائیگی کا معاہدہ تسلیم

کیا اور جان و مال کی حفاظت کا پروانہ رحمت حاصل کیا۔

نجران کا وفد

دربار رسالت ﷺ میں بکثرت وفود کی حاضری کے سبب ہجرت کا نواں سال ''عام الوفود'' کہلاتا ہے، اس سال جو وفد آئے ان میں سب سے پہلے حاضر ہونے والا، نجران کا وفد تھا۔

نجران مکہ سے یمن کی سمت میں ایک وسیع و عریض علاقہ ہے، اس وقت یہاں تہتر گاؤں آباد تھے جن میں تقریباً ایک لاکھ جنگجو نوجوان موجود تھے، ان دیہاتوں میں موجود لوگ عیسائی مذہب کے پیروکار تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کو بذریعہ مکتوب گرامی دعوت اسلام دی، جب یہ گرامی نامہ وہاں کے پادری کو موصول ہوا، تو وہ اسے پڑھ کر بے حد پریشان ہوا، اس نے مخصوص مشیروں کو طلب کیا تاکہ ان کی رائے لی جائے، ان سے مشورے کے بعد پادری نے ایک مجلس عام کا اہتمام کیا، جس میں فیصلہ کیا گیا کہ مدینہ طیبہ ایک وفد بھیجا جائے، جو محمد عربی (ﷺ) سے گفتگو کے بعد ان کے اس پیغام کی حقانیت اور حقیقت کا اندازہ لگائے، لہٰذا ساٹھ افراد پر مشتمل ایک وفد روانہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا، ان میں چودہ رؤساء اور قبیلوں کے سردار تھے، اور تین افراد وہ شامل تھے جن کے مشوروں کے مطابق ہر مشکل مسئلہ حل کیا جاتا تھا، یہ تینوں نہایت ذی علم، ذی فہم اور ذی عقل سمجھے جاتے تھے، ان میں ایک عبدالمسیح العاقب تھا، جو قوم کا امیر اور مشیر تھا، جس کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کیا جاتا تھا، دوسرا شخص الایہم السید تھا یہ قافلوں کی آمد و رفت اور ان کے قیام و طعام کا منتظم اعلیٰ تھا، تیسرا ابو حارثہ بن علقمہ تھا جو نجران کے تمام باشندوں کا بڑا پادری تھا، مذہبی امور اور دینی مدارس کا ناظم اعلیٰ تھا علم و فضل میں یگانہ روزگار تھا۔

جب نجران کا یہ وفد مدینہ منورہ پہنچا تو انہوں نے نہایت قیمتی اور زرق برق لباس زیب تن کیے، سونے، ہیرے، جواہرات کے زیورات پہنے اور نہایت شان و شوکت اور تکبر و غرور کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے، اس وقت اللہ کے رسول ﷺ نماز عصر سے فارغ ہو کر صحابہ کرام کے ساتھ محو گفتگو تھے، ان لوگوں نے مسجد میں داخل ہو کر اپنی شریعت کے مطابق نماز ادا کی، صحابہ نے دیکھا تو انہیں روکنا چاہا، لیکن نبی رحمت ﷺ نے منع فرمایا، ارشاد ہوا ''انہیں عبادت کرنے دو'' عبادت سے فارغ ہو کر یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کے دربار میں حاضر ہوئے اور سلام عرض کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا، انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا، لیکن آپ خاموش رہے، آپ کے اس طرز عمل پر ان لوگوں کو حیرت ہوئی ان میں کچھ لوگ، تجارتی روابط کے حوالے سے حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے واقف تھے لہٰذا وہ ان دونوں کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے ''ہم دور دراز کا سفر کر

کے، آپ کے نبی سے کچھ باتیں کرنے آئے ہیں لیکن انہوں نے تو ہمارے سلام کا جواب تک نہ دیا، اور نہ ہی وہ ہماری طرف متوجہ ہوئے، ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ان سے معلوم کرو، وہی بتا سکتے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ کے اس رویہ کا کیا سبب ہے، یہ لوگ حضرت علی کی طرف متوجہ ہوئے، جو تمام صحابہ کی نسبت سب سے زیادہ مزاج شناس رسول تھے، پس انہوں نے فرمایا، کہ غریبوں، مسکینوں کے ملجأ و ماویٰ ﷺ کو تمہارا یہ فاخرانہ لباس پسند نہیں، لہٰذا تم اسے تبدیل کرو عام لباس پہنو اور پھر میرے آقا ﷺ کے حضور حاضری دو، وہ تمہاری ہر بات پوری توجہ سے سماعت فرمائیں گے اور جواب بھی دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے مطابق ان لوگوں نے لباس تبدیل کیا اور بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا، آپ نے ان کو سلام کا جواب دینے کے بعد، کچھ آیات قرآنی تلاوت فرمائیں اور انہیں قبول حق کی دعوت دی، جس کا انکار کرتے ہوئے انہوں نے کہا ہم تو آپ کی بعثت سے پہلے ہی اسلام قبول کر چکے ہیں اور دین حق کے پیروکار ہیں، آپ نے فرمایا تم جھوٹ بول رہے ہو، حقیقت یہ ہے کہ تم صلیب کی پوجا کرتے ہو، خنزیر کھاتے ہو اور عقیدہ رکھتے ہو کہ عیسیٰ مسیح اللہ کا بیٹا ہے، جب کہ حق یہ ہے: ''هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهُ اَلْقٰهَا اِلٰى مَرْيَمَ'' حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں، اور وہ اس کلمہ ''کن'' سے پیدا ہوئے جو خالق کائنات نے حضرت مریم میں پھونکا تھا۔

یہ سنتے ہی وہ بھڑک اٹھے اور کہنے لگے، ہم اس وقت تک راضی نہ ہوں گے، جب تک آپ عیسیٰ کو ابن اللہ تسلیم نہ کریں، کیا آپ ہمیں کوئی اور بندہ دکھا سکتے ہیں جس نے مردوں کو زندہ کیا ہو، مادر زاد اندھے یا کسی کوڑھی کو شفایاب کیا ہو یا مٹی سے پرندہ بنا کر اسے اڑایا ہو، یہ کمال صرف عیسیٰ مسیح میں تھے اور اسی لئے ہم انہیں اللہ کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں اور یہی حق ہے۔

رسول برحق ﷺ خاموشی سے ان کی بیہودہ باتیں سنتے رہے، کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی الٰہی لے کر حاضر ہوئے فرمایا گیا:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّاۤ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ

اَلِیۡمٌ ﴿۷۳﴾ (مائدہ)

"بے شک وہ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح بن مریم ہی تو ہے، حالانکہ مسیح نے تو خود کہا تھا اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو، جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، یقیناً جو بھی اللہ کے ساتھ شریک بنائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانہ آگ ہے، اور ظالم کا کوئی مددگار نہیں بے شک وہ کافر ہو گئے، جنہوں نے کہا کہ اللہ تین (خداؤں) میں سے تیسرا ہے، اور کوئی خدا نہیں مگر ایک اللہ اور اگر وہ باز نہ آئے اس سے جو وہ کہہ رہے ہیں، تو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے ضرور پہنچے گا انہیں دردناک عذاب"۔

پھر نجرانی پوچھنے لگے کہ آپ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کہتے ہیں ہمیں ان جیسا کوئی اور بتایئے کہ ہم واپس جا کر اپنی قوم کو بتائیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اس سوال کا جوب کل دیا جائے گا، دوسرے دن وحی نازل ہوئی تو آپ نے انہیں قرآنی آیات سنائیں،

اِنَّ مَثَلَ عِیۡسٰی عِنۡدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنۡ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ ﴿۵۹﴾ اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنۡ مِّنَ الۡمُمۡتَرِیۡنَ ﴿۶۰﴾ (آل عمران)

"بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم جیسی ہے، کہ اسے مٹی سے پیدا فرمایا، پھر فرمایا ہو جا تو وہ ہو گیا، (اے سننے والے) عیسیٰ کا انسان ہونا ہی حق ہے، جو تیرے رب کی طرف سے بیان کیا گیا ہے، پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو"۔

مباہلہ کا چیلنج

اس کے باوجود انہوں نے حق قبول نہ کیا اور اپنی ضد پر اڑے رہے، تو اللہ کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وحی الٰہی کے مطابق انہیں مباہلہ کا چیلنج دیا، ارشاد ہوا،

فَمَنۡ حَآجَّکَ فِیۡہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ فَقُلۡ تَعَالَوۡا نَدۡعُ اَبۡنَآءَنَا وَ اَبۡنَآءَکُمۡ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَکُمۡ وَ اَنۡفُسَنَا وَ اَنۡفُسَکُمۡ ۟ ثُمَّ نَبۡتَہِلۡ فَنَجۡعَلۡ لَّعۡنَتَ اللّٰہِ عَلَی الۡکٰذِبِیۡنَ ﴿۶۱﴾ (آل عمران)

"پس جو شخص اس حق کے بارے میں آپ سے بحث کرے، اس کے بعد (بھی) کہ آپ کے پاس (یقینی) علم آ گیا، تو آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو اور تمہیں بھی پھر عاجزی اور انکساری سے (اللہ کے حضور) دعا کریں، پھر بھیجیں اللہ کی لعنت جھوٹوں پر"۔

مباہلہ کا چیلنج سن کران کے ہوش اڑ گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہنے لگے کہ ہمیں تھوڑی سی مہلت دی جائے تاکہ ہم اس سلسلہ میں باہمی مشورہ کرلیں، آپ نے انہیں مشورہ کی اجازت دی، وہ باہمی مشورے کے لئے بیٹھے، توان میں سے کچھ نے کہا کہ ہم سب کو یقین ہے کہ یہ اللہ کے رسول ہیں اور جولوگ اللہ کے رسول سے مباہلہ کرتے ہیں، یقیناً ان پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے اوروہ عذاب الٰہی میں ہتلا کردیئے جاتے ہیں، لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم ان کی دعوت حق کو قبول کرلیں، ورنہ ان سے صلح کر کے اپنے وطن واپس لوٹ چلیں، دوسرے دن صبح سویرے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اہل بیت، حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین کریمین کے ہمراہ تشریف لائے، جنہیں دیکھ کران کا پادری چیخ اٹھا واللہ مجھے ایسے نورانی چہرے نظر آرہے ہیں کہ اگر وہ، اللہ سے کسی پہاڑ کو ریزہ ریزہ کر دینے کی دعا کریں، تو ان کا رب ضرور ان کی دعا قبول کرے گا، پس میری رائے یہی ہے کہ ان سے مباہلہ نہ کیا جائے، ورنہ ہم ضرور ہلاک ہو جائیں گے، لہٰذا یہ دربار رسالت میں حاضر ہوئے اور مباہلہ کرنے سے انکار کردیا، اور مصالحت کی درخواست پیش کی، جو قبول ہوئی اور طے پایا، کہ اہل نجران مسلمانوں کو بطور جزیہ ایک ہزار جوڑے پوشاک مع چند اوقیہ چاندی ہر سال صفر اور رجب میں ادا کیا کریں گے، جب کہ مسلمان ان کے جان و مال کے محافظ ہوں گے، یہ تحریری معاہدہ تھا جو فریقین کے پاس محفوظ رہا۔

وفد بنوثقیف

آپ پڑھ چکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فتح مکہ کے بعد بارہ ہزار افراد کا لشکر لے کر طائف روانہ ہوئے، جہاں آپ نے ہوازن پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد قلعہ طائف کا محاصرہ کیا لیکن اس وقت یہ فتح نہ ہوسکا، بالآخر آپ نے محاصرہ ختم کرنے کا حکم دیا، اور مدینہ واپسی سے قبل آپ نے طائف کے قلعوں میں محصور بنوثقیف کے لئے دعا کی، "اللھم اھد ثقیفا وائت بھم" اے اللہ! ثقیف کو نور ہدایت عطا فرما اور انہیں میرے پاس لے آ، مستجاب الدعوات ﷺ کی دعا قبول ہوئی اور ابھی ایک ماہ بھی نہ گزرا تھا کہ بنوثقیف کا وفد دربار رسالت میں حاضر ہوگیا۔

پانچ یا انیس افراد پر مشتمل یہ وفد جب مدینہ طیبہ میں داخل ہوا، تو سب سے پہلے اسے مغیرہ بن شعبہ ثقفی نے دیکھا، وہ اپنے آقا کے دربار کی طرف دوڑے تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام کو یہ پرمسرت خبر دینے کا اعزاز حاصل کرلیں، لیکن راستہ میں مغیرہ کی ملاقات حضرت ابوبکر سے ہوگئی، حضرت ابوبکر نے ان سے نہایت محبت اور عاجزی کے ساتھ اجازت چاہی کہ یہ اہم خبر آقا ﷺ تک پہنچانے کا شرف انہیں حاصل کرنے دیں، مغیرہ نے اجازت دی، تو وہ آقا ﷺ کے حضور حاضر ہوئے اور یہ مژدۂ جانفزا پیش کرنے کا اعزاز حاصل کیا، خبر سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نورانی چہرہ خوشی سے

تمتمانے لگا۔

جب یہ وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، تو آقائے کائنات ﷺ نے دلربا مسکراہٹ سے ان کا استقبال کیا، مسجد نبوی شریف کے ایک گوشہ میں ان کی رہائش کے لئے خیمہ لگانے اور ان کے آرام کے لئے دیگر ضروریات مہیا کرنے کا حکم فرمایا، تاکہ یہ لوگ قرآن کریم کی تلاوت سن سکیں اور امام الانبیاء ﷺ کی امامت میں نمازیں ادا کرنے اور مسلمانوں کے درمیان میل ومحبت کے مناظر کو دیکھ سکیں، یہ لوگ روزانہ صبح آقائے رحمت ﷺ کے حضور حاضر ہوتے آپ کی پرکشش گفتگو سنتے اور احکام اسلام سے واقفیت حاصل کرتے تھے۔

بہر حال چند دن قیام کے بعد یہ سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، اس دوران ان کے ایک نوجوان "عثمان بن ابی العاص" نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قرآن کریم پڑھا اور دیگر علوم شرعیہ کی تعلیم حاصل کی، چند دن میں معلم کامل ﷺ کی تعلیم وتربیت اور فیضان صحبت نے عثمان کو ایسا کامل بنا دیا کہ آقا ﷺ نے انہیں حکم دیا "اِذْهَبْ وَاَنْتَ اَمِيْرٌ عَلَيْهِمْ" جاؤ تم قوم کے امیر ہو، نیز انہیں خصوصی ہدایت فرمائی کہ جب تم امامت کرو تو طویل قراءت نہ کرنا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد بنو ثقیف نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کی کہ ہمیں نماز سے مستثنیٰ قرار دیا جائے، آپ نے فرمایا: "لَاخَيْرَ فِيْ دِيْنٍ لَاصَلٰوةَ فِيْهِ" اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہ ہو، پھر وہ کہنے لگے کہ ہمیں زنا، سود اور شراب نوشی سے نہ روکا جائے، حضور علیہ الصلوٰۃ نے ان کی اس بیہودہ درخواست کو بھی مسترد فرماتے ہوئے اظہار ناگواری فرمایا، پھر بھی وہ باز نہ آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے آباء واجداد "لات" کی پوجا کرتے تھے، ہماری قوم کے دلوں میں بھی اس کا بہت احترام ہے، لہٰذا تین سال تک اسے منہدم نہ کیا جائے، لیکن مبلغ توحید ﷺ نے ان کے اس مطالبہ کو بھی تسلیم کرنے سے انکار فرما دیا اور فرمایا، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا، اس کو بھی دوسرے بتوں کی طرح پاش پاش کیا جائے گا۔

بہر حال بنو ثقیف کا یہ وفد طائف پہنچا، چند روز انہوں نے اپنے مسلمان ہو جانے کو خفیہ رکھا جب حالات سازگار ہوئے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اپنی ملاقات اور گفتگو کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا، جس سے قوم میں وقتی طور پر انتشار وافتراق پیدا ہوا، لیکن بالآخر انہوں نے دنیا وآخرت کی بھلائی اسی میں جانی کہ اسلام قبول کر لیا جائے، لہٰذا پورا قبیلہ بنو ثقیف مسلمان ہو گیا، چند روز بعد ہی آقا ﷺ نے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کو طائف روانہ فرمایا، تاکہ وہ دونوں لات اور اس کے صنم کدے کو نیست ونابود کر دیں، ان حضرات نے

آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے طائف سے بت پرستی کا خاتمہ کر کے واپس آگئے،

وفد بنی عامر بن صعصعہ

ہجرت کے نویں سال ہی وفد بنو عامر بھی دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوا، اس وفد میں قبیلہ کے دیگر سرداروں کے علاوہ عامر بن طفیل بھی شامل تھا، جو قبیلہ کا رئیس اعظم تھا، یہ بدنصیب آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے حد نفرت کرتا تھا اور اس کا دل اسلام اور مسلمانوں کی عداوت سے لبریز تھا، جب عکاظ میں تجارتی میلہ لگتا اور اطراف عرب کے لوگ جمع ہوتے تو عامر بن طفیل نام ونمود اور اپنی شہرت کے لئے اعلان کرتا "اگر کسی کو سواری کی ضرورت ہو تو وہ ہمارے پاس آئے ہم اسے سواری فراہم کریں گے، کوئی بھوکا ہو تو ہمارے پاس آئے ہم اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلائیں گے، کوئی دشمن سے خوفزدہ ہو تو ہمارے پاس آئے ہم اس کی مدد کریں گے، یہ بے حد حسین وجمیل بھی تھا اس قدر پرکشش تھا کہ ہر وقت لوگ اس کے گرد جمع رہتے تھے اور یہ خبیث جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مذاق اڑاتا رہتا اور آپ کی بدگوئی کرتا رہتا تھا اور انہیں قتل کر دینے کی سازشیں کرتا رہتا تھا۔

ایک دن عامر نے اپنے دوست اربد سے کہا، ہم محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس چلتے ہیں میں انہیں اپنی باتوں میں لگاؤں گا اور تم موقع پا کر ان کا کام تمام کر دینا، اس کے قبیلہ کے اکثر لوگ اسلام کی طرف مائل ہو چکے تھے، جب انہیں اپنے سردار کی سازش کا پتہ چلا تو انہوں نے کہا، اے عامر! ہم سب مسلمان ہو چکے ہیں تم بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جاؤ، کہ اب اس کے سوا نجات کی کوئی راہ نہیں، اس نے جواب دیا، میں ہرگز مسلمان نہ ہوں گا۔ میں قسم کھا چکا ہوں کہ ساری زندگی اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت کرتا رہوں گا۔

بہر حال بنو عامر کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، عامر بن طفیل نے کچھ اس طرح گفتگو کا آغاز کیا، یا محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مجھے خوشی ہوگی اگر آپ مجھے اپنا صدیق، دوست بنالیں، آپ نے فرمایا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، ہم کسی غیر مسلم کو اپنا دوست نہیں بنا سکتے، وہ اصرار کرتا رہا، کیونکہ وہ بلاضرورت اپنی گفتگو کو طویل کر رہا تھا اور منتظر تھا، کہ اربد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کرے، ادھر اربد نے جب تلوار میان سے نکالنا چاہی تو محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محافظ حقیقی نے دشمن کا ہاتھ شل کر دیا، اور وہ ایک بے جان مجسمہ کی طرح کھڑا کا کھڑا رہ گیا۔

بخاری شریف میں ہے کہ عامر بن طفیل نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں تین تجاویز پیش کیں "اَنْ یَّکُوْنَ لَکَ اَھْلُ السَّھْلِ وَلِیَ اَھْلُ الْوَبَرِ" "صحرائی علاقہ آپ کا اور شہری علاقہ میرا "اَوْ اَکُوْنَ خَلِیْفَتَکَ مِنْ بَعْدِکَ" یا آپ مجھے اپنے بعد اپنا خلیفہ نامزد کر دیں "اَوْ اَغْزُوْ بِغَ

غطفان بِاَلفِ اَشقَرَ وَبِاَلفِ شَقرَاءَ" یا میں غطفان سے ہزار سرخ گھوڑے لاکر آپ سے جنگ کروں گا۔

جب یہ لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار سے باہر آئے، تو عامر نے اربد کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا، اے بزدل! یہ تو نے کیا کیا میں نے تجھے اتنا موقع دیا لیکن تو کچھ نہ کر سکا، اربد بولا، میں ان پر حملہ کرنا چاہتا تھا پہلی مرتبہ جب میں نے ارادہ کیا، تو میں نے اپنے اور ان کے درمیان ایک دیوار دیکھی، پھر دوسری مرتبہ جب میں نے تلوار تانی، تو میں نے تجھے اپنی زد میں پایا، تیسری مرتبہ میں نے ارادہ کیا تو ایک مست اونٹ مجھ پر حملہ کرنے کے لئے لپکا، اور پھر میرا ہاتھ شل ہو گیا، اور میں مجبور ہو کر رہ گیا، عامر! اب بتا میں بزدل ہوں یا محمد (ﷺ) کو کوئی غیبی مدد حاصل ہے۔

جب عامر ناکام و نامراد اپنے قبیلہ کے ساتھ وطن واپس ہوا، تو راستہ ہی میں اس کی اکڑی گردن میں طاعون کی ایک گلٹی نکلی، جس کے سبب وہ سفر کرنے کے قابل نہ رہا، مجبوراً اسے بنو سلول کی ایک عورت کے گھر پناہ لینی پڑی، جو نہایت کنجوس اور بخیل تھی، عامر نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں اس خسیس عورت کے گھر مرنا نہیں چاہتا، میرا گھوڑا لاؤ کہ میں یہاں سے کسی نامعلوم جگہ کی طرف فرار ہو جاؤں، وہ گھوڑے پر بیٹھا ہی تھا کہ گھوڑے نے اس بری طرح اسے زمین پر پٹخا کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا دشمن اسی لمحہ ہلاک ہو گیا۔

اب اربد کا بھی انجام بد ملاحظہ ہو، جب وہ وطن واپس پہنچا اور لوگوں نے اس سے حال پوچھا، تو اس نے بتایا کوئی خاص بات نہیں ہم لوگ اس شخص (ﷺ) کے پاس پہنچے تو اس نے ہمیں، اپنا دین قبول کرنے کی دعوت دی، جو ہم نے مسترد کر دی، اب تو اس شخص سے میں اتنا متنفر ہو چکا ہوں، کہ اگر وہ مجھے کہیں مل جائے تو میں اس کا کام تمام کر کے ہی دم لوں گا، دو دن بیتے کہ یہ خبیث اپنے اونٹ چرانے نکلا، چمک دار دھوپ اور شدید گرمی کے باوجود زبردست بجلی کوندی اور آناً فاناً اس کو جلا بھنا کر کوئلہ کر گئی۔

وفد عبدالقیس

اسی سال قبیلہ عبدالقیس کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، ان میں ایک شخص "جارود" بھی شامل تھا، جو نصرانی تھا اس نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا، میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں، بشرطیکہ آپ میرے گناہوں کی بخشش کی ذمہ داری قبول فرمائیں، شفیع المذنبین ﷺ نے فرمایا "نَعَم اَنَا ضَامِنٌ اَن قَد هَدَاکَ اِلٰی مَا هُوَ خَیرٌ مِنهُ" میں یہ ذمہ داری قبول کرتا ہوں، کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے ہدایت عطا فرمائی اور تو نے وہ دین قبول کر لیا ہے جو تیرے دین سے بہت بہتر ہے پس وہ اور اس کے ساتھی

حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔

وفد عبد القیس کی آمد سے پہلے ایک دن مخبر صادق ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اس سمت سے ایک وفد آنے والا ہے جو مشرق سے آنے والے تمام وفود سے بہتر ہوگا'' پھر آپ نے دعا کی، ''اللھم اغفر لعبد القیس'' اے اللہ! وفد عبد القیس کو بخش دے، یہ سنتے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس وفد کے استقبال کے لئے چل دیئے جس سے راستہ ہی میں آپ کی ملاقات ہو گئی، باختلاف روایت وفد میں شامل افراد کی تعداد تیرہ، بیس یا چالیس تھی، حضرت عمر نے ان سے پوچھا'' مَنِ الْقَوْمِ'' آپ لوگ کس قبیلہ سے ہیں، انہوں نے بتایا'' من بنی عبد القیس'' ہمارا تعلق بنو عبد القیس سے ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عطا کردہ مژدۂ مغفرت سنایا، جسے سن کر وہ لوگ مستی سے جھومنے اور خوش ہونے لگے، حضرت عمر کے ساتھ جب یہ لوگ حاضر بارگاہ ہوئے، تو خوشی سے جھوم رہے تھے اور اپنے آقا ﷺ کے ہاتھوں اور مبارک قدموں کو بوسے دے رہے تھے، غلاموں کی ان اداؤں پر آقا بھی بے حد مسرور نظر آرہے تھے، اس پر مسرت موقع پر آپ نے ارشاد فرمایا: ''مَرْحَبًا بِالْقَوْمِ غَيْرَ خَزَايَا وَلَا نَدَامٰى'' اے قوم! میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں تم کبھی رسوا نہ ہو کبھی شرمندہ نہ ہو۔

وفد کے لوگوں نے آقائے رحمت ﷺ سے گزارش کی، یا رسول اللہ! ہم دور دراز سے آپ کے حضور حاضر خدمت ہوئے ہیں، جب کہ ہماری راہ میں کافر، سرکش قبیلہ مضر کی آبادی ہے، جو ہمارے خون کے پیاسے ہیں، لہٰذا ہم صرف'' اشہر حرم'' ہی میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو سکتے ہیں، یا رسول اللہ! ہمیں کچھ احکام عطا ہوں، جن کی ہم بھی تعمیل کریں اور اپنی قوم کو بھی تعلیم دیں، آپ نے فرمایا،'' یہ گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نیز نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھا کرو اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ ادا کیا کرو، نیز آپ نے فرمایا:'' وَاَنْهَاكُمْ عَنْ اَرْبَعٍ عَنِ الدُّبَّآءِ وَالْحَنْتَمِ وَالنَّقِيْرِ وَالْمُزَفَّتِ'' اور میں چار چیزوں سے منع کرتا ہوں، دبآء، حنتم، نقیر اور مزفت سے یہ چاروں مختلف قسم کے برتن تھے، جن میں یہ لوگ شراب بنایا کرتے تھے، ان کی تشریح یہ ہے:

اَلدُّبَّآء، کدو کا گودا نکال کر اس کی جلد کو خشک کر لیا گیا ہو۔

اَلْحَنْتَمْ، وہ گھڑا جس پر سبز رنگ کا لیپ کر دیا جائے تاکہ مسام بند ہو جائیں اور شراب اچھی طرح سڑ سکے۔

نقیر، وہ گھڑا جو درخت کے تنے کو کھود کر بنایا گیا ہو۔

مزفّت، وہ گھڑا جس پر تارکول کا لیپ کیا گیا ہو۔

ان برتنوں میں جو شراب بنائی اور رکھی جائے وہ بہ نسبت دوسری شراب کے زیادہ لذیذ اور زیادہ نشہ آور ہوتی ہے، جب حرمت شراب کا حکم نازل ہوا، تو ان برتنوں کا استعمال بھی ممنوع قرار دے دیا گیا، تا کہ ان کی وجہ سے مسلمانوں میں شراب پینے کا شوق پیدا نہ ہونے پائے، لیکن جب اس حکم کی پابندی، عادت بن گئی اور لوگ پوری طرح شراب سے متنفر ہو گئے تو ان برتنوں کا استعمال جائز قرار دے دیا گیا۔

وفد بنی حنیفہ

قبیلہ بنی حنیفہ، نجد کے ایک حصہ یمامہ میں آباد تھا، یہی قبیلہ ہے جس کے سردار مسیلمہ کذاب نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا، اس قبیلہ کے سترہ افراد پر مشتمل ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، جس میں مسیلمہ کذاب بھی شامل تھا، اس وقت آقائے رحمت ﷺ اپنے غلاموں کے درمیان رونق افروز تھے، آپ کے دست اقدس میں کھجور کی ایک شاخ تھی۔

جب مسیلمہ دربار میں حاضر ہوا، تو سیاسی لوگوں کی طرح، اقتدار کے بٹوارے کی باتیں کرنے لگا، وہ نبوت کو اقتدار کا ذریعہ اور اعلیٰ منصب سمجھتا تھا، کہنے لگا آپ مجھے اپنی نبوت میں شریک کر لیجئے میرا پورا قبیلہ آپ کے پرچم تلے جمع ہو جائے گا، جس سے آپ کی قوت وطاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گا اور آپ بآسانی پورے عرب پر غالب آسکیں گے، اللہ کے سچے نبی ﷺ نے اس احمق کو جواب دیتے ہوئے فرمایا، مسیلمہ! نبوت تو ایک عظیم منصب ومقام ہے اگر تو مجھ سے یہ بوسیدہ لکڑی بھی مانگے تو میں تجھے ہرگز نہ دوں گا۔

مدینہ طیبہ حاضر ہونے سے پہلے مسیلمہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک خط بھی بھیج چکا تھا، جس میں لکھا تھا: ''فَاِنِّیۡ قَدۡ اُشۡرِکۡتُ فِی الۡاَمۡرِ مَعَکَ وَاِنَّ لَنَا نِصۡفَ الۡاَمۡرِ وَلَیۡسَ قُرَیۡشٌ قَوۡمًا یَعۡدِلُوۡنَ'' مجھے نبوت میں آپ کا شریک کر دیا گیا، پس آدھا حصہ ہمارا ہو گا اور قریش ایسا قبیلہ ہے جو عدل وانصاف نہیں کرتا۔

اللہ کے رسول ﷺ نے اس لایعنی اور بیہودہ خط کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا: اِنَّ الۡاَرۡضَ لِلّٰہِ ۟ۙ یُوۡرِثُہَا مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَ الۡعَاقِبَۃُ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۲۸﴾ زمین کا مالک صرف اللہ ہے، وہی جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اس کا وارث بنا دیتا ہے اور متقین ہی کے لئے بہترین انجام ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسیلمہ کے قاصدوں کو مکتوب گرامی دیتے ہوئے فرمایا میری شریعت میں قاصدوں کو قتل کرنا ممنوع نہ ہوتا تو میں تم دونوں کو قتل کرا دیتا، پس تم یہ خط لو میری نظروں

سے دور ہو جاؤ۔

اس کے باوجود بھی مسیلمہ جب بارگاہ رسالت سے واپس اپنے وطن پہنچا تو اس نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر دیا، اس نے لوگوں کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے شرعی احکام میں تحریف کی، نمازیں معاف کر دیں، شراب اور زنا کو حلال کر دیا، ان پرکشش مراعات کے سبب قبیلہ کے عیاش و بدمعاش نوجوان، مرد و عورت مسیلمہ کے گرد جمع ہو گئے۔

خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عظیم کارناموں میں ایک کارنامہ مسیلمہ کذاب کو ہلاک کرنا ہے، کہ جو لشکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یمامہ روانگی کے لئے تیار کیا تھا، حضرت ابو بکر نے ناسازگار حالات کی پروا کیے بغیر اس لشکر کو روانہ فرمایا، جنگ یمامہ ہوئی، اگرچہ مسلمانوں کو بڑا نقصان برداشت کرنا پڑا، لیکن تحفظ ختم نبوت کے لئے یہ ایک معمولی قربانی تھی، بہر حال مسیلمہ بڑی ہی ذلت و خواری کی حالت میں مارا گیا، جس کو قتل کرنے کا شرف حضرت حمزہ کے قاتل حضرت وحشی کو حاصل ہوا، جو مشرف باسلام ہونے کے بعد ہمیشہ دعا کیا کرتے تھے کہ اے اللہ! مجھے توفیق دے کہ میں اسلام اور مسلمانوں کے کسی ایسے دشمن کو ہلاک کر سکوں جو حضرت حمزہ کو شہید کرنے کا کفارہ بن سکے۔

وفد بنی طے

اسی سال قبیلہ بنی طے کا وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، جس کا قائد بنی طے کا سردار، زید الخیل تھا، زید کے پاس نہایت اعلیٰ نسل کے بے حد خوب صورت پانچ گھوڑے تھے، اس لئے اس کے نام کے ساتھ الخیل لگا ہوا تھا، یہ خود بھی نہایت، سخی، با اخلاق، بہترین خطیب و شاعر تھا، دراز قد اتنا تھا، کہ اپنے سب سے اونچے گھوڑے پر بیٹھتا تو اس کے پیر زمین پر گھسٹتے رہتے تھے۔

زید نے بارگاہ رسالت میں عرض کی، یا رسول اللہ! زید الخیل حاضر ہے اور اعلان کرتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ اللہ کے رسول برحق ہیں، آقا ﷺ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا، ”تم زید الخیل نہیں بلکہ زید الخیر ہو، نیز آپ نے ان کے ساتھیوں کو بھی دعوت اسلام دی پورے وفد نے اور اس کی وساطت سے پورے قبیلہ نے اسلام قبول کیا۔

حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ”عرب کے رؤساء میں سے جن لوگوں کی میرے سامنے تعریف کی گئی، ملاقات کے بعد میں نے انہیں ویسا کم ہی پایا، لیکن زید الخیر کے متعلق مجھے جو کچھ بتایا گیا، ملاقات کے وقت میں نے انہیں ان تعریفوں سے بہت زیادہ قابل تعریف پایا“۔

مدینہ منورہ سے واپسی کے وقت آقائے رحمت ﷺ نے، اس وفد کو بطور ہدیہ محبت، پانچ، پانچ اوقیہ چاندی عطا فرمائی جب کہ زید الخیر کو بارہ اوقیہ کا تحفہ عطا ہوا، نیز انہیں دو جاگیریں بھی عنایت

فرمائی گئیں۔

دیگر وفود

نو ہجری عام الوفود ہے، ہر روز آقا ﷺ کی بارگاہ میں کئی کئی وفود حاضر ہوتے تھے، اہل سیر نے جن وفود کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے چند کا حال آپ نے ملاحظہ فرمایا، باقی وفود کے ناموں پر ہم اکتفاء کرتے ہیں، جو یہ ہیں:

وفد عدی بن حاتم الطائی، وفد عروۃ المرادی، وفد بنی زبید، وفد کندہ، وفد ازدشنوءہ، وفد حارث بن کعب، وفد رفاعہ بن زید، وفد ہمدان، وفد تجیب، وفد بن ثعلبہ، وفد بنی سعد ندیم، وفد سلامان، وفد غامہ، وفد ازد، وفد النخع، وفد بن اسقع، وفد اشعریون، وفد دوس، وفد مزینہ، وفد فزارہ، وفد بن عذرہ، وفد بلی، وفد خولان، وفد محارب، وفد صداء، وفد طارق بن عبداللہ، وفد غسان، وفد بنی عبث، وفد رہاہیین۔

عبداللہ بن ابی کی ہلاکت

آپ پڑھ چکے ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ منورہ تشریف آوری سے قبل، عبداللہ بن ابی کو اہل مدینہ نہایت اہمیت دیتے، اس کا بے حد احترام کرتے اور اس کے مشوروں پر عمل کیا کرتے تھے، حتیٰ کہ انہوں نے عبداللہ کو اپنا سردار منتخب کر لیا تھا، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد ہی کے دور میں اس کی تاج پوشی کا اہتمام کیا جا رہا تھا، سونے، جواہرات کا قیمتی تاج بنایا جا رہا تھا اور تقریب تاج پوشی کے انتظامات کیے جا رہے تھے، جونہی، یثرب، مدینہ بنا اور افق مدینہ پر آفتاب نبوت چمکا، اہل مدینہ انصار رسول ہو گئے، نور نبوت سے اپنے قلوب کو منور کرنے لگے ان کی آنکھیں کھل گئیں، اللہ نے ان پر بڑا ہی کرم فرمایا کہ انہیں ہدایت عطا فرمائی، انہوں نے آقائے کائنات جان عالم ﷺ کی غلامی کا طوق اپنی گردنوں میں ڈال کر اپنے آپ کو کفر و شرک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آزاد کر لیا، پس عبداللہ بن ابی کی آرزوئیں دل ہی دل میں مچل کر رہ گئیں اور اب یہ رئیس اہل مدینہ کی بجائے رئیس المنافقین بن گیا، اس نے اور اس کی ٹولی نے محض اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے کلمہ تو پڑھ لیا، لیکن یہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت دشمن ہو گئے، آپ نے تفصیل سے مطالعہ کیا ہے، کہ یہ منافقین اپنے رئیس کی قیادت میں کس کس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف سازشیں کیا کرتے تھے، نیز انہوں نے کیسے کیسے نازک موقعوں پر مسلمانوں کو دھوکہ دیا، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان کے قتل عام کا حکم نہ دیا، جب کہ آپ کے لئے ایسا کرنا بالکل آسان تھا، صرف اس لئے کہ مسلمانوں پر ان کو جو بظاہر انہی کے تھے، مارنے اور دہشت گردی کرنے کا الزام عائد نہ کیا جائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا، کہ جب عبداللہ بن ابی مرض موت میں تھا، تو ایک روز آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے، اس نے آپ سے گزارش کی کہ آپ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھائیں، نیز اپنی مبارک قمیص عنایت فرمائیں جس میں اسے دفن کیا جائے، آپ نے اس کی دونوں باتیں قبول فرمائیں اسے اپنا ایک نیا پیراہن مبارک بھیجا جسے عبداللہ نے واپس کرتے ہوئے کہلایا، کہ مجھے آپ کے جسد اطہر سے اتری ہوئی قمیص چاہیے، آپ اپنے جسم مبارک سے پیراہن مبارک اتار کر روانہ فرمانے لگے، تو حضرت عمر خاموش نہ رہ سکے، عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! آپ ایسے گندے اور ناپاک شخص کو اپنا پاکیزہ کرتہ عنایت نہ فرمائیں، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر اور دیگر غلاموں کے اطمینان کے لئے فرمایا: "اِنَّ قَمِیْصِیْ لَا یُغْنِیْ عَنْهُ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا فَلَعَلَّ اللّٰهُ اَنْ یُّدْخِلَ بِهٖ اَلْفًا فِی الْاِسْلَامِ" میری یہ قمیص اس منافق کو کوئی نفع نہ پہنچائے گی جب کہ اس کے دینے میں یہ حکمت ہے کہ میرے اس عمل کے سبب اللہ تعالیٰ ہزاروں لوگوں کو مشرف بہ اسلام کردے گا۔

منافق کرتہ کی نسبت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا، جب کہ رسول اور اس کی ہر چیز سے نسبت یقیناً باعث نجات ہے، لیکن اس کے لئے ایمان کامل شرط ہے، کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و صحبت اہل ایمان ہی کو صحابیت کا اعلیٰ منصب عطا فرماتی ہے، تاہم کرتہ چاہئے منافق کو دیا جائے یا کافر کو، ضرور بابرکت ہے کہ اس کی برکت سے ہزاروں غیر مسلم مسلم ہو سکتے ہیں، کہ دشمن کے ساتھ اچھا برتاؤ، دشمن کو متاثر کرے یا نہ کرے، دوسرے پر ضرور اس کا اچھا اثر ہو کر رہتا ہے۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا، وہ ہو کر ہی رہا کہ جب آپ کا پیراہن مبارک عبداللہ کو ملا تو اس وقت سیکڑوں منافق اس کے گرد جمع تھے انہوں نے اپنے سردار کو دیکھا کہ وہ مرتے دم اس کی پناہ لے رہا ہے، جس کی عداوت میں اس نے ساری زندگی برباد کردی، نیز انہوں نے اس پیکر خلق کا اخلاق دیکھا کہ وہ اپنے بدترین دشمن کو کس طرح نواز رہے ہیں، پس انہیں ہوش آگیا، ان کی آنکھیں کھل گئیں، اور وہ اس فیصلہ پر مجبور ہو گئے کہ مرنے سے پہلے ہی اس آقا کے دامن سے وابستہ ہو جانا چاہیے تاکہ موت کے وقت ہمیں اپنے سردار کی طرح شرمندہ نہ ہونا پڑے، پس وہ دربار رحمت کی طرف دوڑے صرف ایک دن میں ایک ہزار سے زیادہ منافق حلقہ بگوش اسلام ہو گئے"۔

بخاری شریف کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں "وَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تُصَلِّیْ عَلَیْهِ وَقَدْ قَالَ فِیْ یَوْمِ کَذَا وَکَذَا وَقَالَ فِیْ یَوْمِ کَذَا وَکَذَا" میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! آپ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھانا چاہتے ہیں جس نے آپ کے متعلق فلاں فلاں

یہ بکواس کی اور فلاں دن ایسا ایسا کہا، پس رحیم وکریم آقا ﷺ نے فرمایا ''دَعْنِیْ یَا عُمَرُ'' اے عمر! یہ باتیں چھوڑو، ''فَاِنَّ بَیْنَ خَیْرَتَیْنِ وَلَوْ اَعْلَمُ اَنِّیْ اِنْ زِدْتُ عَلَی السَّبْعِیْنَ غُفِرَ لَهٗ لَزِدْتُ'' مغفرت طلب کرنے یا نہ کرنے کا مجھے اختیار ہے، اگر میں یہ جانتا کہ میرے ستر مرتبہ سے زیادہ مغفرت چاہنے سے اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا، تو میں ایسا ہی کرتا۔ اس کے فوراً بعد وحی الٰہی نازل ہوئی:

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ (توبہ)

''ان میں سے جو مر جائے، کسی پر نماز جنازہ نہ پڑھو کبھی بھی اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہو، بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور وہ حالت فسق میں مرے ہیں''۔

پس صاحب شریعت ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے بعد نہ تو کسی منافق کی نماز جنازہ پڑھائی اور نہ ہی کبھی کسی منافق کی قبر پر جا کر اس کے لئے دعائے مغفرت کی، کہ آپ سے زیادہ اللہ کے احکام کی تعمیل کرنے والا اور کون ہو سکتا ہے، عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ کے وقت تک آپ کو منافقین کے لئے طلب مغفرت کرنے یا کرنے کا اختیار تھا پس آپ نے بمقتضائے رحمت اس کو اپنا پیرہن مبارک بھی عطا فرمایا اور اس کی نماز جنازہ بھی پڑھائی جس کی حکمت بھی آپ نے بیان فرمائی، اور اس پر حکمت عمل کا نتیجہ بھی سامنے آیا، لہٰذا آپ کے اس عمل پر کسی قسم کا اعتراض صرف جہالت ہی کے سبب کیا جا سکتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کا پہلا حج

فتح مکہ کے بعد حج فرض ہوا، لہٰذا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نو ہجری میں اسلامی احکام کے مطابق حج کی ادائیگی کے لئے دو سو افراد پر مشتمل پہلا وفد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مکہ مکرمہ روانہ فرمایا، وفد کی روانگی کے بعد ہی، سورۂ براءت یعنی سورۃ توبہ نازل ہوئی جس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو مسجد حرام میں داخل ہونے کی ممانعت فرمائی اور جو معاہدے مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان تھے وہ کالعدم قرار دیئے گئے، سورۂ مبارکہ میں واضح اعلان فرمایا گیا:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۸﴾ (توبہ)

''اے ایمان والو! مشرکین ناپاک ہیں، پس وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ ہونے پائیں اور اگر تم تنگ دستی کا اندیشہ کرو، تو اللہ تعالیٰ اگر چاہے گا تو تمہیں اپنے فضل و

کرم سے غنی کردے گا بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا بڑا دانا ہے''۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَن يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ﴿۲۹﴾ (توبہ)

''ان لوگوں سے جنگ کرو، جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے، اور نہ قیامت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور حرام نہیں سمجھتے جسے اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے، اور نہ وہ قبول کرتے ہیں سچے دین کو ان لوگوں میں سے جنہیں کتاب دی گئی ہے (انہیں قتل کرو) یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں، اور وہ مغلوب ہو جائیں''۔

اس سورۂ مبارکہ میں اسی قسم کی متعدد واضح آیات ہیں جو اہل ایمان کو ظلم وستم، شر و فساد اور دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے، مشرکین و کفار اور یہود و نصاریٰ سے قتال کا حکم دیتی ہیں، آیات بالا سے متعلق تفصیلات اور ان وضاحت کے لئے مطالعہ کیجئے 'یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'، ج2، مقالہ 52 کا۔

چونکہ سورۂ مبارکہ کے مضامین میں خصوصیت کے ساتھ کفار و مشرکین سے براءت اور حج کے احکام شامل ہیں جن کے اعلان کے لئے موزوں ترین وقت حج کا دن ہی تھا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، انہیں اپنی اونٹنی عطا کی مکہ جانے کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ حج کے دن جب لوگ میدان عرفات میں جمع ہو جائیں تو یہ سورت پڑھ کر سنا دینا۔

ادھر حضرت ابوبکر مقام عرج پر نماز فجر کے لئے مصلے پر تشریف لائے ہی تھے، کہ آپ نے اونٹنی کے بلبلانے کی آواز سنی، تو ابوبکر نے کہا ٹھہرو، شاید آقا ﷺ تشریف لے آئے، کہ یہ آواز آپ ہی کی اونٹنی کی ہے، اور جب حضرت ابوبکر نے اپنے سامنے حضرت علی کو آتے دیکھا، تو اظہار خوشی کے بعد فرمایا ''امیر او مامور'' اے علی! آپ کو قافلہ کا امیر بنا کر بھیجا گیا ہے، یا آپ دیگر افراد کی طرح مامور ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا ''بل مامور'' میں مامور ہی ہوں، پس حضرت ابوبکر نے نماز فجر پڑھائی اور حضرت علی نے دیگر عام لوگوں کی طرح اقتداء کی۔

حق امامت

شرعاً صرف امیر کو حاصل ہے، لہٰذا حضرت ابوبکر نے حضرت علی سے پہلا سوال یہی کیا کہ کیا آپ امیر بنائے گئے ہیں اور مجھے معزول کر دیا گیا، اگر ایسا ہے تو میں مصلے سے ہٹ جاتا ہوں آپ تشریف لائیں اور امامت فرمائیں، لیکن حضرت علی نے جواب دیا کہ میں مامور ہوں ایک عام آدمی ہوں، پس

حضرت ابوبکر مطمئن ہو گئے اور امامت فرمائی۔

بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو ذمہ داری سونپ کر روانہ کیا گیا، آپ نے اس کو پورا کیا، عرفات میں حضرت ابوبکر کے خطبۂ حج کے بعد آپ نے سورۂ براءت کی تلاوت کی، نیز حضرت ابوبکر دیگر مقامات پر خطبات دیتے رہے اور حضرت علی سورۂ توبہ کی تلاوت کرتے رہے، اس طرح اس سورۃ میں جو احکام نازل ہوئے، وہ تیزی اور آسانی سے عرب اور اطراف میں پھیل گئے۔

فتح مکہ کے بعد نو ہجری کے حالات وواقعات سے اندازہ ہوتا ہے، کہ وہ قبیلے، قومیں اور افراد جو کسی بھی حال میں اسلام قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھے، حتیٰ کہ فتح مکہ اور قریش کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی وہ اسی غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ اسلام کو بآسانی مٹایا اور مسلمانوں کو نیست ونابود کیا جا سکتا ہے، کچھ قبیلے اب بھی مدینہ پر حملہ کرنے کے خواب دیکھا کرتے تھے، لیکن نو ہجری کے حالات یہ یقین کر لینے کے لئے کافی ہیں کہ اب نور اسلام پھیل چکا ہے، کفر وشرک کی تاریکی چھٹ چکی ہے، اور اہل ایمان کی ایمانی قوت کے سامنے ہر قسم کی مادی وظاہری طاقتیں ہیچ ہیں، کمزور ہیں اور مغلوب ہیں، پس اکثر نے اس نور سے اپنے قلوب کو منور کیا، ہدایت پائی، مسلمان ہو گئے، عزت وعظمت قدم بوس ہوئی، اور جنہوں نے اسلام قبول نہ کیا لیکن اس کی حقانیت اس کے غلبہ وحکومت کو تسلیم کر لیا اور جزیہ (ٹیکس) ادا کرنے پر رضامند ہو گئے، انہوں نے امان پائی، امن وسکون کی زندگی کی ضمانت پائی، جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت پائی۔

اسلام پیغام امن ہے، شریعت اسلامیہ کے احکام، پرسکون وپراطمینان زندگی کے ضامن ہیں، اسلام قانون رحمت ہے، جس سے اپنے بھی فیض یاب ہوتے ہیں اور غیر بھی۔

فصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

ایلاء وتخییر

9 ہجری کا ایک واقعہ، ایلاء وتخییر بھی ہے، جس کا تعلق براہ راست آقائے کائنات ﷺ کی عائلی زندگی سے ہے، اس عنوان پر ہم نے اپنی کتاب "یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا" کی دوسری جلد میں تفصیلی اور مفید گفتگو کی ہے، جو ہدیہ قارئین ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَھَا فَتَعَالَیْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا ﴿۲۸﴾ وَاِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ

اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا (۲۹) (احزاب)

''اے نبی مکرم! آپ فرما دیجئے، اپنی بیویوں سے اگر تم چاہتی ہو دنیا کی زندگی اور اس کی آسائش و آرائش، تو آؤ تمہیں مال و متاع دے دوں اور پھر تمہیں رخصت کر دوں بڑی خوبصورتی کے ساتھ، اور اگر تم چاہتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور دار آخرت کو تو بے شک اللہ نے تیار کر رکھا ہے تم میں سے نیکو کاروں کے لئے اجر عظیم''۔

یہ واقعہ ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیویوں اور ہماری ماؤں کا کہ جن کی زندگی کے شب و روز نہایت عسرت اور تنگی میں بسر ہوتے تھے، نہ پہننے کے لئے اچھا لباس میسر تھا، نہ آرائش و آسائش کا دیگر سامان، کئی کئی وقت کھانے کو کچھ نہ ملتا تھا، چولہا تک نہ جلتا تھا، میری مائیں پھر بھی صابر و شاکر تھیں، ان کے لئے یہ اعزاز کیا کم تھا، کہ وہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج اور امت کی مائیں کہلاتی تھیں، لیکن گاہے بگاہے، انسانی فطرت نہ چاہتے ہوئے بھی، مادی و ظاہری ساز و سامان کی طرف اسے مائل کر ہی دیتی ہے، پس ہوا یہ کہ مسلمانوں کی مسلسل فتوحات کے نتیجہ میں، مال و زر، زمین و زن، سب کچھ ہی، وافر مقدار میں، مسلمانوں کو بطور مال غنیمت میسر آیا، اور ان کے گھروں کی حالت بدل گئی، لوازمات زندگی بھی، ان کو حاصل ہونے لگے، کھانے پینے کی بھی ارزانی ہو گئی، وہ خوش لباس بھی ہو گئے، لیکن اللہ کے خزانے تقسیم کرنے والے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں کوئی تبدیلی نہ آئی، وہی کھجوروں یا جو کی روٹی پر گزارہ ہوتا رہا، وہی پھٹا پرانا لباس زیب تن رہا، وہی ٹاٹ و چٹائی کا بستر آرام گاہ رہا، امہات المومنین، اس صورت حال پر باہم گفتگو کرنے لگیں، پس ایک دن آقائے نعمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگیں، یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم دیکھئے اب تو ہمارے غلام بھی خوشحال زندگی بسر کر رہے ہیں اور ہم حسب سابق فاقہ مست ہی ہیں، نہ اچھا کھانا میسر ہے، نہ ہی اچھا لباس تن پر ہے کیا ہی اچھا ہو، کہ آپ ہم پر بھی اپنے خزانہ رحمت کا دروازہ وا فرما دیں، کہ ہمیں بھی کچھ آسائش میسر آ جائے، کہ ہم تو اس شہنشاہ کی حرم ہیں جو اللہ کے خزانوں کا مالک ہے۔

واضح رہے کہ ہماری اکثر ماؤں کا تعلق دولت مند گھرانوں سے تھا، جہاں انہوں نے نہایت ناز و نعم سے پرورش پائی تھی، مثلاً حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا، رئیس مکہ ابوسفیان کی بیٹی تھیں، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا، قبیلہ بنی المصطلق کے سردار اعظم حارث بن ضرار کی بیٹی تھیں، حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا، بنو نضیر اور خیبر کے رئیس اعظم حی بن اخطب کی نور نظر تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، جن کا شمار مکہ کے بڑے تاجروں میں ہوتا تھا، حضرت حفصہ

رضی اللہ عنہا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، جو مکہ کے رئیسوں میں سے ایک تھے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی خاندان قریش کے متمول گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، لیکن کاشانۂ نبوت میں آ کر ان سب نے نہایت سادگی اور صبر وقناعت کی زندگی بسر کی، اب جب انہوں نے دیکھا کہ ہر طرف دولت کی فراوانی ہے، خوشحالی ہے، تو انہیں بھی اچھے دن گزارنے کی خواہش ہوئی، انہوں نے بھی چاہا کہ ان کے جسموں پر اچھا لباس ہو، ان کے گھروں میں پابندی سے دو وقت کھانا پکے، لہٰذا وہ آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں قدرے وسعت وفراخی کا مطالبہ کر بیٹھیں۔

غور کیا جائے تو یہ مطالبہ بے جا نہ تھا، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زہد وتقویٰ اور قناعت پسند مزاج کے خلاف تھا کہ آپ تو قیامت تک آنے والے قائدین اور حکام کے لئے زہد وقناعت کا نمونہ پیش کرنا چاہتے تھے، اور اپنی عملی زندگی سے انہیں یہ پیغام دینا چاہتے تھے، کہ امت مسلمہ کے حاکموں اور قائدین کی گھریلو زندگی نہایت سادہ اور پر قناعت ہونا چاہیے، کہ ان کے گھروں میں کھانا ہو یا نہ ہو، لیکن امت کا کوئی فرد بھوکا نہ رہے، وہ خود عسرت وتنگی کی زندگی بسر کریں، لیکن امت خوشحال نظر آنی چاہیے۔

بہر حال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طبیعت پر اپنی چہیتی ازواج کا مطالبہ گراں گزرا اور آپ نے اس پر اظہار ناراضگی کے طور پر ایک مہینہ کا ''ایلاء'' فرمایا، یعنی یہ قسم کھالی کہ میں ایک مہینہ تک اپنی ازواج میں سے کسی کے قریب نہ آؤں گا، ایک ماہ تک آپ گوشہ نشین رہے، اور آپ کا حال یہ تھا کہ آپ صرف نماز کے لئے تشریف لاتے اور کسی سے بات کیے بغیر واپس تشریف لے جاتے، اس کیفیت نے صحابہ کرام میں اضطراب اور بے چینی پیدا کر دی، کہ جن غلاموں کی زندگی کا دارومدار ہی آقا کی مسکراہٹ پر ہو، ان کا بے تاب ہونا فطری امر تھا، صحابہ کو خیال ہوا کہ شاید حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی تمام ازواج کو طلاق دے دی ہے، لہٰذا ماؤں کے دروازوں پر پروانوں کا ہجوم ہونے لگا، یہ جاننے کے لئے کہ اصل ماجرا کیا ہے، اور ماؤں کی طرف سے کوئی تسلی بخش جواب نہ ملنے پر مزید بے چینی پیدا ہوگئی، صحابہ میں سے کسی کی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بھی ہمت نہ تھی کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہو کر حقیقت حال معلوم کر سکیں، حزن وملال کی اس کیفیت نے صحابہ کرام کے چہروں کو زرد کر دیا تھا، ان کے گھروں میں کھانا پکنا بند ہو گیا، بازاروں کی چہل پہل ختم ہو گئی، مرد، عورت، بچے سب ہی آبدیدہ نظر آتے تھے، پورے مدینہ پر رنج وغم کے بادل چھائے ہوئے تھے، بالآخر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا، اور انہوں نے سرکار کے دربار میں حاضری کا فیصلہ کر لیا، پس

ایک نماز سے فارغ ہو کر وہ سرکار کے پیچھے پیچھے ہو لئے، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حجرۂ مبارک میں تشریف لے گئے اور آپ نے عمر کی طرف توجہ تک نہ فرمائی، آقا ﷺ کی اس بے رخی نے عمر کے دل کو کیسا گھائل کیا ہوگا، یہ تو وہی جانیں، لیکن امت کا غم دور کرنے کے لئے انہوں نے ہمت نہ ہاری اور دربار رسول کے دربان حضرت رباح رضی اللہ عنہ سے کہا کہ سرکار سے گزارش کرو کہ عمر حاضر ہونا چاہتا ہے، وہ اندر گئے اور واپس آ کر بتایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کا پیغام پہنچایا لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا، تھوڑی دیر کے بعد حضرت عمر نے رباح سے کہا کہ اب جاؤ اور اطلاع کرو رباح پھر گئے اور واپس آ کر وہی خبر دی، کوئی جواب نہ ملا، اب عمر کی بے تابی قابو میں نہ رہی، اور انہوں نے قدرے بلند آواز سے کہا، کہ میرے لئے حاضری کی اجازت طلب کرو، خدا کی قسم میں اپنی بیٹی حفصہ کی سفارش کے لئے نہیں آیا، اگر حضور علیہ الصلوٰ والسلام اس سے ناراض ہیں تو میں اس کا سر قلم کر دوں گا، اس آواز پر دریائے رحمت جوش میں آیا اور عمر کو حاضری کی اجازت مل گئی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ جب میں سرکار کے دربار میں حاضر ہوا تو آپ کا حال دیکھ کر میرا دل بھر آیا، میری آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں، میں نے دیکھا کہ آپ ایک کھردری چارپائی پر رونق افروز ہیں، جس کے بانوں کے نشانات سے آپ کا جسم مبارک سرخ ہو گیا ہے، کھانے کے لئے ایک طرف تھوڑے سے جو رکھے ہوئے تھے، پینے کے لئے ایک مشکیزے میں تھوڑا سا پانی تھا، سرکار نے میری طرف نظر اٹھائی اور پوچھا، عمر روتے کیوں ہو؟ میں نے عرض کی، یارسول اللہ! اس سے بڑھ کر رونے کا اور کون سا موقع ہوگا، کہ قیصر و کسریٰ جو اللہ کے دشمن ہیں، نعمتوں میں مست آسائش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اور آپ جو اللہ کے محبوب ہیں، اس کے خزانوں کے مالک ہیں، جن کے صدقہ میں غلاموں کو بے شمار نعمتیں میسر ہیں، اس حال میں ہیں، آپ نے فرمایا، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ کو دنیا اور ہمیں آخرت ملے، پس میں خاموش ہو گیا، پھر میں نے آپ کا دل بہلانے کے لئے کچھ اور باتیں کیں، یہاں تک کہ میں نے آپ کے لبوں پر مسکراہٹ دیکھی، تو ہمت بندھی اور پوچھا، یارسول اللہ! کیا آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دے دی ہے، آپ نے فرمایا نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے جوش مسرت سے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور گزارش کی، یا رسول اللہ! باہر غلام غمزدہ جمع ہیں اگر اجازت ہو تو میں یہ خوشخبری انہیں بھی سنا دوں، آپ نے اجازت مرحمت فرمائی اور میں دوڑا آیا اور سب کو بتایا کہ طلاق کی خبر غلط ہے، میرے آقا ﷺ نے کسی بیوی کو طلاق نہیں دی، صحابہ مسرت سے آپس میں گلے ملنے لگے اور حزن و ملال کے بادل چھٹ گئے ان کے پژمردہ چہرے چمک اٹھے۔

بہرحال ایک مہینہ کے باقی ایام کسی نہ کسی طرح گزرے اور قسم پوری ہونے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف لائے تو آیت ''تخییر'' (آیت مذکورہ) نازل ہوئی، جس کے بعد آپ سب سے پہلے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور یہ آیت سنا کر فرمایا، عائشہ! اس کے جواب میں جلدی نہ کرنا، اپنے والدین سے مشورے کے بعد جواب دینا (کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نہیں چاہتے تھے کہ عائشہ، عورتوں کی عادت کے مطابق جلدی کریں اور کوئی غلط جواب دے بیٹھیں جس کے نتیجہ میں آپ کو ہمیشہ کے لئے عائشہ سے علیحدہ ہونا پڑے، حضرت عائشہ نے جلدی تو کی لیکن سمجھ دار تھیں، لہٰذا نہایت ایمان افروز جواب دیا) انہوں نے کہا، ''فَفِیْ اَیِّ هٰذَا اِسْتَامِرُ اَبَوَیَّ فَاِنِّیْ اُرِیْدُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ'' کیا ایسے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں، تو میں اللہ، اس کے رسول اور آخرت کے دن کو پسند کرتی ہوں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، آپ کا یہ جواب سن کر خوش اور مطمئن ہوئے، پھر آپ علیحدہ علیحدہ سب ازواج مطہرات کی طرف تشریف لے گئے، اور آپ نے سب کو آیت تخییر سنا کر اختیار دیا، اور سب نے بلا تامل وہی جواب دیا جو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔

بہرحال معلم شریعت ﷺ کی حیات طیبہ کا یہ ایک اہم واقعہ ہے جو یہ جان لینے کے لئے کافی ہے، کہ ہماری ماؤں کے نزدیک اللہ، اس کے رسول اور دار آخرت سے بہتر کوئی چیز نہ تھی، ان کے مقابلہ پر دنیا کے عیش و آرام کی کوئی حیثیت نہ تھی، نیز معلوم ہوا کہ اگر بیوی شوہر کے ساتھ رہنا پسند نہ کرے تو دین داری کا تقاضا یہی ہے کہ اسے اس کی مرضی کے مطابق آزاد کر دیا جائے۔

مدنی زندگی

ہجرت کا دسواں سال

حجۃ الوداع

ہجرت کا دسواں سال

بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں وفود کی آمد کا سلسلہ اس سال بھی جاری رہا، علاوہ ازیں مبلغ اعظم ﷺ نے تبلیغ اسلام کے دائرے کو مزید وسیع فرمایا، حضرت خالد بن ولید کو صحابہ کی ایک جماعت کے ہمراہ تبلیغ دین کے لئے نجران روانہ کیا گیا، انہوں نے اپنے ساتھیوں کو چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں تقسیم کیا اور نجران کے مختلف علاقوں کی طرف روانہ کیا، ان حضرات نے دعوت اسلام دی تو ان علاقوں میں آباد سب نصرانیوں نے اسلام قبول کر لیا، حضرت خالد کچھ عرصہ وہاں مقیم رہے اور لوگوں کو قرآن کریم اور احکام شرع کی تعلیم دیتے رہے، انہوں نے آقا ﷺ کو اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ بھیجی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں تحریر فرمایا" کہ لوگوں کو اللہ کی رحمت کا مژدہ سناؤ اور انہیں اللہ کی نافرمانی سے ڈراؤ" جب واپس آؤ تو اپنے ہمراہ ان لوگوں کا ایک وفد بھی لے کر آنا، حضرت خالد، آقا ﷺ کی ہدایت کے مطابق مدینہ طیبہ واپس آئے تو اپنے ہمراہ نومسلموں کا ایک وفد بھی لائے، معلم کامل ﷺ نے ان لوگوں کو مزید احکام دین کی تعلیم دی، اور قیس بن حسین کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔

معاذ بن جبل کی روانگی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ستر انصار کی اس خوش نصیب جماعت میں سے ایک تھے جنہوں نے عقبہ میں بیعت کا شرف حاصل کیا، آپ کا تعلق قبیلہ خزرج سے تھا، مشرف باسلام ہونے کے وقت

آپ کی عمر اٹھارہ برس تھی، تمام غزوات میں شرکت کا اعزاز بھی نصیب تھا، بہترین قاری تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ”قرآن سیکھو، ابن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم مولیٰ ابی حذیفہ سے“ رضی اللہ عنہم، حضرت معاذ، عہدِ رسالت میں فتویٰ بھی دیا کرتے تھے، سیرت وصورت کے لحاظ سے پیکر حسن و جمال تھے، سخاوت وفیاضی کے سبب ہمیشہ مقروض رہتے تھے کہ ضرورت مندوں کی مدد کرتے تھے، جس کے لئے اکثر قرض لیا کرتے تھے۔

بروایت بخاری شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، معاذ! عنقریب تمہاری ملاقات اہل کتاب سے ہوگی، پس تم انہیں، اللہ کی وحدانیت اور میری رسالت کی گواہی کی دعوت دینا، اور جب وہ اسلام قبول کرلیں تو انہیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے، جو دولت مندوں سے لے کر غریبوں میں تقسیم کی جاتی ہے، معاذ! جب تم ان سے زکوٰۃ وصول کرنے لگو تو ان کے بہترین جانور مت لینا، نیز مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کہ مظلوم کی بددعا اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی حجاب نہیں۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ جب یمن کے لئے روانہ ہوئے تو آقائے کائنات ﷺ اس مبلغ کو الوداع کرنے بنفس نفیس مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لائے، اس وقت مبلغ اپنی اونٹنی پر سوار تھا، جب کہ معلم کائنات ﷺ پیدل چل رہے تھے اور پند ونصائح کرتے جارہے تھے، آخر میں آپ نے فرمایا اے معاذ! شاید اب تم میری زیارت سے مشرف نہ ہوسکو اور تمہارا گزر میری مسجد اور قبر سے ہو، یہ غم ناک خبر سن کر حضرت معاذ رونے لگے، لیکن تعمیل حکم کرنا تھی لہٰذا وہ یمن روانہ ہوگئے، اور جب مدینہ طیبہ واپس آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا، آپ نے چند روز مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر شام چلے گئے وہیں آپ کا وصال ہوا۔

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمۃ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرتے ہوئے فرمایا، معاذ! جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہوگا تو تم کس طرح فیصلہ کرو گے، حضرت معاذ عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! اللہ کی کتاب کے مطابق، آپ نے پوچھا اگر کتاب اللہ میں اس کے متعلق کچھ نہ مل سکے تو پھر، عرض کی اللہ کے رسول کے ارشاد کے مطابق، فرمایا اگر حدیث میں بھی اس کا جواب نہ ملے تو پھر، عرض کی میں جواب تلاش کرنے کی پوری کوشش کروں گا اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَفَّقَ رَسُوْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ بِمَا یَرْضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ“ اللہ کا شکر ہے جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہوتا ہے۔

حجۃ الوداع

حجۃ الوداع سیرت مبارکہ کا عظیم ترین واقعہ ہے، جو در حقیقت عروج وغلبۂ اسلام کا عملی اعلان تھا، خاتم الانبیاء ﷺ اور اہل ایمان کی دائمی و ابدی کامیابی کا عظیم مظاہرہ تھا، اس دن اللہ رب العزت جل مجدہ نے اسلام کے دین کامل ہونے، اپنی نعمتوں کے اتمام اور اسلام سے اپنی رضا کا اعلان فرمایا، لہٰذا اسے حجۃ التمام کہا جاتا ہے، اس دن مبلغ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، تبلیغ اسلام کا حق ادا کر دینے پر اپنے غلاموں کو گواہ بنایا، لہٰذا یہ دن حجۃ البلاغ کہلایا، اسی دن معلم کامل ﷺ نے امت مسلمہ کو بنیادی طور پر جملہ احکام شرع کی تعلیم دی، لہٰذا اس دن کو حجۃ الاسلام بھی کہتے ہیں، نیز اسی موقع پر مخبر صادق ﷺ نے اپنے جابجا خطبات مبارکہ میں صراحت سے، اپنے سفر آخرت کی خبر دی اور بتایا کہ اجتماعی طور پر یہ تم سے میری آخری ملاقات ہے، آئندہ ایسا موقع میسر نہ آسکے گا، اس لئے یہ عظیم واقعہ حجۃ الوداع کے نام سے مشہور و معروف ہے، آیئے اس مبارک حج کا قدرے تفصیل سے مطالعہ کریں، بالخصوص اس اہم ترین خطبہ پر غور کریں جو خطیب اعظم، مبلغ اعظم اور معلم اکمل ﷺ نے عرفات میں جبل نور سے دیا، جس کی صدا اس دن بھی گونجی اور آج تک گونج رہی ہے، قیامت تک گونجتی رہے گی۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ہجرت کے بعد چار عمرے کیے اور صرف ایک حج کیا، پہلا عمرہ، عمرۃ القضاء تھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب حدیبیہ میں کفار نے روک دیا اور عمرہ نہ کرنے دیا تو آپ نے یہ عمرۂ قضاء ذی القعدہ میں کیا، پھر آپ نے دو عمرے کیے یہ بھی ذی القعدہ میں ہی ادا کیے، اور آخری عمرہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر تھا، جو ذی الحجہ میں تھا۔

اعلان حج

تئیس سال کی مسلسل محنت و مشقت اور نشیب و فراز کے بعد بحمد اللہ وقت آگیا، کہ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ[1] کا ایسا عملی مظاہرہ ہو جسے دیکھ کر اپنوں کا ایمان تازہ ہو جائے، جوش ایمان میں اضافہ ہو جائے، نیز معلم شریعت ﷺ سے حج جیسی مشکل عبادت کی تعلیم و تربیت حاصل کی جائے، پس اللہ کے رسول ﷺ نے اعلان حج کرایا جس کی صدا اطراف عرب تک پہنچی، عرب اور بیرون عرب کی آبادیاں اس صدا سے گونج اٹھیں جسے بھی خبر ملی کہ اس سال سید الانبیاء ﷺ بنفس نفیس حج کے لئے تشریف لے جا رہے ہیں، وہ جھوم اٹھا اور اپنے آقا ﷺ کی قیادت میں حج کی تیاریاں کرنے لگا، آقائے کائنات، آقائے رحمت ﷺ کی قیادت میں اللہ کے گھر کا طواف اور حج کے دیگر ارکان کی ادائیگی کا موقع میسر آنا، غلاموں کے لئے کوئی معمولی اعزاز نہ تھا، اس پر جتنا ہی فخر کیا جائے کم ہے،

رب کا کتنا ہی شکر ادا کیا جائے، کم ہی ہے۔

جوں جوں حج کا مہینہ قریب آتا گیا، پروانے شمع کے گرد جمع ہوتے گئے وہ اطراف مدینہ منورہ اور دور دراز علاقوں سے جھومتے مستانہ دار، مدینہ طیبہ پہنچ رہے تھے، دیکھتے ہی دیکھتے آقا کا شہر غلاموں سے بھر گیا، گلی کوچوں میں رونق ہوگئی بازاروں میں خرید و فروخت بڑھ گئی، میدانوں میں عاشقوں کے قیام کے لئے خیمہ لگ گئے، اہل خیر کو زائرین کی میزبانی کا موقع ہاتھ آیا، بڑے ہی مضطربانہ انتظار کے بعد مکہ روانگی کا وقت قریب آیا، ذی قعدہ کی پچیس تاریخ ہفتہ کا دن ہے، اذان ظہر کی آواز گونجی، عشاق، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز ادا کرنے کے لئے دوڑے چلے آرہے ہیں، عجب منظر ہے ہر ایک کا چہرہ کھلا ہوا پر مسرت نظر آرہا ہے، حتیٰ کہ اللہ کی نورانی مخلوق ملائکہ بھی اس خوشی میں شامل ہیں، جنات بھی آج اپنے مقدر پر نازاں و فرحاں ہیں، آج کے سجدوں کا لطف وہی جانے جسے ان سجدوں کا موقع میسر آیا، واقعی یہ سجدہ کرنے والے بڑے ہی خوش نصیب تھے، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے روانگی سے قبل غسل سفر کیا، قافلہ عشاق، محبوب کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں مدینہ منورہ سے نکل کر ذوالحلیفہ پہنچا جہاں قیام کا حکم دیا گیا، سفر کا آغاز ہو چکا تھا، لہٰذا نماز عصر قصر ادا کی گئی، مغرب و عشاء یہیں ادا کی گئیں، رات کو یہیں آرام کیا گیا اور صبح نماز فجر ادا کی گئی، ذوالحلیفہ میں قیام ہی کے دوران، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے، محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی، ذوالحلیفہ ہی مدینہ سے عمرہ و حج کا سفر کرنے والوں کے لئے میقات ہے، معلم شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر سے پہلے احرام کا غسل فرمایا، سر مبارک میں تیل لگایا، خوشبو لگائی، احرام کی دو چادریں زیب تن فرمائیں، نماز ظہر کے بعد دوگانہ احرام ادا کیا اور با آواز بلند تلبیہ کہا:

لبیک اللهم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک صحابہ کرام بھی آپ کے عمل کے مطابق احرام باندھ چکے تھے، جونہی انہوں نے اپنے آقا کی صدائے لبیک سنی، سب تلبیہ کہنے لگے، جس سے سارے دشت و جبل اور صحرا گونجنے لگے، وحوش و طیور، شجر و حجر سب ہی جھوم اٹھے، کہ آج سے پہلے ایسی صدا نہ کسی نے سنی اور نہ ہی تا قیامت سنی جا سکے گی، بلاشبہ تلبیہ تو آج بھی حاجی کہتے ہیں، **لبیک اللھم لبیک** کی صدائیں آج بھی گونجتی ہیں لیکن ہماری صداؤں اور ان کی صداؤں میں زمین و آسمان جیسا فرق ہے، کہ اس وقت غلاموں کی صداؤں میں آقا کی صدا کا رس گھلا ہوا تھا، جو تلبیہ کی قبولیت کی ضمانت تھی، جب کہ ہمیں تو اپنے ارکان حج اور دیگر عبادات کی قبولیت کا بھی پتہ نہیں، اے اللہ بطفیل قائد حجۃ الوداع ہمارے عمروں، حجوں اور عبادتوں کو قبول فرما۔

مکہ مکرمہ میں داخلہ

اللہ کے رسول ﷺ "قصویٰ" پر سوار ہوئے، آپ کی قیادت میں عشاق کا جم غفیر تہلیل و تسبیح کرتا ہوا مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا سات یا آٹھ دن کی مسافت طے کرنے کے بعد قدسیوں کا یہ قافلہ غروب آفتاب کے وقت مکہ سے قریب مقام ذی طویٰ پہنچا، جہاں آپ نے رات بسر کرنے کا حکم فرمایا تا کہ تکان دور ہو جائے اور تر و تازہ ہو کر اللہ کے گھر کا طواف اور سعی ہو سکے نماز فجر ذی طویٰ میں ادا کی گئی، پھر آپ نے غسل فرمایا اور مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ہجرت کا دسواں سال ماہ ذی الحجہ کی چار تاریخ اور اتوار کا دن ہے، اللہ کے گھر کو اللہ کی وحدانیت اور عبادت کے لئے مخصوص کرنے والے، مشرکین اور ان کی مشرکانہ رسوم سے ہمیشہ کے لئے پاک کرنے والے آقا ﷺ اور آپ کے غلام، پیکر و عجز انکساری بنے اپنے مقدر پر فخر کرتے اللہ کے حضور حاضر ہوئے، جب کعبہ مشرف پر نظر پڑی تو اس طرح دعا کی "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ، اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَ تَعْظِیْمًا وَتَکْرِیْمًا وَ مَهَابَةً" اے اللہ! تو ہی سلام ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے، اے ہمارے رب! ہمیں سلامتی کے ساتھ زندہ رکھ، اے اللہ! اس گھر کے شرف، عزت، تکریم اور شان و شوکت میں اضافہ فرما۔

اللہ کے رسول ﷺ اور سب صحابہ نے طواف کیا سعی کی اور عمرے سے فارغ ہو گئے، چونکہ آقا ﷺ نے حج قران کی نیت کی تھی لہٰذا آپ نے احرام نہ کھولا، اور جن غلاموں نے تمتع کی نیت کی تھی انہوں نے آپ کی اجازت سے احرام کھول دیا۔

ارکان حج کی ادائیگی

آٹھ ذی الحجہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ ہی میں قیام فرمایا اور غلاموں کو ارکان حج اور احکام حج کی تعلیم دیتے رہے، آٹھ تاریخ کو ارکان حج کا آغاز ہوا، آپ مع صحابہ کرام منیٰ روانہ ہوئے اور منیٰ کا میدان تسبیح و تہلیل اور لبیک کی صداؤں سے گونج اٹھا، پہاڑیوں، وادیوں اور نشیب و فراز ہر جگہ انسان ہی انسان نظر آ رہے تھے، اللہ و رسول کے اطاعت شعار انسان جن کا ظاہر و باطن ایمان کی روشنی سے چمک رہا تھا جن پر انوار و رحمت کی برکھا برس رہی تھی اور وہ ہر لحہ اللہ کی عبادت میں مصروف تھے۔

9 ذی الحجہ بعد فجر یہ قافلۂ قدسیاں عرفات کی طرف رواں دواں ہوا، میدان عرفات میں بھی تکبیر تہلیل و تسبیح اور تلبیہ کی صداؤں سے گونج اٹھا، یہاں خاتم الانبیاء ﷺ نے وہ تاریخی خطبہ دیا، جو خطبہ الوداع کہلاتا ہے، اس خطبہ مبارکہ میں معلم کامل ﷺ نے احکام اسلام کو نہایت وضاحت سے

بیان فرمایا اور زمانہ جاہلیت کی جملہ رسوم کی ہمیشہ کے لئے نفی فرمائی نیز مرد وعورت اور دیگر کے حقوق کو
بیان فرمایا، دہشت گردی، چوری، ڈاکہ اور ظلم وجبر کے خاتمہ کے لئے جہاد مسلسل کا اعلان فرمایا اور
امت مسلمہ کو وصیت فرمائی کہ وہ اللہ ورسول کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کرے، کہ اسی میں عزت
ہے، عافیت ہے یہی کامیابی وکامرانی کا ذریعہ ہے، جب تک وہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں
گے ہرگز ناکام ونامراد یا گمراہ نہ ہوں گے، اس خطبہ کی اہمیت کے پیش نظر اس کے کچھ اقتباسات ہم
اگلے صفحات پر پیش کریں گے۔

آقائے مستجاب الدعوات ﷺ نے میدان عرفات میں امت مسلمہ کے لئے نہایت عجز
انکساری سے دعا مانگی جب سورج غروب ہوگیا اور تاریکی پھیل گئی تو آپ مزدلفہ کے لئے روانہ ہوئے
حضرت اسامہ بن زید آقا ﷺ کے پیچھے اونٹنی پر بیٹھے لوگوں کو بار بار تاکید کر رہے تھے، "اَیُّهَا النَّاس
عَلَیْكُمْ بِالسَّكِیْنَةِ" لوگو! سکون واطمینان کے ساتھ چلو، لبیک کی صدائیں گونج رہی تھیں اور غلا
جھومتے، فرحاں وشاداں مزدلفہ کی طرف رواں دواں تھے، مزدلفہ پہنچ کر ایک اذان اور دو اقامت کے
ساتھ مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کی گئیں، صبح اول وقت میں فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد یہ قافلہ منی
کی طرف روانہ ہوا، راستہ میں وادی محسر آئی، جہاں اللہ تعالیٰ نے ابرہہ کے لشکر کو ابابیل کے ذریعہ
ہلاک کیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، یہ مقام عذاب ہے، یہاں کوئی نہ رکے، یہاں سے
سب تیزی سے نکل جائیں، حکم کی تعمیل ہوئی، طلوع آفتاب سے قبل قافلہ منیٰ پہنچ گیا، معلم شریعت
ﷺ نے حکم دیا کہ رمی سورج نکلنے کے بعد کی جائے، لہٰذا سب نے جمرۂ عقبہ کی رمی طلوع آفتاب
کے بعد کی اس کے ساتھ تلبیہ کا ورد بھی ختم ہوگیا اور تکبیر وتہلیل کی آوازیں گونجتی رہیں، منیٰ پہنچ کر آپ نے
دوسرا خطبہ دیا تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد نے خطیب اعظم ﷺ کی آواز کو بلا تکلیف سنا حتیٰ کہ ان لوگوں
نے بھی سنا جو دور دراز اپنے گھروں میں بیٹھے تھے۔

خطبہ سے فارغ ہو کر اللہ کے رسول ﷺ قربان گاہ تشریف لائے، آپ اپنے ہمراہ قربانی کے
لئے سو اونٹ لائے تھے آپ نے اپنے دست مبارک سے تریسٹھ اونٹ ذبح فرمائے کہ اس وقت آپ
کی عمر شریف تریسٹھ برس کی تھی، بقیہ سینتیس اونٹ ذبح کرنے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم ملا حضرت
علی نے تعمیل کی، یہ حضرت علی کے اعزازات میں سے ایک بڑا اعزاز تھا، قربانی کے بعد آقا ﷺ نے
حکم دیا، کہ گوشت، چمڑا، رسی وغیرہ سب سامان غرباء ومساکین میں تقسیم کردیا جائے، قربانی کے گوشت
وغیرہ سے ذبح کرنے والوں کو اجرت نہ دی جائے، صرف کھانے کے لئے حسب ضرورت گوشت
لیا جائے، آپ نے ازواج مطہرات کی طرف سے ایک گائے ذبح فرمائی۔

آقائے کائنات ﷺ کے قریب پانچ پانچ اونٹ لائے جا رہے تھے، اونٹ دوڑ کر اپنے آقا کے حضور پہنچتا، اپنی گردن جھکاتا اور حضور ﷺ بآسانی اسے ذبح کر دیتے تھے۔

حلق اور موہائے مبارک

قربانی سے فارغ ہو کر حلق کرنے کے لئے معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کو طلب کیا گیا، صحابہ کرام کے لئے یہ وقت نہایت اہم تھا، کہ کچھ دیر بعد انہیں عظیم ترین دولت میسر آنے والی تھی، عظیم ترین دولت یعنی آقا ﷺ کے موہائے مبارک، اس عظیم دولت کے حصول کے لئے، غلام جھولیاں پھیلائے آقا کے گرد جمع تھے، معمر بن عبداللہ استرا لئے، اپنے آقا ﷺ کے قریب کھڑے ہوئے، حکم ملنے کا انتظار کر رہے تھے، یہ لمحہ ان کے لئے بھی بڑا ہی قیمتی اور قابل فخر تھا، کہ انہیں اپنے آقا کا حلاق بننے کا اعزاز ملنے والا تھا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے دائیں جانب اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، معمر! یہاں سے حلق کی ابتداء کرو دائیں جانب کا حلق ہو چکا تو آپ نے معمر کو اشارے سے روکا اور بال تقسیم کرنے کا حکم دیا، کسی کو دو کسی کو چار اور کسی کو ایک ہی مبارک بال میسر آیا، لیکن سب ہی اس نعمت عظمٰی کے میسر آنے پر خوش تھے کمی زیادتی کا خیال ہی نہ تھا، صرف اپنے مقدر پر ناز تھا۔

اب آقا ﷺ نے بائیں جانب کے بال صاف کرنے کا حکم دیا اور حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو طلب فرما کر حکم دیا "اَقْسِمْهُ بَيْنَ النَّاسِ" ابوطلحہ! ان بالوں کو تم لوگوں میں تقسیم کر دو، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے معمر سے گزارش کی کہ مجھے آقا ﷺ کی پیشانی کے بال دے دو، معمر نے خالد کو یہ قیمتی تحفہ عنایت کیا، یہی موئے مبارک تھے جنہیں حضرت خالد نے اپنی ٹوپی میں رکھا ہوا تھا، اور انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ حضرت خالد کو فتح اور دشمن پر غلبہ عطا فرمایا، یرموک میں دوران جنگ آپ کی ٹوپی گر گئی، اس وقت آپ سواری سے اترے ٹوپی اٹھا کر پہنی اور دوبارہ سوار ہو کر مصروف جنگ ہو گئے، کسی نے کہا خالد! آپ نہایت آزمودہ کار جرنیل ہیں، صرف ٹوپی کی خاطر آپ نے اتنی بڑی غلطی کی کہ دوران جنگ آپ سواری سے نیچے آ گئے، سوچئے اگر دشمن موقع پا کر آپ پر حملہ کر دیتا تو مسلمانوں کا کتنا عظیم نقصان ہو سکتا تھا، حضرت خالد نے بتایا کہ یہ عام ٹوپی نہیں یہ مجھے اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے "فَلَمْ اَشْهَدْ قِتَالاً وَهِيَ مَعِي اِلَّا رُزِقْتُ النَّصْرَ" جب بھی یہ ٹوپی پہن کر میں نے جنگ کی، اللہ تعالیٰ نے میری مدد فرمائی ہے کیونکہ اس میں میرے آقا ﷺ کی پیشانی کے موئے مبارک ہیں، جو عظیم نعمت ہیں، بڑی ہی برکت والے ہیں۔

اس موقع پر ذرا ٹھہریئے، اور صحابہ کرام کے عشق اور آقا ﷺ سے غلاموں کی محبت کا اندازہ کرتے چلئے، کہ یہی عشق و محبت جان ایمان اور اصل ایمان ہے، اس سلسلہ میں آپ نے حضرت خالد

بن ولید رضی اللہ عنہ کا عقیدہ وایمان تو ملاحظہ فرمایا، اب چند دیگر صحابہ کا عشق بھی ملاحظہ ہو۔

حضرت ابن سیرین تابعی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ سے کہا، کہ میرے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند مبارک بال ہیں جو ہمیں حضرت انس یا اہل انس سے ملے ہیں، حضرت عبیدہ نے کہا، بخدا! آقا ﷺ کا ایک موئے مبارک بھی میرے نزدیک عظیم دولت اور دنیا و مافیہا سے بڑھ کر ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ میں میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حلق کراتے دیکھا جب کہ صحابہ کرام آپ کے گرد حلقہ بنائے کھڑے تھے اور آپ کے مقدس بالوں کے حصول کے لئے بے چین تھے۔

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک بال تھے، جسے آپ نے بحفاظت ایک شیشی میں نہایت احترام و تعظیم سے رکھا ہوا تھا، نظر بد اور دیگر امراض میں مبتلا لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو ہماری ماں اس شیشی کو پانی میں رکھتیں اور پانی مریض کو پلا دیتی تھیں جس کی برکت سے اللہ شفا عطا فرما دیتا تھا،

حضرت ثابت بنانی رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بوقت وصال مجھ سے فرمایا، کہ میرے پاس آقا ﷺ کا ایک مبارک بال ہے، میری تدفین سے پہلے تم اسے میری زبان کے نیچے رکھ دینا، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے میری مغفرت فرمائے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب آیا، تو انہوں نے وصیت کی کہ میرے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے موئے مبارک اور مقدس ناخن ہیں، وہ میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں پس ان کی وصیت پر عمل کیا گیا۔

بہر حال صحابہ کرام اپنے آقا ﷺ کے موہائے مبارک کا بے حد احترام کرتے تھے، انہیں فتح و نصرت کے حصول کا یقینی وسیلہ جانتے تھے، بیماریوں سے شفا کا ذریعہ یقین کرتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بابرکت مقاصد کے حصول کے لئے متعدد بار ان مقدس بالوں کو اپنے غلاموں میں تقسیم فرمایا اور صحابہ نے ان سے خوب برکتیں حاصل کیں، کبھی کسی نے کوئی اعتراض نہ کیا، یہ مقدس بال خوش نصیب امتیوں کو اپنے اسلاف سے ملے، جو آج تک ان کے پاس محفوظ ہیں، وہ اپنے آقا کی مرضی اور صحابہ کرام کی سنت کے مطابق ان بالوں سے برکت حاصل کرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے ان کے سامنے کھڑے ہو کر آقا کے دربار میں صلوٰۃ وسلام پیش کرتے، آج بھی ان بالوں کی برکت سے بیماروں کو شفا حاصل ہوتی ہے، آفات و بلیات دفع ہوتی ہیں، رزق میں فراخی ہوتی ہے، میرے

آقا ﷺ کا یہ معجزہ ہے کہ ان بالوں میں قوت نمو ہے سنا ہے ہر سو برس بعد ایک بال میں دوسرا بال نمودار ہوتا ہے۔

ماہ شق گشتہ کی صورت دیکھو کانپ کر مہر کی رجعت دیکھو
مصطفےٰ پیارے کی قدرت دیکھو کیسے اعجاز ہوا کرتے ہیں

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ الہ وصحبہ اجمعین

آقا ﷺ کی اتباع کرتے ہوئے اکثر غلاموں نے حلق کرایا، جب کہ بعض نے قصر کرایا، اس موقع پر آپ نے فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِیْنَ'' اے اللہ! سر منڈانے والوں کی بخشش فرما آپ نے تین مرتبہ یہی دعا کی، صحابہ نے عرض کی، یا رسول اللہ! بال ترشوانے والوں کے لئے بھی دعا فرمائیں، پس آپ نے ایک مرتبہ دعا کی، ''اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُقَصِّرِیْنَ'' اللہ! بال ترشوانے والوں کی بھی مغفرت فرمادے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حلق سے فارغ ہو کر احرام کھولا، غسل فرمایا، خوشبو لگائی اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو گئے پھر آپ نے عبداللہ بن حذافہ کو طلب فرما کر حکم دیا کہ منیٰ میں اعلان کر دو ''اِنَّھَا اَیَّامُ اَکْلٍ وَ شُرْبٍ وَ ذِکْرِ اللّٰہِ'' یہ کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں، پھر مکہ مکرمہ تشریف لائے اور طواف افاضہ سے فارغ ہو کر منیٰ واپس آ گئے، اور رمی جمرات کا عمل مکمل فرمایا۔

سورۃ النصر کا نزول

منیٰ ہی میں گیارہ ذی الحجہ کو سورۃ النصر نازل ہوئی، جس سے آقا ﷺ کو معلوم ہو گیا کہ اب اس دنیائے فانی سے میرے رخصت ہونے کا وقت قریب آ گیا، پس آپ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر مجمع صحابہ میں تشریف لائے، اور ایک طویل خطبہ دیا جس میں آپ نے احکام شرع بیان فرمائے، امت کو اخوت و بھائی چارے کی نصیحت فرمائی، ایک دوسرے کا احترام کرنے کی تاکید کی، عورتوں، کمزوروں کے ساتھ ہمدردی اور حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت کو بیان فرمایا، اسلام کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری پوری کرنے کا عہد لیا، نیز اعلان فرمایا:

اَلَا وَاِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ، اَلَا وَاِنَّ اَبَاكُمْ وَاحِدٌ، اَلَا لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ، اَلَا هَلْ بَلَّغْتُ، قَالُوْا بَلَّغَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ

الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنَ السَّامِعِ

"اے لوگو! بغور سن لو، تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ ایک ہے، سنو! عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کسی کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت ہے اور نہ ہی کسی سرخ کو کالے پر کوئی فضیلت ہے، سوائے تقویٰ کے، اللہ کے حضور تم میں سے صرف وہ زیادہ معزز اور محترم ہے جو زیادہ متقی ہو، غور سے سنو! کیا میں نے اللہ کے پیغامات تم تک پہنچا دیئے، سب نے کہا اللہ کے رسول نے اپنے رب کے سارے پیغامات پہنچا دیئے ہیں، فرمایا جو یہاں موجود ہیں، وہ یہ باتیں ان کو پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جسے بعد میں پیغام پہنچے وہ سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے"۔

خطبہ حجۃ الوداع

معلم کائنات ﷺ نے عرفات میں جو خطبہ فرمایا ان کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں، ملاحظہ ہوں:

حمد و ثناء کے بعد ارشاد ہوا:

اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ اِلٰی اَنْ تَلْقَوْا رَبَّکُمْ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا

"اے لوگو! تمہاری جانیں اور تمہارے مال تم پر عزت و حرمت والے ہیں، یہاں تک کہ تم اپنے رب کریم کے حضور حاضر ہو، بالکل اس طرح جس طرح آج کا دن حرمت والا ہے، جس طرح تمہارا یہ مہینہ حرمت والا ہے، اور جس طرح تمہارا یہ شہر حرمت والا ہے"۔

پھر فرمایا بے شک تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق سوال فرمائے گا، سنو! اللہ کا پیغام میں نے پہنچا دیا، اور جس شخص کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کے مالک کو دے دے، سب سود معاف ہے، جب کہ تمہارے لئے اصل مال ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی کوئی تم پر ظلم کرے، اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے "اَنَّهٗ لَا رِبَا" کہ کوئی سود نہیں، سب سے پہلے میں عباس بن عبدالمطلب کا سود معاف کرتا ہوں۔

اے لوگو! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اس زمین پر کبھی اس کی عبادت کی جائے گی، لیکن وہ امید رکھتا ہے کہ وہ چھوٹے چھوٹے گناہ کرانے میں کامیاب ہو جائے گا "فَاحْذَرُوْهُ عَلٰی دِیْنِکُمْ" پس تم اس سے اپنا دین بچاؤ۔

اَیُّهَا النَّاسُ! اتَّقُوا اللّٰهَ، وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا فَاِنَّهُنَّ عِنْدَکُمْ

عَوَانٌ لَا يَمْلِكْنَ لِاَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا وَاِنَّكُمْ اِنَّمَا اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانَةِ اللّٰهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللّٰهِ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ حَق، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يُوْطِيْنَ فَرْشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهُ وَعَلَيْهِنَّ اَنْ لَا يَاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ، وَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهَاجِرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاعْقِلُوْا،

''اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، میں تمہیں عورتوں کے ساتھ خیر و بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، کیونکہ وہ تمہارے قبضہ میں ہیں، خود مختار نہیں اور وہ تمہارے پاس اللہ کی طرف سے امانت ہیں اور وہ اللہ کے نام کے ساتھ تم پر حلال ہوئی ہیں، ان کے ذمہ تمہارے حقوق ہیں اور تم پر ان کے حقوق ہیں، ان پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کی حرمت کی حفاظت کریں، نیز ان پر لازم ہے کہ وہ بے حیائی کی مرتکب نہ ہوں، اور اگر ان سے بے حیائی کا کوئی عمل سرزد ہو تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اجازت دی ہے کہ تم ان کو اپنی خواب گاہوں سے دور رکھو، اور تم انہیں بطور سزا مار بھی سکتے ہو، لیکن شدید ضرب نہ آنے پائے، اور جب وہ باز آ جائیں تو تم پر لازم ہے کہ ان کے خورد و نوش اور لباس کا عمدگی کے ساتھ انتظام کرو اے لوگو! میری ہدایات کو اچھی طرح سمجھ لو''۔

''اَيُّهَا النَّاسُ'' میری بات غور سے سنو اور اسے سمجھو تمہیں معلوم ہونا چاہیے، کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے،'' وَاِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ'' اور یہ کہ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی کے لئے جائز نہیں کہ اپنے بھائی کے مال سے، اس کی رضامندی کے بغیر کچھ لے، پس تم اپنے اوپر ظلم نہ کرنا۔

وَاعْلَمُوْا! اور خوب جان لو کہ دل، ان تین باتوں پر حسد و عناد نہیں کرتے'' اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ'' کسی کام کو صرف اللہ کی رضا کے لئے کرنا'' مُنَاصَحَةُ اُوْلِي الْاَمْرِ'' حاکم وقت کو نصیحت کرنا'' وَعَلٰى لُزُوْمِ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ'' اور لازماً مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا اور جس کی نیت آخرت میں کامیابی حاصل کرنا ہے'' يَجْعَلُ اللّٰهُ غِنَاهُ فِيْ قَلْبِهِ'' اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کر دیتا ہے،'' وَيَكْفِيْهِ ضَيْعَتَهُ'' اور اس کے لئے اس کا پیشہ کافی ہو جاتا ہے'' وَتَاتِيْهِ الدُّنْيَا وَهِيَ رَاغِمَةٌ'' اور اس کے پاس دنیا ناک گھسیٹتی آتی ہے'' فَرَحِمَ اللّٰهُ امْرَءًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ حَتّٰى يُبَلِّغَهُ غَيْرَهُ'' پس اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جس نے میری باتوں کو سنا اور دوسروں کو پہنچایا۔

''اَرِقَّاءُ کُمْ، اَرِقَّاءُ کُمْ، اَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاکُلُوْنَ، وَاکْسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ'' تمہارے غلام، تمہارے غلام، انہیں کھلاؤ جیسا تم کھاتے ہو اور انہیں پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو، اگر ان سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے جسے معاف کرنا تم پسند نہیں کرتے، تو انہیں فروخت کر دو ''عِبَادَ اللّٰهِ وَلَا تُعَذِّبُوْهُمْ'' اے اللہ کے بندو! ان کو سخت سزائیں نہ دو۔

''اَلْعَارِيَةُ مُؤَدَّاةٌ'' بطور عاریت لی ہوئی چیز واپس کی جائے۔

''وَالنِّحْلَةُ مَرْدُوْدَةٌ'' اور ہدیہ کا بدلہ ضرور دیا جائے۔

''وَالدَّيْنُ مَقْضِیٌّ'' اور قرض ضرور ادا کیا جائے۔

''وَالزَّعِيْمُ غَارِمٌ'' اور ضامن اپنی ضمانت کی ذمہ داری پوری کرے۔

''وَاَنْتُمْ تُسْئَلُوْنَ عَنِّیْ وَمَا اَنْتُمْ قَائِلُوْنَ'' اور تم سے میرے متعلق پوچھا جائے تو تم کیا جواب دو گے''۔

''قَالُوْا نَشْهَدُ اَنَّکَ بَلَّغْتَ وَاَدَّيْتَ وَنَصَحْتَ'' حاضرین نے جواب دیا، ہم گواہی دیں گے، کہ آپ نے اللہ کا پیغام پہنچایا اس کا حق ادا کر دیا اور خلوص کی انتہا کر دی۔

فصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلیٰ الہ وصحبہ اجمعین

اقتباسات پر غور

معلم کتاب وحکمت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجۃ الوداع کی جامعیت اور اہمیت کا اندازہ ان اقتباسات سے کیا جا سکتا ہے جو ہم نے پیش کیے، یہ خطبہ ایک نظام عمل ہے جو تا قیامت امت مسلمہ کے لئے کافی ہے، کسی مصلح یا قائد کی تاریخ میں اس خطبہ کی نظیر نہیں ملتی، کہ یہ اصول زندگی وہی بیان کر سکتا ہے، جس کا علم آفاقی ہو اور غیر متناہی ہو، جس کی زبان سے ادا ہونے والا ہر لفظ وحی الٰہی ہو، جو ہر قسم کی خواہشات و ضروریات سے بے نیاز ہو، جس کے دل میں خلوص ہو انسانیت کی کامیابی و کامرانی کی تڑپ ہو، جو بنی نوع انسان کو امن وسکون اور اطمینان کی زندگی مہیا کرنے کی خواہش رکھتا ہو، جو خود پیکر اخلاق ہو اور ہر کسی کو اچھی عادات اور اچھے اطوار سے آراستہ و پیراستہ کر دینا چاہتا ہو، جس کو تمام جہانوں کے لئے رحمت اور انسانیت کے لئے اسوۂ حسنہ بنا کر مبعوث فرمایا گیا ہو، پس وہ ذات ہے، آقائے رحمت جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنہوں نے وہ اصول زندگی عطا فرمائے جن کی نظیر نہیں ملتی۔

سلام اے صاحب خلق عظیم انسان کو سکھلا دیئے
یہی اعمال پاکیزہ یہی اشغال روحانی

تیری سیرت، ترا نقشہ، تیرا جلوہ،
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

ان اقتباسات پر غور کیجئے، معلم کائنات ﷺ نے کس طرح انسان پر انسانوں کے حقوق بیان فرمائے، آپ نے ہر ایک کو دوسرے کی جان ومال اور عزت وآبرو کا محافظ قرار دیا، ظلم کرنے اور ظلم سہنے کی ممانعت فرمائی، عورتوں، غلاموں اور دیگر کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی، سود کی لعنت کے خاتمہ کا اعلان فرمایا، مسلمانوں کے مابین رشتۂ اخوت کا اعلان فرمایا، انہیں نظم وضبط اور جماعتی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی۔

آقائے مستجاب الدعوات ﷺ نے عظیم، اہم اور تاریخی خطبہ سے فارغ ہو کر طویل دعا کی، جس کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ کَالَّذِیْ نَقُوْلُ وَخَیْرًا مِمَّا نَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ لَکَ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ وَاِلَیْکَ مَآبِیْ وَلَکَ تُرَاثِیْ
اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا یَجِیْءُ بِهِ الرِّیْحُ وَمِنْ شَرِّ مَا یَلِجُ فِی اللَّیْلِ وَشَرِّمَا یَلِجُ فِی النَّھَارِ وَشَرِّبَوَائِقِ الدَّھْرِ

"اے اللہ! ساری تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں، اس طرح جس طرح ہم تیری حمد کرتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بہتر،

اے اللہ میری نمازیں، میری قربانیاں، میری زندگیاں اور میری موت صرف تیرے ہی لئے ہے، میرا لوٹنا بھی تیری جناب میں ہے۔ میری میراث تیرے حوالے ہے۔

اے اللہ! میں عذاب قبر سے، سینہ میں پیدا ہونے والے وسوسوں اور کسی مقصد کے منتشر ہونے سے تیری پناہ مانگتا ہوں

اے اللہ! میں ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، جس کا سبب ہوا ہو اور اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو رات میں داخل ہو اور ہر اس چیز کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جو دن میں داخل ہو، نیز زمانہ کی تباہ کاریوں کے شر سے بھی پناہ مانگتا ہوں"

اسی دن کی دعاؤں میں سے ایک دعا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لَآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْکُ وَلَهُ الْحَمْدُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ
اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا، وَفِیْ صَدْرِیْ نُوْرًا، وَفِیْ وسَمْعِیْ نُوْرًا،

وَ فِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا، اَللّٰهُمَّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَيَسِّرْلِیْ اَمْرِیْ،
وَاَعُوْذُبِکَ مِنْ وَسْوَاسِ الصَّدْرِ، وَشَتَاتِ الْاَمْرِ، وَفِتْنَةِ الْقَبْرِ
اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ مَا يَلِجُ فِی الَّيْلِ، وَشَرِّ مَا يَلِجُ فِی
النَّهَارِ وَشَرِّ مَا تَهُبُّ بِهِ الرِّيَاحُ وَمِنْ شَرِّ بَوَائِقِ الدَّهْرِ

''اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، سارے ملک ساری تعریفیں اسی کے لئے ہیں، ساری بھلائیاں اسی کے دست قدرت میں ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے،

اے اللہ! میرے قلب میں نور کر دے، میرے سینہ میں نور کر دے، میرے کانوں میں نور کر دے، میری آنکھوں میں نور کر دے، اے اللہ! میرے لئے میرے سینہ کو کھول دے، میری ہر کام کو میرے لئے آسان کر دے، میں پناہ مانگتا ہوں، سینے کے وسوسوں سے، حالات کے منتشر ہونے سے اور قبر کے فتنہ سے،

اے اللہ! میں پناہ مانگتا ہوں، اس شر سے جو رات میں داخل ہوتا ہے اور اس شر سے جو دن میں داخل ہوتا ہے اور اس شر سے جس کے ساتھ ہوائیں چلتی ہیں اور زمانہ کی تباہیوں سے''۔

اکمال دین واتمام نعمت

اہل ایمان کے قابل فخر اور ذریعۂ سکون واطمینان، اللہ کا پیغام، میدان عرفات ہی میں نازل ہوا،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (المائدہ:3)

آج میں نے مکمل کر دیا ہے تمہارے لئے تمہارا دین اور پوری کر دی ہے تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا ہے تمہارے لئے اسلام کو بطور دین، رب رحیم وکریم کا کس قدر احسان عظیم ہے کہ اس نے بوسیلہ نبی رؤوف ورحیم، ہمیں اسی دنیا میں بتا دیا کہ ہم نے تمہیں دین کامل عطا فرمایا اور جن انعامات کا آغاز، حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا آج تم پر ہم نے ان کا اتمام کر دیا اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا، اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ کہ اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہی، پس اے ایمان والو! تم اطمینان سے اس دین کی اتباع وپیروی کرتے رہو، اس کی تبلیغ واشاعت کی ذمہ داری پوری کرتے رہو اس یقین کے ساتھ کہ صرف یہی دین، دنیا وآخرت میں تمہاری کامیابی وکامرانی کا ضامن ہے، نیز تمہارا دین نہایت کامل ہے پس تمہیں زندگی کے کسی شعبہ میں غیروں کا دروازہ کھٹکھٹانے اور کسی سے

بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں۔

آیت مبارکہ، ۹ ذی الحجہ ۱۰ھ بروز جمعہ، عرفات میں نازل ہوئی، جس میں تکمیل دین اتمام نعمت اور رضا بالاسلام کی خوشخبری کے ساتھ، سلسلۂ نبوت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جانے کا بھی اشارہ کر دیا گیا کہ دین مکمل ہو جانے اور انعامات الٰہیہ پورے ہو جانے کے بعد، نہ نبی کی ضرورت باقی رہی اور نہ آسمانی کتاب کی پس محمد ﷺ خاتم النبیین، آخری نبی قرار پائے اور قرآن کریم اللہ کی آخری کتاب، نیز آیت مبارکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دنیا سے تشریف لے جانے کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ نبی کی جو ذمہ داریاں ہوتی ہیں وہ سب آپ نے پوری کر دیں پس اس عالم فانی میں ان کی ضرورت باقی نہ رہی عنقریب وہ دنیا والوں کی نظروں سے پوشیدہ ہو جائیں گے، تاہم ان کے غلام ہمیشہ ان کی نظر کرم کے محتاج رہیں پس آقا ﷺ کا غلاموں پر فیض جاری رہے گا کہ آپ قبر انور سے اپنے غلاموں پر نظر کرم فرماتے رہیں گے۔

حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً ڈیڑھ لاکھ افراد کا عظیم اجتماع تھا، جس کو خطیب اعظم ﷺ نے مخاطب فرمایا، اور یہ عام لوگ نہ تھے، ان میں کا ہر شخص معلم تھا، مبلغ تھا، مزید براں، مبلغ اعظم ﷺ نے دوران خطبہ متعدد بار انہیں تبلیغ دین کی ذمہ داری کا احساس بھی دلا دیا، اور جو لوگ اس وقت موجود نہ تھے ان تک اپنا پیغام پہنچانے کی ہدایت بھی فرمائی ہے، پس حج کے فوراً بعد آپ کے یہ ارشادت، ہدایات اور پند و نصائح دور دراز علاقوں تک پہنچے، لوگوں نے ایک دوسرے کو ان کی تعلیم دی، ان کی تفسیر وتشریح کی گئی، ان کو دل و دماغ میں محفوظ کر لیا گیا، ان کو اپنا کر عملی صورت دی گئی، پھر ان کی حفاظت کی گئی، ایسی حفاظت کہ یہ قیامت تک کے لئے محفوظ ہو گئے، جس دور میں بھی امن وامان وسکون وطمانیت کی زندگی چاہنے والوں نے ان اصول زندگی کو اپنایا وہ کامیاب و کامران ہوئے، وقت کا تقاضا ہے کہ ہم بھی خود ساختہ قوانین زندگی کو چھوڑ کر اپنے آقا ﷺ کے عطا کردہ نظام حیات کو اپنائیں، تاکہ بدعملی اور بدامنی کا خاتمہ ہو، دہشت گردوں اور دہشت گردی سے نجات میسر آئے، وباللہ نستعین وھو المستعان۔

مدنی زندگی

ہجرت کا گیارہواں سال

وفات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہجرت کا گیارہواں سال

مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے ... تو زندہ ہے واللہ تو زندہ ہے واللہ

جان عالم ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ کا آخری سال، ہجرت کا گیارہواں سال قرار پایا، کہ سالہائے گزشتہ میں مسلسل محنت و مشقت سے آپ نے دعوت حق تبلیغ اسلام کی ذمہ داری کو کما حقہ پورا کیا، مزید برآں یہ ذمہ داری ایک ایسی منظم جماعت کے سپرد فرمائی جو نہایت باصلاحیت اور قابل اعتبار تھی جس نے معلم کامل ﷺ سے کما حقہ احکام شرع کی تعلیم حاصل کی، اسلامی تہذیب و تمدن کی عملی تربیت لی، ان میں وہ بھی تھے جنہیں ''انا مدینۃ العلم وعلی بابھا'' کا تمغہ دیا جا چکا تھا، ان میں حضرت ابو ہریرہ، حضرت عبداللہ بن ام مکتوم، حضرت ابوسعید خدری، حضرت حذیفہ، حضرت مسعود بن ربیع، حضرت عیاض بن حمار، حضرت عبداللہ بن حبشہ، حضرت سعید بن مسیب، حضرت انس بن مالک، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوموسیٰ اشعری، رضی اللہ عنہم بھی تھے، جنہوں نے شب و روز کی محنت کے بعد علم نبوی سے فیض حاصل کیا اور سرچشمۂ علم و عرفان بن گئے علاوہ ازیں خواتین کی تعلیم و تربیت کے لئے امہات المومنین بالخصوص، حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہن کی جماعت تیار ہوئی، گویا اب یقیناً دعوت حق اور تبلیغ اور ارشاد کا سلسلہ منقطع ہونے کا قطعاً کوئی خطرہ باقی نہ تھا، اور علم کتاب و حکمت کے وارثین تیار ہو چکے تھے، علاوہ ازیں ان نوجوان بہادروں اور مجاہدین کا بھی

ایک لشکر جرار موجود تھا، جو اسلام کی نظریاتی و سیاسی سرحدوں نیز امن و امان کی بقا، ظلم و ستم کے خاتمہ، دہشت گردوں سے مقابلہ کی پوری پوری صلاحیت رکھتے تھے، اسلام کے پیغام امن کے علمبردار تھے، سالار اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح جانشین تھے، گویا اب علمی، عملی، نظریاتی اور سیاسی ہر اعتبار سے اسلام محفوظ تھا، کمال دین اتمام نعمت اور رضا بالاسلام کا مژدۂ جانفزا سنایا جا چکا تھا، گویا اب مقصد بعثت رسول پورا ہو چکا تھا اور جب مقصد کی تکمیل ہو جائے تو رسول کی حیات ظاہرہ کی ضرورت باقی نہیں ہوتی، کہ یہ دنیائے فانی رسول کی دائمی قیام کے لئے ہرگز موزوں نہیں، نہ ہی رسول اس دنیا کے محتاج ہیں، ہاں بلاشبہ اہل دنیا، بالخصوص اہل ایمان رسول کے ہمہ وقت اور ہر آن محتاج ہیں، پس رسول کا اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اپنے ماننے والوں سے رابطہ اور تعلق رہتا ہے، لہٰذا اب وقت آ گیا، کہ سید الانبیاء والمرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بھی، اپنے سے پہلے انبیاء و رسل کی طرح پردہ فرمائیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ ۚ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰٓى اَعۡقَابِكُمۡ ؕ وَمَنۡ يَّنۡقَلِبۡ عَلٰى عَقِبَيۡهِ فَلَنۡ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيۡـئًا ؕ وَسَيَجۡزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيۡنَ ۞ (آل عمران)

"اور نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر اللہ کے رسول، آپ سے پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں اگر وہ انتقال فرمائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو کیا تم (دین اسلام سے) الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرتا ہے، تو اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جلدی اجر دے گا"۔

وفات کا علم

واقعات سے ثابت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات کے سال و ماہ اور دن کا علم عطا فرمایا گیا تھا جس کا اظہار آپ نے متعدد مواقع پر کیا، امام ابن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ ایک شب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے غلام ابو مویہبہ کو طلب فرما کر بتایا، کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مدفونین جنت البقیع کے لئے دعائے مغفرت کروں، پس تم میرے ساتھ جنت البقیع چلو، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جنت البقیع تشریف لے گئے اور میں آپ کے پیچھے پیچھے تھا، آپ نے قبروں کے درمیان کھڑے ہو کر مرحومین کے لئے دعا کی پھر فرمایا "اے ابو مویہبہ! میرے سامنے دنیا کے خزانوں کی چابیاں پیش کی گئیں، پھر طویل زندگی اور اس کے بعد جنت، میں نے اس دنیا کی طویل زندگی اور اس کی آسائشوں کو مسترد کر دیا، اور اللہ کی ملاقات نیز جنت کی ابدی بہاروں کو پسند کر لیا ہے" ابو مویہبہ عرض گزار ہوئے،

رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ دنیا کے خزانوں کی کنجیاں اور طویل زندگی کے بعد جنت قبول فرما لیتے، آپ نے فرمایا "لَا وَاللّٰہِ یَا اَبَامُوَیْہِبَۃَ، لَقَدِ اخْتَرْتُ لِقَآءَ رَبِّیْ وَالْجَنَّۃَ" بخدا ایسا نہیں ہو سکتا، میں نے تو اپنے لئے اپنے رب کی ملاقات اور جنت کو چن لیا ہے۔

عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آٹھ سال بعد شہدائے احد پر نماز جنازہ پڑھی، زندوں اور مردوں کو رخصت فرمانے والوں کی طرح، پھر آپ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: "اِنِّیْ بَیْنَ اَیْدِیْکُمْ فَرَطٌ" میں تم سے پہلے جانے والا ہوں، "وَاَنَا عَلَیْکُمْ شَہِیْدٌ" اور میں تمہارا گواہ ہوں "وَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْحَوْضُ" اور تم سے ملاقات کی جگہ حوض کوثر ہے" وَاِنِّیْ لَاَنْظُرُ اِلَیْہِ وَاَنَا فِیْ مَقَامِیْ ھٰذَا" اور میں اپنی اس جگہ سے حوض کوثر کو دیکھ رہا ہوں "وَاِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ" اور مجھے زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا کی گئی ہیں "وَاِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُشْرِکُوْا بَعْدِیْ" اور مجھے یہ خوف نہیں کہ تم میرے بعد شرک کرو گے "وَلٰکِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْھَا" لیکن مجھے ڈر ہے کہ تم دنیا میں محو ہو جاؤ۔

آغاز مرض

ہجرت کا گیارھواں سال صفر کی انتیس تاریخ اور بدھ کا دن تھا، کہ جان عالم ﷺ ایک صحابی کی نماز جنازہ پڑھانے جنت البقیع تشریف لے گئے، واپسی پر راستہ ہی میں آپ کو دردِ سر کا احساس ہوا، درد کی شدت بڑھتی گئی جس کی وجہ سے بخار بھی ہو گیا جو اتنا تیز تھا، کہ اس کی حرارت کا احساس، اس عمامے کے اوپر سے بھی ہوتا تھا جو آپ کے سرِ اقدس پر بندھا ہوا تھا، اس علالت کا دورانیہ، باختلاف روایت، تیرہ، چودہ یا پندرہ دن رہا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بقیع سے تشریف لائے تو اس وقت میرے سر میں شدید درد تھا، میں نے آپ کو بتایا، تو آپ نے فرمایا "بَلْ اَنَا وَاللّٰہِ یَا عَائِشَۃُ وَرَاْسَاہُ" بخدا! اے عائشہ! میرے سر میں بھی سخت درد ہو رہا ہے۔

دردِ سر کی شدت میں اضافہ ہوتا رہا، اس دن ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدس میں قیام کی باری تھی پس آپ نے وہاں قیام فرمایا، علالت کی شدت کے باوجود پیکر عدل وانصاف ﷺ ازواج مطہرات کی باریوں کے مطابق ان کے حجروں میں قیام فرماتے رہے، لیکن جب کمزوری کے سبب آپ کو ہر روز قیام گاہ کی تبدیلی میں تکلیف محسوس ہونے لگی تو ایک دن آپ نے سب ازواج مطہرات کو طلب فرمایا اور ان سے بیماری کے دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مبارکہ میں گزارنے کی اجازت چاہی سب نے برضا ورغبت اجازت دی، اور اللہ کے رسول ﷺ اپنی حیات

ظاہرہ میں اپنی دائمی آرام گاہ میں تشریف لے گئے۔

دوران علالت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن صحابہ کرام کو جمع ہونے کا حکم دیا، آپ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت میں رکھے ہر قسم کی آفات و بلیات کو تم سے دور رکھے، تم کو امن وامان اور سکون واطمینان کی زندگی عطا فرمائے" عباد اللہ! میں تمہیں اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں اور اسی کو تمہارا خلیفہ بناتا ہوں، میں تمہیں اللہ سے ڈراتا ہوں کیوں کہ میں "نذیر" ہوں اللہ کی بستیوں میں اس کے بندوں کے ساتھ کبھی تکبر وغرور سے پیش نہ آنا، کہ اللہ کا حکم ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (قصص)

"اس آخرت کے گھر کی نعمتوں کو ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کردیں گے جو زمین میں بڑا بننے کی خواہش نہیں رکھتے، اور نہ ہی فساد برپا کرنے کی خواہش کرتے ہیں اور اچھا انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے"۔

لشکر اسامہ بن زید

آغاز مرض سے چند دن قبل اللہ کے رسول ﷺ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو طلب فرمایا، اور ایک لشکر جرار کا سالار بناتے ہوئے انہیں حکم دیا کہ اپنے باپ زید کی شہادت گاہ "ابنیٰ" جاؤ اور اس آبادی کو روند ڈالو، جہاں تمہارے والد، حضرت جعفر بن ابی طالب اور حضرت عبداللہ بن رواحہ کو ظالموں نے شہید کیا تھا، نیز آپ نے ہدایت فرمائی کہ دشمن پر صبح سویرے حملہ آور ہونا، اور جب اللہ تعالیٰ تمہیں غلبہ وفتح سے سرفراز فرمائے، تو وہاں مزید قیام نہ کرنا، اپنے جاسوس پہلے روانہ کرنا، نیز اپنے ہمراہ ایسے لوگوں کو لے جانا جو وہاں کے راستوں سے واقف ہوں۔

آغاز علالت کے ایک دن بعد جمعرات کو شدت مرض کے باوجود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے علم اسلام، اسامہ کے سپرد کیا اور انہیں روانگی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا "اُغْزُ بِسْمِ اللّٰهِ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ" اللہ کے نام سے جہاد کے لئے نکلو، اللہ ہی کی راہ میں اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں ان سے جنگ کرو۔

حضرت اسامہ بن زید اپنے لشکر کو لے کر مدینہ منورہ سے باہر آئے اور "جرف" میں ٹھہرے، جو فوجی چھاؤنی تھی اور جنگ کے لئے روانگی سے قبل یہاں ٹھہرنا ضروری ہوتا تھا، تاکہ لشکر کو جنگ سے

متعلق ضروری ہدایات دی جائیں، دشمن سے متعلق ضروری معلومات فراہم کی جائیں اور جنگی تدابیر اور حکمت عملی سے آگاہ کیا جائے، جرف مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، اس لشکر میں صرف عام صحابہ کرام ہی نہ نہیں، بلکہ حضرت عمر فاروق اعظم، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، ابوعبیدہ، قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہم جیسے جلیل القدر حضرات بھی شامل تھے، اسی بناء پر بعض صحابہ نے یہ کہنا شروع کیا کہ جس لشکر میں عمر رسیدہ تجربہ کار اور مقربین بارگاہ رسالت شامل ہیں، حیرت ہے اس لشکر کا سالار ایک بیس سالہ نوجوان کو بنایا گیا ہے، جب اللہ کے رسول ﷺ کو ان چہ میگوئیوں کی خبر ملی تو آپ کو بہت افسوس ہوا، آپ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا "ایھا الناس" مجھے معلوم ہے کہ تم اسامہ کی قیادت پر اعتراض کر رہے ہو تم نے تو اس کے باپ زید کی قیادت پر بھی اعتراض کیا تھا، بخدا! زید بھی تمہاری قیادت کے لئے موزوں تھا اور آج اس کا بیٹا اسامہ بھی اس منصب کے لئے موزوں ہے، آپ کے اس ارشاد کے بعد ہر قسم کی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔

دس ربیع الاول بروز ہفتہ جیش اسامہ میں شریک مجاہدین، اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں الوداعی سلام پیش کرنے حاضر ہوئے جب کہ اتوار کو سالار لشکر حضرت اسامہ سلام پیش کرنے حاضر ہوئے، تو آپ یہ دیکھ کر پریشان ہو گئے کہ آقا ﷺ پر بیہوشی طاری ہے اسامہ نے سر مبارک کو بوسہ دیا، اللہ کے رسول ﷺ نے کئی مرتبہ اپنا دست مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور اسامہ پر رکھا، گویا آپ اپنے غلام کے لئے دعائے فتح و نصرت کر رہے تھے اسامہ اپنے آقا ﷺ کی دعا لینے کے بعد چھاؤنی میں آئے اور لشکر کو کوچ کا حکم دیا۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما اپنی اونٹنی پر سوار ہونے ہی والے تھے کہ آپ کی والدہ ام ایمن کا قاصد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مرض میں شدت کی اطلاع لے کر پہنچا لہٰذا آپ نے لشکر کو انتظار کا حکم دیا، اور سیدنا عمر، سیدنا ابوعبیدہ کے ہمراہ آقا ﷺ کے حضور حاضر ہوئے، جب دو دن بعد اللہ کے رسول ﷺ کے وصال کی اطلاع ملی تو سب مجاہدین مدینہ منورہ واپس آ گئے، حضرت اسامہ کا جھنڈا، حضرت بریدہ بن حصیب کے پاس تھا جو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دروازے کے سامنے گاڑ دیا، آقا ﷺ کے وصال کے بعد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت اسامہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق طے شدہ مہم پر روانہ ہونے کا حکم دیا، اس موقع پر صحابہ کرام نے تجویز پیش کی کہ اتنے بڑے لشکر کا مدینہ چھوڑ کر چلا جانا خطرے سے خالی نہیں، ممکن ہے کہ دشمن موقع کی تلاش میں ہو اور مدینہ منورہ پر حملہ کر دے، لہٰذا فی الحال اس مہم کو ملتوی کر دینا مناسب ہوگا، یا کم از کم نوجوان اسامہ کی جگہ کسی تجربہ کار شخص کو امیر لشکر مقرر کیا جائے۔

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ تجویز لے کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے جواب دیا،" وَاللّٰهِ لَوْ تَخْطِفُنِیَ الذِّئَابُ وَالْكِلَابُ لَمْ اَرُدُّ قَضَاءً قَضٰی بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" بخدا! اگر مجھے بھیڑیئے اور کتے بھی اچک کر لیں جائیں تو بھی میں اللہ کے رسول ﷺ کے فیصلہ کو منسوخ نہیں کر سکتا، نیز آپ نے فرمایا، اے عمر!" اِسْتَعْمَلَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ تَامُرُنِیْ اَنْ اَنْزِعَهٗ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسامہ کو سالار مقرر فرمایا اور تم کہتے ہو کہ میں اسے معزول کر دوں (یہ ممکن ہی نہیں) پس جیش اسامہ حسب پروگرام اپنی مہم پر روانہ ہو گیا، اور چالیس دن بعد کامیابی و کامرانی کا پرچم لہراتا جب اسامہ کا لشکر مدینہ منورہ میں داخل ہوا تو آقا ﷺ کے وصال کے بعد مسلمانوں کے لئے مسرت و خوشی کا یہ پہلا دن تھا، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کے ساتھ، لشکر کا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا۔

دوران علالت غسل

چہار شنبہ کا دن تھا شدت بخار کے باعث جان عالم ﷺ پر غشی طاری ہو گئی، قدرے افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا پانی کی سات مشکیں بھر کر لاؤ، اور مجھے نہلاؤ تاکہ میں غلاموں کو وصیت کر سکوں، پس مختلف کنوؤں سے سات مشکیں لائی گئیں، آپ کو ایک بڑے ٹب میں بٹھایا گیا، اور وہ مشکیں آپ پر انڈیل دی گئیں، جس سے بخار میں کمی ہوئی، آپ منبر پر رونق افروز ہوئے، حاضرین کو وصیت فرمائی نیز فرمایا" لَعَنَ اللّٰهُ الْیَهُوْدَ وَالنَّصَارٰی اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِ هِمْ مَسَاجِدَ" یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجد بنا لیا تھا۔

حضرت الشیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اس حدیث مبارکہ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں" قبروں کو مسجد بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ قبروں کی طرف سجدہ کرنے لگے، جس کے دو طریقہ ہیں، ایک یہ قبروں کی طرف صاحب قبر کی عبادت کی نیت سے سجدہ کیا جائے جیسے مشرکین بتوں کو سجدہ کرتے ہیں، دوسرے یہ کہ سجدے سے مقصود تو اللہ ہی کی عبادت ہو، لیکن سجدہ کرنے والے کا عقیدہ یہ ہو، کہ ان قبروں کو سجدہ کرنا، اللہ کی رضا کا سبب ہے، یہ دونوں ہی طریقے ناجائز و حرام ہیں، کہ پہلا طریقہ تو واضح شرک ہے اور دوسرا طریقہ شرک خفی ہے، پس کسی نبی یا ولی کی قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا یا سجدہ کرنا، باتفاق فقہا و علماء ناجائز و حرام ہے، ہاں مزارات مقدسہ کے قریب مسجد تعمیر کرنا اور اس میں اس نیت سے عبادت کرنا کہ صاحب مزار کی برکت اور اس کے وسیلہ جلیلہ سے اللہ تعالیٰ اس ناقص و ناتمام عبادت کو شرف قبول بخشے گا یہ جائز ہی نہیں بلکہ مستحسن ہے۔

علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں" فَاَمَّا مَنِ اتَّخَذَ فِیْ جِوَارِ صَالِحٍ

وَقَصدَ التبرُّکَ بِالقُرْبِ مِنهُ لَا التَّعظِیمَ لَهٗ وَلَا التَّوَجُّهَ نَحوَهٗ فَلَا یَدخُلُ فِی ذٰلِکَ الوَعِیدِ'' کسی مرد صالح و متقی کے پڑوس میں مسجد بنانا اور بطور تبرک اس کے قرب میں نماز ادا کرنا، معلم شریعت ﷺ کی وعید میں شامل نہیں کیونکہ اس صورت میں نہ تو نمازی صاحب مزار کو قبلہ بنا کر اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور نہ ہی اس کی تعظیم مقصود ہوتی ہے۔

اسی لئے اہلسنّت و جماعت کے خواص و عوام کا عقیدہ ہے اور اسی کے مطابق ان کا عمل ہے، کہ مزارات مقدسہ پر حاضری دینا، قرآن کریم کی تلاوت کرنا جائز و مستحسن ہے، نیز صالحین و اتقیاء کی قبور کے قرب میں قبلہ رو ہو کر نماز ادا کرنا، نماز کی قبولیت کا یقینی وسیلہ ہے۔

حضرت ابوبکر کے لئے حکم امامت

جان عالم ﷺ علالت کے باوجود اپنی تمام ذمہ داریاں انجام دیتے رہے، لیکن وصال سے چار دن پہلے اتنی نقاہت ہوگئی کہ آپ امامت نہ کر سکے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق ایک رات آپ نے دریافت فرمایا، کیا نماز عشاء ہو چکی، ام المومنین نے بتایا کہ ابھی نہیں لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ نے حکم دیا کہ پانی منگایا جائے تا کہ میں غسل کروں، آپ نے غسل فرمایا لیکن نقاہت کے سبب آپ پر غشی طاری ہوگئی، کچھ افاقہ ہوا تو آپ نے دوبارہ معلوم فرمایا، کیا نماز ہو چکی بتایا گیا نہیں، لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، پھر آپ نے غسل فرمایا، لیکن اس مرتبہ بھی غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو آپ نے فرمایا ''**مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ**'' ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، اسی اثناء میں حضرت بلال آئے اور عرض گزار ہوئے ''**اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلصَّلٰوۃُ یَرْحَمُکَ اللّٰہُ**'' یارسول اللہ! اللہ آپ پر رحم فرمائے، جماعت تیار ہے، آقا ﷺ نے ان سے بھی فرمایا ''**مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ**'' ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے آقا کی کمزوری اور نقاہت کا حال دیکھ کر پریشان ہو گئے اور روتے چیختے مسجد پہنچے اور لوگوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال بتاتے ہوئے حضرت ابوبکر سے کہنے لگے ''**اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا مُرُکَ اَنْ تَتَقَدَّمَ**'' ابوبکر! اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو امامت کا حکم دیا ہے، حضرت ابوبکر نے جب آقا ﷺ کا حکم سنا اور آپ کا مصلیٰ خالی پایا تو آپ پر غشی طاری ہوگئی صحابہ کرام کی چیخیں نکل گئیں، رحمت عالم ﷺ نے یہ آوازیں سنیں تو خاتون جنت سے پوچھا، فاطمہ! یہ شور کیسا ہے، آپ نے بتایا، یارسول اللہ! آپ کو اپنے درمیان نہ پا کر آپ کے عاشق غم واندوہ سے چلا رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو طلب فرمایا دونوں کے سہارے آپ مسجد تشریف لائے، بمشکل نماز ادا کی اور فرمایا،

''مسلمانو! میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں، میرے بعد اللہ ہی تم پر میرا قائمقام ہوگا، اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا، اس کی اطاعت کرنا، میں اب اس دنیا کو چھوڑنے والا ہوں''۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہی دوسری روایت ہے کہ جب میرے آقا ﷺ کا مرض سخت ہوگیا تو آپ نے مجھے حکم دیا کہ ''مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ'' ابوبکر کو حکم دو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں عرض گزار ہوئی، یارسول اللہ! ابوبکر بہت رقیق القلب ہیں وہ بآواز بلند قراءت نہ کرسکیں گے، لہٰذا مناسب ہوگا کہ آپ حضرت عمر کو امامت کرنے کا حکم دیں، آقا ﷺ نے دوبارہ فرمایا ''ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں جب میں نے دیکھا کہ میری گزارش کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو میں نے ام المومنین حفصہ کو اشارہ کیا، انہوں نے آقا ﷺ کی بارگاہ میں میری بات دہرائی، آقا ﷺ نے قدرے ترشی سے فرمایا ''اِنَّکُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ مُرُوْا اَبَابَکْرٍ فَلْیُصَلِّ بِالنَّاسِ'' تم زنان یوسف ہو، ابوبکر کو حکم دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پس صدیق اکبر نے تعمیل حکم کی اور نماز پڑھائی۔

علامہ سید شریف جرجانی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ایام مرض میں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام بنایا اور خود ان کی اقتداء میں نمازیں ادا کی اور انہیں کبھی معزول نہ کیا یہ اعزاز صرف حضرت ابوبکر کو نصیب ہوا، ان کے علاوہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی قیادت میں آپ نے ایک رکعت ادا فرمائی تھی۔

اسی لئے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا ''قَدَّمَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ اَمْرِ دِیْنِنَا اَفَلَا نُقَدِّمُکَ فِیْ اَمْرِ دُنْیَانَا'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو ہمارے دینی امر کے لئے آگے بڑھایا، تو ہم آپ کو اپنی دنیا کے معاملات میں آگے کیوں نہ بڑھائیں، حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول اس طرح منقول ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر کو آگے بڑھایا اور سب لوگوں نے ان کے پیچھے نماز ادا کی، ''وَاِنِّیْ شَاھِدٌ غَیْرُ غَائِبٍ'' اور میں موجود تھا، غائب نہ تھا ''وَاِنِّیْ لَصَحِیْحٌ غَیْرُ مَرِیْضٍ'' میں تندرست تھا، بیمار نہ تھا ''لَوْشَاءَ اَنْ یُّقَدِّمَنِیْ لَقَدَّمَنِیْ'' اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہتے تو مجھے آگے کردیتے (لیکن آپ نے ایسا نہ کیا پس) وَرَضِیْنَا لِدُنْیَانَا مَنْ رَضِیَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ لِدِیْنِنَا'' ہم اپنی دنیا کے معاملات میں اس سے راضی ہیں جس سے اللہ اور اس کا رسول ہماری دینی معاملات میں راضی ہوا۔

آخری خطبہ

جان عالم ﷺ ہفتہ یا اتوار کو دو غلاموں کے سہارے، پائے مبارک گھسیٹتے مسجد تشریف لائے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپ نے آقا ﷺ کی تشریف آوری کو محسوس کیا تو پیچھے ہونے لگے، لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو اشارہ سے روک دیا اور ان کے بائیں جانب بیٹھ گئے پس ابوبکر اور دیگر نمازیوں نے آپ کی اقتداء کی، نماز سے فارغ ہو کر اللہ کے رسول ﷺ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے، اور فرمایا" اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے، چاہے تو وہ اس دار فانی کی زیب و زینت کو پسند کر لے، اور چاہے تو دار آخرت کی لازوال نعمتوں کو اختیار کر لے، پس اس بندے نے دار آخرت کی نعمتوں کو قبول کر لیا، یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ زار و قطار رونے لگے اور عرض گزار ہوئے" بِاَبِیْ وَاُمِّیْ نَفْدِیْنَا بِاٰبَآءِ نَاوَ اُمَّهَاتِنَا وَاَنْفُسِنَا وَاَمْوَالِنَایَا رَسُوْلَ اللّٰهِ" یا رسول اللہ ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، ہم اپنے باپ، مائیں اپنی جانیں اور اپنے اموال بطور فدیہ پیش کرتے ہیں، اللہ ہمیشہ آپ کو سلامت رکھے، آقا ﷺ نے اپنے محبوب رفیق غار کی گزارش سماعت فرمائی اور فرمایا" اِنَّ اَمَنَّ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِهٖ وَمَالِهٖ اَبُوْبَكْرٍ وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنْ اَهْلِ الْاَرْضِ خَلِیْلًا لَاتَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِیْلًا وَلٰكِنْ اُخُوَّةُ الْاِسْلَامِ" بے شک اپنی صحبت اور اپنے مال کے ذریعہ مجھ پر سب سے زیادہ احسان کرنے والے ابوبکر ہیں، اگر میں زمین پر کسی کو اپنا خلیل بناتا تو ابوبکر ہی کو بناتا، لیکن ہم دونوں کے درمیان اخوت اسلام موجود ہے، پھر آقا ﷺ نے اپنے مقرب رفیق کے لئے ایک اعزاز کا اعلان فرمایا، ارشاد ہوا" لَا یَبْقٰی فِی الْمَسْجِدِ خَوْخَةٌ اِلَّا سُدَّتْ اِلَّا خَوْخَةَ اَبِیْ بَكْرٍ "مسجد کے سب دریچے بند کر دیئے جائیں، سوائے ابوبکر کے دریچہ کے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے سنا تھا کہ نبی اس وقت تک وفات نہیں پاتا، جب تک اسے اللہ کی طرف سے دنیا یا آخرت اختیار کرنے کا اختیار نہ دیا جائے، تو جب میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آخری ایام میں قرآن کریم کی یہ آیت مبارکہ پڑھتے سنا:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَ الصِّدِّیْقِیْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِیْنَ ۚ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ (النساء)

"جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں، وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء صدیقین، شہداء و صالحین اور یہ کس قدر اچھے ساتھی ہیں"۔

حضرت ام المومنین فرماتی ہیں کہ میں سمجھ گئی کہ اب اللہ کے رسول ﷺ کا آخری وقت آ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دے دیا ہے، پس آپ نے منعم علیہم کے گروہ کو پسند فرما لیا ہے۔

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ دوران علالت ایک دن آقا ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا: ''اے عائشہ! وہ دینار کہاں ہیں میں نے وہ دینار جو آٹھ تھے آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے، آپ تھوڑی دیر انہیں اپنے ہاتھوں میں الٹ پلٹ کرتے رہے، پھر آپ نے فرمایا، عائشہ! اگر میں یہ دینار، تمہارے پاس چھوڑ کر اپنے رب کے حضور پیش ہوا تو میرا رب فرمائے گا، میرے محبوب کو مجھ پر اعتماد نہ تھا، لہٰذا تم انہیں فوراً خیرات کر دو، پس میں نے تعمیل حکم کی اور دینار خیرات کر دیئے۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے بیان کیا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کی شب گھر میں چراغ روشن کرنے کے لئے تیل نہ تھا میں نے اپنی پڑوسن سے تیل مانگا اور چراغ جلایا۔

ہماری ماں حضرت صدیقہ کہتی ہیں کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ نے بے شمار انعامات و احسانات فرمائے ان میں سب سے بڑا انعام یہ کہ نبیوں کے سردار ﷺ نے میرے حجرے میں میری باری کے دن میری گردن اور میرے سینے کے درمیان وصال فرمایا، مجھے ایک شرف یہ بھی حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لعاب کو ملا دیا، اس طرح کہ میرے بھائی حضرت عبدالرحمٰن میرے گھر آئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی، آقا ﷺ مسواک کو بغور ملاحظہ فرمانے لگے میں سمجھ گئی کہ آپ کو مسواک پسند ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ اس وقت بھی مسواک فرمائیں، پس میں نے اپنے بھائی سے مسواک لی جو سخت تھی، میں نے چبا کر اسے نرم کیا اور حضور کو پیش کر دی، آپ نے پر مسرت نگاہوں سے مجھے دیکھا اور مسواک فرمائی، پھر آپ نے اپنے چہرے مبارک پر پانی کے چھینٹے ڈالے، کہ بخار کی شدت کے سبب آپ کئی کئی مرتبہ ایسا ہی کرتے تھے، پھر نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا دست مبارک آسمان کی طرف بلند کیا اور فرمایا ''اللھم الرفیق الاعلی''۔

یوم الحزن

بارہ ربیع الاول سوموار غم کا دن، حادثہ فاجعہ کا دن، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حسب الحکم نماز فجر پڑھا رہے تھے، اللہ کے رسول ﷺ نے دروازے پر پڑا ہوا پردہ ہٹایا ایک نور پھیل گیا، صحابہ کرام حیرت زدہ ہو گئے، وہ سمجھے شاید آفتاب طلوع ہو گیا آقا ﷺ نے جب اپنے غلاموں کو اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوئے ملاحظہ فرمایا تو آپ کا چہرہ مسرت و شادمانی سے مزید چمک اٹھا، آپ خوش تھے کہ بتوں کو سجدہ کرنے والے بارگاہ وحدہ لاشریک میں سجدہ کر رہے ہیں، معبودان باطلہ کو پوجنے والے ایک اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں، آپ مطمئن تھے کہ اب میرے غلاموں کو کوئی گمراہ نہ کر سکے گا، اب بھی وہ

شرک میں مبتلا نہ ہونے پائیں گے، آپ کو یقین تھا کہ اللہ کے یہ سپاہی ہمیشہ ہمیشہ اسلام کے پرچم کو بلند رکھیں گے، ان کے ذریعہ ہمیشہ دین کی تبلیغ و اشاعت ہوتی رہے گی، یہ قدسی صفات ہر حال میں اعلاء کلمۃ الحق کی ذمہ داری پوری کرتے رہیں گے، اسلام کی آب یاری کا فریضہ انجام دیتے رہیں گے، اور شمع اسلام کو کوئی مدہم نہ کر پائے گا، میرے نور پر کبھی تاریکی غالب نہ آسکے گی، پس ایام علالت میں آج پہلی اور آخری مرتبہ، دنیا کو سکون بخشنے والے آقا کے نورانی چہرے پر آثار طمانینت نظر آرہے تھے، مقدس ہونٹوں پر مسکراہٹ ظاہر ہو رہی تھی۔

فصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و علیٰ الہٖ و صحبہ اجمعین

نمازیوں کو جب احساس ہوا کہ ان کے آقا ﷺ انہیں ملاحظہ فرمارہے ہیں تو وہ اپنے محبوب کی زیارت کے لئے بے چین ہو گئے ان کی اضطرابی حالت بتا رہی تھی کہ وہ نماز توڑ کر اپنے آقا کے حضور پیش ہونا چاہتے ہیں اللہ کے رسول ﷺ کو عاشقوں کے اضطراب کا احساس ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: ''اَتِمُّوْا صَلٰوتَکُمْ'' اپنی نماز پوری کرو، پھر آپ نے پردہ ڈال دیا۔

ام المومنین رضی اللہ عنہا نے بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم مقدس پر جب بھی گرانی ہوتی تو آپ معوذتیں (قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ) پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونکتے اور ہاتھوں کو پورے جسم مبارک پر پھیر لیتے تھے، لیکن اس مرتبہ دوران علالت، نقاہت کے باعث آپ یہ عمل نہ کر پا رہے تھے، پس میں معوذتین پڑھ کر آپ کے مبارک ہاتھوں پر دم کرتی اور خود ہی آپ کے ہاتھوں کو آپ کے جسم نازک پر پھیرتی رہتی تھی، آپ فرماتی ہیں کہ ایک عجیب بات یہ تھی کہ دوران علالت، شافی الامراض، مستجاب الدعوات نبی ﷺ نے کبھی دعائے شفا نہ کی اور نہ یہ دعا مانگتے بھی کیوں کہ آپ کو تو معلوم ہو چکا تھا، کہ اب اس عالم فانی سے رخصت ہونے اور خالق حقیقی کے حضور پیش ہونے کا وقت آچکا ہے۔

حضرت فاطمہ کو خوشخبری

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ ہم سب ازواج مطہرات حضور کی بارگاہ میں حاضر تھیں، کہ جنتی عورتوں کی سردار حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آتی نظر آئیں اور آپ کے چلنے کا انداز بالکل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا تھا، حضرت فاطمہ بالکل آپ کے قریب بیٹھ گئیں، اللہ کے رسول ﷺ نے انہیں اشارے سے کان قریب کرنے کا حکم دیا، اور ان سے کوئی ایسی بات کہی جسے سن کر وہ زار و قطار رونے لگیں، پھر مخبر صادق ﷺ نے ان سے سرگوشی فرمائی تو ہم نے انہیں ہنستا دیکھا، جب وہ واپس جانے لگیں تو میں نے ان سے پوچھا اے جان پدر! محبوب عالم ﷺ نے تمہیں ایسی کیا

خبر سنائی جسے سن کر تم رونے لگیں، پھر دوبارہ تم سے ایسی کیا بات کہی جسے سن کر تم ہنسنے لگیں، حضرت فاطمہ نے جواب دیا یہ میرے اور سرکار کے درمیان راز ہے جسے میں فاش نہیں کر سکتی۔

اللہ کے رسول ﷺ کے وصال کے بعد ایک دن پھر میں نے کہا، فاطمہ! میں تمہیں اپنے اس حق کا واسطہ دیتی ہوں جو تم پر ہے، اب تو بتا دو کہ اس دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تم سے کیا سرگوشی کی تھی، پس فاطمہ نے مجھے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلی مرتبہ فرمایا، فاطمہ! حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں حاضر ہو کر میرے ساتھ ایک مرتبہ قرآن کریم کا ورد کرتے تھے، جب کہ اس سال انہوں نے یہ عمل دو مرتبہ کیا، لہٰذا مجھے یقین ہے کہ اس دنیا سے رخصت ہونے کا وقت قریب آ چکا ہے، حضرت فاطمہ نے بتایا، کہ یہ سن کر میں رونے لگی، پس آپ نے دوبارہ سرگوشی فرمائی اور مجھے مژدہ دیا، ''وَاِنَّکِ اَوَّلُ اَھْلِ بَیْتِیْ لُحُوْقًا بِیْ وَنِعْمَ السَّلَفُ اَنَا لَکِ'' اے فاطمہ! میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی، اور میں تمہارے لئے بہترین پیش رو ہوں ''اَمَا تَرْضَیْنَ اَنْ تَکُوْنِیْ سَیِّدَۃَ نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ اَوْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ فَضَحِکْتُ'' کیا تم راضی نہیں کہ نساء العٰلمین کی یا اس امت کی عورتوں کی سردار بنا دی جاؤ (یہ راوی کو شک ہوا) پس یہ سن کر میں ہنسنے لگی۔

پس مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق آپ کے اہل بیت میں سب سے پہلے، صرف چھ ماہ بعد ہی، آپ کی لخت جگر، نور نظر، سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا ہم سے جدا ہو گئیں۔

اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت فاطمہ کو حکم دیا کہ حسن و حسین کو میرے پاس لاؤ، پس دونوں پیش خدمت ہوئے تو نانا جان کی حالت دیکھ کر زار و قطار رونے لگے رحیم و کریم نانا جان نے دونوں کو سینے سے لگایا، اور آپ پر بھی رقت طاری ہو گئی ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے جب آقا ﷺ کے آنسو بہتے دیکھے تو رونے کی وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا مجھے اپنی امت کی فکر رلا رہی ہے۔

حضرت جبرئیل کی حاضری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ دوران علالت، ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے، یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! اِنَّ اللّٰہَ یُقْرِءُ کَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ کَیْفَ تَجِدُکَ'' اللہ تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا اور آپ کا مزاج پوچھتا ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا مجھے درد کی وجہ سے شدید تکلیف ہے، دوسری اور تیسری رات، جبرائیل علیہ السلام نے پھر آپ کو آپ کے رب کا پیغام پہنچایا، تیسری شب حضرت جبرئیل کے ہمراہ ملک الموت بھی تھے، پس آپ نے کہا، یا رسول اللہ! دروازے پر ملک الموت حاضر ہے اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں، نیز بتایا کہ ملک الموت نے آج تک کسی سے اجازت طلب نہیں کی اور نہ ہی آئندہ طلب کرے گا، آقائے کائنات

ﷺ کی اجازت کے بعد ملک الموت حجرۂ مبارکہ میں داخل ہوئے اور آپ کے حضور باادب دست بستہ کھڑے ہو گئے، اور عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! آپ کے رب نے مجھے آپ کی بارگاہ میں حاضری کا حکم دیا اور ہدایت کی ہے کہ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کروں، اگر آپ اجازت دیں گے تو میں روح قبض کروں گا ورنہ نہیں، آقا ﷺ کے ہر ارشاد کو بجالاؤں گا، اسی دوران جبرئیل امین عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! آپ کا رب آپ کے وصل وقرب کا مشتاق ہے، پس اللہ کے رسول ﷺ نے ملک الموت کو روح اقدس قبض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بوسیلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہمیں جو آخری وصیت فرمائی وہ یہ ہے:
''اُوْصِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' میں تمہیں نماز اور زکوٰۃ کی پابندی اور ان غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کی وصیت کرتا ہوں جن کے تم مالک ہو۔

صحابہ کرام کو آخری وصیت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں طلب فرمایا، آپ نے حاضرین کی طرف الوداعی نظروں سے دیکھا اور فرمایا اب فراق کی گھڑی قریب آچکی ہے، یہ کہتے ہوئے آپ کے چشم مبارک پرنم ہو گئیں، پھر آپ نے اس طرح دعا کی ''مَرْحَبًا بِکُمْ حَیَّاکُمُ اللّٰہُ، ھَدَاکُمُ اللّٰہُ، نَصَرَکُمُ اللّٰہُ، نَفَعَکُمُ اللّٰہُ، وَفَّقَکُمُ اللّٰہُ، سَدَّدَکُمُ اللّٰہُ، وَرَقَاکُمُ اللّٰہُ، اَغْنَکُمُ
اللّٰہُ، قَلْبَکُمْ، اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ'' میں تمہیں مرحبا کہتا ہوں، اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ سلامت رکھے، تمہیں ہدایت عطا فرمائے، تمہاری مدد کرتا رہے، تمہیں نفع نصیب فرمائے، تمہیں راہ راست پر چلائے، اللہ تعالیٰ تمہیں ہر شر اور ہر تکلیف سے محفوظ رکھے، اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے، تمہارے اعمال صالحہ کو قبول فرمائے، میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو۔

آپ نے مزید فرمایا، اللہ تمہارا نگہبان ومحافظ ہو، میں اللہ ہی کو تم پر خلیفہ بناتا ہوں اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ میں تمہیں اللہ سے کھلا ڈرانے والا ہوں، خبردار! اللہ کے بندوں اور ان کی آبادیوں میں تکبر وغرور نہ کرنا، کیونکہ میرے اور تمہارے سب کے لئے اللہ کا ارشاد ہے، کہ آخرت کی بھلائیاں انہی کا مقدر ہیں جو تکبر نہیں کرتے، اور فتنہ وفساد برپا نہیں کرتے وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ اور نیک انجام پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ نے ہمت کی اور دریافت کیا، یا رسول اللہ! آپ کا وصال کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا بس مقررہ وقت آیا ہی چاہتا ہے، میں جلدی اللہ کے حضور حاضر

ہونے والا ہوں، وہاں میرا مقام سدرۃ المنتہیٰ ہوگا۔

پھر پوچھا گیا، آقا کو غسل کون دے گا، آپ نے فرمایا، میرے اہل بیت میں سے جو مرد قریبی رشتہ دار ہوں گے ان کے ساتھ کثیر تعداد فرشتوں کی ہوگی جو تمہیں دیکھیں گے، لیکن تم انہیں نہ دیکھ سکو گے۔

عرض کیا گیا، یارسول اللہ! آپ کو کفن کن کپڑوں میں دیا جائے گا، ارشاد ہوا، تم چاہو تو میرے انہی کپڑوں میں کفن دے دینا یا یمنی چادروں اور یا مصر کے سفید کپڑے کا کفن دے دینا۔

پھر دریافت کیا گیا، یارسول اللہ! آپ کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا، اب آقا ﷺ کی چشمہائے مبارک سے آنسو جاری ہوگئے اور ہم پر بھی گریہ طاری ہوگیا، آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تمہاری مغفرت کرے تم نے اپنی نبی کے ساتھ محبت والفت اور ایثار وقربانی کا جو بے نظیر و بے مثال برتاؤ کیا ہے، اللہ تمہیں اس کی جزا عطا فرمائے، جب تم مجھے غسل دے چکو اور خوشبو لگا کر کفن پہنا چکو تو میری چارپائی قبر کے کنارے رکھ دینا، پھر تھوڑی دیر کے لئے مجھے تنہا چھوڑ دینا، پس سب سے پہلے جبرئیل و میکائیل پھر اسرافیل اور ملک الموت ملائکہ کی کثیر تعداد کے ہمراہ میری نماز جنازہ ادا کریں گے، پھر میرے اہل بیت کے مرد اور ان کے بعد عورتیں یہ سعادت حاصل کریں گی، ان سب کے بعد لوگ فوج در فوج حاضر ہوتے اور نماز جنازہ ادا کرتے رہیں، نیز سنو! رونے والیاں نوحہ خوانی اور آہ و بکا نہ کریں کہ اس سے مجھے اذیت ہوگی، جو لوگ (مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) اس وقت یہاں موجود نہیں ہیں، انہیں میرا اسلام پہنچانا نیز گواہ رہنا کہ میں اپنے ہر امتی کو سلام کہتا ہوں۔

کسی نے پوچھا، یارسول اللہ! آپ کو قبر انور میں کون خوش نصیب لٹائے گا، فرمایا میرے اہل بیت کے قریب ترین مرد اور ان کے ساتھ بکثرت ملائکہ کرام جنہیں تم نہ دیکھ سکو گے جب کہ وہ تمہیں دیکھ رہے ہوں گے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۔ کے فرمان کے مطابق جان جاناں، جان عالم، روح ایمان و روح مومنین، مبلغ اسلام و معلم کامل، آقائے دو جہاں رحمۃ للعالمین، خاتم الانبیاء و المرسلین، سید الانبیاء والمرسلین، امام و قائد الانبیاء والمرسلین، رب کائنات کے مہمان، صاحب سدرہ، معراج کے دولہا، نور مجسم، نبی محترم، رسول مکرم، صاحب خلق عظیم، ہادیٔ معظم، صاحب قرآن، مفسر قرآن، غمگسار امت، وسیلۂ دنیا و آخرت، معلم کتاب و حکمت، صاحب معجزۂ شق القمر، امام جن و بشر، بے کسوں کا سہارا، بے سہاروں کا ملجاؤ و ماویٰ، بے بسوں کا آسرا، نبی رحمت، شفیع امت، ترجمان حق و صداقت، عَالِمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ، مخبر صادق، مفاتیح خزائن الارض کے مالک وہ جو مزمل و مدثر کے خطابات سے نوازے گئے، جن کے شہر مقدس کی رب نے قسم کھائی وہ جو شاہد بھی ہیں اور بشیر و نذیر بھی، صاحب لواء حمد بھی ہیں اللہ

صاحب مقام محمود بھی، وہ جو صاحب شفاعت بھی ہیں اور صاحب کوثر بھی، جو اپنی خلقت کے لئے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ، کے مخبر صادق، جن کی ولادت رحمت، بعثت تام، رسالت عام، جس کی رضا دوجہاں کی دولت، جس کی اطاعت کامیابی وکامرانی کی ضمانت، جس کی غلامی وسیلۂ سیادت وعظمت، جن کے خلق کو رب نے خلق عظیم کہا، عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِیْصٌ عَلَیْكُمْ جن کی قلبی کیفیت کا بیان ہے بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ اہل ایمان پر جن کے رحم وکرم کا اعلان ہے، آقائے کائنات رسالت مآب حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان.........بن اسماعیل بن ابراہیم، بمطابق ارشاد كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ اس دارفانی سے پردہ فرماگئے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

وصلی اللّٰہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ سیدنا ومولانا محمد وعلٰی الہ وصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ

غسل مبارک

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں، کہ جان عالم ﷺ کے اس دارفانی سے ظاہری پردہ فرماجانے کے بعد صحابہ کرام پریشان تھے کہ آپ کو کس طرح غسل دیا جائے، کہ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام پر نیند طاری کردی کہ وہ اونگھنے لگے اسی کیفیت میں ایک غیبی آواز سنائی دی ''اَنْ غَسِّلُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَیْهِ ثِیَابُهٗ'' کہ اللہ کے رسول ﷺ کو ان کے مقدس کپڑوں ہی میں غسل دو ایسا ہی کیا گیا۔

آقا ﷺ کو غسل دینے کا شرف حضرت علی، اسامہ اور فضل بن عباس رضی اللہ عنہم کو نصیب ہوا، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دیتے ہوئے بار بار فرمارہے تھے ''بِاَبِیْ وَ اُمِّیْ طِبْتَ حَیًّا وَّمَیِّتًا'' آپ پر میرے ماں باپ قربان آپ زندگی میں بھی طیب وپاکیزہ تھے اور بعد وفات بھی طیب وپاکیزہ ہیں، حضرت علی نے آقا کی پلکوں اور ناف میں پانی کے قطرات دیکھے تو فرط محبت سے انہیں چاٹ لیا۔

آقا ﷺ کے لئے غسل کا پانی اسی کنوئیں سے لایا گیا جس کا پانی آپ نوش فرماتے تھے، یہ کنواں سعد بن خیثمہ کی ملکیت تھا اس کا نام ''غرس'' تھا آپ کا ارشاد ہے: نِعْمَ الْبِئْرُ بِئْرُ غَرْسٍ هِیَ

مِنْ عُیُوْنِ الْجَنَّۃِ وَمَاءُ ھَا اَطْیَبُ الْمِیَاہِ'' غرس کا کنواں بہترین کنواں ہے یہ جنت کے چشموں میں سے ایک ہے اس کا پانی نہایت پاکیزہ ہے۔

پانی بیری کے پتے ڈال کر ابالا گیا تھا، یہ پتے جسم کی صفائی کے لئے نہایت مؤثر اور مفید ہوتے ہیں۔

قبر مبارک

جان عالم ﷺ کا روضہ اطہر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرۂ مقدس میں موجود ہے، اس حجرۂ مبارکہ کو آپ کی ظاہری حیات طیبہ میں مرکز نزول وحی ہونے کا شرف حاصل رہا اور پھر آپ کی ابدی و دائمی آرام گاہ بن گیا، جہاں صبح و شام ستر ہزار فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، جس کا وہ قطعۂ ارض جس پر محبوب رب کا جسد اطہر رکھا ہوا ہے، عرش رب سے افضل ہے جس کے گرد شمع رسالت کے پروانے ہر وقت جمع رہتے اور اپنے آقا کی بارگاہ میں ہدیۂ درود و سلام پیش کرتے رہتے ہیں، یہاں عاشقوں کے قلوب کو سکون میسر آتا ہے، انہیں گناہوں کی مغفرت کا مژدہ ملتا ہے، یہاں سے وہ لوٹتے ہیں تو خوش کام ہوتے ہیں، مالا مال ہوتے ہیں، ان کی خالی جھولیاں مرادوں سے پر ہوتی ہے۔

اللہ کے محبوب ﷺ کی قبر انور کو کھودنے کا شرف حضرت ابو طلحہ بن سہل انصاری رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، جو لحد والی قبر کھودنے کے ماہر تھے، انہیں اپنے اس اعزاز پر ہمیشہ ناز رہا، پس آقا ﷺ لحد والی مقدس و منور قبر میں رونق افروز ہیں۔

کفن مبارک

آقا ﷺ کو چونکہ یمنی چادر پسند تھی لہٰذا آپ کے نورانی جسم کو یمن کے موضع سحول کی بنی ہوئی تین چادروں میں کفن دیا گیا، سحول کی یمنی چادر نہایت خوبصورت اور حسین ہوتی ہے، اسے سحولیہ کہا جاتا ہے۔

آپ کا کفن مبارک صرف تین کپڑوں پر مشتمل تھا اس میں عمامہ اور کرتہ نہ تھا، جب کہ ہمارے مردوں کے لئے بھی تین کپڑے مسنون ہیں، لفافہ، ازار، اور قمیص، عورتوں کے لئے پانچ کپڑے مسنون ہیں، لفافہ، ازار، قمیص، اوڑھنی اور سینہ بند۔

کفن کا کپڑا بہتر ہے کہ سفید اور عمدہ ہو، آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِذَا کَفَّنَ اَحَدُکُمْ فَلْیُحْسِنْ کَفَنَہٗ'' جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو کفن دے تو اچھا کفن دے، یعنی ایسا کپڑا ہو جسے مرنے والا، زندگی میں پسند کرتا تھا اور اب کفن دینے والے کے نزدیک بھی اچھا ہو۔

نماز جنازہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وصیت کے مطابق آپ

کے جسم اطہر کو حجرۂ مبارکہ میں رکھ دیا گیا اور سب لوگ باہر آگئے، کچھ دیر بعد اہل بیت حجرۂ انور میں حاضر ہوئے اور آپ کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام پیش کر کے واپس آگئے پھر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے چند مہاجر و انصار صحابہ کے ہمراہ آقا ﷺ کے حضور اس طرح سلام ومحبت وعقیدت پیش کیا ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ'' پھر سب نے صفیں بنائیں اور بغیر کسی امام کے نماز جنازہ ادا کی۔

حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما سب سے آگے، آقا ﷺ کے روبرو حاضر ہوئے اور دعا کی ''اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِمَّنْ يَّتَّبِعُ الْقَوْلَ الَّذِيْ اُنْزِلَ مَعَهٗ وَاجْمَعْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهٗ وَتَعَرَّفُنَا بِهٖ فَاِنَّهٗ كَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفًا رَّحِيْمًا لَا نَبْتَغِيْ بِالْاِيْمَانِ بِهٖ وَلَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا اَبَدًا'' اے اللہ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اس قول کی پیروی کریں جو تو نے اپنے محبوب پر نازل فرمایا، اور قیامت کے دن ہمیں آپ کے ساتھ جمع فرما اور ہمیں آپ سے روشناس کرا، بے شک آپ ﷺ مومنین کے لئے رحیم ورؤف ہیں، ہم اپنا ایمان بدلنے اور اس کے عوض کوئی گراں قدر چیز لینے کے لئے ہرگز تیار نہیں،

ان حضرات کے بعد دوسرے لوگ باری باری، صف بستہ ہو کر آقائے کائنات ﷺ کی نماز جنازہ ادا کرتے رہے پھر یہ شرف، بالترتیب عورتوں، بچوں اور غلاموں نے حاصل کیا۔ واضح رہے کہ مقتدیوں نے نماز جنازہ ادا کی جب کہ بظاہر ان کے سامنے کوئی امام نہ تھا، کہ حیات جاودانی وابدی رکھنے والے امام الاولین والآخرین کی موجودگی میں کون امام بن سکتا تھا، یہ واضح ثبوت ہے جان عالم ﷺ کی حیات ابدی کا، جس پر پہلے ہی موقع پر امت مسلمہ کی عظیم ترین شخصیات کا اتفاق واجماع ہوا، جس کے بعد میرے آقا ﷺ کی حیات ابدی پر کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجائش باقی نہ رہی، کہ اجماع صحابہ بھی نص قطعی کا درجہ رکھتا ہے، اس عنوان پر انشاء اللہ ہم اگلے صفحات پر مفصل گفتگو کریں گے۔

مرحلۂ تدفین

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اولاً علم نہ تھا کہ جان عالم ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں جب لوگوں کی تشویش ملاحظہ فرمائی تو بتایا ''لَمْ يُقْبَرْ نَبِيٌّ اِلَّا حَيْثُ يَمُوْتُ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، نبی کو اسی جگہ دفن کیا جاتا ہے جہاں اس کی وفات ہوتی ہے، پس لوگوں کی تشویش دور ہو گئی، اللہ کے رسول ﷺ کا مبارک بستر اٹھایا گیا اور اسی جگہ آپ کی قبر انور کھودی گئی۔

قبر شریف میں سرخ کمبل بچھایا گیا آقا ﷺ کی وصیت کے مطابق، حضرت علی، حضرت ابن عباس کے دو فرزند، فضل اور قثم نیز حضور کے آزاد کردہ غلام شقران رضی اللہ عنہم چاروں قبر میں اترے،

ایک عاشق حضرت اوس بن خولی نے والہانہ انداز میں کہا، اللہ ہمیں بھی آقا ﷺ کی تدفین میں شریک ہونے کا شرف بخشا جائے پس انہیں بھی اجازت دی گئی۔

آقا ﷺ کی تدفین کے بعد، حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے قبر انور پر چھڑکاؤ کیا جس کی ابتداء آپ کے سر مبارک سے کی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال سے پہلے ایک دن حضرت ام المومنین نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنے ایک خواب کی تعبیر دریافت کی، کہ تین چاند میری گود میں گرے ہیں، حضرت ابوبکر نے بتایا، عائشہ! تمہارے گھر میں دنیا کے تین بہترین افراد دفن ہوں گے، جان عالم ﷺ کی تدفین کے بعد حضرت ابوبکر نے کہا، عائشہ! یہ افضل ترین چاند ہے، جسے تمہارے حجرۂ مبارکہ میں دفن کر دیا گیا ہے۔

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ شب غم ہم نے جاگ کر غم واندوہ کے عالم میں گزاری، اسی اثنا میں جب قبر کھودنے کی آواز سنائی دی تو لوگوں سے صبر نہ ہو سکا ان کی چیخیں سنائی دینے لگیں، آہ وفغاں کی آوازیں بلند ہونے لگیں، سارا مدینہ گریہ وزاری سے لرز اٹھا، اتنے میں اذان فجر سنائی دی، جب حضرت بلال نے ''اشھد ان محمدا رسول اللہ'' کی صدا بلند کی تو ہمارے حزن وملال کی انتہا نہ رہی، فراق محبوب ہم سب کے لئے الم انگیز اور روح فرسا تھا کہ دنیا کی کوئی مصیبت اس سے زیادہ کربناک نہیں ہو سکتی۔ ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ''۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، کہ آقا ﷺ کا وصال سوموار کو ہوا جب کہ تدفین بدھ کی شب ہوئی، ایک روایت کے مطابق آپ نے قبل زوال رحلت فرمائی اور تدفین منگل کے دن ہوئی

عشاق کا غم واندوہ

عشق ومحبت کے وارفتہ غلاموں نے کبھی یہ سوچا بھی نہ تھا کہ کوئی دن ایسا بھی ہوگا جب ان کے آقا ﷺ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائیں گے کہ وہ تو لحہ بھر کے لئے بھی اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی نظروں سے دور ہونا برداشت نہ کر پاتے تھے، بس ان کی رحمت کی برکھا سے سیر ہوتے اور ان کی اداؤں پر قربان، ان کی اطاعت وفرمانبرداری میں مست ودیوانے رہتے تھے پس جب اچانک ان پر اندوہناک وقت آیا تو غم سے نڈھال ہو گئے، لیکن پھر بھی انہیں اپنے معلم کامل ﷺ کی تعلیم وتربیت کا احساس رہا لہٰذا صبر کا دامن چھوڑے بغیر شرعی حدود کو ملحوظ رکھتے ہوئے، فطری تقاضوں سے مجبور ہو کر انہوں نے رنج والم کا اظہار کیا، وہ ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر رو رہے تھے، اپنے آقا کی کرم نوازیوں اور احسانات کو بیان کر رہے تھے، ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا، بہ

خبری کے عالم میں کبھی کبھی چیخیں بھی نکل جاتی تھیں، غم واندوہ کی کیفیت کو کما حقہ بیان نہیں کیا جا سکتا کہ لکھنا تو در کنار، سوچنا بھی دشوار ہو رہا ہے، بس حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت ملاحظہ کیجئے، جس سے صحابہ کرام کے رنج والم کی کیفیت کا قدرے اندازہ ہو سکتا ہے۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے" آقائے کائنات ﷺ کے سانحۂ وفات نے تمام صحابہ کرام کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا، وہ حیرت زدہ و پریشان تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی عقلیں سلب ہو گئیں اور حواس ناکارہ و بیکار ہو گئے تھے، بعض صحابہ کی شدت غم سے قوت گویائی سلب ہو گئی تھی، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی یہی کیفیت تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سلام کیا تو وہ جواب تک نہ دے سکے بعض پر سکتہ طاری ہو گیا تھا، ان میں ہلنے جلنے تک کی قوت نہ تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بھی یہی حال تھا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا حال تو بالکل دیوانوں جیسا تھا، جب کہ بعض صحابہ دعا کرنے لگے، اے اللہ! ہماری بینائی سلب کر لے تاکہ اب جو آنکھیں محبوب کو نہ دیکھ سکیں وہ کسی کو بھی نہ دیکھ پائیں"۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر ایسا سکتہ طاری ہو گیا تھا کہ نہ کسی کی بات سنتے تھے اور نہ ہی کچھ بولتے تھے، صرف ادھر ادھر دوڑے جا رہے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ رنج وغم سے نڈھال، مسجد نبوی شریف کے گوشہ میں ایسے بیٹھے تھے کہ ہلنے جلنے تک کی سکت نہ تھی۔

حضرت عبداللہ بن انیس کو ایسا دھچکا لگا کہ حرکت قلب بند ہو گئی اور انتقال کر گئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہوش وحواس کھو بیٹھے، ننگی تلوار تانے مدینہ منورہ کی گلیوں میں دوڑ رہے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ اگر کسی نے کہا کہ میرے آقا ﷺ انتقال کر گئے تو اس کی گردن اڑا دوں گا، حقیقت یہ منافقین کی بکواس کا بھی ردعمل تھا جو کہتے پھر رہے تھے، کہ اگر محمد ﷺ نبی ہوتے تو وفات پاتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے حضرت عمر اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما اجازت لے کر حجرۂ مبارکہ میں آئے، تو حضرت عمر اپنے آقا ﷺ کی زیارت کے بعد کہا، افسوس کہ حضور پر سخت غشی طاری ہو گئی ہے، حضرت مغیرہ لے اللہ کے رسول ﷺ کا وصال اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک آپ ایک ایک منافق کا خاتمہ دیں۔

حضرت ابوبکر کی کیفیت

صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی تھے جو دیگر صحابہ کی طرح رنج والم میں مبتلا ہونے کے باوجود ہوش وحواس میں تھے، انہوں نے امت کو بڑے خلفشار اور غیر شرعی نظریہ سے بچایا جس کی تفصیل یہ ہے کہ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی شریف سے ایک میل فاصلہ پر "سخ" میں اپنی زوجہ محترمہ حبیبہ بنت خارجہ کے ساتھ قیام پذیر تھے، دوشنبہ کی صبح جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو مرض میں کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ نے از خود حضرت ابوبکر کو "سخ" چلے جانے کا حکم دیا کیونکہ وہ کئی دن سے اپنے گھر نہ جا سکے تھے، جب آپ کو اپنے محبوب آقا ﷺ کے وصال کی خبر پہنچی تو بسرعت مسجد نبوی شریف پہنچے اور کسی سے بات کیے بغیر، سیدھے حجرۂ مقدسہ میں داخل ہوئے، آقا ﷺ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا، آپ اپنی حیات وممات دونوں حالتوں میں پاکیزہ رہے، میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کے لئے دو موتوں کو جمع نہ فرمائے گا، آپ کے لئے جو موت مقدر تھی، آپ نے اس کا مزہ چکھ لیا، اس کے بعد آپ مسجد پہنچے دیکھا کہ حضرت عمر تقریر کر رہے اور کہہ رہے ہیں جو بھی کہے گا کہ اللہ کے رسول ﷺ انتقال فرما گئے، میں اس کا سر قلم کر دوں گا، حضرت ابوبکر نے کہا، عمر! بیٹھ جاؤ، انہوں نے کئی بار کہا، عمر! بیٹھ جاؤ لیکن عمر نے فرط غم میں ایک نہ سنی اور تقریر کرتے رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد کے دوسرے کونہ سے صحابہ کو اپنی طرف متوجہ کیا، انہوں نے خطبہ دینا شروع کر دیا، اور فرمایا تم میں سے جو کوئی محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا وہ جان لے کہ ان کا وصال ہو چکا اور جو اللہ کی عبادت کرتا تھا "فَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ" تو اللہ زندہ ہے وہ کبھی نہیں مرے گا، پھر آپ نے سورۃ آل عمران کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿١٤٤﴾ (آل عمران)

"اور محمد ﷺ تو ایک رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گزر چکے تو اگر وہ انتقال کر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے، اور جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ آیہ مبارکہ سن کر لوگوں پر سناٹا طاری ہو گیا،

معلوم ہوتا تھا کہ اس آیت کو کوئی جانتا ہی نہ تھا، تھوڑی دیر بعد سب ایک دوسرے کو یہی آیت سنا رہے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خود بتایا کہ جب میں نے حضرت ابوبکر سے سورۂ آل عمران کی آیت سنی تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ آیۂ مبارکہ ابھی ابھی نازل ہوئی ہے، پس مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا اور یقین آ گیا کہ میرے آقا ﷺ پردہ فرما چکے، اور میں ایک کونے میں بیٹھ کر زار و قطار رونے لگا۔

حضرت ام ایمن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دایہ تھیں، حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد آپ نے ہی انہیں "ابوا" میں دفن کیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بحفاظت مکہ واپس لے کر آئیں، سرور کائنات ﷺ، ام ایمن کا بہت احترام کیا کرتے تھے، اور وہ بھی آپ پر قربان رہا کرتی تھیں۔

جان عالم ﷺ کے وصال کے بعد ایک دن، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما، حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی زیارت کے لئے تشریف لائے، وہ ان دونوں حضرات کو دیکھ کر رونے لگیں، ان حضرات نے حضرت ام ایمن کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا، صبر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے محبوب کے لئے جو نعمتیں ہیں وہ یقیناً ان کے لئے باعث سکون و اطمینان ہیں، وہ کہنے لگیں، میں جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن انعامات سے نوازا ہے بے شک وہ دنیا کی نعمتوں سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہیں" وَلٰکِنْ اَبْکِیْ اَنَّ الْوَحْیَ قَدِ انْقَطَعَ مِنَ السَّمَآءِ" لیکن میں اس لئے روتی ہوں کہ اب سلسلۂ وحی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، یہ سن کر ان دونوں حضرات پر بھی گریہ طاری ہو گیا، اور یہ تینوں اپنے آقا صاحب وحی ﷺ کو یاد کر کے کافی دیر تک روتے رہے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" اللہ تعالیٰ جب کسی امت پر رحم و کرم کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کے نبی کو ان سے پہلے اپنے پاس بلا لیتا ہے، اور وہ نبی ان کا بہترین پیشرو ہوتا ہے اور ان کے ایمان و اعمال حسنہ کی گواہی دیتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ کسی امت پر عذاب نازل فرمانے کا ارادہ کرتا ہے تو ان کے نبی کو زندہ رکھتا ہے تاکہ وہ اپنی نافرمان اور باغی امت کی تباہی و بربادی دیکھ کر خوش ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے" اِنَّ لِلّٰہِ مَلَآئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ یُبَلِّغُوْنَنِیْ عَنْ اُمَّتِیْ السَّلَامَ" اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر فرشتے آفاق عالم کی سیاحت کرتے رہتے ہیں اس دوران وہ جہاں بھی میرے کسی امتی کو میری بارگاہ میں سلام پیش کرتے دیکھتے ہیں تو مجھے اس کا سلام پہنچاتے ہیں۔

الصلوٰۃ والسلام علیک حبیبی سیدی یا رسول اللہ وسلم علیک یا حبیب اللہ

کلام اعلیٰ حضرت

ہم اس عنوان کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کلام کے ساتھ ختم کرتے ہیں،

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے — مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات — مثل سابق وہی جسمانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ ان کا — جسم پر نور بھی روحانی ہے
اوروں کی روح ہو کتنی ہی لطیف — ان کے اجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں جس خاک پہ رکھ دیں وہ بھی — روح ہے پاک ہے نورانی ہے
اس کی ازواج کو جائز ہے نکاح — اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے

یہ ہیں حی ابدی ان کو رضا
صدق وعدہ کی قضا مانی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شمائل وفضائل

آیاتِ قرآنی واحادیث نبوی کی روشنی میں

ہے کلامِ الٰہی میں شمس وضحیٰ ترے چہرۂ نور فزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم
ترے خلق کو حق نے عظیم کہا تری خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن وادا کی قسم

(اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ)

جانِ عالم ﷺ کا نورانی جسم

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (المائدہ)

"بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس تشریف لایا ہے ایک نور اور ایک کتاب (حق کو) ظاہر کرنے والی"۔

امام المفسرین ابن جریر علیہ الرحمہ آیہ مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "یہاں نور سے مراد، حضور نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات پاک ہے، "اَنَارَ اللّٰهُ بِهِ الْحَقَّ وَاَظْهَرَ بِهِ الْاِسْلَامَ وَ مَحَقَ بِهِ الشِّرْكَ فَهُوَ نُوْرٌ لِمَنْ اِسْتَنَارَ بِهٖ" جن سے اللہ نے حق کو روشن کیا، اسلام کو غلبہ بخشا، اور شرک کو نیست و نابود کیا، آپ نور ہیں اس کے لئے جو اس نور سے اپنے تاریک قلب کو منور کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اس نور مجسم ﷺ کی تابانی سے ہمارے تاریک قلوب کو منور کرے، جیسے اس نے اپنے محبوب و مقرب بندوں کے دلوں کو تابناک اور روشن کیا، کہ یہی نور، مشعل ہدایت، کامیابی و کامرانی کا ذریعہ اور وسیلہ نجات ہے۔

آیئے اس نور مجسم ﷺ کے حسین و جمیل، ہر عیب و نقص سے پاک، باکمال جسم اطہر کا تذکرہ پڑھ کر اپنے بے چین دلوں کو سکون فراہم کریں، کہ محبوب کے ذکر سے عاشق کو سکون میسر آتا ہے، جب کہ ہمارا محبوب:

فَهُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاهُ وَصُوْرَتُهٗ ثُمَّ اصْطَفٰهُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

وہ ہے جو معنوی وصوری اعتبار سے درجۂ کمال پر ہے، پھر تمام ارواح کے خالق نے آپ کو اپنا محبوب بنانے کے لئے منتخب فرمالیا ہے۔

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْکٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ

وہ، اپنے محاسن وکمالات میں شریک سے پاک ہے، اور آپ کے حسن وجمال کا جوہر غیر منقسم ہے (کہ آپ جیسا کوئی نہیں)

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ

نورانی جسم

نور مجسم، جان عالم ﷺ کے جسم اطہر وانور کی چند خصوصیات نہایت اختصار کے ساتھ ملاحظہ ہوں

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ آقا ﷺ نہ دراز قد تھے اور نہ ہی پست قد تھے، بلکہ آپ کا قد درمیانی تھا، نیز آپ کا جسم اطہر انتہائی خوبصورت تھا، آپ قدرے خمیدہ ہو کر چلتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جان عالم ﷺ کا حلیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

لَمْ یَکُنْ بِالطَّوِیْلِ الْمُمَغَّطِ وَلَا بِالْقَصِیْرِ الْمُتَرَدِّدِ وَکَانَ رَبْعَةً مِّنَ الْقَوْمِ وَلَمْ یَکُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبْطِ کَانَ جَعْدًا رَجِلًا لَمْ یَکُنْ بِالْمُطَهَّمِ وَلَا بِالْمُکَلْثَمِ وَکَانَ فِی الْوَجْهِ تَدْوِیْرٌ اَبْیَضُ مُشْرَبٌ اَدْعَجُ الْعَیْنَیْنِ اَهْدَبُ الْاَشْفَارِ جَلِیْلُ الْمُشَاشِ وَالْکَتَدِ، اَجْرَدُ ذُوْ مَسْرُبَةٍ شَثْنُ الْکَفَّیْنِ وَالْقَدَمَیْنِ اِذَا مَشٰی یَتَقَلَّعُ کَاَنَّمَا یَمْشِیْ فِیْ صَبَبٍ وَاِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا بَیْنَ کَتِفَیْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ اَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا وَاَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً وَاَلْیَنُهُمْ عَرِیْکَةً وَاَکْرَمُهُمْ عَشِیْرَةً مَنْ رَاٰهُ بَدِیْهَةً هَابَهٗ وَمَنْ خَالَطَهٗ مَعْرِفَةً اَحَبَّهٗ یَقُوْلُ نَاعِتُهٗ لَمْ اَرَ مِثْلَهٗ قَبْلَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ

"آپ نہ تو بہت ہی دراز قد تھے اور نہ بالکل پستہ قد، قوم میں درمیانہ قد تھے، آپ کے بال نہ تو گھونگھریالے تھے، نہ ہی بالکل سیدھے، بلکہ خم دار تھے، اور آپ نہ بہت موٹے تھے اور نہ پتلے، اور آپ کے چہرۂ انور میں قدرے گولائی تھی، سفید سرخی پلایا ہوا رنگ، خوب سیاہ آنکھیں، دراز پلکیں، مضبوط ہڈیوں والے، بھاری کندھوں والے، صاف جسم، بالوں کی

ایک لکیر والے، موٹی ہتھیلیاں، موٹے قدم، جب آپ چلتے تو پوری طاقت سے چلتے، گویا آپ گہرائی میں اتر رہے ہیں، اور جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پوری طرح متوجہ ہوتے، آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی، اور آپ آخری نبی ہیں، لوگوں میں سخی دل، لوگوں میں سب سے زیادہ سچی بات والے، ان میں نہایت نرم طبیعت والے، اور ان میں بہت اچھے برتاؤ والے تھے، جو آپ کو اچانک دیکھتا، خوفزدہ ہو جاتا، اور پہچان کر، آپ کے قریب ہو جاتا وہ آپ سے محبت کرنے لگتا، اور آپ کا مداح کہتا ہے، کہ میں نے نہ آپ سے پہلے آپ جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد"۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِکَ خَیْرِ الْخَلْقِ کُلِّهِمِ
لَمْ یَخْلُقِ الرَّحْمٰنُ مِثْلَ مُحَمَّدٍ اَبَدًا وَّعِلْمِیْ اَنَّهٗ لَا یَخْلُقٗ

اللہ نے حضرت محمد ﷺ کا مثل پیدا نہ فرمایا اور میں بس یہی جانتا ہوں کہ وہ کبھی پیدا نہ کرے گا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "لَمْ یَسْلُکْ طَرِیْقًا فَیَتْبَعُهٗ اَحَدٌ اِلَّا عَرَفَ مِنْ طِیْبِ عِرْقِهٖ" جس راستہ سے گزرتے تھے تو آپ کے بعد آنے والا، آپ کے پسینہ کی خوشبو سے پہچان جاتا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "کَانَ اَزْهَرَ اللَّوْنِ کَاَنَّ عَرْقَهُ اللُّوْلُوْءُ اِذَا مَشٰی تَکَفَّأَ" چمکدار رنگت والے تھے، آپ کا پسینہ گویا موتیوں کی جھڑی تھی، آپ جب چلتے تو پوری قوت سے چلتے تھے "وَمَا مَسِسْتُ دِیْبَاجَةً وَّلَا حَرِیْرًا اَلْیَنَ مِنْ کَفِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" اور میں نے موٹا، باریک ریشم، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست نازک سے زیادہ نرم نہ چھوا "وَلَا شَمِمْتُ مِسْکًا وَّ عَنْبَرَةً اَطْیَبَ مِنْ رَائِحَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ" اور نہ میں نے کوئی مشک و عنبر سونگھا جو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہک سے زیادہ خوشبودار ہو۔

حضرت ام سلیم بتاتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، میرے گھر رونق افروز ہوتے اور قیلولہ فرماتے تھے، میں آپ کے لئے چمڑے کا بستر بچھا دیتی تھی، پس آپ اس پر آرام فرماتے تھے "وَکَانَ کَثِیْرَ الْعَرَقِ" اور آپ کو پسینہ بہت آتا تھا، پس میں آپ کا پسینہ جمع کر لیتی اور خوشبو میں ملا لیتی تھی، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اے ام سلیم! یہ کیا ہے، میں نے عرض کیا، یہ آپ کا پسینہ ہے، جسے ہم اپنی خوشبو میں ملا لیتے ہیں "وَهُوَ مِنْ اَطْیَبِ الطِّیْبِ" اور وہ بہترین خوشبو ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ "نَظَرْتُ اِلٰی خَاتَمِ النُّبُوَّةِ" میں نے مہر نبوت دیکھی۔

میرے آقا ﷺ کی جسمانی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ کے جسم اطہر کا سایہ نہ تھا، کیونکہ آپ نور تھے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا،

ابن سبع نے اپنی کتاب "خصائص" میں لکھا ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا، آپ سورج اور چاند کی روشنی میں چلتے لیکن کبھی کسی نے آپ کا سایہ نہ دیکھا، کیونکہ "اِنَّهُ کَانَ نُوْرًا" آپ نور تھے۔

حضرت ذکوان نے بتایا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا سایہ سورج یا چاند کی روشنی میں نظر نہ آتا تھا۔

قاضی عیاض علیہ الرحمہ، شفاء شریف میں لکھتے ہیں کہ نور مجسم ﷺ کے جسم اطہر پر کبھی مکھی نہ بیٹھا کرتی تھی (کہ مکھی گندگی پر بھی بیٹھتی ہے تو وہ پاکیزہ ونورانی جسم پر کیسے بیٹھ سکتی تھی)

میرے آقا ﷺ کے بالوں یا کپڑوں میں کبھی جوئیں نہ پڑتیں، نہ کبھی آپ کو مچھر یا کھٹمل نے کاٹا، کہ یہ چیزیں گندگی یا بدبو کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسم اقدس صاف ستھرا، معطر اور خوشبودار تھا۔

حضرت سلمٰی زوجہ ابی رافع نے بتایا کہ، ایک مرتبہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غسل کا پانی پی لیا، آپ نے فرمایا: "حَرَّمَ اللّٰهُ بَدَنَکِ عَلَی النَّارِ" سلمٰی! اللہ تعالیٰ نے تیرے جسم پر جہنم کی آگ کو حرام کر دیا۔

نورانی خون

بیہقی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ، جب جنگ احد میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زخمی ہوئے اور آپ کے مبارک ہونٹوں سے خون بہنے لگا، تو حضرت مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے اسے چوس لیا، آقا ﷺ نے فرمایا، جس کے خون سے میرا خون مل جائے گا اسے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی، ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے فرمایا "جو چاہے دنیا میں کسی جنتی کو دیکھے وہ اسے (مالک بن سنان کو) دیکھ لے۔

حضرت عبداللہ بن زبیر نے بتایا، کہ ایک موقع پر میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خون پی لیا، آپ نے فرمایا۔ "لَا تَمَسُّکَ النَّارُ" تجھے جہنم کی آگ نہ چھوئے گی، یہ معطر خون پینے سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے منہ سے ہمیشہ زعفران کی خوشبو آتی رہی، کسی نے ان سے پوچھا، آقا ﷺ کے خون کا ذائقہ کیسا تھا، آپ نے بتایا "اَمَّا الطَّعْمُ فَطَعْمُ الْعَسَلِ وَاَمَّا الرَّائِحَةُ فَرَائِحَةُ الْمِسْکِ" ذائقہ شہد جیسا تھا اور خوشبو مشک جیسی تھی۔

عاشق رسول حضرت ابوعبداللہ عطار علیہ الرحمہ عرض کرتے ہیں:

بِطِیْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ طَابَ نَسِیْمُھَا فَمَا الْمِسکُ مَا الْکَافُوْرُ مَا الصَّنْدَلُ الرُّطَبُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے نسیم مدینہ خوشبودار ہوگئی، سو کیا ہے مشک، کیا ہے کافور، کیا ہے تر و تازہ صندل۔

اور حضرت امام شرف الدین بوصیری علیہ الرحمہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:

لاَ طِیْبَ یَعْدِلُ تُرْبًا ضَمَّ اَعْظُمَہٗ طُوْبٰی لِمُنْتَشِقٍ مِّنْہُ وَمُلْتَثِمٍ

کوئی خوشبو اس خاک کے برابر نہیں ہوسکتی، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جسم اطہر میں شامل ہے، خوش رہے وہ شخص جو اس خاک کو سونگھے اور بوسہ دے، صلی اللہ علیہ وسلم

نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ اپنے عشق ومحبت کا اظہار کرتے ہوئے عرض گزار ہیں:

نور عین لطافت پہ الطف درود زیب و زین نظافت پہ لاکھوں سلام

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام

نورانی لعاب

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو شفائے امراض پر قدرت عطا فرمائی تھی بالخصوص آپ کا لعاب دہن (تھوک) ہر مرض کی دوا اور ہر زہر کے لئے تریاق تھا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سانپ نے کاٹا تو آپ نے اپنا لعاب مبارک، یار غار کی ایڑی پر مل دیا، سانپ کا زہر کافور ہوگیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پیدائشی آشوب چشم کے لئے یہ لعاب "شفاء العین" بنا، حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کی آنکھ، غزوۂ بدر کے دن ایک تیر لگنے سے زخمی ہوگئی، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب دہن سے ایسی شفاء حاصل ہوئی کہ درد بھی جاتا رہا اور روشنی بھی واپس آگئی، حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کے چہرے پر تیر لگا، آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب مل دیا زخم کا نشان تک باقی نہ رہا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک کنواں تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس میں اپنا لعاب ڈال دیا، جس سے پانی اتنا شیریں ہوگیا کہ مدینہ منورہ میں کسی کنوئیں کا پانی اتنا میٹھا نہ تھا۔

غزوۂ خندق کے موقع پر، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، آپ نے ہانڈی اور آٹے میں اپنا لعاب مبارک ملا دیا، تھوڑا کھانا پورے لشکر کے لئے کافی ہوگیا۔

جس کے پانی سے شاداب جان و جناں اس دہن کی طراوت پہ لاکھوں سلام

جس سے کھاری کنوئیں شیرۂ جاں بنے اس زلال حلاوت پہ لاکھوں سلام

نورانی بال

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ، میں نے اپنے آقا ﷺ کو دیکھا کہ حلاق آپ کے مبارک بال مونڈ رہا تھا، اور پروانے آپ کے گرد دائرہ بنائے کھڑے تھے، وہ کوئی بال زمین پر گرنے نہ دیتے تھے بلکہ ہر شخص حصول برکت کے لئے آپ کے مقدس بالوں کو اپنے ہاتھوں میں لے رہا تھا۔

ابن سیرین تابعی نے حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بتایا، کہ ہمارے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ موئے مبارک ہیں جو ہمیں حضرت انس یا اہل انس سے ملے ہیں، حضرت عبیدہ نے فرمایا، میرے پاس آقا ﷺ کے ایک مقدس بال کا ہونا دنیا کی ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بال منڈواتے تو سب سے پہلے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ لیا کرتے تھے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جمرۂ عقبہ کی رمی سے فارغ ہو گئے تو آپ نے بال منڈوائے اور حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ یہ بال سب صحابہ میں تقسیم کر دو۔

مرا از زلف تو موئے بسند است   فضولی مے کنم بوئے بسند است

حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ بال تھے جن کا رنگ سرخ تھا، انہوں نے وہ بال بحفاظت چاندی کی ایک ڈبیہ میں رکھے ہوئے تھے، نظر بد اور دیگر بیماریوں میں مبتلا لوگ، حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوتے، آپ اس ڈبیہ کو پانی میں رکھتیں اور مریضوں کو وہ پانی پلا دیتی تھیں، اللہ ان کو شفاء عطا فرما دیتا تھا۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی ٹوپی، جنگ یرموک کے دوران زمین پر گر گئی وہ جنگ ہی کے دوران اپنی سواری سے اترے اور ٹوپی اٹھائی، کسی نے کہا آپ جیسے تجربہ کار جرنیل سے ایسی غلطی کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، اگر خدانخواستہ کوئی نقصان ہو جاتا تو اس کی تلافی ممکن نہ تھی حضرت خالد نے فرمایا سب سے بڑا نقصان اس ٹوپی کا ضائع ہونا تھا، کہ اس میں میرے آقا ﷺ کے بال سلے ہوئے ہیں جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ مجھے فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور میں کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ مبارک بال محفوظ تھے آپ نے وصیت فرمائی کہ مجھے دفن کرنے سے پہلے یہ مبارک بال میری زبان کے نیچے رکھ دیئے جائیں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بالوں کی برکت سے میری مغفرت فرما دے گا۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے جان عالم ﷺ کے بال اور ناخن دیتے ہوئے وصیت۔

فرمائی کہ میرے مرنے کے بعد یہ تبرکات میرے کفن میں رکھ دیئے جائیں، مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی برکت سے ہی مجھے جنت میں داخل فرمائے گا۔

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا لکۂ ابر رحمت پہ لاکھوں سلام

نورانی سر

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آقا ﷺ کا حلیہ مبارک کا بیان کرتے ہوئے بتایا، کہ ''ضَخْمُ الرَّاْسِ'' یعنی آپ کا سر مبارک بڑا تھا، (کہا جاتا ہے کہ بڑا سر ہونا، قیادت و جاہت کی علامت ہے بایں اعتبار بڑے سر کا آپ سے زیادہ کون مستحق ہو سکتا ہے)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ عرض کرتے ہیں:

جس کے آگے سر سروراں خم رہیں اس سر تاج رفعت پہ لاکھوں سلام

ابو طفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ، جن کی عمر سو سال ہوئی، ان پر ہی صحابیت ختم ہوئی، یعنی آپ دنیا سے جانے والے آخری صحابی تھے، آپ نے فرمایا، میں نے اپنے محبوب ﷺ کی زیارت کی اور آج روئے زمین پر اس شرف میں میرا کوئی شریک نہیں، لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ ہمارے آقا ﷺ کا رخ انور کیسا تھا، آپ نے فرمایا ''کَانَ اَبْیَضَ مَلِیْحَ الْوَجْہِ'' آپ چمک دار، ملیح چہرے والے تھے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ، جب خوش ہوتے تو آپ کا چہرۂ مبارک چمک دار ہو جاتا تھا، بالکل چاند کا ٹکڑا لگتا تھا۔

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ، میں نے ربیعہ بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے عرض کی کہ ''صِفِیْ لَنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ'' ہمیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلیہ مبارک بتایئے، آپ نے فرمایا ''لَوْ رَاَیْتَہٗ رَاَیْتَ الشَّمْسَ طَالِعَۃً'' اگر تم آقا ﷺ کو دیکھتے تو کہتے ''سورج طلوع ہو رہا ہے''۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے ایک چاندنی رات آقا ﷺ کی زیارت کی، اس وقت آپ سرخ لباس زیب تن کیے ہوئے تھے، میں کبھی محبوب عالم ﷺ کے چہرۂ انور کو دیکھتا اور کبھی چودھویں کے چاند کو، کافی دیر گومگو میں جتلا رہا، بالآخر مجھے کہنا پڑا کہ میرے محبوب ﷺ کا رخ انور بدر کامل سے زیادہ چمک دار، حسین اور دلربا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے محبوب عالم ﷺ سے زیادہ حسین و خوبرو کوئی چیز نہ دیکھی ''کَاَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِیْ فِیْ وَجْہِہٖ'' گویا سورج چہرۂ اقدس میں چمک رہا ہے۔

بہر حال جان عالم ﷺ کے چہرۂ انور کا ہر حصہ آفتاب حسن تھا، کسی عاشق نے کیا خوب کہا،

وَبِشَمْسِ حُسْنِکَ کُلُّ یَوْمٍ مُشْرِقٌ　　وَبِبَدْرِ وَجْھِکَ کُلُّ لَیْلٍ مُزْھِرٌ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آفتاب حسن کے ساتھ ہر دن چمک رہا ہے، اور آپ کے چہرۂ ماہ تمام سے ہر رات حسین ہو رہی ہے۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے گزارش کی کہ مجھے نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حلیہ مبارک بتایئے، پس انہوں نے کہا "کَانَ فَخْمًا مُفَخَّمًا یَتَلَأْلَأُ وَجْھُهٗ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَیْلَةَ الْبَدْرِ" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کی نگاہوں میں بے حد جلیل القدر اور عظیم الشان تھے، آپ کا چہرۂ انور چودھویں کے چاند کی طرح چمکتا تھا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات میری سوئی گم ہوگئی، میں نے بہت تلاش کی لیکن نہ ملی، اسی دوران جان عالم ﷺ رونق افروز ہوئے، آپ کے چہرۂ اقدس کی نورانیت سے سارا کمرہ روشن ومنور ہوگیا اور میری سوئی مل گئی، جب میں نے آقا ﷺ کو بتایا، تو آپ نے فرمایا "یَا حُمَیْرَاءُ الْوَیْلُ ثُمَّ الْوَیْلُ (ثَلَاثًا) لِمَنْ حُرِمَ النَّظَرَ اِلٰی وَجْھِیْ" اے حمیراء وہ شخص ہلاکت میں مبتلا ہوا (تین مرتبہ فرمایا) جو میرے رخ انور کی زیارت سے محروم رہا، (اللہ کے رسول ﷺ، حضرت عائشہ کو محبت و پیار سے حمیراء کہا کرتے تھے۔)

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ (جو ایک یہودی عالم تھے مسلمان ہونے کے بعد) بتاتے ہیں کہ "فَلَمَّا رَأَیْتُ تَبَیَّنْتُ وَجْھَهٗ عَرَفْتُ اَنَّ وَجْھَهٗ لَیْسَ بِوَجْهِ کَذَّابٍ" جب میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرۂ انور بغور دیکھا تو میں نے پہچان لیا کہ آپ کا چہرۂ اطہر کسی جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں،

چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود　　نمک آگیں صباحت پہ لاکھوں سلام
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے　　اس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

نورانی ابرو

ہمارے آقا ﷺ کی حسین وجمیل بھویں، دراز و باریک، گھنے بالوں والی تھیں اور دونوں اس قدر قریب تھیں کہ دور سے دیکھنے والوں کو بالکل ملی ہوئی نظر آتی تھیں، ان کے درمیان ایک باریک سرخ دھاری تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی جس سے آپ کے حسین چہرے کے حسن میں مزید اضافہ ہو جاتا تھا، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

جن کے سجدے کو محراب کعبہ جھکی　　ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

حضرت محسن کاکوردی رحمۃ اللہ علیہ نے چہرۂ انوار اور محراب ابرو کی مدح کرتے ہوئے عرض کی،

مہ کامل میں مہ نور کی یہ تصویریں ہیں   یا کھینچی معرکۂ بدر میں شمشیریں ہیں

نورانی آنکھیں

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ﴿۱۷﴾ (النجم)

محبوب عالم ﷺ کی حسین و جمیل آنکھیں، سرگیں اور دراز پلکوں والی تھیں، آنکھوں کی سپیدی میں ایک باریک سرخ ڈورا تھا، کتب سابقہ کے مطابق یہ بھی ایک علامت نبوت تھی، یہی وجہ تھی، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعمر پچیس سال، شام کا سفر تجارت کیا، اور دوران سفر آپ نے نسطورا راہب کے گرجا کے قریب قیام فرمایا، تو راہب نے آپ کو دیکھ کر، ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے غلام میسرہ سے کہا، اس نوجوان کی دونوں آنکھوں میں سرخی ہے جو میرے علم کے مطابق علامت نبوت ہے، میسرہ نے جواب دیا، جی! اور یہ سرخی ہر وقت رہتی ہے، کبھی غائب نہیں ہوتی۔

یہ حسین و جمیل آنکھیں بڑی بڑی تھیں، جن کی سپیدی خوب سپید اور پتلی کی سیاہی خوب سیاہ تھی، ان آنکھوں کا یہ اعجاز تھا کہ آپ آگے، پیچھے، دائیں، بائیں اور اوپر نیچے، برابر دیکھتے تھے، نیز آپ جس طرح ظاہر کو دیکھتے تھے اسی طرح باطن کو بھی ملاحظہ فرماتے تھے، اسی لئے آپ پر کسی کا کوئی حال پوشیدہ نہ تھا، آپ ارشاد فرماتے ہیں: "وَاللّٰہِ مَا یَخْفٰی عَلَیَّ رُکُوْعُکُمْ وَلَا خُشُوْعُکُمْ" بخدا تمہارا رکوع و خشوع میری نظر سے پوشیدہ نہیں رہتا (جب کہ خشوع اس قدر پوشیدہ عمل ہے کہ بسا اوقات انسان کو خود بھی اس کا علم نہیں ہوتا)

شش جہت سمت مقابل شب و روز ایک ہی حال   دھوم والنجم میں ہے آپ کی بینائی کی
فرش تا عرش سب آئینہ، ضمائر حاضر   بس قسم کھایئے امی! تیری دانائی کی

حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے، موتہ میں قیصر کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے مجاہدین اسلام کا ایک دستہ روانہ فرمایا، چند دن بعد آپ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے اور صحابہ کرام کے سامنے جنگ کا آنکھوں دیکھا حال بیان فرمایا، جو مجاہدین شہید ہوتے رہے اور جن میں علم اسلام منتقل ہوتا رہا، آپ ان سب کے نام بتاتے رہے حتیٰ کہ جب اسلام کا پرچم، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے لیا تو آپ نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: "اَلْآنَ حَمِیَ الْوَطِیْسُ" اب میدان کارزار گرم ہوا، کچھ دن بعد یعلیٰ بن منبہ مدینہ منورہ حاضر ہوئے، آقا ﷺ نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا، یعلیٰ جنگ کا حال تم بتاؤ گے یا ہم بیان کریں، یعلیٰ عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! آپ ہی فرمائیں، پس نورانی آنکھوں والے آقا ﷺ نے ایک ایک واقعہ نہایت تفصیل سے بیان فرمایا،

یعلیٰ کہنے لگے: "وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا تَرَکْتَ مِنْ حَدِیْثِہِمْ حَرْفًا" قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا آپ نے جنگ کی باتوں میں سے کچھ نہ چھوڑا۔

ایک مرتبہ میرے آقا ﷺ نے بتایا، کہ میں ثریا میں بارہ تارے دیکھ رہا ہوں، حالانکہ علم نجوم کے ماہرین نے، پاورفل دوربینوں سے ثریا کے ستاروں کو شمار کرنے کی کوشش کی لیکن وہ سات سے زیادہ کی خبر نہ لا سکے۔

غزوۂ خندق میں آقائے مکرم و محترم ﷺ نے ایک سخت ترین چٹان کو ریزہ ریزہ کرنے کے لئے، جب پہلی ضرب لگائی تو ارشاد فرمایا: "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الشَّامِ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَبْصُرُ الْقُصُوْرَ الْحُمْرَ السَّاعَۃَ" اللہ اکبر! مجھے شام کی چابیاں دے دی گئیں، بخدا! اس وقت میں وہاں کے سرخ محلوں کو دیکھ رہا ہوں، پھر آپ نے دوسری ضرب لگائی اور فرمایا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ فَارِسَ وَاِنِّیْ وَاللّٰہِ لَاَبْصُرُ قَصْرَ مَدَائِنِ الْاَبْیَضَ الْاٰنَ" اللہ اکبر! مجھے فارس کی چابیاں دی گئیں، بخدا! میں اس وقت مدائن کا سفید محل دیکھ رہا ہوں، اور جب تیسری ضرب سے چٹان چورا چورا ہوگئی تو آپ نے اظہار مسرت کرتے ہوئے فرمایا: "اَللّٰہُ اَکْبَرُ! اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ الْیَمَنِ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَبْصُرُ اَبْوَابَ الصَّنْعَاءِ السَّاعَۃَ" اللہ اکبر! مجھے یمن کی چابیاں دی گئیں، بخدا! میں اس وقت صنعاء کے دروازوں کو دیکھ رہا ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے سامنے رکھ دیا ہے، پس میں دنیا و مافیہا کو قیامت تک جو کچھ ہونے والا ہے اسے اس طرح دیکھ رہا ہوں "کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی کَفِّیْ ھٰذَا" گویا میں اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں،

معنیٔ قَدْ رَاٰی مقصدِ مَاطَغٰی نرگس باغ قدرت پہ لاکھوں سلام
جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

نورانی پیشانی

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ، محبوب کائنات ﷺ کے چہرۂ انور کا حسن و جمال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں "وَاسِعُ الْجَبِیْنِ" آقا ﷺ کی نورانی پیشانی چوڑی تھی،

نیز آپ کی پیشانی پر ایک نور عیاں تھا، جیسا کہ مداح رسول ﷺ عرض کرتے ہیں:

مَتٰی یَبْدُ فِی اللَّیْلِ الْبَہِیْمِ جَبِیْنُہٗ یَلُحْ مِصْبَاحَ الدُّجٰی الْمُتَوَقِّدُ

جب اندھیری رات میں آپ کی پیشانی ظاہر ہوئی تو تاریکی میں روشن چراغ کی مانند چمکتی تھی۔

نورانی ناک

میرے آقا ﷺ کی حسین وجمیل ناک اونچی اور بلند تھی، جس پر ایک نور ظاہر تھا، دور سے دیکھنے والا خیال کرتا کہ آپ کی مبارک بینی بہت اونچی ہے، حالانکہ آپ کی ناک نامناسب اونچی نہ تھی، بلکہ بلندی، نور کی وجہ سے محسوس ہوتی تھی،

نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود　　اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام

نورانی کان

حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے بتایا، ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ ہمارے درمیان رونق افروز تھے، آپ نے غلاموں سے پوچھا، جو میں سن رہا ہوں کیا تم بھی سن رہے ہو، عرض کی گئی، یارسول اللہ! آپ کیا سن رہے ہیں، فرمایا، میں آسمانوں کی چرچراہٹ سن رہا ہوں، کیونکہ آسمان پر بالشت بھر جگہ بھی خالی نہیں کہ چپہ چپہ پر اللہ کے فرشتے سجدہ کر رہے ہیں یا کھڑے ہوئے اللہ کی عبادت میں مصروف ہیں۔

حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَتَسْمَعُ مَآ اَسْمَعُ'' ابوایوب! کیا تم سن رہے ہو جو میں سن رہا ہوں ''اَسْمَعُ اَصْوَاتَ الْيَهُوْدِ فِی الْقُبُوْرِ'' میں قبروں میں یہودیوں کی چیخیں سن رہا ہوں،

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز ہم بارگاہ رسالت میں حاضر تھے، پس آقا ﷺ نے اچانک سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور فرمایا: ''وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ'' ہم نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ نے کس کے سلام کا جواب دیا، فرمایا، جعفر بن ابی طالب فرشتوں کے گروہ کے ساتھ گزرے اور انہوں نے سلام کیا، میں نے ان کے سلام کا جواب دیا۔

ابوداؤد شریف کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَكْثِرُوا الصَّلٰوةَ عَلَیَّ يَوْمَ الْجُمُعَةِ'' جمعہ کے دن مجھ پر بکثرت درود شریف پڑھا کرو ''اِلَّا بَلَغَنِیْ صَوْتُهٗ حَيْثُ كَانَ'' کہ درود شریف پڑھنے والے کی آواز مجھ تک پہنچتی ہے، وہ جہاں بھی ہو، عرض کیا گیا، یارسول اللہ! کیا آپ کے وصال کے بعد بھی، فرمایا، ہاں، بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے، کہ وہ انبیاء کرام کے مقدس جسموں کو کھائے، اور ایک روایت میں ہے ''فَنَبِیُّ اللّٰهِ حَیٌّ لَا يَمُوْتُ'' پس اللہ کا نبی زندہ ہے، مرتا نہیں۔

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان　　کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

نورانی دہن

ہمارے آقا ﷺ کے نورانی مبارک دہن سے کبھی بدبو نہیں آتی تھی، حتیٰ کہ جس چیز کا تعلق آپ کے دہن مبارک سے ہو جاتا، وہ بھی خوشبودار اور معطر ہو جاتی، ﷺ

ابن ماجہ نے ابونعیم اور امام احمد نے وائل بن حجر سے روایت کی ہے، کہ ایک مرتبہ کسی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پانی کا ڈول پیش کیا، آپ نے اس سے کچھ پانی نوش فرمایا، پھر اس میں کلی کر دی، پھر ڈول کا پانی کنوئیں میں انڈیل دیا گیا، پس اس کنوئیں سے ''فَفَاحَ مِثْلُ رَائِحَةِ مِسْکٍ'' مشک جیسی مہک آنے لگی۔

ضمیرہ بنت مسعود رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ میں اپنی بہنوں کے ساتھ آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی، اس وقت آپ سوکھا ہوا گوشت تناول فرما رہے تھے، آپ نے گوشت کا ایک ٹکڑا چبا کر ہمیں کھلایا، پس ہمارے منہ سے کبھی بدبو نہ آئی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات قلم بند کر لیا کرتا تھا، کچھ صحابہ کرام نے مجھے روکا اور کہا کہ تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہر بات لکھتے رہتے ہو، جب کہ آپ بشر ہیں کبھی غصہ اور کبھی خوشی کی حالت میں ہوتے ہیں، ممکن ہے آپ کا کوئی فرمان لکھنے کے قابل نہ ہو، لہٰذا تم لکھنا چھوڑ دو، چند دن بعد آقا ﷺ نے پوچھا، عبداللہ تم نے لکھنا کیوں بند کر دیا، میں نے آپ کو وہ سب بتا دیا جو صحابہ نے کہا تھا، آپ نے فرمایا: ''اُکْتُبْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَایَخْرُجُ مِنْہُ اِلَّاحَقٌّ'' لکھا کرو، بخدا! اس منہ سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ''وَاسِعُ الْفَمِ اَشْنَبُ مُفْلِجُ الْاَسْنَانِ'' دندان مبارک موتیوں کی طرح چمکدار تھے، اور ان کے درمیان قدرے خلا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نورانی دانت ''اَفْلَجُ الثَّنِیَّتَیْنِ اِذَا تَکَلَّمَ رُءِیَ کَالنُّوْرِ یَخْرُجُ مِنْ بَیْنِ ثَنَایَاہُ'' ملے ہوئے نہ تھے بلکہ ان کے درمیان فاصلہ تھا، جب آپ گفتگو فرماتے تو دندان مبارک سے نور کی شعاعیں نکلتی تھیں۔

حضرت ہند ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رخسار نرم و نازک اور ہموار تھے، آپ کا منہ فراخ، دانت کشادہ اور چمکدار تھے، جب آپ گفتگو فرماتے تو آپ کے دونوں، اگلے دانتوں کے درمیان سے نور کی شعاع نکلتی تھی، اور اگر آپ اندھیرے میں مسکراتے تو دندان مبارک کی چمک سے روشنی پھیل جاتی تھی،

آپ کو جمائی نہ آتی تھی، کہ انبیاء کرام کو جمائی کبھی نہیں آئی، کیونکہ جمائی شیطان کی طرف سے

ہوتی ہے، اور انبیاء کرام علیہم السلام شیطان لعین کے تسلط سے محفوظ ہوتے ہیں، پس جسے جمائی آئے اسے چاہیے کہ پڑھے: "لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ"۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

نورانی زبان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ کہیں جارہے تھے اسی دوران حضرات حسنین کریمین کے رونے کی آواز آئی، آپ نے فرمایا میرے بچے کیوں رورہے ہیں، حضرت سیدہ نے بتایا کہ دونوں پیاسے ہیں لیکن پانی کا قطرہ تک نہیں جو انہیں پلایا جائے، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، انہیں میرے پاس لاؤ، آپ نے دونوں کو سینہ سے لگایا اور اپنی نورانی زبان چوسائی، وہ خاموش ہوگئے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ غلام تھے، غلاموں کو آزاد کرانے والے آقا ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ اپنے مالک کی قیمت ادا کرو اور آزاد ہوجاؤ، حضرت سلمان عرض گزار ہوئے یارسول اللہ! میرے پاس صرف ایک چھوٹا سا سونے کا انڈا ہے، اس سے چالیس اوقیہ سونا کیسے ادا ہوسکتا ہے، آپ نے فرمایا، انڈا مجھے دو، حضور علیہ الصلوٰۃ نے ان سے انڈا لے کر اپنی نورانی زبان پر پھیرا اور فرمایا جاؤ قیمت ادا کردو، حضرت سلمان نے مالک کو قیمت ادا کردی اور چالیس اوقیہ سونا ان کے پاس باقی رہا۔

حضرت ابراہیم بن حارث بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ غزوۂ قرد کے لئے اپنے غلاموں کے ساتھ روانہ ہوئے، راستہ میں ایک کھاری کنوئیں، التیبان کے قریب سے گزرے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا نام تبدیل فرما کر "نعمان" رکھا، یعنی اس کا ذائقہ کھاری نہیں بلکہ میٹھا ہے، اللہ تعالیٰ نے آپ کی مبارک زبان کی برکت سے کنوئیں کا پانی میٹھا کردیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کنوئیں کو خریدا اور اللہ کی راہ میں وقف کردیا۔

بہرحال میرے آقا ﷺ کی نورانی زبان وحی الٰہی کی ترجمان اور سرچشمۂ آیات ومعجزات ہے، آپ کی فصاحت وبلاغت کا مقابلہ کرنا، عرب کے بڑے فصحاء وبلغاء کے بس میں نہ تھا، یوں معلوم ہوتا کہ وہ آپ کے سامنے گونگے ہیں، اعلیٰ حضرت عرض کرتے ہیں،

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زبان نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

نیز آپ کی مقدس زبان سے جو نکلتا وہی ہوتا، جس پر کرم ہوا اسے جنت کی خوشخبری دے دی اور وہ جنتی ہوگیا، جس پر نوازش ہوئی اس کے شرعی حکم میں رعایت فرمادی اور وہ اس کی خصوصیت بن

گئی، صلی اللہ علیہ وسلم

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں   اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود   اس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام

نورانی آواز

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام انبیاء و مرسلین کو خوبرو اور خوش گلو بنا کر مبعوث فرمایا ''حَتّٰی بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيَّكُمْ بَعَثَهٗ حَسَنَ الْوَجْهِ وَحَسَنَ الصَّوْتِ'' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کو مبعوث فرمایا اور آپ کو خوبرو اور خوش گلو بنا کر مبعوث فرمایا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو دندان مبارک سے نور کی شعاعیں نکلتی معلوم ہوتی تھیں نیز آپ کی آواز مبارک بہت دور تک سنائی دیتی تھی، کہ کسی کی آواز اتنی بلند نہیں ہو سکتی،

براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ دیا، آپ کی نورانی آواز، دور دراز محلوں میں مستورات نے اپنے گھروں میں سنی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن معاذ نے بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے منیٰ میں خطبہ دیا، لوگوں نے یہ خطبہ دور دراز، وہ جہاں بھی تھے بآسانی اور بغور بلا تکلف سنا،

جس میں نہریں ہیں شیر و شکر کی رواں   اس گلے کی نضارت پہ لاکھوں سلام

نورانی مسکراہٹ

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''مَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَجْمِعًا قَطُّ ضَاحِكًا اَىْ ضِحْكًا تَامًّا'' میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کبھی قہقہہ لگاتے نہ سنا کہ آپ کا پورا منہ کھل جائے اور حلق کا گوشت تک نظر آنے لگے۔

حضرت ابن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر و بیشتر صرف تبسم فرماتے تھے۔

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر تبسم فرماتے تھے، گاہے بگاہے ہنستے بھی تھے لیکن آپ کی ہنسی قہقہہ سے بہر حال کم ہی ہوتی تھی، اور کثرت سے ہنسنا مکروہ ہے، کیونکہ اس سے وقار ختم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

تُكْثِرُوا الضِّحْكَ فَإِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ "زیادہ نہ ہنسا کرو کیونکہ زیادہ ہنسا دل کو مردہ کر دیتا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم

جس طرح آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قہقہہ نہیں لگاتے تھے، اسی طرح جب روتے تو آواز بلند نہ ہوتی تھی بلکہ آنکھوں سے صرف آنسو ٹپکتے تھے اور موسلا دھار ٹپکتے تھے، البتہ سینے میں رونے کی آواز آتی تھی، آپ پر اکثر حالت نماز میں گریہ طاری ہوتا تھا،

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں   اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

نورانی گردن

حضرت ہند بن ابی ہالہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ پیکر حسن و جمال صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس گردن دیگر اعضائے مبارکہ کی طرح نہایت خوبصورت اور حسین تھی، بے حد معتدل، صراحی دار اور سڈول تھی، خوبصورتی اور صفائی میں نہایت ہی بے مثل جمیل اور چاندی کی طرح صاف شفاف اور چمکدار تھی۔

نورانی ہاتھ

إِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ أَيْدِيْهِمْ ۚ

"اے جان عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے"۔ (الفتح 10:)

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ (الانفال 17:)

"(میرے محبوب) اور آپ نے نہیں پھینکی (وہ خاک) جب آپ نے پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی، تاکہ اہل ایمان پر احسان فرمائے بہترین احسان"۔

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلیاں کشادہ فراخ اور انگلیاں جوانمردوں کی طرح موٹی تھیں لیکن سخت نہ تھیں، لمبی تھیں، چھوٹی نہ تھیں یہ خوبی مردوں کے حسن و جمال کا حصہ ہے جب کہ عورتوں کے لئے قابل مذمت ہے، آپ کی کلائیاں بھی بہت فربہ اور طاقتور تھیں،

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ ایک مرتبہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ شفقت و محبت میرے رخساروں پر اپنا دست مبارک پھیرا، پس میں نے آپ کے مقدس ہاتھ کی نرمی، ٹھنڈک اور خوشبو محسوس کی، مجھے ایسا معلوم ہوا کہ یہ دست مبارک ابھی ابھی عطار کی صندوقچی سے نکلا ہے،

حضرت سعد بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں، میں بیمار ہو

گیا، رؤف رحیم آقا ﷺ کو معلوم ہوا، تو آپ عیادت کے لئے تشریف لائے، آپ نے اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور میرے سینہ اور پیٹ پر پھیرا، آج تک مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے دست انور کی خنکی میرے کلیجے کو ٹھنڈا کر رہی ہے،

حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت عمار بن یاسر کو آگ میں ڈالنا چاہا، آقائے رحمت ﷺ تشریف لائے، اور اپنا دست رحمت وشفقت حضرت عمار کے سر پر رکھ کر فرمایا، اے آگ عمار پر ٹھنڈی ہو جا جیسے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی ہوئی تھی اور عمار کو تکلیف نہ پہنچے، پس آگ ٹھنڈی ہو گئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے بحیثیت معلم یمن جانے کا حکم دیا، میں عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ! میں نا تجربہ کار ہوں، کچھ نہیں جانتا، پیچیدہ معاملات کو کیسے سلجھاؤں گا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور دعا کی، اے اللہ! اس کے دل کو احقاق حق کی قوت عطا فرما اور اس کی زبان پر حق جاری فرما، حضرت علی فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ کے دست مبارک کی برکت اور دعا سے مجھے کبھی کسی معاملہ میں دشواری پیش نہ آئی، اور نہ ہی کوئی غلطی سرزد ہوئی،

حضرت ابو زید انصاری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے سر اور داڑھی پر ہاتھ پھیرا اور دعا کی، الٰہی! اس کو حسن و جمال عطا فرما، ابو زید سو سال سے زائد زندہ رہے ان کا ایک بال بھی سپید نہ ہوا، نہ ہی چہرے پر کوئی شکن آئی، صاف اور روشن چہرہ بالکل نوجوان جیسا رہا،

حضرت بشر بن معاویہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں اپنے باپ معاویہ بن ثور کے ہمراہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی، پس وہ جگہ جہاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دست انور پھیرا وہ نہایت چمکدار اور روشن ہو گئی، نیز بشر بن معاویہ جس مریض پر اپنا ہاتھ پھیر دیتے تھے وہ صحت یاب ہو جاتا تھا،

بنو عبد الاشہل کے کچھ لوگوں نے بیان کیا کہ حضرت مسلمہ بن اسلم بن حریش رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں کفار سے مصروف پیکار تھے کہ اچانک ان کی تلوار ٹوٹ گئی وہ پریشان حال آقائے رحمت پناہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! میری تلوار ٹوٹ گئی اب میں دشمن کو کیسے جہنم رسید کروں، اس وقت آپ کے نورانی ہاتھ میں درخت کی ایک سوکھی ٹہنی تھی، آپ نے وہ مجھے عطا فرمائی، پس میں دشمن پر حملہ کرتا تھا اور وہ تلوار کی طرح گردنیں قلم کر رہی تھی، حضرت مسلمہ فرماتے ہیں یہ تلوار ہمیشہ میرے ساتھ رہی اور دشمن کے سر قلم کرتی رہی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت

میں معرکہ جسر میں حضرت مسلمہ شہید ہو گئے اور تلوار غائب ہو گئی،

حضرت ہلب بن یزید ایک وفد کے ہمراہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، وہ گنجے تھے، ان کے سر پر کوئی بال نہ تھا، سرور عالم ﷺ نے ان کے سر پر اپنا دست مبارک پھیرا، جس کی برکت سے ہلب کے سر پر فوراً بال نکل آئے، جو بالکل سیاہ، نرم اور نہایت خوبصورت تھے، اس وجہ سے وہ ہلب کے نام سے مشہور ہیں،

ابو رافع یہودی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شب و روز سازشوں میں مصروف رہتا تھا اور مسلمانوں کو ایذاء پہنچانے کی تدبیریں کرتا رہتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو قتل کرنے کے لئے چند صحابہ کو روانہ کیا، حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ نے اسے جہنم رسید کیا، واپسی میں حضرت عبداللہ سیڑھیوں پر سے پھسل پڑے اور ان کی پنڈلی ٹوٹ گئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کامیابی کی خوشخبری سنائی اور اپنی پنڈلی ٹوٹ جانے کی خبر دی، اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی پنڈلی پر اپنا دست انور پھیرا، پنڈلی ٹھیک ہو گئی، ایسا لگتا تھا کہ کبھی خراش تک نہ آئی تھی،

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام
جس کو بار دو عالم کی پروا نہیں ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
کعبہ دین و ایمان کے دونوں ستون ساعدین رسالت پہ لاکھوں سلام
مولای صل وسلم دائمًا ابدًا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

نورانی انگلیاں

حضرت ابو طفیل بتاتے ہیں کہ قبیلہ بنولیث کے ایک شخص فراس کے سر میں سخت درد ہوا، ان کا باپ انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں لے کر حاضر ہوا اور اس کا حال بیان کیا، اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی آنکھوں کی درمیانی کھال پکڑ کر کھینچی، جس سے فوراً اس کا درد ختم ہو گیا اور کھال پر جہاں آپ کی مقدس انگلیاں لگی تھیں وہاں بال نکل آئے، لیکن ایک مدت کے بعد، جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خارجیوں نے مقابلہ کیا تو فراس نے مخالفین میں شامل ہو کر امام برحق سے جنگ کا ارادہ کیا، فراس کے باپ کو پتہ چلا تو اس نے اپنے بیٹے کو ایک کمرے میں بند کر دیا تا کہ وہ مخالفین کے لشکر میں شریک نہ ہو سکے، اسی دوران فراس کے سر میں دوبارہ سخت درد ہونے لگا اور اس کے بال بھی جھڑ گئے، اب اس نے پریشان ہو کر اور باپ کی ڈانٹ پھٹکار کے بعد توبہ کی، اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا درد بھی ختم ہو گیا اور بال بھی نکل آئے، حضرت ابو طفیل نے بتایا کہ میں نے فراس کی تینوں حالتیں دیکھیں،

حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر کبیر میں رقمطراز ہیں کہ ایک مرتبہ اللہ کے رسول

ﷺ کسی نہر کے کنارے رونق افروز تھے، ابو جہل کا بیٹا عکرمہ آیا اور کہنے لگا، اگر آپ سچے ہیں تو سامنے والے پتھر کو اشارہ کرکے اس طرف بلایئے، آپ نے اپنی انگشت مبارک سے اشارہ کیا تو پتھر تیرتا ہوا آپ کی طرف آیا اور بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھنے لگا، اللہ کے نبی برحق ﷺ نے فرمایا، عکرمہ! اب تجھے میرے سچے ہونے پر یقین آیا، یا نہیں، لیکن سب ہی کافر بہت ہٹ دھرم تھے، عکرمہ بھی نہ مانا اور گردن لٹکائے چلا گیا،

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

نورانی ہتھیلیاں

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے، کہ ایک بچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یارسول اللہ! میں اور میری بہن یتیم ہیں، ماں بیوہ ہے، ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں، نظر کرم فرمایئے، آپ نے اس سے کہا، ہمارے کسی گھر میں جاؤ، اگر کچھ کھجوریں مل جائیں تو لے آؤ، وہ لڑکا کھجوریں لے کر واپس آیا، نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ان کھجوروں پر دم فرمایا، اور فرمایا جاؤ، سات، سات کھجوریں تم تینوں تقسیم کرلو، اور ایک کھجور روزانہ کھالیا کرو، ایک ہفتہ کے لئے تمہاری خوراک کا انتظام ہوگیا،

ابو جحیفہ نے بتایا کہ ایک روز، دوپہر کے وقت آقائے رحمت ﷺ، بطحاء میں رونق افروز تھے، آپ نے وضو فرمایا، دو رکعت نماز ظہر ادا کی، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو لوگ کھڑے ہوگئے اور آپ کا دست مبارک اپنے چہرے پر ملنے لگے، میں نے بھی ایسا ہی کیا، پس میں نے شدید گرمی کے باوجود آپ کی مبارک ہتھیلی کو برف سے زیادہ ٹھنڈا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار محسوس کیا،

جس کے ہر خط میں ہے موج نور کرم اس کف بحر ہمت پہ لاکھوں سلام

نورانی پشت، شکم وسینہ

میرے آقا ﷺ کی پشت مبارک کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی،

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کو دیکھا، جو کبوتر کے انڈے کے برابر ابھرا ہوا گوشت تھا،

ایک روایت یہ بھی ہے کہ "کَانَ نُوْرًا یَتَلَأْلَأُ" کہ مہر نبوت ایک چمکتا ہوا نور تھا،

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کندھوں سے چادر اتار دیتے تو

معلوم ہوتا تھا کہ یہ کندھے چاندی کی ڈھلے ہوئے ہیں۔ (میرے آقا ﷺ کے کندھے نہایت مضبوط اور ٹھوس تھے)

میرے آقا ﷺ کا شکم مبارک اور سینہ دونوں برابر تھے، نہ پیٹ نکلا ہوا تھا اور نہ ہی سینہ زیادہ ابھرا ہوا تھا، اور سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی جو نہایت خوبصورت نظر آتی تھی، جب کہ مقدس چھاتیاں اور شکم مبارک بالوں سے خالی تھے، شانوں اور کلائیوں پر قدرے بال تھے،

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نورانی شکم کو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا جیسے کاغذ ایک دوسرے پر رکھے اور تہہ کئے ہوئے ہیں،

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ ایک دن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، تو دیکھا آپ نے اپنے شکم مبارک کو ایک کپڑے سے کس کر باندھا ہوا ہے، میں نے لوگوں سے اس کی وجہ معلوم کی تو کسی نے بتایا کہ آقائے کائنات ﷺ پر کئی دن سے فاقہ ہے،

غزوۂ خندق کے موقع پر مجاہدین نے اپنے آقا ﷺ سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹوں پر بندھے ہوئے پتھر دکھائے، آقا ﷺ نے اپنا پیرہن مبارک اٹھایا تو غلاموں نے دیکھا کہ آقا کے شکم اقدس پر دو پتھر بندھے ہوئے ہیں،

اگر چہ فقر فخری رتبہ ہے تیری قناعت کا — مگر قدموں تلے ہے فرِ کسرائی و خاقانی
کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا — اس شکم کی قناعت پہ لاکھوں سلام

نورانی پیر

ہمارے آقا ﷺ کے مقدس پاؤں چوڑے، گوشت سے بھرے ہوئے تھے، ایڑیاں کم گوشت تھیں، تلوے اونچے جو زمین پر نہ لگتے تھے، دونوں پنڈلیاں قدرے پتلی لیکن مضبوط اور شفاف تھیں، پیروں کی نرمی اور نزاکت کے سبب ان پر پانی نہ ٹھہرتا تھا، آپ چلتے تو نہایت وقار اور تواضع کے ساتھ جما کر پیر رکھتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسا تیز رفتار کسی کو نہ دیکھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین آپ کے لئے لپٹ جاتی تھی، ہم لوگ آپ کے ساتھ دوڑا کرتے تھے اور چلنے میں نہایت محنت کرتے تھے لیکن آپ نہایت وقار اور سکون کے ساتھ چلتے رہتے تھے پھر بھی ہم لوگ آپ سے پیچھے ہی رہتے تھے،

ساق اصل قدم شاخ نخل کرم — شمع راہ ہدایت پہ لاکھوں سلام
کھائی قرآن نے خاک گزر کی قسم — اس کف پا کی حرمت پہ لاکھوں سلام

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَشٰى يَتَوَكَّأُ" جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام چلتے تو عصا مبارک پر ٹیک لگاتے۔ (عصا رکھنا سنت ہے)

حضرت ابن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَشٰى تَكَفَّأَ تَكَفُّواً كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ" جب اللہ کے رسول ﷺ چلتے تو آگے زور دے کر چلتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں،

حضرت ہند بنت ابی ہالہ نے بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "إِذَا الْتَفَتَ اِلْتَفَتَ جَمِيْعًا وَإِذَا أَدْبَرَ أَدْبَرَ جَمِيْعًا" جب کسی چیز کی طرف توجہ فرماتے تو پوری طرح توجہ فرماتے اور جب کسی چیز کی طرف پیٹھ پھیرتے تو پوری طرح پیٹھ پھرتے تھے،

تری صورت، تری سیرت، ترا نقشہ، ترا جلوہ — تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

مولای صل وسلم دائمًا ابدًا — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

جان عالم ﷺ کی ازواج مطہرات اور دیگر متعلقین

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ

''نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں''۔ (احزاب:6)

حضور نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام، امت کے روحانی باپ ہیں اور ان کی مقدس و مطہر ازواج امت کی روحانی مائیں قرار دی گئیں، اس رشتہ کے تقدس و احترام کی بقاو حفاظت کے لئے حکم دیا گیا،

وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (احزاب:53)

''اور نہ تمہیں یہ اجازت ہے کہ ان کی ازواج سے ان کے بعد تم نکاح کرو کبھی بھی''۔

بے عیب و بے مثل رسول مکرم ﷺ سے نسبت و تعلق کا مقتضیٰ یہ تھا کہ ہماری مائیں بھی بے مثل ہوں، مقدس و مطہر ہوں، پس قرآن کریم نے ارشاد فرمایا،

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ (احزاب:32)

''اے نبی کی ازواج! تم دوسری (عام) عورتوں میں سے کسی کی مانند نہیں ہو (بے مثل و بے نظیر ہو)''۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (احزاب:33)

''اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کر دے، اے نبی کے گھر والو! اور تمہیں پوری طرح پاک وصاف کر دے''۔

قرآن کریم کی ان آیات مبارکہ کو ذہن نشین کر دینے کے بعد ازواج مطہرات کے حالات کا مطالعہ کیجئے، جو ہم اپنی تصنیف یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جلد دوم، مقالہ 64 سے مختصراً بیان کر رہے ہیں۔

پہلی ماں

حضرت ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہماری پہلی ماں ہیں، جن کی فضیلت و عظمت پر متعدد احادیث مبارکہ گواہ ہیں،

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''خَیْرُ نِسَآءِ هَا

مَرْيَمُ بِنْتُ عِمْرَانَ'' (اپنے زمانہ کی عورتوں میں بہترین عورت مریم بنت عمران تھیں ''وَخَيْرُ نِسَآءِهَا خَدِيْجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ'' اور (تمام عورتوں میں) بہترین عورت خدیجہ بنت خویلد ہیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چالیس برس کی عمر میں شرف زوجیت حاصل ہوا اس وقت آپ ﷺ کی عمر شریف پچیس برس تھی اس سے پہلے وہ دو مردوں، عتیق بن عائذ اور ابو ہالہ ہند بن زرارہ سے نکاح کر چکی تھیں، مکہ کی امیر ترین تاجرہ تھیں، نیکی اور صالحیت کے سبب طاہرہ کے نام سے مشہور تھیں، آپ نے چوبیس سال کی طویل مدت میرے آقا ﷺ کے ساتھ بسر کی، آپ کی سب اولاد (سوائے حضرت ابراہیم کے) حضرت خدیجہ کے بطن سے پیدا ہوئی،

اعلان نبوت کے بعد مکی زندگی کے ایام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات مبارکہ کے سخت ترین ایام تھے، حضرت خدیجہ نے آپ کا ہر حال میں ساتھ دیا، انہوں نے اپنی ساری دولت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سپرد کر دی، جو اللہ کی راہ میں خرچ ہوئی،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ان محبوب زوجہ اور مؤمنہ اولہ سے جس درجہ محبت تھی، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ، آپ نے ان کی زندگی میں دوسرا نکاح نہ کیا اور ان کے وصال پر آپ کو اتنا صدمہ ہوا کہ اس سال کو عام الحزن، رنج والم کا سال کہا گیا، آپ جب بھی ان کی سہیلیوں سے ملتے تو ان کو تحائف دیتے تا کہ حضرت خدیجہ کی روح خوش ہو، حتیٰ کہ آپ کی اس کیفیت پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو رشک آتا تھا جس کا اظہار کرتے ہوئے ایک مرتبہ انہوں نے کہا، یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جوان اور حسین بیویاں عطا فرمائی ہیں پھر بھی آپ بوڑھی خدیجہ کو یاد کرتے ہیں، پس آپ نے فرمایا: ''لَا وَاللّٰهِ مَا اَبْدَلَنِيَ اللّٰهُ خَيْرًا مِنْهَا لَقَدْ اٰمَنَتْ بِيْ اِذْ كَفَرَ النَّاسُ وَصَدَّقَتْنِيْ اِذْ كَذَّبَنِيَ النَّاسُ وَوَاسَتْنِيْ بِمَالِهَا اِذْ حَرَمَنِيَ النَّاسُ وَرَزَقَنِيَ اللّٰهُ مِنْهَا الْوَلَدَ دُوْنَ غَيْرِهَا'' نہیں، بقسم، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کا نعم البدل عطا نہ فرمایا، وہ اس وقت ایمان لائیں جب دوسرے لوگوں نے کفر کیا، انہوں نے اس وقت میری تصدیق کی جب دوسرے لوگ میری تکذیب کر رہے تھے، انہوں نے اس وقت اپنے مال سے میری مدد کی جب دوسرے میری مدد نہیں کرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے دوسری عورتوں کے برعکس انہیں سے مجھے اولاد عطا فرمائی،

اللہ تعالیٰ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی قبر شریف پر نور کی بارش برسائے، افسوس کہ ان کی قبر انور کو ایسا چھپا دیا گیا کہ ان کی اولاد زیارت سے محروم ہو گئی،

دوسری ماں

ہماری دوسری ماں، حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا ہیں، ان کا تعلق قریش کے قبیلہ بنو عبد شمس

سے تھا، جو اسلام دشمنی میں دیگر اہل مکہ سے بہت آگے تھے، حضرت سودہ کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی اور انہوں نے ابتداء اسلام کے دور میں اسلام قبول کر لیا، ان کے شوہر سکران بن عمر بھی ان کی دعوت پر مشرف باسلام ہو گئے، ان کے ایک بیٹے عبدالرحمٰن تھے وہ بھی مشرف باسلام ہوئے، اور جنگ جلولاء میں شہادت پائی، اس مختصر خاندان نے بھی دیگر مہاجرین کے ہمراہ حبشہ ہجرت کی، حبشہ سے واپسی پر حضرت سودہ کے شوہر انتقال کر گئے، اور وہ بالکل مجبور و بے سہارا ہو گئیں، پورا خاندان ان کا سخت دشمن تھا، ادھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے وصال کے بعد نہایت افسردہ رہتے تھے، نیز چاروں بیٹوں کی نگرانی کا بوجھ آپ پر ہی تھا،

ایک دن خولہ بنت حکیم نے آپ سے گزارش کی، یارسول اللہ! مناسب ہو تو آپ دوسرا نکاح کر لیں، آپ نے فرمایا، ہاں، میں بھی چاہتا ہوں کہ گھر کی دیکھ بھال اور بچیوں کی نگرانی کا انتظام ہو جائے، پس خولہ نے حضرت سودہ کا نام پیش کیا، آپ نے فرمایا، اگر وہ راضی ہوں تو میری طرف سے اجازت ہے، خولہ نے حضرت سودہ کو خبر دی تو وہ بہت خوش ہوئیں اور بولیں کہ اللہ کے رسول کی بیوی بننے سے بڑا اعزاز کیا ہو سکتا ہے، پھر خولہ ان کے والد کے پاس پہنچیں اور کہا، سودہ کا نکاح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کر دیجئے، والد نے کہا، اگر سودہ کو یہ رشتہ پسند ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے، غرضیکہ ضروری معاملات طے ہو جانے کے بعد نکاح ہوا، چار سو درہم مہر مقرر ہوا، بوقت نکاح حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی عمر پچپن برس کی تھی، جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر شریف تقریباً پچاس برس کی ہو رہی تھی، حضرت سودہ نے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پانچ حدیثیں روایت کیں، جن میں سے صرف ایک حدیث امام بخاری نے لی، باقی، احادیث کی دیگر کتب میں موجود ہیں،

آپ کی وفات، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخری زمانہ تقریبا، 22 ہجری میں ہوئی، جنت البقیع میں دفن ہیں لیکن قبر انور نا معلوم ہے۔

تیسری ماں

اپنے رب کریم کی محبوبہ بندی، محبوب رب ﷺ کی چہیتی بیوی، افضل الخلق بعد الانبیاء رفیق دنیا و آخرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نور نظر، میری اور امت مسلمہ کی ماں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو نبوت کے دسویں سال، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی ہی میں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زوجیت میں آنے کا شرف حاصل ہوا، بوقت نکاح آپ کی عمر صرف چھ برس کی تھی جب کہ آپ کی رخصتی ہجرت کے سات ماہ بعد شوال میں ہوئی، اس وقت ان کی عمر نو سال کی تھی، آپ کا بھی مہر چار سو درہم مقرر ہوا، اس رشتہ کی محرک بھی حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تعالیٰ نے علم وحکمت کے خزانہ سے جو وافر حصہ عطا فرمایا تھا، دیگر ازواج مطہرات ہی کو نہیں بلکہ دنیا کی کسی عورت کو بھی اس کا عشر عشیر نصیب نہ ہوا، آپ کے علم وفضل کی اس شان کے باعث ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''خُذُوْا نِصْفَ دِیْنِکُمْ عَنْ ھٰذِہِ الْحُمَیْرَاءِ'' اپنے دین کا نصف علم اس حمیراء (حضرت عائشہ) سے حاصل کرو، اور اسی لئے جب تک آپ زندہ رہیں اکابر صحابہ آپ سے استفادہ کرتے رہے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے بتایا ''جب بھی صحابہ کرام کو کسی دینی معاملہ میں دشواری پیش آئی تو ہم نے حضرت عائشہ سے سوال کیا اور اطمینان بخش جواب پایا''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے وقت حضرت عائشہ کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی، گویا آپ کو معلم کامل ﷺ کی رفاقت کا قلیل عرصہ صرف نو برس میسر رہا، اس عرصہ میں آپ نے علم نبوی ﷺ کے خزانہ سے جو وافر حصہ پایا اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے، کہ آپ محدثہ تھیں دو ہزار دو سو بارہ حدیثوں کی راویہ تھیں، نیز بقول بعض صحابہ احکام شرع کا چوتھائی حصہ ہماری ماں کا بیان کردہ ہے، بالخصوص عورتوں سے متعلق اکثر مسائل کی تعلیم آپ ہی نے دی،

نبی معظم ﷺ اگرچہ اپنی تمام ازواج کے ساتھ عدل وانصاف کرتے تھے لیکن آپ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کی خداداد صلاحیتوں کی بناء پر خصوصی لگاؤ رہا، آپ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کرتے تھے ''اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قِسْمَتِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تُؤَاخِذْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِکُ'' اے اللہ! یہ میری تقسیم ان چیزوں میں ہے جن کا میں مالک ہوں، پس جو میرے بس میں نہیں (قلبی رجحان) تو مجھ سے اس کا مواخذہ نہ فرمانا،

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ میں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی میرے ساتھ کھیلنے کے لئے میری سہیلیاں بھی آجاتی تھیں، لیکن جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لاتے تو وہ شرم وحیاء کے باعث چلی جاتی تھیں، پس آپ خود باہر جاتے اور سہیلیوں کو میرے پاس بھیج دیتے تھے،

اللہ کے رسول ﷺ اپنی چہیتی بیوی کی اداؤں اور مزاج کو بخوبی پہچانتے تھے، ایک موقع پر آپ نے فرمایا'' عائشہ! میں جان لیتا ہوں کہ تم کس وقت مجھ سے خوش ہوتی اور کس وقت ناراض ہوتی ہو، حضرت عائشہ نے پوچھا، کیسے یارسول اللہ! آپ نے فرمایا، جب تم خوش ہوتی ہو، تو کہتی ہو'' لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ'' رب محمد کی قسم، اور جب تم ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو'' لَا وَرَبِّ اِبْرَاھِیْمَ'' رب ابراہیم کی قسم، حضرت عائشہ عرض گزار ہوئیں'' یارسول اللہ! مَا اَھْجُرُ اِلَّا اِسْمَکَ'' میں صرف آپ کا نام ہی تو چھوڑتی ہوں (احترام ومحبت میں کوئی کمی نہیں ہو پاتی)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آقائے رحمت ﷺ کی جو محبت و الفت تھی، اس کا مزید اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عائشہ ہی بتاتی ہیں " کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے آخری ایام دنیا میں روزانہ دریافت فرمایا کرتے تھے، آج میں کہاں رہوں گا، اور کل میں کہاں رہوں گا، حتیٰ کہ ازواج مطہرات کو احساس ہونے لگا، کہ درحقیقت آقا ﷺ کی یہ خواہش ہے کہ آخری ایام حضرت عائشہ کے حجرۂ مبارکہ میں بسر ہوں، پس تمام ازواج نے گزارش کی کہ، یارسول اللہ! ہماری طرف سے بخوشی اجازت ہے کہ آپ جب تک چاہیں حضرت عائشہ کے ساتھ قیام فرمائیں، اللہ کے رسول ﷺ نے بخوشی اس پیش کش کو قبول فرمایا اور بقیہ ایام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بسر کیے، اسی حجرۂ مبارکہ میں آپ کا وصال ہوا اور یہیں آپ کی قبر انور ہے، جہاں روزانہ ایک لاکھ چالیس ہزار فرشتوں کا نزول ہوتا ہے،

ہماری ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی زندگی کا اہم ترین دور وہ ہے جب منافقین نے آپ پر جھوٹی تہمت لگائی، قرآن کریم نے اس کو واقعہ " اِفک " کہا اور " بہتان عظیم" قرار دیا، ایک ماہ کی شدید ابتلا و آزمائش کے بعد اللہ نے رحم فرمایا اور اپنے محبوب ﷺ کی محبوب ترین بیوی کی براءت میں دس آیات نازل فرمائیں جو سورۂ نور کا حصہ ہیں، ان آیات مبارکہ کا ایک جملہ ہی قابل غور ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اس تکلیف دہ واقعہ کے متعلق فرمایا: لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ تم اسے اپنے لئے برا خیال نہ کرو بلکہ یہ (واقعہ) تمہارے لئے بہتر ہے، اس واقعہ اور سورۂ نور کی آیات کی تفصیل کے لئے مطالعہ فرمایئے يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جلد دوم مقالہ:64۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر بوقت رخصتی نو برس تھی اور نو برس ہی آپ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رفاقت میسر رہی اس مختصر عرصہ میں آپ نے معلم کامل ﷺ سے جو کچھ سیکھا اور ہم تک پہنچایا اس سے کتب احادیث بھری ہوئی ہیں، جو آپ کی عقل و فہم، ذہانت، ذکاوت اور فطانت کا واضح ثبوت ہے، آپ کی کل عمر شریف چھیاسٹھ برس ہوئی گویا اڑتالیس برس کا طویل عرصہ آپ نے بحالت بیوگی بسر کیا، اور اس کا ہر لمحہ درس و تدریس اور دین کی اشاعت میں صرف کیا،

سترہ رمضان المبارک 57 یا 58ھ آپ کا سال وصال ہے، یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور حکومت تھا، مدینہ منورہ میں وصال ہوا، نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، پردے کا اس قدر اہتمام تھا کہ آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ مجھے رات کی تاریکی میں دفن کیا جائے، پس ایسا ہی کیا گیا، جنت البقیع شریف میں ہی قبر انور ہے، کس جگہ ہے، اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے، پس اس جگہ فاتحہ پڑھ لیتے ہیں جہاں کسی سعودی کا بھکاری بچہ اشارہ کر دیتا ہے، اس سے زیادہ قابل اعتبار

کوئی ثبوت نہ رہا، اللہ بے شمار رحمتیں نازل کرے میری مقدس و مطہر ماں پر اور ان کے روحانی و علمی فیوض و برکات ہم پر جاری کرے، سترہ رمضان المبارک ان کا یوم وصال یاد رکھنا اور حسب استطاعت فاتحہ وغیرہ کرانا چاہیے،

چوتھی ماں

ہماری چوتھی ماں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں، جو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی تھیں، یہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت، حکمت اور شفقت تھی کہ حضرت عائشہ سے نکاح کے بعد، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آپ کا رشتۂ مصاہرت قائم ہوا تو آپ نے حضرت حفصہ سے نکاح کر کے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس اعزاز سے نوازا، جب کہ حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو دامادی کے شرف سے مشرف کیا گیا تا کہ خلفاء اربعہ پر آپ کے مکمل اعتماد اور ان کے قرب خاص میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے،

حضرت حفصہ کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون تھا، حضرت حفصہ کا پہلا نکاح خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ سے ہوا جو نہایت بہادر، جنگجو اور جاں نثار مجاہد تھے، اسلام اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہے، دین کی خاطر ہر مشکل کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، سخت زخمی ہوئے اور مدینہ منورہ میں پہنچتے ہی شہادت سے مشرف ہوئے،

شوہر کی شہادت کے وقت حضرت حفصہ کی عمر اکیس سال کی تھی گویا بھر پور جوانی کا زمانہ تھا لہٰذا والدین کو آپ کی دوسری شادی کی فکر رہتی تھی، فتح بدر کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا وصال ہوا لہٰذا حضرت عثمان تنہا تھے ایک مرتبہ حضرت عمر نے انہیں حضرت حفصہ سے نکاح کی پیش کش کی، آپ نے جواب دیا، مجھے موقع دو تا کہ میں سوچ کر کوئی جواب دے سکوں، چند دن بعد آپ نے حضرت عمر کو جواب دیا، کہ مجھے یہ رشتہ منظور نہیں، حضرت عمر کو بہت دکھ ہوا انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکوہ کیا، آپ نے فرمایا، عمر! تم فکر نہ کرو، ممکن ہے اللہ تعالیٰ حفصہ کو عثمان سے بہتر اور عثمان کو حفصہ سے بہتر رشتہ عطا فرمادے، چند دن بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو یہی پیش کش کی، کہ وہ حضرت حفصہ سے نکاح کرلیں انہوں نے خاموشی اختیار کرلی، بالآخر حضرت حفصہ کا مقدر جاگا اور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر کو بلا کر حضرت حفصہ سے نکاح کا پیغام دیا، جو بلاشبہ حضرت عمر کے لئے بڑا اعزاز تھا، جسے آپ نے نہایت مسرت سے قبول کیا اور تین ہجری کو حضرت حفصہ امت کی ماں بن گئیں، رضی اللہ عنہا،

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہ کے پاس تشریف لائے تو دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں، آپ نے

پوچھا، صفیہ! کیا ہوا، انہوں نے بتایا، یارسول! حفصہ نے مجھے یہودی کی بیٹی کہا ہے، آپ نے فرمایا، یہ کیسے ہوسکتا ہے، تم نبی کی بیٹی ہو، تمہارا چچا پیغمبر ہے اور رسول کے حرم میں ہو، پس حفصہ تم پر کیسے فخر کر سکتی ہیں (آقائے رحمت ﷺ اپنی ازواج کی ہمیشہ دلجوئی کیا کرتے تھے)۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ نے حضرت صفیہ سے کہا، ہم تمہاری بہ نسبت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قریب تر ہیں کیونکہ ہم آپ کی ازواج میں بھی شامل ہیں اور آپ کی چچازاد بہن بھی ہیں، حضرت صفیہ کو یہ طعنہ بہت ناگوار ہوا اور انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شکایت کی، آپ نے فرمایا، نہیں، ایسا نہیں، تم نے ان دونوں کو کیوں نہ بتایا، کہ تمہارے بھی شوہر سید الانبیاء ﷺ ہیں، اور تمہارے باپ اللہ کے نبی حضرت ہارون علیہ السلام ہیں جب کہ تمہارے چچا حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں،

ایک مرتبہ حضرت عائشہ و حفصہ رضی اللہ عنہما، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ سفر میں تھیں، اللہ کے رسول ﷺ رات کو حضرت عائشہ کے ساتھ سفر کرتے اور باتیں کرتے جاتے تھے اس پر حضرت حفصہ کو بہت رشک ہوتا تھا، ایک دن انہوں نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں بھی رات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ سفر کروں، حضرت عائشہ نے کہا، تم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے گزارش کرو اگر آپ منظور فرمائیں تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا، حضرت حفصہ نے کہا ایک تدبیر اور بھی ہے، کہ آج رات تم میرے ہودج میں آجاؤ اور میں تمہارے ہودج میں بیٹھ جاؤں گی، ہمارے آقا ﷺ یہی خیال فرمائیں گے کہ حسب معمول تم ہی ان کے ساتھ ہو، پس آپ باتیں کرتے رہیں گے اور میں سنتی اور ہاں، ہوں کرتی رہوں گی، حضرت عائشہ راضی ہوگئیں، وہ جانتی تھیں کہ جسے اللہ دلوں کا حال بتا دیتا ہے اس سے یہ راز کیسے پوشیدہ رہ سکتا ہے، اور ایسا ہی ہوا، رات کو آپ اس کجاوے کے پاس تشریف لائے جو حضرت حفصہ کا تھا اور اس میں آج حضرت عائشہ رونق افروز تھیں، حضرت حفصہ نے دیکھا تو غصہ سے تڑپ گئیں، جھاڑیوں پر پیر مارنے لگیں، اور کہنے لگیں، اے اللہ کسی سانپ یا بچھو کو بھیج دے، جو مجھے ڈس لے،

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا وصال، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور، 45ھ میں ہوا، نماز جنازہ مدینہ منورہ کے حاکم مروان بن حکم نے پڑھائی جو امیر معاویہ کے مقرر کردہ تھے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اپنی ماں کا جنازہ قبر تک لے کر گئے، اور آپ کو جنت البقیع شریف میں دفن کیا گیا، قبر کا پتہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہماری ماں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین،

پانچویں ماں

ہماری پانچویں ماں حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا تھیں، جن کا تعلق نجد کے ایک بڑے قبیلے عامر بن صعصعہ سے تھا، ان کے پہلے شوہر عبیداللہ بن حارث بن عبدالمطلب تھے، مشرف باسلام ہوئے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے، غزوۂ احد میں شدید زخمی ہوئے اور مدینہ منورہ میں وصال ہوا، اس کے بعد حضرت زینب نجد واپس نہ گئیں، کیونکہ ان کے قبیلے اور مسلمانوں کے درمیان سخت عداوت تھی، اسی قبیلہ نے بئر معونہ کے مقام پر مسلمان مبلغین کی ایک جماعت کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا، جو چالیس یا ستر افراد تھے، آقائے رحمت ﷺ کو اس حادثہ فاجعہ کا ہمیشہ سخت صدمہ رہا، حضرت زینب غرباء و مساکین کی ہمدردی اور ان کی امداد کے لئے بہت مشہور تھیں، اسی لئے ام المساکین کہلاتی تھیں،

حضرت زینب کی عدت کے ایام پورے ہونے کے بعد، حضرت ابوبکر اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے نکاح کا پیغام دیا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا، لیکن جب سید الانبیاء ﷺ نے انہیں پیغام نکاح بھیجا تو انہوں نے اسے قبول ہی نہ کیا بلکہ حرم نبوی میں آنا بڑا اعزاز سمجھا، اس نکاح سے مقصود یہ تھا کہ ان کے قبیلے اور مسلمانوں کے درمیان جو نفرت و عداوت تھی وہ کم ہو سکے گی، 3ھ میں نکاح ہوا، آپ اکثر علیل رہا کرتی تھیں، بالآخر صرف تین ماہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دامن رحمت میں رہیں اور انتقال کر گئیں، آقا ﷺ نے خود نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں دفن ہوئیں دیگر ازواج مطہرات کی طرح ان کی قبر بھی نامعلوم ہے۔

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں جن کا وصال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی میں ہوا، ان کے بعد حرم نبوی میں صرف تین بیویاں باقی رہیں، حضرت سودہ بنت زمعہ، حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر اور حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہم،

چھٹی ماں

ام سلمہ بنت ابو امیہ امت کی چھٹی ماں ہیں، ان کی پہلی شادی ابو سلمہ سے ہوئی تھی، ابتدائے اسلام میں ہی دونوں مشرف باسلام ہو گئے تھے، دونوں نے ہجرت حبشہ بھی کی، حبشہ سے مکہ واپس آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ منورہ جا چکے تھے، لہٰذا ان دونوں نے بھی مدینہ جانے کا ارادہ کیا لیکن جب ام سلمہ کے خاندان کو پتہ چلا تو انہوں نے مزاحمت کی اور بیوی کو شوہر کے ساتھ نہ جانے دیا، ابو سلمہ کے خاندان کو معلوم ہوا تو انہوں نے ام سلمہ سے بچہ چھین لیا اور کہا کہ ہم اپنے بچے کی پرورش ام سلمہ کے خاندان میں پسند نہیں کرتے، مجبوراً ابو سلمہ تنہا ہجرت مدینہ کر گئے، ادھر ماں، بچہ کی جدائی میں

تڑپنے لگیں، اب ان کا یہ معمول ہو گیا تھا کہ وہ حرم کعبہ میں آ کر روتی اور بددعا کرتی رہتی تھیں، وہ کہا کرتی تھیں، یا اللہ! آسمان سے ایسے گدوں کو نازل فرما جو ان لوگوں کو نوچ کھائیں جنہوں نے مجھ سے میرے بچہ اور شوہر کو جدا کیا ہے، خاندان کے لوگوں نے ہر چند چاہا کہ وہ بددعا نہ کیا کریں اور اپنے غم کو بھول جائیں لیکن ان پر کسی کی باتوں کا اثر نہ ہوا، بالآخر، سسرال والوں نے بچہ انہیں دیا اور ان کے خاندان کے لوگوں نے ماں اور بچے دونوں کو مدینہ روانہ کر دیا، یہ تنہا غمزدہ خاتون سفر کی صعوبتیں برداشت کرتی مدینہ طیبہ پہنچیں اور اپنے شوہر سے جا ملیں،

غزوۂ احد میں ابوسلمہ شدید زخمی ہوئے، ان کا ایک زخم نہایت خطرناک تھا جو بظاہر ٹھیک ہو گیا تھا لیکن ایک اور معرکہ میں یہ زخم کھل گیا جس کی تکلیف سے ہی مدینہ منورہ میں ان کا انتقال ہوا، چونکہ یہ نہایت جاں نثار، بہادر مجاہد تھے لہٰذا اللہ کے رسول ﷺ کو ان کے وصال کا بے حد صدمہ ہوا، ابوسلمہ نے چار بچے چھوڑے تھے، جن کو پالنا ام سلمہ کے لئے بہت مشکل ہو رہا تھا، زندگی کے شب و روز نہایت تنگی اور تنگدستی میں بسر ہو رہے تھے، پس آقائے رحمت ﷺ نے بچوں کی سرپرستی کی غرض سے ابوسلمہ کو نکاح کا پیغام دیا، لیکن انہوں نے معذرت چاہی، آقا ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے رضاعی بھائی ابوسلمہ کے بچوں کی پرورش کی ذمہ داری پوری کرنے کی غرض سے چاہتا ہوں کہ تم میرے حرم میں شامل ہو جاؤ، ام سلمہ نے بھی یتیم بچوں کی بسہولت پرورش کے خیال سے رضامندی کا اظہار کر دیا اور امت کی ماں بننے کا شرف حاصل کر لیا،

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا دیگر ازواج مطہرات کی طرح نہایت ذہین اور ذکیہ تھیں ان میں بروقت فیصلہ کرنے کی بے حد صلاحیت تھی، اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ان سے اکثر اہم مواقع پر مشورہ کیا کرتے تھے اور ان کی رائے صائب ہوتی تھی، صلح حدیبیہ کے موقع پر آقا ﷺ نے آپ کے مشورے کو ہی قبول فرما کر اپنا احرام کھولا جسے دیکھ کر دیگر صحابہ نے بھی احرام کھول دیئے،

اللہ تعالیٰ نے ام المومنین حضرت ام سلمہ کو عمر دراز عطا فرمائی، ان کا انتقال بعمر چوراسی برس، تمام ازواج مطہرات کے بعد 63ھ میں ہوا، یہ یزید بن معاویہ کا دور تھا، انہی دنوں یزید نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں اپنا لشکر مدینہ منورہ بھیجا، ظالموں نے اہل مدینہ کو خوفزدہ کیا، مسجد نبوی شریف میں گھوڑے باندھے، تین دن تک نہ اذان ہوئی نہ نماز، چند صحابہ اپنی ماں ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا، کیا مخبر صادق ﷺ نے اسی لشکر کے متعلق خبر دی تھی کہ "زمین میں دھنس جائے گا" آپ نے فرمایا، ہاں، یہ ظالم ضرور تباہ و برباد ہوں گے،

تین سو ستر احادیث کی راویہ ہیں، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع

شریف مدفن قرار پایا، قبرانور ظالموں کے ظلم کا شکار ہوگئی، اللہ ہماری ماں پر رحمتیں نازل فرمائے، آمین،

ساتویں ماں

میرے آقا ﷺ کی ساتویں زوجہ مطہرہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا تھیں، جو آپ کی پھوپھی عمیمہ کی بیٹی اور عبدالمطلب کی نواسی تھیں، ان کا پہلا نکاح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا، جو شام کے رہنے والے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا تحفہ تھے، آپ ان سے بے حد محبت فرماتے تھے،

حضرت زید اور زینب کا نکاح تو ہوگیا تھا لیکن چند ہی دن بعد ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ اختلاف رہنے لگا، بالآخر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سمجھانے کے باوجود، زید نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور بمطابق حکم الٰہی آقائے رحمت ﷺ نے حضرت زینب سے نکاح کرلیا، یہ واقعہ سورۂ احزاب کی آیت 36 اور 37 میں مذکور ہے، اور ہم نے اسے یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جلد دوم، مقالہ 64 میں تفصیل سے بیان کیا ہے،

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہمسری اور برابری کا دعویٰ کیا کرتی تھیں، اس لئے ان دونوں میں نوک جھوک ہوتی رہتی تھی، لیکن دل کی نہایت صاف، حقیقت پسند اور حق گو تھیں، جس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واقعہ افک کے موقع پر حضرت عائشہ کے متعلق حضرت زینب کی رائے معلوم کی، تو انہوں نے کہا ''مَا عَلِمْتُ اِلاَّ خَیْرًا'' ان کے متعلق مجھے سوائے بھلائی کے اور کسی بات کا علم نہیں،

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو سخاوت اور فیاضی میں خصوصیت حاصل تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے متعلق فرمایا ''اَسْرَعُکُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُکُنَّ یَدًا'' وہ تم میں سے مجھ سے جلدی ملنے والی ہیں جن کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں، حضرت عائشہ نے بتایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جب سب ازواج جمع ہوتی تھیں تو دیوار پر اپنے ہاتھ رکھ کر ناپا کرتی تھی تاکہ معلوم ہو کہ کس کے ہاتھ سب سے لمبے ہیں، اور وہ کون ہے جو سب سے پہلے اپنے آقا ﷺ سے ملنے والی ہے، لیکن جب سب سے پہلے حضرت زینب کا وصال ہوا تو ہمیں پتہ چلا کہ آپ نے یہ بات ان کے کمال فیاضی اور سخاوت کو واضح کرنے کے لئے فرمائی تھی،

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا دستکاری کر کے اپنی روزی کماتیں اور اپنے ضروری اخراجات پورے کرتی تھیں بقیہ رقم غرباء و مساکین میں تقسیم فرمادیتی تھیں، بیت المال سے ان کے لئے بارہ ہزار سالانہ وظیفہ مقرر تھا جو آپ نے صرف ایک سال وصول کیا، اور اپنی خادمہ کو دیتے ہوئے

فرمایا یہ رقم میرے اعزاء اور غرباء و مساکین میں تقسیم کردو، اور آپ نے دعا کی، یا اللہ! آئندہ سال میں یہ وظیفہ وصول نہ کروں، ایسا ہی ہوا کہ وظیفہ کا مقررہ وقت آنے سے پہلے آپ کا وصال ہوگیا،

ام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے وصیت فرمائی تھی، کہ میں نے اپنا کفن تیار کرلیا ہے، میرے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کفن بھیجیں گے، پس ایک خیرات کردیا جائے، آپ کی کل عمر تریپن برس کی ہوئی، امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی، چونکہ یہ موقع امت کی پہلی ماں کے وصال کا تھا لہٰذا جنازے میں بکثرت لوگوں نے شرکت کی، آپ کو بھی جنت البقیع میں دفن کیا گیا، قبر کا پتہ نہیں، اللہ اپنی رحمتیں نازل فرمائے، آمین،

آٹھویں ماں

ہماری آٹھویں ماں ام حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا ہیں، ان کا اصل نام رملہ تھا، ابو سفیان اور ان کی بیوی ہندہ کی اسلام دشمنی مشہور ہے، لیکن رملہ ابتدائے اسلام میں ہی مسلمان ہوگئی تھیں، ان کا پہلا نکاح مکہ ہی میں عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا جو ایمان لے آئے تھے، دونوں نے حبشہ ہجرت کی، عبید اللہ کچھ زیادہ شرابی تھا، حبشہ جاکر اور زیادہ شراب پینے لگا، ام حبیبہ شوہر کی اس بری عادت سے بہت تنگ تھیں لیکن مجبور تھیں، اب تک شراب حرام بھی نہیں ہوئی تھی، کچھ عرصہ بعد عبید اللہ عیسائی ہوگیا، لہٰذا ام حبیبہ کا ان کے ساتھ رہنا ممکن نہ تھا، وہ اپنی بچی کو لے کر علیحدہ ہوگئیں، ام حبیبہ، چونکہ ابتدائے اسلام سے ہی قربانیاں دے رہی تھیں، جب آقائے رحمت ﷺ کو معلوم ہوا کہ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ کسمپرسی کے دن بسر کررہی ہیں تو آپ کو بے حد ملال ہوا، لہٰذا آپ نے نجاشی شاہ حبشہ کو پیغام بھیجا کہ ہماری خادمہ کو ہماری پناہ میں لے لیا جائے اور اگر وہ راضی ہوں تو ان سے ہمارا نکاح کردیا جائے۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں، ایک دن میں اپنے مکان میں بیٹھی تھی کہ نجاشی کی لونڈی ابرہہ میرے پاس آئی اور نہایت خوش ہوکر بولی کہ میں بادشاہ کا پیغام لے کر حاضر ہوئی ہوں، کہ آپ کے نبی ﷺ آپ کو نکاح کا پیغام دیتے ہیں اگر آپ برضاء و رغبت قبول کریں تو آپ کا نکاح کردیا جائے اور آپ کو مدینہ منورہ بھیج دیا جائے، یہ پیغام سن کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ نبی کریم ﷺ کے حرم میں شامل ہونے سے بڑا اعزاز اور کیا ہوسکتا ہے میں نے لونڈی کو گلے لگایا بطور انعام اپنے تمام زیورات اتار کر اسے پہنا دیئے، اور خالد بن سعید بن عاص کو اپنا وکیل مقرر کیا، اسی دن شاہی محل میں تقریب نکاح کا اہتمام کیا گیا، کئی مہاجرین کو خصوصی طور پر مدعو کیا گیا جن میں جعفر بن ابی طالب بھی تھے، نجاشی نے خطبۂ نکاح پڑھا، چار سو دینار حق مہر مقرر ہوا، جو خالد بن سعید کی معرفت میں نے وصول کیا، مہمانوں کو قیمتی تحائف پیش کیے گئے، پرتکلف کھانا کھلایا گیا، سید الانبیاء ﷺ کی بیوی کی حیثیت

سے مجھے خصوصی اعزاز اور مراعات سے نوازا گیا،

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح، 6یا7ھ میں ہوا، آپ کو پورے اعزاز کے ساتھ شرحبیل بن حسنہ کے ہمراہ مدینہ منورہ روانہ کر دیا گیا، شرحبیل حبشہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفیر تھے،

معلم حکمت ﷺ نے تمام ازواج سے کسی نہ کسی حکمت کی بناء پر نکاح کیا، حضرت ام حبیبہ سے بھی نکاح کرنے کی متعدد وجوہ تھیں، سب سے اہم وجہ یہ تھی کہ اس رشتہ کے سبب ابوسفیان کی اسلام دشمنی میں کمی ہو سکے گی اور ایسا ہی ہوا، کہ اس کے بعد ابوسفیان نے مسلمانوں کے خلاف سازش کرنا تقریباً ختم کر دی، اور وہ اسلام اور مسلمانوں کی مخالفت میں نرمی سے کام لینے لگے،

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نہایت متقیہ اور پرہیز گار تھیں انہوں نے بھی علم نبوی کے خزانۂ علم سے وافر حصہ پایا، پینسٹھ احادیث کی راویہ ہیں، 44یا59ھ میں وصال ہوا، جنت البقیع میں دفن کی گئیں، ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ کا مدفن دمشق کا وسیع وعریض قبرستان ہے، لیکن کوشش اور معلوم کرنے کے باوجود ہمیں آپ کے مزار مبارک کا پتہ نہ چل سکا، اللہ اپنی بے شمار نعمتوں سے نوازے، آمین،

نویں ماں

ہماری نویں ماں حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا تھیں، قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث بن ضرار کی بیٹی اور عرب کی معزز خاتون تھیں، ان کا نکاح مسافع بن صفوان مصطلقی سے ہوا تھا جو غزوہ مریسیع میں بحالت کفر قتل ہوا، اسی غزوے میں حضرت جویریہ گرفتار ہو کر ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں، انہوں نے لونڈی بننے کی ذلت سے بچنے کے لئے حضرت ثابت سے سودا کیا، نو سو اوقیہ سونے میں معاملہ طے پایا، لیکن ان کے پاس اتنا سونا نہ تھا لہٰذا وہ آقائے رحمت ﷺ کے در پر حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں، یارسول اللہ! اگر آپ میری مدد فرمائیں تو میں آپ کی احسان مند بھی رہوں گی اور اپنے قبیلہ میں واپس ہو کر آپ کا قرض ادا کر دوں گا، معلم حکمت ﷺ نے فرمایا، اگر تم پسند کرو تو ثابت کو میں رقم ادا کر دوں اور ایک آزاد عورت کی طرح تم میرے نکاح میں آجاؤ، جویریہ کے لئے یہ پیش کش بلاشبہ قابل فخر تھی وہ جانتی تھیں کہ سید الانبیاء ﷺ کے حرم میں شامل ہونا کتنا بڑا اعزاز ہے، لہٰذا انہوں نے اس پیغام کو قبول کیا اور میرے آقا ﷺ نے ایک سردار کی بیٹی کو یوں امت کی ماں بنا دیا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں نے کوئی ایسی عورت نہ دیکھی جو جویریہ کی طرح اپنے خاندان اور قبیلہ کے لئے باعث رحمت وبرکت بنی ہو، کہ ان کی وجہ سے بنو مصطلق کے سیکڑوں افراد مشرف باسلام ہو گئے،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نکاح کے وقت حضرت جویریہ کی عمر بیس سال تھی، ان کا نام برہ تھا، آپ نے جویریہ نام رکھا، سات حدیثوں کی راویہ ہیں، ان کی عمر پینسٹھ برس ہوئی، ربیع الاول 50 یا 57 ھ میں وصال ہوا، جنت البقیع میں آرام فرما ہیں، قبر انور کا وہی حشر ہوا جو دیگر ماؤں کی قبروں کا ہوا، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین،

دسویں ماں

حضرت میمونہ بنت حارث الہلالیہ رضی اللہ عنہا ہماری دسویں ماں ہیں، ان کا پہلا نکاح مسعود بن عمر سے ہوا تھا انہوں نے طلاق دے دی تو دوسرا نکاح ابورہم بن عبدالعزیٰ سے ہوا، ان کے انتقال کے بعد یہ مکہ ہی میں مقیم تھیں، کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمرۂ قضا کے لئے مکہ تشریف لائے، تو واپسی پر ان کے بہنوئی حضرت عباس بن عبدالمطلب نے انہیں اپنے ہمراہ لے لیا، دوران سفر ہی حضرت عباس نے آقا ﷺ سے گزارش کی کہ اگر مناسب ہو تو میمونہ کو اپنے حرم میں شامل کرلیں، یہ تنہا، بوڑھی اور بے سہارا ہیں، آپ کے سہارے ان کی زندگی کے بقیہ ایام بہتر ہو جائیں گے، آقائے رحمت ﷺ نے شرف قبولیت بخشا اور مقام سرف میں ہی نکاح کرلیا،

حضرت میمونہ کا تعلق بڑے اور دولت مند خاندان سے تھا، ان کی نو بہنیں تھیں جو سب امیروں اور سرداروں سے بیاہی گئی تھیں، حضرت میمونہ کے حرم نبوی میں آنے کے بعد ان کے پورے خاندان نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے تبلیغی امور میں تعاون کیا اور اسلام اور مسلمانوں کو بہت فائدہ ہوا،

ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا غزوۂ تبوک میں شریک ہوئیں اور اپنے بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود زخمیوں کی دیکھ بھال اور خدمت کرتی رہیں وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے زخمیوں کی دیکھ بھال کے لئے باقاعدہ خواتین کی تنظیم قائم کی جس کا سلسلہ آج تک جاری ہے، انہوں نے طویل عمر پائی، 51 ھ میں وفات ہوئی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنی ماں اور خالہ کی نماز جنازہ پڑھائی، جب لوگ جنازہ لے کر چلنے لگے تو حضرت ابن عباس نے فرمایا، جنازہ ادب واحترام سے اٹھاؤ، یہ سید الانبیاء ﷺ کی زوجہ محترمہ کا جنازہ ہے، یہ ہماری مقدس ماں کا جنازہ ہے، آہستہ ادب واحترام کے ساتھ جنازہ لے کر چلو، حضرت ابن عباس نے ہی امت کی ماں کو قبر میں رکھا، حسن اتفاق کہ مقام سرف ہی میں آپ کا وصال ہوا جہاں نکاح ہوا تھا، سرف میں ہی آپ کو دفن کیا گیا، اللہ تعالیٰ ہماری ماں پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین،

گیارہویں ماں

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا امت مسلمہ کی گیارہویں ماں تھیں، جو حیی بن اخطب یہودی کی بیٹی تھیں یہ قبیلہ بنونضیر کا سردار تھا، ان کا پہلا نکاح سلام بن مشکم القرظی سے ہوا اس کے بعد دوسرا نکاح کنانہ بن ابی الحقیق سے ہوا، فتح خیبر کے موقع پر جو یہودی گرفتار ہوئے ان میں صفیہ بھی تھیں، وہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئیں، صحابہ نے گزارش کی، یا رسول اللہ! صفیہ یہودی شہزادی ہیں وہ آپ کے سوا کسی اور کے لائق نہیں آپ نے حضرت دحیہ کو طلب فرما کر صورت حال بتائی وہ فوراً بخوشی حضرت صفیہ سے دستبردار ہو گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حضرت صفیہ کو پیش کیا گیا آپ نے ان کے مقام ومرتبہ کے مطابق ان سے گفتگو کی، ان کے اعزاء واقارب کی ہلاکت پر اظہار افسوس کیا، نیز فرمایا، اگر تم چاہو تو اپنے قبیلہ کی طرف واپس لوٹ جاؤ، اور اگر چاہو تو اسلام قبول کر لو، اس صورت میں تمہیں امت مسلمہ کی ماں بننے کا عظیم اعزاز بخشا جائے گا، پس صفیہ نے دامن نبوی سے وابستگی کا فیصلہ کیا، آقائے رحمت ﷺ نے ان پر مزید کرم فرمایا اور آزاد کر دیا، پھر ان کی مرضی سے انہیں شرف زوجیت بخشا۔

علامہ زرقانی علیہ الرحمہ نے، شرح مواہب میں تحریر فرمایا، کہ حضرت صفیہ اپنی قوم کے بادشاہ کی بیٹی تھیں لہٰذا ان کی دلجوئی اور عزت افزائی کی صرف یہی صورت تھی کہ شہنشاہ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام انہیں اپنے حرم میں شامل فرمائیں، کہ امت کی ماں بنا دینے سے بڑا تاج اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب اپنے جاں نثاروں کی معیت میں خیبر سے واپس ہوئے اور مقام صہباء میں آپ نے قیام فرمایا تو یہیں آپ نے حضرت صفیہ سے نکاح کیا، اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی، صحابہ کرام نے ولیمہ کا اہتمام کیا، اور بے حد خوشی ومسرت کا اظہار کیا گیا۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی آنکھ پر ایک نشان تھا جسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملاحظہ فرمایا تو پوچھا، یہ نشان کیسا ہے، انہوں نے بتایا کہ ایک دن میں نے اپنے شوہر کو اپنا ایک خواب سنایا، کہ آسمان کا چاند میری گود میں آ گرا ہے وہ غصہ سے بے قابو ہو کر کہنے لگا: "مَا هٰذَا اِلَّا اَنَّكِ تَمَنَّيْنَ مَلِكَ الْحِجَازِ مُحَمَّدًا" معلوم ہوتا ہے کہ تو ملک حجاز کی ملکہ بننے کی آرزو رکھتی ہے، پھر اس نے میرے منہ پر زوردار چانٹا مارا، جس کا یہ داغ آج تک ہے،

ام المومنین حضرت صفیہ کا اصل نام زینب تھا، حرم نبوی میں شمولیت کے بعد انہیں صفیہ کہا جانے لگا، صفیہ عربی اصطلاح میں مال غنیمت کے اس حصہ کو کہا جاتا ہے جو صرف امام یا بادشاہ کے لائق ہوتا ہے، اور اسے پیش کر دیا جاتا ہے، آپ اسی طرح ہماری ماں بنیں، 50ھ میں آپ کا وصال ہوا، قبر انور

جنت البقیع میں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر شاہی عیش و آرام کو قربان کرنے والی مقدس خاتون اور امت کی عظیم ماں کی مقدس قبر کا پتہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل فرمائیں، آمین، رضی اللہ عنھن و رضین عنہ،

ہم نے آقائے رحمت ﷺ کی گیارہ ازواج مطہرات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا، مفسرین، محدثین اور مؤرخین نے اس تعداد پر اتفاق کیا ہے جب کہ بیس سے زیادہ کی بھی تعداد بیان کی گئی ہے، عام طور پر نو ازواج کا مشہور ہونا اس اعتبار سے ہے کہ آپ کے حرم شریف میں کبھی بیک وقت نو سے زیادہ ازواج نہ رہیں، کہ ام المومنین حضرت خدیجہ اور حضرت زینب بنت خزیمہ کا وصال آپ کی موجودگی میں ہوا۔

امہات المومنین، اور تعداد ازواج کی حکمتوں سے متعلق تفصیلی گفتگو کے لئے یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جلد دوم، مقالہ 64 کا مطالعہ بے حد مفید رہے گا۔

مقدس باندیاں

جان عالم ﷺ کی چار مقدس باندیوں کا مؤرخین نے تذکرہ کیا ہے، جو یہ ہیں،

حضرت ماریہ قبطیہ

حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو مصر و سکندریہ کے بادشاہ مقوقس قبطی نے بارگاہ اقدس میں ہدایا اور تحائف کے ساتھ بطور نذرانہ پیش کیا تھا، ان کی ماں رومی جب کہ باپ مصری تھا، اس لئے وہ نہایت حسینہ و جمیلہ تھیں، انہی کے بطن سے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔

اللہ کے رسول ﷺ حضرت ماریہ کو پردے میں رکھتے تھے جب کہ وہ کنیز تھیں، نہ ہی آپ ان سے کنیزوں جیسا برتاؤ کرتے تھے، آپ نے ان کے لئے مدینہ منورہ سے قریب ہی مقام عالیہ میں الگ ایک مکان بنوا دیا تھا جس میں وہ رہا کرتی تھیں، اور آپ ان کے پاس تشریف لے جاتے تھے، آپ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے نان و نفقہ کی ذمہ داری پوری کی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ خدمت انجام دیتے رہے، 15۔16ھ میں حضرت ماریہ کی وفات ہوئی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کے وصال کا خصوصی طور پر اعلان کرایا اور نماز جنازہ پڑھائی جنت البقیع میں دفن کی گئیں، قبر انور کا کوئی پتہ نہیں، اللہ تعالیٰ ان پر بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین،

حضرت ریحانہ

حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا کا تعلق یہودی قبیلہ بنو قریظہ سے تھا، گرفتار ہو کر حضور ﷺ کی

خدمت عالیہ میں پیش ہوئیں، کچھ دن اسلام قبول نہ کیا، پس اللہ کے رسول ﷺ ان سے ناراض رہتے تھے، اور چاہتے تھے کہ وہ مسلمان ہو جائیں، ایک دن آپ کو خوشخبری دی گئی کہ ریحانہ مشرف باسلام ہوگئی ہیں، اس خبر سے آپ کو بہت خوشی ہوئی، آپ نے انہیں طلب کیا اور فرمایا، ریحانہ! اگر تم چاہو تو میں تمہیں آزاد کر کے تم سے نکاح کرلوں، پس انہوں نے کائنات کے آقا ﷺ کی غلامی کو پسند فرمایا، اور ساری زندگی باندی ہی ہیں، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام 10ھ میں حجۃ الوداع سے واپس تشریف لائے تو ان کا انتقال ہوا، جنت البقیع میں مدفون ہیں، اللہ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے، آمین،

حضرت نفیسہ

حضرت نفیسہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کی مملوکہ تھیں، حضرت زینب جب حرم مقدس کا فرد بنیں تو انہوں نے اپنی کنیز کو ہدیۃً حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دیا اور وہ بھی کاشانۂ نبوت میں بحیثیت باندی رہنے لگیں، ان کے مزید حالات ہمیں معلوم نہ ہو سکے، واللہ اعلم۔

چوتھی باندی

ان کا نام تک معلوم نہ ہو سکا، کسی غزوہ میں گرفتار ہو کر آئیں اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی باندی بن گئیں۔

اولاد اطہار

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ﴿٣٣﴾ (احزاب)

"اللہ تو یہ ہی چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کر دے، اے نبی کے گھر والو! اور تم کو پوری طرح پاک وصاف کر دے"۔

اہل بیت کے دائرۂ تطہیر میں ازواج مطہرات اور وہ پنجتن پاک شامل ہیں جن پر آقا رحمت ﷺ نے اپنی رداء رحمت ڈالی اور خصوصی طور پر انہیں اپنے اہل بیت ہونے کے شرف سے نوازا، نیز دعا کی "اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِي فَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيرًا" اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں پس تو انہیں اچھی طرح پاک وصاف فرما دے،

اہل بیت میں سے آپ نے ازواج مطہرات کے حالات کا مطالعہ کرلیا اب دیگر کا تذکرہ کیا جاتا

ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد کرام کی معروف و مشہور تعداد چھ ہے لیکن بعض مؤرخین نے سات بیان کی ہے، حضرت شیخ محمد عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے بھی اسی تعداد سے اتفاق کیا ہے، جو ہمارے نزدیک بھی قابل ترجیح ہے،

حضرت قاسم

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے، پہلے فرزند حضرت قاسم رضی اللہ عنہ تھے، جو اعلان نبوت سے پہلے پیدا ہوئے، آقا ﷺ کی کنیت ''ابوالقاسم'' انہی کی نسبت سے ہے جو آپ کی پسندیدہ ترین کنیت ہے، باختلاف روایت، سترہ ماہ یا دو برس کی عمر میں ان کا وصال ہو گیا، آقائے رحمت ﷺ کو ان کی جدائی کا بے حد صدمہ ہوا،

حضرت عبداللہ

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے دوسرے صاحبزادے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے، ان کا لقب طیب و طاہر ہے اعلان نبوت سے قبل پیدا ہوئے، اور بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔

حضرت ابراہیم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری اولاد ہیں، حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ''عالیہ'' میں پیدا ہوئے، اسی نسبت سے عالیہ کا دوسرا نام ''مشربہ ابراہیم'' ہے، 8ھ میں ولادت ہوئی، حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی پیدائش کی خوشخبری حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے سنائی، جس پر خوش ہو کر آپ نے ابورافع کو ایک غلام عطا فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام حاضر بارگاہ ہوئے ''یا ابا ابراھیم'' کہتے ہوئے صاحبزادے کی ولادت پر مبارک باد پیش کی، اللہ کے رسول ﷺ نے بطور عقیقہ دو مینڈھے ذبح کیے، اور حضرت ابراہیم کے سر کے بال اتروا کر بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کی اور بالوں کو دفن کرا دیا ''ابراہیم'' نام رکھا، پھر انہیں دودھ پلانے کے لئے، حضرت ''ام سیف'' کے سپرد کر دیا، ام سیف کے شوہر ابوسیف رضی اللہ عنہما لوہار تھے، حضرت ابراہیم سے بہت محبت کرتے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے صاحبزادے سے ملنے کے لئے اکثر ابوسیف کے گھر تشریف لے جاتے تھے،

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دن ہم آقائے رحمت ﷺ کے ہمراہ ابوسیف کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم پر نزع کی کیفیت ہے، یہ منظر دیکھ کر اللہ کے رسول ﷺ کو سخت تکلیف ہوئی حتیٰ کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھا، یارسول اللہ!

کیا آپ روتے ہیں، آپ نے فرمایا، اے عوف کے بیٹے! یہ رونا محبت وشفقت کے باعث ہے، دوبارہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے تو آپ نے فرمایا، آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمزدہ ہے مگر ہم زبان سے وہی بات نکالتے ہیں جس سے ہمارا رب راضی رہے "وَاِنَّا بِفِرَاقِکَ یَا اِبْرَاهِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ" اور اے ابراہیم! بے شک ہم تمہاری جدائی سے حزن وملال میں مبتلا ہیں۔

حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کا جس دن انتقال ہوا اتفاق سے اس دن سورج گرہن ہوا، چونکہ اب تک معلم شرع ﷺ نے سورج گرہن کی وجہ بیان نہیں فرمائی تھی لہٰذا لوگوں کے ذہنوں میں زمانہ جاہلیت ہی کا عقیدہ تھا کہ کسی بڑے آدمی کی موت کے سبب گرہن ہوتا ہے، لہٰذا جب حضرت ابراہیم کا وصال ہوا تو انہوں نے گرہن کی وجہ اسی حادثہ کو قرار دیا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے وجہ گرہن کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا، یقیناً چاند سورج اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کے مرنے یا جینے سے یہ گرہن نہیں ہوتا "فَاِذَا رَأَیْتُمُوْهَا فَادْعُوا اللّٰهَ وَصَلُّوْا حَتّٰی یَنْجَلِیَ" پس جب تم گرہن دیکھو تو دعا کرو اور نماز کسوف پڑھو یہاں تک کہ گرہن ختم ہو جائے،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، میرے بیٹے ابراہیم نے دودھ پینے کی مدت پوری نہیں کی اور دنیا سے رخصت ہو گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے بہشت میں ایک دودھ پلانے والی کو مقرر فرمادیا ہے جو مدت رضاعت پوری ہونے تک اسے دودھ پلاتی رہے گی،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لاڈلے کو جنت البقیع میں دفن کیا اور ان کی قبر پر خود چھڑکاؤ کیا، افسوس کہ ہم جان عالم ﷺ کے چہیتے بیٹے کی قبر انور کی زیارت سے محروم ہیں، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ،

حضرت زینب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی ولادت اعلان نبوت سے دس سال قبل مکہ مکرمہ میں ہوئی، اس وقت میرے آقا ﷺ کی عمر شریف تیس سال تھی، ابتداء اسلام میں ہی مشرف باسلام ہوئیں، غزوۂ بدر کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں مدینہ منورہ بلا لیا تھا،

حضرت زینب کی شادی، اعلان نبوت سے قبل ہی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص سے ہوئی جو 7ھ تک کفر پر ہی اڑے رہے، غزوۂ بدر میں گرفتار ہوئے اور بارگاہ رسالت میں پیش کئے گئے، جب حضرت زینب کو شوہر کی گرفتاری کا پتہ چلا تو انہوں نے بطور فدیہ ان کی رہائی کے لئے اپنے جہیز کا سامان بھیجا، جو آپ نے واپس کر دیا، اور ابو العاص کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ مکہ پہنچ کر حضرت زینب کو

بحفاظت مدینہ منورہ بھیج دیں گے، انہوں نے وعدہ کے مطابق حضرت زینب کو اپنے بھائی کنانہ کی نگرانی میں مقام بطن تک پہنچا دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقام بطن پر پہلے سے حضرت زید بن حارثہ کو ایک انصاری کے ہمراہ بھیج دیا تھا لہٰذا یہ دونوں حضرت زینب کو بحفاظت مدینہ منورہ لے کر آ گئے۔

مکہ سے روانگی کے وقت حسب معمول کافروں نے حضرت زینب کو روکنے کی کوشش کی، ایک ظالم نے دھکا دے کر انہیں اونٹ سے گرا دیا، جس کے صدمہ سے ان کا حمل ساقط ہو گیا، کنانہ نے انہیں مزید تکلیف سے بچایا اور پوری قوت سے کافروں کا مقابلہ کیا، مجبور ہو کر انہوں نے حضرت زینب کا راستہ چھوڑ دیا، اس کے بعد ابو العاص محرم 7ھ کو مشرف باسلام ہو کر مدینہ منورہ آ گئے، اور اپنی اہلیہ کے ساتھ رہنے لگے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت زینب کے متعلق فرمایا: ''هِيَ اَفْضَلُ بَنَاتِيْ اُصِيْبَتْ فِيَّ'' یہ میری بیٹیوں میں سب سے زیادہ صاحبِ فضیلت ہے کیونکہ اسے میری وجہ سے تکلیف دی گئی،

حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا وصال 8ھ میں ہوا، حضرت سودہ بنت زمعہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما نے انہیں غسل دیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کفن کے لئے اپنا تہبند شریف عطا فرمایا، اور خود قبر میں اتارا، ان کے دو بچے، علی اور امامہ تھے، علی کا بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی نواسی، امامہ سے بہت محبت تھی، اکثر اپنے دوش مبارک پر بٹھا کر مسجد نبوی تشریف لے جاتے تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سونے کا ایک نہایت ہی حسین ہار پیش کیا گیا جسے دیکھ کر ازواج مطہرات حیرت زدہ رہ گئیں، آپ نے فرمایا، میں یہ ہار اسے دوں گا جو گھر والوں میں مجھے سب سے زیادہ پیاری ہے، سب نے خیال کیا کہ یقیناً یہ ہار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گلے کی زینت بنے گا، لیکن آقا ﷺ نے حضرت امامہ کو بلایا اور اپنے دست مبارک سے انہیں ہار پہنا دیا۔

حضرت رقیہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں، جو اعلان نبوت سے سات برس پہلے پیدا ہوئیں، ابتداء اسلام میں ہی مشرف باسلام ہوئیں، ان کا پہلا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا، ابھی ان کی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ سورۂ تَبَّتْ يَدَا نازل ہو گئی جس سے عتبہ اور اس کی بیوی کی آتش غضب مزید بھڑک اٹھی، اور آقائے رحمت ﷺ کی ایذا رسانی میں مزید اضافہ ہو گیا، ابولہب نے اپنے بیٹے عتبہ کو حکم دیا جس کے مطابق اس بدنصیب نے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔

اللہ نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صاحبزادی کو بہترین ترین شوہر عطا فرمایا کہ حضرت رقیہ کا نکاح حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوگیا، ان دونوں نے پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ منورہ کی طرف کی اور "ذوالہجرتین" کا اعزاز حاصل کیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب غزوۂ بدر کی تیاری میں مصروف تھے اس وقت حضرت رقیہ بہت علیل تھیں لہٰذا آپ نے حضرت عثمان کو بدر جانے سے روک دیا اور حضرت رقیہ کی دیکھ بھال کا حکم دیا، چونکہ حکم رسول کی تعمیل ہی جہاد ہے لہٰذا حضرت عثمان کو مجاہدین بدر کی فہرست میں شامل کیا گیا اور مال غنیمت سے ان کا حصہ عطا فرمایا گیا، حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ جب فتح کا مژدہ لے کر مدینہ منورہ پہنچے اس وقت حضرت رقیہ کی تدفین ہو رہی تھی، آپ نے بیس سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں، قبر انور کا پتہ نہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

حضرت ام کلثوم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا ہیں، ان کا نکاح ابو لہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے ہوا، سورۂ "ابی لہب" کے نزول کے بعد ہی اس خبیث نے بھی آپ کو طلاق دے دی، اس بدنصیب نے شہنشاہ کائنات ﷺ سے بے انتہا گستاخی کی حتیٰ کہ آپ کا مقدس پیرہن تار تار کر ڈالا، اس گستاخی کا آپ کے قلب مبارک پر بہت صدمہ ہوا، جوش غم میں آپ کی زبان حق ترجمان سے یہ جملہ ادا ہوا "یا اللہ! اپنے کتوں میں سے کسی کتے کو اس پر مسلط کر دے" پس ابولہب اور عتیبہ ایک قافلہ کے ساتھ تجارت کے لئے شام گئے، مقام "زرقاء" پر رات بسر کرنے کے لئے ایک راہب کے پاس ٹھہرے، اس نے بتایا کہ یہاں درندے بہت ہیں آپ لوگ ذرا ہوشیار ہو کر سوئیں، ابولہب نے قافلہ کے لوگوں سے کہا، کہ (حضرت) محمد (ﷺ) نے میرے بیٹے کی ہلاکت کی بددعا کی ہے، لہٰذا اس کی حفاظت ضروری ہے، تم لوگ سامان جمع کر کے اونچائی پر عتیبہ کے سونے کا انتظام کر دو، اور چاروں طرف سو جاؤ، تاکہ وہ درندوں سے محفوظ رہے، پس قافلہ والوں نے اس کی حفاظت کا پوری طرح انتظام کیا، رات کو ایک شیر آیا اور سیدھا عتیبہ کے پاس پہنچا، اور اس کے سر کو چبا ڈالا، لوگوں نے شیر کی تلاش میں پورا جنگل چھان مارا لیکن اس کا پتہ نہ چل سکا۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دوسرا اعزاز "ذوالنورین" کا ملا، ان سے کوئی اولاد نہ ہوئی، شعبان 5 ہجری میں وصال ہوا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع میں دفن ہیں، قبر انور کا پتہ نہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

حضرت فاطمہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب سے چھوٹی، لاڈلی اور پیاری شہزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں، زہرا اور بتول لقب تھے، آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف روایات ہے جب کہ بقول علامہ ابن الجوزی علیہ الرحمہ اعلان نبوت سے پانچ سال قبل آپ کی پیدائش ہوئی،

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے 2 ہجری میں نکاح ہوا، چھ بچوں کی ماں بنیں، حضرات حسن، حسین اور محسن رضی اللہ عنہم، حضرات زینب، ام کلثوم اور رقیہ رضی اللہ عنہن، حضرت محسن اور رقیہ کا بچپن میں انتقال ہوگیا، حضرت ام کلثوم کا نکاح امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہوا، اور آپ کے بطن سے ایک صاحبزادے حضرت زید اور ایک صاحبزادی حضرت رقیہ پیدا ہوئیں، حضرت زینب کی شادی حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہوئی، حضرات حسنین کریمین کے حالات سے متعلق علیحدہ عنوان ناگزیر ہے۔

مخبر صادق ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضرت فاطمہ کو خبر دے دی تھی کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی، پس ایسا ہی ہوا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے صرف چھ ماہ بعد آپ تشریف لے گئیں، حضرت علی یا حضرت عباس نے نماز جنازہ پڑھائی، جنت البقیع شریف میں دفن ہیں، قبر انور کا یقینی پتہ نہیں، إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

فضائل ومناقب

نبی مکرم ومعظم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاڈلی، پیاری اور محبوب ترین صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء البتول کی فضیلت وعظمت کا مقتضی ہے کہ ہم اس مختصر میں آپ کے فضائل قدرے تفصیل سے بیان کریں، یہی ہماری عقیدت ومحبت اور ایمان کا بھی تقاضا ہے،

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی عظیم ترین فضیلت یہ ہے کہ آقائے رحمت ﷺ نے انہیں، ان کے شوہر حضرت علی اور ان کے صاحبزادگان حضرت حسن وحسین کو خصوصی طور پر اہل بیت میں شامل فرمایا، رضی اللہ عنہم، کہ عام طور پر بیٹیاں، داماد، نواسے اور نواسیاں اہل بیت میں شمار نہیں ہوتے، پس اللہ کے رسول ﷺ کو گوارا نہ ہوا کہ ان کی لاڈلی صاحبزادی اور ان کے اہل خانہ کو اہل بیت ہونے کا شرف حاصل نہ ہو، بالخصوص اس صورت میں کہ اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اہل بیت کے لئے "تطہیر کاملہ" کے عظیم اعزاز کا اعلان فرمایا گیا، جس کا حق صرف ازواج مطہرات کو حاصل ہو رہا تھا، کہ آیت تطہیر، درحقیقت ہماری مقدس ماؤں ہی کے لئے نازل ہوئی جیسا

کہ سورۂ احزاب کے سیاق وسباق سے واضح ہوتا ہے، ہم نے اس عنوان کو یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جلد دوم، مقالہ 64 میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، لہٰذا ضرورت اعادہ نہیں،

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک صبح باہر تشریف لائے اور آپ پر اون کی سیاہ چادر تھی، اس وقت حسنین کریمین، حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم آئے، آپ نے انہیں اپنی چادر میں لے کر فرمایا: اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (احزاب) اے نبی کے گھر والو! اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگی دور کردے اور تم کو خوب پاک وصاف فرمادے،

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب آیت مباہلہ نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ ہم اپنے اور تمہارے بیٹوں کو بلائیں، نازل ہوئی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم کو بلایا، اور فرمایا: "اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَآءِ اَهْلُ بَیْتِیْ" اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔

مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ راوی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّیْ فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ" فاطمہ میرے جگر یا گوشت کا ٹکڑا ہیں، جس نے انہیں غصہ دلایا، مجھے غصہ دلایا، اور ایک روایت میں ہے: "یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَهَا وَیُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاهَا" وہ چیز میرے لئے باعث پریشانی ہوتی جو فاطمہ کو پریشان کرے، اور وہ شخص مجھے تکلیف پہنچاتا ہے جو فاطمہ کو تکلیف پہنچاتا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد، فاطمہ میرے جگر یا گوشت کا ٹکڑا ہے، کا مفاد یہ ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پر جہنم کی آگ حرام ہے، کہ جس نے میرے آقا ﷺ کا خون چوس لیا، یا پی لیا، جسے آپ کے جسم اطہر سے اپنا جسم مس کرنے کا موقع میسر آگیا، اسے جنتی ہونے کا مژدہ ملا تو جو لخت جگر ہو اسے جہنم کی آگ کیسے مس کرسکتی ہے، اور چونکہ حضرت فاطمہ لخت جگر ہیں، اور جسم کے کسی حصہ کو تکلیف پہنچے تو پورے جسم کو تکلیف ہوتی، پس جس نے لخت جگر فاطمہ کو تکلیف پہنچائی حقیقت میں اس نے آقائے رحمت ﷺ کو ایذا پہنچائی اور (العیاذ باللہ) ایذائے رسول کا انجام عذاب الٰہی سے کم نہیں، اللہ محفوظ رکھے۔

حضرت جمیع بن عمیر (تابعی) رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں اپنی پھوپھی کے ہمراہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب کون تھا، حضرت عائشہ نے جواب دیا، حضرت فاطمہ، پھر آپ سے پوچھا گیا، کہ مردوں میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا، فرمایا، ان کے خاوند (حضرت علی رضی اللہ عنہ)۔

حدیث مبارکہ سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت واضح ہے، جب کہ اسی سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عظمت کا بھی اندازہ ہوتا ہے، کہ آپ اپنے بے شمار فضائل و مناقب جاننے اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ آپ ہی آقائے کائنات ﷺ کی محبوب ترین اور افضل نساء العلمین ہیں، لاڈلی وچہیتی بیٹی فاطمہ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبوب ترین قرار دے رہی ہیں، یہی تو تطہیر کامل ہے جو اہل بیت کا مقدر رہی۔

آقائے رحمت ﷺ جب سفر پر تشریف لے جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ فاطمہ کو شرف ملاقات بخشتے، جب واپس تشریف لاتے تو مسجد نبوی شریف میں نوافل کی ادائیگی کے بعد سب سے پہلے اپنی لاڈلی کے گھر تشریف لاتے تھے،

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، ایک دن حضرت فاطمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئیں، آپ کی چال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی چال سے بالکل مشابہ تھی، آپ نے اپنی لاڈلی کو دیکھ کر فرمایا "مَرْحَبًا يَا بُنَيَّتِیْ" میری بیٹی! خوش آمدید، پھر آپ نے انہیں اپنی دائیں جانب بٹھایا، اور رازدارانہ طور پر کچھ فرمایا جسے سن کر حضرت فاطمہ رونے لگیں، پھر دوبارہ اسی طرح سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہ نے فرمایا، میں نے رنج و غم اور فرحت و مسرت کو کبھی اتنا قریب نہیں دیکھا، حضرت عائشہ نے حضرت فاطمہ سے اس کی وجہ پوچھی، آپ نے فرمایا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے راز کو افشا نہیں کر سکتی،

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ اس واقعہ کے چند دن بعد، اللہ کے رسول ﷺ پردہ فرما گئے، میں نے حضرت سیدہ سے پھر پوچھا، اب وہ گویا ہوئیں اور بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام ہر سال رمضان میں میرے ساتھ قرآن کریم کا ایک دور کیا کرتے تھے لیکن اس مرتبہ انہوں نے دو دور کئے، گویا اب میری وفات کا وقت قریب آ گیا ہے، اور میرے خاندان میں سب سے پہلے تم میرے پاس پہنچو گی "نِعْمَ السَّلَفُ اَنَا لَکِ" اور میں تمہارے لئے بہترین پیشرو ہوں، پس یہ جانکاہ خبر سن کر میں رو پڑی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر فرمایا "اَلَا تَرْضَیْنَ اَنْ تَکُوْنِیْ سَیِّدَةَ نِسَاۤءِ الْعٰلَمِیْنَ" کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ تم سارے جہان کی عورتوں کی سردار بنائی گئی ہو،

لاڈلی بیٹی اور چہیتے داماد سے شدت محبت کے باوجود، آقائے عدل و انصاف ﷺ نے کبھی ان دونوں کو کسی قسم کی خصوصی رعایت سے نہ نوازا، عدل و انصاف کے دعویداروں اور اپنے دور اقتدار و اختیار میں حق داروں کی حق تلفی کر کے اپنی اولاد، اعزاء و احباب اور خوشامدیوں کو بے بہا نوازنے

والوں کے لئے یہ واقعہ قابل تقلید ہے کہ:

اللہ کے خزانوں کے مالک، اللہ کی نعمتوں کے قاسم، شہنشاہ کائنات ﷺ کی لخت جگر، لاڈلی اور پیاری شہزادی کے عظیم شوہر، آغوش رسول میں پرورش پانے والے محبوب ترین بھائی، فاتح خیبر، اسد اللہ الغالب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ گھر کے کاموں کے لئے کسی خادمہ کا انتظام کر سکتے لہٰذا حضرت سیدہ کو گھر کے سب کام خود ہی کرنے پڑتے تھے، جن کی وجہ سے آپ کے نازک ہاتھوں میں گانٹھیں پڑگئی تھیں اور آپ بے حد تھک جاتی تھیں، کہ ایک دن تاجدار سیدہ نے کہا، فاطمہ! آج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کچھ غلام اور لونڈیاں آئی ہیں، موقع اچھا ہے تم ان کے دربار میں حاضر ہو کر اپنا حال بیان کرو اور ایک لونڈی کے لئے درخواست پیش کردو، ہمارے آقا ﷺ ضرور کرم فرمائیں گے، تمہیں خادمہ مل جائے گی تو تمہاری مشکل آسان ہو جائے گی۔

حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا دربار عالی میں حاضر ہوئیں، آپ اپنی چہیتی کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئے اور فرمایا: ''مَابِکِ یَا بُنَیَّۃُ'' پیاری بیٹی! کیسے آنا ہوا، عرض کی: ''جِئْتُ لِاُ سَلِّمَ عَلَیْکَ'' یا رسول اللہ! بس سلام کے لئے حاضر ہو گئی، کچھ دیر ٹھہری اور اصل درخواست پیش کیے بغیر واپس ہو گئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا، فاطمہ کیا ہوا، بولیں، میں ہمت نہ کر سکی کہ سوال کروں، حضرت علی حضرت فاطمہ کو لے کر دربار میں حاضر ہوئے اور بتایا، یا رسول اللہ! آپ کی لاڈلی کی حاضری کا مقصد یہ تھا کہ وہ آپ سے ایک کنیز کا سوال کریں جو ان کے کاموں میں ان کی مدد کیا کریں، لیکن یہ شرم وحیا کے سبب اپنی درخواست پیش نہ کر سکیں اور واپس چلی گئیں، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، اللہ کی قسم میں تم دونوں کو کچھ نہ دوں گا، کہ اہل صفہ تم سے زیادہ ضرورت مند ہیں، فاقوں کی شدت سے ان کے پیٹ سکڑ گئے ہیں، میں انہیں نظر انداز نہیں کروں گا، جب کہ میرے پاس کچھ نہیں جو میں ان پر خرچ کر سکوں، میں یہ غلام اور لونڈی فروخت کروں گا اور ان کی قیمت سے ان کی ضرورت پوری کروں گا،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جواب سن کر حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما سراپا تسلیم ورضا بنے اپنے گھر واپس آ گئے، کچھ دیر بعد آپ بذات خود تشریف لائے اور فرمایا: ''اَلَا اُخْبِرُکُمَا بِخَیْرٍ مِمَّا سَئَلْتُمَانِیْ'' کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتا دوں جو بہت بہتر ہے اس سے جس کا تم دونوں نے مجھ سے سوال کیا، دونوں نے بیک آواز عرض کی: ''بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' یا رسول اللہ! کیوں نہیں ضرور ارشاد فرمایئے، پس آپ نے فرمایا، مجھے حضرت جبرئیل نے چند کلمات بتائے ہیں جو یہ ہیں کہ ہر نماز کے بعد دس، دس مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، کہا کرو اور رات سونے سے پہلے تینتیس، تینتیس مرتبہ یہی کلمات کہا کرو، دونوں نے اس انعام عظیم کو بخوشی قبول کیا اور ساری زندگی اس کا ورد کرتے رہے۔

مقدس کلمات نہایت ہی بابرکت ہیں کہ ان سے غم وحزن دور ہوتا ہے، تکان اور کمزوری ختم ہوتی ہے، پابندی سے ان کا ورد کرنا چاہیے۔

حضرت فاطمہ کی شادی

ایک دن حضرت ابوبکر، عمر فاروق اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ بات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کی چل پڑی، حضرت ابوبکر نے کہا کہ بڑے بڑے شرفاء اور امراء نے اس رشتہ کی درخواست کی لیکن اللہ کے نبی ﷺ نے لیک ہی جواب دیا "جیسا اللہ چاہے گا" اور حضرت علی بھی اس رشتہ کے متمنی ہیں لیکن اب تک وہ درخواست پیش کرنے کی جرأت نہ کر سکے غالباً اپنی غربت و تنگ دستی کے سبب، جب کہ میرا خیال ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے یہ رشتہ حضرت علی ہی کے لئے روکا ہوا ہے، پھر حضرت ابوبکر نے حضرت عمر اور سعد نے کہا بہتر ہوگا ہم تینوں حضرت علی کے پاس چلیں اور رشتہ پیش کرنے کو کہیں نیز انہیں یقین دلائیں کہ ہم سب ان کا مالی تعاون کریں گے، پس یہ لوگ حضرت علی کے پاس پہنچے اور ان کی ہمت افزائی کرتے ہوئے کہا، آپ آقا ﷺ کے دربار میں رشتہ کی درخواست کیجئے انشاء اللہ ضرور منظور ہوگی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمت کی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، سلام پیش کیا اور ادب سے بیٹھ گئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، علی، معلوم ہوتا تم کسی کام سے آئے ہو، بتاؤ کیا بات ہے، آپ نے نہایت شرم وحیاء کے ساتھ درخواست پیش کی، اللہ کے رسول ﷺ کا چہرہ مبارک مسرت سے چمکنے لگا، آپ نے مسکراتے ہوئے پوچھا، علی مہر ادا کرنے کے لئے تمہارے پاس کچھ ہے، حضرت علی نے عرض کی، یارسول اللہ! آپ پر میرا حال پوشیدہ نہیں، میرے پاس، ایک زرہ، ایک تلوار، اور ایک اونٹنی ہے جس پر میں پانی بھر کر لاتا ہوں (حضرت علی گھر گھر پانی پہنچانے کا کام کرتے تھے یہی ان کا ذریعہ معاش تھا) آقائے رحمت ﷺ نے محبت بھری نظروں سے علی کو دیکھا اور فرمایا، تلوار تمہاری ضرورت ہے، اونٹنی تمہارا ذریعہ معاش ہے، پس زرہ کے عوض میں اپنی بیٹی کا تم سے نکاح کرتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ یہ مژدۂ جانفزا سن کر بے حد خوش ہوئے، سرکار سے اجازت چاہی باہر آئے تو حضرت ابوبکر، عمر اور سعد خوشخبری سننے کے لئے بے تاب تھے، حضرت علی کا دمکتا چہرہ دیکھتے ہی سمجھ گئے اور مبارکباد دی، گلے لگایا، اور مسجد پہنچے جہاں نبی معظم ﷺ پہلے ہی سے رونق افروز تھے اور آپ کا چہرۂ انور خوشی سے دمک رہا تھا، صحابہ کرام جمع ہوئے، اور آپ نے حضرت علی سے اپنی شہزادی کا نکاح کر دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے حکم دیا، کہ زرہ فروخت کر کے اس کی قیمت مجھے لا کر دو، پس میں زرہ لے کر آیا ہی تھا کہ حضرت عثمان نے چار سو درہم میں وہ زرہ مجھ سے خرید لی، جب خرید و فروخت مکمل ہو گئی تو حضرت عثمان نے حضرت علی کو زرہ دیتے ہوئے فرمایا، میری طرف سے یہ تحفہ قبول فرمائیے، میں نے زرہ اور اس کی قیمت آقا ﷺ کے قدموں میں ڈالتے ہوئے بتایا کہ حضرت عثمان نے یہ زرہ مجھ سے خریدی اور تحفۃً مجھے عطا فرما دی، آپ نے حضرت عثمان کے لئے دعائے خیر کی، پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار جا کر میری بیٹی کے لئے ضروری سامان خرید لاؤ، حضرت سلمان فارسی اور بلال حبشی رضی اللہ عنہما کو سامان اٹھانے کے لئے ان کے ہمراہ جانے کا حکم دیا۔

حضرت سیدہ کا جہیز

شہنشاہ کائنات ﷺ نے اپنی شہزادی کو جہیز دے کر ہمارے لئے بیٹیوں کو جہیز دینا سنت اور باعث ثواب بنایا، جس میں اصل یہ ہے کہ ہر شخص اپنی استطاعت اور رہن سہن کے معیار کے مطابق اپنی بیٹی کو جہیز دے نہ یہ کہ حضرت سیدہ کے جہیز کو بیٹیوں کی حق تلفی کا ذریعہ بنایا جائے، یہ بات ذہن نشین کر لینے کے بعد ملاحظہ ہو کہ سیدۃ نساء العلمین کو کیا جہیز عطا ہوا۔

"بان کی چارپائی، کھجور کے پتے بھرا چمڑے کا ایک گدا، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے"۔

خون خیر الرسل سے ہے جن کا خمیر ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام
اس بتولِ جگر پارۂ مصطفیٰ حجلۂ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مدو مہر نے اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام
سیدہ زاہرہ طیبہ طاہرہ جان احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

خدام خاص

آقائے رحمت ﷺ کے جملہ صحابہ و صحابیات، سب ہمہ وقت آپ کی خدمت اور تعمیل حکم کے لئے آمادہ و تیار رہتے اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کو عبادت سمجھتے تھے، ان حضرات کی خدمت گزاری، جان نثاری اور اطاعت شعاری کی تاریخ انسانیت میں کوئی نظیر نہیں مل سکتی، لیکن کچھ حضرات ایسے انتہائی خوش نصیب تھے جنہیں ہمہ وقت حضوری اور خدمت گزاری کا موقعہ میسر تھا ان میں سے چند کا تذکرہ ہمارے لئے باعث عز و شرف ہوگا، پس ملاحظہ ہو۔

حضرت انس

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سب سے زیادہ ممتاز اور مشہور خادم حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، انہیں مسلسل دس برس، سفر وحضر میں آپ کی خدمت گزاری کا شرف حاصل رہا، جس کے صلہ میں انہیں بصورت دعا تمغہ امتیاز دیا گیا، ارشاد ہوا ''اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَاَدْخِلْهُ فِي الْجَنَّةِ'' اے اللہ! اس کے مال اور اولاد میں کثرت فرما اور اسے جنت میں داخل فرما۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ اپنے آقا ﷺ کی تین دعاؤں میں سے دو کا جلوہ تو میں نے دیکھ لیا، کہ میرا باغ سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا جب کہ دوسرے باغ سال میں ایک مرتبہ پھل دیتے تھے، نیز میرے باغ کے پھلوں میں مشک کی مہک آتی تھی، اور میری اولاد کی تعداد ایک سو چھ ہے، جن میں ستر لڑکے اور چھتیس لڑکیاں ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ میں جنت میں ضرور داخل ہوں گا،

حضرت انس رضی اللہ عنہ دو ہزار دو سو چھیاسی حدیثوں کے راوی ہیں، اور حدیث میں شاگردوں کی ایک بڑی جماعت کے استاد ہوئے، سو برس سے زیادہ عمر پائی، 91 یا 92ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

حضرت ربیعہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وضو کرانے کی خدمت کا شرف حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا، ان کے آقا ﷺ کا ان پر، ابر کرم برستا رہتا تھا، ایک شب تو اس کرم کی انتہا ہی ہوگئی، کہ مالک ومختار کائنات ﷺ نے فرمایا: ''سَلْ تُعْطَ'' ربیعہ! مانگو ملے گا، ربیعہ نے جو مانگا خوب مانگا، وہ مانگا جس کے مقابلہ پر ہر نعمت ہیچ ہے: ''اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِي الْجَنَّةِ'' جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس جنتی خادم کا 63ھ میں وصال ہوا۔

حضرت ایمن

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک خادم خاص ایمن بن ایمن رضی اللہ عنہما تھے، آقا ﷺ کی ایک چھوٹی مشک تھی جس سے آپ استنجا اور وضو فرمایا کرتے تھے، حضرت ایمن کی تحویل میں رہتی تھی، یہ جنگ حنین میں شہید ہوئے،

حضرت عبداللہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کی نعلین شریفین، وضو کا برتن، مسواک اور مسند اپنے پاس رکھا کرتے تھے، سفر وحضر میں خدمت کے لئے موجود رہتے تھے،

ساٹھ برس سے زیادہ عمر پائی، 32یا33ھ مدینہ منورہ یا کوفہ میں وصال ہوا۔

حضرت عقبہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادم حضرت عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ، آقا ﷺ کے خچر کی لگام تھامے رہا کرتے تھے، قرآن کریم اور علوم فرائض کے ماہر تھے، نہایت اچھے خطیب اور شاعر تھے، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ حکومت میں انہیں مصر کا گورنر مقرر کیا تھا، 58ھ مصر میں وصال ہوا۔

حضرت اسلع

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اونٹ پر کجاوہ باندھنے کی خدمت انجام دیتے تھے۔

حضرت ابوذر غفاری

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک خادم خاص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ ہیں، انہوں نے ابتداء اسلام میں ہی شرف اسلام حاصل کیا اور مسلمان ہونے کی سزا میں کفار مکہ کے ہاتھوں خوب مار کھائی، بہت ایذائیں برداشت کیں، ان کا اصل نام جندب بن جنادہ تھا، بنی غفار قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، طبعی طور پر کفر و شرک سے متنفر تھے، اپنی عقل و فہم کے مطابق اللہ وحدہ لاشریک کی تسبیح و تحمید سے اپنے دل کو مطمئن کرتے رہتے تھے، انہیں خبر ہوئی کہ مکہ میں ایک شخص نے دعویٰ نبوت کیا ہے، انہوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ مکہ جا کر معلومات حاصل کرو اور مجھے تفصیلات بتاؤ، بھائی انیس مکہ گئے انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کی اور واپس آ کر بھائی کو بتایا "میں نے ایسے شخص سے ملاقات کا شرف حاصل کیا ہے جو بھلائی کا حکم دیتا اور برائی سے روکتا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے بندوں کی رہبری کے لئے مبعوث فرمایا ہے، نیز وہ مکارم اخلاق کو اپنانے کی تلقین کرتا ہے" ابوذر نے پوچھا، لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں، انیس نے جواب دیا "لوگ اسے شاعر، ساحر، مجنون اور دیوانہ کہتے ہیں، واللہ! لوگ جھوٹے ہیں اور وہ سچا ہے" ابوذر نے بھائی سے کہا کہ اگر تم میرے اہل و عیال اور کاروبار کی ذمہ داری قبول کر لو میں جا کر اس کی زیارت کروں، انیس نے آمادگی کا اظہار کیا، اور کہا کہ ضرور جاؤ، لیکن اہل مکہ سے محتاط رہنا کہ وہ لوگ بہت ظالم ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری نے بتایا کہ میں نے اپنا ضروری سامان لیا اور طویل مسافت پا پیادہ طے کر کے مکہ پہنچا، وہاں کسی سے میری جان پہچان نہ تھی، نہ تو میں اس شخص کو جانتا تھا جس کی زیارت کا شوق مجھے یہاں لایا تھا اور نہ ہی میں کسی سے اس کے متعلق پوچھنا مناسب سمجھتا تھا، میں خود ہی انہیں

تلاش کرنے کی کوشش کرتا رہا حتیٰ کہ رات ہوگئی میں حرم کعبہ ہی میں لیٹ گیا کہ حضرت علی نے مجھے دیکھا تو وہ سمجھ گئے کہ میں ایک بے سہارا مسافر ہوں پس انہوں نے اشارہ سے مجھے اپنے پیچھے چلنے کو کہا، میں ان کے پیچھے پیچھے چل دیا، سارے راستہ نہ انہوں نے میری طرف دیکھا اور نہ ہی مجھ سے بات کی، میں نے اسی اجنبیت اور خاموشی کی کیفیت میں رات بسر کی صبح ہوتے ہی پھر میں حرم شریف میں آ گیا اور اپنے گوہر مطلوب کو تلاش کرنے میں مصروف ہو گیا، دوسری اور تیسری رات بھی حسب سابق میں نے حضرت علی کے گھر رات بسر کی، تیسرے دن صبح جب میں گھر سے نکلنے لگا تو حضرت علی نے مجھ سے پوچھا، یہاں تمہارے آنے کا کیا مقصد ہے،

حضرت ابوذر کہتے ہیں، میں نے کہا اگر آپ رازداری اور میری راہبری کا وعدہ کریں تو میں آپ کو اپنا حال بتاؤں، آپ نے مجھے یقین دلایا، اور میں نے اپنا سب حال بتا دیا، جسے سن کر حضرت علی نے مجھے مژدہ سنایا" بے شک وہ اللہ کے سچے رسول ہیں، میں تمہیں ان کے دربار میں لے کر چلوں گا، پس میں ان کے ہمراہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ عالی میں حاضر ہو گیا، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! میرے سامنے اسلام پیش فرمائیں، پس آپ نے ایسے پر اثر انداز میں مجھے اسلام کی حقیقت بتائی کہ آپ کی ہر بات میرے دل میں اترتی چلی گئی، میرے دل کا غبار ختم ہو گیا، شکوک وشبہات کی تاریکی دور ہو گئی اور میرا چہرہ چمک اٹھا، اسی آن میں نے اسلام قبول کیا اور اپنے آقا ﷺ کے دست حق پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اس وقت بارگاہ رسالت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی حاضر تھے انہوں نے درخواست پیش کی، یا رسول اللہ! آج رات میرے غریب خانہ پر کھانا تناول فرمائیں، پس رات کا کھانا ہم سب نے اپنے آقا ﷺ کی معیت میں حضرت ابوبکر کے گھر کھایا، میں نے زندگی میں پہلی مرتبہ طائف کے زبیب (خشک میوہ) کھائے جو بے حد لذیذ تھے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خادم کو ہدایت کی کہ وہ مکہ میں اپنا اسلام ظاہر نہ کریں اپنے قبیلہ کی طرف واپس چلے جائیں اور وہاں اسلام کی تبلیغ کریں، جب ہماری فتح وکامرانی کی اطلاع ملے تو واپس آ جائیں، لیکن حضرت ابوذر جوش ایمان میں مست تھے عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! بخدا میں مشرکین کے مجمع میں جا کر برملا اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کروں گا، چنانچہ ایک روز جب قبائل قریش حرم میں جمع تھے، حضرت ابوذر آئے اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ اعلان کیا" اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ "۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میرا اعلان ایمان سن کر، کافر بھڑک اٹھے، انہوں

نے مجھ پر حملہ کر دیا اور اتنا مارا کہ میں بے ہوش ہو گیا، اچانک حضرت عباس آگئے انہوں نے مجھے پہچانا اور قریش کو جھڑکتے ہوئے کہا، کم بختو! یہ کیا کر رہے ہو، یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے جس کو مار مار کر تم نے یہ حال کر دیا، تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے تجارتی قافلوں کو اسی کے علاقوں سے گزرنا پڑتا ہے، جب مجھے ہوش آیا تو میں زمزم پر گیا، آب زمزم پیا اور غسل کیا، رات حرم شریف ہی میں بسر کی، صبح ہوئی تو جنون عشق نے پھر مجھے مست کر دیا اور میں پھر قریش کے مجمع میں پہنچ گیا اور اپنے آقا ﷺ کی رسالت کا بانگ دہل اعلان کرنے لگا، پھر خوب مار کھائی، حتیٰ کہ بے ہوش ہو گیا، حضرت عباس آئے اور انہوں نے کافروں کو ڈانٹا جھڑکا، اور مجھے سنبھالا۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں، میں نے وطن واپس آکر اپنے بھائی انیس کو پوری سرگزشت بتائی، اور دعوت حق دی، اس نے کہا میں تو پہلے حق کو قبول کر چکا ہوں، اب ہم دونوں اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں اسلام کی دعوت دی وہ پہلے ہی سے قبول حق کے لئے آمادہ تھیں پس انہوں نے بلا تاخیر کلمہ پڑھا، پھر ہم نے اپنے قبیلہ کو اسلام کا پیغام پہنچایا، چند ہی دن میں آدھا قبیلہ مشرف باسلام ہو گیا، اور باقی لوگ اس وقت مسلمان ہوئے جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے عاشق صادق اور وفا شعار خادم کے لئے فرمایا: "مَا اَظَلَّتِ الْخَضْرَآءُ (اَلسَّمَآءُ) وَلَا اَقَلَّتِ الْغَبْرَآءُ (اَلْاَرْضُ) اَصْدَقَ مِنْ اَبِیْ ذَرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ" آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر سب سے زیادہ سچا ابوذر ہے،

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، تارک الدنیا، عابد و زاہد اور بے حد متقی تھے، دولت کا جمع کرنا ان کے نزدیک حرام تھا، اس مسئلہ میں چونکہ وہ یکتا تھے لہٰذا صحابہ کرام سے ان کا سخت اختلاف رہتا تھا، یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا، صحابہ نے حضرت ابوذر کی شکایت کی تو حضرت عثمان نے انہیں طلب فرما کر نصیحت کی اور کہا کہ آپ میرے پاس قیام کریں میں آپ کی پوری طرح کفالت کروں گا لیکن وہ نہ مانے اور کہا مجھے تمہاری دولت اور کفالت کی ضرورت نہیں، بالآخر وہ مدینہ منورہ سے نکل کر ایک قریبی دیہات "ربذہ" میں آباد ہو گئے، یہیں 31ھ میں ان کا وصال ہوا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک قافلہ کے ساتھ حج کے لئے جا رہے تھے کہ اپنے سامنے ایک جنازہ رکھا دیکھا، سواری سے اتر کر قریب پہنچے تو وہ ابوذر تھے، پس آپ نے قافلہ کے ساتھ نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو "ربذہ" ہی میں دفن کیا گیا، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے ابوذر! تمہیں مبارک ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہارے متعلق فرمایا تھا'' ابوذر اکیلا ہی چلتا ہے، اکیلا ہی مرے گا، اور اکیلا ہی اٹھے گا''۔

حضرت مہاجر

مولیٰ ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے آزاد کردہ غلام تھے، انہیں شرف صحابیت کے ساتھ ساتھ مسلسل پانچ برس تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت کا اعزاز حاصل رہا، بہت بہادر مجاہد تھے، مصر کی فاتح فوج کے سپاہی تھے، کچھ عرصہ مصر ہی میں رہے پھر '' طحا'' چلے گئے، وہیں وصال ہوا۔

حضرت حنین

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام تھے نہایت ہی اطاعت شعار اور خدمت گزار تھے، آپ نے بطور ہبہ انہیں اپنے چچا حضرت عباس کو دے دیا، لیکن کچھ عرصہ بعد حضرت عباس نے انہیں آزاد کر دیا تا کہ یہ دوبارہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت گزاری کر سکیں۔

حضرت نعیم بن ربیعہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خادموں میں حضرت نعیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کا نام بھی نظر آتا ہے، لیکن آپ کے تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔

حضرت ابوالحمراء

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص ہیں، ان کا اصل نام بلال بن حارث تھا، نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد یہ مدینہ سے ''حمص'' چلے گئے اور وہیں وفات ہوئی۔

خصوصی محافظین

سید الانبیاء والمرسلین ﷺ کی ذات مقدسہ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے عظیم ترین سرمایۂ حیات تھی، جب کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد ہر دور میں آپ کے عاشقوں کے لئے آپ کی عزت و آبرو اور ناموس کی حفاظت مقصد حیات رہی، صحابہ کرام نے اپنے آقا کی ذات اور ان کے مشن کی حفاظت کے لئے اپنا مال و دولت اور اپنی جانیں، سب کچھ قربان کیا، جب کہ امت مسلمہ اپنے محبوب ﷺ کی ناموس کی حفاظت کی ہمیشہ ذمہ داری پوری کرتی رہی، جاں نثار صحابہ میں سے چند کو آپ کا خصوصی محافظ اور چوکیدار ہونے کا اعزاز حاصل ہوا، لیکن یہ منصب اس وقت تک حاصل رہا جب تک محافظ حقیقی اللہ جل مجدہ نے اپنے محبوب ﷺ کی حفاظت کا خود اعلان نہ فرما دیا،

ارشاد ہوا وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ ؕ اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا، پس نبی معظم ﷺ نے اعلان کیا کہ اب پہرہ دینے اور میری فکر کی ضرورت نہیں کہ جس نے مجھے مبعوث فرمایا ہے اس نے اپنے فضل و کرم سے میری حفاظت کا ذمہ بھی لے لیا ہے اور بے شک وہ "خَیْرُ الْحٰفِظِیْنَ" ہے،

ان جاں نثار محافظین اور پہرہ داروں میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت سعد بن معاذ انصاری، حضرت محمد بن مسلمہ، حضرت ذکوان بن عبداللہ، حضرت زبیر بن العوام، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عباد بن بشر، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت بلال، حضرت مغیرہ بن شعبہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

کاتبین وحی

صاحب قرآن ﷺ نے نزول وحی کے ساتھ ہی قرآن کریم کی حفاظت کے اہتمام کا آغاز کر دیا تھا، اس مقصد کے لئے، آپ خود آیات قرآنیہ یاد کر لیا کرتے اور صحابہ کرام کو یاد کرا دیا کرتے تھے، جب کہ صحابہ کرام کا محبوب ترین مشغلہ آپس میں قرآن کریم کا دور کرتے رہنا تھا، اس سے بڑھ کر خود اللہ رب العزۃ جل مجدہ اپنے کلام کا محافظ ہے، فرمایا گیا: اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ "بے شک ہم نے قرآن کریم نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، تاہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا، اور جن صحابہ کرام کو یہ اہم ذمہ داری سونپی گئی ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت طلحہ بن عبید اللہ، حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت زبیر بن العوام، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت ثابت بن قیس، حضرت حنظلہ بن ربیع، حضرت زید بن ثابت، حضرت ابی بن کعب، حضرت امیر معاویہ، حضرت ابوسفیان، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

شعرائے دربار

ممدوح کائنات ﷺ کی منظوم و منثور مدح و ثناء ہر دور میں عشاق کے لئے ذریعۂ سکون اور ایمان افروز رہا ہے، صحابہ کرام اپنے اپنے انداز میں یہ شرف حاصل کرتے رہتے تھے، جب کہ دربار نبوی کے مخصوص شعراء تین ہیں، جو نعت گوئی کے ساتھ ساتھ، اپنے محبوب ﷺ پر کافروں کے شاعرانہ حملوں کا منہ توڑ جواب دیا کرتے تھے، ان حضرات کا مختصر تذکرہ درج ذیل ہے،

حضرت کعب بن مالک

حضرت کعب بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ، نہایت مشہور و معروف شاعر تھے، مشرف باسلام ہونے کے بعد ان کے اشعار کافروں پر تیروں کی طرح برستے تھے، یہ اشعار سن کر کفار آگ بگولہ ہو کر رہ جاتے، ان کے کسی شعر کا دشمنوں سے جواب نہ بن پڑتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں ان کا وصال ہوا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے دربار عالی کے شاعر حضرت عبداللہ بن رواحہ انصاری خزرجی کو ''سید الشعراء'' کے خطاب سے نوازا، ان کے فضائل میں متعدد ارشادات بھی محفوظ ہیں، جنگ موتہ میں شہید ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

حضرت حسان بن ثابت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کو ایذا رسانی کا ایک نہایت تکلیف دہ طریقہ مشرکین مکہ کی طرف سے ہجویہ اشعار کہنا اور ان کی اشاعت کرنا تھا جو ہجرت کے بعد بھی جاری رہا، ایک مرتبہ غلاموں نے اپنے آقا ﷺ کی بارگاہ میں مؤدبانہ گزارش کی، یا رسول اللہ! مشرکین کی ہجویہ شاعری اب حد سے زیادہ ہو گئی ہے اب اس کا جواب ہونا چاہیے، آقا! آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیں کہ وہ جوابی عمل کا آغاز کریں، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''علی اس کام کے لئے موزوں نہیں'' پھر آپ نے انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''جن لوگوں نے تلوار سے میری مدد کی ہے کیا وہ زبان سے میری مدافعت نہیں کر سکتے''۔

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر، عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! مجھے اجازت مرحمت ہو، یہ کام میں بخوبی انجام دوں گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''تم ان لوگوں (قریش) کی ہجو کیسے کرو گے جب کہ میں بھی انہی کے خاندان کا ایک فرد ہوں'' حضرت حسان نے عرض کی، یا رسول اللہ! میں آپ کو ان میں سے اس طرح نکال لوں گا، جس طرح گندھے آٹے سے بال نکال لیا جاتا ہے، پس آپ نے اجازت دی، حضرت حسان کے کلام کا مجموعہ گواہ ہے کہ ان کے اشعار نے ہجو کرنے والوں کا ناطقہ بند کر دیا جب کہ انہوں نے اپنے آقا ﷺ کی مدح و توصیف میں اپنی تمام تر صلاحیت صرف کر دی۔

حضرت حسان بن ثابت بتاتے ہیں کہ میری عمر سات یا آٹھ برس کی تھی کہ ایک دن علی الصباح

ایک یہودی نے تمام یہودیوں کو جمع کیا اور بتایا وہ ستارہ طلوع ہو چکا ہے جو نبی آخر الزماں ﷺ کی ولادت کی علامت ہے پس آج ہی رات ان کی پیدائش ہو گی، پس جب آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہ یہودی زندہ تھا لیکن مشرف باسلام نہ ہوا۔

حضرت حسان بن ثابت کے قلب کی گہرائیوں میں اس واقعہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت جاگزیں کی، آپ نے مکہ میں جب آپ کے مبعوث ہونے کی خبر سنی تو نہایت اضطراب سے آپ کی مدینہ منورہ آمد اور زیارت کا انتظار کرنے لگے، حتیٰ کہ ان کی آرزو پوری ہوئی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، حضرت حسان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے اور ساری زندگی اپنے آقا ﷺ کی مدح سرائی میں صرف کر دی، انہوں نے جس خلوص و محبت کے ساتھ آپ کی تعریف میں سیکڑوں اشعار کہے درحقیقت وہ جان عالم ﷺ کی بارگاہ میں عشق و محبت کے گلدستے ہیں، مثلاً:

وَاَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَیْنِیْ وَاَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَآءُ

یا رسول اللہ! آپ سے زیادہ حسین میری آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا اور نہ ہی آپ سے زیادہ خوبصورت کوئی بچہ کسی عورت نے جنا،

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِّنْ کُلِّ عَیْبٍ کَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَآءُ

یا رسول اللہ! آپ ہر عیب سے پاک پیدا کیے گئے ہیں، گویا آپ جیسا چاہتے تھے ویسے ہی پیدا کئے گئے ہیں۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدینہ منورہ تشریف آوری کو، اہل مدینہ کے لئے بڑا اعزاز قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

لَقَدْ خَابَ قَوْمٌ مَالَ عَنْھُمْ نَبِیُّھُمْ وَقُدِّسَ مَنْ یَّسْرِیْ اِلَیْہِ وَیَغْتَدِ

بے شک وہ قوم (اہل مکہ) نامراد ہوئی جس کے پاس سے ان کا نبی چلا گیا، اور ان لوگوں (اہل مدینہ) نے اس ہستی کے سبب عزت پائی جو ان میں طویل سفر کر کے صبح کے وقت رونق افروز ہوا،

تَرَحَّلَ عَنْ قَوْمٍ فَزَالَتْ عُقُوْلُھُمْ وَحَلَّ عَلٰی قَوْمٍ تَنَوَّرَ بِنُوْرِہٖ

جس قوم سے اس کا پیغمبر چلا گیا اس کی عقل جاتی رہی اور جس قوم میں پیغمبر نے نزول اجلال فرمایا وہ اس کے نور سے چمک گئی،

ھَدَاھُمْ بِہٖ بَعْدَ الضَّلَالَۃِ رَبُّھُمْ وَاَرْشَدَھُمْ مَنْ یَّتْبَعِ الْحَقَّ یَرْشُدِ

اللہ نے اہل مدینہ کو گمراہی کے بعد بوسیلہ نبی معظم ہدایت دی اور انہیں سیدھا راستہ دکھایا کہ وہی

سیدھا راستہ پاتا ہے جو حق کی پیروی کرتا ہے،

حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ، بارگاہ رسالت کے وہ واحد شاعر تھے جن کو آقائے رحمت ﷺ اپنے منبر پر بیٹھنے کا حکم دیتے اور ان سے اپنی نعت سنا کرتے تھے، آپ نے اپنے اس محبوب شاعر کو خصوصی دعاؤں سے بھی نوازا، اسی لئے وہ نہایت ہی بے باک اور حق گو شاعر تھے، آقا ﷺ کی مدح کرتے ہوئے وہ سلاطین اور بادشاہوں تک سے مرعوب نہ ہوتے تھے،

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اپنے آقا ﷺ کی دائمی جدائی کا بے حد صدمہ تھا، آپ کے فراق میں انہوں نے جو مرثیے کہے وہ ان کے عشق و محبت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پناہ عقیدت کا مظہر ہیں، چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

بِأَبِیْ وَأُمِّیْ مَنْ شَهِدْتُ وَفَاتَهٗ فِیْ یَوْمِ الْاِثْنَیْنِ النَّبِیُّ الْمُهْتَدِیْ

میرے ماں باپ اس نبی پر قربان جو ہادی ہے، جس کا وصال دوشنبہ کو ہوا جب کہ میں خود وہاں حاضر تھا،

فَظَلِلْتُ بَعْدَ وَفَاتِهٖ مُتَبَلِّدًا مُتَبَلِّدًا یَا لَیْتَنِیْ لَمْ اُوْلَدِ

پس میں آپ کی وفات کے بعد ہوش و حواس کھو بیٹھا، میں پریشان و حیران تھا، کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا،

أُقِیْمُ بَعْدَکَ بِالْمَدِیْنَةِ بَیْنَهُمْ یَا لَیْتَنِیْ صُبِّحْتُ سَمَّ الْاَسْوَدِ

یا رسول اللہ! کیا میں آپ کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ رہ سکوں گا، کاش مجھے سانپ ڈس لیتا (اور میں مرجاتا)۔

وَاللّٰهِ اَسْمَعُ مَابَقِیْتُ بِهَا لَکَ اِلَّا بَکَیْتُ عَلَی النَّبِیِّ مُحَمَّدٖ

واللہ! جب بھی میں کسی کی موت کی خبر سنوں گا، تو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر روؤں گا جب تک میں زندہ ہوں۔

صَلَّی الْاِلٰهُ وَمَنْ یَّحِفُّ بِعَرْشِهٖ وَالطَّیِّبُوْنَ عَلَی الْمُبَارَکِ اَحْمَدَ

احمد مجتبیٰ ﷺ پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں اور ان فرشتوں کی طرف سے رحمت برسے جو عرش الٰہی کو گھیرے ہوئے ہیں، اور پاکیزہ، برکت والے ہیں۔

حضرت حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کا وصال 54 ہجری میں ہوا یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت تھا آپ کی عمر ایک سو بیس برس کی ہوئی اور یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ آپ کے والد ثابت، دادا منذر، پردادا حرام بن عمرو کی عمریں بھی ایک سو بیس برس کی ہوئیں،

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے چند اشعار کا ترجمہ قابل غور وعمل ہے جو پند ونصائح پر مشتمل ہے۔

شریف لوگوں کے ساتھ بیٹھو اٹھو اور انہی کے اعمال کی نقل کرو

اور جب کسی کی پیروی کرو تو غور کرو کہ تم کس کی اتباع کر رہے ہو

بری باتوں کو سننے سے پرہیز کیا کرو گویا تم نے انہیں سنا ہی نہیں

کسی بات کو کریدنا نہیں چاہیے کیونکہ بسا اوقات گڑھے کھودنے والا اسی میں خود گرتا ہے،

خوشحالی میں بہت لوگ دوست بن جاتے ہیں جب کہ تنگ دستی میں بہت کم رہ جاتے ہیں،

عشق ومحبت کی گمراہی میں مبتلا نہ ہو، کہ اس قسم کی گمراہی تمام برائیوں کو جمع کر دیتی ہے،

جان عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقدس لباس

پیکر حسن و جمال ﷺ، نہایت نظافت وطہارت اور نفاست ونزاکت پسند تھے، جس کا اندازہ آپ کی تعلیمات، لباس اور استعمال کی دیگر اشیاء سے کیا جاسکتا ہے،

میرے آقا ﷺ جب کوئی نیا کپڑا زیب تن فرماتے تو خوش ہوتے اور فرماتے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّیَاشِ مَآ اَتَجَمَّلُ بِہٖ فِی النَّاسِ وَاُوَارِیْ بِہٖ عَوْرَتِیْ'' تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھے لباس عطا فرمایا، جس سے میں لوگوں کے سامنے خوبصورت شکل میں پیش ہوتا ہوں، اور جس سے میں ستر عورت کرتا ہوں، ایک روایت میں ہے ''وَجَمَّلَنِیْ فِیْ عِبَادِیْ'' اور جس نے مجھے اپنے بندوں میں حسن وآرائش کا موقع عطا فرمایا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک سفید دھلی ہوئی قمیص پہنے دیکھا، آپ نے پوچھا، عمر! یہ قمیص دھلی ہوئی ہے یا نئی، حضرت عمر نے عرض کیا، یارسول اللہ! دھلی ہوئی ہے، پس آپ نے دعا کی ''اَلْبِسْ جَدِیْدًا وَّ عِشْ حَمِیْدًا وَّتَوَفَّ شَھِیْدًا...... یَرْزُقُکَ اللّٰہُ قُرَّۃَ عَیْنٍ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ'' اے عمر! تم نئے، نئے لباس پہنتے رہو، قابل تعریف زندگی بسر کرو، شہادت کی موت میسر آئے، اللہ تعالیٰ تمہیں ایسی نعمتوں سے نوازے جن سے دنیا وآخرت میں تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔

عمامۂ مبارک

تاجدار دو عالم ﷺ نورانی عمامہ زیب سر فرمایا کرتے تھے، جب آپ مکہ میں فاتحانہ شان و شوکت سے داخل ہوئے تو آپ عمامہ ہی باندھے ہوئے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عمامہ کس طرح باندھتے تھے، آپ نے بتایا کہ آقا ﷺ، گول، پیچ دار عمامہ باندھتے تھے ''وَکَانَ یُدِیْرُ کُوْرَ الْعِمَامَۃِ عَلٰی رَأْسِہٖ یَغْرِزُھَا'' اور بالائی شملہ پیچھے کی طرف ہوتا تھا جب کہ ایک شملہ کندھوں کے درمیان سے نیچے ہوتا تھا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک سریہ کا امیر بنایا، آپ مہم پر روانگی سے پہلے آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر

ہوئے، اس وقت آپ کھڈی کے کپڑے کا عمامہ باندھے ہوئے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے کھولا، پھر خود ان کی دستار بندی فرمائی، اور شملہ چار انگل یا ایک بالشت رکھا، پھر فرمایا "ھٰکَذَا فَاعْتَمَّ یَابْنَ عَوْفٍ فَاِنَّہٗ اَعْرَبُ وَاَحْسَنُ" اے ابن عوف! اس طرح عمامہ باندھا کرو، کہ یہ زیادہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، کہ غزوۂ خندق کے موقع پر میں نے ایک آدمی کو دیکھا جو حضرت دحیہ کلبی کی طرح تھا، وہ ایک جانور پر سوار تھا اور آقا ﷺ سے سرگوشی کر رہا تھا، اس نے عمامہ باندھا ہوا تھا، جس کا شملہ پیچھے لٹک رہا تھا، میں نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ شخص کون تھا، آپ نے بتایا، یہ جبرئیل تھے، جو اللہ کا حکم لے کر حاضر ہوئے تھے، کہ میں بنی قریظہ پر حملہ کرنے جاؤں۔

عباد بن حمزہ کی روایت ہے کہ جو فرشتے معرکۂ بدر میں نازل ہوئے تھے وہ زرد رنگ کے عمامے باندھے ہوئے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: "عَلَیْکُمْ بِالْعَمَآئِمِ فَاِنَّھَا سِیْمَآءُ الْمَلٰٓئِکَۃِ وَاَرْخُوْھَا خَلْفَ ظُھُوْرِکُمْ" عمامے باندھا کرو کیونکہ یہ فرشتوں کی علامت ہے اور اس کا شملہ پشتوں پر لٹکایا کرو،

تاج والے دیکھ کر تیرا عمامہ نور کا　　سر جھکاتے ہیں الٰہی بول بالا نور کا

امام غزالی علیہ الرحمہ احیاء العلوم میں اور علامہ ابن قیم علیہ الرحمہ زاد المعاد میں رقمطراز ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "یَلْبَسُ قَلَنْسُوَۃً بِغَیْرِ عَمَامَۃٍ وَیَلْبَسُ الْعَمَامَۃَ بِغَیْرِ قَلَنْسُوَۃٍ" ٹوپی بغیر عمامہ کے پہنتے اور عمامہ بغیر ٹوپی کے زیب سر کیا کرتے تھے، جب کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ٹوپی پر عمامہ باندھا کرتے تھے،

بہرحال عمامہ میرے آقا ﷺ کی سنت مبارکہ ہے، جب کہ ٹوپی بھی سنت ہے، ہمارے دور میں ٹوپی کا عام رواج خلاف سنت ہرگز نہیں اور اگر احتراماً عمامہ کا استعمال نماز اور دیگر اہم تقاریب کے لئے خاص کرلیا جائے تو زیادہ مناسب ہے،

قمیص

ہمارے آقا ﷺ اکثر قمیص اور تہ بند زیب تن فرمایا کرتے تھے جو کبھی عمدہ کپڑے کا نہایت قیمتی ہوا کرتا تھا اور کبھی اس میں پیوند لگے ہوتے تھے، یعنی جیسا بھی لباس ہوتا خوش ہوکر زیب تن فرماتے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔

ابن ماجہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "کَانَ یَلْبَسُ قَمِیْصًا قَصِیْرَ الْیَدَیْنِ

وَالطُّوْلِ'' قمیص پہنا کرتے تھے، کبھی کم آستین والی اور کبھی لمبی آستین والی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آستین ''اِلَی الرُّسْغِ'' پہنچے تک ہوتی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حدیبیہ کے دن، نبی مکرم ﷺ نے سوتی قمیص اور جبہ پہنا ہوا تھا، جبہ روئی کا تھا، نیز ایک چادر اور تلوار تھی۔

آقا ﷺ ''خیرہ'' یعنی یمن کی دھاری دار چادر بہت پسند فرماتے تھے، ایسی اونی چادر بھی آپ نے استعمال فرمائی جس پر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی، آپ کو سفید لباس پسند تھا، آپ کملی بھی بکثرت استعمال فرماتے تھے، بوقت وفات بھی ایک کملی اوڑھے ہوئے تھے، حضرت ابو بردہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک موٹا کمبل اور ایک تہبند دکھاتے ہوئے فرمایا، آقائے کائنات ﷺ کی وفات ان دونوں کپڑوں میں ہوئی تھی،

ابوالشیخ کی روایت ہے کہ رحمت عالم ﷺ، انمار کے اون کا جبہ زیب تن فرمائے ہوئے تھے جو آپ کو بہت پسند تھا، اپنا دست مبارک اس پر پھیرتے اور فرماتے ''اُنْظُرُوْا مَآ اَحْسَنَهٗ'' دیکھو یہ کتنا خوبصورت ہے، اسی مجلس میں ایک اعرابی حاضر تھا وہ بولا ''یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَبْهَا لِیْ'' یہ جبہ مجھے عنایت فرما دیجئے، آقا ﷺ نے جبہ اتارا اور اسے دے دیا (دنیا اور اس کے ساز و سامان کو پسند کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن دنیا کی محبت میں مبتلا ہونا لعنت ہے، اللہ محفوظ رکھے)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا شاہ روم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں سندس کا بنا ہوا ایک جبہ بھیجا، آپ نے اس کو زیب تن فرمایا، غلام اپنے آقا ﷺ کو اس جبہ میں دیکھ کر خوش ہوئے، آپ نے فرمایا، تم اس جبہ کی خوبصورتی پر تعجب کر رہے ہو، بخدا جو رومال جنت میں سعد بن معاذ کو دیئے گئے اس سے بہت زیادہ خوبصورت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جو لباس زیب تن فرما کر وفود سے ملاقات کرتے تھے، اس میں ایک چادر بھی تھی جو حضر موت کی بنی ہوئی تھی اس کی لمبائی چار گز، اور چوڑائی دو گز ایک بالشت تھی،

حضور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار درہم کے عوض ایک شلوار خریدی، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! کیا آپ شلوار بھی پہنتے ہیں، آپ نے فرمایا ''نَعَمْ فِی السَّفَرِ وَالْحَضَرِ وَبِاللَّیْلِ وَالنَّهَارِ فَاِنِّیْ اُمِرْتُ بِالسَّتْرِ فَلَمْ اَجِدْ شَیْئًا اَسْتَرَ مِنْهُ'' ہاں میں اس کو پہنتا ہوں، سفر میں بھی اور حضر میں بھی، رات کو بھی اور دن کو بھی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ستر پوشی کا حکم دیا

ہے، اور شلوار سے زیادہ ستر ڈھانپنے والا کوئی دوسرا کپڑا نہیں،

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا ''كَانَ اَحَبُّ الْاَلْوَانِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُضْرَةُ'' حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسندیدہ ترین رنگ سبز تھا،

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا: ''عَلَيْكُمْ بِالثِّيَابِ الْبِيْضِ فَالْبِسُوْهَا اَحْيَآءَ كُمْ وَكَفِّنُوْا فِيْهَا مَوْتَاكُمْ'' تم سفید کپڑے پہنا کرو، اپنے زندوں کو بھی سفید کپڑے پہناؤ اور اپنے مردوں کو سفید کپڑے کا ہی کفن دو،

حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک صبح میرے آقا ﷺ رونق افروز ہوئے اور آپ سیاہ چادر اوڑھے ہوئے تھے، جو بالوں سے بنی ہوئی تھی،

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ میں بسا اوقات، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑے، کرتہ، چادر، تہبند سب کو زعفران یا ورس سے رنگتی تھی اور آپ یہ لباس زیب تن فرما کر باہر تشریف لے جاتے تھے (ورس، زرد رنگ کی ایک گھاس ہوتی ہے جس سے کپڑے رنگے جاتے ہیں)

نعلین مبارک

آقائے ﷺ کی نعلین شریفین، کورم چمڑے کی ہوتی تھیں، جن میں دو تسمے لگے ہوتے تھے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ کی طرف سے ان نعلین شریفین کو یہ شرف حاصل ہوا کہ معراج کی شب، جب اس نے اپنے محبوب ﷺ کو عرش معلیٰ پر بلایا اور آپ ادباً اپنے جوتے اتارنے لگے تو رب کریم نے آپ کو منع فرمایا اور نعلین مبارکین سمیت عرش پر رونق افروز ہونے کا حکم دیا، کوئی عاشق رسول اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے:

لَدَى الطُّوْرِ مُوْسٰى نُوْدِيَ اخْلَعْ وَاَحْمَدُ
عَلَى الْعَرْشِ لَمْ يُؤْذَنْ بِخَلْعِ نِعَالِهٖ

حضرت موسیٰ کو طور کے قریب آواز آئی کہ نعلین اتار لیجئے: فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى اور محبوب رب العلمین ﷺ کو نعلین مبارکین اتارنے کی اجازت نہ ملی،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سبتہ کے جوتے زیب پا فرماتے تھے یعنی اس چمڑے کے جس پر بال نہیں ہوتے، اور آپ اسی میں وضو فرماتے تھے،

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ شاہ نجاشی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت مبارکہ میں سیاہ رنگ کے موزے بھیجے (جو چمڑے کے تھے) آپ ان کو پہنتے اور ان پر مسح کیا کرتے تھے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آقا ﷺ نے اپنے موزے منگوائے، ایک موزہ پہنا تھا کہ اسی دوران ایک کوا آیا اس نے دوسرا موزہ اٹھایا اور کچھ دور جا کر پھینک دیا، اس میں سے ایک سانپ نکلا، پس آقا ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے "فَلَا يَلْبَسْ خُفَّيْهِ حَتّٰى يَنْفُضَهُمَا" وہ اپنے موزوں کو جھاڑے بغیر نہ پہنے۔

مبارک انگوٹھی

شہنشاہ کائنات ﷺ کی انگوٹھی، چاندی کی بنی ہوئی تھی جس پر "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" کے الفاظ اس ترتیب سے کندہ تھے کہ لفظ مُحَمَّدٌ، نیچے اوپر رَّسُوْلُ اور دونوں سے اوپر اللّٰہِ لکھا ہوا تھا)

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ جب داعی حق ﷺ نے قیصر و کسریٰ کو دعوت نامے ارسال کرنے کا ارادہ فرمایا، تو آپ کو بتایا گیا کہ ان بادشاہوں کے نزدیک کسی مکتوب کی بغیر مہر کوئی اہمیت نہیں، بغیر مہر کے خطوط کو وہ وصول تک نہیں کرتے، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انگوٹھی بنوائی، جس کا نقش یہ تھا "مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" حضرت انس کہتے ہیں کہ اس مبارک انگوٹھی کی چمک مجھے اب بھی نظر آ رہی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے سونے کی انگوٹھی بنوائی، جسے آپ نے صرف تین دن زیب انگشت کیا، آپ اس کے نگینہ کو ہتھیلی کی طرف رکھتے تھے، غلاموں نے بھی اپنے آقا ﷺ کی اتباع میں سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں، ایک روز اللہ کے رسول ﷺ منبر شریف پر رونق افروز ہوئے، آپ نے وہ انگوٹھی اتار کر پھینکی اور فرمایا، بخدا! میں اسے ہرگز نہ پہنوں گا، صحابہ کرام نے بھی آپ کی اتباع کی اور سب نے اپنی انگوٹھیاں اتار دیں، پھر آقا ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آخر دن تک یہ انگوٹھی پہنی، پھر خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس مقدس انگوٹھی کو استعمال کرتے رہے، ان حضرات کے بعد یہ انگوٹھی چھ سال تک خلیفۂ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی زینت بنی رہی، جس سے آپ بذات خود خطوط پر مہر لگاتے تھے، لیکن جب خطوط کی ترسیل کا سلسلہ بہت زیادہ ہو گیا تو آپ نے مہر لگانے کی ذمہ داری ایک انصاری کے سپرد کر دی، ایک روز یہ حضرت بئر اویس نامی کنوئیں پر گئے اور جونہی پانی لینے کے لئے کنوئیں میں ہاتھ ڈالا، انگوٹھی نکل کر غائب ہو گئی، کنوئیں کا سب پانی نکالا گیا، مٹی تک کھدوائی گئی لیکن تلاش بسیار کے باوجود انگوٹھی نہ مل سکی، کہ اللہ کو یہی منظور تھا، انگوٹھی گم ہونے کا نہ صرف حضرت عثمان بلکہ تمام صحابہ کو بے حد صدمہ ہوا، کہ یہ آقا ﷺ کی نشانیوں

میں سے ایک بہترین نشانی تھی جس سے امت محروم ہوگئی۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک انگوٹھی بڑی بابرکت تھی کہ جب تک یہ حاکم وقت کے ہاتھ میں رہی، امت میں اتحاد و اتفاق رہا، اس کے گم ہوتے ہی، انتشار و افتراق اور قتل و غارت کے دور کا آغاز ہوگیا اور جوں جوں زمانہ گزرتا گیا حتیٰ کہ خیر القرون کی تمام مقدس ہستیاں پردہ فرما گئیں، امت ذلت و خواری میں مبتلا ہوتی گئی، جو کچھ تحفظ، حسن کردار، دین کی پابندی اور اچھی عادات و اطوار سے حاصل تھا آج ہم اس سے بھی محروم ہوگئے، اب ہماری جو حالت ہے وہ سب ہی جانتے ہیں، مانتے ہیں، جس سے نجات کے لئے طرح طرح کے ناکام قوانین وضع کرتے، دشمن تک کا سہارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن توبہ اور احکام شرع کے مطابق زندگی بسر کرنے کا خیال تک نہیں آتا، جب کہ کامیابی و کامرانی کا واحد ذریعہ یہی ہے، اللہ توفیق دے، آمین۔

خوشبو کا استعمال

میرے آقا ﷺ نہایت نفاست پسند اور لطیف مزاج تھے لہٰذا آپ کو خوشبو بے حد پسند تھی جس کا استعمال آپ محض اس لئے کرتے تھے کہ اس کا استعمال غلاموں کے لئے سنت اور باعث ثواب ہو جائے، ورنہ آپ کی تو اپنی مہک کا یہ حال تھا کہ جس راستہ سے گزرتے وہ مہک جاتا لوگوں کو پتہ چل جاتا کہ آقا ﷺ یہاں سے گزرے ہیں، آج مدینہ طیبہ کی مہک بتاتی ہے کہ یہ نورانی جسم، خوشبو والے آقا ﷺ کا شہر ہے،

عنبر زمیں عبیر ہوا خشک تر غبار ادنیٰ سی یہ شناخت تیری رہ گزر کی ہے

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سحری کے وقت بیدار ہوتے تو استنجا کرتے، وضو فرماتے اور ازواج مطہرات میں سے جس کے گھر خوشبو ہوتی، منگا کر استعمال فرماتے تھے۔

حضرت ابوخیثمہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، پانچ چیزیں رسولوں کے معمولات میں سے ہیں "اَلْحَیَآءُ وَالْحِلْمُ وَالْحَجَامَۃُ وَالتَّعَطُّرُ وَالسِّوَاکُ" حیاء، حلم، حجامت (پچھنے لگوانا) اور عطر و مسواک استعمال کرنا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام "کَانَ لَایَرُدُّ الطِّیْبَ" خوشبو کا تحفہ کبھی رد نہ فرماتے تھے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: "مَنْ عُرِضَ عَلَیْہِ رَیْحَانٌ فَلَا یَرُدُّہٗ فَاِنَّہٗ خَفِیْفُ الْحَمْلِ طَیِّبُ الرِّیْحِ" جسے پھول پیش کیا جائے وہ اسے واپس نہ کرے کیونکہ اس کا وزن ہلکا

مہک اچھی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین چیزوں کا تحفہ رد کرنے سے منع فرمایا، تکیہ، گھی اور خوشبو۔

محمد بن علی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کون سی خوشبو استعمال فرماتے تھے، آپ نے فرمایا، سب سے بہترین خوشبو "ذَكَاوَةُ الطِّيبِ" استعمال کرتے تھے، میں نے پوچھا ذکاوۃ الطیب کیا ہے، آپ نے بتایا، کستوری اور عنبر۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: "هَلْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْضِبُ" کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خضاب استعمال فرماتے تھے، حضرت انس نے کہا، ہاں آپ حناء اور کتم کا خضاب استعمال فرماتے تھے، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صرف چند بال سفید تھے، نیز حضرت انس نے بتایا کہ حضرات ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما بھی حنا اور کتم کا بنا ہوا خضاب استعمال کیا کرتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، سفر یا حضر میں، پانچ چیزیں ترک نہ فرماتے تھے، آئینہ، سرمہ دانی، کنگھی، تیل اور مسواک۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آقا ﷺ رات کو استراحت سے پہلے، مسواک کرتے، وضو فرماتے اور بالوں میں کنگھی کیا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب آئینہ میں اپنا چہرۂ انور ملاحظہ فرماتے تو دعا کیا کرتے تھے: "اَللّٰهُمَّ حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ وَاَوْسِعْ عَلَيَّ فِيْ رِزْقِيْ" اے اللہ! تو نے میری ظاہری صورت کو حسین بنایا، پس میرے اخلاق کو بھی حسین بنا دے، اور میرا رزق میرے لئے وسیع فرما دے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سیاہ سرمہ تھا، جب رات کو آپ آرام فرماتے تو پہلے تین تین سلائی سرمہ دونوں آنکھوں میں لگاتے تھے۔

سازوسامان

آقائے کائنات ﷺ جن کو اللہ نے اپنے خزانوں کی کنجیوں کا مالک بنایا تھا، اور جو غریبوں کے حاجت روا، بے سہاروں کا سہارا ہیں، جن کے در سے آج بھی بھکاری مالا مال ہوتے ہیں "اَنَا قَاسِمٌ وَّاللّٰهُ يُعْطِيْ" جن کی شان ہے، وہ آقا ﷺ خود نہایت سادہ زندگی بسر فرماتے اور امت کو سادگی،

اپنانے کی تعلیم دیتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ان کے پاس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کچھ تبرکات تھے، جن میں ایک چارپائی تھی، عصا مبارک، پیالہ، کھجور کے پتوں سے بھرا ہوا تکیہ، چادر اور کجاوہ تھا، جب قریش کے کچھ لوگ آپ سے ملاقات کے لئے آئے، تو آپ نے ان چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ''هٰذَا مِيْرَاثُ مَنْ اَكْرَمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ وَاَعَزَّكُمْ بِهٖ وَفَعَلَ وَفَعَلَ'' یہ اس عظیم ہستی کی میراث ہے، جس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکرم و معزز کیا اور جس کے صدقہ میں اللہ نے تمہیں ایسی ایسی عزت سے نوازا۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، کہ قریش مکہ سونے کے لئے چارپائی استعمال کیا کرتے تھے جب اللہ کے رسول ﷺ مدینہ تشریف فرما ہوئے، تو آپ نے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا تمہارے یہاں چارپائی نہیں ہے، انہوں نے عرض کی، یا رسول اللہ! چارپائی تو نہیں ہے، جب اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں چارپائی پیش کی جس کی پٹیاں اور پائے سوگوان کے بنے ہوئے تھے، اسی چارپائی پر آقا ﷺ کا وصال ہوا، آپ کے بعد، صحابہ کرام اس چارپائی کو اپنے مردوں کے لئے استعمال کرنے لگے، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کو دفن کرنے کے لئے اسی چارپائی پر لے جایا گیا، تاکہ اللہ کے رسول ﷺ کی برکت سے مردوں کی مغفرت یقینی ہو جائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سب گھریلو سامان حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں تھا، جو آپ نے ایک کمرے میں محفوظ کر رکھا تھا، بیرون ملک سے جو وفود آتے آپ انہیں اس کمرے میں تبرکات کی زیارت کے لئے لے جاتے اور فرماتے ''هٰذَا مِيْرَاثُ مَنْ اَكْرَمَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ وَاَعَزَّكُمْ بِهٖ'' یہ اس ذات گرامی کی میراث ہے جس کی نسبت کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہیں مکرم و محترم بنایا۔

کمرے میں محفوظ ان تبرکات میں یہ اشیاء تھیں، چارپائی جو کھردرے بانوں سے بنی ہوئی تھی، چمڑے کی گدی جو کھجور کے پتوں سے بھری ہوئی تھی، ایک بڑا پیالہ، ایک گلاس، چکی، ترکش، جس میں تیر تھے، ایک اونی کپڑا، جس میں آقا ﷺ کے معطر پسینہ کے نشانات تھے، ایک شخص بیمار ہو گیا، لوگوں نے خلیفہ سے درخواست کی کہ ان کپڑوں کی دھون مریض کے لئے عنایت کی جائے، حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی اجازت سے اس پانی کے چند قطرے مریض کی ناک میں ٹپکائے گئے اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے اس کو شفا بخشی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ وہ کجاوہ جس پر آقائے کائنات ﷺ نے حج کیا، نہایت پرانا تھا، وہ جس لکڑی سے بنایا گیا تھا اس کی قیمت چار درہم بھی نہ تھی، اللہ کے رسول ﷺ، سفر حج کے لئے جب اس پر سوار ہوئے، تو آپ نے دعا کی "اَللّٰھُمَّ حَجَّۃً لَّارِیَآءَ فِیْھَا وَلَا سُمْعَۃَ" اے اللہ! اس حج کو ایسا حج بنا دے جس میں نہ ریاء ہو اور نہ خواہش شہرت۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت سلمان فارسی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت امیر المومنین، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، آپ نے وہ تکیہ مبارک حضرت سلمان کو پیش کر دیا، اس پر حضرت سلمان کی زبان سے بے ساختہ نکلا "اَللّٰہُ اَکْبَرُ صَدَقَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ" اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ اور اس کے رسول نے سچ فرمایا، حضرت عمر نے کہا، سلمان! جو حدیث تمہیں یاد آئی ہے مجھے بھی سناؤ، پس حضرت سلمان نے بتایا، کہ ایک روز میں آقا ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ اسی تکیہ سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، آپ نے یہ تکیہ مجھے دیتے ہوئے فرمایا "یَا سَلْمَانُ مَا مِنْ مُّسْلِمٍ یَدْخُلُ عَلٰی اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ وَیُلْقِیْ لَہٗ وَسَادَۃً اِکْرَامًا لَّہٗ اِلَّا غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ" سلمان! جب بھی کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس آئے، اور وہ احتراماً اس کو اپنا تکیہ پیش کر دے، تو اللہ اس کے گناہوں کو بخش دیتا ہے،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک روز اپنی صاحبزادی، ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، سب سے نرم و گداز بستر کون سا تھا جو تم نے اپنے آقا ﷺ کے لئے بچھایا، آپ نے بتایا، ہمیں خیبر کے مال غنیمت سے ایک چادر ملی تھی، وہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بستر پر بچھا دیا کرتی تھی، ایک رات میں نے وہ چادر دوہری بچھا دی، صبح، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا، حفصہ! آج رات تم نے کیا بستر بچھایا تھا، حفصہ عرض گزار ہوئیں، یا رسول اللہ! میں نے صرف چادر دوہری کر دی تھی، آپ نے فرمایا، تم جیسے بستر بچھاتی تھی ویسے ہی بچھایا کرو، کہ یہ چادر میری شب بیداری میں مخل ہوئی۔

وسیلۂ نصرتِ حق کے پیمبر کی اطاعت ہے　　شفاعت اس کا حصہ ہے جسے حق پر قناعت ہے

ظروف مقدسہ

بروایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، مندرجہ ذیل برتن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملکیت تھے۔

ایک پیالہ جس کا نام "ریان" تھا، ایک پیالہ جس کا نام "معیش" تھا، ایک چاندی کی زنجیر چڑھا پیالہ، یہ زنجیر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے چڑھائی تھی، ایک بڑا پیالہ جس کا نام "غراء" تھا، اس کے چار کنڈے تھے یہ اتنا وزنی تھا کہ چار آدمی اسے بمشکل اٹھا پاتے تھے، ایک پیالہ شیشہ کا، جو مصر کے بادشاہ

مقوقس نے تحفۃً بھیجا تھا، آقا ﷺ اس میں پانی نوش فرماتے تھے، ایک پیالہ جو مٹی کا تھا، پتھر کا ایک ڈول، جسے "مخضب" کہا جاتا تھا، چمڑے کی ایک مشک، جس کا نام "سادرہ" رکھا گیا تھا، ایک چوکور برتن تھا، جس میں آئینہ اور کنگھی وغیرہ رکھی جاتی تھی، ایک کنگھی، ہاتھی دانت کی، ایک سرمہ دانی، ایک قینچی، ایک مسواک اور ایک صاع اور مُد کا پیمانہ تھا۔

اسلحہ فاتحہ

ایمان، جان و مال کی حفاظت کے لئے، اسلحہ رکھنا، اللہ کا حکم، انبیاء و مرسلین، صحابہ و مجاہدین اور صالحین کی سنت ہے، پس ہمارے آقا ﷺ نے اس کو ہمارے لئے سنت اور ذریعہ ثواب بنایا۔

سید المجاہدین ﷺ کے اسلحہ خانہ میں متعدد، تیر کمان، تلواریں اور زرہیں ہوا کرتی تھیں، سفر جنگ پر روانگی سے پہلے ان کی صفائی کی جاتی اور یہ کام ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سپرد تھا، محدثین نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلواروں، تیروں اور زرہوں کی تاریخ، تعداد بیان کی اور ان کے نام لکھے ہیں، تلواروں کی تعداد گیارہ تھی جب کہ زرہیں سات تھیں، چھ کمانیں اور دس نیزے تھے، سب کے علیحدہ علیحدہ نام تھے، چند نام مختصر تعارف کے ساتھ درج ذیل ہیں۔

المأثور

یہ آپ کے والد ماجد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی تلوار تھی جو آپ کو وراثت میں ملی تھی، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مدینہ تشریف لائے تو یہ آپ کے ہمراہ تھی۔

ذوالفقار

یہ غزوۂ بدر کی غنیمت سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ملی تھی، اس کا دستہ چاندی کا تھا۔

عضب

جب اللہ کے رسول ﷺ غزوۂ بدر کے لئے روانہ ہونے لگے، تو یہ تلوار آپ کو حضرت سعد بن عبادہ نے پیش کی۔

صمصامۃ

یہ عرب کی مشہور تلواروں میں ایک تھی، جو نامور پہلوان عمرو بن معدیکرب الزبیدی کی تھی، خالد بن سعید اموی نے اسے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کیا آپ اکثر اسی کو استعمال فرماتے تھے۔

النبعہ البیضاء

یہ ایک بڑا نیزہ تھا، اللہ کے رسول ﷺ جب نماز عید کے لئے مدینہ منورہ سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ نیزہ بطور سترہ آپ کے سامنے گاڑ دیا جاتا تھا۔

السغدیہ

یہ وہ زرہ ہے جو حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام، جالوت کو قتل کرتے وقت زیب تن کیے ہوئے تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ زرہ بنو قینقاع کے اسلحہ کے ذخیرہ سے ملی تھی۔

ذات الفضول

یہ ایک لمبی زرہ تھی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غزوہ بدر کے لئے روانگی کے وقت حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے پیش کی تھی، یہی زرہ ہے جو ایک موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تیس صاع کے عوض ابی شحم یہودی کے پاس رہن رکھی تھی۔

السبوغ

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خود تھا، یہی خود تھا جسے شہنشاہ عالم ﷺ نے فاتحانہ شان وشوکت سے مکہ میں داخل ہوتے وقت پہنا ہوا تھا،

الفتق

یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ڈھال تھی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ اس ڈھال پر مینڈھے اور عقاب کی تصویریں بنی ہوئی تھیں جنہیں دیکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ تصویریں خود بخود مٹ گئیں، جس پر آپ نے اظہار مسرت کیا۔

علم

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جھنڈے مختلف رنگوں کے تھے، سفید، سیاہ، خاکی، زرد۔

گھوڑے

آقائے رحمت ﷺ اگرچہ تمام جانوروں سے محبت کیا کرتے تھے لیکن آپ کو سب سے زیادہ پسند گھوڑے تھے، اسی لئے آپ ان کی عزت کرتے، ان کے بارے میں وصیت فرماتے اور اچھا گھوڑا دیکھ کر اظہار مسرت کیا کرتے تھے، آپ نے گھوڑوں کی پیشانی اور دم کے بال کاٹنے سے منع فرمایا، جو

گھوڑوں کی خوبصورتی ہیں۔

ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں گھوڑا پیش کیا گیا، آپ نے گھوڑے کی آنکھوں، نتھنوں اور چہرے کو اپنی آستین سے صاف فرمایا، کسی نے عرض کیا، یا رسول اللہ! آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں، آپ نے فرمایا ابھی ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے گھوڑوں کے بارے میں عتاب کیا ہے،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے فرمایا: ''اَلْخَیْلُ مَعْقُوْدٌ فِیْ نَوَاصِیْهَا الْخَیْرُ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ'' اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے خیر و برکت رکھ دی ہے،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلْخَیْلُ لِثَلَاثَةٍ وَلِرَجُلٍ اَجْرٌ وَلِرَجُلٍ سَتْرٌ وَعَلٰی رَجُلٍ وِزْرٌ'' گھوڑوں کی تین قسمیں ہیں، ایک گھوڑا مالک کے لئے اجر ہوتا ہے، ایک مالک کے لئے ستر ہوتا ہے اور ایک گھوڑا اپنے مالک کے لئے بوجھ ہوتا ہے،

پھر معلم کامل ﷺ نے خود ہی اپنے ارشاد عالی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا، پہلا شخص وہ ہے جو گھوڑے کو ''رَبَطَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ'' اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے پالتا ہے اسے چراگاہ میں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ خوب چرتا ہے، وہ اس کی خوب خدمت کرتا ہے وہ اس پر فراخدلی سے خرچ کرتا ہے، اللہ اسے اجر عطا فرماتا ہے، دوسرا شخص وہ ہے جو اپنے پاس گھوڑے رکھتا ہے تاکہ اسے روزمرہ کے کام مین استعمال کرے، وہ اس پر خرچ کرتا اور اس کی خدمت کرتا ہے، لیکن اس گھوڑے میں اللہ کا جو حق ہے وہ اسے نہیں بھولتا، پس یہ گھوڑا اپنے مالک کے لئے ستر یعنی پردہ بن جاتا ہے، اور جو شخص صرف بڑائی ظاہر کرنے کے لئے گھوڑا پالتا ہے وہ اس پر ناز کرتا اور تکبر کا اظہار کرتا ہے وہ گھوڑا اس کے لئے بوجھ بن جاتا ہے۔

جن گھوڑوں کو اللہ کے رسول ﷺ سے نسبت کا شرف حاصل ہوا ان کی کل تعداد چھبیس ہے، جن میں سات گھوڑے بالیقین اور باتفاق علماء آقا ﷺ کی ملکیت تھے، جن پر آپ نے سواری فرمائی، ان میں کچھ آپ کے خریدے ہوئے تھے اور کچھ، رؤساء و امراء اور بادشاہوں نے آپ کو تحفۃً پیش کیے تھے، ان گھوڑوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

السکب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ گھوڑا بنی فرازہ کے ایک شخص سے مدینہ طیبہ کے بازار میں بعوض دس اوقیہ چاندی خریدا، آقا ﷺ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر غزوۂ احد میں شریک ہوئے اور آپ اکثر اسی پر سواری فرماتے تھے، اس کی پیشانی پر سفید نشان تھا جب کہ چاروں پیر بھی سفید تھے، اس کا رنگ

مشکی تھا، یہ نہایت تیز رفتار تھا، اس لئے اس کو سکب کہا گیا۔

سبحہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سوار ہو کر، گھوڑوں کی دوڑ میں شرکت فرماتے تھے، یہ گھوڑا سب پر بازی لے جاتا تھا، جس سے آقا ﷺ کو بہت خوشی ہوتی تھی، اس کا رنگ سرخ تھا، آپ نے اسے دس اونٹوں کے عوض خریدا تھا۔

مرتجز

اس گھوڑے کی آواز بہت دلکش تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بہت پسند تھی، آپ نے اسے ایک اعرابی سے خریدا تھا۔

لزاز

یہ گھوڑا، مقوقس شاہ مصر نے بطور ہدیہ بارگاہ رسالت میں پیش کیا تھا، آقا ﷺ کو یہ بہت پسند تھا آپ غزوات کے موقع پر اکثر اسی کو استعمال فرماتے تھے۔

الظرب

یہ تمام گھوڑے سے اعلیٰ ترین اور نفیس ترین تھا، فردہ بن عمرو الجذامی نے بطور ہدیہ بارگاہ عالی میں پیش کیا تھا۔

لحیف

اس کی دم بہت لمبی تھی یہاں تک کہ وہ زمین کو ڈھانپ لیتا تھا، ربیعہ بن ابی براء نے تحفۃً پیش کیا تھا۔

الورد

یہ سرخ رنگ کا گھوڑا تھا، تمیم الداری نے تحفۃً پیش کیا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ گھوڑا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا، انہوں نے ایک مجاہد کو فی سبیل اللہ دے دیا۔

جانِ عالم ﷺ کی عادات

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ (آل عمران:159)

''پس اللہ ہی کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ان کے لئے اور اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے''۔

اچھے اخلاق اور بہترین عادات ہی انسان کی عظمت کا نشان ہوتے ہیں، یہی وہ اقدار ہیں جو انسان کو برتری اور دوسروں کی رہبری و رہنمائی اور قیادت کا اہل بناتے ہیں، انبیاء و رسل علیہم السلام جنہیں رب کی طرف سے انسانیت کی قیادت کا منصب سونپا گیا، انہوں نے اپنے ماننے والوں کو بہترین عادات و اطوار اپنانے ہی کی تعلیم دی، جب کہ ان کے ماننے والوں نے انہیں (العیاذ باللہ) بد اخلاق اور بد اطوار قرار دیا، ظالموں نے انہیں اپنے لئے وسیلہ نجات تو سمجھا لیکن ان کی کردار کشی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔

معلم اخلاق ﷺ، جس طرح اپنے دیگر خصائص و کمالات میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں اسی طرح آپ اپنے اچھے اخلاق اور بہترین عادات میں ساری مخلوق پر سبقت و فضیلت رکھتے ہیں، تاریخ گواہ ہے کہ آپ کی بعثت جس معاشرے میں ہوئی اس کا ہر فرد بدکرداری اور بدمعاشی کا مجسمہ تھا لیکن آپ نے اپنے اعلیٰ کردار ہی کے سبب ان بد اطوار لوگوں سے اپنے آپ کو ''امین و صادق'' کہلوایا، اور چند ہی روز میں اپنے عمل و کردار اور تعلیم و تربیت کے ذریعے اس معاشرے کی کایا ہی پلٹ دی جو بدعنوانی و بدکرداری اور ظلم و ستم کا معاشرہ تھا، جس کے افراد، جھوٹ، چوری، ڈکیتی، شراب، جوا اور ان جیسے تمام جرائم میں ملوث تھے، جو ماں کو بیوی بنا کر اور بیٹی کو زندہ دفن کر کے فخر کرتے تھے، جن میں محبت و الفت، باہمی میل جول، عزت و احترام اور حقوق کی ادائیگی کا تصور تک نہ تھا، جنگ و جدل ان کی عادت تھی، ان کے درمیان ہر وقت انتقام کی آگ بھڑکتی رہتی تھی،

معلم اخلاق ﷺ کے بے داغ کردار کو ان میں سے جن لوگوں نے دیکھا اور آپ کی اعلیٰ تعلیم و تربیت پر غور کیا وہ آپ کی پرکشش شخصیت سے متاثر ہوئے، اور آپ کے گرویدہ ہو گئے، جان نثار غلام بن گئے، ان کی گرویدگی اور جان نثاری کا سبب آقائے رحمت ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی کے سوا کچھ نہ تھا، اللہ رب العزت جل مجدہ کا ارشاد ہے،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ

''پس اللہ ہی کی رحمت سے آپ نرم ہو گئے ان کے لئے اور اگر آپ تند مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے آس پاس سے منتشر ہو جاتے''۔

نیز آپ کی خوش خلقی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا:

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ (القلم)

''اور بے شک آپ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں''۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے خلق عظیم کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ'' کہ آپ کا خلق عظیم قرآن کریم کے عین مطابق تھا، یعنی میرے آقا ﷺ کی عادات و اطوار قرآن کریم کی عملی تفسیر تھے، جو رب نے فرمایا، محبوب رب نے کر کے دکھایا، تا کہ ہم غلاموں کے لئے عمل کرنا آسان ہو جائے،

آقائے رحمت ﷺ فرماتے ہیں ''اَمَرَنِيْ رَبِّيْ بِتِسْعٍ'' مجھے میرے رب نے نو عادتیں اختیار کرنے کا حکم دیا ہے،

اَلْاِخْلَاصُ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ وَالْعَدْلُ فِي الرِّضَا وَالْغَضَبِ وَالْقَصْدُ فِي الْغِنٰى وَالْفَقْرِ وَاَنْ اَعْفُوَ عَمَّنْ ظَلَمَنِيْ وَاَنْ اَصِلَ مَنْ قَطَعَنِيْ وَاَنْ اُعْطِيَ مَنْ حَرَمَنِيْ وَاَنْ يَّكُوْنَ نُطْقِيْ ذِكْرًا وَصَمْتِيْ فِكْرًا وَنَظَرِيْ عِبْرَةً

''ظاہر و باطن میں اخلاص اپنانے کا، خوشی اور ناراضگی دونوں حالتوں میں عدل کرنے کا، خوشحالی اور تنگدستی دونوں حالتوں میں میانہ روی کا، اور جو مجھ پر ظلم کرے میں اسے معاف کر دوں، اور جو مجھ سے قطع تعلق کرے میں اس سے صلہ رحمی کروں، اور جو میرا محروم کرے میں اسے دوں، اور میری زبان گویا ہو تو ذکر الٰہی سے، اور بحالت خاموشی، میں آیات قدرت میں غور و فکر کرتا رہوں، اور مجھے دیکھنا باعث عبرت ہو''۔

یہ تو ممکن ہی نہیں کہ پیکر خلق جمیل ﷺ کے اخلاق و عادات اور اطوار حسنہ و جمیلہ کو کما حقہ بیان کیا جا سکے، کیونکہ:

خُلِقْتَ مُبَرَّءً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ ۔ كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقْتَ كَمَا تَشَآءُ

یارسول اللہ ﷺ، آپ ہر عیب و نقص سے پاک پیدا کیے گئے ہیں گویا آپ ایسے ہی پیدا کیے

گئے جیسے حسین وجمیل پیدا ہونا چاہتے تھے،

اور علامہ بوصیری علیہ الرحمہ آقا ﷺ کے اخلاق حسنہ کے متعلق عرض کرتے ہیں،

مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِيْكٍ فِيْ مَحَاسِنِهٖ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِيْهِ غَيْرُ مُنْقَسِمٖ

آپ اپنی خوبیوں میں یکتا ہیں، محاسن میں آپ کا کوئی شریک ہی نہیں کہ آپ کا جوہر حسن ناقابل تقسیم ہے،

نیز اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی رحمہ اللہ عرض کرتے ہیں،

تیری خَلق کو حق نے جمیل کیا تیرے خُلق کو حق نے عظیم کہا
نہ ہوا ہے نہ ہو کوئی مثل ترا تیرے خالق حسن و ادا کی قسم

آقائے رحمت ﷺ جملہ اخلاق حسنہ اور عادات جمیلہ کے جامع ہیں، حلم وعفو، رحم وکرم، عدل و انصاف، جود وسخا، ایثار وقربانی، مہمان نوازی، عدم تشدد، ایفائے عہد، حسن معاملہ، صبر وقناعت، نرم گفتاری، خوشروئی، ملنساری، غم خواری، سادگی و بے تکلفی، تواضع وانکساری، حیاداری، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، سب سے محبت والفت، پابندیٔ وقت، غریبوں اور کمزوروں کی مدد، شستہ کلام غرضیکہ آپ نہایت ہی رؤف ورحیم تھے۔

اپنے آقا ﷺ کی بے شمار خوبیوں اور کمالات میں سے چند کو اپنی استعداد کے مطابق بیان کرنے کی ہم سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

عفو اور حلم

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۹﴾ (الاعراف)

"معافی کی درخواست قبول فرمائیے، نیکی کا حکم دیجئے، اور جاہلوں کی طرف سے رخ انور پھیر لیجئے"۔

عفو اور حلم، اخلاق حسنہ کی وہ بنیادی خوبیاں ہیں جنہیں "اُم الاخلاق" کہا جائے تو غلط نہ ہوگا، کہ جس انسان میں دوسروں کی غلطیاں معاف کردینے اور جاہلوں، احمقوں کی بیہودہ گوئی، طعنہ زنی کے تیر برداشت کرنے کا ملکہ ہوتا ہے، وہ ہر قسم کی بداخلاقی، بری عادتوں اور عیوب سے محفوظ رہتا ہے، میرے آقا ﷺ میں یہ دو خوبیاں جس کمال کے ساتھ موجود تھیں اس کا اندازہ کرنے کے لئے درج ذیل چند واقعات ملاحظہ ہوں،

غزوۂ احد، آقائے رحمت ﷺ کا چہرۂ انور زخمی ہے، دندان مبارک شہید ہو چکے، اپنے آقا ﷺ کی یہ حالت غلاموں سے برداشت نہ ہوئی، شدت غم کا اظہار کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں "یا

رسول اللہ! اگر آپ ان ظالموں کے لئے بددعا کردیں تو اللہ کا عذاب انہیں نیست و نابود کر ڈالے گا''
آقائے رحمت ﷺ جواب دیتے اور دعا کرتے ہیں'' اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا وَلٰکِنِّیْ بُعِثْتُ دَاعِیًا وَرَحْمَۃً اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ '' میں لعنت (بددعا) کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا، اللہ نے مجھے داعی حق اور سراپا رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے، اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے کہ وہ مجھے پہچانتے نہیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک بے شرم عورت جو مردوں سے بیہودہ اور بے حیائی کی باتیں کرنے کی عادی تھی، ایک روز اللہ کے رسول ﷺ ایک چٹان پر بیٹھے ثرید تناول فرما رہے تھے وہ عورت آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی تم غلاموں کی طرح بیٹھے کھا رہے ہو، پیکر عفو حلم نے فرمایا'' اَیُّ عَبْدٍ اَعْبَدُ مِنِّیْ '' مجھ سے بڑھ کر عبد و غلام کون ہوسکتا ہے، وہ کہنے لگی، خود ہی کھا رہے ہو مجھے کھانے کو نہیں کہتے، آپ نے فرمایا، تم بھی کھاؤ، کہنے لگی، اپنے ہاتھ سے دو تو کھاؤں گی، آپ نے اسے ثرید دی، وہ بولی، یہ نہیں جو آپ کے منہ میں ہے وہ دیجئے (قوت برداشت ملاحظہ ہو) آپ نے اپنے منہ سے نکال کر ایک ٹکڑا دیا، جو اس نے کھایا، اس بابرکت نوالہ کے اثر سے وہ عورت ہمیشہ کے لئے سدھر گئی، اب نہ اس کی بے حیائی کی باتیں رہیں اور نہ بیہودہ حرکتیں،

زہر کھلانے والی یہودیہ کو آپ نے معاف کر دیا، لبید بن اعصم یہودی نے جادو کیا، میرے آقا ﷺ نے اسے معاف کر دیا، مشرکین نے آپ پر اور آپ کے غلاموں پر جو ظلم ڈھائے، جو اذیتیں پہنچائیں اہل علم ان دردناک داستانوں سے بخوبی واقف ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن، قوت و غلبہ حاصل ہونے کے باوجود بھی ان ظالموں کو معاف کر دیا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْھَبُوْا وَاَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ '' درحقیقت یہ، قیامت تک آنے والے ان تمام حکام و قائدین کے لئے پیغام تھا جو دنیا سے ظلم و ستم اور دہشت گردی کو ختم کرنا چاہتے ہیں، کہ ظلم، ظلم سے یا انتقام سے کبھی ختم نہیں ہوتا، اس سے نجات کا واحد ذریعہ عفو ہے، درگزر ہے،

سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے ستم سہہ کر دعائیں دیں

شان جود و کرم

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: '' اَلَا اُخْبِرُکُمْ عَنِ الْاَجْوَدِ، اَللّٰہُ الْاَجْوَدُ، وَاَنَا اَجْوَدُ وُلْدِ اٰدَمَ '' کیا میں نہ بتاؤں کہ سب سے زیادہ سخی کون

ہے، فرمایا، اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ کریم ہے، اور اولاد آدم میں سب سے زیادہ سخی میں ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ”اگر میرے پاس تہامہ پہاڑوں کے برابر سونا ہوتا تو وہ سب میں تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا“ وَلَا تَجِدُوْنِیْ كَذُوْبًا وَلَا بَخِيلًا“ اور مجھے نہ جھوٹا پاتے اور نہ ہی بخیل (یعنی میں ضرور ایسا ہی کرتا)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام ”لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ“ کوئی چیز کل کے لئے جمع نہ کرتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص نے آقائے رحمت ﷺ کے سامنے دست سوال دراز کیا تو آپ کے دست جود وسخا نے، منگتے کو نوازا اور خوب نوازا، اتنی بکریاں عطا فرمائیں جن سے دو پہاڑوں کے درمیان کی وادی بھر گئی، وہ شخص خوشی ومسرت میں مست اپنے وطن پہنچا اور اس نے اپنی قوم سے کہا،

اَسْلِمُوْا فَاِنَّ مُحَمَّدًا يُعْطِىْ عَطَاءَ مَنْ لَا يَخْشَى الْفَاقَةَ

اسلام قبول کرلو، کہ محمد ﷺ جب کسی کو دیتے ہیں تو اسے فقر وفاقہ کا اندیشہ نہیں رہتا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے بتایا: ”مَاسُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بِشَيْئٍ وَقَالَ لَا“ جب بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کوئی چیز مانگی گئی، آپ نے کبھی ”نہیں“ نہ فرمایا،

پیکر جود وسخا ﷺ کی شان سخاوت کو فرزدق شاعر نے بڑے ہی پیارے اور انوکھے انداز سے بیان کیا،

مَا قَالَ لَا اِلَّا فِىْ تَشَهُّدِهٖ لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهٗ نَعَمْ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوائے تشہد کے کبھی ”لا“ نہ کہا، اگر تشہد نہ ہوتا، تو پھر آپ کا ”لا“ بھی ”نعم“ ہی ہوتا،

علامہ فیض الحسن سہارنپوری علیہ الرحمہ پیکر حسن وجمال ﷺ کے شمائل مقدسہ کو بیان کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

جَوَادٌ كَرِيْمٌ لَا يَخِيْبُ سَائِلَهٗ وَكُلٌّ لَهٗ فِىْ مَا يُرِيْدُ مُصِيْحٌ

آقائے رحمت ﷺ فیاض اور سخی ہیں، کسی سائل کو مایوس نہیں کرتے، اس کی ہر امید پوری ہوتی ہے،

يَجُوْدُ لَنَا مِنْ ظَهْرِ غَيْبٍ فَنَرْتَجِيْ كَمَا تَرْتَجِى الْاُمُّ الْعُطُوْفُ فُرُوْجُ

آپ دست غیب سے ہم پر سخاوت کرتے رہتے ہیں تو ہم آپ سے اس طرح آس لگائے رہتے

جس طرح چڑیا کے بچے اپنی ماں سے لو لگائے ہوتے ہیں۔
مداح رسول امام اہلسنت مولانا الشاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ عرض گزار ہیں۔

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا موج بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

اَنَا فِیْ عَطَشٍ وَّ سَخَاکَ اَتَمّ اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

شان شجاعت وقوت

میرے آقا ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ، ایسے خطرناک، ہیبت ناک حالات و واقعات سے لبریز ہے جن کا مقابلہ کرنا شجاعت وطاقت کے دعویداروں اور بڑے بڑے سورماؤں کے بس کی بات نہیں لیکن سیرت مبارکہ کے کسی ایک واقعہ سے بھی ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کسی موقع پر بھی خوفزدہ، برافروختہ یا پریشان حال نظر آئے ہوں یا آپ کے پائے استقلال واستقامت میں کبھی بھی جنبش ہوئی ہو، آپ نے ہمیشہ نہایت شجاعت و بہادری کے ساتھ ہر طوفان کا مقابلہ کیا، نہایت قوت وطاقت سے مصائب وآلام کی چٹانوں کو ریزہ ریزہ کیا، قارئین ان تمام واقعات کا گزشتہ اوراق میں مطالعہ کر چکے ہیں یہاں ان واقعات میں سے چند کی طرف اشارہ ہی کافی ہوگا۔

اعلان نبوت کے بعد مکی زندگی کے پندرہ سال کے شب و روز مصائب وآلام کے دن نظر آتے ہیں، خصوصاً شعب ابی طالب میں محصوری کی تین سالہ مدت لیکن کہیں اشارہ تک نہیں ملتا کہ آپ کے عزائم میں پستی یا تذبذب پیدا ہوا ہو۔

ہجرت کا مرحلہ نہایت ہی دقت طلب اور تکلیف دہ تھا بالخصوص غار ثور میں قیام اور وہ وقت جب دشمن غار کے منہ پر آپہنچا، لیکن جب یار غار نے خوفزدہ ہوتے ہوئے اپنے آقا ﷺ کو دشمن کی طرف متوجہ کرنا چاہا، تو نہایت ہی اطمینان کے ساتھ جواب دیا گیا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا غم نہ کرو بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

مکہ چھوڑ کر مدینہ پہنچنے کے بعد یہ توقع بجا تھی کہ ظلم وستم کے ماحول سے آزاد ہو کر سکون واطمینان کے ساتھ نبوت کی ذمہ داریوں کو پورا کیا جاسکے گا، لیکن یہاں داخلی وخارجی مسائل کا ایک طوفان سامنے نظر آیا۔

خارجی طور پر، ہجرت کے دوسرے برس سے ہی اہل مکہ نے مدینہ منورہ پر حملوں کا آغاز کر دیا، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ تبوک وحنین وغیرہ کے علاوہ ہر روز دہشت گردی، لوٹ مار کے واقعات پیش آئے، میرے آقا ﷺ نے جس استقلال واستقامت اور شجاعت و بہادری کے ساتھ روزمرہ کے

ان طوفانوں کا مقابلہ کیا اس کی نظیر وقت کا کوئی سورما اور ہٹلر پیش نہ کر سکا اور نہ ہی میرے آقا ﷺ جیسی شجاعت وقوت والا کوئی پیدا ہو سکتا ہے۔

غزوات میں سب سے بڑا خطرہ غزوۂ احد میں پیش آیا، جب آپ کا چہرۂ مبارک زخموں سے چور ہوا، دندان مبارک شہید ہوئے، مزید برآں یہ افواہ پھیلا دی گئی کہ آپ کو شہید کر دیا گیا، نتیجتاً لشکر اسلام تتر بتر ہو گیا، لیکن جو ظلم وستم اور دہشت گردی کو مٹانے اور دنیا میں امن وسکون قائم کرنے کے لئے آیا وہ اپنی جگہ ڈٹا رہا اور آپ نے اس وقت تک میدان نہ چھوڑا جب تک دشمن فتح کی غلط فہمی لئے میدان سے نکل نہ گیا۔

اسی غزوۂ احد میں آپ کے عزیز ترین اور شفیق چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ صرف شہید ہی نہ ہوئے بلکہ ان کے ناک کان کاٹے گئے، کلیجہ نکالا گیا جسم اقدس کو پہچاننے کے لائق نہ چھوڑا لیکن آقا ﷺ جب حضرت حمزہ کی لاش کے قریب تشریف لائے تو زبان اقدس پر صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ کے سوا کچھ نہ تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ ایک رات مدینہ طیبہ کی کسی سمت سے اچانک شور کی آواز آئی لوگ گھبرا گئے کوئی سواری پر کوئی پا پیادہ شور کی سمت دوڑا، کہ اچانک انہوں نے دیکھا کہ ان کے آقا ﷺ تحقیق حال کر کے واپس تشریف لا رہے ہیں، آپ حضرت ابوطلحہ کے گھوڑے پر بغیر زین کے سوار ہیں، گلے میں تلوار لٹکی ہوئی ہے، آقا ﷺ نے غلاموں کو مطمئن کرتے ہوئے فرمایا ''لَنْ تَرَاعُوْ، لَنْ تَرَاعُوْ'' مت گھبراؤ، میں حالات کا جائزہ لے کر آیا ہوں کوئی خطرہ نہیں۔

حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا گھوڑا، جس پر اللہ کے رسول ﷺ سوار ہوئے سست رفتاری میں مشہور تھا لیکن آپ کی برکت سے وہ ہمیشہ کے لئے تیز رفتار ہو گیا، جب آپ واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا: ''وَجَدْنَاہُ بَحْرًا'' ہم نے اس گھوڑے کو سمندر کی طرح پایا، یعنی نشیب وفراز کی پروا کیے بغیر یہ دوڑتا رہا۔

ابوالاسود جمحی، عرب کا مشہور پہلوان جسے اپنی طاقت پر ناز تھا، وہ اپنی قوت کا مظاہرہ اس طرح کرتا تھا کہ گائے کے چمڑے پر لیٹ جاتا تھا جسے دس آدمی کھینچ کر نکالنے کی کوشش کرتے تھے، کھال ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی تھی لیکن پہلوان اپنی جگہ سے ہلتا تک نہ تھا، ایسے طاقتور پہلوان نے میرے آقا ﷺ کو کشتی کی دعوت دی اور کہا، اگر آپ نے مجھے ہرا دیا تو میں اسلام قبول کر لوں گا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے کشتی لڑی اور ایک بار نہیں، بار بار گرایا، اس نے اپنی شکست بھی تسلیم کر لی لیکن بد نصیب مسلمان نہ ہوا۔

شانِ حیاء وشرم

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اہل ایمان کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ کے آداب کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا ''نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھروں میں صرف اس وقت داخل ہو جب تمہیں کھانے کی دعوت دی جائے، کھانا پکنے کا انتظار بھی نہ کیا کرو، ہاں جب تمہیں دعوت دی جائے تو اندر جاؤ اور جب کھانا کھا چکو تو فوراً منتشر ہو جاؤ، دل بہلانے کی باتیں نہ کرنے لگا کرو کیونکہ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنْكُمْ '' (الاحزاب: 53) کیونکہ تمہاری یہ حرکتیں میرے محبوب کے لئے تکلیف کا باعث ہوتی ہیں لیکن وہ تم سے حیا کرتے ہیں (خاموشی سے برداشت کرتے رہتے ہیں)

آقا ﷺ کی شانِ حیاء وشرم کا اندازہ کرنے کے لئے قرآن کریم کی یہ گواہی کافی ہے، کہ باوجود تکلیف کے آپ کبھی اپنے گھر آئے ہوئے غلاموں کو مجلس ختم کرنے اور چلے جانے کا اشارہ تک نہیں فرماتے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ''كَانَ اَشَدُّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا وَكَانَ اِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهٖ '' ایک پردہ نشین کنواری سے بھی زیادہ باحیا تھے، جب کسی بات کو ناپسند فرماتے تو (زبان سے کچھ نہ کہتے لیکن) اس کے آثار آپ کے چہرۂ انور پر نمایاں ہو جاتے تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں ''لَمْ يَكُنْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا مُتَفَحِّشًا '' کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کوئی فحش، بیہودہ بات اپنی زبان پر نہ لاتے تھے ''وَلَا صَخَّابًا بِالْاَسْوَاقِ '' اور نہ آپ بازاروں اور شور وغل مچاتے تھے ''وَلَا يَجْزِيْ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ وَلٰكِنْ يَعْفُوْ وَيَصْفَحُ '' اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، بلکہ عفو و درگزر سے کام لیتے تھے، (یعنی اپنی ذات سے متعلق کسی برائی کرنے والے سے کبھی بدلہ نہیں لیتے تھے بلکہ اسے معاف فرما دیتے تھے)

مزید برآں پیکر حیاء ﷺ کے ارشادات سے، آپ کے باحیاء و باشرم ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ اللہ کے رسول ﷺ ایک انصاری شخص کے پاس سے گزرے جو اپنے بھائی کو شرم و حیا سے متعلق نصیحت کر رہا تھا (اس سے کہہ رہا تھا کہ اگر ہر معاملہ میں تم ایسے شرماتے رہے تو پھر دنیا میں کچھ نہ کر سکو گے) پس آقا ﷺ نے فرمایا ''دَعْهُ فَاِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الْاِيْمَانِ '' اسے اس کے حال پر چھوڑ دو کہ حیاء و شرم کمال ایمان کی ایک علامت ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''اَلْحَیَآءُ لَایَاْتِیْ اِلَّابِخَیْرٍ'' حیاء صرف بھلائی لاتی ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، پچھلے انبیاء کے حکیمانہ کلام میں سے یہ بات موجود کہ ''اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ'' جب تو باحیا نہ ہو تو جو چاہے کر (کہ، حیاء وشرم ہی انسان کو برے کاموں سے روکتی ہے جب یہ رکاوٹ ہی موجود نہ ہو تو انسان خواہشات نفس کا تابع ہو کر جو چاہتا ہے کرتا رہتا ہے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلْحَیَآءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَآءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ'' شرم وحیاء ایمان کا جز ہے اور ایمان دخول جنت کا ذریعہ ہے، اور فحاشی، ظلم ہے اور ظلم دخولِ جہنم کا ذریعہ ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' مومن کے ترازو میں وزنی ترین جو چیز رکھی جائے گی وہ اس کی اچھی عادت ہے'' وَاِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبِذَیَّ'' اور بے شک اللہ تعالیٰ بے شرم اور بد خلق کو پسند نہیں فرماتا۔

حضرت زید بن طلحہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا'' اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقَ الْاِسْلَامِ الْحَیَآءُ'' بے شک ہر دین کے اخلاق ہوتے ہیں اور اسلام کے اخلاق میں سے حیا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرَنَآءَ جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ'' بے شک حیاء وشرم اور کمال ایمان ساتھی ہیں جب دونوں میں سے ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے۔

معلم کامل ﷺ کے یہ چند ارشادات قابل غور ہیں، جن سے یہ پیغام ملتا ہے کہ حیاء وشرم اسلام کی اہم ترین خوبی اور مؤمن کی زینت نیز کمال ایمان کا ذریعہ ہے، جو برائیوں اور بدکاریوں سے روکتی ہے، جب اہل ایمان اس زیور سے آراستہ ہوتے ہیں تو ان کا معاشرہ زنا و بدکاری، سٹے بازی اور جوئے جیسے جرائم سے پاک ہوتا ہے، جب کہ بے شرمی اور بے غیرتی ان جیسے بے شمار جرائم کو جنم دیتی ہے، بے غیرتوں کے معاشرے میں، مرد وعورت کی عزت محفوظ نہیں ہوتی نہ ہی وہاں بڑوں کے احترام، چھوٹوں پر شفقت، باہمی میل ومحبت اور حقوق کی ادائیگی کا تصور باقی رہتا ہے، جس کی واضح بھیانک تصویر ہم مغربی معاشرے میں دیکھ سکتے ہیں، جب کہ مسلم ممالک میں بحمد اللہ اب تک حیاء وشرم کا پردہ نظر آتا ہے، غرضیکہ حیاء وشرم مؤمن کی خصوصیت ہے، جس کی تعلیم وتربیت، اسوۂ حسنہ ﷺ

میں بکمال وتمام موجود ہے،

عجز وانکساری

عجز وانکساری یا تواضع ، اخلاقی اقدار میں سے ایک اہم خوبی ہے اس کی ضد تکبر وغرور ہے، جو انسان کی بدترین عادت ہے متکبر ومغرور شخص نہ تو اللہ ورسول کا مقرب ہوسکتا ہے اور نہ ہی لوگوں کی نظروں میں اس کی کوئی عزت ہوتی ہے، جب کہ تواضع وانکساری کمال ایمان کا ذریعہ ہے، اللہ ورسول کے قرب کا وسیلہ ہے، متواضع اور منکسر المزاج شخص مخلوق کی نظروں میں باعزت ہوتا ہے لوگ اس سے محبت کرتے ہیں،

حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر رونق افروز ہوئے اور فرمایا: ''یٰاَیُّهَا النَّاسُ تَوَاضَعُوْا'' اے لوگو اپنے اندر انکساری پیدا کرو، کیونکہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فرماتے سنا: ''مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ'' جو شخص رضائے الٰہی کے لئے عاجزی وانکساری کرتا ہے اللہ اس کے مرتبہ کو بلند فرما دیتا ہے ''فَهُوَ فِیْ نَفْسِهٖ صَغِیْرٌ وَفِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ عَظِیْمٌ'' پس وہ اپنے نزدیک چھوٹا اور معمولی ہوتا ہے لیکن عوام کی نظروں میں بہت بلند مرتبہ اور عظیم ہو جاتا ہے ''وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللّٰهُ'' اور جو غرور کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوار کر دیتا ہے ''فَهُوَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ صَغِیْرٌ وَفِیْ نَفْسِهٖ كَبِیْرٌ حَتّٰى لَهُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِمْ مِنْ كَلْبٍ اَوْ خِنْزِیْرٍ'' تو وہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل وخوار ہو جاتا ہے جب کہ وہ خود کو بہت بڑا سمجھتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ لوگوں کی نظروں میں کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل ہو جاتا ہے۔

''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' کی شان رکھنے والے آقا ﷺ سے بلند مرتبہ کون ہوسکتا ہے، بلاشبہ آپ، محبوب رب العٰلمین ہیں، سید الانبیاء والمرسلین ہیں ﷺ، لیکن جملہ اوصاف وکمالات کے باوجود آپ میں غرور وتکبر کی رمق تک نہ پائی جاتی تھی، جب کہ آپ نہایت ہی متواضع اور منکسر المزاج تھے''۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی گفتگو سنتے ہوئے ایک شخص کانپنے لگا آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے فرمایا: ''هَوِّنْ عَلَیْكَ فَاِنِّیْ لَسْتُ بِمَلِكٍ اِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَاَةٍ مِنْ قُرَیْشٍ كَانَتْ تَاْكُلُ الْقَدِیْدَ'' گھبراؤ نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں، میں تو قریش کی ایک ایسی عورت کا بیٹا ہوں جو دھوپ میں سوکھایا ہوا گوشت کھایا کرتی تھی۔

عدی بن حاتم نے بتایا کہ ایک دن میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، تو میں نے دیکھا کہ ایک عورت اپنے چھوٹے بچوں کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل نزدیک بیٹھی اپنے دکھ سکھ سنا رہی ہے، یہ

منظر دیکھ کر مجھے یقین ہوگیا کہ، آپ قیصر و کسریٰ کی طرح بادشاہ نہیں بلکہ اللہ کے نبی ہیں، ﷺ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خانگی زندگی کے متعلق پوچھا گیا، تو آپ نے بتایا ''كَانَ يَخِيطُ ثَوْبَهُ وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ وَيَرْقَعُ دَلْوَهُ وَيَفْلِي ثَوْبَهُ وَيَحْلِبُ شَاتَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ'' میرے آقا ﷺ، اپنے کپڑے خود ہی سیا کرتے تھے، اپنے جوتے گانٹھ لیا کرتے تھے، اپنا ڈول درست کر لیتے تھے، اپنے کپڑے دھو لیتے اور اپنے سب کام خود کیا کرتے تھے ''كَانَ اَلْيَنَ النَّاسِ بَسَّامًا ضَحَّاكًا لَمْ يُرَ قَطُّ مَادًّا رِجْلَيْهِ بَيْنَ اَصْحَابِهِ'' آپ تمام لوگوں میں سب سے زیادہ نرم مزاج تھے ہر وقت مسکراتے رہتے تھے، آپ کو کبھی کسی نے صحابہ کی محفل میں پاؤں مبارک پھیلائے نہ دیکھا۔

آقائے رحمت ﷺ کی یہ تواضع، انکساری، خوش مزاجی اور رحم دلی ہی تھی کہ لوگ آپ پر جان نثار کر دینے کے لئے آمادہ رہتے اور بڑے بڑے اشقیاء آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے، معلم کامل ﷺ کی تعلیم و تربیت کا یہ حصہ معاشرے کی اصلاح کے لئے نہایت اہم اور بالخصوص قائدین و حکام اور دولت مندوں کے لئے قابل تقلید ہے، کہ اس سے عوام کے دلوں میں محبت و الفت کے چراغ روشن ہوتے ہیں، قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق نصیب فرمائے، آمین،

مخلوق پر شفقت

آقائے رحمت ﷺ اللہ کی مخلوق پر اسی طرح شفقت فرماتے تھے جس طرح آپ کا کریم رب آپ پر شفیق و مہربان ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کلام مبارک میں آپ کی اس خوبی کا ذکر اپنی رحیمانہ صفات کے ساتھ فرمایا ہے۔

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۲۸﴾

''آپ پر گراں گزرتا ہے تمہارا مشقت میں پڑنا، وہ بہت خواہش مند ہیں تمہاری بھلائی کے، مومنوں کے ساتھ بڑی ہی مہربانی فرمانے والے اور ہمیشہ رحم کرنے والے ہیں''۔

(التوبہ)

نیز رب العلمین جل مجدہ نے آپ کو رحمۃ للعالمین ہی بنا کر مبعوث فرمایا،

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۷﴾ (الانبیاء)

''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر''۔

پس آپ ہمیشہ، مردوں، عورتوں، بچوں، بوڑھوں، کمزوروں، امیروں، غریبوں، یہاں تک کہ

جانوروں کے ساتھ، نہایت رحم و کرم کا مظاہرہ فرماتے اور شفقت سے پیش آتے تھے۔

سرور کائنات ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر ایک بدو نے سوال کیا، اس وقت آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ نے بدو کو عطا فرما دیا اور پوچھا، کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی نیکی کی ہے، بدو نے کہا، آپ نے میرے ساتھ نہ کوئی بھلائی کی اور نہ ہی کوئی احسان کیا ہے، حاضرین کو بدو کی اس گستاخی پر بے حد غصہ آیا اور وہ اسے مارنے کے لئے تیار ہو گئے، پیکر رحمت ﷺ نے فرمایا، ٹھہرو، ایسا نہ کرو، پھر آپ بدو کو لے کر اپنے دولت کدہ تشریف لائے اور اس کی جھولی بھر دی، اور پوچھا، کیا میں نے تمہارے ساتھ کوئی نیکی کی ہے، وہ بولا "نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَجَزَاكَ اللّٰهُ مِنْ اَهْلٍ وَّعَشِيْرَةٍ خَيْرًا" جی! یا رسول اللہ! اللہ آپ کو میری اور میرے قبیلہ کی طرف سے جزا عطا فرمائے۔

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اگر چاہو تو یہی جملہ تم میرے صحابہ کو سنا دو کہ انہیں تمہاری پہلی بات سے سخت تکلیف پہنچی ہے، پس بدو باہر آیا اور اس نے آقا رحمت ﷺ کی داد و پیش اور کرم نوازی کا اعلان کیا،

اس واقعہ کے بعد میرے آقا ﷺ نے اس تعلق کی وضاحت فرمائی جو آپ کے اور امتیوں کے درمیان ہے اور جو حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ کا مصداق ہے، آپ نے فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے، جیسے کسی کی اونٹنی بھاگ جائے، لوگ اس کو پکڑنے کے لئے اس کا پیچھا کریں لیکن پکڑ نہ سکیں، اسی دوران اونٹنی کا مالک پکارے "خَلُّوْا بَيْنِيْ وَ بَيْنَ نَاقَتِيْ" لوگو! میرے اور میری اونٹی کے درمیان سے ہٹ جاؤ "فَاِنِّيْ اَرْفَقُ بِهَا مِنْكُمْ وَاَعْلَمُ" میں تم سے زیادہ اپنی اونٹنی کے ساتھ نرمی کرنے والا اور تم سے زیادہ اس کا مزاج شناس ہوں، مالک کی آواز سن کر سب لوگ ہٹ گئے، مالک نے کچھ چارہ لیا اور اونٹنی کی طرف بڑھا، جب اونٹنی نے مالک کی محبت بھری آواز سنی اور چارہ دیکھا تو وہ رک گئی اور اپنے مالک کی طرف دوڑتی ہوئی آنے لگی، مالک نے اس کی نکیل پکڑ کر اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی، اور وہ اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر چل دیا، پھر آپ نے فرمایا کل اس بدو نے جو بات کی تھی اگر میں اس کے اور تمہارے درمیان نہ آتا اور تمہیں چھوڑ دیتا تو تم اسے قتل کر ڈالتے اور وہ (اپنی گستاخی کی وجہ سے) جہنم میں داخل ہو جاتا، میں نے اسے محبت و شفقت سے ادب کی تعلیم دی اور تمہیں روکا، پس وہ جہنم کی آگ سے بچ گیا، اور تم اپنے بھائی کو قتل کرنے کے جرم سے محفوظ رہے،

آقائے رحمت ﷺ کا یہ واقعہ قابل غور ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہم اُس بھاگے ہوئے اونٹ کی طرح ہیں جسے نہ جانے کون، کون پکڑنے اور اپنا غلام بنانے کی کوشش کرتا ہے کاش ہم سمجھیں کہ ہمارے آقا و مولیٰ ﷺ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ہیں ان سے زیادہ ہمارے لئے شفیق و مہربان کون ہو

سکتا ہے۔کاش ہم ان کے دامن رحمت میں پناہ حاصل کرنے کے لئے واپس لوٹیں، تاکہ دنیا و آخرت کی نعمتوں اور بھلائیوں سے مالامال ہوسکیں، کہ ان کے خزانۂ رحمت سے ہمیں جو کچھ نصیب ہوا اور ہو سکتا ہے وہ در، در کا بھکاری بننے سے نہ ملا ہے اور نہ ہی مل سکتا ہے،

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ''یَتَخَوَّلُنَا بِالْمَوْعِظَةِ مَخَافَةَ السَّاٰمَةِ عَلَيْنَا'' ہمیں وقفہ وقفہ سے وعظ و نصیحت فرماتے تھے تاکہ ہم اکتا نہ جائیں،

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تَرَى الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَرَاحُمِهِمْ وَتَوَادِّهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوًا تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهْرِ وَالْحُمّٰى'' تم مسلمانوں کو باہمی رحمت و مودّت اور باہمی الفت و محبت میں ایک جسم کی طرح دیکھو گے کہ جب ایک عضو بیمار ہو جائے تو دیگر اعضاء ایک دوسرے کو بیداری اور بخار کی طرف بلاتے ہیں (یعنی ایک عضو کی تکلیف اور دکھ کا احساس پورا جسم کرتا ہے)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، کہ میں نے سچے اور سچ کہتے ہوئے ابوالقاسم ﷺ سے سنا ''لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ اِلَّا مِنْ شَقِيٍّ'' رحمت نہیں نکالی جاتی مگر بد بخت و بدنصیب سے''

صلہ رحمی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ بارگاہ رسالت میں جب کوئی ہدیہ پیش کیا جاتا تو اکثر آپ فرماتے کہ یہ فلاں عورت کو پہنچا دو کہ وہ حضرت خدیجہ کی سہیلی ہے اور اس سے بہت محبت کرتی ہے،

حضرت ابو طفیل رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں ایک عورت حاضر ہوئی، آپ اس کے احترام میں کھڑے ہوئے اور اپنی چادر بچھاتے ہوئے بار بار فرمایا، بیٹھو، آرام سے بیٹھو، میں نے حاضرین میں سے کسی سے پوچھا، کہ یہ عورت کون ہے، پس مجھے بتایا گیا کہ یہ ہمارے آقا ﷺ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا ہیں،

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ اَحَبَّ اَنْ يُّبْسَطَ لَهٗ فِيْ رِزْقِهٖ وَيُنْسَاَ لَهٗ فِيْ اَثَرِهٖ فَلْيَصِلْ رَحِمَهٗ'' جو اپنے رزق میں وسعت اور موت کے وقت میں تاخیر چاہتا ہے وہ صلہ رحمی کیا کرے،

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ'' کہ اعزاء و اقارب اور احباب سے تعلقات منقطع کرنے والا جنت میں داخل نہ ہوگا،

صلہ رحمی یعنی، اعزاء و اقارب، احباب، پڑوسیوں اور عام لوگوں سے میل جول رکھنا، ان کے

حقوق ادا کرنا، ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، اسلام کی تعلیمات کا ایک حصہ ہے، جس پر عمل سے معاشرہ پرسکون اور پرامن ہوتا ہے۔

عدل وانصاف

معاشرے کے افراد کی عزت وآبرو اور جان ومال کی حفاظت نیز انہیں باعزت، باوقار اور پرسکون زندگی فراہم کرنے کے لئے قانون عدل کو اپنانا، ناگزیر ہے، جب کہ قانون کی "بنیاد" عدل پر ہی ہے، عدل کے معنی صرف کسی کو اس کا حق دینا ہی نہیں بلکہ حق دلانا بھی ہے، ظلم کو صرف روکنا ہی نہیں بلکہ ظالم کو سزا دینا بھی ہے، انسداد دہشت گردی اور جرائم ہی نہیں بلکہ دہشت گردوں اور مجرموں کو کیفر کردار تک پہنچانا بھی ہے، چور کا ہاتھ کاٹنا، زانی اور زانیہ پر کوڑے برسانا بھی عدل ہی ہے، گویا عدل کا دائرہ بے حد وسیع ہے، عدل قائم کرنا اور قانون عدل نافذ کرنا، حکام کی ذمہ داری ہے، جب کہ عدل کے قانون کو اپنانا اور اس کے مفاد میں حکام کی مدد کرنا افراد کی ذمہ داری ہے، یعنی ہر شخص ذمہ دار ہے کہ وہ کسی کے ساتھ بے انصافی نہ کرے لیکن بے انصافی کرنے والے کو سزا دینا اس کا کام نہیں، وہ سزا دلانے کا ذمہ دار ضرور ہے، جس کے لئے اسے متعلقہ حکام تک رسائی حاصل کرنا ہوگی،

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا ۙ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ (النساء)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے اہل کے سپرد کردو، اور جب بھی لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو، تو عدل سے فیصلہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں بہت ہی اچھی بات کی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا ہے"۔

اسلام مکمل نظام زندگی ہے، جو انسان کو پرامن اور پرسکون زندگی فراہم کرنے کا ذمہ دار ہے، ایسی زندگی جو ہر قسم کے جرائم بالخصوص دہشت گردی جیسے بدترین جرم سے پاک ہو، لہٰذا وہ امانتوں یعنی حقوق کی ادائیگی اور فیصلہ کرتے وقت، عدل وانصاف کی پابندی کا حکم دیتا ہے، کہ جس معاشرے میں حقوق کی ادائیگی اور عدل وانصاف کی پابندی نہ ہو وہ معاشرہ ہرگز ظلم وستم اور دہشت گردی سے نجات نہیں پاسکتا، نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُونُوا قَوّٰمِينَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۖ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اِعْدِلُوا ۗ هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۖ وَ

اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸ (المائدہ)

''اے ایمان والو! اللہ کے (ہر حکم کی اطاعت کے) لئے مضبوطی سے قائم رہنے والے بن جاؤ (اور) انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی بے انصافی پر ہرگز آمادہ نہ کرے، عدل کیا کرو کہ یہی تقویٰ سے زیادہ قریب ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بخوبی واقف ہے''۔

عدل وانصاف قوم کو باعزت بناتا ہے، عدل کے عادی لوگ ہی کامیاب وکامران ہوتے ہیں، وہی قائدین تخت حکومت وسلطنت پاتے ہیں جو انصاف پسند ہوتے ہیں جو اپنے حقوق کا تحفظ کرتے ہیں، دوسروں کو ان کے حقوق دلاتے ہیں۔

آقائے عدل وانصاف ﷺ حنین سے حاصل شدہ مال غنیمت تقسیم فرمارہے ہیں کہ کسی نے کہا، یارسول اللہ! عدل فرمایئے، آپ نے فرمایا، تجھ پر افسوس ہے، اگر میں نے عدل نہ کیا تو کون کرے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یارسول اللہ، اگر اجازت ہو تو اس گستاخ کی گردن اڑادوں، آپ نے فرمایا، نہیں ایسا نہ کرنا، کیونکہ اس کی قوم کے لوگ ایسے ہیں کہ تم اپنی نمازوں اور روزوں کو ان کی نمازوں اور روزوں کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے، لیکن وہ دین سے اس طرح نکل جاتے ہیں جیسے تیر شکار سے نکل جاتا ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ خاندان بنی مخزوم کی ایک عورت نے چوری کی، قریش نے چاہا وہ حد سے بچ جائے، انہوں نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے گزارش کی کہ وہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر سفارش کریں، کیونکہ حضرت اسامہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب اور نہایت چہیتے تھے، حضرت اسامہ نے ہمت کی اور دربار میں حاضر ہوکر سفارش کی، آقائے رحمت ﷺ نے فرمایا، اسامہ! تم سزا کے معاملہ میں سفارش لے کر آئے ہو، تم سے پہلے لوگ (بنی اسرائیل) اسی لئے تباہ ہوگئے کہ وہ غریبوں پر حد جاری کرتے اور امیروں کو معاف کردیتے تھے'' وَايْمُ اللّٰهِ لَوْ اَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعَ مُحَمَّدٌ يَدَهَا'' بخدا! اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیتا۔

• اللہ کے رسول ﷺ غزوۂ بدر کے لئے صف آرائی کررہے تھے، حضرت سواد بن غزیہ انصاری رضی اللہ عنہ بھی صف میں کھڑے تھے ان کا پیٹ بڑا تھا، آقا ﷺ نے ان کے پیٹ پر اپنی چھڑی لگاتے ہوئے فرمایا ''اِسْتَوِيَا سَوَادُ'' اے سواد! برابر ہوجاؤ، سواد نے آپ سے قصاص چاہا، آقا ﷺ نے اپنا شکم مبارک کھولتے ہوئے فرمایا، قصاص لے لو۔

ایفائے عہد

وعدہ پورا کرنا انسانی اقدار میں سے ایک بہترین قدر ہے، جس سے لوگوں کی نظروں میں آدمی باعزت ہوتا ہے اس پر اعتماد کیا جاتا ہے بالخصوص یہ خوبی ان لوگوں کے لئے نہایت ضروری ہے جو کاروبار کرتے ہیں اور عوام سے ان کا تعلق رہتا ہے، کہ اس سے ان کے کاروبار میں سہولت پیدا ہوتی ہے، دائرۂ کار وسیع ہوتا ہے، ایفائے عہد ان اعمال میں سے ہے جن کے متعلق قیامت کے دن سوال کیا جائے گا،

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ﴿۳۴﴾ (الاسراء)

''اور اپنے عہد کو پورا کیا کرو، بے شک وعدوں کے متعلق تم سے پوچھا جائے گا''۔

میرے آقا ﷺ کی جملہ عادات واطوار احکام قرآن کے مطابق تھیں کہ آپ کے کسی فعل یا عمل کا قرآن کریم کے خلاف ہونا ممکن ہی نہیں، ایفائے عہد بھی آپ کی عادت مبارکہ تھی چاہے آپ کو اس عادت کے سبب کتنی ہی مشقت برداشت کرنا پڑتی۔

حضرت عبداللہ ابی الحمساء رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں نے اعلان نبوت سے قبل، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ خرید وفروخت کی، آپ کی کچھ رقم میرے ذمہ باقی رہ گئی، میں نے وعدہ کیا کہ ابھی اس جگہ لے کر آتا ہوں، گھر آکر میں بھول گیا، تین دن گزر گئے جب رقم لے کر واپس پہنچا تو میں نے دیکھا آپ اسی جگہ انتظار فرمارہے ہیں، آپ نے کوئی سخت بات کہے بغیر صرف اتنا فرمایا ''لَقَدْ شَقَقْتَ عَلَيَّ اَنَا هٰهُنَا مُنْذُ ثَلٰثٍ اَنْتَظِرُكَ'' تم نے مجھے مشقت میں ڈال دیا میں تین دن سے یہیں تمہارا انتظار کررہا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے گھر رونق افروز تھے اسی دوران میری ماں نے مجھے کچھ دینے کے لئے بلایا، آپ نے فرمایا، تم اسے کیا دینا چاہتی ہو، ماں نے عرض کی، میں اسے کھجوریں دوں گی، آقا ﷺ نے فرمایا: ''اَمَا اِنَّكِ لَوْلَا تُعْطِيْهِ شَيْئًا كُتِبَتْ عَلَيْكِ كَذِبَةٌ'' اگر تم اسے کچھ نہ دیتیں تو تیرے لئے جھوٹ لکھا جاتا،

معلم کامل ﷺ کا یہ ارشاد، عورتوں کے لئے نہایت قابل غور ہے کہ وہ اکثر لالچ دے کر بچوں کو بلانا اور ان سے اپنی بات منوانا چاہتی ہیں، یہ بھی وعید کی ایک صورت ہے جسے پورا کرنا ضروری ہے، ورنہ جھوٹ قرار پائے گا اور گناہ ہوگا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوران خطبہ ارشاد فرمایا: ''لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ'' جو امین نہیں اس کا ایمان (کامل) نہیں، اور جو

وعدے کا پابند نہیں اس کا دین (کامل) نہیں۔

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ میں اب تک مکہ ہی میں قیام پذیر تھا کہ اہل مکہ نے مجھے سفیر بنا کر بارگاہ رسالت میں بھیجا، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق کریمانہ سے بے حد متاثر ہوا لہٰذا میں نے، آپ سے مدینہ میں ہی ٹھہر جانے کی خواہش ظاہر کی، آپ نے فرمایا، ایسا ہرگز ممکن نہیں کہ نہ تو ہم عہد شکنی کرتے ہیں اور نہ ہی قاصدوں کو روکتے ہیں، لہٰذا تم واپس جاؤ اگر وہاں بھی تمہارے دل میں اسلام کی صداقت کا احساس رہے تو واپس آکر مشرف باسلام ہو جانا، پس میں مکہ واپس چلا گیا اور چند ہی روز بعد واپس آکر مسلمان ہو گیا۔

ہجرت کے چھٹے سال میں واقعۂ حدیبیہ کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ حضرت ابوجندل رضی اللہ عنہ کی بارگاہ رسالت میں حاضری کا واقعہ پڑھ چکے، اس مظلوم کی آہ و بکا کے باوجود آقائے رحیم و کریم ﷺ نے اپنے اس غلام کو محض اس معاہدے کی بناء پر واپس چلے جانے کا حکم دیا جو حقیقتاً ابھی مکمل نہ ہوا تھا۔

حسن معاشرت

آقائے رحمت ﷺ کے رہن سہن کا طریقہ نہایت سادہ اور محبت والفت سے پر تھا، آپ نے نہ کبھی کسی کو تکلیف پہنچائی، نہ ہی برا کہا، حضرت انس رضی اللہ عنہ نے دس سال سے زیادہ آپ کی غلامی کی، ان کا بیان ہے کہ میرے آقا ﷺ نے مجھے کبھی نہ ڈانٹا اگر میں آپ کے کسی حکم کی تعمیل نہ کرتا تو آپ دوبارہ مجھے حکم دیتے اور وہ بھی نہایت محبت کے ساتھ، کہ ترش روئی اور سخت کلامی آپ کی عادت نہ تھی، کوئی غصہ میں بات کرتا تو بھی مسکرا کر اس کو جواب دیتے تھے،

اللہ رب العزۃ جل مجدہ کا ارشاد ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اور عورتوں سے اچھا سلوک کیا کرو، پس اللہ کے رسول ﷺ کا عورتوں کے ساتھ برتاؤ نہایت اچھا رہتا تھا، خاص طور پر ازواج مطہرات کے ساتھ آپ بہت اچھا برتاؤ کرتے تھے، جب گھر میں داخل ہوتے تو مسکراتے ہوئے تشریف لاتے، اکثر غزوات وغیرہ کے حالات انہیں نہ بتاتے تا کہ ان کے نازک دلوں پر بار نہ ہو، گھریلو کاموں میں ان کی مدد کرتے تھے، خوش طبعی کے لئے ان سے مزاح بھی کیا کرتے تھے، گھروں میں اکثر کچھ کھانے کے لئے نہ ہوتا تھا لیکن ازواج مطہرات میں سے کسی نے کبھی شکوہ نہ کیا، صرف آپ کے حسن معاشرت کے سبب وہ ہر حال میں خوش رہتی تھیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ ایک روز، میرے آقا ﷺ ام المومنین حضرت سودہ کے گھر تشریف فرما تھے میں خزیرہ (ایک قسم کا کھانا) لے کر آپ کی خدمت میں حاضر

ہوئی، حضرت سودہ آپ کے برابر بیٹھی تھیں میں بھی دوسری طرف آپ کے برابر بیٹھ گئی، حضرت سودہ سے میں نے کہا کہ تم بھی کھاؤ، میرے تین مرتبہ کہنے کے باوجود انہوں نے نہ کھایا، میں نے خزیرہ لیا اور حضرت سودہ کے منہ پر مل دیا، اللہ کے رسول ﷺ میری اس حرکت پر خوب ہنسے اور مجھے دبوچ کر حضرت سودہ سے فرمایا، اب یہ میرے قابو میں ہے تم ان سے بدلہ لو، پس انہوں نے خزیرہ میرے چہرے پر خوب ملا، اس دن میرے آقا ﷺ خوب ہنسے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ سفر میں تھی ان دنوں میں کم عمر اور پتلی دبلی تھی، اللہ کے رسول ﷺ نے لوگوں کو آگے چلے جانے کا حکم دیا اور مجھ سے فرمایا ''تَعَالَیْ حَتّٰی اُسَابِقُکَ'' آؤ میرے ساتھ دوڑ لگاؤ، میں نے دوڑ لگائی اور آگے نکل گئی، آقا ﷺ اس وقت تو خاموش ہو گئے، لیکن کچھ عرصہ بعد مجھے آپ کے ہمراہ سفر کرنے کا موقع ملا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے پھر لوگوں کو آگے بھیجا اور مجھے دوڑنے کو کہا، اب میں فربہ ہو چکی تھی میں آپ کے ساتھ دوڑی تو آپ آگے نکل گئے، پس آپ ہنسے اور فرمایا ''ھٰذَا بِتِلْکَ'' یہ اس مقابلہ کا بدلہ ہے۔

غرضیکہ خوش طبعی میرے آقا ﷺ کا معمول تھی، صرف ازواج مطہرات ہی کی آپ دلجوئی نہ فرماتے تھے، بلکہ صحابہ کرام حتیٰ کہ بچوں کے ساتھ بھی آپ مزاح فرماتے تھے، مریضوں، پریشان حال اور افسردہ لوگوں پر بے حد کرم فرماتے اور ان کے غم کو دور کیا کرتے تھے،

روزہ مرہ کے اخراجات

آقائے کائنات ﷺ کی فیاضی، دریا دلی اور سخاوت کا حال آپ پڑھ چکے ہیں کہ آپ کے در سے کبھی کوئی بھکاری خالی ہاتھ نہ گیا، آپ کی داد و دہش ظاہری پردہ فرما جانے کے بعد بھی جاری ہے کہ آج تک آپ کے دربار سے کوئی خالی جھولی لے کر واپس نہیں ہوتا، آج بھی غلاموں کی مرادیں پوری ہوتی ہیں، آج بھی عقیدت مندوں پر رحمت کی برکھا برستی ہے، مانگنے والوں کے لئے در پر حاضری بھی شرط نہیں جو جہاں ہو ''اَغِثْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ'' کی صدا لگائے، آقا ﷺ اس کی فریاد کو پہنچتے ہیں۔

میرے آقا ﷺ کے روزمرہ کے اخراجات کے حوالے سے کسی نے آپ کے خزانچی حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، تو آپ نے تفصیلات بتاتے ہوئے کہا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخراجات کی ادائیگی میرے ذمہ تھی جسے میں اعلان نبوت کے دن سے آپ کے وصال تک پورا کرتا رہا، بارگاہ رسالت میں جب بھی کوئی ننگا بھوکا آتا میں آپ کے حکم کے مطابق کہیں سے قرضہ لے کر

اس کے لئے کپڑوں اور کھانے کا انتظام کرتا تھا، ایک مرتبہ ایک دولت مند مشرک نے مجھ سے کہا، بلال! تم میرے سوا کسی سے قرض نہ مانگا کرو بس اس سے قرض لیا کرتا تھا، ایک دن میں وضو سے فارغ ہو کر اذان دینے کے لئے جا رہا تھا کہ وہی مشرک آیا اور کہنے لگا، اے حبشی! کیا تجھے معلوم ہے کہ میرے قرضہ کی ادائیگی کے لئے تیرے پاس چار راتیں باقی ہیں، میں نے تمہیں قرضہ تم سے محبت یا تمہارے آقا کے احترام کی وجہ سے نہیں دیا بلکہ میں تو تجھے اپنا غلام بنانا چاہتا ہوں تا کہ تجھ سے اپنی بکریاں چروا سکوں، مجھے ان باتوں سے بہت دکھ ہوا، میں مسجد گیا، اذان کہی، نماز عشاء سے فارغ ہو کر آقا ﷺ حسب معمول گھر تشریف لے گئے، میں نے در دولت پر حاضر ہو کر اجازت طلب کی سرکار نے اجازت مرحمت فرمائی میں نے مشرک سے قرض لینے اور اس کے سخت تقاضے کا سب حال آپ کو بتایا، اور تجویز پیش کی کہ اگر اجازت ہو تو میں نو مسلم قبائل کے پاس جا کر ان سے قرض مانگوں تا کہ اس مشرک کا قرض ادا ہو سکے ورنہ مجھے خطرہ ہے کہ وہ ہمیں لوگوں کے سامنے شرمندہ اور رسوا کر دے گا، آپ نے اجازت عطا فرمائی، میں گھر آیا سامان تیار کیا، رات کو سونے کے لئے لیٹا لیکن بے چین رہا، صبح روانگی کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ ایک غیبی آواز سنائی دی ''یَا بِلَالُ اَجِبْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ'' اے بلال! اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت مقدسہ میں حاضر ہو جاؤ، میں آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، آپ نے فرمایا: ''اَبْشِرْ يَا بِلَالُ'' اے بلال! خوش جاؤ، اللہ تعالیٰ نے تمہارے قرض کی ادائیگی کا انتظام فرما دیا، یہ اونٹ جو تم دیکھ رہے ہو، یہ اور ان پر جو کچھ لدا ہوا ہے سب تمہارا ہے، بلال! انہیں لے جاؤ اور سب قرض ادا کر دو، یہ فدک کے رئیس کی طرف سے بارگاہ رسالت میں تحفہ پیش کیا گیا تھا، اونٹوں پر کپڑے، اور کھانے پینے کا سامان لدا ہوا تھا، پس میں صبح کی اذان اور نماز سے فارغ ہو کر، جنت البقیع میں آیا اور بلند آواز سے اعلان کیا، اونٹوں اور کھانے پینے کے سامان کے خریدار جمع ہو جائیں اور وہ لوگ بھی حاضر ہو جائیں جن کا رحمت عالم ﷺ پر کچھ قرض ہے، لوگ جمع ہو گئے میں سامان فروخت کرتا رہا اور قرض خواہوں کا قرض ادا کرتا رہا، یہاں تک کہ سب قرض ادا ہو گیا اور کچھ رقم بھی بچ گئی، فارغ ہو کر مسجد آیا، اللہ کے رسول ﷺ تنہا رونق افروز تھے، آپ نے پوچھا، بلال! اس سامان کا کیا کیا، میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! سب سامان فروخت کر کے قرض ادا کر دیا اور کچھ بچ بھی گیا، آپ نے فرمایا جاؤ اسے بھی تقسیم کر دو، کہ میں اس وقت تک گھر نہیں جاؤں گا جب تک یہ دولت ختم نہ ہو جائے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ رات ہو گئی لیکن کوئی سائل نہ آیا، لہٰذا آقا ﷺ نے مسجد میں ہی رات بسر کی، دوسرا دن ختم ہوا ہی چاہتا تھا کہ دو سائل آئے میں نے ان کے کپڑے، کھانے اور

دیگر ضروریات کا انتظام کیا، نماز عشاء سے فارغ ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا، بلال! اس رقم کا کیا ہوا، میں عرض گزار ہوا "لَقَدْ رَاحَکَ اللّٰہُ مِنْہُ" یارسول اللہ! اللہ نے آپ کو راحت نصیب فرمادی، وہ سب میں نے تقسیم کر دیا، اب کچھ باقی نہ رہا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ اقدس پر مسرت کے آثار نمایاں ہوئے آپ نے اپنے رب کا شکر ادا کیا اور گھر تشریف لے گئے،

اللہ کے خزانوں کے مالک اور اس کی نعمتیں بانٹنے والے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بھکاریوں کی جھولیاں بھرتے ہیں، ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں لیکن اپنا حال یہ تھا کہ امہات المومنین کے گھروں میں رات کو چراغ تک نہ جلتا تھا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ قاسم نعمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں متواتر تین ماہ تک آگ نہ جلی تھی، نہ روٹی پکتی اور نہ سالن پکتا، کسی نے پوچھا کہ آپ اور اہل خانہ کیسے زندہ رہتے ہیں، حضرت ابو ہریرہ نے بتایا، صرف کھجوروں اور پانی پر گزارہ ہوتا تھا، یا کچھ انصار پڑوس آپ کو دودھ پیش کرتے اور آپ وہ نوش فرما لیتے تھے۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود   حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام
ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد درود   ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

جانِ عالم ﷺ کے معمولات

جانِ عالم ﷺ کا ہر حکم، ہر ارشاد، آپ کی تعلیم وتربیت اور ادائیں امت کے لئے قابلِ عمل، دنیا وآخرت کی فلاح و بہبود اور نجات کا ذریعہ ہیں، انہی میں سے آپ کے معمولات ہیں جو یقیناً اس لائق ہیں کہ ہم اپنے معمولات کو ان کے مطابق بنائیں، اور جس طرح ہمارے آقا ﷺ شب و روز بسر کرتے تھے اسی طرح ہم بھی چند روزہ زندگی کے دن رات گزاریں۔

حدیں قائم رکھیں تم نے اگر اطاعت گزاری کی تو دیتا ہوں بشارت میں تمہیں تائید باری کی

صبح تا شام

معلم کامل ﷺ کا معمول تھا کہ نمازِ فجر سے طلوعِ آفتاب تک آپ مصلے ہی پر تشریف فرما رہتے، اسی دوران تعلیم وتربیت کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، آقا ﷺ کبھی اپنا خواب بیان فرماتے جو درحقیقت وحیِ الٰہی ہوا کرتا تھا اور کبھی غلام اپنے خواب بیان کرتے اور آپ ان کی تعبیر بیان فرماتے تھے، لوگ زمانۂ جاہلیت کے قصہ بیان کرتے، غرضیکہ مختلف قسم کی باتیں ہوا کرتی تھیں، گویا یہ شہنشاہ عالم کے عام دربار کا وقت ہوتا تھا جس میں ہر کسی کو بے تکلفانہ لیکن مؤدب گفتگو کرنے کی اجازت ہوتی تھی، اکثر اسی وقت غنائم، وظائف اور خراج وغیرہ تقسیم کیے جاتے تھے، پھر آقا ﷺ نمازِ چاشت ادا کرتے اور صحابہ بھی علیحدہ علیحدہ نماز پڑھتے تھے، ان تمام امور سے فارغ ہوکر آپ دولت کدہ تشریف لے جاتے، ازواجِ مطہرات کا گھریلو کام میں تعاون فرماتے تھے، اپنے ذاتی امور اکثر آپ خود ہی انجام دیتے تھے، مثلاً پھٹے کپڑوں کی پیوندکاری اور ٹوٹے جوتوں کو سینا، دودھ دوہنا وغیرہ۔

نمازِ عصر سے فارغ ہوکر، آپ ازواجِ مطہرات کے پاس جاتے، ان کی خیریت اور ضروریات معلوم کرتے تھے اور پھر نمازِ مغرب کے لئے مسجد تشریف لے جاتے تھے، بعد مغرب آپ اس دولت خانہ میں رونق افروز ہوتے تھے جہاں آپ کو رات بسر کرنی ہوتی تھی، یہیں ازواجِ مطہرات بھی حاضر ہوجاتی تھیں، عشاء تک شرعی مسائل اور خانگی امور پر گفتگو کا سلسلہ جاری رہتا تھا، نمازِ عشاء کے فوراً بعد آپ سو جاتے تھے، کہ بعد عشاء آپ کو کسی سے کلام پسند نہ تھا۔

میرے آقا ﷺ، ہمیشہ داہنی کروٹ پر، داہنا ہاتھ رخسار کے نیچے رکھ کر سوتے تھے، سوتے میں قدرے خراٹوں کی آواز آتی تھی، آدھی رات یا اس سے کچھ زیادہ، کے بعد بیدار ہوجاتے تھے، اٹھ کر مسواک کرتے، وضو فرماتے اور اپنے رب کی یاد میں مشغول ہوجاتے تھے۔

سونے سے پہلے سرمہ ضرور لگاتے تھے، بالوں میں کنگھی بھی کرتے تھے، پھر قرآن کریم کی چند سورتیں پڑھ کر آرام فرماتے تھے۔

معمولات عیادت وتعزیت

آقائے رحمت ﷺ نے باہمی میل جول، ہمدردی اور محبت بالخصوص عیادت وتعزیت کی تعلیم جس تاکید کے ساتھ دی، کسی مصلح یا قائد کی تعلیمات میں اس کی نظیر نہیں ملتی،

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "اَنَّهٗ كَانَ يَعُوْدُ الْمَرِيْضَ وَيَتَّبِعُ الْجَنَازَةَ وَيُجِيْبُ دَعْوَةَ الْمَمْلُوْكِ" کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام، بیمار کی مزاج پرسی کرتے تھے، جنازوں کے ساتھ جاتے تھے اور غلام کی دعوت قبول فرماتے تھے۔

میرے آقا ﷺ صحابہ کرام کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی بیمار ہو تو اس کی اطلاع ہمیں ضرور کی جائے، ہجرت کے بعد ابتدائی ایام میں آپ کا معمول رہا کہ مریض کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے، مریض کے سرہانے بیٹھ کر اس کے سر پر اپنا دست شفقت رکھتے اس سے خیریت معلوم کرتے اور تسلی دیا کرتے تھے نیز اہل خانہ کو اس کی اچھی طرح تیمارداری، پرہیز اور وقت پر دوا دینے کی تاکید فرماتے تھے، جوں جوں آپ کی مصروفیت میں اضافہ ہوتا گیا معمولات میں تبدیلی آتی گئی، اب صحابہ کرام آپ کو صرف اس بیمار کی اطلاع کرتے تھے جو شدید مریض ہوتا یا قریب المرگ ہوتا تھا، آقائے رحمت ﷺ اپنے غلاموں کی تجہیز وتکفین میں شریک ہوتے تھے ان کے اہل خانہ سے اظہار ہمدردی فرماتے تھے، پھر صحابہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ وہ بعد مرگ آپ کو اطلاع دیتے اور میت کو آپ کے دربار میں لے کر حاضر ہو جاتے تھے، آپ جنازہ پڑھاتے اور وہیں پسماندگان سے تعزیت کرتے اور صبر کی تلقین فرماتے تھے۔

معمولات ملاقات

شہنشاہ کائنات ﷺ کے دربار عالی میں، بلا روک ٹوک ہر کسی کو حاضر ہونے کی عام اجازت تھی، امیر ہوتا یا غریب، اپنا ہوتا یا غیر، آپ ہر کسی سے نہایت خوش مزاجی اور خوش خلقی سے پیش آتے تھے۔

معمول یہ تھا کہ جب کسی سے ملاقات ہوتی تو پہلے آپ خود سلام کرتے مصافحہ کرتے، کوئی شخص آپ سے سرگوشی کرتا تو آپ نہایت توجہ سے اس کی پوری بات سنتے تھے، جب کوئی آپ سے مصافحہ کرتا تو آپ اس وقت تک اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے، حاضرین کے لئے لازمی تھا کہ وہ "السلام علیکم" کے بعد حاضری کی اجازت لیں، اور جب آپ کسی کے گھر تشریف لے

جاتے تو آپ کا بھی یہی طریقہ تھا کہ، سلام کے بعد اجازت طلب فرماتے۔

ایک مرتبہ قریش کے رئیس صفوان بن امیہ نے آپ کی خدمت میں اپنے بھائی کلاہ کے ہاتھ، دودھ، ہرن کا بچہ اور لکڑیاں بھیجیں، کلاہ بغیر اجازت حاضر ہو گئے، آپ نے فرمایا، واپس ہو جاؤ، اور سلام کر کے حاضر ہو۔

ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے، دروازے پر دستک دی، آقا ﷺ نے پوچھا ''کون'' جابر نے عرض کی، ''میں'' آپ نے فرمایا ''میں، میں کیا ہے'' نام بتانا چاہیے۔

آقا ﷺ، حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف فرما ہوئے، دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا اور اجازت طلب کی، سعد نے قدرے آہستہ جواب دیا جو آپ نے نہ سنا، سعد کے فرزند قیس بن سعد نے والد سے کہا، کہ آپ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اندر تشریف لانے کی اجازت کیوں نہیں دے رہے، سعد نے کہا، ذرا خاموش رہو، آقا ﷺ کو بار بار سلام کرنے دو جو ہمارے لئے کثرت برکت کا ذریعہ ہوگا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ سلام کیا، سعد نے آہستہ سے جواب دیا، آپ نے تیسری مرتبہ سلام کیا، پھر سعد نے آہستہ جواب دیا، اب اللہ کے رسول ﷺ واپس تشریف لے جانے لگے، سعد دوڑے دوڑے باہر آئے آقا ﷺ کو اندر لے کر گئے اور عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! میں آپ کا سلام سنتا رہا اور آہستہ جواب بھی دیتا رہا، یہ میں نے اس لئے کیا کہ میں زیادہ سے زیادہ برکت حاصل کر سکوں۔

میرے آقا ﷺ دوسروں پر اپنی برتری اور فوقیت کا اظہار کرنا بالکل پسند نہ فرماتے تھے، اسی لئے آپ اپنی مجلس میں یا کسی دوسرے کی مجلس میں کبھی ممتاز جگہ پر تشریف فرما نہ ہوتے تھے، نہ ہی آپ کو یہ گوارا تھا کہ آپ کے لئے کسی مخصوص مسند کا انتظام کیا جائے، ایک مرتبہ آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لے گئے، انہوں نے اپنے آقا ﷺ کے لئے خصوصی طور پر چمڑے کا ایک گدا بچھا دیا، آپ نے اسے پسند نہ فرمایا اور زمین پر رونق افروز ہو گئے۔

میرے آقا ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ ہر کام داہنے ہاتھ سے کیا کرتے تھے، جب کرتہ یا جبہ زیب تن فرماتے تو اس میں پہلے داہنا ہاتھ ڈالتے، اسی طرح جب جوتا زیب پا فرماتے تو اس میں پہلے داہنا پیر ڈالا کرتے تھے، نیز آپ ہر کام ''بسم اللہ'' پڑھ کر شروع فرماتے تھے، آپ کا ارشاد ہے ''جو کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ ناقص اور نامکمل رہتا ہے''۔

مجلس نبوی ﷺ

شہنشاہ کائنات ﷺ کے دربار میں سلاطین اور بادشاہوں جیسا رنگ نہ ہوتا تھا، نہ دربار ہوتے

تھے، نہ کسی کے آنے جانے پر پابندی اور روک ٹوک ہوتی تھی، نہ تلاشی لی جاتی تھی اور نہ ہی آنے والوں پر سوالات کی بوچھاڑ ہوتی تھی، ہاں ادب واحترام اور تہذیب کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا، محفل میں سناٹا طاری رہتا تھا، یوں محسوس ہوتا تھا جیسے حاضرین کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں جو انہیں حرکت تک کرنے سے روک رہے ہیں، جب کوئی گفتگو کرتا تو آپ پوری طرح توجہ سے اس کی بات سماعت فرماتے اور دوسرے بھی غور سے سنتے تھے، جب آپ کلام فرماتے تو سب نہایت توجہ اور غور سے سنتے تھے، آنے والوں کو جہاں جگہ ملتی بیٹھتے جاتے تھے، نشستوں کی تخصیص یا امتیاز نہ تھا، جسے جانا ہوتا وہ نہایت خاموشی سے نکل جاتا تھا، اگر کوئی اپنی ضرورت بیان کرتے ہوئے حد ادب سے تجاوز کرتا تو آپ نہایت کمال حلم کے ساتھ برداشت فرماتے تھے، حاضرین کی مزاج پرسی کے ساتھ آپ ہر ایک سے اس کی آمد کا مقصد اور ضرورت دریافت فرماتے تھے، قبائل کے سرداروں کو خصوصی اہمیت بخشی جاتی اور انہیں خصوصی توجہ سے نوازا جاتا تھا آپ کا ارشاد ہے: ''اَکْرِمُوْا کَرِیْمَ کُلِّ قَوْمٍ'' ہر قوم کے سردار کا احترام کرو۔

قیصر وکسریٰ کے درباروں کے آداب میں سے یہ تھا، سلاطین وامراء کے لئے عوام اپنے سینوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑے رہتے تھے، آپ نے اس کی ممانعت فرمائی، تاہم میرے آقا ﷺ اظہار احترام و محبت کے لئے کھڑے ہوا کرتے تھے اور غلاموں کو بھی اس کی اجازت تھی، ایک مرتبہ آپ کی رضاعی ماں حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا حاضر دربار ہوئیں تو آپ ان کے احترام کے لئے کھڑے ہوئے اور اپنی مقدس چادر بچھا کر انہیں بٹھایا، آپ کی رضاعی بھائی حاضر ہوئے تو جوش مسرت میں آپ ان کے لئے بھی کھڑے ہوئے اور اپنے سامنے بٹھایا، حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جب بھی حاضر بارگاہ ہوتیں تو آپ کھڑے ہو کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیتے تھے۔

میرے آقا ﷺ کا دربار عالی عموماً مسجد کے صحن میں ہی منعقد ہوتا تھا، لیکن جب آپ کی خدمت میں اطراف عرب کے لوگوں کی آمد بکثرت ہونے لگی اور وہ آپ کو پہچان نہ پاتے تو آپ کے لئے ایک چبوترہ بنا دیا گیا جس پر آپ رونق افروز ہوتے اور اس کے اطراف میں صحابہ کرام بیٹھے ہوتے تھے۔

عورتوں کے لئے ہفتہ میں ایک دن خصوصی طور پر دربار لگتا تھا جس میں پردے اور حیاء وشرم کا خاص لحاظ رکھا جاتا تھا، عورتوں کے مخصوص حالات سے متعلق کسی کو کوئی سوال کرنا ہوتا تھا تو وہ ازواج مطہرات میں سے کسی کو بتایا جاتا جو اپنے آقا ﷺ سے جواب معلوم کر کے سائلہ کو بتا دیتی تھیں۔

میرے آقا ﷺ کا دربار عالی اگرچہ نہایت بارعب اور باوقار ہوتا تھا جس میں حاضرین کی کیفیت یہ ہوتی تھی ''کَاَنَّ الطُّیُوْرَ فَوْقَ رُؤُسِہِمْ'' گویا پرندے ان کے سروں پر بیٹھے ہوتے تھے،

لیکن پھر بھی شگفتہ مزاجی اور مزاحیہ گفتگو سے کبھی کبھی دربار کھل اٹھتا تھا، ایک مجلس میں آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے اللہ سے جنت میں کھیتی کرنے کی خواہش کی، اللہ نے فرمایا کیا تمہاری خواہش پوری نہیں ہوئی، بندہ نے عرض کی، مولیٰ! میں چاہتا ہوں کہ زمین میں بیج ڈالوں اور وہ فوراً اُگ آئے، اسے اجازت دی گئی، اس نے بیج ڈالے اور فوراً فصل تیار ہوگئی، محفل میں ایک دیہاتی بھی حاضر تھا، بولا، یا رسول اللہ! یہ سعادت تو صرف قریش یا انصار کو میسر آئے گی کہ وہی لوگ کھیتی باڑی کرتے ہیں، جب کہ ہم تو کاشتکار نہیں، بدو کی بات سن کر آقا ﷺ مسکرا دیئے، اور پوری محفل مشت زعفران بن گئی۔

میرے آقا ﷺ نہایت فصیح و بلیغ لیکن آسان گفتگو فرماتے تھے اور اس طرح ٹھہر ٹھہر کر بولتے کہ منہ سے پھول برستے محسوس ہوتے تھے، آپ کی بات ہر ایک بخوبی سمجھ لیتا تھا، ایک ایک لفظ اس قدر اثر انگیز ہوتا تھا کہ اگر آپ کسی خاص کیفیت کو بیان فرماتے تو حاضرین پر وہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ ایک دن آپ نے دوران خطبہ ارشاد فرمایا: ''وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ'' اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، یہ جملہ آپ نے تین مرتبہ دہرایا اور پھر آپ جھک گئے، حاضرین کی یہ کیفیت ہوئی کہ جو جہاں تھا جھک کر رونے لگا، راوی کہتے ہیں، ہمیں یہ بھی ہوش نہ رہا کہ آقا ﷺ نے یہ قسمیہ جملہ کس بات پر فرمایا تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا، ایک مرتبہ آقا نے خطبہ دیا جو اس قدر مؤثر تھا کہ اس سے پہلے میں نے ایسا خطبہ نہ سنا، آپ نے فرمایا، اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم جان لیتے تو ہنستے کم اور روتے زیادہ، اس ارشاد کا یہ اثر ہوا کہ تمام حاضرین، منہ پر کپڑا ڈال کر بے اختیار اور بے انتہا رونے لگے۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا — چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
وہ زبان جس کو سب کن کی کنجی کہیں — اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
اس کی پیاری فصاحت پہ بے حد درود — اس کی دلکش بلاغت پہ لاکھوں سلام
اس کی باتوں کی لذت پہ لاکھوں درود — اس کے خطبے کی ہیبت پہ لاکھوں سلام
مولای صل وسلم دائماً ابداً — علی حبیبک خیر الخلق کلھم

جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادات

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ ۝ (الانشراح)

''پس جب آپ (امورِ نبوت سے) فارغ ہوں تو ریاضت میں مصروف ہو جائیں، اور اپنے رب کی طرف راغب ہو جائیں''۔

انبیاء سابقین اگرچہ سب ہی زہد و تقویٰ میں باکمال تھے، سب ہی اپنے رب کی عبادت میں مصروف رہتے تھے، لیکن کسی نبی یا رسول کا طریقۂ عبادت معلوم نہ ہو سکا، نہ ہی کتب سابقہ میں احکام عبادت کا کوئی باب نظر آتا ہے، سوائے اس کے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کچھ دعاؤں کا تذکرہ ضرور پایا جاتا ہے، امت مسلمہ پر اللہ کے خصوصی انعامات اور نوازشات میں سے یہ بھی ہے کہ مسلمان نہ صرف یہ کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ عبادت جانتے ہیں بلکہ اسی طریقہ اور آپ ہی کی اداؤں کے مطابق وہ بھی اللہ کی عبادت کرتے ہیں نیز وہ یقین کرتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اداؤں ہی کو اپنانا عین عبادت ہے جب کہ وہ طریقہ عبادت جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی ادا کے خلاف ہو، قابل قبول ہو ہی نہیں سکتا، یہ اسلام کی حقانیت کے بے شمار ثبوتوں میں سے ایک واضح ثبوت ہے کہ غلام اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا کے امین اور محافظ ہیں اور خوش نصیب مسلمان ان کو اپنائے ہوئے بھی ہیں، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بشر بیمثل تھا جس سے بشر کے بخت جاگے تھے
کہ ذوق بندگی میں ہادیٔ دیں سب سے آگے تھا
زہے امت ملا جس کو محمد مصطفیٰ ہادی
کہ جس کی شرع بھی سادی بھی ہے جس کی وضع بھی سادی

دعا اور نماز

حضور سید العابدین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اعلان نبوت سے پہلے ہی اپنے رب کریم کی عبادت کیا کرتے تھے، آپ اکثر غار حراء میں تشریف لے جاتے اور طویل قیام و مراقبہ کیا کرتے، پھر اعلان نبوت کے ساتھ ہی آپ کو نماز کا طریقہ بھی تعلیم کیا گیا، اور ایک عرصہ آپ اپنے غلاموں کے ساتھ دار ارقم میں نماز ادا

فرماتے رہے، جب حالات سازگار ہو گئے تو آپ اللہ کے گھر میں اللہ کی عبادت کرنے لگے۔

آپ کا معمول تھا کہ رات کے آخری حصہ میں آپ بیدار ہو جاتے اور طویل قیام وسجدے والی نماز پڑھا کرتے تھے، کبھی تیرہ رکعت اور کبھی نو رکعت پڑھتے تھے، جن میں لمبی سورتیں تلاوت فرماتے تھے، فرض نمازوں کے علاوہ آپ نوافل بھی بکثرت پڑھتے تھے۔

رمضان المبارک میں خاص طور پر آپ کی عبادت میں کثرت ہو جاتی تھی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ یوں تو آپ کی فیاضی وسخاوت کا دریا ہمہ وقت بہتا رہتا تھا لیکن جب رمضان شریف میں حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن کریم سنانے کے لئے حاضر ہوتے تھے تو آپ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی تھی، آپ کی سخاوت کی رفتار ہوا سے بھی زیادہ تیز ہو جاتی تھی، خصوصاً رمضان کے آخری عشرہ میں آپ بے حد کثرت سے سخاوت فرماتے اور عبادت میں مصروف رہا کرتے تھے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ہمارے آقا ﷺ رمضان مقدس کے آخری عشرہ میں ساری رات عبادت کرتے تھے، ازواج مطہرات سے لاتعلق ہو جاتے تھے، گھر والوں کو بھی نماز کے لئے بیدار کیا کرتے تھے، اعتکاف میں بیٹھا کرتے تھے۔

قرآن کریم کی تلاوت نہایت پابندی کے ساتھ عشاء کے بعد کرتے تھے، خاص طور پر رمضان المبارک میں کئی مرتبہ قرآن کریم کا دور فرماتے تھے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ ایک رات میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا کہ آپ آخر شب میں بیدار ہوئے، وضو فرمایا، اور آسمان کی طرف منہ کر کے کافی دیر تک سورۂ آل عمران کی تلاوت فرمائی، پھر آپ نے طویل دعا کی، رات کو اٹھ کر آپ تنہا قبرستان تشریف لے جاتے اہل قبور کے لئے اور امت کے لئے، رو، رو کر طویل دعا کیا کرتے تھے۔

روزہ

انبیاء ومرسلین، نفس کشی کے لئے بکثرت روزے رکھتے رہے ہیں، جب کہ ہندوستان کے راہبوں وغیرہ نے ریاضت ومجاہدہ کے لئے روزہ کو کچھ زیادہ ہی استعمال کیا اور حد سے تجاوز کر گئے، لیکن معلم کامل ﷺ نے عبادات ومعاملات میں اعتدال کی تعلیم دی۔

روزہ کی فرضیت سے پہلے، آپ عاشوراء کا روزہ پابندی سے رکھا کرتے اور صحابہ کو بھی اس کی تاکید فرماتے تھے، لیکن رمضان کے روزے فرض ہو جانے کے بعد دس محرم کا روزہ اختیاری اور نفلی ہو گیا، فرض روزوں کے علاوہ آپ بکثرت نفل روزے بھی رکھتے تھے، لیکن شعبان کے علاوہ آپ نے کسی مہینہ کے پورے روزے نہ رکھے، ایام بیض، دوشنبہ، جمعرات، محرم کے ابتدائی دس ایام، شوال کی دو

تاریخ سے سات تک، روزے رکھنا، آپ کے معمولات میں سے تھا، اس کے علاوہ آپ اتفاقی روزے بھی رکھا کرتے تھے، کبھی گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہ ہوتا تو فرماتے '' آج ہمارا روزہ ہے'' اور ایسا اکثر ہوا کرتا تھا، کبھی صوم وصال بھی رکھا کرتے، یعنی کئی دن کا ایک ہی روزہ، بغیر افطار و سحر کے، ایک مرتبہ آقا ﷺ کی اتباع میں بعض غلاموں نے بھی صوم وصال رکھ لیا آپ نے ان کی کمزوری ملاحظہ فرمائی، تو ارشاد ہوا '' اَیُّکُمْ مِثْلِیْ اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِیْ '' تم میں، مجھ جیسا کون ہے، میں تو اپنے رب کے حضور رات بسر کرتا ہوں، وہی مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے۔

زکوٰۃ وصدقہ

آقائے رحمت ﷺ کا دریائے رحمت ہمہ وقت بہتا رہتا تھا، کوئی کبھی اس در رحمت سے خالی ہاتھ نہ گیا، جس نے جو مانگا اسے وہ ملا، اپنے پاس کچھ نہ ہوا تو قرض لے کر دیا، ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوئی، خود فاقہ کرتے لیکن بھوکوں کی شکم سیری فرماتے تھے۔

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا موجِ بحر سماحت پہ لاکھوں سلام

ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی گواہی ہے کہ اعلان نبوت کے بعد، آپ کے پاس کوئی چیز نقد نہ رہتی تھی، جو کچھ ہوتا غریبوں میں تقسیم فرما دیتے تھے، جب کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی سب دولت اللہ کی راہ میں خرچ ہوئی۔

ایک مرتبہ آپ کے پاس خراج کی رقم بہت آگئی آپ نے تقسیم فرمائی لیکن ختم نہ ہو سکی، پس آپ اس وقت تک دولت کدہ تشریف نہ لے گئے، جب تک حضرت بلال نے رقم ختم ہونے کی اطلاع نہ دی، جس طرح آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ نماز تہجد آپ پر فرض تھی اسی طرح آپ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ زکوٰۃ آپ پر فرض نہ تھی، علاوہ ازیں مال و دولت جمع کرنا آپ کا معمول نہ تھا جو کچھ آتا سب خیرات کر دیا جاتا تھا، پس زکوٰۃ فرض ہونے کی کبھی نوبت ہی نہ آئی،

حج مبارک

میرے آقا ﷺ نے ایک ہی حج فرض ادا فرمایا، جسے حجۃ الوداع کہا جاتا ہے، ہاں آپ نے عمرے کئی کیئے، بر روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما، آپ نے چار عمرے ادا کیے، جب کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ آقا ﷺ نے عمرہ حجۃ الوداع کے سوا تمام عمرے ذی قعدہ میں کیے،

غرضیکہ میرے آقا ﷺ کو اگرچہ اپنے رب کا قرب خاص حاصل تھا، کہ آپ بلا شبہ رب کریم کی محبوب ترین مخلوق ہیں، حتیٰ کہ آپ کی غلامی اور پیروی اہل ایمان کے لئے محبوبیت الٰہی کا وسیلہ اور

ولایت کا ذریعہ ہے، صرف آپ ہی ہیں جن کی رضا خالق کائنات کو مطلوب ہے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　　خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

اس منصب عالی کے باوجود بھی اللہ کے پیارے محبوب ﷺ کبھی لحہ بھر کے لئے بھی اپنے رب کی یاد سے غافل نہ ہوئے، رات کو طویل قیام کے سبب پائے اقدس پر ورم آ جاتا ہے، کوئی اظہار محبت کرتے ہوئے عرض کرتا ہے، میرے آقا ﷺ آپ اتنی تکلیف اور عبادت میں اتنی مشقت کیوں برداشت فرماتے ہیں جب کہ آپ کے رب نے تو اپنے فضل وکرم سے آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں، عبد مقدس ﷺ فرماتے ہیں: ''اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا'' تو کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں، کہ شکر گزاری ہی رب کی رضا اور اس کی نعمتوں میں اضافہ کا وسیلہ ہے، ناشکرے، متکبر اور مغرور اللہ کی نعمتوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں، کہ ہمارے آقا ﷺ ہر لحظہ اور ہر لحہ اللہ کی یاد میں مصروف رہتے تھے۔

حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ میں رات کو اپنے آقا ﷺ کے در دولت پر پہرہ دیا کرتا تھا، ساری رات میں آپ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنا کرتا تھا، یہاں تک کہ میں تھک جاتا اور مجھے نیند آ جاتی تھی۔

بلاشبہ رب کو اپنی مخلوق کی طرف سے تسبیح وتہلیل بے حد پسند ہے جب کہ آپ کی محبوب ترین مخلوق نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں پس آپ کی حمد وثنا بھی محبوب ترین اور سب سے زیادہ پسندیدہ ہے، لہٰذا محبوب ﷺ بھی اپنے رب کی خوشنودی ورضا کے لئے، اٹھتے، بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، ہر آن اپنے رب کی پاکی بیان کرتے اور تسبیح وتہلیل میں مصروف رہتے تھے، آپ کا ارشاد ہے ''تَنَامُ عَیْنَایَ وَلَا یَنَامُ قَلْبِیْ'' میری آنکھیں سو جاتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے، یعنی قلب محبوب ﷺ محب حقیقی کی یاد سے کسی لحہ غافل نہیں ہوتا۔

لطف بیداریٔ شب پہ بے حد درود　　عالم خواب راحت پہ لاکھوں سلام

جانِ عالم ﷺ کی تعلیمات

جانِ عالم ﷺ کی تعلیمات مکمل نظام حیات ہیں، جو نہایت ہی قیمتی اور بیش بہا خزانہ ہے جس کے بغیر مسلم وغیر مسلم سب ہی کے لئے پر سکون زندگی بسر کرنا، ناممکن ہے، اسی لئے محافظ حقیقی جل مجدہ نے اس کی حفاظت کا خود ذمہ لیا، اور بحمد اللہ تبارک وتعالیٰ امت مسلمہ نے ہر دور میں، اس کی تبلیغ و اشاعت کی ذمہ داری پوری کرنے کی کوشش کی، نیز جس دور میں بھی اس پر عمل کیا گیا وہ دور مسلمانوں کا دور کہلایا، ان کی باعزت وباوقار زندگی کا دور کہلایا۔

یہ تو کسی کے لئے ممکن نہ ہوا اور نہ ہی ہو سکتا ہے کہ معلم کامل ﷺ کی تعلیمات کو یکجا کر سکے ہاں انفرادی اور اجتماعی کاوشوں کا یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ بحمد اللہ میرے آقا ﷺ کی تعلیمات مکمل طور پر محفوظ ہیں، کیا مجال کہ کوئی ایسا کام بھی جو آپ نے تنہائی میں صرف ایک ہی مرتبہ کیا ہو، وہ بھی ہمارے پاس محفوظ نہ ہو، اگر ایسا نہ ہوتا تو آج ہم دین کامل کے وارث نہ ہوتے، یہ فضل ہے اس کا جس نے یہ دین بصورت قرآن وحدیث نازل فرمایا اور اس کی تعلیمات کے لئے محبوب عالم ﷺ کو استاد کامل بنا کر مبعوث فرمایا، جنہوں نے نہایت ہی محنت ومشقت سے ان بدوؤں کو، جن کی نسلیں جانور چراتے گزر چکی تھیں اور جو جہالت کے اندھیروں میں ٹھوکریں کھا رہے تھے، جن کی کوئی منزل نہ تھی، جن کی زندگی کا کوئی مقصد نہ تھا، آپ نے ان کو تعلیم دی، ان کی تربیت کی، ان کو معلم اقدارِ انسانیت بنا دیا، انہیں اقوام عالم کا راہبر وراہنما بنا دیا، تہذیب وتمدن کا معلم بنا دیا،

مولایَ صل وسلم دائمًا ابدًا علی حبیبک خیر الخلق کلهم

پس آیئے مطالعہ کریں معلم کامل ﷺ کی تعلیمات کے چند حصوں کا اور کوشش کریں ان کی افادیت پر غور کرنے کی نیز انہیں اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے مشعل راہ بنائیں، وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾۔

جنت کی ضمانت

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِضْمَنُوْا لِیْ سِتًّا مِّنْ اَنْفُسِکُمْ'' مجھے اپنے نفسوں کی طرف سے چھ چیزوں کی ضمانت دو ''اَضْمَنْ لَکُمُ الْجَنَّةَ'' میں تمہارے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں (یعنی میں تمہاری شفاعت کروں گا اور تم جنت میں داخل ہو گے) چھ چیزیں یہ ہیں:

اَصْدِقُوْا اِذَا حَدَّثْتُم، وَاَوْفُوْا اِذَا وَعَدْتُمْ، وَاَدُّوْ اِذَا اُئْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ، وَغُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ،

''ہمیشہ سچ بولو، جب وعدہ کرو تو پورا کرو، اور جب امین بنائے جاؤ تو امانت ادا کرو، اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، اور اپنی نظروں کو (شرم وحیاء سے) نیچا رکھو، اور اپنے ہاتھوں کو (ظلم وستم سے) روکو''۔

معلم کامل ﷺ نے درحقیقت یہ ایسے اصول زندگی عطا فرمائے ہیں، جن پر عمل کرنے والوں کو راحت وسکون میسر آتا ہے، میل ومحبت، باہمی ہمدردی اور تعاون کی پر مسرت، سرسبز وشاداب زندگی نصیب ہوتی ہے، اپنوں اور غیروں کی نظروں میں عزت وشوکت ملتی ہے، معاشرے میں امن وامان قائم ہوتا ہے۔

زبان وشرم گاہ کی حفاظت

زبان اور شرم گاہ، فتنہ وفساد، قتل وغارت اور بے حیائی وبے شرمی کا ذریعہ ہیں جب کہ اگر انہیں احکام شرع کے مطابق استعمال کیا جائے تو یہ عزت وعظمت کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ آقا ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ'' جو مجھے اپنے جبڑوں کے درمیان (زبان) کی اور اپنی دونوں رانوں کے درمیان (شرم گاہ) کی ضمانت دے میں اس کے لئے جنت کا ضامن ہوں۔

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جب آدمی صبح کرتا ہے تو سب اعضاء زبان کی خوشامد کرتے اور کہتے ہیں ''اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ'' ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر ''فَاِنَّا نَحْنُ بِكَ'' کیونکہ ہمارا سہارا تو ہی ہے ''فَاِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَاِنْ اِعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا'' تو اگر سیدھی رہے گی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہوگئی تو ہم بھی ٹیڑھے ہو جائیں گے،

کہ اگر زبان سے اچھے الفاظ نکلیں، پیار ومحبت کی باتیں نکلیں تو پورا جسم عزت وراحت پاتا ہے، یا یوں کہیے کہ جب زبان پھول برساتی ہے تو پورے جسم پر لوگ پھول برساتے ہیں، اور اگر کسی کی زبان خراب ہو، غلیظ وگندی باتوں کی عادی ہو، بیہودہ گو ہو، تو پورے جسم قابل نفرت ہوتا ہے، ذلیل وخوار ہوتا ہے، بالفاظ دگر، اگر زبان سے انگارے نکلتے ہیں تو پورا جسم پر جوتے برستے ہیں، غرضیکہ میل ومحبت، عداوت ودشمنی، عزت یا ذلت کا دارومدار، زبان کے اچھے یا خراب ہونے پر ہے۔

حضرت علی بن حسین رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ نانا جان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مِنْ

حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهٗ مَالَا یَعْنِیْہِ ''انسان کے اسلام کی ایک خوبی یہ ہے کہ وہ غیر ضروری اور غیر مفید باتیں نہ کرے۔

عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ صَمَتَ نَجَا'' جو خاموش رہا اس نے نجات پائی۔

حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں، کلام کی چار قسمیں ہیں: مضر، مفید، مضر بھی مفید بھی، نہ مضر نہ مفید۔

مضر کلام وہ ہے، جسے بولنا باعث گناہ ہو یا سننے والے کے لئے ایذاء کا سبب بنے، مثلاً جھوٹ، غیبت وغیرہ جو گناہ کبیرہ ہیں، اور گالی گلوچ وغیرہ جن سے سننے والوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔

مفید وہ کلام ہے، جس پر ثواب کی یقینی امید ہو، یا اس سے سننے والے کو مسرت حاصل ہو، جیسے قرآن کریم کی تلاوت، درود شریف پڑھنا، ملاقات کے وقت سلام کرنا وغیرہ باعث ثواب اور نہایت ہی مفید کلام ہے، نیز رنج و ملال کے موقع پر، اچھی باتوں سے دلجوئی کرنا، لوگوں کو خوشخبری سنانا وغیرہ لوگوں کی خوشی کا سبب بنتا ہے لہٰذا مفید ہے۔

وہ کلام جو مفید بھی ہے اور مضر بھی، اس قسم کا تعلق موقع کی مناسبت سے ہے، کہ ایک ہی بات کسی کو اچھی لگتی ہے اور کسی کو بری اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک بات، کسی کو اچھی لگتی ہے اور وہی بات اس شخص کو کسی وقت بری لگتی ہے۔

اور وہ کلام جو نہ مضر ہو نہ مفید، یعنی لایعنی، غیر ضروری بکواس، اور اس قسم کے کلام سے خاموشی کو بہتر قرار دیا گیا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَبِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشُ وَلَا الْبَذِیُّ'' مومن نہ تو طعنہ باز ہوتا، نہ لعنت باز اور نہ ہی فحش گو اور نہ ہی بے شرم و بے حیاء،

ایذاء پہنچانا

ایذا و تکلیف، چاہے مسلمان بھائی کو پہنچائی جائے یا غیر مسلم کو یا کسی بھی حساس مخلوق کو، معیوب ہے، خلاف شرع ہے، ایذاء چاہے زبان سے ہو، اشاروں سے ہو، ممنوع ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم ﷺ کا ارشاد ہے: ''سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَ قِتَالُہٗ کُفْرٌ'' مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔

کفر کے معنی ناشکری بھی ہیں اور ایمان قبول نہ کرنے والے کو بھی کافر کہا جاتا، پس باعتبار معنی

اول، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مفہوم یہ ہوگا، کہ مسلمان کو قتل کرنے والا یا اس سے لڑنے جھگڑنے والا، بڑا ہی ناشکرا ہے، کہ اس شخص سے زیادہ ناشکرا کون ہوسکتا ہے جو مسلم معاشرے کا ایک فرد ہوکر اسی معاشرے کے دوسرے فرد سے لڑتا جھگڑتا ہے، معاشرے میں بجائے میل ومحبت کی داغ بیل ڈالنے کے اس میں فتنہ وفساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اختلاف وافتراق پیدا کرتا ہے، دوسرے معنی کے اعتبار سے مفہوم یہ ہوگا کہ جو شخص کسی مسلمان کو محض اس کے مومن کامل ہونے کی بناء پر قتل کرڈالے وہ شرعاً کافر ہے،

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَیُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِیْهِ کَافِرٌ فَقَدْ بَآءَ بِهَا اَحَدُ مَعَهُمَا'' جو مسلمان کسی مسلمان کو کافر کہے تو دونوں میں سے کسی ایک پر کفر عائد ہوگا،

حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ایسے مسلمان کو کافر کہا جو واقعی شرعاً کافر قرار پاتا ہے تب تو وہ کافر ہوگا ہی لیکن اگر کسی نے ایسے مسلمان کو کافر کہہ دیا جو شرعاً کافر نہیں یا محض شبہ کی بناء پر اس کے کفر کا اعلان کردیا تو یہ فتویٰ دینے والا خود اپنے ایمان سے محروم ہوجائے گا، یہ مرحلہ بڑا ہی خطرناک اور نازک ہے، کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے میں بڑی ہی احتیاط کی ضرورت ہے،

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالخصوص ان حضرات کے لئے قابل غور ہے جو مشین گن کی گولیوں کی طرح کفر کی گولیاں چلاتے رہتے ہیں، بلاتحقیق جسے چاہتے ہیں کافر کہہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک، فاتحہ کرنے والے، صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے، قبروں کو بوسہ دینے والے، سب ہی مشرک ہیں کافر ہیں (العیاذ باللہ) اللہ، ان لوگوں کو سوچنا چاہیے کہ وہ کیا کررہے ہیں، ان کی ذمہ داری تو غیر مسلموں کو اسلام کی دعوت دینا ہے، یہ تو مسلمانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج کرتے رہتے ہیں، ایسے لوگوں کو توبہ کرنا اور اپنے عمل کی اصلاح کرنا چاہیے،

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُهٗ وَلَا یَخْذُلُهٗ وَلَا یُحَقِّرُهٗ'' مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرے، نہ اسے ذلیل کرے اور نہ ہی اسے حقیر جانے ''اَلتَّقْوٰی هٰهُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِهٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ'' تقویٰ یہاں ہے اور (آپ نے) تین مرتبہ اپنے سینہ مبارکہ کی طرف اشارہ فرمایا (یعنی بتایا کہ تقویٰ کا تعلق مومن کے قلب سے ہے) ''بِحَسْبِ امْرِءٍ اَنْ یَحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ'' مسلمان کے لئے یہ شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر جانے ''کُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ'' ہر مسلمان پر مسلمان کا خون، مال ودولت اور عزت وآبرو حرام ہے۔

معلم کامل ﷺ کا یہ ارشاد، مسلمانوں کو تکلیف اور ایذاء پہنچانے کی ممانعت کے لئے نہایت تفصیلی اور اہم ہے، کہ اگر مسلمان، مسلمان کو اپنا بھائی یقین کرلے، تو مسلم معاشرے میں نہ کوئی کسی پر ظلم کی جرأت کرسکتا ہے، نہ کوئی کسی کو ذلیل وخوار، کمتر اور حقیر خیال کرسکتا ہے، قتل وغارت، چوری، ڈکیتی غرضیکہ ہر قسم کی دہشت گردی سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔

چغل خوری

معاشرے میں انتشار وافتراق پھیلانے اور لوگوں کے درمیان عداوت ودشمنی پیدا کرنے کا، آسان لیکن بدترین ذریعہ چغل خوری ہے یہ عادت عموماً عورتوں میں بہت زیادہ ہوتی ہے ان کا یہ عمل اکثر مردوں کے درمیان لڑائی جھگڑے کا باعث بنتا ہے حتیٰ کہ آپس میں قتل وغارت تک کی نوبت آجاتی ہے، بہر حال یہ نہایت ہی بیہودہ عادت ہے، اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ذَا الْوَجْھَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ ھٰؤُلَآءِ بِوَجْہٍ وَھٰؤُلَآءِ بِوَجْہٍ'' قیامت کے دن تم بدترین لوگوں میں دو منہ والوں کو پاؤ گے، جو کسی کے سامنے ایک منہ سے آتے ہیں اور کسی کے سامنے دوسرے منہ سے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَتَّاتٌ'' جنت میں چغل خور نہیں جائے گا۔

مخبر صادق ﷺ، جن لوگوں کو قیامت میں بدترین قرار دے رہے ہیں اور جن کے جنت میں نہ داخل ہونے کی خبر دے رہے ہیں وہ کس قدر بدنصیب ہیں، اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے ان لوگوں کے لئے جہنم کا بدترین درجہ ''ویل'' متعین فرمایا، ارشاد ہوا:

وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِ ۝۱ (الہمزہ)

''ویل ہے چغلی کرنے والے کے لئے''۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ آقا ﷺ نے فرمایا: ''مَنْ کَانَ ذَاوَجْھَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لِسَانٌ مِّنْ نَّارٍ'' جو دنیا میں دو چہروں والا ہوگا، قیامت کے دن اس کی زبان آگ کی ہے۔

اللہ ایسے عیوب اور برائیوں سے محفوظ رکھے جو اس کے عذاب کا باعث بنیں ''اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ''۔

مضحکہ خیزی اور نقالی

لوگوں کا دل بہلانا اور انہیں خوش کرنا، یقیناً عبادت کی ایک قسم ہے، سنت ہے، حتیٰ کہ مسکراتے چہرے سے لوگوں کے سامنے آنے کا حکم دیا گیا، لیکن اس موقع پر بھی شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھنا لازمی قرار دیا گیا۔

بہز بن حکیم (تابعی) رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''وَیْلٌ لِمَنْ یُحَدِّثُ فَیَکْذِبُ لِیُضْحِکَ بِهِ الْقَوْمَ وَیْلٌ لَهُ وَیْلٌ لَهُ'' ویل ہے اس کے لئے جو قوم کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بولتا ہے، اس کے لئے ویل ہے، اس کے لئے ویل ہے۔

ویل کے معنیٰ خرابی، افسوس، یہ دوزخ کے ایک طبقہ کا نام بھی ہے، آقا ﷺ نے تاکیداً مذمت کے لئے تین مرتبہ یہ لفظ دہرائے، نیز جھوٹ بولنے والے پر اللہ کی لعنت کا ذکر تو قرآن کریم میں موجود ہے لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے اور بروایت، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے ''اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ'' جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس سے ایک میل دور ہو جاتا ہے جھوٹ بولنے والے کی بدبو کی وجہ سے۔

نقالی، غیبت کی ایک قسم ہے جو نہایت مذموم عمل ہے، چاہے یہ زبان سے ہو یا اشاروں سے، کہ جس کی نقل کی جاتی اسے ضرور تکلیف ہوتی اور اس کا ضرور دل دکھتا ہے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَا اُحِبُّ اَنِّیْ حَکَیْتُ اَحَدًا وَاَنَّ لِیْ کَذَا وَکَذَا'' میں پسند نہیں کرتا کہ کسی کی نقل کروں، اگرچہ مجھے اتنا اتنا ملے۔

حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ چاہے دنیا کی کتنی ہی نعمتیں دی جائیں لیکن میرے آقا ﷺ کو نقالی پسند نہیں، ظاہر ہے یہ ارشاد ہماری ہی تعلیم کے لئے ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تو ایسے بیہودہ اعمال سے دور کا تعلق بھی ممکن نہیں۔

مضحکہ خیزی اور نقالی سے متعلق یہ ارشادات ہم سب کے لئے، بالخصوص ان جاہل واعظین اور مقررین کے لئے قابل غور ہے جو اس بیہودگی کے عادی ہیں محض اس لئے کہ وہ عوام میں مقبول ہو سکیں، ان کی تقریروں میں، ہنسی مذاق، جھوٹے لطائف اور نقالی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، اسی لئے لوگ تقریر سننے کے بعد صرف یہ تبصرہ کرتے ہیں کہ '' آج تو مولانا صاحب نے بہت ہی ہنسایا'' کس قدر افسوس ناک ہے یہ تبصرہ، کہ سامعین کو دینی اور مذہبی مقدس محفل سے سوائے ہنسی کے کچھ نصیب نہ ہوا، جب کہ مقرر

اور سامعین سب ہی گناہ گار بھی ہوئے، پس ضروری ہے کہ عوام ایسے مقررین کو مسترد کر دیں، ان کی محفلوں کا بائیکاٹ کریں۔

مدح اور تعریف

مدح و تعریف صرف اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے، اللہ تمام صفات اور خوبیوں کا مالک ہے اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے، لہٰذا اس کی تعریف کتنے ہی مبالغہ سے کی جائے، حق تعریف ادا نہیں ہو سکتا، جب کہ اللہ ہی نے اپنے محبوب ﷺ کو اپنی ذات و صفات کا مظہر بنایا، بے شمار خوبیوں سے نوازا، بے عیب اور ہر نقص سے پاک پیدا فرمایا، پس جو تعریفی جملے رب کے لئے مخصوص ہیں ان کے علاوہ، کسی بھی طرح غلام اپنے آقا کی تعریف کریں، ان کا حق ہے، تعریف چاہے منظوم ہو یا منثور، بیٹھ کر ہو یا کھڑے ہو کر، ہر طرح جائز ہے، لیکن عام لوگوں کی تعریف میں، اعتدال اور نہایت احتیاط کی ضرورت ہے، ہر ایک کی تعریف اس کے منصب و مقام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی جا سکتی ہے، جب کہ مقصود، صرف اپنی عقیدت و محبت کا اظہار ہو اور ممدوح کی شفقت کا حصول ہو، جب کہ نا اہلوں، فساق و فجار، دولت مندوں اور صاحب اقتدار لوگوں کی تعریف، چاپلوسی اور خوشامد ہے جو صرف ذاتی مقاصد کے حصول کے لئے کی جاتی ہے، جائز و ناجائز فوائد حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے، ایسے ہی تعریفوں کے پل باندھنے والوں کی مذمت کرتے ہوئے معلم کامل ﷺ نے فرمایا:

حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''إِذَا رَأَيْتُمُ الْمَدَّاحِيْنَ فَاحْثُوْا فِيْ وُجُوْهِهِمُ التُّرَابَ'' جب تم منہ پر تعریف کرنے والوں کو دیکھو تو ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ غَضِبَ الرَّبُّ تَعَالٰى وَاهْتَزَّ لَهُ الْعَرْشُ'' جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا اور عرش الٰہی ہل جاتا ہے،

شریعت کی پابندی نہ کرنے والا، فاسق ہے، جس کی تعریف کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے اور اللہ کی ناراضگی کے خوف سے عرش الٰہی لرزنے لگتا ہے، جب کہ ظالم و جابر کی تعریف کفر ہے، جو نص قطعی سے ثابت ہے، بہر حال آقا ﷺ کا یہ ارشاد ان خوشامدیوں اور چاپلوسوں کے لئے درس عبرت ہے جو طمع و لالچ کی بناء پر ہر کسی کی تعریفیں اور خوشامدیں کرنے کے عادی ہیں۔

دنیا کی کشادگی

فطری طور پر، انسان دنیا کا طلب گار اور اس کی کشادگی کا خواہاں رہتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ دنیا کی

ساری دولت، سارا عیش و آرام، سب کچھ اس کے حصہ میں آ جائے، جب کہ کتنا ہی مل جائے لیکن اس کی ہوس کی آگ نہیں بجھ پاتی، یہاں تک کہ اپنے پاس سب کچھ ہوتے ہوئے بھی، وہ دوسروں کی اچھی حالت پر حسد کرتا ہے ان پر جلتا ہے، معاشرے کے افراد کی یہ ہوا و ہوس معاشی شعبہ کو غیر متوازن کر دیتی ہے، لوگ اپنی ہوس کی تکمیل کے لئے، بدعنوانیاں کرتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، سود اور جوئے کی حرام دولت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، نتیجتاً امیر، امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ غریب طبقہ، امیروں سے نفرت کرنے لگتا اور اپنا پیٹ بھرنے کے لئے چوری، ڈکیتی اور لوٹ مار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، یہ صورت حال کس قدر بھیانک ہے، اس سے نجات کا واحد ذریعہ وہ قناعت ہے جس کی میرے آقا ﷺ نے تعلیم دی، اور اسے خود اختیار فرما کر ہمارے لئے سنت بنا دیا، ذریعہ اجر و ثواب بنا دیا، ملاحظہ ہوں اس سلسلہ میں چند ارشادات عالیہ۔

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''فَوَاللّٰہِ لَا الْفَقْرُ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْھَا وَتُھْلِکَکُمْ کَمَا اَھْلَکَتْھُمْ'' اللہ کی قسم! میں تم پر غربت کا خوف نہیں کرتا، لیکن مجھے یہ خوف ہے کہ تم پر دنیا کشادہ کر دی جائے، جیسے تم سے پچھلے لوگوں پر کشادہ کر دی گئی تھی، تو تم اس میں رغبت کرنے لگو جیسے پچھلے لوگ رغبت کرنے لگے تھے اور تمہیں ویسے ہی ہلاک کر دیا جائے جیسے انہیں ہلاک کر دیا گیا تھا۔

آج ہم پر بلاشبہ دنیا کشادہ ہے اور ہم اس میں اتنے پھنس چکے ہیں کہ وہ ہماری زندگی کی بنیاد بن گئی ہے، یہاں تک کہ ہم نے اپنی دنیا کو دین سے علیحدہ کر لیا اور اسے دین پر فوقیت اور برتری دے دی، انجام وہی نظر آ رہا ہے جو مخبر صادق ﷺ نے بتایا، کہ دنیا بھر میں مسلمان ذلیل و خوار ہیں، عذاب الٰہی اور ہلاکت ان کے دروازے کھٹکھٹا رہی ہے، اللہ محفوظ رکھے، آمین۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ رِزْقَ اٰلِ مُحَمَّدٍ قُوْتًا'' اے اللہ! آل محمد (امت) کا رزق بقدر ضرورت مقرر فرما۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''قَدْ اَفْلَحَ مَنْ اَسْلَمَ وَرُزِقَ کِفَافًا وَقَنَّعَہُ اللّٰہُ بِمَا اٰتَاہُ'' وہ شخص کامیاب ہو گیا، جو مسلمان ہوا، اور بقدر کفایت رزق دیا گیا، اور جو کچھ اسے دیا اللہ نے اس پر قناعت کی توفیق و ہمت بھی عطا فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ مَالِیْ مَالِیْ'' آدمی کہتا رہتا ہے، میرا مال، میرا مال ''وَاِنَّ مَالَہٗ مِنْ مَالِہٖ ثَلٰثٌ'' حالانکہ اس کا مال

صرف وہ ہے جو ان تین مصارف میں صرف ہوتا ہے "مَا اَکَلَ فَاَفْنٰی" جو کھا کر ختم کر دیا" اَوْ لَبِسَ فَاَبْلٰی" جو پہن کر پرانا کر دیا" "اَوْ اَعْطٰی فَاقْتَنٰی" یا (حق داروں) کو دے کر (آخرت کے لئے) جمع کر دیا" "وَمَاسِوٰی ذٰلِکَ فَھُوَ ذَاھِبٌ وَتَارِکُہٗ لِلنَّاسِ" اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ جانے والا ہے، اور وہ اسے لوگوں کے لئے چھوڑنے والا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "یَتْبَعُ الْمَیِّتَ ثَلٰثَۃٌ فَیَرْجِعُ اِثْنَانِ وَیَبْقٰی مَعَہٗ وَاحِدٌ یَتْبَعُہٗ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ وَعَمَلُہٗ یَرْجِعُ اَھْلُہٗ وَمَالُہٗ وَیَبْقٰی عَمَلُہٗ" میت کے ساتھ (قبر تک) تین چیزیں جاتی ہیں، دو (بعد دفن) واپس آ جاتی ہیں اور ایک مردے کے ساتھ رہ جاتی ہے، اس کے ساتھ، اس کے اہل وعیال (اعزا و احباب) اس کا مال (گاڑیاں وغیرہ) اور اس کے اعمال جاتے ہیں، اہل وعیال اور مال واسباب تو واپس آ جاتا ہے اور اعمال باقی رہ جاتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "لَیْسَ الْغِنٰی عَنْ کَثْرَۃِ الْعَرَضِ وَلٰکِنَّ الْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ" امیری کثرت دولت سے نہیں، بلکہ امیری امارت نفس سے ہے۔

آقا ﷺ کے ان ارشادات پر خصوصا وہ لوگ غور کریں، جو مال و دولت کی محبت میں ایسے مبتلا ہوتے ہیں کہ انہیں صرف اپنی تجوریاں ہی دنیا معلوم ہوتی ہے، وہ اپنی دولت سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ انہیں یہ خیال تک نہیں آتا کہ ایک دن انہیں مرنا بھی ہے اور یہ دولت یاروں کی ہو جائے گی، وہ حب مال میں ایسے مبتلا ہوتے ہیں، کہ نہ تو وہ دولت سے خود فائدہ حاصل کر پاتے ہیں، نہ ہی اہل وعیال پر وسعت و فراخی کرتے ہیں، اور نہ حق داروں کا حق ادا کرتے ہیں، اس دولت ہی کو انہوں نے اپنی امارت کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔

آقا ﷺ کے ارشادات کے مطابق یہ سب تصورات باطل، غلط اور فریب قرار پاتے ہیں، صرف انسان کا عمل اور نفس کا غنی ہونا ہی قابل قدر ہے، کہ نیک اعمال قبر میں وسعت و نورانیت کا اور قیامت کے دن شفیع المذنبین ﷺ کی شفاعت کے حصول کا وسیلہ بنتے ہیں، اور نفس کا غنی، یعنی حب دنیا و مال سے آزاد ہونا، بخل کی بیماری سے محفوظ ہونا، حقیقی امارت ہے کہ اس سے انسان لوگوں کی نظروں میں باعزت ہوتا اور ان کا محبوب بن جاتا ہے، وہ اللہ و رسول کا مقرب ہو جاتا ہے۔

امید اور حرص

وہ امید اور حرص جو اللہ اور اس کے رسول کی رضا کے لئے کی جائے، قابل تعریف اور باعث اجر و ثواب ہے مثلاً درازیٔ عمر کی خواہش اور اس کے لئے دعا تاکہ اعمال حسنہ کا زیادہ سے زیادہ ذخیرہ

آخرت کے لئے جمع کیا جا سکے، اسی طرح نیک اعمال میں دوسروں سے سبقت کی حرص، جس کی متعدد مثالیں صحابہ کرام کی زندگی کے واقعات میں موجود ہیں، مثلاً ایک موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے محض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت حاصل کرنے کی غرض سے اپنا نصف مال و متاع بارگاہ رسالت میں پیش کیا اور جب معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر نے تو اپنی ساری پونجی پیش کر دی ہے تو آپ نے ان کی فضیلت و برتری کا اعتراف کر لیا۔

لیکن وہ امید و حرص جو صرف دنیاوی امور میں کی جائے محض دنیا والوں پر اپنی برتری کے اظہار کے لئے، معیوب ہے قابل مذمت ہے، مثلاً خاندان میں برتری حاصل کرنے کے لئے شاندار مکان بنانے کی آرزو کرنا، یا کسی کی چیز دیکھ کر حرص کرنا اور اس سے بہتر حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہی امید و حرص ہے جس کی آقا ﷺ نے مذمت اور ممانعت فرمائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "لَا يَزَالُ قَلْبُ الْكَبِيرِ شَابًّا فِي اثْنَيْنِ فِي حُبِّ الدُّنْيَا وَطُولِ الْأَمَلِ" بوڑھے کا دل دو چیزوں میں ہمیشہ جوان رہتا ہے، دنیا کی محبت میں اور بکثرت امیدوں میں۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "أَوَّلُ صَلَاحِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَأَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْأَمَلُ" اس امت کی پہلی درستی یقین اور زہد ہے اور اس کا پہلا فساد بخل اور کثرت آرزو ہے۔

یعنی اہل ایمان کی اصلاح کا پہلا ذریعہ یقین اور زہد ہے، یقین اس بات کا کہ خیر و شر اللہ ہی کی طرف سے ہے، پس وہی خیر عطا فرمانے والا اور شر سے محفوظ رکھنے والا ہے، یقین اس بات کا کہ اللہ ہی رزاق حقیقی ہے، پس جو کچھ مقدور ہے وہ ضرور عطا فرمائے گا، یقین اس بات کا کہ ایک دن نیک اعمال کی جزاء اور بد اعمال کی سزا ضرور ملے گی، اور یقین اس بات کا کہ ہمارے ہر حال سے اللہ علیم و خبیر، باخبر ہے، یہی یقین زہد پیدا کرتا ہے، اور یقین و زہد ہی قلبی امراض، مثلاً حسد، کینہ وغیرہ نیز بد عملی اور بد کرداری سے نجات کا ذریعہ ہوتے ہیں، جن سے محفوظ مومن متقی کہلاتا ہے اور متقی اللہ کا مقرب اور اللہ کے رسول ﷺ کا محبوب ہوتا ہے، پس امت یا مسلم معاشرے کی اصلاح کے لئے یقین اور زہد لازمی ہیں۔

جب کہ امت میں فساد کی ابتداء بخل اور امل سے ہوتی ہے، بخل، مال و متاع کی محبت میں مبتلا کرتا ہے، جس کے باعث مومن ظلم و ستم، اہل حقوق کی حق تلفی کا مجرم بن جاتا ہے، وہ اپنی تجوریاں بھری رکھنے کے لئے، اپنے مال و دولت میں اضافہ کے لئے، سود، جوئے، رشوت اور دیگر مالی بدعنوانیوں کا عادی ہو جاتا ہے، اور امل یعنی امید و آرزو کی کثرت مومن کو اللہ سے اللہ و رسول کے احکام سے غافل کر دیتی

ہے، وہ قلبی سکون وطمانینت سے محروم ہو جاتا ہے، یہ بخل وامل ہی ہے جو مسلم امت کی ذلت وخواری کا سبب بن جاتے ہیں،

بروایت زید بن حسین حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا: ''اَیُّ شَیْءٍ الزُّهْدُ فِی الدُّنْیَا'' دنیا میں بے رغبتی کا ذریعہ کیا ہے، آپ نے فرمایا: ''طِیْبُ الْکَسْبِ وَقَصْرُ الْاَمَلِ'' حلال کمائی اور کم امیدیں۔

حلال کمائی سے، عبادات میں لذت، دل میں بیداری، آنکھوں میں تری، اور دعا میں قبولیت پیدا ہوتی ہے، پس جو کوئی مستجاب الدعوات ہونا چاہتا ہے، وہ اکل حلال اور صدق مقال کی پابندی کرے،

کم امیدیں رکھنے سے، انسان اللہ کی یاد سے غافل نہیں ہو پاتا، گناہ پر دلیر نہیں ہوتا، توبہ میں جلدی کرتا ہے، قلبی امراض سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْعَبْدَ التَّقِیَّ الْغَنِیَّ الْخَفِیَّ'' بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کو پسند فرماتا ہے، جو متقی ہو، غنی ہو، خفی ہو۔

مفہوم یہ ہے کہ وہ مومن اللہ کے نزدیک محبوب وپسندیدہ ہیں جس میں تین خوبیاں پائی جائیں، متقی ہو، اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق زندگی بسر کرتا ہو، غنی ہو، لوگوں سے مستغنی رہتا ہو، کہ اپنے ذاتی معاملات کے لئے لوگوں کی چاپلوسی اور خوشامد نہ کرتا ہو، اس کا دل لوگوں کی نفرت، حسد کینہ سے پاک ہو، خفی ہو، کہ لوگوں کے سامنے اپنی خوبیوں کو ظاہر نہ کرتا ہو،

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلْکَیِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ'' عقل مند وہ ہے جس نے خود کو موت سے قریب جانا اور موت کے بعد کے عمل کیے ''وَالْعَاجِزُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰی عَلَی اللّٰهِ'' اور عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کو خواہشات کا تابع کر دے، اور اللہ سے غلط امید وابستہ رکھے۔

میرے آقا ﷺ، عقل مند اور بے وقوف کی علامت بیان فرما رہے ہیں، عقل مند وہ ہے جو ہر وقت موت کو یاد رکھے، جس کا اثر اس کی عملی زندگی میں نظر آئے کہ اس کا ہر کام اللہ ورسول اللہ ﷺ کے احکام کے مطابق ہو، عجز وانکساری اس کا شیوہ ہو، میل ومحبت اس کی عادت ہو، وہ اسلامی تہذیب و تمدن کا دلدادہ ہو، کہ اس کا کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، انداز گفتگو، غرضیکہ ہر کام شریعت کے مطابق ہو، جب کہ بے وقوف وہ ہے، جو اس چار روزہ زندگی اور زندگی کے عیش وعشرت میں مست ہو کر اپنے انجام سے غافل ہو جائے، مسلمان ہونے کے دعویٰ کے باوجود اس کا کوئی عمل اسلامی انداز کا نہ ہو، دنیا کے فانی مال ومتاع پر فریفتہ ہو، دولت کے گھمنڈ میں مبتلا ہو، تکبر وغرور کا پتلا نظر آتا ہو، مذہب کی ہر

بات اسے رجعت پسندی معلوم ہوتی ہو، مغربی تہذیب وتمدن اس کا اوڑھنا بچھونا ہو، اور پھر بھی اپنے آپ کو عقل مند کہتا ہو، نہیں ہر گز نہیں، ایسا شخص یقیناً بے وقوف ہے، اپنی بے وقوفی کا پتہ اسے اس وقت چلے گا جب موت کا فرشتہ اس کا گلا دبوچے گا، اللہ ایسے لوگوں سے دور رکھے، آمین۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میری بوٹی پکڑ کر فرمایا: ''کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْعَابِرٌ وَعُدَّ نَفْسَکَ فِیْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ'' دنیا میں مسافر یا راہ گیر کی طرح رہو اور اپنے آپ کو قبر والوں میں شمار کرو۔

مسافر یا راہ گیر ہر وقت اپنی منزل کی طرف بڑھتا رہتا ہے وہ کسی جگہ صرف آرام کے لئے ٹھہرتا ہے، مومن کے لئے یہ دنیا صرف آرام کی منزل ہے جب کہ اس کی اصل منزل آخرت ہے پس اسے مسافر کی طرح ہر وقت اپنا سامان تیار رکھنا اور اپنی اصل منزل کی طرف بڑھتے رہنا چاہیے، نیز قبروں کو دیکھ کر اسے کامل یقین ہونا چاہیے کہ ایک دن مجھے بھی انہی قبر والوں میں شامل ہونا ہے، کہ یہ قبرستان عبرت گاہیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لُعِنَ عَبْدُ الدِّیْنَارِ وَلُعِنَ عَبْدُالدِّرْھَمِ'' دینار و درہم کے بندے پر لعنت کی گئی۔

یعنی مومن جب دولت کی محبت میں اتنا غرق ہو جاتا ہے کہ دولت اس کی باندی نہیں رہتی بلکہ وہ خود دولت کا بندہ اور غلام بن جاتا ہے کہ اس کے حصول اور اس میں اضافہ کے لئے دین و دنیاوی قانون سے آزاد ہو کر، حلال و احرام میں امتیاز کیے بغیر سرگرداں رہتا ہے، پس اس شخص پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے، بایں صورت کہ وہ در در کی ٹھوکریں کھاتا رہتا ہے، اس کے آسان کام بھی دشوار ہو جاتے ہیں، کثرت دولت کے باوجود وہ رات کی نیند اور سکون و آرام سے محروم رہتا ہے۔ اسے یا اس سے متعلق لوگوں کو طرح طرح کی بیماریوں میں مبتلا کر دیا جاتا ہے، یہ لعنت صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ اُس کے اہل خانہ و متعلقین سب ہی اس جرم میں ملوث ہوتے ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''حُبُّ الدُّنْیَا رَأْسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ'' دنیا کی محبت تمام برائیوں کی اصل ہے (کہ دنیا سے محبت کرنے والا ہر قسم کی برائیوں اور جرائم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

بہر حال امید و حرص وہ مہلک بیماریاں ہیں جو مومن کو دین سے دور کر دیتی ہیں، ایسے مریضوں ہی کے سبب پورا معاشرہ مریض ہو جاتا ہے اس کی ساکھ ختم ہو جاتی ہے، ذلت و خواری اس کا لبادہ بن جاتی ہے، ایسے معاشرے کا ہر فرد خوف و ہراس میں مبتلا نظر آتا ہے، ہمارے دور میں اس کیفیت کی وضاحت

کی ضرورت نہیں امت مسلمہ کی حالت زار اس کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

برکت کا ذریعہ

برکت اللہ کی بڑی نعمت ہے، اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ ہر کسی سے برکت کے لئے دعا کی درخواست کرتے رہتے ہیں، بزرگوں، عالموں سے عدم برکت کا شکوہ کرتے ہیں، حصول برکت کے لئے تعویذ اور وظائف مانگتے رہتے ہیں، لیکن ان طریقوں کو اختیار کرنے پر توجہ تک نہیں کرتے جو مخبر صادق ﷺ نے بتائے، جب کہ صرف یہی طریقے حصول برکت کا یقینی اور کامیاب ذریعہ ہیں۔

حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بعض صحابہ نے شکوہ کیا کہ ہم کھاتے ہیں لیکن پیٹ نہیں بھرتا، آپ نے فرمایا، شاید تم علیحدہ علیحدہ کھاتے ہو، عرض کیا، جی، پس ارشاد ہوا، فَاجْتَمِعُوْا عَلٰى طَعَامِكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ يُبَارِكْ لَكُمْ فِيْهِ'' کھانا اکٹھے ہو کر کھایا کرو، اور اللہ کا نام لیا کرو، اللہ اس میں تمہارے لئے برکت کرے گا۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''كُلُوْا جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا فَاِنَّ الْبَرَكَةَ مَعَ الْجَمَاعَةِ'' اکٹھے ہو کر کھایا کرو، علیحدہ علیحدہ نہ کھاؤ، کہ جماعت میں برکت ہو۔

غور فرمایئے حصول برکت کا کتنا آسان طریقہ بتایا گیا، کہ گھر کے تمام افراد مل کر ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھائیں، کھانا شروع کرنے سے پہلے، سنت رسول پر عمل کی نیت سے ہاتھ دھوئیں، بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کریں، دوران کھانا یہ خیال کرتے رہیں کہ اللہ ہی نے ہمیں ان تمام نعمتوں سے نوازا ہے، بہتر تو یہی ہے کہ ایک ہی برتن میں کھایا جائے اگر یہ دشوار ہو تو چند پلیٹیں استعمال کی جائیں، افسوس آج ہم مغربی تہذیب کا شکار ہیں جسے جب موقع ملا، کھانا نکالا اور کھڑے یا بیٹھے جانوروں کی طرح کھا لیا، پھر شکوہ ہے، بے برکتی کا، یاد رکھیے مسلمان کے لئے صرف اسلامی تہذیب اور اسلامی اقدار کو اپنانے ہی میں برکت ہے، اسی میں سکون واطمینان ہے، کھانے کے بعد اجتماعی طور پر، ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر ادا کرنا اور دعا کرنا سنت اور ذریعۂ برکت ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور مسلمان بنایا۔

برکت کا ایک ذریعہ اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا، اپنی اور دوسروں کی ضروریات پوری کرنے کے لئے بے حساب بے شمار خرچ کرنا، جب کہ بخل اور کنجوسی بے برکتی کا ذریعہ ہے، اسی لئے میرے آقا

ﷺ نے اس کی ممانعت فرمائی،

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ خَبٌّ وَلَا بَخِیْلٌ وَلَا مَنَّانٌ'' جنت میں مکار بخیل اور احسان جتانے والا داخل نہ ہوگا (احسان جتانے والا لوگوں کو احسان جتا کر ایذاء دیتا ہے لہٰذا وہ جنت میں داخل ہونے کے لائق نہیں)

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَنْفِقِیْ وَلَا تُحْصِیْ یُحْصِی اللّٰہُ عَلَیْکِ وَلَا تُوْعِیْ یُوْعِی اللّٰہُ عَلَیْکِ اَنْفِقِیْ مَا اسْتَطَعْتِ'' خرچ کرتی رہو اور شمار نہ کرو، کہیں اللہ تم پر شمار نہ کرنے لگے، اور مال کو نہ روکو، کہیں اللہ بھی تم پر نہ روک دے، جتنا ہوسکے خرچ کرتی رہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اَنْفِقْ یَا ابْنَ اٰدَمَ اُنْفِقْ عَلَیْکَ'' اے ابن آدم! خرچ کرتا رہ میں تجھ پر خرچ کرتا رہوں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے: ''کُلْ مَاشِئْتَ وَالْبَسْ مَاشِئْتَ مَا اَخْطَاَتْکَ اثْنَتَانِ سَرَفٌ وَمَخِیْلَۃٌ'' جو دل چاہے کھاؤ اور جو دل چاہے پہنو جب تک فضول خرچی اور تکبر تمہارے پاس نہ آئے۔

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ اللہ کی شان ہے، پس وہ پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے بھی بغیر حساب خرچ کریں، دولت جمع کرنے اور روکنے والوں پر اللہ بھی اپنا فضل روک دیتا ہے برکت و وسعت ختم ہوجاتی ہے، پس اسلام کا عطا کردہ معاشی اصول یہ ہے کہ دولت جمع کرنے اور تجوریاں بھرنے سے قوم کی معاشی حالت تباہ ہوجاتی ہے۔

برکت کا ایک ذریعہ اللہ کا شکرادا کرنا بھی ہے کہ شکر ہی نعمتوں میں اضافہ اور زیادتی کا سبب ہے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وعدۂ الٰہی ہے، میرے آقا ﷺ نے شکر کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ لَمْ یَشْکُرِ النَّاسَ لَمْ یَشْکُرِ اللّٰہَ'' جس نے لوگوں کا شکرادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکرادا نہ کیا،

مطلوب یہ ہے کہ اگرچہ ہر نعمت کا عطا فرمانے والا، صرف اللہ ہی ہے لیکن چونکہ بندے ایصال نعمت کا وسیلہ ہیں لہٰذا وہ بھی شکریہ کے مستحق ہیں، پس جب کوئی، کسی کو اللہ کی نعمت پہنچائے تو لینے والے کو دینے والے کا شکرادا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ بندے آپس میں ایک دوسرے کا شکر ادا کریں، یہ برکت کا ذریعہ بھی ہے اور باہمی محبت میں اضافہ کا بھی۔

آقائے نعمت ﷺ بندوں کو سب سے زیادہ اللہ کی نعمتیں پہنچانے والے ہیں کہ ''اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ

وَاللّٰهُ يُعْطِىْ ''ان کی شان ہے، جو کچھ ملا، جسے ملتا ہے انہی کے وسیلہ سے ملتا ہے، لہٰذا وہی سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ غلام ان کا شکر ادا کریں، جس کا طریقہ ان کی اتباع و پیروی کرنا اور ان کے دربار عالی میں درود و سلام کے گلدستے پیش کرنا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ مِنْ كُلِّ ضِيْقٍ مَخْرَجًا وَمِنْ كُلِّ هَمٍّ فَرَجًا وَرَزَقَهٗ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ'' جو استغفار کرتا رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر تنگی سے نکلنے کا راستہ بنا دیتا ہے، اور اسے ہر رنج و الم سے نجات عطا فرما دیتا ہے، اور اسے ایسے ذرائع سے رزق عطا فرماتا ہے جن کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

استغفار اور گناہوں سے توبہ کرتے رہنا، اللہ کو بے حد پسند ہے یہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مبارکہ ہے، لہٰذا ذریعۂ برکت ہے، کہ استغفار کرنے والے ہر قسم کی تنگی اور رنج و الم سے نجات پاتے ہیں ان کے رزق میں فراخی ہوتی ہے۔

صلہ رحمی

یعنی اعزاء و اقارب سے میل جول رکھنا ان کے حقوق ادا کرنا بھی ذریعۂ برکت ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''تَعَلَّمُوْا مِنْ اَنْسَابِكُمْ تَصِلُوْنَ بِهٖ اَرْحَامَكُمْ فَاِنَّ صِلَةَ الرَّحِمِ مَحَبَّةٌ فِى الْاَهْلِ كَثْرَةٌ فِى الْمَالِ مِنْسَاةٌ فِى الْاَثَرِ'' اپنے نسبوں کو یاد رکھو تا کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ میل جول رکھ سکو، کیونکہ صلہ رحمی خاندان میں محبت، مال میں کثرت اور عمر میں برکت کا ذریعہ ہے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے فرمایا: ''عَجَبًا لِّاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذٰلِكَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِمُؤْمِنٍ'' تعجب ہے مومن پر کہ اس کے تمام کام خیر ہی ہوتے ہیں اور یہ صرف مسلمان ہی کی خوبی ہے ''اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّآءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ، وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّآءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ'' اگر اسے خوشی ملتی ہے تو وہ شکر ادا کرتا ہے پس خوشی اس کے لئے خیر بن جاتی ہے، اور اگر اسے تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اس پر صبر کرتا ہے، پس تکلیف بھی اس کے لئے ذریعہ خیر ہو جاتی ہے۔

صبر و شکر، برکت کا ذریعہ ہے، مومن کی یہ شان ہے کہ وہ خوشی اور مسرت کے موقع پر، اللہ رحیم و کریم کا شکر ادا کرتا ہے، پس شکر انعامات الٰہیہ میں اضافہ اور برکت کا ذریعہ بنتا ہے اور جب بھی مومن کسی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے، تو اس کی مصیبت دور ہو جاتی ہے اور آئندہ وہ مصائب و

آلام سے محفوظ رہتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اللہ کی رحمت ونصرت سے بڑھ کر دوسری کون سی نعمت ہوسکتی ہے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے: وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ[1] اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ اسے کافی ہے، ہر حال میں اللہ کا کافی ہونا یقیناً ذریعہ برکت ہے،

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے فرمایا: "لَوْ اَنَّكُمْ تَتَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرَزَقَكُمْ كَمَا يَرْزُقُ الطَّيْرَ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَتَرُوْحُ بِطَانًا" اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو جیسے بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں رزق دے گا، جیسے وہ پرندوں کو رزق دیتا ہے کہ وہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں،

معلم حکمت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے حکیمانہ انداز سے ہمیں اللہ پر بھروسہ کی تلقین فرما رہے ہیں، کیسی پیاری مثال ہے، کہ پرندے صبح کو بھوکے پیاسے اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں، انہیں نہ اپنی منزل کا پتہ ہوتا ہے اور نہ ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کس طرح پیٹ بھریں گے، پس اللہ پر بھروسہ کر کے پرواز کرتے ہیں، رزاق حقیقی خود ان کے رزق کا انتظام فرماتا ہے، دوران پرواز ہی دانے پر ان کی نظر پڑ جاتی ہے وہ جگہ جگہ سے اپنا دانہ چنتے ہیں اور جب رات کو گھونسلوں کی طرف واپس آتے ہیں تو شکم سیر ہوتے ہیں، نہایت سکون سے رات بھر آرام کرتے ہیں، ان پرندوں کو رزق دینے والا، اللہ ہی ہمارا رزاق بھی ہے، بس حرکت وسیلۂ برکت بنتی ہے، بندے کو یقین ہونا چاہیے کہ میرا کام حرکت کرنا، تگ و دو کرنا ہے، نہ کسی کی خوشامد کی ضرورت، نہ بددیانتی اور بے ایمانی کی ضرورت، بس اللہ پر توکل ہو تو اللہ ہی اس کے لئے کافی ہے۔

حقوق العباد

انسان پر بندوں کے حقوق بھی اللہ تعالیٰ نے ہی عائد کیے ہیں جو بایں اعتبار حقوق اللہ سے زیادہ اہم ہیں کہ اللہ رحمٰن ورحیم ہے، گناہوں کا بخشنے والا ہے، اگر بندوں سے اس کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہوتی ہے تو یقین ہے کہ قیامت کے دن وہ ضرور معاف فرما دے گا، لیکن بندہ بڑا ہی کم ظرف اور سخت دل ہوتا ہے وہ اپنی حق تلفی کرنے والوں کو دنیا میں معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا تو آخرت میں کیا معاف کرے گا، جب کہ اسے ہر حق کے بدلہ حق تلفی کرنے والے کی نیکیاں ملنے کا یقین ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "مَنْ كَانَتْ لَهٗ مَظْلِمَةٌ لِاَخِيْهِ مِنْ عِرْضِهٖ اَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ اَنْ لَّا يَكُوْنَ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ" جس پر اپنے مسلمان بھائی کا کوئی ظلم (حق) ہو اس کی آبرو یا کسی اور چیز سے متعلق تو اسے

چاہیے کہ وہ آج ہی معاف کرالے اس سے پہلے کہ حق دار کے پاس نہ دینار ہو اور نہ درہم (کیونکہ) اِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ اُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ "اگر ظالم کے پاس نیکیاں ہوں گی تو حق دار کے پاس حق کی مقدار اس سے چھین لی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو حق دار کی برائیاں ظالم کے اعمال نامہ میں شامل کردی جائے گی۔

حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے درج ذیل حدیث مبارکہ قابل غور ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھ سے فرمایا "اَلَمْ اُخْبَرْ اَنَّکَ تَصُوْمُ النَّهَارَ وَتَقُوْمُ اللَّيْلَ" مجھے خبر دی گئی ہے کہ تم (ہمیشہ) دن میں روزہ رکھتے ہو اور ساری رات عبادت کرتے ہو، پس میں نے اعترافاً عرض کیا، جی، یا رسول اللہ ﷺ، آپ نے فرمایا: "فَلَا تَفْعَلْ صُمْ وَاَفْطِرْ وَقُمْ وَنَمْ" ایسا نہ کیا کرو، روزہ بھی رکھا کرو اور افطار بھی کیا کرو، اور رات کو عبادت بھی کیا کرو اور سویا بھی کرو" فَاِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَيْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِعَيْنَيْکَ عَلَيْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْجَتِکَ عَلَيْکَ حَقًّا وَاِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَيْکَ حَقًّا" کیونکہ تم پر تمہارے جسم کا بھی حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی حق ہے، اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے" لَا صَامَ مَنْ صَامَ الدَّهْرَ صَوْمُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ صَوْمُ الدَّهْرِ فَصُمْ كُلَّ شَهْرٍ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ وَاقْرَءِ الْقُرْاٰنَ فِیْ كُلِّ شَهْرٍ "جس نے عمر بھر روزے رکھے اس نے روزے رکھے ہی نہیں، ہر ماہ تین روزے ساری عمر کے روزوں کے برابر ہیں، پس ہر مہینہ تین دن کے روزے رکھا کرو اور ہر مہینہ قرآن کریم ختم کیا کرو (حضرت عبداللہ فرماتے ہیں) میں عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ ﷺ میں اس سے زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں، پس آپ نے فرمایا: "صُمْ اَفْضَلَ الصَّوْمِ صَوْمَ دَاوٗدَ صَوْمَ يَوْمٍ وَاِفْطَارَ يَوْمٍ" بہترین روزہ، صوم داؤد رکھا کرو، یعنی ایک دن روزہ ایک دن افطار" وَاقْرَاْهُ فِیْ كُلِّ سَبْعِ لَيَالٍ مَرَّةً وَلَا تَزِدْ عَلٰى ذٰلِکَ" اور سات راتوں میں ایک قرآن کریم ختم کیا کرو اور اس سے زیادہ نہ کرو۔

نبی رحمت ﷺ نے حقوق العباد کے پیش نظر، بکثرت نفلی روزوں اور نفلی عبادات سے منع فرمایا، کہ اسلام اعتدال پسند دین ہے اس کے جملہ احکام میں میانہ روی نظر آتی ہے، یہاں نہ تو اللہ کی یاد اور عبادت سے غافل ہونے کی اجازت ہے اور نہ ہی رہبانیت کی اجازت ہے کہ بندہ حقوق العباد اور اپنی دنیاوی ذمہ داریوں کو چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جائے اور صرف اللہ کی عبادت ہی کرتا رہے، یہ اعتدال صرف اسلام کی خصوصیت ہے، دیگر مذاہب میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

نفلی عبادات کے متعلق شرعی مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص نفلی عبادت میں اس وقت تک مصروف نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اس سے اجازت نہ لے جس کی اس پر شرعی ذمہ داری ہو، مثلاً عورت نفلی روزے یا دیگر عبادات شوہر کی اجازت کے بغیر نہیں کرسکتی، ملازم کو نفلی عبادات کے لئے اپنے حاکم سے اجازت لینا ضروری ہے، جب کہ فرض عبادت کے لئے کسی کی اجازت ضروری نہیں،

حسن سلوک

معلم کامل ﷺ کی تعلیمات میں سے اہم ترین تعلیم حسن سلوک، یعنی اچھے برتاؤ کی ہے، کہ اچھا برتاؤ ہی امت مسلمہ کے درمیان میل و محبت پیدا کرتا ہے اور اسی سے باہمی ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ مِنْ اَحَبِّکُمْ اِلَیَّ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا'' میرے نزدیک تمہاری سب سے پسندیدہ چیز تمہارا اخلاق ہے،

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما ہی کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ مِنْ خِیَارِکُمْ اَحْسَنَکُمْ اَخْلَاقًا'' تم میں سے بہتر وہ ہے جو باعتبار اخلاق اچھا ہو۔

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص نے بتایا کہ لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سوال کیا: ''مَاخَیْرُ مَا اُعْطِیَ الْاِنْسَانُ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ'' انسان کو دی گئی نعمتوں میں سب سے بہتر کون سی نعمت ہے، آپ نے فرمایا، حسن اخلاق۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا'' باعتبار ایمان کامل مومن وہ ہے جو باعتبار اخلاق اچھا ہو۔

مذکورہ بالا چند ارشادات ہی سے یہ حقیقت واضح ہے کہ نبی مکرم ﷺ معلم امن ہیں کہ آپ نے اپنے غلاموں کو حسن اخلاق کی تعلیم دے کر، درحقیقت انہیں محبت بھرا، پرسکون معاشرہ تعمیر کرنے کی دعوت دی ہے، جس کے لئے بطور نمونہ آپ نے اپنی زندگی کو پیش کیا اور اسی کے مطابق صحابہ کرام کو زندگی بسر کرنے کی تربیت دی پھر پوری امت مسلمہ کو یہی تعلیم دی، لیکن حیرت یہ ہے کہ ان تعلیمات کے باوجود بھی آج مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگایا جارہا ہے، جب کہ مسلمان قوم سے زیادہ کوئی قوم دہشت گردی کی دشمن نہ رہی اور نہ ہی کسی کے پاس دہشت گردی کو ختم کرنے وہ کامیاب طریقے ہیں جن کی تعلیم معلم کامل ﷺ سے امت مسلمہ کو ملی۔

والدین کا حق

بندوں پر جن بندوں کے حقوق و فرائض عائد کیے گئے ہیں ان میں اولیت والدین کے حقوق کی

ہے، جنہیں قرآن کریم نے تفصیل وتاکید سے بیان فرمایا اور مفسر قرآن ﷺ نے ان کی مزید تاکید فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلْکَبَائِرُ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْیَمِیْنُ الْغَمُوْسِ'' گناہ کبیرہ اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی، کسی کو قتل کرنا، اور جھوٹی قسم ہے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''کُلُّ الذُّنُوْبِ یَغْفِرُ اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْھَا مَاشَاءَ اِلاَّ عُقُوْقَ الْوَالِدَیْنِ یُعَجِّلُ لِصَاحِبِہٖ فِی الْحَیٰوۃِ قَبْلَ الْمَمَاتِ'' اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو معاف فرما دیتا ہے سوائے والدین کے نافرمانی کے، نافرمان کی موت سے پہلے دنیا ہی میں سزا مل جاتی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا کہ اولاد پر والدین کا کیا حق ہے، آپ نے فرمایا: ''ھُمَا جَنَّتُکَ وَنَارُکَ'' وہی دونوں تیری جنت ہیں اور تیرا جہنم ہیں (کہ ان کی اطاعت وخدمت کرنے والا جنتی ہے اور ان کا نافرمان جہنمی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَیْہِ اَوْ اَحَدِھِمَا فِیْ کُلِّ یَوْمِ جُمُعَۃٍ مَرَّۃً غَفَرَ اللّٰہُ لَہٗ وَکُتِبَ بَرًّا'' جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے ایک کی قبر پر ہر جمعہ کو ایک مرتبہ زیارت کی اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرما دیتا ہے اور اسے نیکوں میں شامل کر دیا جاتا ہے''۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''رِضَی الرَّبِّ فِیْ رِضَی الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِیْ سَخَطِ الْوَالِدِ'' رب کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور رب کی ناراضگی باپ کی ناراضگی میں ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّھَاتِ'' بے شک اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کر دی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلْجَنَّۃُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّھَاتِکُمْ'' جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔

بہر حال معلم کامل ﷺ کے ارشادات حقہ کے مطابق والدین کی نافرمانی حرام، دنیا کی زندگی ہی میں ذلت وخواری کا سبب ہے جب کہ ان کی اطاعت وفرمانبرداری سعادت مندی، اللہ ورسول کی رضا، گناہوں کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔

یہ صرف اسلام ہی کی تعلیم ہے جس میں بزرگوں بالخصوص والدین کی عزت واحترام کی تاکید ملتی ہے جب کہ غیر مسلموں میں کسی کے احترام، عزت، خدمت اور اطاعت کا تصور تک نہیں اسی لئے مغربی معاشرے میں بوڑھوں کے لئے علیحدہ گھر تعمیر کر دیئے جاتے ہیں جہاں وہ حکومت یا رفاہی اداروں کی نگرانی میں زندگی کے آخری ایام پورے کرتے ہیں، اولاد کو ان سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، جب کہ مسلم معاشرے میں بوڑھوں کی ذمہ دار خود اولاد ہوتی ہے، نیک اور خداترس لوگ ہرگز یہ گوارا نہیں کرتے کہ وہ اپنے والدین یا بزرگوں کو کسی کی نگرانی میں دے کر سبکدوش ہو جائیں، اسی لئے مسلم ممالک میں بوڑھوں کے لئے علیحدہ گھر کا کوئی تصور نہیں اور نہ ہی ایسے گھروں کی تعمیر اور انہیں چلانے کا کوئی ثواب ہے۔

عورتوں کے حقوق

اسلامی تعلیمات کے مطابق عورتوں کے حقوق مردوں پر اس سے زیادہ ہیں جتنے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، قرآن کریم نے ان حقوق کو ایک جملہ میں بیان فرمایا، ارشاد ہوتا ہے: وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ اور عورتوں کے ساتھ خیر و بھلائی کا برتاؤ کرو۔ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا۔ پھر اگر تم انہیں ناپسند کرو (تو صبر کرو) شاید تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور اللہ نے اسی میں (تمہارے لئے) خیر کثیر رکھ دی ہو (النساء:19)

یعنی عورتوں کے عیوب پر صبر کرو اور ان کی کمزوریوں کے سبب انہیں چھوڑ نہ دو، چاہے وہ تمہاری ماں ہو، بہن ہو یا بیوی، کیونکہ تم نہیں جانتے کہ ان میں جو خوبی اور بہتری ہے وہی تمہارے لئے خیر کا ذریعہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَّ خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ" ساری دنیا ساز و سامان ہے اور دنیا کا بہترین سامان نیک عورت ہے۔

کہ صالحہ، صالحین کو جنم دیتی ہے، جس سے پورا معاشرہ صالحیت کا گہوارہ بن جاتا ہے، برائیوں اور بدکاریوں سے پاک ہوتا ہے، ظلم و ستم اور دہشت گردی جیسے جرائم سے محفوظ رہتا ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: "مَا تَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَآءِ" میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان پہنچانے والا فتنہ نہ چھوڑا۔

یعنی اگر عورت نیک اور صالح نہ ہو تو وہ مرد کے لئے نہایت ہی تکلیف دہ فتنہ بن جاتی ہے وہ صرف

ایک مرد ہی کی زندگی اجیرن نہیں کرتی بلکہ سب سے پہلے تو اس کا اثر اس کی اولاد پر پڑتا ہے، اس کی وجہ سے خاندان اور پڑوس میں آئے دن لڑائی جھگڑا ہوتا رہتا ہے، اس کے پروردہ افراد پورے معاشرے کے لئے کلنک کا داغ ہوتے ہیں۔

حضرت حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کہ ہم پر ہماری بیویوں کا کیا حق ہے، پس آپ نے فرمایا: ''اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحَ وَلَا تَهْجُرَ اِلَّا فِي الْبَيْتِ.'' (بیوی کا حق یہ ہے کہ) جو تم کھاؤ اسے بھی کھلاؤ، جو تم پہنو اسے بھی پہناؤ، اور اس کے منہ پر نہ مارو، اور اس کی برائی نہ کرو، اور اسے نہ چھوڑو مگر گھر ہی میں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ لِنِسَاءِ هِمْ'' مومن کامل وہ ہے جس کا اخلاق اچھا ہو، اور تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے ہوں،

حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اَلَا اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَفْضَلِ الصَّدَقَةِ اِبْنَتُكَ مَرْدُوْدَةٌ اِلَيْكَ لَيْسَ لَهَا كَاسِبٌ غَيْرُكَ'' کیا میں تمہیں بہترین صدقہ نہ بتادوں، تیری وہ بیٹی ہے جو تیری طرف لوٹا دی گئی ہے، اور اس کے لئے کمانے والا سوائے تیرے کوئی نہیں (یعنی مطلقہ یا بیوہ جس کا دنیا میں کوئی سہارا نہیں، اس کے اخراجات برداشت کرنا بہترین صدقہ ہے)۔

عورتوں کے حقوق سے متعلق یہ چند ارشادات مبارکہ خواتین بالخصوص ان عورتوں کے لئے قابل غور ہیں جو مغربی تہذیب وتمدن کی دلدادہ ہیں، جہاں عورت کے تقدس اس کی عزت وآبرو کے احترام کا کوئی تصور نہیں جہاں عریاں عورت شمع محفل کے سوا کچھ نہیں، جہاں مرد وعورت کی برابری کا فریب دے کر عورت کی ہڈیاں چکنا چور کردی جاتی ہیں، اس کا خون چوس لیا جاتا ہے، جہاں وہ جہنم کا ایندھن بن کر رہ جاتی ہے، جب کہ اسلام، عورت کی عزت آبرو کی حفاظت کا درس دیتا ہے، اس پر شفقت کرنے کا اس سے محبت کرنے کا حکم دیتا ہے، اسلام عورت کو گھر کی باندی یا خادمہ نہیں بلکہ مالکہ قرار دیتا ہے، مردوں کو عورتوں کے ساتھ خیر وبھلائی اور ان کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے، پس عورت کے لئے اسلام کے سوا نہ تو ماضی میں کوئی پناہ گاہ تھی اور نہ آج ہے، کاش خواتین، اسلام کے عطا کردہ اصول زندگی اپنا کر سکون اور اطمینان کی زندگی بسر کریں۔

یتیموں کے حقوق

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے سوا کمزوروں کا کوئی سہارا نہیں، انسانوں میں کمزور ترین گروہ یتیم بچوں کا ہوتا ہے جو کم عمری ہی میں اپنے والدین کے سایہ سے محروم ہو جاتے ہیں اب ان کی تعلیم و تربیت کرنے والا ان کے اخراجات اٹھانے والا کوئی نہیں رہتا، ان کے قریبی اعزاء تک ان سے آنکھیں پھیر لیتے ہیں، ان کے ہمعصر بچے انہیں حقیر سمجھنے لگتے ہیں غرضیکہ ان سے زیادہ سہارے کا محتاج کوئی نہیں ہوتا، پس اللہ نے، اس کے رسول ﷺ نے، قوم کے ہر فرد کو ان کا سہارا قرار دیا ان کا ذمہ دار ٹھہرایا فَاَمَّا الْیَتِیْمَ فَلَا تَقْهَرْ پس کسی یتیم پر سختی نہ کرو، رب رحیم و کریم کا یہ ارشاد یتیم کے لئے بڑا سہارا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ الْیَتِیْمَ اِذَا بَکٰی اِھْتَزَّ لِبُکَائِهٖ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ'' بے شک جب یتیم روتا ہے تو اس کے رونے کی وجہ سے رب رحمٰن کا عرش لرزنے لگتا ہے''۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''خَیْرُ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْهِ وَشَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْهِ یَتِیْمٌ یُسَاءُ اِلَیْهِ'' مسلمانوں کا بہترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں کا بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یا رسول اللہ! میں سخت دل ہوں (حتیٰ کہ اگر میں کسی پر مہربانی بھی کرنا چاہتا ہوں تو نہیں کر پاتا) طبیب القلوب ﷺ نے فرمایا ''اِمْسَحْ رَأْسَ الْیَتِیْمِ وَاَطْعِمِ الْمِسْکِیْنَ'' یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو اور مسکین کو کھانا کھلایا کرو۔

آقائے رحمت ﷺ کی تعلیم کے مطابق یتیم کی پرورش قومی اور اجتماعی ذمہ داری نہیں کہ رفاہی ادارے یتیم خانے کھول دیں اور ان میں پرورش پانے والے یتیموں کو بھکاری بنا دیا جائے، لوگ صدقہ وخیرات اور بچے کھچے کھانے سے ان کی مدد کر کے برکت وثواب کے حق دار بن جائیں، غور کیجئے، کیا ہم اپنے بچوں کی اس طرح پرورش گوارا کر سکتے ہیں، ہرگز نہیں، تو اپنے مسلمان بھائیوں کے چھوڑے ہوئے بچوں کے لئے ہم یہ کیوں گوارا کرتے ہیں، کیا یہ بچے معاشرے کے لئے اچھے افراد ثابت ہو سکتے ہیں، ہرگز نہیں، ان کی ذہنوں میں لالچ پیدا ہو جاتا ہے، ان کی ہمت پست ہوتی ہے، تعلیمی اور اخلاقی اعتبار سے یہ نہایت کمزور ہوتے ہیں، لہٰذا اسلام چاہتا ہے کہ قوم انفرادی طور پر ان کمزور بچوں کی

پرورش کی ذمہ داری قبول کرے، ہر گھر میں یتیم بچہ موجود ہو، اسے اپنے بچوں ہی کی طرح تعلیم دی جائے، ان کی تربیت کی جائے، اپنی اولاد جیسا ہی برتاؤ کیا جائے، تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے گھروں میں ہمیشہ ایک دو یتیم ہوا کرتے تھے، عورتیں یتیموں کی پرورش پر فخر کیا کرتی تھیں ان کی خدمت کو باعث برکت اور باعث ثواب جانا جاتا تھا، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اسلام نے یتیم خانے بنانے کا حکم نہیں بلکہ یتیموں کی پرورش کی تاکید کی ہے، ایسی پرورش کہ یتیم اپنا غم بھول جائیں، ان کے چہروں پر یتیمی کے آثار نظر نہ آئیں۔

پڑوسیوں کے حقوق

معلم کامل ﷺ نے پڑوسیوں کے حقوق نہایت تاکید سے بیان فرمائے جیسا کہ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے پڑوسی کے متعلق تاکید فرماتے رہے حتیٰ کہ ''ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَیُوَرِّثُهٗ'' میں نے خیال کیا کہ آپ پڑوسی کو وارث قرار دے دیں گے۔

پڑوسیوں کے درمیان میل محبت اور باہمی ہمدردی و تعاون معاشرے کی اہم ترین ضرورت ہے، کیونکہ ہمہ وقت سب کو ایک دوسرے کی ضرورت رہتی ہے اور ایک دوسرے سے واسطہ پڑتا رہتا ہے، خوشی ہو یا غم، اس میں اعزاء و اقارب سے پہلے پڑوسی ہی شریک ہوتا اور کام آتا ہے، نیز آدمی کے اچھے یا برے ہونے کا پتہ پڑوسیوں ہی کی رائے سے ہوتا ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی نے سوال کیا، یا رسول اللہ! مجھے کیسے معلوم ہو کہ میں نے اچھائی کی ہے یا برائی (میں اچھا انسان ہوں یا برا) آپ نے فرمایا: ''اِذَا سَمِعْتَ جِیْرَانَکَ یَقُوْلُوْنَ قَدْ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَاِذَا سَمِعْتَهُمْ یَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَأْتَ فَقَدْ اَسَأْتَ'' جب تم اپنے پڑوس کو کہتے سنو کہ تم نے اچھائی کی ہے تو واقعی تم نے اچھا ہی کام کیا ہے، اور جب تم انہیں کہتے سنو کہ تم نے برائی کی ہے تو یقیناً تم نے برا ہی کام کیا ہے۔

پڑوسی کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنا، اللہ اور آخرت پر ایمان لانے کی علامتوں میں سے ایک علامت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ کَانَ یُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَلَا یُؤْذِ جَارَهٗ'' جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتا ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے پڑوسی کو ایذا نہ پہنچائے۔

پڑوسیوں کے ساتھ تعلقات قائم کرنے اور ان سے میل محبت پیدا کرنے کا ایک ابتدائی نہایت ہی

معمولی طریقہ سکھیے، معلم کامل ﷺ نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ''یَا اَبَاذَرٍّ اِذَا طَبَخْتَ مَرَقَةً فَاَكْثِرْ مَآءَ هَا وَتَعَاهَدْ جِيْرَانَكَ'' اے ابوذر! جب تم شوربہ (سالن) پکاؤ تو پانی زیادہ کردو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھو (یعنی جو گھر میں پکے، چاہے اس میں پانی زیادہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے لیکن پڑوس کو ضرور بھیجا جائے)

پڑوسیوں سے متعلق اہم ترین کردار خواتین کا ہوتا ہے، کہ عورتیں ہی آپس میں زیادہ ملتی جلتی یا لڑتی جھگڑتی رہتی ہیں، عورتوں ہی کے ذریعہ مردوں کے درمیان دوستی یا دشمنی ہوتی ہے، لہٰذا میرے آقا ﷺ نے عورتوں کو خصوصی طور پر پڑوسیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کی تاکید فرمائی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''لَا تَحْقِرَنَّ جَارَةٌ لِجَارَتِهَا وَلَوْ فِرْسَنَ شَاةٍ'' اپنی پڑوسن کا کوئی تحفہ حقیر نہ سمجھو چاہے وہ بکری کی کھری ہی کیوں نہ ہو۔

تحفہ وسیلۂ محبت والفت ہوتا ہے ''تَهَادَوْا تَحَابُّوا'' آپس میں تحفے لیا دیا کروتا کہ محبت پیدا ہو، ہر قسم کا تحفہ چاہے بڑا ہو یا چھوٹا ہو ایک سا ہی اثر کرتا یعنی محبت پیدا کرتا ہے، پس آقا ﷺ نے ایک معمولی چیز کا ذکر فرمایا تاکہ کسی بھی تحفے کو حقیر نہ سمجھا جائے۔

اگر کسی کا پڑوسی نہایت ہی بداطوار ہو اور ہر طرح سمجھانے کے باوجود بھی ایذاء رسانی سے باز نہ آتا ہو، تو معلم حکمت ﷺ نے اس سے نجات کا طریقہ بتایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ بارگاہ رسالت میں ایک شخص حاضر ہو کر عرض گزار ہوا، یارسول اللہ! میں اپنے پڑوسی کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ کرتا ہوں، لیکن وہ بڑا ہی ظالم ہے، ہمیشہ مجھے ستاتا اور پریشان ہی کرتا رہتا ہے، کسی طرح ایذاء رسانی سے باز نہیں آتا، آپ نے فرمایا: ''اِذْهَبْ فَاصْبِرْ'' جاؤ صبر کرو (یعنی جاؤ اس کی ایذاء رسانی پر صبر کرو، اپنا طریقہ نہ بدلو) وہ شخص چلا گیا، چند دن بعد دوبارہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگا، یارسول اللہ! میں نے بہت کوشش کی بہت صبر کیا لیکن وہ شخص باز نہیں آتا، آپ نے فرمایا: ''اِذْهَبْ فَاطْرَحْ مَتَاعَكَ فِي الطَّرِيْقِ'' جاؤ اپنا سامان راستہ پر ڈال دو، پس اس نے حکم کی تعمیل کی، لوگوں نے جب اس کا سامان راستہ پر پڑا دیکھا تو اس کے گرد جمع ہو گئے اور اس کا حال معلوم کرنے لگے، چونکہ سب جانتے تھے کہ یہ شخص نیک اور اچھا ہے لہٰذا اس نے جب پڑوسی کی حرکتیں بتائیں تو لوگوں نے اسے لعن طعن اور ملامت کرنا شروع کی، جب پڑوسی کو پتہ چلا تو وہ بہت شرمندہ ہوا باہر آ کر اس نے بہت معافی مانگی اور کہا ''اِرْجِعْ لَا تَرٰى مِنِّيْ شَيْئًا تَكْرَهُكَ'' واپس چلو اب تمہیں میری کسی بات سے کبھی کوئی تکلیف نہ ہوگی، یہ شخص گھر واپس آ گیا اور خراب پڑوسی

ہمیشہ کے لئے اچھا ہو گیا۔

بہرحال پڑوسی کا حق ہے کہ اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور اگر کوئی پڑوسی نہایت ہی خراب ہو تو اس کی ایذاء رسانی کا بدلہ ایذاء رسانی سے نہیں بلکہ معلم کامل ﷺ کی عطا کردہ تدبیر سے اس کی تکلیفوں کا مقابلہ کیا جائے، ہمارے دور میں پڑوسیوں کے باہمی اختلافات عام ہیں جن کو ایسی حسن تدبیر سے ختم کیا جا سکتا ہے جو معاشرے میں میل و محبت کے لئے نہایت ضروری ہے۔

مریضوں کے حقوق

مریض کا حق یہ ہے کہ اس کی عیادت کی جائے، اس سے اظہار ہمدردی کیا جائے، اسے یاد دلایا جائے کہ بیماری اور مصیبت کو برداشت کرنا باعث اجر و ثواب ہے کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد عالی کے مطابق مسلمان کی بیماری، مصیبت، رنج و الم، حتیٰ کہ کانٹا چبھنا، کفارۂ سیئات اور ذریعۂ مغفرت ہوتا ہے، خیر اور قرب خاص کا وسیلہ بنتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے: ''مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّصِبْ مِنْهُ'' اللہ جس کے لئے خیر و بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے،

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ لَمْ يَزَلْ فِیْ غُرْفَةِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَرْجِعَ'' بے شک مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو وہ جنت کے باغ میں ہوتا ہے واپس ہونے تک، اندازہ فرمایئے، مسلمان بھائی کی عیادت، کیسا ذریعۂ رحمت ہے کہ عیادت کرنے والا، دوران عیادت جنت کے باغ میں رہتا ہے، کیونکہ وہ اپنے محبت و ہمدردی بھرے جملوں اور باتوں سے مریض کو دلی سکون پہنچا رہا ہوتا ہے لہٰذا اللہ بھی اسے سکون عطا فرماتا ہے، اسی نوعیت کی ایک دوسری حدیث شریف ملاحظہ ہو۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ عَادَ مَرِيْضًا نَادٰى مُنَادٍ مِّنَ السَّمَآءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاكَ وَتَبَوَّءْتَ مِنَ الْجَنَّةِ مَنْزِلًا'' جو مریض کی عیادت کے لئے جاتا ہے تو آسمان سے منادی ندا کرتا ہے کہ تجھے خوشی و مسرت ہو اور تیرا چلنا، پھرنا ہی خوشی کا باعث بنے اور تجھے جنت میں ٹھکانہ نصیب ہو۔

مریض کی عیادت کرتے ہوئے جو دعائیہ جملے کہنا مسنون ہیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ، نبی رحمت ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب ہم میں سے کوئی بیمار ہوتا تو آپ اس پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرتے اور دعا کرتے: ''اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَآءَ اِلَّا شِفَآءُكَ شِفَاءً لَّا يُغَادِرُ سَقَمًا''

اے بندوں کے رب! یہ تکلیف دور فرمادے، اور شفاعطا فرما کہ تو ہی شفاء عطا فرمانے والا ہے، کوئی شفانہیں سوائے تیری شفاء کے ایسی شفاء دے جو کسی بیماری کو نہ چھوڑے۔

مردوں کے حقوق

عام طور پر مردے کو دفن کر دینے کے بعد لوگ اس سے لاتعلق ہو جاتے ہیں یا صرف اتنا کرتے ہیں کہ کبھی کبھار قبر پر جا کر صفائی کر دیتے اور پھول ڈال دیتے ہیں، لیکن اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ مردوں کو چھوڑ دیا جائے، ان کو یاد رکھنا اور ان کی یاد منانا، ان کا زندوں پر حق ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے، ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ انہیں اللہ کے دن یاد دلاتے رہا کرو، اللہ کے بندوں کے ایام ولادت وموت اللہ ہی کے دن ہیں، جس کا طریقہ، مردوں کے ایصال ثواب کے لئے تلاوت قرآن کرنا، صدقہ و خیرات کرنا، اس کا عرس یا برسی کرنا نیز دیگر اعمال خیر کا ثواب بخشنا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ" مرنے والے کو، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کیا کرو۔

تلقین، یعنی مردے کے سامنے اس طرح کلمہ پڑھنا کہ وہ بھی پڑھنے لگے، یہ زندوں کی طرف سے مردوں کے لئے بڑا ہی قیمتی تحفہ ہے، جو ان کے جنت میں داخل ہونے کا وسیلہ بنے گا۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے خوشخبری دی "مَنْ كَانَ اٰخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ" کہ جس کا آخری کلام، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ، ہو گیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔

زندوں پر مرنے والوں کا دوسرا حق یہ ہے کہ انہیں قرآن کریم کی آیات خصوصاً سورہ یسین شریف سنائیں کہ اللہ کے ذکر سے زندوں، مردوں، سب کو سکون میسر آتا ہے اور مردے کے سکرات موت آسان ہو جاتے ہیں۔

زندوں پر مردوں کا تیسرا حق یہ ہے، کہ اسے اچھی طرح غسل دیں۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "مَنْ غَسَلَ مَيِّتًا فَكَتَمَ عَلَيْهِ طَهَّرَهُ اللّٰهُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ" جس کسی نے مردے کو غسل دیا اور اس کے عیوب کو چھپایا اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے پاک وصاف کر دے گا۔

دوران غسل مردے کے جسم پر کوئی عیب نظر آئے تو اسے لوگوں کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے کہ اس سے مردے کو تکلیف ہوتی ہے، مردے کو غسل دینا صرف مردے کا حق ادا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ غسل دینے والے کا اپنے گناہوں سے پاک ہونے کا بھی سبب ہے۔

چوتھا حق یہ ہے کہ مردے کو اچھا کفن دیا جائے، اگر مرنے والے نے کچھ نہ چھوڑا ہو تو سب مسلمان اجتماعی طور پر یہ حق ادا کرنے کے پابند ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''وَمَنْ كَفَّنَ مَيِّتًا كَسَاهُ اللّٰهُ مِنْ حُلَلِ الْجَنَّةِ'' جس نے مردے کو کفن پہنایا، اللہ اسے جنت کا لباس پہنائے گا۔

پانچواں حق یہ ہے کہ جنازے کا احترام کیا جائے اور جلوس جنازہ میں شرکت کی جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک جنازہ گزرا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے پھر ہم عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! یہ تو یہودیہ عورت کا جنازہ ہے، آپ نے فرمایا: اِنَّ الْمَوْتَ فَزَعٌ فَاِذَا رَاَيْتُمْ جَنَازَةً فَقُوْمُوْا'' بے شک موت خوف اور ڈر کا ذریعہ ہے پس جب تم جنازہ دیکھو تو کھڑے ہو جایا کرو۔

مرنے کے بعد بھی مردے کی تکلیف کا خیال رکھنا ضروری قرار دیا گیا، ارشاد ہوا،

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ نبی مکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا، آپ نے فرمایا: ''لَا تُؤْذِ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ'' اس قبر والے کو تکلیف نہ دو۔

چھٹا حق یہ ہے کہ مردے کی خوبیاں بیان کی جائیں اسے برا نہ کہا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: اُذْكُرُوْا مَحَاسِنَ مَوْتَاكُمْ وَكُفُّوْا عَنْ مَسَاوِيْهِمْ اپنے مردوں کی خوبیاں بیان کرو ان کی برائیوں سے باز رہو۔

ساتواں حق مردے کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کرنا ہے جس کا مردے انتظار کرتے ہیں، جب کہ مردے کے اپنے اعمال بھی اسے فائدے پہنچاتے ہیں، بالخصوص تین عمل صدقہ جاریہ ہیں جن کا اسے ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے اعمال (نماز، روزہ وغیرہ) منقطع ہو جاتے ہیں، لیکن اس کے تین عمل ایسے ہیں جن کا اسے ہمیشہ ثواب پہنچتا رہتا ہے ''صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ اَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهٖ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهٗ''۔

اعمال صالحہ کے فیض اور اولاد کی دعا کے باوجود بھی مردہ اعزاء و احباب کی طرف سے ایصال ثواب کا منتظر رہتا ہے، پس اس کے متعلقین و محبین پر اس کا یہ حق ہے کہ وہ اس کے لئے قرآن کریم کا، غریبوں کی امداد کا ثواب بخشتے رہیں، غریبوں کی مدد چاہے انہیں کھانا کھلا کر، کپڑا پہنا کر یا کسی بھی صورت میں کی جائے مردے کو اس کا ثواب ضرور ملتا ہے۔ واضح رہے کہ ایصال ثواب سے عمل کرنے

والے کے ثواب میں قطعاً کمی واقع نہیں ہوتی۔

آٹھواں حق یہ ہے کہ گاہے بگاہے خاص طور پر عاشور کے دن، عیدین اور شب براءت پر قبروں کی زیارت کی جائے نیز ہر جمعہ کو قبرستان جانا مسنون ہے۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''کُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَزُوْرُوْهَا فَاِنَّهَا تُزَهِّدُ فِى الدُّنْيَا وَتُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ'' میں نے تمہیں زیارت قبور سے منع کیا تھا پس (اب اجازت ہے کہ) تم قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ زیارت قبور دنیا سے بے رغبتی اور یاد آخرت کا ذریعہ ہے۔

حضرت محسور بن نعمان رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ زَارَ قَبْرَ اَبَوَيْهِ اَوْ اَحَدِهِمَا فِىْ كُلِّ جُمُعَةٍ غُفِرَلَهٗ وَكُتِبَ بَرًّا'' جس نے اپنے والدین یا دونوں میں سے کسی کی قبر کی ہر جمعہ زیارت کی، اس کے گناہ بخش دیئے گئے، اور وہ نیکوں میں لکھ دیا جاتا ہے،

تتمہ

معلم کامل ﷺ کے خزانہ علم و عرفان کے چند، چمکتے اور قیمتی موتی پیش کرنے کا ہم نے شرف حاصل کیا، جن پر عمل یقیناً ہمارے دلوں کو منور کر سکتا ہے، دنیا کو چمکا سکتا ہے، قبروں کو روشن کر سکتا ہے، کاش ہم ان کی افادیت کا احساس کریں اور انہیں اپنائیں۔

ان ارشادات حقہ سے آپ نے اندازہ کیا کہ اسلام امن کا دین ہے، اسلامی تعلیم نہایت ہی کامل و مکمل ہے، اسلام قیام امن کے لئے انسانی اقدار اپنانے کا درس دیتا ہے، اصول زندگی کو متعین کرتا ہے، باہمی میل جول، محبت و ہمدردی کی تاکید کرتا ہے، حقوق العباد کی ادائیگی کی تلقین کرتا ہے تاکہ مسلم معاشرہ تہذیب و تمدن کا گہوارہ بن سکے، اس میں امن و امان ہو، پرسکون و پر بہار زندگی بسر کرنے کا موقع میسر ہو، اسلام چاہتا ہے کہ مسلم امت کا ہر فرد، متقی ہو، پرہیز گار ہو، قناعت پسند ہو، سادگی پسند ہو، ہر شخص استقلال و استقامت کا پیکر ہو، صبر و شکر کا عادی ہو، وہ اللہ کی عبادت کا پابند بھی ہو، اور اللہ کے بندوں کے لئے، ایثار و قربانی کرنا اس کا شیوہ ہو۔

حقوق العباد سے متعلق اسلامی تعلیم کی نظیر و مثال کسی قوم میں کسی مذہب میں نہیں، جب کہ اب تو تہذیب کی دعویدار غیر مہذب اقوام نہایت کسمپرسی کی حالت میں مبتلا جانوروں جیسی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں، لیکن بحمد اللہ، ہمیں ناز ہے کہ ہم کسمپرسی کی کیفیت کے باوجود بھی اپنے آقا ﷺ کے عطا کردہ اقدار اور اصول زندگی کو کچھ نہ کچھ اپنائے ہوئے ہیں اسی لئے انسانیت کی کچھ رمق باقی ہے، تاہم اس امر کی ضرورت ہے کہ مغربی تہذیب و تمدن کے دلدادہ افراد کو معلم کامل ﷺ کی تعلیمات سے

متعارف کرایا جائے اور آپ کی تربیت اپنانے کی دعوت دی جائے کہ یہی طبقہ امت کو نقصان پہنچانے اور کمزور کرنے کا ذمہ دار ہے کہ پرفریب دنیا کے عیش وعشرت میں مست ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ان اشعار پر غور کریں۔

دنیا کو تو کیا جانے یہ بس کی گانٹھ ہے حرافہ — صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے
شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش — اس مردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے
وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا — ہم مفلس کیا مول چکائیں اپنا ہاتھ ہی خالی ہے
مولیٰ تیرے عفو وکرم ہوں میرے گواہ صفائی کے — ورنہ رضا سے چور پہ تیری ڈگری تو اقبالی ہے

جانِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿۱۷۴﴾

''اے لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس ایک (روشن) دلیل آچکی ہے اور ہم نے اتارا ہے تمہاری طرف نور درخشاں'' (النساء)

اللہ رب العزت جل مجدہ نے جملہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معجزات کے ساتھ مبعوث فرمایا، جو ان کی حیثیت و منصب کے اعتبار سے عطا ہوئے۔ لیکن سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیکر معجزہ بنا کر مبعوث فرمایا۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کر آیا

وَكُلُّ اٰيٍ اَتَى الرُّسُلُ الْكِرَامُ بِهَا فَاِنَّمَا اتَّصَلَتْ مِنْ نُّوْرِهٖ بِهِمْ

فَاِنَّهٗ شَمْسُ فَضْلٍ هُمْ كَوَاكِبُهَا يُظْهِرْنَ اَنْوَارَهَا لِلنَّاسِ فِي الظُّلَمِ

''اور جتنے معجزے رسل عظام نے دکھائے وہ سب ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور سے حاصل ہوئے کیونکہ آپ آفتاب فضیلت ہیں اور دوسرے پیغمبر اس آفتاب کے تارے ہیں جو اسی آفتاب کے انوار لوگوں کے لئے تاریکیوں میں ظاہر کرتے رہے''۔

تعریف معجزہ

علماء امت معجزہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں: ''اَلْمُعْجِزَةُ هِيَ الْاَمْرُ الْخَارِقُ لِلْعَادَةِ الْمَقْرُوْنُ بِالتَّحَدِّيْ'' معجزہ ایسے عمل کو کہتے ہیں جو خلاف عادت واقع ہو، اور معجزہ دکھانے والا اس کے ذریعے منکرین کو چیلنج کرے (کہ اگر تم مجھے اللہ کا رسول تسلیم نہیں کرتے تو ایسا عمل کر کے دکھاؤ) ''وَسُمِّيَتْ مُعْجِزَةً تُعْجِزُ الْبَشَرَ عَنِ الْاِتْيَانِ بِمِثْلِهَا'' اور اس خلاف عادت امر کو معجزہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انسان اس کے کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔

معجزہ وہی خارق عادت کہلاتا ہے جس کا ظہور نبی سے اعلان نبوت کے بعد ہو، جب کہ اسی قسم کا کوئی کام اعلان نبوت سے پہلے ظاہر ہو تو وہ ارہاص کہلاتا ہے، اولیاء و صالحین سے بھی خوارق کا ظہور ہوتا ہے جسے کرامت کہا جاتا ہے، معجزات انبیاء و رسل اور کرامات اولیاء حق ہونے پر امت کا اتفاق

ہے، جن معجزات وکرامات کا ذکر قرآن مجید میں ہے ان کا انکار یا ایسی آیات کی من گھڑت تاویلات کرنا، کفر ہے، جب کہ جن کا ثبوت احادیث وواقعات سے ہے ان کا انکار ضلالت وگمراہی ہے۔

معجزات منکرین کے لئے دلیل نبوت ہوتے ہیں اور کرامات نبی کی حقانیت وعظمت کو ثابت کرنے کے لئے ظاہر کی جاتی ہیں، ارہاصات نبوت کا پیش خیمہ ہوتے ہیں تا کہ اعلان نبوت کے بعد، متلاشی حق کو ایمان لانے اور دامن نبوت سے وابستہ ہونے میں کوئی دشواری نہ ہو، جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایمان لانے کے لئے تھوڑا سا بھی تر دد وتامل نہ کرنا پڑا۔

انبیاء سابقین کے چند معجزات

اللہ رب العزت جل مجدہ نے انسان کی ہدایت، رہبری اور رہنمائی کے لئے انبیاء کرام کو مبعوث فرمایا، کیونکہ نبی اپنی امت کا حاکم ومطاع ہوتا ہے، لہٰذا وہ سب سے زیادہ اعلیٰ اخلاق اور کردار کا مالک ہوتا ہے، امت کے ہر فرد کی اس پر نظریں ہوتی ہیں، جو لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں وہ اس پر مکمل اعتماد بھی کرتے ہیں بلا تامل وتر دد اس کی اطاعت وفرمانبرداری کرتے ہیں وہ اپنے نبی کو افضل واعلیٰ جانتے ہیں اس کا ادب واحترام کرتے ہیں، انہیں نبی کے دعوئے نبوت پر کسی دلیل یا ثبوت کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن کج فہم لوگ نبی کے اعلیٰ کردار کو تسلیم کرنے کے باوجود اس کی ہر بات پر اعتراض کرتے ہیں، اس سے دلائل کا مطالبہ کرتے ہیں پس اللہ قادر مطلق اپنے انبیاء کو معجزات عطا فرماتا ہے تا کہ ان کم فہم یا کج فہم لوگوں پر حجت قائم ہو سکے، چاہے وہ دعوت حق کو قبول کریں یا نہ کریں جب کہ منکرین کو اکثر تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے جملہ انبیاء ومرسلین کو معجزات سے نوازا جن میں سے اکثر قرآن کریم میں مذکور ہیں، مثلاً حضرت صالح علیہ السلام سے ان کی قوم نے مطالبہ کیا، کہ آپ پہاڑ سے سرخ رنگ کی اونٹنی برآمد کر کے دکھائیں تو ہم آپ کے دعوئ نبوت کو تسلیم کریں گے، مطالبہ عجیب تھا لیکن اللہ کی قدرت سے بعید نہ تھا، پس پہاڑ سے ان کی مطلوبہ اونٹنی پیدا ہوئی اور اس وقت اس نے بچہ بھی جنا، قرآن کریم، سورۃ الشمس کی یہ آیات مبارکہ ملاحظہ ہوں۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَآ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْيٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾ وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ﴿۱۵﴾ (الشمس)

"قوم ثمود نے (اپنے پیغمبر کو) اپنی سرکشی کے باعث جھٹلایا، جب ان میں سے ایک بڑا

بدبخت اٹھ کھڑا ہوا، پس اللہ کے رسول نے ان سے کہا (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کی پانی کی باری سے، پھر بھی انہوں نے رسول کو جھٹلایا اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں، پس انہیں ان کے رب نے ہلاک کر دیا، بوجہ ان کے گناہ (عظیم) کے اور سب کو پیوند خاک کر دیا اور اللہ کو ان کے تباہ کن انجام کا کوئی خوف وڈر نہیں"۔

حضرت صالح علیہ السلام نے مطلوبہ اونٹنی کے معجزے کا مظاہرہ کرنے کے بعد قوم کو اونٹنی کے ادب واحترام کا حکم دیا، نیز بتایا کہ جس دن کنوئیں سے یہ پانی پئے گی اس دن تم کنوئیں کے قریب بھی نہ آنا، کیونکہ یہ اللہ کی قدرت کی نشانی ہے جس کا خیال رکھنا تمہاری ذمہ داری ہے، لیکن قوم نے اب بھی اللہ کے رسول کو جھٹلایا، ایمان قبول نہ کیا، انہوں نے ایک بدبخت، خبیث النفس "قدار بن سالف" کو آگے کیا جس نے اونٹنی کو ذبح کر ڈالا، پس پوری قوم پر اللہ کا ایسا عذاب عظیم نازل ہوا کہ سب کے سب تباہ وبرباد ہو گئے، قوت وطاقت اور دولت پر ناز کرنے والے، اللہ سے بغاوت کی جرم میں، ثمود کا نام ونشان تک نہ رہا، الامان والحفیظ۔

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات مذکور ہیں جو نہایت معروف ہیں بالخصوص "عصائے موسیٰ" بہت مشہور ہے جو فرعون کی تباہی وبربادی اور بنی اسرائیل کی تربیت واصلاح کا ذریعہ بنا، سورہ طٰہٰ کی آیات مقدس میں اس عصا کا ذکر خاصی تفصیل سے ہے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَٰمُوسَىٰ ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّؤُا۟ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَـَٔارِبُ أُخْرَىٰ ﴿١٨﴾ قَالَ أَلْقِهَا يَٰمُوسَىٰ ﴿١٩﴾ فَأَلْقَىٰهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ ﴿٢٠﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا ٱلْأُولَىٰ ﴿٢١﴾ وَٱضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ ءَايَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ ءَايَٰتِنَا ٱلْكُبْرَى ﴿٢٣﴾ ٱذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُۥ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾

"اے موسیٰ یہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے، عرض کیا، یہ میرا عصا ہے، میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں، اور میں پتے جھاڑتا ہوں اس سے اپنی بکریوں کے لئے اور اس میں میرے لئے کئی اور فائدے ہیں اللہ نے فرمایا، اے موسیٰ اس (عصاء) کو زمین پر ڈال دو، پس آپ نے اسے زمین پر ڈال دیا، تو وہ اچانک سانپ بن کر (ادھر ادھر) دوڑنے لگا، فرمایا، اسے پکڑ لو اور مت ڈرو، ہم اسے اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے، اور اپنا ہاتھ اپنے بازو کے نیچے دباؤ، یہ خوب سپید ہو کر بغیر کسی بیماری کے نکلے گا، یہ دوسرا معجزہ ہے جو ہم نے آپ کو دیا

ہے، تاکہ ہم تمہیں اپنی بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں (اب) جایئے فرعون کے پاس کہ وہ باغی ہوگیا ہے"۔(طٰہٰ)

لیکن فرعون نے معجزات باہرہ کو جھٹلایا اور اللہ کے رسول کو ساحر اور جادوگر قرار دیا۔

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۵۷﴾ (طٰہٰ)

"فرعون نے کہا، اے موسیٰ! کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ ہمیں ہمارے ملک سے اپنے جادو کے ذریعے نکال دو"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون مصر نے مشہور جادوگروں سے مقابلہ کا چیلنج کیا جسے آپ نے بلاتردد قبول فرمایا، مقابلہ شروع ہوا، جادوگروں کی رسیاں، سانپ بن کر ادھر ادھر دوڑنے لگیں، عصاء موسیٰ بھی حرکت میں آیا، اور سب رسیوں کو نگل گیا، یہ عمل جادو کی دنیا میں انوکھا تھا، کہ کوئی چیز جادو سے سانپ تو بن سکتی ہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ حقیقی سانپ کی طرح کیڑے مکوڑے نگل بھی سکے اس حقیقت کو اہل فن جادوگر خوب جانتے تھے لہٰذا انہوں نے بلاخوف لومۃ لائم ایمان قبول کرنے کا اعلان کردیا، اور جب ظالم فرعون نے اللہ کے ان بندوں کو دھمکی دی تو انہوں نے پوری قوت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرمایا، ان واضح دلائل کے بعد ہم ہرگز تیری اطاعت وفرمانبرداری نہیں کرسکتے اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ہمیں اس کی کوئی پروا نہیں ہم تو اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں،

اور جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کو مصر سے نکال لانے میں کامیاب ہوگئے تو فرعون نے ان کا تعاقب کیا، تو بنی اسرائیل اپنے دشمن کو دیکھ کر کہنے لگے اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ یقیناً ہم پکڑے گئے، لیکن اللہ کے رسول نے انہیں مطمئن کیا اور فرمایا اِنَّ مَعِىَ رَبِّىْ سَيَهْدِيْنِ بے شک میرا رب میرے ساتھ ہے وہ ضرور رہنمائی فرمائے گا، رسول کے صدقہ میں اللہ نے کرم فرمایا اور رسول کو حکم دیا:

اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ ؕ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ﴿۶۳﴾

"کہ اپنا عصا سمندر پر مارو (اور جب نبی نے عصا سمندر پر مارا) تو پانی کا ہر حصہ بڑے پہاڑ کی طرح ہوگیا"۔(الشعراء)

پس حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کے ہمراہ بعافیت سمندر کے باہر تشریف لائے، اور جب فرعون اپنی قوم کو لے کر سمندر میں داخل ہوا تو سمندر پہلے سے زیادہ ٹھاٹھیں مارنے لگا اور سب کے سب غرق ہوگئے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کیا میں تمہیں وہ کلمات طیبات نہ سکھادوں جو موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کہے تھے، ہم نے عرض کیا یارسول اللہ!

ضرور کرم فرمائیے، پس آپ نے فرمایا وہ کلمات یہ تھے: "اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَاِلَیْکَ الْمُشْتَکٰی وَبِکَ الْمُسْتَغَاثُ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ہمیشہ ان کلمات کا ورد کرتا ہوں (بڑی ہی مؤثر دعا ہے یاد کرلیجئے اور ہوسکے تو بعد عشاء گیارہ یا اکیس مرتبہ پڑھ لیا کیجئے)

جب میدان تیہ میں بنی اسرائیل پیاسے تڑپنے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دست دعا دراز کئے۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰی مُوْسٰی لِقَوْمِہٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاکَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْہُ اثْنَتَا عَشْرَۃَ عَیْنًا ؕ (البقرہ)

"اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی تو ہم نے حکم دیا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو (جب انہوں نے عصا پتھر پر مارا تو) اس پتھر سے بارہ چشمے بہنے لگے (یہ بارہ قبیلے تھے لہٰذا بارہ چشمے جاری کیے گئے تاکہ یہ سرکش قوم آپس میں لڑنے جھگڑنے نہ لگے)"۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعدد معجزات کے علاوہ دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات بھی قرآن کریم میں محفوظ ہیں، جب کہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ نے "برہان" دلیل یعنی پیکر معجزات قرار دیا پس اب کسی خاص معجزے کے ذکر کی ضرورت باقی نہ رہی، تاہم معجزۂ قرآن، سفر معراج اور شق القمر کو بیان کیا گیا کہ یہ نہایت اہم معجزات ہیں، انہیں بلا تردد و تامل تسلیم کرلینا، علامت ایمان ہے، کمال ایمان کا ذریعہ ہے۔

بہرحال معجزات کی اہمیت کا اندازہ اس حقیقت سے کیا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم نے ان کو بیان فرمایا جس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کو پڑھا جائے، سمجھا جائے، ان پر ایمان لایا جائے، نیز اللہ کی قدرت عظیمہ کو تسلیم کیا اور صاحبان معجزات کی عظمت و محبت دلوں میں پیدا کی جائے، یہ قصہ کہانیاں نہیں جن کو پڑھ کر تعریف کی جائے یا تنقید، نہ ہی ان کی لایعنی اور بیہودہ تاویلات کا کسی کو اختیار ہے، اللہ رب العزۃ جل مجدہ حقائق کو تسلیم کرنے کی ہدایت دے، آمین۔

سید الانبیاء المرسلین ﷺ "برہان" پیکر معجزات ہیں آپ کی ہر ادا معجزہ ہے، لہٰذا آپ کے معجزات کا احاطہ کسی کے بس کی بات نہیں، اور اگر صرف چند معجزات ہی کا تذکرہ کیا جائے تو ان کو بھی کما حقہ بیان کرنا ممکن نہیں، پس ہم حسب استعداد اپنے آقا ﷺ کے چند معجزات مبارکہ بیان کرنے کا شرف حاصل کررہے ہیں، اللہ ہماری سعی کو کامیاب کرے۔

معجزۂ قرآن

اللہ نے اپنے آخری نبی ﷺ کو اپنی آخری کتاب عطا فرمائی جو افضل الکتب ہے کہ افضل الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی اور چونکہ میرے آقا ﷺ کی نبوت و رسالت دائمی ہے لہٰذا قرآن کریم بھی تا قیامت رشد و ہدایت کا ذریعہ ہے، قرآن کریم کے عطا کردہ، فضائل، احکام و واقعات ان کے الفاظ و حروف سب صاحب قرآن ﷺ کا معجزہ ہیں، گویا ایک قرآن ہی میرے آقا ﷺ کے بے شمار معجزات کا مجموعہ ہے، ان میں سے چند معجزات یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

کتاب لاریب

نبی آخرالزماں ﷺ کا یہ معجزہ کہ آپ کے رب نے آپ کو ایسی کتاب سے نوازا جس کا پہلا دعوی ہے "لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ" اس میں کوئی شک نہیں، اس میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ہر قسم کے شک و شبہ سے پاک ہے، اُس فصاحت و بلاغت کا منبع و مخزن ہے، اصول و قواعد (گرائمر) کا جس سے دنیا کے تمام اہل زبان نے استفادہ کیا اور اپنی اپنی زبانوں کو نکھار بخشا، پس نبی امی کی مقدس زبان پر ایسی کتاب کا نہ صرف جاری ہونا بلکہ اس کی تعلیم دینا اور تفسیر بیان کرنا آپ کا عظیم معجزہ قرار پاتا ہے جس نے نزول قرآن کے دور میں بھی فصحائے عرب کو متحیر کیا اور آج بھی خطابت و بلاغت کے دعویدار حیرت زدہ ہیں۔

کتاب لاریب کا چیلنج

اللہ کی آخری کتاب کے کلام الٰہی ہونے کے منکرین کے لئے، قرآن کریم کا چیلنج ہے:

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّ ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۳﴾ (ہود)

"کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ آپ نے قرآن خود ہی گھڑ لیا ہے، تو آپ فرما دیجئے، اگر ایسا ہے تو تم بھی اس جیسی گھڑی ہوئی دس سورتیں لے آؤ، اور اپنی مدد کے لئے بلا لو جس کو بھی بلا سکتے ہو سوائے اللہ کے، اگر تم الزام تراشی میں سچے ہو"۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ

لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ (بقرہ)

''اور اگر تمہیں اس میں شک ہے جو ہم نے اپنے برگزیدہ بندے پر نازل کیا ہے، تو تم اپنی طرف سے ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا، اپنے سب حمایتیوں کو بلالو اگر تم الزام تراشی میں سچے ہو۔ پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو، اور تم ہرگز نہ کر سکو گے، تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن لوگ (کفار) اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے''۔

ان آیات میں فصحاء و بلغاء عرب کو چیلنج کیا گیا، لیکن ممکن تھا کہ عربی دانی کا دعویدار کوئی غیر عرب کہتا کہ یہ چیلنج تو اہل عرب کے لئے خاص ہے اگر یہ عام ہوتا تو میں اس کو قبول کرتا اور جواب دیتا پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے اس بیہودہ گوئی کا انسداد کرتے ہوئے چیلنج کو عام کر دیا، نہ صرف انسانوں کے لئے بلکہ اس میں جنات کو بھی شامل کر لیا گیا، کہ ان میں بھی مومن و کافر موجود ہیں، ارشاد ہوتا ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (اسراء)

''کہہ دیجئے کہ اگر سارے انسان اور جن اکٹھے ہو کر بھی قرآن کا مثل لانا چاہیں تو وہ نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں''۔

کس قدر واضح چیلنج ہے جس کا مقابلہ، کوشش کے باوجود، نہ تو نزول قرآن کے دور میں کیا جا سکا نہ ہی آج تک کوئی کر سکا اور نہ ہی تا قیامت ممکن ہے، اس کے برعکس قرآن نے اپنی فصاحت و بلاغت سے ہر دور میں منکرین کو متاثر کیا، یہ اعجاز قرآن ہے اور صاحب قرآن ﷺ کا معجزہ۔

کتاب محفوظ

اعداء اسلام ہر دور میں قرآن کی تکذیب اور اس میں تغیر و تبدل کی کوششیں کرتے آئے ہیں لیکن وہ نہ کامیاب ہو سکے اور نہ ہو سکیں گے، کہ قرآن وہ کتاب محفوظ ہے جس کی حفاظت کا ذمہ اس کے نازل فرمانے والے قادر مطلق جل مجدہ نے خود لیا ہے،

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (الحجر)

''بے شک اس ذکر (قرآن کریم) کو ہم نے ہی نازل فرمایا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں''۔

دنیا میں نہ جانے کتنی کتابوں نے جنم لیا لیکن کوئی باقی نہ رہی حتیٰ کہ آسمانی کتابیں، زبور، تورات، انجیل اور صحف ابراہیم بھی اپنی اصل حالت میں موجود نہ رہے کہ ان کی بقا و حفاظت مقصود ہی نہ تھی پس

انہیں انسان کے کمزور ہاتھوں میں دے دیا گیا جو نہ صرف کمزور تھے بلکہ بددیانت بھی تھے پس انہوں نے خود ہی ان کتابوں میں اپنی خواہشات نفس کے مطابق ردوبدل کر ڈالا اور ان کی اصلیت کا خاتمہ کر دیا، لیکن قرآن نہ تو کوئی عام کتاب ہے اور نہ ہی اس کی حیثیت کتب سابقہ جیسی ہے، اس کا مقام هُدًى لِّلنَّاسِ اور هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ہے پس رب العالمین نے اس کو کمزور و بددیانت ہاتھوں سے ہمیشہ کے لئے محفوظ رکھا اور خود اس کی حفاظت فرمائی، یہ اعجاز قرآن اور معجزہ صاحب قرآن ہے۔

کتاب مخبرامور غیبیہ

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے مقدس کلام کو امور غیبیہ کا منبع و مخزن بنا کر اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمایا اور آپ کو ایسا معلم کتاب حکمت بنایا کہ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ کے ارشاد حق کے مطابق آپ نے قیامت تک کے آنے والوں کو ان علوم کی تعلیم دی جن کے حصول کا ذریعہ آپ کی ذات مقدسہ کے سوا اور کچھ نہیں، آپ نے ملائکہ و جنات اور جنت و دوزخ کے وجود کی خبر دی، حالات و واقعات ماضیہ بیان فرمائے، علامات قیامت اور مستقبل کے حالات و خطرات سے آگاہ کیا، قبر، حشر و نشر کے حالات بیان فرمائے، زمین کے اوپر اور زمین کی گہرائیوں میں پوشیدہ خزانوں سے مطلع فرمایا، امت مسلمہ کی شکست و ریخت، ذلت و خواری اور فتح و کامیابی، عزت و عظمت کے اسباب و ذرائع بیان فرمائے، غرضیکہ انسان کو وہ کچھ بتا دیا جو وہ نہ جانتا تھا اور نہ کسی دوسرے ذریعہ سے جان سکتا تھا بطور مثال چند غیبی خبریں ملاحظہ ہوں۔

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ (الفتح:27)

"تم مسجد حرام میں امن و سکون کے ساتھ ضرور داخل ہو گے جب اللہ تعالیٰ چاہے گا"۔

یہ خبر حدیبیہ میں دی گئی، دنیا جانتی ہے کہ چند سال بعد لشکر اسلام بغیر جنگ و جدل کے بغیر خوف و ہراس کے نہایت امن و سکون کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا، کعبہ اور اس کے گردونواح کو بتوں سے پاک کیا گیا، کعبہ کی چھت سے اللہ اکبر کی صدا گونجی۔

وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ (الروم)

"اور وہ یقیناً شکست کے بعد ضرور غالب آئیں گے"۔

رومیوں اور ایرانیوں کی جنگ ہوئی، آتش پرست ایرانی رومیوں پر غالب آ گئے، مسلمانوں کو عیسائیوں کی شکست کا صدمہ ہوا، تاریخ گواہ ہے کہ قرآنی خبر کے مطابق چند ہی برس بعد دوبارہ جنگ ہوئی اور رومیوں کو فتح و کامرانی میسر آئی۔

هُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَـقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُشۡرِكُوۡنَ ﴿۳۳﴾ (التوبہ)

''وہی قادر مطلق ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو (کتاب) ہدایت اور دین حق دے کرتا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کر دے، اگر چہ مشرکین کو برا لگے''۔

غلبۂ اسلام کی خبر دی جارہی ہے، وہ بھی ایسے ناسازگار حالات میں، جب مسلمانوں کی کامیابی اور اسلام کے غالب ہونے کا تصور بھی نہ کیا سکتا تھا، لیکن خبر حق ثابت ہوئی کہ نور اسلام دن بدن پھیلتا رہا حتیٰ کہ اس کی ضیاء پاشی نے دنیا کے گوشہ گوشہ کو منور کر دیا،

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۙ﴿۱﴾ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۙ﴿۲﴾ (النصر)

''جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح نصیب ہو جائے اور آپ لوگوں کو دیکھیں کہ وہ اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں''۔

نصرت و فتح کی یہ خبر بھی ایسے ہی ناسازگار حالات میں دی گئی جب مسلمان کمزور تھے، مظلوم تھے، تکالیف اور ایذاؤں میں مبتلا تھے، ان حالات میں کیسے یقین کیا جاسکتا تھا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، کبھی اسلام کی حکمرانی اور مسلمانوں کی حکومت بھی ہوگی، کبھی اہل اسلام کو بھی عزت و وقار، سکون و اطمینان کے دن میسر آئیں گے، لیکن ''کتاب لاریب'' کی کسی خبر کا غلط ہونا ممکن ہی نہیں، پس ہجرت کے دس برس بعد، قرآن کی پیش گوئی پوری ہوئی جب اپنوں نے، غیروں نے سب ہی نے، سالار اعظم، قائد اعظم، محبوب کائنات ﷺ کو پروانوں کے جھرمٹ میں بحیثیت فاتح اعظم، گردن جھکائے، نہایت عجز و انکساری کے ساتھ، اللہ کی تسبیح و تہلیل اور حمد و ثناء کرتے ہوئے اللہ کے گھر میں داخل ہوتے دیکھا، پھر یہ منظر بھی دیکھا گیا، کہ کل کے دشمن خمیدہ سر فوج در فوج بارگاہ آقائے رحمت ﷺ میں حاضر ہو رہے اور اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں رحمۃ للعالمین کا دریائے رحمت جوش پر ہے ہر کسی کو معافی کا تمغہ مل رہا ہے، دنیا کی کلفتوں اور جہنم کی آگ سے آزادی کی سند دی جارہی ہے۔

بہر حال قرآن کریم غیبی خبروں کا خزانہ ہے جس کی تہہ تک عام لوگوں کی رسائی تو درکنار وہ علماء دین بھی نہ پہنچ سکے جنہوں نے اپنی ساری زندگی قرآن شناسی کے لئے وقف کر دی، پس ان خوش نصیبوں نے چند موتی حاصل کیے جن سے امت کے قلوب کو روشن و منور کر گئے، غرضیکہ امور غیبیہ کی خبریں دینا قرآن کا اعجاز اور صاحب قرآن ﷺ کا معجزہ ہے۔

چاند دو ٹکڑے ہو گیا

پیکر معجزات ﷺ نے قادر مطلق کی قدرت سے چاند دو ٹکڑے کر دکھایا، یہ وہ معجزہ ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝ (القمر)

''قیامت قریب آ گئی ہے اور چاند شق ہو گیا ہے، اور اگر وہ (کفار) کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو منہ پھیر لیتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں یہ تو زبردست جادو ہے''۔

''شق القمر'' میرے آقا ﷺ کے ان مخصوص معجزات میں سے ایک ہے جو کسی اولوالعزم رسول اور جلیل القدر نبی کو نہیں دیئے گئے، یہ واقعہ عظیمہ ہجرت سے پانچ برس قبل رونما ہوا، جو احادیث کثیرہ سے واضح اور ثابت ہے، یہ احادیث جن اجلہ صحابہ سے مروی ہیں ان میں چند کے اسماء گرامی یہ ہیں، حضرات علی، انس، ابن مسعود، حذیفہ، جبیر ابن مطعم، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین کا ایک وفد بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا، جس میں دیگر رؤساء قریش کے علاوہ، ولید بن مغیرہ، ابوجہل، عاص بن وائل، اسود بن مطلب اور نضر بن حارث بھی موجود تھے، ان لوگوں نے میرے آقا ﷺ سے کہا، اگر آپ سچے نبی ہیں تو چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایئے، آپ نے فرمایا: ''اِنْ فَعَلْتُ تُؤْمِنُوْنَ'' اگر میں ایسا کر دوں تو کیا تم ایمان قبول کر لو گے، انہوں نے وعدہ کیا کہ ہم ضرور مسلمان ہو جائیں گے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس رات منیٰ میں رونق افروز تھے اور چودھویں کا چاند پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا، آپ نے اپنے رب سے دعا کی، جو قبول ہوئی اور اسی آن چاند دو ٹکڑے ہو گیا، اللہ کے رسول ﷺ نے ایک ایک کافر کا نام لے کر فرمایا: ''یَا فُلَانُ اشْهَدُوْا'' اے فلاں گواہ بن جاؤ، کہ تمہارا مطالبہ پورا ہو گیا، اب تم اپنا وعدہ پورا کرو کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، جب کافروں نے اس معجزہ کو دیکھا تو کلمہ پڑھنے کی بجائے، وہ مبہوت ہو کر کہنے لگے: ''هٰذَا مِنْ سِحْرِ ابْنِ اَبِیْ كَبْشَةَ'' یہ بھی ابن ابی کبشہ کا جادو ہے (کہ ہمیں چاند دو ٹکڑے نظر آنے لگا) انہوں نے ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا ہے، چند دن بعد باہر کے قافلے آنے والے ہیں ہم ان سے معلوم کریں گے کہ کیا انہوں نے بھی چاند دو ٹکڑوں میں دیکھا تب حقیقت آشکار ہو جائے گی، لہٰذا جب قافلے مکہ پہنچے تو ان سے معلوم کیا گیا، سب نے ہی واقعہ کی

تصدیق کی اور اس پر حیرت کا اظہار کیا، لیکن اس کے باوجود (ہٹ دھرم، ضدی) کافروں نے دعوت حق کو قبول نہ کیا۔

ایک عجیب مناظرہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزۂ شق القمر کے حوالہ سے، علامہ زینی دحلان علیہ الرحمہ نے ''السیرۃ النبویہ'' میں ایک عجیب مناظرہ کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ'' سلطان وقت نے ابوبکر بن طیب کو قیصر روم کے پاس اپنا سفیر بنا کر بھیجا، قیصر روم کو بتایا گیا کہ یہ شخص مسلمانوں کے جلیل القدر علماء میں سے ہے، اس نے اپنے منتخب پادریوں کو دربار میں طلب کیا اور انہیں حکم دیا کہ یہ مسلمانوں کا ایک جلیل القدر عالم ہے، اس کے ساتھ مناظرہ کرو، پادریوں کے ایک مناظر نے علامہ ابوبکر پر اعتراض کیا،'' تم مسلمان یہ خیال کرتے ہو کہ تمہارے نبی ﷺ کے لئے چاند دو ٹکڑے ہو گیا، کیا چاند کی تمہارے ساتھ رشتہ داری تھی کہ تم نے تو اس کو دیکھا، تمہارے علاوہ کسی اور کو وہ نظر نہ آیا''۔

علامہ ابوبکر بن طیب نے فی البدیہہ اس سے کہا'' کیا تمہارے درمیان اور جو مائدہ آسمان سے اتارا گیا تھا، ان کے درمیان کوئی برادری والا رشتہ تھا، کہ تم نے تو اسے دیکھا لیکن تمہارے قرب و جوار میں جو یہودی، یونانی اور مجوسی تھے جنہوں نے اس کا انکار کیا، انہوں نے اس کو نہ دیکھا، حالانکہ وہ بالکل قرب و جوار میں آباد تھے، وہ پادری مبہوت ہو کر رہ گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا''۔ (ماخوذ از ضیاء النبی، جلد5)

بہر حال معجزۂ شق القمر حق ہے، میرے آقا ﷺ کے خصوصی اور عظیم معجزات میں سے ایک ہے، اہل ایمان کے لئے آپ کے نشانات عظمت میں سے ایک نشان ہے، جس کا یقین کرنا آقا ﷺ کی عظمت کے اعتراف اور آپ سے ثبوت محبت کے لئے لازمی ہے۔

بعد غروب طلوع آفتاب

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقام صہباء میں نماز فجر ادا فرمائی پھر حضرت علی کو کسی کام کے لئے بھیجا، جب وہ واپس آئے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عصر کی نماز ادا کر چکے تھے (آپ کو آرام کی ضرورت ہوئی تو) حضرت علی کی گود میں اپنا سر مبارک رکھ کر لیٹ گئے اور سو گئے جب آنکھ کھلی تو سورج غروب ہو رہا تھا، آپ نے حضرت علی سے پوچھا، کیا تم نماز عصر پڑھ چکے ہو، انہوں نے نفی میں جواب دیا، پس مستجاب الدعوات ﷺ نے دست دعا دراز فرمائی، اور کہا:'' اَللّٰهُمَّ اِنَّ عَبْدَكَ عَلِيًّا اِحْتَبَسَ بِنَفْسِهٖ عَلٰى نَبِيِّهٖ فَرُدَّ عَلَيْهِ

الشَّمْسَ كَيْ يُصَلِّيَ'' اے اللہ! تیرے بندے علی نے اپنے آپ کو تیرے نبی کی خدمت میں مصروف رکھا پس تو اس کے لئے سورج کو واپس فرمادے تاکہ وہ نماز ادا کرسکے، حضرت اسماء فرماتی ہیں ''طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ حَتّٰى وَقَعَتْ عَلَى الْجِبَالِ وَالْاَرْضِ'' (دعا کے فوراً بعد ہی) سورج پلٹا اور اس کی دھوپ پہاڑوں اور زمین پر پڑنے لگی، حضرت علی اٹھے، وضو کیا اور نماز عصر (وقت پر) ادا کی ''ثُمَّ غَابَتِ الشَّمْسُ'' پھر سورج غروب ہوگیا۔

اہل ایمان کے لئے یہ اور اس جیسے واقعات نہ متعجب ہیں اور نہ ہی متحیر، کہ چاند، سورج اور اس کائنات کا خالق و قادر اللہ ہے، اس کی تمام مخلوق اس کی تابع اور اس کے حکم کی فرمانبردار ہے، آگ کی تاثیر بلاشبہ جلانا ہے، لیکن اپنے خالق کے حکم سے وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے سرد ہو گئی، اس واقعہ کا منکر بلاشبہ کافر ہے کہ یہ نص قرآن سے ثابت ہے، جملہ انبیاء و مرسلین میں میرے آقا ﷺ اپنے خالق سے قریب تر اور اس کے محبوب ترین عبد مقدس ہیں، جن کی رضا ان کے رب کو مطلوب و مقصود ہے، پس ان کا رب ان پر کرم فرماتا ہے، وہ جو چاہتے ہیں ہو جاتا ہے چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، غروب کے بعد سورج کا پلٹ آنا اور اسی قسم کے بے شمار معجزات جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہیں، محبوب رب العالمین ﷺ کے لئے نہ دشوار اور نہ ہی ان کے غلاموں کے لئے تعجب کا سبب ہیں۔

صاحب رجعت شمس و شق القمر　　نائب دست قدرت پہ لاکھوں سلام

معجزۂ معراج

سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ①

''ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات، جس نے سیر کرائی اپنے عبد (مقدس) کو، رات کے قلیل حصہ میں، مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد و نواح کو ہم نے برکت والا بنایا، تاکہ ہم اپنے (محبوب) بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی ہے سب کچھ سننے والا، سب کچھ دیکھنے والا''۔ (اسراء)

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى ① مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ② وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ③ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ④ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ⑤ ذُوْ مِرَّةٍ ۭ فَاسْتَوٰى ⑥ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ⑦ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ⑧ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ⑨ فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ⑩ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا

رَاٰى ﴿۱۱﴾ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا یَرٰى ﴿۱۲﴾ وَ لَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ﴿۱۳﴾ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ﴿۱۴﴾ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ﴿۱۵﴾ اِذْ یَغْشَى السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰى ﴿۱۶﴾ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَ مَا طَغٰى ﴿۱۷﴾ لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ﴿۱۸﴾

''قسم ہے (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا تمہارا (مقدس) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا، اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے، نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے، انہیں سکھایا ہے زبردست قوتوں والے نے، بڑے دانا نے، پھر اس نے (بلندیوں کا) قصد کیا، اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا، پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا، یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا، پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو کچھ بھی وحی کی، نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ نے) کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا، اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے، جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا، نہ درماندہ ہوئی چشم (محبوب) اور نہ ہی (حد ادب سے) آگے بڑھی، یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی نشانیاں دیکھیں''۔ (النجم)

حدیث معراج

واقعہ معراج سے متعلق احادیث کی صحت کا اندازہ ان کے راویوں سے کیا جا سکتا ہے لہٰذا ان جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اسماء مبارکہ ملاحظہ ہوں جنہوں نے ان احادیث کو بیان فرما کر امت مسلمہ پر عظیم احسان فرمایا، اللہ انہیں جزائے خیر دے۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابوذر غفاری، حضرت انس بن مالک، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت ابو ہریرہ، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت شداد بن اوس، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبدالرحمٰن بن قرظ، حضرت ابوحبہ، حضرت ابولیلیٰ، حضرت عبداللہ بن عمرو، حضرت جابر انصاری، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت بریدہ اسلمی، حضرت ابوایوب انصاری، حضرت ابوامامہ، حضرت سمرہ بن جندب، حضرت ابوالحمراء، حضرت صہیب رومی، حضرت ام ہانی، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت اسماء بنت ابی بکر، حضرت اسامہ بن زید، حضرت ابوالدرداء، حضرت بلال بن سعد، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت ابوسفیان، حضرت سیدہ ام کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

ان حضرات سے جو احادیث مروی ہیں ان کی روشنی میں واقعہ معراج درج ذیل ہے۔

صاحب معراج ﷺ اپنی پھوپھی ام ہانی کے گھر یا حطیم کعبہ میں آرام فرماتے، کہ ناگہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام ملائکہ کی ایک جماعت کے ساتھ نازل ہوئے اور آپ کو رب کریم کی طرف سے دعوت ملاقات دی، پھر حرم کعبہ میں لے جا کر آپ کا سینہ مبارک چاک کیا قلب اطہر نکالا اور سونے کے ایک طشت میں موجود آب زمزم سے اسے غسل دیا، اور علم وحکمت سے بھر کر سینہ میں رکھا اور چاک بند کر دیا، پھر براق پیش کیا گیا جو خچر سے نیچا اور گدھے سے اونچا تھا، وہ اپنا قدم منتہائے نظر پر رکھتا تھا، اللہ کے محبوب ﷺ براق پر سوار ہو کر مسجد اقصیٰ پہنچے، براق کو آپ نے اس حلقہ میں باندھ دیا جس میں حضرات انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے، پھر مسجد میں داخل ہوئے جہاں تمام انبیاء ورسل پہلے سے آپ کے منتظر تھے انہوں نے سید الانبیاء ﷺ کا استقبال کیا، پھر دو رکعت نفل کے لئے صف بندی ہوئی، امام الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امامت فرمائی (کہ یہ آپ ہی کا حق ہے) پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو (بطور تواضع) شراب اور دودھ کے پیالے پیش کیے، آپ نے دودھ کا پیالہ قبول فرمایا، حضرت جبرئیل عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! اگر آپ شراب کا پیالہ لے لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔

جبرئیل علیہ السلام نے نور کی ایک سیڑھی (معراج) پیش کرتے ہوئے آسمان کی طرف عروج کی گزارش کی، پس آپ نے عروج فرمایا، آسمان دنیا کے دروازے پر پہنچے، جبرئیل نے دربان سے دروازہ کھولنے کی گزارش کی، پوچھا گیا تم کون ہو اور تمہارے ساتھ کون ہے، جبرئیل نے جواب دیتے ہوئے کہا، میں جبرئیل ہوں اور میرے ہمراہ محمد ﷺ ہیں، پوچھا گیا، کیا محمد ﷺ کو بلایا گیا ہے، جبرئیل نے جواب دیا، ہاں وہ بلائے گئے ہیں، پس دروازہ کھلا، تو وہاں حضرت آدم علیہ السلام موجود تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں سلام کیا، حضرت آدم نے جواب دیتے ہوئے کہا، مرحبا یا بن الصالح ویا نبی الصالح۔

آسمان اول سے آقائے کائنات کا سفر فرشتوں کے بازوؤں پر شروع ہوا، اور آپ دوسرے آسمان پر تشریف لائے تو حسب سابق سوال وجواب کے بعد دروازہ کھلا وہاں آپ کی ملاقات حضرت یحییٰ وعیسیٰ علیہما السلام سے ہوئی، تیسرے آسمان پر حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، جب کہ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس، پانچویں آسمان پر حضرت ہارون، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰ اور ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوئیں، بوقت ملاقات آپ کو ہر نبی نے مرحبا کہا اور نبی صالح کہتے ہوئے آپ کا استقبال کیا، پھر آپ کو جنت کی سیر کرائی گئی۔

اب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سدرۃ المنتہیٰ کی طرف صعود کا وقت آ گیا، پس حضرت جبرئیل نے آپ کو اپنے بازوؤں پر اٹھایا اور سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ گئے، سدرہ عرش الٰہی کی جڑ میں ایک بیری کا درخت ہے، جس کے پتے ہاتھی کے کانوں جیسے ہیں، اس کے پھل مقام حجر کے مٹکوں کی طرح ہیں، جملہ ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین کے علم اور رسائی کا یہ مقام منتہیٰ ہے، اس سے آگے رسائی کا اعزاز صرف ہمارے آقا سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوا، یہاں پہنچ کر حضرت جبرئیل رکے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا، جبرئیل! کیا ہوا، آگے کیوں نہیں بڑھتے، جبرئیل نے عرض کی: ''لَوْ دَنَوْتُ اَنْمِلَةً لَاحْتَرَقْتُ'' اگر میں پورے برابر بھی آگے بڑھا تو جل کر خاکستر ہو جاؤں گا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوت نوریہ، قوت ملکیہ سے قوی تر اور مقرب ترین ہے،

صاحب معراج ﷺ کو اب مزید تیز ترین سواری ''رفرف'' پیش کی گئی جس پر سوار ہو کر آپ نے سفر معراج کی بقیہ منازل طے کیں، اس وقت سدرۃ المنتہیٰ، بمطابق ارشاد باری تعالیٰ ''اِذْ یَغْشَی السِّدْرَةَ مَا یَغْشٰی'' انوار و تجلیات سے آراستہ و پیراستہ، چمک رہا تھا، اللہ کے محبوب ﷺ آگے بڑھے تو ''اُدْنُ مِنِّیْ'' کی صدا سنائی دینے لگی، پس مزید آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ ''دَنَا فَتَدَلّٰی'' قریب ہوئے مزید قریب ہوئے ''فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ'' قرب خاص کی انتہائی منزل تک پہنچے، اپنے رب کا اپنی جسمانی آنکھوں سے دیدار کیا ''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی'' اس دوران نہ تو آنکھوں میں چکا چوند پیدا ہوئی نہ ہی پلک جھپکی ''فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَا اَوْحٰی'' معبود نے اپنے عبد خاص، اپنے عبد مقدس کو جو چاہا دیا، جو چاہا سنایا، آقا ﷺ نے اسی خزانہ کے چند موتیوں سے اپنے بھکاری غلاموں کو مالا مال کیا، اتنا دیا کہ کسی غیر کا دروازہ کھٹکھٹانے کی ضرورت باقی نہ رہی وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ معلم کامل ﷺ نے وہ سب کچھ سکھا دیا جو تم نہ جانتے تھے۔

امت کے لئے تحفہ

ہمارے لئے یہ بڑا اعزاز و شرف ہے کہ مقام قرب خاص میں معبود حقیقی نے ہمیں یاد فرمایا اور ہمارے لئے تحفہ جلیلہ عطا فرمایا، یہ تحفہ نماز ہے، جو صاحب معراج ﷺ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اہل ایمان کی معراج ہے، اولیاء، صلحاء اور علماء کے دلوں کا سرور ہے، اس کی پابندی، جد و جہد، زہد اور تقویٰ کی پہلی منزل ہے۔

واپسی پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملاقات دوبارہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی، آپ کے پوچھنے پر، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتایا کہ امت کے لئے پچاس نمازوں کا تحفہ عظیمہ عطا ہوا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے تجربہ کے پیش نظر گزارش کی، ''آپ کی امت پچاس نمازوں

کا بار برداشت نہ کر سکے گی لہٰذا آپ رب کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کمی کی درخواست پیش کیجئے، پس آپ اپنے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، تخفیف کی درخواست پیش کی، جو قبول ہوئی واپس تشریف لائے، تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حسب سابق تخفیف کی درخواست پیش کرنے کا مشورہ دیا، آپ رب کریم کی بارگاہ میں پھر حاضر ہوئے، یہ عمل متعدد بار ہوا اور ہر مرتبہ محبوب رب کی درخواست منظور و مقبول ہوتی رہی، یہاں تک کہ پچاس میں سے صرف پانچ نمازیں باقی رہ گئیں، لیکن وہ ایسا داتا نہیں جو دے کر واپس لے لے، پس اس نے اپنے محبوب کی لاج رکھی کہ ان کے وسیلہ جلیلہ سے نمازوں کی تعداد تو کم فرما دی، لیکن اپنی دین میں کمی نہ کی، ثواب پچاس نمازوں کا ہی عطا ہوتا ہے۔

صاحب معراج ﷺ نے واپسی کے دوران، عالم ملکوت کی سیر فرمائی، آیات الٰہیہ کا مشاہدہ کیا، عجائب قدرت کا ملاحظہ کیا، وہ سب آنکھوں سے دیکھا جس پر امت کو ایمان لانے کی دعوت دی، راستہ میں مکہ آنے والے قریش کے تجارتی قافلوں کو بھی دیکھا، جس مقدس مقام اور جس بابرکت بستر سے اس عظیم سفر کا آغاز ہوا وہیں انتہا ہوئی، جس وقت آغاز ہوا اسی وقت اختتام ہوا کہ لے جانے والے اللہ نے اپنی قدرت کاملہ سے کائنات کی حرکت کو اس وقت تک روک دیا جب تک روح کائنات، جان عالم ﷺ کی واپسی نہ ہوئی، پس آپ واپس تشریف لائے تو رات باقی تھی، آپ نے آرام فرمایا، صبح ہوئی تو اپنے رب کی عطا و کرم کے اعلان کا فیصلہ فرمایا۔

اعلان معراج

صاحب معراج ﷺ نے اہل مکہ کو جمع کیا اور ان کو اپنے اس عظیم قدرتی سفر کا حال تفصیل سے بتایا، قریش مکہ نے اپنی عادت کے مطابق آپ کو دیوانہ کہا اور مذاق اڑایا، لیکن چند رؤسائے قریش سنجیدہ ہوئے، چونکہ انہوں نے متعدد بار مسجد اقصیٰ کو دیکھا تھا لہٰذا وہ آپ سے مسجد کے در و دیوار، منبر و محراب اور دروازوں کے متعلق سوالات کرنے لگے، اس موقع پر پھر قدرت قدیر کا مظاہرہ ہوا، رب نے کرم فرمایا اور مکہ و مسجد اقصیٰ کے درمیان موجود حجابات کو دور فرما دیا، اب مسجد اقصیٰ آپ کے سامنے تھی اور آپ کفار کے ہر سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دے رہے تھے ہر جواب پر منکرین ایسے خاموش نظر آتے گویا ان پر اوس پڑ گئی ہو، جب سوال و جواب کا یہ سلسلہ ختم ہوا تو انہوں نے بیت المقدس سے مکہ آنے والے راستوں اور اپنے قافلوں کے متعلق سوال کرنا شروع کر دیئے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے سوالوں کے ٹھیک ٹھیک جواب دیئے بالخصوص آپ نے تین قافلوں کا ذکر فرمایا:

تین قافلوں کا ذکر

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ قریش مکہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا (اگر آپ واقعی بیت المقدس ہو کر آئے ہیں تو) ہمارے قافلوں کا حال بتایئے، حضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا۔

ایک قافلہ جو بنی فلاں کا تھا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قبیلہ کا نام بتایا لیکن راوی کو یاد نہ رہا) مجھے مقام ''روحا'' پر ملا، ان کی ایک اونٹنی گم ہوگئی تھی وہ لوگ اس کی تلاش میں گئے تھے، میں ان کے پالان اور سامان کے قریب آیا تو وہاں کوئی نہ تھا، پانی بھرا ایک پیالہ وہاں رکھا تھا، وہ پانی میں نے پی لیا، (تا کہ قافلہ والوں کو خیمہ میں کسی کی آمد کا پتہ چل سکے)

پھر میں دوسرے قافلے تک پہنچا جو مقام ''ذی طویٰ'' میں تھا، جو بنی فلاں کا تھا (آپ نے نام بتایا لیکن راوی کو یاد نہ رہا) اس قافلہ میں ایک اونٹ پر دو بوریاں لدی ہوئی تھیں، ایک بوری سیاہ (دھاری دار) دوسری سفید (دھاری دار) تھی جب میں قافلہ کے قریب سے گزرا تو قافلہ کا ایک اونٹ بدک کر گرا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔

پھر میں تیسرے قافلے تک پہنچا جو بنی فلاں کا تھا (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنی فلاں کا نام بتایا، لیکن راوی کو یاد نہ رہا) یہ قافلہ مقام ''تنعیم'' میں تھا، اس قافلہ کے آگے آگے ایک بھورے رنگ کا اونٹ چل رہا تھا، جس پر ایک سیاہ فام حبشی سوار ہے، اور دو سیاہ (دھاری دار غلہ کی) بوریاں اس پر لدی ہوئی ہیں، یہ قافلہ قریب آچکا ہے، اور طلوع آفتاب کے ساتھ ہی کدئی پہاڑی سے ظاہر ہوگا۔

کدئی پہاڑی کی طرف سے آنے والے قافلہ کے انتظار میں کچھ لوگ پہاڑی پر پہنچ گئے اور کچھ سورج کی پہلی کرن چمکنے کا انتظار کرنے لگے، تھوڑی ہی دیر بعد کوئی پکارا، سورج طلوع ہو گیا، دوسری طرف سے آواز آئی قافلہ بھی ظاہر ہو گیا،

ایک روایت کے مطابق مخبر صادق ﷺ نے دوسرے قافلہ کے متعلق خبر دی تھی کہ وہ نصف النہار کے وقت آئے گا، پس اسی وقت یہ قافلہ مکہ میں داخل ہوا، جب کہ تیسرے قافلہ کے متعلق فرمایا تھا کہ غروب آفتاب کے ساتھ وہ مکہ میں داخل ہوگا، سو ایسا ہی ہوا، علاوہ ازیں میرے آقا ﷺ نے تینوں قافلوں کے متعلق جو باتیں بیان فرمائیں، کفار نے اہل قافلہ سے وہ باتیں معلوم کیں جن کی انہوں نے تصدیق کی۔

ان تمام واضح ثبوتوں کے بعد تقاضہ دیانت تو یہ تھا کہ کفار ایمان لے آتے یا کم از کم اس واقعہ کو ہی سچا مان لیتے، لیکن کفر و دیانت کبھی یکجا نہیں ہوتے، لہٰذا ان کی گردنیں لٹک گئیں لیکن زبان پر یہی آیا کہ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ یہ سب کھلا جادو ہے۔

تصدیق صدیق

واقعۂ معراج سننے کے بعد تمام کافروں نے صاحب معراج ﷺ کا مذاق اڑایا، آپ کو مجنون و دیوانہ اور جادوگر کہا، لیکن مقدر والے تھے اور ہیں وہ اہل ایمان جنہوں نے بلا تردد و تامل اس واقعہ کی تصدیق کی اور کرتے ہیں کہ یہ ان کے کمال ایمان کا ذریعہ اور ثبوت ہے، جب کہ ان خوش نصیبوں کے سربراہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ٹھہرے جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہیں، کسی مومن سے سن کر نہیں، بلکہ ابوجہل جیسے مکار کافر سے سن کر بلا تردد تصدیق کی، وہ بھی نہایت ہی پیارے اور قابل تقلید انداز میں، کہ ابوجہل مذاق اڑاتا، حضرت ابوبکر کے پاس پہنچا اور کہنے لگا، ابوبکر، لو سنو تمہارے رسول نے آج ایک عجیب دعویٰ کیا ہے، کہ وہ رات کے تھوڑے سے حصہ میں بیت المقدس پہنچے پھر آسمانوں پر گئے اور آناً فاناً واپس بھی آ گئے، حضرت ابوبکر نے کمال ایمان کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہایت اطمینان سے فرمایا "اگر میرے آقا ﷺ نے یہ سب کچھ فرمایا ہے تو میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں تو پہلے ہی اس سے زیادہ عجیب باتوں پر ان کی تصدیق کر چکا ہوں" پھر انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے پورا واقعہ سنا اور تصدیق کی، آقا ﷺ نے اسی بلا تردد تصدیق پر اپنے رفیق کو "صدیق" کے لقب سے نوازا، جو آج تک سب کی زبانوں پر ہے۔

عقیدۂ حقہ

سفر معراج کے دونوں حصوں یعنی اسراء اور معراج سے متعلق قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں عقیدۂ حقہ یہی ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے محبوب ترین عبد مقدس کو یہ سفر بحالت بیداری جسم اطہر کے ساتھ کرایا، اسی سفر کے دوران اللہ کے حبیب ﷺ کو جسمانی آنکھوں سے رؤیت باری تعالیٰ نیز مشاہدہ آیات باری تعالیٰ اور معائنۂ کائنات کا شرف حاصل ہوا، جمہور صحابہ، تابعین، محدثین، فقہاء اور اولیائے کرام کا بھی یہی مسلک ہے، اسی عقیدۂ حقہ پر ہر دور میں امت کا اجماع ثابت ہے، اور بلا تردد و تامل، بلا شک و شبہ یہی ہمارا ایمان ہے، اللہ رب العزت جل مجدہ ثابت قدم رکھے، آمین۔

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے
وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

وَبِتَّ تَرقٰی اِلٰی اَنْ نِلتَ مَنزِلَةً　　مِنْ قَابَ قَوْسَیْنِ لَمْ تُدْرَکْ وَلَمْ تُرَمِ

اور آپ اوپر چڑھتے رہے، حتیٰ کہ ایسے مقام پر پہنچے کہ معبود و عبد کے درمیان دو کمان فاصلہ رہ گیا، اس مقام پر کوئی نہ پہنچا اور نہ کسی نے اس کا قصد کیا،

نزول باران رحمت

پیکر معجزات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آسمانی معجزات میں سے ایک معجزہ باران رحمت کا نزول بھی ہے، جس کا ظہور متعدد بار ہوا، مثلاً

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ واللہ، ایک مرتبہ مطلع بالکل صاف تھا، آسمان پر بادل تو کجا، بادل کا ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا، جبل سلع اور ہمارے گھروں کے درمیان چٹیل میدان تھا، جمعہ کا دن تھا، رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی مسجد میں اس دروازے سے داخل ہوا جو منبر شریف کے بالکل سامنے تھا، اس نے آتے ہی درخواست کی۔

یا رسول اللہ! خشک سالی اور قحط سالی سے مویشی بھوک کے سبب ہلاک ہو گئے اور راستے منقطع ہو گئے، پس آپ دعا کیجئے کہ اللہ باران رحمت نازل فرما دے، آقائے رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا دراز فرمائے اور عرض کی: ''اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اَسْقِنَا'' اے اللہ! ہمیں سیراب کر دے، اسی وقت بادل چھا گئے اور بارش ہونے لگی،

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مستجاب الدعوات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابھی ہاتھ نیچے نہ کیے تھے کہ بادل پہاڑوں کی طرح گرجتا آیا اور ابھی آپ منبر شریف سے نیچے تشریف نہ لائے تھے کہ آپ کی ریش مبارک سے پانی کے قطرے ٹپکنے لگے، اور پورے ہفتہ، جمعہ تک موسلا دھار بارش ہوتی رہی، یہاں تک کہ پھر وہی شخص حاضر ہوا اور آپ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے، وہ شخص عرض گزار ہوا۔

یا رسول اللہ! مکانات گر گئے، راستے بند ہو گئے، مویشی گھروں میں بند، بھوک سے مر رہے ہیں، دعا فرمایئے، کہ باش رک جائے، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دست دعا دراز کرتے ہوئے عرض کی: ''اَللّٰهُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا اَللّٰهُمَّ عَلَی الْاٰکَامِ وَالظِّرَابِ وَالْاَوْدِیَةِ وَمَنَابِتِ الشَّجَرَةِ'' اے اللہ! اب ہم پر یہ پانی نہ برسا، بلکہ، ٹیلوں پر اور وادیوں پر اور جہاں درخت اگتے ہیں، ان پر برسا، الٰہی یہ پانی مدینہ کے اردگرد برسا ہم پر نہ برسا، پس مدینہ کا آسمان صاف نظر آنے لگا جب کہ اس کے چاروں طرف گہرا سیاہ بادل چھایا نظر آ رہا تھا۔

علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں: ''هٰذِهٖ طُرُقٌ مُتَوَاتِرَةٌ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ تُفِیْدُ الْقَطْعَ'' روایت انس بن مالک کے تمام طرق تواتر کو پہنچے ہوئے ہیں اور یقین کا فائدہ دیتے ہیں، لہٰذا

اس معجزے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

جن کو سوئے آسماں پھیلا کر جل تھل بھر دیئے　　صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

انگلیوں سے چشمہ جاری ہونا

پیکر معجزات ﷺ کی نورانی انگلیوں سے چشمہ جاری ہونے کا معجزہ متعدد بار ظہور پذیر ہوا، جن احادیث میں یہ واقعہ مذکور ہے، ان کے متعلق قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے فرمایا'' کہ اس واقعہ کو کثیر التعداد راویوں نے بیان کیا ہے، اور یہ سلسلۂ روایات صحابہ کرام تک پہنچتا ہے، کیونکہ اس قسم کے واقعات کا ظہور اس وقت ہوا جب آقا ﷺ غلاموں کے جھرمٹ میں رونق افروز تھے، نیز کسی نے بھی ان واقعات کے راویوں پر کسی قسم کی جرح قدح نہیں کی ''فَهٰذَا النَّوْعُ مُلْحِقٌ بِالْقَطْعِيِّ مِنْ مُعْجِزَاتِهٖ'' کہ معجزات کی یہ قسم قطعی اور یقینی ہے جس پر شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حدیبیہ میں ہمیں مشرکین مکہ نے عمرہ کرنے سے روک دیا تو وہاں پانی کی بے حد قلت ہوگئی، آقا ﷺ کے سامنے چمڑے کا ایک چھوٹا سا ڈول رکھا تھا، جس سے آپ وضو فرما رہے تھے، لوگ بڑی تیزی سے وہاں پہنچے، آپ نے پوچھا، تمہیں کیا ہوا، لوگ عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہمارے پاس پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں کہ ہم پی سکیں یا وضو کر لیں، آقائے رحمت ﷺ نے اپنا دست مبارک اس ڈول میں ڈال دیا فوراً انگشتہائے مبارک سے چشمہ جاری ہوگیا، ہم سب نے سیر ہو کر پانی پیا اور آرام سے وضو کیا، حضرت سالم نے حضرت جابر سے پوچھا اس وقت تمہاری تعداد کتنی تھی، انہوں نے فرمایا: ''لَوْ كُنَّا مِائَةَ أَلْفٍ لَكَفَانَا كُنَّا خَمْسَ عَشْرَةَ مِائَةً'' اگر ہم ایک لاکھ بھی ہوتے تب بھی وہ پانی کافی ہوتا جب کہ اس وقت ہم صرف پندرہ سو تھے۔

حضرت امام بخاری ومسلم نے حضرت عمران بن حصین خزاعی سے روایت کی، حضرت عمران کہتے ہیں، کہ ہم ایک سفر میں اپنے آقا ﷺ کے ہمراہ تھے، کچھ لوگوں نے پانی نہ ہونے کی شکایت کی، تو آپ اونٹنی سے نیچے اترے اور حضرت علی وزبیر رضی اللہ عنہما کو طلب فرما کر حکم دیا کہ جاؤ پانی تلاش کرو، وہ دونوں ادھر ادھر پانی کی تلاش میں پھر رہے تھے کہ انہیں ایک عورت اونٹنی پر جاتی نظر آئی (قاضی عیاض علیہ الرحمہ نے لکھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی وزبیر کو پانی کی تلاش میں بھیجا تو فرمایا ''اَنْتُمَا تَجِدَانِ اِمْرَاَةً بِمَكَانِ كَذَا مَعَهَا بَعِيْرٌ عَلَيْهَا مَزَاوَتَانِ'' تمہیں فلاں جگہ ایک عورت ملے گی جو اونٹ پر سوار ہوگی، اس کے دونوں طرف پانی بھرے مشکیزے لٹک رہے ہوں گے، (وہ ان کے درمیان اپنے پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوگی) یہ دونوں حضرات اسے لے کر بارگاہ رحمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ایک بڑا برتن منگوایا اور اس کی دونوں مشکوں کا پانی اس برتن میں انڈیل دیا، پھر

اس میں اپنا دست مبارک رکھا تو پانی جوش مارنے لگا، پھر اعلان کرایا، کہ پانی موجود ہے، جو لینا چاہتا ہے لے لے، پس لوگ قطار در قطار آنے لگے، انہوں نے خوب پیا اور اپنے برتن بھرے۔

عورت ہکا بکا یہ منظر دیکھتی رہی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بھرے مشکیزے اونٹ پر رکھوائے، اور صحابہ کرام کو حکم دیا، کہ سب حسب استطاعت اس کی مدد کریں، تا کہ اس کو ہماری وجہ سے جو پریشانی ہوئی ہے اس کا کفارہ ہو جائے لوگوں نے حسب توفیق مدد کی اور سب سامان کے اونٹ پر لاد دیا، آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم نے تمہارے پانی سے ایک قطرہ بھی نہیں لیا، تمہارے مشکیزے لبالب بھرے ہوئے ہیں، ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دریائے رحمت سے پانی پلایا ہے، وہ عورت حیرت زدہ واپس چلی گئی۔

نور کے چشمے لہرائیں دریا بہیں　　انگلیوں کی کرامت پہ لاکھوں سلام

دودھ اور گھی میں برکت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں بھوک کی شدت کے باعث اکثر اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا تھا، ایک دن تنگ آ کر میں ایک گزرگاہ پر جا بیٹھا اس امید پر کہ شاید کوئی مجھے کھانا کھلا دے۔

سب سے پہلے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے قریب آئے میں نے انہیں روکا اور قرآن کریم کی ایک آیت کے متعلق سوال کیا مقصد یہ تھا کہ یہ میرے چہرے کی زردی سے میری کیفیت کا اندازہ کر کے میرا حال پوچھیں گے، لیکن انہوں نے صرف میرے سوال کا جواب دیا اور چل دیئے، ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے میں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے قرآن کریم کی ایک آیت سے متعلق سوال کیا انہوں نے بھی میرے سوال کا جواب دیا اور چل دیئے، میری خیریت تک دریافت نہ کی۔

بالآخر وہ تشریف لے آئے جو ہر بے سہارا کا سہارا ہیں، حاجت مندوں کے حاجت روا ہیں، دلوں کا حال جاننے والے ہیں، پس مجھے دیکھتے ہی میرا حال جان گئے، فرمایا، ابو ہریرہ بھوک لگی ہے میں نے کہا، جی، آپ نے فرمایا میرے پیچھے پیچھے آؤ، میں چل دیا، آپ اپنے کاشانۂ اقدس میں تشریف لے گئے اور مجھے اندر آنے کی اجازت دی، میں نے دیکھا ایک پیالہ میں دودھ رکھا ہے، آپ نے اہل خانہ سے دریافت فرمایا، یہ دودھ کہاں سے آیا، بتایا گیا کہ کسی نے آپ کے لئے بطور ہدیہ پیش کیا ہے، آپ نے مجھے حکم دیا کہ جاؤ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ۔

حضرت ابو ہریرہ کہتے ہیں کہ اصحاب صفہ، اسلام کے مہمان تھے، نہ ان کے پاس سر چھپانے کی

جگہ تھی نہ مال واسباب، پس رحیم وکریم آقا ﷺ ہدایا وصدقات سے ان کی ضروریات پوری فرماتے تھے، جب آپ نے مجھے اصحاب صفہ کو بلانے کا حکم دیا تو میرے حزن وملال کی کوئی حد نہ رہی، کیونکہ مجھے توقع تھی کہ یہ پیالہ مجھے عطا ہوگا اور میں خوب سیر ہو کر دودھ پی لوں گا، میں نے سوچا کہ میں تو پیغام رساں بنا دیا گیا، جب اصحاب صفہ آئیں گے تو مجھے حکم ہوگا کہ یہ پیالہ انہیں پیش کر دو، پھر تو میرے لئے کچھ نہ بچے گا اور میں اسی طرح بھوکا تڑپتا رہوں گا، بہرحال حکم کی تعمیل کرنی تھی، میں اصحاب صفہ کو بلا لایا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں اندر بلایا، سب ادب واحترام سے بیٹھ گئے آپ نے مجھے حکم دیا کہ یہ پیالہ ہر ایک کے پاس لے جاؤ، میں حسب الحکم سب کو دودھ پلاتا رہا اور ہر ایک خوب سیر ہو کر پیتا رہا، پھر وہ پیالہ میں نے آپ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے فرمایا ابو ہریرہ! اب تم پیئو، میں نے خوب سیر ہو کر پیا، آقا ﷺ بار بار حکم دیتے رہے اور میں پیتا رہا، حتیٰ کہ مجھے عرض کرنا پڑا ''وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ مَا اَجِدُ لَهٗ فِیْ مَسْلَکًا'' قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اب تو ایک قطرے کی بھی گنجائش نہیں، آقا ﷺ نے مجھ سے پیالہ لے کر، سب کا بچا دودھ نوش فرمایا (اللہ اکبر، آقائے رحمت ﷺ کا یہ عمل قابل غور ہے، ان قائدین اور حکام کے لئے جو اپنے ملازمین یا رعایا کا بچا ہوا کھانا، پینا تو درکنار ان کے برتن بھی استعمال کرنا گوارا نہیں کرتے)۔

کھانے میں برکت

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا، کہ میرے والد ابوطلحہ نے اپنی رفیقۂ حیات ام سلیم کو بتایا کہ آج میں نے آقائے نعمت ﷺ کی آواز سنی جس سے مجھے نقاہت اور کمزوری کا اندازہ ہوا، میرا خیال ہے کہ آپ نے کئی دن سے کچھ نہیں کھایا، اگر گھر میں کچھ ہو تو مجھے دو تا کہ میں اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں پیش کر آؤں، ام سلیم نے جو کی چند روٹیاں ابوطلحہ کو دیں، حضرت انس کہتے ہیں ابوطلحہ نے وہ روٹیاں مجھے دے کر کہا، جاؤ یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں پیش کر دو، اس وقت آقا ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ مسجد میں رونق افروز تھے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا، انس! کیا ابوطلحہ نے تمہیں کچھ کھانا دے کر بھیجا ہے، میں نے عرض کی، جی یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا، اٹھو اور اپنے بھائی ابوطلحہ کی دعوت قبول کرو، پھر مع صحابہ کے ابوطلحہ کے گھر کی طرف چل دیئے۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ میں تیزی سے ابوطلحہ کے پاس آیا اور آقا ﷺ کی مع صحابہ کے تشریف آوری کی خبر دی، ابوطلحہ نے اپنی بیوی سے کہا: ''یَا اُمَّ سُلَیْمٍ قَدْ جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مَعَهٗ'' اے ام سلیم! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام لوگوں کے ساتھ تشریف لا رہے ہیں، کیا گھر میں کھانے کی اور کوئی چیز ہے، اس مومنہ نے جواب دیا، ہمیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ''اَللّٰهُ وَ

رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ'' اللہ اور اس کے رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں (کہ اب کیا ہوگا، کون انتظام کرے گا)۔

حضرت ابوطلحہ اپنے آقا ﷺ کے استقبال کے لئے دوڑے آئے، آپ کو مرحبا کہا اور گھر لے کر آگئے، آپ نے گھر میں داخل ہو کر فرمایا ''هَلُمَّ يَا اُمَّ سُلَيْمٍ مَا عِنْدَكِ'' اے ام سلیم! جو کچھ تمہارے پاس ہے لے کر آؤ، ام سلیم نے وہی جو کی چند روٹیاں خدمت اقدس میں پیش کر دیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ ان روٹیوں کے ٹکڑے کر دو، لہٰذا ٹکڑے کیے گئے، ام سلیم گھی کا ایک کپا لائیں اور روٹیوں پر گھی انڈیل دیا، آپ نے ان روٹیوں کو سامنے رکھ کر کچھ پڑھا اور ان پر دم کر دیا، پھر حکم دیا کہ دس آدمیوں کو اندر بلایا جائے، چنانچہ دس حضرات آئے انہوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا، اور کھانے کا سلسلہ چلتا رہا یہاں تک کہ ستر افراد شکم سیر ہو گئے، اور کھانا اتنا ہی باقی رہا۔

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اس روایت کے متعلق فرمایا کہ یہ حد تواتر کو پہنچی ہوئی ہے، لہٰذا اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

حضرت امام بخاری علیہ الرحمہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد غزوۂ احد میں شہید ہو گئے، وہ بہت مقروض تھے، حضرت جابر نے قرض خواہوں سے معاہدہ کرنا چاہا کہ وہ باغ لے لیں اور اس پر جو کھجوریں ہیں وہ ایک سال تک کھائیں اور قرضہ معاف کر دیں، لیکن وہ اس تجویز پر راضی نہ ہوئے کیونکہ درختوں پر جو پھل تھے اگر وہ کئی سال تک بھی کھاتے تب بھی قرضہ کی رقم کے مساوی نہ ہوتا، حضرت جابر نے مشکلات ومصائب سے نجات دہندہ آقا ﷺ کو اپنا حال بتایا، آپ نے حکم دیا، درختوں کی سب کھجوریں کاٹ کر درختوں کی جڑوں میں جمع کر دو، پھر آپ بذات خود باغ میں تشریف لائے، اور دعائے برکت فرمائی، حضرت جابر نے سب قرض خواہوں کو بلایا اور سب کا قرضہ ادا کر دیا، اس کے بعد بھی کھجوروں کے ڈھیر جوں کے توں رہے، قرض خواہ یہودی تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائے برکت کا اثر دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئے۔

مردوں کو زندہ کرنا

اللہ رب العزت جل مجدہ نے جان عالم ﷺ کو جن معجزات کثیرہ سے نوازا، ان میں مردوں کا زندہ کرنا بھی ہے جو آپ کی حقانیت اور اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت کے دلائل میں سے ایک دلیل ہے، آپ نے متعدد بار اس معجزے کا مظاہرہ فرمایا اور کئی مردوں کو زندہ کر دکھایا۔

امام بیہقی علیہ الرحمہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دعوت دی، اس نے کہا کہ میں اس وقت تک اسلام قبول نہ کروں گا جب تک آپ میری بیٹی کو زندہ نہ کر دیں، آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ اس کی قبر کہاں ہے، وہ شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے ہمراہ لے کر گیا اور

بیٹی کی قبر پر کھڑا کر دیا، آقائے رحمت ﷺ نے لڑکی کو اس کا نام لے کر پکارا، اس نے جواب دیا: "لَبَّیْکَ وَ سَعْدَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ" یارسول اللہ! میں حاضر ہوں، تمام سعادتیں آپ ہی کے لئے ہیں، آپ نے فرمایا، کیا تو چاہتی ہے کہ دنیا میں آجائے، لڑکی نے جواب دیا، بخدا، میں دنیا میں واپس آنا ہرگز پسند نہیں کرتی کیونکہ میں نے اپنے رب کریم و رحیم کو اپنے ماں، باپ سے زیادہ شفیق پایا ہے جب کہ آخرت دنیائے فانی سے کہیں زیادہ بہتر اور سکون کی جگہ ہے۔

والدین کریمین کو زندہ کرنا

صاحب معجزات ﷺ کا ایک معجزہ اپنے والدین کریمین کو زندہ کر کے انہیں کلمہ پڑھوانا اور اپنی امت میں شمولیت کا شرف بخشنا ہے، کہ یہ دونوں نہ تو بت پرست تھے نہ مشرک، بلکہ بلاشبہ موحد تھے نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے پہلے ہی دنیا سے جا چکے تھے، پس آپ نے چاہا کہ ان دونوں کو خیر امت میں شمولیت کا اعزاز بخشا جائے لہٰذا آپ دونوں کی قبروں پر تشریف لائے اپنے رب کریم سے دعا کی، اللہ نے اپنے محبوب کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا، دونوں زندہ ہوئے اور اپنے ولد صالح کا کلمہ پڑھ کر انہیں اپنے ایمان پر گواہ بنایا، اور حسب سابق اپنی اپنی قبروں میں جا کر سو گئے، جیسا کہ:

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، اللہ کے رسول ﷺ نہایت غمزدہ و افسردہ نظر آ رہے تھے، آپ وادی حجون میں تشریف لے گئے، اور کچھ دیر وہاں ٹھہرے رہے، واپس تشریف لائے تو چہرۂ انور فرحت و مسرت سے چمک رہا تھا، میں نے اس کیفیت کی وجہ معلوم کی تو آپ نے فرمایا، میں نے اپنے رب کریم سے دعا کی، اس نے میری دعا کو شرف قبول عطا فرمایا، پس میری والدہ کو زندہ کر دیا وہ قبر سے باہر آئیں اور مجھ پر ایمان لائیں، پھر وہ اپنے مزار پر انوار میں واپس تشریف لے گئیں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہی دوسری روایت ہے، جس میں صرف والدہ ماجدہ ہی کا ذکر نہیں بلکہ والدین کریمین کا ذکر ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے میرے والدین کو زندہ کیا، وہ مجھ پر ایمان لائے، پھر اپنے مزارات میں واپس چلے گئے۔

مریضوں کو شفا بخشنا

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شفاء امراض کا معجزہ بھی عطا فرمایا تھا، کہ غلاموں کو جب کوئی مرض لاحق ہوتا تو وہ آقا ﷺ کی خدمت مبارکہ میں اس یقین کے ساتھ حاضر ہوتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے آقا ﷺ کو "شافی الامراض" بنایا ہے، پس آپ کی ادنیٰ توجہ سے ہماری بیماری ہمیشہ کے لئے جاتی رہے گی۔ اور شافی الامراض ﷺ رب کی عطا

کردہ نعمت سے غلاموں کو فائدہ پہنچاتے، ان کی ضروریات کو پورا کرتے اور انہیں لاعلاج بیماریوں سے بھی شفاء عطا فرما دیتے تھے۔

حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ، ایک نابینا نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بینائی کی بھیک مانگی، آپ نے اسے وضو کر کے دو رکعت نفل ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا، اس طرح اللہ سے دعا کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَامُحَمَّدُ اِنِّیْ اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ اَنْ یَّکْشِفَ عَنْ بَصَرِیْ اَللّٰھُمَّ شَفِّعْہُ فِیَّ

"اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں، اور تیرے دربار میں حاضر ہوا ہوں، تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ جلیلہ سے جو نبی رحمت ہیں، یا محمد! ﷺ میں آپ کے وسیلہ جلیلہ سے آپ کے رب کے دربار میں حاضر ہوتا ہوں (اور بھیک مانگتا ہوں) کہ میری آنکھوں میں بینائی آ جائے، اے اللہ! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کو میرے حق میں قبول فرما"۔

جب یہ شخص دعا سے فارغ ہو کر نبی رحمت ﷺ کے دربار میں واپس آیا تو موجود صحابہ نے دیکھا وہ بینا تھا سب کچھ دیکھ رہا تھا، گویا یہ کبھی اندھا ہی نہ تھا۔

راوی حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ یہ دعا اپنے بچوں کو یاد کرایا کرتے تھے اور جب بھی کوئی مریض یا پریشان حال مصیبت زدہ آپ سے دعا کی درخواست کرتا تو آپ اسے یہی تعلیم فرماتے تھے۔

آقائے رحمت ﷺ کی عطا کردہ یہ دعا ہر مرض اور ہر مشکل کے لئے نہایت مؤثر ہے، مجرب ہے، اس کے اثر کے متعدد واقعات معتبر کتابوں میں موجود ہیں، ہر نماز کے بعد ہاتھ پھیلا کر یہ دعا پڑھنا بزرگوں سے منقول ہے، جب کہ خاص ضرورت کے تحت دو نفل پڑھ کر، یہ دعا کرنا چاہیے۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب ﷺ کے لعاب کو شفائے امراض کا ذریعہ بنایا، جس کے متعدد واقعات تفصیل کے ساتھ احادیث صحیحہ میں موجود ہیں، مثلاً

عامر بن مالک رضی اللہ عنہ کو اتنا شدید ہیضہ ہوا کہ آپ قریب المرگ ہو گئے، آقائے رحمت ﷺ نے مٹی میں لعاب مبارک ملا کر عطا فرمایا، جسے کھاتے ہی شفایاب ہو گئے۔

مشہور واقعہ ہے، خیبر کے موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں پر لعاب مبارک لگایا، پیدائشی آشوب چشم ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، اور آنکھیں نہایت حسین ہو گئیں۔

غزوۂ خیبر میں، حضرت سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر جان لیوا زخم آیا، آقائے رحمت ﷺ نے

لعاب مقدس ملا، اور تین مرتبہ دم کیا، نہ درد رہا نہ زخم، صرف نشان باقی رہا تا کہ آقا کا کرم یاد رہے۔

کلثوم بن حصین رضی اللہ عنہ کی گردن پر تلوار کا زخم آیا، تڑپتے ہوئے بارگاہ میں حاضر ہوئے، لعاب مقدس ملا، نہ درد رہا نہ زخم۔

عبداللہ بن انیس کے سر پر تلوار کا زخم آیا، ابوجہل کے قاتل حضرت معاذ بن عفراء کا ایک بازو کٹ گیا، حضرت قتادہ کی آنکھ کا ڈھیلا تیر لگنے سے باہر آ گیا، جنگ احد میں حضرت ابوذر کی آنکھ کا ڈھیلا تیر لگنے سے باہر آ گیا، اور سب سے زیادہ ایمان افروز واقعہ غار ثور میں رفیق غار کو سانپ کے کاٹنے کا۔

یہ اور ان جیسے نہ جانے کتنے مریض شفا خانہ جان عالم ﷺ میں صبح شام آتے، کسی کا علاج لعاب دہن سے ہوتا، کسی کا صحت بخش پھونک اور کسی کا صرف نگاہ شفا بخش سے، سب ہی شفایاب ہو کر صحت مند ہو کر واپس ہوتے تھے۔

خلق کے داد رس سب کے فریاد رس   کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

قبولیت دعا

جان عالم ﷺ کا ایک عظیم معجزہ آپ کی دعاؤں کا قبول ہونا ہے، جیسا کہ وعدۂ الٰہی ہے **وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى** جس کا مقتضیٰ یہی ہے کہ آپ کا رب آپ کی ہر دعا قبول فرمائے تا کہ اس کا وعدہ پورا ہو اور اس کے محبوب ﷺ راضی رہیں، پس جو آپ نے مانگا وہ آپ کو ملا، بطور نمونہ چند واقعات ملاحظہ ہوں۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ مستجاب الدعوات ﷺ جب کسی کے لئے دعا فرماتے: "**اَدْرَكَتْ وَلَدَهٗ وَوَلَدَ وَلَدِهٖ**" تو آپ کی دعا کا اثر صرف اسی شخص پر نہ ہوتا تھا بلکہ اس دعا سے اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد فیض پاتی تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے گھر رونق افروز ہوئے۔ اس وقت گھر میں میرے علاوہ میری والدہ اور میری خالہ ام حرام موجود تھیں، میری والدہ نے موقع غنیمت جانا اور عرض گزار ہوئیں "**خُوَيْدِمُكَ اَنَسٌ اُدْعُ اللّٰهَ لَهٗ**" یارسول اللہ! یہ آپ کا حقیر خادم انس ہے اس کے لئے اللہ کے دربار میں دعا کر دیجئے، آقا ﷺ نے میری والدہ کی درخواست قبول فرمائی اور دست دعا دراز کیے، آپ نے میرے لئے خوب دعا کی جس کا آخری جملہ یہ تھا "**اَللّٰهُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِكْ لَهٗ فِيْهِ اَطِلْ عُمْرَهٗ وَاجْعَلْهُ رَفِيْقِيْ فِي الْجَنَّةِ**" اے اللہ! اس کے مال کو زیادہ کر دے، اور اس کو اولاد کثیر عطا فرما، اور اس کے لئے اولاد کو بابرکت بھی بنا، اس کو عمر دراز عطا فرما، اور اس کو جنت میں میرا رفیق بنا دے، پس اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب علیہ

الصلوٰۃ والسلام کی دعا کو حضرت انس کے حق میں قبول فرمایا، انہیں مال کثیر دیا، اولاد کثیر عطا فرمائی، جو ان کے لئے راحت و سکون کا ذریعہ بنی، طویل عمر عطا فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنی عمر کے آخری دنوں میں فرمایا کرتے تھے اللہ نے میرے حق میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سب دعائیں قبول فرمائیں دنیاوی زندگی سے متعلق آپ نے میرے لئے جو کچھ مانگا وہ تو مجھے مل ہی گیا، اب یقین ہے کہ آخرت میں مجھے جنت میں اپنے آقا ﷺ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوگا۔

مستجاب الدعوات ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے لئے دعا کی "اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْهُ التَّاوِیْلَ" اے اللہ! ابن عباس کو دین کی سمجھ عطا فرما اور اسے قرآن کریم کے معانی کا علم عطا فرمایا۔

آقا ﷺ کی اس دعا ہی کے نتیجے میں حضرت عبداللہ ابن عباس، حبر القرآن اور ترجمان القرآن کے لقب سے مشہور ہوئے، ہر دور کے علماء امت نے ان کے اس اعزاز کو تسلیم کیا ہے، نیز علم تفسیر، فقہ اور فن میراث کے علاوہ عرب کے شعراء کو ان سے بہتر جاننے والا کوئی نہ ہوا، اجلہ صحابہ ان سے استفادہ کرتے اور ان کے قول کو سند جانتے تھے۔

حضرت مقداد کی رفیقۂ حیات ضباعہ بنت زبیر نے بتایا کہ ایک روز مقداد قضائے حاجت کے لئے گئے کہ اسی دوران ایک چوہا اپنے بل سے اپنے منہ میں ایک اشرفی لئے نکلا اور مقداد کے سامنے ڈال کر چلا گیا، پھر وہ کئی مرتبہ یہی کرتا رہا یہاں تک کہ سترہ اشرفیاں ہوگئیں، حضرت مقداد وہ اشرفیاں لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرہ بیان کیا، آقائے رحمت نے پوچھا مقداد! تم نے بل میں ہاتھ تو نہ ڈالا تھا، وہ عرض گزار ہوئے واللہ! میں نے ہاتھ نہ ڈالا، آپ نے فرمایا، یہ اللہ کی طرف سے تمہارے لئے صدقہ ہے، اللہ تمہیں اس میں برکت دے۔

ضباعہ کہتی ہیں، ہم نے یہ دینار بطور تبرک اپنے پاس رکھے، اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی دعا سے ہم پر رزق کی اتنی فراخی فرمائی کہ میں نے اپنے گھر میں اپنی آنکھوں سے چاندی کی بوریاں دیکھیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ میں نے متعدد بار، اپنی ماں کو مشرف باسلام ہونے کی دعوت دی لیکن وہ مسلمان نہ ہوئی، ایک مرتبہ جب میں نے اسے نہایت محبت سے اسلام قبول کرنے کی تلقین کی تو وہ غصہ سے بھر گئی اس نے مجھے جو چاہا کہا یہاں تک کہ اس نے میرے آقا ﷺ کی شان میں بہت گستاخی کی جس کا مجھے بے حد دکھ ہوا، میں اسی حال میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا اور درخواست پیش کی کہ یارسول اللہ! اب تو آپ دعا فرمادیں کہ میری ماں مسلمان ہو جائے، پس مستجاب

الدعوات ﷺ نے دست دعا دراز کیے اور اپنے رب کے دربار میں عرض گزار ہوئے "اَللّٰھُمَّ اھْدِ اُمَّ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ" اے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا فرما دے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو چونکہ آقا ﷺ کی دعا قبول ہونے کا یقین کامل تھا لہٰذا وہ خوشی سے پھولے نہ سما رہے تھے، گھر پہنچے، دروازے پر دستک دی تو ماں نے جواب دیا، ٹھہر جاؤ، تھوڑی دیر بعد ابو ہریرہ کی ماں نے دروازہ کھولا، ابو ہریرہ نے گھر کے اندر قدم رکھا ہی تھا کہ ماں نے بآواز بلند کہا "اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اسی وقت ابو ہریرہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے، ان کی مسرت و خوشی کی کوئی حد نہ تھی، عرض کرنے لگے، یا رسول اللہ! مبارک ہو آپ کے رب نے آپ کی دعا قبول فرمالی، دعا فرمائیں، کہ اللہ اپنے مومن بندوں میں، مجھے اور میری ماں کو محبوب بنادے، نیز ہمارے دلوں میں اپنے نیک بندوں کی محبت و الفت پیدا فرمادے، آقا ﷺ نے دعا کی "اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ عَبْدَکَ ھٰذَا وَاُمَّهٗ اِلٰی عِبَادِکَ وَحَبِّبْھُمْ لَھُمَا" اے اللہ! اپنے اس بندے اور اس کی ماں کو اپنے بندوں کا محبوب بنادے اور ان کے دلوں میں اپنے بندوں کی محبت پیدا فرمادے۔

مستجاب الدعوات ﷺ کی یہ دعا بھی قبول ہوئی، کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے دلوں میں ان کی کیسی محبت پیدا فرمائی، اور وہ بھی صحابہ کرام سے کس قدر محبت و الفت کا برتاؤ کرتے تھے۔

مدینہ کے لئے دعائے برکت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہجرت کر کے جب مدینہ منورہ تشریف لائے، تو یثرب شدید بخار، مہلک امراض اور وباؤں کے لئے مشہور تھا، صحابہ کرام ان بیماریوں میں مبتلا ہونے لگے، پس اللہ کے رسول ﷺ نے دعا فرمائی "اَللّٰھُمَّ حَبِّبْ اِلَیْنَا الْمَدِیْنَۃَ کَحُبِّنَا مَکَّۃَ اَوْ اَشَدَّ" اے اللہ! ہمارے لئے مدینہ کو ایسا ہی محبوب بنادے جیسا ہمیں مکہ محبوب تھا یا اس سے بھی زیادہ "اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ صَاعِنَا وَمُدِّنَا وَصَحِّحْھَا لَنَا وَانْقُلْ حِمَاھَا اِلَی الْجُحْفَۃِ" اے اللہ! ہمارے مال اور مد میں برکت دے، مدینہ کو تمام بیماریوں سے پاک کردے اور اس کے بخار کو جحفہ کی طرف منتقل فرمادے۔

خلاصۃ الوفاء میں ہے کہ ایک دن صبح سویرے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو دیکھا، جس کے متعلق اندازہ ہوا کہ وہ مکہ مکرمہ سے آرہا ہے، آپ نے اس سے پوچھا، کیا تمہیں راستہ میں کوئی ملا تھا، اس نے بتایا، جی، ایک پراگندہ سر سیاہ فام عورت ملی تھی، پس آپ نے فرمایا "تِلْکَ الْحُمّٰی

وَلَنْ تَعُوْدَ بَعْدَ الْيَوْمِ اَبَدًا" یہ مدینہ کا بخار تھا جو آج کے بعد کبھی نہ لوٹے گا،

مستجاب الدعوات ﷺ نے دعا فرمائی "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِيْنَةِ ضِعْفَىْ مَا جَعَلْتَ بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرَكَةِ" اے اللہ! مدینہ کی ہر چیز میں مکہ کی چیزوں کی نسبت دوگنی برکت فرمادے۔

نیز آپ نے دعا فرمائی: "اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي مَدِيْنَتِنَا اَللّٰهُمَّ اجْمَعْ مَعَ الْبَرَكَةِ بَرَكَتَيْنِ" اے اللہ! ہمارے مدینہ میں برکت فرمادے، اے اللہ! ایک برکت کے ساتھ دو برکتیں جمع فرمادے۔

یہ دعا صرف مادی اشیاء ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس میں تمام اعمال، نماز، روزہ اور دیگر عبادات بھی شامل ہیں، مشاہدہ ہے کہ آقائے رحمت ﷺ کی دعا کا اثر مدینہ منورہ کی ہر چیز میں پایا جاتا ہے، جب کہ اس مقدس شہر میں جو نیک کام بھی کیا جاتا ہے اس کا ثواب مکہ مکرمہ کے اعمال کی نسبت تین گنا زیادہ ملتا ہے۔

نباتات کے متعلق چند معجزات

پیکر معجزات ﷺ کے عالم نباتات سے متعلق تصرفات کے واقعات بے شمار ہیں، جنہیں اجلہ صحابہ وتابعین نے ہم تک پہنچایا لہٰذا ان میں بھی شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں، جن صحابہ نے ان واقعات کو بیان کیا ان میں چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عباس، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، اسامہ بن زید، انس بن مالک، یعلی بن مرہ، وغیرھم، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے، کہ ہم ایک سفر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ تھے، ایک اعرابی آپ کے قریب آیا، آپ نے اس سے پوچھا، تم کہاں جارہے ہو، اس نے کہا، اپنے گھر، آپ نے اسے دعوت اسلام دی، اعرابی نے کہا، کیا کوئی گواہ ہے جو آپ کی صداقت کی گواہی دے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وادی کے کنارے پر موجود ایک درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "یہ گواہ ہے" اور جب آقائے کائنات ﷺ نے اس درخت کی طرف اشارہ فرمایا تو وہ اپنی جڑوں کو کھینچتا ہوا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو گیا، آپ نے اس سے تین مرتبہ فرمایا، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول برحق ہوں، درخت نے تین مرتبہ گواہی دی، پھر وہ درخت اپنی جگہ جا کر کھڑا ہو گیا۔

اعرابی نے جب یہ محیر العقول معجزہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تو وہ مشرف باسلام ہوا اور عرض کرنے لگا، یارسول اللہ! میں اپنی قوم کے پاس جا کر انہیں یہ سب ماجرا سناؤں گا اور ایمان قبول کرنے کی دعوت

دوں گا، اگر وہ مسلمان ہو گئے تو سب کو آپ کی بارگاہ میں لے کر حاضر ہوں گا، ورنہ میں خود واپس آ کر ساری زندگی آپ کی غلامی میں بسر کروں گا۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بتایا، کہ ہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ ایک غزوے کے سفر میں تھے، ہم ایک وادی میں اترے، تو اللہ کے رسول ﷺ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، میں پانی کا لوٹا لئے آپ کے پیچھے چلا، کچھ دور جا کر آپ نے دیکھا کہ کوئی درخت نظر آ جائے جس کی اوٹ میں بیٹھ کر رفع حاجت کی جا سکے لیکن وہاں کوئی درخت نظر نہ آیا، دور، وادی کے بالکل کنارے پر ایک درخت نظر آیا آپ اس کے قریب تشریف لے گئے اور اس کی ٹہنی پکڑ کر فرمایا، اللہ کے حکم سے میری طرف جھک جا، پس درخت آپ کی طرف جھک گیا، ایک ایسے اونٹ کی طرح جس کی ناک میں نکیل ڈال دی گئی ہو، قریب ہی دوسرا درخت بھی تھا، آپ نے اس کو بھی یہی حکم دیا اور اس نے بھی تعمیل کی، پھر آپ نے دونوں درختوں کی اوٹ میں رفع حاجت فرمائی، جس کے بعد دونوں درخت الگ ہو کر اپنی اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے۔

معلم کامل ﷺ ایک لکڑی کے ستون سے ٹیک لگا کر خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے تھے، کہ صحابہ کرام کو احساس ہوا کہ اس طرح دیر تک کھڑے رہنے سے آقا ﷺ کو تکلیف ہوتی ہوگی، لوگوں میں اس کا چرچا ہوا جب یہ بات ایک خاتون تک پہنچی تو اس نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی، یا رسول اللہ! میرا غلام بڑھئی ہے اگر اجازت ہو تو ایک منبر بنوا دیا جائے تا کہ آپ آرام سے بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا کریں، آقا ﷺ نے اس تجویز کو پسند فرمایا، خادمہ کو اجازت مرحمت ہوئی، چند دن بعد منبر تیار ہو کر آ گیا۔

آقا ﷺ جب خطبہ کے لئے منبر پر تشریف فرما ہوئے تو وہ کھجور کا درخت بچے کی طرح بلبلا کر رونے لگا، آپ نے اس کی آواز سنی تو منبر سے نیچے تشریف لائے اور اسے سینۂ اقدس سے لگایا، جب وہ خاموش ہو گیا تو آپ نے فرمایا "لَوْ لَمْ اَلْتَزِمْهُ مَالَمْ یَزَلْ هٰكَذَا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ" اگر میں اسے سینہ سے نہ چپٹاتا تو قیامت تک (میرے فراق میں) اسی طرح روتا رہتا۔

حضرت بریدہ بن حصیب اسلمی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ سینہ سے لگانے کے بعد آقائے رحمت ﷺ نے اس درخت سے فرمایا، اگر تیری مرضی ہو تو میں تجھے باغ میں لگوا دوں، تیری جڑیں تازہ ہوں اور تیرے پتے، تیری شاخیں سرسبز شاداب ہو جائیں اور تجھ پر پھر سے پھل آنے لگیں "وَاِنْ شِئْتَ اَغْرِسُكَ فِی الْجَنَّةِ فَیَاْكُلُ اَوْلِیَاءُ اللّٰهِ مِنْ ثَمَرِكَ" اور اگر تو چاہے تو میں تجھے جنت میں لگا دوں تا کہ اولیاء اللہ تیرے پھل کھایا کریں" اللہ کے رسول ﷺ نے درخت کا جواب سننے کے

لئے اپنا مقدس کان، اس کے قریب کیا، وہ کہنے لگا: ''بَلْ تَغْرِسُنِیْ فِی الْجَنَّۃِ فَیَاْکُلُ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ'' مجھے جنت میں لگا دیجئے تا کہ اللہ کے محبوب بندے میرے پھل کھائیں، درخت کا جواب قریب بیٹھے ہوئے صحابہ کرام نے بھی سنا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''قَدْ فَعَلْتُ'' میں نے تیری خواہش پوری کردی، پھر آپ نے درخت اس جگہ دفن کرادیا جہاں وہ تھا، اسی مقام پر موجود ستون کو ''استوانہ حنانہ'' کہا جاتا ہے، جو قبولیت دعا کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

شفاء شریف میں، علامہ قاضی عیاض علیہ الرحمہ رقمطراز ہیں کہ حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ جب یہ واقعہ بیان فرماتے تو رونے لگتے اور کہتے، اے اللہ کے بندو! سوکھی لکڑی تو اللہ کے محبوب کے فراق میں بلبلانے اور رونے لگی، جب کہ تم اس بات کے زیادہ حق دار ہو کہ اپنے آقا ﷺ کے فراق میں تمہاری آنکھیں پرنم رہیں اور ان کی محبت میں تمہارے دل تڑپتے رہیں۔

علامہ ابن کثیر علیہ الرحمہ نے اس حدیث مبارک کے متعلق فرمایا'' کہ یہ حدیث صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بیان کی ہے اور صرف ایک سند سے نہیں بلکہ متعدد اسناد سے مروی ہے، علماء حدیث کے نزدیک یہ واقعہ قطعی و یقینی ہے جس میں شک وشبہہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

جمادات سے متعلق چند معجزات

پیر معجزات ﷺ سے ایسے متعدد معجزات کا ظہور ہوا جن کا تعلق جمادات یعنی پتھروں وغیرہ سے ہے اس باب سے متعلق چند واقعات پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے، کہ معجزات اہل ایمان کے ایمان کی بالیدگی اور تازگی کا ہی ذریعہ ہیں۔

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنِّیْ لَاَعْرِفُ حَجَرًا بِمَکَّۃَ کَانَ یُسَلِّمُ عَلَیَّ قَبْلَ اَنْ اُبْعَثَ وَاِنِّیْ لَاَعْرِفُہُ الْآنَ'' مکہ مکرمہ میں ایک پتھر موجود ہے جسے میں خوب پہچانتا ہوں، وہ میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا، اور میں اس پتھر کو اب بھی پہچانتا ہوں۔

بعض علماء حدیث نے فرمایا، کہ سجدہ کرنے والا یہ پتھر ''حجر اسود'' ہے جب کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ کوئی دوسرا پتھر تھا جو ''زقاق الحجر'' میں نصب تھا، لوگ تبرکا اسے چھوتے تھے، اس کا احترام کرتے اور کہا کرتے تھے کہ یہ وہ پتھر ہے جو اللہ کے رسول ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا۔

حضرت امام ابو حفص المیانشی نے بتایا کہ جو پتھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام کیا کرتا تھا، اس کے متعلق مکہ مکرمہ کے متعدد افراد نے مجھے بتایا کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مکان کے سامنے ایک دیوار میں لگا ہوا ہے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اوقات خلوت کی تلاش رہا کرتی تھی، ایک دن میں نے آقا ﷺ کو دیکھا کہ آپ تنہا رونق افروز ہیں، میں موقع غنیمت جان کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا مجھے محسوس ہوا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، میں نے آپ کی خدمت میں سلام عرض کیا، آپ نے جواب سے نوازا اور پوچھا، ابوذر! کیسے آئے، عرض کی بس، یا رسول اللہ! مجھے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کھینچ لائی، آپ نے حکم دیا، بیٹھ جاؤ، میں نے تعمیل حکم کی، اور کافی دیر بالکل خاموش بیٹھا رہا اسی دوران تیزی سے قدم اٹھاتے حضرت ابوبکر بھی آ گئے، انہوں نے سلام عرض کیا، آپ نے جواب دیا اور حکم دیا بیٹھ جاؤ وہ بھی بیٹھ گئے، آقا ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کیسے آنا ہوا، انہوں نے وہی جواب دیا جو میں نے دیا تھا، پھر حضرت عمر اور ان کے بعد حضرت عثمان بھی حاضر ہو گئے، اور حکم کے بعد بیٹھ گئے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سات یا نو کنکریاں اٹھائیں جو آپ کے دست قدرت میں آتے ہی ''سبحان اللہ'' کا ورد کرنے لگیں ان کی آواز ہم سب نے سنی جو شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی تھی، پھر آپ نے انہیں زمین پر رکھ دیا تو وہ خاموش ہو گئیں، تھوڑی دیر بعد آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ ان کنکریوں کو اٹھاؤ، آپ نے جونہی انہیں اپنے ہاتھ میں لیا تو وہ تسبیح کرنے لگیں، یہی ماجرا حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کے ساتھ ہوا، آقا ﷺ نے وہ کنکریاں ہمیں عنایت فرمائیں، لیکن ہم میں سے کسی کے ہاتھ میں ان کی تسبیح کی آواز سنائی نہ دی۔

علامہ شہاب الدین خفاجی شارح شفا شریف لکھتے ہیں کہ ہمارے آقا ﷺ کے قدم ہائے مبارکہ کے نشانات پتھروں پر ثبت ہو جایا کرتے تھے لوگ حصول برکت کے لئے ان کی زیارت کرتے تھے، ان کا احترام کرتے تھے، ایسا ایک بابرکت پتھر مصر میں بھی تھا جسے بیس ہزار پونڈ میں سلطان قائتبائی نے خریدا اور وصیت کی کہ یہ پتھر اس کی قبر میں رکھ دیا جائے۔

میرے آقا ﷺ کے مقدس پیروں کے نشانات پتھروں پر ثبت ہو جانا کوئی امر حیرت نہیں یہ اللہ کی قدرت ہے جس پر مقام ابراہیم گواہ ہے، ان پتھروں کا محترم اور بابرکت ہونا بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، جس کا ثبوت مقام ابراہیم کے علاوہ حجر اسود سے بھی ملتا ہے، لیکن شوئی قسمت کہ آج امت ان مقدس پتھروں کی زیارت اور برکت سے محروم ہے، لیکن اہل محبت کے دلوں میں ان کا احترام موجود ہے جو نہ کوئی نکال سکا اور نہ ہی نکال سکتا ہے۔

حیوانات سے متعلق چند معجزات

پیکر معجزات ﷺ کو اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنی قدرت عظیمہ کے جو نشان عطا فرمائے ان

کا ظہور مخلوق کی تمام انواع میں ہوا، حیوانات سے متعلق چند معجزات کا ذکر ملاحظہ ہو،

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ انصار کے ایک گھرانے کا اونٹ نہایت سرکش ہو گیا کہ وہ کسی کو اپنی پیٹھ پر سوار تک نہ ہونے دیتا تھا، جب کہ وہ نہایت سیدھا سادہ تھا اس کا مالک اس پر پانی کے مشکیزے لادتا تھا اور روزی کماتا تھا، اس کا مالک آقائے کائنات ﷺ کی بارگاہ میں اونٹ کی شکایت لے کر حاضر ہوا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام کے ہمراہ اس کے گھر تشریف لے گئے، جب گھر میں داخل ہوئے تو آپ نے ملاحظہ فرمایا، کہ اونٹ ایک کونہ میں کھڑا ہے، آپ اونٹ کے قریب جانے لگے تو کسی نے کہا، یارسول اللہ! اس اونٹ کے قریب تشریف نہ لے جائیں کہ یہ بالکل ہی پاگل ہو گیا، کہیں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے، آپ نے فرمایا، نہیں یہ مجھے کوئی تکلیف نہیں پہنچا سکتا، تم لوگ فکر نہ کرو، جب اللہ کے رسول ﷺ اس کے قریب ہوئے تو اونٹ دوڑتا ہوا آپ کی طرف آیا اور سجدے میں گر گیا، آپ نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر اسے اٹھایا اور حکم دیا کہ اپنے مالک کی اطاعت کیا کر، آئندہ کبھی اس کی بغاوت نہ کرنا۔

صحابہ نے یہ منظر دیکھا تو کہنے لگے، یارسول اللہ! اس جانور نے آپ کو سجدہ کیا، جب کہ ہم انسان زیادہ مستحق ہیں کہ اپنے آقا ﷺ کو سجدہ کیا کریں۔ پس آپ نے فرمایا: ''لَوْ کَانَ لِاَحَدٍ اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ لِلْمَرْاَةِ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا'' اگر کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے۔

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن مجھے اپنے پیچھے سوار کیا اور ایک بات بتا کر فرمایا تم یہ کسی کو نہ بتانا، پھر آپ قضائے حاجت کے لئے ایک انصاری کے گھر تشریف لے گئے، آپ نے وہاں ایک اونٹ کھڑا دیکھا، آپ کو دیکھتے ہی اونٹ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، آقائے رحمت ﷺ اونٹ کے قریب تشریف لے گئے، اس کو تسلی دیتے ہوئے آپ نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا، پھر پوچھا اس کا مالک کون ہے، ایک انصاری حاضر ہوا اور عرض کی، یارسول اللہ! یہ میرا اونٹ ہے، آپ نے انصاری کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا، کیا تو اس جانور کے بارے میں اللہ سے نہیں ڈرتا، جس نے تجھے اس کا مالک بنایا، اس نے مجھ سے شکایت کی ہے، کہ تو اس سے کام زیادہ لیتا ہے، اور اسے پوری طرح کھانے کو نہیں دیتا، افسوس، تو اس پر بہت ظلم کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں، فتح خیبر کے بعد، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک سیاہ گدھا دیکھا، آپ نے اس سے پوچھا تیرا نام کیا ہے، اس نے کہا ''یزید بن شہاب'' پھر اس نے کہا اللہ تعالیٰ نے میرے دادا کی نسل سے ساٹھ گدھے پیدا کیے، ان سب کو کسی نہ کسی نبی کی سواری

بننے کا شرف حاصل ہوا صرف میں اب تک محروم ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ مجھے سب سے بڑا اعزاز حاصل ہوگا، کہ سید الانبیاء ﷺ مجھ پر سوار ہوں گے۔ نیز اس نے بتایا کہ آپ کی ملکیت میں آنے سے پہلے میں ایک ظالم یہودی کی ملکیت تھا، جب وہ مجھ پر سوار ہوتا یا سامان لادا کرتا تو میں جان بوجھ کر پھسل جاتا کیونکہ وہ مجھے بھوکا رکھتا اور مارا کرتا تھا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اس گدھے کا نام "یعفور" رکھا تھا، یعفور ہرنی کے بچے کو کہتے ہیں، یہ گدھا بہت تیز دوڑتا تھا لہٰذا آپ نے اسے یہ نام عطا فرمایا، آپ کو جب کسی صحابی کو بلانا ہوتا تھا تو یعفور کو حکم دیتے کہ جاؤ فلاں کو بلا لاؤ، وہ سیدھا اس شخص کے گھر پہنچتا، اس کے دروازے پر ٹکر مارتا جب وہ باہر آتے تو اشارے سے انہیں بتاتا کہ آپ کو اللہ کے رسول ﷺ نے طلب فرمایا ہے، آقا ﷺ کے وصال کے بعد یعفور نہایت افسردہ اور غمزدہ رہنے لگا، پس ایک دن ایک کنوئیں میں چھلانگ لگا کر مر گیا۔

گوہ کا ایمان لانا

گوہ جسے عربی میں ضب کہا جاتا ہے، خشکی کا عجیب وغریب جانور ہے، بتایا جاتا ہے، اس کی عمر سات سو سال سے زیادہ ہوتی ہے، یہ کبھی پانی نہیں پیتا، چالیس دن کے بعد صرف ایک قطرہ پیشاب کرتا ہے، عام جانوروں کی طرح اس کے دانت علیحدہ علیحدہ نہیں ہوتے بلکہ ایک ٹکڑا ہوتا ہے جو نہایت تیز ہوتا ہے اور کبھی گرنا تو در کنار، ہلتا تک نہیں ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایک گوہ کے ایمان لانے کا عجیب وغریب واقعہ ملاحظہ ہو جو آپ کے معجزات کثیرہ میں سے ایک معجزہ ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ ایک بدو نے ایک گوہ کا شکار کیا اور وہ اسے اپنی آستین میں رکھ کر لے جا رہا تھا، راستہ میں اس کی ملاقات صحابہ کرام کی ایک جماعت سے ہوئی جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیادت میں سفر کر رہے تھے، بدو نے آپ کے بارعب، نورانی اور پرکشش چہرے کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا، یہ کون ہے، اسے بتایا گیا، یہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد ﷺ ہیں، بدو آپ کے قریب آیا اور کہنے لگا" آج تک عورتوں نے جتنے بچے جنے ہیں (العیاذ باللہ) آپ سے زیادہ جھوٹا کوئی نہ ہوا، اگر مجھے یہ خطرہ نہ ہوتا کہ مجھے اہل مکہ عجول (جلد باز) کہیں گے تو میں آپ کو قتل کر دیتا اور تمام لوگوں کو خوش کر دیتا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار تانے آگے بڑھے اور عرض کرنے لگے: "یَارَسُوْلَ اللّٰهِ دَعْنِیْ اَقْتُلْهُ" یارسول اللہ! مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس کو قتل کر ڈالوں، آپ نے حضرت عمر کو روکا اور فرمایا، حلم وتحمل کا مرتبہ نہایت بلند ہے۔

بدو نے اپنی آستین سے مری ہوئی گوہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے ڈالتے ہوئے کہا، قسم ہے لات وعزیٰ کی ''لَا اٰمَنْتُ بِکَ اَوْ یُؤْمِنَ ھٰذَا الضَّبُّ'' جب تک یہ گوہ آپ پر ایمان لائے، میں آپ پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گوہ کو مخاطب فرماتے ہوئے فرمایا ''یَاضَبُّ'' گوہ زندہ ہوئی اور بولی ''لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ یَا زَیْنَ مَنْ وَافَی الْقِیٰمَۃِ'' حاضر ہوں اور تمام سعادتیں آپ کے لئے ہیں اے قیامت کے قریب آنے والوں کی زینت، گوہ کا یہ جواب تمام حاضرین نے سنا، سمجھا اور باآواز بلند اللہ کی تسبیح وکبریائی بیان کی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے گوہ سے دوسرا سوال فرمایا ''مَنْ تَعْبُدُ'' تو کس کی عبادت کرتی ہے، گوہ نے جواب دیا: ''اَلَّذِیْ فِی السَّمَآءِ وَفِی الْاَرْضِ سُلْطَانُہٗ وَفِی الْبَحْرِ سَبِیْلُہٗ وَفِی الْجَنَّۃِ رَحْمَتُہٗ وَفِی النَّارِ عِقَابُہٗ'' میں اس کی عبادت کرتی ہوں، جس کا عرش آسمان پر ہے، جس کی بادشاہت زمین میں ہے، جس کا راستہ سمندر میں ہے، جس کی رحمت جنت میں ہے، اور جس کا عتاب آگ میں ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پھر سوال فرمایا ''مَنْ اَنَا'' اور میں کون ہوں، گوہ گویا ہوئی ''رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ صَدَّقَکَ وَخَابَ مَنْ کَذَّبَکَ'' آپ رب العلمین کے رسول ہیں، خاتم النبیین ہیں، جس نے آپ کی تصدیق کی وہ کامیاب ہوگیا، اور جس نے آپ کو جھٹلایا وہ خائب وخاسر ہوا۔

اعرابی نے جب مردہ گوہ سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رسالت کا اقرار سنا تو وہ فوراً مشرف باسلام ہوگیا اور کہنے لگا، جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ مجھے سب سے زیادہ ناپسند تھے لیکن ''وَاللّٰہِ لَاَنْتَ السَّاعَۃَ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ وَوَلَدِیْ'' بخدا اب آپ مجھے میری جان اور اولاد سے زیادہ محبوب ہیں، پھر اس نے کہا، اس وقت میرے جسم کا ہر بال، اور میری کھال اور میرا ظاہر وباطن اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت پر ایمان لا چکا ہے۔

آقائے رحمت ﷺ نے اعرابی کی فصیح وبلیغ گفتگو سننے کے بعد فرمایا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَاکَ اِلٰی ھٰذَا الدِّیْنِ الَّذِیْ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی عَلَیْہِ'' تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے تجھے وہ دین قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی جو ہمیشہ غالب رہے گا، کوئی قوت اس پر غالب نہیں آسکتی۔

اس حدیث کو حضرت ابن عمر کے علاوہ، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت عائشہ صدیقہ، نیز حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم نے بھی بیان کیا ہے، لہٰذا اسے موضوع یا ضعیف قرار دے کر اللہ کی

قدرت کے اس عظیم واقعہ کا انکار ضلالت وگمراہی کے سوا کچھ نہیں، اللہ محفوظ رکھے۔

ہرنی کی فریاد

رحمۃ للعالمین ﷺ کی بارگاہ رحمت میں صرف مصیبت زدہ انسان ہی نہیں بلکہ جانور بھی فریاد کرتے اور مصائب و آلام سے نجات پاتے ہیں، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ عرض کرتے ہیں اور یہی ہمارا ایمان ہے۔

خلق کے داد رس سب کے فریاد رس　　کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحرا میں تشریف فرما تھے، کہ اچانک آواز آئی، یارسول اللہ! یارسول اللہ! یارسول اللہ! آپ نے آواز کی طرف توجہ فرمائی، تو دیکھا ایک ہرنی رسی سے بندھی فریاد کر رہی ہے، اور اس کے قریب ایک اعرابی سو رہا ہے، آقائے رحمت ﷺ ہرنی کے قریب تشریف لے گئے اور پوچھا "مَاحَاقَ بِکَ" تجھے کیا تکلیف ہے، ہرنی عرض گزار ہوئی، مجھے اس اعرابی نے پکڑ لیا ہے، میرے دو بچے ہیں جو اس پہاڑ کی اوٹ میں ہیں، یارسول اللہ! کرم فرمایئے مجھے چھوڑ دیجئے، میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آجاؤں گی، آپ نے فرمایا کیا واقعی تو واپس آجائے گی، ہرنی بولی، میں ضرور واپس آؤں گی اور اگر واپس نہ آؤں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس عذاب میں مبتلا کر دے جو لگان وصول کرنے والوں کے لئے مقرر ہے۔

آقائے رحیم وکریم نے ہرنی کو کھول دیا، وہ خوشی سے اچھلتی کودتی اپنے بچوں کو دودھ پلا کر، تھوڑی ہی دیر بعد آپ کی خدمت میں حاضر ہوگئی، آپ نے اسے دوبارہ باندھ دیا، اسی دوران اعرابی اٹھ گیا، اس نے اپنے سامنے اللہ کے رسول ﷺ کو کھڑا پایا، تو پوچھا "اَلَکَ حَاجَۃٌ" کیا آپ کو کوئی کام ہے، آپ نے حکم دیا اس ہرنی کو آزاد کر دو، اس نے ہرنی کو کھول دیا، وہ خوشی سے چھلانگیں لگاتی دوڑ رہی تھی اور کہہ رہی تھی "اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ"۔

غیب کی خبریں

عالم الغیب والشہادہ جل مجدہ نے اپنے تمام انبیاء ورسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معجزۂ اخبار بالغیب، ان کے منصب اور ضرورت کے مطابق عطا فرمایا، جس پر قرآن شاہد ہے، جب کہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے اعلیٰ وارفع مقام کی مناسبت سے، لامحدود ولامتناہی علم غیب سے نوازا، یہاں تک کہ بمطابق ارشاد باری تعالیٰ وَعَلَّمَکَ مَالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ[1] اور آپ کو وہ سب سکھا دیا جو آپ نہ جانتے تھے، آپ پر کوئی غیب پنہاں نہ رہا، نیز آپ کی اس عظیم خوبی پر آگاہ کرنے کے لئے

ہمیں بتایا گیا وَ یُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور (ہمارے محبوب) تمہیں وہ سب سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے،

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لَقَدْ تَرَکَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَا یُحَرِّکُ طَائِرٌ بِجَنَاحَیْہِ فِی السَّمَآءِ اِلَّا ذَکَرَ لَنَا مِنْہُ عِلْمًا'' اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس پرندے کے متعلق بتادیا جو فضا میں اپنے پروں کو ہلاتا ہے۔

حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ (سِرِّ رسول کے لقب سے مشہور تھے) بیان فرماتے تھے کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہمارے درمیان جلوہ افروز ہوئے اور آپ نے خطبہ دیا ''وَمَا تَرَکَ شَیْئًا مِمَّا یَکُوْنُ فِیْ مَقَامِہٖ ذٰلِکَ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا حَدَّثَنَا بِہٖ'' اور قیامت تک واقع ہونے والے تمام (اہم) واقعات کا ذکر فرمایا ''حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَسِیَہٗ'' یاد رکھا ان کو جس نے یاد رکھا اور بھلا دیا ان کو جس نے بھلا دیا۔

کَفَاکَ بِالْعِلْمِ فِی الْاُمِّیِّ مُعْجِزَۃً   فِی الْجَاہِلِیَّۃِ وَالتَّادِیْبِ فِی الْیُتْمِ

(اے محبوب علیک الصلوٰۃ والسلام) زمانۂ جاہلیت میں امی ہو کر، عالم ہونا اور یتیم ہو کر مؤدب ہونا (آپ کا) بڑا معجزہ ہے۔

مخبر صادق ﷺ نے مستقبل سے متعلق جو خبریں دیں، تاریخ شاہد ہے وہ ایک ایک کر کے سب پوری ہوئیں، ملاحظہ ہوں چند اخبار بالغیب۔

مخبر صادق ﷺ نے مکہ مکرمہ فتح ہونے کی خبر اس وقت دی جب اسلام اور مسلمانوں کے لئے حالات ایسے نہ تھے کہ یہ تصور بھی کیا جاسکتا کہ مکہ سے نکالے ہوئے مسلمان کبھی فاتح مکہ ہوسکیں گے، لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ مکہ فتح ہوا اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کرنے والے، آقائے رحمت ﷺ کے سامنے آپ کے رحم و کرم کے امیدوار بنے کھڑے تھے اور فتح مکہ کے دن وہ امور وقوع پذیر ہوئے جن کی مخبر صادق ﷺ پہلے ہی خبر دے چکے تھے، تو ہر موقع پر آپ فرما رہے تھے، ''ھٰذَا الَّذِیْ قُلْتُ لَکُمْ'' یہ وہی واقعہ ہے جو میں نے تمہیں بتایا تھا۔

مخبر صادق ﷺ نے فتح خیبر کی خبر دی، خاص طور پر اس وقت جب تمیم الداری نے اسلام قبول کیا، تو آپ نے فرمایا، عنقریب بیت المقدس فتح ہوگا اور میں فلاں قطعہ زمین بطور ہدیہ تمہیں دیتا ہوں، خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں بیت المقدس فتح ہوا، انہوں نے تمیم الداری کو طلب فرمایا، اور اپنے آقا ﷺ کے ارشاد کے مطابق انہیں وہی قطعہ ارض عطا فرمایا، جس کا آپ نے وعدہ

فرمایا تھا،

مخبر صادق ﷺ نے خبر دی کہ شام، یمن اور عراق فتح ہوں گے، ان ممالک میں شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہوگا، اور امن و امان کی یہ حالت ہوگی، کہ ایک عورت، حیرہ کے دور دراز شہر سے، صحراؤں، جنگلوں اور کوہستانوں کو طے کرتی مکہ پہنچے گی اور اس طویل سفر میں اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، (حیرہ کوفہ کے قریب ایک شہر کا نام ہے) یہ ممالک بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں فتح ہوئے، ان پر علم اسلام لہرایا، شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہوا، اور ہر طرف امن و امان نظر آنے لگا۔

مخبر صادق ﷺ نے خبر دی کہ ایک دن مدینہ پر چڑھائی ہوگی، چنانچہ دور یزید میں حرہ کا واقعہ پیش آیا، کثیر صحابہ کرام کو شہید کیا گیا، مسلمانوں کا خون پانی کی طرح بہایا گیا، مستورات کی عزت و آبرو پامال کی گئی، تین دن مسجد نبوی شریف میں اذان ہوئی نہ نماز۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "ایک وقت آئے گا جب فقر و فاقہ کا یہ تلخ دور ختم ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ تمہیں مال و دولت کی ایسی فراوانی دے گا، کہ تمہاری نشستوں پر بہترین قالین بچھائے جائیں گے، صبح و شام نیا، قیمتی لباس زیب تن ہوگا، کھانے کے وقت دستر خوان بچھائے جائیں، جن پر پرتکلف کھانے چنے ہوں گے، مختلف انواع کے اتنے کھانے ہوں گے جو بیک وقت دستر خوان پر نہ رکھے جا سکیں گے، لہٰذا (قابل غور) یہ رواج ہو جائے گا کہ ایک ایک کھانا آتا رہے گا اور لوگ کھاتے رہیں گے، تمہارے مکانوں کی دیواروں پر کپڑے کے غلاف (پردے) لگائے جائیں گے اور دیواروں کو کعبہ کی طرح ڈھانپ دیا جائے گا"۔

مخبر صادق ﷺ نے فراخی رزق اور پر عیش زندگی کے متعلق تمام حالات بیان کرتے ہوئے اس بدحالی سے بھی باخبر کیا جو خوش حالی کے دور میں امت کا مقدر بنے گی، آپ نے فرمایا، اگرچہ آج تم فقر و افلاس میں مبتلا ہو، لیکن ہر چیز کی فراخی و فراوانی کے دور میں آج تمہاری زندگی بہتر ہے "لِاَنَّ الرِّزْقَ الْكَفَافَ خَيْرٌ مِنَ الْغِنٰى يُشْغِلُ عَنْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَيُتْعِبُ الْقَلْبَ وَالْبَدَنَ" کیونکہ ضرورت کے مطابق رزق اس دولت کی کثرت سے بہتر ہے، جو اللہ کی یاد سے غافل کردے، دل اور بدن کو تھکا دے۔

مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق، امت مسلمہ کے پاس آج دولت کی کمی نہیں لیکن اس کروفر کی زندگی کے باوجود نہ سکون ہے نہ اطمینان قلب، نہ عزت ہے اور نہ ہی حقیقی حکومت، اللہ رحم فرمائے،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، جب میری امت فخر و نخوت میں مبتلا ہوگی، جب شاہان ایران و روم کی بیٹیاں ان کے قبضہ میں آئیں گی، اس وقت وہ باہمی انتشار میں مبتلا ہو جائے گی، مسلمان آپس ہی میں قتل و غارت کرنے لگیں گے، پھر بدکار

نیکوں پر مسلط ہو جائیں گے (بدکار، فاسق و فاجر حاکم بن جائیں گے) نیز آپ نے فرمایا کہ رومیوں کی حکومت کسی نہ کسی شکل میں قائم رہے گی، لیکن کسریٰ کی حکومت کا نام ونشان تک نہ رہے گا، نیز آپ نے فرمایا، کہ وہ زمانہ بھی آئے گا جب اچھے لوگ اٹھ جائیں گے، اور بدکار و بدکردار باقی رہیں گے، لیکن ان بدقماش لوگوں کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی۔

مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، جب قیامت قریب ہوگی تو ماہ و سال سے برکت اٹھالی جائے گی، پس سال ایک مہینہ کی طرح ہوگا، جب کہ مہینہ ایک ہفتہ کی طرح، ہفتہ ایک دن کی طرح، ایک دن ایک گھڑی کی طرح ہو جائے گا، اور گھڑی پلک جھپکنے میں ختم ہو جائے گی، (اسی کیفیت میں ہم مبتلا ہیں اور کہتے رہتے ہیں کہ وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے) آپ نے فرمایا، علم اٹھالیا جائے گا، فتنے رونما ہوں گے (آج اہل علم ڈھونڈے سے نہیں ملتے ہر طرف فتنہ و فساد، قتل و غارت اور بدامنی ہے، دہشت گردی کا دور مسلط ہے)۔

حضرت اویس قرنی کے متعلق خبر

حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ نے نبی آخر الزماں ﷺ کا زمانہ پایا لیکن شرف صحابیت سے مشرف نہ ہو سکے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے نہایت محبت اور آپ کی زیارت کے بے حد اشتیاق کے باوجود وہ اپنی والدہ کی علالت اور ان کی خدمت کے باعث بارگاہ رسالت میں حاضری سے محروم رہے، لیکن اللہ کے رسول ﷺ کی ان پر خاص نظر کرم تھی، جس کا اندازہ درج ذیل حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت اویس قرنی کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا، کہ ان کا تعلق قبیلہ مراد سے ہے، وطن قرن ہے جو یمن کا ایک شہر ہے، ان کا پورا جسم برص سے سفید ہو گیا تھا، انہوں نے دعا کی، یا اللہ! مجھ سے یہ بیماری دور کر دے، لیکن درہم کے برابر برص کا داغ باقی رہے تاکہ میں اسے دیکھ کر تیرے فضل و کرم کا شکر ادا کرتا رہوں، پس ان کے جسم پر برص کا ایک نشان موجود ہے، ان کی آنکھیں سرخی مائل ہیں، چہرہ سرخی سیاہی مائل ہے، رنگ گندمی ہے، تھوڑی سینہ سے ملی ہوئی ہے، وہ ہر وقت نظریں نیچی رکھتا ہے، اللہ کے خوف سے اس کی آنکھیں پرنم رہتی ہیں، اس کے علاقہ میں کوئی اسے نہیں جانتا، لیکن آسمان کے فرشتے اسے خوب پہچانتے ہیں، وہ مستجاب الدعوات ہے، کہ اللہ اس کی ہر بات پوری فرماتا ہے، قیامت کے دن جب لوگوں کو جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملے گی تو وہ دوڑتے ہوئے جائیں گے، لیکن اویس کو روک کر کہا جائے گا، کہ تم یہاں کھڑے ہو کر گناہ گاروں کی شفاعت کرو، پس وہ عرب کے قبیلوں مضر اور ربیعہ کی شفاعت کرے گا

"وَمَنْ اَدْرَكَهٗ مِنْكُمْ فَاسْتَطَاعَ اَنْ يَّسْتَغْفِرَلَهٗ فَلْيَفْعَلْ" پس جسے اس کی زیارت نصیب ہو اور وہ اس سے اپنے لئے دعائے مغفرت کرا سکے تو وہ ضرور ایسا کرے، پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خصوصی طور پر ہدایت فرمائی کہ جب تم دونوں اس سے ملاقات کرو تو اس سے میری امت کے لئے دعائے مغفرت کے لئے کہنا۔

حضرت عمر و علی رضی اللہ عنہما دس سال تک حضرت اویس قرنی کا انتظار کرتے رہے لیکن ملاقات نہ ہو سکی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی شہادت سے چند ماہ قبل، جبل ابی قبیس پر تشریف لائے اور آپ نے بآواز بلند کہا، اے اہل یمن! کیا تم میں اویس نامی کوئی شخص ہے، ایک بوڑھا آدمی کھڑا ہوا اور بولا، ہم میں اویس نامی شخص تو کوئی نہیں، لیکن میرا ایک بھائی ہے جو گمنام ہے اور اس لائق نہیں کہ آپ کی خدمت میں پیش کیا جا سکے، وہ ہمارے اونٹوں کو عرفات میں چرا رہا ہے، حضرت عمر و علی دونوں عرفات پہنچے، تو ایک آدمی کو نماز پڑھتے دیکھا، جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو دونوں نے سلام کیا اور پوچھا، آپ کون ہیں، جواب ملا، میں ایک ملازم ہوں، اونٹ چراتا ہوں، حضرت عمر نے فرمایا، ہم آپ کا نام جاننا چاہتے ہیں، اس نے جواب دیا میرا نام عبداللہ ہے، آپ نے فرمایا ہم سب ہی اللہ کے بندے ہیں، ہم آپ کا وہ نام جاننا چاہتے ہیں جو آپ کی ماں نے رکھا ہے، اب وہ شخص بولا، آخر آپ کو مجھ سے کیا غرض ہے، اب ان حضرات نے وہ تمام باتیں بتائیں جو مخبر صادق ﷺ نے اویس قرنی کے متعلق فرمائی تھیں اور ان سے کہا، آپ ذرا اپنے بائیں کندھے سے کپڑا ہٹائیں تا کہ ہم آپ کا وہ خاص نشان دیکھ سکیں جو آقا ﷺ نے ہمیں بتایا ہے، اور جب انہوں نے کپڑا ہٹایا تو کندھے پر برص کا دھبا موجود پایا، پس ان دونوں حضرات نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہدایت کے مطابق حضرت اویس قرنی سے گزارش کی کہ آپ امت کی مغفرت کی دعا کریں، انہوں نے پوچھا، آپ حضرات کون ہیں۔ اور جب معلوم ہوا کہ ان کے سامنے حضرت عمر و علی ہیں تو حضرت اویس کھڑے ہو گئے، نہایت احترام و تعظیم کا مظاہرہ کیا اور کہا: "جَزَاكُمَا اللّٰهُ خَيْرًا مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اللہ تعالیٰ آپ دونوں حضرات کو امت محمد ﷺ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے، پھر انہوں نے ان دونوں حضرات اور امت مسلمہ کے لئے دعائے مغفرت کی۔

عمیر اور صفوان کی سازش

عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ آپس میں گہرے دوست تھے، اسلام دشمنی پر دونوں میں اتفاق تھا، اکثر و بیشتر اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی منصوبہ بندی کرتے رہتے تھے، خصوصاً غزوۂ بدر کے بعد ان کا پارہ بہت چڑھ گیا تھا کیونکہ عمیر کے بیٹے کو غزوۂ بدر میں گرفتار کر لیا گیا، جب کہ صفوان

کا باپ امیہ غزوۂ بدر میں قتل کر دیا گیا تھا۔

یہ دونوں ایک دن حطیم میں بیٹھے اپنے غموں کا ماتم کر رہے تھے، روتے جاتے اور ایک دوسرے کو اپنی داستان غم سناتے جا رہے تھے، پس عمیر بولا، بھائی! ہم دونوں کا دکھ ایک جیسا ہی ہے، کسی کا درد کسی سے کم نہیں لہٰذا ہمیں انتقام لینے کی کوئی تدبیر سوچنا چاہیے تا کہ ہمارا کلیجہ کچھ تو ٹھنڈا ہو، میرا تو دل چاہتا ہے کہ میں خود مدینہ جاؤں اور محمد بن عبداللہ (ﷺ) کا (معاذ اللہ) کام تمام کر دوں، لیکن تم جانتے ہو کہ میں عیالدار ہوں، مقروض بھی ہوں، اگر مجھے مدینہ میں قتل کر دیا گیا تو میرے اہل و عیال کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں، نیز قرض دار مجھ پر الزام لگائیں گے کہ میں ان کا قرض ادا نہ کر سکا لہٰذا مدینہ جا کر خودکشی کر لی، اگر میری یہ مجبوریاں نہ ہوتیں تو میں ضرور اپنے دل کی بھڑاس نکالتا۔

صفوان کہنے لگا، بھائی! تم جو کرنا چاہتے ہو کرو، میں تمہاری پوری پوری مدد کروں گا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس مہم میں اگر تم مارے گئے تو میں ساری زندگی تمہارے بیوی، بچوں کی کفالت کروں گا، تمہارے بعد انہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں گا نیز تمہارا قرضہ بھی ادا کر دوں گا، اگر تم یہ کام انجام دو تو ہماری آنے والی نسلیں تک تمہاری شکر گزار ہوں گی۔

دو دوستوں نے بالکل تنہائی میں یہ سازش کی، ایک دوسرے سے عہد و پیمان کیا، نہ کوئی تیسرا دیکھنے والا اور نہ ہی سننے والا تھا، عمیر گھر پہنچا، اپنی تلوار کو زہر آلود کر کے مدینہ کی طرف چل دیا، اس کے چلے جانے کے چند بعد صفوان نے اہل مکہ کو بتایا کہ میں تمہیں جلد ہی ایسی خوشخبری سنانے والا ہوں کہ تم اپنے سب غم بھول جاؤ گے اب وہ ہر وقت، عمیر کی طرف سے کامیابی کی خبر ملنے کا منتظر تھا۔

عمیر مدینہ پہنچا اور اس نے مسجد نبوی شریف کے قریب اپنی اونٹنی بٹھائی ہی تھی کہ اسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھ لیا جو اس کی اسلام دشمنی سے بخوبی واقف تھے، انہیں یقین تھا کہ یہ خبیث ضرور کوئی سازش بنا کر آیا ہے لہٰذا وہ آگے بڑھے اور اس کی گردن دبوچ لی اور اسی طرح لے کر آقا ﷺ کے دربار میں حاضر ہوئے، آپ نے یہ حال ملاحظہ فرمایا تو عمر کو حکم دیا کہ اسے چھوڑ دو، آپ نے حکم کی تعمیل کی، آقائے رحمت ﷺ نے عمیر کو اپنے قریب بلایا اور پوچھا، عمیر! کیسے آنا ہوا، عمیر بولا، یا رسول اللہ! آپ جانتے ہیں کہ میرا بیٹا آپ کی قید میں ہے، اس کی ماں کا روتے روتے برا حال ہو گیا، اس کی خیریت دریافت کرنے آیا ہوں، اگر آپ اسے آزاد کر دیں تو بے حد کرم ہو گا، عمیر کی گردن میں تلوار لٹکی ہوئی تھی، آپ نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، اگر تیرا مقصد یہ ہے تو تلوار لے کر آنے کی کیا ضرورت تھی، کہنے لگا، ابھی سواری سے اترنے بھی نہ پایا تھا کہ عمر نے گلا دبوچ لیا تلوار اتارنے کی مہلت تک نہ ملی، علاوہ ازیں بدر میں تو ہمارے سورما، بڑی بڑی تلواریں لے کر آئے تھے انہوں نے آپ کا کیا بگاڑ لیا

پھر اس تلوار کی کیا حقیقت ہے۔

مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، عمیر! تو نے اور صفوان نے مجھے شہید کرنے کی سازش کی ہے، صفوان نے تیرا قرض ادا کرنے اور تیرے اہل و عیال کی کفالت کا ذمہ لیا ہے، اور تو جان ہتھیلی پر رکھ کر یہاں پہنچا ہے" کیا تو جانتا ہے کہ میرا نگہبان اللہ ہے"۔

عمیر پر مدہوشی کی کیفیت طاری ہوگئی، کہنے لگا یا رسول اللہ! مجھے اپنی غلامی میں قبول فرمائیں، کہ آپ کے خلاف جو سازش سیکڑوں میل دور تیار کی گئی آپ نے اس کو سنا بھی اور دیکھا بھی "فَوَ اللّٰهِ اِنِّیْ لَاَعْلَمُ اَنَّهٗ مَا اَتَاکَ بِهٖ اِلَّا اللّٰهُ" پس میں نے جان لیا کہ اس سازش کی خبر آپ کو صرف اللہ نے دی ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانِیْ لِلْاِسْلَامِ" اس اللہ کا شکر ہے جس نے مجھے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی "اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ"۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں ایک انصاری اور قبیلہ بنو ثقیف کا ایک شخص حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ! ہم آپ سے کچھ سوال کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے ہیں، آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں ہی بتادوں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو، ورنہ تم خود سوال کرو میں جواب دیتا ہوں، دونوں کے عرض کرنے سے پہلے آپ نے فرمایا تم رات کی نماز، اپنے رکوع و سجود، روزوں اور غسل جنابت سے متعلق سوال کرنا چاہتے ہو، پھر آپ انصاری کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم حج کے لئے جانے کا ارادہ رکھتے ہو اور معلوم کرنا چاہتے ہو کہ عازم حج گھر سے کس طرح نکلے، وقوف عرفات کا طریقہ کیا ہے، سر کے بال کس طرح منڈائے جائیں، طواف کیسے کیا جائے، اور رمی کس طرح کی جائے، دونوں سائل عرض کرنے لگے "وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ اِنَّهٗ لِلَّذِیْ جِئْنَا نَسْئَلُکَ عَنْهُ" قسم اس ذات کی جس نے حضور کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، یہی سائل معلوم کرنے کے لئے حاضر ہوئے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو ضعیف و کمزور تھے اور تن ڈھکنے کے لئے ان کے پاس دو چادروں کے سوا کچھ نہیں، لیکن اللہ کے نزدیک وہ اتنے مقرب ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دیں تو اللہ ان کی قسم ضرور پوری فرماتا ہے، انہی مقربین بارگاہ میں ایک حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب مجاہدین اسلام نے "تستر" پر حملہ کیا تو دشمن کا دباؤ اس قدر سخت ہوا کہ لشکر اسلام تتر بتر ہوگیا، مسلمانوں نے حضرت براء سے عرض کی، اے براء، تمہارے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، کہ اگر تم اللہ کی قسم دو تو وہ تمہاری قسم ضرور پوری فرمائے گا، پس

حضرت براء نے دعا کی، فوراً ہی لشکر اسلام کو غلبہ حاصل ہونے لگا اور وہ دشمن کو پسپا کرنے لگے، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد پھر دشمن نے تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے اور مجاہدین شہید ہونے لگے، پھر لوگوں نے حضرت براء سے درخواست کی تو آپ نے ہاتھ اٹھائے اور بارگاہ الٰہی میں عرض گزار ہوئے، ”یا اللہ! اسلام کے دشمنوں کو ذلیل وخوار کر دے، مسلمانوں کو غلبہ عطا فرما دے اور مجھے نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملا دے، اب مسلمانوں نے اہل فارس پر اتنا سخت حملہ کیا کہ ان کو شکست فاش ہوئی، اسی دوران حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ شہید ہو کر اپنے آقا ﷺ کے قدموں میں پہنچ گئے۔

معاہدۂ حدیبیہ کے دوران مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ پر بنوبکر نے حملہ کیا، قریش نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنوبکر کی امداد کی اور بنوخزاعہ کے متعدد افراد کو قتل کر ڈالا، ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ کرام کو اس واقعہ کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا کہ اب ابوسفیان معاہدے کی تجدید اور اس کی مدت میں اضافہ کی درخواست لے کر تمہارے پاس آئے گا لیکن وہ ناکام واپس ہوگا۔

مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق چند ہی دن بعد ابوسفیان مدینہ منورہ پہنچ گیا، بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر، گریہ وزاری کرتے ہوئے قریش کی غلطی کی معافی مانگنے اور معاہدے کی مدت میں اضافہ کی درخواست کرنے لگا، لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے اس کی طرف توجہ تک نہ فرمائی، بالآخر اسے ناکام ونامراد واپس جانا پڑا۔

حضرت ابویعلیٰ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ فتح مکہ کی غرض سے لشکر اسلام مدینہ منورہ سے روانہ ہو کر ”مرّ الظہران“ کے مقام پر پہنچا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ”دیکھو ابوسفیان کہیں جھاڑیوں میں چھپا ہوا ہے اسے پکڑ کر لاؤ“ ہم اس کی تلاش میں نکلے اور اس کو پکڑ کر لے آئے، لشکر اسلام مکہ میں داخل ہوا اور بغیر جنگ وجدل کے مکہ فتح ہو گیا، لیکن اب تک ابوسفیان کے دل میں ایمان جاں گزیں نہ ہوا تھا، وہ ایک دن بیٹھا سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ میں لشکر تیار کروں اور مسلمانوں پر حملہ کر دوں، وہ اسی خیال میں ڈوبا ہوا تھا کہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے اور اس کے کندھوں کے درمیان دست مبارک رکھتے ہوئے فرمایا: ”اِذًا یُخْزِیْکَ اللّٰہُ“ ابوسفیان! اگر تو نے ایسی حرکت کی تو اللہ تجھے پہلے سے بھی زیادہ ذلیل وخوار کرے گا، ابوسفیان، چونکا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حیرت سے دیکھتے ہوئے بولا ”اَنَّکَ نَبِیٌّ حَقٌّ“ اب مجھے آپ کے نبی برحق ہونے کا یقین ہو گیا، کہ آپ تو دلوں کا حال جانتے ہیں جو آپ کو معلوم ہوا وہ تو صرف میرے خیال ہی میں آیا تھا۔

حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ میں کعبہ کا چابی بردار تھا اور زمانہ جاہلیت میں سوموار اور جمعرات کو کعبہ کھولا جاتا تھا ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دو دنوں کے علاوہ کسی

دن کعبہ کھولنے کو کہا، میں نے نہ صرف منع کردیا، بلکہ آپ سے سخت کلامی بھی کی، لیکن آپ نے نہایت صبر و تحمل کے ساتھ صرف اتنا فرمایا "لَعَلَّکَ سَتَرٰی هٰذَا الْمِفْتَاحَ یَوْمًا بِیَدِیْ اَضَعُ حَیْثُ شِئْتُ" اے عثمان! تو عنقریب دیکھے گا کہ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا عطا کروں گا، حضرت عثمان کہتے ہیں کہ مجھے آپ کا یہ ارشاد سن کر بے حد حیرت ہوئی اور میں نے کہا "لَقَدْ هَلَکَتْ قُرَیْشٌ یَوْمَئِذٍ وَذَلَّتْ" تو پھر اس دن قریش ہلاک اور ذلیل و خوار ہو جائیں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا نہیں، وہی دن تو قریش کی خوشحالی اور بلندی و سرفرازی کا ہوگا۔

حضرت عثمان کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان میرے دل و دماغ میں بیٹھ گیا اور غیر شعوری طور پر میں اُس دن کا انتظار کرنے لگا جس دن کعبہ کی چابی، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ میں دیکھوں، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ آپ کی زبان مبارک سے جو کچھ نکلتا ہے وہی حق ہوتا ہے اور پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

مکہ فتح ہو گیا، فاتح مکہ ﷺ نے مجھ سے چابی طلب فرمائی، میں نے تعمیل حکم کی اور نہایت احترام سے چابی پیش کر دی، آپ کعبہ کے اندر تشریف لے گئے، اللہ کے گھر کو ہمیشہ کے لئے بتوں سے پاک صاف کیا گیا، حضرت بلال نے اپنے آقا ﷺ کے حکم کے مطابق کعبہ کی چھت پر اذان دی، عام معافی کا اعلان ہوا، اور مجھے دوبارہ طلب فرمایا، میں لرزتا، کانپتا بارگاہ میں حاضر ہوا، آقائے رحمت ﷺ نے مسکراتے ہوئے چابی میرے سپرد کی اور فرمایا "خُذْهَا خَالِدَةً تَالِدَةً لَا یَنْزِعُهَا مِنْکَ اِلَّا ظَالِمٌ" عثمان! یہ چابی لو، جو ہمیشہ کے لئے میں تمہیں دے رہا ہوں، یہ تم سے کوئی نہ لے سکے گا، جو لے گا وہ ظالم ہوگا، میں نے چابی لی اور بآواز بلند اعلان کیا "اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰهِ" میں گواہی دیتا ہوں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔

مخبر صادق ﷺ کے ارشاد حق کے مطابق کعبہ کی چابی آج تک عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کی نسل کے پاس چلی آرہی ہے، چابیاں نہ جانے کتنی تبدیل ہوئی ہوں گی لیکن چابی بردار تبدیل نہ ہو سکا اور نہ ہی قیامت تک تبدیل کیا جا سکے گا۔

حضرت شیبہ بن عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے ایمان لانے کا واقعہ خود بیان فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے بعد جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنو ہوازن پر حملہ کرنے کا پروگرام بنایا تو میں نے اپنے دل میں پروگرام بنایا کہ میں بھی لشکر اسلام کے ہمراہ جاؤں گا اور جنگ کی گھما گھمی میں موقع پاتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر حملہ کر دوں گا، اور آپ کا کام تمام کر دوں گا، اس طرح میں قریش کا انتقام لینے میں کامیاب ہو جاؤں گا، لہٰذا میں اپنے پروگرام کے مطابق لشکر اسلام کے ساتھ حنین کی طرف روانہ ہوا،

جب جنگ شروع ہوئی اور لوگ گڈمڈ ہو گئے تو میں موقع پا کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریب پہنچ گیا، اور میں نے آپ پر حملہ کرنے کے لئے تلوار اٹھائی کہ اچانک آگ کا ایک شعلہ میرے سامنے آ گیا جس کی چمک اتنی تیز تھی کہ مجھے اپنی بینائی ختم ہونے کا خطرہ ہوا، میں اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر الٹے پیر واپس ہو رہا تھا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آواز مبارک سنی ''یَا شَیْبَۃُ اُدْنُ مِنِیَّ'' اے شیبہ! میرے قریب آؤ، پس میں ہانپتا کانپتا آپ کے قریب ہوا، آپ نے اپنا دست مبارک میرے سینہ پر رکھا اور دعا فرمائی ''یا اللہ! اسے شیطان کے مکر وفریب سے محفوظ فرما، شیبہ کہتے ہیں، فوراً ہی میرے دل میں آپ کی محبت کا طوفان سا اٹھا، اور آپ مجھے اپنی ذات، اپنے کانوں اور اپنی آنکھوں سے زیادہ محبوب معلوم ہونے لگے، اور کفر و شرک کی آلائشوں سے میرا دل پاک وصاف ہو گیا، پھر آپ نے فرمایا: ''یَا شَیْبَۃُ اُدْنُ مِنِیَّ'' اے شیبہ، اور قریب آؤ، اور دشمن سے جنگ کرو، لہٰذا میں آپ کے آگے آگے چلنے لگا، اور میری تلوار دشمن پر برس رہی تھی، میری یہ کیفیت تھی کہ اگر اس وقت میرا باپ بھی سامنے آ جاتا تو میں اسے بھی نہ چھوڑتا۔

دشمن کو شکست ہوئی، فاتح اعظم ﷺ اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے، میں بھی آپ کے ہمراہ تھا، مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا: ''یَا شَیْبَۃُ الَّذِیْ اَرَادَ اللّٰہُ بِکَ خَیْرًا مِمَّا اَرَدْتَّ بِنَفْسِکَ'' اے شیبہ! اللہ نے تیرے لئے جو ارادہ فرمایا وہ اس سے بہت بہتر ہے جو تو نے اپنے لئے ارادہ کیا تھا، پھر آپ نے میرا وہ منصوبہ تفصیل سے بیان فرمایا جو میں نے آپ کے متعلق بنایا تھا اور میں نے کسی سے اس کا ذکر تک نہ کیا تھا، لہٰذا میں نے اعلان کیا ''اِنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ'' پھر میں نے آپ سے اپنے لئے دعائے مغفرت کی گزارش کی، آپ نے فرمایا: ''غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ'' اللہ نے تیرے سب گناہ معاف کر دیئے،

غنچے ما اوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

جانِ عالم ﷺ کی ایک اہم ترین پیشینگوئی

مخبر صادق ﷺ کے اخبار غیبیہ میں سے ''ظہور دجال'' کی خبر آپ کے کمال علم کا ایک واضح ثبوت ہے، جس کی اہمیت وعظمت کے پیش نظر، ہم اس کو ایک علیحدہ عنوان کے تحت بیان کر رہے ہیں، اور جو کچھ ہم پیش کریں گے وہ احادیث صحیحہ متواترہ کا خلاصہ ہوگا۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے ہمارے آقا ﷺ کو جن خصوصی انعامات سے نوازا، ان میں ایک عظیم انعام وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ہے جسے خود منعم حقیقی نے فضل عظیم قرار دیا، ارشاد ہوا: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾ نیز آپ کو جو منصب عطا فرمایا اس میں اس ''فضل عظیم'' کی تعلیم و تبلیغ بھی شامل ہے، فرمایا وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ اور معلم کامل ﷺ وہ سب سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے، پس آپ نے امت کو اپنے خزانۂ علم سے اس کی ضرورت کے مطابق نہایت فراخی و فیاضی سے جواہرات علم عطا فرمائے اور اسے اتنا مالا مال کر دیا کہ وہ کسی کی محتاج نہ رہی، اسی کا ایک حصہ ''ظہور دجال'' کی خبر بھی ہے۔

رواتِ احادیث

ملاحظہ ہو، ان جلیل القدر صحابہ کے اسمائے مبارکہ جنہوں نے ''ظہور دجال'' سے متعلق احادیث مقدسہ ہم تک پہنچائیں، اور معلم کامل ﷺ کے عطا کردہ جواہرات سے ہماری جھولیوں کو بھر دیا۔

حضرت حذیفہ بن اسید الغفاری، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمران بن حصین، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت انس، حضرت نواس بن سمعان، حضرت ابو سعید خدری، حضرت ام شریک، حضرت ابو بکرہ، حضرت فاطمہ بنت قیس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت عمرو بن حریث، حضرت اسماء بنت یزید، حضرت مغیرہ بن شعبہ، رضی اللہ عنہم اجمعین،

ان حضرات کے قابل اعتماد و اعتبار اور ثقہ ہونے پر ہر دور میں محدثین کا اتفاق رہا ہے لہٰذا ان کی عطا کردہ احادیث مبارکہ میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

ظہور دجال کی اہمیت

''ظہور دجال'' کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے درج ذیل حدیث مبارکہ ملاحظہ ہو۔

حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی روایت ہے، کہ نبی مکرم ﷺ نے بتایا کہ ''لَمْ يَكُنْ نَبِيٌّ بَعْدَ

نُوحٍ اِلَّا قَد اَنۡذَرَ الدَّجَّالَ قَوۡمَہٗ ''نوح علیہ السلام کے بعد تمام انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوم کو فتنہ دجال سے ڈرایا، ''وَاِنِّیۡ اُنۡذِرُکُمُوۡہُ'' اور میں بھی تمہیں اس سے ڈراتا ہوں،

یعنی فتنۂ دجال اتنا خطرناک ہوگا کہ زمانۂ نوح علیہ السلام سے جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے اپنی قوموں کو اس فتنہ سے باخبر کیا اور ڈرایا، جب کہ ان حضرات کو علم تھا کہ یہ فتنہ قیامت کے قریب رونما ہوگا، پس بشیر و نذیر آقا ﷺ نے کرم فرمایا کہ آپ نے ہمیں بہ نسبت دیگر انبیاء کے دجال ملعون کے حالات نہایت وضاحت و صراحت سے بتادیئے تاکہ اس کے دور کے لوگ آسانی سے اس کے مکر و فریب سے محفوظ رہ سکیں۔

دجال کی عمر

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا بتاتی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''یَمۡکُثُ الدَّجَّالُ فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً'' دجال زمین پر چالیس سال رہے گا، جب کہ سال مہینہ کی طرح ہوگا اور مہینہ، ہفتہ کی طرح، ہفتہ دن کی طرح ہو اور دن ''کَاضۡطِرَامِ الشَّعۡفَۃِ فِی النَّارِ'' آگ میں سوکھے پتے جلنے کی طرح ہوگا۔

دجال کے پیروکار

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ آقا ﷺ نے فرمایا، دجال کی پیروی، میری امت کے ستر ہزار افراد کریں گے ''عَلَیۡہِمُ السِّیۡجَانُ'' کہ ان کا لباس ''سیجان'' ہوگا۔

''سیجان'' زرق برق، تنگ و چست، فاخرانہ لباس ''سَبۡعُوۡنَ اَلۡفًا'' کا ارشاد، تعداد کے تعین کے لئے نہیں، بلکہ کثرتِ تعداد بیان کرنا مقصود ہے، یعنی دجال کے پیروکار ہزارہا لوگ ہوں گے، یہ لوگ یہودی ہوں گے اور یا وہ ہوں گے جو دنیا میں یہود و نصاریٰ کی تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہیں، فیشن پرست ہیں، عیش و عشرت کی زندگی میں مست ہیں، کہ اللہ کے فضل و کرم اور آقائے رحمت ﷺ کے صدقے نیک و متقی اور صالح اہل ایمان فتنۂ دجال سے انشاء اللہ محفوظ و مامون رہیں گے، جیسا کہ دیگر احادیث مبارکہ سے واضح ہے، اللہ تعالیٰ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل ہمیں بھی اس فتنہ سے محفوظ رکھے، آمین۔

دجال کی شکل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ مخبر صادق ﷺ نے بتایا، کہ ایک رات میں نے اپنے آپ کو کعبہ کے پاس دیکھا، پس میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندمی تھا، بال پٹھے

والے تھے جس میں کنگھی کی ہوئی تھی اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، وہ دو آدمیوں کے کندھوں پر ٹیک لگائے ہوئے طواف کعبہ کر رہے تھے، میں نے معلوم کیا یہ کون ہے، بتایا گیا، مسیح ابن مریم ہیں، پھر میں نے ایک نہایت ہی مکروہ شکل والے شخص کو دیکھا، جس کے بال چھلے دار تھے، وہ داہنی آنکھ سے کانا تھا، گویا اس کی آنکھ ابھرا ہوا انگور ہے، جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہے وہ ان میں سب سے زیادہ ابن قطن سے مشابہت رکھتا تھا (ابن قطن ایک نہایت ہی بدشکل یہودی تھا جس کا نام عبدالعزیٰ تھا، گویا دجال یہودیوں میں سے ہوگا اس لئے اس کے پیروکار یہودی ہوں گے) آقا ﷺ نے فرمایا کہ میں نے معلوم کیا یہ کون ہے، پس بتایا گیا کہ یہ مسیح دجال ہے۔

ایک روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ، دجال سرخ رنگ والا، موٹا ہوگا جس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی، نیز بروایت حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ، دجال، پستہ قد، ٹیڑھے پاؤں والا، گچھے دار بالوں والا ہوگا، جس کی ایک آنکھ سپاٹ ہوگی، نہ ابھری ہوئی اور نہ دھنسی ہوئی، (اس کی شعبدے بازیوں کے سبب) اگر تم شک میں مبتلا ہو "فَاعْلَمُوْا اَنَّ رَبَّكُمْ لَيْسَ بِاَعْوَرَ" تو جان لو کہ تمہارا رب کانا نہیں ہے۔

ایک طویل حدیث

اب ہم ایک طویل حدیث شریف کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں جس میں دجال کے متعلق تقریباً تمام تفصیل یکجا ہے نیز اس حدیث مقدسہ سے عالم ماکان ومایکون کے کمال علم کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

حضرت نواس بن سمعان راوی ہیں، نبی معظم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں "اگر دجال میری موجودگی میں ظاہر ہوا تو میں تنہا ہی اس کے لئے کافی ہوں گا، اور اگر وہ میرے بعد آیا، تو ہر شخص خود اپنی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا" "وَاللّٰهُ خَلِيْفَتِيْ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ" "اور ہر مسلمان پر اللہ میرا وکیل ہے، دجال جوان ہے، گچھے دار بالوں والا، اس کی آنکھ ابھری ہوئی ہے، میں اسے عبدالعزیٰ بن قطن سے تشبیہ دیتا ہوں، تو تم میں سے جو اسے پائے وہ سورۂ کہف کی ابتدائی آیات تلاوت کرے (جو فتنۂ دجال سے حفاظت کا ذریعہ ہیں، ان آیات مبارکہ میں اصحاب کہف کے دقیانوس بادشاہ کے ظلم وستم سے محفوظ رہنے کا ذکر ہے، جو ان کی تلاوت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے فتنۂ دجال سے بچاتا ہے) آپ نے فرمایا، دجال شام و عراق کی راہ سے ظاہر ہوگا، پس وہ دائیں بائیں فساد برپا کرے گا، اے اللہ کے بندو! ثابت قدم رہنا (دجال کا خوف تم پر غالب نہ آنے پائے) ہم عرض گزار ہوئے یارسول اللہ! وہ کتنا عرصہ زمین پر ٹھہرے گا، فرمایا، چالیس دن (یہی روایت صحیح ہے) ایک دن سال کی طرح ہوگا، اور ایک دن مہینہ کی

طرح، اور ایک دن ایک ہفتہ کی طرح ہوگا، باقی دن عام دنوں کی طرح ہوگا (اندازہ کیجئے صحابہ کرام کا شریعت کا جذبہ) عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! جو دن ایک سال جیسا ہوگا، کیا اس میں پانچ نمازیں ہی ادا کرنا ہوں گی، فرمایا، نہیں، بلکہ تم اس دن اپنی نمازوں کے اوقات کا اندازہ لگا لینا (اس طرح کہ فجر وقت مقررہ پر ادا کرنا، پھر آٹھ گھنٹے کے بعد ظہر، چار گھنٹے بعد عصر، پھر دو گھنٹے بعد مغرب، دو گھنٹے بعد عشاء، پھر چھ گھنٹے بعد فجر ادا کرنا، اور اسی طرح پڑھتے رہنا، یہی طریقہ کار ان ممالک کے لئے ہے جہاں چھ ماہ بعد سورج طلوع ہوتا ہے، جب کہ ایسے طویل ایام میں رمضان وعیدین معاف ہیں) صحابہ کرام عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ! زمین پر دجال کی تیز رفتاری کیسی ہوگی، فرمایا، جیسے بادل جسے ہوا اڑا رہی ہو، پھر ارشاد ہوا، وہ ایک قوم پر آئے گا، انہیں بلائے گا وہ جب آسمان کی طرف اشارہ کرے گا، تو بارش برسے گی، زمین کو حکم دے گا تو وہ سرسبز وشاداب ہو جائے گی، اس پر چوپائے نظر آنے لگیں گے جن کے کوہان اونچے ہوں گے، ان کے تھن دودھ سے بھرے ہوں گے، ان کی کوکیں بھری ہوں گی، پھر دجال ایک دوسری قوم کے پاس آئے گا، انہیں بلائے گا، وہ اس کی بات رد کر دیں گے، پس وہ لوٹ جائے گا (یہ لوگ آزمائش میں مبتلا ہوں گے کہ) ان پر قحط نازل ہوگا، ان کا مال واسباب تباہ وبرباد ہو جائے گا، پھر دجال ایک ویرانے سے گزرے گا، اور حکم دے گا کہ اپنے خزانے اُگل دے، پس یہ خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکھیوں کی طرح اڑتے نظر آئیں گے، پھر ایک نوجوان کو قتل کر کے، اسے آواز دے گا، تو وہ زندہ ہو کر اس کی طرف آئے گا جب کہ اس کا چہرہ چمکتا ہوگا اور وہ مسکراتا ہوگا، میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم بتاتے ہیں، اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو دمشق کے مشرقی سفید منارے پر نازل فرمائے گا، وہ زعفرانی لباس میں ملبوس ہوں گے، اپنے ہاتھ دو فرشتوں کے پروں پر رکھے ہوں گے، وہ جب اپنے سر کو اوپر نیچے کریں گے تو بالوں سے موتی کی طرح پانی کے قطرے ٹپکیں گے، ان کی سانس کے سامنے جتنے بھی کافر آئیں گے وہ مر جائیں گے، جب کہ آپ کی سانس حد نظر تک پہنچے گی (اللہ اکبر! جس دم سے مردے زندہ ہوتے تھے اب اسی سے کافر مردے ہوں گے) پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو تلاش فرمائیں گے، تو اسے بیت المقدس کے دروازے "لد" پر پائیں گے پس آپ اسے وہیں قتل کر دیں گے۔

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس وہ قوم آئے گی جسے اللہ نے دجال سے محفوظ رکھا، پس آپ بطور اظہار محبت ان کے چہرے صاف کریں گے، اور انہیں ان کے جنتی درجات کی خبر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائے گا، کہ میرے کچھ کمزور بندے ہیں تم انہیں طور پر لے جاؤ (کہ اب ایک ظالم قوم ظاہر ہونے والی ہے لہٰذا یہ زمین خالی کر دو، اس قوم سے تمہارا

مقابلہ نہ ہوگا، بلکہ وہ تمہاری بددعا ہی سے ہلاک ہو جائیں گے) پس یاجوج وماجوج کا خروج ہوگا، جو ہر ٹیلے سے دوڑتے آئیں گے، ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ سے گزرے گی، (جو شام کے علاقہ طبریہ میں دس میل لمبا دریا ہے یاجوج وماجوج اس کثرت سے ہوں گے، کہ ان کی پہلی جماعت ہی اس دریا کا سب پانی پی جائے گی) پس جب ان کے باقی لوگ اس دریا سے گزریں گے تو کہیں گے کہ شاید یہاں کبھی پانی تھا، وہ جبل خمر پر پہنچیں گے، یہ بیت المقدس کا ایک پہاڑ ہے، تو کہیں گے کہ ہم نے زمین والوں کو تو قتل کر دیا، آؤ اب آسمان والوں کو بھی قتل کریں، وہ اپنے تیر آسمان کی طرف چلائیں گے، پس اللہ تعالیٰ ان کے تیر خون سے تر لوٹائے گا، جب کہ اللہ کے نبی ان کے ساتھ محصور ہوں گے، ان کے ساتھ مسلمان قحط زدہ ہوں گے حتیٰ کہ ان کے لئے بیل کی ایک سری سو اشرفیوں سے زیادہ گراں ہوگی، جو آج تمہارے لئے ہے، تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی اللہ کی طرف متوجہ ہوں گے، جن کی دعا سے اللہ تعالیٰ یاجوج وماجوج کی گردنوں میں ایک کیڑا پیدا کر دے گا تو وہ سب بیک وقت ہلاک ہو جائیں گے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑی سے نیچے تشریف لائیں گے، تو زمین پر ایک انچ بھی جگہ نہ ہوگی، ہر طرف بدبودار لاشیں ہی لاشیں نظر آئیں گی، پھر دعا کی جائے گی، تو اللہ تعالیٰ پرندے بھیجے گا جو اونٹ کی گردنوں کی طرح ہوں گے، یہ پرندے ان لاشوں سے زمین کو پاک صاف کر دیں گے، جب کہ یاجوج وماجوج کا چھوڑا ہوا اسلحہ اتنا کثیر ہوگا کہ مسلمان ان کے تیر، ترکش اور نیزے سات برس تک جلائیں گے، پھر بارش ہوگی جو زمین کو صاف وشفاف کر کے شیشہ کی طرح چمکا دے گی، پھر زمین کو حکم ہوگا تو وہ پھل اگائے گی، جو اس قدر برکت والے ہوں گے کہ ایک انار ایک بڑی جماعت کے لئے کافی ہوگا، پتوں کے سایہ تلے لوگ آرام کریں گے، اسی طرح دودھ میں اتنی برکت ہوگی کہ ایک اونٹنی کا دودھ جماعت کثیرہ کے لئے کافی ہوگا، ایک گائے کا ایک قبیلہ کے لئے اور ایک بکری کا ایک خاندان کے لئے کافی ہوگا، پھر ایک نہایت ہی خوشگوار ہوا چلے گی، جو بغلوں میں محسوس ہوگی اسی اثناء اہل ایمان کی روح قبض کر لی جائے گی، اب صرف بداطوار لوگ رہ جائیں گے، جو گدھوں کی جفتی کی طرح زنا کریں گے، انہی بدکردار لوگوں پر قیامت قائم ہوگی (گدھوں کی طرح جفتی کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح گدھے مادہ سے ملنے کے وقت چیختے ہیں، اسی طرح یہ بے غیرت وبے شرم لوگ چیخیں گے جس سے ان کی بے شرمی کی خبر دور دور پھیل جائے گی، العیاذ باللہ)

دوسری حدیث

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، خروج دجال کے بعد اس کے سپاہیوں سے ایک مرد صالح کی ملاقات ہوگی (یہ بزرگ حضرت خضر علیہ السلام

ہوں گے، اور انہی کی ملاقات کے بعد دجال کا گویا خاتمہ ہو جائے گا) یہ سپاہی ان سے پوچھیں گے آپ کہاں جا رہے ہیں وہ جواب دیں گے، میرا ارادہ اس شخص سے ملاقات کا ہے جس کے خروج کی خبر عام ہے، یہ لوگ کہیں گے، کیا آپ اس پر ایمان نہیں رکھتے، وہ فرمائیں گے، ہمارے رب کی قدرت اور اس کے کمالات پوشیدہ نہیں، وہ برافروختہ ہو کر کہیں گے اس شخص کو قتل کر دو، لیکن ان کے دوسرے ساتھی چلائیں گے، ہمارے رب نے اسے قتل کرنے سے منع کیا، پس اسے کوئی ہاتھ نہ لگائے، تو وہ اس مرد کامل کو دجال کے پاس لے جائیں گے، جسے دیکھتے ہی وہ پکاریں گے "اَیُّهَا النَّاسُ هٰذَا الدَّجَّالُ الَّذِیْ ذَکَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" لوگو! یہ تو دجال ہے جس کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر فرمایا، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کہ دجال حکم دے گا کہ ان کو لمبا لٹا دیا جائے، پس انہیں خوب مارا پیٹا جائے گا، پھر دجال کہے گا، کیا تو مجھ پر ایمان لاتا ہے، وہ جواب دیں گے، ہرگز نہیں، تو مسیح کذاب ہے، پھر دجال حکم دے گا انہیں چیر دیا جائے، پس ان کے پیر چیر دیئے جائیں گے، پھر دجال ان کے دو پیروں کے درمیان چلے گا اور ان سے کہے گا، کھڑا ہو، وہ کھڑے ہو جائیں گے، پھر کہے گا کیا تو مجھ پر اب ایمان لایا، وہ کہیں گے تیرے متعلق میری بصیرت میں اضافہ ہی ہوا ہے، نیز کہیں گے لوگو! میرے بعد اب یہ کسی سے ایسا معاملہ نہ کر سکے گا، اب دجال اسے ذبح کرنا چاہے گا، لیکن ان کی گردن سے سینہ تک تانبا ہوگا لہٰذا وہ انہیں قتل نہ کر سکے گا، اور ان کے ہاتھ پاؤں پکڑ کر پھینک دے گا، لوگ خیال کریں گے کہ انہیں آگ میں ڈال دیا گیا، لیکن وہ جنت میں ہوں گے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، یہ شخص اللہ کے نزدیک بڑی شہادت والا ہوگا۔

تیسری حدیث

حضرت فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا اعلان کرایا، میں بھی حاضر ہوئی اور آپ کے ساتھ نماز ادا کی، پھر آپ منبر پر رونق افروز ہوئے، حالانکہ آپ مسکرا رہے تھے، فرمایا، ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہے، ارشاد ہوا، کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے تمہیں کیوں جمع کیا ہے، لوگوں نے کہا: "وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ" آپ نے فرمایا، ہم نے تمہیں بشارت دینے یا ڈرانے کے لئے جمع نہیں فرمایا، سنو! کہ تمیم داری ایک عیسائی تھا وہ ہمارے دربار میں حاضر ہوا اور مسلمان ہو گیا اس نے بتایا جو ہم تمہیں دجال کے متعلق بتا چکے ہیں، اس نے بتایا کہ قبیلہ لخم اور جزام کے تیس افراد میری موجودگی میں دریا کے جہاز میں سوار ہوئے، تو وہ ایک ماہ تو سمندر کی موجوں سے کھیلتے رہے، پھر وہ مغرب کی طرف ایک جزیرے میں پہنچے اور ایک چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر جزیرے میں داخل ہوئے، جہاں انہیں بہت زیادہ موٹے بالوں والا جانور ملا، کہ بالوں کی کثرت کے سبب اس کا

اگلا اور پچھلا حصہ نظر نہ آتا تھا، اس سے پوچھا گیا، تو کون ہے، اس نے کہا میں ایک جاسوس ہوں، تم لوگ کلیسا جاؤ جہاں ایک شخص تمہارا منتظر ہے، پس ہم تیزی سے کلیسا پہنچے، تو وہاں ایک بھاری بھر کم آدمی کو بندھا پایا، اس کے گھٹنوں سے ٹخنوں تک لوہا جکڑا ہوا تھا، ہم نے پوچھا: ''وَيْلَكَ مَا اَنْتَ'' تیرے لئے ہلاکت ہو، تو کون ہے، وہ بولا تمہیں تو معلوم ہو چکا ہے، اب تم بتاؤ، کہ تم لوگ کون ہو، انہوں نے کہا ''نَحْنُ اُنَاسٌ مِنَ الْعَرَبِ'' ہم عرب کے لوگ ہیں اور بمشکل تجھ تک پہنچے ہیں، اس نے کہا مجھے بتاؤ کیا نخل بسیان پھل دے رہا ہے (بسیان حجاز کی ایک بستی کا نام ہے) ہم نے کہا، ہاں پھل دے رہا ہے، وہ بولا، عنقریب وہ پھل نہ دے گا، پھر اس نے پوچھا، مجھے طبریہ کے متعلق بتاؤ، کیا اس میں پانی ہے (طبران ایک قصبہ کا نام ہے، جس میں موجود نہر کو طبریہ کہا جاتا ہے) ہم نے بتایا اس میں بہت پانی ہے، اس نے کہا عنقریب اس کا پانی بھی خشک ہو جائے گا، اس نے کہا مجھے چشمہ زغر کے متعلق بتاؤ (زغر، شام کی ایک عورت کا نام ہے جس نے یہ بستی آباد کی تھی اس بستی میں ایک چشمہ زغر ہے) کیا اس چشمہ میں پانی ہے اور وہاں کے لوگ کھیتی باڑی کر رہے ہیں، ہم نے بتایا، ہاں اس میں بہت پانی ہے اور وہاں کے لوگ کھیتی باڑی بھی کر رہے ہیں، اس نے پوچھا مجھے نبی الامیین کے متعلق بتاؤ، ان کا کیا حال ہے، ہم نے کہا، وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے ہیں، اس نے پوچھا، کیا عرب نے ان سے جنگ کی، ہم نے کہا، ہاں، وہ بولا، تو اُس نبی نے عرب کے ساتھ کیا کیا، ہم نے بتایا، وہ عرب پر غالب آگئے ہیں اور اہل عرب نے ان کی اطاعت قبول کر لی ہے، اس نے کہا، عرب کے لئے ان کا مطیع ہو جانا ہی بہتر ہے۔

اب میں تمہیں اپنے متعلق بتاتا ہوں کہ میں مسیح دجال ہوں، عنقریب مجھے خروج کی اجازت مل جائے گی، جب میں نکلوں گا تو ساری زمین پر پھروں گا، اور ہر بستی میں چالیس دن ٹھہروں گا، لیکن مکہ و مدینہ کی زمین میرے لئے حرام کر دی گئی ہے جب بھی میں ان دونوں شہروں میں سے کسی میں داخل ہونے کی کوشش کروں گا، تو ایک فرشتہ ننگی تلوار لئے میرے سامنے آئے گا اور مجھے روک دے گا اور مکہ و مدینہ کے تمام راستوں پر فرشتے حفاظت کے لئے موجود ہوں گے۔

فاطمہ بنت قیس نے بتایا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنا مبارک عصا منبر پر مارتے ہوئے فرمایا: ''هٰذِهٖ طَيْبَةُ يَعْنِي الْمَدِيْنَةَ'' پھر آپ نے فرمایا، کیا ہم تمہیں یہ خبریں دے چکے ہیں، صحابہ بیک آواز بولے، نعم، نعم، آپ نے فرمایا سن لو، دجال کبھی شام اور کبھی یمن کے جنگلوں میں (مقید) رہتا ہے اور وہ (قرب قیامت) مشرق کی جانب سے برآمد ہو گا۔

مدینہ منورہ میں دجال کا دخول

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''یَأتِی الْمَسِیْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ الْمَدِیْنَةَ حَتّٰی یَنْزِلَ اُحُدِ'' مسیح دجال، مشرق کی طرف سے آئے گا اور اس کا ارادہ مدینہ میں داخل ہونے کا ہوگا، یہاں تک کہ وہ احد کے پیچھے اترے گا ''ثُمَّ تَصْفُ الْمَلٰئِكَةُ وَجْهَهُ قِبَلَ الشَّامِ وَهُنَالِكَ يَهْلِكُ'' پھر فرشتے شام کی طرف اس کا منہ پھیر دیں گے (پس وہ شام چلا جائے گا) اور وہیں ہلاک ہو جائے گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''یَأتِی الدَّجَّالُ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَیْهِ اَنْ یَّدْخُلَ اَنْقَابَ الْمَدِیْنَةِ'' دجال آئے گا اور مدینہ کے راستوں میں اس کا داخلہ ممنوع ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''عَلٰی اَنْقَابِ الْمَدِیْنَةِ مَلٰئِكَةٌ لَا یَدْخُلُهَا الطَّاعُوْنُ وَلَا الدَّجَّالُ'' مدینہ کے راستوں پر فرشتے ہیں، یہاں نہ طاعون آ سکتا ہے اور نہ دجال۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ایسا کوئی شہر نہیں جسے دجال روند نہ ڈالے سوائے مکہ و مدینہ کے، کہ ان شہروں کے تمام راستوں پر فرشتے صف بستہ کھڑے ہیں جو ان کی حفاظت کرتے ہیں، لہٰذا دجال کھاری زمین پر اترے گا، پھر مدینہ میں تین بار زلزلہ آئے گا پس تمام کافر و منافقین دجال کی طرف چلے جائیں گے (اس زلزلہ سے شہر میں نہ تباہی ہوگی اور نہ ہی اس سے اہل ایمان خوفزدہ ہوں گے)

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا یَدْخُلُ الْمَدِیْنَةَ رُعْبُ الدَّجَّالِ'' مدینہ میں دجال کا رعب نہ آ سکے گا ''لَهَا یَوْمَئِذٍ سَبْعَةُ اَبْوَابٍ عَلٰی كُلِّ بَابٍ مَلَكَانِ'' اس وقت مدینہ کے سات دروازے ہوں گے ہر دروازے پر دو فرشتے (حفاظت کے لئے) مقرر ہوں گے۔

حرم مدینہ کی اہمیت و عظمت کا متقضیٰ یہ ہے کہ وہ فتنۂ دجال سے محفوظ رہے، کہ صرف یہی مقدس شہر ہے جو ایمان کی پناہ گاہ ہے کہ میرے آقا ﷺ کا ارشاد ہے: ''اِنَّ الْاِیْمَانَ لَیَاْرِزُ اِلَی الْمَدِیْنَةِ كَمَا تَاْرِزُ الْحَیَّةُ اِلٰی جُحْرِهَا'' ایمان (قرب قیامت) مدینہ میں پناہ لے گا جیسے سانپ اپنے بل میں پناہ لیتا ہے، پس کیسے ممکن ہے کہ جو شہر ایمان کی پناہ گاہ ہو اس میں اہل ایمان کے لئے کسی فتنہ و فساد کا خطرہ ہو، نیز جو مقدس شہر آقائے رحمت ﷺ کا مسکن ہے اس کی

حفاظت ہر ایسے فتنہ سے ضروری ہے جس سے مرقد انور کی بے حرمتی کا خطرہ لاحق ہو، پس وہ رب کریم جس نے دنیاوی زندگی میں اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا اس نے آپ کے بظاہر دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی آپ کی حفاظت کا اہتمام فرمایا، اور حفاظت کا ذمہ دار دنیا والوں کو نہ بنایا بلکہ اس اہم کام کے لئے اپنے فرشتوں کو مقرر فرمایا تاکہ کسی غلطی یا کوتاہی کا امکان باقی نہ رہے کہ اللہ کی یہ نورانی مخلوق کبھی نافرمانی نہیں کر سکتی۔

يَخَافُونَ رَبَّهُم مِّن فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۞ (نحل)

"وہ ڈرتے ہیں اپنے رب کی قدرت سے اور کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۞

"وہ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے جس کا اللہ نے انہیں حکم دیا ہے، اور کرتے ہیں جو انہیں حکم دیا جاتا ہے"۔

معلوم ہوا

دجال کے متعلق احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ،

فتنہ دجال، علامات قیامت میں سے ایک ہے، جس کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے تقریباً چالیس برس پہلے ہوگا، وہ اپنی گمراہیوں اور تباہ کاریوں پر نازاں و فرحاں ہوگا اسی دوران حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے اور دجال نیز اس کے پیروکاروں کو قتل کریں گے۔

فتنہ دجال اس قدر خطرناک ہوگا کہ حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر جملہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام نے اس فتنہ سے اپنی قوموں کو ڈرایا۔

فتنہ دجال میں صرف کفار و منافقین بالخصوص یہودی نیز یہودیوں جیسی تہذیب و تمدن کو اپنانے والے مبتلا ہوں گے، جب کہ اللہ اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل اہل ایمان کو گمراہی سے محفوظ رکھے گا۔

فتنہ دجال شام و عراق کی راہ سے ظاہر ہوگا، آناً فاناً دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل جائے گا، لیکن اللہ اور اس کے محبوب ﷺ کے حرمین شریفین میں اس کا اثر تک داخل نہ ہوگا۔

فتنہ دجال کا دورانیہ چالیس دن ہوگا ایک دن ایک سال کے مساوی ہوگا، جب کہ دجال کی تیز رفتاری اس بادل کی طرح ہوگی جسے تیز ہوا دھکیل رہی ہو۔

فتنہ دجال کی بنیاد کرشموں اور شعبدوں پر ہوگی، کہ دجال آسمان کی طرف اشارہ کرے گا تو بارش

ہونے لگے گی، زمین کو حکم دے گا تو وہ سرسبز و شاداب ہو جائے گی، اس پر عجیب الخلقت چوپائے نظر آنے لگیں گے، زمین کے خزانے اس کے پیچھے شہد کی مکھیوں کی طرح دوڑتے نظر آئیں گے۔

فتنۂ دجال کا دور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول پر ختم ہو جائے گا کہ آپ ہی اس کو ہلاک کریں گے۔

دجال ایک نہایت بھدی، ہیولیٰ شکل و شباہت والی مخلوق کا نام ہے، وہ موٹا، پستہ قد، ٹیڑھے پاؤں والا، گچھے دار بالوں والا، سرخ رنگ ہوگا، کانا ہوگا، کہ داہنی آنکھ بالکل سپاٹ ہوگی، وہ اپنی تمام شعبدہ بازیوں کے باوجود اپنی آنکھ ٹھیک نہ کر سکے گا اور یہی اس کے کذاب اور جھوٹا ہونے کی علامت ہوگی۔

سورۂ کہف کی ابتدائی آیات روزانہ یا سورۂ کہف کی ہر جمعہ تلاوت فتنۂ دجال سے حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

نیز معلوم ہوا کہ اللہ عالم الغیب و الشہادۃ نے اپنے فضل سے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خوب خوب علم غیبیہ سے نوازا، اتنا نوازا کہ آپ کے علم کی حد و انتہا کا تعین، کسی کے بس کی بات نہ رہی، اور نہ ہی کسی کو اس کا مکلف بنایا گیا ہے کہ وہ آپ کے کمال علم کی حد تلاش کرے، ہاں صرف اس یقین کامل کی تعلیم دی گئی ''وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞'' ان کی ہر بات وحی الٰہی ہوتی ہے ''فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى'' رب نے جو چاہا اپنے محبوب کو بتا دیا، اس کی کمیت و کیفیت اور حد و انتہا جاننے کی کسی کو ضرورت نہیں، بس ضرورت کے مطابق ان سے سیکھتے رہو اور عمل کرتے رہو، وہ جو تمہیں دیں اسے اپنا لو، اور جس سے روکیں اس سے باز رہو، یہی حق ہے اور یہی راہ ہدایت ہے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا　　جب خدا ہی نہ چھپا تم پہ کروڑوں درود

شفیع المذنبین ﷺ اور استغفار و توبہ

وَالْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُہٗ　　لِکُلِّ ہَوْلٍ مِّنَ الْاَہْوَالِ مُقْتَحِمِ

''آپ وہ محبوب رب ہیں جن کی شفاعت کی امید ہر بلا و مصیبت کے وقت کی جاتی ہے جس میں انسان مبتلا ہوتا ہے''۔

اللہ رب العزت جل مجدہ نے اپنے محبوب ﷺ کو استغفار کرنے کا حکم اور آپ کی ولادت کے اگلے، پچھلے گناہوں کا مژدہ دیا، ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مُتَقَلَّبَکُمْ وَمَثْوٰکُمْ ﴿۱۹﴾ (محمد)

''پس آپ جان لیں کہ بجز اللہ کوئی معبود نہیں اور دعا کیا کریں کہ اللہ آپ کو (خلاف والی) سے محفوظ رکھے، نیز طلب مغفرت کریں مؤمن مردوں اور عورتوں کے لئے اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے چلنے پھرنے اور ٹھکانوں کو''۔

لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح:2)

''تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں اور تمہارے پچھلوں کے''۔

(اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ)

''تاکہ دور فرما دے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ جو الزام آپ پر (ہجرت سے) پہلے لگائے گئے اور جو (ہجرت کے) بعد لگائے گئے''۔ (پیر کرم شاہ علیہ الرحمہ)

''تاکہ بخش دے تمہارے سبب سے اللہ جو پہلے ہوئے تمہارے اور جو پچھلے ہیں''۔

(محدث اعظم کچھوچھوی علیہ الرحمہ)

عقیدہ

ہمارا عقیدہ و ایمان ہے کہ اللہ رب العزۃ جل مجدہ نے جملہ انبیاء و مرسلین کو معصوم پیدا فرمایا، پس قبل اعلان نبوت اور بعد اعلان نبوت کسی نبی یا رسول سے گناہ کا تصور تک ممکن نہ رہا، اسی پر ہر دور میں علماء کا اتفاق رہا ہے، دین کی بقاء و تحفظ اور اسے ہر قسم کے شکوک و شبہات سے پاک و صاف رکھنے کے لئے یہ عقیدہ بنیادی اور ناگزیر ہے۔

سید العلمین شفیع المذنبین ﷺ، بلا شبہ معصوم ہیں، آپ کی عظمت پر قرآن وحدیث گواہ ہیں، نہ صرف یہ بلکہ آپ پر ایمان لانا، آپ سے نسبت قائم کرنا، محبت کرنا، آپ کی اتباع وپیروی کرنا، گناہوں سے نجات اور مغفرت کا ذریعہ ہے، تاہم احادیث سے واضح ہے کہ سید المعصومین ﷺ بکثرت استغفار کرتے اور توبہ کیا کرتے تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''اَیْنَ اَنْتَ مِنَ الْاِسْتِغْفَارِ یَا حُذَیْفَۃُ'' اے حذیفہ! تم استغفار میں کیوں سستی کرتے ہو، جب کہ ''اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِیْ کُلِّ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ'' میں ہر دن اللہ سے سو مرتبہ مغفرت طلب کرتا ہوں اور توبہ کرتا رہتا ہوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر وبیشتر بایں کلمات استغفار کیا کرتے تھے ''سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ'' اے اللہ تو ہر شریک اور ہر عیب سے پاک ہے اور میں تیری حمد کرتا ہوں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے ہی مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف ہی رجوع کرتا ہوں۔

اہل علم حضرات جو استغفار وتوبہ کے معنی ومفہوم اور ان کے فوائد سے واقف ہیں، ان کے نزدیک عقیدۂ عصمت انبیاء کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کثرت استغفار وتوبہ سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی اس سے عقیدۂ عصمت مجروح ہوتا ہے، کہ عصمت، انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ان کے رب کا فضل خاص اور انعام عظیم ہے، جب کہ استغفار وتوبہ دیگر عبادات کی طرح اظہار عبدیت ہے جو ہر بندے کی ذمہ داری ہے، پس اللہ کریم نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نعمت عصمت سے نوازا اور محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اعتراف واظہار عبدیت کے لئے اپنے رب کریم سے بکثرت طلب مغفرت کی اور توبہ کی، اور رب نے اپنے فرمودہ اصول لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ کے مطابق اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اپنی نعمتوں کی برکھا جاری رکھی، اور بمطابق ارشاد وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی ہر آن میرے آقا ﷺ ترقی وبلندی اور عروج کی طرف بڑھتے رہے جس کی حد وانتہا کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بس اس نے دیا، انہوں نے لیا، اس کا شکر ادا کیا، مزید پایا، خوب پایا، بے شمار اور غیر متناہی پایا، امام بوصیری علیہ الرحمہ نے خوب فرمایا:

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰہِ لَیْسَ لَہٗ   حَدٌّ فَیُعْرِبَ عَنْہُ نَاطِقٌ بِفَمٖ

کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کے فضل کی کوئی حد ونہایت ہی نہیں کہ اس کو کوئی ناطق زبان سے

بیان کر سکے۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمد ﷺ

استغفار رسول اللہ ﷺ

بہر حال نبی معصوم ہوتا ہے، گناہوں سے پاک ہوتا ہے، اس کی طرف گناہ کی نسبت کرنا، حرام، ضلالت اور بڑی گمراہی ہے، بحمد اللہ نبی آخر الزمان ﷺ کے جملہ امتی آپ کو گناہ اور ہر عیب سے پاک یقین کرتے ہیں، جب کہ عیسائیوں، یہودیوں نے اپنے نبیوں پر بدترین گناہوں کے داغ لگانے میں کوئی کسر باقی نہ رکھی، مثلاً سیدنا لوط علیہ السلام کی طرف اپنی صاحبزادیوں سے بدکاری کا الزام لگایا، نوح علیہ السلام پر شراب نوشی کا الزام لگایا اسی طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نہایت رکیک اور گھناؤنے الزامات لگائے، جنہیں بیان کرنا اور نقل کرنا بھی شرم وحیاء کے خلاف ہے، تفصیل کے لئے صرف حوالہ عرض ہے، (بائبل پیدائش باب 19، آیت 30 تا 38)۔

الحمد للہ، یہ اعزاز صرف مسلمانوں کو حاصل ہے کہ وہ صرف اپنے آقا ﷺ کی عزت وعصمت کے محافظ وامین ہی نہیں بلکہ وہ جملہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس کی اسی طرح حفاظت کرتے ہیں جس طرح اپنے نبی معظم ﷺ کی حفاظت کرتے ہیں

حاشا وکلا، میرے آقا ﷺ کا طلب مغفرت کرنا اور توبہ کرنا، ہرگز ہرگز اس لئے نہ تھا کہ آپ کا مقدس و پاکیزہ دامن کسی معمولی گناہ سے بھی ملوث تھا یا اس کا امکان بھی تھا، بلاشبہ وہ معصوم ہیں، ان کے لئے ہی قرآن ناطق ہوا "وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" اے محبوب ﷺ! آپ تو خلق عظیم کے مالک ہیں، اور خلق عظیم کے زیور سے وہی آراستہ و پیراستہ ہو سکتا ہے جس کے اخلاق میں کوئی بدی نہ ہو، برائی نہ ہو، جس سے کسی قسم کے گناہ کبیرہ یا صغیرہ کا ارتکاب متصور نہ ہو۔

نیز میرے آقا ﷺ کی ذات مبارکہ تو امت کے لئے بلاشرط اور علی الاطلاق مطاع یعنی حاکم ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا اور رسول جو دیں اسے اپنا لو اور جس سے روک دیں اس سے دور رہو، اس قدر بلند مرتبہ قائد کے متعلق کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس کا کوئی عمل یا قول رضائے الٰہی کے برعکس ہوگا، جب کہ ہر گناہ مرضی الٰہی کے خلاف ہی ہوتا ہے، ان کے علاوہ بے شمار قرآنی آیات اور احادیث میرے آقا ﷺ کی عصمت پر گواہ ہیں۔

پس آقا ﷺ کے استغفار و توبہ کی متعدد وجوہ بیان فرمائی گئی ہیں جن میں سے چند ہدیۂ قارئین ہیں۔

جس طرح آپ کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ بکثرت عبادت کیا کرتے تا کہ غلاموں میں ذوق

عبادت بیدار ہو، نیز آپ کے سجدوں کے طفیل ہمارے سجدے قابل قبول بنیں، اسی طرح آپ کے متعدد اعمال ہیں جن کی آپ کو نہ ضرورت تھی اور نہ ہی آپ ان کے محتاج تھے لیکن آپ نے انہیں محض اس لئے اختیار فرمایا، کہ ان پر عمل کرنا ہمارے لئے سنت بن جائے اور ہمارے اعمال کی مقبولیت کا ذریعہ ہو جائے، بالکل اسی طرح آپ کے بکثرت استغفار و توبہ کا مقصد ہمیں استغفار و توبہ کی طرف مائل کرنا تھا تا کہ ہم بھی اپنے رب سے بکثرت استغفار کریں اور ہر حال میں اسی کی طرف رجوع کیا کریں اس یقین کامل کے ساتھ کہ اللہ رحیم و کریم ہمارے توبہ و استغفار کو اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ اور استغفار کے صدقہ ضرور قبول فرمائے گا۔

اللہ رب العزۃ جل مجدہ کا ارشاد ہے: وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۝ اور جب لوگ اپنی جانوں پر ظلم (گناہ) کریں تو آپ کے دربار میں حاضر ہو کر اللہ سے طلب مغفرت کریں اور رسول ان کی مغفرت کے لئے سفارش کریں، تو وہ اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا، رحم فرمانے والا پائیں گے۔

امت کے گناہگاروں کے لئے استغفار رسول کی ذمہ داری قرار پائی کہ آپ کی نظر کرم اور سفارش کے بغیر ظالموں کی گناہوں سے نجات ممکن ہی نہیں، توبہ کی قبولیت اور اللہ کے رحم کا حصول، شفیع المذنبین ﷺ کے وسیلہ جلیلہ کے بغیر ممکن ہی نہیں، پس آقائے رؤف و رحیم اپنی حیات ظاہرہ میں بکثرت توبہ و استغفار کرتے رہے تا کہ آپ کے اگلوں، پچھلوں کے گناہ معاف کر دیئے جائیں اور اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی غلاموں پر آپ کی نظر عنایت رہی ہے، کہ گناہوں میں ہمارا ملوث ہونا آپ کے لئے بار خاطر ہوتا ہے، نتیجتاً آپ ہماری بخشش اور گناہوں سے نجات کے لئے اپنے رب کریم کے حضور دعا کرتے رہتے ہیں، پس ہم یقین رکھتے ہیں کہ،

وَلَنْ يَّضِيْقَ رَسُوْلَ اللّٰهِ جَاهُكَ بِیْ   اِذَا الْكَرِيْمُ تَجَلّٰی بِاِسْمٍ مُّنْتَقِمٖ
فَاِنَّ مِنْ جُوْدِكَ الدُّنْيَا وَ ضَرَّتَهَا   وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمٖ

یارسول اللہ! جب اللہ تعالیٰ اپنی صفت منتقمہ میں جلوہ گر ہوگا تو آپ کے مقام ارفع کا کرم کبھی مجھ پر تنگ نہ ہوگا۔

کیونکہ دنیا و آخرت صرف آپ کی بخشش سے ہیں اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم میں سے ہے۔

جان عالم ﷺ کی سیرت مقدسہ سے متعلق اپنی استعداد کے مطابق جو کچھ ہم نے لکھا وہ تقریباً اختتام پذیر ہے، ہم نے اپنی تحریر سے حالات حاضرہ کے تقاضوں کو پورا کرنے اور سیرت مبارکہ پر لگائے گئے، متعدد الزامات کو مسترد کرنے کی کوشش کی ہے، بالخصوص جگہ، جگہ، دہشت گردی کے حوالے

سے ہم نے وضاحت کی ہے کہ اسلام امن وامان کا دین ہے جس کا دہشت گردی سے کوئی علاقہ وتعلق ہرگز نہیں اور نہ پیغمبر امن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل یا قول سے دہشت گردوں کی ہمت افزائی کا کوئی ثبوت پیش کیا جاسکتا ہے، ہاں جہاد اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے، جس کا مقصد دنیا سے ظلم وستم اور بدامنی کا ختم کرنا ہے، نیز لشکر اسلام کا قیام اور جہاد کا اعلان، بوقت ضرورت خلیفۃ المسلمین کی ذمہ داری ہے، کسی فرد یا کسی تنظیم و جماعت کو نہ تو مجاہدین کا لشکر تیار کرنے کا حق ہے اور نہ ہی اعلان جہاد کا اختیار، قرآن وحدیث کی اس تعلیم ہی کے خلاف عمل کرنے والے افراد اور تنظیمیں، آج دنیا بھر میں موجود بدامنی اور دہشت گردی کی ذمہ دار ہیں، انہی کی وجہ سے اسلام بدنام ہو رہا ہے اور امت مسلمہ پر دہشت گردی کا گھناؤنا داغ لگایا جارہا ہے۔

نیز ہم نے وضاحت کی ہے، کہ دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے، دہشت گردوں سے مذاکرات، ان کے مطالبات معلوم کرنا اور انہیں معافی کا یقین دلانا ضروری ہے، کہ یہی دہشت گردی کے خاتمہ کا واحد ذریعہ ہے، کہ ظلم، ظلم سے ختم نہیں ہوتا بلکہ اس کے دائرے کو مزید پھیلاتا ہے، جیسا کہ ہمارے دور میں ہو رہا ہے، جب کہ آقائے امن وسلامتی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے، محبت، ہمدردی اور ظالموں، دہشت گردوں کو معاف کردینے کا درس ملتا ہے، پس پرسکون اور پرامن، باعزت اور باوقار زندگی کے حصول کے لئے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ سیرت مبارکہ کے مطالعہ کا عادی بنا جائے اور اسے اپنانے کی کوشش کی جائے۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے کیا خوب فرمایا:

تجھ سے چھپاؤں منہ تو کروں کس کے سامنے — کیا اور بھی کسی سے توقع نظر کی ہے
جاؤں کہاں پکاروں کے کس کا منہ تکوں — کیا پرسش اور جا بھی سگ بے ہنر کی ہے
باب عطا تو یہ ہے جو بہکا ادھر ادھر — کیسی خرابی اس نگھر سے در بدر کی ہے
گھیرا اندھیریوں نے دہائی ہے چاند کی — تنہا ہوا، کالی رات ہے منزل خطر کی ہے

دس جنتی رضی اللہ عنہم

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا　　اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

دہ یار بہشتی اند قطعی　　ابوبکر و عمر، علی و عثمان

سعد است و سعید و بوعبیدہ　　طلحہ، زبیر، عبدالرحمان

مالک ومختار جنت ﷺ کے جملہ صحابہ وصحابیات اورامت مسلمہ کا ہر اطاعت شعار مرد وعورت بلا شبہہ جنتی ہے، لیکن دس خوش قسمت حضرات وہ ہیں جنہیں قاسم نعمت الٰہیہ نے بالخصوص جنتی ہونے کا مژدہ سنایا پس وہ بلاشبہہ جنتی ہیں، یہی حضرات ''عشرۂ مبشرہ'' کہلائے جاتے ہیں ہم تبرکا وشرفا ان جنتیوں کا تذکرہ کررہے ہیں کاش یہی ہمارے دخول جنت کا وسیلہ ہو جائے، ان حضرات کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی مرتضٰی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر بن العوام، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف، ابوعبیدہ بن جراح، سعید ابن زید، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ، یہ تمام حضرات قریشی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اول ترین، دائمی رفیق، جنہوں نے اپنے محبوب ﷺ کو بحیثیت انسان کامل، جوانی کی عمر میں پہچان لیا تھا، دونوں بسا اوقات ساتھ ساتھ نظر آتے تھے، دونوں کی سوچ اور فکر ایک تھی، دونوں ہی اپنی بدکردار، بداطوار اور جاہل قوم کے متعلق فکر مند رہتے تھے، اس کی اصلاح اور فلاح و بہبود کی تدابیر سوچتے رہتے تھے، سیاسی، سماجی اور رفاہی کاموں میں دونوں مل کر قوم کے ساتھ شریک ہوتے تھے۔، دونوں ہی معاشرے میں محبت والفت، ہمدردی اور خوش اخلاقی کے بیج بونے کے خواہش مند رہتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ ان کا بگڑا ہوا معاشرہ کسی طرح سدھر جائے، اس میں لوگ پرامن پرسکون اور باعزت زندگی بسر کرسکیں تا کہ برائیوں، ظلم وستم اور حق تلفی جیسے جرائم کا خاتمہ ہو جائے، نیکیوں، عدل وانصاف اور حق پرستی کا ماحول پیدا ہو جائے، دونوں ہی کو بت پرستی سے نفرت تھی، وہ ایک اللہ کی عبادت کو پسند کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، وحی اول کے بعد ہی، مردوں میں سب سے پہلے مشرف با سلام ہوئے، وہ بھی بلا تردد، بلا تامل، کیونکہ آئینۂ دل پہلے ہی صاف وشفاف ہو چکا تھا، نبوت کے

خدوخال نقش ہو چکے تھے، معرفت حق کے لئے، زبانی اقرار واعلان کے سوا کچھ باقی نہ رہا تھا، مشرف با سلام ہونے کے روز اول سے عقد رفاقت ایسا مستحکم ہوا کہ سفر وحضر کسی بھی حال میں ایک لمحہ کی جدائی بھی نظر نہیں آتی، حتیٰ کہ یہ رفاقت آج تک ہے اور قیامت کے دن بھی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہی نظر آئیں گے، کہ ان کا "ثانی اثنین" ہونا قرآن کریم سے واضح اور ثابت ہے جو عارضی اور وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے، یہ رفاقت دنیا وآخرت دونوں میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اَنتَ صَاحِبِیْ فِی الْغَارِ وَصَاحِبِیْ عَلَی الْحَوْضِ" "تم غار (ثور) میں میرے ساتھی ہو اور حوض (کوثر) پر میرے ساتھی ہو گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس اعتبار سے بھی "ثانی اثنین" نظر آتے ہیں، کہ قبول اسلام کے روز اول ہی سے آپ نے تبلیغ اسلام کا بھی آغاز کیا، کہ اکثر مومنین اولین، آپ ہی کی تبلیغ سے مشرف باسلام ہوئے، مثلاً حضرت عثمان، زبیر بن العوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ بن عبیداللہ، عثمان بن مظعون، ابوعبیدہ، ابوسلمہ اور خالد بن سعید، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ہی سب سے پہلے کفار کی مار کھائی، آپ کے چہرہ مبارک پر جوتے مارے گئے، اتنی پٹائی ہوئی کہ بیہوش ہو گئے، قبیلہ کے کچھ لوگوں نے اٹھا کر گھر پہنچایا، ہوش آیا تو ماں نے کھانے پینے کو کہا لیکن عاشق نے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال معلوم کیا اور جب تک آپ کا دیدار نہ کر لیا، چین نہ آیا، محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دربار میں حاضر ہوئے تو آپ نے غلام کو گلے لگایا، خوشی کا اظہار کیا، موقع غنیمت جانا، ابوبکر نے ماں کے مشرف باسلام ہونے کی دعا کے لئے درخواست پیش کر دی، دعا کی گئی اور ابوبکر کو ظلم برداشت کرنے کا صلہ، ماں کے ایمان کی صورت میں ملا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مکہ کے بڑے تاجروں میں سے ایک تھے، اکثر تاجران کے مقروض رہا کرتے تھے، مشرف باسلام ہونے کے بعد انہوں نے اپنی دولت سے اسلام اور مسلمانوں کو جو فائدہ پہنچایا، اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے، کہ مظلوم ومصیبت زدہ، کمزور، مسلمان غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کر دینا آپ کا شیوہ ہو گیا تھا، ایک مرتبہ ان کے باپ ابوقحافہ نے کہا کہ ان ناداروں کو آزاد کرانے کا کیا فائدہ، اگر نوجوان غلاموں پر احسان کرو تو شاید وہ کسی وقت تمہارے کام آ سکیں، انہوں نے جواب دیا میں یہ کام دنیا کے لئے نہیں بلکہ صرف اللہ ورسول کی رضا کے لئے کرتا ہوں، جن غلاموں اور باندیوں کو انہوں نے ظالموں کے چنگل سے چھڑایا ان میں سے چند یہ ہیں، حضرت بلال حبشی، عامر بن فہیرہ، نذیرہ، نہدیہ، بنت نہدیہ اور جاریہ بنی مول، رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَ

مَاضُوا عَنْهُ،

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جس طرح اپنے دیگر مراتب ومناصب اور کمالات میں افضل الخلق بعد الانبیاء قرار دیئے گئے اسی طرح آپ کی فیاضی وسخاوت بھی ہمیشہ عروج پر رہی جس کا مقابلہ کرنے میں باوجود کوشش کے کوئی کامیاب نہ ہوسکا، نبی معظم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے محبوب رفیق کی اس خوبی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا: ''مَا نَفَعَنِیْ مَالُ اَحَدٍ قَطُّ مَانَفَعَنِیْ مَالُ اَبِیْ بَکْرٍ'' جو نفع مجھے ابوبکر کے مال سے ہوا کسی کے مال سے نہ ہوا، نیز ارشاد ہوا: ''اِنَّهٗ لَیْسَ مِنَ النَّاسِ اَحَدٌ اَمَنَّ عَلَیَّ فِیْ نَفْسِهٖ وَمَالِهٖ مِنْ اَبِیْ بَکْرٍ'' لوگوں میں سے مجھ پر اپنی جان و مال سے سب سے زیادہ احسان کرنے والا، ابوبکر کے سوا کوئی نہیں، اپنے آقا ﷺ کا یہ ارشاد سن کر، حضرت ابوبکر آبدیدہ ہوگئے اور عرض کرنے لگے یارسول اللہ! جان و مال سب ہی حضور کے لئے ہیں۔

اعزازات

آقائے رحمت ﷺ نے اپنے محبوب رفیق کو جن اعزازت سے نوازا ان میں سے چند یہ ہیں،

امام الامت، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا یَنْبَغِیْ لِقَوْمٍ فِیْهِمْ اَبُوْبَکْرٍ اَنْ یَؤُمَّهُمْ غَیْرُهٗ'' جس قوم میں ابوبکر موجود ہوں اسے لائق نہیں کہ اس کی امامت کوئی اور کرے۔

یعنی حضرت ابوبکر کی زندگی میں امت کی امامت کا حق سوائے ان کے کسی کو حاصل نہیں، جب کہ شرعاً امام ہی مسلمانوں کا امیر اور خلیفہ ہوتا ہے، گویا یہ حضرت ابوبکر کے خلیفۂ اول ہونے کا واضح اعلان ہے، جس کے بعد ان کی خلافت میں کسی قسم کے شک وشبہہ کی گنجائش نہیں۔

صدیق، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ''صدیق'' کے لقب سے نوازا، کیونکہ انہوں نے قبول اسلام سے دم آخریں تک اپنے آقا ﷺ کی ہر بات پر عمل کی بلا تامل وبلا تردد تصدیق کی بالخصوص واقعہ معراج کی تصدیق کی، درج ذیل حدیث شریف ملاحظہ ہو،

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب مجھے معراج کرائی گئی تو میں نے واپس آکر قریش کو اپنے سفر مبارک کی خبر کرنا چاہی ''فَاَخْبَرَهُمْ فَکَذَّبُوْهُ وَصَدَّقَهٗ اَبُوْبَکْرٍ فَسُمِّیَ یَوْمَئِذِ الصِّدِّیْقَ'' پس آپ نے انہیں خبر دی تو انہوں نے آپ کو جھٹلایا، جب کہ ابوبکر نے آپ کی تصدیق کی، پس اس دن سے اُن کا نام ''صدیق'' رکھ دیا گیا۔

عتیق، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر کو ''عتیق'' کے لقب سے بھی نوازا، حضرت ام

المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے سے گزرے تو آپ نے فرمایا: ''مَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی عَتِیْقٍ مِنَ النَّارِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی ھٰذَا'' جو آگ سے آزاد شخص کو دیکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ ابوبکر کو دیکھ لے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے درج ذیل القاب بھی روایات میں پائے جاتے ہیں۔

''عبداللہ، عبدرب الکعبہ، آواہ، امیر الشاکرین، خلیفۃ الرسول، ثانی اثنین، حبیب الرسول، خلیل الرسول، وغیرہ'' غرضیکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا افضل الخلق بعد الانبیاء اور عشرہ مبشرہ کا فرد اول ہونا محقق ہے احادیث کثیرہ سے ثابت ہے،

حضرت عمر فاروق

اللہ رب العزت جل مجدہ کا عطیہ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد ہونا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ خصوصیت ہے جو صرف اور صرف انہی کا مقدر بنی، کہ مستجاب الدعوات ﷺ نے دعا کی ''اَللّٰھُمَّ اَعِزِّ الْاِسْلَامَ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَسْلَمَ عُمَرُ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ ظَاھِرًا'' اے اللہ! ابوجہل بن ہشام یا عمر بن خطاب، میں سے کسی کے ذریعہ اسلام کو غلبہ عطا فرما پس (آپ کی دعا قبول ہوئی) حضرت عمر مشرف باسلام ہوئے اور مسجد حرام میں (پہلی مرتبہ) کھلم کھلا اللہ کی عبادت کی، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشرف باسلام ہونا، اللہ کا انتخاب قرار پاتا ہے اور یہ حضرت عمر کے لئے اللہ کا محبوب و پسندیدہ اور جنتی ہونے کا اعلان ہے، کہ اللہ نے اپنے محبوب ﷺ کی دعا کو شرف قبول عطا فرمایا، اسلام کو غلبہ عطا ہوا اور مسلمان مسجد حرام میں پہلی مرتبہ علی الاعلان اپنے معبود کی عبادت کر سکے، لیکن ابوجہل بدنصیب رہا، ذلیل وخوار ہو کر غزوۂ بدر میں ہلاک ہوا،

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِہٖ'' بے شک اللہ تعالیٰ نے عمر کی زبان اور دل پر حق جاری فرمایا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر صرف حق اور سچ بات ہی آتی ہے، نیز دل میں ہمیشہ حق اور سچے خیالات ہی پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بتاتے ہیں کہ ایک دن اللہ کے رسول ﷺ دولت کدہ سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں اس طرح داخل ہوئے کہ آپ کے ساتھ ابوبکر و عمر بھی تھے، دونوں میں ایک آپ کے سیدھی جانب اور دوسرے آپ کی الٹی جانب تھے، اور آپ دونوں کے ہاتھ پکڑے

ہوئے تھے، پس آپ نے فرمایا: "هٰكَذَا نُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ" اسی طرح ہم قیامت کے دن اٹھائے جائیں گے۔

دیگر احادیث سے واضح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بائیں جانب حضرت ابوبکر جب کہ دائیں جانب حضرت عمر ہوا کرتے تھے اور آپ اکثر دونوں کے ہاتھوں میں اپنے مقدس ہاتھ ڈال کر چلا کرتے تھے، اللہ اکبر! کیسا کرم ہے، آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ابوبکر و عمر پر کیسا عظیم مقدر ہے ان دونوں کو بار بار، صرف جنتی ہونے کا مژدہ ہی نہیں سنایا گیا، بلکہ وہ عملی صورت بھی متواتر دکھائی جاتی رہی جو دخول جنت کے وقت ہوگی کاش ان حضرات کی محبت والفت کے صدقہ ہمیں بھی جنت نصیب ہو جائے، آمین۔

حضرت عبداللہ بن حنطب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک مرتبہ حضرت ابوبکر و عمر کو دیکھ کر فرمایا: "هٰذَانِ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ" یہ دونوں کان اور آنکھ ہیں،

جس طرح انسان کان اور آنکھ کے بغیر مکمل اور مفید نہیں ہوتا اسی طرح ایمان ابوبکر و عمر کے بغیر نہ مکمل ہوتا ہے اور نہ ہی مفید، یا جس طرح کان، آنکھ، حصول علم کا بنیادی ذریعہ ہیں اسی طرح حضرت ابوبکر و عمر کی فراست وحکمت سے نسبت اور اس سے استفادہ علم دین، زہد و تقوی اور تزکیۂ نفس وغیرہ کے لئے بنیادی ذریعہ ہے، یا جس طرح انسان اپنے کان اور آنکھ کی قدر کرتا ہے ان کی حفاظت کرتا ہے کہ ان کے دکھ سے اس کے سارے جسم کو دکھ ہوتا ہے، اسی طرح مومن حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قدر کرتا ہے، ان کی عزت و ناموس کی حفاظت کے لئے جان تک کی بازی لگا دینے کے لئے تیار رہتا ہے، نیز ہر ایسے کام سے بچتا ہے جس سے ان دونوں کو دکھ ہو، کہ ان کا دکھ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دکھ ہے، یا جس طرح انسان اپنے کانوں اور آنکھوں کی پیروی کرتا ہے اسی طرح مومن حضرات ابوبکر و عمر کی اتباع و پیروی کرتا ہے کہ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل ممکن ہی نہیں، یا جس طرح انسان کے حسن و جمال کا دار و مدار، کانوں اور آنکھوں کے حسن و جمال پر موقوف ہے، اسی طرح مومن کے ایمان کا حسن و جمال حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی محبت و الفت پر موقوف ہے، یہ دونوں غلام، آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سمع و بصر کی طرح محبوب اور پیارے ہیں،

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جوامع الکلم ہے جس کا ایک نمونہ یہ حدیث مبارکہ ہے۔ کہ اگر اس کے مفہوم پر غور کیا جائے، تو ایک طویل مضمون ذہن میں ابھرتا اور آپ کے کمال علم وحکمت نیز کمال فصاحت و بلاغت کا اندازہ ہوتا ہے "وَمِنْ عُلُوْمِكَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ"۔

وہ دہن جس کی ہر بات وحی خدا چشمۂ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے محبت والفت اور آپ کا عشق ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک

اصل ایمان اور روح ایمان تھا، حتیٰ کہ آقا ﷺ کی اداؤں ہی کو معبود حقیقی کی عبادت قرار دیتے ہیں، مثلاً ایک مرتبہ حجر اسود کو بوسہ دیتے ہوئے وہ فرماتے ہیں: ''اِنِّیْ اَعْلَمُ اَنَّکَ حَجَرٌ لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ'' میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے نہ تو نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نفع ''وَلَوْلَا اِنِّیْ رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ مُقَبِّلَکَ مَا قَبَّلْتُکَ'' اگر میں نے اللہ کے رسول ﷺ کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تجھے نہ چومتا، بہر حال وہ کوشش کرتے تھے کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جس طرح کیا اس کو ہو بہو اسی طرح کیا جائے، جب کہ ان کے پاس اس عمل کی دلیل بھی صرف یہی ہوتی تھی کہ میرے آقا ﷺ نے ایسا ہی کیا لہٰذا میں بھی ایسا کرتا ہوں اور مسلمانوں کو بھی یہی کرنا چاہیے، مثلاً ایک مرتبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت ادا فرمائیں تو جب بھی حضرت عمر وہاں سے گزرتے تو ضرور دو رکعتیں ادا کرتے اور جب ان سے پوچھا جاتا کہ یہ کون سی نماز ہے تو فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے آقا ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے یہاں دو رکعت ادا فرمائی تھیں پس میں بھی پڑھتا ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ زہد و تقویٰ، قناعت، صبر و شکر اور حلم کا پیکر تھے، وہ اگرچہ طبعاً نہایت سخت مزاج تھے، لیکن مشرف باسلام ہونے کے بعد ان کے مزاج میں عفو و درگزر اور شفقت و محبت کی خوبیاں بھی پیدا ہو گئی تھیں تاہم اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کا مصداق تھے، بالخصوص بارگاہ رسالت میں کسی کی گستاخی یا بیہودہ گوئی ان کے لئے ناقابل برداشت تھی، اسی لئے ایسے موقع پر وہ اپنی تلوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے عرض کرتے، یارسول اللہ! اگر اجازت ہو تو اس گستاخ کا سر قلم کر دوں، یہ شدت غیروں ہی کے ساتھ نہ تھی بلکہ اپنوں کے ساتھ بھی ایسے ہی برتاؤ کے لئے تیار رہتے تھے، مثلاً حضرت ابو حذیفہ، حاتم بن ابی بلتعہ، رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ تک ان کی شدت مزاجی کا شکار ہوئے، گستاخوں اور منافقین کی تو تعداد کا کوئی تعین ہی نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجد میں تشریف لاتے، تو مجمع صحابہ میں سے کسی کی مجال نہ تھی کہ سر اٹھا کر دیکھ سکے ''غَیْرُ اَبِیْ بَکْرٍ وَ عُمَرُ کَانَا یَبْتَسِمَانِ اِلَیْہِ وَیَبْتَسِمُ اِلَیْھِمَا'' سوائے ابو بکر و عمر کے یہ دونوں آپ کی زیارت کرتے ہوئے مسکراتے اور آقا ﷺ ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے تبسم فرماتے تھے۔

حضرت عثمان

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بروایت حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرمایا: ''لِکُلِّ نَبِیٍّ رَفِیْقٌ وَ رَفِیْقِیْ یَعْنِیْ فِی الْجَنَّۃِ عُثْمَانُ'' ہر نبی کا کوئی ساتھی ہوتا ہے، میرے ساتھی یعنی جنت میں عثمان ہیں،

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو رفیق فی الجنۃ ہونے کے علاوہ بے شمار اعزازت حاصل ہیں، مثلاً، ذوالہجر تین ہیں، ذوالنورین ہیں، غنی اور سخی ہیں، پیکر حیاو شرم ہیں، جامع القرآن ہیں، کاتب وحی الٰہی ہیں، فقیہ اور مجتہد ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اللہ نے جس طرح بے حساب و بے شمار دولت سے نوازا تھا اسی طرح آپ کو غنی اور فیاضی کی نعمتوں سے بھی خوب خوب نوازا تھا، بارہ سال بحیثیت خلیفہ مسلمانوں کی خدمت کرتے رہے، لیکن کبھی بیت المال سے ایک پیسہ بھی بطور معاوضہ وصول نہ کیا، مسلمان ہونے کے روز اول سے تادم آخریں اسلام کی اشاعت اور مسلمانوں کی خدمت پر بے دریغ دولت صرف کرتے رہے، مدینہ منورہ کے سب کنوؤں کا پانی کھارا تھا، سوائے بیر رومہ کے جو ایک یہودی کی ملکیت تھا جس سے مسلمانوں کو میٹھا پانی حاصل کرنے کے لئے بڑی مشقت اٹھانی پڑتی تھی آپ نے بیس ہزار درہم کی خطیر رقم سے یہ کنواں خریدا اور مسلمانوں کے لئے سب وقف کر دیا، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے سبب مسجد نبوی کی جگہ تنگ ہوگئی تو آپ نے کثیر رقم صرف کر کے اللہ کے گھر کو وسیع کیا، تمام غزوات کے لئے دولت، جنگی سامان اور ضروری اشیاء سے تعاون کرتے رہے بالخصوص غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تین مرتبہ لشکر اسلام کی تیاری میں تعاون کی اپیل کی، ہر مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر پیش کش کرتے رہے اس وقت میرے آقا ﷺ نے منبر شریف سے اترتے ہوئے فرمایا: ''مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ مَا عَلٰی عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ هٰذِهٖ'' اس کے بعد عثمان پر کوئی گناہ نہیں وہ جو بھی کرے، اس کے بعد عثمان پر کوئی گناہ نہیں وہ جو بھی کرے۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جو مثالی خدمت انجام دی اس کی تفصیل یہ ہے، نو سو پچاس اونٹ، پچاس گھوڑے، گیارہ ہزار اشرفیاں، سامان خورد و نوش اور دیگر اشیاء ضرورت، جن کی مقدار کا تعین نہ ہو سکا،

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اس درجہ باحیا، و باشرم تھے کہ تنہائی میں بھی کبھی برہنہ نہ ہوتے تھے، نظر ہمیشہ جھکی رہتی تھی، بے حیائی و بے شرمی کی باتوں تک سے نفرت تھی اگر کسی محفل میں ایسی گفتگو ہوتی تو آپ اٹھ کر چلے جاتے تھے،

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا، کہ ایک دن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کے ساتھ قدرے بے تکلفی سے تشریف فرما تھے کہ آپ کی پنڈلی کھلی ہوئی تھی اسی دوران حضرت ابوبکر و عمر آئے آپ اسی طرح آرام فرماتے رہے، پھر حضرت عثمان حاضر ہوئے، تو آپ نے سنبھلتے ہوئے فرمایا ''اَلَا اَسْتَحْيِ مِنْ رَجُلٍ يَسْتَحْيِ مِنْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ'' میں اس شخص سے کیوں حیاء نہ کروں جس

سے فرشتے حیاء کرتے ہیں۔

اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے جاں نثار عثمان پر کس قدر اعتماد تھا اس کا اندازہ کرنے کے لئے بیعت الرضوان کا واقعہ نہایت قابل غور ہے، جس کا ایک حصہ بروایت حضرت انس ملاحظہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان کو اہل مکہ سے گفتگو کے لئے مکہ روانہ فرمایا، ان کی واپسی میں تاخیر کا فائدہ اٹھا کر کسی نے ان کی شہادت کی افواہ پھیلا دی، غلاموں نے اہل مکہ سے اپنے بھائی کے انتقام کی خواہش ظاہر کی اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صحابہ سے بیعت لی پھر فرمایا: ''اِنَّ عُثْمَانَ فِیْ حَاجَةِ اللّٰهِ وَحَاجَةِ رَسُوْلِهٖ'' بے شک عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں مصروف ہے ''فَضَرَبَ بِاِحْدٰی یَدَیْهِ عَلَی الْاُخْرٰی'' تو آپ نے (عثمان کی بیعت کے لئے) اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا ''فَکَانَتْ یَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعُثْمَانَ خَیْرًا مِنْ اَیْدِیْهِمْ لِاَنْفُسِهِمْ'' پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دست مبارک عثمان کے لئے لوگوں کے اپنے ہاتھوں سے بہتر ہو گیا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کیسے مقدر والے تھے کہ اللہ کے رسول ﷺ اپنے دست مقدس کو عثمان کا ہاتھ قرار دیتے ہوئے ان پر اتنا مکمل اعتماد کر رہے ہیں کہ ان کی غیر موجودگی میں خود ہی ان کے جان دینے کی بیعت لے رہے ہیں، اور حضرت عثمان کے جذبۂ احترام رسول کا اندازہ لگائیے کہ آقا نے جس ہاتھ کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا، عثمان نے اپنے اس ہاتھ کو کبھی نجاست میں ملوث نہ ہونے دیا،

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان سے فرمایا: ''اِنَّهٗ لَعَلَّ اللّٰهُ یُقَمِّصُکَ قَمِیْصًا فَاِنْ اَرَادُوْکَ عَلٰی خَلْعِهٖ فَلَا تَخْلَعْ لَهُمْ'' کہ اللہ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا پس اگر لوگ تم سے وہ قمیص اتارنے کا مطالبہ کریں تو تم ان کی خواہش پر اسے نہ اتارنا۔

مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق ہوا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بارہ سال تک خلافت کی قمیص پہنے رہے پھر لوگوں نے ان سے خلافت چھوڑنے کا مطالبہ کیا، حتیٰ کہ جب آپ کی قیام گاہ کا محاصرہ کر لیا گیا تو آپ سے مخالفین کا مقابلہ کرنے کے لئے کہا گیا لیکن آپ نے احترام مدینہ کا خیال کرتے ہوئے ایسا کرنے سے انکار کر دیا، جب کہ آقا ﷺ کے حکم کی تعمیل کے سبب آپ خلافت سے دستبردار نہ ہوئے یہاں تک کہ اسی قمیص پر آپ کا خون ناحق بہا دیا گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ۔

جنت کی بشارت

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ مدینہ منورہ کے باغوں میں سے ایک باغ میں، میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر تھا، کہ کسی نے دروازہ کھولنے کو کہا، پس حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ'' دروازہ کھول دو اور انہیں جنت کی خوشخبری دو، پس میں نے دروازہ کھولا تو وہ حضرت ابوبکر تھے پس میں نے انہیں جنت کی خوشخبری سنائی، تو انہوں نے اللہ کا شکر ادا کیا، پھر کسی نے دروازہ کھلوانا چاہا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ'' دروازہ کھول دو اور اسے جنت کی خوشخبری دے دو، میں نے دروازہ کھولا تو حضرت عمر کو دیکھا پس میں نے انہیں جنت کا مژدہ دیا، تو انہوں نے الحمد للہ کہا، پھر دروازے پر دستک ہوئی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''اِفْتَحْ لَهٗ وَبَشِّرْهُ بِالْجَنَّةِ عَلٰى بَلْوٰى تُصِيْبُهٗ'' دروازہ کھول دو اور اسے بھی جنت کی خبر دو ایک مصیبت کے بعد جو اسے پہنچے گی، پس میں نے دروازہ کھولا تو حضرت عثمان کو موجود پایا پس میں نے انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عطا کردہ خبر سنائی ''فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ قَالَ اللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ'' پس حضرت عثمان نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا، اللہ مددگار ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ

آقائے رحمت ﷺ کے پروردہ و تربیت یافتہ، چہیتے داماد، ابوتراب اور اسد اللہ کا لقب پانے والے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا اعزاز یہ ہے کہ معلم کامل ﷺ نے آپ کے لئے ارشاد فرمایا: ''اَنَا مَدِيْنَةُ الْعِلْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا'' میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں، کہ شہر کے خزانوں کی ہر چیز اس کے دروازے ہی سے لی جاسکتی ہے، خزانہ علم مصطفیٰ ﷺ کے موتی علی ہی کی وساطت سے حاصل کیے جاسکتے ہیں یا شمع علم مصطفیٰ کی ضیاء پاشی حضرت علی ہی کے وسیلہ سے ہوتی ہے، جب کہ علم، قلب انسان کو جلا بخشتا ہے اس سے روح کو سکون میسر آتا ہے، اخلاق و عادات اور اطوار کو حسین بناتا ہے، صاحب علم تہذیب و تمدن کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہوتے ہیں، پس ان تمام خوبیوں اور کمالات کے حصول کے لئے باب العلم رضی اللہ عنہ سے، تعلق، نسبت اور محبت ناگزیر ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کو ایک اعزاز اس وقت بخشا جب آپ نے مدینہ منورہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم فرمایا ''فَجَآءَ عَلِيٌّ تَدْمَعُ عَيْنَاهُ'' تو حضرت علی بارگاہ رسالت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے اور کہنے لگے، یارسول اللہ! آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کردیا ''وَلَمْ تُوَاخِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اَحَدٍ'' اور مجھے کسی کا بھائی نہ بنایا، پس

آقائے رحمت ﷺ نے غمزدہ علی کو مژدہ سنا کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خوش کر دیا ارشاد ہوا: ''اَنْتَ اَخِیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ'' علی! تم دنیا و آخرت میں میرے بھائی ہو۔

آقا ﷺ نے غلام کو بھائی بنالیا وہ بھی صرف اس دنیائے فانی کے لئے نہیں بلکہ آخرت دائمہ کے لئے بھی یہ آقا کا کرم ہے لیکن غلام نے کبھی اپنی حد سے تجاوز کی جراءت نہ کی، کبھی بھائی! کہہ کر نہ پکارا، کبھی برابری کا دعویٰ نہ کیا، ہمیشہ یارسول اللہ! یا نبی اللہ! ہی کہا، کہ یہی تقاضۂ احترام ہے، طریقۂ ادب ہے کمال ایمان کا مقتضیٰ ہے۔

قاسم نعمت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک اعزاز سے غزوۂ خیبر کے موقع پر نوازا، جب آپ نے اعلان فرمایا: ''لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا یَفْتَحُ اللّٰہُ عَلٰی یَدَیْہِ'' کل میں اس شخص کو جھنڈا اعطا فرماؤں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے گا، یہ فتح خیبر کی خبر اور حضرت علی کے لئے فاتح خیبر ہونے کا اعزاز ہے، کہ وہ رجل حضرت علی ہی تھے، پھر ارشاد ہوتا ہے ''یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ'' وہ رجل اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول اس سے محبت کرتے ہیں، یہ حضرت علی کے محب و محبوب ہونے کی تصدیق ہے جو بلاشبہ عظیم اعزاز ہے، صبح ہوئی تو صدائے رحمت آئی ''اَیْنَ عَلِیٌّ'' علی کہاں ہیں، بتایا گیا، وہ تو آشوب چشم کی تکلیف سے بے حال ہیں، لیکن حاضری کا حکم دیا گیا، حضرت علی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے، بے حال کو بحال، بدحال کو خوش حال کرنے والے، کمزور کو قوت بخشنے والے آقا شافی الامراض ﷺ نے اپنا لعاب دہن حضرت علی کی آنکھوں پر لگا دیا، آشوب چشم بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا اور آنکھیں حسین و خوبصورت بھی نظر آنے لگے نیز حضرت علی ہمیشہ کے لئے فاتح خیبر کے اعزاز سے نواز دیئے گئے، کہ اللہ و رسول کا محبوب و محب کبھی ناکام و نامراد نہیں ہوتا۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''لَا یُحِبُّ عَلِیًّا مُنَافِقٌ وَلَا یُبْغِضُہٗ مومن'' منافق علی سے محبت نہیں کرتا اور مومن ان سے بغض نہیں رکھتا، اللہ و رسول کے محب و محبوب سے منافق کیسے محبت کر سکتا ہے اور ممکن نہیں کہ اس سے مومن نفرت کرے اور بغض رکھے، یہ ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محب و محبوب ہونے کی سند ہے۔

اسد اللہ الغالب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، نہایت امانت دار دیانت دار تھے اسی لئے آقا ﷺ نے ان کو معتمد خصوصی کے اعزاز سے نوازا اور سفر ہجرت کی شب قریش کی امانتیں سونپنے کے لئے اپنے بستر پر سونے کا شرف بخشا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ زہد و تقویٰ کا پیکر تھے، حتیٰ کہ دور خلافت میں بھی انہوں نے کبھی بنیادی

ضروریات سے زیادہ وظیفہ نہ لیا، وسیع وعریض اسلامی مملکت کی بادشاہ بن کر نہیں بلکہ خادم بن کر سربراہی کی، کروفر سے نہیں بلکہ نہایت عجز وانکساری کے ساتھ قیادت کی ذمہ داری پوری کی، خلیفۃ المومنین ہونے کے باوجود ایک عام غریب آدمی جیسی زندگی بسر کرتے تھے، ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، کوئی میری تلوار کا خریدار ہے، بخدا!! اگر میرے پاس ایک تہبند جتنی قیمت ہوتی تو میں یہ تلوار ہرگز فروخت نہ کرتا، ایک شخص نے کھڑے ہوکر کہا، اللہ اس تلوار کو فروخت نہ کیجئے، میں آپ کو ایک تہبند کی قیمت بطور قرض دیتا ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عبادت الٰہی میں بھی کوئی ثانی نہ تھا، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بتایا: ''کَانَ صَوَّامًا قَوَّامًا'' وہ بہت روزے دار اور عبادت گزار تھے، حضرت زبیر بن سعید قریشی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''لَمْ اَرَھَا شَمِیًا قَطُّ کَانَ اَعْبَدُ اللّٰہَ'' میں نے کسی ہاشمی کو حضرت علی سے زیادہ عبادت گزار نہ دیکھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ غربت وتنگدستی کے باوجود نہایت فیاض اور سخی تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ سارا دن مزدوری کر کے تھکے ہارے آتے، کھانا کھانے بیٹھتے، کسی بھوکے کی صدا سنتے تو کھانا اسے دے دیتے اور خود بھوکے سو جاتے تھے۔

مرتضیٰ شیر حق اشجع الاشجعین ساقی شیر و شربت پہ لاکھوں سلام
اصل نسل صفا وجد وصل خدا باب فضل ولایت پہ لاکھوں سلام

حضرت طلحہ

حضرت طلحہ بن عبیداللہ، ان مسلمانوں میں سے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تلقین و ترغیب سے اسلام کے ابتدائی دور میں مشرف باسلام ہوئے، حضرت طلحہ نے اپنے مسلمان ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے بتایا، کہ میں بصریٰ کی منڈی میں بغرض تجارت گیا، وہاں ایک راہب نے اپنے لوگوں سے کہا کہ معلوم کرو، کیا مکہ کا کوئی تاجر آیا ہوا ہے۔ لوگ منڈی میں تلاش کرنے کے لئے آئے مجھے پتہ چلا کہ یہ مکہ کے کسی تاجر کو تلاش کر رہے ہیں، میں آگے بڑھا اور بتایا کہ میں مکہ سے آیا ہوں، وہ مجھے راہب کے پاس لے کر گئے، اس نے پوچھا، کیا تمہیں خبر ہے کہ تمہارے شہر میں احمد نامی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، میں نے نفی میں جواب دیا تو اس نے کہا، ہماری کتاب کے مطابق یہ مہینہ نبی آخر الزمان کے ظہور کا ہے، جس کا نام احمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوگا، وہ قریش کے خاندان بنو ہاشم سے ہوگا، مکہ کا باسی ہوگا، اس کی ہجرت گاہ نخلستان کی شورزدہ زمین ہوگی، خبردار! اس پر ایمان لانے میں تم سے کوئی پہل نہ کرے،

حضرت طلحہ کہتے ہیں، راہب کی باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا اور میں وقت سے پہلے ہی مکہ پہنچ گیا، مجھے پتہ چلا کہ محمد بن عبداللہ ﷺ نے نبوت کا اعلان کیا ہے اور حضرت ابوبکر ان پر ایمان لے آئے ہیں، پس میں ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اعلان نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین سے متعلق معلومات حاصل کیں، جو میں نے پوچھا، ابوبکر نے اس کا اطمینان بخش جواب دیا، پھر میں حضرت ابوبکر کے ہمراہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوا اور مشرف باسلام ہوگیا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ان جان نثاروں میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو اپنے آقا ﷺ کی حفاظت اور اسلام کی خدمت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے ہر وقت آمادہ رہتے تھے، حضرت طلحہ کی جاں نثاری کا اندازہ غزوۂ احد کے اس خطرناک موقع سے کیا جا سکتا ہے، جب اللہ کے رسول ﷺ کو زخمی کیا گیا، آپ پر تیر و تلوار کی بوچھاڑ ہو رہی ہے اس وقت جو جاں نثار آپ کے گرد جمع تھے ان میں سب سے آگے حضرت طلحہ تھے جو ہر تیر اور تلوار کا نشانہ بن کر اپنے آقا ﷺ کی حفاظت کر رہے تھے۔

حضرت قیس بن حازم رضی اللہ عنہ (تابعی) گواہی دیتے ہیں: ''رَأَیْتُ یَدَ طَلْحَۃَ شَلَّاءَ وَقٰی بِھَا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ اُحُدٍ'' میں نے طلحہ کا ہاتھ شل دیکھا جس سے انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حفاظت کی تھی۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ شل ہوگیا تھا جس پر آپ تیروں اور تلواروں کو روک رہے تھے، ان کے جسم پر ستر یا اسی زخم تھے، صحابہ کرام جب غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو کہا کرتے تھے کہ ''احد کا دن تو بس طلحہ کا دن تھا'' حضرت طلحہ نہایت حسین تھے، جمعرات، پچیس جمادی الاولیٰ، 36ھ، جنگ جمل میں شہید ہوئے، کل عمر شریف چونسٹھ سال ہوئی، بصرہ میں مزار مبارک ہے۔

حضرت زبیر بن العوام

حضرت زبیر بن العوام قریشی ہیں، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے صاحبزادے ہیں یعنی آپ کے پھوپھی زاد بھائی، اسماء بنت ابی بکر کے شوہر ہیں یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمزلف، لیکن ان کے لئے عظیم ترین اعزاز یہ تھا کہ آپ نے انہیں اپنا حواری بنایا،

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غزوۂ احزاب کی ایک رات فرمایا ''مَنْ یَّاْتِیْنِیْ بِخَبَرِ الْقَوْمِ'' کہ قوم (دشمن) کی خبر کون لائے گا، پس حضرت زبیر نے کہا ''اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ'' یا رسول اللہ! میں حاضر ہوں، اس موقع پر اظہار فرحت و محبت کرتے ہوئے آقا ﷺ نے فرمایا: ''اِنَّ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیًّا وَ حَوَارِیُّ الزُّبَیْرُ'' بے شک ہر نبی کے لئے مخلص

دوست ہوتا ہے اور میرا مخلص دوست زبیر ہے۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سولہ برس کی عمر میں مسلمان ہوئے، یہ مسلمانوں پر کفار کے ظلم وستم کا بدترین دور تھا، حضرت زبیر کو بھی ابتلاء وآزمائش سے گزرنا پڑا، ان کے چچا نے انہیں دھواں بھری کوٹھری میں بند کر دیا تاکہ وہ گھبرا کر دامن رحمت چھوڑ دیں، لیکن جس کے مقدر میں ''حواری'' بننا لکھا جا چکا تھا وہ کیسے اس اعزاز سے محروم ہو سکتا تھا پس آپ نے مظالم برداشت کیے، تکالیف جھیلیں لیکن لمحہ بھر کے لئے تنگ نہ آئے۔

عمر شریف چونسٹھ برس ہوئی، 36ھ جنگ جمل میں عمرو بن جرموز کے ہاتھوں شہید ہوئے، وادی سباع میں دفن ہوئے کچھ عرصہ بعد نعش بصرہ لا کر دفن کی گئی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ انیس برس کی عمر میں مشرف باسلام ہوئے، انہیں ایک عجب قسم کی ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا، کہ یہ اپنی ماں سے بے حد محبت کرتے تھے، جب اسے بیٹے کے مسلمان ہونے کا پتہ چلا تو وہ بہت برافروختہ ہوئی اور قسم کھائی کہ جب تک سعد یہ نیا دین نہ چھوڑے گا وہ نہ کچھ کھائے گی نہ پئے گی، پس اس نے بھوک ہڑتال کر دی، دو دن بعد ہی اس کی حالت غیر ہوگئی، حضرت سعد نے بہت سمجھایا لیکن نہ مانی، تو انہوں نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا ''تَعْلَمِيْنَ وَاللّٰهُ اُمَّهٗ لَوْ كَانَ لَكِ مِائَةُ نَفْسٍ تَخْرُجُ نَفْسًا نَفْسًا مَا تَرَكْتُ دِيْنَ مُحَمَّدٍ فَكُلِيْ اِنْ شِئْتِ اَوْلَا تَاكُلِيْ فَلَمَّا رَاَتْ ذَالِكَ اَكَلَتْ'' اے ماں! بخدا تم جانتی ہو کہ اگر تیری سو جانیں بھی ہوں اور ایک ایک کر کے سب نکل جائیں تب بھی میں محمد (ﷺ) کا دین نہ چھوڑوں گا، چاہے تو کھائے یا نہ کھائے، جب اس نے میرا پختہ عزم دیکھا تو کھانے لگی۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا لقب ''فارس الاسلام'' تھا یعنی اسلام کا شہسوار، آپ کو عظیم ترین اعزاز جو حاصل ہوا، اسے آپ خود بیان فرماتے ہیں: ''اِنِّیْ لَاَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' میں پہلا عرب ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔

ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک سفر سے مدینہ منورہ واپس آتے ہوئے رات کو آرام نہیں کر پا رہے تھے، پس آپ نے فرمایا: ''لَيْتَ رَجُلًا صَالِحًا يَحْرُسُنِیْ'' کاش کوئی مرد صالح میری حفاظت کرتا، پس اچانک ہم نے ہتھیاروں کی آواز سنی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ هٰذَا'' یہ کون ہے؟ جواب آیا ''اَنَا سَعْدٌ'' میں سعد ہوں، آپ نے فرمایا ''مَا جَآءَ بِكَ'' تم یہاں کیوں ہو، حضرت سعد عرض گزار ہوئے، میرے دل

میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خطرہ کا احساس ہوا پس میں آپ کی حفاظت کے لئے حاضر ہوا ہوں ''فَدَعَا لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ نَامَ'' تو اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے لئے دعا کی اور مطمئن ہو کر سو گئے (آقا ﷺ کی یہ کیفیت صرف اس لئے ہوئی تا کہ محافظ رکھنا سنت قرار پائے)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، مستجاب الدعوات تھے، انہوں نے تمام معرکوں میں شرکت کی، بالخصوص غزوۂ احد میں شجاعت و بہادری کے جوہر دکھائے، کہ کفار کی صفوں میں گھس کر انہیں قتل کرتے رہے، آپ اس لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے جس نے شہنشاہ ایران کو شکست دی، کسریٰ کے دار الخلافہ مدائن پر علم اسلام لہرایا، آپ کا رنگ گندمی، قد لمبا، سر بڑا تھا، 55ھ میں وفات پائی، جنت البقیع میں دفن ہوئے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے احد کے دن (میرے لئے) دعا کی: ''اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ رَمْيَهُ وَاَجِبْ دَعْوَتَهُ'' یا اللہ! اس کی تیر اندازی کو مضبوط کر اور اس کی دعا قبول فرما۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو یہ اعزاز بھی حاصل تھا کہ وہ باعتبار رشتہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ماموں تھے اور آپ کو ان پر ناز تھا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو آپ نے اظہار مسرت و محبت کرتے ہوئے فرمایا: ''هٰذَا خَالِيْ فَلْيُرِنِيْ اِمْرَءٌ خَالَهُ'' یہ میرے ماموں ہیں اگر کسی کا ایسا ماموں ہو تو مجھے دکھائے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت سعد بن ابی وقاص کو بایں اعتبار ماموں فرمایا کہ ان کا تعلق قبیلہ بنو زہرہ سے تھا جب کہ میرے آقا ﷺ کی والدہ ماجدہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مکہ سے حبشہ ہجرت کی پھر حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے گویا آپ ذو الہجرتین تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دولت کثیرہ سے نوازا اور آپ نے اپنی دولت اللہ کی راہ میں نہایت فراخ دلی سے بے دریغ و بے حساب خرچ کی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب غزوۂ تبوک کے لئے مالی وسائل فراہم کرنے کی تلقین و ترغیب فرمائی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسو اوقیہ چاندی آپ کی خدمت میں پیش کی، پھر آپ نے اپنے سارے مال کا نصف حصہ جہاد کے لئے پیش کیا، اس موقع پر نبی رحمت ﷺ نے

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو خصوصی دعا سے نوازا اور فرمایا: ''بَارَکَ اللّٰہُ فِیْ مَا اَنْفَقْتَ وَ فِیْ مَا اَبْقَیْتَ'' عبدالرحمٰن! اللہ تجھے برکت دے اس مال میں جو تو نے خرچ کیا اور اس مال میں جو تو نے باقی رکھا پس اللہ نے آپ کو جو برکت دی اس کا اندازہ درج ذیل اعداد و شمار سے کیجئے۔

آپ غزوات اور دیگر مواقع پر اکثر کثیر رقوم دیتے رہے، ایک موقع پر آپ نے چار ہزار اور ایک موقع پر چالیس ہزار درہم خرچ کیے، نیز ایک موقع پر پانچ سو گھوڑے، پانچ سو اونٹ اللہ کی راہ میں پیش کیے، آپ نے وصیت کی کہ ان کے مال سے پچاس ہزار دینار اللہ کی راہ میں خرچ کیے جائیں اور ہر بدری مجاہد کو چار سو دینار دیئے جائیں، اس وقت موجود بدریوں کی تعداد ایک سو تھی، نیز آپ نے وصیت کی کہ مجاہدین اسلام کو ایک ہزار گھوڑے مہیا کیے جائیں، اس وصیت کی تعمیل کے بعد آپ کے خزانہ میں اتنا سونا موجود تھا کہ کلہاڑیوں سے کاٹا گیا، آپ نے چار بیوائیں چھوڑیں، ہر بیوی کو ترکہ سے اسی ہزار دینار ملے ایک مرتبہ آپ نے ایک دن میں ڈیڑھ لاکھ دینار خرچ کیے، تیس ہزار غلام آزاد کیے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بتایا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ازواج مطہرات سے فرماتے سنا: ''اِنَّ الَّذِیْ یَحْنُوْا عَلَیْکُنَّ بَعْدِیْ ھُوَ الصَّادِقُ الْبَارُّ'' جو شخص میرے بعد تم سب پہ بے دریغ خرچ کرے گا وہ سچا اور نیک ہوگا، پھر آپ نے دعا فرمائی: ''اَللّٰھُمَّ اسْقِ عَبْدَالرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ مِنْ سَلْسَبِیْلِ الْجَنَّۃِ'' اے اللہ عبدالرحمٰن بن عوف کو نہر جنت سے سیراب فرما۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کر کے اشارہ فرمایا، کہ ازواج مطہرات کی سب سے زیادہ خدمت حضرت عبدالرحمٰن کریں گے، پس انہوں نے اپنی ماؤں کی خوب خدمت کی صرف ایک باغ چالیس ہزار درہم میں فروخت ہوا جو انہوں نے ازواج مطہرات کے لئے وقف کیا تھا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نہایت حسین و جمیل شخصیت کے مالک تھے گورا رنگ، سیاہ چشم، لمبی پلکیں، اونچی ناک، ہتھیلیاں گوشت سے بھری ہوئیں، انگلیاں بھاری، آخری عمر تک بال سیاہ رہے، بہتر سال کی عمر میں وفات ہوئی، جنت البقیع میں دفن ہیں۔

مشترکہ اعزاز

مذکورہ بالا حضرات کو، سوائے حضرت ابوبکر و عمر کے ایک مشترکہ اعزاز حاصل ہوا، کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے بعد خلافت کا حق دار ان حضرات سے زیادہ کوئی نہیں جن سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام خصوصی طور پر راضی رہے، پھر آپ نے ان حضرات کے نام لئے ''حضرت علی، عثمان، زبیر بن العوام، طلحہ بن عبیداللہ، سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ

حضرت ابوعبیدہ بن جراح

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بارگاہ میں یمن کے وفد نے حاضر ہو کر گزارش کی، یارسول اللہ! کسی کو ہمارا معلم مقرر فرمادیں پس آپ نے حضرت ابوعبیدہ بن جراح کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''لِكُلِّ اُمَّةٍ اَمِيْنٌ وَّاَمِيْنُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اَبُوْعُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ'' ہر امت کا کوئی امین ہوتا ہے اور اس امت کا امین ابو عبیدہ بن جراح ہے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی بے شمار خصوصیات اور اعزازت میں عظیم ترین اعزاز، ان کے لئے یہی ہے کہ امین وصادق آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ انہیں ''امین'' فرمایا۔

امانت وصداقت، اگرچہ جملہ صحابہ کی خصوصیت اور ہر مومن کے کمال ایمان کا ذریعہ ہے لیکن ہر قوم میں کوئی ایک اس خوبی کے ساتھ مخصوص، معروف اور مشہور ہو جاتا ہے، اور اس پر قوم کو مکمل اعتماد اور بھروسہ ہوتا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جملہ صفات وکمالات کا منبع ومخزن ہیں، آپ ہی سے صحابہ کرام نے اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق فیض حاصل کیا، آپ کے کمالات میں سے جس کمال کا کسی نے جتنا فیض حاصل کیا کہ وہ اسی کمال سے متعارف ہو گیا جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینۃ العلم صلی اللہ علیہ وسلم کے خزانۂ علم سے اتنے فیض یاب ہوئے کہ ''باب العلم'' کہلائے، اسی طرح حضرت ابوعبیدہ بن جراح کو آپ کی صفت امین سے اتنا وافر حصہ ملا کہ ''امین الامت'' کے اعزاز سے نواز دیئے گئے۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اسلامی جوش اور مذہبی وارفتگی میں اپنی نظیر آپ ہی تھے، جس کا ثبوت انہوں نے غزوۂ بدر میں اپنے بے نظیر کارنامہ سے پیش کر دکھایا، جب ان کا سامنا اپنے ہی باپ سے ہوا، جو کافروں کے لشکر میں شامل تھا اور بیٹے کے خون کا پیاسا تھا، ان پر بار بار حملہ آور ہو رہا تھا جب کہ حضرت ابوعبیدہ اس کے خون سے اپنی تلوار کو گندا کرنا پسند نہ فرماتے تھے، لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وہ باز نہیں آرہا تو ان کی اسلامی حمیت خونی رشتہ پر غالب آئی اور ایک وار میں باپ کا خاتمہ کر ڈالا۔

حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ بھی ان خوش نصیبوں میں سے تھے جنہوں نے اسلام کے دور دار ارقم میں حضرت ابوبکر صدیق کی تلقین وتبلیغ پر اسلام قبول کیا، انہی کے ساتھ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ بھی مشرف باسلام ہوئے، ان کا نام عامر تھا کنیت ابوعبیدہ تھی اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کردہ لقب ''امین الامت'' تھا، دادا کا نام الجراح تھا جس کی نسبت سے آپ ابوعبیدہ بن الجراح مشہور ہوئے دیگر مسلمانوں کی طرح حضرت ابوعبیدہ کو بھی کفار کے مظالم سہنے پڑے، بالآخر تنگ آکر شام ہجرت کر گئے، کچھ عرصہ بعد مکہ واپس آئے لیکن حالات سازگار نہ ہونے کے سبب دوبارہ شام تشریف لے گئے اور وہاں سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، گویا آپ نے تین مرتبہ ہجرت کی، یہ بھی آپ کی

ایک خصوصیت قرار پائی، مدینہ منورہ میں ابتداءً آپ نے حضرت کلثوم بن ہدم رضی اللہ عنہ کے یہاں قیام کیا۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں شرکت کی اور نمایاں کارنامے انجام دیئے، غزوۂ احد میں انہوں نے عشق رسول کا عجب مظاہرہ کیا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زخمی ہوئے تو آپ کے رخسار مبارک میں زرہ کے دو ریزے پیوست ہو گئے تو حضرت ابوبکر ان کو نکالنے کے لئے آگے بڑھنا چاہتے تھے کہ ابوعبیدہ دوڑے دوڑے آئے اور ابوبکر سے نہایت ہی ملتجیانہ انداز میں درخواست کی کہ اس خدمت کا موقع مجھے عطا فرما دیا جائے ابوبکر نے اپنے بھائی کی درخواست قبول کی تو ابوعبیدہ نے اپنے دانتوں سے ریزے نکالے اس دوران ان کے دو دانت بھی شہید ہو گئے جس پر انہیں ساری زندگی ناز رہا وہ لوگوں کو بڑے فخر سے بتاتے تھے کہ یہ دانت آقا ﷺ کے رخسار سے زرہ کے ریزے کھینچتے ہوئے شہید ہوئے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک کامیاب جرنیل اور سپہ سالار تھے، سپہ سالار اعظم ﷺ نے انہیں پہلی مرتبہ سپہ سالاری کے اعزاز سے اس وقت نوازا جب آپ نے ذی القصہ میں آباد بنوثعلبہ کی سرکوبی کا فیصلہ فرمایا، دوسری مرتبہ آپ کو یہ منصب اس وقت عطا ہوا جب ایک قبیلہ کے مقابلہ کے لئے لشکر اسلام روانہ کیا گیا، یہ قبیلہ سیف البحر پر دریا کے کنارے آباد تھا، اسی مہم کے دوران مجاہدین اسلام پر اللہ کے خصوصی اکرام کا واقعہ پیش آیا، کہ جب اللہ کے سپاہی بھوک سے نڈھال تھے تو دریا کے کنارے ایک ساٹھ گز لمبی دیوہیکل مچھلی آئی، جس کی آنکھ کا حلقہ ہی اتنا بڑا تھا کہ اس میں تیرہ آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی، مجاہدین نے کئی دن تک اس کا گوشت کھایا اور اس کی چربی اپنے جسموں سے ملتے رہے اور خوب تر و تازہ ہو گئے۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دور خلافت فاروقی میں ان تمام لشکروں کے سالار اعظم مقرر ہوئے جو شام کی طرف روانہ کیے گئے تھے، اس مہم کے دوران حضرت ابوعبیدہ نے نہایت اعلیٰ جنگی تدابیر کا مظاہرہ کیا اور دشمن کو زیر کرنے میں کامیاب رہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اس لشکر اسلام کے سپہ سالار تھے جو یرموک کی فتح کے لئے روانہ کیا گیا تھا، اس معرکہ میں نہایت خوں ریز جنگ ہوئی، ستر ہزار رومی قتل کیے گئے، جب کہ تین ہزار مسلمان بھی شہید ہوئے، لشکر اسلام کو فتح اور کامیابی میسر آئی، اس معرکہ سے فارغ ہو کر حضرت ابوعبیدہ نے عراق کے صوبہ جزیرہ کی طرف پیش قدمی کی، یہاں بھی رومی ناکام ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دمشق میں مقرر والی (گورنر) کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابوعبیدہ کو متعین کیا، جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ دمشق سے رخصت ہونے لگے تو انہوں نے اپنے الوداعی خطبہ میں کہا، لوگو! تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ اب تمہارا والی وقائد ''امین الامت'' ہے۔ حضرت ابوعبیدہ نے کہا میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد سنا ہے کہ ''خَالِدٌ سَیْفٌ مِّنْ سُیُوْفِ اللّٰہِ'' (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہیں (یہ ان حضرات کے باہمی احترام کی ایک مثال ہے)۔

18ھ دمشق میں طاعون کی مہلک وبا پھیلی، شام میں اس کا بہت زور تھا، بے شمار لوگ موت کا شکار بن رہے تھے، مشہور و معروف ہستیاں شہید ہوئیں، خلیفۂ وقت کے اصرار کے باوجود حضرت ابوعبیدہ ملک چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے، ہر مرتبہ یہی جواب دیا کہ جو مقدر میں ہوگا وہ ہو کر رہے گا، بالآخر وہ بھی اس وبا کا شکار ہو کر اٹھاون برس کی عمر میں اللہ کو پیارے ہوگئے، اردن کے شہر بیسان میں دفن ہیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ دراز قد، بلند سینہ، پتلے دبلے تھے، چہرے پر گوشت کم تھا، داڑھی چھدری تھی، پیشانی سے ذہانت و فطانت چمکتی معلوم ہوتی تھی، خشیت الٰہی اور عشق رسول کے پیکر تھے، زہد، تقویٰ اور تواضع و انکساری کا نمونہ تھے، عدل و انصاف اور رحم و کرم ان کا شیوہ تھا، غرباء کی امداد کرنا ان کا وطیرہ تھا۔

حضرت سعید بن زید

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ ''السابقون الاولون'' میں سے ہیں، یہ اور ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ بنت خطاب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی پہلے مشرف باسلام ہوئے کہ ان دونوں کی مار پر ہی حضرت عمر کے کفر کا خاتمہ ہوا اور انہی دونوں کے ہمراہ حضرت عمر کو بارگاہ رسالت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا، مشرف باسلام ہوئے تو عمر گیارہ برس کی تھی۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سوائے بدر کے تمام غزوات میں شریک ہوئے، غزوۂ بدر کے موقع پر یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم پر جاسوسی کے لئے گئے ہوئے تھے ان کے ہمراہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، جب واپس پہنچے تو جنگ ختم ہو چکی تھی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بدر کے مال غنیمت سے حصہ عطا فرمایا، مہاجرین و انصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم ہوا تو حضرت سعید کو حضرت ابی بن کعب کا بھائی قرار دیا گیا، حضرت سعید نے ستر برس سے زیادہ عمر پائی، 51ھ بمقام عقیق وصال ہوا، جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

حدیث عشرہ مبشرہ

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

قَالَ اَبُوْبَکْرٍ فِی الْجَنَّةِ وَعُمَرُ فِی الْجَنَّةِ وَعُثْمَانُ فِی الْجَنَّةِ وَعَلِیٌّ فِی الْجَنَّةِ وَطَلْحَةُ فِی الْجَنَّةِ وَالزُّبَیْرُ فِی الْجَنَّةِ وَعَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ فِی الْجَنَّةِ وَسَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ فِی الْجَنَّةِ وَسَعِیْدُ بْنُ زَیْدٍ فِی الْجَنَّةِ وَاَبُوْعُبَیْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فِی الْجَنَّةِ

''مخبر صادق ﷺ نے فرمایا، ابوبکر جنتی ہیں اور عمر جنتی ہیں اور عثمان جنتی ہیں اور علی جنتی ہیں اور طلحہ جنتی ہیں اور زبیر جنتی ہیں اور عبدالرحمٰن بن عوف جنتی ہیں اور سعد بن ابی وقاص جنتی ہیں اور سعید بن زید جنتی ہیں اور عبیدہ بن الجراح جنتی ہیں''۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد مبارک ان دس خوش نصیبوں کے لئے جنتی ہونے کا مژدہ ہے جن کے اسماء گرامی یہاں مذکور ہیں یہ دس حضرات ہیں اور یہی حدیث ان حضرات کے عشرہ مبشرہ ہونے کے لئے نص ہے، کہ مخبر صادق ﷺ کا ہر ارشاد وحی الٰہی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم ناطق ہے وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ وہ اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں فرماتے ان کا ہر فرمان وحیِ الٰہی ہوتا ہے۔

پس ان مقدس ناموں کو اسی ترتیب سے یاد کر لینا چاہیے کہ جنتیوں کے نام بڑی برکت والے ہوتے ہیں، کیا عجیب کہ اللہ تعالیٰ ان ہی کی برکت سے ہمیں بھی جنتی بنادے، بہتر ہوگا کہ سونے سے پہلے ان اسماء مبارکہ کو پڑھ کر دعا کی جائے۔

اَللّٰهُمَّ اَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ بِحُرْمَةِ هٰذِهِ الْاَسْمَاءِ الْمُبَارَكَةِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا — اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

سیرت طیبہ اور انسداد دہشت گردی

معلم کتاب وحکمت نبی آخر الزمان ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ اگر انسداد دہشت گردی کے حوالے سے کیا جائے، تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ آپ نے اپنی تعلیم وتربیت اور عمل کے ذریعہ، نہ صرف دہشت گردی سے باز رہنے کا پیغام دیا بلکہ ہر شخص کو اللہ کی زمین سے ظلم واستبداد، جبر واکراہ اور دہشت گردی کے خاتمہ کا ذمہ دار قرار دیا ہے، آپ نے اللہ کے بندوں کو اللہ کا پیغام پہنچاتے ہوئے فرمایا:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (بقرہ)

"اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے کھاؤ اور پیو اور زمین میں فساد برپا کرتے نہ پھیرو"۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

"بلاشبہ ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہے کہ انہیں قتل کیا جائے یا سولی دی جائے یا ان کے ہاتھ اور پیر مختلف طرفوں سے کاٹ دیئے جائیں یا وہ جلاوطن کر دیئے جائیں، یہ تو دنیا میں ان کی ذلت وخواری ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا ہی عذاب ہے"۔ (المائدہ)

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ (اعراف)

"پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور زمین میں فساد برپا کرتے نہ پھرو"۔

وَابْتَغِ فِيْمَآ اٰتٰىكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَاَحْسِنْ كَمَآ اَحْسَنَ اللّٰهُ اِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْاَرْضِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ۝ (قصص)

''اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے اپنی آخرت بناؤ اور دنیا سے اپنے حصہ کو فراموش نہ کرو اور (غریبوں، کمزوروں پر) احسان کیا کرو جیسے اللہ نے تم پر احسان کیا ہے اور ملک میں فتنہ و فساد برپا کرنے کی خواہش نہ کیا کرو بے شک اللہ فساد برپا کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام نے فرمایا: ''اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا'' اپنے بھائی کی مدد کرو، چاہے ظالم ہو یا مظلوم ہو کسی نے عرض کی، یارسول اللہ! ''اَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا فَكَيْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِمًا'' میں مظلوم کی مدد تو کرتا ہوں لیکن ظالم کی مدد کیسے کروں، پس آپ نے فرمایا: ''تَمْنَعُهٗ مِنْ ظُلْمٍ فَذَالِكَ نَصْرُكَ اِيَّاهُ'' ظالم کو ظلم سے روکو، یہی ظالم کی مدد کرنا ہے (بخاری) (چاہے نہتا کر کے روکا جائے یا جنگ کر کے)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ آقائے رحمت ﷺ کا ارشاد ہے ''اَلرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَآءِ'' رحمٰن، رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے، پس تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيُحْسِنْ اِلٰى جَارِهٖ'' جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے پڑوسی کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا چاہیے (جو پڑوسی کے ساتھ اچھے برتاؤ کا عادی ہو جائے وہ سب کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے گا)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: ''مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا فَمَا فَوْقَهَا بِغَيْرِ حَقِّهَا سَأَلَهُ اللّٰهُ عَنْ قَتْلِهٖ'' جس نے ایک چڑیا یا اس سے بڑے پرندے کو بلا ضرورت مارا ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے متعلق سوال فرمائے گا، آپ سے سوال کیا گیا، کہ پرندوں کا حق کیا ہے، آپ نے فرمایا ''اَنْ يَذْبَحَهَا فَيَاْكُلَهَا وَلَا يَقْطَعَ رَاْسَهَا فَيَرْمِيَ بِهَا'' کہ پرندوں کا حق یہ ہے کہ انہیں ذبح کر کے کھا لیا جائے اور ان کا سر کاٹ کر نہ پھینکا جائے (کتنے ظالم و دہشت گرد ہیں وہ لوگ جو انسانوں کو ناحق قتل کرتے اور ان کا سر کاٹ کر پھینک دیتے ہیں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتایا کہ معلم کامل ﷺ نے "نَهٰى عَنِ التَّحْرِيْشِ بَيْنَ الْبَهَائِمِ" جانوروں کو لڑانے سے منع فرمایا (پس ایسے معلم کامل ﷺ کس طرح انسانوں کو لڑنے کی تعلیم دے سکتے ہیں)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی کی روایت ہے کہ آقائے رحمت ﷺ نے چار جانوروں کو مارنے کی ممانعت فرمائی "اَلنَّمْلَةَ وَالنَّحْلَةَ وَالْهُدْهُدَ وَالصُّرَدَ" چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور ممولہ (کہ یہ کمزور و بے ضرر جانور ہوتے ہیں پس جو کمزور و بے ضرر جانوروں کے مارنے کی ممانعت فرمائے، اس سے کس طرح توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ کمزور و بے ضرر انسانوں کو قتل کی ترغیب دے)۔

قابل غور

آیات مقدسہ اور احادیث مبارکہ کا آپ نے مطالعہ کیا، یہ ان میں سے چند ہیں جو اس عنوان پر قرآن کریم اور کتب احادیث میں محفوظ ہیں، ان پر غور فرمایئے اور سوچئے کہ کیا ماضی یا حال میں کوئی ایسا قائد نظر آتا ہے جس نے اس تاکید کے ساتھ انسداد دہشت گردی کی تعلیم دی ہو، آپ کا جواب نفی میں ہی ہوگا کہ ایسی تعلیم وہ لیڈر دے ہی نہیں سکتے جو ستی شہرت، عزت اور دولت کے بھوکے ہوں، جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انہی لوگوں نے اپنے اغراض اور خواہشات کے حصول کے لئے دہشت گردوں کی تنظیمیں قائم کیں، انہی نے دنیا کو دہشت گردی سے متعارف کرایا، یہی لوگ ہیں جو دنیا میں فساد برپا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

جب کہ آفاقی پیغام پہنچانے والے، معلم کامل ﷺ ذاتی اغراض و خواہشات سے مبرا ہیں وہ صرف اور صرف انسانیت کے ہمدرد ہیں "عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ" لوگوں کی پریشانیاں ان کے لئے پریشانی کا سبب ہوتی ہیں "حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ" وہ صرف انسانوں کی بھلائی کے خواہاں ہیں "بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ" بالخصوص امت مسلمہ کے لئے نہایت ہی ہمدرد اور مہربان ہیں، رحمٰن و رحیم اللہ، فتنہ و فساد کو ہرگز پسند نہیں فرماتا، وہ ہرگز نہیں چاہتا کہ اس کا لگایا ہوا چمن کوئی اجاڑے، وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندوں کو ظلم و ستم سے کوئی اپنا غلام بنائے، وہ نہیں چاہتا کہ انتہا پسند اور دہشت گرد اس کی زمین کو اس کے بندوں کے لئے جہنم بنادیں، اس نے اس دنیا کو حقیقی جنت کا نمونہ بنایا ہے، پس وہ پسند فرماتا ہے کہ یہاں کے باسی حتیٰ کہ جانور بھی پرسکون زندگی بسر کریں، پس اس نے اپنے مخصوص

بندوں کو منصب نبوت و رسالت عطا فرما کر مبعوث فرمایا، تا کہ وہ اپنی امتوں کو انسانی اقدار سے روشناس کرائیں، دہشت گردی اور انتہا پسندی کی دلدل سے نکال کر، باعزت و باوقار قوم بنائیں امن و امان کی زندگی بسر کرنے کا ڈھنگ سکھائیں، لہٰذا جملہ انبیاء و مرسلین نے صلح و آشتی کا پیغام دیا مظلوموں کی مدد کی اور ظالموں کو نیست و نابود کیا۔

بلاشبہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں ان کی تعلیمات دائمی ہیں، ان کے عطا کردہ اصول زندگی ہر ملک ہر قوم اور ہر دور کے لئے ہیں، رب العالمین نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا، پس ان کی تعلیم و تربیت، مخلوق کے لئے ذریعہ رحمت ہے، ان کا پیغام، پیغام رحمت ہے، پیغام امن و امان ہے، ان کے احکام کی تعمیل سکون و طمانینت کی ضمانت ہے، ذریعۂ عزت و عظمت ہے لہٰذا ممکن ہی نہیں کہ ان کے تعلیم و تربیت یافتہ ان کے اطاعت شعار غلام، انتہا پسند ہوں دہشت گرد ہوں۔

آیئے اس حقیقت کے ثبوت کے لئے سیرت طیبہ کا اختصار کے ساتھ مطالعہ کریں اور پوری دنیا کو پیغام امن دیں، اپنے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عطا کردہ تعلیم و تربیت کی روشنی میں انسداد دہشت گردی کی ذمہ داری پوری کرنے کا عزم کریں۔

حیات طیبہ کا مکی دور

اعلان نبوت سے ہجرت تک تیرہ سالہ دور اسلامی تحریک کا ابتدائی دور ہے، جس کے مطالعہ سے اندازہ کیا جا سکتا ہے، کہ پیغام امن دینے والے آقا اور آپ کے غلاموں نے اس دور میں ہر روز اور ہر شب اہل مکہ کے مظالم اور ان کی دہشت گردی کو نہایت صبر و تحمل اور استقلال و استقامت سے برداشت کیا، جس سے یہ درس ملتا ہے کہ تعداد کی کمی اور بظاہر کمزوری کی حالت میں قوت برداشت سے کام لینا چاہیے کہ قوت برداشت بھی تحریک کی کامیابی کا ایک مؤثر ذریعہ ہے، ذرا اندازہ کیجئے کہ اس قوت برداشت سے آپ نے کیسی بھیانک دہشت گردی کا مقابلہ کیا، لیکن کیا مجال کہ کسی نے بھی دہشت گردی کا جواب دہشت گردی سے دیا ہو، گالیوں کا جواب، گالیوں سے یا پتھروں کا جواب پتھروں سے دیا گیا ہو۔

پیغمبر امن و رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان نبوت کے بعد ایک عرصہ دار ارقم میں بند ہو کر گزارا، اس دوران گنتی کے چند صحابہ تھے جنہیں آپ امن و امان کی زندگی کے دن بسر کرنے کی ہدایت کرتے

رہے، اور امید دلاتے رہے کہ ہماری کامیابی کا ایک دن جلد آنے والا ہے اور وہ دن آ کر ہی رہا۔

عمر جو ایام کفر میں بہت سخت اور معروف دہشت گرد تھے حتیٰ کہ وہ ندوہ سے آقا رحمت کے قتل کا عزم کیے ہاتھ میں ننگی تلوار لئے نکلے تھے، انہوں نے دہشت گردی کا آخری مظاہرہ اپنی بہن اور بہنوئی کو زدوکوب کر کے کیا لیکن جب ان کا مقدر چمکا اور پیغمبر امن ﷺ کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہوئی، تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مکہ کا یہ معروف دہشت گرد، ظالموں اور دہشت گردوں کا دشمن بن گیا، وہ ساری زندگی اپنے آقا ﷺ کی اعلیٰ قیادت میں امن وامان کے قیام کے لئے سعی کرتے رہے، ان کا طویل دور خلافت شاہد ہے کہ ان کے زمانہ میں دہشت گردی کا کوئی واقعہ رونما ہونا تو درکنار کوئی بچہ تک بھوکا نہ سو پاتا تھا، وہ اللہ کی اس زمین کے بڑے خطہ کے کامیاب ترین مثالی حاکم تھے، کیا مجال کہ ان کے دور حکومت میں مملکت اسلامیہ پر کسی دہشت گرد سپر پاور نے بری نظر ڈالی ہو، کسی صوبہ سے بغاوت کی خبر ملی ہو، ہر طرف سکون تھا، اطمینان تھا اور اللہ کے بندے، مسلم وغیر مسلم سب ہی پر امن بے خوف وخطر زندگی بسر کر رہے تھے۔

وہ رسول معظم ﷺ جو اللہ کے گھر کو ہمیشہ کے لئے بتوں اور مشرکوں سے پاک وصاف کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، اہل مکہ کی دہشت گردی کے باعث کعبۃ اللہ کے سامنے اپنے رب کو ایک سجدہ تک نہ کر پاتے تھے اور جب سجدہ ریز ہوئے تو ان ظالموں نے میرے آقا ﷺ کے مقدس سر پر اونٹ کی اوجھڑی لا کر ڈال دی، لیکن ابھی وقت نہ تھا کہ اس ستم ظریفی کا جواب دیا جاتا پس آپ نے صبر سے کام لیا، قوت برداشت سے کام لیا۔

آقا کے محبوب غلام حضرت ابو بکر پر ظالموں نے اللہ کے گھر میں حملہ کیا، ان کے چہرۂ مبارک پر جوتے مارے اتنا زدوکوب کیا کہ وہ بے ہوش ہو گئے، ساتھی دیکھتے رہے لیکن انہوں نے انتقام کا خیال تک نہ کیا، محض اس لئے کہ اس وقت دہشت گردی کا جواب صرف دہشت گردی سے ہی دیا جا سکتا تھا، جو کسی حال میں بھی مناسب نہ تھا کہ اس طریقۂ کار سے دہشت گردی میں اضافہ تو ہو سکتا تھا اس کا خاتمہ ممکن نہ تھا۔

سب سے زیادہ دشوار گزار مرحلہ وہ تھا جب ظالموں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خاندان کا مکمل بائیکاٹ کیا، جس کا دورانیہ تین سال کا طویل عرصہ تھا، اس دوران نبی رحمت ﷺ اور آپ کے ہمراہیوں کو چمڑے کے ٹکڑوں پر گزارہ کرنا پڑا، بچوں کی بھوک پیاس سے بلکنے کی آوازیں یہ

دہشت گرد سنتے تھے لیکن ان پر ذرا بھی اثر نہ ہوتا تھا، کہ دہشت گردوں کے دل پتھر سے زیادہ سخت ہو جاتے ہیں، میرے آقا ﷺ نے اس مشکل ترین دور کو بھی بے مثال صبر کے ساتھ گزارا۔

حضرت بلال، خباب، عمار بن یاسر، ابوفکیہ، عامر بن فہیرہ، بی بی لبینہ، بی بی زنیرہ، بی بی نہدیہ، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم پر ظلم وستم کی داستانیں بھی دل ہلادینے کے لئے کچھ کم نہیں، کسی کی گردن میں رسی باندھ کر تپتی زمین پر مکہ کے گلی کوچوں میں گھسیٹا جاتا تھا، تو کسی پر لاٹھیاں برسائی جاتی تھیں، کسی کو اتنا مارا جاتا کہ بیہوشی طاری ہو جاتی تھی، تو کسی کو فاقوں کا عذاب جھیلنا پڑتا، عمار بن یاسر کی والدہ حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا، ان کے والد، حضرت یاسر انہی دہشت گردوں کے ہاتھوں شہید ہوئے، حضرت بی بی زنیرہ کو نابینا کر دیا گیا، ان ظالموں نے اپنے محسن ابوبکر اور عثمان رضی اللہ عنہما کو بھی نہ چھوڑا، مکہ کے رئیس اعظم حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی ان کے مظالم سے نہ بچ سکے، نہایت معزز اور بارعب شخصیت حضرت زبیر بن العوام کو چٹائی میں لپیٹا اور ان کی ناک میں دھواں دیا جاتا تھا۔

متواتر پانچ سال ان مظالم کو برداشت کرنے کے بعد بالآخر اللہ کے یہ بندے، اللہ کے محبوب ﷺ کی اجازت سے اللہ کے گھر کو چھوڑ کر حبشہ کا رخ کرتے ہیں اور شاہ حبشہ کی سیاسی پناہ لیتے ہیں، پھر بھی ان کا تعاقب ہوتا ہے اور دہشت گرد انہیں دوبارہ مکہ واپس لا کر انہیں انسانیت سوز مظالم میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

آقائے رحمت ﷺ امن پسند معاونین کی تلاش میں طائف کا رخ فرماتے ہیں تو وہاں کے لوگ مکہ والوں سے بھی زیادہ دہشت گرد ثابت ہوئے کہ ان ظالموں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی دعوت کو نہ سنا، بلکہ اپنے معزز مہمان پر پتھر برسائے، لہولہان کر دیا کھانے پینے تک کو نہ پوچھا، لیکن غور کیجئے، پیغمبر امن ﷺ کے برتاؤ پر کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام مخدوم کائنات ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوتے ہیں، یا نبی اللہ! پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے، اگر اجازت ہو تو اہل طائف کو ان دونوں پہاڑوں کے درمیان ہی کچل دیا جائے، لیکن آقائے رحمت ﷺ فرماتے ''نہیں، نہیں میں اپنے دشمنوں کو نیست ونابود کرنا نہیں چاہتا کیونکہ مجھے یقین ہے کہ آج یہ میری بات تسلیم نہیں کر رہے، تو اللہ تعالیٰ ضرور ان کی نسلوں سے ایسے بندے پیدا فرمائے گا جو صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کریں گے''۔

آقائے رحمت ﷺ کی سیرت مبارکہ کے مکی دور کا مختصر خاکہ آپ نے ملاحظہ فرمایا، جس سے

بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ مکہ مکرمہ میں اللہ کے رسول ﷺ اور آپ کے غلاموں کے ایام زندگی اہل مکہ کے مظالم سہتے گزرے، مسلمانوں کے لئے ان کی دہشت گردی کا مقابلہ تو درکنار، مدافعت اور اپنی حفاظت بھی ممکن نہ تھی، نیز ان حالات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اہل مکہ کس قدر دہشت گرد تھے، دہشت گردی کا اصل سبب تو کفر وشرک اور جہالت ہی ہے اس لئے مکہ والوں کا یہ ظالمانہ رویہ صرف مسلمانوں ہی کے ساتھ نہ تھا بلکہ وہ تو آپس میں بھی اس کے عادی ہو گئے تھے، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے سے بڑی دہشت گردی اور کیا ہو سکتی ہے، جب کہ عورتوں پر ظلم ان کی حق تلفی، ماؤں کو بیوی بنا لینا، یتیموں اور کمزوروں کا مال ہڑپ جانا، جوا کھیلنا، شراب پینا، مدتوں انتقامی جنگوں میں مبتلا رہنا، ان کے معاشرے کا حصہ تھا، وہ دولت کے نشہ میں مست ہو کر غریبوں کی زندگیوں سے کھیلنے کے عادی تھے، قبائلی اور لسانی تعصب ان کے لئے قابل فخر تھا، حتیٰ کہ وہ عرب کے علاوہ تمام دنیا کے باسیوں کو عجمی، گونگا اور اجنبی کہتے ہیں، یہ عصبیت ہی ان کی شاعری اور خطابت کا مرکزی کردار تھی، جس پر انہیں ناز تھا اور جس پر اظہار خیال کے لئے میلوں میں محفلیں منعقد ہوا کرتی تھیں آج بھی اگر غور کیا جائے تو دہشت گردی کے مجرم وہی لوگ یا وہی جماعتیں ہیں جو اہل عرب جیسے عیوب میں مبتلا ہیں، آج بھی دولت کی ہوس اور ملک گیری کی خواہش ہی نے قوموں کو دہشت گرد بنا رکھا ہے، آج سپر پاور اقوام پوری دنیا کو اپنے قبضہ میں لینے کے لئے کمزور قوموں پر ظلم کرتی اور انہیں اپنی دہشت گردی کا نشانہ بناتی ہیں۔

حیات طیبہ کا مدنی دور

آقائے رحمت ﷺ کی حیات طیبہ کا مدنی دور، گیارہ سالوں پر محیط ہے، یہ اسلامی تحریک کے عروج کا دور ہے، نور اسلام کے پھیلنے کا دور ہے، شمع اسلام کے ہمیشہ کے لئے روشن ہونے کا دور ہے، دنیا کو امن وامان سے متعارف کرانے کا دور ہے، دہشت گردوں اور دہشت گردی کے خاتمہ کا دور ہے، عدل و انصاف کے نفاذ کا دور ہے، حقوق العباد کی ادائیگی کا دور ہے، کمزوروں، غریبوں، لاچاروں اور بے کسوں، بے بسوں کی چارہ جوئی کا دور ہے، تہذیب وتمدن اور انسانی اقدار کے اجاگر ہونے کا دور ہے، غربت وجہالت کے خلاف جہاد کا دور ہے، اخوت بھائی چارہ اور محبت والفت کا دور ہے، غزوات وسرایا کا دور ہے، دہشت گردی کے جملہ اسباب کو ختم کرنے کا دور ہے، رحم وکرم کی برکھا

برسنے کا دور ہے۔

ظاہر ہے کہ اسلامی ریاست کے قیام کے بعد مسلمان دن بدن طاقتور ہو رہے تھے، لہٰذا فطری طور پر کافر، ظالم اور دہشت گرد، اسلام اور مسلمانوں کو اپنے لئے بڑا خطرہ سمجھنے لگے تھے، اسی لئے وہ اسلام کے خلاف سخت سے سخت اقدام کرنے پر مجبور تھے، بدترین سازشوں میں مصروف رہتے تھے، انہیں مسلمانوں کا پرسکون زندگی بسر کرنا اور مدینہ کا امن وامان کسی طرح گوارا نہ تھا، وہ حضور علیہ الصلوٰۃ السلام اور مسلمانوں کی محنت ومشقت کو ملیامیٹ کر دینے کے خواب دیکھتے رہتے تھے، اسی لئے مدینہ منورہ کے گردان کی دہشت گردی کا سلسلہ دن بدن بڑھتا چلا جارہا تھا، کبھی تو وہ مدینہ کے قرب وجوار میں واقع مسلمانوں کی چراگاہوں میں لوٹ مار کرتے، ان کے جانوروں کو ہانک کر اپنے ساتھ لے جاتے، تو کبھی چرواہوں کو شہید کر دیتے تھے، ان کے تعاقب کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کو لشکر اسلام کی ٹولیاں روانہ کرنا پڑتی تھیں، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا کہ مسلمانوں کی کسی جماعت نے کافروں کے علاقہ میں داخل ہو کر دراندازی کی ہو، دہشت گردی پھیلائی ہو کہ جس قوم کو پرامن زندگی بسر کرنے اور دوسرے کو امن وامان سے زندگی گزارنے کی تعلیم وتربیت ملی ہو ان سے کسی دور میں بھی بدامنی اور دہشت گردی پھیلانے کی توقع نہیں کی جاسکتی، وہ تو اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر دوسرے کے حقوق ادا کرنے کے عادی تھے تو وہ کس طرح کسی کی حق تلفی کر سکتے تھے۔

چند سرایا کے بعد دو ہجری میں پہلی مرتبہ باقاعدہ حق وباطل کا معرکہ مقام بدر پر ہوا، اگر مسلمان جنگجو اور دہشت گرد ہوتے تو یہ معرکہ مکہ کے قریب کسی مقام پر رونما پذیر ہوتا لیکن مسلمانوں نے تو جہاد کا حکم مل جانے کے باوجود، ہمیشہ صرف اپنا دفاع کیا یا وہ مظلوموں کو ظالموں کے ظلم سے نجات دلانے اور دنیا میں امن وامان قائم کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نکلے۔

مقام بدر پر، غزوۂ بدر کا وقوع پذیر ہونا اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ اہل مکہ نے مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، مسلمان تو صرف ان کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے مدینہ سے باہر، مقام بدر پر پہنچے تھے، جب کہ وہ تعداد میں کم، اسلحہ، سواری اور سامان خورد ونوش کے اعتبار سے کمزور تھے، ایسے کمزور کہ دنیا نے اس معرکہ سے پہلے اور اس کے بعد کسی کمزور ترین قوم کا مقابلہ، کثرت وقوت پر ناز کرنے والی قوم سے نہ دیکھا، پھر اس کمزور قوم کی شاندار فتح وکامرانی نے ظاہری ومادی وسائل کو ذریعۂ کامرانی سمجھنے والوں کو مزید حیرت زدہ کر رکھا ہے، کیونکہ دہشت گردی کی بنیاد ہی باطل ہے، اس کے

اسباب نہایت کمزور ہیں لہٰذا دہشت گردوں کی کثرت تعداد، کثرت وسائل اور قوت وطاقت انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچا پاتی بشرطیکہ دہشت گردی کا خاتمہ کرنے والے، پرعزم ہوں، پرخلوص ہوں، ان میں جذبۂ جہاد پایا جاتا ہو، شہادت ان کی منزل ہو، ایمان ان کا سرمایہ ہو، تو دہشت گردی نہیں بلکہ ہر سپر قوت ان کے سامنے ہیچ ہے، کہ اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوتی ہے اور کامیابی وکامرانی ان کی قدم بوس ہوتی ہے، جس کا ثبوت غزوۂ بدر ہے۔

اب ذرا غزوہ احد پر نظر ڈالیے، اس موقع پر بھی اہل مکہ ہی حملہ آور ہوئے ہیں، یہاں کفار نے جو دہشت گردی پھیلائی اس کی نظیر نہیں ملتی، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت کی افواہ پھیلا کر مسلمانوں کا قتل عام کیا، میرے آقا ﷺ پر خوب تیر برسائے، دندان مبارک شہید کیا، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا، ان کے جسم اطہر کی بے حرمتی کی، ناک، کان، کاٹے، کلیجہ نکالا، حضرت عبداللہ بن جحش، مصعب بن عمیر کے بازو کاٹ کر انہیں شہید کیا گیا۔

آقائے رحمت ﷺ پر تیروں کی بارش ہو رہی ہے، جانثار آپ کی حفاظت کے لئے کوشاں ہیں، آقا خود تیر اٹھا اٹھا کر غلاموں کو دے رہے ہیں اور ساتھ ہی دعا، بددعا نہیں بلکہ دعا کرتے جارہے ہیں "رَبِّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ" اے اللہ! میری قوم کو بخش دے کہ وہ مجھے پہچانتے نہیں۔

غور فرمایئے، ان کے لئے جو کافر ہیں، ظالم ہیں، دہشت گرد ہیں، تیر برسا رہے ہیں خون کے پیاسے ہیں، پیغمبر امن مستجاب الدعوات ﷺ دعا فرما رہے ہیں صبر وتحمل اور قوت برداشت کا یہ نمونہ تاریخ انسانیت پیش کرنے سے قاصر ہے، حالانکہ دنیا جانتی ہے، اہل مذہب مانتے ہیں، کہ نبی، مستجاب الدعوات ہوتا ہے، جب کہ سید الانبیاء والمرسلین کی قبولیت دعا کے واقعات عام ہیں، پس اگر اس مصیبت کے موقع پر تیروں کی بوچھاڑ کے دوران آپ بددعا فرما دیتے، تو ان ظالموں کے ظلم سے نجات اور ان کی تباہی وبربادی یقینی تھی، لیکن دعا فرمائی تاکہ مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام لگانے والے جان لیں کہ مسلمان دعاؤں کے ذریعہ دہشت گردی سے نجات نہیں چاہتا بلکہ مظالم کو برداشت کرکے جان کی بازی لگا کر دنیا والوں کو دہشت گردوں سے نجات دلانا چاہتا ہے۔

قارئین جانتے ہیں کہ "ہند" وہ خبیثہ تھی جس نے حضرت حمزہ کو قتل کرایا، ان کا خود مثلہ کیا، ناک، کان، کاٹے، دوسرے شہداء کو بھی مثلہ کیا، ان کے ناک، کانوں کا ہار بنا کر پہنا اور ناچی، آقا ﷺ کے چہیتے چچا کا کلیجہ نکال کر چبایا، لیکن یہی ظالمہ جب فتح مکہ کے بعد آقائے رحمت ﷺ کے دربار

میں حاضر ہوتی ہے، دامن رحمت میں پناہ لینے کی درخواست پیش کرتی ہے تو اس کا نام پوچھ کر بھی اسے اپنی رحمت سے سیراب فرماتے ہیں پیش کرے کوئی عفو و درگزر کی ایسی مثال۔

معلم حکمت ﷺ نے، ہند ظالمہ خبیثہ کو معاف فرما کر یہ تعلیم دی کہ دہشت گردوں سے نجات ان پر بمباری کر کے، ان کی آبادیوں کو تہس نہس کر کے حاصل نہیں کی جاسکتی، کہ یہ تو بذات خود دہشت گردی ہے، اس سے تو دہشت گردی میں اضافہ ہوتا ہے (جیسا کہ ہمارے دور میں ہو رہا ہے) دہشت گردوں سے نجات کا کامیاب ترین ذریعہ، عفو و درگزر، ان سے مذاکرات کے ذریعہ ان کے مطالبات معلوم کرنا اور حتی الامکان ان کی ضروریات پوری کرنا ہے، اور انہی طریقوں سے معلم باتدبیر ﷺ نے عرب جیسے دہشت گردوں کو معلم امن و امان بنا دیا، وہ نہ صرف خود باعزت و باوقار اور پرسکون زندگی بسر کرنے لگے، بلکہ انہوں نے دوسروں کو بھی عزت دی اور اطمینان بخش زندگی بسر کرنے کا موقع فراہم کیا۔

مزید ملاحظہ فرمایئے، جب آقائے رحمت ﷺ نے اپنے مقتول چچا کی زیارت کی، انہیں مثلہ کی ہوئی حالت میں دیکھا تو فرط غم سے چشم ہائے مبارک پرنم ہوگئیں، زبان اقدس سے وہ جملہ نکل گیا، جو آپ کی رحمت کے شایان شان نہ تھا "جب اللہ تعالیٰ مشرکین پر مجھے غلبہ دے گا تو میں ان کے ستر مقتولین کو اس سے بھی برتر مثلہ کروں گا" رب رحیم و کریم کو رحم و کرم والے محبوب ﷺ کی مقدس زبان سے نکلا ہوا یہ کلمہ پسند نہ آیا، پس ارشاد ہوا:

وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۝۱۲۶ (النحل)

"اور اگر تم انہیں سزا دینا چاہو تو اتنی ہی سزا دو جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے اور اگر تم صبر کرو، تو صبر ہی صابرین کے لئے خیر و افضل ہے"۔

پس آقائے صبر و تحمل ﷺ نے صبر کو ترجیح دی اور ہمیشہ کے لئے غلاموں کو کسی کا مثلہ کرنے کی ممانعت فرما دی۔

ذرا غور فرمایئے ان مظلوموں کی حالت پر جو ظالموں کی دہشت گردی کا شکار ہوئے لیکن ان سے کسی لمحہ دامن صبر نہ چھوٹا۔

جب ایک صابرہ، حضرت حمنہ کو آقا ﷺ نے بتایا کہ ان کے ماموں، حضرت حمزہ، بھائی حضرت عبداللہ بن جحش، شوہر حضرت مصعب بن عمیر شہید ہو گئے، تو حمنہ نے نہایت تحمل کے ساتھ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ پڑھا اور خاموش ہو گئیں،

ایک صابرہ کو خبر دی جاتی ہے کہ اس کے بھائی، شوہر اور باپ تینوں شہید ہو گئے، تو وہ نہایت اطمینان و سکون سے پوچھتی ہے بھائیو! مجھے صرف یہ بتاؤ، کہ جان عالم ﷺ کا کیا حال ہے، اشارہ کرتے ہوئے بتایا گیا، دیکھو، ہمارے آقا ﷺ بعافیت سامنے رونق افروز ہیں، جونہی مومنہ صادقہ کی نظر آقا کے نورانی چہرے پر پڑی، وہ جھومتے ہوئے بولی "کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ" میرے آقا! آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ اور معمولی ہے۔

دیگر سرایا اور غزوات

حادثہ رجیع دس صحابہ کرام پر دہشت گردوں کے دھوکہ دہی اور مظالم کی دردناک داستان ہے، واقعۂ بیر معونہ، مسلمانوں پر ظلم و ستم کی کہانی ہے، غزوۂ بنو نضیر، جو یہودیوں کی بدعہدی کے سبب وقوع پذیر ہوا، اس موقع پر یہودیوں نے آقائے رحمت ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی لیکن آپ نے ان دہشت گردوں کو تہس نہس کر دینے کی بجائے انہیں اپنے اہل و عیال اور ساز و سامان کے ساتھ مدینہ سے نکل جانے کی اجازت مرحمت فرمائی، غزوۂ احزاب میں اہل مکہ اور ان کے اتحادیوں نے اتنا بڑا لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کی، کہ اہل عرب کی آنکھوں نے کبھی اتنا بڑا لشکر دیکھا تک نہ تھا، اس نازک مرحلہ پر بنو قریظہ کی غداری اور دھوکہ دہی کتب سیر میں محفوظ ہے، اسی موقع پر امام الاتقیاء ﷺ کی نماز عصر جو افضل ترین نماز ہے قضا ہوئی جس کا آپ کو بے حد افسوس رہا۔

اس موقع پر یہ بھی قابل ذکر ہے کہ کافر اس خندق کو عبور کرنے کے لئے بے تاب تھے جس میں آگ بھڑک رہی تھی، انہوں نے بارہا کوشش کی لیکن ناکام رہے، کئی دن اسی طرح گزر گئے کہ نہ تو دشمن پیچھے ہٹتا تھا اور نہ ہی لشکر اسلام کہ مسلمانوں کے لئے تو دشمن کو پیٹھ دکھانا حرام ہے، مسلمان یا تو فاتح بن کر میدان جنگ چھوڑتا ہے، اور یا شہید ہو کر حیات جاودانی کا حق دار ہوتا ہے، پس ایک دن مستجاب الدعوات ﷺ نے دعا کی، یا اللہ! کرم فرما، تیرے بندے فیصلہ کے منتظر ہیں اور ہر فیصلہ پر راضی ہیں، رب نے کرم فرمایا ایک آندھی چلی جس نے آناً فاناً کافروں کو تتر بتر کر ڈالا، ان کے چولہے

ٹھنڈے ہو گئے، ہنڈیاں الٹ گئیں، اونٹ رسیاں تڑا کر بھاگ گئے اور خیمے ہوا میں اڑتے نظر آنے لگے پس انہوں نے اپنا بچا کھچا سامان لیا اور مکہ کی طرف دوڑے۔

دوستو! جب خلوص ہوتا ہے تو اللہ کی رحمت برستی ہے، دہشت گرد تہس نہس ہوتے ہیں اللہ اپنے مخلص بندوں کی مدد فرماتا ہے، اپنی قوت کا مظاہرہ فرماتا ہے کہ حقیقی سپر پاور وہی ہے کوئی سپر پاور اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

اے اللہ! ہماری بھی مدد فرما جس طرح تو نے اپنے نیک بندوں کی مدد فرمائی اور ہمیں دہشت گردوں اور ان سے جو سپر پاور ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں، نجات عطا فرما، کہ تو ہی خیر الناصرین ہے۔

''حدیبیہ'' کے حالات پر نظر ڈالیے، سید الانبیاء ﷺ صرف عمرے کی ادائیگی کے لئے صحابہ کرام کے ہمراہ مدینہ منورہ سے روانہ ہوتے ہیں، سب حالت احرام میں ہیں، قربانی کے جانور ساتھ ہیں جن کی گردنوں میں قلادے پڑے ہوئے ہیں، تا کہ دور سے پہچانا جا سکے کہ یہ کوئی جنگجو قافلہ نہیں یہ لوگ کہیں دہشت گردی پھیلانے نہیں جا رہے ہیں، اللہ کے گھر کے مسافر ہیں کعبہ کا طواف کرنے جا رہے ہیں، لیکن جو خوفزدہ تھے، جن کی آنکھوں پر دہشت گردی کا پردہ پڑا ہوا تھا انہیں کچھ نہ سوجھا، ان کے لشکر نے اس امن پسند قافلہ پر حملہ کر دیا اس کا گھیراؤ کیا اور اسے مکہ سے باہر ہی، حدیبیہ میں اترنے اور ٹھہرنے پر مجبور کر دیا، چودہ سو جانثاروں کی ایک بڑی تعداد شریک قافلہ تھی، یہ کوئی معمولی تعداد نہ تھی، جب کہ غزوۂ بدر میں صرف تین سو تیرہ اور غزوۂ احد میں تقریباً آٹھ سو کی نفری تھی، جنہوں نے ایک انقلاب برپا کر دیا تھا، پس حدیبیہ میں ان حضرات کا تیغ پا ہونے اور دہشت گردوں کو تہس نہس کر دینے کا جذبہ بجا تھا، فطری تھا، اگرچہ ان کے ساتھ اسلحہ اور دیگر سامان جنگ نہ تھا، کہ یہ لوگ جنگ کے ارادے سے نکلے ہی نہ تھے، لیکن وہ ایمان کی قوت سے سرشار تھے، بے چین تھے کہ آقا ﷺ کا اشارہ ملے اور ہم مکہ پر حملہ کر کے ان ظالموں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیں، لیکن جنگ کا حکم نہ ملا، صبر و تحمل کی ہدایت کی گئی، لبیک کی صداؤں کو مزید بلند کرنے کا حکم دیا گیا، تا کہ ریگستان کا ذرہ ذرہ گواہ بن جائے کہ یہ قوم امن پسند ہے، اپنے ارادوں کی پابند ہے غلاموں نے اپنے جذبات کو قابو کیا اور حکم عدولی سے پوری طرح باز رہے۔

کئی دن تک کسی بہتر صورت حال کا انتظار رہا، اس دوران دہشت گرد اپنی کارروائیاں کرتے

رہے، کبھی سنگ باری کرتے، کبھی کسی مسافر کو پکڑ کر لے جاتے کبھی اونٹوں کو دوڑا کر خوف و ہراس پھیلانے کی کوشش کرتے، بمشکل مذاکرات کا آغاز کیا گیا اس کو بھی غیر ضروری طول دیا گیا معمولی معمولی باتوں پر طویل بحث اور تکرار کی جاتی رہی اور جب بمشکل تمام معاہدے کا وقت آیا تو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے الفاظ پر اعتراض کیا گیا، اس سے آگے بڑھے تو معاہدے میں محمد رسول اللہ کے جملہ پر اعتراض ہوا، جب امن پسند آقا ﷺ نے جاہلوں کی بات مانتے ہوئے، محمد رسول اللہ کی جگہ محمد بن عبداللہ لکھنے کا حکم دیا تو پھر مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہو گیا، ایک ہل چل مچ گئی، اس تبدیلی کو ماننے کے لئے کوئی تیار نہ تھا، لیکن آقا ﷺ کے ایک اشارے سے سناٹا طاری ہو گیا، سب خاموش ادھر ادھر جا بیٹھے، پھر ایک طوفان اٹھا جب لوگوں نے دیکھا کہ ان کا ایک بھائی مظلوم ابو جندل، ہتھکڑیوں اور بیڑیوں میں جکڑا ان کی طرف چلا آرہا ہے، صرف اپنے آقا سے رحمت کی بھیک مانگنے اور آپ کے دامن امن میں پناہ لینے کے لئے، آقا ﷺ نے مظلوم غلام کو گلے لگایا، اپنے پاس بٹھایا اور پناہ دینے کا اعلان فرمایا لیکن ظالموں نے احتجاج کیا معاہدہ منسوخ کر دینے کی دھمکی دی، بالآخر پیغمبر امن ﷺ نے ابو جندل کو سمجھایا، تسلی دی اور حکم دیا کہ تم واپس چلے جاؤ کہ ہم معاہدہ ختم کر کے پوری قوم کو دہشت گردی کا شکار بنانا نہیں چاہتے، اور جب ابو جندل کو گھسیٹتے ہوئے واپس لے جایا جا رہا تھا تو پورا قافلہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا، وہ اپنے مظلوم بھائی کو ظالموں کے شکنجے سے نجات دلانا چاہتے تھے لیکن آقا ﷺ کا فیصلہ تسلیم کرنا ان کے ایمان کی بقا کے لئے لازمی تھا، پس مجبور تھے، آنکھوں سے آنسو بہاتے پھر ادھر ادھر جا بیٹھے، اور صرف امن کی بقا کی خاطر، صرف دہشت گردی سے بچنے کی خاطر، اللہ کے گھر کے زائرین کو عمرہ کیے بغیر واپس ہونا پڑا۔

کاش کوئی ان واقعات کی تشہیر کرے اور دنیا کو بتائے کہ اہل اسلام پر دہشت گردی کا الزام غلط ہے، کہ مسلمانوں نے ہی امن و امان کی داغ بیل ڈالی، مسلمانوں نے ہی دنیا کو امن و امان سے روشناس کرایا، مسلمانوں نے ہی امن و امان کی بقا کے لئے جان کی بازی لگائی، مسلمانوں نے ہی امن و امان کے پودے کو خون سے سینچا، آج مسلمان ہی اس کی حفاظت کر رہے ہیں، جب کہ دولت و ملک گیری کی ہوس میں مبتلا اقوام امن و امان کو جڑ سے اکھاڑ پھینک دینا چاہتی ہیں، لیکن اللہ کے سپاہی دہشت گردوں کو ان کے ناپاک عزائم میں کسی بھی طرح کامیاب نہ ہونے دیں گے، چاہے انہیں کتنی ہی قربانیاں پیش کرنی پڑیں، کہ دہشت گردی کا خاتمہ انسانیت کی بڑی خدمت ہے، یہی وہ جہاد عظیم

ہے جو بڑی عبادت ہے۔

ثمامہ بن آثال نجد، کے ایک دولت مند لیکن دہشت گرد تھے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی گرفتاری کا حکم دیا، جب انہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حضور پیش کیا گیا تو آپ نے انہیں مسجد کے ایک ستون سے باندھنے کا فیصلہ صادر فرمایا، یہ بڑے ہٹ دھرم تھے تین دن تک بندھے رہے لیکن دعوت حق کو قبول نہ کیا، تین دن بعد ہدایت کا وقت آیا مشرف با سلام ہو گئے، کعبۃ اللہ شریف کی زیارت اور طواف کے لئے پہنچے کافروں نے طعنہ زنی کی، مدینہ واپس آئے تو اہل مکہ کا غلہ بند کر دیا، کہ یہی غلہ کے بڑے تاجر تھے اور اہل مکہ کو یہی غلہ فراہم کیا کرتے تھے، کفار مکہ کے ہوش اڑ گئے فاقوں کی نوبت آگئی، مجبوراً بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ثمامہ کو حکم دیں اور مکہ والوں کو فاقوں سے نجات نصیب ہو، آقائے رحمت ﷺ نے رحم فرمایا دہشت گردوں کی غنڈہ گردی کے متعلق باز پرس کیے بغیر آپ نے ثمامہ کو حسب معمول غلہ کی فراہمی کا حکم دیا۔

غور فرمایئے، اہل مکہ جیسے بدترین دشمنوں اور دہشت گردوں پر رحم و کرم کی ایسی بارش کی نظیر کہاں مل سکتی ہے، میرے آقا ﷺ کے اس عمل کی حکمت یہی ہو سکتی ہے کہ دہشت گردوں کو نوازکر ان پر احسان اور ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کر کے انہیں ظلم و ستم اور غنڈہ گردی سے روکا جا سکے۔

دہشت گردی کا ایک واقعہ اور ملاحظہ فرمایئے، قبیلہ بنو غطفان کے لوگ بے حد لٹیرے اور غنڈے تھے، لوٹ مار ان کا پیشہ تھا، مزید برآں یہ کہ ان ظالموں کو اپنے پیشہ پر فخر و ناز تھا، مدینہ کے قریب ایک چراگاہ میں صحابہ کرام کی اونٹنیاں چرا کرتی تھیں، ایک مرتبہ چند لٹیرے آئے اور اونٹنیاں ہانک کر لے گئے، چند صحابہ نے تعاقب کیا اونٹنیوں کو واپس لے لیا اور چند ڈاکوؤں کو پکڑ لیا یہ لوگ کئی دن سے پیاسے تھے، اللہ کے رسول ﷺ کو ان کے حال پر ترس آیا، آپ نے غلاموں سے فرمایا تمہاری اونٹنیاں تمہیں مل چکیں اب ان ڈاکوؤں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، انہیں پانی پلاؤ، کھانا کھلاؤ اور ان کی دیگر ضروریات پوری کرو کہ حسن سلوک عبادت ہے، اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا ذریعہ ہے۔

غزوۂ خیبر بھی یہودی دہشت گردوں کے خلاف ایک بڑا معرکہ تھا، مدینہ منورہ سے جن یہودیوں کو نکالا گیا تھا وہ خیبر جا کر آباد ہو گئے تھے، اہل مکہ سے ان کے قریبی روابط ہونے لگے، اور مسلمانوں کے خلاف وہ کافروں کی سازشوں میں برابر کے شریک اور ان کے مشیر بن گئے، یہودی چونکہ دولت مند تھے لہٰذا وہ مشرکین کی خاصی مالی مدد کرتے تھے، اس طرح اب اہل مکہ کو مالی طور پر خاصا اطمینان ہو

گیا تھا یہودیوں کے سردار حی بن اخطب اور ابورافع سلام نے ہی اہل مکہ کو مسلمانوں سے جنگ کرنے پر ابھارا تھا۔

یہودی دہشت گردوں نے مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچایا تھا، اگرچہ وہ اس لائق تھے کہ ان میں سے ایک ایک کی گردن اڑا دی جاتی، لیکن رحمت عالم ﷺ دہشت گردی کا خاتمہ دہشت گردی سے کرنا پسند نہ فرماتے تھے، وہ آج کے دہشت گردوں کی طرح دہشت گردوں کے خون کی ندی بہانا نہ چاہتے تھے، بلکہ وہ نہایت تدبر اور تدبیر کے ساتھ اس شر کو ختم کرنا چاہتے تھے، اس سے پہلے بھی مدینہ منورہ سے یہودیوں کو نکالا گیا، وہ بھی اس طرح کہ انہیں اپنا ساز و سامان اپنے ساتھ لے جانے کی پوری پوری اجازت تھی اور خیبر میں بھی ان کے ساتھ نہایت نرم رویہ اختیار کیا گیا، جب کئی ہفتہ کے محاصرہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خیبر فتح کیا تو سیکڑوں یہودیوں میں سے صرف ترانوے ہلاک ہوئے جب کہ پندرہ مسلمان بھی شہید ہوئے، یہودیوں کے مال و منال میں سے سونا اور ہتھیار تو مسلمانوں کے سپرد کیے گئے جب کہ اونٹوں پر لدا ہوا تمام سامان انہی کی ملکیت رہا، یہ بھی آقا ﷺ کی طرف سے یہودیوں کے لئے خصوصی رعایت تھی، جب کہ بطور مال غنیمت، سب کچھ مسلمانوں کا ہی حق بنتا تھا۔

جنگ موتہ، قیصر روم کی دہشت گردی کے سبب وقوع پذیر ہوئی، یہ روم کا بادشاہ تھا، اپنے آپ کو سپر پاور سمجھتا تھا، جب کہ دہشت گرد دہشت گرد ہی رہتا ہے سپر پاور کبھی نہیں بن سکتا، مبلغ اعظم ﷺ نے اس کو گرامی نامہ ارسال فرمایا، اس بدبخت نے آپ کے مکتوب گرامی کی توہین کی اور قاصد کو رسیوں سے باندھ کر نہایت بیدردی سے قتل کر دیا، بین الاقوامی اصول کے برعکس یہ نہایت بدترین دہشت گردی کا واقعہ تھا، کیونکہ اس دور میں بھی قاصدوں کو پورا پورا تحفظ دیا جاتا اور ان کا احترام کیا جاتا تھا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس واقعہ پر دلی صدمہ ہوا، آپ نے تین ہزار مجاہدین کا ایک لشکر قیصر اور اس کے ساتھی دہشت گردوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا، جس کا مقابلہ قیصر کے دو لاکھ فوجیوں سے ہوا، جنگی ساز و سامان سے لیس دو لاکھ افراد سے تین ہزار کا مقابلہ کوئی آسان کام نہ تھا نتیجتاً مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی، جب کہ حقیقت میں یہ بھی لشکر اسلام کی فتح تھی، کہ اتنے بڑے لشکر کا مقابلہ کرتے ہوئے صرف بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

معرکہ فتح مکہ

آپ جانتے ہیں کہ قریش نے اللہ کے گھر کو اس وقت سے بدامنی اور دہشت گردی کا مرکز بنا رکھا تھا، جب اللہ کے رسول ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا، جب تک آپ یہاں قیام پذیر رہے، آپ کے خلاف سازشیں ہوتی رہیں، آئے دن لڑائی جھگڑے عام رہے، ہجرت کے بعد، مکہ مکرمہ، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کی فیکٹری بنا رہا، صرف دارالندوہ ہی نہیں، مکہ کے گلی کوچوں اور ہر گھر میں، مسلمانوں سے جنگ کی تیاری ہو رہی تھی، تیروں، تلواروں اور دوسرے اسلحہ کی بھرمار تھی، جنگی فنڈ قائم کر دیا گیا تھا، تجارت سے حاصل شدہ منافع بطور ٹیکس اس فنڈ میں جمع ہوتا تھا مکہ کے مرد، عورت حتیٰ کہ بچوں پر بھی صرف جنگ کا بھوت سوار رہتا تھا، جس نے ان سب کو بھوت ہی بنا دیا تھا، جب کہ مکہ، سیدالانبیاء ﷺ کا مولد ہونے کے ناطے نہایت ہی مقدس و محترم ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہجرت کے بعد سات سال انتظار فرمایا جو کہ بلاشبہ ایک طویل مدت تھی، آپ چاہتے تھے کہ اللہ کا گھر، دارالامان بنے، دارالسکون اور دارالامن بنے، کہ جہاں جانور تک امن سے رہتے ہیں، وہاں انسانوں کو بھی امن و سکون میسر آنا چاہیے، اللہ کے گھر میں صرف ایک اللہ ہی کی عبادت ہونا چاہیے، اللہ کے گھر میں صرف اللہ کے پسندیدہ دین اسلام ہی کا نور چمکنا چاہیے، کفر و شرک کی تاریکی چھٹنا چاہیے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، کہ وہ وقت آیا، مکہ فتح ہوا، اللہ کے گھر پر علم اسلام لہرایا اذان کی صدا گونجی، تین سو ساٹھ بت چورا چورا ہوئے اور صرف اور صرف ایک ہی اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت ہونے لگی، دہشت گردی کی جگہ امن و امان نے لی، برائیوں کی جگہ، نیکیوں نے لے لی، بدنظمی اور بدانتظامی کا خاتمہ ہوا، پورا معاشرہ اللہ کی رسی میں بندھ گیا، احکام قرآن نافذ ہو گئے، نظام مصطفیٰ ﷺ کا دور آ گیا، حق آ گیا، باطل مٹ گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ روانگی کے لئے بارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر اسلام تیار کیا، جسے اہم ترین ہدایت یہ کی گئی تھی کہ کسی کی تلوار نیام سے باہر نہ نکلنے پائے، اگر یہ کہا جائے کہ اس وقت مسلمان ہی سپر پاور تھے تو بے جا نہ ہوگا، اس کے باوجود یہ ہدایت کہ تلواریں نیام میں رہیں، امن پسندی کا واضح ثبوت ہے، یہ ہدایت اسی لئے دی گئی تھی کہ اس لشکر کو قاتل نہ کہا جائے اور مسلمانوں پر دہشت گردی کا الزام نہ لگایا جا سکے، نیز یہ بتانا مقصود تھا کہ مسلمان یقیناً دہشت گردی کا خاتمہ کرنا چاہتے

ہیں امن وامان قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن قتل عام کے ذریعہ نہیں، خون کی ندیاں بہا کر نہیں، بلکہ وہ یہ مقدس مقصد، دہشت گردوں کی اصلاح کے ذریعہ انہیں پیغام حق وصداقت دے کر حاصل کرنا چاہتے ہیں، مسلمان، دہشت گردوں کو اخلاق عالیہ کی تعلیم اوران کی بہترین تربیت کر کے معاشرہ کا بہترین حصہ بنانا چاہتے ہیں، کہ یہی ایک قائد کی ایک مصلح کی ذمہ داری ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مکہ میں ایک فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے، تو آپ نے مزید ہدایات امن جاری فرمائیں، اعلان کیا گیا بوڑھوں، عورتوں، بچوں اور بیماروں پر تلوار نہ اٹھائی جائے، جو اپنا دروازہ بند کر لے اس کا تعاقب نہ کیا جائے، جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ گزین ہو جائے اسے پناہ دی جائے، صرف مقابلہ اس کا کیا جائے جو مقابلہ کے لئے سامنے آئے۔

اللہ اکبر! تکلیفیں پہنچانے والوں، اذیتیں دینے والوں کے ساتھ یہ حسن سلوک ان پر ایسی رحمت کی برکھا، ایسی نرمی اور رعایت کوئی بادشاہ نہیں دے سکتا، صرف رحمت والے آقا ہی کے در سے یہ رحمت میسر آسکتی ہے، کہ اس سوتے سے فیض کا چشمہ جاری ہوتا ہے اسی در سے بھکاریوں کی جھولیاں بھرتی ہیں یہیں سے خیرات ملتی ہے۔

فصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی اله وصحبه اجمعین

عام معافی کا اعلان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، دنیا نے وہ وقت بھی دیکھا، جب فاتح مکہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بلا روک ٹوک، عجز وانکساری کے ساتھ اپنے رب کی تسبیح وتحمید وتہلیل کہتے اللہ کے گھر میں داخل ہوئے، بتوں کو چکنا چور کیا گیا، حضرت بلال کو حکم اذاں ہوا، پھر ان سے مخاطب ہوئے، جنہوں نے اللہ کے گھر کے نور کو ہجرت کرنے پر مجبور کیا تھا، جنہوں نے جی بھر کر انہیں ستایا تھا، جو خون کے پیاسے تھے، جنہوں نے مولد النبی کو دہشت گردی کا گڑھ بنا رکھا تھا، ان میں ابوسفیان بھی تھے جنہوں نے کلمہ پڑھ لیا تھا لیکن اب تک یہ ایمان پر مطمئن نہ ہوئے تھے، ان میں صفوان بن امیہ، کعب بن زہیر، عکرمہ بن ابی جہل، غرضیکہ قریش کے رؤساء وسردار، مکہ کے عوام وخواص سب ہی حاضر تھے، ندامت وشرمندگی سے ان کے سر نہ اٹھ پا رہے تھے، ان کے دل لرز رہے تھے کہ انہیں اپنے مقدر کے فیصلہ کا انتظار تھا "تمہیں مجھ

سے کیا امید ہے، بتاؤ، میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں" "اَخٌ کَرِیْمٌ وَ ابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ" "آپ کرم والے بھائی اور کرم والے باپ کے بیٹے ہیں" جواب سن کر رحم و کرم کی برکھا برسنے لگی، اعلان ہوا: لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اِذْهَبُوْا اَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ" آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔

مزید برآں، مکہ کے ہزاروں دشمنوں میں صرف پانچ یا آٹھ بدترین مجرم ایسے تھے جن کے لئے موت کی سزا کا اعلان کیا گیا اور حکم دیا گیا کہ ان میں سے جو بھی جہاں نظر آئے اسے قتل کر دیا جائے، جن میں ابوجہل کا بیٹا عکرمہ اور امیہ بن خلف کا بیٹا صفوان بھی شامل تھے، لیکن جب ان کے اعزاء واقارب مشرف باسلام ہوئے تو ان کی سفارش پر آقائے رحمت ﷺ نے ان مجرموں کی معافی کا بھی اعلان فرما دیا، صرف ابن خطل اور اس کی لونڈی قریبہ کو قتل کیا گیا جو محبوب عالم ممدوح عالم ﷺ کی ہجو کیا کرتی تھی، حتیٰ کہ ہند کو بھی معاف کر دیا گیا، جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ساری زندگی ستاتی رہی، اور بالآخر اسی نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرایا، ان کا کلیجہ چبایا، انہیں مثلہ کیا لیکن جب وہ بھی آپ کے دامن رحمت میں پناہ لینے حاضر ہوئی اور دور سے ہی بآواز بلند کلمہ شہادت پڑھ کر، اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کیا تو میرے آقا نے اسے پناہ دی اور اس کا اسلام قبول فرمایا۔

للہ، بتایئے کیا کوئی شہنشاہ و بادشاہ، حاکم یا سپر پاور ہونے کا دعویدار اس سخاوت کا مظاہرہ کر سکتا ہے، اس طرح کھلے دل سے اپنے اور اپنی قوم کے جانی دشمنوں کو معاف کر سکتا ہے، کیا کوئی فاتح ہے جس نے کبھی بھی اپنے چہیتوں اور پیاروں کے قاتلوں کو اس طرح معاف کیا ہو، کیا کوئی ایسا مظلوم دکھایا جا سکتا ہے، جس نے ظالموں اور دہشت گردوں کو اس طرح آزاد کیا ہو، نہیں ہرگز نہیں، نہ کوئی ایسا ہو سکتا ہے اور نہ ہی ہوگا، کہ یہ انسان کے بس کی بات ہی نہیں، کس کے پاس اتنا بڑا کلیجہ ہے، کہ وہ دہشت گردوں کو معاف کر دے، ان کی دہشت گردی کو فراموش کر دے، کبھی ایسا نہ ہوا نہ ہی ہوگا، یہ صرف اسی نے کیا، جو تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے، جس کا دریائے رحمت سب کو سیراب کرتا ہے، چاہے وہ اپنا ہو یا غیر، دوست ہو یا دشمن، مسلم ہو یا غیر مسلم، **فالصلوٰۃ والسلام علیک یا نبی الرحمۃ محمد** ﷺ۔

آج دہشت گرد دندناتے پھر رہے ہیں کھلے عام لوٹ مار ہو رہی ہے بے گناہوں کا قتل عام ہو رہا ہے، لوگ خوف و ہراس میں مبتلا ہیں، لیکن کوئی پرسان حال نہیں دہشت گردوں کے تعاقب کا دعویٰ تو سنا

جاتا ہے لیکن دہشت گردی کو دہشت گردی ہی سے ختم کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، ظلم کو ظلم سے دبایا جارہا ہے جب کہ یہ ناکام اور بالکل ناکام فارمولا ہے، اس سے تو دن بدن دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے، ظلم وستم کی آگ مزید بھڑک رہی ہے، کہ ہم جنس، ہم جنس ہی کو جنم دیتا ہے، دہشت گردی سے دہشت گرد پیدا ہورہے ہیں اور ظلم سے ظالم ہی پیدا ہورہے ہیں۔

دوستو! حقیقت یہ ہے کہ نہ تو دہشت گردوں کا خاتمہ مقصود ہے اور نہ ہی ظالموں سے نجات دلانا، یہ صرف انتقامی کارروائیاں کی جارہی ہیں، ذاتی انا کی تسکین کے لئے یہ سب کچھ ہورہا ہے، ذاتی اغراض کا حصول مقصود ہے، اس کے سوا کچھ نہیں، فریب ہے دھوکہ ہے، اپنی جھوٹی قوت کا مظاہرہ ہے، بس اور بس۔

جب کہ دہشت گردی، انتہا پسندی اور ظلم واستبداد کے خاتمہ کا اصل طریقہ وہی ہے جو معلم کامل ﷺ نے تعلیم فرمایا اور جس پر آپ نے خود عمل کر کے دکھایا، معافی، دہشت گردوں، ظالم اور انتہا پسندوں کا قتل عام نہیں بلکہ انہیں معاف کر دینا، پھر ان کے ساتھ حسن سلوک اختیار کرنا، ان کے مسائل معلوم کرنا، ان کو حل کرنا، ان کے مطالبات معلوم کرنا اور حتی الوسع انہیں پورا کرنا، انہیں لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، کا مژدہ سنانا، لیکن یہ طریقہ وہی اختیار کرسکتا ہے، جس کا دل بڑا ہو، وہ اپنی قوم اور ملک کے ساتھ خلوص رکھتا ہو اور واقعی قوم کو دہشت گردی، انتہا پسندی اور ظلم سے نجات دلانا چاہتا ہو، سکون و اطمینان کی زندگی مہیا کرنا چاہتا ہو، ملک کو امن وامان گہوارہ بنانا چاہتا ہو، نیز مذہبی جذبات کو بیدار کرنا، عوام کو اسوۂ حسنہ پر عمل کی ترغیب دینا چاہتا ہو کہ مذہب ہی کی پابندی، انسان میں صبر کی قوت پیدا کرتی ہے، تحمل پیدا کرتی ہے، باہمی ہمدردی اور تعاون کا جذبہ بیدار کرتی ہے، اس سے انسان، باوقار، بارعب اور باعزت ہوتا ہے، لیکن دینی جذبہ پیدا کرنے کے لئے ضروری ہوگا، کہ دینی تعلیم کو عام کیا جائے، دینی مدارس قائم کیے جائیں، معلمین دین وشریعت کو اہمیت دی جائے، انہیں اعلیٰ مناصب پر فائز کیا جائے، خدمت دین میں ان کا ممکنہ تعاون کیا جائے۔

دوبارہ طائف

آقائے رحمت ﷺ فتح مکہ کے بعد شہر کے انتظامی امور سے فارغ ہو کر دوبارہ طائف تشریف لے گئے جہاں بنو ثقیف اور بنو ہوازن دو بڑے قبیلے آباد تھے جو اپنے دور کے بدترین دہشت گرد، ظالم

اور انتہا پسند لوگ تھے، ان کے پاس دولت وثروت کی کمی نہ تھی جس پر انہیں ناز تھا، جب پہلی مرتبہ میرے آقا ﷺ ان کے پاس پیغام حق لے کر تشریف فرما ہوئے تو ان ظالموں نے دہشت گردی کی انتہا کر دی، آپ پر پتھراؤ کیا، طرح طرح سے ستایا اور پریشان کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ طائف کا دن میرے لئے احد کے دن سے بہت زیادہ دشوار گزار تھا۔

مکہ فتح ہو جانے، قریش اور دیگر قبائل عرب کے مشرف باسلام ہو جانے کے بعد بھی یہ لوگ اسلام قبول کرنے پر آمادہ نہ تھے، بلکہ مسلمانوں پر حملہ کرنے اور مزید دہشت گردی کے خواب دیکھ رہے تھے اور منصوبے بنا رہے تھے، قبل اس کے کہ یہ قبیلے اپنے منصوبوں کی تکمیل کے لئے کوئی خطرناک اقدام کرتے، ضروری ہوا کہ ان کو دعوت اسلام دی جائے، ورنہ ان کی سرکوبی کی جائے، تا کہ یہ کبھی کسی دہشت گردی کے لائق نہ رہیں، پس اللہ کے رسول ﷺ نے ان کے مقابلہ کا عزم فرمایا، اور بارہ ہزار مجاہدین پر مشتمل لشکر جرار لے کر آپ نے طائف کا رخ کیا، چونکہ آپ کا مقصد، حسب سابق اب بھی دہشت گردوں کا قتل عام اور ان پر ظلم نہ تھا لہٰذا آپ نے انہیں پیغام حق سنایا اور مسلمان ہونے کی دعوت دی، لیکن دہشت گرد امن واماں کا پیغام مشکل ہی سے قبول کرتے ہیں یہی حال بنو ہوازن اور بنو ثقیف کا بھی تھا، جب وہ آمادہ بر جنگ ہوئے اور انہوں نے لشکر اسلام پر پتھر اور تیر برسانے شروع کر دیئے تو پوری قوت سے ان کا مقابلہ کیا گیا، چند مارے بھی گئے لیکن اکثر طائف کے قلعوں میں محصور ہو گئے، محاصرے کا دورانیہ کافی طول پکڑ گیا، پس اللہ کے رسول ﷺ نے محاصرہ ختم کرنے اور مدینہ منورہ جانے کا فیصلہ فرمایا، روانگی کے وقت بعض صحابہ عرض گزار ہوئے، یا رسول اللہ! ان بدبختوں کے لئے بددعا فرمایئے، کہ ہم ان پر غلبہ حاصل نہ کر سکے تو اللہ انہیں تہس نہس کر دے، مستجاب الدعوات ﷺ نے دعا فرمائی، غور کیجئے کیا دعا کی گئی "اَللّٰھُمَّ اھْدِ ثَقِیْفًا وَاْتِ بِھِمْ" یا اللہ! ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں میرے پاس پہنچا دے، ایسا ہی ہوا کہ چند ہفتوں بعد ہی بنو ثقیف کا وفد بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہو گیا۔

بنو ثقیف کے لئے کی گئی دعا پر نہ تو صحابہ کرام کو کوئی حیرت ہوئی اور نہ ہی اہل ایمان حیرت زدہ ہیں، کہ پیکر رحمت سے باران رحمت کے سوا کسی چیز کی توقع نہیں کی جا سکتی، ہاں دہشت گرد، حیرت کرتے ہیں کہ انہیں یقین نہیں آتا کہ دہشت گردی کو رحم وکرم کے ذریعہ بھی ختم کیا جا سکتا ہے، کہ انہوں

نے تو ظالموں پر ظلم کرتے اور انہیں مزید ظالم بناتے ہی دیکھا ہے، لیکن کاش دہشت گردی کے خاتمہ کے دعویدار، اس حقیقت کو تسلیم کریں، کہ دہشت گردوں کی پیداوار تو ہوتی ہی ظلم وستم سے ہے تو ان پر ظلم کر کے انہیں ختم کرنا ممکن نہیں، اگر واقعی انہیں ختم کرنا ہے، تو معلم کامل ﷺ کی تعلیمات کو اپنانا پڑے گا، کہ ظلم کے خاتمہ کے لئے رحم وکرم کو اختیار کرو، محبت والفت کا رویہ اپناؤ، عدل وانصاف کی راہ اختیار کرو، کامیاب وکامران رہو گے۔

اختصار کے پیش نظر اب ہم کچھ آگے بڑھ کر ہادیٔ انسانیت ﷺ کے خطبہ حجۃ الوداع میں دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنے اس خطبہ میں کس اہتمام کے ساتھ دہشت گردی کو ختم کرنے کی تعلیم دی اور ایسے اصول زندگی عطا فرمائے کہ اگر دنیا آج بھی ان کو اپنا لے تو دہشت گردی کے کیڑے خود بخود ختم ہو سکتے ہیں، یہاں ہم پورا خطبہ تو نقل نہیں کر سکتے، عنوان سے متعلق چند اقتباسات ملاحظہ ہوں، آپ نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ! أَلَا إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ وَإِنَّ أَبَاكُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ وَلَا لِأَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ وَلَا لِأَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ إِلَّا بِالتَّقْوٰى

''اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ ایک ہے، بغور سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر نہ کسی سرخ کو کسی کالے پر اور نہ ہی کسی کالے کو بھی سرخ پر کوئی برتری حاصل ہے، صرف تقویٰ ہی بنیاد فضیلت ہے''۔

عصبیت، دہشت گردی کا باعث ہوتی ہے، پس آقا ﷺ نے رنگ ونسل اور زبان پر تعصب کو مسترد فرمایا اور معیار فضیلت دین کی پابندی کو قرار دیا۔

معلم کامل ﷺ نے فرمایا، بے شک تمہاری جانیں اور تمہارے اموال تمہارے لئے عزت اور حرمت والے ہیں، یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو، یہ اس طرح ہے جس طرح تمہارا آج کا یہ دن (یوم عرفہ) حرمت والا ہے، جس طرح تمہارا یہ مہینہ (ذی الحجہ) حرمت والا ہے، اور جس طرح تمہارا یہ شہر (مکہ مکرمہ) حرمت والا ہے۔

دہشت گردی کا رجحان اس وقت پیدا ہوتا ہے جب لوگوں میں ایک دوسرے کی عزت واحترام کا احساس نہ رہے پس میرے آقا ﷺ عزت واحترام انسانیت کی ہدایت فرما رہے ہیں۔

معلم کامل ﷺ نے فرمایا، بے شک تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کے متعلق پوچھے گا، سنو! اللہ کا پیغام میں نے پہنچا دیا، جس شخص کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو اس پر لازم ہے کہ وہ اس امانت کو اس کے مالک تک پہنچا دے۔ سارا سود معاف ہے، بس تمہارے لئے اصل دولت ہے، نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر ظلم کرے۔

امانت میں خیانت کرنے والے اور سود خور ہی سب سے بڑے دہشت گرد ہوتے ہیں لہٰذا بد دیانتی اور سود خوری کی ممانعت کی جا رہی ہے، کہ یہی تو ظلم ہے اور اللہ ورسول کو یہ پسند نہیں کہ کوئی کسی پر ظلم کرے۔

معلم کامل ﷺ نے فرمایا، اے لوگو! میری بات غور سے سنو اور اس کو سمجھو، خوب جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور سارے مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ وہ دوسرے کی کوئی چیز اس کی رضامندی کے بغیر لے، پس تم اپنے اوپر ظلم نہ کرنا۔

غصب ظلم ہے غاصب معاشرے میں بدامنی پیدا کرتا ہے ڈاکوؤں اور لٹیروں سے لوگوں کو صرف اپنے مال دولت ہی کا خطرہ نہیں ہوتا بلکہ عزت و آبرو جان و مال، سب ہی ہر وقت داؤ پر لگا رہتا ہے، لوگ خوفزدہ رہتے ہیں، وہ نہ رات کو آرام کی نیند سو پاتے ہیں اور نہ دن میں بے خوف وخطر اپنی معاشی ذمہ داریاں پوری کر پاتے ہیں، اے مسلمانو! تم لوگوں کو خوف ودہراس میں مبتلا نہ کرو بلکہ انہیں پر امن اور پرسکون زندگی مہیا کرنے کی کوشش کرو، کہ یہ ایک بڑی نیکی ہے۔

معلم کامل ﷺ نے فرمایا، اِعْلَمُوْا، اَنَّ الْقُلُوْبَ لَا تَغُلُّ عَلٰی ثَلٰثٍ، اور جان لو کہ دل تین باتوں سے حسد وکینہ میں مبتلا نہیں ہوتے، اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ عَزَّوَ جَلَّ، کسی عمل کو صرف اللہ عزو جل کے لئے کرنا، مُنَاصَحَةُ اُولِی الْاَمْرِ، حکام کو نصیحت کرتے رہنا، لُزُوْمَ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِیْنَ، مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنا۔

- حسد وکینہ بھی دہشت گردی کا سبب بنتا ہے، پس اگر دہشت گردی کے موذی مرض سے بچنا ہے تو حسد وکینہ سے بچنے کے لئے معلم کامل ﷺ کے ارشاد کے مطابق مذکورہ بالا تین خوبیاں اپنانا ہوں گی۔

خوش قسمتی

مسلمانوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ ان کے نبی ﷺ نے انہیں تعلیم وتربیت کے ایسے زیور سے

آراستہ و پیراستہ کیا ہے، جو کسی قوم کو میسر نہیں، انہیں اپنے آقا ﷺ کی عطا کردہ اس دولت پر ناز کرنا اور اسے استعمال کرنا چاہیے، بایں صورت کہ وہ معلم کامل ﷺ کی تعلیم پر عمل پیرا ہوں، ان کی تربیت کو اپنائیں تاکہ کسی کی ہمت نہ ہوسکے کہ انہیں دہشت گردوں کے زمرے میں شامل کرے، لیکن افسوس کہ آج مذہبی تعلیم سے دور اور مذہبی تہذیب و تربیت سے محرومی کے باعث ہم ایسی غلط راہ پر چل پڑے کہ دہشت گردوں کو ہمیں دہشت گرد کہنے کا موقع ملا اور انتہا پسندوں نے ہم پر انتہا پسندی کا الزام لگایا، جب کہ اسلام اور مسلمانوں کا دہشت گردی اور انتہا پسندی سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اللہ ہمیں معلم کامل ﷺ کی سیرت مبارکہ پر غور کرنے اور اسے اپنانے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ

کتابیں جن سے استفادہ کیا گیا

قرآن کریم

صحاح ستہ اور دیگر کتب احادیث کے علاوہ درج ذیل کتب سے استفادہ کیا گیا۔

شفاء شریف

زاد المعاد

خاتم النبیین

السیرۃ النبویہ

سبل الہدیٰ

البدایہ والنہایہ

دلائل النبوۃ

تاریخ الطبری

سیرۃ امام ابن ہشام

مدارج النبوۃ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی

ضیاء النبی

سیرت النبی

رحمۃ للعالمین

قصیدہ بردہ شریف

حدائق بخشش

شاہنامۂ اسلام

دیگر کتب نعت شریف